هدیہ مجیدیہ

ترجمہ

تحفہ اثنا عشریہ

تالیف

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ)

ترجمہ

مولانا عبد المجید خاںؒ

ناشر

میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی

میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی

یہ کتاب، عقیدہ لائبریری
(www.aqeedeh.com)
سے ڈانلوڈ کی گئی ہے۔

فہرست مضامین اجمالی
تحفۂ اثنا عشریہ

باب	مضمون	صفحہ
باب اول	درکیفیت حدوث مذہب تشیع وانشعاب آں بفرق مختلفہ	۵
باب دوم	درمکائد شیعہ وطرق اضلال وحیلہ ہائے تلبیس واغواءمردم رابمذہب خود مائل کردن مشتملبر دو فصل :-	۵۰
	فصل اول : درقواعد کلیّہ اضلال وتلبیس	۵۰
	فصل دوم : درمکائد جزئیہ روافض علی التفصیل مشتمبر یک صدو ہفت کید	۵۲
باب سوم	درذکراحوال اسلاف شیعہ وعلماوکتب ایشان	۱۷۸
باب چہارم	دراقسام اخبارشیعہ واحوال رجالِ اسانید ایشان	۲۱۱
	تتمۃ الباب : در دلائل شیعہ	۲۳۳
باب پنجم	درالٰہیات	۲۵۹
باب ششم	دربحث نبوت وایمان بانبیاءعلیہم الصلوات والسلام	۳۰۶
باب ہفتم	درامامت	۳۴۴
باب ہشتم	درمعاد وبیان مخالفت شیعہ باثقلین درعقائد متعلقہ بہ معاد	۴۸۶
باب نہم	دراحکام فقہیہ کہ شیعہ دران خلاف ثقلین کردہ اند	۵۰۹
باب دہم	درمطاعن خلفائے ثلاثہ ودیگر صحابہ کرام وام المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ	۵۴۴
	مطاعن ابوبکر رضی اللہ عنہ وآن پانزدہ طعن ست	۵۴۵
	مطاعن عمر رضی اللہ عنہ وآن یازدہ طعن ست	۵۸۹
	مطاعن عثمان رضی اللہ عنہ وآن دہ طعن ست	۶۳۳
	مطاعن ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا وآن دہ طعن ست	۶۸۲
	مطاعن اصحاب کرامؓ عموماً بے تخصیص نیز دہ طعن ست	۶۹۷
	درخواص مذاہب شیعہ واین مشتمل برسہ فصل ست	۷۲۰
باب یازدہم	فصل اول : دراوہام شیعہ	۷۲۱
	فصل دوم : درتعصبات شیعہ	۷۳۰
	فصل سوم : درہفوات شیعہ	۷۴۵
باب دوازدہم	درتولا وتبرا ، مشتمل برمقدمات عشرہ و	۷۹۵
	تتمۃ الکتاب	۸۲۵

فہرست مضامین تفصیلی۔ تحفۂ اثنا عشریہ اردو

دیباچۂ مترجم : ۱
ترجمۂ دیباچۂ مصنف : ۲

باب اول : کیفیت حدوثِ مذہب تشیع میں ، اور شاخ شاخ ہونا اس کا مختلف فرقوں پر ۵

اصول وارکان میں تبدیلی مذہب شیعہ کا خاصہ رہا ہے : ۵
عہد خلفائے ثلٰثہ کی برکات : ۵
آخر عہد خلیفۂ سوم میں فتنہ انگیزوں کا ظہور : ۵
عبداللہ ابن سبا کی تخریبی کارروائیاں اور سازشیں : ۶
لشکرِ مرتضوی کا چار گروہ میں متفرق ہونا : ۷
(۱) فرقۂ شیعہ اولیٰ یا شیعۂ مخلصین : ۷
(۲) فرقۂ تفضیلیہ : ۸
(۳) فرقۂ شیعۂ سبّیہ (تبرائیہ) : ۸
(۴) فرقۂ شیعۂ غلات : ۸
اصل اصول شیعوں کے تین فرقے ہیں : ۸
غلات تھوڑے اور سبّیہ بہت ہونے کے اسباب : ۸
تفضیلیوں کی قلت اور ذلت کی وجہ : ۱۰
شیعۂ اولیٰ سے مراد مہاجرین وانصار ہیں ، ان کی خصوصیات : ۱۱
فرقۂ کیسانیہ کی ابتداء اور تاریخ : ۱۱
فرقۂ کیسانیہ میں افتراق اور پھوٹ : ۱۳
شیعہ مذہب میں تیسرا انقلاب : ۱۳
شیعۂ خالص اور روافض کا ظہور : ۱۴
امامیہ کا ظہور اور تعیین امامت میں اختلاف : ۱۴
زیدیہ ، ہشامیہ ، سالمیہ ، شیطانیہ اور میثمیہ زراریہ کا ظہور : ۱۴

شیعہ مذہب میں چوتھا انقلاب : ۱۴
اسماعیلیوں میں اختلاف : ۱۴
فرقۂ مبارکیہ یا قرمطیہ کا ظہور : ۱۵
فرقۂ باطنیہ کا ظہور اور اس کی تعلیمات و پرچار : ۱۶
فرقۂ مہدویہ کا ظہور مغرب میں : ۱۷
مہدویہ میں پھوٹ اور اختلاف کا سبب : ۱۷
فرقۂ برقعیہ کا ظہور : ۱۷
اسماعیلیہ سے مقنع کا ظہور : ۱۷
باطنیہ سے فرقۂ جنابیہ کا ظہور : ۱۸
قرامطہ کا ظہور اور ان کی کعبہ کے حاجیوں پر تاخت و تاراج : ۱۸
فرقۂ شمطیہ کا ظہور : ۱۸
فرقۂ باطنیہ کی شاخیں : ۱۹
فرقۂ باطنیہ کے بانی مبانی : ۱۹
تشیع پیدا ہونے کے عوامل : ۱۹
مذہب تشیع کے پانچ بڑے فرقے : ۱۹
شیعۂ اولیٰ کے دو فرقے : ۱۹
(۱) فرقۂ مخلصین : ۱۹
(۲) فرقۂ تفضیلیہ : ۲۰
شیعۂ اولیٰ اور تفضیلیہ نے اپنا نام سنیہ اور اہلسنت وجماعت کیوں رکھا : ۲۰
کفر کا اطلاق سب شیعہ فرقوں پر نہیں ہوتا : ۲۱

غلاۃ شیعہ کے چوبیس (۲۴) فرقوں کی تفصیل : ۲۱

پہلا فرقہ سبائیہ : ۲۱
دوسرا فرقہ مفضلیہ : ۲۱
تیسرا فرقہ سرغیہ : ۲۱
چوتھا فرقہ بزیعیہ : ۲۲
پانچواں فرقہ کاملیہ : ۲۲
چھٹا فرقہ مغیریہ : ۲۲
ساتواں فرقہ جناحیہ : ۲۲

آٹھواں فرقہ بیانیہ : ۲۲
نواں فرقہ منصوریہ : ۲۲
دسواں فرقہ غمامیہ : ۲۳
گیارہواں فرقہ امویہ (امامیہ) : ۲۳
بارھواں فرقہ تفویضیہ : ۲۳
تیرھواں فرقہ خطابیہ : ۲۳
چودھواں فرقہ معمریہ : ۲۳
پندرھواں فرقہ غرابیہ : ۲۳
سولھواں فرقہ ذبابیہ : ۲۳
سترھواں فرقہ ذمیہ : ۲۴
اٹھارھواں فرقہ اثنینیہ : ۲۴
انیسواں فرقہ خمسیہ : ۲۴
بیسواں فرقہ نصیریہ : ۲۴
اکیسواں فرقہ اسحاقیہ : ۲۴
بائیسواں فرقہ علبائیہ : ۲۴
تیئیسواں فرقہ زرامیہ : ۲۵
چوبیسواں فرقہ مقنعیہ : ۲۵

کیسانیہ کے چھ فرقے : ۲۵

کربیہ : ۲۵
اسحاقیہ : ۲۵
حربیہ (کندیہ) : ۲۶
عباسیہ : ۲۶
طیاریہ : ۲۶
مختاریہ یا کیسانیہ : ۲۶

زیدیہ کے نو (۹) فرقوں کی تفصیل : ۲۶

اول فرقہ زیدیہ : ۲۶
دوسرا فرقہ جارودیہ : ۲۶

تیسرا[۳] فرقہ جریریہ : ۲۷

چوتھا[۴] فرقہ تبریہ : ۲۷

پانچواں[۵] فرقہ نعیمیہ : ۲۷

چھٹا[۶] فرقہ دکینیہ : ۲۷

ساتواں[۷] فرقہ خشبیہ : ۲۷

آٹھواں[۸] فرقہ یعقوبیہ : ۲۷

نواں[۹] فرقہ صالحیہ : ۲۷

امامیہ کے اُنتالیس[۳۹] فرقے : ۲۸

حسنیہ[۱] : ۲۸

نفسیہ[۲] : ۲۸

حکمیہ[۳] (ہشامیہ) : ۲۸

سالمیہ[۴] (جوالیقیہ) : ۲۸

شیطانیہ[۵] (نعمانیہ) : ۲۸

زراریہ[۶] : ۲۸

یونسیہ[۷] : ۲۹

بدائیہ[۸] : ۲۹

مفوضہ[۹] : ۲۹

باقریہ[۱۰] : ۲۹

حاضریہ[۱۱] : ۲۹

ناووسیہ[۱۲] : ۲۹

عماریہ[۱۳] : ۲۹

مبارکیہ[۱۴] : ۲۹

باطنیہ[۱۵] : ۲۹

قرمطیہ[۱۶] (قرامطہ) : ۳۰

شمیطیہ[۱۷] : ۳۰

میمونیہ[۱۸] : ۳۰

خلفیہ[۱۹] : ۳۰

برقعیہ[۲۰] : ۳۰

جنابیہ[۲۱] : ۳۰

سبعیہ[۲۲] : ۳۰

مہدویہ[۲۳] : ۳۱

مستعلیہ[۲۴] : ۳۱

نزاریہ[۲۵] : ۳۱

افطحیہ[۲۶] (عماریہ) : ۳۳

اسحاقیہ[۲۷] : ۳۳

قطعیہ[۲۸] : ۳۳

موسویہ[۲۹] : ۳۳

ممطوریہ[۳۰] : ۳۳

رجعیہ[۳۱] : ۳۴

احمدیہ[۳۲] : ۳۴

اثناعشریہ[۳۳] : ۳۴

جعفریہ[۳۴] : ۳۴

چند اہم فوائد : ۳۴

فائدہ اوّل : مختلف فرقہائے شیعہ کے ظہور کی ترتیب وسنین : ۳۴

شیعۂ مخلصین کا ذکر : ۳۴

شیعۂ تفضیلیہ کا ظہور : ۳۴

شیعۂ سبیہ کا ظہور اور ان کے فرقے : ۳۵

مہدویہ کے عقائد : ۳۵

فائدۂ دوم : شیعوں کا ترقئ دین اور کوششِ ریاست میں پھرنا : ۳۶

مختلف شیعہ فرقوں کی آبادیاں اور علاقے : ۳۷

فرقہ مہدویہ کی تاریخ : ۳۹

ہندوستان کا فرقہ مہدویہ : ۳۹

اثناعشریہ کے حالات : ۳۹

فائدۂ سوم : ان امور کی تفصیل جن سے شیعہ غیر ملت والوں کو اپنے مذہب کی طرف ترغیب دیتے ہیں : ۴۲

شیعہ فرقہ کے اوّل دُعاۃ : ۴۳

عبداللہ بن سبا کی سرگرمیاں : ۴۳

کیسان اور مختار کی جدوجہد : ۴۴
مذہب زیدیہ کے دعاۃ کی سرگرمیاں : ۴۶
مذہب تشیع میں اختلاف وافتراق کی وجوہات : ۴۷
ناووسیہ اور اسماعیلیہ میں اختلاف کی نوعیت : ۴۷
مہدویہ کے حالات : ۴۸

باب ثانی : مکائدِ شیعہ میں، مع جوابات ہر ایک کے : ۵۰

فصل اول : قواعد کلیۂ مکائدِ شیعہ میں : ۵۰

شیعوں کے نزدیک مراتب دعوت سات ہیں : ۵۰

فصل دوم : مکائد جزئیہ میں، اسمیں ایک سو سات کید ہیں : ۵۲

مکائدِ شیعہ کی تین قسمیں : ۵۲
از روئے مکائد و مطاعن اشد فرقہ امامیہ ہے : ۵۲
کید اول : اہل سنّت خدا کو تارک الواجب جانتے ہیں : ۵۳
کید دوم : اہل سنّت خدا سے برائیوں کا صدور تجویز کرتے ہیں : ۵۴
کید سوم : اہل سنّت خدا سے ظلم تجویز کرتے ہیں : ۵۶
کید چہارم : اہل سنّت انبیاء کو معصوم نہیں جانتے : ۵۸
کید پنجم : اہل سنّت رسول خدا پر سہو تجویز کرتے ہیں : ۵۹
کید ششم : اہل سنّت پیغمبر سے کلمات کفر تجویز کرتے ہیں : ۵۹
کید ہفتم : پانچ، چھ کے سوا جملہ صحابہ دشمنِ اہلبیت تھے : ۶۰
کید ہشتم : اہل سنت قرآن کی مخالفت کرتے ہیں، وضو میں پیر دھوتے ہیں : ۶۱
کید نہم : اہل سنت حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔ متعہ کو حرام کہتے ہیں : ۶۷
کید دہم : اہل سنت اپنے آپ کو شارع جانتے ہیں یعنی اپنے قیاس کو دلیلِ حکم شرع جانتے ہیں : ۶۸
کید یازدہم : مذہب شیعہ حق ہے کہ شیعہ قلیل ہیں، حق تعالیٰ فرماتا ہے "وقلیل من عبادی الشکور" : ۶۹
کید دوازدہم : علماء شیعہ کتابیں لکھتے ہیں اور بزرگانِ اہل سنت کو ناحق عیب لگاتے ہیں : ۷۱
کید سیزدہم : خلفاء نے قرآن کی تحریف کی ہے : ۷۱

کید چہاردہم : عوام کو فریب دینے کے لیے حُبِّ علی کی جھوٹی حدیثیں نقل کرتے ہیں : ۷۲
کید پانزدہم : تورات سے نقل کرتے ہیں کہ خدا نے بارہ گاؤں خلفاء کے لیے مقرر کئے : ۷۳
کید شانزدہم : علماء شیعہ سُنّی بن کر جھوٹی حدیثیں وضع کر کے سنّیوں کو دھوکا دیتے ہیں : ۷۴
کید ہفدہم : اہل سنت سے صحابہ کی مذمّت میں جھوٹی روایتیں لاتے ہیں : ۷۴
کید ہیژدہم : حدیث مرفوع اپنے مذہب کے موافق وضع کرتے ہیں : ۷۵
کید نوزدہم : اپنے ان رجال کی حدیث سے جو اہلسنت کے رجال کے ہمنام ہوں سنّیوں کو دھوکا دیتے ہیں : ۷۵
کید بستم : کلمات قرآن میں تحریف معنوی کرتے ہیں : ۷۵
کید بست و یکم : مطاعن صحابہ میں کتابیں لکھ کر کبرائے اہل سنّت کے نام لگا دیتے ہیں : ۷۵
کید بست و دوم : مطاعن صحابہ لکھکر اہل سنّت کی نادر کتابوں کا جھوٹ حوالہ دیتے ہیں : ۷۶
کید بست و سوم : اپنے بعض علماء کو کہتے ہیں کہ یہ سنّی متعصب تھا، تحقیق سے شیعہ ہو گیا : ۷۶
کید بست و چہارم : اہل سنّت دشمنِ اہل بیت ہیں : ۷۷
کید بست و پنجم : عمرؓ نے سیّدہ فاطمہؓ کا گھر پھونک دیا : ۷۸
کید بست و ششم : شیعہ حق پر ہیں کہ تابع اہل بیت ہیں : ۷۸
کید بست و ہفتم : ایک حبشن نے بڑے بڑے سُنّیوں کو مناظرے میں بھگا دیا ہے : ۷۹
کید بست و ہشتم : بعض شیعہ کتاب لکھکر کسی عورت سے منسوب کر دیتے ہیں : ۸۰
کید بست و نہم : فلاں ذِمّی دونوں مذہب کی تحقیق کر کے شیعہ ہو گیا : ۸۰
کید سی ام : بعض شیعہ سنّی شافعی بن کر کتاب لکھکر دھوکا دیتے ہیں : ۸۲
کید سی و یکم : بعض شیعہ کتاب لکھکر اہل سنت کے کسی امام سے منسوب کر دیتے ہیں : ۸۲
کید سی و دوم : بعض شیعہ نے اہل سنت کی کتابوں خصوصًا تفسیروں میں اپنے مطلب کی بات درج کر دی ہے : ۸۲
کید سی و سوم : اہل سنت کی کتابوں سے غلط عبارت نقل کرتے ہیں : ۸۳
کید سی و چہارم : فضائل خلفاء میں کتاب لکھکر جناب امیر (علیؓ) کے فضائل میں وہ جھوٹی باتیں لکھتے ہیں جو خلفاء ثلاثہ کے حق میں قادح ہیں ۸۴
کید سی و پنجم : اہل سنت کے خوف سے اپنے مذہب کی بعض پرانی کتابوں کو چھپا ڈالا ہے : ۸۴
کید سی و ششم : بعض شیعہ شعر کہہ کر مشہور کرتے ہیں کہ اہل سنّت نے اپنے بزرگوں کے کلام سے ان اشعار کو نکال ڈالا ہے : ۸۴
کید سی و ہفتم : بعض شیعہ کاہنینِ عرب کے کلام میں اپنے مطلب کے موافق ملا کر مغالطہ دیتے ہیں : ۸۶
کید سی و ہشتم : جناب امیر کی فضیلت میں ایسی جھوٹی حدیثیں بنائی ہیں کہ انسان کو طاعت سے غافل معصیت میں مشغول کرتی ہیں : ۹۰
کید سی و نہم : جناب امیر کی فضیلت متفق علیہ ہے اوروں کی مختلف فیہ۔ متفق علیہ کو لینا چاہیئے نہ کہ مختلف فیہ کو : ۹۰
کید چہلم : اہل سنت کو اپنی نجات میں تردد ہے، شیعہ کو اپنی نجات کا یقین ہے۔ پس مذہب شیعہ حق ہے : ۹۱
کید چہل و یکم : اہل سنت دین میں غیر معصوم کی پیروی کرتے ہیں : ۹۲
کید چہل و دوم : صحابہ کرامؓ نے قرآن کی تحریف کی : ۹۳

کید چہل وسوم : جملہ پیغمبر شیعہ علی ہونے کی خدا سے دعا کرتے ہیں : ۹۴
کید چہل وچہارم : جناب امیر کو جملہ انبیاء سابقین پر فضیلت دیتے ہیں : ۹۵
کید چہل وپنجم : دشنام خلفا افضل ترین عبادت ہے : ۹۵
کید چہل وششم : حق تعالیٰ آں سرور کو وحی بھیجتا رہا کہ مانگ ہم سے، تا تجھے حُبّ علی کی ہدایت کریں : ۹۶
کید چہل وہفتم : بعض شیعہ سنی مکر سنیوں کے مفتی اور مدرس ہوئے اور مرتے وقت کہا مذہب تشیع حق ہے مجھے شیعہ لوگ اٹھائیں : ۹۶
کید چہل وہشتم : اکثر اہل سنت کے مشائخ شیعہ ہوئے ہیں : ۹۷
کید چہل ونہم : فلاں امام نے خواب دیکھا کہ رسول مقبولؐ ایک تبرّا گو شاعر کی مقبولیت فرما رہے ہیں : ۹۷
کید پنجاہم : بعض شیعہ نے سنی متقی بن کر جھوٹی حدیث اپنے مذہب کی موید اہل سنت کی مرویات ثقہ میں ملادی ہے ۱۰۵
کید پنجاہ ویکم : بعض شیعہ نے سنی معتمد مؤرخ بنکر تاریخ میں کتاب لکھکر سیر خلفاء میں اپنے مذہب کی بعض جھوٹی باتیں ملا دی ہیں ۱۰۵
کید پنجاہ ودوم : بعض شیعہ مورخین تواریخ اہل سنت سے نقل کرتے ہیں اور بیچ میں سنی کے ہمنام شیعہ کی تاریخ سے نقل کر دیتے ہیں ۱۰۶
کید پنجاہ وسوم : بعض شیعہ مورخین اپنی تاریخی کتاب میں صحابہ کی جھوٹی مذمتیں بلا سند لکھا کرتے ہیں : ۱۰۶
کید پنجاہ وچہارم : بعض شیعہ اپنی کتب کلامیہ میں حدیث صحاح اہلسنت کی تحریف کرکے مطاعن صحابہ پر حجت قائم کرتے ہیں : ۱۰۶
کید پنجاہ وپنجم : اپنا بنایا ہوا کلام جناب امیرؑ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں : ۱۰۷
کید پنجاہ وششم : اپنی بنائی ہوئی کتاب بعض ائمہ ہدیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں : ۱۰۷
کید پنجاہ وہفتم : جناب امیر کی دعا میں خلفاء پر لعن طعن ہے : ۱۰۸
کید پنجاہ وہشتم : جناب امیر کے فضائل میں اشعار بنا کر کسی یہودی یا نصرانی کیطرف منسوب کر دیتے ہیں : ۱۰۸
کید پنجاہ ونہم : جناب امیر نے کہا کہ رسول خداؐ نے فرمایا "میں ایک درخت ہوں، جڑ اسکی خود ہوں، فاطمہ شاخ تو پھل حسنین پھول شیعہ پتے ہیں" ۱۰۹
کید شصتم : ائمہ سے روایت کرتے ہیں کہ شیعانِ علی سے حساب نہیں ہوگا : ۱۱۰
کید شصت ویکم : شیعانِ علی پر قیامت کے دن انبیاء غبطہ کریں گے : ۱۱۰
کید شصت ودوم : اولوالعزم انبیاء شیعۂ علی ہونے کی تمنا کرتے رہے : ۱۱۰
کید شصت وسوم : حضرت جبرئیلؑ پر جناب امیر کا حق ہے : ۱۱۱
کید شصت وچہارم : جناب امیر نے ملائکہ کو تسبیح وتہلیل تعلیم کی : ۱۱۲
کید شصت وپنجم : اگر علی نہ ہوتے تو انبیاء اور ملائکہ پیدا نہ ہوتے : ۱۱۲
کید شصت وششم : ملائکہ ثواب عذاب جناب امیر کے تابع ہیں، شیعہ کو نجات دیتے ہیں اوروں کو عذاب دیتے ہیں : ۱۱۲
کید شصت وہفتم : اہلسنت کے ہاں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ کا نکاح علی سے کر دیا اور تمام زمین مہر میں دی، اسی میں فدک بھی شامل ہے : ۱۱۴
کید شصت وہشتم : اہلسنت حدیث جسطرح مومن سے لیتے ہیں اسی طرح منافق سے بھی لیتے ہیں : ۱۱۴
کید شصت ونہم : ہولِ قیامت وغیرہ سب غیر شیعہ کو ہوگا، شیعہ کو نہ ہوگا : ۱۱۶
کید ہفتادم : جب تک مقدار بیضہ مرغ کے جناب امیر کا بغض دل میں نہ ہو، تب تک آدمی سنی نہیں ہوتا : ۱۱۶
کید ہفتاد ویکم : قیامت کے دن سنیوں کے سب اعمال ہباءً منثورًا ہو جائیں گے : ۱۱۷

کید ہفتاد ودوم : اہل سنت کے صحاح میں ہے کہ پیغمبر کو نماز میں سہو ہوا ہے : ۱۱۸
کید ہفتاد وسوم : اہل سنت کی حدیث میں ہے کہ لیلۃ التعریس میں آنحضرتؐ کی نماز قضا ہو گئی :
کید ہفتاد وچہارم : اہل سنت خارجیوں اور حروریوں سے حدیث لیتے ہیں : ۱۱۹
کید ہفتاد وپنجم : اہل سنت مہرۂ خاک پر سجدہ نہیں کرتے جیسا کہ شیطان نے خاک کو سجدہ
کید ہفتاد وششم : جس نے شیعہ سے مباہلہ کیا وہ فورًا مرگیا : ۱۲۲
کید ہفتاد وہفتم : شیعہ کو آتشِ دوزخ نہ جلائے گی : ۱۲۲
کید ہفتاد وہشتم : بعض شیعہ کتاب لکھکر اپنے کسی امام سے منسوب کر دیتے ہیں : ۳
کید ہفتاد ونہم : ابو رافع صحابی شیعہ تھے : ۱۲۳
کید ہشتادم : سمساطی شیعی نے تاریخ طبری کا خلاصہ کرکے اپنی بنائی ہوئی عبارت اس میں :
کید ہشتاد ویکم : بعض روایت ایسی نقل کرتے ہیں جس سے دھوکہ ہو کہ اہل سنت کی روایت
کید ہشتاد ودوم : اہل سنت نے بعض ائمہ کو الزام دینے کا ارادہ کیا تھا : ۱۲۴
کید ہشتاد وسوم : خلیفہ اول کو اپنی خلافت میں شک تھا : ۱۲۷
کید ہشتاد وچہارم : جناب امیر کی فضیلت وکرامت اس درجہ تھی کہ لوگ ان کی اُلوہیت کے
کید ہشتاد وپنجم : اہل سنت ابوحنیفہؒ وغیرہ کا مذہب اختیار کرتے ہیں : ۱۳۰
کید ہشتاد وششم : اہل سنت کی کتابوں سے طعن صحابہ میں روایت لاتے ہیں اور درحقیقت
کید ہشتاد وہفتم : جناب امیر کو جملہ انبیاء پر فضیلت دیتے ہیں اور اپنی بنائی ہوئی روایتوں سے ثابت کرتے
کید ہشتاد وہشتم : کل شریعتیں چھ ہیں اور ہر صاحب شریعت نبی کے بارہ وصی ہیں : ۱۴۴
کید ہشتاد ونہم : اہل سنت بدیہیات کے منکر ہیں۔ روایت باری تعالیٰ کے قائل ہیں : ۵
کید نودم : عذاب قبر خاص سنیوں کے لئے ہے : ۱۴۸
کید نود ویکم : اہل سنت دشمنانِ اہل بیت کے دوست ہیں : ۱۴۹
کید نود ودوم : اہل سنت خلافت کے باب میں بزدل کو شجاع پر ترجیح دیتے ہیں : ۱۵۶
کید نود وسوم : اہل سنت مجبرہ ومجسمہ ہیں، خدا کو صاحب جسم اور مجبور کہتے ہیں : ۹
کید نود وچہارم : اہل سنت کی کتاب میں ہے کہ بی بی عائشہ نبیؐ کے گھر میں گڑیاں کھیلتی تھا
کید نود وپنجم : اہل سنت کی روایت میں ہے کہ رسول خداؐ نے حضرت عائشہ کو تماشا
کید نود وششم : اہل سنت کی کتاب میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ملک الموت کو ایسا تھپڑ مارا کہ آنکھ
کید نود وہفتم : اہل سنت کی روایت سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنی نبوت میں شک تھا
کید نود وہشتم : اہل سنت قائل ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ سے تین جھوٹ ثابت ہیں : ۱۶۷
کید نود ونہم : اہلسنت کی روایت سے عمرؓ کو اور انبیاء پر فضیلت ہوتی ہے : ۱۶۷
کید صدم : اہل سنت کی روایت سے بلال حبشی کو رسول خداؐ پر فضیلت ہوتی ہے : ۱۷۰

کید صد و یکم : اہلسنت کی روایت سے عمرؓ کو رسول خدا پر فضیلت ہوتی ہے : ۱۷۲
کید صد و دوم : اہل سنت کی روایت ہے کہ رسول خدا نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے : ۱۷۲
کید صد و سوم : اہل سنت کے ہاں کتے کے چمڑے پر نماز پڑھنا درست ہے : ۱۷۴
کید صد و چہارم : اہل سنت کے ہاں شطرنج بازی درست ہے : ۱۷۴
کید صد و پنجم : اہل سنت کے ہاں گانا سننا درست ہے : ۱۷۵
کید صد و ششم : ایک گروہ شیعہ ائمہ کی خدمت میں اکثر جایا کرتے تھے تاکہ لوگ ان سے روایتیں لیں : ۱۷۶
کید صد و ہفتم : ان کا سب سے بڑا کید تقیہ ہے جس پر انکی دانش کا خاتمہ ہے : ۱۷۸

باب سوم : ذکرِ احوالِ اسلافِ شیعہ میں ، اس میں سات طبقے ہیں ۔ ۱۷۸

طبقہ اولیٰ : جو بلا واسطہ عبداللہ ابن سبا کے شاگرد ہیں : ۱۷۸
طبقہ دوم : جو جنابِ امیر کے لشکر میں رہتے تھے ، بظاہر مخلص ، بباطن منافق تھے : ۱۷۹
طبقہ سوم : جو امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کر کے امیر معاویہ سے لڑنے کو نکلے ، اثناء راہ میں دغا کی : ۱۸۷
طبقہ چہارم : جنھوں نے امام حسین کو صدہا عرضیاں بھیجکر کوفہ میں بلا کر دغا کی کہ شہادت کی نوبت پہنچی : ۱۸۷
طبقہ پنجم : جو امام زین العابدین سے منحرف ہو گئے اور مختار ثقفی کی نبوت کے قائل ہو گئے : ۱۸۸
طبقہ ششم : جنھوں نے حضرت زید کو ناصبیوں کے قبضے میں چھوڑ دیا تھا جس میں وہ شہید ہو گئے : ۱۸۸
طبقہ ہفتم : جو اماموں کی شاگردی کا دعویٰ کرتے تھے اور امام ان کو جھوٹا اور کافر بتاتے تھے : ۱۸۸
مذہب امامیہ کا مدار کیسے غیر ثقہ لوگوں کی جماعت پر ہے : ۱۸۸
نکتہ :۔ شیعہ فرقے اپنے مذہب کے اصول و فروع کو بعض ائمہ سے منسوب کرتے ہیں پھر انہی کو جھوٹا اور کافر بتاتے ہیں ۔ ۱۹۱
اہل بیت سے اختلاف ، حالانکہ انہی سے وہ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں : ۱۹۲
شیعہ فرقوں کے علماء اور اصحابِ تصنیف کا تعارف : ۱۹۳
شیعہ فرقوں کی تصانیف و کتب کا تعارف : ۲۰۱
فائدہ :۔ کتبِ شیعہ پر تبصرہ : ۲۰۹
شیعہ کے کلام اور عقائد اور تفسیر اخبار کی مدد سے ہیں اور ان کا مدار اخباریوں پر ہے : ۲۰۹
اصول اربعہ کا بیان : ۲۰۹
شیعہ کتب کی اسنادِ اخبار پر تبصرہ : ۲۱۰

باب چہارم : اقسامِ اخبارِ شیعہ اور احوالِ رجالِ اسانید میں : ۲۱۱

شیعہ کے نزدیک خبر کی چار بڑی اقسام : ۲۱۱
صحیح کی تعریف : ۲۱۱
حسن کی تعریف : ۲۱۳
موثق کی تعریف : ۲۱۴
ضعیف کی تعریف : ۲۱۴
اہل تشیع میں علم جرح و تعدیل و تمیز رجال بہت بعد میں شروع ہوا : ۲۱۵
ان کے علمِ تمیز رجال و اسانید کے نقائص : ۲۱۶
غلاۃ شیعہ میں وضع حدیث کا جواز : ۲۱۸
اہل تشیع کے بعض راویوں کے حالات : ۲۲۰
مسائل فقہیہ میں ان کے اخبار کے مجاہیل و ضعفاء کا ذکر : ۲۲۲
کتب شیعہ میں ان لوگوں سے روایات جو جھوٹے مشہور ہیں : ۲۲۶
اہل تشیع کی اکثر روایتیں احاد ، ضعیف اور موثق ہیں : ۲۲۷
قدمائے شیعہ کی خط و کتابت و سفارت میں جعلسازی : ۲۲۸
امام مہدی کے وقتِ ولادت میں اختلاف : ۲۳۲

تتمۃ الباب ، دلائلِ شیعہ میں : ۲۳۲

شیعہ کے نزدیک چار اقسامِ دلیل : ۲۳۳
کتاب : ۲۳۴
شیعہ کے نزدیک موجودہ قرآن قابل اعتبار نہیں : ۲۳۴
خبر ، خبر موافق مذہب شیعہ کے قابل اعتبار نہیں ہے : ۲۳۵
اجماع : ۲۳۵
عقل ، عقل مذہب شیعہ میں حجت نہیں ہے : ۲۳۵
فائدہ جلیلہ ، براہین عقلیہ کے ذکر میں : بدیہیات کا انکار کرنا سوفسطائیت ہے جس کے مرتکب شیعہ ہوئے ہیں ۲۳۷
فائدہ دوم : حدیثِ ثقلین کی شرح : ۲۴۵
اہل تشیع کے نزدیک کتاب اللہ کا درجہ ، قرآن اور اہلِ بیت سے انکی مخالفت : ۲۴۷

شیعہ کے نزدیک عترتِ رسول کی حیثیت : ۲۴۷
چند کفریات : ۲۴۸
ذیل الفائدہ : ان روایتوں کا بیان جو شیعہ ائمہ سے لائے اور امام زادوں نے اس کی تکذیب کی : ۲۵۳
مسئلہ امامت پر بحث : ۲۵۴

باب پنجم : الٰہیات میں : ۲۵۹

اس میں بائیس[۲۲] عقیدے ہیں

عقیدۂ اول[۱] : نظر معرفتِ خدا میں واجب ہے، سنی کہتے ہیں شرعی ہے، شیعہ کہتے ہیں عقلی ہے : ۲۵۹
عقیدۂ دوم[۲] : حق تعالیٰ موجود، یگانہ، حی، سمیع، بصیر ہے، اسماعیلیہ اس کے خلاف ہیں : ۲۵۹
عقیدۂ سوم[۳] : اللہ تعالیٰ واحد ہے، بعض شیعہ فرقے اس کے مخالف ہیں : ۲۶۰
عقیدۂ چہارم[۴] : اللہ تعالیٰ متفرد ہے بقدم، بعض شیعہ فرقے اس کے مخالف ہیں : ۲۶۰
عقیدۂ پنجم[۵] : اللہ تعالیٰ زندہ ہے بحیات اور عالم ہے بعلم، شیعہ اس کے مخالف ہیں : ۲۶۰
عقیدۂ ششم[۶] : حق تعالیٰ کی صفات ذاتیہ قدیم ہیں، شیعہ اس کے برخلاف ہیں : ۲۶۱
عقیدۂ ہفتم[۷] : اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے، اسماعیلیہ کا عقیدہ اس کے برعکس ہے : ۲۶۱
عقیدۂ ہشتم[۸] : حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، امامیہ کی ایک کثیر جماعت اس کے برخلاف ہے : ۲۶۲
عقیدۂ نہم[۹] : حق تعالیٰ عالم ہے، شیعہ اس کے برخلاف ہیں : ۲۶۲
عقیدۂ دہم[۱۰] : یہی قرآن اصل قرآن ہے، شیعہ اس کے برخلاف ہیں : ۲۶۴
عقیدۂ یازدہم[۱۱] : اللہ تعالیٰ کا ارادہ قدیم ہے، اسماعیلیہ اسکے برخلاف ہیں : ۲۶۵
عقیدۂ دوازدہم[۱۲] : باری تعالیٰ کے نہ جسم ہے، نہ عرض، نہ طول، نہ عمق، شیعہ اسکے برخلاف کہتے ہیں : ۲۶۹
عقیدۂ سیزدہم[۱۳] : حق تعالیٰ کا نہ کوئی مکان ہے نہ جہت، شیعہ اسکے برخلاف کہتے ہیں : ۲۷۱
عقیدۂ چہاردہم[۱۴] : اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا، شیعۂ غلاۃ قائلِ حلول ہیں : ۲۷۵
عقیدۂ پانزدہم[۱۵] : حق تعالیٰ میں صفاتِ اعراض محسوس نہیں، امامیہ اس کے برخلاف ہیں : ۲۷۷
عقیدۂ شانزدہم[۱۶] : ذات پاک باری تعالیٰ کسی چیز میں منعکس نہیں، شیعہ اسکے برعکس کہتے ہیں : ۲۷۷
عقیدۂ ہفدہم[۱۷] : اللہ تعالیٰ کو بدا جائز نہیں ہے، شیعہ اس کے برخلاف بدا تجویز کرتے ہیں : ۲۷۹
عقیدۂ ہیزدہم[۱۸] : اللہ تعالیٰ کسی کے کفر و ضلالت سے خوش نہیں ہوتا، شیعہ اس کے خلاف کہتے ہیں : ۲۸۵
عقیدۂ نوزدہم[۱۹] : اللہ تعالیٰ کے ذمہ کوئی چیز واجب نہیں، شیعہ اسکے برخلاف ہیں : ۲۸۶
عقیدۂ بستم : خالقِ خیر و شر خدا ہے، شیعہ اسکے برخلاف ہیں : ۲۹۱
فائدہ : شیعہ امام ابوحنیفہؒ پر افترا کر کے جھوٹی حدیثیں روایت کرتے ہیں : ۳۰۱

عقیدہ بست و یکم : بندے کو خدا سے قربِ جسمانی اور اتصالِ مکانی ممکن نہیں، شیعہ اس کے برخلاف کہتے ہیں : ۳۰۴
عقیدہ بست و دوم : مومنوں کو خدا کا دیدار ہوگا۔ شیعہ اس کے برخلاف ہیں : ۳۰۴

باب ششم[۶] بحث نبوت و ایمان بانبیاء علیہم الصلوات والسلام میں،

اس میں پندرہ[۱۵] عقیدے ہیں۔ بعض میں شبہات و غلوات ہیں ۳۰۶

عقیدۂ اول[۱] : پیغمبر کا پیدا کرنا خدا پر واجب ہے : ۳۰۶
عقیدۂ دوم[۲] : ائمہ، سوائے خاتم الانبیاء کے جملہ مخلوق سے افضل ہیں : ۳۰۸
اس عقیدہ کے متعلق تین شبہے اور پانچ غلو ہیں :-
شبہ اول[۱] : ائمہ علم میں انبیاء سے افضل ہیں، پس مرتبے میں بھی افضل ہوں گے : ۳۱۰
شبہ دوم[۲] : حسن بن کبش کی روایت سے تمسک : ۳۱۲
شبہ سوم[۳] : سعد بن عبداللہ کی روایت سے تمسک : ۳۱۳
غلو اول[۱] : انبیاء کی پیدائش ائمہ کے طفیل ہے : ۳۱۵
غلو دوم[۲] : حق تعالیٰ نے ولایتِ ائمہ اور ان کی اطاعت پر ملائکہ اور انبیاء سے عہد لیا : ۳۱۶
غلو سوم[۳] : انبیاء نے نور کا اقتباس ائمہ سے کیا ہے : ۳۱۸
غلو چہارم[۴] : انبیاء پس رو حضرتِ امیر کے ہوں گے : ۳۲۰
غلو پنجم[۵] : قیامت کے دن حضرت امیر اور ائمہ کا درجہ انبیاء سے بالاتر ہے : ۳۲۰
عقیدۂ سوم[۳] : اہل سنت کہتے ہیں انبیاء گناہ سے معصوم ہیں، شیعی فرقۂ یعفوریہ اسکے خلاف ہے : ۳۲۱
عقیدۂ چہارم[۴] : انبیاء تقیۃً جھوٹ بولتے ہیں : ۳۲۳
عقیدۂ پنجم[۵] : انبیاء کو واجباتِ ایمان کا جاننا قبل و بعد نبوت ضروری نہیں : ۳۲۳
عقیدۂ ششم[۶] : انبیاء سے ایسا گناہ صادر ہوتا ہے جس کا انجام ہلاکت ہو : ۳۲۶
عقیدۂ ہفتم[۷] : حضرت آدمؑ ائمہ سے حسد رکھتے تھے : ۳۲۸
عقیدۂ ہشتم[۸] : بعض نبی نے قبولِ رسالت میں عذر کیا ہے : ۳۳۲
عقیدۂ نہم[۹] : بعض شیعہ کہتے ہیں خاتم النبیین علی بن ابی طالب ہیں : ۳۳۴
عقیدۂ دہم[۱۰] : شیعہ در پردہ ائمہ کو خاتم النبیین بتاتے ہیں : ۳۳۷
عقیدۂ یازدہم[۱۱] : بحثِ معراج : ۳۳۹
عقیدۂ دوازدہم[۱۲] : قرآن و حدیث کے ظاہر و غیر ظاہر پر محمول ہونے میں بحث : ۳۴۱
عقیدۂ سیزدہم[۱۳] : ائمہ کی روایتوں سے ثابت ہے کہ جناب امیرؓ پر وحی آتی تھی : ۳۴۲
عقیدۂ چہاردہم[۱۴] : تکلیفاتِ شرعی بعدِ پیغمبر بحکمِ امام مرتفع ہوسکتی ہیں : ۳۴۳

عقیدۂ پانزدہم: امام حکمِ شرعی منسوخ کرسکتا ہے: ۳۴۳

باب ہفتم، امامت میں: ۳۴۴

اس میں چھ عقیدے ہیں

عقیدۂ اول: وجوب امامت: ۳۴۴
اہل سنت کے نزدیک تقرر امام مکلفین پر واجب ہے: ۳۴۴
اہل تشیع کے نزدیک تعین امام خدا پر واجب ہے: ۳۴۵
امامیہ کا قول کہ امام کا وجود ایک لطف ہے: ۳۴۶
امام کے اختفا کی بحث: ۳۴۷
حضرت ابوبکر کے حزن کی نوعیت: ۳۵۰
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار میں چھپنے کی: ۳۵۲
عقیدۂ دوم: امام کا ظاہر ہونا شرط ہے۔ شیعہ کو انکار ہے: ۳۵۳
عقیدۂ سوم: امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں، شیعہ کہتے ہیں ضروری ہے: ۳۵۵
شبہ اول: امام معصوم نہ ہو تو تسلسل لازم آئے: ۳۵۶
شبہ دوم: امام شریعت کا محافظ ہے: ۳۵۷
عقیدۂ چہارم: امام کا منصوص من اللہ ہونا ضروری نہیں، شیعہ کہتے ہیں ضروری ہے: ۳۵۸
عقیدۂ پنجم: امام کو لازم نہیں کہ اپنے ہمعصروں سے ہر بات میں افضل ہو، شیعہ اس کے منکر ہیں: ۳۵۹
عقیدۂ ششم: امام بلافصل ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ شیعہ کہتے ہیں علی ابن ابی طالب ہیں: ۳۶۰
حضرت امام حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین صلح کا بیان: ۳۶۱
حضرت معاویہؓ کی خلافت و حکومت کا بیان: ۳۶۲
حضرت معاویہؓ پر لعنت کیوں نہیں کرنی چاہیے: ۳۶۳
حضرت ابوبکرؓ اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت حق ہونے کے دلائل قرآن سے: ۳۶۸
خلافت ابوبکرؓ حق ہونے کے دلائل اقوال عترت سے: ۳۸۱
خلافت ابوبکرؓ کے حق ہونے کے مزید دلائل از قرآن و اقوال عترت: ۳۹۰
تمہید کلام و تقریر مرام: حضرت علیؓ کی امامت بلافصل کے متعلق شیعی دلائل: ۳۹۶
دلائل شیعہ کی تین قسمیں: ۳۹۷
شیعہ کا آیات قرآنی سے استدلال اور اس کی تردید: ۳۹۸
(۱) آیت: إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ الآیۃ: ۳۹۸

(۲) آیت: إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ، الآیۃ: ۴۰۷
(۳) آیت: قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ: ۴۱۳
(۴) آیت مباہلہ: ۴۱۶
(۵) آیت: إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ: ۴۱۹
(۶) آیت: وَقِفُوهُمْ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ: ۴۲۰
(۷) آیت: وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَٰئِكَ الْمُقَرَّبُونَ: ۴۲۱
شیعہ کا احادیث و روایت سے استدلال اور اسکا رد: ۴۲۲
حدیث اول: حدیث غدیر خم: ۴۲۲
حدیث دوم: اما ترضی أَن تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ: ۴۲۷
حدیث سوم: إِنَّ عَلِيًّا مِنِّي وَأَنَا مِنْ عَلِيٍّ الخ: ۴۳۰
حدیث چہارم: حدیث طیر، جو مشہور ہے: ۴۳۰
حدیث پنجم: أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا: ۴۳۱
حدیث ششم: من اراد ان ینظر الی آدم فی علمہ الخ: ۴۳۲
حدیث ہفتم: مَنْ نَاصَبَ عَلِيًّا الْخِلَافَةَ فَهُوَ كَافِرٌ: ۴۳۷
حدیث ہشتم: حدیث نور: ۴۳۹
حدیث نہم: حدیث فتح خیبر: ۴۴۰
حدیث دہم: رَحِمَ اللَّهُ عَلِيًّا اللَّهُمَّ أَدِرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ: ۴۴۲
حدیث یازدہم: إِنَّكَ تُقَاتِلُ عَلَىٰ تَأْوِيلِ الْقُرْآنِ كَمَا قَاتَلْتَ عَلَىٰ تَنْزِيلِهِ: ۴۴۶
حدیث دوازدہم: إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ الخ: ۴۴۷
شیعہ کے چھ عقلی دلائل جو وہ جناب امیر کی امامت بلافصل پر پیش کرتے ہیں اور ان کو حل کرنے کا قاعدہ: ۴۵۰
دلیل اول: امام کو معصوم ہونا واجب ہے: ۴۵۱
دلیل دوم: امام ایسا ہو کہ کبھی اس سے کفر نہ ہوا ہو: ۴۵۳
دلیل سوم: امام ایسا چاہیے کہ منصوص علیہ ہو: ۴۵۵
دلیل چہارم: جناب امیر ہمیشہ خلفاء ثلاثہ کے شاکی رہے: ۴۵۶
دلیل پنجم: جناب امیر نے امامت کا دعویٰ کیا: ۴۶۱
دلیل ششم: جناب امیر کی نسبت کسی نے ایسی روایت نہیں کی جو موجب طعن ہو: ۴۶۳
حضرت علیؓ پر شیعہ اور اہلسنت کے مطاعن اور ان کے جوابات: ۴۶۴
تتمہ بحث الامامۃ: ۴۸۴
شیعہ فرقوں کا اصول امامت میں باہم اختلاف: ۴۸۴

باب ہشتم : مخالفت شیعہ کی ثقلین کے ساتھ

امورِ معاد میں ۴۸۶

عقیدۂ اول : شیعہ کے اکثر فرقے بدنوں کیلئے معاد کے قائل نہیں بلکہ تناسخ ارواح کے قائل ہیں (ارواح کا اس جہاں کے سوا کوئی مقر نہیں) ۴۸۶
عقیدۂ دوم : حشر و نشر ضرور ہونے والا ہے مگر خدا پر عقلاً واجب نہیں، شیعہ کہتے ہیں عقلاً واجب ہے : ۴۸۷
عقیدۂ سوم : اکثر شیعہ عذاب قبر کے منکر ہیں : ۴۹۱
عقیدۂ چہارم : اکثر فرقہائے شیعہ سوالِ قبر، حساب اور وزنِ اعمال وغیرہ کو مجاز سے تعبیر کرتے ہیں : ۴۹۶
عقیدۂ پنجم : اکثر فرق شیعہ (قرامطہ، کاملیہ وغیرہ) تناسخ ارواح کے قائل ہیں : ۴۹۷
عقیدۂ ششم : کل امامیہ اور کچھ روافض دنیا میں قبل از قیامت بعض مُردوں (ائمہ) کے لوٹنے کے قائل ہیں : ۴۹۹
عقیدۂ ہفتم : امامیہ کا اعتقاد ہے کہ امامیہ میں سے کسی شخص کو صغیرہ یا کبیرہ کسی گناہ پر عذاب نہیں ہوگا : ۵۰۱

باب نہم : مخالفت شیعہ کی ثقلین کے ساتھ

احکامِ فقہیہ میں ۵۰۹

مختلف شیعہ فرقوں کے فقہی سرمایہ کی حالت : ۵۰۹
شیعہ کے بعض شرکیہ و کفریہ مسائل : ۵۱۰
اول : تکفیرِ صحابہ کا حکم : ۵۱۰
دوم : اللہ تعالیٰ کے ذکر پر لعنِ عمرؓ کی فضیلت : ۵۱۰
سوم : بعدِ نماز پنجگانہ صحابہ کبار پر لعن واجب ہے : ۵۱۰
چہارم : احداثِ عیدِ غدیر جو اٹھارہ ذی حجہ کو کرتے ہیں اور اسکو عید الفطر اور عید اضحیٰ پر فضیلت دیتے ہیں : ۵۱۰
پنجم : احداثِ عیدِ بابا شجاع الدین (ابولولو قاتل عمرؓ) : ۵۱۰
ششم : تعظیم نوروز : ۵۱۱
ہفتم : ظالم بادشاہوں کے لیے سجدہ تجویز کرنا : ۵۱۲

مسائلِ فقہیہ : ۵۱۲
مسائل طہارت : ۵۱۲
صفتِ وضو و غسل و تیمم : ۵۱۵
مسائل الصلوٰۃ : ۵۱۸
مسائل الصوم والاعتکاف : ۵۲۱
مسائل الزکوٰۃ : ۵۲۲

مسائل الحج : ۵۲۳
مسائل الجہاد : ۵۲۴
مسائل النکاح والبیع : ۵۲۵
مسائل التجارۃ : ۵۲۵
مسائل الرہن والدّین : ۵۲۵
مسائل الغصب والامانۃ : ۵۲۶
مسائل العاریۃ : ۵۲۷
مسائل اللّقیط : ۵۲۷
مسائل الاجارۃ والہبۃ والصدقۃ والوقف : ۵۲۸
مسائل النکاح : ۵۲۹
مسائل المتعۃ : ۵۳۰
مسائل الرضاع والطلاق : ۵۳۴
مسائل العتاق والأیمان : ۵۳۶
مسائل القضاء : ۵۳۸
مسائل الدعویٰ : ۵۳۹
مسائل الشہادۃ والصید والطعام : ۵۴۰
مسائل الفرائض والوصایا : ۵۴۱

باب دہم :- خلفائے ثلاثہ اور صحابۂ کرامؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے مطاعن کا بیان، جو شیعہ اپنی کتابوں میں لائے ہیں اور ان مطاعن کو اپنے زعم میں اہلِ سنت کی کتابوں سے ثابت کیا ہے اور ان مطاعن کے جوابات ۵۴۴

مطاعن ابوبکر صدیق رضؓ جو پندرہ ہیں : ۵۴۵
طعن اول : ایک روز صدیق اکبرؓ منبر پر تھے، حسنین نے کہا ہمارے نانا کے منبر پر سے اترو : ۵۴۵
طعن دوم : مالک بن نویرہ کو خالد نے بیجا قتل کیا، ابوبکر نے قصاص نہ لیا نہ حد قائم کی : ۵۴۵
طعن سوم : ابوبکر نے لشکرِ اسامہ سے تخلف کیا : ۵۴۹
طعن چہارم : رسولِ خداؐ نے ابوبکر کو کبھی امورِ دین کا والی نہیں کیا : ۵۵۳
طعن پنجم : ابوبکر نے عمرؓ کو خلیفہ کیا حالانکہ عمر کو رسولِ خدا نے ایک بار متولی صدقات کر کے معزول کر دیا تھا ۵۵۶
طعن ششم : رسولِ خداؐ نے ایک بار عمرو بن عاص کو اور ایک بار اسامہ کو ابوبکر پر امیر کیا : ۵۵۶

طعن ہفتم : ابوبکر نے رسولِ خداؐ کی مخالفت کی کہ عمر کو اپنا خلیفہ کیا : ۵۵۸

طعن ہشتم : ابوبکر کہتے تھے کہ مجھ کو شیطان پیش آتا اور بہکاتا ہے : ۵۵۹

طعن نہم : عمر سے مروی ہے کہ ابوبکر کی بیعت دفعتہً بغیر فکر و تامل ہوئی : ۵۶۱

طعن دہم : ابوبکر نے کہا "علی کے ہوتے ہوئے میں تم میں بہتر نہیں ہوں" : ۵۶۳

طعن یازدہم : ابوبکر کو رسولِ خداؐ نے سورہ براءت پہنچانے کا حکم دیکر منع کیا : ۵۶۴

طعن دوازدہم : ابوبکر نے فاطمہ کو باپ کے ترکہ سے ورثہ نہ دیا : ۵۶۸

طعن سیزدہم : ابوبکر نے فاطمہ کو باغِ فدک نہ دیا حالانکہ رسولِ خداؐ نے ہبہ کر دیا تھا : ۵۷۵

طعن چہاردہم : ابوبکر نے فاطمہ کو باغِ فدک نہ دیا حالانکہ رسولِ خداؐ نے وصیت کی تھی : ۵۷۹

طعن پانزدہم : ابوبکر کو بعض مسائلِ شرعی معلوم نہ تھے : ۵۸۴

مطاعن عمرؓ جو گیارہ ہیں : ۵۸۹

طعن اول : قصۂ قرطاس : ۵۸۹

طعن دوم : عمر نے سیدۃ النساء کا مکان جلا دیا اور ان کے پہلوئے مبارک پر ایسا صدمہ پہنچایا کہ حمل ساقط ہو گیا : ۶۰۵

طعن سوم : عمر نے پیغمبرؐ کے مرنے سے انکار کیا اور قسم کھائی کہ آنحضرتؐ نہیں مرے : ۶۰۸

طعن چہارم : عمر جاہل تھے بعض مسائلِ شرعیہ نہ جانتے تھے : ۶۰۹

طعن پنجم : عمر نے حد میں بجائے سو کوڑوں کے سو شاخ کی ایک لکڑی مارنے کا حکم دیا : ۶۱۴

طعن ششم : عمر نے مغیرہ بن شعبہ سے باوجود چار گواہوں کے ثبوت کے زنا کی حد دفع کی : ۶۱۵

طعن ہفتم : عمر نے ایک دن خطبہ میں بھاری مہر باندھنے کو منع کیا، ایک عورت نے قائل کیا : ۶۱۷

طعن ہشتم : عمر نے اہل بیت کا خمس میں سے حصہ نہ دیا : ۶۲۱

طعن نہم : عمر نے دین میں نئی بات پیدا کی، جیسے نماز تراویح : ۶۲۵

طعن دہم : عمر نے دادا کی میراث میں سو حکم جاری کئے : ۶۲۶

طعن یازدہم : عمر نے لوگوں کو عورتوں سے متعہ کرنے کو منع کیا : ۶۲۷

مطاعن عثمانؓ جو دس ہیں : ۶۳۳

طعن اول : عثمان نے امیر اور حاکم ان لوگوں کو کیا جو ظالم تھے : ۶۳۳

طعن دوم : عثمان نے حکم بن عاص کو جو مروان کا باپ تھا، بعد اخراجِ پیغمبرِ خداؐ مدینہ میں بلا لیا : ۶۴۲

طعن سوم : عثمان نے اپنے گھر والوں اور اقربا کو بہت مال دیا اور بیہودہ خرچ کیا : ۶۴۳

طعن چہارم : عثمان نے اپنی خلافت میں ایک جماعت صحابہ کو کام سے موقوف کیا : ۶۵۰

فائدہ جلیلہ : عثمان کے مطاعن اکثر اصولِ شیعہ کے مطابق بھی نہیں جمتے : ۶۵۳

طعن پنجم : عثمان نے عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب کا سالانہ جو مقرر کیا تھا، بند کر دیا : ۶۵۵

طعن ششم : عثمان نے عبداللہ بن عمر سے قصاص موقوف رکھا : ۶۶۹

حضرت عثمانؓ پر دو مزید طعن جو اسی طعن کے ضمن میں ذکر کئے جاتے ہیں مگر بعض شیعہ مؤرخین نے ان کو حذف کر دیا ۶۷۱

طعن ہفتم : عثمان نے منیٰ میں خلاف سنت دسویں ذی حجہ سے چودھویں تک چار رکعتیں پڑھیں، قصر نہیں کیا : ۶۷۴

طعن ہشتم : عثمان نے بقیع کو جو حوالی مدینہ میں مشہور چراگاہ ہے، قرق کیا : ۶۷۵

طعن نہم : عثمان نے اپنے ساتھیوں اور مصاحبوں کو جاگیریں دیں اور مسلمانوں کا حق تلف کیا : ۶۷۵

طعن دہم : عثمان سے سب صحابہؓ بیزار تھے اور ان کے قتل پر راضی تھے : ۶۷۶

مطاعن ام المؤمنین عائشہ صدیقہ جو دس ہیں : ۶۸۲

طعن اول : بی بی عائشہ خلافِ حکمِ خدا مدینے سے مکہ کو اور مکہ سے بصرہ کو گئیں : ۶۸۲

طعن دوم : بی بی عائشہ نے خونِ عثمان کا قصاص لینے کو سفر کیا : ۶۸۴

طعن سوم : حضرت عائشہ نے رسولِ خدا کی مخالفت کی : ۶۸۶

طعن چہارم : حضرت عائشہ کا لشکر جب بصرہ میں پہنچا تو بیت المال کو لوٹ لیا : ۶۸۸

طعن پنجم : حضرت عائشہ نے پیغمبرِ خدا کا راز فاش کیا : ۶۸۹

طعن ششم : خود حضرت عائشہ نے کہا ہے کہ میں نے پیغمبر کی کسی بی بی سے غیرت نہ کھائی جیسی حضرت خدیجہ سے کھائی ۶۹۲

طعن ہفتم : حضرت عائشہ آخر حال میں کہتی تھیں، میں علی سے لڑی، آرزو کرتی ہوں کہ میں بھولی بسری ہوتی ۶۹۳

طعن ہشتم : حضرت عائشہ نے حجرۂ پیغمبر کو اپنے والد ابوبکر اور ان کے دوست عمر کا مقبرہ بنایا : ۶۹۳

طعن نہم : آنحضرتؐ نے عائشہ کے حجرہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ فتنہ یہاں ہے : ۶۹۵

طعن دہم : حضرت عائشہ نے اپنی پالی ہوئی ایک لڑکی کو آراستہ کرکے کہا اس سے جوانانِ قریش کو شکار کرونگی : ۶۹۶

مطاعن اصحابِ کرامؓ عموماً بے تخصیص، جو دس ہیں : ۶۹۷

طعن اول : صحابہ دو بار کبیرہ کے مرتکب ہوئے : ۶۹۷

طعن دوم : صحابہ اکثر اوقات پیغمبرِ خداؐ کو خطبہ میں تنہا چھوڑ کر چلے جاتے تھے : ۶۹۹

طعن سوم : اہل سنت کے صحاح میں منقول ہے "سیجاء من امتی فیؤخذ بہم ذات الشمال فاقول اصحابی اصحابی الخ" ۶۹۹

طعن چہارم : صحابہ نے طلبِ قرطاس میں پیغمبرِ خداؐ سے جھگڑا کیا : ۷۰۴

طعن پنجم : صحابہ قولِ پیغمبر میں سہل انگاری کرتے تھے : ۷۰۵

طعن ششم : صحابہ سے پیغمبرِ خدا نے فرمایا "میں تمہاری کمر پکڑ کر آگ سے کھینچتا ہوں اور تم مجھ پر غلبہ کرکے گرتے ہو" ۷۰۷

طعن ہفتم : رسول خداؐ نے فرمایا "جب تم پر خزانے روم و فارس کے کھولے جائینگے تب تم حرص و حسد کروگے" : ۷۰۸

طعن ہشتم : پیغمبرِ خداؐ نے فرمایا "جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی" اور صحابہ علی اور فاطمہ کی ایذا پر متفق ہو گئے تھے : ۷۰۹

طعن نہم : رسول خداؐ نے فرمایا "قیامت قائم نہ ہوگی جب تک میری امت اگلی امت کی باتوں کو اختیار نہ کریگی" ۷۱۸

طعن دہم : آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اگر تیری قوم سے اندیشہ نہ ہوتا تو کعبے کو از سرِ نو اس طرح بنواتا جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے بنایا تھا : ۷۱۹

باب یازدہم : خواص مذاہب شیعہ میں، اسمیں تین فصلیں ہیں : ۷۲۰

فرقہ شیعہ کے پانچ خواص : ۷۲۰
اوہام، عادات، غلوات، تعصبات، ہفوات کے معانی : ۷۲۰
فصل اوّل : اوہام شیعہ میں، اس میں پچیس نوع ہیں : ۷۲۱
فصل دوم : تعصبات شیعہ میں، اس میں پچیس تعصب ہیں : ۷۳۰
فصل سوم : ہفوات شیعہ میں، اس میں تیئیس ہفوے ہیں، پہلا ہفوہ تقیہ ہے : ۷۴۵
خاتمۃ الباب و فذلکۃ الحساب : ۷۷۹
مذہب اہل سنت کی حقانیت میں بارہ آیات قرآنی کی تفصیل : ۷۸۰
مذہب اہل سنت کے برحق ہونے پر کتب شیعہ کی روایات اور اقوال عترت سے استدلال : ۷۸۳
شیعہ سنی کی مخالفت کا مدار مسئلہ امامت پر ہے : ۷۹۰
مسئلہ امامت پانچ اصول پر موقوف ہے : ۷۹۰
شیعہ مذہب کو پانچ کفریہ مذاہب سے مشابہت تام ہے : ۷۹۱
شیعہ مذہب کی یہود و نصاریٰ سے مشابہت : ۷۹۱
صابئین سے مشابہت : ۷۹۳
ہنود سے مشابہت : ۷۹۳

باب دوازدہم : ۔ تولا اور تبرا میں، اس میں دس مقدمے ہیں : ۷۹۵

مقدمۂ اولیٰ : مخالفت اور عداوت میں فرق ہے : ۷۹۵
مقدمۂ دوم : محبت اور عداوت کبھی جمع بھی ہو سکتی ہے : ۷۹۵
مقدمۂ سوم : جو عداوت مومنوں میں دنیا کے سبب سے واقع ہو، مخل ایمان نہیں ہو سکتی : ۷۹۸
مقدمۂ چہارم : عداوت دینی کا مدار کفر پر ہے، پس ہر کافر کو دشمن جاننا چاہیئے : ۷۹۸
مقدمۂ پنجم : مومن کی محبت و عداوت کے درجے کافر کے ساتھ مختلف ہیں : ۸۰۰
مقدمۂ ششم : باتفاق فریقین، صحابہ اور ازواج مطہرات سے کوئی ایسی بات ظاہر نہیں جو موجب کفر و حبط اعمال ہو : ۸۰۳
مقدمۂ ہفتم : مرد باایمان جو مرتکب کبیرہ کا ہو اس پر لعن طعن اور گالی گفتار ہرگز جائز نہیں : ۸۱۵
مقدمۂ ہشتم : دنیاوی امور کی وجہ سے بزرگوں میں جو آزردگی ہوگئی اسکے سبب سے وہ اپنے مرتبہ سے گر نہیں جاتے : ۸۱۷
مقدمۂ نہم : اکثر اوقات واردات عجیبہ اور امور غریبہ کی وجہ سے بدیہی اور مانی ہوئی مقرر باتوں سے غفلت ہو جاتی ہے : ۸۱۹
مقدمۂ دہم : اگر فضیلت خاص نہ ہو تو فضیلت عام کو بھی نظر سے گرانا نہ چاہیئے : ۸۲۲
خاتمۃ الکتاب : ۸۲۵ خاتمۂ مترجم : ۸۲۷

تذکرہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

(ماخوذ از کتاب فوائد جامعہ شرح عجالۂ نافعہ مؤلفہ مولانا محمد عبدالحلیم چشتی)

عبدالعزیز اصلی نام ہے اور تاریخی نام غلام حلیم ہے، سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک منتہی ہے۔

موصوف دہلی میں جمعہ کے دن ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں پیدا ہوئے، حافظہ اور ذہانت خداداد تھی۔ قرآن مجید کے ساتھ فارسی بھی پڑھ لی اور گیارہ برس کی عمر میں عربی تعلیم کا انتظام ہوا اور پندرہ سال کی عمر میں جملہ علوم رسمیہ سے فراغت حاصل کر لی۔ شاہ صاحبؒ نے علوم عقلیہ کی تحصیل والد بزرگوار کے بعض شاگردوں سے کی اور حدیث و فقہ شاہ ولی اللہؒ نے خود پڑھائی تھی۔ ابھی سترہ برس کے تھے کہ شاہ ولی اللہؒ کا انتقال ہوگیا تو شاہ ولی اللہؒ کے تلمیذ خاص محمد عاشق پھلتیؒ سے تکمیل کی۔ موصوف چوں کہ شاہ صاحبؒ کے سب سے بڑے فرزند تھے اور علم و فضل میں بھی سب سے ممتاز تھے، لہٰذا مسند درس و خلافت ان ہی کے سپرد ہوئی۔

اور موصوف درس و تدریس، ہدایت و ارشاد اور تصنیف و تالیف میں ہمہ تن مصروف ہوگئے شاہ صاحبؒ کو تمام علومِ متداولہ اور فنونِ عقلیہ و نقلیہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی حافظہ بھی بلا کا قوی تھا تقریر معنی خیز وسحر انگیز، مرتب و دل نشین ہوتی تھی، جس نے ان کی ذات کو مرجعِ عوام و خواص بنادیا تھا۔ علوّ اسناد کی وجہ سے دور دور سے لوگ سفر کرکے حلقۂ درس میں شرکت کرتے اور سندِ فراغ حاصل کرتے تھے۔ درس و تدریس، افتاء و تصنیف، فصلِ خصومات، پند و موعظت اور شاگردوں کی تربیت میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے، موصوف کی ذات سے ہندوستان میں علومِ اسلامیہ خصوصًا حدیث و تفسیر کا بڑا چرچا ہوا مسلمانوں کی بڑی اصلاح ہوئی اور فتنوں کا سدِّ باب ہوا۔ ان ہی کی مساعیِ جمیلہ، نالۂ نیم شبی اور توجہ نے شاگردوں اور مریدوں میں وہ روح پھونکی، جس نے مسلمانوں میں بڑا انقلاب پیدا کیا اور مسلمانوں کی دینی، تعلیمی اور ثقافتی حالت کو اس درجہ بہتر بنایا کہ ایک مرتبہ تو قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ ہوگئی۔ شاہ صاحبؒ کو حدیث، فقہ، تفسیر، کلام ہی میں کمال حاصل نہ تھا بلکہ منطق و فلسفہ اور شعر و ادب میں بھی مہارت حاصل تھی، حدیثیں کثرت سے یاد تھیں۔ مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ نے شیخ محمد تھانویؒ شاگردِ شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ سے نقل کیا ہے:

(انہوں نے) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی نسبت فرمایا" ان کو چھے ہزار حدیث کے متن یاد تھے۔"

(الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، ادارۂ اشرفیہ پاکستان کراچی۔ ج ا۔ ص ۲۷۰)

شیخ محسن بن یحییٰ ترہتی، الیانع الجنی میں رقم طراز ہیں: (ص ۷۸)

قد بلغ . . . . . من الکمال والشهرة بحيث ترى الناس فى مدن اقطار الهند يفتخرون باعتزائهم اليه بل بانسلاكهم فى سمط من ينتمى الى اصحابه . . . . ومن سجاياه الفاضلة الجميلة التى لا يدانيه فيها عامة اهل زمانه قوة عارضته لم يناضل احدًا الا اصاب غرضه واصمى رميته واحرز خصله ومن ذلك براعته فى تحسين العبارة وتحبيرها والتأنق فيها وتحريرها حتى عده اقرانه مقدما من بين حلبة رهانه وسلموا له قصبات السبق فى ميدانه ومنها فراسته التى اقدره اسد بها على تأويل الرؤيا فكان لا يعبر شيئا منها الا جارت كما اخبر به كانما قد رآها و هذا لا يكون الا لاصحاب النفوس الزاكيات المطهرة من ادناس الشهوات الردية وارجاسها، وكم له من خصال محمودة و فضائل مشهودة .

وہ کمال اور شہرت کے ایسے مقام کو پہنچے کہ تم دیکھتے ہو لوگ بلادِ ہند میں اپنا ان سے انتساب کرنا فخر سمجھتے ہیں بلکہ اپنے آپ کو ایسے رشتے میں منسلک کرنے میں جو ان کے شاگردوں پر منتہی ہوتا ہے قابلِ فخر خیال کرتے ہیں، ان کے خصائلِ حمیدہ اور اخلاقِ فاضلہ ایسے ہیں کہ جن میں ان کے عام معاصرین ان سے مقابلہ کی تاب

نہیں رکھتے، جس نے بھی ان سے مقابلہ کیا وہ ان ہی کے نشانہ پر گرا اور اُس نے ان ہی کے نشانہ پر تیر چھوڑا اور ان کے طور طریق کو اختیار کیا۔ اور ان کے من جملہ محاسن کے عبارت آرائی اور انشاء پردازی میں فائق ہونا اور اس میں سحر آفرینی کا پایا جانا ہو ان کی تحریریں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ان کے معاصرین نے ان کو پیش رَو مانا اور سب نے اس امر کو تسلیم کیا کہ وہ میدانِ مسابقت میں گوئے سبقت لے جانے والے ہیں اور نشان پر قبضہ کرنے والے ہیں اور من جملہ اس کے ان کی فراست ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ان کو خوابوں کی تعبیر پر قدرت عطا فرمائی، جیسی تعبیر دیتے ویسی ہی ہوتی۔ اور گویا ایسی خبر دی جیسے کہ خود انھوں نے اس کو دیکھا ہے۔ یہ باتیں ایسے نفوسِ قدسیہ سے ظہور میں آتی ہیں جو خواہشاتِ نفسانی کی آلودگیوں سے پاک صاف ہوتے ہیں۔ ان کی خصائلِ حمیدہ بہت ہیں اور ان کے فضائل مشاہدہ میں آچکے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں قنوجی اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین، مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ ص ۲۹۶ میں رقم طراز ہیں:

شاہ عبدالعزیز بن الشیخ الاجل ولی اللہ المحدث الدہلوی بن شیخ عبدالرحیم العمری رضی اللہ عنہم استاذ الاساتذہ و امام الجہابذہ بقیۃ السلف حجۃ الخلف خاتم المفسرین والمحدثین بالدیار الہندیہ . . . . . در وقتِ خود مرجعِ علماء و مشائخ بودند دستگاہِ ایشاں در جمیع علومِ متداولہ و غیر متداولہ از فنونِ عقلیہ و نقلیہ فوق الوصف ست در کثرتِ

شاہ عبدالعزیز بن شیخ اجل ولی اللہ محدث دہلوی بن شیخ عبدالرحیم عمری رحمہم اللہ استاذ الاساتذہ، امام نقاد، بقیۃ السلف، حجۃ خلف اور دیارِ ہند کے خاتم مفسرین و محدثین تھے اور . . . . . اپنے وقت میں علماء اور مشائخ کے مرجع تھے تمام علومِ متداولہ اور غیر متداولہ میں خواہ فنونِ عقلیہ ہوں یا نقلیہ، ان کو جو دستگاہ

حفظ وعلم، تعبیرِ رؤیا وسلیقۂ وعظ و انشار وتحقیقات نفائس علوم و مذاکرہ و مباحثہ باخصوم ممتازِ اقران بودند و معتقد فیہ موافق و مخالف، تمام عمر در تدریس و افتاء وفصلِ خصومات ووعظ و تربیتِ مریداں وتکمیلِ شاگرداں گذرانیدند وجاہ وعزتِ صوری واحترام تعظیم ظاہری باکمالاتِ باطنی فراہم داشتند۔ سید احمد بریلویؒ امیر المجاہدین رابیعتِ طریقت بایشاں بود، ریاستِ علم وعملِ بلادِ ہند بسوئے ایشاں وبرادرانِ ایشاں منتہی گشتہ، از علمائے دیارِ ہندوستان بلکہ بلادِ دیگر کم کسے باشد کہ نسبتے تلمذ یا استفادۂ باطن بایں خاندان درست نکردہ باشد شاگردی ایشاں فخرِ کبارِ علماست وکتب مؤلفہ ایشاں معتمد فضلاء۔ والدِ فقیر نیز از ایشاں روایت دارند، اخذِ علوم از والدِ ماجد خود وخلفائے ایشاں کردہ اند و خلقے بسیار از جناب ایشاں استفادہ نمودہ چوں اسانیدِ علوم تحصیلیہ ایشاں از فقہ و حدیث و تفسیر وغیر آں در تصانیفِ ایشاں مرقوم است ودر مردم مشہور۔۔ ...... خاندانِ ایشاں خاندانِ علوم حدیث و فقہ حنفی ست خدمتِ ایں علم شریف چنانکہ ازیں اہلِ بیت بوجود آمدہ

حاصل تھی وہ بیان سے باہر ہے، کثرتِ حفظ وعلم، خوابوں کی تعبیر، سلیقۂ وعظ، انشار پردازی، تحقیقاتِ نفائسِ علوم، مذاکرہ اور مخالفوں کے ساتھ مباحثہ کرنے میں وہ اپنے معاصرین سے ممتاز تھے اور موافق ومخالف سب کو ان سے اعتقاد تھا، تمام عمر درس وتدریس، افتار، فصلِ خصومات، وعظ وتربیتِ مریدین اور تکمیلِ تلامذہ میں گذار دی، باطنی کمالات کے ساتھ صوری جاہ وعزت اور ظاہری تعظیم واحترام بھی میسر تھا۔ امیرِ مجاہدین سیّد احمد (شہید) بریلویؒ کو ان ہی سے بیعتِ طریقت حاصل تھی، بلادِ ہند میں علم وعمل کی سیادت ان پر اور ان کے بھائیوں پر ختم تھی۔ دیارِ ہند کے علمار ہی میں نہیں بلکہ بیرونِ ہند میں بھی کم ہی کوئی ایسا عالم ہوگا جو تلمذ یا استفادۂ باطن کی نسبت اس خاندان سے نہ رکھتا ہوگا۔ ان کی شاگردی بڑے بڑے علمار کے لیے باعثِ فخر ہے اور ان کی لکھی ہوئی کتابیں فضلار کی معتمد علیہ ہیں۔ فقیر کے والد کو بھی ان سے روایت کی اجازت حاصل ہے۔ موصوف نے علوم کی تحصیل اپنے والد اور ان کے خلفار سے کی اور بڑی خلقت نے ان سے استفادہ کیا ان کے علومِ تحصیلیہ

درکشور از خاناں دیگر معلوم ومعہود نیست تخمِ عمل بالحدیث درحقیقت پدرِ ایشاں دریں سرزمین کاشتہ اند وایشاں آں را برگ وبار بخشیدہ۔

فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ کی سندیں ان کی تصانیف میں مذکور ہیں اور لوگوں میں مشہور ہیں، ان کا خاندان علومِ حدیث اور فقہ حنفی کا خاندان ہے۔ اس علم شریف کی خدمت جیسی کہ اس خاندان سے اس اقلیم میں بن آئی دوسرے خاندان کی بابت معلوم اور مشہور نہیں، درحقیقت اس سرزمین میں عمل بالحدیث کی تخم ریزی اُن کے والد ماجد نے کی اور انھوں نے اُس کو برگ و بار بخشے اور پروان چڑھایا۔

مولانا سید عبدالحی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۶۸ میں موصوف کا تذکرہ ان الفاظ سے شروع کیا ہے:

"الشیخ الامام العالم الکبیر العلامۃ المحدث عبد العزیز بن ولی اللہ بن عبد الرحیم العمری الدہلوی سیّد علمائنا فی زمانہ وابن سیّدہم لقبہ بعضہم "سراج الہند" وبعضہم "حجۃ اللہ"۔"

اور پھر لکھا ہے:

وکان رحمہ اللہ احد افراد الدنیا بفضلہ و آدابہ وعلمہ وذکائہ وفہمہ وسرعۃ حفظہ اشتغل بالدرس والافادۃ ولہ خمس عشرۃ سنۃ فدرس وافاد حتی صار فی الہند العلم المفرد وتخرج علیہ الفضلاء وقصدتہ الطلبۃ من اغلب الارجاء وتہافتوا علیہ تہافت الظمآن علی الماء .... ولعلک تتعجب انہ کان مع ہذہ الامراض المؤلمۃ و الاسقام المفجعۃ لطیف الطبع حسن المحاضرۃ جمیل المذاکرۃ فصیح

مرحوم اپنے علم وفضل، آداب، ذکاوت، ذہانت، فہم وفراست اور سرعتِ حافظہ میں عالم کے اندر یگانۂ روزگار علمار میں سے تھے۔ پندرہ برس کی عمر سے درس وتدریس میں مصروف ہوئے درس دیا اور فیض پہنچایا یہاں تک کہ ہندوستان میں یکتا عالم ہو گئے اور فضلار نے ان سے اکتسابِ کمال کیا، بیشتر مقامات سے طلبہ محض ان سے پڑھنے کے لیے آتے اور ان پر ایسے ٹوٹ پڑتے جیسے پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے ...... اور شاید تم کو تعجب

المنطق ملیح الکلام ذا تواضع وبشاشۃ و تودد لایمکن الاحاطۃ بوصفہ ومجالستہ ہی نزہۃ الاذہان و العقول بما لدیہ من الاخبار التی تنشف الاسماع والاشعار المہذبۃ للطباع والحکایات البعیدۃ واہلہا وعجائبہا بحیث یظن السامع انہ قد عرفہا بالمشاہدۃ ولم یکن الامر کذلک فانہ لم یعرف غیر کلکتۃ ولکنہ کان باہر الذکاء قوی التصور کثیر البحث عن الحقائق فاستفاد ذلک بوفود اہل الاقطار البعیدۃ الی حضرۃ الدہلی۔

ہوگا کہ موصوف ان تکلیف دہ بیماریوں اور اندوہ ناک امراض کے باوجود خوش طبع، حاضر جواب، شیریں گفتار، بڑے فصیح، خوش کلام، متواضع، ہشاش بشاش اور باوقار تھے، اُن کے اوصاف کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، ان کی مجلسیں عقول اور اذہان کی سیر و تفریح کا سامان تھیں، ان کی حکایتیں کانوں کو، اُن کے شائستہ اشعار طبائع کو بھاتے تھے اور دور دراز کے قصے اور وہاں کے باشندوں کی داستانیں بھی خوب ہوتی تھیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ سننے والے کو یہ گمان ہوتا تھا کہ موصوف نے ان باتوں کو دیکھ کے جانا ہے حالانکہ بات یہ تھی کہ انھوں نے کلکتہ کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا۔ غیر معمولی ذکی، قوی تصور تھے، اور حقائق سے خوب بحث کرتے تھے انھوں نے ان باتوں کو ان لوگوں سے سُنا تھا جو دور دراز سے دار السلطنت دہلی میں آئے تھے۔

مولوی عبدالقادر کا بیان ہے:

"مولانا شاہ عبدالعزیز علم تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے، اور ہیئت، ہندسہ، مجسطی، مناظر، اصطرلاب، جرِ ثقیل، طبعیات، منطق، مناظرہ، اتفاق و اختلافِ مِلل و نِحل، قیافہ، تاویل، تطبیقِ مختلف اور تفریقِ مشتبہ میں یکتائے زمانہ تھے۔ فنِ ادب اور ہر قسم کے اشعار کے سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ منقول میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے تھے اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے، خواہ مخواہ یونانیوں میں سے افلاطون، ارسطو اور متکلمین میں سے فخر رازی وغیرہ کے اقوال کی تائید میں مبتلا نہیں ہوتے تھے اور اپنی تحقیقات کو فنِ معقول میں صاف صاف بیان کر دیتے تھے۔" [علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) ج ۱۔ ص ۲۴۶ شائع کردہ اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی ۱۹۶۰ء]

سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں ان کا تذکرہ حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

"اعلم العلماء، افضل الفضلاء، اکمل الکملاء، اعرف العرفاء، اشرف الاماثل، فخر الاماجد و الاماثل، رشکِ سلف، داغِ خلف،

افضل المحدثین، اشرف علماء ربانیین، مولانا و بالفضل اَولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ العزیز کی ذات فیض سمات ان حضرت بابرکت کی فنون کسبی و وہبی اور مجموعۂ فیضِ ظاہری و باطنی تھی، اگرچہ جمیع علوم مثل منطق و حکمت و ہندسہ و ہیئت کو خادم علوم دینی کا کرکر تمام ہمت و سراسر سعی کو تحقیقِ غوامض حدیث نبوی و تفسیرِ کلام الٰہی اور اعلائے اعلام شریعت مقدسہ حضرت رسالت پناہی میں مصروف فرماتے تھے۔۔۔۔۔ چودہ پندرہ برس کی عمر میں اپنے والد ماجد عمدۂ علمائے حقیقت آگاہ شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں تحصیلِ علوم عقلی و نقلی اور تکمیلِ کمالاتِ باطنی سے فارغ ہوئے تھے،۔۔۔۔۔ حافظہ آپ کا نسخۂ لوحِ تقدیر تھا۔۔۔۔۔ باوجود اس کے کہ سنین عمر شریف قریب اسّی کے پہنچ گئے تھے اور کثرتِ امراضِ جسمانی سے طاقت بدن مبارک میں کچھ باقی نہ رہی تھی، خصوصًا قلّتِ غذا سے، لیکن برکاتِ باطنی اور حدّتِ قوائے روحانی سے حسب تفصیل مسائل دینی اور تبیین دقائق یقینی پر مستعد ہوتے تو ایک دریائے زخار موجزن ہوتا تھا اور فرطِ افادات سے حضار کو حالتِ استغراق بہم پہنچتی تھی۔

ہفتہ میں دو بار مجلسِ وعظ منعقد ہوتی تھی اور شائقینِ صادق العقیدت و صافی نہاد خواص و عوام سے مور و ملخ سے زیادہ جمع ہوتے تھے اور طریقۂ رُشد و ہدایت کا استفاضہ کرتے۔ (بروز یکشنبہ ۹ شوال ۱۲۳۹ھ میں اس جہانِ فانی سے سفرِ آخرت کو اختیار کیا۔۔۔۔۔ ایک قطعہ لکھتا ہوں:

حجۃ اللہ ناطق و گویا ‖ شاہ عبدالعزیز فخرِ زمن
روزِ شنبہ و ہفتمِ شوال ‖ درمیانِ بہشت ساخت وطن
مہرِ نصفُ النہار در عرفاں ‖ مثلِ بدرِ منیر در ہمہ فن
از سرِ لطف و علم تاریخش ‖ رضی اللہ عنہ گفت حسن

حکیم مومن خاں مومن نے تاریخ وفات خوب کہی ہے:

دستِ بیدادِ اجل سے بے سر و پا ہوگئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

ق ی ض ن ط ر ل م "

١٢ ←ھ→ ٣٩

علوم حدیث میں شاہ عبدالعزیزؒ کی دو کتابیں بستان المحدثین اور عجالۂ نافعہ مقبول اور مشہور کتابیں ہیں۔ اوّل الذکر جو حدیث کی مشہور کتابوں اور اُن کے مؤلفین کے حالات و تعارف پر مشتمل ہے، اس کا اردو میں شگفتہ ترجمہ استاد مرحوم مولانا عبدالسمیع صاحب شگفتہ مدرس دار العلوم دیوبند نے کیا تھا جو پہلے مطبع قاسمی دیوبند سے شائع ہوا تھا اور اب اس ترجمہ کو میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام باغ کراچی نے شائع کر دیا ہے۔

دوسرا رسالہ عجالہ نافعہ ہے یہ ان کا ثبت اور حدیث سے متعلق علوم کا آئینہ دار ہے۔
" تراجم علمائے حدیث ہند" مؤلفہ ابویحیٰ امام خاں نوشہروی میں آپ کی دیگر تالیفات اور سفرِ آخرت کا ذکر بتصرفِ قلیل حسبِ ذیل ہے :

تصانیف :۔ فتح العزیز (معروف بہ تفسیر عزیزی) فارسی - سر الشہادتین (عربی) - مجموعہ فتاویٰ (فارسی) عزیزیہ الاقتباس فی فضائل اخیار الناس (عربی)۔ تحفہ اثنا عشریہ (فارسی)۔ تقریر دل پذیر فی شرح عدیم النظیر (فارسی) ہدایت المومنین برحاشیہ سوالات عشرہ محرم (اردو) شرح میزان منطق (عربی)۔ حواشی بدیع المیزان (عربی)، حواشی شرح عقائد (عربی)۔ تعلیقات علی المسوّٰی من احادیث الموطا (عربی)

سفرِ آخرت :۔ مرض الموت میں مبتلا ہیں مگر فریضۂ تذکیر کا ابھی تک خیال ہے۔ فرمایا "مجھے اٹھا کر بٹھا دو اور دو آدمی میرے مونڈھے پکڑے رہو، لیکن جب بیان کرنا شروع کروں تو دونوں شخص مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کی فوراً تعمیل ہوئی اور آپ نہایت اطمینان سے وعظ فرماتے رہے۔ گو لب و لہجہ سے ناتوانی اور کمزوری کے آثار نمایاں تھے، لیکن استقلال ویسا ہی اپنا رنگ جمائے ہوئے تھا، وعظ ختم کرنے کے بعد آپ نے خدائے ذوالجلال کے دربار میں ہاتھ اٹھائے اور اپنے اور نیز تمام مسلمانوں کے لیے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کی۔ زاں بعد آیہ " ذوی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین وابن السبیل" زبان فیض ترجمان پر جاری ہوئی اپنے عزیز و اقارب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میری ملکیت میں جس قدر نقد و اسباب ہے سب ایک جگہ جمع کر دو ——— آپ نے آیۂ مذکور کے مطابق تمام جائز وارثوں کے حصے علیحدہ کر دیے ——— اس کے بعد آپ نے معرفتِ الٰہی میں عربی و فارسی کے چند اشعار ایسے دردناک لہجہ میں پڑھے کہ سننے والوں کے جسم میں بھی سنسنی پیدا ہو گئی اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

بروز یکشنبہ بتاریخ ، شوال ۱۲۳۹ھ وفات پائی ، اور قبرستان مہندیاں عقب جیل خانہ (دہلی) اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہوئے۔

حکیم مومن خاں مرحوم نے ذیل کا قطعہ تاریخ وفات لکھا :۔

حجۃ اللہ و ناطق و گویا ‖ شاہ عبدالعزیز فخرِ زمن
روز یکشنبہ ہفتمیں شوال ‖ درمیانِ بہشت ساخت وطن
مدِ نصف النہار در عرفاں ‖ مثل بدرِ منیر در ہمہ فن
از سرِ لطف و علم تاریخش ‖ رضی اللہ عنہ گفت حسن

۱۲۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین بحق سید الاولین و الآخرین وآلہ واصحابہ الراشدین المہدیین وتابع التابعین صلوات اللہ وسلامہ علیھم اجمعین، **قطعہ**

ہوتے کعبۂ دین کے یہ رُکن چار ‖ عمرؓ اور ابوبکرؓ عثمانؓ علیؓ
بنا پنج اسلام کے پنجتن ‖ حسینؓ و حسنؓ اور علیؓ ولی
چہارم بتول اور پنجم رسول ‖ محمدؐ کہ جن سے ہدایت چلی
شفیع اُمم ہیں خُدا کے حبیب ‖ جنھوں نے کہا ہے مع اللہ لی
یہ ہیں چاروں پانچوں بہم متحد ‖ ہے آپس میں ہر اک کو حُبِّ دلی
جو ان سے پھرا خاک بر سر ہوا ‖ نہ پائی کبھی راہِ حق کی گلی
تبرّا تبرّے پہ واجب سمجھ ‖ تولّا ہے ان سب کے ہو ممتلی
قرابت تقرّب جوان سب کو ہے ‖ پیمبر سے ہر اک پہ ہے منجلی
بھلا پھر ٹھکانا تبرّے کا کیا ‖ بچائے خدا کیسی ہے جاہلی
تصدّق سے ان سب کے ربِّ مجید ‖ نہ دینا کبھی مجھ کو یہ ہملی

بعد اس کے کہتا ہے ذرّہ بے نشان **عبدالمجید خاں** ولد عبدالرحیم خان متوطن حافظ آباد عرف پیلی بھیت کہ جب میرے محسن مکرم مجمع اخلاق حسن رئیس ابن رئیس علم و دانش کے جلیس و انیس، **نظم**

جن کا عبداللطیف خاں ہے نام ‖ لطف میں اُن کے کچھ نہیں ہے کلام
قدرداں قدر بخش قدر فزا ‖ کامراں کامگار کام روا

مشغوف مطالعہ تحفہ اثنا عشریہ کے ہوئے مجھ سے فرمائش ترجمے کی کی، **شعر**

تا یہ ہو جائے علم فہم کتاب ‖ مجھ کو ہو اس کے ترجمے کا ثواب

لہٰذا بحکم المامور معذور کے میں نے یہ ترجمہ لکھا، والّا مجھ ایسے نافہم کج مج زبان ابجد نا درست کردہ کو

ایسے بڑے فاضل کامل اجل واکمل کے دامنِ تحریر وتقریر میں دست رسائی کہاں جو مثل آفتاب نصف النہار کے مشہور اور مانند مہرِ نیم روز کے معروف ہے، **شعر**

نہ کُلّی کا دعویٰ نہ جزئی کا ہی دم || یہی کہتی بس کہ اللہ اعلم

ہاں بموجب مالا یدرک کلّہ لا یترک کلّہ کے شاید خالی نفع سے نہ ہو سہو وخطا کے عذر میں آگے کیا کہوں۔

ترجمہ دیباچہ مُصنّف رحمۃُ اللہِ علیہ

فرماتے ہیں حافظ غلام حلیم ابن شیخ قطب الدین احمد بن شیخ ابوالفیض دہلوی بخشے اللہ اُن سب کو اور اُٹھائے اُن کو صالحوں کے گروہ میں حشر کے دن کہ یہ ایک رسالہ ہے جس سے حال شیعہ کا کُھلتا ہے کہ اُصول ان کے کیا ہیں اور کہاں سے یہ مذہب نکلا ہے اور طریق ان کی دعوت یعنی دوسرے کو اپنے مذہب کی طرف رجوع کرنے کا کیا ہے اور کیا کیا اختلاف ان میں اور ان کے اخبار واحادیث کے راویوں میں ہیں۔ اور کچھ بیان ان کے عقائد کا جو الوہیت اور نبوت اور امامت اور معاد میں رکھتے ہیں اور بعض مسائل فقہیہ ان کے جن کے ٹھکانے ملّتِ حنیفیہ سے پوشیدہ ہیں کہ کہاں سے نکلے ہیں۔ اور کچھ ذکر ان کے اقوال وافعال کا جو صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات اور اہلبیتِ نبوی کے حق میں کرتے ہیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

اور اس سبب سے کہ یہ رسالہ بعد گزرنے قرن ثانی عشر یعنی بارہ سو ہجری نبوی کے تالیف ہوا اور جلوہ ظہور کا پایا تحفہ اثنا عشریہ اس کا نام رکھا۔ اور بدین وجہ کہ زمانہ گزشتہ میں جو کچھ گفتگو شیعہ امامیہ خصوص اثنا عشریہ سے بمقابلہ اہلِ سُنّت وجماعت کے واقع ہوئی اکثر وہ اس رسالے میں درج ہوئی اور جو چھوڑ دی گئی اُس متروک کا حال مذکور سے ظاہر ہے "نصیحۃ المؤمنین وفضیحۃ الشیاطین" سے ملقب کیا۔

غرض تحریر اس رسالے اور تسوید اس مقالے سے یہ کہ ہمارے زمانے اور شہروں میں بالفعل مذہب شیعہ یہاں تک مُروّج ہو گیا اور پھیل گیا ہے کہ بہت کم گھر ہوں گے جن میں دو ایک آدمی شیعہ مذہب نہ ہو گئے ہوں اور اس عقیدے کی طرف راغب نہ ہوں۔ لیکن اکثر علم تاریخ اور اپنے اخبار سے ناواقف اور احوال اصول اسلاف سے بے خبر۔ جب محفلوں اور مجلسوں میں اہلِ سُنّت وجماعت سے گفتگو کرتے تھے کج مج باتیں اکثر گریہ یعنے نامناسب بے محل درمیان میں لاتے تھے۔ اس سبب سے حسبۃً للہ یہ رسالہ لکھا گیا تا ہنگام مناظرہ راہ نہ چھوڑنے پائیں اور اُصول سے منکر نہ ہوں، اور بعض امور جو واقعی ہیں اُن میں تردد وشک واقع نہ ہو ؔع

عہ یہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا تاریخی نام ہے۔ تاریخ پیدائش ۱۱۵۹ھ اور تاریخ وفات ۷ شوال ۱۲۳۹ھ ہے۔ منہ

اس التزام کے کہ جو کچھ مذہبِ شیعہ اور اُن کے اصول اور اُن الزاموں سے جو نسبت اہل سنت کے عائد ہوتے ہیں ان کی مُعتبر کتابوں کے سوا اور سے نقل نہ کئے جائیں۔ اور جو الزامی باتیں کہ اہل سُنّت کی طرف عائد ہوتی ہیں چاہیے کہ وہ موافق روایات اہلِ سنّت کے ہوں ورنہ دونوں طرف سے تہمت تعصب وعناد کی بو نکلتی ہے اور لگی ہوتی ہے اعتماد ووثوق باہمی غیر واقع۔ اس کے سوا جو کچھ قصّوں اور حکایتوں گزشتہ سے اس رسالہ میں مندرج ہیں اُس قسم سے ہیں جس پر دونوں فریق کا اتفاق ہے۔ اور ہر چند تفسیر قرآن مجید دونوں کی یکساں ہے تاہم زیادہ تر شیعوں کی تفسیر سے اس میں نقل کیا گیا ہے تا گمان تہمت کا کسی کو نہ رہے وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

اب اس مقالے کے دیکھنے سُننے والوں سے التماس ہے کہ اس کے مطالعہ کے وقت اتنی باتوں کا لحاظ رکھیں۔

اوّل یہ کہ جو کچھ اس رسالہ میں قسم مطاعن اہل بیت عظام اور صحابہ کرام بلکہ نقصوں ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام سے مذکور ہیں اور لازم آئے راقم الحروف کو اُن سے بری الذمہ جانیں اور ان کے عہدے سے علیحدہ سمجھیں۔ مجھ کو بہ ہزار زبان اُن امورِ شنیعہ سے تبرا ہے اور بصد دل ایسی بے ادبیوں سے بیزاری کیا کروں بنا کلام ایسے گروہ کے اُصول پر ہے کہ بمجبوری اُس کو اختیار کرنا اور جدھر وہ کھینچتا ہے اُدھر جانا اور اُس کے رنگ میں رنگین ہونا پڑتا ہے۔

دوم یہ کہ جہاں کلام کو مطلق مقید کر کے موافق مذہب شیعہ کے بیان کیا ہے اور جہاں اہلِ سُنّت کے مذاق سے مقید کر کے ان کے قدم پر قدم رکھا ہے اُس میں یہ گمان نہ کریں کہ کلامِ مطلق کی بنا میرے مذہب پر ہے حاشا وکلا۔

سوم یہ کہ اس رسالہ کو وہ مطالعہ کرے کہ شیعہ اور اہل سنت دونوں کے مذہب سے فروعاً واصولاً واقف اور آشنا ہو اور دونوں کو جانتا پہچانتا ہو۔ اگر دوسرے مذہب کو کماینبغی نہیں جانتا قابل مطالعہ اس رسالہ کے نہیں ہے۔ ہاں اگر شیعہ مذہب پر اُس کو پُورے طور سے عبور میسر ہے اور اہلِ سُنّت کے مذہب سے چنداں آشنا نہیں ایسا شخص بھی اس سے نفع اُٹھائیگا۔ اور برعکس اس کے کہ شیعہ مذہب کو خوب نہیں جانتا اور اہلِ سُنّت کے مذہب کو پُورا جانتا ہے وہ اِس کے فائدے سے بے بہرہ رہے گا۔ کس واسطے کہ بنا اصل کلام کی اس رسالہ میں خاص اصول شیعہ اور ان کی روایتوں پر ہے۔

چہارم یہ کہ اس رسالہ میں جو کچھ شیعوں کی معتبر کتابوں سے منقول ہے اُس میں ذرا گنجائش افترا وبہتان کی نہیں ہے اس لئے کہ وہ کتابیں ان کی مشہور ومعتبر کتابوں سے ہیں دیکھنے والے کو چاہیے کہ بدیانتی

نہ کرے نقل و اصل کو مطابق کرے اور اس سے نہ ڈرے کہ اگر صحت نقل کی ظاہر ہو تو نقل اُس کی لازم ہوجائے۔

❋ **پنجم** یہ کہ تاویل کا گمان نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ ہرچند یہ سب شیعہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے لیکن شاید اس میں کوئی تاویل ہو کہ ہمارا ذہن اُس کو نہیں پہنچا اس واسطے کہ مناظرہ کے وقت ایسے احتمال سے عجز و بیچارگی جانی جاتی ہے اور جہل و نادانی کا گواہ ہوجاتا ہے اور باب گفت و شنید کو بند کردیتا ہے۔

اور تیمناً تبرکاً اس رسالہ کو موافق شمار بارہ اماموں کے بارہ باب پر مرتب کیا گیا۔

❋ **باب اوّل** اس باب میں کیفیت نئی نئی پیدا ہونے مذہب تشیع کی ہے اور شاخ شاخ ہونا اُس کا مختلف فرقوں کی طرف۔

❋ **باب دوم** مکائد شیعہ میں اور جو راہیں ان کے بہکانے اور فریب دینے کی ہیں۔

❋ **باب سوم** میں ذکر ان کے اگلے لوگوں اور کتابوں اور عالموں کا ہے۔

❋ **باب چہارم** میں ان کے اخبار و روایات کا ذکر ہے۔

❋ **باب پنجم** میں آلٰہیات کا بیان ہے۔

❋ **باب ششم** نبوات میں۔

❋ **باب ہفتم** امامت میں۔

❋ **باب ہشتم** معاد میں۔

❋ **باب نہم** مسائل فقہیہ کے ذکر میں۔

❋ **باب دہم** مطاعن خلفائے ثلٰثہ یعنے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و اُمّ المومنین یعنی عائشہؓ اور دیگر صحابہؓ میں۔

❋ **باب یازدہم** مشتمل بر خواص مذہب شیعہ اس میں تین فصلیں ہیں **فصل اوّل** ان کے اوہام کے بیان میں **فصل دوم** تعصبات میں **فصل سوم** ہفوات میں۔

❋ **باب دوازدہم** بیان تولا و تبرا میں کہ دس مقدموں پر مشتمل ہے ان بارہ۱۲ بابوں پر یہ کتاب تمام ہوئی ہے۔

(آگے مصنف رحمہ اللہ کتاب کے حق میں دعا فرماتے ہیں کہ) حضرتِ باری عزّ شانہ وجلّ سلطانہ اپنے فضل سے اور اُن بزرگواروں کی ذاتِ عالی کی برکت سے جن کا اس میں ذکر ہے اس کو مقبول کرے،

وَاللّٰهُ الْهَادِیْ إِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ وَالْمُلْهِمُ لِلْحَقِّ وَالسَّدَادِ۔

باب اوّل کیفیت حدوث مذہب تشیع میں اور شاخ شاخ ہونا اسکا مختلف فرقوں پر

جاننا چاہیے کہ مذہب شیعہ کا جب سے پیدا ہوا رنگ رنگ کے ظہور کرتا رہا اور طرح طرح کے لباس بدلا کیا۔ ہر وقت میں دوسرے رنگ پر ظاہر ہوا آخر سلاطینِ صفویہ نے جو شاہ صفی بن شاہ اسمٰعیل ایرانی کی اولاد تھے عراق و خراسان میں اس مذہب کے رواج دینے اور اصول و قوانین ضبط و حفظ کرنے میں کوشش کی۔ چنانچہ اُس وقت کے اُن کے علماء نے بڑی کوشش کرکے اس کے اصول و فروع درست کئے اور رسالوں اور کتابوں میں جمع کئے اُس وقت سے بدلنا اور ایک حال سے دوسرے حال پر ہونا اس کا موقوف ہوا ایک طور پر ٹھہر گیا مگر یہ رنگ بدلنا اور ایک حال سے دوسرے حال پر ہوتا رہنا خاص خاصہ اسی مذہب کا ہے اور بس۔ سوا اس مذہب کے کسی اہل مذہب نے گو اختلاف فروع مذہب میں ہوا لیکن اُصول مذہب کو کبھی تبدیل نہیں کیا البتہ اس کے بانی مبانی ہر وقت میں مناسب وقت کے ایک مذہب تراشتے اور اصول و ارکان بدلتے رہے ایک طور پر نہیں ٹھہرنے دیا۔ اس سبب سے اِس کے اصول و ارکان میں نہایت تغیر و تبدل واقع ہوا۔

اب تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خلفائے ثلٰثہ یعنی حضرات ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم کے وقت میں بہت سے شہر کفار یہود اور نصارٰی اور مجوس اور بُت پرستوں کے بعنایت ایزدی صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے ہاتھ سے فتح ہوئے۔ اور قتل و گرفتاری اور لوٹ اور غارت کفار نگونسار میں پڑی جس سے نہایت ننگ و عار اُن کو لاحق ہوئے حتیٰ کہ لڑکیاں ناکتخدا اُن کی ہم بستر ادنیٰ مسلمانوں کے ہوئیں اور لڑکی لڑکے اشراف کفار کے لونڈی غلام اجلاف عرب کے بنے۔ اور بکمال ذلت و خواری داغ جزیہ کا اُن کے اعلیٰ لوگوں پر لگایا گیا۔

❋ اوّل تو شیخین یعنی حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے وقت میں ان کفاروں نے بھی بمقتضائے غلبہ غیرت اور شدت غضب کے بہت سے ہاتھ پاؤں مارے اور جنگ و جدال میں مستعد رہے لیکن جو مدد الٰہی شامل حال اہل اسلام کے تھی کوئی بات پیش نہ گئی۔ اور سوائے زیان کاری و خجالت کے کوئی نتیجہ نہ پایا۔ ناچار خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے وقت میں یہ حیلہ پیدا کیا اور مکر بنایا کہ ایک جماعتِ کثیر ان میں سے بکلمۂ اسلام گویا ہوئی اور اس حیلے سے اپنے آپ کو مسلمانوں میں داخل کیا اور دل سے درپے اِس بات کے ہوئے کہ چراغ اسلام کا بجھا دیں اور مسلمانوں میں کینہ و فساد ڈال دیں۔ چنانچہ اسی کے حیلے اور تدبیریں ڈھونڈھتے رہے اتفاقاً تقدیر الٰہی سے جب زمانہ انقضائے خلافت کا کہ وہ بحکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس۳۰ برس تھے نزدیک پہنچا تو مصریوں میں سے ایک جماعت خلیفۂ سوم حضرت عثمانؓ سے باغی ہوگئی اور اُن پر قصد کیا۔ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ یہ جماعت اس آگ کے بھڑکانے میں سرگرم ہوئی اور فرصت و موقع سمجھ کر اطراف و جوانب خصوص کوفہ اور عراق سے مدینۂ منورہ کو پہنچی اور وہ باتیں

فساد انگیز کہ برسوں سے تیار کر رکھی تھیں اور بخوف صولتِ اسلام زبان پر نہیں لا سکتے تھے برملا کرنا شروع کیں ہر گاہ کہ شہادت حضرت عثمانؓ اور خلافت جناب امیرؓ نے صورت پکڑی ان لوگوں نے آپ کو مخصوص اور محبوں جناب امیرؓ میں ظاہر کیا اور شیعۂ علی اپنا لقب ٹھہرایا اور اس گھس بیٹھ سے نہایت خوش وقت اور خوش دل ہوئے۔ چاہا کہ خبث دِلی کو بے دغدغہ ظاہر کریں اور یہ فساد جو شہادتِ حضرت عثمانؓ میں اُٹھ کر قریب مٹنے کے ہو رہا ہے مٹنے نہ پائے اُس کو خوب لمبا چوڑا کر دیں۔

سب سے بڑھ کر اور سب کا دادا پیر اس گروہ میں عبداللہ بن سبا یہودی یمنی صنعانی تھا کہ مکر و اغوا میں بحالت یہود کے مشہور اور دغا و دغل میں ازبس معروف تھا گرم و سرد فتنہ انگیزی کے چکھے ہوئے اور نشیب و فراز اس راہ کے کماینبغی دیکھے ہوئے۔ غرض ان باتوں میں خوب چڑھا ہوا تھا اس نے مفسدوں کو ایک طور پر فریب دینا اور موافق مادہ ہر ایک کے بہکانا شروع کیا۔ اول تو اظہار اپنے کمال محبت و اخلاص کا خاندان نبوت سے کیا اور اُن کو محبت اہل بیت اور استحکام اس امر کی تحریص کی۔ اور واجب جاننا جانبداری خلیفہ برحق یعنے جناب امیرؓ کو اور رغبت نہ کرنا ان کے مخالفوں (یعنے خُلفائے ثلاثہ) کی طرف بیان کیا کہ یہ بات خاص و عام اور گروہ اسلام کو مقبول و مطبوع ہوئی سب اس کو اپنا ناصح اور خیر خواہ سمجھ کر معتقد ہوئے۔ جب اس نے اس جال میں لوگوں کو پھانس لیا تو پہلے یہ بات اُن کے دلوں میں ڈالی کہ جناب امیرؓ بعد آنحضرتؐ سب سے افضل ہیں اور آنحضرتؐ سے قریب تر اور وصی اور بھائی اور داماد اُن کے ہیں اور آیاتِ قرآنی اور حدیثیں جو جناب امیرؓ کے فضائل و مناقب میں تھیں اُن کو مع مخترعات اپنی طبیعت کے سب میں پھیلا دیا۔ جب دیکھا کہ شاگرد اس کے فضیلتِ جناب امیرؓ کے قائل ہو گئے اور یہ بات اِن کے ذہنوں میں خوب جم گئی تو ایک گروہ کو جو اسی کے خالص بھائیوں اور چیدہ یاروں سے تھے دوسرا بھید تعلیم کیا کہ جناب امیرؓ وصی آنحضرتؐ کے ہیں اور آنحضرتؐ نے صریح اُن کو اپنا خلیفہ کیا اور خلافت اُن کی قرآن کی اس آیتِ شریف إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ سے نکلی جاتی ہے لیکن صحابہؓ نے بسبب اپنے غلبہ اور مکر کے وصیتِ آنحضرتؐ کو ضائع کیا اور اطاعت خدا و رسول کی نہ کی اور حق جناب امیرؓ کا تلف کر ڈالا جملہ دنیا کی لالچ میں آکر دین سے پھر گئے۔ اور اُس جھگڑے کو جو حضرت خاتونِ جنتؓ اور خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ سے بابت فدک کے ہو کر منجر بصلح و صفا ہوا تھا اُس کو اپنے اس قول میں سند اور دستاویز ٹھہرایا۔ بعد اس تعلیم کے ہر ایک کو بھید چھپانے کی بالمبالغہ وصیت کی کہ اگر تم کو لوگوں سے اِس قسم کی گفتگو اور بات چیت آ پڑے تو میرا نام مت لینا بلکہ مجھ سے تبرّا اور بیزاری ظاہر کرنا اِس واسطے کہ مجھ کو اس وصیت و نصیحت سے محض بیان حق اور اظہار امر واقع منظور ہے نہ کہ نام و نشان اور منصب و جاہ۔

پس بسبب اس وسوسہ کے گفت و شنود ان باتوں کی اور طعن و دشنام خلفاء کی حضرت امیرؓ کے لشکر

والوں میں جاری ہوئی اور جھگڑے اور لڑائیاں ہونے لگیں یہاں تک کہ حضرت امیرؓ نے بر سر منبر برملا خطبہ فرمایا اور اس گروہ سے تبرّا اور بیزاری اپنی ظاہر کی بعض کو وعید اور ضرب حد یعنی سزا شرعی سے تہدید کی۔

ابن سبا نے جو دیکھا کہ یہ تیر بھی اُس کا نشانہ پر لگا اور فتنہ و فساد مسلمانوں کے عقیدے میں پڑ گیا باہم گفتگو کرتے ہیں اور درپے بے آبروئی ایک دوسرے کے ہوتے ہیں پھر ایک گروہ اخص الخواص شاگردوں سے چھانٹ کر خلوتِ خاص میں قول و قسم لے کر دوسرا بھید کہ اس سے باریک تر اور نازک تر تھا بیان کیا کہ جناب امیرؓ سے ایسی چیزیں ظاہر ہوتی ہیں جو مقدور بشر کا نہیں ہے یعنے کرامتیں اور ہر قالب میں ہو جانا، غیب کی خبر دینا، مُردے جِلانا حقائق الٰہیہ اور کونیہ بیان کرنا حاضر جواب اور عبارت و الفاظ میں بلیغ و فصیح ہونا، زہد و تقویٰ اور شجاعت بحد اور وہ قوت کہ نہ کسی نے آنکھ سے دیکھی نہ کان سے سُنی، آیا کچھ جانتے ہو کہ یہ سب چیزیں اُن میں کہاں سے آئیں اور یہ کیا بھید ہے سب نے عجز ظاہر کر کے کہا کہ ہم کچھ نہیں جانتے تم جس راہ ہم کو چلاؤ گے چلیں گے اس نے بہت سا شوق اُن کو دلا کر اور بہت سی تاکیدیں بھید چھپانے کی کر کے ظاہر کیا کہ یہ سب خواص اُلوہیت کے ہیں جو لباس بشریت میں جلوہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ خود ظاہر ہو کر کہا اعْلَمُوا أَنَّ عَلِيًّا هُوَ الْإِلٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ یعنے تم لوگ جان لو کہ بیشک علی خدا ہیں اور کوئی خدا نہیں سوا اُن کے۔ اور بعض باتیں جو جناب امیرؓ سے وجد و حال میں جیسا کہ اولیاء اللہ کو ہوتا ہے سرزد ہوئی تھیں مثل أَنَا حَيٌّ لَا يَمُوتُ وَأَنَا بَاعِثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ وَأَنَا مُقِيمُ الْقِيَامَةِ مؤید اپنے قول کی بنائیں اور گواہ اپنی رہنمائی کی ٹھہرائیں۔ معنی پہلے قول کے، میں ایسا زندہ ہوں کہ مجھ کو موت نہیں۔ دوسرے کے، میں ہی اُٹھانے والا مُردوں کا ہوں قبروں سے۔ تیسرے کے، میں ہی قائم کرنے والا قیامت کا ہوں۔ پس رفتہ رفتہ بحکم كُلُّ سِرٍّ جَاوَزَ مِنَ الْاِثْنَيْنِ فَشَاعَ کے یعنی جو بھید دو لب سے نکلا سو پھیلا۔ یہ قول قبیح اُس کا فاش ہو کر جناب امیرؓ تک پہنچا۔ آپ نے اُس گروہ کو مع ابن سبا آگ میں جلانے سے دھمکایا ڈرایا اور توبہ کرائی اور وہاں سے نکال کر شہر مدائن کو بھیجدیا۔ مدائن میں بھی یہ لوگ وہی باتیں قبیح اپنی ظاہر کرنے لگے۔ اور ابن سبا نے اپنے شاگردوں کو عراق و آذربیجان میں پھیلا دیا۔ حضرت امیرؓ بسبب کثرت اشتغال لڑائیوں کے جو باغیانِ شام سے درپیش تھیں اور نیز بوجہ دیگر امورات عظیم خلافت کے متوجہ حال ابن سبا اور اُس کے تابعین کے نہ ہوسکے یہاں تک کہ اُس کا مذہب رواج پا گیا اور پھیل گیا۔

پس لشکر والے جناب امیرؓ کے اس شیطان کے وساوس سے چار فریق ہو گئے۔

※ ایک فرقہ شیعۂ اُولیٰ اور شیعۂ مخلصین کہ اہل سنت و جماعت کے پیشوا ہیں اور حضرت امیرؓ کے چال چلن پر حقوق اصحابِ کبارؓ اور ازواجِ مطہراتؓ کے پہچانتے تھے اور ان کی بدگوئی ظاہر و باطن کرتے تھے۔ وصف لڑائیوں اور جھگڑوں باہمی کے کہ سینہ بے کینہ سے مکر و نفاق کو نکال دیا تھا اور صفت برأت حاصل کی تھی اپنی کو شیعہ

اُولیٰ اور شیعۂ مخلصین کہتے ہیں کہ یہ گروہ بجمیع وجوہ بحکم اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ کے شرِ اُس شیطان مکار سے محفوظ و مصئون رہے ان کا دامن نجاست خبث اُس پلید سے پاک رہا۔ معنے آیت کے یہ کہ بیشک میرے خاص بندوں پر تجھ کو غلبہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ نے یہ شیطان سے فرمایا ہے اُس وقت جو شیطان نے کہا کہ میں اُن کو بہکاؤں گا۔ اور جناب امیرؓ نے خطبوں میں مدح ان کی فرمائی اور روش اُن کی پسند کی۔

❋ دوسرا فرقہ تفضیلیہ کہ جناب امیرؓ کو سب صحابہؓ پر فضیلت دیتے تھے یہ فرقہ ادنےٰ شاگردوں اُس لعین سے تھا کہ اُنھوں نے تھوڑا سا وسوسہ اُس کا قبول کیا اور جناب امیرؓ نے اُن کو بہت ڈرایا دھمکایا کہ اگر میں نے کسی کو سُنا کہ مجھ کو شیخینؓ پر فضیلت دیتا ہے تو اُس کو سزا افترا کی دوں گا جو اسّی کوڑے ہیں۔

❋ تیسرا فرقہ شیعہ سبیّہ سب بمعنی دشنام کہ اُن کو تبرائیہ بھی کہتے ہیں جو تمام صحابہؓ کو ظالم و غاصب بلکہ کافر و منافق جانتے ہیں۔ اور یہ اُس کے اوسط درجے کے شاگردوں سے ہوئے اور وہ جھگڑے جو حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور حضرت امیرؓ کے باہم ہوئے تھے مؤیدان کے مذہب اور محرک ان کے دغدغے کے ہوئے اور جو یہ سب جھگڑے باہمی بابت خون حضرت عثمانؓ کے تھے بالضرور ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں بھی زبان لعن و طعن کی کھولی اور جو خلافت حضرت عثمانؓ کی مبنی بر خلافت شیخینؓ تھی اور بانی مبانی خلافت حضرت عثمانؓ کے حضرت عبد الرحمنؓ ابن عوف اور مثل اُن کے تھے لہٰذا سب کو نشانہ تیرِ طعن کا بنایا۔ ہرگاہ کہ یہ خبر بواسطۂ مخلصین جناب امیرؓ کے سمع شریف میں پہنچتی تھی تو خطبے فرماتے تھے اور بُرا بھلا کہہ کر اپنی بیزاری اُن سے ظاہر کرتے تھے۔

❋ چوتھا فرقہ شیعۂ غُلات یعنی نہایت حد سے بڑھا ہوا کہ یہ لوگ اُس خبیث کے خاص الخاص اور ارشد شاگردوں سے تھے کہ قائل الوہیت جناب امیرؓ کے ہوئے اور جو مخلصین اُن کو الزام فاحش دیتے تھے کہ جناب امیرؓ میں نشان خلاف الوہیت کے اور مقتضیات بشریت کے موجود ہیں تو الوہیتِ صریح سے پھر کر قائل حلول کے ہوئے کہ روح الٰہی نے قالب بشری میں نزول کیا ہے۔ اور جو کچھ عیسائی بعد توجیہ اپنے مذہب کے حضرت مسیحؑ کے حق میں بشبہ وَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا یعنے پھونکی ہم نے اُس میں اپنی روح سے، قرار دے کر تقریر کرتے ہیں ایسے ہی یہ لوگ جناب امیرؓ کے حق میں جاری کرتے تھے۔ مع ہذا بعض کلمات جناب امیرؓ کو موافق عقیدۂ فاسد اور اپنی بناوٹوں رکیک کے اُن کی طرف عائد کرتے تھے۔ بس یہ اصل راہ پیدا ہونے مذہب شیعہ کی ہے۔

اب اِس سے معلوم ہوا کہ اصل اصول شیعوں کے تین فرقے ہیں کہ تینوں ایک وقت میں پیدا ہوئے اور بانی مبانی ان تینوں فرقوں کا وہی ایک یہودی خبیث الباطن نفاق پیشہ تھا کہ ہر ایک کو ایک دوسرے پر فریفتہ کر کے اپنے جال میں پھانسا۔

اور جو غلات تھوڑے اور سبّیہ بہت ہیں اس کی یہ وجہ ہے کہ جب یہ دونوں فرقے آپس میں جدا و مختلف

ہوگئے تو وہ امور کہ محرک عقیدۂ سبّیہ کے ہوسکیں بہت بہم پہنچے۔ چنانچہ ایک ان میں سے جنگِ جمل ہے جس کا جناب امیرؓ کو باہم دگر حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ کے اتفاق پڑا کہ یہ لوگ سب حضرت ابوبکرؓ کے لگاؤ والوں سے تھے اور دعویدار خون حضرت عثمانؓ کے بھی۔ بس اس مقابلے میں ان لوگوں کو بغض و عناد دونوں خلیفوںؓ کو سے پیدا ہوا۔ واضح ہو کہ جمل شتر نر کو کہتے ہیں اور اس لڑائی میں حضرت عائشہؓ شتر پر سوار خود موجود تھیں اور کئی ہزار صحابی وغیرہم اُن کے اونٹ کے گرد شہید ہوئے تھے۔ مفصل حال اس کا آئندہ آئیگا۔

بس ان لوگوں نے شیعیتِ حضرت امیرؓ کو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے بغض پر منحصر کیا اور جب خلیفۂ اوّل سے بغض بہم پہنچا تو ناچار یہ بغض خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ کی طرف کھنچا۔ اس واسطے کہ خلافت حضرت عمرؓ کی فرع خلافت حضرت ابوبکرؓ کی تھی اور دونوں کا ایک طور ایک چلن بحدیکہ اتباع اور پیروی سیرت اور طریقہ دونوں کے ملتزمات سے تھے گویا خلیفۂ ثانی خلیفۂ اوّل کے وزیر و مشیر تھے اور حضرت خاتونِ جنتؓ کو فدک سے باز رکھنے میں اور اور جھگڑوں میں رفیق و شریک بس ان سببوں نے ان کے ذہن میں ایسا غلبہ کیا کہ جناب امیرؓ سے جو نسبت خویشی اور دامادی کے حضرت عمرؓ کو تھی اور بکثرت شریک مشورہ اور رجوع امور دین و خلافت میں حضرت عمرؓ کے رہتے تھے سب کو تقیہ اور کمزوری اور بیچارگی حضرتِ امیرؓ پر قیاس کیا۔ اور اکثر مہاجر اور انصار کو جو پیروی دونوں خلیفوں میں مثل پیروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سرگرم رہتے تھے اور معین و مددگار اور اُن کے اجرائے امر و نہی کو لازم اور فرض عین جانتے تھے مورد لعن و طعن کیا۔

❋ دوسرے کہ جناب امیرؓ اور بعد اُن کے حسنینؓ اور اُن کی اولاد مثل زیدؓ شہید اور دیگر سادات حسینیہ کو ہمیشہ نواصب شام سے جن کو اصطلاحاً خارجی کہتے ہیں اور وہ مروانی تھے۔ اور نواصب عراق سے کہ وہ عباسی تھے بڑی لڑائیاں اور کینہ واریاں درمیان میں رہیں۔ چنانچہ بعض نواصب غایت درجہ گمراہی پر جم کر اپنا منہ سیاہ کرتے تھے اور ان حضراتؓ کی جناب میں بے ادبانہ پیش آتے تھے اور شیخینؓ اور حضرت عثمانؓ کو اچھا کہتے تھے بلکہ مروانیوں نے خود جانب داری حضرت عثمانؓ کو وسیلہ اور سبب اس شرارت و گمراہی کا بنایا تھا۔ بس یہ فرقہ شیعہ سبّیہ کا بھی اُن نواصب کے مقابلے میں اُن کے اسلاف کے پیچھے پڑگیا جو خلفائے ثلثہؓ وغیرہم ہیں۔ اور دونوں طرف سے خوب حق بیحیائی کا ادا کیا۔

❋ تیسرے جناب امیرؓ اور ائمۂ اطہار بملاحظۂ شرارت اور بدذاتی اور خیانت و بدطینتی اس فرقہ بدبخت نواصب کے اور نیز بنظر غلبۂ ظاہری ان کے کلمات لعن آمیز ضمناً تصریحاً گویا ملامی باتیں بیان اوصاف علم مثل غصب اور ظلم اور بغض اہل بیت اور تغیر سنت رسولِ خدا اور نئی نئی بدعتیں پیدا کرنے اور احکام خلافِ شریعت نکالنے اور مثل ان صفات کے فرماتے تھے کہ واقف حقیقت کار کے خوب سمجھتے تھے۔ اس گروہ سبّیہ نے بے اندیشہ جلدی کر کے اُن سب باتوں کو صحابۂ کرامؓ اور ازواجِ مطہراتؓ کے حق میں ڈھالا اور اُن اوصاف کو اپنے عقیدۂ فاسدہ

چھپاں پایا اور عذر بیان ضمناً کا یہ کہ موافق مصلحت وقت کے تقیہ کیا ہے اگر تقیہ نہیں تو صریحاً نام ایسے لوگوں کا کیوں نہیں لیا رفتہ رفتہ یہ باتیں ان کے متاخرین کے ذہن میں نص صریح ہوگئیں واسطے لعن و طعن صحابہ کرامؓ اور ازواجِ مطہراتؓ کے۔

الحاصل ان سببوں سے اور مثل ان کے شیعہ سبیہ سب فرقوں سے زیادہ اور قوی تر ہو گئے کس واسطے کہ ان کو اپنے عقیدے کی مدد پے در پے ملتی رہی اور غلاۃ و تفضیلیہ کم اور ذلیل تر رہے لیکن غلاۃ کی قلت و ذلت اس سبب سے ہوئی کہ ان کے اعتقاد کی باتوں میں بطلان اور کلمات وحشت انگیز میں برائیاں بہت ظاہر ہوتی تھیں لاجرم کوئی ان کے ہذیانات کو نہیں سنتا تھا۔ اگر کسی وقت میں کوئی دھوکا کھا کر ان کے مزخرفات میں آبھی گیا تو فوراً اپنے کنبے قبیلے والوں کی نصیحت سے پلٹ جاتا تھا۔

اور تفضیلیوں کی قلت و ذلت کی یہ وجہ کہ دونوں طرف کے راندے ہوئے بیچ میں لٹک رہے تھے سبیہ تبرائیہ تو ان کو اپنی گروہ سے نہیں جانتے اور شیعہ علی کی گنتی میں نہیں گنتے اس واسطے کہ کما ینبغی حق محبت اہل بیت کا جو منحصر سب و تبرائے صحابہؓ اور ازواج میں ہے یہ ادا نہیں کرتے۔ اور جماعت مخلصین ان سب کو غیر چلن جناب امیرؓ کا سمجھ کر اور موردِ اُن کے وعید کا جان کر حقیر و ذلیل جانتے رہے ان کی وہ مثل ہے لَا فِي الْعِيْرِ وَلَا فِي النَّفِيْرِ یعنے نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے۔ اور عجب یہ کہ ابتک شیعہ سبیہ کے نزدیک فرقہ نواصب کا فرقہ اہل سنت سے تمیز و تفرقہ نہیں دونوں کو برابر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ فرقہ یعنی اہل سنت فرقہ شیعہ خاص جناب امیرؓ کا ہے کہ بدل و جان فدا خاندان نبوت کے ہیں اور ہمیشہ نواصب شام و مغرب اور عراق کے ساتھ لڑائیاں تیغ و سنان کی لڑتے رہے اور مناظرے علمی و زبانی کرتے رہے۔ اور مدد شعائر شریعت اور کھونے بدعات مروانیہ میں ساعی و سرگرم ہوئے اور نواصب کو بدترین کلمہ گویوں بلکہ ہمسر سگ و خوک کا جانتے رہے تاہم قطع نظر عوام سے خاص علماء ان کے کہ اپنے کو اخبار سلف اور مقالات اہل علم میں نہایت دانا جانتے ہیں شیعہ اولیٰ پر یہ بھی لفظ نواصب کا اطلاق کرتے ہیں کیسی بڑی حماقت ہے۔ اور کیا خوب کسی کا قول ہے لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ يُسْتَطَبُّ بِهٖ اِلَّا الْحَمَاقَةَ اَعْيَتْ مَنْ يُدَاوِيْهَا یعنے ہر مرض کی دوا ہے کہ اُس سے اُس مرض کا علاج کیا جاتا ہے مگر حماقت کہ عاجز کرتی ہے اپنے علاج کرنے والے کو بلکہ عند التفتیش ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ نواصب کا عُرف شیعہ میں بالکل مستعمل اُس شخص کے واسطے ہے جو مخالف ان کے عقیدے کا ہے پس غُلاۃ سبیہ کو نواصب جانتے ہیں اور سبیہ تفضیلیہ کو اور تفضیلیہ شیعہ اُولیٰ کو لیکن خوشا حال شیعہ اولیٰ کا کہ موردِ طعن و ملامت ہر فرقہ گمراہ شیعہ اور نواصب کے بنے ہیں اور سب کے ساتھ مخالفت اختیار کی گویا ان کو بوراثت جناب امیرؓ کے مجاہدہ کبریٰ اور غربت عظمیٰ نصیب ہوئے اور اِنَّ الدِّيْنَ بَدَءَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ غَرِيْبًا فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ مصداقِ حال اور کشف تمل ان کا ہوا بس اللہ کا شکر ہے۔

اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب میں کھل جائے گا کہ شیعہ اُولیٰ مراد مہاجرین و انصار سے ہے کہ اکثر یہ لوگ ہمراہ رکاب جناب امیرؓ کے باغیوں کی لڑائیوں میں موجود اور بناوٹ پر معانی قرآن کے لڑتے رہے ہیں جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نزول قرآن پہ منکرین سے لڑتے رہے اور جو بعض ان میں کے بسبب کمال پرہیزگاری اور احتیاط لڑنے سے کلمہ گویوں اور رشتہ کار قبلہ کے بیٹھ رہے اور عذر بیان کئے اور وہ سب عذر اُن کے جناب امیرؓ نے قبول فرمائے اور اس بیٹھ رہنے بھی ان لوگوں نے مشہور کرنے فضائل حضرت امیرؓ اور اظہار اُن کی صفات علوی اور تحریص محبت اور تعظیم آنجناب میں کوئی دقیقہ نامرعی نہ چھوڑا اور مصداق اس آیت کے ہوئے لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ یعنے نہیں ہے ضعیفوں اور نہ مریضوں اور نہ اُن لوگوں پر جو نفقہ نہیں پاتے کچھ حرج ہرگاہ کہ وہ خیرخواہ ہیں خدا اور رسول کے اور نہیں ہے نیکو کاروں پر راہ الزام کی۔

اور نیز معلوم ہو جائے گا کہ حاضرانِ بیعت الرضوان سے ایک جماعت کثیر نے قریب آٹھ سو آدمیوں کے لڑائی صفین میں کیسی داد جان نثاری کی دی اور تین سو آدمی درجہ شہادت کو پہنچے اُن کے سوا اور صحابہؓ اور تابعین نے جو احسان کئے کیا بیان کیا جائے اور کیا لکھا جائے کہ کیا کیا کیا۔ لیکن جو ایام خلافت گزر چکے تھے اور عمر خاتم الخلفاء حضرت امیرؓ کی آخر کو پہنچی تھی یہ سب سعی اور کوشش ان کی کارگر نہ ہوئی سوائے ثواب آخرت اور درجات عالیہ جنت کے کہ احدی الحسنیین سے ہے اور کچھ فائدہ نہ ہوا۔

الغرض بعد پیدا ہونے تشیع کے زمانِ حضرت امیرؓ میں اور پھٹ جانے شیعہ کے چار فریق پر کہ ایک فرقہ ان سے ملقب باہل سنت و جماعت ہے وَهُمُ الشِّيْعَةُ الْاُوْلٰى وَالْمُخْلِصُوْنَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ یعنے وہ شیعہ اُولیٰ ہیں اور اخلاص والے صحابہ اور تابعین سے واسطے اُن کے احسان ہے تشیع میں اور اور بھی نئی باتیں ہوئی ہیں یہی سبب جدا جدا ہونے فرقوں شیعہ کا ہے کہ ہر انقلاب میں دوسرے رنگ پر ظاہر ہوتا تھا اور ایک مذہب اور پیدا ہوتا تھا بس یہ انقلابات اکثر قریب شہادت ائمہ کے واقع ہوئے ہیں۔

چنانچہ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب اشقیائے شام و عراق نے موافق کہنے یزید پلید اور تحریص رئیس اہل بغض و فساد ابن زیاد کے امام ہمام کو کربلا میں شہید کیا کیسان نام ایک شخص کہ چیلوں سبط اکبر امام حسن مجتبیٰؓ سے تھا اور بعد وفات ان کے محمد بن علی جو مشہور محمد بن الحنفیہ کرکے ہیں اور برادر امام مذکور کے ان کی صحبت اختیار کرکے عجیب و غریب علوم اُن سے حاصل کئے تھے واسطے بدلے امام شہید کے مستعد ہوا اور لوگوں کو اس مہم کی رغبت دلائی ایک گروہ نے شیعہ اُولیٰ سے مثل سلیمان بن صرد خزاعی اور رفاعہ اور بعض شیعہ سبیہ نے پیروی اور اطاعت اُس کی کی اور ایک دو بار ابن زیاد اور اُس کے عاملوں سے بھڑے لیکن ان کی کوشش نے بجز شہادت کے کچھ ثمرہ

نہ بخشا ناچار مختار بن ابی عبیدہ ثقفی نام ایک شخص مدبّر کو شیعہ سے کہ فن ریاست وحکومت اور صنعت جنگ و جدال اور حرب و قتال میں اچھا مشاق تھا رئیس کیا اور ابراہیم بن مالک اشتر کو امیر الامراء قرار دیا پس اس مختار نے ابن زیاد کو بہت لڑائیوں میں شکست دے کر آخر جہنم کو پہنچایا اور مذہب کیسان کا اختیار کیا اس کیسان کا یہ حال کہ اوائل میں منکر امامت حسنین رضی کا تھا محمد بن الحنفیہ کو بعد حضرت امیر رضی کے بے واسطہ امام جانتا تھا حضرت امام حسن رضی نے جو معاویہ رضی اور شام کے لوگوں سے صلح کر لی تھی اس سبب سے اس کے نزدیک وہ لیاقت امامت سے گر گئے تھے اور امام حسین رضی کو بھی بسبب پیروی واطاعت امام حسن رضی کے ہر چند کہ اس صلح میں اُن کو کراہت تھی لیاقتِ امامت سے دور سمجھتا تھا۔ ناچار محمد بن علی کو خازن اسرار مرتضوی اور حامل لوائے امامت قرار دیا تھا اور کرامتیں عجیبہ اور علوم غریبہ اُن سے روایت کرتا تھا کہ وراثۃً جناب امیر رضی سے اُن کو پہنچے ہیں۔ مختار جب اس کے مذہب میں آیا اور نفس اُس کا خواہان ریاست و سلطنت کا ہوا اس نے واسطے تسلی خاطر گروہا گروہ شیعۂ کوفہ کے کہ دونوں اماموں کی جناب میں کمال اطاعت و انقیاد رکھتے تھے مناسب نہ دیکھا کہ انکار امامت امامین رضی کا کرے بلکہ یہ کہا کہ بعد امام رضی شہید خاتم آل عباس امام حسین علیہ السلام کے حکم امامت کا محمد بن علی سے تعلق رکھتا ہے انہی نے ہم کو واسطے قتل نواصب اور بدلہ لینے امام شہید رضی کے تحریص کی ہے اور خط وفرمان مہری اُن کے مخترعہ اپنے لوگوں کے سامنے ظاہر کئے اور موافقتِ کیسان کو گواہ اپنے دعوے کا بنایا آخر اس حیلے و تدبیر سے بہت لوگوں کو اپنا مطیع کر کے دیار بکر اور اہواز اور آذربیجان عراق کے شہروں پر مسلط ہو گیا۔ من بعد مصعب بن زبیر رضی برادر عبداللہ بن زبیر رضی نے کہ داماد امام شہید رضی کے تھے اور سکینہ رضی بیٹی حضرت امام رضی کی اُن کے نکاح میں تھیں اس کی بُرائیاں دیکھ کر فوج کشی کی اور جہنم کو بھیجا۔ اس مختار نے اپنے ہم مذہبوں کا مختاریہ لقب کیا تھا پہلے سے اُن کو کیسانیہ کہتے تھے جب اس کی بُرائیاں جہان میں مشہور ہوئیں اور ہر طرف سے لعنت و نکوہش پڑنے لگی تو اُن لوگوں نے مختاریہ لقب اپنا چھوڑ کر پھر کیسانیہ مقرر کیا۔ فی الواقع یہ مختار دین کے معاملوں میں نہایت بدعقائد تھا آخر میں دعوی نبوت کا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جبرئیل میرے پاس آتے ہیں اور مجھ کو میرے لشکر والوں اور امراء اور صوبہ داروں کے احوال سے خبردار کر دیتے ہیں۔ محمد بن الحنفیہ مدینۂ منورہ میں لاکھوں زبان سے بیزاری اس کے عقائد پلید اور وضعوں قبیح سے ظاہر فرماتے تھے اول وہ شخص کہ جس نے اسلام میں رسم ماتم عاشورہ اور رونے پیٹنے کے نکالی یہی مختار ہے اور یہ فعل اس کا یعنے ماتم وغیرہ محض بغرض فریفتہ کرنے شیعۂ کوفہ کے تھا تاکہ نواصب شام سے لڑیں اور اس تقریب سے ملک وسلطنت میرے ہاتھ لگے ورنہ اُس کو حضرت امام حسین رضی سے کیا مطلب رہا تھا جب خود اپنے کو پیغمبر جانتا تھا اور تابع اُس کے برملا دشنام وتبرا اصحاب رضی پر کرتے تھے

جب محمد بن حنفیہ نے وفات پائی کیسانیوں میں بابت تعین امام اور انتقالِ امامت کے اختلاف پڑا کہ اب امامت کس کو پہنچتی ہے۔ ابو کریب نے کہ اس گروہ کے رئیسوں سے تھا کہا کہ محمد بن علی خاتم الائمہ ہیں دشمنوں کے خوف سے

چند روز کو چھپ گئے ہیں بعد ایک مدت کے ظہور کریں گے غرض اُس کی یہ تھی کہ لوگ اور کسی کے معتقد نہ ہو جائیں اور بطور سابق میرے مطیع اور فرمانبردار رہیں۔ دوسرے رئیس اس گروہ نے کہ اسحاق تھا بوسیلۂ رسل رسائل کے ربط اپنا ابو ہاشم بن محمد بن الحنفیہ سے ظاہر کیا اور کہا کہ اب امام وہ ہیں اور مجھ کو اپنا نائب کیا ہے۔ پھر بعد ابو ہاشم کے اسحاقیہ قائل امامت اولاد ابو ہاشم کے ہوئے۔ اور ابن حرب کندی نے کہ رؤسائے اسحاقیہ سے تھا اپنی نسبت دعوی امامت کا کیا ایک گروہ نے چیلوں اور چیلے زادوں عبداللہ بن جعفر سے کہ شریک اسحاقیوں کے تھے بعد ابو ہاشم کے تعلق امامت کا عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر سے کیا کہ ایک جماعت کثیر نے کوفہ کے شیعوں سے اتباع اُن کا کیا اور ایک گروہ کیسانیہ اس طرف رجوع ہوئے کہ بعد ابو ہاشم کے امامت ابو طالب کی اولاد سے منتقل ہو کر حضرت عباس رضی کی اولاد کو پہنچی ہے۔ اور علی بن عبداللہ بن عباس کو امام جانا۔ پھر ان کی اولاد میں سلسلہ امامت کا جاری کیا کہ نوبت منصور دوانقی عباسی تک پہنچی یہ سلسلہ بھی موہوم واقع ہوا لیکن یہ عجیب حال تھا کہ جن لوگوں کو یہ اپنے گمان میں امام قرار دیتے تھے اور بنام بنا داُن کے دعوت کرتے تھے وہ لوگ اس دعوی سے بیزاری تمام ظاہر کرتے تھے اور اپنے کو اس امر سے بچاتے تھے مگر یہ لوگ گمراہ کب مانتے تھے اُنھوں نے اُن کے انکار واجتناب کو تقیہ ٹھہرایا کہ دشمنوں کے خوف سے جان بچاتے ہیں۔ اس واسطے کہ ابھی مدینہ مروانیوں کے قبضے میں ہے بس یہی موقع تھا اور یہی بنیاد تقیہ کی تھی جو شیعوں میں پھیلا۔ مگر اس زمانے میں تشیع منحصر کیسانیت اور مختاریت میں تھا اور گروہ کے گروہ شیعۂ کوفہ کے اس مذہب میں ہو گئے تھے غلاۃ وتفضیلیہ بہت کم اور ذلیل تھے۔ اور ان کیسانیوں کے آپس میں بھی بڑی پھوٹ تھی گروہ گروہ ہو گئے تھے۔

تیسرا انقلاب شیعہ مذہب میں یہ ہوا کہ جب حضرت امام زین العابدین رضی عالم بقا کو سدھارے زید بن علی بن حسین رضی نے جن کا لقب زید شہید ہے ہشام بن عبدالملک بن مروان پر کہ بادشاہِ وقت تھا خروج کیا۔ جب نواح کوفہ اور عراق میں پہنچے ایک گروہ شیعۂ مخلصین سے اُن کے ساتھ ہوئے اس واسطے کہ اولاد مروان کی بسبب اس کے کہ ان کے عامل ظالم تھے قابل ریاستِ ظاہر کے بھی نہیں رہی تھی اور بارہ ہزار آدمی شیعہ سبیہ کہ اکثر ان سے کیسانیہ اور مختاریہ تھے اور بعضے قائل امامت حضرت زین العابدین رضی کے یہ بھی اُن کے ساتھ ہوئے۔ یوسف بن عمر ثقفی کہ ہشام کی طرف سے امیر عراقین کا تھا اُس کی لڑائی پر متوجہ ہوئے حضرت زید رضی شہید نے جو دشنام وتبرا ان لوگوں سے سُنا بارہا گھر کی جھڑکی فرمائی اور اُن کے رئیسوں پر سخت تقید کی کہ اپنے تابعین کو اس امر شنیع سے باز رکھو۔ جب لڑائی نزدیک ہوئی اور دشنام وتبرا سے کہ زبانی باتیں تھیں نوبت سیف و سنان کی پہنچی اور وقتِ امتحان شیعہ پن اور محبت اہل بیت کا آیا تب اس بہانے سے کہ ہم کو لعن وطعن صحابہ رضی سے کیوں منع کرتے ہیں ترکِ رفاقت پر راضی ہو کر اور اُن کو دشمنوں خونخوار کے حوالہ کر کے بدستور قصۂ حضرت امام حسین رضی اپنے اپنے گھروں میں

گھس رہے یہاں تک کہ حضرت زیدؓ شہید ہوئے۔

اور اس معاملے میں عجب انقلاب شیعہ مذہب میں ہوا جو لوگ کہ زید شہیدؓ کے ساتھ رہے تھے اُنھوں نے اپنا شیعہ خالص لقب کیا اور قائل ہوئے کہ امام برحق بعد حضرت امام حسینؓ کے زید شہیدؓ ہیں۔ شہادت کہ میراث اُن کے باپ دادا کی ہے اُن کو نصیب ہوئی اور راہ امامت میں اپنی جان پر کھیل گئے امام کو ایسا چاہیئے کہ سوا خدا کے کسی سے نہ ڈرے خود تلوار لے کر نکلے اور پرواہ کسی کی رفاقت اور ترک رفاقت کی نہ کرے۔ اور وہ گروہ جوان کا ساتھ چھوڑ کر کوفہ کو لوٹ گئے تھے اُن کا لقب روافض رکھا بلکہ خود زید شہیدؓ نے ان جھوٹے بیوفا لوگوں کے حق میں فرمایا رَفَضُوْنَا فَهُمُ الرَّوَافِضُ یعنے چھوڑ گئے وہ ہم کو بس وہ چھوڑنے والے ہیں۔

بعد لوٹ جانے اپنے گھروں کے اِس گروہ میں بھی مشورہ تعین امام کا پڑا کہ امام تجویز کیا جائے اور اپنا لقب امامیہ مقرر کیا۔ پس بعضے امامت حسنؓ مثنیٰ بن حسن مجتبیٰؑ کے قائل ہوئے اور اکثر قائل امامت محمد باقر علیہ السلام کے ہوئے کہ اُس وقت میں یہ بڑے عالم اور افضل اور متقی اور عابد خاندانِ اہل بیت سے تھے اور تمام شیعہ مختاریہ اور کیسانیہ کی اس مذہب کی طرف دعوت شروع کی۔ چنانچہ دعوت کرنے والے اِس مذہب کے کہ رئیس اس گروہ کے تھے یہ ہیں ہشام بن الحکم احول اور ہشام بن سالم جوالیقی اور شیطان الطاق اور میثمی اور زرارہ بن امین کوفی۔

بعد وفات امام باقر علیہ السلام کے اس گروہ میں پھر اختلاف پیدا ہوا۔ بعض نے کہا کہ وہ حیّ لایموت ہیں یعنے مرے نہیں زندہ ہیں۔ بعض اُن کی موت کے قائل ہوئے اور یہ کہ بعد حضرت امام باقرؓ کے اُن کے بیٹے زکریا امام ہیں اُن کو حیّ لایموت اعتقاد کیا۔ بعض امامت حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے قائل ہوئے اور یہ بڑا گروہ ہوا۔ اور ایک جماعت کثیر نے ان کا اتباع کیا اور خاص امامیہ اپنا لقب ٹھہرایا اور تابعین زیدؓ شہید زیدیہ کہلاتے۔ اور جو کہ امامیہ میں کئی رئیس تھے اس سبب سے ان میں پھر اختلاف مذہب کا بہم پہنچا اور اس گروہ کے ہر ایک نے رؤسا مذکورین سے موافق اپنی خواہش کے ایک مذہب تابعین کے واسطے تراشا اور گروہ علیحدہ قرار دیا لہٰذا ہشامیہ سالمیہ شیطانیہ اور نیز میثمیہ زراریہ، یہ چار فرقے ان کے ہوئے۔

بعد وفات حضرت جعفر صادقؑ کے ایک انقلاب بہت بڑا ظاہر ہوا اور اختلاف خوفناک پیش آیا کہ یہ چوتھا انقلاب ہے شیعہ مذہب میں منجملہ انقلاباتِ عظمیٰ کے۔ پس بعض قائل ہوئے کہ حضرت صادقؓ حیّ لایموت ہیں چند چھپ گئے ہیں پھر لوٹ آئیں گے بعض ان کی موت کے قائل ہوئے۔ کسی نے تو ان کے بیٹے حضرت کاظمؓ موسیٰ بن جعفر کو امام جانا اور ایک گروہ نے اسمٰعیل بن جعفر کو۔

پھر اسماعیلیوں میں اختلاف پڑا بعض کہتے تھے کہ امامت اسماعیل پر ختم ہو گئی اُن کے بعد کوئی امام نہیں

نہ وہ مرے بلکہ زندہ حی لایموت ہیں۔ بعض اُن کے مرنے اور اُن کے بیٹے محمد بن اسماعیل کی امامت کے قائل ہوئے۔

پھر یہ فرقہ آپس میں مختلف ہو گیا اور ان کے اختلاف کا یہ سبب ہے کہ جب اسمٰعیل بن جعفر نے روبرو حضرت جعفر کے وفات پائی تو ایک لڑکا چھوڑا جن کو محمد کہتے تھے اور وہ حضرت صادقؓ اپنے دادا کے ساتھ بغداد میں آ کر فوت ہوئے اور مقابر قریش میں دفن کیے گئے۔ اُن کا ایک غلام تھا مبارک نام خوشنویسی اور نقاشی اور دستکاری میں مشہور عبداللہ بن میمون قداح اہوازی نے اُس سے ملاقات کی اور بعد وفات حضرت صادقؓ کے مبارک سے ظاہر کیا کہ میں محمد تیرے مالک کے شیعہ سے ہوں اور جب خوب ملازمت اور مصاحبت مبارک سے پیدا کر لی تو خلوتِ تنہائی میں اُس سے کہا کہ میرے پاس بعض اسرار پوشیدہ تیرے آقا کی طرف سے ہیں کہ کبھی کسی پر اُنھوں نے ظاہر نہیں فرمائے یہ کہہ کر بیان مقطعات قرآنی کا موافق کلام حکمائے فلاسفہ کے شروع کیا۔ مقطعاتِ قرآنی جیسے الٓمٓ یا الٓمٓصٓ یا کٓہٰیٰعٓصٓ اور امثال ان کے سوا ان مقطعات کے بعض فنون شعبدہ اور سحر اور طلسمات سے بھی اُس کو تعلیم و تلقین کئے۔

چنانچہ محمد بن زکریا رازی نے کتاب المخاریق میں تھوڑا سا اس کا بیان کیا ہے کہ یہ عبداللہ بن میمون قداح بڑا ملحد اور زندیق دشمن دینِ اسلام کا تمامت سے چاہتا تھا کہ اس دین میں فساد ڈالے مگر قابو نہیں پاتا تھا اس وقت میں اس کو خوب گھی چپڑی روٹی مل گئی اور مراد حاصل ہوئی مثل عبداللہ بن سبا کے کہ اصل و منشا مذہب تشیع کا ہے۔ خلاصہ کلام کا یہ کہ مدت تک تو ایک دوسرے کے ہم صحبت رہے اور پھر باہم عہد و پیمان کر کے جدا ہوئے مبارک کوفے میں پہنچا اور کوفے کے شیعوں کی طرف مذہب اسمٰعیلیہ کی دعوت شروع کی اور اپنے فرقے کو مبارکیہ اور قرمطیہ سے ملقب کیا اِس واسطے کہ قرمط لقب اس مبارک کا تھا اور عبداللہ بن میمون کوہستان عراق کو گیا اور پہاڑیوں وحوش سیرت کو بزور طلسمات اور شعبدات کے اپنے جال میں پھانسا اور ہر ایک کو اپنے تابعین سے مذہب چھپانے کی وصیت کی کہ اُسْتُرْ ذَهَبَكَ وَذَهَابَكَ وَمَذْهَبَكَ یعنے چھپا اپنے زر کو اور سفر کو اور مذہب کو اور اپنے گروہ کو میمونیہ کے ساتھ ملقب کیا۔ جب پہاڑیوں سے خاطر جمع کر کے زور بازو حاصل کر لیا تو ایک شخص خلف نامی کو نائب اپنا کر کے خراسان اور قم اور کاشان کو رخصت کیا اور دعوت کا حکم دے کر خود بصرے کی طرف متوجہ ہوا تا بصرے والوں کو بہکائے بھٹکائے۔ خلف اول تو طبرستان کو گیا وہاں کے شیعوں کو مذہب میمونیہ کی طرف دعوت کر کے کہا کہ مذہب اہل بیت کا یہی ہے اور اَهْلُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِيْهِ یعنے جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اُس کو گھر والے ہی خوب جانتے ہیں، گروہ کے گروہ مسلمانوں کے فرقے از خود مذہب تراش تراش کر تنگیوں و تکلیفات و تشریعات میں گرفتار ہوئے ہیں اور لذائذ و طیبات سے محروم رہے ہیں۔ پھر نیشاپور گیا وہاں کے شیعوں کو بھی انہی کانٹوں میں گھسیٹا۔ اور بعض نے دیہات نیشاپور میں رہنا اختیار کیا۔ جب یہ خبر

روسائے اہلِ سنت کو پہنچی اُس کی تنبیہ کے درپے ہوئے تو چھپ کر رَےؔ کی طرف چلا گیا وہاں کے لوگوں کو بہکانا شروع کیا۔ الغرض جب تک زندہ رہا یہی کام کرتا رہا۔ ناگاہ تابعانِ ملک لموت نے اُس کا کام تمام کیا تو اس کے بعد احمد نام بیٹا اُس کا قائم مقام باپ کا ہوا۔ اور ایک شخص کو جس کا غیاث نام تھا نائب اپنا کرکے ملک عراق کو بھیجا۔

یہ غیاث ایک شخص ادیب و شاعر اور مکار و غدار تھا اور مصنفینِ باطنیہ سے اول یہ ہے اس کی ایک کتاب ہے بیان نام اصول مذاہب باطنیہ میں اور اس کتاب کو مرصع کیا ہے مثالوں سے اور اشعار دلکش عرب سے۔ اور واسطے صحت دلیل کے آیتیں اور حدیثیں بہت لاتا ہے۔ اور معنی وضو اور نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ اور دیگر احکام کے بطور باطنیہ بیان کرکے لغات کے گواہوں (شواہد) سے اُن کو ثابت کیا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مراد شارع کی یہی ہے۔ عوام نے جو کچھ سمجھا ہے محض خطا و غلط ہے۔ اس کے زمانے میں مذاہب باطنیہ کو بڑی رونق پیدا ہوئی۔ لوگوں نے ایک نئی روش اور سہل کہ جس میں نہایت بے خوفی اور بہت سی مباح چیزیں پائیں خوب پسند کیا۔ اور ہر ایک کے دلچسپ ہوا ہزاروں ہزار جاہل اور فاسق اس کی اطاعت میں داخل ہوئے اور دُور دُور کے شہروں سے اس کی طرف دوڑ پڑے اور یہ حادثہ دو سو دو ہجری میں ہوا جیسا کہ حدیثِ صحیح میں اس کا اشارہ فرمایا تھا ظُهُوْرُ الْاٰيَاتِ بَعْدَ الْمِائَتَيْنِ یعنے دو سو برس بعد ظہور نشانیوں کا ہے اس وقت میں تشیع کفر اور قیاساتِ فلسفہ سے مل کر گویا بول و براز اور خونِ حیض سے مرکب ہو کر عجیب ایک معجون بنا کہ دجال بھی ایک دل نہیں بلکہ سیکڑوں دل سے اس معجون کا رشک کرتا۔

اسی درمیان میں کہ غیاث اوجِ ضلالت کو پہنچا ہوا لوگوں کے بہکانے میں سحر کاریاں کر رہا تھا کہ ایک شخص نے اُس کے پاس آکر کہا کہ کس خیال میں ہے روسائے اہل سنت و جماعت تیرے مار ڈالنے کی فکر میں ہیں خبردار ہو اور اپنی راہ لے۔ غیاث اس خبر کے سنتے ہی گرتا پڑتا گھبرایا ہوا مرو شاہجہان کو بھاگ گیا اور ایک مدت چھپا رہا لیکن اس حال میں بھی اپنا کام کرتا رہا جو کوئی اُس کو مل جاتا تھا اُس کو بہکا دیتا تھا۔ بعد ایک مدت کے پھر ارادہ رَے کا کیا پھر اُس کو اہل سنت و جماعت سے وہم پیدا ہوا پھر بھاگا اثنائے راہ میں جان قابضِ ارواح کے حوالے کی۔ عبداللہ بن میمون قداح یہ خبر سُن کر نہایت رنج و تاب میں پڑا آخر کمالِ اندوہ سے مر گیا اور بصرے میں دفن ہوا۔ احمد نام اپنے بیٹے کو جو خلیفہ اپنا کر گیا تھا وہ گمراہی و شرارت میں باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اول تو یہ بصرے سے شام کو گیا وہاں بسبب باقی ہونے نواصب مروانیوں اور ان کے تعصب کے کچھ کام نہ چلا سکا۔ بعد اس کے زمینِ مغرب کی طرف متوجہ ہوا وہاں ایک گروہ کو گمراہ کرکے پھر شام میں آیا۔ شام سے بصرے میں آکر باپ کے پاس پہنچ گیا اس کے بعد محمد نام بیٹا اس کا قائم مقام باپ کا ہوا۔ پہلے ملک مغرب کو گیا وہاں اس کی قدر و عزت بڑی

اس نے دعویٰ کیا کہ میں مہدی موعود ہوں۔ اس فریب سے بہت لوگ بہک گئے اور اس کے مطیع ہوئے۔ افریقیہ اور شہروں پر مغرب کے مسلط ہو گیا۔ اس نے اپنے تابعین کا مہدویہ لقب کیا۔

بعد ایک مدت کے مہدویہ میں پھوٹ اور اختلاف پڑا اس کا یہ سبب ہوا کہ مستنصر جو اسی محمد مہدی کی اولاد سے تھا اور بادشاہِ مصر و مغرب کا اُس نے اول تو اپنے بھائی نزار نام کی امامت پر بعد اپنے حکم قطعی دیا اور پھر دوسری بار اپنے بیٹے مستعلی کے نام دوسرا حکم کیا۔ ایک جماعت تو پہلے حکم پر چلی کہ نزار کو امام جانا اور کہا کہ حکم ثانی لغو ہو گیا اس واسطے کہ حکم اول اپنا کام کر چکا تھا۔ ایک گروہ نے حکم ثانی کو ناسخ حکم اول کا ٹھہرایا اور مستعلی کو امام بحق اعتقاد کیا۔

پھر فرقۂ اسمٰعیلیہ سے ایک شخص نے کہ محمد بن برقعی کہلاتا تھا سنہ ۲۵۵ھ میں اہواز سے خروج کرکے دعوے امامت کا کیا اور اپنے کو علویہ سے ظاہر کیا حالانکہ علویوں سے نہ تھا مگر ایک علوی نے اُس کی ماں سے نکاح کر لیا تھا اور اس نے ماں کے ساتھ اُس علوی کے ہاں پرورش پائی تھی۔ اس واسطے اپنے کو اُس علوی سے منسوب کیا اور خوزستان بصرہ اور اہواز پر غلبہ پایا۔ اور ایک بڑی مخلوق کو گمراہ کیا اور اپنے فرقہ کا برقعیہ نام رکھا معتضد عباسی نے اُس پر لشکر بھیج کر شکست دی پھر اُس نے دھندہ مچایا پھر شکست کھائی اسی مار دھاڑ میں چند برس گزر گئے آخر سنہ ۲۷۰ھ میں ایک بڑا لشکر اس کے سر پر آیا اس نے اور اس کے تابعین نے جدال و قتال میں بڑی کوشش کی آخر ہزیمت پائی۔ برقعی گرفتار ہو کر بغداد کو گیا معتضد نے اُس کو مارا اور سولی پر چڑھایا۔

من بعد سنہ ۲۷۰ھ میں اور ایک اسماعیلیہ سے پیدا ہوا اُس کا نام حکم بن ہاشم تھا ملقب بلقب مقنع۔ یہ ایک شخص فیلسوف ہر صنعت کا جاننے والا تھا۔ اور فنِ بلاغت اور علمِ شعبدہ اور طلسمات اور جادو اور اکثر علم فلاسفہ خوب جانتا تھا۔ اور عجیب باتیں اس سے بہت ظاہر ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ شہر نسف میں ایک کنواں بنایا تھا اُس کنویں سے مغرب کے وقت ایک چاند نکلتا تھا کہ اُس کی روشنی سے پانچ فرسنگ تک روشن ہو جاتا تھا اور قبل طلوع فجر سے چھپ جاتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ آلہیۂ اربعہ سے چوتھا شخص میں ہوں۔ شیعہ اُس کی تصدیق بہ دل کرتے تھے اور جمعیت اُس کی بہت ہو گئی۔ تھے کہ بادشاہ ماوراء النہر کے اس کے ہاتھ سے نہایت عاجز ہوتے۔ آخر خلیفۂ بغداد اور اُمرائے خراسان اور ملوک ماوراء النہر نے بھاری لشکر اُس پر بھیجا اس نے بھی قدم ثبات کا خوب جما کر داد لڑائی کی دی۔ جب ہزیمت نے ہر طرف سے اس کو گھیرا تو اپنے یاروں سمیت ایک قلعۂ مضبوط میں کہ اسی روزِ بد کے واسطے چوٹی پہاڑ پر بنا رکھا تھا جا گھسا۔ مسلمانوں نے اس قلعے میں اُس کو گھیرا اور دانہ پانی بند کیا۔ اس نے اول تو اپنے تابعین کو حکم دیا کہ آتش عظیم جلائیں پھر اُن سب کو شراب میں زہر کھلا کر مارا اور بدن اُن کے آگ میں جلا کر راکھ ہوا پر اُڑا دی۔ من بعد خود ایک مٹکے میں کہ اُس میں تیزاب فاروق تھا جس کی خاصیت یہ تھی کہ جو کچھ

اُس میں ڈالا جائے گل کر پانی ہو جائے، گھسا اور پانی ہو کر فانی ہو گیا۔ ہنوز مردم حصار کو یہی گمان تھا کہ وہ قلعے میں قائم ہے کہ ایک عورت نوجوان قلعے کے کسی گوشے میں مریض بے ہوش پڑی تھی دو روز کے بعد جو ہوش میں آئی تو کیا دیکھتی ہے کہ قلعہ یار و اغیار سب سے خالی ہے۔ بسبب وحشت تنہائی کے دروازۂ قلعہ پر آکر چلائی کہ قلعے میں سوا میرے کوئی نہیں ہے۔ جب لوگ برج و فصیل پر چڑھے تو دیکھا کہ قلعہ بالکل خالی ہے پس دروازہ کھول دیا فوج کے لوگ گھس گئے ہر چند تلاش کیا قلعہ والوں سے کسی کا جسم و بدن نہ پایا۔ بعض تابعین اُس کے کہ اول بھگدڑ میں متفرق ہو کر دیہات میں چھپ گئے تھے اُنھوں نے اس واقعہ کو سچا گواہ اُس کی اُلوہیت پر قرار دیا اور بکمال فرحت و شادی کی کہ بے شبہ وہ اِلٰہ تھا اپنے یاروں سمیت آسمان پر چلا گیا۔ افسوس ہم بھی اُس کے ساتھ چلے جاتے اور اس ترقی کو پہنچتے۔ آخر زبانی اس عورت مریضہ کے کہ غلبۂ مرض سے بیہوش تھی اور کبھی کبھی اندر والوں کے حال سے بسبب آواز و صدا کے مطلع ہوتی تھی قصہ واقعی ظاہر ہوا اور حیلہ سازی اُس خبیث کے مرتے وقت بھی بنظر گمراہ ہونے پسماندوں کے واضح ہوئی۔

اور نیز اسی معتضد کے عہد میں ایک شخص اسی فرقۂ اسماعیلیہ سے ظاہر ہوا کہ اُس کو ابو سعید بن حسن بن بہرام جنابی کہتے تھے۔ اول خروج اس کا بحرین میں ہوا اس کے بعد رفتہ رفتہ ہجر اور الحسا اور قطیف میں اور تمام شہر بحرین کے اُس کے ہاتھ آگئے اُس نے لوگوں کو مذہب باطنیہ کی طرف رجوع کرنا شروع کیا اور اپنے تابعین کا جنابیہ لقب رکھا اور چلن اس گروہ کا بعینہٖ سکھوں کا چلن تھا اور مسلمانوں کے دشمن تھے اُن کو لوٹنا اور لوگوں کے مواشی کھدیڑ لے جانا اور قافلوں پر تاخت کرنا اور قتل مسلمانوں کا کرنا یہ معاش و کسب ان کا تھا آخر ایک نے اُس کے خدمتگاروں سے حمام میں اُس کو مار ڈالا۔ اور یہ واقعہ ۳۰۱ھ میں ہوا۔

بعد اس کے ابو طاہر اس کا بیٹا قائم مقام اس کے ہوا اور بہت قوت و زور پیدا کیا۔ اس نے کعبۂ شریفہ کے حاجیوں پر ۳۱۷ھ میں تاخت کی اور مذہب باطنیہ کو رواج دیا۔ جب دبدبہ اس کا فی الجملہ مدافعت ملوک و خلفا سے ٹوٹ گیا تو ایک شخص قرامطہ سے ظاہر ہوا کہ اُس کا نام حمدان تھا اُس نے محمد بن اسماعیل مذکور الصدر کی امامت پر لوگوں کو رجوع کیا اور کہا اِنَّهٗ حَیٌّ لَا یَمُتْ وَلَا یَمُوْتُ یعنے وہ زندہ ہے نہ مرا ہے اور نہ مرے گا۔ اور وہ مہدی موعود ہے کہ ظاہر ہو گا اور دنیا کو عدل و داد سے بھر دے گا اور خروج کرے گا۔ اور تابعین کا قرامطہ لقب کیا اور یہ لقب ایسا غالب ہوا کہ پھر کوئی مبارکیہ کو قرامطہ نہیں کہتا تھا۔ اس کے تابعین کو بالکل اس لقب سے پکارتے تھے ورنہ اصل میں قرامطہ لقب مبارکیہ کا ہے۔ چنانچہ اپنے موقع پر ذکر کیا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

بعد حمدان کے ابن ابی الشمیط پیدا ہوا اور حمدان کی مخالفت کر کے کہا کہ بعد اسماعیل کے امامت اُن کے بھائی محمد کو پہنچی اور بعد محمد کے اُن کے بھائی موسیٰ کاظم کو اور اُن کے بعد اُن کے بھائی عبداللہ افطح کو کہ بیٹے جعفر صادق

کے ہیں اور عبداللہ افطح کے بعد اسحاق بن جعفر کو مگر محمد بن اسماعیل کی امامت کا بھی بالکل منکر نہ تھا بلکہ اُن کی حیات اور لوٹ آنے کا منکر تھا۔ اس نے اپنے گروہ کو شمطیہ سے ملقب کیا۔

پس میمونیہ، خلفیہ، برقعیہ، مقنعیہ، جنابیہ، قرمطیہ یہ سب فرقے شاخیں باطنیہ کی ہیں کہ اصول و عقائد میں باہم ان کے خلاف نہیں ہے مگر بعض فروع میں اور اصل میں اعتقاد کل باطنیہ کا یہ ہے کہ عمل باطن احکام پر فرض ہے نہ کہ ظاہر پر۔ لہٰذا ملقب بہ باطنیہ ہوئے اِلّا مقنعیہ نے ان سے خلاف کلی کیا ہے کہ الوہیت مقنع کے قائل ہوئے ہیں لیکن اہل تاریخ کہتے ہیں کہ باہم برقعی اور مقنع اور قرمطی کے پوشیدہ سلسلہ رسل و رسائل کا رہتا تھا اور غرض و مقصد میں باہم موافق تھے۔ اس واسطے کہ خاص مقصود ان سب کا قتل مسلمانوں اور بگاڑ دینا شریعتوں اور بیخ کنی اسلام اور پھیر دینا لوگوں کو روشِ دین سے تھا جس طرح ممکن ہو اور جس دعویٰ سے میسر آئے۔

اول وہ شخص کہ جس نے مذہب باطنیہ پیدا کیا قداح اہوازی ہے اور جس نے کہ تقیہ چھوڑ کر برملا اس مذہب کا اظہار کیا اُن میں اول برقعی ہے۔ بعد اس کے مقنع اور جنابی پھر حسن فرقۂ نزاریہ سے اور اُس کی اولاد اور مہدویہ کہ پیدا ہونا اُن کا سابق مذکور ہوا ہر چند اصل عقیدے میں اسماعیلیہ سے تھے لیکن ولایت مصر و مغرب کی ان کے قبضے میں تھی اور یہاں کے لوگ شریعت کی ظاہر باتوں کی تقید کمال رکھتے تھے اور بڑی تاکید۔ یہ لوگ بھی بظاہر بنا بر تالیف قلوب اجرائے احکام شریعت میں مبالغہ تمام کرتے تھے۔ اور جو شیعہ خالص ان کے تھے اُن کو تنہائی میں باطنیہ طریق کی بھی ہدایت و رہنمائی کرتے تھے۔

بس ان حکایتوں سے جو مذکور ہوئیں سامعین سمجھ دار اور ذہن سلیم والوں کو کتنے فوائد ظاہری حاصل ہوئے ہیں اول یہ کہ تشیع پیدا ہونے کا باعث ابتدا میں نفاق و دشمنی ہے کہ عبداللہ بن سبا اور اُس کے بھائیوں کو غیرت جاہلیت اور ذلت و عار پہنچنے نے اس پر آمادہ کیا۔ دوسرے طلب ملک و ریاست کی مختار و کیسان کو پیش آئی۔ تیسرے مخالفت امام زادۂ زید شہید کا ہشامین اور اُن کے برادروں کو اتفاق پڑا۔ چوتھے ملحدی اور زندیق پن اور رفع تکلیفوں شرعیہ کا عبداللہ بن میمون قداح نے سوچا۔

دوم یہ کہ اصول مذہب تشیع کے پانچ سے زیادہ نہیں ہیں۔ شیعۂ اولیٰ، غلاۃ، کیسانیہ، زیدیہ، امامیہ۔ شیعۂ اُولیٰ کو دو فرقے اعتبار کرتے ہیں۔ اول فرقۂ مخلصین کہ اہل سنت و جماعت ہیں صحابہ اور تابعین کہ ہمیشہ حضرت امیرؓ کی صحبت میں رہے اور ان کی خلافت کے ناصر و مددگار جتنے اخیار مہاجرین و انصار سے تھے اور ان سب کا یہی مذہب تھا کہ حضرت امیرؓ امام برحق ہیں بعد شہادت حضرت عثمانؓ کے اطاعت اُن کی کافۂ انام پر فرض تھی اور اپنے وقت میں یہ سب سے افضل ہیں جو کوئی خلافت کے معاملہ میں اُن سے خلاف ہو خطا کار و باغی ہے اور جو اُن کو لائقِ خلافت نہ جانے بیہودہ اور گمراہ۔ حضرت عائشہؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ نے خلافت کے معاملے میں اُن سے منازعہ

نہیں کیاہے یہ غرض تھی کہ جو لوگ قاتل حضرت عثمانؓ کے ہیں اُن سے قصاص لیا جائے۔ آور حضرت امیرؓ بہ نظر مصلحت تاخیر کرتے تھے بس فقط نزاع قصاص کا تھا اور قریب تھا کہ صلح ہوجائے عبداللہ بن سبا نے بے مرضی روسا طرفین لڑائی شروع کرادی آخر ہوا سو ہوا اس واسطے کہ ان بزرگواروں سے کوئی معتقد اس کا نہ تھا کہ جناب امیرؓ لائق خلافت کے نہیں بلکہ بہترین اپنے وقت کا اُن کو جانتے تھے اور تعریفیں اور توصیفیں برملا کہتے تھے۔ آور مذہب اس فرقہ کا یہ ہے کہ جو کلمات طیبات جناب امیرؓ نے فرمائے ہیں وہی ظاہر معنے اُن کے ہیں نہ تقیہ اور خلاف نمائی جیسے اللہ و رسولؐ کے کلام کے ظاہر معنے لئے جاتے ہیں۔ کس واسطے کہ جب امام نائب پیغمبر کا ہے اور احکام پیغمبر سب محمول ظاہر پر پس جو کچھ مرتضٰے نے تفضیل بعض اصحابؓ کی اپنے اُوپر اور صفت و ثنا تمام اصحابؓ کی گو اُن کے مخالف ہی ہوں بیان فرمائی ہے بے شبہ اور بیشک اُس پر یقین کرنا چاہیئے۔ آور ٹھکانا اعتقاد اور طریقہ رسول مقبولؐ کے عمل کا کہ تمام صحابہؓ کی روایت سے ثابت ہوا ہے اسی کو جاننا چاہیئے کہ مرتضٰے نے ان سب کی طرف نسبت صواب کی ہو۔ آور جمیع صحابہ کی تعریف جس کی تفصیل قریب آتی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اسی واسطے یہ فرقہ ملقب باہل سنت و جماعت ہوا کیونکہ یہ گروہ سب صحابہؓ کے حق میں ظاہر کلماتِ امیرؓ پر چلتے ہیں اور سب کے درجہ بدرجہ معتقد۔

❋ دوسرا فرقہ تفضیلیہ ہر چند یہ فرقہ داخل شیعۂ اولیٰ میں نہیں ہے لیکن یہ فرقہ جو جمیع مسائل میں موافق اہل سُنت و جماعت کے ہے اور ٹھکانا نکلنے ان کے اعتقاد و عمل کا بھی وہی ہے جو اہل سنت و جماعت سے روایت کیا گیا ہے سوائے مسئلہ تفضیل کے ان کو بھی شیعہ اولیٰ میں شامل کرتے ہیں تَقْلِیلاً لِلْاِکْثَارِ وَضَبْطاً لِلْاِنْتِشَارِ۔ آن کا مذہب یہ ہے کہ جناب امیرؓ اور ان کی اولاد سے بڑھ کر کوئی سزاوار خلافت نہیں ہے جب تک کہ یہ اوروں کو سپرد نہ کریں چنانچہ شیخین یعنے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور ذوالنُّورَین یعنے حضرت عثمانؓ کو اتفاق پڑا کہ ان پر چھوڑ دی تھی بس خلافت ان کی درست ہے۔ آور جس وقت میں یہ خود یعنے جناب امیرؓ اور ان کی اولاد متصدی اس کام کے ہوں تو دوسرے کو نہیں پہنچتی ہے نہ مداخلت کرنا سزاوار۔ آور جناب امیرؓ سب لوگوں میں افضل ہیں بعد رسولِ خداؐ کے اور صحابہؓ سے کسی کی طرف نسبت ظلم و غصب اور گمراہی کی نہیں کرتے سب کا ذکر بخیر کرتے ہیں نہ کسی مسئلہ میں مخالف فرقۂ اوّل کے ہوتے ہیں بس فقط تفضیل۔ آور اسماعیلیہ کا ہر چند مذہب دوسرا ہے لیکن ان کو امامیہ میں داخل کیا ہے بسبب قلت و انتشار کے۔

آور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ شیعۂ اولیٰ کہ فرقہ سُنی اور تفضیلیہ کے ہیں زمانۂ سابق میں لقب ان کا شیعہ تھا جب غلاۃ اور روافض اور زیدیوں اور اسماعیلیوں نے اس لقب سے اپنے آپ کو ملقب کیا اور قباحتِ اعتقادی و عملی ان سے صادر ہوئی خَوْفاً عَنِ الْاِلْتِبَاسِ الْحَقِّ بِالْبَاطِلِ یعنے اس خوف سے کہ حق و باطل ایک صورت کے نہ ہوجائیں فرقۂ سُنیہ اور تفضیلیہ نے اس لقب کو اپنے حق میں ناپسند کیا اور اہل سُنت و جماعت اپنا لقب قرار دیا۔

اب واضح ہوا کہ کتب تاریخ قدیمہ میں جس قدر کہ فُلَانٌ مِنْ شِیْعَتِہٖ اَوْ مِنْ شِیْعَۃِ عَلِیٍّ واقع ہے اور حالانکہ یہ وہ روسا سُنت و جماعت سے سب ہیں ہے وَفِیْ تَارِیْخِ الْوَاقِدِیْ الْاِسْتِیْعَابُ شَیْءٌ کَثِیْرٌ مِنْ ھٰذَا الْجِنْسِ فَلْیَتَنَبَّہْ بِہٖ اور نیز معلوم ہوا کہ کافر ٹھہرانا اور مردود کہنا شیعہ کا بلا اختلاف تو غلاۃ اور کیسانیہ اور اسماعیلیہ کے حال پر چسپاں ہے لیکن زیدیہ اور روافض کہ اپنے کو امامیہ کہتے ہیں ان کے کافر ٹھہرانے میں اختلاف ہے وَالْحَقُّ التَّفْصِیْلُ یعنے ایک دوسرے پر فضیلت دی گئی ہے سو انشاء اللہ تعالیٰ جلدی آتی ہے۔

آور غلاۃ اور کیسانیہ اور زیدیہ اور روافض یعنے امامیہ کے بھی بہت فرقے ہیں جن کے ناموں اور مذہبوں کی گنتی شمار سے بڑی بڑی کتابیں ملت و مذہب میں بن جائیں کہ یہ خالی فضول سے نہیں اس واسطے کہ پہچاننا حال اصُول کا اصل ہے ... فروع کا حال پہچاننے سے۔ آور ظاہر ہے کہ اصل ہی کے فساد سے فرع میں فساد لازم آتا ہے لیکن تھوڑا سا اس تفصیل سے ہم شروع کرتے ہیں تا ذہن اور مسامع سمجھنے سُننے والوں کے خوش ہوں۔

پس غُلاۃ کے چوبیس ۲۴ فرقے ہیں :-

❋ پہلا فرقہ سبائیہ کہ اصحاب عبداللہ بن سبا کے ہیں کہتے ہیں اِنَّ عَلِیًّا ھُوَ الْاِلٰہُ حَقًّا معنے اس کے اُوپر لکھے گئے۔ اور کہتے ہیں کہ وہ شہید نہیں ہوئے۔ ابن ملجم نے ایک شیطان کو مارا کہ وہ بصورت جناب امیرؓ کے بن گیا تھا، نعوذ باللہ کہ شیطان لعین اور آپؓ کی صورت پاک بن سکے۔ آور کہتے ہیں کہ وہ ابر میں چھپے ہوتے ہیں اور یہ آواز جو رعد کی ہے انہی کی آواز ہے اور برق اُن کا کوڑا۔ یہ لوگ ہرگاہ آواز رعد کی سُنتے ہیں اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ کہتے ہیں۔ آور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپؓ بعد ایک مدت کے نزول کرکے اپنے دشمنوں کو زیر و زبر فرمائیں گے۔ آن باتوں میں ان کی صریح تناقض اور سُستی ظاہر ہے کہ آواز تند رعد سے اور بجلی گرا گرا کر ایک جہان کو تو مار سکتے ہیں دشمنوں کے حق میں کیوں صرفہ کر رکھا ہے اور کس کا انتظار ہے۔

❋ دُوسرا فرقہ غلاۃ سے مفضلیہ ہیں اصحاب مفضل صیرفی کے کہ سبائیہ مذہب کی بُرائیاں دیکھ کر اُنھوں نے دوسرا طور اختیار کیا ہے کہتے ہیں کہ نسبت جناب امیرؓ کی خدا تعالیٰ سے ایسی ہے جیسے نسبت حضرت عیسیٰؑ کی ہے اُس سے یعنے موافق قول نصاریٰ کے قائل اس بات کے ہیں کہ لاہوت ناسوت سے متحد ہوکر ایک چیز ہوگیا۔ آور مذہب اُن کا یہ ہے کہ نبوت و رسالت منقطع نہیں ہوتی ہے جیسے آنحضرتؐ خاتم النبوت اور رسالت ہوئے بلکہ جس کو اتحاد لاہوت سے ہوا وہ نبی ہے۔ آگر اُس نے ہدایت و ارشاد گمراہوں کا بہت سا اختیار کیا رسول ہے اسی سبب سے اِس فرقے میں ایسے بہت گزرے ہیں جنھوں نے دعوٰی نبوت و رسالت کا کیا ہے۔

❋ تیسرا فرقہ غلاۃ سے سریغیہ ہیں۔ اصحاب سریغ بفتح سین و آخر غین بعض بجائے سریغ کے سریف بھی کہتے ہیں۔ آن کا مذہب مثل مذہب مفضلیہ کے ہے صرف اتنا فرق ہے کہ یہ حلول لاہوت کا ناسوت میں پانچ آدمیوں کے

حق میں اعتقاد کرتے ہیں۔ آنحضرت صلعم اور عباسؓ اور علیؓ اور جعفرؓ اور عقیلؓ۔

چوتھا فرقہ غلاۃ سے بزیغیہ ہے۔ اصحاب بزیغ بن یونس کے کہ اُلوہیت حضرت جعفر صادقؓ کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ بظاہر جن کو لوگ جعفر صادقؓ کہتے تھے یہ تو ایک صورت اُنھوں نے پکڑلی تھی درحقیقت جو کچھ وہ تھے ویسے کسی کی نظر میں نہیں آتے تھے۔ اور سوا ان کے کسی امام میں اُلوہیت نہ تھی۔ البتہ وحی کا آنا اور معراج اور ملکوت تک پہنچنا یہ باتیں سب اماموں کو حاصل تھیں۔

پانچواں فرقہ غلاۃ سے کاملیہ ہیں، اصحاب ابو کامل کے یہ کہتے ہیں کہ روحیں متناسخ ہوتی ہیں یعنی ایک بدن سے دوسرے بدن میں جاتی ہیں چنانچہ روح الٰہی اول آدم کے بدن میں پھر شیث کے بدن میں داخل ہوئی۔ علےٰ ہذا تمام انبیاءؑ اور اماموں میں نقل کرتی رہی۔ اور بنی آدم کی ارواحیں بھی باخود لانقل کرتی ہیں۔ یہ گروہ سب اصحابؓ کو کافر ٹھہراتے ہیں کہ بیعت علیؓ کی کیوں نہ کی اور خود حضرت علیؓ کو بھی کافر ٹھہراتے ہیں کہ اپنا حق کیوں چھوڑا اور طلب نہ کیا۔ اب اس سے معلوم ہوا کہ روح الٰہی تو شخص امام کے بدن میں حلول کرتی ہے مگر امامت اُس کی مشروط با یمان نہیں ہے چاہے کافر ہو ورنہ حضرت امیرؓ کو کافر ٹھہرانا ممکن نہیں۔

چھٹا فرقہ غلاۃ سے مغیریہ ہیں اصحاب مغیرہ بن سعید عجلی کے۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بصورت ایک مرد نورانی کے ہے اُس کے سر پر تاج نور کا ہے۔ اور دل چشمہ حکمتوں کا۔

ساتواں فرقہ غلاۃ سے جناحیہ ہیں کہ تناسخ ارواح کے قائل ہیں اور روح الٰہی کو آدمؑ اور شیثؑ اور جمیع انبیاءؑ کے بدن میں منتقل کرکے بعد پیغمبر آخر الزمانؐ کے اُس روح کو حضرت علیؓ اور حسنینؓ اور محمد بن حنفیہؓ اور بعد ان کے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفرؓ (ذی الجناحین) کے بدن میں جانتے ہیں اور انہی کی امامت کے اسی ترتیب سے معتقد ہیں بلکہ معنی نبوت اور امامت کے ان کے نزدیک بھی حلول روح الٰہی کا ہے بدن شخص میں معاملا عقبٰے کے منکر ہیں حرام چیزوں کو حلال جانتے ہیں۔

آٹھواں فرقہ غلاۃ سے بیانیہ ہیں، اصحاب بیان بن سمعان (تمیمی) کے۔ خدا تعالیٰ کو اُسی صورت وشکل موصوف کے ساتھ جانتے ہیں اور قائل حلول خدا تعالیٰ کے ہیں آنحضرت صلعم کے بدن میں پھر علیؓ پھر محمد بن الحنفیہ پھر ابو ہاشم ابن محمد بن الحنفیہ پھر بیان بن سمعان کے۔ اور کہتے ہیں کہ لاہوت ناسوت میں متحد ہو کر اُس کی رگ و پوست میں گھس گیا ایسا جیسے کوئلہ میں آگ اور گل میں گلاب۔

نواں فرقہ غلاۃ سے منصوریہ ہیں، اصحاب ابو منصور عجلی کے۔ کہتے ہیں کہ رسالت منقطع نہیں ہوتی اور عالم قدیم ہے احکام شریعت سب نکالے ہوئے مُلّا لوگوں کے ہیں نہ بہشت ہے، نہ دوزخ ہے۔ اور بعد امام باقرؓ کے قائل امامت ابو منصور کے ہوتے ہیں۔

دسواں فرقہ غلاۃ سے غمامیہ ہے ان کو ربیعیہ بھی کہتے ہیں ان کا یہ اعتقاد ہے کہ پروردگار عالم موسم بہار میں بہ پردۂ ابر طرف زمین کے اُترتا ہے اور دنیا میں گھوم کر پھر آسمان پر چڑھ جاتا ہے اثر بہار کا مثل پھول میوہ اور اور پھلوں اور غلّہ اور سبزہ اور میوہ کے اِسی سبب سے ہے۔

گیارھواں فرقہ غلاۃ سے اموِیہ (امامیہ) ہے۔ کہتے ہیں کہ مرتضےٰؓ شریک پیغمبرؐ کے تھے نبوت رسالت میں

بارھواں فرقہ غلاۃ سے تفویضیہ ہیں کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے بعد پیدائش دنیا کے معاملات دنیا پیغمبرؐ کے سپرد فرمائے اور جو کچھ دنیا میں ہے اُن کے واسطے مباح کیا اور ایک گروہ ان سے قائل اس بات کا ہوا کہ مرتضےٰؓ کے سپرد فرمائے بعض دونوں کے تفویض کے قائل ہوئے۔

تیرھواں فرقہ غلاۃ سے خطابیہ ہے، اصحاب ابو الخطاب محمد بن ربیب الاخدع الاسدی کے۔ کہتے ہیں کہ سب امام خدا کے بیٹے ہیں اور مرتضےٰؓ خدا ہیں اور جعفر صادقؓ بھی خدا ہیں۔ مرتضےٰ کو الٰہ اکبر اور جعفرؓ کو الٰہ اصغر جانتے ہیں۔ ابو الخطاب کو پیغمبر۔ اور کہتے ہیں کہ اگلے پیغمبروں نے نبوت اپنی ابو الخطاب کو سونپ دی ہے اور اطاعت اُس کی ساری مخلوق پر فرض کردی ہے اور یہ ابو الخطاب اپنے یاروں کو وصیت کرتا رہتا تھا کہ جو اپنے مذہب کے موافق ہو اُسی کے واسطے جھوٹی گواہی دیتے رہو۔ اِسی واسطے کتب فقہ میں لکھتے ہیں لَا یَجُوْزُ شَھَادَۃُ الْخَطَّابِیَّۃِ یعنے نہیں جائز ہے گواہی خطابیہ کی۔

چودھواں فرقہ غلاۃ سے معمریہ ہیں۔ منسوب معمر۔ یہ امام جعفر صادقؓ کی نبوت کے قائل ہیں اُن کے بعد ابو الخطاب کو نبی جانتے ہیں بعد اُس کے معمر کو اور احکام شرع کو مفوض بمعمر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معمر آخری پیغمبر تھا اُس نے احکام شرع ساقط کئے اور تکلیفاتِ شرعی دور کردی۔ یہ لوگ بھی ایک گروہ خطابیہ سے ہیں۔

پندرھواں فرقہ غرابیہ ہیں، کہتے ہیں کہ جبرئیلؑ کو حق تعالیٰ نے وحی لے کر علیؓ کے واسطے بھیجا تھا ان سے اُس کے پہچاننے میں غلطی ہوئی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہنچائی۔ اِس واسطے کہ علیؓ اور محمدؐ کی صورت میں مشابہت تمام تھی جیسے کوا کوے سے مشابہ ہی بلکہ اس سے زیادہ تر۔ پس جبرئیلؑ امتیاز نہ کرسکے۔ چنانچہ ایک شاعر ان کا عربی میں کہتا ہے ع۔ غَلَطَ الْاَمِیْنُ فَجَاوَزَ ھَا عَنْ حَیْدَرٍ۔ یعنے جبرئیلؑ نے غلطی کرکے نبوت کو حیدرؓ سے علیحدہ رکھا۔ اور ایسا ہی فارسی میں شعر۔

جبرئیلؑ کہ آمد ز بر خالق بے چون | در پیش محمدؐ شد و مقصود علیؓ بود

مگر یہ باتیں تو اُن لوگوں کی ہیں جو ان میں منصف ہیں اور جاہل تو صریح لعنت جبرئیلؑ پر کرتے ہیں، ان الفاظ سے کہ لَعَنَتُ اللہِ عَلٰی صَاحِبِ الرِّیْشِ۔

سولھواں فرقہ ذبابیہ ہے۔ اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی اور حضرت علیؓ کو خدا کہتے ہیں اور

نیز یہ بات کہ ان دونوں خدا و نبی میں مشابہت تمام تھی کَانَ مُحَمَّدٌ اَشْبَهُ بِعَلِیٍّ مِنَ الذُّبَابِ بِالذُّبَابِ یعنے محمدؐ نہایت مشابہ تھے علیؓ سے جیسے مکھی کے ساتھ مکھی۔ اور یہ لوگ انہی غرابیوں سے ہیں کہ اُس اگلے عقیدہ سے پھر کر اس عقیدہ کو رجوع ہوئے تھے۔

❋ **سترھواں فرقہ** ذمّیہ۔ کہتے ہیں کہ علیؓ اِلٰہ ہیں محمدؐ کو اس واسطے بھیجا تھا کہ لوگوں کو میری دعوت کریں سو محمدؐ نے برخلاف اس کے اپنی طرف دعوت کی نہ علیؓ کی طرف۔ اس وجہ سے محمدؐ کی مذمت کرتے ہیں۔ لہٰذا ذمّیہ لقب ہوا۔

❋ **اٹھارھواں فرقہ** اثنینیہ۔ کہتے ہیں کہ محمدؐ اور علیؓ دونوں اِلٰہ ہیں اور یہ آپس میں دو گروہ ہیں۔ بعض محمدؐ کی خدائی کو ترجیح و تقدیم دیتے ہیں بعض علیؓ کی خدائی کو غالب و قوی جانتے ہیں۔ اور یہی گروہ ذمّیہ ہیں کہ مذمت محمدؐ سے لوٹ کر بشرکت علیؓ دونوں کی اُلوہیت کے قائل ہوئے ہیں۔

❋ **اُنیسواں فرقہ** خمسیہ کہ پنجتن کو اِلٰہ کہتے ہیں۔ اور لفظ فاطمہؓ میں تائے تانیث نہیں لگاتے۔ ان کا قول ہے کہ یہ پانچوں تن درحقیقت شخص واحد ہیں کہ ایک روح پانچ قالبوں میں سمائی ہے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔

❋ **بیسواں فرقہ** نصیریہ۔ کہتے ہیں کہ خدا نے علیؓ اور اُن کی اولاد میں حلول کیا ہے۔ مگر خاص اولاد جو امام ہیں کبھی علیؓ پر خود لفظ اِلٰہ کا جاری کرتے ہیں مجازاً یعنے حال کو محل کہنا۔

❋ **اکیسواں فرقہ** اسحاقیہ۔ یہ کہتے ہیں کہ دنیا کبھی پیغمبر سے خالی نہیں رہتی اور حلول باری تعالیٰ کے حضرت علیؓ اور اماموں میں قائل ہیں۔ مگر اس بات میں مختلف ہیں کہ بعد حضرت علیؓ کے کونسے امام میں حلول کیا۔

❋ **بائیسواں فرقہ** علبائیہ۔ یہ لوگ فرقہ علباابن اروع اسدی بقول بعض اوسی سے ہیں۔ ان کا مذہب الوہیت اور افضلیت علیؓ کی ہے محمدؐ پر کہ محمدؐ نے علیؓ کی بیعت کی اور اطاعت اُن کی لازم جانی۔

❋ **تیئیسواں فرقہ** رزامیہ۔ یہ لوگ سلسلہ امامت کا یوں کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے بعد محمد ابن الحنفیہ، اُن کے بعد ابوہاشم اُن کے بیٹے، پھر علی بن عبداللہ بن عباس حسب وصیت ابوہاشم، اُن کے بعد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس تامنصور دوانقی اور ابومسلم مروزی ہیں کہ صاحب دعوت عباسیہ کا تھا حلول باری تعالیٰ کے معتقد ہیں اسی واسطے غُلاۃ میں گنے گئے۔ یہ لوگ تارک فرائض کے ہیں اور حرام چیزوں کو حلال جانتے ہیں۔

---

[1] یہ فرقہ آج بھی ملک شام میں حمص اور لاذقیہ کے درمیان اور حلب و رشمال حلب میں پایا جاتا ہے اور آج کل "العلویین" کہلاتا ہے۔ مصحح

❋ **چوبیسواں فرقہ** مقنعیہ کہ بعد حضرت امام حسینؓ کے مقنع کو اِلٰہ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اَلْاٰلِهَةُ اَرْبَعَةٌ یعنے چار خدا ہیں، حضرت علیؓ اور حسنینؓ اور مقنع۔ دراصل تو یہ مقنع اسماعیلی تھا لیکن جب سے دعوی الوہیت کا کیا غُلاۃ میں گنا گیا۔

پس عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ بنیاد مذہب غلاۃ کی اس بات پر ہے کہ نبی یا امام میں اعتقاد الوہیت یا حلولِ اِلٰہ کا کرے اور تعین امام میں وہی تین مذہب یعنی کیسانیہ، زیدیہ، امامیہ مدِ نظر ہیں۔ پس بعض غلاۃ کیسانیہ ہیں بعض امامیہ۔ لیکن غلاۃ زیدیہ اب تک سننے میں نہیں آئے اس واسطے ان چوبیسؔ فرقوں میں فرقہ زیدیہ نہیں ہے نہ یہ لوگ قائل حلول یا الوہیت زید شہید اور اُن کی اولاد کے ہوئے۔ لیکن فرقہ کیسانیہ اوّل تو تحقیق کیسان میں بہت اختلاف ہے۔ صحاح والا کہتا ہے کیسان نام مختار کا ہے اور اکثر اہل لغت نے اس کا اتباع کیا ہے۔ مگر تاریخ میں جو ثقہ اور معتمد لوگ ہیں اُن کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کیسان چیلہ حضرت امام حسنؓ مجتبیٰ کا اور شاگرد محمد بن حنفیہ کا تھا اُن سے اُس نے علوم عربیہ سیکھے تھے۔

اور کل کیسانیہ چھ فرقے ہیں۔ کربیبہ اصحاب ابوکریب ضریر کے کہ بعد حضرت مرتضیٰؓ کے امامت محمد بن حنفیہ کے کہ ابوالقاسم اُن کی کنیت ہے قائل ہیں۔ بدیں سند کہ حضرت مرتضیٰؓ نے بصرے میں نشان لشکر کا اُن کے سپرد کیا تھا اسی کو دلیل قطعی اُن کی امامت کی جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ ہیں کوہ رضوی کے دروں میں چھپے ہوئے ہیں مع چالیس اپنے یاروں کے۔ وہاں دو چشمے قدرتِ الٰہی سے جوش زن ہیں کہ شہد اور پانی اُن سے ٹپکتا ہے۔ اور وہ صاحب زماں ہیں کثیر عزّہ کہ شاعر مشہور ہے اسی فرقے سے تھا۔ چنانچہ یہ بیتیں اُسکی دلیل اس بات کی ہیں۔ **ابیات**

وَسِبْطٌ لَا يَذُوْقُ الْمَوْتَ حَتّٰى | يَقُوْدُ الْخَيْلَ يَقْدُمُهَا اللِّوَاءُ
يَغِيْبُ فَلَا يُرٰى فِيْهِمْ زَمَانًا | بِرَضْوٰى عِنْدَهٗ عَسَلٌ وَّمَاءُ

معنے یہ کہ ایک فرزند ہے کہ وہ مزہ موت کا نہیں چکھے گا جب تک کہ لشکر کشی نہ کرے جس کے آگے نشان ہوگا۔ غائب ہے لوگ اُس کو ایک مدت اپنے بیچ میں نہیں دیکھیں گے۔ اور کوہ رضوی میں اُس کے پاس شہد اور آب ہے۔ اور سب سے پہلے یہ ابوکریب ہے شیعوں میں کہ قائل چھپنے صاحب زمان کا ہوا ہے۔ اسی کا قول ہے کہ امام دشمنوں کے خوف سے چھپ جاتا ہے اور بعد ایک مدت کے ظہور کرتا ہے۔ سب شیعوں نے اپنی تسلی خاطر کی امام مفقود کے مقدمے میں اسی ابوکریب سے سیکھی ہے اور جا بجا قائل چھپ جانے امام کے ہوئے ہیں۔

اسحاقیہ اصحاب اسحاق بن عمر کے۔ یہ امامت کو محمد بن حنفیہ سے ابوہاشم کی طرف نقل کرتے ہیں اور معتقد اُن کی موت کے ہیں۔ بعد ابوہاشم کے اُن کی اولاد کو امام کہتے ہیں بِوَصِیَّةِ الْاٰبَاءِ لِلْاَبْنَاءِ یعنے ہر ایک اپنے اپنے

بیٹوں کے واسطے کر گئے تھے۔

حربیہ ان کو کندیہ بھی کہتے ہیں۔ اصحاب عبداللہ بن حرب کندی کے کہ بعد ابو ہاشم کے عبداللہ بن حرب کو امام جانتے ہیں موافق وصیت ابو ہاشم کے۔

عباسیہ۔ یہ لوگ علی بن عبداللہ بن عباس کو بوصیت ابو ہاشم امام جانتے ہیں۔ اور بعد علی کے منصور تک انتقالِ امامت کے معتقد ہیں۔

طیاریہ۔ یہ لوگ بعد ابو ہاشم کے عبداللہ بن معاویہ بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کو بوصیت ابو ہاشم امام کہتے ہیں۔

مختاریہ یا کیسانیہ۔ ان لوگوں کا حسنین رضؓ کی امامت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد مرتضےٰ رضؓ کے حسنین رضؓ نے امامت پائی بعض کا قول ہے کہ محمد بن حنفیہ نے۔ اور سبب اس خلاف و اختلاف کا اوپر مذکور ہوا۔

لیکن زیدیہ۔ یہ لوگ اپنی نسبت زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے کرتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور آپس میں پھٹ کر نَو فرقے ہوئے ہیں۔

اوّل فرقہ زیدیہ۔ صرف کہ اصحاب زید بن علی کے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ بیعت کی ہے۔ ہنگام خروج بر اولاد عبدالملک بن مروان کہ انھوں نے اصُول مذہب کے اُن سے سیکھے ہیں۔ بلکہ بعض فروع بھی اُن سے روایت کرتے ہیں۔ اور تبرّا اصحاب کبار رضؓ کا روا نہیں رکھتے۔ اور نصوص متواتر زید سے اس مُدعا پر نقل کرتے ہیں۔ اور سب کو خوبی کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ امامت حق مرتضےٰ رضؓ کا تھا اُنھوں نے خود شیخین رضؓ اور ذی النورین رضؓ کو چھوڑ دی تھی۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بیعت خلفائے ثلثہ رضؓ کی خطا نہ تھی اس واسطے کہ مرتضےٰ رضؓ اُس پر راضی تھے اور معصوم خطا و باطل پر راضی نہیں ہوتا۔ غرض مذہب ان کا موافق مذہب اہل سُنّت و جماعت کے ہے سب مسائلِ امامت میں بس اتنا ہی فرق ہے کہ ان کے نزدیک فاطمی ہونا امام کا شرط ہے ان کی تفویض سے دوسرے کو امام قرار دیتے ہیں۔ گویا اصل زیدیہ فرقہ ثانی شیعہ اولیٰ کے ہیں لیکن متاخرین ان کے معتزلہ اور دیگر شیعہ سے مخلط ہو کر بتحریف مذہب اب شیعہ اولیٰ سے نہایت دُور پڑ گئے۔ اور کہتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضؓ کوفی بھی امامتِ زید بن علی کو صحیح جانتے تھے۔ اور خروج اُن کا برراہِ صواب سمجھتے تھے اور لوگوں کو اُن کے رفاقت کی حرص دلاتے تھے اسی واسطے اکثر زیدیہ فروع میں موافق مذہب حنفیہ کے ہیں اور اصُول میں مطابق اعتقاد معتزلہ کے۔

دُوسرا فرقہ جارودیہ۔ ابوالجارود زیاد بن ابی زیاد کے یار۔ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے بعد امام مرتضےٰ رضؓ تھے بنص وصف امامت نہ بتعین نام۔ صحابہ رضؓ کو کافر ٹھہراتے ہیں کہ اُنھوں نے اقتدا اُن کی ترک کی بعد مرتضےٰ رضؓ کے حسنین رضؓ کو بترتیب امام جانتے ہیں۔ حسنین رضؓ کے بعد اُن کی اولاد میں امامتِ شوریٰ کے معتقد ہیں۔ پس ان میں سے جو کوئی تلوار لے کر نکلے اور عالم و شجاع ہو وہی اپنے وقت کا امام ہے۔ لہٰذا زید بن علی اور یحییٰ بن زید کو امام جانتے ہیں۔ لیکن منتظر میں اختلاف کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ محمد بن عبداللہ بن حسن ہیں جن کا لقب نفس الزکیہ تھا کہ زمانۂ منصور میں دعویٰ امامت کا کر کے مقتول ہوئے مگر ہیں زندہ نہ کہ مقتول۔ بقول بعض وہ محمد بن قاسم بن حسن طالقان والے ہیں کہ ایام معتصم میں بعد خروج و قتال گرفتار ہو کر قید ہوئے اور قید ہی میں مر گئے اُن کی موت کے بھی منکر ہیں۔ بعض کے نزدیک یحییٰ بن عمر ہیں کوفے والے جو پوتوں زید بن علی بن حسین سے کہ مستعین کے وقت میں خروج کیا اور قتل ہوئے لیکن انکار اُن کے قتل کا بھی ہے۔

تیسرا فرقہ جریریہ اِن کو سلیمانیہ بھی کہتے ہیں تابعین سلیمان بن جریر کے۔ کہتے ہیں کہ امامت ایک شوریٰ ہے درمیان مخلوق کے اور بہ دُو مسلمان صالح کی رضامندی سے منعقد ہو سکتی ہے۔ ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کو امام تو جانتے ہیں لیکن علی رضؓ کے ہوتے لوگوں کو ان کی بیعت میں خطاکار کہتے ہیں اور عثمان رضؓ اور طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ اور عائشہ رضؓ کو کافر ٹھہراتے ہیں۔

چوتھا فرقہ بتریہ، تومیہ بھی ان کا لقب ہے یار مغیرہ بن سعد کے کہ ملقب بہ بتر تھا کہتے ہیں کہ بیعت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کی خطا پر نہ تھی کس واسطے کہ مرتضےٰ رضؓ نے اُس پر سکوت کیا وَمَا سَكَتَ عَلَيْهِ الْمَعْصُوْمُ فَهُوَ حَقٌّ یعنے جس چیز پر معصوم راضی اور ساکت ہو جائے وہی حق ہے مگر عثمان رضؓ کے حق میں توقف کرتے ہیں اس لئے کہ رضا و سکوت مرتضےٰ رضؓ کا عثمان رضؓ کے معاملہ میں خاطر خواہ اُن کو ثابت نہیں ہوا اور مرتضےٰ رضؓ کو وقتِ بیعت سے امام جانتے ہیں۔

پانچواں فرقہ نعیمیہ یار نعیم بن الیمان کے۔ ان کا مذہب مثل مذہب بتریہ کے ہے فرق یہی ہے، کہ عثمان رضؓ کو کافر ٹھہراتے ہیں اور تبرا کرتے ہیں ان کے سوا سب صحابہ رضؓ کو بخیر یاد کرتے ہیں۔

چھٹا فرقہ دکینیہ یار فضل بن دکین کے۔ ان کا مذہب مثل مذہب جارودیہ کے ہے مگر طلحہ رضؓ اور زبیر رضؓ اور عائشہ رضؓ کی تکفیر کرتے ہیں باقی صحابہ رضؓ کا ذکر بخیر۔

ساتواں فرقہ خشبیہ اصحاب خلف بن عبدالصمد کے۔ کہتے ہیں کہ امامت شوریٰ ہے اولادِ فاطمہ رضؓ میں اگر دوسرا جامہ خلافت کا پہنے اُس پر خروج واجب ہے، خشبیہ ان کا لقب اس وجہ سے ہوا کہ خشب لغتِ عربی میں لاٹھی کو کہتے ہیں اور اُنھوں نے بھی سلطانِ وقت پر بے اسبابِ جنگ و سلاح ڈنڈے لاٹھیاں اینٹیں لے کر خروج کیا تھا۔

آٹھواں فرقہ یعقوبیہ یار یعقوب کے۔ یہ لوگ رجعت کے قائل ہیں امامتِ ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کے منکر بلکہ تبرّا کرتے ہیں۔

نواں فرقہ صالحیہ اصحاب حسین بن صالح کے۔ امامتِ شوریٰ کے بنی فاطمہ رضؓ میں معتقد ہیں کہ جو کوئی فاطمیوں سے

بصفت علم و شجاعت و سخاوت کے متصف ہو اور تلوار لے کر خروج کرے وہ امام ہے۔

اور کئی کئی امام ہونا ایک زمانہ بلکہ ایک ملک میں بھی اکثر زیدیہ کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن امامیہ مدار ان کے مذہب اور قدر مشترک عقائد ان کے جمیع فرقوں کا یہ ہے کہ زمانہ تکلیف یعنی تکلیف شرع کا امام فاطمی سے خالی نہیں ہوتا ہے اور مجموع یہ انتالیس فرقے ہیں۔

✺ اوّل حسنیہ[۱] کہ امامت کو بعد مرتضےٰ رض کے حسن مجتبیٰ رض سے متعلق کرتے ہیں اُن کے بعد حسن مثنیٰ موافق وصیت اُن کے باپ یعنی حسن مجتبیٰ رض کے اور اُن کو ضامن آلِ محمدؐ کہتے ہیں۔ اُن کے بعد عبداللہ کو کہ حسن مثنیٰ کے بیٹے تھے امام جانتے ہیں اور جو جھگڑا اور رد و بدل کہ ان میں اور امام جعفر صادق رض میں ہوا ہے کتب اثنا عشریہ میں موجود کہ تقریباً ملا محمد رفیع ان کے واعظ نے ابواب الجنان میں کلینی سے نقل کیا بعد عبداللہ کے اُن کے بیٹے محمد کہ ملقب بنفس زکیہ ہیں پھر اُن کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کو امام جانتے ہیں ان دونوں بھائیوں نے زمانہ منصور دوانیقی میں خروج کرکے لوگوں کو اپنی طرف بلایا۔ چنانچہ بہت ان کے پاس جمع ہو گئے۔ اور بعد جنگ و جدال اُمرائے منصور نے ان کو شہید کیا۔

✺ دوسرے نفسیہ یہ سب ایک گروہ حسنیہ سے ہیں کہتے ہیں کہ نفس زکیہ مارے نہیں گئے بلکہ غائب اور پوشیدہ ہیں بعد چند روز کے ظاہر ہوں گے۔

✺ تیسرے حکمیہ[۲] ان کو ہشامیہ بھی کہتے ہیں۔ اصحاب ہشام بن حکم کے۔ یہ لوگ امام حسن رض کے بعد امامت امام حسین رض کے اور ان کی اولاد کے امام جعفر صادق رض تک بترتیب معتقد ہیں لیکن حق تعالیٰ کے حق میں صریح جسم ہونے کے قائل ہیں۔ یہ لوگ اپنے معبود کو بصورت ایک جسم طویل و عریض و عمیق کے جس کے ابعاد ثلٰثہ متساوی ہیں قرار دیتے ہیں مگر کوئی صورت ظاہری جیسے کہ اجسام میں ظاہر ہو رہی ہیں وہ نہیں رکھتا ہے۔

✺ چوتھے سالمیہ[۳] ان کو جوالیقیہ بھی کہتے ہیں۔ اصحاب ہشام بن سالم جوالیقی کے امامت اور جسم اپنے معبود میں موافق حکمیہ کے ہیں فرق یہی ہے کہ یہ اپنے معبود کو بصورت انسان کے اعتقاد کرتے ہیں۔

✺ پانچویں شیطانیہ[۴] ان کو نعمانیہ بھی کہتے ہیں۔ اصحاب محمد بن نعمان صیرفی کہ لقب اس کا شیطان الطاق[۵] ہے امامت کے موسیٰ کاظم تک معتقد ہیں اور خدا تعالیٰ کو جسم جانتے ہیں اور اُس کے اعضا ثابت کرتے ہیں۔

✺ چھٹے زراریہ[۶]۔ اصحاب زرارہ بن آعین کوفی کے۔ ان کو اعتقاد امامت کا جعفر صادق رض تک ہے۔ صفاتِ الٰہی کو حادث بتلاتے ہیں کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ازل میں نہ علم رکھتا تھا نہ حیات نہ قدرت نہ سمع نہ بصر

۱؎ اس فرقہ کا ظہور ۱۹۵ھ میں ہوا معہ ۲؎ اس فرقہ کا ظہور ۱۸۰ھ میں ہوا۔ ۳؎ اس فرقہ کا ظہور ۱۱۳ھ میں ہوا ۴؎ اس فرقہ کا ظہور بھی ۱۱۳ھ میں ہوا ۵؎ روافض اس کو مومن الطاق اور مومن آلِ محمد کا لقب دیتے ہیں۔ اسی نے ان کے لئے یہ عقیدہ گھڑا کہ امامت نص سے ثابت ہونی چاہیے۔ امام زید رض نے اس سے کہا تجھے یہ کہاں سے معلوم ہوا۔ نہ میں اس عقیدے سے واقف ہوں اور نہ میرے والد نے کبھی مجھ سے ایسا بیان کیا۔ یہی وہ شیطان الطاق ہے جس نے امامت کے موضوع پر اپنی تالیف میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہرگز ایسا نہیں فرمایا ہے کہ "ثانی اثنین اذ ہما فی الغار"۔ ۶؎ اس فرقہ کا ظہور ۱۴۵ھ میں ہوا معہ

✺ ساتویں یونسیہ۔ یونس بن عبدالرحمٰن قمی کے پیرو۔ ان کا قول ہے کہ باری تعالیٰ عرش پر ہے جس کو فرشتے اُٹھائے رہتے ہیں۔

✺ آٹھویں بدائیہ۔ بدا کو خدا پر تجویز کرکے کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بعض اشیائی ارادہ پیدا کرتا ہے پھر نادم ہوتا ہے کہ یہ خلاف مصلحت ہیں۔ چنانچہ خلافتِ خلفائے ثلاثہ رض اور ان کی مدح اور منقبت کی آیتوں کو بھی اسی بدا یعنے خلافِ مصلحت پر قیاس کرتے ہیں۔

✺ نویں مفوضہ[۱]۔ یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے دنیا کی مخلوق محمد صلعم کے سپرد کر دی بس دنیا یا جو چیز اُس میں ہے محمد صلعم کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اور انہی میں سے ایک گروہ تفویضِ علی رض کے قائل ہیں اور ایک تفویض دونو کے۔ ان سے سات فرقے جو مذکور ہوئے غلاۃ امامیہ سے ہیں سب باتفاق کافر اور کسی قدر ان کے مذاہب میں امامت پر اتفاق ہے۔

✺ دسویں باقریہ کہتے ہیں کہ امام محمد باقر رض مرے نہیں، حی ولا یموت اور منتظر ہیں۔

✺ گیارہویں حاضریہ۔ کہتے ہیں کہ بعد امام محمد باقر رض کے اُن کے بیٹے زکریا[۲] امام ہوئے اور وہ کوہ حاضر میں چھپے ہوئے منتظر اذن خروج کے غیب سے ہیں۔

✺ بارھویں ناووسیہ۔ اصحاب عبداللہ بن ناووس بصری کے۔ کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق رض زندہ ہیں غائب ہو گئے ہیں وَھُوَ الْمَھْدِیُّ الْمَوْعُوْدُ وَالْقَائِمُ الْمُنْتَظَرُ۔ یعنے وہ مہدی موعود ہیں اور قائم و منتظر اجازت غیب کے اور ایک گروہ منکر اس بات کے ہیں کہ غیبت کُلی نہیں ہے بلکہ اُن کے دوست بعض اوقات اُن کو خلوات میں دیکھتے ہیں۔

✺ تیرھویں عماریہ۔ اصحاب عمار۔ کہتے ہیں کہ جعفر صادق رض مر گئے اُن کے بیٹے محمد امام ہیں۔ یہ عماریہ نائب فرقہ اسماعیلیہ کے ہیں کسی قدر شرکت ان میں یہ ہے کہ بعد جعفر صادق رض کے ان کے فرزندوں میں جو بڑے بیٹے اسمٰعیل نام تھے بموجب نص جعفر رض کے کہ اِنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ فِی الْاَکْبَرِ مَا لَمْ یَکُنْ بِہٖ عَاھَۃٌ یعنے یہ امامت بڑے بیٹے میں ہے جبتک کہ نہ ہو اُس میں کچھ نقصان۔ اور نیز بسوا کلاں ہونے کے یہ حضرت جعفر رض کو سب اولاد میں محبوب تر تھے اس واسطے کہ ان کی ماں فاطمہ بنت الحسن بن الحسن بن علی ہیں۔

✺ فرقہ اولیٰ مبارکیہ ہیں دمبارک کے پیرو کہ کچھ حال اُن کا سابق مذکور ہوا۔ بعد اسمٰعیل کے محمد بن اسمٰعیل کو امام جانتے ہیں اور اُن کو خاتم الائمہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ھُوَ الْقَائِمُ الْمُنْتَظَرُ وَالْمَھْدِیُّ الْمَوْعُوْدُ۔

✺ دوسرے باطنیہ کہ بعد اسماعیل کے اُن کی اولاد میں جو ہوا ان میں موافق نصِ سابق حضرت صادق رض کے امامت

۱؎ یہ تینوں فرقے یونسیہ، بدائیہ اور مفوضہ ۱۸۰ھ ہی میں ظاہر ہوئے۔ ۲؎ یہ فرقہ ۱۸۰ھ میں ظاہر ہوا۔ معہ

جاری کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عمل باطنِ کتاب پر واجب ہے نہ ظاہر پر۔

❋ تیسرے قرمطیہ (قرامطہ) اہل لغت کو اس نسب کی تحقیق میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قرمط نام مبارک کا ہے جیسا کہ گزرا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اور ایک شخص ہے پرگنات کوفے سے کہ بانی اس مذہب کا ہوا۔ بقول بعض نام اس کا حمدان بن قرمط ہے۔ بعض کے نزدیک قرمط نام ایک گاؤں کا ہے دیہات واسط سے یہ وہاں کا باشندہ تھا لہٰذا وہ قرمطی ہے اور تابعین اُس کے قرامطہ۔ بہرحال مذہب ان کا یہ ہے کہ اسماعیل بن جعفر خاتم الائمہ ہے اور حیّ لایموت۔ علاوہ اس کے حرام چیزوں کو حلال جانتے ہیں۔

❋ چوتھے شمیطیہ۔ اصحاب یحیی بن ابی الشمیط کے۔ کہتے ہیں کہ بعد جعفر صادقؑ کے امامت اُن کے پانچوں بیٹوں کو پہنچی اس ترتیب سے۔ اسماعیل اور محمد اور موسیٰ کاظم اور عبداللہ افطح اور اسحاق۔

❋ پانچویں میمونیہ۔ اصحاب عبداللہ بن میمون قداح اہوازی کے۔ کہتے ہیں عمل ظاہر کتاب و سُنت پر حرام ہے اور منکر معاد کے ہیں (یہ اسمٰعیل کی امامت کے قائل ہیں)۔

❋ چھٹے خلفیہ۔ (خلف کے پیرو) کہتے ہیں کہ جو کچھ کتاب اور حدیثوں میں وارد ہوا ہے نماز و روزہ اور حج و زکوٰۃ سے اور مثل ان کے سب کے لغوی معنے ہیں نہ کو دوسرے، قیامت اور بہشت و دوزخ کچھ نہیں ہے۔ (یہ بھی اسماعیل کی امامت کے قائل اور معاد کے منکر ہیں)۔

❋ ساتویں برقعیہ۔ اصحاب محمد بن علی برقعی کے۔ معاد اور احکام شریعت کے منکر ہیں۔ اور نصوص کو تاویل کرتے ہیں اور نبوت بعض انبیاءؑ کے منکر کیا معنے بلکہ لعن ان کی واجب جانتے ہیں۔

❋ آٹھویں جنابیہ۔ تابع ابوطاہر جنابی[1] کے۔ ان کو اس مذہب میں غلو زیادہ ہے۔ انکار معاد و احکام اور جو کوئی عمل احکام پر کرے اُس کا قتل واجب جانتے ہیں۔ اسی واسطے ان لوگوں نے حاجیوں کو قتل کیا، حجر اسود کھود کر لے گئے تاکہ لوگ بداعتقاد ہو جائیں اور قصد خانۂ کعبہ در طواف کا نہ کریں۔ بس یہ پانچ فرقے ہیں، شمیطیہ، میمونیہ، خلفیہ، برقعیہ، جنابیہ کہ سب قرامطہ کے گنتی میں داخل ہیں اور انہی میں سے گنے گئے ہیں۔ اس حساب سے اسمٰعیلیہ کے آٹھ فرقے بتاتے ہیں ورنہ زیادہ ہوئے ہیں۔

چنانچہ نواں فرقہ اصول اسمٰعیلیہ سے سبعیہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ انبیاء ناطقین بشرائع سات ہیں۔ آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسےٰؑ اور محمدؐ اور مہدیؑ۔ اور دو دو رسولوں کے درمیان میں سات آدمی اور رہتے ہیں کہ شریعت سابق کو تا پیدا ہونے رسولِ لاحق کے قائم رکھیں۔ سو اسماعیل بن جعفر ایک ان ساتوں میں سے تھے کہ درمیان مہدیؑ اور محمدؐ کے شریعت کو قائم رکھیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر زمانے میں سات آدمیوں سے

[1] مشہور ابوسعید جنابی ہے۔ پورا نام حسن بن احمد بن حسن بن بہرام ہے۔ شہر جنابہ کی طرف منسوب ہے جو سیراف اور مہروبان کے درمیان ساحل پر خلیج فارس میں واقع ہے۔ مسعم

لابد ہے کہ قابل پیروی اور رہنمائی کے ہو سکیں۔

❋ دسواں فرقہ اصولِ اسماعیلیہ سے مہدویہ ہیں کہ انھوں نے خوب لمبائی چوڑائی پیدا کی۔ اس فرقے میں ارباب تصانیف و تالیف ہوئے ہیں۔ ملوک و سلاطین ملک مغرب کے اسی فرقے میں گزرے ہیں ان کو غلبہ اور تسلط واقعی ہوا۔ یہ لوگ بعد اسماعیل امامت اُن کے بیٹے محمد وصی بعد اُن کے احمد وفی اُن کے بیٹے پھر اُن کے بیٹے محمد تقی (بعض کتب میں ہے قاسم تقی) اور محمد تقی کے بیٹے عبیداللہ[1] رضی پھر ان کے بیٹے ابوالقاسم عبداللہ۔ اور ان کے بیٹے محمد کہ انھوں نے مہدی اپنا لقب کیا تھا بعد ان کے ان کے بیٹے احمد قائم بامراللہ پھر اسماعیل بن احمد منصور بقوۃ اللہ بعد ان کے معد بن اسماعیل معز لدین اللہ ان کے بعد ابو منصور نزار بن معد عزیز باللہ پھر ابو علی منصور بن نزار حاکم بامراللہ پھر ابوالحسن علی بن منصور ظاہر لدین اللہ پھر معد بن علی بن منصور مستنصر باللہ کے ثابت کرتے ہیں کہ ان کے باپ اپنے بیٹوں کے واسطے حکم دے گئے تھے جب نوبت امامت مہدی کی پہنچی اس نے اپنے حکم کو ملک مغرب میں رواج دیا اور طالب بادشاہی کا ہوا بہت مخلوق اس کے پاس جمع ہوئی۔ اوّل تو یہ بلاد افریقیہ پر مسلط ہوا پھر آہستہ آہستہ بلادِ مصر پر بھی غلبہ پایا اور ملک مصر و مغرب کا اس کی اولاد کے قبضے میں رہا بلکہ بعض اس کی اولاد سے ملک شام پر دخیل ہوئے اور اہل یمن نے بھی تہیّہ ان کی دعوت کا کیا اور ان کے مذہب میں ہو گئے۔

بعد مستنصر کے تعین امام میں ان کا اختلاف ہے سبب اس کا یہ کہ مستنصر نے اول تو نزار اپنے بھائی کو حکم امامت کا دیا دوبارہ ابوالقاسم احمد مستعلی باللہ اپنے بیٹے کو۔ پس بعض نے حکم اوّل کو بسبب حکم ثانی کے منسوخ جانا اور امامت مستعلی کے قائل ہوئے اِن کو مستعلیہ کہتے ہیں بعد مستعلی کے اُس کے بیٹے منصور بن احمد آمر باحکام اللہ بعد اس کے عبدالحمید ابومیمون ابن احمد حافظ لدین اللہ اُس کے بھائی پھر اُس کے بیٹے ابومنصور محمد بن عبدالحمید ظافر بامراللہ اور اُس کے بعد ابوالقاسم علی بن محمد فائز بنصر اللہ اُس کے بیٹے اُس کے بعد محمد بن علی عاضد لدین اللہ کو امام جانتے ہیں۔ جب نوبت امامت عاضد کی پہنچی اُمراء اور ملوک شام نے اُس پر قصد کیا اور اُس کو پکڑ کر قید کیا کہ قید میں مر گیا اب اولادِ مہدی سے کوئی نہ رہا کہ دعویٰ امامت کا کرتا۔ دوسرے گروہ نے نزار کو امام جانا اور نصِ ثانی کو لغو و ساقط کیا اس واسطے کہ بعد نصِ اوّل کے صادر ہوئی ہے۔ بعد نزار کے اُس کے بیٹے ہادی نام اور بعد ہادی کے اُس کے بیٹے کو کہ حسن نام تھا امام جانتے ہیں لیکن یہ لوگ سب نہایت جھوٹے ہیں مورخوں نے خلاف اس کے لکھا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ احمد مستعلی جب بادشاہ ہوا نزار کو مع دونوں بیٹوں کے کہ صغیر تھے قید میں ڈالا

[1] اس فرقہ کا ظہور ۲۹۷ھ میں ہوا ہے۔ ڈاکٹر برنارڈ لوئس نے اپنی کتاب "اصول الاسماعیلیہ" میں اسماعیلیوں کی خفیہ کتاب "غایۃ المواليد" سے ان کا اعتراف نقل کیا ہے کہ عبیداللہ علوی النسب تھا۔ پھر ڈاکٹر موصوف نے اسماعیلیوں کی اصطلاحات پدر روحانی اور نکاح روحانی کا ذکر کیا ہے اور ان کے ہاں باپ اور بیٹے کے کلمات کے غیر حقیقی استعمال کی بحث بھی کی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عبیداللہ کا نسب روحانی محمد بن اسمٰعیل سے وابستہ تھا، اور خونی رشتہ میمون قداح سے۔ ڈاکٹر صاحب نے نہایت اہم بحث کی ہے جو فوائد سے خالی نہیں۔ مصحح

تینوں قیدخانہ میں مرگئے کوئی نسل اُس سے باقی نہ رہی۔ نزاریہ کو صباحیہ حمیریہ (منسوب بہ حسن بن صباح حمیری) بھی کہتے ہیں کہ عنقریب اس نام رکھنے کی وجہ معلوم ہوگی۔ اور نیزان کو مستقطیہ اور ستقطیہ بھی کہتے ہیں اس لئے کہ ان کے مذہب میں امام مکلف بفروع نہیں ہے اور ہوسکتا ہے کہ بعض تکلیفات یا کُل تکلیفاتِ مذہبی کو ان سے ساقط کردے۔

یہ بھی ان کے خرافات سے ہے کہ حسن بن صباح حمیری مصر میں آیا اور بعض عورتوں نزار سے کہ اپنے بھتیجے کی قید میں تھیں ملا اور ایک لڑکا صغیر لے گیا اور ظاہر کیا کہ یہ لڑکا نزار کا ہے۔ ہادی اُس کا نام رکھا اور شہر رے میں جاکر اُس کے نام پر دعوت شروع کی لوگ انبوہ جمع ہوگئے اور قلعہ الموت اور دیگر قلاعِ طبرستان پر مُسلط ہوگیا۔ بال بچے اور مال مع ہادی کے قلعہَ الموت میں رکھے یہاں تک کہ اُس کو موت آگئی ہادی اُس وقت میں لڑکا تھا کیا نام ایک شخص کو اپنا خلیفہ کرکے ہادی کی تربیت اور اکرام و توقیر کا بہت مبالغہ کیا۔ جب کیا مرنے لگا تو اُس نے اپنے بیٹے کو کہ محمد بن کیا نام تھا نائب کیا۔ اور موافق حسن بن صباح کے ہادی کے معاملہ میں اہتمام تام کردیا۔ ایک دن ہادی کو شہوت و نعوذ نے غلبہ کیا کیا کی جورو کو بلا کر اُس سے صحبت کی۔ اِس لئے کہ ان کے زعم میں سب حرام چیزیں امام کو حلال ہیں جو چاہے سو کرے۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ یعنے کوئی پُوچھنے والا اُس کا نہیں ہے جو چاہے سو کرے، گویا ان کے امام ہی کے شان میں ہے۔ اتفاقاً جورو ابن کیا کی اُس صحبت سے حاملہ ہوگئی اور ایک لڑکا جَنی اُس کا نام حسن رکھا اس اثناء میں ہادی مرگیا۔ یہ سب بیان اُسی ابن کیا کی عورت کا ہے۔ اکثر تابعین ہادی کے تو اس کو قبول کرتے ہیں بعض شک کرکے کہتے ہیں کہ ہادی کی صحبت کی ہوئی اور عورت تھی جب کہ یہ عورت ہادی سے حاملہ ہوئی تھی۔ ابن کیا کی عورت اپنے شوہر سے حاملہ ہوئی تھی پھر اتفاقاً دونوں کی ولادت بھی ایک ہی وقت میں ہوئی۔ ابنِ کیا کی عورت نے ہادی کے لڑکے کو اپنے لڑکے سے بدل لیا اُس کا حسن نام رکھا۔

بہرحال بعد مرنے ابن کیا کے حسن نے اپنے کو اولاد نزار سے ظاہر کیا اور ہادی کا لڑکا بن کر دعوت امامت کی شروع کی۔ یہ شخص بہت عاقل بلیغ حاضر جواب خوش محاورہ تھا بہت خطبے کہتا تھا اُن خطبوں میں یہی مضمون بتاکید و تقریر بیان کرتا تھا کہ امام کو جائز ہے جو چاہے سو کرے اور تکلیفاتِ شرعیہ کو توڑدے مجھ کو غیب سے حکم ہوا ہے کہ تکلیفاتِ شرعیہ تم سے کھو دوں اور سب حرام چیزیں تم پر حلال کردوں جو چاہو وہ کرتے رہو بشرطیکہ آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو اور اطاعت سے اپنے امام کی نہ نکلو۔ اس کے بعد محمد بن حسن اس کا بیٹا پھر علاؤ الدین محمد ابن جلال الدین حسن بن محمد بن حسن اس کا پوتا اسی طور اور چلن پر رہے۔ لیکن جلال الدین حسن کہ پسر صلبی محمد بن حسن کا تھا منکر مذہب اپنے باپ دادے کا ہو کر پاک مسلمان ہوا۔ اُس کے اسلام کی خوبی تواریخ میں مشہور و معروف ہے یہاں تک کہ کتبخانہ اپنے باپ دادے کا جو جھوٹی باتوں اور زندقہ اور الحاد سے بھرا تھا سب پھونک دیا،

اور اپنے اگلے لوگوں کے طعن میں مبالغہ کرتا تھا۔ مذہب باطنیہ کی جڑ بنیاد کھود ڈالی اور اپنے تابعین و رعایا کو امر معروف و نہی منکر شرع کا کیا۔ بڑی بڑی مسجدیں اپنے قلعوں میں آباد کیں۔ خلیفہ اور اہل اسلام بغداد شریف کو اپنا حُسنِ اسلام جتایا اور ماں کو حج خانہ کعبہ کے واسطے مع تحفوں کے بھیجا۔ لیکن علاؤ الدین بیٹا اس کا برخلاف چال چلن اس کے موافق اپنے اگلے لوگوں کے ملحد ہی ہوا۔ اس کا بیٹا رکن الدین لقب یہ بھی ملحدوں کی روش پر تھا۔ اس کے وقت میں تتار کے ترکوں یعنی چنگیزیہ نے اس کی سلطنت کو خراب کردیا اور اس کی قدر کھودی چند روز قلعہ الموت میں رہا آخر ان کا مطیع ہوکر ان کے ساتھ گیا اثنائے راہ میں مرگیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے نے کہ قلعہٗ الموت میں رہ گیا تھا خروج کیا اور جدید الدولہ اپنا لقب رکھا جب رؤسائے تتار اس کے حال سے خبردار ہوئے لشکر اس پر بھیج کر اس کو خراب کردیا اور جمعیت اس کی متفرق ہوگئی۔ دیہاتِ طبرستان میں چھپے چھپے مرگیا۔ بعد اس کے کوئی دعوے دار امامت کا نہ رہا۔

پس فرقوں اسماعیلیہ سے باطنیہ، قرامطہ، سبعیہ، حمیریہ، یہ سب ملحد ہیں۔ مہدویہ بظاہر احکام شرع کے معتقد ہیں لیکن اکفران سب میں حمیریہ ہیں۔ اب اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسماعیلیہ دس [۱۰] فرقے ہیں اور تیرہ [۱۳] فرقے امامیہ سے اوپر گنے گئے تو سب تئیس [۲۳] فرقے امامیہ کے ہوئے۔

❁ چوبیسواں [۲۴] فرقہ افطحیہ ان کو عماریہ بھی کہتے ہیں اس لیے کہ اصحاب عبداللہ بن عمار کے ہیں۔ قائل امامت عبداللہ بن جعفر کے جن کا لقب افطح تھا لِاَنَّہٗ کَانَ اَفْطَحَ الرِّجْلَیْنِ یعنی ان کے پاؤں چوڑے تھے۔ یہ برادر حقیقی اسماعیل بن جعفر کے تھے ان کی امامت اور رجعت کے قائل ہیں اس واسطے کہ ان کا کوئی بیٹا نہ تھا جو سلسلہ امامت کا ان کی نسل میں جاری ہوتا۔

❁ پچیسواں [۲۵] فرقہ اسحاقیہ معتقد امامت اسحاق بن جعفر کے۔ فی الواقع علم و تقویٰ اور زہد میں یہ مشابہ اپنے والد بزرگوار عالی مقدار کے تھے۔ چنانچہ سفیان بن عیینہ اور ایک گروہ اور ثقات محدثین اہل سنت ان سے روایت کرتے ہیں۔

❁ چھبیسواں [۲۶] فرقہ قطعیہ۔ اصحاب مفضل بن عمر کے۔ اسی واسطے ان کو مفضلیہ بھی کہتے ہیں۔ قائل امامت موسیٰ کاظم کے اور ان کی موت کو ان سے قطع کرتے ہیں۔

❁ ستائیسواں [۲۷] فرقہ موسویہ۔ ان کو موت و حیات امام موسیٰ کاظم میں تردد ہے۔ اسی سبب سے ان کی امامت میں توقف کرتے ہیں نہ بعد ان کے سلسلۂ امامت کو جاری کرتے ہیں۔

❁ اٹھائیسواں [۲۸] فرقہ ممطوریہ قائل حیات موسیٰ کاظم کے کہ حی لایموت اور مہدی موعود منتظر ہیں کہ کب حکم خدا ہو جو میں خروج کروں اور اس حدیث مرتضوی کو سند پکڑتے ہیں سَابِعُهُمْ قَائِمُهُمْ سَمِيُّ صَاحِبِ التَّوْرَاةِ یعنی ساتواں ۳

ان اماموں کا خروج کرنے والا ہے ہم نام صاحب تورات کا۔ اُن کو ممطوریہ اس سبب سے کہتے ہیں کہ ایک بار انہوں نے قطعیہ سے مناظرہ کیا۔ رئیس قطعیہ یونس بن عبدالرحمٰن نے ان سے کہا اَنْتُمْ اَهْوَنُ عِنْدَنَا مِنَ الْكِلَابِ الْمَمْطُوْرَةِ یعنی تم ہمارے نزدیک کُتّے بھیگے ہوئے سے بدتر ہو۔ اُس وقت سے یہ لقب ان پر رہا۔

❋ انتیسواں[۲۹] فرقہ رجعیہ۔ قائل موت موسیٰ کاظم کے لیکن رجعت کے منتظر۔ ان تینوں فرقوں کو واقفیہ بھی کہتے ہیں اس واسطے کہ امامت کو موسیٰ کاظم پر موقوف رکھتے ہیں۔

❋ تیسواں[۳۰] فرقہ احمدیہ۔ قائل امامت احمد بن موسیٰ کاظم کے بعد وفات موسیٰ کاظم کے۔

❋ اکتیسواں[۳۱] فرقہ اثناعشریہ۔ یہ (موسیٰ کاظم کے بعد) قائل امامت علی بن موسیٰ رضا کے بعد ان سے اُن کے بیٹے محمد تقی المشہور بجواد اُن سے بعد ان کے بیٹے علی نقی معروف بہ ہادی پھر ان کے بیٹے حسن عسکری پھر ان کے بیٹے محمد مہدی قائم منتظر جن کے خروج کے امیدوار رہتے ہیں۔ اور ان کی غیبت اور سن و سال میں باہم اختلاف کر کے چند فرقے ہوگئے ہیں بلکہ بعضے ان کی موت و رجعت کے بھی قائل ہوئے ہیں۔ اس حساب سے شمار فرقوں امامیہ کا انتالیس تک پہنچتا ہے۔

❋ بتیسواں[۳۲] فرقہ جعفریہ۔ بعد حسن عسکری امامت جعفر بن علی کے کہ حسن عسکری کے بھائی تھے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ حسن عسکری نے اولاد نہیں چھوڑی تولد مہدی کے منکر ہیں۔

چند فائدے ذیل خاتمے اس باب میں واجب التحریر ہیں اُن فائدوں کو ضرور کان لگا کر سننا چاہیے :۔

❋ **فائدہ اوّل** وہ لوگ جن کا لقب شیعہ ہوا اگر وہ مہاجرین و انصار اور ان کے تابعین سے ہیں کہ ہم چلن اور پیرو حضرت مرتضیٰؓ کے تھے جس وقت کہ آپ ان کے خلیفہ ہوئے ان لوگوں نے ہمیشہ صحبت آپ کی اختیار کی اور مخالفین سے لڑتے رہے اور مطیع ان کے امر و نہی کے ہوئے ان کو شیعہ مخلصین کہتے ہیں اور یہ لقب ان کا سینتیس ہجری میں ہوا۔

دو برس بعد شیعہ تفضیلیہ ظاہر ہوئے انہی میں سے ابوالاسود دئلی ہے واضع نحو اور شاگرد جناب امیرؓ کہ آپ ہی کے حکم و تعلیم سے اس نے قواعد نحو جمع کیے اور انہی لوگوں سے ابوسعید یحییٰ بن یعمر عدوانی ہے کہ یہ ایک تابع سے ہے عبداللہ بن سوید عدوی سے ملاقات رکھتا تھا۔ علم قرأت کا عالم اور تفسیر و نحو و لغات کا خوب جاننے والا نحو میں شاگرد ابوالاسود کا اور قرأت میں ایک قرائے بصرہ سے ہے۔ قاضی شمس الدین احمد بن خلکان نے "وفیات الاعیان" میں لکھا ہے کہ كَانَ يَحْيَى بْنُ يَعْمَرَ شِيْعِيًّا مِنَ الشِّيْعَةِ الْأَوَّلِ الْقَائِلِيْنَ بِتَفْضِيْلِ أَهْلِ الْبَيْتِ مِنْ غَيْرِ تَنَقُّصٍ لِذِيْ فَضْلٍ مِنْ غَيْرِهِمْ یعنی تھا یحییٰ بن یعمر شیعی پہلے شیعوں کی جنس سے جو قائل ہوئے تفضیل اہل بیت کے بغیر اس کے کہ گھٹائیں کسی فضل والے کو غیر اہل بیت سے۔ اور انہی میں سے ہے سالم بن

ابی حفصہ کہ راوی حدیث ہے امام محمد باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ سے۔ اور انہی سے عبدالرزاق ہے صاحب تصنیف کہ محدث مشہور ہے اور اہل سنت و جماعت سے ہے۔ اور من جملہ ان کے ابو یوسف یعقوب بن اسحاق ہے معروف با بن سکیت صاحب کتاب "اصلاح المنطق"۔

بعد ان کے ظاہر ہوئے شیعہ سبیہ کہ اعاظم صحابہؓ اور امہات المؤمنینؓ ازواج مطہراتؓ کو گالی اور طعن کرتے تھے سو یہ پھٹ گئے بہت فرقوں کی طرف۔

جیسا کہ گزرا یہ ترتیب جو مذکور ہوئی بنظر ظہور مذہب کے ہے والا حدوث تو ان کا بالکل جناب امیرؓ کے عہد میں ہوا باغوائے عبداللہ بن سبا کے۔ کیسانیہ ۶۴ھ ہجری ہیں، مختاریہ ۶۶ھ ہشامیہ ۱۰۹ھ، زیدیہ ۱۲۱ھ جوالیقیہ و شیطانیہ ۱۱۳ھ زراریہ مفوضہ بدائیہ ناووسیہ عمائیہ ۱۴۵ھ اسماعیلیہ ۱۵۵ھ مبارکیہ ۱۵۹ھ واقفیہ امامیہ سنہ ۱۸۳ھ حسنیہ ۱۹۵ھ اثناعشریہ امامیہ سے ۲۵۵ھ مہدویہ فریق اسماعیلیہ سے کہ قائل امامت محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ کہ ان کے نزدیک ملقب بمہدی ہیں ۲۹۹ھ میں ظاہر ہوئے۔ اور یہ مہدی آپ کو اولاد اسماعیل بن جعفر سے لیتا تھا اور دعویٰ امامت کا کرتا تھا سنہ مذکور میں نواحی مغرب میں خروج کیا۔ سنہ ۳۰۰ھ میں افریقیہ پر غالب ہوا۔ نسب اپنا حضرت جعفر تک اس طرح پہنچاتا ہے کہ محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ بن قاسم بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن جعفر۔ لیکن علمائے نسب اس دعوے میں اس کو جھوٹا ٹھیراتے ہیں کہ اسمٰعیل بن جعفر اپنے باپ سے پہلے مر گئے سوا محمد کے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔ سو یہ محمد بغداد میں لاولد مر گئے جیسا کہ اوپر گزرا۔ اور تمام شیعہ بھی منکر اس کے نسب کے ہیں۔ اور علمائے نسب کو اس کی اصل و حقیقت کار میں اختلاف ہے۔ اہل مغرب کہتے ہیں کہ اولاد عبداللہ بن سالم بصری سے ہے کہ باپ اس کا بصرے میں نان بائی تھا۔ اور عراقی کہتے ہیں کہ وہ نسل عبداللہ بن میمون قداح اہوازی سے تھا جیسا کہ سابق گزرا۔

بہرحال مہدویہ معتقد اسی بات کے ہیں کہ محمد بن عبداللہ مذکور مہدی موعود ہے اور حدیث آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ عَلٰى رَاْسِ ثَلٰثِ مِائَةٍ تَطْلَعُ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا یعنی تین سو سال کے سر پر طلوع کرے گا آفتاب اپنے مغرب سے کہ وہ آفتاب مہدی سے مراد لیتے ہیں اور مغرب سے ملک مغرب خود اصل حدیث ان کے مفتریات سے اور معانی بھی انہی کے مخترعات سے ہیں اگر خوب تامل کرتے ہیں تو اصل عقیدہ اسماعیلیہ کا انکار احکام شرائع اور لوٹ پوٹ کر دینا دین کا ہے۔

حاکم کہ ایک سلاطین اور ائمہ مہدویہ سے تھا اس نے مصر میں حکم دیا تھا کہ جس وقت نام اس کا کسی مجلس میں لیا جائے سب لوگ سجدہ کریں۔ یہ حاکم دعویٰ کرتا تھا کہ حق تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا ہے اور مجھ کو علم غیب حاصل ہے۔ افعال بد اس کے تواریخ میں دیکھنے کے لائق ہیں۔

قدمائے مہدویہ باطن میں عقیدہ الحاد و زندقہ کا رکھتے تھے اور بظاہر مبالغہ زہد اور کثرت طاعات اور اجرائے احکام شریعت میں کرتے تھے تاکہ لوگوں کو تسلی دے کر میدان لشکر کا بڑھائیں ایسے ہی حمیریہ عمل میں لاتے تھے۔ اظہار زندقہ اور الحاد کا اول قرامطہ نے پیدا کیا اور مقتدر عباسی پر خروج کر کے بعض دیہات اور اس کے شہروں پر دخیل ہوئے اور بایام حج مکہ معظمہ میں آکر تین ہزار[۳۰۰۰] حاجیوں کو شہید کیا۔ چنانچہ یہ واقعہ ۳۱۹ھ میں ہوا۔ رئیس ان کا ابوسعید جنابی قرمطی تھا۔ اس کے بعد ابوطاہر قرمطی اس کا بیٹا موافق باپ کے موسم حج میں کہ مکہ مکرمہ میں آیا بہت مخلوق اس کے ہمراہ تھی۔ خود گھوڑے پر سوار پیالہ شراب کا ہاتھ میں لیے شراب پیتا ہوا بیت الحرام میں گھسا اور حاجیوں کے قتل میں مبالغہ تمام کرتا تھا اور گھوڑے کو شتکار تو عین مسجد میں پیشاب کیا۔ حجر اسود کی نسبت لشکر والوں کو حکم دیا کہ اپنے ٹھکانے سے اکھیڑ کر کوفے میں نجس جگہوں میں ڈال دیا اور پھر وہاں سے اٹھا کر اپنے پاس رکھا۔ چنانچہ بیس برس تک اس لعین کے پاس رہا یہاں تک کہ ۳۳۹ھ میں خلیفہ عباسی مطیع لامر اللہ ابوالقاسم فضل بن المقتدر نے تیس ہزار[۳۰۰۰۰] دینار کو ان سے خریدا اور ابوطاہر بن ابی سعید حجر کو لے کر مسجد کوفہ میں آیا اور اس کو ایک ستون میں ستونوں مسجد کے لٹکایا اور سرداران شہر کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ حجر وکیل خلیفہ کے سپرد کر دیا۔ اس صحبت میں ابن حکیم محدث حاضر تھا، ایک حدیث روایت کرتا ہے کہ بعض علامات سے اس میں مذکور ہیں قولہ یُحْشَرُ هٰذَا الْحَجَرُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَهٗ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا وَلِسَانٌ يَتَكَلَّمُ بِهٖ يَشْهَدُ لِمَنِ اسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ فَاِنَّهٗ حَجَرٌ يَطْفُوْ عَلَى الْمَاءِ وَلَا يُحْتَرَقُ بِالنَّارِ یعنی محشور ہوگا یہ حجر اسود بروز قیامت اس حال سے کہ اس کی دو[۲] آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا اور زبان ہوگی جس سے بات کرے گا اور گواہی دے گا اس کی جس نے چوما ہے اس کو بحق بے شک یہ وہ پتھر ہے کہ پانی پر تیرتا ہے اور آگ میں نہیں جلتا۔ ابوطاہر نے جو یہ مضمون سنا بطریق تمسخر ٹھٹھا مار کر ہنسا اور آگ منگوائی اور اس کو آگ میں ڈالا متحرق نہ ہوا پھر پانی منگا کر پانی میں ڈالا ڈوبا نہیں تیرتا رہا۔ بعد اس امتحان کے متحیر ہو کر کہا اب دین اسلام میرے نزدیک ثابت ہوا اور میں نے معلوم کیا کہ گر جانا اس کی بنیاد کا مجھ سے ممکن نہیں لیکن اپنا مذہب نہ چھوڑا۔

اور ظہور حمیریہ کا مہدویہ سے کہ ان کو المونیہ بھی کہتے ہیں۔ اور سابق مفصل حال ان کا مرقوم ہوا ۴۸۳ھ میں ہوا۔

مسقطیہ یہ سب بھی ان کے بعد ظاہر ہوئے بعد شروع فتنہ تتار کے۔ پس مسقطیہ اخیر رافضہ سے ہیں۔

فائدہ دوم۔ جاننا چاہیے کہ بعد فرقہ فرقہ ہو جانے شیعوں کے ہر شہر و اقلیم میں دعاۃ ان کے پھرتے تھے۔ اور طلب ملک و ریاست اور کثرت تابعین میں کوششیں اور صلاحیں کرتے تھے کہ کسی مذہب میں ایسی کوشش رواج دینی مذہب اور دعوت مردم میں اپنی اپنی طرف (یعنی بلانا اپنے مذہب کی طرف) واقع نہیں ہوئی جیسی

کہ یہ کرتے تھے سبب اس کا یہ کہ بنیاد ان کے مذہب کی قائم ہوتی تھی امامت بعض اشخاص پر اور امامت ایک صیغہ ریاست بلکہ اعلیٰ از ریاست ناچار مروج کرنے حال اس امام اور لوگوں کو اس کی طرف راغب و معتقد کرنے کی ضرورت پڑتی تھی جب ریاست حاصل ہوتی تھی بخلاف اور مذہب کے کہ اصل ان کے مذہب کی متعلق بہ ریاست نہیں ہے۔ بس جن کی تقدیر تدبیر سے موافق ہوگئی ان کو دولت و جاہ حاصل ہوگئی اور جن کی تقدیر تدبیر سے مخالف پڑی مفت بے فائدہ مر گئی اور اس حصول دولت و جاہ میں بھی بعض ایسے ہوئے کہ ان کی دولت کو استمرار ہوا دو تین پشت تک اور بعض ایسے کہ چند روز ظہور کیا پھر سست ہو گئے اسی سبب سے قیام ایام ہر فرقے کا بھی مختلف ہوا

اہل تاریخ کہتے ہیں کہ ناووسیہ بغداد میں بکثرت تمام تھے خصوصاً ۵۰۰ھ میں اور اکثر فرقے شیعہ مصر اور شام اور عراقین اور آذربائیجان اور فارس اور خراسان میں پھیلے ہوئے تھے اس وقت تک کہ فتنہ تتار کا وقوع میں آیا پس اس وقت اپنے شہروں سے بھاگ کر دور دور کے اطراف و جوانب میں جا پڑے اور ان شہروں میں اس بلا کو پھیلایا کہ لوگوں کو بہکا کر گمراہ کیا۔ لیکن فتنہ تتار میں اکثر فرقے شیعہ نابود و مفقود ہو گئے کچھ رہ گئے چنانچہ غلاۃ و باطنیہ کم، زیدیہ امامیہ اثنا عشریہ، مہدویہ اکثر۔ لیکن غلاۃ کہ ان میں سب سے بڑھ کر سبائیہ قائل الوہیت جناب علیؓ کے ہیں۔ اردبیل اور آذربائیجان کے اور شہروں میں فی الجملہ موجود ہیں۔ کچھ عبادت ان کی نہیں مگر سال کے تین روزے۔ اور بلاد ترک سے شہر بغرا میں بھی یہ گروہ رہتے ہیں بادشاہ وہاں کا دعوے کرتا ہے کہ میں یحییٰ بن زید بن علی بن حسین کی نسل سے ہوں۔ اور یہ عجب بات ہے کہ لوگ یہاں کے سب کھوسے بے ریش ہوتے ہیں البتہ بادشاہ کی لمبی داڑھی ہوتی ہے۔ اور بعض دیہات زابلستان میں بھی کچھ پتہ اس جماعت کا دیتے ہیں۔

دوسرا فرقہ غلاۃ سے جو قائل حلول باری تعالیٰ کے ہیں بدن علوی میں، مفضلیہ نصیریہ ہیں مفضلیہ کا زمانہ بھی دراز ہوا اس وقت بلاد گنجہ میں موجود اور نصیریہ کی بھی لمبی عمر ہوئی کہ کوہستان خراسان میں [illegible] اور بعض بعض شہروں میں بھی محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں بعض لوگ ان کے دہلی آئے اور امیر خان کے گھر اترے چند [illegible] معتبر سے ان کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے خبر دی کہ کوہستان خراسان میں ابجیان نام ایک پہاڑ ہے وہاں کے رہنے والے سب غلاۃ و نصیریہ ہیں ان میں ایک امام ہے کہ آپ کو علویوں سے ٹھہراتا ہے اور ہر شہر میں خراسان کے شہروں سے ایک نائب اپنا بھیجتا ہے اور واقعہ نویس مقرر کرتا ہے ان کی اصطلاح میں لفظ الہ کا امام پر اور رسول کا نائب پر اور جبرئیل کا اس واقعہ نویس پر اطلاق کرتے ہیں ان لوگوں کو شریعت سے کچھ سروکار نہیں نہ کوئی عبادت ان کی مگر امام کو خمس ادا کرتے رہتے ہیں اور دیہات میں قرب و جوار ابجیان میں

بھی اسی مذہب کے لوگ ہوگئے ہیں۔ ان کی خرافات سے ایک یہ ہے کہ کبھی آلہ بودوباش زمین سے تنگ ہوکر ابر کو حکم کرتاہے کہ سیڑھی کے سے پائے ہوجاتا ہے اس پرسے چڑھ کر آسمان کی سیر کرتاہے پھر زمین پر اُتر آتا ہے اور یہ بھی ان کے عقائد سے ہے کہ محمدؐ بھیجے ہوئے علیؓ کے ہیں۔ اور منکر معاد اور قائل تناسخ ارواح کہ ارواحیں ہمیشہ ایک بدن سے دوسرے بدن میں نقل کرتی رہتی ہیں۔ اور جنت اُس انسان کے بدن سے عبارت ہے جو صاحب مال ونعمت کا ہو۔ اور دوزخ بدن اُس انسان کا جو صاحب خواری ومحتاجی کا ہو۔

اور زیدیہ بلادِ عرب میں پھیلے ہوئے تھے یہاں تک کہ بعض شرفائے حسنیہ زیدی مذہب نے بلادِ یمن پر تسلط پایا پس اکثر زیدیہ یمن میں جمع ہوئے اور اب تک ہیں۔ نصف ملک یمن کا کہ نجدِ یمن یعنی بلند وکوہستان ہے اُس میں زیدی مذہب ہیں۔ نصف دوسرا نشیب اور کنارۂ دریائے شور اس میں شافعی مذہب ہیں۔

باطنیہ اسماعیلیہ سے بھی بعض بلادِ خراسان اور کوہستانِ بدخشان اور کناروں دریائے شور، گجراتِ ہند میں موجود ہیں۔ ان کو اصطلاح خراسان میں میمن کہتے ہیں۔ اور چیچک کہ گھوڑا وہاں کا خوب ہوتا ہے میمنوں سے یہ شہر بھرا ہے۔

مہدویہ اسماعیلیہ سے ان کی مدت بہت دراز ہوئی اور قوت ودولت کمال کو پہنچی۔ چنانچہ سابق محمد بن عبداللہ کے احوال میں جس نے لقب اپنا مہدی اور ۲۹۶ھ میں بلادِ مغرب پر خروج کیا اور امرائے مقتدر عباسی سے کہ صوبہ دار اس نواح کا تھا لڑ کر غالب آیا اور افریقیہ پر متصرف ہوا تھا گزرا اور مصر ومغرب مدتوں اس کی اولاد کے قبضہ میں رہا تا رفتہ رفتہ اہلِ یمن بھی ان کے مذہب میں ہوگئے۔ ابتدائے سلطنت سے انقطاع دورہ تک اس کے دوسو ساٹھ برس گزریں اور ایک ہی طریقہ پر رہے یہاں تک کہ حسن صباح حمیری نے بوسیلہ نسبت پسر نزار کے کہ ادعا کیا تھا کوہستان طبرستان وجبل میں خروج کیا اور حصن الموت میں جما۔ یہ قصہ حدود ۴۸۳ھ میں واقع ہوا۔ بعد تسلط حصن الموت سے باہر صومعہ بنا کر ریاضاتِ شاقہ میں مشغول ہوا اور لوگوں کو خوب زہد وپرہیزگاری جتائی کہ اکثر لوگ قزوین اور طبریہ اور کوہستان کے اس کے قریب میں آکر معتقد اس کے ہوئے پھر مذہب نزاریہ ظاہر کر کے درپے ایذارسانی اہلِ سنت وجماعت کے ہوا۔ بڑا مکر اس کا یہ تھا کہ اپنے تابعین فتنہ کاروں کو مسلمانوں کے شہروں میں بھیجتا تھا اور کہہ دیتا کہ علماء اور امراء اور اعیان اہلِ سنت کو اپنے حیلوں میں پھانسو۔ بس یہ لوگ طالب علم بن کر شاگرد ہوتے تھے اور خلوت جلوت میں ان کے ساتھ رہ کر فرصت پا کر مار ڈالتے تھے۔ بعض خدمتگار بن کر امیروں کے نوکر ہوتے تھے اور قابو پا کر اپنا کام کرتے تھے۔ اِن حیلوں سے جماعاتِ کثیر علماء وامراء وصلحاء اہل سنت وجماعت کی اس نے ان لوگوں سے مروا ڈالی جب خوب قوت بہم پہنچائی تو یہ ہوا کہ بادشاہوں سے لڑا اور غالب ہوا۔

سابق گزرا کہ جب حسن صباح مرنے لگا اس کام پر کیا کو اپنا خلیفہ کیا اور کیا نے اپنے مرتے وقت محمد بن کیا اور اس نے اپنے بیٹے حسن نام کو کہ دعویٰ اپنے نسب کا ہادی بن نزار سے کرتا تھا خلیفہ کیا۔ یہ حسن بہت بڑا زندیق وملحد اس کے سلف جو کچھ چھپاتے تھے یہ برملا ظاہر کرتا تھا۔ اس گروہ کی بادشاہی ایک سو اکہتر (۱۷۱) برس رہی۔ فتنۂ تتاریہ میں ایسے ہلاک ہوئے کہ نام ونشان ان کا نہ رہا۔ گویا تقدیر نے ان کی جڑ کا نکالنا فتنۂ تتارہ پر مقدر کیا تھا۔

لیکن مستعلویہ، ان کی بادشاہت قریب پانسو ساٹھ (۵۶۰) برس کے رہی اب کوئی نہ رہا ان فرقوں سے مگر مہدویہ مستعلویہ سے تھوڑے لوگ اور قلیل اقصائے یمن میں اور کناروں دریائے سندھ کے بھی بتاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ ہندستان میں ایک جماعت اور ہے کہ اپنا مہدویہ نام کیا ہے۔ ان کا شعار یہ ہے کہ مہدی آئے بھی اور چلے بھی گئے۔ ملک دکن اور راجپوتانہ میں یہ لوگ بہت ہیں یہ فرقہ جدا ہے نہ کہ وہ مہدویہ۔ امامت کی بحث میں ان کو کچھ دخل نہیں۔ اور بعض مسائل میں اہلِ سنت وجماعت کے خلاف ہیں مثل رفع یدین دعا اور تقسیم میراث وغیرہ میں اور یہ سب تابع سید محمد جونپوری[1] کے ہیں کہ آپ کو مہدی موعود خیال کیا تھا۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ نے اس خیال کے رد میں ایک رسالہ صحیح حدیثوں سے لکھا ہے۔ اور علامتیں مہدی موعود کی مفصل بیان کی ہیں۔

لیکن اثنا عشریہ ابتدا میں گروہ ان کے متفرق تھے نواح عراق میں اکثر یہ لوگ اپنے کو اہل سنت وجماعت میں شمار کرتے تھے۔ اور تقیہ اور اختفا کرکے دور دور جاتے تھے یہاں تک کہ دیالمہ آل بویہ کے بلاد عراق پر غالب ہوئے اور اول ان سے عماد الدولہ تھا کہ اپنے ضلع کے بادشاہ پر غلبہ کرکے ملک اس سے چھین لیا اور خلافت مقتدر عباسی میں بڑی بڑی لڑائیاں ملوکِ نواحی سے لڑ کر غالب ہوا اور اصل یہ اور اس کے باپ بھائی چڑی ماروں سے تھے چڑیاں اور مچھلیاں مار مار کر قوت گزاری کرتے تھے اسی حال میں کوہستانِ دیلم سے عراقِ عجم کو گیا وہاں کے کسی شہر میں دھوئے ہوئے کپڑے پہن کر اور لباس درست کرکے کسی امیر کے پاس سب گئے اُس کو ان کی قوت جسمانی اور شیریں زبانی نے فریفتہ کیا کہ وہ بادشاہِ وقت کے پاس لے گیا اس کے لشکر میں نوکر ہوکر اچھی کارگزاریاں کیں تو بترقی منصب امارتِ عظمیٰ کو پہنچے اور بادشاہت ان کی بلادِ فارس اور عراق ودیلم میں محکم اور مستقر ہوگئی کہ یہ بادشاہت ان کی ایک سو ستائیس (۱۲۷) برس تک رہی۔ یہ خاندان سب غلاۃ اثنا عشریہ سے تھا لہٰذا اس شہر میں سب اثنا عشریہ جمع ہوئے اور آذربائیجان اور خراسان اور جرجان اور ماژندران اور جیلان اور دیلم کے آخری قلمرو تک غلبہ اس مذہب کا ہوا۔ اس مذہب میں علماء بہت ہوئے اور بہت تصنیفیں

[1] محمد جونپوری کے حالات وعقائد اور ان کا رد نہایت شرح وبسط کے ساتھ ہدیۂ مہدویہ مؤلفہ علامہ محمد زماں خاں شاہ جہاں پوری میں مذکور ہے۔ مصحح

اور تالیفیں کیں لیکن باوصف اتنے زور و غلبہ کے تقیہ نہ چھوڑا اکثر اس فرقے کے لوگ لباس معتزلہ میں پھرتے تھے حتی کہ وزیر اعظم دیالمہ کہ صاحب بن عباد تھا اپنے کو معتزلی ظاہر کرتا تھا حالانکہ باطن میں رافضی شدید العناد تھا جب دولت ان کی ڈگی اور نابود ہوئی اکثر اثنا عشریہ معتزلیوں اور اہل سنت و جماعت میں بشدت تمام چھپ گئے جب تک کہ فتنہ تتار کا اٹھا اور تر و خشک کو جلایا علقمی وزیر خلیفہ عباسی کا اسی فرقے سے تھا خفیہ تتار سے ملت رکھتا تھا۔ آدل تو ظہور کیا آخر خراب و تباہ ہوا۔

جب ان کے دلوں سے خوف اہل سنت کا جاتا رہا اور ضعف اسلام موجب قوت اس فرقہ کا ہوا اس شہر میں خوب اظہار مذہب شروع کیا بحدے کہ سلطان غازان بن ارغون بن بغا بن ہلاکو بن تولی بن چنگیز خان شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ اس واقعہ کا چھے سو[۶۹۴] چورانوے میں اتفاق پڑا۔ اس کی دعوت سے ہزاروں اتباع اور لشکر کے لوگ مسلمان ہوئے۔ اُس نے اپنا نام سلطان محمود رکھا اور اہل سنت کے چلن پر بہت اچھی طرح بسر کی اس کے بعد الجایتو خدا بندہ قائم مقام اس کا ہوا۔ یہ عمارت اور تماشے میں مصروف اور لہو و لعب میں مشغوف تھا ناگاہ تاج الدین نام ایک شخص نے روافض اثنا عشریہ سے اس سے ملاقات کی اور اس مذہب کی ترغیب دی۔ اس کے اغوا سے اس نے اپنا مذہب کھویا تاج الدین اس مذہب کی دعوت بمبالغہ تمام کرتا تھا۔ علماء اس فرقے کے پاس سلطان کے جمع کیے خصوصاً ابن مطہر حلی کو کمال رونق دی۔ آہستہ آہستہ سلطان کے دل میں جما دیا کہ فرقۂ اسلام میں سوائے اثنا عشریہ کے کوئی فرقہ ناجیہ نہیں ہے۔ چوں کہ بادشاہ نو مسلم تھا حقیقت دین اور تواریخ اسلام سے واقف اور مطلع نہ تھا یہ حیلہ ان کا چل گیا سلطان کو مع تمامی اہل و اتباع کے اس مذہب میں لے آئے۔ تصانیف ابن مطہر حلی کی نہج الحق اور منہج الکرامہ اور مثل ان کے ہیں۔ یہ خاص سلطان اور امراء اور اتباع کی دعوت کے واسطے ہے۔ اس زمانے میں حد سے زیادہ غلو اثنا عشریہ کا ہوا۔ اور ابن مطہر نے الفین اور شرح تجرید اور استبصار اور نہایہ اور خلاصہ اور مبادی در اصول اس فرقے کے واسطے تیار کیں۔

بعد وفات بیٹا اس کا ۷۱۶ھ میں رفض سے تائب ہوا اور بہدایت و ارشاد اہل سنت کے اس عقیدے سے بدل گیا رافضیوں کو نکال دیا۔ حلی پھر حلہ کو لوٹ گیا۔ علماء ان کے سب چھپ گئے یہاں تک کہ تراکمہ کو جو اثنا عشریہ سے تھے دیار بکر اور اس کے گرد و پیش کی دولت حکومت ملی۔ ۸۶۰ھ میں پھر علماء و مکار اس فرقے کے وہاں جمع ہو گئے چنانچہ قریب پچاس برس تک دولت تراکمہ میں خوب غلو اور دشنام اور تبرا کا حق ادا کیا۔ اس کے بعد تراکمہ کو انحطاط ہوا رواج اس مذہب کا بھی گھٹا یہاں تک کہ سلطان حیدریہ نے کہ صفویہ اپنا لقب کیا تھا بسبب قرابت اور سمدھیانے کے تراکمہ کے ملک پر غلبہ پایا یہ ۹۱۰ھ میں ہوا۔

عراق عجم اور کرمان اور مازندران اور آذربیجان اور خراسان اور تبریز پر بلا نزاع غلبہ پا گئے۔ علماء اس فرقہ کے بکمال ظہور و غلبہ جمع ہوئے۔ ایک نے ان کے علما سے بعض بادشاہوں اس فرقے کو صاحب الزمان قرار دیا اور رسم سجدہ کی بجا لائے۔ اس خوشامد سے خوب تقرب پایا۔ بادشاہ کو ترغیب دلائی کہ بجبر لوگوں کو اس مذہب میں داخل کرے اگر نہ مانیں تو قتل کرے، لوگوں کو جمعہ جماعت سے باز رکھے، قبلہ کو دوسری طرف بدل دے، خطیبوں کو حکم کرے کہ سر منبر دشنام عائشہؓ اور حفصہؓ اور اور بڑے بڑے صحابہؓ کی کوچہ و بازار میں پھیلا دے اور وجوب لعن و تبرا میں ایک رسالہ لکھا۔ بادشاہ نے سب باتیں ان کی مان لیں۔ ایک جماعت کثیر علماء سنت سے قتل کی۔ مسجدیں خراب کر دیں۔ قبریں صالحین کی اُدھیڑ کر ہڈیاں اُن کی جلا دیں مثل عین القضاۃ ہمدانی اور قاضی ناصر الدین بیضاوی کی اور سوا ان کے ایک جماعت کثیر مقبولوں اہل سنت سے محض بعنایت ایزدی اس فتنے سے محفوظ رہے مثل شیخ الاسلام احمد جامیؒ اور شیخ ابوالحسن خرقانیؒ اور ابویزید بسطامیؒ اور شیخ الاسلام عبداللہ انصاریؒ بلکہ تمام مشائخ ہرات کے اور جب تک یہ فتنہ رہا جائے پناہ اور ٹھکانا اہل سنت کا سوائے ماوراء النہر کے نہ تھا۔ جو کوئی ان کے ہاتھ سے رہائی پاتا تھا تو ہرات کو جاتا تھا۔ یہ بات بھی ملوک ماوراء النہر سے برابر معروض ہوتی تھی یہاں تک کہ ہرات کے ملازادوں نے اسی بلا میں گرفتار ہو کر بڑی ایذا اٹھائی پاس خاقان اعظم عبید اللہ خان کے گئے اس کی رگ غیرت جوش میں آئی متوجہ خراسان کا ہوا اور ٹھیک ٹھیک بدلہ لے کر تمام کیا اور خراسان پر متصرف ہوا۔

بعد فوت عبید اللہ خان کے پھر سلاطین حیدریہ یعنی صفویہ خراسان پر غلبہ پا گئے لیکن ملوک بخارا و بلخ میں جھگڑے رہتے تھے اور ازبک اور ترک ہر سال لڑائیاں پے در پے لڑتے تھے اور ملوک اور امراء خوارزم بھی مشغول جہاد و غزا اس فرقہ کے ہوئے۔ اور قتل و بند اور لوٹ اس فرقے میں فرو گزاشت نہ کی اور قیاصر روم نے بھی تبریز و اردبیل کی طرف سے ان کی مقعد میں میخ ٹھونکنا شروع کی تو یہ ہوا کہ بعد دو سو[۲۰۰] برس کے کہ زمانہ ان کی بادشاہی کا تھا خرابی و بے طوری کے ساتھ اقل رعایا اور اذل مخلوق افغانان قندھار کے ہاتھوں پائمال ہوئے انہوں نے اصفہان میں ان کے بادشاہ کو گھیرا جب بہت مشقت حصار اور بھوک کی اٹھائی تسلیم و اطاعت قبول کی۔ رئیس افغانوں کا شہر میں داخل ہوا بادشاہ اور اس کے کنبے والوں کو قید کیا خود ملک پر متصرف ہوا۔ اس وقت میں غول کے غول لوگ اس ملک کے جو اس مذہب میں ہو گئے تھے پناہ اور مفر اپنا سمجھ کر ہند و سندھ میں ہجوم لائے اور ہر وسیلے سے اپنے کو امراء و ملوک و تجار کے سامنے سرخ رو کیا اور رفتہ رفتہ مذہب ان کا ہند و سندھ میں مروج ہوا۔ آخر وزارت اور امارت اور صوبہ داریاں ہندوستان کی ان کو نصیب ہوئیں اور ان کی ریاست کے سبب سے اکثر سستی

ملوکِ تیموریہ نے بلادِ ہند و سندھ میں مثل عراق و خراسان کے ان کے مذہب کو رسوخ دیا۔

فائدہ سوم۔ ہر فرقہ کے فرقوں شیعہ سے داعی ہوئے ہیں کہ لوگوں کو اس مذہب کی دعوت کرتے رہے ہیں۔ ان کی اصطلاح میں ان لوگوں کو دعاۃ کہتے تھے اور دعوت کا ان کی طریق یا علم یا مال یا زبان یا تیغ۔ علم سے اس طرح کہ شبہات کو رواج دینا اور تقریر اس کی ایسے طریق سے کہ خاطر نشین خاص و عام کے ہو سکے کرنا اور باتیں موافق استعداد اور الفت و عادت مدعو کے کہنا اور لوٹ پوٹ کر دینا دلائل اہل سنت کا اور مدح اپنے مذہب کی اور مذمت غیر کی۔ اور مال سے اس طرح کہ جو کوئی نیا آدمی اپنے مذہب میں آئے اس کو عطایا اور انعامات دینا، اور جدید الایمان کی بہت سی تعظیم کرنا اور اس پر بہت سے انعام و اکرام کے ساتھ مہربانی کرنا۔ خدمت و منصب اہلِ مذہب کو دینا، مخالفوں سے خدمت نکال لینا اور حقیر کرنا، حکم اور خصومت کے جھگڑوں میں طرفداری ہم مذہب کرنا، دوسرے کو شکست دینا۔ اور زبان سے یہ کہ بشرطِ دخول مذہب اچھے اچھے وعدے لوگوں کو دینا اور الفاظ شفقت آمیز اور کلماتِ مہر انگیز سے گفتگو کرنا اس سے جو راغب اپنے مذہب کی طرف ہو اور سختی و درشتی کرنا مخالف مذہب سے۔ اب رہی تلوار سو قتل و تلف کرنا مخالفانِ مذہب کا، اور زور دینا لوگوں کو تا آنکہ مذہب قبول کریں، جنگ و جدال کرنا روسائے مخالفین سے تا آنکہ سست ہو جائیں۔ پس بعض ان دعاۃ سے جامع چاروں امر کا ہوتا تھا اور یہ اکمل دعاۃ تھے لیکن بہت کم اور بعضے دو وجہ پر بعض تین وجہ پر دعوت کرتے تھے۔

اور باعث بر دعوت یہی چند چیزیں ہوتی ہیں۔ اول تضلیل اہل ملت اور تفریق ان کی بات کی، یعنی اہل ملت کو گمراہ ٹھیرانا اور ان کی باتوں میں تفرقہ ڈال کر اختلاف ان میں پیدا کر دینا تاکہ ان کی برائی سے آپ اور اہلِ مذہب محفوظ رہیں جیسا کہ عبداللہ بن سبا اور اس کے بھائی (ساتھی) کرتے تھے۔ **دوم** تکثیر سواد اپنے لشکر کی یعنی لشکر کے واسطے بہت بڑا میدان مقرر کرنا تا بتوقیر جمعیت دوسرے سے کام بڑھالے جائیں جیسا کہ کیسانیوں کا حال تھا۔ **سوم** حب جاہ و ریاست اور حاصل کرنا ملک و جاہ کا جیسے کہ مختار کو تھا اور ایک جماعتِ کثیر نے اس فرقے سے واسطے حب جاہ و ریاست کے دعویٰ سفارت کا کیا ہے درمیان ائمہ اور امامیہ کے۔ علی الخصوص زمانۂ غیبت صاحب الزمان اور زمانۂ عباسیہ میں کہ اکثر ائمہ سر من رأی اور بغداد میں نظر بند تھے یہ لوگ خطوط جعلی اور فریب کے رقعے ظاہر کرتے تھے اور امامیہ کو جا جا کر تسلی خاطر کرتے تھے اور روایتیں جھوٹی ائمہ سے نقل کرتے تھے کہ شیعہ ان کو اپنا پیشوا جانیں اور خمس اموال ان کے حوالے کریں اور امہات اولاد اور چھوکریوں باکرہ کو ان پر حلال کر دیں اور ضیافتیں اور نذریں بجا لائیں اس جماعت کو وکلاء اور سفراء (یعنی وکیل اور سفیر) کہتے ہیں کہ اکثر فروع شیعہ کو ان لوگوں نے

خراب کیا ہے۔ **چہارم** خوشامد دولتمند و مال دار کی تاکہ دوستدار اس مذہب اور اہل اس مذہب کا رہے **پنجم۔** توقع رکھنا ثواب کی خدا سے اور کوئی شخص اس گروہ سے ایسا نہیں جس نے اس سبب و توقع سے دعوت کی ہے۔ **ششم** موافق کرنا اقربا اور دوستوں کا اپنے ساتھ مذہب میں تاکہ صحبت درست رہے اور گھر ہی سے اختلاف نہ پیدا ہو جیسے جورو خاوند اور کنبے والے اور بھائی اور بچیرے۔ **ہفتم** بچانا برادران نوعی کا کہ وہ تمام بنی آدم ہیں دوزخ سے بعض احمق بے وقوفوں نے اس گروہ کی اس نیت سے بھی دعوت کی ہے۔ نقل کرتے ہیں کہ ایک خواجہ نے اہل مشہد سے اصفہان میں ایک باغ اپنے گھر میں عجیب لگایا تھا ایام بہار میں بارِ عام دیتا تھا کہ خاص و عام اس کی سیر اور میوے سے متلذذ ہوں اور جب کوئی اہل سنت باغ میں آتا تھا تو وہ خواجہ ہائے ہائے کر کے روتا تھا جب لوگوں نے پوچھا تو کہا اپنے بنی نوع پر شفقت سے روتا ہوں کہ دوزخ میں جلیں گے۔ **ہشتم** عداوت و بغض اہل سنت میں ڈال دینا اور جاری کر دینا سلسلۂ گفتگو اور لعن و طعن کا درمیان ایک گھر والے کے ان کے گھر والوں سے تاکہ معاش اس کی خراب اور زندگی تلخ ہو جائے۔

تحریر سابق سے معلوم ہوا کہ اول دعاۃ ہر فرقے کے وہی لوگ ہیں جنہوں نے وہ فرقہ نیا پیدا کیا چنانچہ پہلا دعاۃ سے مطلق عبداللہ بن سبا ہے کہ حامل ہر دعوت کا ہے سب کا بوجھ اس پر ہے۔ مراد اس کی اسلام میں رخنہ اور مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر دینا تھا جیسا کہ قصہ اس کی دعوت کا بالکل ترجمۂ تاریخ طبری میں کہ مترجم اس کا ایک شیعہ ہے لکھا ہے کہتا ہے کہ جب پینتیسواں [۳۵ھ] سال ہجرت کا آیا اس سال میں مذہب رجعت ظاہر ہوا اور عثمانؓ پر فساد پیدا ہوئے۔ عبداللہ بن سبا نے اول مذہب رجعت کا شروع کیا اور یہ ایک شخص جہود تھا ملک یمن سے اگلی کتابیں اس نے بہت پڑھی تھیں بس آیا اور کہا کہ میں عثمانؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور لالچ یہ تھا کہ جب میں مسلمان ہو جاؤں گا تو عثمانؓ مجھ کو اچھی طرح رکھیں گے جب مسلمان ہوا حضرت عثمانؓ نے اس کی طرف ہرگز التفات نہ کیا اور وہ جہاں بیٹھتا تھا عثمانؓ کی عیب جوئی کرتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کو خبر ہوئی کہا یہ جہود کیا ایک بلا ہے اس کو شہر سے نکال دو۔ بعد نکال دینے کے یہ مصر کو چلا گیا بہت مخلوق اس کے پاس جمع ہوئی اور علم کے سبب سے اس کو بزرگ جانتی تھی۔ جب سمجھا کہ لوگ میری بات سنتے مانتے ہیں یہ مذہب وضع کیا اور کہا کہ ترسا لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ اس جہان میں پھر آئیں گے۔ مسلمان زیادہ حق پر ہیں کہ جو کہتے ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر آئیں گے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ " ترجمہ:۔ بے شک وہ خدا جس نے تجھ پر قرآن کو فرض کیا پھر لوٹانے والا ہے تجھ کو لوٹانے کی جگہ۔ اور ایک گروہِ مردم نے اس بات کو مان لیا۔ جب یہ بات مضبوط ہو گئی تو کہا کہ خدا تعالےٰ

کے دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تھے اور ہر پیغمبر کا ایک وزیر۔ ہمارے پیغمبرؐ کے وزیر علیؓ تھے۔ اور خلافت ان کا حق عثمانؓ نے ظلم و ستم سے لے لیا اس لیے کہ جب عمرؓ نے اس کام کو مشورے پر چھوڑا تھا عند الشوریٰ سب نے اتفاق علیؓ پر کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ہاتھ علیؓ کا پکڑا کہ بیعت کریں عمرو بن عاصؓ نے ان کو دھوکہ دے کر بیعت عثمانؓ کی کرا دی۔ عثمانؓ بھی اس امر ناحق پر مستعد ہو گئے اور اسی کی ایک مخلوق تابع ہوئی۔ جب یہ دو کام لوگوں کے دل کو میٹھے کر دیے تو پھر یہ کہا کہ امر معروف نماز روزہ کا کرنا فرض ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ یعنی تم بہترین امت ہو ظہور کیا گیا ہے تمہارا لوگوں کو امر معروف پر حکم کرنے اور نہی منکر سے باز رکھنے کو اور ایمان اللہ پر لانے کو۔ اور اب ہم عثمانؓ کے ساتھ سوا اس کے کہ حکم ان کا اور ان کے کام والوں کا نہ مانیں اور ان کے ظلم سے اپنے آپ کو بچائیں اور کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ غرض عبداللہ بن سبا نے ان دونوں قسم کی باتیں کر کے چاہا کہ لوگوں کو عثمانؓ پر دلیر کر دے اس لیے کہ یہ مذہب بھی ان کو خوش آیا اور رجعت پیغمبرؐ کے بھی مقر ہو گئے عثمانؓ کو کافر کہنے لگے لیکن چھپائے ہوئے تھے بظاہر امر معروف پر عمل تھا۔ اور مخلوق کے کارداروں سے متفق ہوئے کہ عثمانؓ کو نکال دیں کسی اور کو بٹھائیں اور وعدہ ٹھیرایا کہ فلاں روز مدینے میں جمع ہوں۔ یہ خبر حضرت عثمانؓ کو ہوئی کہ لوگ شہر میں اکٹھے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں کہ تم کو نکال دیں اور اور باتیں مذکور الصدر۔ الحاصل ابن سبا اور اس کے اصحاب اس حیص بیص میں یہ کر رہے تھے کہ جب مقدمہ کچھ اصلاح پر آتا تھا تو یہ وحشت و خبث آمیز باتوں سے اصلاح کردہ کو ناکردہ بنا دیتے تھے یہاں تک کہ خوب آگ فساد کی بھڑکا دی اور خاطر خواہ مراد اس کی پوری ہوئی یعنی اوباش مصر نے خلیفہ کو شہید کیا جب بیعت مرتضیٰؓ کی واقع ہوئی ڈرا کہ شاید کام اسلام کا برقرار و درست ہو جائے اور جہاد جاری ہو لہذا اپنے آپ کو شیعہ مرتضیٰؓ میں داخل کیا اور احمقوں کے بہکانے میں داد ابلیسی و شیطنت کی دی اور نئے سرے سے اس کی بنیاد ڈالی۔

اس کے بعد داعی اس فرقہ کے کیسان و مختار ہیں ان کی دعوت کا قصہ یہ ہے کہ جب سید الشہداء حضرت امام حسینؓ کو اشقیائے شام و عراق نے شہید کیا، کیسان نے کہ حال اس کا سابق مذکور ہوا دعویٰ کیا کہ بعد مرتضےٰؓ کے محمد بن حنفیہ امام ہیں حسنین امام نہ تھے اس لیے کہ معاویہؓ اور شامیوں کے مقابل اہل سنت کے ساتھ زمانہ سازی اور چکنی چپڑی باتیں بناوٹیں کیں۔ تب لوگوں کو محمد بن حنفیہ کی دعوت کی اور مختار اس کے تابعین سے ہوا۔ جب مختار کو ولایت کوفے اور اس کے نواح کی ہاتھ آئی لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف بلایا اور واسطے ملانے گروہ شیعوں کے امامت سبطین کا قائل ہوا۔ بعد سبطینؓ کے

محمد بن حنفیہ کو امام بنایا اس سبب سے کوفے کے سب شیعوں نے متابعت اس کی کی اور ظاہر کیا کہ مجھ کو محمد بن حنفیہ نے خلیفہ کیا ہے واسطے بدلہ لینے قاتلانِ امام حسینؓ کے اور نواصب مروانیہ کے اور امارت ملک مفتوحہ کی مجھ کو دے دی اور نامہ سربمہر رؤسائے شیعہ کے حوالے کیا کہ اس کو ظاہر سب کے سامنے پڑھیں۔ چنانچہ اس میں لکھا تھا، محمد بن علی سے شیعہ کوفہ اور وہاں کے رئیسوں فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں کو آگاہی ہو کہ میں نے مختار بن ابی عبید ثقفی کو خلیفہ اپنا کیا ہے۔ پس اطاعت اس کے حکم کی کرو اور اس کے ساتھ جہاد دشمنوں سے کرو، اپنی جان و مال اور تابع اور پیرؤوں سمیت لڑائی پر دشمنوں کی آمادہ ہو اور مختار کی اطاعت و تقلید کرو۔ جب یہ نامہ پڑھا سب اس کی اطاعت میں داخل ہوئے۔ اول کوفے میں امام حسینؓ کے قاتلوں کی جستجو کر کے قتل کیا۔ امیر کوفے کا بھاگ گیا بجائے اس کے مختار امیر ہوا۔ بعد اس کے ابراہیم بن اشتر کو واسطے جہاد ان لوگوں کے کہ عراق میں تھے توابع مروانیوں اور ان کے مددگاروں سے نامزد کیا۔ بس ابراہیم نے کوفے سے کوچ کیا، جس کسی کو ان سے پایا مارا اور عراق و اہواز کے شہروں پر دخل کر کے دیار بکر اور آذربیجان کو بھی اپنے متعلق کر لیا پھر قصد شام و دمشق کا کیا۔ جب یہ خبر عبدالملک بن مروان کو پہنچی عبیداللہ بن زیاد کو مع لاکھ ۱۰۰۰۰۰ سوار کے رخصت کیا بس ابراہیم بن مالک اشتر بارہ ۱۲۰۰۰ ہزار سوار سے اس کی لڑائی کو گئے سخت مقابلہ پیش آیا۔ آخر بہ برکت نام حضرت امام حسینؓ کے غالب ہوئے ابن زیاد ملعون مارا گیا۔ اس سبب سے قدر مختار کی شیعوں کے ذہن میں بہت بڑھ گئی۔ بڑی ثنا و ستایش کرتے تھے اور شیعہ مخلصین اہل سنت و جماعت بھی مروانیوں اور قتل ابن زیاد پر شکر الٰہی بجا لائے اور اس کے اس کام کو کہ بہ نیت طلب ملک و ریاست کے کیا تھا پسند کیا اور ہر طرف سے شیعہ مختار کے پاس آنے لگے اور اقبال اس کا دیکھ کر گروہا گروہ اس کے مذہب میں داخل ہوئے، مدت دس ۱۰ برس تک دولت اس کی رہی لیکن اسی نشیب و فراز میں جب مختار نے مخالفوں سے خاطر جمع کر لی امور دینی میں نئی نئی باتیں نکالنا شروع کیں۔ اول تو پرستش کرسی جناب امیرؓ کی بت پرستوں کی طرح نکالی اور اس کا تابوت السکینہ نام رکھا حالانکہ وہ کرسی جناب امیرؓ کی بھی نہ تھی طفیل بن جعدہ کسی روغن فروش کی دکان سے اٹھا لایا تھا جیسا کہ تواریخ میں لکھا ہے۔ اس کے بعد تو پھر اونچے اونچے دعوے جیسے جبرئیلؑ کا اپنے پاس آنا اور علم غیب کا حصول ہونا برملا کرنے لگا یہاں تک کہ اکثر شیعہ کوفے کے اس سے متنفر ہو گئے اور ان کے آپس میں حجت اور جھگڑے ہونے لگے ناچار عبداللہ بن زبیرؓ سے سب حال بیان کیا اور التجا کی۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے مصعب بن زبیر کو کہ زوج سکینہ بنت حسینؓ یعنی داماد امام شہید کے تھے دفع مختار پر اختیار کیا تا کہ شیعہ کوفے کے مصعب کو برعایت دامادی احق بریاست جان کر مختار کی طرف سستی ڈال دیں۔ مصعب اول تو بصرے گئے اور وہاں کے لوگوں کو اپنی طرف رجوع کیا اور کوفہ کے شیعوں کو بھی بنامہ و پیغام مختار سے توڑ کر اپنے

بیچ میں ملا لیا بعدہٗ ابراہیم بن مالک اشتر کو کہ گویا شمشیر بران مختار کی یہی تھا موصل اور دیار بکر دینے کا لالچ دے کر مختار سے لڑے اور اس کو قتل کیا اور اس کے تابعین کو پریشان و متفرق کر کے شیعۂ مخلصین اہل سنت کو بجائے مختاریہ اور کیسانیہ کے سرفراز فرمایا۔ اکثر کیسانیہ اس مذہب سے لوٹے جو بچے سو ڈرتے چھپتے رہے۔

پھر ان میں تعینِ امام میں اختلاف پڑا جیسا کہ سابق مذکور ہوا یہاں تک کہ ہشام احول اور ہشام سالم اور شیطان الطاق پیدا ہوئے اور دعاۃ فرقۂ امامیہ کے بنے انہوں نے امام زین العابدین اور ان کی اولاد سے اپنے کو منسوب کیا محمد بن حنفیہ اور ان کی اولاد کو تبرا شروع کیا اور ایک جماعت تفضیلیہ اور باقی مختاریہ ان کے مذہب میں داخل ہوئی یہی موقع مذہب امامیہ کی صورت پیدا ہونے کا ہے اور یہی جماعت میں دعاۃ اور پیشوا مذہب امامیہ کے کہ ان کے اگلے لوگوں اور پیشواؤں نے اور راویوں نے دین ایمان اپنا ان سے لیا ہے اور ان کے قول و فعل پر اعتمادِ کلی رکھتے ہیں۔ اور قریب حال ان کا اس کتاب میں ظاہر ہوگا کہ یہ مجسمہ مصرحہ ہیں اپنے معبود موہوم کو اپنے اپنے ذہن میں تراش کر ہزاروں قباحتیں اس پر لگاتے ہیں اور وہ امام جن سے اپنی نسبت کرتے تھے یہ ان سے تبرا اور بیزاری اور لعن طعن کرتے تھے اور حکم ان کی ضلالت و شقاوت پر۔

اسی درمیان میں مذہب زیدیہ پیدا ہوا اس کے دعاۃ اپنا کام کرنے لگے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ زید بن علی بن حسین نے مروانیوں پر خروج کیا شیعۂ مخلصین اور تفضیلیوں اور تمام اہل کوفہ کو اپنی طرف دعوت کی ایک جماعتِ کثیر ان کی ساتھی اور رفیق ہوئی امام ابوحنیفہؒ کوفی بھی شیعۂ مخلصین سے زید کی رائے اور خروج کو صواب جانتے تھے اور ان کی متابعت کی اہل کوفہ کو حرص و رغبت دلاتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے پاس لوگوں کی امانتیں ہیں کہ ان کے مالکوں کو ابھی نہیں پہنچائی ہیں اور اپنے بیٹوں پر اعتماد نہیں کہ بتحقیق حق ہر ایک کا پہنچا دیں ورنہ ہمراہ زید کے میں بھی دشمنوں سے لڑتا۔ القصہ زید کا مروانیوں سے مقابلہ ہوا تیس ہزار آدمی شیعۂ کوفہ سے کہ دشنام و تبرا صحابہؓ کو کرتے تھے اور زید ان کو گھڑکی جھڑکی فرماتے تھے اس بہانے سے کہ ہمارے اور زید کے مذہب میں موافقت نہیں ہے زید کو نواصب کے پنجہ میں چھوڑ کر کوفہ کو بھاگ آئے اور زید شہید ہوگئے۔ جو زیدیہ کہ ہمراہ ان کے رہ گئے تھے اپنے کو امام زادۂ مذکور سے منسوب کر کے جدا ایک مذہب قائم کیا اور ان کا عمدہ دعاۃ یحییٰ بن زید بن علی بن حسین ہے۔ اور یحییٰ بن حسین بن ہاشم حسنی ہے نسل حسن بن حسن بن علی سے کہ اپنا ہادی لقب کیا تھا ۲۰۸ھ میں خروج کر کے بلاد یمن اور پھر حجاز پر غلبہ پایا۔ فقہ زیدیہ میں ایک کتاب احکام نامی اپنی نشانی چھوڑی ہے مرتضیٰ اس کا بیٹا اور پوتے حسن بن احمد بن یحییٰ اور یحییٰ بن احمد بن یحییٰ یہ بھی دعاۃ زیدیہ فرقے سے ہیں۔ بعض زیدیہ نے اپنے مذہب کو پھیر کر اسمٰعیلیہ اور امامیہ کی کچھ باتیں لے کر اپنے مذہب میں ملائی بڑھائی ہیں۔ اور دعاۃ زیدیہ میں اپنے کو داخل کیا ہے اور صاحب

فرقہ بنے ہیں جیسے ابوالجارود اور سلیمان بن جریر اور تبر تومی اور حسین بن صالح اور نعیم بن الیمان اور یعقوب کہ اب یہ سب زیدیہ میں گنے جاتے ہیں جیسا کہ سابق گزرا۔ اور دعاۃ امامیہ کے کہ دراصل ہشامین اور شیطان الطاق اور امثال ان کے ہیں کہ ان کے مکر و فریب جو دعوت میں تھے ابلیس و دجال کو شرمندہ اور حیران کرتے تھے۔ اسی سبب سے فرقہ امامیہ کا شیعوں کے سب فرقوں سے زیادہ ہے۔

اور جب امامیہ آپس میں متفرق ہوئے ہر فرقے میں دعاۃ جدا پیدا ہوئے اور بعد فوت امام ہر امام میں اختلاف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ زندہ ہیں مرے نہیں۔ کوئی ان کے بیٹوں سے ایک بیٹے کو اور ایک گروہ اس کے خلاف دوسرے بیٹے کو کوئی ان کے بھائی کو امامت سے نامزد کرتے تھے اسی طرح پر آخری اماموں تک اختلاف پر اختلاف بڑھا اور مصداق اس آیت کے ہوئے اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ "بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور فرقے فرقے ہوگئے تو ان سے بالکل علیحدہ ہے" الغرض جب نوبت امام حسن عسکری کی پہنچی ان کی وفات کے بعد یہ اختلاف پڑا کہ ایک جماعت نے کہا انہوں نے بیٹا نہیں چھوڑا ان کے بھائی جعفر بن علی بعد ان کے امام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک بیٹا چھوڑا کہ محمد مہدی موعود خاتم الائمہ ہیں لیکن دشمنوں کے خوف سے چھپے ہوئے ہیں۔ غرض سب کی رائیں اس پر متفق ہیں کہ کل بارہ ۱۲ امام ہیں اور لقب ان کا اثنا عشریہ ٹھہرا اس وقت میں دروازہ دعاۃ کا کھل گیا، ہر ایک ان میں سے دعویٰ کرتا تھا کہ میں سفارت کرتا ہوں امام غائب اور امامیہ کے درمیان میں اور یہ کیفیت ۲۶۶ھ میں تھی اور جو ایک سفیر مرجاتا تھا وہ دوسرے کو سفارت سپرد کرتا تھا یہاں تک کہ ۳۱۶ھ میں نوبت سفارت کی علی بن محمد کو پہنچی یہ خاتم السفراء ہوا کہ ۳۲۹ھ میں مرا پھر کوئی سفیر نہیں نہیں آیا غیبت کبریٰ ہوگئی۔ بعض دعاۃ صاحب کتاب ہیں جیسے اگلے اصحابِ سفارت تھے امام سے دعویٰ خط و کتابت کا کرتے تھے شیعوں کے پاس فریب کے خط لاتے تھے کہ یہ امام کے لکھے ہوئے ہیں ہماری عرضیوں کے جواب میں۔ اور ان کے دعاۃ سے علماء ان کے ہیں کہ مذہب میں کتابیں تصنیف کی ہیں اور واسطے تعلیم کے فقہ اور علم کلام کے مصدر ہوئے ہیں۔ چنانچہ بالکل حال مفصل اس کا اس کتاب میں آتے گا۔ اور دعاۃ سے ان کے اخباروں کے راوی ہیں اماموں اور اصحاب اماموں سے بواسطہ اور غیر واسطہ اصول و فروع اور فضائل اعمال میں ان کا حال بھی انشاء اللہ تعالیٰ لکھا جائے گا۔ اور دعاۃ سے ان کے، ان کے بادشاہ ہیں کہ لوگوں کو تیغ و سنان سے ڈرا کر اور رغبت انعام اور احسان کی دلا کر اپنے مذہب میں کیا ہے علم تاریخ سے اس کا کوئی حال پوچھے۔

ناوسیہ اور اسماعیلیہ کہ منکر امامتِ موسیٰ کاظم کے ہیں باہم مختلف ہیں۔ ناوسیہ کہتے ہیں کہ امام جعفرؒ

چھپ گئے ہیں مَرے نہیں پھر لوٹ آئیں گے ان کا داعی عبداللہ بن ناوس ہے اور اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ امام جعفرؑ مر گئے بعد ان کے امام ان کے بیٹے اسماعیل ہیں۔ حالانکہ باجماع مورخین اور اہلِ اخبار اسماعیل جعفرؑ کے سامنے مَرے اور بقیع الغرقد مدینہ میں مدفون ہوئے۔ پھر انہی اسماعیل کو ایک گروہ زندہ جانتے ہیں اور منتظر و موعود سمجھتے ہیں ان کا داعی مبارک ہے پھر خلیفہ اس کے اس منصب میں قائم مقام اس کے ہوئے۔ اور جمہور اسماعیلیہ بعد امام جعفرؑ کے محمد بن اسماعیل بن جعفر کو امام جانتے ہیں اور حکم قطعی امام صادق کا ان کے حق میں نقل کرتے ہیں ان کا داعی حمدان بن قرمط ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اسماعیل نے بعد جعفر کے وفات پائی اور امامت ان میں اور ان کی اولاد میں ہے موافق حکم سابق اور لاحق کے۔ داعی ان کا عبداللہ بن میمون قداح اہوازی ہے۔

مہدویہ کہ حال ان کا سابق گزرا امامت کو کھینچ تان کر محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ ملقب بمہدی تک لاتے ہیں۔ ملک مغرب میں ان لوگوں نے خوب تسلط پایا اور ان کی اولاد نے دعاۃ اپنے مصر و شام اور اور شہروں میں پھیلا دیے کہ اکثر دعاۃ امرائے ذی شوکت تھے یہاں تک کہ مصر ان کو مل گیا۔ علمائے وقت نے لالچ کے مارے مصاحبت ان کی اختیار کی اور ان کے مذہب کی طرف جھک گئے اس وقت سے دعاۃ و علماء ان کے خاندان میں بھی ہو گئے۔ ان میں سے نعمان بن محمد بن علی بن منصور اور علی بن نعمان اور عبدالعزیز اور محمد بن مسیب اور مقلد ابن مسیب عقیلی اور ابوالفتوح رحوان اور محمد بن عمار کتابی الملقب بامین الدین وغیرہم ہیں۔ جب نوبت ریاست مصر و مغرب کی مستنصر کو پہنچی مہدویہ سے عامر بن عبداللہ زواحی کہ بہت بڑا دعاۃ سے تھا۔ اور علی بن محمد بن علی الصلیحی کہ باپ اس کا قاضی تھا یمن میں سُنی مذہب اور عالم و صالح اور متدین۔ یہ بطمع مال کے مستنصر کے پاس پہنچا اور اپنے کو ان کے مذہب میں داخل کر کے خلیفہ عامر رواحی کا ہوا دعوت میں۔ کہتے ہیں کہ عامر خود سوار ہو کر اس قاضی زادے کے گھر جاتا تھا اور اس کی احسان و اکرام اور انعام اور توقیر سے تسلی کیے رہتا تھا۔ بعض اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ عامر کے پاس کتاب الصور یعنی تصویروں کی کتاب تھی اس میں حلیہ علی صلیحی کا دیکھا تھا۔ علی صلیحی کو خفیہ وہ حلیہ دکھایا اور اس کے حال و آیندہ کے ترقی کی خبر دے کر پھر آپ لے لیا۔ مرتے وقت اس کو اپنے کتب علوم پر خلیفہ کیا اور یہ کتاب الصور بڑی ڈھیر کی ڈھیر تھیں۔ مہدویہ اور علی صلیحی کے دل میں مذہب عامر نے رسوخ پایا۔ علی صلیحی مردِ زکی تھا تھوڑی مدت میں اس نے تحصیل علوم ادبیہ اور کلامیہ اور حکمیہ اور فقہیہ بخوبی کی اور بوجہ احسن۔ اور عہد عبیدیہ میں سردار فقیہوں کا ہوا۔ پھر ایک مدت تک اسی وضع پر رہا۔ کہتے ہیں کہ پندرہ برس تک لوگوں کو حج کراتا رہا اور سرداری قافلہ حج کی اپنے ذمے لے لی تھی۔ احسان و انعام خاص و عام سے خوب شروع کیا۔ ناگاہ سنہ ۴۲۸ھ میں یمن کے پہاڑوں سے ایک پہاڑ

کی چوٹی پر چڑھ گیا اور ساٹھ آدمیوں کے ساتھ بیعت بر موت کی اور قول و قسم مضبوط کیا کہ لوگوں کو مذہب مہدویہ پر دعوت کریں اور بیعت مستنصر عبیدی کی اُن سے لیں۔ بہت لوگ اُس کے پاس جمع ہو گئے اُس پہاڑ میں ایک قلعہ مضبوط بنایا اور بظاہر رئیس تہامہ نجاح نامی کے ساتھ ملت و مدارات کرتا رہا باطن میں مستنصر سے خط کتابت رکھتا تھا اور رئیس تہامہ کے قتل میں کہ مخل مطلب تھا حیلے پیدا کرتا رہا آخر ایک کنیز خوش رُو و مؤدب بآدابِ ملوک، خوش محاورہ خوش گو رئیس تہامہ کو تحفہ بھیجی رئیس مذکور اس کنیز سے مشغوف و مالوف ہوا سنہ ۴۵۲ھ میں اُس کنیز سے زہر دلوا کر رئیس تہامہ کو مار ڈالا بسنہ ۴۵۳ھ میں مستنصر کو لکھا کہ اگر اجازت ہو تو اب آہنگِ دعوت کو اونچا کروں اور برملا کہوں کہ کوئی مخل درمیان میں نہ رہا۔ پس بلادِ یمن میں تصرف شروع کیا قلعے بہت لے لئے۔ غرض دو برس میں اچھی تدبیر سے تمام ملکِ یمن کو اپنے قلم کے نیچے لایا۔ اکثر اہلِ یمن مہدویہ ہو گئے سنہ ۴۷۳ھ میں قصد حج کا کیا۔ دو ہزار سوار کے ساتھ جن میں ایک سو ساٹھ سوار اہل و اقارب اُس کے تھے روانہ ہوا۔ جب ایک گاؤں میں کہ اُس کو بیر آم معبد کہتے ہیں پہنچا، بیٹا نجاح صاحب تہامہ کا کہ اُس کو زہر سے مارا تھا سعید نامی اور بھائی اُس کا شہر زبید میں چھپے تھے ناگاہ اس پر آ پڑے یہ بے خبر تھا اور اُس وقت آدمی بھی اُس کے پاس تھوڑے ہی تھے اکثر متفرق ہو کر اپنی اپنی حاجتوں کو نکل گئے تھے اس حال میں اس کو مارا اور سر کاٹ کر لے گئے۔ اور اُس کے بھائی اور باقی صلیحیین کو اس کے ساتھ مار کر بالکل فساد منقطع ہو گیا۔ اور دعاۃ مہدویہ میں بڑھ کر صالح بن زریک ارمنی ہے کہ وزیر فائز بن ظافر عبیدی کا تھا۔ ہزاروں کو اس نے بزور مال اور طمع مناصب مذہب شیعہ میں داخل کیا۔ اور جملہ ان کے دعاۃ سے فقیہ عمارہ یمنی تھا۔ صاحب تاریخ یمن اور شاعر خوش گو ہے۔ دراصل شافعی مذہب تھا۔ بطمع مال کے مذہب ان کا قبول کیا اور داعی بنا تھا اور باوصف اس کے آخر دم تک باطن میں شافعی مذہب رہا اور عجب یہ کہ جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی نے سلطنتِ عبیدیہ کو خراب کیا اور مصر پر دخیل ہوا اور قلع قمع اُن لوگوں کا کرتا تھا جو بچ رہے تھے یہی فقیہ بن عمارہ بسبب اُس احسان کے جو وزراء و خلفائے دولتِ عبیدیہ سے پائے تھے اور نمک پروردہ اُن کا تھا باوجود اس کے کہ باطن میں بیزاری اس مذہب سے رکھتا تھا بسبب تعصب کے آمادہ ہو کر کوششیں اور تلاشیں کرتا تھا کہ پھر دولتِ عبیدیہ از سرِ نو قائم ہو جائے۔ چنانچہ اُس نے اور سات آدمیوں اور سردارانِ دولت سے متفق اللفظ ہو کر سمندر کے کنارے والے فرنگیوں سے خط کتابت کی اور جہاز جنگی اُن کے بلائے تاکہ عاضد کے لڑکے کو تخت پر بٹھائیں۔ اس اثناء میں سلطان صلاح الدین کو اطلاع ہو گئی سب کو سُولی دیدی اس وقت سے مذہبِ مہدویہ بالکلیہ منقطع ہو گیا کوئی شخص اس مذہب کا مصر اور اس کے نواح میں نہ چھوڑا۔ اس لئے کہ ایوبیہ ان کے قلع قمع کے درپے ہوئے کہ نام و نشان نہ رکھا مگر ایک جماعت ان کی

کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر اور سواریوں میں انتہائی بلاد ہند اور یمن اور جزیروں میں جا پڑی اور جو حال دعاۃ قرامطیہ اور نزاریہ کی تفصیل سے سابق ہم فارغ ہو چکے ہیں یہاں لوٹانا اُس کا بے فائدہ جان کر موقوف رکھتے ہیں اس باب میں جو کچھ گزرا ہے اگرچہ بظاہر افسانہ محض اور نری قصہ خوانی معلوم ہوتی ہے لیکن عاقل کو چاہیئے کہ بے کار و بیہودہ نہ جانے سب کو اپنے حافظے میں محفوظ رکھے کہ لفظ لفظ اس کا ایک ایک نکتہ کام کا ہے اور ہر قصے میں ایک حکمت ہے ظاہر کہ اگلے بابوں میں جو آئیں گے اسی پر آگاہی کی جائے گی۔

باب ثانی در مکائدِ شیعہ و طرقِ اضلال و حیلہائے تلبیس و اغوا مردم را بمذہب خود مائل کردن

یہ باب ایک علم ہے کہ جڑ اس کی ابلیس سے ہے اور شاخیں بیشمار رکھتا ہے پس ہم کو ضروری ہے کہ اول معنے اصول و کلیات اس فن سے آگاہ کر دیں پھر ان کے مکائد جزئیہ میں کلام کریں لاجرم یہ باب دو فصل پر مرتب ہوا۔

فصل اوّل قواعد کلیۂ اضلال و تلبیس میں۔ جاننا چاہیئے کہ ان کے نزدیک سات قسم کے آدمی بنیاد مذہب کے واسطے ضروری و لابدی ہیں۔ **اوّل امام** کہ بے واسطہ علم غیب کا اُس کو حاصل ہوتا ہو کہ یہ نہایت و انتہا سلسلۂ حصول علم کے ہے۔ **دوم حجت** کہ امام کے علم کو موافق مذاق مخاطبوں کے اچھے بیان خطاب کے ساتھ تقریر کرے۔ **سوم ذو مصّہ** کہ حجت سے علم کو مص کرے یعنے چوسے جیسے بچہ شیر پستان سے۔ **چہارم ابواب** کہ ان کو دعاۃ کہتے ہیں ان کے مراتب ہیں۔ اکبر دعاۃ وہ ہے کہ مومنوں کے درجے بلند کرے اور ان کو ترقی بخشے امام و حجت کے سامنے اور یہ اُن سات میں سے چوتھا ہے۔ **پنجم داعی ماذون** کہ لوگوں سے عہد و پیمان لے اور اس وسیلے سے مذہب میں داخل کرے اور علم و معرفت کا دروازہ ان کے سامنے کھول دے۔ **ششم مکلب** کہ یہ شخص بڑے درجے والا ہے لیکن اس کو دعوت کا اذن نہیں ہے اس کا کام بحث و حجت ثابت کرنا پہنچانا ہے لوگوں پر اور لوگوں کو داعی کے پاس گھیر گھار کر لگا لانا اُس کو شکاری کُتّے سے تشبیہ دیتے ہیں کہ شکار کو ہانک کر ہر طرف اُس پر تنگ کر کے شکاری کے پاس لے آتا ہے ایسے ہی یہ مکلب بھی آدمی کے مذہب کے شبہے توڑتا ہے اور ہر احتمال کے اُس کو جواب دیتا ہے جب وہ متحیر ہوتا ہے اور طلب حق کی اُس کے دل میں بیٹھتی ہے تو یہ مکلب اُس کو داعی ماذون کے پاس لے جاتا ہے یہ داعی ماذون اس سے عہد و پیمان کر کے حوالہ ذو مصّہ کے کرتا ہے اگر استعداد اُس کی علم ذو مصّہ سے زیادہ نکلی تو ذو مصّہ حجت کے پاس پہنچاتا ہے علیٰ ہٰذا حجت امام کے پاس اگر موجود ہے مفقود نہیں، **ہفتم مومن متبع** کہ مکلب اور داعی کی کوشش سے

امام کی تصدیق کرے یعنی امام کو سچا امام جانے اور اپنے دل میں ارادہ اُس کی پیروی کا مصمم کر لے۔

اور نیز کہا ہے کہ مراتب دعوت کے بھی سات ہیں۔ **اوّل زرق** یعنی فہم و فراست سے مدعو کا حال معلوم کر لینا کہ آیا قابل دعوت ہے یا نہیں دعوت اس میں اثر بھی کرے گی یا نہیں۔ خود انہی کا قول ہے کہ زمین شور میں تخم افگنی نہیں چاہیئے یعنی دعوت اُس کی جو قابل دعوت نہ ہو نہیں کرنا چاہیئے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جس گھر میں چراغ جلتا ہو وہاں دم مارنا نہیں چاہیئے یعنی جہاں کہ متکلم اور اصولی اہل سنت ہو وہاں بات ہی نہیں کرنی چاہیئے۔ **دوم تانیس** یعنے اُنس دلانا اور دلجمعی کرنا ہر کسی کی موافق خواہشوں اُس کی طبیعت کے۔ مثلاً اگر کوئی زہد و طاعت کی طرف راغب ہے اُس کے سامنے اپنے کو بڑا زاہد و مطیع ظاہر کرنا اور آئمۂ کرام کے احوال زہد و طاعت کی اس کے سامنے بڑے بڑے مبالغوں غلو کے ساتھ روایت کرنا اور بہت بہت ثواب زہد و طاعت کے بیان کرنا۔ اگر کوئی جواہر اور زیور و آلات کا شوقین ہے اُس کے سامنے فضیلتیں یاقوت و عقیق و فیروزے کی اماموں سے نقل کرنا اور اُن کے استعمال پر ثواب عظیم سے موعود کرنا۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس سب باتوں میں خصوصاً کھانے کی چیزیں، اولاد، عورتیں، باغ، گھوڑے اور سوا ان کے موافق طبیعت مخاطب کے کلام کرنا۔ **سوم تشکیک** یعنی اپنے مخالفین کو عقائد و اعمال کے شک میں ڈال دینا مثلاً ذکر قصۂ باغ فدک اور حدیث قرطاس کا درمیان میں لانا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تاریخ رحلت نہ تعین کرنا اور نہ مقرر کرنا نسک آپ کا کہ حج تھا یا قران یا تمتع، اور اختلاف روایات اہل سنت کا رفع یدین اور جہر بسم اللہ میں کہ کوئی کرتے ہیں کوئی نہیں کرتے، اور ذکر مقطعات قرآنی اور اختلاف وجوہ تفسیروں آیاتِ متشابہات، اور ایسی باتیں بار بار بیان کر کے تعجب کرنا تاکہ دل سامعین کے مشتاق تحقیقِ حق کے ہوں۔ اور سنت جماعت سے مایوس ہو کر دوسرے مذہب کے مائل ہوں۔ **چہارم ربط** یعنی قول و قرار اور ہر ایک سے موافق اُس کے اعتقاد کے عہد و پیمان کر لینا مضبوط تاکہ افشائے اسرار اور اظہار راز نہ کرے۔ اور نیز بعض اس گروہ سے بعد تشکیک کے مرتبۂ چہارم میں حوالہ نہیں کرتے۔ اور حوالہ ان کے اصطلاح میں یہ ہے کہ جو امور شفاف و روشن نہ ہوں وہ امام سے ڈھونڈھنا چاہئیں کہ امام ایسے ہی روزِ سیاہ کے واسطے ہے کہ بے واسطہ غیب کے علوم حاصل کرے اور امت کو پہنچائے تاکہ اختلاف زائل ہو اگر اہل سنت علوم اپنے امام سے حاصل کرتے تو اس کج مج میں کیوں پڑتے اور اُلٹی سیدھی باتیں نہ کہتے۔ **پنجم تدلیس** کہ یہ دعویٰ موافقت اکابر دین کا ہے مذہب میں اپنی طرف کہ یہ سب ہمارے موافق ہیں کہ مجموع مخالف و موافق بڑے بڑے علماء یا اخیار اولیا سے ہوں۔ مثلاً یہ کہنا کہ سلمان فارسیؓ، و ابوذر غفاریؓ و مقداد کندیؓ و عمارؓ بھی شیعہ مذہب تھے اور ان کے بعض الفاظ کو اس مدعا پر دلیل ٹھہرانا اور حسان بن ثابتؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ اور اویس قرنیؓ اور حسن بصریؒ کو ان کے تابعین اور امام غزالیؒ کو ملقب بحجۃ الاسلام

ہیں ان کو بھی شیعہ کہنا اور کتاب سر العالمین کو کہ افترا محض ان بزرگ پر ہے شاہد اس مدعا کا کرنا۔ اور حکیم سنائی اور مولانا روم اور شمس تبریز اور خواجہ شیراز کو بھی اسی اپنے فرقہ شیعہ سے بتانا۔ اور بعض ابیات ان کے یا الحاقی جو مثنویات و دواوین میں ان بزرگواروں کے ہیں اُن کو گواہ پکڑنا تاکہ میل سامع کا خوب ہو کر آخر ایسے اکابر نے جو ان امور کو اختیار کیا اور چھپایا ہے ضرور کچھ بھید ہے۔ ششم تاسیس یعنی ہلکے ہلکے اپنے قواعد سامع کے ذہن میں ڈالنا اور اصول و مبادی قواعد کے کہ گویا اساس مذہب ہیں اُس کے دل میں اُن کو جما دینا اس طرح پر کہ جب نتائج اصول کے اُس پر القا کئے جائیں تو فوراً قبول کر لے اور جگہ انکار کی نہ رہے۔ مثلاً کہیں کہ تمام اہل اسلام کا دین و ایمان قرآن ہے کسی کو اُس سے سرتابی نہیں ہے جو کچھ اُس میں خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے سب واجب القبول ہے۔ اس کے بعد پھر کہیں کہ آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى یعنے کہہ تو میں تم سے اس ہدایت پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا مگر محبت دوستی اقربا کی؟ اس کے کیا معنے؟ اور اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ یعنے خبردار ہو کہ لعنت اللہ کی ظالموں پر ہے' اس میں کیا فرماتے ہیں اور مضمون قرأۃ متواترہ اَرْجُلِکُمْ بالجر کا کیا ہوتا ہے؟ اور قرأۃ شاذہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى کا کیا مضمون ہے۔ ہفتم خلع یعنے پردہ اُٹھا دینا اور بے پردہ نسبت ظلم و غصب کی صحابہؓ پر کرنا اور اپنے مذہب کو اصولاً اور فروعاً ظاہر کرنا اور جب نوبت مدعو کی یہاں تک پہنچی کہ ان سب کا متحمل ہو گیا بس مدعا حاصل ہوا۔ بعض اس فرقے سے خلع کے بعد ایک مرتبہ اور بڑھاتے ہیں کہ اُس کو سلخ کہتے ہیں یعنی مدعو کو ان چیزوں سے جن کا وہ معتقد تھا تبرا اور بیزاری دینا اور اُس کے باپ دادے سے کہ اُس مذہب پر تھے اُس کو بیزار کر دینا اور اولاد و اقارب سے بے تعلق۔ اور غالب یہ ہے کہ یہ بات بعد قبول مرتبہ ہفتم کے خود بخود حاصل ہو جاتی ہے حاجت دعوت داعی کی نہیں ہے۔

فصل دوم در مکائد جزئیہ روافض علی التفصیل۔ جاننا چاہیئے کہ مکائد جزئیہ ان کے تین قسم سے باہر نہیں۔ یا افترا محض ہے کہ اہل سنت پر کرتے ہیں۔ یا مسخ و تبدیل تقریر ہے یعنی صورت بدل دینا اور امر واقعی کو اس طرح پر تغیر کرنا جس سے عوام کو وحشت ہو۔ یا واقعی مذہب اہل سنت ہے بے تغیر و تبدیل لیکن عند التحقیق باعث لعن و طعن نہیں ہو سکتا یہ اُس کو موجب طعن قرار دیتے ہیں۔ ہم اس رسالہ میں بسبب عجلت و قلت فرصت چند مکائد جزئیہ ان کے شمار کریں اور اقسام ثلٰثہ کو باہم مخلوط ایراد کریں اور تمیز اقسام ثلٰثہ کو فیما بینہا اور قیاس مکائد متروکہ کو مکائد مذکورہ پر فہم ذکی سامع پر ظاہر کریں کہ مَا لَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ یعنے جس چیز کو پورا پورا نہ پا سکے تو بالکل چھوڑ بھی نہ دے۔ اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اشد فرقہ شیعہ کا ازروئے مکائد و مطاعن کے امامیہ ہے ان کو اپنی طرف دعوت کرنے میں مبالغہ تام ہے۔ حالانکہ دعوت غیر کی

اپنے مذہب کی طرف ان کے یہاں حرام و منہی عنہ ہے لیکن اس کام میں موافق اپنے اعتقاد کے بھی آثم اور گنہگار ہوتے ہیں۔ کلینی امام ابو عبداللہ جعفر صادقؓ سے روایت کرتا ہے کہ فرمود کُفُّوْا عَنِ النَّاسِ وَلَا تَدْعُوْا اَحَدًا اِلٰى اَمْرِكُمْ یعنے باز رہو لوگوں سے اور کسی کو مت بلاؤ اپنے کام کی طرف جبکہ امام معصوم نے دعوت سے منع کر دیا ہو تو دعوت حرام ہو گی اور ارتکاب اُس کا حرام۔ بلکہ اُس کو عبادت جاننا صریح مخالفت معصوم کی ہے معاذ اللہ من ذٰلک۔

کید اول یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت کے نزدیک جو چیز کہ حضرت باری تعالیٰ کے ذمے واجب ہے وہ واجب تعالیٰ اُس چیز کو چھوڑتا اور فروگزاشت فرماتا ہے اور جو کچھ سزاوار شان الوہیت کے ہے اُس کو ترک کرتا ہے۔ یہ طعن افترا محض ہے نہ اہل سنت صریح اس کے قائل ہیں نہ یہ ان کے اصول و قواعد سے لازم آتا ہے اس لئے کہ قاعدہ اہل سنت کا یہ ہے کہ کوئی چیز باری تعالیٰ پر واجب نہیں ہے اور معنی اس وجوب کے اُس کی ذات پاک پر اصلاً متصور اور معقول نہیں ہوتے پھر جب یہ حال اہل سنت کا ہے تو چھوڑنا اور فروگزاشت کرنا کیا معنے؟ البتہ اصول شیعہ سے لازم آتا ہے کہ باری تعالیٰ اُس بات کو جو لائق مرتبہ الوہیت کے ہے ترک کرتا ہے اور جو کچھ اُس کے ذمے واجب اور فرض ہے ادا نہیں کرتا بس ملام و مطعون ہوا اور وہ پاک برتر ہے ان ظالموں کی باتوں سے بہت ہی بہت دور ہے۔ شرح اس اجمال کی یہ کہ باری تعالیٰ نے ابلیس کو پیدا کیا۔ پھر اُس کو تا وقت معلوم مہلت دی اور قوت بہکانے اور گمراہ کرنے کی بخشی۔ اور ذمے واجب تعالیٰ کے واجب تھا کہ جب اُس کا قصد اغوا و اضلال کا جانا تھا تو فرصت ایک لحظہ کی نہ دیتا فوراً جان اُس کی لے لیتا تو بندے اُس کے جن پر تکلیف حکم شرع کا لگایا ہے خوب نچنتی سے طاعت عبادت میں مشغول رہتے اور بالفرض اگر مہلت بھی دیتا تو چاہیئے تھا کہ قدرت گمراہ کرنے کی نہ بخشتا۔ کُل قاعدہ شیعہ کا یہ ہے کہ جو کچھ بندوں کے حق میں نہایت بہتر ہے باعتبار دین کے بجا لانا اُس کا خدا تعالیٰ پر فرض و واجب ہے۔ پس اس فرض کو اُس نے ترک کیا اور اہل سنت کو اصل ہی میں وجوب سے انکار ہے یہ کہتے ہیں لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ یعنے خدا تعالیٰ جو چاہے سو کرے اپنی مرضی کا مالک مختار ہے کوئی اُس سے پوچھ نہیں سکتا کہ ایسا کیوں کیا؟ وہ سب سے پوچھے گا۔" ظاہر ہے کہ جب خدا تعالیٰ کے ذمے کوئی چیز واجب فرض ٹھہرے گی تو مثل مخلوقات کے ہوا ضرور کسی کا مطیع و زیر حکم وہ بھی آخر ٹھہرے گا۔ حالانکہ وہ غالب اپنے ماسوا پر ہے خواہ عاقل خواہ غیر عاقل۔ اور نیز شیعہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے محمد بن حسن مہدی کو کہ صاحب زماں ہیں حکم دیا کہ لوگوں سے چھپ جائیں اور یہ حکم ایک کتاب میں جس پر سونے کی مہریں لگیں تھیں لکھ کر بھیجا۔ پس عام بندوں کو لطف و فیض ارشاد امام سے محروم کیا اگر شیعہ کہیں کہ دشمنوں کے خوف سے یہ تجویز اُن کے حق میں کی ہے تو ہم کہتے

ہیں کہ اول تو دشمن ہی کیوں پیدا کئے اور اگر پیدا کئے تھے تو اُن کو قوت امام کے مکروہات پہنچانیکی کیوں دی؟ اگر اُن کو قوت دی تو امام کو اُس کے دفعیے کی قوت کیوں نہ دی؟ آلغرض یہ لوگ اپنے عیب اوروں کو لگاتے ہیں۔ اور تحقیق اس مقام کی یہ ہے کہ اہل سنت تو پہلے ہی سے منکر اس بات کے ہوئے کہ خدا تعالیٰ پر کوئی چیز واجب ہے کہ اس قسم کے شبہات میں ہاتھ پاؤں پھول جائیں۔ اور دوسرے فرقے جیسے شیعہ اور معتزلہ اول قائل وجوب اصلح و لطف کے یعنے لطف و نیک تر بات کے ہوتے جب واقع میں اُس کے خلاف دیکھا اور کچھ بن نہ پڑی گو ٹھنڈے ٹھنڈے تکلف بہت کئے مگر تسلی بخش خاطر سائل کے نہیں ہوسکے تو ان شبہوں کے دفع کا قصد کیا جب مقصد حاصل نہ ہوا شرمندہ ہوکر اہل سنت پر طعن کی کہ ہم جس چیز کو کہ واجب جانتے ہیں اور عقل آفت زدہ ہماری حکم اُس کے وجوب کا باری تعالیٰ پر موافق اس قیاس کے جیسے چھپی چیز کو موجود پر قیاس کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ باری تعالیٰ کو واجب الصدور نہیں جانتے اور اس کے ترک کو جائز کہتے ہیں۔ اور یہ مغالطہ کہ اکثر مسائل تنزیہ میں پیش آتا ہے اور جواب اس کا خوب ظاہر ہے کہ جس چیز کو تم اُس پر واجب جانتے ہو در حقیقت وہ واجب نہیں ہے پس ترک اُس کا ترک واجب نہیں آور یہ ایسی بات ہے کہ ایک مغل جاہل نے مفتی سے پوچھا کہ جورو کی ماں جورو ہوسکتی ہے۔ مفتی نے کہا نہیں۔ کہا میں نے کی یہ کیسی ہوئی۔ اور باوصف ان سب باتوں کے شبہات رفع کرنے میں ہاتھ پاؤں چھوڑے دیتے ہیں۔ اور بعد عجز و خجالت کے حکمت و مصلحت ان افعال کے علم خدا تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں۔ پس ان کے اور اہل سنت کے حق میں یہ مثل مشہور صادق آتی ہے شعر آنچہ دانا کند کند ناداں ؛ لیک بعد از فضیحتِ بسیار ؛

کیدِ دوم۔ بھی اسی قبیل سے ہے کہتے ہیں کہ اہل سنت صدور برائیوں کا باری تعالیٰ سے تجویز کرتے ہیں یعنے زنا اور چوری دونوں اُسی کے پیدا کئے ہوئے اور اُسی کے ارادے سے جانتے ہیں شیطان اور انسان کے حوالے نہیں کرتے اور اس تجویز میں بڑی بے ادبی ہے نسبت جناب کبریائی الٰہی کے۔ اور نہیں سمجھتے کہ مذہب اہل سنت کا تو یہ ہے کہ لاقبح منہ تعالیٰ یہ باتیں تو نسبت بانسان و شیطان کے قبیح ہیں یعنی وہ نسبت جو انسان کو شیطان سے ہے اور اُن پر مواخذہ ہوتا ہے خدا تعالیٰ سے ان کی کچھ نسبت نہیں وہ کوئی قبح نہیں رکھتا اس لئے کہ خوب ظاہر ہے کہ حسن و قبح دونوں امر اضافی ہیں جس کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں اُس کی نسبت سے مختلف ہوتے ہیں اصل قباحت تو یہ ہے کہ خاص خدا تعالیٰ سے ہم بعض اشیاء کو قبیح اور بعض کو حسن جانیں اور ورطۂ مشکل میں پڑیں اس لئے کہ موافق اصول شیعہ کے جب حسن و قبح افعال باری تعالیٰ میں جاری ہوا ہر چند نسبت پیدا کرنے قبائح کی اُس کے ساتھ نہ کریں تاہم افعال قبائح کو قدرت و تمکین بندے پر بخشنا اُسی کا کام تو ہے اور بندوں کو بھی اُس سے چارہ نہیں نہ ان کے نزدیک اُس سے گریز۔ پس

اس صورت میں صدور قبائح بواسطہ لازم آیا کیونکہ قدرت و تمکین بخشنا قبیح پر بھی قبیح ہے۔ مثلاً کسی شخص کی جانب یقین ہو کہ جس وقت چھری پالے گا فوراً پیٹ چاک کر ڈالے گا اور ہم اُس کو چھری دیدیں تو البتہ عقلاء کے نزدیک ہم ضرور برے ٹھہریں گے اور ہم کو کُشندہ اُس کا کہیں گے گو اُس نے اپنا پیٹ آپ چاک کیا ہے ہم نے نہیں کیا۔ پس ان دونوں شکلوں یعنی پہلی اور دوسری میں کچھ فرق نہیں ہے لہٰذا یہ طعن بھی ان کا انہی پر لوٹتا ہے۔ اہل سنت اس طعن کے اصول کا قلع قمع کئے ہوئے بخوبی چین سے معتقد اُس کی تنزیہ و پاکیزگی کے ہیں کہ اُس سے کوئی برائی نہیں صادر ہوتی اور کوئی وجہ و جوہ سے نہیں کہ اُس کے فعل میں کوئی شریک ہو یہ لوگ اُس کے توحید فعلی بلا اشتراک کے معتقد ہیں ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ۔ اور یہ بھی کہ خدا تعالیٰ نے بالاتفاق حیوانات کا گوشت انسان کے واسطے حلال کر دیا اور انسان کو حیوانات پر ایسا مسلط کر دیا کہ اُن کو پکڑ کر ذبح کرتے ہیں اور پوست اُتارتے ہیں۔ حالانکہ افراد انسان میں اکثر گنہگار و نافرمان ہیں اور حیوانات میں سب مطیع و تابعدار اور تسبیح گو۔ پس عاصی کو مطیع پر اس قدر غالب کرنا یہاں تک کہ اُس کے قتل اور پوست نکالنے کا حکم دیدینا اگر قبیح نہ ہوگا تو کیا ہوگا۔ اگر اس کے جواب میں کہیں کہ اس قدر رنج والم جو حیوانات کو پہنچتے ہیں ان کے مقابلہ میں بڑے بڑے عوض آخرت میں پائیں گے جیسا کہ مذہب شیعہ اور معتزلہ کا ہے اور رنج کہ سبب عوض کثیر کا ہو مفت اور بیفائدہ نہیں ہے۔ ہم کہیں گے کہ رنج پہنچا کر عوض دینا اس میں کیا فوقیت ہے اس سے کہ رنج ہی نہ دیں اور عوض بھی نہ دیں بلکہ اکثر عقلاء کے نزدیک دوسرا ہی فائق تر ہے اور یہ ایسا ہے کہ کسی کے باپ کو مار کر خون بہا دیں اور کہیں کہ ہم کو منظور یہ تھا کہ اس کا افلاس جاتا رہے اس روپے سے جو اُس کو پہنچا۔ پس وزن اس حرکت کا عقل میں تولنا چاہیے۔ اور باری تعالیٰ اکثر اپنے بندوں کو فراخ روزی بھی کرتا ہے حالانکہ یہ کثرت رزق اُس کے حق میں سم قاتل سے زیادہ ہوتی ہے کہ اُس کے سبب سے زمین میں فساد اور فسق و فجور و تباہ کاری اور خونریزی اور بغاوت اور زنا اور لواطت اور شراب خواری عمل میں لاتے ہیں بلکہ بعضے دعویٰ خدائی کا کرنے لگتے ہیں جیسے نمرود و فرعون و مقنع اور مثل ان کے اور بعض قتل پیغمبروں اور پیغمبر زادوں کا کرتے ہیں جیسے یزید اور اُس کے بھائی (ساتھی) اور یہ باتیں نہایت قبیح ہیں کہ ہر عاقل ان کے قبح کا قائل ہے۔ پس قوت دینا ایسے افعال پر بدتر اُن افعال سے ہے۔ اور اگر شیعہ کہیں کہ مصیبت قتل و گرفتاری میں جو بعض پیغمبر اور پیغمبر زادوں پر پڑی اس سبب سے کہ عقبیٰ میں اُس سے ثواب کثیر حاصل ہوگا وہ سراسر حسن و صلاح ہے قبح اور فساد ہی نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جو پیغمبر اور پیغمبر زادے ایسی مصیبتوں میں گرفتار نہیں ہوئے ہیں اور مزہ اس قسم رنجوں کا نہیں چکھا ہے آیا انھوں نے بھی ثواب کثیر پایا یا نہیں اگر پایا تو حضرت یحییٰؑ اور حضرت امام حسینؓ کے حق میں کہ دونوں قتل ہوئے ہیں اصلح چھوڑ کر

امرِ قبیح کرنا واقع ہوا اور اگر نہیں پایا تو اُن کے حق میں اصلح چھوڑ کر امرِ قبیح کرنا واقع ہوا کیوں اُن کو ایسے ثوابِ عظیم سے محروم رکھا اور مُصیبت سراسر حسن و صلاح میں نہ ڈالا۔

اب تحقیقِ حق ان دونوں مسئلوں کی یہ ہے کہ وجوب تین قسم ہے طبعی اور شرعی اور عقلی اور ایسا ہی حسن و قبح کو سمجھنا چاہیئے کہ کید اول اور اس کید میں ہے پس باتفاق جمیع علماء کے ثابت ہے کہ واجب ہونا کسی چیز کا خدا تعالیٰ پر بوجوبِ طبعی اور شرعی ثابت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر طبیعت کے رُو سے وجوب ثابت ہو تو خدا تعالیٰ کی بے اختیاری و ناچاری لازم آتی ہے کہ طبیعت اُس پر غالب ہے جیسے آگ اپنی طبیعت جلادینے سے مجبور ہے اور وجوب شرعی سے محکوم و مکلف بالشرع ہونا واضح۔ آب رہا وجوبِ عقلی جس کے معنے یہ ہیں کہ ہر واقعہ خاص میں جیسے کہ عقل عقلاء کی تقاضا کرے خدا تعالیٰ کو اُس کے خلاف کرنا جائز نہ ہووے، سو یہ بھی خود خلاف معنی خدائی کے ہے اور اس میں یہ بحث کہ شیعہ اور معتزلہ اسی بات کو دین یا دین و دنیا سب میں ثابت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو اپنے ذہنوں میں مثل ارسطو اور افلاطون یا سکندر اور اورنگ زیب کے ٹھہراتے ہیں اور خوب ظاہر ہے کیسی بڑی بے عقلی ہے کہ عقول و عقلاء سب جس کے پیدا کئے ہوئے اور دیئے ہوئے ہوں اُس خالق کو تحت حکومت اُسی کے مخلوق اور حادث کا قرار دینا۔ اور اگر وجوب عقلی کے یہ معنی کہ حکمت اُس کی کل بھلائیوں پر عالم کی نظر کر کے جیسی مقتضی ہوتی ہے مطابق اُس کے اُس سے صادر ہوتا ہے تو یہ بات اہل سنت کے نزدیک بھی مُسلّم الثبوت ہے۔ یُرَاعِی الْحِکْمَۃَ فِیْمَا خَلَقَ رعایت کرتا ہے حکمت کی ہر چیز میں جو پیدا ہوئی کہ یہ امر عقائد عضدیہ اور ان کی دیگر کتبِ کلامیہ میں موجود ہے لیکن احاطہ کرنا حکمتِ الٰہی پر جو کُل عالم کی بھلائیوں پر نظر کئے ہوئے ہے سوا اُس کے کہ علام الغیوب ہے دوسرے سے کب ممکن۔ اور جب یہ احاطہ ممکن نہیں تو ہر فرد خاص اور ہر واقعہ جزئیہ میں حکم اصلح اور واجب ہونے کا خدا تعالیٰ پر کرنا بڑی بے ادبی اور نہایت بے صرفگی کی بات ہے۔ اسی لئے اہل سنت و جماعت نے یہ قاعدہ رکھا ہے کہ جو کچھ اُس سے صادر ہو مجملاً اعتقاد کرنا چاہیئے کہ موافق حکمت کے ہے اور جو کچھ اُس سے صادر نہ ہو مجملاً اعتقاد کرنا چاہیئے کہ موافق حکمت کے نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے افعال کو دلیل اُس کی حکمت کا کرنا چاہیئے نہ یہ کہ تھوڑی سی حکمت جزئیہ قاصرہ کو کہ ایک گروہ عاقلوں نے اپنے ذہنوں سے تراشی ہے اور ٹھہرائی ہے اُس کو اُس خدا تعالیٰ کی جناب پر حاکم کرنا چاہیئے۔ اسی لئے اہل سنت لفظ وجوب کو بھی استعمال نہیں کرتے ہیں تَحَاشِیًا عَنْ اِیْہَامِ خِلَافِ الْمَقْصُوْدِ یعنے واسطے بچاؤ وہم خلاف مقصود کے۔ الحاصل شیعوں اور ان کے امثال کے پاس ایسے شبہات کا کچھ جواب نہیں سوا اس کے کہ مذہب اہل سنت کی طرف رجوع کر کے کہیں لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ۔

کید سوم یہ کہ کہتے ہیں اہل سنت خدا تعالیٰ پر تجویز ظلم کی کرتے ہیں اس لئے کہ ان کا اعتقاد ہے کہ

اگر خدا تعالیٰ بے گناہ بلکہ مومن مطیع کو دوزخ میں ڈالے اور عذاب ابدی کرے تو جائز ہے۔ جواب اس کید کا پہلے معلوم ہو گیا ہے کہ اہلِ سنت کے نزدیک خدا تعالیٰ سے ظلم ممکن نہیں اِس لئے کہ ساری مخلوق اُسی کی پیدا کی ہوئی ہے وہی مالک ہے جو چاہے سو کرے اور اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ جائز کرنا تعذیب کا اور چیز ہے اور وقوع تعذیب دوسری چیز بلکہ بحقیقت امر بالعکس ہے یعنی اہلِ سنت کی طرف تو تجویز ظلم کی نسبت باری تعالیٰ کے لگاتے ہیں اور خود ظلم انہی کے نزدیک متصور ہے اور واقع رَوَی ابْنُ بَابَوَیْہِ وَغَیْرُہٗ عَنِ الْاَئِمَّۃِ اِنَّ اَوْلَادَ الْکُفَّارِ فِی النَّارِ روایت کی ابن بابویہ وغیرہ نے اماموں سے بیشک اولاد کفار کی دوزخ میں ہے۔ اب اس قول سے ظاہر ہے کہ ماں باپ کے گناہوں میں بچوں بے گناہ کو ماخوذ کرنا اور عذاب ابدی میں معذب رکھنا خلاف انصاف ہے۔ اور نیز درندوں مثل شیر وغیرہ اور سباع پرندوں خواہ چارپایوں کو دنیا میں پیدا کر کے اُن کا قوت حیواناتِ ضعیفہ کے گوشت سے جن کا کوئی گناہ نہیں ٹھہرانا اور ان کو اُن ضعیفوں بے گناہ پر مسلط کرنا ایسا ظلم ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا اور انسان کو پیدا کیا اور اُس میں شہوت پیدا کر کے نفس شہوانی کو اُس پر غالب کر دیا اور دنیا کے مناسبات اور تلذذات اُس کو دکھا کر پھر تکلیف ایسی چیزوں کی دی کہ وہ اُس کے نفس پر شاق اور خلاف مقتضیات طبیعت کے ہیں اور اُن مناسبات و تلذذات سے بھی منع کر دیا اور ایک چھپا ہوا دشمن کہ یہ اُس کو نہیں دیکھ پاتا مسلط کر دیا کہ اپنے وسوسے دکھا رہا ہے۔ اور تماشا یہ کہ اُس کو قدرت وسوسے کی دے کر اس کے دل پر متصرف کیا اور اس کو قوت اُس کے دفع کی دے کر غالب نہیں فرمایا اس لئے یہ بے اختیار تابع اُس کا ہو جاتا ہے۔ اور امام کہ فی الجملہ دفع شر کا اُس کی ذات سے متصور تھا اُس کو چھپا دیا بس یہ سب ظلم صریح ہیں۔ یہ تو ایسی بات ہے جیسے کسی فقیر کو بھوکا پیاسا چند روز کسی مکان میں تو ہم قید کریں اور جب وہ بھوک اور پیاس سے نہایت ہی بیتاب ہووے تو رنگ رنگ کے کھانے لذیذ اور شربت لطیف اُس کے پاس رکھ کر ایک آدمی اُس کے ساتھ ایسا لگا دیں کہ بار بار اُس کے کھانے پینے کا حکم کرے اور اُس کھانے پینے کی خوب باتیں بنا بنا کر اُس کے دل میں ڈالے اور کہے کہ مالک اس کھانے پینے کا بڑا سخی مہربان زیادہ تیرے ماں باپ سے ہے، معاف و درگزر کرنا خطا سے اُس کی عادتِ جبلی ہے اس وقت کہ تو بھوک پیاس سے مرا جاتا ہے کیا حاصل کھا لے اور امید عفو کی مالک سے رکھ۔ یہ تو اُس فقیر کا حال اور باوصف اس کے فقیر سے کہدیں کہ خبردار اگر تو نے اس کھانے پینے کی طرف ہاتھ بڑھایا، یا اس پر نظر بھی کی تو تجھ کو اس قسم کے عذاب تکلیف میں ہم ڈالیں گے۔ اب بتاؤ یہ کیسا ظلم صریح اُس مسکین کے حق میں ہے اور قطع نظر ان سب کے جو چیز کہ مذہب اہلِ بیت اور اُن سے منقول ہو کتب شیعہ میں وہ تو قابل قبول کرنے کے ہے ہرچہ بادا باد۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ بحث الٰہیات میں حضرت سجاد زین العابدین سے صحیح روایتیں شیعہ کی کتابوں سے ہم روایت کریں گے کہ بے گناہ کو دُکھ دینا بے عوض اُس دکھ دینے کے جائز ہے جیسا کہ

قریب آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

کید چہارم یہ ہے کہ کہتے ہیں اہل سنت عصمت انبیاء کے اعتقاد میں کوتاہی کرتے ہیں اور صدور گناہ کا اُن سے جائز رکھتے ہیں اور شیعہ اُن کے حق میں کمال پاکیزگی وطہارت کا اعتقاد رکھتے ہیں نہ صغیرہ کو نہ کبیرہ کو کسی وقت میں یعنے قبل نبوت یا بعد نبوت عمداً یا سہواً ان کی نسبت تجویز نہیں کرتے پس مذہب شیعہ کا اقرب بادب ہے مذہب اہل سنت سے اور نیز جب صدور گناہ کا انبیاء سے جائز ہوا تو ان کے قول وفعل کا کیا اعتبار رہا، اور جو مقصود کہ ان کے پیدا کرنے سے تھا باطل ہوا یعنی ہدایت وارشاد۔ یہ سب بھی ان کا افترا اور بہتان اور بات کو بدل ڈالنا اور صورت اُس کی بگاڑ دینا ہے۔ اہلسنت کب بعد نبوت صدور کبائر کا عمداً یا سہواً ان سے تجویز کرتے ہیں البتہ صغائر کو سہواً تجویز کرتے ہیں بشرطیکہ بار بار وہ عمل ظہور میں نہ آئے، اور جھوٹ تو ہرگز عمداً یا سہواً نہ قبل نبوت نہ بعد نبوت کسی وقت میں تجویز ہی نہیں کرتے پھر ان کے قول وفعل سے کیسے اعتماد جاتا رہے گا۔ جاننا چاہیے کہ اس جگہ ایک باریکی ہے وہ یہ کہ شیعہ اکثر مسائل میں غلو کرتے ہیں اور اعلیٰ درجہ ہر چیز کا مذہب بنالیتے ہیں واقع اور نفس الامر پر نظر نہیں کرتے۔ پس مذہب ان کا موہوم غیر واقع ہوجاتا ہے۔ بخلاف اہل سنت کہ خوب دیکھ بھال کر قدم رکھتے ہیں لہٰذا واقع اور نفس الامر ان کے مذہب کو جھوٹا نہیں کرسکتے اور یہی گڑبڑ ان کی اکثر مسائل اعتقادیہ میں ظاہر ہوئی آخر ایسے ہی عقیدوں موہوم کو واقع اور نفس الامر سے مطابق کرنے میں ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتے ہیں اور حیران رہ جاتے ہیں۔ باتیں ناخوش سرد بے اثر ان سے ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ عقیدہ بھی منجملہ اُنہی قسم مسائل کے ہے اس لئے کہ آیتیں اور حدیثیں بیشمار ناطق اور مصرح انبیاءؑ کے ڈگنے میں ہیں جس کے سبب سے عتاب الٰہی ان پر ہوا ہے اور انھوں نے توبہ کی ہے اور روئے پشیمان ہوئے ہیں اور اپنے ڈگ جانے کا اظہار کیا ہے۔ جو موجود۔ اب اگر ان کی عصمت میں غلو کیا جائے اور بہت ہی عصمت کو چڑھا کر کہیں کہ صدور گناہ کا مطلق ان سے جائز نہیں تو ان نصوص کی تاویل وتوجیہ میں سوائے ناخوش بے اثر باتوں کے اور کیا ہمارے ہاتھ میں رہے گا۔ پس پہلے ہی سے معنی عصمت کے ہم کو اس طرح پر سمجھنا چاہئیں کہ حیرانی کے بھنور میں نہ پڑجائیں اور نہایت ہی تعجب کی یہ بات ہے کہ اس اعتقاد دُور ودراز کے ساتھ ہی شیعہ اپنی کتابوں میں ائمہ معصومین سے وہ خبریں روایت کرتے ہیں کہ بعد نبوت دلالت اوپر صدور گناہ کے کرتی ہیں رَوَى الْكُلَيْنِيُّ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ عَنْ اَبِيْ يَعْفُوْرَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّ يُوْنُسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ اَتٰى ذَنْبًا كَانَ الْمَوْتُ عَلَيْهِ هَلَاكًا۔ اور مرتضیٰ بھی کہ ان کے معتبر مجتہدوں سے ہے صدور گناہ کا انبیاءؑ سے قبل البلوغ تجویز کرتا ہے حالانکہ قبل البلوغ گناہ ہی نہیں ہے اور یوسفؑ کے ساتھ جو کچھ اُن کے بھائیوں نے کیا اُس معاملے کو ان کی صغرسنی پر ملالت ہے جس کا تعسف اور جس کی بیراہی پوشیدہ نہیں۔ خوب ظاہر ہے کہ جو کام ان سے یوسف علیہ السلام کے ساتھ

ہوئے کب ہوسکتا ہے کہ لڑکے صغرسن ایسے کام کرسکیں۔

کید پنجم یہ ہے کہتے ہیں کہ اہل سنت نے پیغمبر صلعم پر سہو تجویز کیا ہے ان کی کتابوں سے روایت کی گئی کہ پیغمبر صلعم نے چار رکعت نماز میں دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ لیکن اس معاملے میں کوئی وجہ طعن کی معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ سہو ہونا افعال میں خواص بشریت سے ہے اور امور بشریت میں انبیاء بھی سب لوگوں کے شریک ہیں مرض اور درد سر اور زخم وقتل ان پر بھی جاری ہوتا ہے۔ مار وکژدم ان کو بھی کاٹتے ہیں اور درد ووجع ان کو بھی رنج پہنچاتا ہے اور نیند اور غفلت اور نسیان ان کو بھی طاری ہوتا ہے۔ مرتبہ سہو کا ان باتوں سے بڑھ کر نہیں ہے کہ اُس کے لاحق ہونے سے کچھ عار ونقصان سمجھا جائے۔ البتہ احکام الٰہی پہنچانے میں سہو جائز نہیں ہے کہ امر کی جگہ نہی اور نہی کی جگہ امر کردیں۔ بعض محققین اہل سنت نے لکھا ہے کہ انبیاءؑ کو سہو بسبب کمال استغراق حضور اور مشاہدے کے ہوتا ہے اور عوام امت کو پریشان خاطری امور دنیوی سے۔ پس صورت سہو کی مشترک ہے اور اس کی کمیت یعنی چگونگی وسبب میں تفاوت ہے اسی لئے کہا ہے، شعر کار پاکاں را قیاس از خود مگیر؛ گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر؛ اور جو موقع کہ انھوں نے اہل سنت پر طعن کے ٹھہرائے ہیں اُن میں روایت قصہ ذوالیدین کو عمدہ طعن ان کی شیخ حلی نے شمار کیا ہے۔ اور حالانکہ جو بیان واقع اور روایت امر حق کی ہے اُس میں کوئی طعن کی بات نہیں ہے۔ مع ہٰذا مثل مشہور ہے "جھوٹے کو حافظہ نہیں ہوتا ہے۔" ان شیخ کو یہ یاد نہ رہا کہ کلینی اور ابو جعفر طوسی نے تہذیب میں صحیح سندوں کے ساتھ قصہ ذوالیدین کا روایت کیا ہے چنانچہ ان کتابوں میں موجود ہے۔ پس اس معاملے میں اگر اہل سنت مطعون ہوں گے تو شیعہ ان سے زیادہ تر مطعون ہوں گے اس لئے کہ اہل سنت اگر سہو کی روایت کرتے ہیں تو اُس میں نقصان بھی نہیں جانتے یہ تو سہو میں نقصان بھی جانتے ہیں روایت بھی کرتے ہیں۔ ع ہست فرقے زیں حسن تا آں حسن ؛

کید ششم یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت نے کلمات کفر کے پیغمبر پر تجویز کئے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مدح لات وعزیٰ کی روایت کرتے ہیں۔ اس طعن میں بھی اصل بات کو بدلا اور مسخ کیا ہے یعنی اُس کی صورت بگاڑ دی ہے اس لئے کہ کتب تفسیر اہل سنت میں روایات ضعیفہ کے ساتھ آیا ہے کہ سورہ والنجم پڑھتے میں شیطان رجیم نے اپنے کو ہمصورت پیغمبر صلعم کا بنا کر چند کلمے جن میں مدح غرانیق عُلیٰ کی نکلتی تھی باآواز بلند پڑھی۔ غرانیق ایک لفظ ہے کہ فرشتوں اور بتوں دونوں کے معنے میں ہے۔ چنانچہ کفار نے اُن کلمات کو سُن کر بتوں کی مدح پر قیاس کیا اور راضی ہوئے۔ موسیٰ بن عقبہ نے روایت کی ہے کہ مسلمانوں نے اُن کلمات کو ہرگز نہیں سُنا جبرئیلؑ نے آکر حضرت کو مطلع کیا آپؐ کو نہایت رنج وملال ہوا۔ پس آپ کی تسلی کے واسطے یہ آیت نازل ہوئی وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ

اُمنِیَّتِہٖ ۔ فَیَنسَخُ اللّٰہُ مَا یُلقِی الشَّیطٰنُ ثُمَّ یُحکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ ۔ وَاللّٰہُ عَلِیمٌ حَکِیمٌ لِیَجعَلَ مَا یُلقِی الشَّیطٰنُ فِتنَۃً لِلَّذِینَ فِی قُلُوبِہِم مَرَضٌ وَالقَاسِیَۃِ قُلُوبُہُم ۔ ترجمہ ۔ اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے کوئی رسول ونبی ایسا نہیں بھیجا کہ کسی وقت میں اُس نے تمنّیٰ کی ہو اور شیطان نے اُس میں کچھ نہ ڈالا ہو، پس رد کر دیتا ہے اللہ اُس کے ڈالے ہوئے کو اور مضبوط کرتا ہے اپنی آیتوں کو اور اللہ دانا بڑا حکمت والا ہے کہ کر دیتا ہے شیطان کے ڈالے ہوئے کو اُن لوگوں کے حق میں فساد جن کے دلوں میں بیماری ہے اور ان کے دل سیاہ ہیں ۔ اب اس آیت کے سیاق میں بنظرِ انصاف دیکھنا چاہیئے کہ کیسی اس قصے سے چسپاں ہے گویا اور معنی ہی اس کے نہیں اور پھر اس قصے کی طرف غور کیجئے قصے میں کونسی بُرائی نظر آتی ہے اور کونسے کلمات کفر کے پیغمبر کی زبان سے نکلے جو اہل سنت نے تجویز کر لئے ۔ شیطان کا کسی لباس میں ہو جانا اور آواز و نغموں سے حکایت کرنا کیا کچھ بعید ہے ہاں اگر کچھ بُعد ہے تو اتنا ہے کہ کلمات شیطانی کلماتِ فرقانی کے ساتھ کافروں کے نزدیک بھی کیوں ملتبس ہوئے کہ یہ اعجاز سے موصوف ہے اور وہ اعجاز سے خالی ۔ لیکن جو کیفیت واقعہ میں غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اُس میں عجلت کفار کو بھی مجال تامل وجوہ اعجاز و امر بلاغت میں میسر نہ ہوئی اور جو مطلب کو موافق اعتقاد کے سمجھا بے مہر فہ اور بے تامل اُس پر گمان کیا کہ یہ سب کلمات قرآنی ہیں ۔ جیسے جماہیر شیعہ حدیث ضعیف ائمہ کو کہ موافق اپنے فرقے اور مخالف اہل سنت کے ہوتے ہیں بطوع و رضا بڑی خوشی اور تہِ دل سے اپنے سر آنکھوں پر چڑھا کر اُسی کو اپنا معمول یہ کرتے ہیں کہ ہمارا اس پر عمل ہے ۔ اور مقابل اُس کے جو صحیح حدیث ہو اُس کو پسِ پشت پھینک دیتے ہیں ۔ باوجود اس بات کے کہ کلام ائمہ کا بھی دوسرے کے کلام میں نہیں ملتا ۔ لیکن تعصب وحمیت مذہب ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالتی ہے کہ فرصت تمیز حق و باطل کی نہیں دیتی ۔ اور بر تقدیر اگر اہل سنت اتنی بات پر مطعون بھی ہوں گے امامیہ جو اپنی کُتبِ صحیحہ میں کفریات انبیاءؑ و رسل کے روایت کرتے ہیں جیسا کہ ان کے بیان عقائد میں آئے گا بیشک ملعون ہوں گے ۔ اور مطعون و ملعون میں بڑا فرق ہے ۔

✺ کید ہفتم ۔ یہ کہتے ہیں کہ جملہ صحابہؓ سوائے پانچ چھ آدمیوں کے سب کو بُغض اہل بیت سے تھا اور سب ان کے دشمن تھے ۔ یہ بھی ایک افترا ہے اور بیہودہ ہونا اس کا صریح ۔ البتہ ابو ہریرہؓ کو رفیق اہل شام اور رئیس المتعصبین اہل بیت کا نہیں جانتے کہ ان کو خوشنودی امام حسینؓ کی خوشنودی معاویہ اور یزید اور دیگر صحابہ پر مقدم پڑی ۔ معاملۂ پیغام نکاح امّ خالد ہیں کہ ایک عورت تھی مشہور بحسن و جمال اور معاویہ بن ابی سفیان نے یزید کے لئے پیغام کیا تھا ۔ اور ابو ہریرہؓ کو محض اسی کام کے واسطے شام سے مدینہ منورہ کو بھیجا ۔ اور عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن مطیع بن اسود نے بھی ان کی معرفت پیغام نکاح کا بھیجا جس وقت کہ امّ خالد نے ابو ہریرہؓ سے مشورہ کیا ۔ ابو ہریرہؓ نے باآواز بلند کہا کہ میں سبط رسول

اور قرۃ العین بتولؓ کے برابر کسی کو نہیں جانتا ہوں ۔ اے عورت ناقص العقل مالِ دنیا پر نظر مت کر رسول مقبولؐ کی بہو بننے کو غنیمت جان ۔ چنانچہ اُس عورت نے ابو ہریرہؓ کے کہنے سے مال و متاع یزید کا واپس کر دیا اور حضرت امام حسینؓ کے حبالۂ نکاح میں داخل ہو کر اس شرف سے مشرف ہوئی ۔ اور کتاب الموافقۃ ابن السمان میں قصے محبت اور نسبتوں صحابہؓ کے اہل بیت کے ساتھ دیکھنا چاہیئے ۔

✺ کید ہشتم یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت مخالفت قرآن کی کرتے ہیں ۔ وضو میں کہ بجائے مسح پاؤں کے پاؤں دھوتے ہیں اور نصِ صریح قرآنی دلالت مسح پاؤں پر کرتی ہے ۔ اور اس مطعن نے ان کے بہت جاہلوں کی راہ ماری ہے کہ ذرا سی نحو و عربی سیکھ کر تحقیق احکام الٰہی میں قدم رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو عالم جانتے ہیں ، اور اصول قواعد و اجتہاد اور تطبیق مختلفات سے بہرہ نہیں رکھتے ۔ الغرض شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو آیت وضو کی نازل ہوئی ہے اُس میں لفظ ارجلکم کا باجماع فریقین دونوں قرأت متواتر اور صحیح اور درست کی رُو سے بنصب و جر آیا ہے اور قاعدہ اصولیہ فریقین کا ہے کہ دو قرأۃ متواترہ جو کسی جگہ معارض ہوتی ہیں حکم دو آیتوں کا رکھتی ہیں ۔ پس اول تو جہاں تک ممکن ہووے اُن کی مطابقت میں کوشش کرے اگر مطابقت نہ ہو سکے تو ترجیح پر نظر کرے ۔ بعد اس کے دونوں کو ساقط کر کے اور دلیلیں جو علاوہ مرتبہ ان معارضین کے ہوں اُن کی طرف رجوع کرے اس لئے کہ بسبب تعارض کے جب عمل اُن پر نہیں ہو سکتا تو کالعدم ہیں اور حدیثیں اگر متعارض ہوں موافق قول صحابہؓ اور اہل سنت کے تو رجوع کرنا چاہیئے طرف قائلین بالقیاس کے یعنی مجتہدین کے قیاس پر عمل چاہیئے ۔ پس جو ان دونوں قرأتوں کے حکم میں ہم نے تامل کیا تو اہل سنت کے نزدیک دونوں میں مطابقت دو وجہ سے پائی ۔ ایک یہ کہ مسح کو غسل پر قیاس کریں ۔ جیسے ابو زید انصاری اور اور لغت والوں نے تصریح کی ہے کہ اَلمَسحُ فِی کَلَامِ العَرَبِ یَکُونُ غَسلًا یُقَالُ لِلرَّجُلِ اِذَا تَوَضَّأَ تَمَسَّحَ وَیُقَالُ مَسَحَ اللّٰہُ مَا بِکَ اَی اَزَالَ عَنکَ المَرَضَ وَیُقَالُ مَسَحَ الاَرضَ المَطَرُ ۔ ترجمہ ۔ مسح کلام عرب میں ہو سکتا ہے کہ غسل کے معنے میں ہو کہتے ہیں عرب جب وہ وضو کر لیتا ہے کہ اس شخص نے مسح کیا یہ محاورہ ہے ۔ اور کہتے ہیں کہ مسح کرے خدا جو کچھ کہ تیرے واسطے ہے یعنی زائل کر دے تجھ سے تیرے مرض کو ۔ اور کہتے ہیں کہ مسح کیا زمین کو باران نے یعنی مینہ نے ۔ مگر اس وجہ میں شیعہ قدح کریں گے کہ کیا وجہ بِرُؤُسِکُم میں تو مسح کے معنے حقیقی لئے جائیں اور اَرجُلَکُم میں مجازی غسل کے یعنی دھونے کے اور ہے یہ کہ اجتماع حقیقۃ و مجاز کا ممنوع و محذور ہے ۔ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہم لفظ امسحوا کو قبل ارجلکم کے مقدر کرتے ہیں پس دو لفظ ہو گئے اور تعدد لفظ میں تعدد معنے کا مضائقہ نہیں ۔ شارح زبدۃ الاصول نے امامیہ میں جو ماہر عربیت کے ہیں اُن سے نقل کی ہے کہ اس قسم حقیقۃ و مجاز کا جمع ہونا کہ معطوف علیہ میں ایک لفظ کے

معنے حقیقی لئے جائیں اور اسی لفظ کے معطوف میں مجازی لئے جائیں جائز ہے۔ جیسے آیہ کریمہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ ترجمہ مت نزدیک جاؤ نماز کے اس حال میں کہ تم مست ہو تا جانو جو کچھ کہو نہ بحالت جُنب مگر رہ گزر میں، کہ اس آیت میں لفظ صلوٰۃ جو معطوف علیہ میں ہے بمعنی حقیقی شرعی کے ہے یعنی ارکان مخصوصہ نماز۔ اور معطوف میں بمعنی مجازی یعنی مسجد کے کہ محل نماز ہے۔ شارح زبدہ کا قول ہے کہ یہ ایک قسم استخدام سے ہے کہ اسی معنی پر اس آیت کو ایک جماعت مفسرین اور فقہائے امامیہ نے تفسیر کیا ہے۔ پس اسی قبیل سے یہ ہے جس کی ہم بحث کر رہے ہیں یعنی وہ مسح جو متعلق بِرُءُوْسِ ہے اپنے حقیقی معنی پر ہے۔ اور وہ مسح کہ متعلق بِاَرْجُلِ ہے بمعنی مجازی اعنی غسل، علاوہ بریں یہ آیت تو بہت برسوں کے بعد نازل ہوئی کہ قبل نزول سے اس کے وضو کے فرض اور تعلیم اس کی بواسطہ حضرت جبرئیلؑ ابتدائے بعثت میں ہو چکی تھی۔ پس اس قسم کا وہم جو بجائے مسح کے دھونے کا کیا جاتا ہے ایسے موقع پر مضائقہ نہیں اس لئے کہ اب جن کو خطاب وضو کا کیا گیا ہے وہ کیفیت ترتیب وضو کی پہلے سے پہچانتے تھے بلکہ ہر روز و شب میں خود ہی پانچ دفعہ استعمال کرتے تھے یہ نہیں ہے کہ ان کا پہچاننا وضو کا اس آیت سے معنی نکالنے پر موقوف ہوا ہو۔ بلکہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اجرائے کلام خاص واسطے ابدال تیمم کے ہے وضو اور غسل سے ذکر وضو کا یہاں تمہید و تقریب ہے۔ اس لئے کہ جو بات تمہید و تقریب بیان کی جاتی ہے محتاج بیان مُشبع یعنی ظاہر کی نہیں ہوتی۔ دوم یہ کہ جس وقت میں اَرْجُلِكُمْ بجر لام پڑھا جائے تو جر اَرْجُلِ کا برعایت جوار یعنے پڑوسی مجرور کے ہوگا جو رُءُوْسِ ہے۔ اور معنًا بھی نصب پر اور جر جوار کا سیبویہ اور اخفش اور ابو البقا تمام معتبر نحویوں نے جائز رکھا ہے لغت میں بھی اور عطف میں بھی اور قرآن مجید میں بھی آیا ہے، مثال لغت فقولہ عَذَابُ يَوْمٍ اَلِيْمٍ بجر اَلِيْمٍ کہ صفت عذاب کی ہے اور بسبب جوار يَوْمٍ کے مجرور ہوا۔ مثال عطف وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ بر قراۃ حمزہ و کسائی اور روایت مفضل کی عاصم سے کہ مجرور ہے بسبب جوار اَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ اور معطوف ہے وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ پر اس لئے کہ عطف میں کچھ معنے نہیں ہوتے جو اکواب اور اباریق پر کیا جائے اور نظم و نثر میں شعراء عرب کے بہت واقع ہوا اسی قسم سے قول نابغہ کا ہے بیت لَمْ يَبْقَ اِلَّا اَسِيْرٌ غَيْرُ مُنْفَلِتٍ ۔ وَمُوْثَقٍ فِيْ عِقَالِ الْاَسْرِ مَكْبُوْلِ۔ ترجمہ یعنی ان سب میں باقی نہ رہا مگر وہ قیدی کہ زندہ ہے بگرفتاری دو رسیوں کے پاؤں قید میں ہے سوائے موثق اور کبول (محبوس) کے رَوِیْ قصیدے کی مجرور ہے حالانکہ اسیر پر معطوف ہے اور باوجود عطف بجوار منفلت کے مجرور ہوا۔ اور اگر زجاج نے انکار کیا ہو جر جوار کا باوجود حرف عطف قابل اعتبار کے نہیں۔ اس واسطے کہ ماہرانِ عربیت اور ان کے امام سب نے اس بات کو تجویز کیا ہے نیز قرآن مجید اور کلام بلغا میں واقع ہوا پس گواہی

زجاج کی مبنی قصور تتبع پر ہے۔ اور مع ہذا شہادت بر نفی ہے کہ شہادت بر نفی مقبول نہیں ہے۔ بعض اہل سنت اس جگہ ایک وجہ اور بھی تطبیق سے ذکر کرتے ہیں کہ جب تخفیف یعنی موزہ پہنے ہوئے پر قیاس کیا جائے تو جر کے ساتھ پڑھنا چاہیے اور جب پاؤں موزہ سے خالی ہو تو نصب کے ساتھ لیکن یہ وجہ ایسی ہے کہ ایک ضمیر لانے کو چاہتی ہے جو طبیعت سے بہت دور ہے اور شیعہ کے نزدیک بھی تطبیق ان دونوں قرأت میں دو وجہ سے پائی گئی ہے۔ پس اتنا ہی فرق ہے کہ اہل سنت نے قرأت نصب کو جس سے غسل ظاہر ہوتا ہے اصل قرار دیا ہے اور قرأتِ جر کو اس کے ساتھ رجوع کیا ہے اور شیعہ بالعکس، اس واسطے کہ اول تو قرأت نصب کی عطف بر محل ہے بِرُءُوْسِكُمْ سے۔ پس حکم رؤس اور ارجل دونوں کا مسح ہوگا۔ اس لئے کہ اگر منصوب پر عطف کریں تو درمیان معطوف و معطوف علیہ کے فصل جملہ اجنبیہ سے لازم آئے۔ دوسرے واو بمعنی مع کے ہے مِن قبیل اِسْتَوَى الْمَاءُ وَالْخَشَبَةُ مگر اہل سنت کو دونوں وجہوں میں بہت بحث ہے۔ اول یہ کہ عطف بر محل خلاف ظاہر ہے باجماع فریقین اور ظاہر یہ ہے کہ عطف مغسولات پر ہے یعنی منہ اور ہاتھ پس ظاہر چھوڑ کر غیر ظاہر پر بے کسی دلیل کے جائز نہیں اور بہر حال قرأت جر کا سابق معلوم ہوا کہ موافق قرأت نصب کے ہو سکتا ہے اور فصل جملہ اجنبیہ سے جب لازم آتی ہے کہ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ متعلق بجملہ مغسولات نہ ہو اور اگر معنی یوں ہوں وَامْسَحُوا الْاَيْدِيَ بَعْدَ الْغَسْلِ بِرُءُوْسِكُمْ یعنی ملو ہاتھوں کو بعد دھونے کے اپنے سروں پر پھر فصل باجنبی کیونکر ہوگی۔ اور مذہب اکثر اہل سنت کا یہی ہے کہ بقیہ غسل پر مسح کرنا چاہیے۔ اور مع ہذا دو جملوں متعاطف یا معطوف و معطوف علیہ میں کوئی اہل عربیت سے امتناع فصل کی طرف نہیں گیا یعنی منع نہیں کیا ہے بلکہ امام ان کے تصریح اس کے جواز کی کرتے ہیں۔ چنانچہ ابو البقا نحوی نے اجماع نحویوں کا اس کے جواز پر نقل کیا ہے اور بیشک بلغا جو اپنے کلام میں اجنبی کو بیچ میں لے آتے ہیں کوئی نکتہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی ایک نکتہ نہایت عمدہ ہے اور وہ افادہ ترتیب ہے۔ دوم یہ کہ اگر وَاَرْجُلَكُمْ معطوف بر محل بِرُءُوْسِكُمْ پر ہو تو ہم کو پہنچتا ہے کہ معنی غسل کے اس سے سمجھیں اس لئے کہ قواعد مقررہ عربیہ سے ہے کہ اِذَا اجْتَمَعَ فِعْلَانِ مُتَقَارِبَانِ فِي الْمَعْنٰى وَلِكُلٍّ مِّنْهُمَا مُتَعَلَّقٌ جَازَ حَذْفُ اَحَدِهِمَا وَعَطْفُ مُتَعَلَّقِ الْمَحْذُوْفِ عَلَى الْمَذْكُوْرِ كَاَنَّهٗ مُتَعَلَّقُهٗ۔ اور لَبِيْدِ بْنِ رَبِيْعَةَ الْعَامِرِيِّ کا قول ہے بیت فَعَلَا فُرُوْعُ الْاَيْهُقَانِ وَاَطْفَلَتْ ۔ بِالْجَلْهَتَيْنِ ظِبَاءُهَا وَنَعَامُهَا ۔ ای بَاضَتْ نَعَامُهَا فَاِنَّ النَّعَامَ لَا تَلِدُ وَاِنَّمَا تَبِيْضُ۔ وَمِنْهُ قَوْلُ الْاٰخَرِ بیت اِذَا مَا الْغَانِيَاتُ بَرَزْنَ يَوْمًا ۔ وَزَجَّجْنَ الْحَوَاجِبَ وَالْعُيُوْنَا ۔ ای كَحَّلْنَ الْعُيُوْنَ۔ وَمِنْهُ قَوْلُ الْاٰخَرِ۔ بیت تَرَاهُ كَاَنَّ اللّٰهَ يَجْدَعُ اَنْفَهٗ ۔ وَعَيْنَيْهِ اِنْ مَوْلَاهُ ثَابَ لَهٗ وَفْرٌ ۔ ای يَفْقَأُ عَيْنَيْهِ۔ اور اعرابی کا قول ہے: مصرع عَلَفْتُهَا تِبْنًا وَّمَاءً بَارِدًا ۔ ای سَقَيْتُهَا۔ ترجمہ پہلی عبارت کا، جب جمع ہوں دو فعل قریب المعنی

اور ہر ایک کا ان دونوں سے متعلق ہے جائز ہے حذف ایک کا اُن دونوں سے اور عطف کرنا متعلق محذوف کا مذکور پر گویا وہ متعلق یہی ہے اور اسی جنس سے ہے۔ قول لبید بن ربیعہ عامری کا شعر اولیٰ میں، یعنی چڑھ گیا ایہقان کی شاخوں پر اور بچے دیئے پہاڑوں میں ہرنیوں اور شتر مرغیوں نے، اور بعد شعر کے جو عبارت ہے بَاضَتْ تا تَبِيْضُ یعنی بیضے دیئے شتر مرغ نے اس واسطے کہ شتر مرغ سوائے انڈوں کے بچے نہیں دیتا۔ یہی عبارت توضیح و تفسیر اُس قول کی ہے جو اُوپر قاعدہ مذکور کیا ہے کہ دو فعل متقارب المعنی میں ایک حذف کیا جاتا ہے۔ دوسرے شعر کے معنے جس وقت کہ عورتیں نغمہ گر نمودار ہوئیں کسی دن اور کج کریں ابرو اور آنکھوں کو اس کے تفسیر كَحَّلْنَ الْعُيُوْنَ ہے یعنی سُرمگیں کریں آنکھیں۔ تیسرے شعر کے معنے دیکھے تو اُس کو گویا کہ مالک اُس کا کاٹتا ہے ناک اُس کی اور آنکھیں اُس کی اگر مولا اُس کا اُس کے واسطے ہو وقر پس يَفْقَۂُ عَيْنَيْهِ یعنے پھوڑتا ہے آنکھیں اُس کی یہ اُس کی تفسیر ہے اب مصرع اعرابی کے معنے کھلائی میں نے ناقے کو گھانس اور ٹھنڈا پانی۔ یعنے اَسْقَيْتُهَا مَاءً ابَارِدًا جس کے معنے ہیں پلایا میں نے ٹھنڈا پانی۔ سوم یہ کہ واؤ کو مع کے معنے میں قیاس کرنا بدون قرینے کے جائز نہیں ہے سو یہاں قرینہ مفقود بلکہ وہ قرینہ جو خلاف اُس کے ہے ظاہر اور موجود۔ بالجملہ جب دونوں جانب سے وجہیں تطبیق کی پیدا ہوئیں اور کلام ترجیح میں پڑا کہ دونوں میں مرجح کون ہے۔ لاجرم محققین اہل سنت واسطے ترجیح کے حدیثوں کی طرف کہ مبین معانی قرآن کی ہیں رجوع ہوتے۔ اور یہ ایسا معاملہ ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات دن میں پانچ دفعہ تو خود عمل میں لاتے تھے اور نو آموزوں کو راہ اسلام کی تعلیم میں برسرِ اعلان جو اشارہ فرماتے وہ مزید براں جو مسلمان شرفِ اسلام سے مشرف ہوتا تھا پہلے نماز اور نماز کے شرائط میں وضو سے کہ پہلے شرط نماز کی ہے تلقین پاتا تھا۔ لیکن کسی شخص نے کسی طریق پر پاؤں کا مسح آپ سے روایت نہیں کیا سوا پاؤں دھوتے کے۔ چنانچہ شیعہ بھی اس کے مقر ہیں کہ آپ سے پاؤں کا دھونا ہی مروی ہے۔ غرض منتہا ان کے سخن کی یہ ہے کہ ہم کو جو صحیح روایتیں اماموں سے پہنچی ہیں یہی ہیں کہ آنحضرت صلعم مسح کرتے تھے، لیکن اہل سنت جو اُن اماموں سے روایت پاؤں دھونے کی کرتے ہیں ایسی روایتیں اماموں کی ہم تقیہ جانتے ہیں۔ اب اہل سنت کہتے ہیں کہ امامیہ کی بھی صحیح کتابوں سے ایسے موقعوں پر جہاں مطلق گنجائش اور ضرورت تقیے کی نہیں اماموں سے روایتیں ناطق پاؤں دھونے کی ثابت ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ روایت پاؤں دھونے کی بالاتفاق ہے اور مسح میں اختلاف۔ کہ بعض لوگ شیعہ کے روایت کرتے ہیں بعض نہیں کرتے۔ اور سب باتفاق فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی جھگڑوں سے جدا جانتے ہیں سو یہاں کسی نے روایت مسح کی نہیں کی بمعانی قرآن شریف کے وہ بھی آنحضرت صلعم سے زیادہ سمجھنے والا کون! پس معلوم ہوا کہ جو کچھ قرآن مجید سے ہم سمجھتے ہیں مطابق سمجھ آنحضرتؐ کے ہے۔ لاجرم یہ طعن شیعہ کا اُلٹا شیعہ پر جاتا ہے۔ اور مخالفت قرآن کی موافق سمجھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شیعہ پر لازم آتی ہے مَنْ حَفَرَ بِئْرًا لِاَخِيْهِ فَقَدْ وَقَعَ فِيْهِ یعنی جو کسی کے واسطے کنواں کھودتا ہے خود اُس میں گرتا ہے۔ بڑے تعجب کی تو یہ بات ہے کہ بڑے بڑے علماء ان کی روایتیں پاؤں دھونے کی اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں لیکن کچھ جواب اور عذر اپنے راویوں کی طرف سے بیان نہیں کرتے کہ کیوں ایسی روایتیں نقل کیں ہیں۔ ہم ان کی طرف سے ایک عمدہ عذر بیان کریں کہ "دروغ گو کو حافظہ نہیں ہوتا"۔ جھوٹی باتیں گڑھنے کے خیال میں اگلی پچھلی باتوں کا دھیان نہیں رہتا کہ کیا ... کہہ چکا ہوں، اور کیا کہتا ہوں۔ جیسا کہ کہا ہے اَلنِّسْيَانُ عُذْرٌ شَرْعِيٌّ بِالْاِجْمَاعِ یعنی بھول بالاتفاق ایک عذرِ شرعی ہے۔

اب آئندہ پاؤں دھونے کی روایتیں مذکور ہیں رَوَى الْعَيَّاشِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ حَمْزَةَ قَالَ سَئَلْتُ اَبَا اِبْرَاهِيْمَ عَنِ الْقَدَمَيْنِ فَقَالَ تُغْسَلَانِ غَسْلًا وَرَوَى مُحَمَّدُ بْنُ النُّعْمَانِ عَنْ اَبِيْ بَصِيْرٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اِذَا نَسِيْتَ مَسْحَ رَأْسِكَ حَتّٰى تَغْسِلَ رِجْلَيْكَ فَامْسَحْ رَأْسَكَ ثُمَّ اغْسِلْ رِجْلَيْكَ پہلی روایت کا یہ ترجمہ ہے کہ "عیاشی علی بن ابی حمزہ سے بیان کرتا ہے کہ میں نے پوچھا ابو ابراہیم سے حکم پاؤں کا، فرمایا دھونا چاہیئے جیسا حق دھونے کا ہے"۔ دوسری روایت کے معنی "ہر گاہ کہ تو مسح سر کا بھول جائے یہاں تک کہ پاؤں دھوئے پس مسح کر سر کا اور پھر اپنے پاؤں بھی دھولے" اس حدیث کو کلینی اور ابو جعفر طوسی نے بھی صحیح سندوں سے روایت کیا ہے امکان ضعف اور احتمال تقیہ کا کسی طرح نہیں۔ اس لئے کہ اماموں نے جن سے خطاب کیا ہے دونوں شیعے مخلص تھے پھر تقیہ کیوں کرتے۔

وَرَوَى مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الصَّفَّارُ عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ جَلَسْتُ اَتَوَضَّأُ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا غَسَلْتُ قَدَمَيَّ قَالَ يَا عَلِيُّ خَلِّلْ بَيْنَ الْاَصَابِعِ۔ ترجمہ:۔ فرمایا جناب امیرؓ نے کہ میں بیٹھا وضو کرتا تھا کہ رسول اللہ صلعم آگئے جب میں نے اپنے پاؤں دھوئے تو فرمایا اے علیؓ! اپنی انگلیوں میں خلال کر۔ علاوہ ان کے اور حدیثیں بھی ان کی صحیح کتابوں میں موجود ہیں۔ اس حدیث سے دو فائدے معلوم ہوئے ایک یہ کہ شیعہ کو چاہیئے کہ موافق قاعدے اصول کے غسل و مسح دونوں کو جائز کہیں نہ یہ کہ مسح پر اکتفا کر کے بیٹھ رہیں۔ دوسرا یہ کہ اگر اہل سنت از روئے احتیاط مسح اور غسل سے غسل کو جس کی سند فریقین سے بالاتفاق ہے اختیار کریں اور مسح کو جس میں اختلاف سند کا ہے چھوڑ دیں تو موردِ طعن و تشنیع نہیں ہوں گے۔ خصوصًا نہج البلاغۃ میں شریف رضی جناب امیرؓ سے نقل و حکایتیں وضو کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لایا ہے اُن میں پاؤں کا دھونا مذکور ہے اور تمام صحابہؓ نے آنحضرت صلعم کے وضو کی کیفیت میں سوا پاؤں دھونے کے کچھ نقل نہیں کیا ہے۔ اور عباد بن تمیم نے جو اپنے چچا سے بعض روایتیں ضعیف نقل کی ہیں کہ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰى قَدَمَيْهِ یعنی وضو کیا اور پاؤں پر مسح کیا، اس میں

کئی علتیں ہیں فقط ایک شخص تنہا کا راوی ہونا اور مخالفت جمہور راویوں کی اور نیز یہ شبہ کہ شاید آپ موزے پہنے ہوں بیننده نے دور سے دیکھا ہو یا برعایت مجاز مسح کہا ہو۔

اور جو جناب امیرؓ سے روایت ہے کہ مَسَحَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ عَلٰى رَأْسِهِ وَرِجْلَيْهِ وَشَرِبَ فَضْلَ طَهُوْرِهٖ قَائِمًا وَقَالَ اِنَّ النَّاسَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّ الشُّرْبَ قَائِمًا لَا يَجُوْزُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ وَهٰذَا وُضُوْءُ مَنْ لَمْ يُحْدِثْ ترجمہ، مسح کیا آپ نے منہ اور ہاتھ کا اور مسح کیا آپ نے سر پر اور پاؤں پر پھر پسماندہ وضو کا کھڑے ہو کر پیا۔ اور کہا کہ لوگ ضرور یہ بات کہتے ہیں کہ کھڑے کھڑے پانی پینا جائز نہیں ہے حالانکہ میں نے رسول اللہؐ کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے جیسا کہ میں نے کیا، انتہی۔ باقی ترجمہ، کہ یہ وضو اُس شخص کا ہے جس کا وضو شکستہ نہیں ہوا ہے، روایت سے علیحدہ ہے پس یہ حدیث شیعہ کے واسطے دستاویز نہیں ہو سکتی اس لئے کہ کلام تو محدث وضو میں ہے۔ اور فقط طہارت اطراف یعنی ہاتھ وغیرہ کی مسح سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اول دلیل اس پر یہ کہ مسح منہ اور ہاتھوں کا بھی اس روایت میں ہے جن کے مسح کے شیعہ بھی قائل نہیں۔ بعض اس فرقے سے یہ بات زبردستی ٹھہراتے ہیں کہ مسح مذہب ایک گروہ کا تھا صحابہؓ سے جیسے عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود اور ابوذر اور انس بن مالکؓ سب ان کا افترا ہے۔ کوئی نہیں کہتا بطریق صحیح کہ مسح تجویز کیا ہو کسی نے۔ ہاں ابن عباس بطریق تعجب اور شبہے کے یہ کہا کرتے تھے لَا نَجِدُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ اِلَّا الْمَسْحَ وَلٰكِنَّهُمْ ... اَبَوْا اِلَّا الْغُسْلَ یعنی میں کتاب اللہ میں سوا مسح کے کچھ نہیں پاتا لیکن اہل اسلام غسل قبول کرتے ہیں حسب قرأت اپنے یعنی خود ابن عباسؓ کے کہ جر پر تھے اَعْنِيْ اَرْجُلِكُمْ ظاہر کتاب مسح کو قبول کرتی ہے لیکن پیغمبرؐ اور اصحابؓ کسی سے کبھی عمل میں نہیں آیا سب نے غسل کیا ہے۔ پس یہ قول ابن عباسؓ کا دلیل صریح ہے اس بات پر کہ قرأت جر کی تاویل کی ہوئی اور ترک کی ہوئی ظاہر کی ہے بلحاظ عمل رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ کے۔

ابو العالیہ اور عکرمہ و شعبی سے جو روایت جواز مسح کی کرتے ہیں یہ بھی بہتان و افترا ہے۔ ایسی ہی نسبت حسن بصری کے کہتے ہیں کہ وہ جمع تین کہتے تھے بَيْنَ الْغُسْلِ وَالْمَسْحِ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ النَّاصِرِ مِنَ الزَّيْدِيَّةِ یعنی درمیان غسل و مسح کے وہ جیسا کہ مذہب ناصر کا ہے زیدیہ سے، یہ سب بھی تہمت فریب ہے۔ ایسا ہی کہتے ہیں محمد بن جریر طبری قائل تخییر کا ہے درمیان مسح اور غسل کے یعنی مسح کو غسل سے بہتر جانتا ہے۔ یہ بھی جھوٹ شیعوں کی جھوٹے کاذب راویوں نے اپنی طرف سے جوڑ جوڑ کر یہ جھوٹ پھیلایا ہے اور بعض اہل سنت بھی کہ اخبار صحیح و سقیم میں تمیز نہیں کرتے اور بے تحقیق و بے سند نقل کرتے ہیں طحاوی کہ بہت بڑا عالم سنت و جماعت کا ہے باحادیث صحابہؓ اور تابعین کے روایت کرتے ہیں عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ سُلَيْمَانَ اَنَّهٗ قَالَ

قُلْتُ لِعَطَاءٍ اَبَلَغَكَ عَنْ اَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّهٗ مَسَحَ عَلَى الْقَدَمَيْنِ قَالَ لَا۔ روایت ہے عبدالملک بن سلیمان سے کہ بیشک اُس نے کہا کہ میں نے عطار سے پوچھا کہ کیا صحابہؓ سے کوئی تجھ کو ملا جو پاؤں کا مسح کرتا ہو۔ کہا نہیں اور خبردار ہونا چاہیئے محمد بن جریر طبری دو آدمی ہیں ایک محمد جریر بن رستم آملی شیعی ہے صاحب کتاب لا یصلح للمسترشد در امامت۔ دوم محمد بن جریر بن غالب طبری ابو جعفر صاحب تفسیر و تاریخ کبیر کا اہل سنت سے ہے اُس نے اپنی تفسیر میں سوا غسل کے کچھ ذکر نہیں کیا۔

حاصلِ کلام اگر قرآن کی اعرابی توجیہ (یعنے فتحہ ضمہ کسرہ) کی کوئی مخالفت کرے تو کوئی عاقل اُس کو مخالف قرآن کا نہیں کہہ سکتا ہے بیشک مخالفت قرآن کی وہ ہے کہ اُس کے الفاظ و کلمات کا انکار کرے جیسے شیعہ کہتے ہیں اِلَى الْمَرَافِقِ لفظ قرآن نہیں مِنَ الْمَرَافِقِ ہے اور اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ لفظِ قرآن نہیں ہے بلکہ اَئِمَّةٌ هِيَ اَزْكٰى مِنْ اَئِمَّتِكُمْ۔ ترجمہ پہلی آیت کا جو قرآنی ہے یہ کہ ہوئی وہ ایک اُمت جو سب اُمتوں سے بڑھ کر ہے۔ ترجمہ عبارت شیعہ کا یہ کہ ہوتے اماموں میں وہ کہ پاکیزہ تر ہے اماموں تمہارے سے ایسے ہی حکم قرآن کا انکار کرنا اور بے دلیل کسی حکم کو اُس کے خاص کر لینا یہ مخالفت قرآن کی ہے جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں کہ باپ کے ترکہ میں تلوار، قرآن، انگوٹھی، پوشاک پوشیدنی اُس کی مخصوص بڑے بیٹے کے واسطے ہے اگر اُس نے سوائے ان کے اور مال بھی چھوڑا تو ان چیزوں کو بڑا بیٹا مُفت لے لے۔ سوا اس کے جورو کو وارث خاوند کا نہیں سمجھتے، زمین و جاگیر اور مکان اور جانوروں اور سلاح و باغات میں۔ حالانکہ قرآن مجید اس پر حکم قطعی کر رہا ہے کہ جو وارث ہیں جملہ ترکہ کے بقدر حصص کے ہیں کوئی چیز کسی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ چنانچہ ابن مطہر حلی نے اس بات کا اقرار کیا ایسے ہی آیات مدح مہاجرین و انصار کو یہ کہنا کہ یہ مدح ایک زمانِ معین کے واسطے اور نیز اشخاص معین کے حق میں تھی نہ کُل کے حق میں مخالفت قرآن کی ہے، کہ اللہ تعالیٰ اِس سے ہم کو بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے۔

کید ہفتم یہ ہے، کہتے ہیں کہ اہل سنت نے مذہب میں مخالفت حدیث کی ہے کہ متعہ کو حرام جانتے ہیں عمر بن الخطابؓ کے کہنے سے اور نمازِ چاشت کو بھی حرام کہتے ہیں بقول عائشہؓ کہ مَا صَلَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی نہیں پڑھا اُس کو رسول اللہؐ نے، حالانکہ متعہ مباح تھا زمانۂ پیغمبر صلعم میں اور نمازِ چاشت آپؐ پڑھتے تھے جیسا کہ ائمہ سے منقول ہے۔ جواب اس کا یہ کہ اہل سنت کب کہتے ہیں کہ متعہ مطلق حرام ہے بلکہ ابتدائے اسلام میں اور قبل حرام ٹھہرنے سے اول بعض لڑائیوں میں بنظرِ ضرورت مباح تھا اس کون انکار کرتا ہے ہاں ہمیشہ مباح رہنے کا انکار ہے اس لئے کہ نہی اُس سے اور حرام ٹھہرانا اُس کا جو مؤید نہی کا ہے اہل سنت کو بطریق صحیح ثابت ہوا، عمر بن الخطابؓ کو تو مروج اور مؤکد اُس کا یعنی نہی کا جانتے ہیں۔ علیٰ ہذا

نمازِ چاشت کو بھی مسنون جانتے ہیں۔ مسند میں امام احمد بن حنبل سے بطریق صحیح اور کتاب الدعا میں طبرانی کی ابن عباسؓ سے روایت صحیح ہے کہ یہ فرماتے تھے اُمِرْتُ بِصَلٰوۃِ الضُّحٰی یعنی حکم کیا گیا ہوں میں واسطے نمازِ چاشت کے۔ اور صحیح مسلم اور مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں معاذہ عدویہ سے روایت ہے سَأَلْتُ عَائِشَۃَ کَمْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ صَلٰوۃَ الضُّحٰی فَقَالَتْ اَرْبَعَ وَیَزِیْدُ مَاشَاءَ یعنے پوچھا میں نے عائشہؓ سے کہ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز میں۔ تو کہا عائشہؓ نے چار اور جو چاہا چار پر بڑھا بھی لیا۔ اس صورت میں طعن انکار نمازِ چاشت کی اہل سنت پر محض بہتان اور بناوٹ ہے۔ اب ہم یہ پوچھتے ہیں کہ روایت نفی کی عائشہؓ سے ان کے نزدیک ہمیشہ کی نفی پر محمول ہے یا نفی جماعت پر کہ نمازِ چاشت کے لئے مسجدوں میں جمع ہوتے تھے اور یہ بات بھی اسی وقت میں رائج ہوئی تھی جس وقت میں کہ انکار عائشہؓ کا رائج ہوا تھا۔ یعنی عائشہؓ کا مطلب یہ تھا کہ اس ہیئت واجتماع کے ساتھ حضرتؐ نہیں پڑھتے تھے۔ اور حال متعہ کا انشاء اللہ تعالیٰ اپنے موقع پر آئے گا۔ الحاصل بعضے روایتوں کو بعضے روایتوں پر ترجیح دینے کو مخالفت قرار دینا عقل سے نہایت دور سراسر تعصب سے نزدیک ہے۔ بیشک مخالفت حدیث کی وہ ہے کہ شیعہ ترک جمعہ اور جماعت اور طہارت ودی ومذی میں کرتے ہیں کہ یہ دونوں پاک ہیں یا ان کے نکلنے سے وضو کا نہ ٹوٹنا۔ اور طہارت پیشاب کی تین بار قضیب جھاڑ دینے سے اور جائز ہونا نماز کا باوجود خروج ودی ومذی بلکہ سیلان اس کے اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض ان مسائل سے انشاء اللہ تعالیٰ باب فروع میں بیان کئے جائیں گے۔

❋ کید دہم ۱۰ یہ ہے کہتے ہیں کہ اہل سنت اپنے آپ کو شارع جانتے ہیں جن چیزوں کا حکم خدا نے نہیں دیا ہے اپنی عقل سے اس کو مشروع بناتے ہیں یعنی اپنے قیاس کو ہم دلیل حکم شرع کا جانتے ہیں اور اس قیاس سے احکام ثابت کرتے ہیں۔ شیعہ اگرچہ یہ طعن اہل سنت پر کرتے ہیں لیکن درحقیقت اہل بیت کی طرف رجوع ہوتا ہے اس لئے کہ زیدیہ اور اہل سنت ہر ایک قیاس کو اہل سنت سے روایت کرتے ہیں بلکہ طریق قیاس کا انہی حضرات سے سیکھا ہے۔ امامیہ میں سے ابو النصر ہبۃ اللہ بن حسین نے جو روایات قیاس کو اہل بیت سے صحیح کیا ہے اسی قیاس کے سبب سے قائل ہوا ہے اور اتباع اس کے بھی اسی طرف گئے ہیں چنانچہ جمہور اثنا عشریہ مقام طعن میں اس کو اور اس کے اتباع کو ثلاثہ عشریہ کہتے ہیں۔ اور عجب یہ کہ روایات قیاس کتب صحیحہ اثنا عشریہ میں بطریق صحیحہ موجود ہیں مِنْ ذٰلِکَ مَا رَوٰی اَبُوْ جَعْفَرٍ الطُّوْسِیُّ فِی التَّھْذِیْبِ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیٍّ الْبَاقِرِ قَالَ: جَمَعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا تَقُوْلُوْنَ فِی الرَّجُلِ یَاْتِیْ اَھْلَہٗ وَلَا یُنْزِلُ فَقَالَتِ الْاَنْصَارُ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ وَقَالَ الْمُھَاجِرُوْنَ اِذَا الْتَقَی الْخِتَانَانِ وَجَبَ الْغُسْلُ

فَقَالَ عُمَرُ لِعَلِیٍّ مَا تَقُوْلُ یَا اَبَا الْحَسَنِ فَقَالَ اَتُوْجِبُوْنَ عَلَیْہِ الْجَلْدَ وَلَا تُوْجِبُوْنَ عَلَیْہِ صَاعًا مِّنْ مَّاءٍ بیشک جمع کئے عمرؓ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کہا کیا کہتے ہو تم اس شخص کے حق میں کہ اپنی عورت سے قریب ہوا لیکن انزال نہیں ہوا۔ پس انصار نے کہا کہ آب غسل کا آب منی سے لازم آتا ہے اور مہاجرین نے کہا کہ جب دونوں موقع ختنوں کے مل گئے تو غسل واجب ہوا۔ پھر عمرؓ نے علیؓ سے کہا کہ اے ابوالحسنؓ تم کیا کہتے ہو؟ کہا آیا کوڑے مارنا تو اس پر تم واجب کرتے ہو اور ایک پیمانہ پانی نہیں واجب کرتے۔ پس یہاں صریح قیاس غسل کا ہے دانشمندوں کی حد کے موافق۔ شیعہ اس قیاس سے جواب دیتے ہیں کہ یہ قیاس نہیں ہے استدلال اولویۃ کا ہے کہ اس کو عرف حنفیہ میں دلالۃ النص کہتے ہیں مثل دلالت لَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ کے حرمت ضرب ماں باپ پر جس کے سمجھنے میں مجتہد اور غیر مجتہد دونوں برابر ہیں۔ پس حاصل تقریر شیعہ کا یہ ہے کہ جب مجامعت بلا انزال کی تاثیر ثابت ہوئی اقوی مشقتین میں کہ موقع حد کا ہے اضعف مشقتین میں کہ غسل ہے بطریق اولیٰ تاثیر کرے گی، اور اس تقریر میں جو خبط ہے وہ ظاہر ہے اس لئے کہ سحق یعنے رگڑنا موجب تعزیر کا ہے نزدیک اہل سنت کے اور موجب حد کا نزدیک امامیہ کے اور موجب غسل کا نہیں ہے بالاجماع۔ اور لواطت اگر بطریق ایقاب (یعنے دخول) ہو نزدیک بعض اہل سنت اور امامیہ کے حد واجب کرتی ہے اور سوا ان کے اوروں کے نزدیک تعزیر ہے مگر اس پر غسل واجب نہیں ہے امامیہ کے نزدیک۔ اور مباشرت فاحشہ اجنبیہ کے ساتھ واجب التعزیر ہے واجب الغسل نہیں بالاتفاق اور شارح مبادی الاصول یعنے حلی نے باوصف فرط تشیع اقرار کیا ہے کہ زمانہ صحابہؓ میں قیاس جاری تھا۔ اور اجازت باقرؒ اور صادقؒ اور زید شہیدؒ کی ابوحنیفہؒ کو واسطے قیاس کے منقول ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اور دلائل جائز ہونے قیاس اور باطل کرنے اقوال منکرین قیاس کے کتب اصول اہل سنت میں دیکھنے چاہئیں۔

❋ کید یازدہم ۱۱ یہ کہتے ہیں کہ مذہب اثنا عشریہ کا حق ہے اور مذہب اہل سنت کا باطل، اس لئے کہ اثنا عشریہ اکثر اوقات اور اکثر شہروں میں قلیل و ذلیل رہے ہیں اور اہل سنت کثیر و عزیز اور خدا تعالیٰ حق والوں کے حق میں کہتا ہے وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ ونیز فرماتا ہے وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ۔ اس تقریر میں کیسے کلام الٰہی کے معنی بدلے ہیں اور غلطی میں ڈالے ہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے اصحاب الیمین کے حق میں جن کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ہوگا یہ آیت فرمائی ہے ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّۃٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ یعنے انبوہ ہے پہلوں سے اور انبوہ ہے پچھلوں سے اور جہاں قلت کے ساتھ وصف کیا ہے شکر گزاروں کا کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَھُمْ شٰکِرِیْنَ۔ یعنی شاکر لوگ ان میں بہت نہیں ملیں گے اس لئے کہ

بحقیقۃ شکر جس کی صفت ہے صَرْفُ الْعَبْدِ جَمِیْعَ مَا اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ اِلٰی مَا خُلِقَ لِاَجْلِہٖ ایک مرتبہ نہایت کمیاب وعزیز الوجود ہے۔ ترجمہ: خرچ کرنا بندے کا جملہ اُن چیزوں کو جو اللہ تعالیٰ نے اُس پر انعام کی ہیں اُسی کی طرف جس نے اس کے واسطے پیدا کیں یعنی دی ہیں۔ پھر ایسے لوگ بہت کہاں ہوتے ہیں پس ان دونوں آیتوں قَلِیْلٌ مَّا ھُمْ اور قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ تا آخر میں بیان حق ہونے یا باطل ہونے مذہب کا نہیں ہے قلتِ شاکرین اور کثرتِ غیر شاکرین کا ذکر ہے۔ ایسے ہی آیت قَلِیْلٌ مَّا ھُمْ میں اس بات کا بیان ہے کہ جمیع اعمالِ صالحہ پر عمل کرنے والے بھی کمیاب ہیں۔ چنانچہ فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ یعنے جو لوگ کہ ایمان لائے اور عمل نیک کئے وہ تھوڑے ہیں۔ اس آیت میں بھی ذکر عقائد حق اور غیر حق کا نہیں ہے معہذا اگر قلت و ذلت موجب حق ہونے مذہب کی ہوتی تو چاہیئے کہ نواصب اور خوارج اور زیدیہ اور افطحیہ اور ناؤسیہ کُل امامیہ اور اثنا عشریہ میں بڑے حق والے اور نہایت حق پر یہی ٹھہریں کہ سب میں قلیل و ذلیل ہیں۔ اور حق والوں کی قلت و ذلت کیسی! خدا تعالیٰ نے تو اپنی کتاب عزیز میں جگہ جگہ ظہور غلبہ اور تسلط کا اہل حق کی شان میں وعدہ فرمایا ہے وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّھُمْ لَھُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَھُمُ الْغَالِبُوْنَ یعنے پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں جو رسول ہیں۔ بیشک اُنہی کو مدد ہوئی ہے اور ہمارا لشکر جو ہے بیشک وہی زبر ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ یعنے ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں بعد نصیحت کے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔ اور ایک جگہ فرمایا وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا اِلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ مِنَ الْاٰیَاتِ۔ یعنی وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور کام کئے نیک البتہ پیچھے حاکم کرے گا اُن کو ملک میں جیسے حاکم کیا تھا اُن سے اگلوں کو اور جمادے گا اُن کو دین اُن کا جو پسند کر دیا اُن کو اور دے گا اُن کو اُن کے ڈر کے بدلے امن، اور سوا ان آیتوں کے حدیثوں میں جا بجا واسطے پیروی سواد اعظم اُمت اور موافقت باجماعت کی تاکید فرمائی ہے۔

اور مجاہدین کی قرآن و حدیثوں میں تعریف کی ہے اور کہا ہے لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَالَفَھُمْ یعنے ہمیشہ قائم رہے گا میری امت سے ایک فرقہ حکم خدا پر کہ زیان نہیں دے سکے گا ان کو جو کوئی کہ مخالف ان کا ہوگا۔ تمام اہل تاریخ اس بات پر متفق ہیں کہ شیعہ میں سے کبھی کسی نے جہاد پر کمر نہیں باندھی، نہ کسی ملک و جانب کو کفار سے اپنے قبضے میں لاکر دار الاسلام بنایا اگر کبھی

ریاست ناحیت مثل مصر و شام کے ہاتھ بھی آئی ہے تو کفار فرنگ سے مل کر اور دین عوض دنیا کے بیچ کر البتہ دار الاسلام کو دار الکفر کیا ہے اسی سبب سے جس ملک میں کہ اس مذہب بد کا رواج نہیں ہونے پایا ہے ہمیشہ وہاں کے لوگ غالب اور ذی شوکت اور ذی عزت رہے ہیں۔ چنانچہ توران و ترکستان اور روم اور ہند قبل ان کے خلط ملط ہونے سے کہ یہاں کے سلاطین نے بھی بکمال شوکت و عزت سلطنت کی ہے۔ اور جس وقت کسی ملک میں رواج تشیع کا ہوا فتنہ اور فساد اور ذلت و خواری اور نفاق جو خمیر زوالِ دولت کا ہے فوج در فوج آسمان سے برسنے لگا اور کبھی درستی و صلاح نہ پائی۔ دیکھو حالت ایران اور دکن اور ہندوستان کی اور حالتِ عرب اور شام اور روم اور توران کی اور دونوں کو آپس میں تو لو۔ اکثر یہ بھی تجربہ ہو چکا ہے کہ جہاں تسلطِ شیعہ کا اتفاق پڑا ہے غلبہ کفار کا بھی ضرور اُس کے پیچھے لگا ہے گویا مقررات سے ہے ان کا تسلط جہاں دیکھے تو ڈرے کہ قریب تسلط کفار کا ہو جاتے گا۔ یہ لوگ کوچک ابدال کفار کے ہیں بنگالہ اور دکن اور پورب اور دہلی اور دہلی کے نواح اور لاہور و پنجاب میں انہی بدکاروں روسیا کی نحوست سے کافر مسلط ہوئے اور سابق میں باعثِ فتنۂ تتار و قتل اہل اسلام انہی قرامطہ اور اسماعیلیہ کا غلبہ ہوا ہے اور اسی غلبہ میں فرقے رافضیوں کے عراقین اور بغداد اور حلہ اور کرخ میں پھیل گئے۔ اور بحکم اِتَّقُوْا فِتْنَۃً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَاصَّۃً یعنے بچو اس فتنے سے کہ تم میں سے خاص ظالموں ہی کو نہیں پہنچتا پس ان کے ساتھ نیک و بد سب کھوئے گئے نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے نفسوں کی بُرائی اور بدی اعمال سے بچائے رکھے۔

❁ **کید دوازدہم** [۱۲] یہ کہ ان کے علماء نے کتابیں اور رسالے بنائے ہیں محض واسطے طعن اہل سنت اور عیب ناحق ان کے بزرگوں یعنے صحابہ کرام اور تابعین عظام کے اور ان کتابوں اور رسالوں میں اپنے قابو بھر جو کچھ بن پڑا ہے افترا اور بہتان اور کذب و دروغ خوب لکھا ہے اور روح مسیلمہ کذاب کو خوش کیا ہے۔ آخر اُس نے بھی تو دعوے نبوت کا کیا تھا پس منجملہ ان لوگوں کے مرتضےٰ ہے اور ابن مطہر حلی اور اس کا بیٹا کہ محقق کرکے مشہور ہے اور محمد بن حسن طوسی اور نواسہ اس کا جو ابن طاؤس کہلاتا ہے اور ابن شہر آشوب سروی مازندرانی مگر سب میں قدم ابن مطہر حلی کا بڑھا ہوا ہے۔ پس جو کوئی اہل سنت کے بزرگوں کے حال سے اچھی طرح واقف نہیں ہوتا ہے ان کے بہتان اور بناوٹیں سن کر بہک جاتا ہے اور بداعتقاد ہو کر ان کے مذہب کی بیہودگیوں کی طرف جھک جاتا ہے۔

❁ **کید سیزدہم** [۱۳] یہ کہتے ہیں کہ عثمانؓ بن عفان بلکہ ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی قرآن کو بدل ڈالا اور بہت آیتیں اور سورتیں کہ احکام و فضائل اہل بیت میں نازل ہوئی تھیں اُن کو قرآن سے گرا دیا اس لئے کہ اُن آیتوں

دسورتوں میں اہل بیت کی اطاعت کا حکم اور ان کی مخالفت سے ممانعت اور اختیار کرنا محبت ان کی اور بیزاری دشمنوں اور مخالفوں سے اور اُن دشمنوں کے نام اور لعن طعن کرنا اُن کو یہ سب باتیں تھیں، شیخین رض اور عثمان رض کو نہایت شاق وگراں ہوئیں۔ اور بعض فضائل اہل بیت کے ایسے مذکور تھے جس سے ان کے حسد کی رگ جنبش میں آئی سب موقوف کردیں۔ از انجملہ ایک یہ ہے وَجَعَلْنَا عَلِيًّا صِهْرَكَ کہ درمیان آیات الم نشرح کے تھا یعنی علی رض کو داماد تیرا ہم نے کیا۔ اور یہ دیکھو کہ صہریت کی نسبت صرف حضرت امیر رض کی طرف نہ عثمان رض کی طرف۔ دوسری سورۃ الولایت ہے کہ بڑی لمبی سورۃ تھی مشعر بعض فضائل اہل بیت اور ائمہ کے کہ ان سے پیدا ہوں گے اور نہایت مدح وثنا ان کی اُس میں مذکور تھی۔ جواب کا اس طعن کے خدا تعالیٰ خود ذمہ دار ہوا ہے جہاں کہ فرمایا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔ یعنے ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ پس جو چیز حمایت ووکالت خدا تعالیٰ میں ہو کسی بشر کا کیا مقدور کہ اُس کو گھٹا بڑھا سکے اگر شیعہ اس بات کے معتقد ہیں کہ شیخین رض اور عثمان رض کا مقدور خدا تعالیٰ کے مقدور سے زیادہ ہے اور ان کو شریکِ غالب کارخانہ خدا کا قرار دیں تو پھر بھی جانیں کہ اپنے مذہب کو جو تحقیر شیخین رض اور عثمان رض کی ہے کہاں لے جاکر پھینکیں گے۔

کید چہاردہم [۱۴] یہ کہ عوام کو فریب دے رکھا ہے ایسی حدیثیں روایت کرکے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف محبت جناب امیر رض اور اُن کی اولاد کی کفایت کرتی ہے نجات کے معاملے میں عذابِ آخرت سے بدون بجالانے طاعات اور بچنے معاصی کے کہ ان کو مقابل محبت کے نجات کے معاملہ میں کچھ دخل نہیں ہے۔ مِنْ ذٰلِكَ مَا رَوَى الْمَعْرُوْفُ عِنْدَهُمْ بِالصَّدُوْقِ اَعْنِيْ ابْنَ بَابَوَيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَغَيْرِهٖ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَا يُعَذِّبُ اللّٰهُ بِالنَّارِ مَنْ وَالٰى عَلِيًّا یعنے روایت کی ایک شخص نے جو اُن میں ملقب بصدوق ہے نہایت سچا کہ وہ ابن بابویہ ہے ابن عباس رض سے اور سوائے اُن کے یہ کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ عذابِ دوزخ میں نہیں پڑے گا جو شخص کہ علی رض کو دوست رکھے گا۔ اور جو کہ نفس عوام اور اہل شہوات کے نہایت فریفتہ اس بات کے ہیں کہ کوئی ہم کو آزاد کردے اور مباح غیر مباح کی قید سے نکال دے کہ داد عیش وآرام کی دیں اور معاصی ومحرمات پر دلیر ہوجائیں ویسے ہی عبادت سے دل چراتے اور جان بچاتے تھے جب یہ بشارت اُن کے دلوں میں جمتی اور راسخ ہوتی ہے پھر کیا ہے بے تامل اُدھر ہی کو جھک پڑتے ہیں۔ حالانکہ صحیح کتابوں سے ان کی منقول اور روایت کی گئی ہے کہ جناب پیغمبر صلعم اور حضرت امیر رض سب کو اور اپنی اولاد اور ذریات کو بار بار فرماتے تھے کہ تم بھروسہ ہمارے نسب کا مت کرنا خدا تعالیٰ کی بندگی وطاعت پر قیام کرو۔ جب حال اہل بیت کا خوف وہراس میں یہ ہے اوروں کو ان کی محبت کے بھروسے پر مرتکب معاصی کا ہونا کب روا ہوگا۔ اور تحقیق یہ ہے کہ محبت حقیقی اہل بیت کی بدون اختیار ان کے چلن کے جو کچھ

طاعت وبندگی اور زہد وتقویٰ میں تھا ممکن نہیں کہ حاصل ہو۔ اور جب محبت حقیقی ان اطہار کی حاصل ہو سب کمالات اُس کے ضمن میں حاصل ہوجاتے ہیں۔ پس کلمہ کہ لَا يُعَذِّبُ اللّٰهُ بِالنَّارِ مَنْ وَالٰى عَلِيًّا صادق اِس بات پر آتا ہے کہ موالات علی رض کی درحقیقت متضمن جمیع کمالات دینی کے ہے نہ یہ بات کہ فقط زبان سے لفظ محبت کا لیا کریں اور قول وفعل میں ہرگز اُن سے مناسبت پیدا نہ کریں اور ان کے دوست اقربا کو بُرا کہیں اور ہر بات میں مخالفت ان کے حکم قطعی کی کریں کہ مصداق اس قطعہ کے ہوں قطعہ تَعْصِي الْاِلٰهَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ ۞ هٰذَا لَعَمْرِيْ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعٌ ۞ لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ ۞ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ ۞ ترجمہ گناہ تو کرتا ہے تو خدا کا اور ظاہر کرتا ہے اُس کی محبت، یہ قصہ قسم ہے مجھ کو اپنی جان کی قیاس میں عجیب ہے۔ اس لئے کہ اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تُو اطاعت کرتا، دیکھ جو جس کو دوست رکھتا ہے اُسی کا مطیع بھی ہوتا ہے۔

کید پانزدہم [۱۵] توریت سے نقل کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اُس میں فرمایا ہے کہ ہم نے بارہ گاؤں مقرر کئے ہیں تاکہ اُن میں اس کے خلفا، بعد اُس کے رہیں۔ اول ایلیا دوم فتیرار۔ سوم ابرائیل۔ چہارم مشعوب۔ پنجم مشہور۔ ششم مسموط۔ ہفتم ذومرا۔ ہشتم اہراو۔ نہم تمور۔ دہم نسطور۔ یازدہم نوقس۔ دوازدہم قدیموتیا۔ اور حالانکہ توریت کے بالکل چار نسخے ہیں۔ نسخہ فراسین اور نسخہ ربانین اور نسخہ نصاریٰ کہ اُنھوں نے عبرانی سے اپنی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ اور نسخہ سامرین کہ یہ سب میں زیادہ ہے سو چاروں نسخے چاروں فریق کے پاس موجود کسی نسخے میں کچھ پتا اس جھوٹی بناوٹ کا نہیں ہے۔ اور طرفہ یہ کہ ایک عالم نے انہی شیعہ کے علماء سے ایک کتاب لکھی ہے اُس میں ایک قصہ جھوٹا یہ بھی جوڑا ہے کہ مجھ کو اس نص توریتی کی تحقیق کا نہایت شوق ہوا بہت طور وطرح میں نے کتاب والوں سے پیدا کیں اصلا پتہ نہ بتایا آخر ایک عالم کتابی سے سراغ اس کا لگا کہ نام اُس عالم کا لکھ کر بڑی شرح اور بسط کلام میں کی ہے اول تو روایت اس شیعی کی محل تہمت دوسرے اہل کتابیں ایسا فرقہ ہے کہ بالکل بغض وعداوت مسلمانوں کا ان کا شیوہ ہے اور پھوٹ ڈال دینا فرقۂ اسلام میں اور بغض وعناد پیدا کردینا فیمابین اُن کے ہمیشہ مُراد اور عین مُدعا اُن کا۔ پھر وہ عالم کتابی اس احمق کو کیوں نہ بہکاتا کہ قرآن وحدیث اپنے دین کی چھوڑ کر کتب محرفہ منسوخہ کے احکام کی طرف رجوع ہوا اور گمراہی میں پڑا۔ خیال کیا جائے کہ ابتداء مذہب شیعہ کی طفیل اغوا اور فریب اہل کتاب یعنی عبداللہ بن سبا یہودی صنعانی کے ہوئی کہ وہ بھی اہل کتاب سے تھا اگر دوسرا شخص کوئی ان سے اپنے بزرگوں کے درخت لگائے ہوئے کو سینچے اور تازہ کرے تو کیا برائی اس کی سمجھی جائے۔ شعر این سخن را چوں تو مبدا بودہ ۞ گر بیفزاید تو اش افزودہ ۞ اور بالفرض اگر اس نص کو تسلیم بھی کیا جائے تو سوائے عدد بارہ کے کچھ مطلب شیعہ کا بھی اس سے نہیں نکلتا اس لئے کہ نہ تو اس نص میں تعین اُن اشخاص خلفاء کا ہے نہ صراحت اس کی کہ وہ اہل بیت سے ہوں گے نہ کوئی لوازم امامت کے صرف اسماء عبرانیہ مجہولۃ اللفظ

والمعنی جو چاہو ترجمہ اس کا کرلو۔ آن کی طرح اگر یہ نص نواصب کے ہاتھ آتے تو وہ ان اسمار کو یزید و مروان اور حجاج و ولید پر چپکائیں تو بھی ممکن ہے۔ آور تعجب آتا ہے ان کے علمار سے کہ ان خیالات سے اپنے آپ کو خوش کرتے ہیں اور جوز (اخروٹ) و مویز (انگور) شیطانی پر لڑکوں کی طرح بہلاتے ہیں اور نہایت مضبوط دلیلِ حق اپنے مذہب کی جانتے ہیں مَن یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَالَہٗ مِنْ ھَادٍ یعنے جس کو اللہ بھٹکائے اُس کو کون راہ بتلائے۔

❁ کیدِ شانزدہم[16] ایک جماعت نے ان کے علمار سے اپنے آپ کو محدث اہل سنت کا بنایا اور علم حدیث میں مشغول ہوئے اور ثقات محدثینِ اہل سنت سے حدیثیں سُننے اور سندیں صحیح یاد کرنے لگے ظاہر میں بڑے متقی و پرہیزگار بنے تو طالبوں کو سچا اعتقاد ان سے ہوا اور علم حدیث ان سے نکالنا شروع کیا۔ اور حدیثیں صحیح اور حسان روایت کیں اور اُنہی روایات میں اُنہی اسنادِ صحیحہ کے ساتھ اپنی موضوعاتِ ساختہ پرداختہ بھی درج کر دیں اور اس کید نے ان کے اکثر خواص اہل سنت کو دھوکہ میں ڈالا عوام کا کیا ٹھکانا۔ اس لئے کہ تمیز احادیث موضوعہ اور صحیحہ میں اُن لوگوں کے سبب سے ہوتی ہے جن سے اُن حدیثوں کی سند ہے اور جب اہلِ سند ان کی دغا و دغل سے ایک ہی ٹھہرے تو تمیز مشکل ہو گئی وہ چیز ہی گم گئی جس سے تمیز کیا جاتا۔ لیکن جو عنایتِ الٰہی شاملِ حال اہل سنت کے تھی اکثر امام اس فن شریف کے بعد تحقیق و تلاش اس دغل کی راہ پا گئے اور خبردار ہو گئے۔ چنانچہ ہنگامِ انکشاف ایک گروہ نے ان سے اقرار وضع کرنے حدیثوں کا کیا اور ایک گروہ نے اقرار صریح تو نہیں مگر نشان اقرار کے اُن پر قائم ہوئے۔ چنانچہ آپ ان کی جمع واجزار اور مصنفات سے دائر و سائر ہو رہی ہیں۔ اکثر تفضیلیہ اور جو لوگ شیعہ بنتے ہیں ان حدیثوں کو سند کرتے ہیں۔ اول وہ شخص کہ موجد اس دغل کا ہوا جابر جعفی ہے کہ بخاری اور مسلم نے تحقیق اُس کے حال کی کرکے احتیاطاً مطلق جملہ روایت کی ہوئی باتیں اس کی درجۂ اعتبار سے گرا کر الگ کر دی ہیں اور ترمذی اور ابو داؤد اور نسائی نے مع متابعات و شواہد کے قبول کریں اور جس میں وہ منفرد ہے رد کر دیں۔ آور ابوالقاسم سعد بن عبداللہ ابن ابی خلف اشعری قمی یہ بھی ان گنوں کا پورا (اُستاد) ہے اس نے ایسا لباس اسنادوں کو پہنایا ہے کہ اکثر ناواقف اہلِ سُنت گمان کرتے ہیں کہ ہمارے اہل اسناد معتبر سے ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نجاشی نے کہ بڑا پرکھیا مردم شیعہ کا ہے اس کو فقیہ اس گروہ کا اور وجہ (یعنی مُکھیا) اس کا قرار دیا ہے۔

❁ کیدِ ہفدہم[17] اہل بیت سے ایسی حدیثیں اور خبریں روایت کرتے ہیں جو مذمت صحابہؓ کو بتائیں۔ آور اہلِ بیت کی شکایت و فریاد کو صحابہؓ کی تعدی کے سبب سے ظاہر کریں۔ آور بعض حدیثیں ایسی کہ صحابہؓ کا دین سے پھر جانا جتائیں، اور یہ بات کہ یہی لوگ چھیننے والے حقوق اہل بیت کے ہیں اور جو حقوق اہلِ بیت کے چھینے گا بروز قیامت اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا ہوگا۔ اور جو ان کے محب ہوں گے وہ بھی ان کے ساتھ دوزخ میں پڑیں گے۔ اور محب اور شیعہ اہل بیت کے

اہلِ بیت کے ساتھ بہشت میں داخل ہوں گے۔ آور اہلِ سنت کی کتابوں میں جو فضیلت محبت اہل بیت اور بُرائی ان سے عداوت و بُغض کی موجود ہے اُن سے مدد اُن حدیث و اخبار کو پہنچاتے ہیں۔ حل اس کید کا یہ ہے کہ بیشک ذُریاتِ پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ یہی اہل بیت ہیں، زمانۂ تابعین اور تبع تابعین میں بدبخت نواصب کے ہاتھ سے ظلم و حقارت اور اہانت میں کچھ کسر نہیں رہی۔ آس وقت میں ائمۂ اہل بیت بعض اوقات نکوہش نواصب کی اُن کے اوصافِ عامہ کے ضمن میں فرماتے تھے۔ اس جماعت کا سینہ کہ بُغض صحابہؓ سے بھرا تھا انہوں نے وہ سب باتیں صحابہؓ پر اُتاریں اور ڈھالیں اور گواہ اس حل کے انشاء اللہ تعالیٰ آخر باب مطاعن میں کُتبِ شیعہ سے نقل کئے جائیں گے۔

❁ کیدِ ہیژدہم[18]۔ حدیثیں مرفوعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وضع کرتے ہیں موافق اپنے مذہب کے اور اُن کو مروج کرتے ہیں اور اکثر موضوعات انکی جو دیکھنے میں آئیں قسم محاکاتُ مجازات سے ہیں۔ بعضے صیغے صحیح حدیثوں میں دیکھ پاتے ہیں بس اُسی طور پر جو مؤید اپنے مذہب کے ہوتے ہیں اُنھیں ادا کرتے ہیں۔ بعض جگہوں میں صیغے ایسے نکالے ہوئے لاتے ہیں کہ مثل اُن کے احادیث صحیحہ میں وارد نہ ہوئے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ انبیا اولوالعزم سب آرزو رکھتے تھے کہ شیعہ علیؓ میں محشور ہوں وغیرہ وغیرہ۔

❁ کیدِ نوزدہم[19] یہ کہ رجال معتبر حدیث کے اہل سنت جو ہیں اُن کے نام و لقب میں غور کرتے ہیں جن کو اپنے رجال کے نام و لقب میں شریک پاتے ہیں اُس اپنے رجال کی حدیث کو اس سُنی کے ساتھ لگا دیتے ہیں جب کہ اتحادِ نام و لقب سے امتیاز دونوں میں حاصل نہیں ہوتا بس سُنی ناواقف اُس کو ایک امام اپنے اماموں سے جانتے ہیں اور اُس کی روایت معتبر گنتے ہیں۔ مثلاً سُدی دو شخص ہیں۔ سُدی کبیر و سُدی صغیر، کبیر معتبرین و ثقات اہل سنت سے ہے۔ صغیر وضاعین اور کذابین سے رافضی غالی۔ اور جیسے ابن قتیبہ یہ بھی دو شخص ہیں۔ ابراہیم ابن قتیبہ رافضی غالی ہے اور عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ اہل سنت میں معدود ہوتا ہے، کتاب المعارف دراصل تصانیف اِسی قتیبہ سُنی سے ہے لیکن اُس رافضی نے بھی اپنی کتاب کا نام معارف رکھا ہے تاکہ اشتباہ حاصل ہووے۔

❁ کیدِ بستم[20] یہ کہ قرآن کے کلمات کو اپنی مرضی کے موافق تفسیر کرتے ہیں چاہے دلالتِ لُغوی و عرفی ہو چاہے نہ ہو۔ اور تفسیر کو اہل بیت سے نسبت کرتے ہیں تاکہ اعتبار بڑھے جیسے لفظ رب کی تفسیر علیؓ کے ساتھ جہاں کہیں ضمیر خطاب کی طرف مضاف ہے کہ اُس ضمیر سے مقصود پیغمبر صلعم ہیں۔ اور تفسیر مؤمن اور مومنین کی شیعہ علیؓ سے جس جگہ واقع ہو، اور کافر اور کافرین سے اہلِ سنت، اور منافق اور منافقین بکبار صحابہؓ۔

❁ کیدِ بست و یکم[21] یہ کہ ایک کتاب بنا کر اُس کو کبرائے اہل سُنت پر لگاتے ہیں۔ اُس میں مطاعن صحابہؓ

اور بطلان مذہب اہلِ سنت درج کرتے ہیں۔ خطبۂ ابتدائی میں وصیت بھید چھپانے اور حفظِ امانت کی کہ ہم نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے یہی عقیدۂ پنہانی ہمارا ہے۔ اور جو کچھ دوسری کتابوں میں ہے وہ محض پردہ داری وزمانہ سازی، جیسے کتاب "سرّ العالمین" کہ اُس کو امام محمد غزالیؒ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس اور بہت کتابیں تصنیف کی ہیں، اور معتبرینِ اہلِ سنت کا ہر ایک میں نام لگا دیا ہے۔ ظاہر ا وہ شخص کہ کسی بزرگ کے کلام سے تو آشنا ہو لیکن مذاقِ سخن میں بھی اس کے اور غیر کے امتیاز و تفرقہ کر سکے کمیاب ہوتا ہے۔ ناچار عوام طالب اس مکر میں غوطہ کھاتے ہیں اور بہت حیران و پریشان ہوتے ہیں۔

کید بست و دوم[۲۲] یہ کہ مطاعن اور باطل کرنے والی باتیں مذہبِ اہلِ سنت کی اُن کتابوں سے جو نہایت کمیاب و نادر ہیں نقل کرتے ہیں حالانکہ اُن میں بھی کسی بات کا پتہ نہیں ہے اس سبب سے کہ وہ کتابیں ہر کسی کے پاس ہر وقت اور ہر جگہ موجود نہیں ہوتیں۔ ان کی پیش کردہ کو دیکھ کر ناظرین شک اور شبہے میں پڑ جاتے ہیں۔ اور دل میں گزرتا ہے کہ اگر یہ نقل صحیح ہے تو اس کی اور روایاتِ دیگر کی اہلِ سنت کے درمیان میں مطابقت کیونکر ہوگی۔ اور حالانکہ یہ بیچارے عبث دردِ سر اُٹھاتے ہیں اور سمجھتے نہیں کہ بالفرض اگر نقلِ صحیح بھی ہو تاہم ہم محتاج مطابقت کے اُس وقت میں ہوں گے کہ دونوں روایتیں شہرت اور صحتِ ماخذ یعنی جہاں سے نکالی گئی ہوں اور صراحت دلالت اور دونوں کے راوی کتنے کتنے ہیں ان سب باتوں میں ایک درجہ پر ہوں۔ اور جب یہ امور اُس نقل مخفی و مستور میں مفقود ہیں مقابل روایات مشہورۃ صحیحۃ الماخذ صریحۃ الدلالۃ کے کیوں کرنا چاہیئے۔ غرض جو کتابیں کہ اُن سے فرقۂ شیعہ الزام اہل سنت میں نقل کرتے ہیں سب اسی قسم سے ہیں کہ کمیاب و نادر الوجود ہوتی ہیں اور بر تقدیر مل بھی جائیں تو التزام صحت جمیع مافیہا کا نہیں کرتے کہ کہیں مصنفین ان کتابوں کی نقل نہ پالیں بلکہ بطریق بیاض رطب و یابس اُس میں جمع کر کے محتاج نظرِ ثانی کا چھوڑ دیا ہے یہ داؤں ان کے ہیں۔ اور بیلی، صاحب کشف الغمہ اور حلی، صاحب الفین اسی قسم کی کتابیں دفتر دفتر نقل کرتے ہیں اور اپنے زعم میں جانتے ہیں کہ گیند میدانِ مناظرہ سے ہم ہی لئے جاتے ہیں۔ اور ابن طاؤس نے بھی اپنے مؤلفات میں خود اسی قسم کی باتیں بھر بھر کر اپنے اعتقاد میں جانتے ہیں کہ اہلِ سنت کو الزام دیا ہے۔

کید بست و سوم[۲۳] یہ کہ ایک شخص کا علمائے زیدیہ اور بعض فرقوں شیعہ غیر امامیہ سے اثنا عشریہ نام رکھیں پہلے تو اُس کے حال میں بہت مبالغہ ظاہر کریں کہ اہل سنت میں یہ بڑا متعصب تھا بلکہ بعضے کہیں کہ اشد نواصب سے تھا۔ پھر اُس سے ایک نقل نقل کریں جس سے بطلان مذہب سُنیوں کا ہووے اور تائید مذہب امامیہ اثنا عشریہ کی تاکہ دیکھنے والا غلطی میں پڑ جائے اور گمان کرے کہ یہ سُنی متعصب ہے اگر یہ روایتیں

صحیح نہ ہوتیں تو باوصف تعصب غیر صحیح کیوں نقل کرتا اور ان پر سکوت کر لیتا۔ جیسے زمخشری صاحب کشاف کہ تفضیلی و معتزلی ہے۔ اور افضل (اخطب) خوارزم کہ زیدی غالی ہے اور ابنِ قتیبہ صاحب معارف کہ رافضی مقرری ہے۔ اور ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغت کہ اس نے تشیع کو اعتزال میں ملایا ہے۔ اور ہشام کلبی مفسر کہ رافضی غالی ہے، ایسا ہی مسعودی صاحب مروج الذہب اور ابو الفرج اصفہانی صاحب کتاب الاغانی، علیٰ ہٰذا القیاس ان جیسے لوگوں کو یہ فرقۂ اہلِ سُنت میں گنتے ہیں اور ان کے منقولات و منقولات سے الزام اہل سنت کا چاہتے ہیں۔

کید بست و چہارم[۲۴] کہتے ہیں کہ اہلِ سُنت دشمن اہلِ بیت کے ہیں۔ بعض احمق وہ حکایتیں جو مؤید اس بات کی ہوں نقل کرتے ہیں پس جاہل اُس کے سُنتے ہی آپے میں نہیں رہتا اور مذہب اہلِ سُنت سے بیزار ہو جاتا ہے۔ اور یہ صریح افترا اور ظاہر بہتان ہے اس لئے کہ تمامی اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ کل اہلِ بیت کی محبت ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض و لازم ہے بلکہ ارکانِ ایمان میں داخل اور تصانیف فضائل اہلِ بیت میں کُل کُل بھی اور فرادیٰ فرادیٰ بھی مشغول رہے ہیں۔ اور مناقب ان کے روایت کئے ہیں ہمیشہ نواصبِ مروانیہ اور عباسیہ کے ساتھ اس مقدمے میں جھگڑے کر کے ایک گروہ ان سے مثل سعید بن جبیر اور نسائی کے شہید ہوئے، اور ایک گروہ نے بہت اذیت و مصیبت اُٹھائی۔ اُس وقت میں یہ شیعہ تقیہ کئے ہوئے گروہ نواصب میں اپنے آپ کو داخل کرتے تھے اور مال و منصب کے لالچ سے کلمہ نواصب کا پڑھتے تھے۔ یہ اہل سنت ہی ہیں کہ ہمیشہ مددگار اہلِ بیت کے رہے اور ہر نماز میں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ اور تمامی اہل بیت سے ہر ایک کے ساتھ سلیم القلب رہتے ہیں کوئی روگ آزار ان کے دل میں نہیں۔ بخلاف ان شیعوں کے کہ ہر امام کے مرتے ہی اُن کے بھائیوں اور عزیزوں کو کافر ٹھہرایا ہے۔ بعض نے اُن کے بیٹوں کو تو امام مانا ہے اور اوروں پر زبان لعن و طعن کی کھولی ہے۔ جمیع اہل بیت کا سوائے اہل سنت کے کوئی محب و مددگار نہیں ہے اور اشارہ حدیث نبوی کا کہ اِنِّیْ تَارِكٌ فِیْكُمُ الثَّقَلَیْنِ كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ یعنے چھوڑتا ہوں میں تم میں دو چیزیں بڑے وزن و وقار والی کہ وہ کتاب اللہ ہے یعنی قرآن مجید اور اولاد اپنی۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ بعض قرآن پر ایمان اور بعض پر کفر فائدہ نہیں بخشتا ہے۔ اسی طرح اعتقاد و محبت بعض اہل بیت کی اور لعن و طعن بعض کی کچھ ثمرہ آخرت میں نہ دے گی، جیسا سارے قرآن پر ایمان لانا چاہیئے ویسا ہی تمام اہلِ بیت کا دوست ہونا چاہیئے۔ اور فضل الٰہی سے سوائے اہل سُنت کے یہ بات کسی کو نصیب نہیں ہوتی کیونکہ نواصب نے جناب امیرؓ اور اُن کی ذریاتِ پاک کی دشمنی میں مایہ بدبختی کا بٹورا۔ اور کل شیعہ نے عداوت اُمہات المومنین عائشہ صدیقہؓ اور حفصہ معظمہؓ اور زبیر بن العوامؓ میں کہ پھوپھی زاد بھائی رسول مقبولؐ کے

ہیں خوب لعنت کی قبا اپنے واسطے تیار کی۔ بعد اس کے کیسانیہ نے انکار امامت حسنینؓ اور مختاریہ نے انکار امامت زین العابدین سے کیا۔ اور امامیہ نے زید شہید کو چھوڑ دیا۔ اور اسمٰعیلیہ نے انکار موسیٰ کاظم سے کیا۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس جیسا مشروحاً اوپر گزرا اور مفصلاً قریب آتاہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ سب ان لوگوں سے ظہور میں آیا۔

❋ **کید بست و پنجم**[۲۵] کہتے ہیں کہ عمرؓ بن خطاب نے گھر خاتونِ جنت کا جس میں حسنینؓ اور جناب امیرؓ اور سادات اور بنی ہاشم جمع تھے پھونک دیا۔ ابوبکرؓ اور تمام صحابہؓ اس پر راضی ہوتے کچھ انکار نہ کیا۔ اور اپنے قبضۂ شمشیر کی ضرب سے ایسا صدمۂ سخت اُن کی کوکھ پر پہنچایا کہ حمل ساقط ہوگیا۔ اور یہ سب ان کے افترا اور اختراع ہیں جن کی کچھ اصل نہیں ان باتوں کو وہی یقین کرتے ہیں جو محض بے بہرہ عقل سے ہیں۔ چنانچہ باب مطاعن میں جو بحث تقیہ کی ذکر کی جائیگی وہاں مفصل بیان کیا جائے گا۔

❋ **کید بست و ششم**[۲۶] کہتے ہیں کہ مذہب شیعہ پیروی کا زیادہ مستحق ہے۔ اس لئے کہ تابع اہل بیت کے ہیں جن کی شان میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔ یعنے نہیں ارادہ کرتاہے اللہ مگر یہ کہ دور کرے تم سے برائیوں اور نجس باتوں کو اے اہل بیت اور پاک کرے تم کو پاک کرنا۔ اور دستاویز ٹھہراتے ہیں اس بات کو کہ شیعہ ان کے اقوال و افعال کے پیرو ہیں جو پاک و طاہر ہیں اور سوائے شیعہ کے سب فرقے تابع غیر اہل بیت کے ہیں اور خلاف قول و فعل اہل بیت کے کرتے ہیں۔ پس شیعوں کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو یقیناً ناجی جانیں اور سوائے شیعوں کے اور سب ڈریں اور اس مضمون کو حدیث سفینہ سے مضبوط کرتے ہیں یعنے مَثَلُ اَهْلِ بَیْتِیْ فِیْكُمْ مِثْلُ سَفِیْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ۔ یعنے میرے اہل بیت مثل کشتی نوحؑ کے ہیں جو کوئی اس پر سوار ہوا نجات پائی جس نے اس سے مخالفت کی ڈوب گیا۔ اس تقریر میں کیسا حق و باطل کو ملاتے ہیں۔ اتباع اہل بیت کا قطعاً موجب نجات ہے لیکن یہ بھی تو دیکھا جائے کہ پیرو اہل بیت کا کونسا فرقہ ہے اور پیرو مغویوں اور مکاروں اور اباسہ کا جو جمع ابلیس کی کون ہے۔ جو اپنے آپ کو دنیا کی غرضوں فاسدہ سے دامن اہل بیت پر تو باندھتے ہیں اور ان کے چال اور چلن سے ایسے دور جیسے دوری دو مشرق کی۔ اگر بحث اس بات میں ہے اور ثبوت اس بات کا کہ شیعہ تابع اہل بیت کے ہیں اس کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔ کہنا اور ہے اور کرنا اور۔ مشرکین مکہ کے اپنے آپ کو پیرو ملت ابراہیمیہ کا کہتے تھے اور مسلمانوں کو مخالف اس کا قرار دے کر صابی و صباۃ ان کو خطاب دیا تھا۔ اور یہود و نصاریٰ نے اپنے آپ کو پیرو موسیٰؑ و عیسیٰؑ کا کہا عبداللہ بن سلام اور نجاشی اور ان کے امثال کو مخالف جانتے تھے نام کسی کا لینا اور اُس کی راہ پر نہ چلنا بڑی رُسوائی اور بے حیائی ہے۔ بہت آزاد ملحد بھی اپنے آپ کو قادریہ

سہروردیہ چشتیہ بتاتے ہیں۔ ایک فرقہ سرننگے بڑے بڑے بالوں والے کہتے ہیں کہ ہم مداریہ ہیں ان کو ان لگاؤ ظاہر کرنے سے کیا حاصل ہوگا بلکہ زیادہ تر فضیحت و رُسوائی اپنے لئے کماتے ہیں۔ افسوس نام ان بزرگوں کا بدنام نہ کرتے تو کوئی رسوم اور طریقے ان بزرگواروں کے بھی ان سے نہ پوچھتا۔ پس ہرگاہ کہ حال یہ ہے لابد اتباع کا مستحق مذہب اہل سنت کا ہے کہ جناب امیرؓ اور سب امام اسی مذہب پر تھے ظاہر بھی باطن بھی اور جو مخالف اس فرقے کا ہوا اُس کو اپنی مجلسوں اور لشکروں سے نکال دیا اور جلا وطن کیا۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کے ساتھ امام وقت بڑی ملاطفات رکھتے تھے اور اجازت درس و فتویٰ کی دیتے تھے بلکہ رؤسائے اہل سنت شاگرد ائمہ اہل بیت کے تھے کہ ان سے اصول مذہب کے نکلے ہیں۔ اور جو اوروں کو بھی موافق اماموں کے جانا اور اماموں نے بھی اُن کے طریقے کو نیک ٹھہرایا ہر ایک سے مقدمات دین کو تحقیق کیا۔ الحاصل اگر فقط لگاؤ اہل بیت کا حقیت مذہب کو کافی ہو تو غلاۃ و کیسانیہ و مختاریہ و اسماعیلیہ و زیدیہ و امامیہ و حمیریہ و قرامطہ اور اور فرقے شیعہ کے سب حق پر ہوں گے۔ کوئی اپنے تعیین اور شخصیت پر فخر و ناز نہیں کرسکتا۔ اور حالانکہ یہ سب فرقے ایک دوسرے کو کافر اور گمراہ ٹھہراتے رہے ہیں۔

❋ **کید بست و ہفتم**[۲۷] یہ کہ ایک جھوٹی نقل لوگوں میں پھیلا دی کہ ایک چھوکری حبشی ہارون رشید کی مجلس میں آئی اور بحث مذاہب کی درمیان میں لائی اور فضیحت اور برائیاں ہر مذہب کی گنانے لگی بس ایک شیعہ مذہب کی تعریف کی اور بدلائل قطعی اس کو ثابت کیا۔ مجلس ہارون رشید کی علمائے اہل سنت سے بھری تھی۔ اُس کنیز نے کسی کی کچھ پروا نہ کی نہ کوئی اہل مجلس اس کو جواب دے سکا۔ حالانکہ اتنے بہت علماء بڑے عمامے اور دراز شملے والے بیٹھے تھے کسی سے ایک دلیل بھی اُس کے دلائل سے قطع نہ ہوسکی جب ہارون رشید نے دیکھا کہ حاضرین مجلس سب عاجز و ساکت ہوئے فحول علماء شہر کو یعنے جو سب علماء میں معزز کہلاتے تھے اُن کو بلایا اور حاضر کیا۔ منجملہ اُن کے قاضی ابو یوسفؒ شاگرد امام اعظمؒ اور امثال اُن کے بھی جمع ہوئے اور مناظرہ کنیز حبشی کا اختیار کیا۔ اُس نے اس دفعہ بھی پھر سب کو ملزم کیا اور چُپ کردیا۔ غرض بتانے اس حکایت سے یہ ہے کہ مذہب تم لوگ اہل سنت کا اس درجہ ضعیف و سُست ہے کہ چھوکریاں حبش کی کہ نہایت کمتر مخلوق سے ہیں عقل و فہم میں، اور بیوقوفی و حماقت میں تمام مردم سے مشہور تر، وہ اس مذہب اہل سنت کو باطل کرتی ہیں۔ اور فحول علماء ان کے اُس کا جواب نہیں دے سکتے۔ لیکن یہ خبر نہیں کہ اس حکایت میں ایک نقصانِ عظیم بڑے بڑے علماء شیعہ کی نسبت عائد ہوتا ہے۔ جنھوں نے برسوں اور عمروں مشق سخن سازی اور تقریر پردازی کی کی ہے اور اس کنیز سیاہ کی عشر عشیر کو نہ پہنچے۔ اس لئے کہ اس مدت دراز میں ان کے کسی شخص نے علماء سے کسی مجلس میں مجالس سے اہل سنت کو الزام نہ دیا بلکہ خود الزام کھایا۔ کیا

اچھا ہوتا کہ رَوِش اس کنیزِ سیاہ کی سیکھتے اور ہمیشہ کی اس خجالت سے چھوٹتے۔ سچ یہی ہے کہ مذہب ان سیہ کاروں کا جو پیدا کیا ہؤا چند احمق بیوقوفوں کا ہے لائق اسی کے ہے کہ جس کی متکلم اور مناظر اور مجتہدہ وہ کنیزِ سیاہ ہوئی۔ اگر فحول علماء اہل سنت اُس کے ہذیانات کے جواب سے عاجز ہوویں بعید نہیں۔ اس لئے کہ جواب فہمِ خطاب پر شرط ہے جب خطاب ہذیانات سے ہے تو پھر جواب کیا بجز اس کے۔ ع جوابِ جاہلاں باشد خموشی۔

✺ **کید بست و ہشتم**[۲۸]۔ بعض ان کے علماء کتاب تصنیف کرتے ہیں جس میں مذہب روافض کو ثابت کرتے ہیں اور سُنّیوں کو باطل اور اُس کے مضمون کو لگاتے ہیں کسی کنیز یا کسی عورت کم عقل کے ساتھ اور مشہور کرتے ہیں کہ سُنّیوں کے علماء نے اس کتاب کو دیکھا اور ردّ اس کا اُن سے نہ ہو سکا۔ کتاب الحسنیہ تالیف شریف مرتضیٰ کی ہے کہ اُس کو ایک کنیز اہلِ بیت نبوی علیہم السّلام سے منسوب کیا ہے۔

✺ **کید بست و نہم**[۲۹] یہ کہ ایک کتاب ایسی ظاہر کرتے ہیں جس میں اپنے مذہب کا ثبوت اور مذہب اہل سنت کا بطلان ہوتا ہے اور اُس کتاب کو کسی کافر ذِمّی سے منسوب کرتے ہیں اور جب اُس کو کھولتے ہیں تو اُس ذمّی موہوم کی زبان سے بیان کرتے ہیں کہ جب میں بالغ ہؤا میں نے تلاش دینِ حق میں بہت رنج اُٹھائے اور گرم و سرد بیشمار چکھے۔ یہاں تک کہ توفیقِ الٰہی نے میرا ہاتھ پکڑ کر دارالاسلام میں پہنچایا۔ میں نے بجُھتہائے قاطعہ دینِ اسلام کو حق جان کر بجان و دل قبول کیا۔ جب اسلام میں داخل ہؤا تو بڑے اختلافات دیکھے، اور باتیں مختلف سُنیں میرے ہوش اُڑ گئے اور گھبرا گیا۔ پھر یہ ہؤا کہ بزورِ دلائل قطعی میں نے جانا کہ اِسلام کے جملہ مذاہب میں مذہب شیعہ کا حق اور واجبی ہے، اور دوسرے مذاہب سب خارج کئے ہوئے اور بدلے ہوئے۔ اور اُنہی دلائل قطعی نورانی سے فحول علماء اہل سنّت کو میں نے الزام دیا کسی کو قدرت باطل کرنے میرے دلائل کی نہ ہوئی۔ پس میرا اعتقاد مذہب شیعہ کی طرف بڑھا۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اُن دلائل کو کتابت میں پھانسوں تاکہ اوروں کا رہنما بنوں۔ چنانچہ اسی طرح سے کتاب یوحنا ابن اسرائیل ذمی کی کہ شریف مرتضیٰ کی تالیف کی ہوئی کتابوں سے ہے کہ اُس نے اُس کو ایک ذمّی موہوم مجہول سے منسوب کیا ہے۔ اور ابتداء اُس کی یوں کی ہے کہ پہلے میں متلاشی حق کا تھا اور ہر فرقہ کی کتابیں بنظر انصاف دیکھیں اور مشکلات ہر مذہب کو اُس مذہب کے علماء معتبر سے تحقیق کیا۔ حق ہونا کسی مذہب کا سوائے مذہب شیعہ کے مجھ پر ثابت نہ ہؤا۔ اور اسی تقریب میں ایک نقل لایا ہے کہ فلاں تاریخ مدرسۂ نظامیہ بغداد میں پہنچا مدرسہ میں ایک محفل دیکھی نہایت بزرگ اور بڑے فحول علماء بغداد کے اُس میں جمع تھے۔ فلانے اور فلانے اور فلانے۔ میں نے اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ایک مرد نصرانی ہوں کہ بنور توفیق الٰہی کے راہ حقیقت اسلام

کی پائی اور بدل و جان راغب اس ملّت کا ہؤا۔ لیکن اہل اسلام میں اختلاف بہت دیکھے اور باتیں ضد ایک دوسرے کی سُنیں۔ برسوں سے اس آرزو میں تھا کہ کسی جگہ جملہ پیشوایانِ مذاہب اسلامیہ کو اکٹھا پاؤں۔ اس وقت وہ سعادت مجھ کو حاصل ہوئی کہ اس محفل عظیم متبرک میں داخل ہؤا۔ اب مجھ پر عنایت فرماؤ اور بدلائل مذہبِ حق میرے دل میں ڈالو۔ پس ہر فرقے نے اہل سنت سے حق کو اپنی طرف گھسیٹا کہ ہم حق پر ہیں۔ اور علماء ہر مذہب کے واسطے ثابت کرنے اپنے مذہب اور باطل کرنے دوسرے مذہب کے آمادہ ہوئے اور لعن وطعن اور گالی اور بُرائی ہر طرف سے خوب ہو کر نوبت ہشت و مُشت کی پہنچی۔ پس میں تو اُٹھا اور کہا اے ناانصافو اکج راہو! مذہبِ حق سوائے ان تمہارے چار مذہب کے ہے کہ اُس کو ترک کیا ہے اور اُس پر نسبت رفض کی کی ہے۔ اور اُس کو حقیر اور اہل اُس مذہب کو ذلیل جانتے ہو۔ پھر تقریریں اسی مذہب کی بہ براہین میں نے شروع کیں۔ کسی نے علماء مذاہبِ اربعہ سے دم نہ مارا سر جھکا لئے۔ لہٰذا میں نے قصد کیا کہ اُن براہین کو کتابت میں ضبط کروں۔ بامّید ثواب روزِ حساب ہدایت گمراہان براہِ صواب لہٰذا اس کتاب کو لکھا۔

اور بڑا تعجب ہے شریف مرتضیٰ سے کہ اس حکایت میں کثرت اختلاف کی نسبت اہل سنت کے ساتھ کی حالانکہ اہل سنت کے اصُول عقائد و اعمال میں کچھ اختلاف نہیں ہے اگر ہے تو فروع میں ہے سو وہ بھی ایسا نہیں کہ ایک دوسرے کی طرف کوئی نسبت کفر و ضلالت کی کرے۔ اس کے ساتھ بھی ان کے یہاں اتفاق بہت ہے اختلاف کم۔ محققین نے جو تلاش کیا ہے تو کُل یہ معلوم ہؤا کہ ہمگی اور تمامی تین سو چند جگہ چاروں مذہب اہل سنت میں فروعی مسئلے ایسے پائے گئے ہیں کہ اُن میں نص صریح موجود نہیں ہے۔ بخلاف شیعہ کے کہ ان کے اصُول میں اختلاف فاحش اور ہر فرقہ اپنے غیر کو کافر و گمراہ ٹھہراتا ہے۔ امامیہ میں اگر ہم دیکھیں تو اثنا عشریہ ہزاروں مسئلوں فروعی میں باہم مختلف ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے کہ نص امام کی اُن پر موجود۔ مثل طہارت و نجاست شراب اور مثل ان مسائل کے جو کوئی ان کی کُتبِ قدیمہ و جدیدہ سے واقف ہے اُس سے یہ بات چھپی نہیں ہے۔ بھلا شریف مرتضیٰ سے جن کا لقب عَلَمُ الہدیٰ اور مجتہد ربانی مبانی اختلاف کے ہیں کب چھپا رہا ہوگا۔ لیکن کیا کریں پردۂ تعصّب و عناد نے اندھا بنا رکھا ہے اور وہ دلائل و براہین کہ بنام نہاد اُس ذمّی کے ہیں اُنہی مضامین لچر پوچ اور پُرانے حیض کے چیتھڑوں کو کہ پھینکے ہوئے نجس اور پلید جگہوں کے ہیں اور یہ اُن کو ایک علق نفیس (خونِ بستہ) جانتا ہے بار بار دھوتا ہے اور ایک خلعتِ فاخرہ شیعوں کے لئے سیتا ہے۔ مگر اہل سنت کے نزدیک سب اَوْهَنُ مِنْ نَسْجِ الْعَنْكَبُوْتِ وَاَسْخَفُ مِنْ وَرَقِ التُّوْتِ ہیں یعنے کڑی کے تار سے کمزور تر اور توت کے پتوں سے کہیں سُست تر جن کو مکتب کے لڑکوں نے رَوند رَوند کر پامال کیا ہے اور ناخن وانگشت سے رگڑا ہے۔

کید سی ام یہ کہ بعض علماء ان کے بڑی کوشش اس بات میں کرتے ہیں کہ اہل سنت کے چاروں مذہب کو باطل کردیں اس طرح سے کہ ایک مذہب کو چھپے چھپے مٹائیں باقی تین کو ظاہر ظہور چنانچہ ایک کتاب نظر سے گزری اس فرقے کے ایک عالم کی لکھی ہوئی کہ اپنے آپ کو اس میں شافعی ٹھہرایا ہے اور ردّ و قدح اور دلائل مذہب ثلٰثہ کی اس میں بنا ڈالی ہے جب بمقام ثبوت مذہب شافعی پہنچا ہے تو وہاں ضعیف دلیلوں اور ردّی قیاسوں کو سند پکڑا ہے۔ اور تاویلات بعیدہ اختیار کرلی ہیں کہ دوسرے اُن دلائل و قیاسات کو تسلیم نہ کریں مثل قیاس طرد اور قیاس شبہ اور قیاس مناسب کہ حنفیوں کے نزدیک معتبر نہیں ہیں۔ پھر مخالف اُس قیاس کے ایک حدیث لاتا ہے اور جواب دیتا ہے کہ یہ حدیث مخالف قیاس کے ہے، حالانکہ جو حدیث مخالف قیاس ہے متروک نظاہر ہے گویا تصنیف اس کتاب کی محض اس واسطے ہے کہ سُنی قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں۔ اور بدیں غرض کہ دلائل مذہب شافعی سے باقی تینوں مذہب کو باطل کرے۔ مذہب شافعی کو ایسے دلائل سے ثابت کرتا ہے کہ ہر ایک سُننے دیکھنے والا ان مذہبوں کی سستی و ضعف پر سُراغ لے جائے اور سب مذہب اہل سُنت کے اُس کی نظر میں لوٹ پوٹ ہوجائیں۔ اور یہ کید ان کا بہت مخفی ہے۔ سُنی علماء دھوکا کھاکر حیران و پریشان ہوجاتے ہیں۔

کید سی و یکم۔ بعض علماء اس فرقے کے کتاب تصنیف کرتے ہیں فقہ میں اور اُس میں وہ باتیں کہ جن سے ردّ و طعن اہل سنت پر واجب ہووے درج کرتے ہیں اور اہل سُنت کے کسی امام کے نام اُس کو منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً مختصر کہ تصنیف تو ایک شیعہ کی ہے امام مالکؒ کا نام لگادیا ہے اور اُس میں لکھ دیا ہے کہ مالک کو اپنے مملوک سے لواطت اور اغلام جائز ہے۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے عام فرمایا ہے وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ یعنے جن کے مالک ہوجائیں تمہارے ہاتھ۔ ایک شخص معتبر نے نقل کی کہ میں نے اسی قسم کی ایک کتاب اصفہان میں دیکھی ہے کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے نام پر ہے اور بُرے بُرے مسئلے اُس میں لکھے ہیں۔ غالباً یہ کید اُن کا یوں چل جاتا ہے کہ ملک مغرب میں مالکی بہت بستے ہیں اُس ملک میں کوئی کتاب امام ابو حنیفہؒ کے نام کی اور ہندوستان اور توران میں کوئی کتاب امام مالکؒ کے نام کی لگاتے ہیں اس لئے کہ ہر مذہب والے کو روایتیں اپنے امام کی اچھی صورت پر معلوم ہیں دوسرے امام کی روایتوں کی چنداں تنقیح و تلاش نہیں کرتا اس لئے احتمال صدق کا اُس کے دل میں جم جاتا ہے۔ پس اس کید میں بھی بڑے بڑے علمائے اہلسنت گرفتار ہوئے جیسے صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ نے متعہ حلال کیا ہے حالانکہ امام مالکؒ متعہ پر حد واجب جانتے ہیں بخلاف امام اعظمؒ۔

کید سی و دوم۔ ایک جماعت نے ان کے عالموں سے اہل سنت کی کتابوں خصوصاً تفسیروں اور تاریخ میں کہ اکثر علماء اور طلباء کے ہر وقت ہاتھوں میں نہیں تھیں بڑی کوشش کی ہے۔ اور نیز بعض کتب احادیث میں جو مشہور نہیں ہیں اور نسخے اُن کتابوں کے متعدد نہیں ملتے نہایت جھوٹی باتیں بنابنا کر جن سے شیعہ کے مذہب کو مدد ملے اور سُنیوں کے مذہب کو باطل کریں لگائی ہیں۔ جیسے قصہ ہبہ فدک کا تفسیر میں داخل کیا ہے۔ اور سیاق اس حدیث کا اس طرح روایت کیا کہ وَلَمَّا نَزَلَتْ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ وَاَعْطَاهَا فَدَكَ۔ ترجمہ: جب یہ آیت نازل ہوئی کہ دے قرابت والے کو حق اُس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ کو بُلایا اور فدک اُن کو دیا۔ لیکن دروغ گو کو حافظہ نہیں ہوتا ہے یہ یاد نہیں رہا کہ یہ آیت تو مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے تھا کہ مسکین و مسافر کے واسطے بھی کوئی چیز وقف کردیتے تو پوری آیت پر پورا عمل میسر ہوتا۔ سو اس کے لفظ اَعْطَاهَا فَدَكَ صریح ہبہ اور ملکیت کو نہیں جتاتا بلکہ اس کی جگہ ان کو وَهَبَهَا وضع کرنا چاہیئے تھا۔ اور مثل اس کے تفسیروں تاریخوں میں کہیں یہاں کہیں وہاں ان کی لگائی ہوئی باتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کید میں بھی اکثر غافل علماء، علمائے اہل سنت سے خبط میں پڑتے اور پریشانی اُٹھاتے ہیں۔ دہلی میں محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں اس فرقہ کے اُمراء میں دو شخص تھے مرتضیٰ خان اور مرید خان کہ اہل سنت کی کتابوں مثل صحاح ستہ اور مشکوٰۃ اور بعض تفسیروں کو خوشخط لکھا کر ان کتابوں میں اپنے مطلب کی حدیثیں کتب امامیہ سے نکال کر داخل کرتے تھے اور ان نسخوں کو مجدول اور مطلّا و مذہب کرکے سہل قیمت پر راہوں میں بیچتے تھے۔ اور اصفہان میں آغا ابراہیم بن علی شاہ نے کہ ایک اُمرائے کبار سلاطین صفویہ سے تھا اسی طرح پر عمل کیا۔ لیکن ان کے اس کید سے کچھ حاصل نہیں ہوا اس لئے کہ کتب مشہورہ اہل سنت کی بسبب کمال شہرت اور کثرت نسخ قابل بدل ڈالنے کے نہیں ہیں اور کتب غیر مشہورہ کا اعتبار نہیں۔ اسی لئے محققین اہل سُنت نے سوائے کتب مشہورہ کے اور سے نقل روایت کو جائز ہی نہیں رکھا ہے۔ البتہ اگر کوئی بات رغبت دلانے کی ہے یا ڈرانے کی تو سوائے اس رغبت دلانے اور ڈرانے کے جملہ باتوں کو کُتب غیر مشہورہ کی حکم صحائف انبیائے پیشین میں گنتے ہیں کہ ان صحائف وغیرہ میں تحریف کا احتمال ہے ان سے کوئی عمل اور عقیدہ لینا اور اختیار کرنا نہیں چاہیئے۔

کید سی و سوم ایک ان لوگوں میں یہ بات ہے کہ نقل میں خیانت کرتے ہیں کہ کتب مشہورہ اہل سُنت سے اپنی تالیفات میں نقل کرتے ہیں اور دو ایک لفظ مد اپنے مدعا کے اُس میں بڑھا دیتے ہیں۔ حالانکہ اُن کتابوں میں جن سے یہ نقل کرتے ہیں اس لفظ بیکار و زائد کا کچھ پتہ اور نشان نہیں ہوتا۔ بعض اہل سنت کو کہ بے غور اُس نقل کو دیکھتے ہیں معہٰذا کہ اصل حدیث یا روایت کو آگے اُس کتاب میں جس سے انہوں نے نقل کی ہے دیکھا ہے اور ان کو یاد بھی ہے لیکن اُس لفظ زائد سے بے خبر ہوکر ورطۂ حیرت میں پڑتے ہیں اور ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ علی بن عیسیٰ اردبیلی کتاب کشف الغمہ میں اس قسم کی جنس بہت رکھتا ہے۔ اور ابن مطہر حلّی الیقین اور منہج الکرامۃ اور نہج الحق میں جو نقل کرتا ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔ خبردار رہنا چاہیئے۔

کیدسی و چہارم ۳۴ یہ کہ کوئی کتاب خلفائے اربعہ کے فضائل میں تالیف کرتے ہیں اور اُس میں صحیح حدیثیں اہلِ سنت کی مع سنن اور مسانید واجزا ومعاجم ان کے لاتے ہیں۔ اور جب نوبت ذکر فضائل جناب امیرؓ کی پہنچتی ہے تو اُس کے ضمن میں ایسی بات کہ خلفائے ثلٰثہؓ کے حق میں قدح ہو بنا کر رکھتے ہیں۔ یا کتب امامیہ سے لاکر داخل کرتے ہیں۔ اور بعض نصوص صریحہ بابت حقیقتِ خلافت جناب امیرؓ یا اس بات کے کہ ان کے ہوتے جو خلافت کرے وہ ایسا اور ایسا ہے درج کرتے ہیں تاکہ سُننے دیکھنے والا غلطی میں پڑ جائے اور فضائل اصحاب ثلٰثہ کو دیکھ کر یقین کرے کہ مصنف اس کا کوئی سُنی پاک عقیدہ ہے۔ اور کہے کہ تصنیفات اہلِ سنت کی بھی خلفائے ثلٰثہؓ کے مذمت کی حدیثوں سے خالی نہیں پس یقین اُس کا بگڑ جائے اور دین میں اُس کے رخنہ پڑے۔ چنانچہ ایک کتاب بڑی اس صفت کی دیکھنے میں آئی کہ اُس کتاب میں اول ہر حدیث کے نام راوی اور اُس کے مخرج کا بھی مرقوم تھا اس سبب سے بعضے بڑے بڑے اجل علمائے حدیث کو تمیز میسر نہ ہوا خلط ملط میں پڑ گئے اور اس شیطنتِ شیطانی کا سراغ نہ پایا۔ صاحبِ ریاض النضرہ فی مناقب العشرہ بھی دھوکہ کھا کر اس قسم کی حدیثیں اپنی کتاب میں جو مجموعات فضائل خلفائے اربعہؓ سے ہے لایا ہے۔ ہاں اُس شخص کو جو فنِ حدیث میں خُوب غور کرنے والا ہے یہ دغا التباس میں نہیں ڈال سکتی کہ صحیح و موضوع میں فرق نہ کر سکے اس لئے کہ صاحبِ سلیقہ کو دیکھتے ہی بسبب رکاکت اور سخافت یعنی بھّے الفاظ اُن موضوعات و مخترعات کی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سب ساختہ پرداختہ شیخ نجدی کا ہے۔

کیدسی و پنجم ۳۵ یہ کہ سابق اہل سنت شیعہ پر بعض مسائل قبیحہ میں طعن کرتے تھے۔ شیعہ کے علما سے ایک جماعت نے تدبیر دفع اُس طعن کی اس صورت پر کی کہ اپنے کتابوں سے اُن مسائل کو محو کرکے پُرانی کتابیں اپنی چھپا ڈالیں اور اُن روایتوں کے مسائل کو اہلِ سنت کے اماموں کے نام لگا دیا کہ یہ مسائل ان کے ہیں جیسے اغلام با غلام مملوک بامام مالکؒ اور ابو حنیفہؒ سے مسئلہ لف حریر یا اور دخواہر اور اس قسم کے جھوٹ بنائے ہوئے مسئلے سید مرتضےٰ اور ابن مطہر حلی اور ابن طاؤس اور پسران مطہر حلی کے بہت نقل کئے ہیں۔ غرض ان کی اپنا حال چھپانے اور آپ سے طعن بچانے کی ہے کہ بعد اس کے اہل سنت اپنے ہی طعن بچانیکی ہم میں پڑ جائیں شیعہ کے پیچھے نہ پڑیں ان کا پیچھا چھوڑ دیں۔

کیدسی و ششم ۳۶ یہ کہ دو ایک بیتیں سُنیوں کے بزرگوں پر لگائیں جن سے صریح ان کا شیعہ ہونا معلوم ہو اور مخالفت اہل سنت کی اور اُسی وزن و قافیہ اور صفت و صنعت کی تراشی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اہل سنت نے واسطے رفع اپنی خفت و خجالت کے ان بیتوں کو حذف اور ساقط کر دیا ہے۔ اور یہ ماجرا اکثر مقبولوں اہل سنت مثل شیخ فرید عطار اور شیخ اوحدی اور شمس تبریزی اور حکیم سنائی اور مولانا روم اور حافظ شیرازی اور حضرت خواجہ قطب الدین دہلوی اور امثال ان کے میں ظاہر ہوا ہے۔ اور امام شافعیؒ کے اشعار میں بھی ان کے قدما نے

تین بیتیں لگائی ہیں۔ اشعار امام شافعیؒ کے یہ ہیں۔ شعر یَا رَاکِبًا قِفْ بِالْمُحَصَّبِ مِنْ مِنًی ؛ وَاهْتِفْ بِسَاکِنِ خَیْفِهَا وَالنَّاهِضِ ؛ سَحَرًا اِذَا فَاضَ الْحَجِیْجُ اِلٰی مِنًی ؛ فَیْضًا کَمُلْتَطِمِ الْفُرَاتِ الْفَائِضِ ؛ اِنْ کَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ ؛ فَلْیَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اَنِّیْ رَافِضِی ؛ ترجمہ: اے شتر سوار ٹھہر! محصب میں کہ حدود منیٰ سے ہے، اور پکار رہنے والوں نشیب اُس مکان اور اُٹھنے والوں کو وہاں سے، جو صبح کے وقت روانہ ہوتے ہیں حاجی طرف منیٰ کے، روانہ ہونا مثل آب موج زن فرات کے، کہ اگر محبت آلِ محمدؐ کی رفض ہے، تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔ یہ بیتیں امام شافعیؒ کی بمقابلہ نواصب کے ہیں کہ جس کو محب اہل بیت کا جانتے تھے رافضی کہتے تھے اور اب بعض کتبِ شیعہ میں یہ تین بیتیں اور جن سے صریح شیعہ ہونا اُن کا ظاہر ہوتا ہے ان تینوں اشعار مذکورہ کے ساتھ موجود کر ان سے اُن کے شیعہ ہونے پر سند ڈھونڈی ہے وہ یہ ہیں۔ شعر قِفْ ثُمَّ نَادِ بِاَنَّنِیْ لِمُحَمَّدٍ ؛ وَوَصِیِّهٖ وَبَنِیْهِ لَسْتُ بِبَاغِضٍ ؛ اَخْبِرْهُمْ اَنِّیْ مِنَ النَّفَرِ الَّذِیْ ؛ لِوَلَاءِ اَهْلِ الْبَیْتِ لَیْسَ بِنَاقِضٍ ؛ وَقُلِ ابْنُ اِدْرِیْسَ بِتَقْدِیْمِ الَّذِیْ ؛ قَدَّمْتُمُوْهُ عَلٰی عَلِیٍّ مَا رَضِیْ ؛ ترجمہ: ٹھہر پھر پکار دے یہ کہ میں محمدؐ اور اُن کے وصی اور اُن کے بیٹوں سے بُغض رکھنے والا نہیں ہوں، اور خبر دے اُن کو کہ میں اُس گروہ سے ہوں جو محبتِ اہلِ بیت کے توڑنے والے نہیں ہیں، اور کہدے کہ شافعیؒ اس بات پر کہ کسی کی تقدیم علیؓ پر کی جائے راضی نہیں ہے۔ اب جو کچھ فرق ان ابیات کے لُغات اور ابیاتِ شافعیؒ کے لُغات میں ہے فنِ عربی کے جاننے والوں پر اظہر من الشمس ہے۔ مگر یہ کید ان کا نہایت پوچ ہے۔ اس لئے کہ بنیادکاران بزرگواروں اور شریعت اور طریقت ان نامداروں کی سر سے پاؤں تک مذہب اہل سنت پر ہے۔ ایسے ویسے دو ایک شعروں سے کوئی طفلِ مکتب بھی ان کو شیعہ گمان نہیں کرے گا۔

بعض شعرا ان کے کوئی شعر کہتے ہیں اور تمامہ اُس کو کسی بزرگ اہلِ سنت پر لگاتے ہیں بدون الحاق کے جیسے اس شعر کو کہتے ہیں کہ شافعیؒ نے کہا ہے۔ شعر شَفِیْعِیْ نَبِیٌّ وَالْبَتُوْلُ وَحَیْدَرٌ ؛ وَسِبْطَاهُ وَالسَّجَّادُ وَالْبَاقِرُ الْمَجْدِیْ ؛ وَجَعْفَرُ وَالثَّاوِیْ بِبَغْدَادَ وَالرِّضَا ؛ وَفِلْذَتُهٗ وَالْعَسْکَرِیَّانِ وَالْمَهْدِیْ ؛ ترجمہ۔ شفیع میرے پیغمبرؐ اور بتولؓ اور حیدرؓ ہیں اور دونوں نواسے اُن کے اور سجاد اور باقر سخی اور جعفر مقیم بغداد اور علی رضا اور اُن کے بیٹے دونوں عسکری اور مہدی۔ دیکھو جھوٹ ان شعروں کا تاریخ سے کیسا ظاہر ہے اور خدا طرفی دلیل۔ اس لئے کہ تولد امام علی نقی کا ۲۱۲ھ میں، اور تولد امام حسن عسکری کا اُن سے بہت پیچھے اور وفات شافعی کی ۲۰۴ھ عہد مامون عباسی میں۔ اور وفات امام محمد تقی کی ۲۲۰ھ کہ بغداد کے محلہ کرخ میں مدفون ہوئے۔ امام شافعیؒ ان کے تولد و فوت میں کب موجود تھے اور امام حسن عسکری کہ سرمن رأے میں کہ بناکردہ معتصم کا ہے رہتے تھے اور اب اُس شہر کا نام سامرا ہے۔ امام شافعیؒ نے زمانہ معتصم کا پایا ہی نہیں۔ البتہ امام شافعیؒ نے

فضیلتیں اُن لوگوں کی جو اُن کے وقت میں گزری ہیں یعنی اہلِ بیت سے بیان کی ہیں سو یہ مخصوص کچھ انہی پر نہیں ہے جمیع اہلِ سُنّت نے اس کو عبادت سمجھا ہے اور قیام کیا ہے۔ اور اہل سنت کی کتابوں میں روایتیں حدیثوں کی ائمہ اہلِ بیت سے بہت ہیں اور سلسلۂ آبائی اہلِ بیت کا سلسلۃ الذہب نام رکھا ہے۔

کیدِ سی و ہفتم کتب سیر اور تواریخ میں لوگوں نے دیکھا ہے کہ بعض کاہن عرب کے اور عقلاء ان کے خواہ اہلِ کتاب سے سن کر خواہ بہ دعلم کہانت کہ فی الجملہ اُس وقت میں صحت رکھتا تھا اور شیاطین استراق سمع سے بند نہیں ہوئے تھے، بُت پرستی چھوڑ کر انتظار نبی موعود کا کرتے تھے اور لوگوں کو آپ کے ہونے سے خبردار و آگاہ کرکے حصول سعادت متابعت کی حرص دلاتے تھے۔ اُن شخصوں کی ضمن کلام میں بھی چند باتیں ایسی ملا دیں ہیں جن سے معلوم ہو کہ مذہب حق رفض ہے اور اس بات کو بھی ایک مرد جاہل پر لگاتے ہیں۔ بعض جگہوں میں اُس کے قول کی تائید و تصدیق کے واسطے پیغمبرؐ سے جو روایت کرتے ہیں وہ بھی ضمیمہ اُس کے قول کا بناتے ہیں۔ اور ان روایتوں اور حکایتوں پر بڑی خوشی اور بڑا فخر کرتے ہیں۔ آز انجملہ قصہ جارود بن منذر عبدی کا ہے کہ ان کی کتابوں میں خوب پھیلا ہوا ہے۔ حدیثوں میں جو ان کی تصنیف کی ہوئی کتابیں ہیں اُن میں اس قصّے کو بڑی دھوم دھام اور زیب و زینت سے ذکر کیا ہے۔ حاصل اُس کا یہ کہ جارود بن منذر عبدی نصرانی تھا کہ سال حدیبیہ میں مسلمان ہوا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں چند شعر بھی اس نے کہے ہیں کہ از انجملہ ایک یہ ہے۔ **شعر**

أَنْبَأَنَا الْأَوَّلُوْنَ بِاسْمِكَ فِيْنَا ۔ وَبِأَسْمَاءِ أَوْصِيَاءٍ كِرَامٍ ۔ یعنے خبردار کیا ہے ہم کو ہمارے اگلے لوگوں نے تیرے نام سے کہ درمیان ہمارے ہے اور تیرے وصیتوں کے نام سے جو کرام ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا کوئی تم میں ہے کہ قُس بن ساعدہ کو پہچانتا ہے۔ جارود بولا یا رسول اللہ صلعم ہم میں سے ہر ایک اُس کو جانتا ہے مگر میں سب سے زیادہ اُس کے اخبار و اسرار سے مطلع ہوں۔ سلمان فارسی موجود تھے کہا اے جارود! اُس کے حال سے ہم کو خبردار کر اور اُس کی کچھ باتیں سُنا۔ چنانچہ پیغمبرؐ نے بھی حکم بیان کا دیا۔ تب جارود نے کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ شَهِدْتُ قُسًّا وَقَدْ خَرَجَ مِنْ نَادٍ مِنْ أَنْدِيَةِ إِيَادٍ إِلَىٰ ضَحْضَحٍ ذِيْ قَتَادٍ وَسَمُرٍ وَعِتَادٍ وَهُوَ مُشْتَمِلٌ بِنِجَادٍ فَوَقَفَ فِيْ أَضْحِيَانِ اللَّيْلِ كَالشَّمْسِ رَافِعًا إِلَى السَّمَاءِ وَجْهَهٗ وَإِصْبَعَهٗ فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ الْأَرْفَعَةِ وَالْأَرَضِيْنَ الْمُمْرِعَةِ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَالثَّلَاثَةِ الْمَحَامِيْدِ مَعَهٗ وَالْعَلِيِّيْنَ الْأَرْبَعَةِ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَيْنِ الْأَرْبَعَةِ وَجَعْفَرٍ وَمُوْسَى التَّبَعَةِ سَمِيِّ الْكَلِيْمِ الضَّرَمَةِ أُولٰئِكَ النُّقَبَاءُ الشَّفَعَةُ وَالطُّرُقُ الْمَهْيَعَةُ دَرَسَةُ الْأَنَاجِيْلِ وَنُفَاةُ الْأَبَاطِيْلِ وَالصَّادِقُوا الْقِيْلِ عَدَدَ النُّقَبَاءِ مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ فَهُمْ أَوَّلُ الْبِدَايَةِ وَعَلَيْهِمْ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَبِهِمْ تُنَالُ الشَّفَاعَةُ وَلَهُمْ مِنَ اللّٰهِ فَرْضُ الطَّاعَةِ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا ثُمَّ قَالَ لَيْتَنِيْ أَدْرَكْتُهُمْ وَلَوْ بَعْدَ لَأْيٍ مِنْ عُمْرِيْ وَمَحْيَايَ

ثُمَّ أَنْشَأَ يَقُوْلُ أُقْسِمُ قَسَمًا لَيْسَ بِهٖ مُلِيْمًا لَوْ عَاشَ أَلْفَيْ سَنَةٍ لَمْ يَلْقَ مِنْهُمْ سَأْمًا حَتّٰى يُلَاقِيَ مُحَمَّدًا وَالنُّجَبَاءَ الْحُكَمَاءَ هُمْ أَوْصِيَاءُ أَحْمَدَ أَفْضَلُ مَنْ تَحْتَ السَّمَاءِ يَعْمَى الْأَنَامُ عَنْهُمْ وَهُمْ ضِيَاءُ الْعَمٰى لَسْتُ بِنَاسِيْ ذِكْرَهُمْ حَتّٰى أَحُلَّ الرَّجْمَاءَ قَالَ الْجَارُوْدُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنْبِئْنَا عَنْ هٰذِهِ الْأَسْمَاءِ الَّتِيْ لَمْ نَشْهَدْهَا وَأَشْهَدَنَا قُسٌّ ذِكْرَهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا جَارُوْدُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ إِلَى السَّمَاءِ أَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى إِلَيَّ أَنْ سَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا عَلٰى مَا بُعِثُوْا قُلْتُ عَلٰى مَا بُعِثُوْا قَالَ بَعَثْتُهُمْ عَلٰى نُبُوَّتِكَ وَوِلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ وَالْأَئِمَّةِ مِنْكُمَا ثُمَّ عَرَّفَنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِأَسْمَائِهِمْ ثُمَّ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْمَاءَهُمْ وَاحِدًا بَعْدَ وَاحِدٍ إِلَى الْمَهْدِيِّ ثُمَّ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰؤُلَاءِ أَوْلِيَائِيْ وَهٰذَا الْمُنْتَقِمُ مِنْ أَعْدَائِيْ يَعْنِي الْمَهْدِيَّ۔ ترجمہ: میں حاضر تھا قُس کے پاس اور حال یہ کہ وہ نکلا تھا ایک مجلس سے مجلسوں قوم ایاد سے میدان فراخ کی طرف کہ پہلو قتاد میں رکھتا تھا اور میوے اور اسباب اور قس پہنے ہوئے تھا حمائل پھر کھڑا ہوا چاندنی رات میں آفتاب کی طرح آسمان کو منہ کرکے اور انگلیاں اُٹھا کر پس میں اُس کے پاس گیا اور سُنا تو کہتا تھا اے بارخدایا پروردگار آسمانوں کے تہ بتہ اور زمینوں حرزوع کے بطفیل محمد خاص اور تین محمد اور چار علیوں اور فاطمہؓ اور حسنینؓ کاملین اور جعفرؒ اور موسیٰؒ متبوع ہم نام کلیم بلند مقام کہ یہ گروہ سردار ہیں سفارش کیے والوں کے اور سیدھی راہ وحی پر چلانے والے کھونے والے جھوٹ کے راست گفتار موافق شمار سرداروں بنی اسرائیل کے، بس یہی اول و شروع ہیں اور انہی پر قیامت قائم ہوگی۔ یعنے ابتدا و انتہا عالم کی ان سے ہے۔ انہی سے حاصل ہوگی شفاعت اور انہی کی طاعت خدا نے فرض کی ہے پلا تو مجھ کو مینہ فریاد کو پہنچنے والے کا۔ پھر کہا کاش یہ لوگ مجھ کو ملتے اگرچہ بدل میں دو چیزوں کے ہو تاکہ وہ میری عمر ہے اور حیات۔ پھر شروع کیا کہتا تھا قسم کھاتا ہوں میں پھر قسم کھاتا ہوں میں اُس کی جس کو کوئی چھپانیوالا نہیں ہے اگر دو ہزار برس زندہ رہے ہرگز ان سے تنگ دل نہ ہو یہاں تک کہ دیکھے محمد اور ان کے شرفاء اور حکماء کو۔۔ احمد کے وصیتوں کو کہ جو لوگ آسمان کے نیچے ہیں سب میں بزرگتر ہیں۔ اندھے ہیں لوگ ان سے اور یہ لوگوں کی بینائی کے نور ہیں۔ میں نہیں بھولنے والا ہوں ان کی یاد تاکہ نہ پتھر قبر کے مجھ پر پڑیں۔ کہا جارود نے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! مجھ کو خبر دو ان ناموں کی کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا ان کو لیکن آگاہ کیا مجھ کو قُس نے ان کے ذکر سے۔ پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے جارود! شب معراج اللہ تعالےٰ نے مجھ پر وحی بھیجی کہ اُن پیغمبروں سے ہمارے جن کو تجھ سے پہلے بھیجا تھا پُوچھ کہ وہ کس بات پر پیدا ہوئے تھے۔ سو میں نے کہا کہ کس بات پر پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ تیری نبوّت اور علی بن ابی طالب کی ولایت پر اور وہ لوگ جو تم سے پیدا ہوئیں۔ پھر بتائے مجھ کو خدا تعالیٰ نے اُن کے نام پھر ذکر کیے رسول اللہ صلعم نے نام اُن کے ترتیب

ایک کے بعد دوسرا مہدی تک۔ پھر فرمایا خدا تعالیٰ نے یہ گروہ میرے دوستوں کا ہے اور یہ بدلا لینے والا ہے میرے دشمنوں سے یعنی مہدی فقط۔

اب آثار وضع و افترا اس روایت کا دیکھو ظاہر اور ہویدا ہے۔ خصوصاً رکاکت الفاظ اور آخری حدیث تو ماہر عربیت پر کھلم کھلا ہے مطلق کلام رسولؐ سے مناسبت نہیں۔ اور نیز پسر اس جارود کا منذر نامی عامل جناب امیرؓ کا تھا ان کی خلافت میں تمام خراج عاملیت کا اپنے تصرف میں لاکر بھاگا اور آپ کے دشمنوں سے مل گیا آپ نے بہت نامے لعن اور ملامت کے لکھے مطلق خبر نہ ہوا۔ پس اگر باپ اُس کا حقیقتِ حال جناب امیرؓ اور اُن کی ذریّت طاہرہ سے اس طور پر جیسا کہ اوپر بیان ہوا خبردار ہوتا تو ناممکن تھا کہ اپنے بیٹے کو خبر نہ کرے اور وہ بیٹا اس قدر بیحیائی کرے۔ اور نیز پوتا اس جارود کا ابن منذر شاگرد انس بن مالکؓ اور عمدہ مصاحبوں اُن کے سے تھا اگر اس حدیث کی اُن کے خاندان میں کچھ اصل ہوتی تو تحصیل علم کی ائمۃ الطہار سے کیوں نہ کرتا انس بن مالکؓ پر قناعت کیوں کرتا۔ البتہ کتب صحیحہ میں جو لکھا ہے وہ صرف اتنی بات ہے جو جارود نے کہی ہے وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ وَجَدْنَا وَصْفَكَ فِي الْإِنْجِيلِ وَلَقَدْ بَشَّرَ بِكَ ابْنُ الْبَتُولِ۔ یعنے وہ کوئی کہ پیدا کیا اُس نے تجھ کو حق پر بیشک پایا ہم نے وصف تیرا انجیل میں اور بشارت پائی تیری ابن مریم یعنے عیسیٰ علیہ السلام سے۔ اور قس بن ساعدۃ الایادی کی بابت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر روایت کی ہے قَالَ إِنَّ وَفْدَ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغُوا مِنْ حَوَائِجِهِمْ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ فِيكُمْ أَحَدٌ يَعْرِفُ قُسَّ بْنَ سَاعِدَةَ الْإِيَادِيَّ قَالُوا كُلُّنَا نَعْرِفُهُ قَالَ فَمَا فَعَلَ قَالُوا هَلَكَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنِّي بِهِ عَلَى جَمَلٍ أَحْمَرَ بِعُكَاظٍ قَائِمًا يَقُولُ أَيُّهَا النَّاسُ اجْتَمِعُوا وَاسْمَعُوا وَعُوا وَكُلُّ مَنْ عَاشَ مَاتَ وَكُلُّ مَنْ مَاتَ فَاتَ وَكُلُّ مَا هُوَ آتٍ آتٍ إِنَّ فِي السَّمَاءِ لَخَبَرًا وَإِنَّ فِي الْأَرْضِ لَعِبَرًا مِهَادٌ مَوْضُوعٌ وَسَقْفٌ مَرْفُوعٌ وَبِحَارٌ تَمُورُ وَتِجَارَةٌ لَنْ تَبُورَ لَيْلٌ دَاجٍ وَسَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ أَقْسَمَ قُسٌّ حَقًّا لَئِنْ كَانَ فِي الْأَمْرِ رِضًى لَيَكُونَنَّ بَعْدَهُ سَخَطٌ وَإِنَّ لِلّٰهِ عَزَّتْ قُدْرَتُهُ دِينًا هُوَ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ دِينِكُمُ الَّذِي أَنْتُمْ عَلَيْهِ مَا لِي أَرَى النَّاسَ يَذْهَبُونَ فَلَا يَرْجِعُونَ أَرَضُوا فَأَقَامُوا أَمْ تُرِكُوا فَنَامُوا ثُمَّ أَنْشَدَ أَبُو بَكْرٍ شِعْرًا كَانَ يَحْفَظُ لَهُ أَبْيَاتٌ فِي الذَّاهِبِينَ الْأَوَّلِينَ مِنَ الْقُرُونِ لَنَا بَصَائِرُ ۔ لَمَّا رَأَيْتُ مَوَارِدًا لِلْمَوْتِ لَيْسَ لَهَا مَصَادِرُ ۔ وَرَأَيْتُ قَوْمِي نَحْوَهَا يَمْضِي الْأَكَابِرُ وَالْأَصَاغِرُ ۔ لَا يَرْجِعُ الْمَاضِي إِلَيَّ وَلَا مِنَ الْبَاقِينَ غَابِرُ ۔ أَيْقَنْتُ أَنِّي لَا مَحَالَةَ حَيْثُ صَارَ الْقَوْمُ صَائِرُ ۔ ترجمہ: کہا بیشک اور تحقیق حال یہ ہے کہ بکر بن وائل پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آئے پس ہر گاہ کہ فارغ ہوئے وہ اپنے کاموں سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

آیا تم میں کوئی شخص ہے کہ پہچانتا ہو قس بن ساعدہ ایادی کو۔ ہم نے کہا ہم سب اُس کو جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اُس کا کیا حال ہوا۔ عرض کیا وہ مر گیا۔ پس فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا میں اب دیکھتا ہوں اُس کو شتر سُرخ پر سوار بازار عکاظ میں کھڑا کہتا ہے کہ اے لوگو! جمع ہو اور سُنو اور سیکھو جو زندہ ہے اُس کو موت ہے اور جس کو موت ہے اُس کو فوت یعنی نابود ہو جانا اور جو آنے والا ہے یقیناً آنے والا ہے ہر آئینہ آسمان میں ایک خبر ہے اور زمین میں عبرتیں ہیں ایک ستون ہے رکھا ہوا اور آسمان ایک چھت کھڑے ہوئے دریا ہیں رواں موج زن اور ایک سودا ہے بے نقصان رات تاریک ہے اور آسمان صاحب بروج قسم کھاتا ہے قس راستی کی کہ اگر کام میں ہے پسندیدگی ہوگی بعد اُس کے ناپسندیدگی بیشک نزدیک خدا کے کہ قدرت اُس کی غالب ہے ایک دین ہے کہ اُس کو اس دین سے جو تمہارا ہے دوست تر ہے کیا ہو گیا لوگوں کو میں دیکھتا ہوں اپنی راہ چلے جاتے ہیں واپس نہیں آتے۔ آیا کوئی بات خوشی کی مل گئی جس پر ٹھہر گئے یا بیمار ہو گئے جو چین سے سو رہے۔ پھر پڑھا ابو بکر نے ایک شعر کہ اُن کو یاد تھا قس سے۔ یعنے گزرے ہوئے اور اگلے لوگوں میں قرنوں سے ہمارے واسطے عبرتیں ہیں۔ ہر گاہ کہ ہم نے اپنے محل وُرود کو دیکھا کہ موت ہے اور نہیں ہے محل رجوع، اور دیکھا میں نے اپنی قوم کو کہ ایسی جگہ دوڑتے ہیں کہ جہاں سے خورد و بزرگ لوٹ کر نہیں آتے، نہ گزشتہ سے کوئی میری طرف نہ باقی بچوں سے کوئی باقی رہے گا۔ پس یقین کیا میں نے کہ میں بھی ضرور اپنی قوم کی جگہ جانے والا ہوں۔"

اب اہلِ فہم اس عبارت اور عبارتِ سابق میں غور کریں جو قس کی طرف نسبت کی گئی ہے کہ فرق زمین و آسمان کا ہے۔ کیا ہو الغاتِ عربی جمع کر دینے سے بلاغت تو حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہ قس ابلغ بلغائے عرب سے تھا عبارتِ سابقہ میں بجز اس کے کہ لغتِ قاموسیہ اُس میں جمع کر دیئے ہیں ذرا بلاغت کی بُو بھی نہیں۔ چنانچہ دانائے فن بلاغت پر پوشیدہ نہ ہوگا۔

واضح ہو کہ اول دلیل اس قصے کے جھوٹ ہونے پر یہ ہے کہ اگر ولایت حضرت امیرؓ اور امامت ائمہ انکی ذریت کی شب معراج میں قرار پاتی ضرور پیغمبر صلعم اُن لوگوں کے شمار اور تواتر سے خبر دیتے کہ اتنے امام ہوں گے اور فلاں کے بعد فلاں اور اس تواتر کو بیان فرماتے جیسے فرضیتِ نماز اور دیگر واقعات وہاں کے مذکور فرماتے اور اُمت کو پہنچاتے کہ وہ اُسی تواتر سے منقول ہوتے۔ اگر یوں نہ ہوتا تو ادنیٰ درجہ یہ کہ حضرت امیرؓ اور ان کا خاندان تو ضرور ہی اس ماجرا سے مطلع ہوتے اور آپس میں بابت دعوائے امامت کے تنازع اور کھینچا کھینچ نہ ہوتی۔ اگر اگلی کتابوں میں ہوتا تو یہود و نصاریٰ خبردار ہوتے اور عرب بھی جاہلیت اُولیٰ والے مطلع ہوتے۔ حضرتؐ کے زمانے سے قبل ہے وہی زمانہ جاہلیت کا اولیٰ ہے۔ پس تمام فرقے شیعہ کے اُس کو روایت کرتے اور کیسانیہ اسماعیلیہ واقفیہ زیدیہ موافق مذہب اثنا عشریہ کے ہوتے۔ دوسرے یہ کہ اُس کلام میں جو منسوب بہ قس ہے ائمہ کا وصف نفاۃ الاباطیل کے ساتھ یعنے دور

کرنے والی باطل باتوں کو کیا ہے حالانکہ یہ وصف خلاف واقع۔ اس لئے کہ حضرات ائمہ کو کسی وقت نفی باطل کی میسّر نہ ہوئی۔ موافق زعم شیعۂ اثنا عشریہ کے ہمیشہ تقیہ اور خوف اعداء میں بسر کرتے رہے۔ اور نیز مروانیہ اور عباسیہ نے اباطیل کو ان کے زمانے میں خُوب رواج دیا ایسے ہی وہ جو اُس کے کلام میں ہے صادق القیل یعنی راست گفتار سو ایسے بھی نہ تھے مطابق قول شیعہ کے کہ تقیہ کرتے کرتے عمر بھر ان کو صدق میسّر ہی نہ ہوا۔ اور پڑھنا پڑھانا انجیل کا کسی امام سے کسی راوی نے روایت نہیں کیا جیسا کہ پہلی عبارتِ عربی میں ہے دَرَسَةِ الْاَنَاجِیْلَ۔

❋ **کیدِ سی و ہشتم** یہ کہ حدیثیں اپنی گھڑی ہوئی جنابِ پیغمبر صلعم سے منسوب کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیعۂ علی رض سے نہ گناہِ صغیرہ کو کوئی پُوچھے گا نہ کبیرہ کو بلکہ ان کی بُرائیاں بھلائیوں سے بدل دی جائیں گی۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت نے خدا تعالیٰ سے روایت کی ہے لَاُعَذِّبُ اَحَدًا وَالٰی عَلِیًّا وَاِنْ عَصَانِیْ یعنے نہیں عذاب کروں گا میں کسی دوستدارِ علی رض کو اگرچہ میرے گناہ کرے۔ ان مفتریات نے بہت سے شہوت پرستوں کی راہ ماری ہے اور کھوج لگایا ہے جو چاہتے تھے کہ ہر چیز مباح ہو جائے۔ اب یہ دستاویز مل گئی چین سے حق بیحیائی اور فواحش کا ادا کرتے ہیں کسی بات کو گنتی شمار ہی میں نہیں لاتے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ جب ان کی محبت کے وسیلے سے اور لوگوں کا کوئی گناہ کچھ نہیں کر سکتا تو اُنھوں نے خود تکلیفیں بندگی و طاعت کی کیوں اُٹھائیں ہمیشہ خوفِ الٰہی میں رہے ہر وقت ترساں و لرزاں۔ اور کیوں عزیز و اقربا خدمتگار و غلام سب کو حرص و تاکید طاعت کی کی، اور دھمکی اور تہدید اختیار کرنے گناہوں اور حرام چیزوں کی فرمائی۔ اور اس لئے اوّل دعوت لوگوں کو نماز روزہ جہاد و حج اور بڑی بڑی مشقتوں کی کرتے تھے۔ اور اُن چیزوں کی کہ جن سے آدمی کو اُلفت و عادت ہوتی ہے یعنی لذّت و آرام کی ان کے چھوڑ دینے کے باعث ہوتے تھے بلکہ سہل اور نزدیک راہ اپنی محبت کی بتا دیتے اور اسی بات کو مدارِ نجات اُن کا جو دعوت کو آتے مقرر کرتے تو سہل راہ کے ہوتے سخت راہ میں چلنا نہ پڑتا۔ اور مکلّفین کے حق میں لطف اور اصلح بات کہ اس میں صلاحیت زیادہ تھی بگڑنے نہیں پاتی۔ اور حیرانی کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کیسی رافت و رحمت بندوں پر ہے اُس کی کتاب قرآن مجید میں کہیں کسی نے اس راہ کا پتہ کیوں نہ بتایا۔ اور اعمال و طاعات اور تقویٰ اور طہارت پر دعوت کو کیوں منحصر رکھا۔ الحاصل مقصود ان کا ان بناوٹوں سے لوٹ پوٹ کر دینا احکام شریعت اور ترغیب لوگوں کی طرف اباحت و زندقے کے ہے کہ اس قسم کی باتیں سُنیں اور ادھر رجوع ہوں۔

❋ **کیدِ سی و نہم** یہ کہتے ہیں کہ فضیلتیں اہلِ بیت کی اور وہ جو جناب امیر رض کی امامت کے معاملے میں خاص ہیں جن پر آیات و حدیث وارد یہ تو دونوں فریق کی مانی ہوئی ہیں اور متفق علیہ شیعہ و سُنی۔ اور فضیلتیں اوروں کی یعنے خلفائے ثلثہ رض اور اُن کے مددگار، اور سوائے فضیلتوں کے جو کچھ ان کی خلافت کے حق میں وارد ہوا

سب مختلف فیہ ہے۔ پس عاقلوں کو یہ کرنا چاہیئے کہ متفق علیہ کو اختیار کریں اور مختلف فیہ کو چھوڑ دیں تو مقامِ شک و تردد سے بچے رہیں۔ اور بمقتضائے دَعْ مَایُرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یُرِیْبُکَ یعنے جو چیز تجھ کو شک میں ڈالے اُس کو چھوڑ کر رغبت اُس سے کر جو شک میں نہ ڈالے۔ دونوں ملّتوں یعنے اسلام و یہودیہ یا اسلام و نصرانیہ پر عمل کرتے رہیں۔ اس لئے کہ یہ شبہ ان کا مثل شبہ یہود و نصاریٰ کے ہے جو کہتے ہیں نبوت موسیٰ و عیسےٰ علیہما السلام کی تو متفق علیہ ہے اور فضیلتیں اور تعریفیں بھی دونوں کی مجمع علیہ ہر دو ملّت اور نبوت پیغمبر آخرالزمان اور اُن کی فضیلتیں تعریفیں مختلف فیہ پس عقلمند کا کام یہی ہے کہ متفق علیہ لیلے مختلف فیہ کو جانے دے یا شبہ ان کا مثل شبہ خارجیوں کے ہے جو کہ خلافت شیخین رض کی اور فضائل ان کے ان کے زمانے میں متفق علیہ تھے کوئی شخص صحابہ رض میں سے ان سے باغی نہ ہوا نہ کسی نے طعن و مذمت کے ساتھ یاد کیا۔ جب ان کے زمانے کو مدت گزر گئی اگر کسی فرقے نے بزمان رواج دروغ گوئی تہمت ان پر لگا دی ہو تو کیا اعتبار اس لئے کہ اُن کے زمانے کو دیکھا نہیں جھوٹی باتیں سُن سُنکر بد اعتقاد ہو گئے۔ اور خلافتِ ختنین یعنی ہر دو داماد عثمان رض و علی رض کی خود ان کے زمانے ہی میں تلخ و مکدر رہی بکدوراتِ مخالفتُ منازعت کہ ان کے امثال اور کنبے ٹبر والے ہی منکر ان کی خلافت و بندگی کے ہوئے اور طعن و تشنیع کرتے رہے۔ آخر عقلمند وہی ہے کہ متفق علیہ کو لے اور مختلف فیہ سے کنارہ کرے۔

جواب ان سب شبہات کا ایک بات ہے کہ متفق علیہ کو لینا اور مختلف فیہ کو چھوڑ دینا اس وقت مقتضائے عقل ہے کہ اُن دونوں میں بجز اتفاق و اختلاف کے اور کوئی دلیل باقی نہ جانے پس اگر اور دلیلیں قوی بھی ایک جانب میں مرجح پڑیں تب اتفاق و اختلاف سے کیا کام پیروی دلیل کی لازم سمجھنا چاہیئے کہ اَلْحَقُّ حَقٌّ وَاِنْ قَلَّ نَاصِرُوْہُ وَالْبَاطِلُ بَاطِلٌ وَاِنْ کَثُرَ نَاقِلُوْہُ یعنے حق حق ہے اگرچہ مددگار حق کے تھوڑے ہوں ہوں اور جھوٹ جھوٹ ہے اگرچہ اس کے نقل کرنے والے بہت ہوں۔ اب کیا اچھا ہوتا جو فرقے شیعوں کے اسی قاعدے پر جم جاتے اور متفق علیہ سے مختلف فیہ کی طرف خروج نہ کرتے لیکن بحکم یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ کے یعنی جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں، ان کے قواعد مقررہ فقہیہ سے یہ بات مقرر ہے کہ جب دو روایتیں امام سے وارد ہوں ایک مخالف عام دوسرے موافق اُن کے تو مخالف کو پکڑنا چاہیئے موافق کو چھوڑنا۔ اس لئے کہ مدار حقیقت مخالفتِ عامہ پر ہے تو اس قاعدے کو اُوپر کی تقریر کے ساتھ تولو اور عقل و دانش ان بزرگوں کو تولو اور انشاء اللہ تعالیٰ بابِ امامت اور بابِ مطاعن میں ظاہر ہو جائیگا کہ فضائل اور مناقب اصحاب ثلثہ رض بلکہ جمیع صحابہ رض کی روایات شیعہ اور سُنی دونوں میں باتفاق وارد ہیں اور لعن و طعن کرنا ان بزرگواروں خاص درخاص کا بعض روایاتِ شیعہ میں۔ پھر کام عقلاء کا تو معلوم ہی ہے جو کرنا چاہیئے۔

❋ **کیدِ چہلم** یہ کہ شیعہ اپنے مذہب کو حق اور اہلِ سنت کے مذہب کو باطل بتلاتے ہیں اور حق و باطل سمجھنے کی

دلیل یہ پکڑتے ہیں کہ شیعہ کا قطعی قول ہے کہ ہم جنت میں جائیں گے دوزخ سے نجات پائیں گے۔ اہلِ سنت قطعی نہیں کہتے کہ ہم بہشت میں جائیں گے یا دوزخ میں۔ اور جازم (قطعی کہنے والا) پیروی کا مستحق زیادہ ہے اپنے کام میں شک کرنے والے سے۔ یہ استدلال اور دلیل پکڑنا خود صریح باطل ہے۔ اس لئے کہ اہلِ سنت کچھ شک اور تردد نہیں رکھتے اس بات میں کہ جو کوئی ایمانِ صحیح اور اعمالِ صالحہ پر مرے گا ناجی اور جنتی ہوگا۔ لیکن جو انجام کار کسی کو معلوم نہیں ہر فردِ بشر کو بالخصوص اس طرح پر کہ یہ بھی اور وہ بھی اور فلاں بھی سب جنتی اور ناجی ہیں بتانا بے معنی ہے۔ بلکہ اس صورت جزم کرنے اور خدا سے نہ ڈرنے میں امن ہے گرابھی سے جس کی نسبت فرمایا ہے فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ یعنے دنیا میں زیاں کاروں کو ہم اپنے مکر سے امن دیتے ہیں تاکہ عقبےٰ میں خوب سمجھیں اور اس تفسیر میں جو امام حسن عسکریؒ کے ساتھ منسوب ہے صریح فرمایا ہے کہ جو خدا سے نہیں ڈرتا ایمان ہی نہیں رکھتا اور ادعیۂ صحیفۂ کاملین میں کہ شیعہ کے نزدیک حضرت امام سجادؒ سے بتواتر روایت کیا ہوا ہے جگہ جگہ خوف اور ہراس عاقبت کار سے بیان فرمایا ہے اور معہٰذا یہ استدلال بجزم ان کا گھٹا ہوا ہے جزم یہود و نصاریٰ اور غلاۃ و قرامطہ اور حمیریہ اور اسماعیلیہ سے کہ اپنی نجات کا یقین رکھتے ہیں۔ ایک گروہ تو ان میں سے کہتے ہیں نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ یعنے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ ایک گروہ حلول و اتحادِ خدا تعالیٰ کی اپنے میں یا اپنے ساتھ اس کے قائل ہیں۔ ایک گروہ رفع تکالیفِ شرعی کا آپ سے اعتقاد کرتے ہیں۔ ایسوں کی پیروی کا بہتر اور لائق تر ہونا تو بالاتفاق باطل ہے۔

❋ کیدِ چہل و یکم اہل سنت پر طعن کرتے ہیں کہ یہ اپنے دین میں پیروی و اقتداء غیر معصوموں کی کرتے ہیں اور غیر معصوم جو بالیقین خود ہدایت پایا ہوا نہیں ہے وہ غیر کو کس طرح ہدایت کریگا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدٰى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ترجمہ: یعنے جو کوئی راہِ حق کی طرف رہنما ہووے وہ پیروی کے لئے سزاوار تر ہے یا وہ کہ خود ہی راہ نہ پاسکے جب تک کوئی نہ بتائے پس بتاؤ تمہارا حکم اس میں کیا ہے۔ الغرض اہل سنت ایسے ہیں جیسے وہ اندھا کہ جس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہ ہو اور چاہتا ہے کہ اپنے گھر پہنچوں لیکن راہ بہک جانے سے حیران و متردد ہے اسی حال میں ایک شخص پیدا ہوگیا مگر اس کے گھر سے وہ بھی واقف نہیں ہے یہ اندھا اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدے اور اس کے پیچھے ہولے یہ شخص ناواقف اس کو بیابانِ خاردار مہلک میں جہاں سباع و حشرات موذیہ بہت ہوں پہنچا کر ہاتھ اپنا چھڑالے اور کہدے کہ تو اپنے مطلب کو پہنچ گیا۔

جواب اس طعن کا یہ کہ اہل سنت کو اقتدار سوائے خاتم النبیین سید المرسلین اور قرآن مجید اور فرقان حمید کہ حبل اللہ المتین یعنے اللہ کی مضبوط ڈوری ہے جس کو پکڑ کر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور کسی سے نہیں ہے۔ اصل پیشوا

امام ان کے یہ ہیں لیکن نقل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فہم معانی قرآن میں محتاج ہوتے ہیں رواۃ صحابۂ کرام اور اہلِ بیت عظام کے کہ رسول اللہ صلعم نے ان کے حق میں گواہی راستی اور نکوئی اور نجات اور بہتری کی دی ہے۔ اور صحابہؓ اور اہلِ بیت اپنے شاگردوں اور مصاحبوں کے حق میں کہ سب اخیار و ابرار تھے مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گواہی دیتے آئے ہیں۔ اور ایسا ہی قرن در قرن ہوتا چلا آیا ہے۔ بخلاف شیعہ کہ جو اپنے اور اپنے اماموں کے درمیان میں جھوٹوں مفتریوں دنیا طلبوں کو واسطہ بتاتے ہیں۔ اور تعجب یہ کہ انہی کی کتب صحیحہ میں لکھا ہے کہ ائمۂ عظام نے اس گروہ بدبخت سے ہزاروں بیزاری کے ساتھ تبرا فرمایا ہے اور لعنت کی ہے کہ اکثر ان میں مجسمہ اور مشبہہ اور اباحیہ اور حلولیہ گزرے ہیں۔ پس مثال اہلِ سنت کے مثل اس شخص کے ہے کہ ارادہ ملازمت بادشاہ کا دل میں کیا اول تو اپنے آپ کو کسی ایک اس سرکار کے لگاؤ والوں تک پہنچایا کہ اس لگاؤ والے نے اس کو کسی امراء اور امیر نے کسی وزیر تک پہنچا دیا کہ وہ وزیر و امیر و منتسب سب مشہور توسل و تقرب والے بادشاہ کے ہیں کہ سب خاص و عام اس ملک کے کہہ رہے ہیں کہ ان وزیر و امیر کے حق میں بڑی عنایت بادشاہ کی ہے اور بہت بڑا الطاف ہے اور مثال شیعہ کی اس شخص کی طرح ہے کہ چاہتا ہے کہ غائبانہ بادشاہ سے بغیر اطلاع اس کے سند کسی پرگنے یا جاگیر کی حاصل کرے اور جعل سازوں اور فریبیوں اور مُہر بنانے والے دغابازوں سے مل کر کہ یہ سب بھی بادشاہ سے چھپے ہوتے اور ترساں لرزاں ہیں اور بادشاہ ہر روز منادی ان کے ہاتھ کاٹنے کی کرتا ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ یعنے یہ مثالیں ہم نے بیان کی ہیں لوگوں کے واسطے شاید وہ سوچیں۔

❋ کیدِ چہل و دوم۔ صحابہؓ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ قرآن مجید میں تحریف کی اور وہ آیتیں جو فضیلت امیر المومنینؓ اور اہل بیت میں نازل ہوئیں تھیں اور ان کی مدد اور پیروی کی مخلوق کو تحریص و ترغیب کرتی تھیں اور قبول اطاعت کی سب قرآن سے ساقط کردیں اور نکال ڈالیں۔ اور یہ کہ تمام صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت و وصیت کے خلاف پر اتفاق کرکے غصب حق اہل بیت کا کیا اور جور و ظلم ان پر روا رکھا۔ جواب اس طعن کا قرآن مجید میں موجود إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ۔ اور فرمایا دوسری جگہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔ اور فرمایا أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۝ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا

وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ اور فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ معنی پہلی آیت کے ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ معنے دوسری آیت کے وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں کام نیک البتہ پیچھے حاکم کریگا اُن کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا اُن سے اگلوں کو اور جما دے گا اُن کو دین اُن کا جو پسند کر دیگا اُن کو اور دے گا اُن کو اُن کے ڈر کے بدلے امن میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کوئی۔ اور جو کوئی ناشکری کریگا بعد اس کے سو وہی لوگ ہیں بے حکم معنے تیسری آیت کے حکم ہوا اُن کو جن سے لوگ لڑتے ہیں کہ اُن پر ظلم ہوا اور اللہ اُن کی مدد کرنے پر قادر ہے وہ جن کو نکالا اُن کے گھروں سے اور کچھ دعویٰ نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک سے ایک تو ڈھائے جاتے تکیے اور مدرسے اور عبادتخانے اور مسجدیں جن میں نام پڑھا جاتا ہے اللہ کا بہت اور اللہ مقرر مدد دے گا اس کو جو مدد کرے گا اس کی بیشک اللہ زبردست ہے زور والا۔ وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو مقدور دیں ملک میں تھام کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں بُرے سے اور اللہ کے اختیار میں ہے آخر ہر کام کا۔ چوتھی آیت کے معنے محمد صلعم رسول اللہ کا.... اور جو اُس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں تو دیکھے اُن کو رکوع میں یا سجدے میں ڈھونڈھتے ہیں اللہ کا فضل اور اُس کی خوشی نشان اُن کا اُن کے مُنہ پر ہے سجدے کے اثر سے۔

✺ **کیدِ چہل و سوم** یہ کہ اولوالعزم رسولوں پر بہتان لگاتے ہیں کہ صبح اور شام اور رات دن اپنی دعاؤں اور اذکار میں یہ دعا خدا سے مانگتے تھے کہ ہم کو شیعۂ علیؓ کی گروہ میں داخل کرے اور نہیں سمجھتے کہ اس افترا میں بہتانِ عظیم انبیائے اولوالعزم کی نسبت راہ پاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ دعائیں ہمیشہ متواترہ ان کی ہرگز قبول نہ فرمائیں نہ ان کو مطلع کیا کہ ابھی دورِ شیعۂ علیؓ کا دور ہے تم کیوں خواہش بے وقت و بے محل کرکے تکلیف اُٹھاتے ہو اور اسی مقام میں وہ جو احادیث واہیہ ضعیفہ اہلِ سنت سے شیعہ کی مدح میں وارد ہوئی ہیں ذکر کرتے ہیں۔ اول تو صحیح ٹھہرنا اُن روایات کا ایک امر ناشدنی ہے۔ دوم لفظِ شیعہ کو اپنے اور اپنے امثال پر ادعا کرنا محض باطل بلکہ شیعہ حقیقی مرتضیٰ علیؓ کے اہلِ سُنّت و جماعت ہیں کہ اُن کے چلن پر ہیں اور کسی سے بُرے نہیں ہر ایک کو نیکی سے یاد کرنے والے۔ عقائد و اعمال میں پیرو قرآن و حدیث اور سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ سابق بھی گزرا کہ در اصل یہ لقب خاص بشیعۂ اولیٰ تھا کہ وہ پیشوا اہلِ سنت جماعت کے ہیں پھر رفتہ رفتہ یہ لقب ان سے متروک ہوا اس لئے کہ اہلِ مبطل و مدعی اس میں داخل ہو گئے۔ لہٰذا یہ لقب اہلِ رفض و اباحت اور زندیقوں کا مقرر ہوا

اور ان فرقوں خسیس کے بُرے ناموں سے ٹھہرا۔ جیسے مومن جولاہہ اور مصلی خیرات خورہ اور رشیدی حبشی اور حلال خور بھنگی۔ اب اگر اہلِ سنت اس لقب سے بچیں اور پرہیز کریں تو کچھ اندیشہ نہیں ہے کہ اس لقب میں وہم خساست و نجاست ہوگیا۔

✺ **کیدِ چہل و چہارم** یہ کہ جناب امیرؓ کو تمامی انبیاءؑ پر فضیلت دیتے ہیں اور رسولوں پر سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا ان کے مساوی اور ہمسر جانتے ہیں۔ اور نیز جمیع ملائکہ اور حملۃ العرش اور خزنۃ الکرسی پر۔ اور اس معاملے میں مبالغۂ عظیم کرتے ہیں۔ ساری بنیاد اس مبالغے کی یہ ہے کہ جب سُننے والا اس قدر بزرگی کا آپؓ کی معتقد ہوگا تو بہ یقین جانے گا کہ ان کے ہوتے امرِ خلافت میں کسی کا دخل نہیں پہنچتا تھا انہی کو ہونا چاہیئے تھی۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ خلافت موقوف فضلیت پر نہیں ہے باوجود جبرئیلؑ و میکائیلؑ کے طالوت دباغ یعنے موچی چمڑے پکانے والا غیب سے خلیفہ مقرر ہوا جہاں یہ دونوں ملائک مقرب بھی موجود تھے۔ اور شمویل پیغمبر یہاں دنیا میں موجود اُن کو بھی چھوڑ کر منصبِ خلافت سے اس کو سرفراز کیا۔ پس خلافت کے معاملہ میں بشر کو ملائکہ پر ترقی ہے اس لئے کہ خواص بشر کے افضل ہیں خواص ملائکہ سے وَزَادَہٗ بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ یعنی زیادہ دی طالوت کو کشائش علم و جسم میں یہ اُس کے حق میں ارشاد ہوا اس لئے کہ سرانجام مہمات ملک گیری اور بست و کشادِ امورِ مملکت کی اور چیز ہے۔ اور اشرفیتِ نسب اور دقتِ علم اور رسائی ذہن کی اور چیز۔

✺ **کیدِ چہل و پنجم** ان کی کتابوں میں اور ان میں شائع اور مسطور ہے کہ دُشنام خلفائی راشدینؓ اور ازواجِ مطہرات سید المرسلینؐ کی کہ عائشہ صدیقہؓ اور حفصہؓ معظمہ ہیں افضل واقرب اور عبادتوں سے ہے۔ اور دُشنام عمرؓ کی نسبت تو کہتے ہیں اَفْضَلُ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ الْاَکْبَرِ یعنی اللہ کے ذکر سے بھی افضل اور بڑھ کر ہے۔ چنانچہ بہت احمق بیوقوف ان کے اس عقیدے میں فریفتہ ہو کر اکثر فرضی عبادتوں کو ترک کرتے ہیں اور اس افضل عبادات پر جم جاتے ہیں اور ہمیشہ یہی کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ بشر میں جو کوئی گمراہ و بدکار ہو جاتا ہے وہ شیطان کے بہکانے سے ہوتا ہے بس گمراہی و بدکاری شیطان کی ایسے مرتبۂ اعلیٰ کو پہنچی ہوئی ہے کہ اُس مرتبے کو پہنچنا مقدور کسی بشر کا نہیں تاہم لعنت ایسے گمراہ و بدکار یعنی شیطان کو کسی شریعت اور کسی ملت میں قربت نہیں کہا ہے کہ جس سے قربِ الٰہی حاصل ہو اور عبادت نہیں گِنا ہے نہ کہ وہ لوگ جو برسوں صحبت جناب خیر البشرؐ میں رہے اور حقوق اُن کی صحبت کے ثابت اور علاقے نازک مثل خُسری اور خویشی اور دیگر قرابت کے اُن کے اور آنحضرت صلعم کے باہم مستحکم۔ اور ایک جماعتِ کثیر مسلمانان کہ اہلِ سنت و جماعت ہیں بلکہ غیر ان کے فرقۂ اسلامیہ سے مثل معتزلہ اور کرامیہ اور نجاریہ کے بہت تعظیم و توقیر ان بزرگواروں کی کرتے آئے ہیں۔ اور رجال اہلِ سنت کا معلوم کہ یہ لوگ ہمیشہ فرقۂ اسلامیہ میں ہوئے ہیں اور ان کے فرقہ میں ایک جماعت گزری ہے پرکھنے والی احوال مردم (رجال) کی اور مدح کو مدح اور قدح کو

قدح ظاہر کر دینے والی تاکہ مدح کی جگہ قدح اور قدح کی جگہ مدح نہ ہونے پائے۔ اور احادیث نبویہ کے نقل کرنے میں بڑے محتاط جیسے کہ ذہن روشن اور فہم سلیم ان کے ضرب المثل ہیں۔ دیکھو فلسفیات و مسائل ریاضیات اور طبعیات اور الٰہیات میں کیسے غور و خوض کئے ہیں کہ اگر واضعین ان علموں کے ان کی موشگافیاں دیکھتے کیسے کیسے ممنون ہوتے یہ خوض و غور ہی ان کا شاہد حال ان کا ہے۔ اور بہت علوم مخترع اور نکالے ہوئے ان کے ہیں مثل علم اصول اور فنون ادبیہ اس قسم کی جماعت چند اشخاص کی مدح اور تعظیم و توقیر میں اجماع کرتے ہیں نا قابل پس جو لوگ کہ طعن و قدح کرتے ہیں ان کی طعن و قدح میں شبہ پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کام پر جرأت کرنا جس کے دو جہت ہوں کام عاقل کا نہیں پھر اپنے پیشواؤں کی روایتوں پر جن کا حال جلدی معلوم ہو گا ایسا فریب کھانا اور مغرور ہو جانا فکر آخرت کی حزم و احتیاط سے دور پڑتا ہے۔

✺ **کید چہل و ششم** ۴۶ یہ کہ اپنی حدیثوں کی کتابوں میں چند موضوعات روایت کرتے ہیں اس مضمون کے کہ خدا تعالیٰ وحی بھیجتا رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ مانگ ہم سے تو تجھ کو ہدایت حُبّ علیؓ کی کریں جو ابن ابی طالب ہے۔ اور متاخرین ان کے اس اخبار کو خوب رواج و شہرت دیتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ اس بندش اور بناوٹ میں تو ایک بڑا قصور جناب پیغمبرؐ کو پہنچتا ہے بچند وجہ۔ اول یہ کہ محبت علیؓ کی کہ فرض ایمان اور رکن دین ہے آپؐ کو حاصل نہ تھی۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس امر کے حصول کرنے میں غفلت اور سستی کرتے تھے جب تو بار بار تاکید حضور اقدس سے آتی تھی۔ تیسرے یہ کہ خدا تعالیٰ نے اس امر ضروری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محتاج سوال کا رکھا خود بخود بے طلب کیوں نہ دیدیا اور ہے یہ کہ نبیوں کو ضروریات ایمانی ابتدائے خلقت سے حاصل ہوتی ہے۔ غرض کہ یہ گروہ واضع اپنی روایات وضع کرتے میں ایسے ہیں جیسے کسی عاقل نے کسی غافل کے حق میں کہا ہے بَنٰی قَصْرًا وَّهَدَمَ مِصْرًا اپنے محل بنایا اور شہر ڈھایا۔

✺ **کید چہل و ہفتم** ۴۷ ایک گروہ نے ان کے علماء سے یہ بھی کیا ہے کہ بظاہر کسی مدت میں مذاہب اربعہ اہل سنت سے داخل ہو کر اس مذہب میں اپنے آپ کو ایسا پکا اور مضبوط کیا کہ لوگ اس مذہب کے ظاہر و باطن امتحان اور تجربے ان کے کر کے ان کو معتمد اور پیشوا اپنے مذہب کا گمان کرنے لگے اور متولی درس و تدریس مدرسوں اس مذہب کے ہوئے حتیٰ کہ فتویٰ نویسی اس مذہب والوں کی بھی ان کے سپرد ہوئی جب مرنے لگے اور آمد آمد ملک الموت کی سُنی کہدیا کہ ہم کو مذہب شیعہ حق معلوم ہوا اور وصیت کی کہ متولی غسل اور ہماری تجہیز و تکفین کا یہی فرقہ ہو اور انہی کے قبرستان میں ہم کو دفن کریں۔ اس سے یہ مطلب کہ شاگردوں اور معتقدوں اور دوستوں اور مخلصوں کو جو ان کے تھے شک و شبہ پیش آجائے خیال کریں کہ ایسا ثقہ مرد مرتے وقت اگر شیعہ کو راست و درست نہ دیکھتا تو کیوں راغب ہوتا آخر مذہب اہل سنت کو باطل سمجھا ہے جب ہی تو اس سے علیحدہ ہوا قَالَ

اِبْنُ الْمُطَهَّرِ الْحِلِّيُّ فِیْ كِتَابِ مِنْهَجِ الْكَرَامَةِ كَانَ اَكْثَرُ مُدَرِّسِیِ الشَّافِعِيَّةِ فِیْ زَمَانِنَا حَيْثُ تُوُفِّیَ اَوْصٰى بِاَنْ يَّتَوَلّٰى اَمْرَهٗ فِیْ غُسْلِهٖ وَتَجْهِيْزِهٖ بَعْضُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْ يُّدْفَنَ فِیْ مَشْهَدِ الْكَاظِمِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ترجمہ ابن مطہر حلی اپنی کتاب منہج الکرامۃ میں لکھتا ہے کہ ہمارے زمانے میں اکثر مدرس شافعی تھے کہ مرتے وقت وصیت کی کہ ان کی تجہیز و تکفین اور غسل کے کام میں بعض مومن رہیں اور مشہد میں کاظم علیہ السلام کے دفن کئے جائیں۔

✺ **کید چہل و ہشتم** ۴۸ بعض نے ان کے علمائے مشہور سے ایک کتاب تصنیف کر کے اس میں لکھا ہے کہ اکثر مشائخ اور علماء اہل سنت کے امامیہ مذہب ہوئے ہیں بظاہر پردہ رکھتے تھے اسی قسم سے ہے کتاب وفیات الاعیان شیعہ تالیف ایک عالم عراق کی ہے کہ اس میں بایزید بسطامی اور معروف کرخی اور شقیق بلخی اور سہل بن عبداللہ تستری وغیرہ مشائخ مشہورین اہل سنت کو امامیہ میں شمار کیا ہے۔ اور ان کے اقوال اور کلام سے بہتان اور بناوٹ کی باتیں نقل کی ہیں کہ صریح دلالت کرتی ہیں کہ یہ بزرگ فرقہ امامیہ کے تھے۔ اور مناقب اور محاسن اور کرامتیں ان کی سب اس میں لکھی ہیں۔ اسی جنس سے ہے کتاب مجالس المومنین تالیف قاضی نور اللہ شوستری کی جس میں بہت بہت یہ مناقب وغیرہ موجود ہیں۔ ایک شخص نے علمائے ہرات سے کہ اس کا ہم مذہب تھا اس سے بطریق نصیحت کہا کہ اس کتاب میں روایات اور حکایات اور نقل و اخبار سے جو کچھ بھرا ہے خلاف واقع اور ثقات شیعہ اور سُنی دونوں کے نزدیک بے اصل اور باطل ہے نہ کتب تواریخ و اخبار میں اصلاً ان کا نشان و اثر۔ قاضی نے جواب دیا کہ یہ میں بھی جانتا ہوں لیکن میری غرض یہ ہے کہ جو کوئی اس کتاب میں یہ روایات و حکایات دیکھے گا یا کسی مخبر سے جس نے اس کو دیکھا ہو سُنے گا ضرور وہ لوگوں سے نقل کرے گا بس نادر اور غریب ہونے سے خوب پھیل جائیں گی اور رفتہ رفتہ مروی کتابوں میں داخل ہو جائیں گی شہرت پائیں گی فرضی فرقہ شیعہ کی اور بڑھ جائے گی۔ اہل سنت کے ذہنوں میں شبہ پڑ جائیگا اگر محقق اہل سنت کے گوش قبول سے نہ سُنیں گے تو کیا، تھوڑے بہت لوگ عوام اہل سنت کے ضرور ان کو اختلاف روایات پر لحاظ و قیاس کریں گے۔ چنانچہ متاخرین علمائے شیعہ عراق اور خراسان کے متفق ہیں اس بات پر کہ جو کچھ مجالس المومنین میں ہے سب مخترعات قاضی کا ہے۔

✺ **کید چہل و نہم** ۴۹ بعض راویوں نے ان کے بہتان عظیم ائمہ عظام پر لگایا ہے اور نقل کرتے ہیں کہ بعض امام کو خواب میں رویت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیب ہوئی کہ آپؐ ایک شاعر کی شعرائے شیعہ سے تعریف کرتے تھے اور دعائے خیر فرماتے تھے اس سبب سے کہ اس نے تولائے اہل بیت اور تبرائے خلفائے ثلٰثہؓ اور دیگر صحابہؓ میں ایک قصیدہ کہا تھا کہ اس کو آپؐ بار بار پڑھتے تھے اور لذت اُٹھاتے تھے۔ اسی جنس سے ہے وہ جو سہل بن دینار روایت کرتا ہے کہ ایک دن میں پہلے سب شیعوں سے امام رضا کی خدمت میں مشرف ہوا۔ امام خلوت میں تھے کوئی بجز میرے حاضر نہ تھا۔ فرمایا مرحبا یا ابن دینار خوب آگیا۔ میں ابھی بلانے کو آدمی

بھیجا تھا کہ تجھ کو بلاؤں۔ اسی حالت میں امام انگلی اپنی زمین پر رکھے ہوئے انداز فکر کا ظاہر کر رہے تھے یعنی فکرمند تھے میں نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ! مجھ کو کس غرض سے یاد فرماتے تھے۔ کہا میں نے ایک خواب دیکھا ہے اُس نے مجھ کو رنج میں ڈالا ہے سونے نہیں دیا۔ میں نے پوچھا خیر باشد وہ کیا ہے۔ فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ میرے واسطے سیڑھی لگائی ہے جس کے سو ڈنڈے ہیں میں اُس پر چڑھ گیا ہوں میں نے کہا کہ مبارک ہو آپ کی عمر سو برس کی ہوگی۔ پھر فرمایا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک برج سبز رنگ میں پہنچا ہوں ایسا صاف شفاف کہ اُس کے اندر کا حال باہر اور باہر کا حال اندر معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس قبے میں بیٹھے ہیں اور جانب راست اُن کے دو نوجوان خوش چہرہ ہیں ایک اُن سے ایک بوڑھے کے زانو سے لگا ہوا ہے اور وہ بوڑھا نہایت منحنی کبیرالسن ہے کہ بھویں اُس کی آنکھوں پر جھولی ہوئی ہیں۔ پس مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سلام کر دونوں کو تیرے دادا حسنؓ اور حسینؓ ہیں۔ میں نے دونوں کو سلام کیا۔ پھر فرمایا کہ سلام کر ہمارے شاعر اور مصاحب کو جو دنیا میں بھی تھا یہاں بھی ہے، یعنی اسمٰعیل بن محمد حمیری۔ میں نے اُس کو بھی سلام کیا۔ بعد اس گفت وشنید کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بوڑھے شاعر سے فرمایا ہاں لا وہ چیز جس سے مشغول تھے ہم۔ اُس بوڑھے شاعر نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا اور بڑا لمبا قصیدہ پڑھا جب اس بیت پر پہنچا۔ **شعر** قَالُوْا لَهٗ لَوْ شِئْتَ اَعْلَمْتَنَا ؛ اِلٰی مَنِ الْغَایَةُ وَالْمَفْزَعُ۔ ترجمہ کہا انھوں نے اُس کو اگر تو چاہتا تو آگاہ کرتا ... ہم کو کہ کس کی طرف ہے انتہا کام کی اور مرجع فزع کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اسمٰعیل! ذرا ٹھہر پھر دونوں ہاتھ اپنے دعا کو اٹھائے اور کہا اے معبود میرے اور بادشاہ میرے تو گواہ ہے اس بات پر کہ میں نے بتلا دیا ہے ان کو جس کو غایت و مفزع ڈھونڈھتے ہیں اور ہاتھ کا اشارہ جناب امیرؓ کی طرف کئے جاتے تھے۔ پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے علی! اس قصیدے کو یاد کر لے اور ہمارے شیعوں سے کہدے کہ وہ بھی یاد کر لیں۔ غرض جو کوئی اس قصیدے کو یاد کر لیگا میں اُس کے واسطے ضامن بہشت کا ہوں۔ امام رضا فرماتے ہیں کہ جد میرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار بیتیں اس قصیدے کی مجھ کو یاد کراتے تھے تو میں نے یاد کر لیا۔ چنانچہ تمام قصیدہ یہ ہے اور چار بیتیں اس کی متضمن دشنام قبیح صحابہ کبارؓ میں ہیں۔

پس کسی مسلمان کو لازم نہیں ہے کہ اپنی زبان وقلم کو اُن کی تحریر وتقریر میں آلودہ وگندہ کرے لیکن ہماری غرض ان بیتوں کے لکھنے سے یہ ہے کہ ان لوگوں کے بعض طرفدار کہ قائل برأت کے اس تہمت سے ہیں انصاف کریں اور شدت آمیزش ان کے حسد کی نسبت صحابہ کبارؓ کے معلوم کریں کہ ایسے شتم قبیح کے ساتھ عقلاء فرعون وہامان سے بھی گفتگو کرنے کو نہایت بد سمجھیں گے۔ اس پر یہ ضمانت بہشت کی روایت کرتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے

آخر قرآن مجید میں بھی بنظر حکمت کلمات کفر وزندقت زبان کافروں اور زندیقوں سے نقل اور روایت فرمائے ہیں جیسے یَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ یعنے ہاتھ اللہ کا بندھا ہے۔ اور هٰذَا سَاحِرٌ کَذَّابٌ یہ جادوگر بڑا جھوٹا ہے اور عُزَیْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ یعنے عزیر بیٹے خدا کے۔ اور اَلْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ عیسیٰ بیٹے خدا کے ہیں۔ اسی قسم سے ایراد یعنی لانا ان بیتوں منحوس کا شمار کرنا اور معذور رکھنا چاہیئے۔ **قصیدہ**:۔

لِاُمِّ عَمْرٍو بِاللِّوٰی مَرْبَعٌ || طَامِسَةٌ اَعْلَامُهٗ بَلْقَعُ

واسطے ام عمرو کے ریگستان میں ایک مسکن ہے کہ نشان اُس کے نابود ہوگئے ویران پڑا ہے

لَمَّا وَقَفْتُ الْعِیْسَ فِیْ رَسْمِهَا || وَالْعَیْنُ مِنْ عِرْفَانِهٖ تَدْمَعُ

جب کھڑا کیا میں نے اونٹ کو اُسکی ریڑھوں پر اور حال یہ کہ اُس کو پہچان کر آنکھیں اپنے گوشوں سے آنسو بہاتی تھیں

ذَکَرْتُ مَنْ کُنْتُ اَلْهُوْ بِهٖ || فَبِتُّ وَالْقَلْبُ شَجِیٌّ مُوْجَعُ

یاد کیا میں نے کہ میں یہاں کھیلا کرتا تھا اُس سے پس شب باش ہوا اس حال سے کہ دل غمگین اور دردمند تھا

کَاَنَّ بِالنَّارِ لِمَا شَفَّنِیْ || مِنْ حُبِّ اَرْوٰی کَبِدِیْ تُلْذَعُ

گویا آگ میں بسبب مشقت دینے کے مجھ کو || محبت ہے کہ میرے جگر کو جلاتی ہے،

عَجِبْتُ مِنْ قَوْمٍ اَتَوْا اَحْمَدًا || بِخُطَّةٍ لَیْسَ لَهَا مَوْضِعُ

تعجب کرتا ہوں میں اُس قوم سے کہ آئے احمد کے پاس ایسی خصلت سے جس کی وہاں ٹھکانا نہیں

قَالُوْا لَهٗ لَوْ شِئْتَ اَعْلَمْتَنَا || اِلٰی مَنِ الْغَایَةُ وَالْمَفْزَعُ

کہا انھوں نے اُس سے اگر چاہتا تو خبر دیتا ہم کو اُس کی طرف کہ جس سے انتہائے کار اور مرجع فزع کا ہے

اِذَا تُوُفِّیْتَ وَفَارَقْتَنَا || وَفِیْهِمْ فِی الْمُلْكِ مَنْ یَّطْمَعُ

جب وفات پائے تو اور ہم سے جدا ہو تو || لوگوں میں کوئی ہو کہ سلطنت کی طمع رکھے

قَالَ لَوْ اَعْلَمْتُكُمْ مَفْزَعًا || کُنْتُمْ عَسَیْتُمْ فِیْهِ اَنْ تَصْنَعُوْا

فرمایا اگر بیان کروں میں تم سے مرجع فزع کا || قریب ہو تم کہ اُس کے حق میں کرو وہ کام

صَنِیْعَ اَهْلِ الْعِجْلِ اِذْ فَارَقُوْا || هَارُوْنَ فَالتَّرْكُ لَهٗ اَوْدَعُ

جیسا کہ کام کیا گوسالہ پرستوں نے ہارون سے جب جدا ہوئے پس موقوف کرنا اُس کے بیان کا بہت بہتر ہے

وَفِی الَّذِیْ قَالَ بَیَانٌ لِّمَنْ || کَانَ ذَا یَعْقِلُ اَوْ یَسْمَعُ

اور اس کلام میں کہ فرمایا بیان ہے اُس شخص || کے واسطے جو ہوش گوش والا ہے

ثُمَّ اَتَتْهُ بَعْدَ ذَا عَزْمَةٌ || مِنْ رَّبِّهٖ لَیْسَ لَهَا مَدْفَعُ

پھر آئی بعد اس کے ایک تاکید ایک وقت میں پیغمبر کو اُس کے پروردگار سے کہ نہیں ہے اُس کے دفع کا ٹھکانا

أَبْلِغْ وَإِلَّا لَمْ تَكُنْ مُبَلِّغًا || وَاللّٰهُ مِنْهُمْ عَاصِمٌ يَمْنَعُ

کہ پہنچا ورنہ نہیں ہے تو پہنچانے والا || خدا اُن سے تجھ کو بچانے والا ہے

فَعِنْدَهَا قَامَ النَّبِيُّ الَّذِي || كَانَ بِمَا يَأْمُرُ يَصْدَعُ

پس اُس وقت میں کھڑے ہوئے پیغمبر وہ پیغمبر کہ تھے جو کچھ خدا نے فرمایا صریح بیان کرنے والے

يَخْطُبُ مَأْمُورًا وَفِي كَفِّهِ || كَفُّ عَلِيٍّ ظَاهِرًا يَلْمَعُ

خطبہ شروع کیا بحکم خدا اور ہاتھ میں اُن کے || ہاتھ علی رضؓ کا تھا ظاہر اور ہویدا

رَافِعُهَا أَكْرِمْ بِكَفِّ الَّذِي || يَرْفَعُ وَالْكَفُّ الَّذِي يَرْفَعُ

اُٹھایا اس نے ہاتھ کو کیا ہے بزرگ ہاتھ کہ || بلند کرتا ہے اُس ہاتھ کو بلند ہوتا ہے

مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا لَهُ || مَوْلًى فَلَمْ يَرْضَوْا وَلَمْ يَقْنَعُوا

جو کوئی کہ ہوں میں دوست اُس کا سو یہ شخص اُس کا مولیٰ ہے سو راضی نہ ہوئے لوگ اور نہ قناعت کی

وَظَلَّ قَوْمٌ غَاظَهُمْ فِعْلُهُ || كَأَنَّمَا آنَافُهُمْ تُجْدَعُ

اور ہو گئی وہ قوم کہ کینے میں لایا اُن کو فعل پیغمبر کا ایسے کہ گویا ناکیں ان کی کاٹی جاتی ہیں

حَتّٰى إِذَا وَارَوْهُ فِي لَحْدِهِ || وَانْصَرَفُوا عَنْ دَفْنِهِ ضَيَّعُوا

یہاں تک کہ جب پیغمبر کو اُن کی قبر میں دفن کیا لوٹتے ہی اُن کے دفن سے ضائع کیا

مَا قَالَ فِي الْأَمْسِ وَأَوْصٰى بِهِ || وَاشْتَرَوُا الضُّرَّ بِمَا يَنْفَعُ

جو کچھ فرمایا تھا اُنھوں نے کل کے روز اور اُس کی وصیت کی تھی اور خریدا ان لوگوں نے ضرر کو عوض چیز نافع کے

وَقَطَّعُوا أَرْحَامَهُمْ بَعْدَهُ || فَسَوْفَ يُجْزَوْنَ بِمَا قَطَّعُوا

اور قطع کی قرابت اپنی بعد پیغمبرؐ کے سو قریب بدلا پائیں گے اس قطع کرنے کا

وَأَزْمَعُوا مَكْرًا بِمَوْلَاهُمُ || تَبًّا لِمَا كَانُوا بِهِ أَزْمَعُوا

اور ٹھانا اُنھوں نے فریب اپنے مولا کے حق میں ہلاکی ہو خدا کرے اُس کام میں کہ اُنھوں نے ٹھانا ہے

لَا هُمْ عَلَيْهِ يَرِدُوا حَوْضَهُ || غَدًا وَلَا هُوَ لَهُمْ يَشْفَعُ

نہ وہ وارد ہوں گے پاس پیغمبرؐ کے اُس کے حوض پر کل کو نہ پیغمبرؐ ان کی شفاعت کریں

حَوْضٌ لَهُ مَا بَيْنَ صَنْعَا إِلٰى أَيْلَةٍ || وَالْعَرْضُ بِهِ أَوْسَعُ

ایک حوض ہے واسطے پیغمبرؐ کے مابین صنعا کے تا ایلہ اور طول و عرض میں اُس سے بھی وسیع تر

يُنْصَبُ فِيهِ عَلَمٌ لِلْهُدٰى || وَالْحَوْضُ مِنْ مَاءٍ لَهُ مُتْرَعُ

کھڑا ہوگا وہاں نشان ہدایت کا || اور وہ حوض اپنے پانی سے لبریز ہوگا

حَصَاهُ يَاقُوتٌ وَمَرْجَانُهُ || وَلُؤْلُؤٌ لَمْ تَجْنِهِ إِصْبَعُ

سنگریزے اُس کے یاقوت و مرجان ہیں، || اور موتی سوراخ نہ کردہ اُس کے کسی انگشت کے

وَالْعِطْرُ وَالرَّيْحَانُ أَنْوَاعُهُ || ذَاكٍ وَقَدْ هَبَّتْ بِهِ زَعْزَعُ

اور عطر گلوں خوشبودار کا اُس کے اقسام سے || یہ چیزیں ہیں حالانکہ چلی اُس پر ہوا تند

رِيحٌ مِنَ الْجَنَّةِ مَأْمُورَةٌ || ذَاهِبَةٌ لَيْسَ لَهَا مَرْجِعُ

ایک ہوا جنت سے وہاں آنے پر مامور ہے کہ || اُس کے واسطے لوٹ کر جانا نہیں

إِذَا دَنَوْا مِنْهُ لِكَيْ يَشْرَبُوا || قِيلَ تَبًّا لَكُمْ فَارْجِعُوا

جب یہ لوگ (یعنی صحابہؓ) نزدیک ہوں گے اُس حوض سے تاکہ پانی پئیں اُس کا کہا جائیگا ہلاکی ہو تم کو تم لوٹ جاؤ

دُونَكُمْ فَالْتَمِسُوا مَنْهَلًا || يُرْوِيكُمْ أَوْ مَطْعَمًا يُشْبِعُ

یہ تمہارے واسطے نہیں ہے پس تم ڈھونڈھو کوئی ایسا چشمہ کہ تم کو سیراب کرے یا طعام خانہ کہ سیر و شبعان کرے

هٰذَا لِمَنْ وَالٰى بَنِي أَحْمَدٍ || وَلَمْ يَكُنْ غَيْرَهُمْ يَتْبَعُ

یہ چشمہ ہے اُس کے واسطے جو دوست رکھتا ہے آلِ احمد کو اور ان کے غیر کا تابع نہیں ہے

فَالْفَوْزُ لِلشَّارِبِ مِنْ حَوْضِهِ || وَالْوَيْلُ وَالْوَيْلُ لِمَنْ يُمْنَعُ

پس مراد حاصل ہے نوشندۂ آب کو اُس کے حوض سے اور وائے وائے ہے اُس کو کہ باز رکھا گیا

وَالنَّاسُ يَوْمَ الْحَشْرِ رَايَاتُهُمْ || خَمْسٌ فَمِنْهَا هَالِكٌ أَرْبَعُ

اور لوگوں کے حشر کے دن پانچ نشان ہوں گے اُن میں سے چار ہلاک ہونے والے ہیں

فَرَايَةُ الْعِجْلِ وَفِرْعَوْنُهَا || سَامِرِيُّ الْأُمَّةِ الْمُشَنَّعُ

سو اُن میں ایک نشان گوسالہ سامری کا ہے اور فرعون سامری اس گروہ بدکردار کا ہے

وَرَايَةٌ يَقْدُمُهَا حَبْتَرٌ || لَا بَرَّدَ اللّٰهُ لَهُ مَضْجَعُ

اور ایک نشان ہے کہ پیشوا ان کا حبتر ہے خنک نہ ہو گی واللہ خوابگاہ اُس کی

وَرَايَةٌ يَقْدُمُهَا نَعْثَلٌ || كَلْبُ بْنُ كَلْبٍ فِعْلُهُ مُفْظِعُ

اور ایک نشان ہے کہ پیشرو اُس کا نعثل ہے سگ بن سگ کام اُس کا ہولناک ہے

وَرَايَةٌ يَقْدُمُهَا أَبْكَمُ || عَبْدٌ لَئِيمٌ لُكَعٌ أَلْكَعُ

اور ایک نشان ہے کہ پیشوا اُس کا ایک گویا بدر ہے کہ ان کے واسطے لتم ہے لتم ہے

وَرَايَةٌ يَقْدُمُهَا حَيْدَرٌ || كَأَنَّهُ بَدْرٌ إِذَا يَطْلَعُ

اور ایک نشان ہے کہ پیشرو اُس کے حیدرؓ ہیں گویا چودھویں رات کے چاند جیسا کہ وہ نکلتا ہے

إِمَامُ صِدْقٍ وَلَهُ شِيعَةٌ || رَدُّوا عَنِ الْحَوْضِ وَلَمْ يَمْنَعُوا

وہ حیدرؓ امام راستی کے ہیں اور اُن کے تابعین ہیں کہ سیراب ہوں گے حوض سے کوئی اُنکو منع نہیں کریگا

بِذَالِكَ الْوَحْيُ عَنْ رَبِّنَا || يَا شِيعَةَ الْحَقِّ فَلَا تَجْزَعُوا

اس طور سے حکم آیا ہے پروردگار کا ہم کو اے گروہ حق کے تم گھبراؤ مت

جاننا چاہیئے کہ اس قصے میں دو بزرگواروں پر افترا ان کا ثابت ہوتا ہے۔ اوّل جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسرے حضرت امام علی رضاؒ پر۔ اس لئے کہ خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق اور حق سے ہوتے ہیں اور خواب امام معصوم کے بھی نفسانی شیطانی نہیں ہوتے۔ پس اس خواب میں جو کفر کی باتیں اور وہ جن سے دین میں ضروری ہیں انکار مندرج ہوئیں بیشک یہ نقد دغل اور کھوٹے دام تمیلی اسی مرد سہل بن دینار سے کہ بندہ درم اور دینار کا ہے نکلے ہیں۔ اور جو اس واقعے افترائی کی دلیلیں لکھی ہیں علی العموم پر ہر لفظ اور ہر مصرع سے ظاہر کہ لفظ لفظ افترا سے بھرا ہے۔ لیکن ہم تبرکاً موافق گنتی دوازدہ امام کے بارہ وجہیں بیان کرتے ہیں جن سے مخالفت عقل اور مخالفت قرآن اور مخالفت دین اور مخالفت واقعہ کی اس قصے میں ثابت ہو۔

❁ اوّل ابتدا ہی غلط یہ کہ اس شیعے نے سیڑھی کے ستّو ڈنڈوں کی تعبیر میں کہا تھا کہ عمر حضرت امام رضا کی ستّو برس کو پہنچے گی سو اس حد کو نہ پہنچی باجماعِ مؤرخین فریقین۔ ہر چند تعبیر خطا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خواب جھوٹے ہوں لیکن جو یہ راوی اُس تعبیر کو کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام کی خدمت میں عرض کی امام نے سکوت کیا۔ اور جس جگہ کہ محل تقیے کا نہ ہو پس امام کو خطا پر سکوت کرنا جائز نہیں ہے۔ پس ثابت ہوتا ہے کہ نہ اُنھوں نے سکوت کیا نہ اس نے کہا نہ قصہ سچا ہے۔

❁ دوسرے یہ کہ اس خواب میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے امام معصوم کو جس کی طاعت فرض ہے حکم ایک شاعر کے سلام کرنے کا دیا کہ از روئے تواریخ کے حال اس شاعر کا معلوم کہ یہ مردِ بےباک فاسق فاجر دائم الخمر تھا۔ پس اس صورت میں امام معصوم کے حق میں تحقیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خلاف شرع اور ٹوٹ دینا موضوع کا لازم آیا۔

❁ تیسرے اس قصہ میں خواب دیکھنے سے فکر اور قلق اور بےخوابی امام کی بیان کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ

باتیں امام کو جائز ہیں۔ اور تبرا خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کا پہلے سے معلوم نہ تھا بلکہ حرام وکبیرہ جانتے تھے کہ اس خواب میں دیکھ کر سُن کر اس قدر مشوش ومتردد ہو گئے۔ حالانکہ امام کو علم واجب ہونے واجبات اور حرام ہونے محرمات اور جائز ہونے جائزات کا ضروریات سے ہے۔ اگر یہ علم نہ ہو تو لیاقتِ امامت سے گر جاتا ہے۔ علیٰ ہٰذا اگر یہ قصہ صحیح ٹھہرے تو حضرت امام رضا کی امامت بھی سلب ہوتی جاتی ہے۔ بلکہ کافی کلینی میں ایک باب مقرر کیا ہے اسی بات کے ثابت کرنے کو کہ امام کو چاہیئے کہ علم مَا كَانَ اور مَا يَكُونُ کا حاصل ہو یعنی جو ہو گیا اُس کا بھی اور جو ہوویگا اُس کا بھی۔ پھر کیسا ہوگا کہ امام کو نہ اس شاعر کے حال سے خبر تھی نہ قصیدۂ مقبولہ سے خبر اور ایسی چیز کہ ایکبار پڑھنے سے ضمانت بہشت کی حاصل ہو۔ اور ان چیزوں کے مال سے جن سے تقرب خدا کا میسر آتے موجود ہوں اور امام ابتک اُس کو جانتے ہی نہیں۔ اور حالانکہ پیدا ہونا امام کا خاص اسی لئے ہے کہ مقرب کرنے والی چیزیں اور دُور کرنے والی سب بیان کردے۔ اور اس بات سے ائمہ سابق کو بھی مشکل پڑتی جاتی ہے کہ یہ کیسے بےخبر اس امر عظیم سے گئے اگر بالفرض ان کو معلوم تھا تو کس لئے امام علی رضا تک نہ پہنچایا۔

❁ چوتھے اس قصیدے میں صریح جھوٹ واقع ہے اس لئے کہ کسی مؤرخ اور اہلِ سیر نے سُنّی یا شیعہ میں سے نہ لکھا نہ کہا کہ کسی وقت صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہو کر حضرت پیغمبرؐ کے پاس آئے ہوں اور اُن سے درخواست تعین امام کی کی ہو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں اس قسم کا جھوٹ پسند کر لیا حتیٰ کہ ضامن بہشت کے بھی ہو گئے یہ تو منافی نبوت ورسالت کے ہے وَالْأَنْبِيَاءُ مَعْصُومُونَ عَنِ الْكِذْبِ قَوْلًا وَتَقْرِيرًا۔ (اور انبیاء پاک ہیں جھوٹ سے قول وتقریر میں)۔

❁ پانچویں صریح جھوٹ اس قصے میں نسبت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے وہ جو ایک موقع پر آپؐ کی زبان مبارک سے نکل گیا ہے کہ شَاعِرُنَا وَصَاحِبُنَا وَنَدِيمُنَا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اس لئے کہ شاعر حمیری نے نہ صحبت آپؐ کی پائی ہے نہ کبھی مصاحب آپؐ کا ہوا دنیا میں ظاہر ظہور۔ اور جھوٹ بولنا منافی نبوت کے ہے جو اُس کو مصاحب دنیا وآخرت کا فرماتے۔

❁ چھٹے اس قصیدے میں کفر صریح ہے، اس لئے کہ نادانی وبیوقوفی اور ناعاقبت اندیشی کو تو خدا تعالیٰ سے نسبت کیا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کو کامل تر اور مستقیم تر علم الٰہی سے بنایا ہے وہ یہ کہ خوف خطرے کہ پیغمبر صلعم کو تعین امام میں محظور وملحوظ تھے سب واقع ہوئے اور معاملہ دین کا اُوٹ پوٹ ہو گیا تحریف کتاب کی اور مُرتد ہو جانا اُس جماعت مسلمانوں کا جن سے رواج وقوت احکام الٰہی کی صورت نظر میں آنی تھی ظہور میں آیا سو یہ سب خدا تعالیٰ نے محض اپنی حکومت کو جتلانے کیلئے جبراً کرہاً پیغمبرؐ سے امام مقرر کرا کر کیا اور جو مفسدے واقع ہوئے اُس کے علم میں نہ تھے یا علم میں تھے قصد اُن کے ٹلنے کا نہ کیا یہ ساختہ پرداختہ پیغمبرؐ کا جو اتنی مدت کا

تھا بلکہ خود خدا کی تائیدات و توفیقات کا بالکل ایک بات مُنہ سے نکال کر محو مطلق کر دیا اور وہ حالت جو جاہلیت اُولیٰ میں تھی اُس سے بھی بدتر ظاہر ہوئی۔

سَاتویں ترکِ اصلح اور ترکِ الطف بھی کہ شیعہ مذہب میں رعایتیں ان دونوں کی ذمہ خدا تعالیٰ کے ضروریات سے ہیں لازم آیا۔ پس شیعہ ہی اس ترک کے قباحت کو سمجھیں کہ کس قدر ہے وہی تو اصلح اور الطف دونوں ترک ہوتے ہیں جن سے جابجا اہل سنت جماعت کو الزام دیتے ہیں۔

آٹھویں یہ کہ اس قصیدے والے نے لوگوں کو پانچ نشانوں میں منحصر کیا۔ اور رہے یہود و نصاریٰ اور مجوس و ہنود و صابئین اور خطا کے لوگ اور حبش کے اور یاجوج ماجوج اور سوائے ان کے کسی سے کوئی ان پانچوں نشان سے داخل نہیں ہے یہ کہاں ہوں گے۔ پس ظاہر ہے کہ پھر کب ایسے جھوٹ صریح کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بار بار زبان پر لاتے اور لذت اُٹھاتے۔

نویں یہ کہ جھنڈے خُلفائے ثلثہ رضؓ کے جداجدا کرنا خلاف عقل کے ہے۔ اس لئے کہ نہ یہ ایک دوسرے کے کسی عقیدے و عمل میں مخالف تھے نہ ان کے اتباع، سب کا ایک حال تھا۔ پھر اگر وہی لوگ کہ ایک نشان کے نیچے ہیں دوسرے نشان کے نیچے بھی ہوں تو ہونا اشخاص معین کا ایک وقت واحد میں متعدد مکانوں میں لازم آتا ہے۔ اور اگر بعض اشخاص کو اُس فرقے سے ایک نشان کے نیچے بعض کو دوسرے کے نیچے کریں ترجیح بلا مرجح لازم آئے اور ان دونوں محذور کو ظاہر عقل محال جانتے ہیں۔ اور غایت توجیہ کلام اس شاعر کی یہ ہے کہ ناس سے محض شیعہ مراد ہوں اس لئے کہ سواان کے اور تو بسبب کمال بددیانتی کے دائرۂ ناس سے خارج ہیں ان شیعوں کو پانچ نشان میں منحصر کریں۔ شیعۂ اولیٰ زیر نشان حیدری۔ کیسانیہ دوسرے نشان تلے۔ امامیہ تیسرے کے نیچے۔ زیدیہ زیر چہارم۔ غلاۃ زیر پنجم۔ اس صورت میں تعدد پانچ نشانوں کا موافق عقل کے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان فرقوں کے تابعین و متبوعین میں باہم مخالفت تامہ ہے عقیدے اور عمل دونوں کے رُو سے اور حصر بھی نہیں گو ملہ

دسویں یہ کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (یعنے نہیں سکھایا ہم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر اور نہ لائق اُس کے ہے) اہلِ سیر شیعہ اور سُنّی دونوں کے متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شعر کو بھی اُس کے وزن و قافیہ درست کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے تھے کیا امکان جو تمام قصیدے کو یاد کر لیتے اور بار بار امام رضاؒ کو تعلیم کرتے۔

گیارہویں حال اس شاعر حمیری کا تواریخ میں دیکھنا چاہیئے کہ کس درجہ خبیث فاسق شارب الخمر تھا۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص کو عالمِ قدس میں رسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہو۔

بارہویں یہ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۔ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا (یعنے شاعر پیرو گمراہوں کے ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ شاعر ہر میدان میں سرگشتہ ہیں۔ اور تحقیق شاعر جو کہتے ہیں کرتے نہیں مگر سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور خوب اللہ کی یاد کی)۔ اور یہ حمیری باجماع مؤرخین ذکر و صلاح والا نہ تھا۔ پس اتباع ایسے شخص کا دلیل گمراہی کی ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم اُس کے اتباع کا دیں، یہ بات آپ سے ممتنع اور محال ہے۔

کید پنجاہمؔ یہ کہ بعض ان میں سے مکار بعض ثقات محدثین کی صحبت میں گھس پڑتے ہیں اور ملازمت ان کی اختیار کرتے ہیں اور اپنے مذہب سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں اور اپنے بزرگوں کو بُرا بھی کہتے ہیں۔ اور جو جو ٹھکانے مفسدوں اور طعن کے اُس مذہب میں ہیں برملا ذکر کرتے ہیں اور بڑا تقویٰ اور توبہ اور دیانت اور حُسن سیرت جتلاتے ہیں اور اخذ حدیث میں ثقات سے بڑی رغبت ظاہر کرتے ہیں تاآنکہ علماء اور طالب علم اہلِ سنت کے موثوق و معدل ہو جاتے ہیں اور جب ان کے صدق و پاکدامنی پر اطمینانِ کلی حاصل ہو جاتا ہے تب مرویاتِ ثقات میں بعض بنائی ہوئی حدیثیں مؤید اپنے مذہب کی ملا دیتے ہیں۔ یا بعض کلمات کو بدل کر روایت کرتے ہیں تاکہ لوگ غلطی میں پڑ جائیں۔ اور یہ مکر بھی ان کا ان کی بڑی مکاریوں سے ہے۔ اجلح نامی ان میں ایک شخص تھا سب سے اول وہ اس کام پر کھڑا ہوا۔ اور یہ کید شروع کیا۔ آخر یہ ہوا کہ یحییٰ بن معین نے کہ اوثق علماء اہلِ سنت سے ہیں جرح اور تعدیل کے معاملے میں اُس کی توثیق کی اور اُس کے حال سے اطلاع نہ پائی۔ ایسا تقیہ اس نے بافراط و احتیاط کیا کہ تابعین صادق سے گمان اس پر کیا۔ لیکن اور جو عالم اہل سنت کے تھے اُن پر حال اس کا کُھل گیا کہ یہ شخص مکار ہے ازراہِ مکر و حیلہ اپنے آپ کو ایسا ظاہر کر رہا ہے۔ پس اُن روایتوں سے کہ وہ اُن کے ساتھ منفرد ہے اور بنائی ہوئی اُس کی ہیں بچے اور احتراز کیا ذٰلِكَ مَا رَوَاهُ عَنْ بُرَيْدَةَ مَرْفُوعًا إِنَّ عَلِيًّا وَلِيُّكُمْ مِنْ بَعْدِي ۔ (از انجملہ کہ اُس نے روایت کیں یہ حدیث ہے بُریدہ سے مرفوع بیشک علیؓ ولی تمہارا ہے بعد میرے)۔

کید پنجاہ و یکمؔ۔ ایک جماعت ان سے اہل تاریخ اہل سنت کو دھوکا دیتے ہیں اور ایک کتاب تاریخ میں جمع کر کے اکثر اخبار اور قصے کچھ موہوم سے نہ ایسے کہ کوئی جان لے کہ مؤلف اس کتاب کا اہل سنت سے نہیں ہے، درج کرتے ہیں۔ لیکن سیر خلفاءؓ اور احوال صحابہؓ اور ان کی لڑائیوں باہمی میں کچھ قلیل اپنے مذہب سے بھی لگا دیتے ہیں۔ جب بعض مؤرخین اہلِ سنت سے اُس کتاب کو اس گمان سے کہ مؤلف اس کا اہل سنت و جماعت ہے نقل کرتے ہیں تو غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ آخر رفتہ رفتہ یہ امر موجب ضلالت ناظرینِ بے تحقیق کا ہوتا ہے چنانچہ نقش اس کید کا بھی ان کے حسبِ مراد جم گیا ہے کہ ایک عالم مصنفینِ تواریخ کو خوب غلطی کے بھنور میں ڈالا

ہے اور ناظرین کو گمراہی کی رسّی میں باندھا ہے حتّے کہ سیّد جمال الدین محدث صاحب روضۃ الاحباب نے بھی بعض جگہوں میں اس قسم تواریخ سے نقل کی ہے۔ خصوصاً قصہ بیعت ابوبکر صدیقؓ اور توقف حضرت امیرؓ میں اور قصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں۔ اور علامت اس قسم نقول کی اُس کی کتاب میں یہ ہے، یوں لکھتا ہے کہ "در بعض روایات چنین آمدہ"۔ لیکن محققین اہلِ سنت نے تاریخوں مصنفہ مجہولوں میں جیسے کہ اس کی مجہول بات ہے اور بعض روایت اور جن کا کوئی ٹھور ٹھکانا نہیں احتراز کو واجب جانا ہے۔

❋ **کیدِ پنجاہ و دوم**۔ اور ایک طرح پر مورخین اہلِ سنت کو فریب دیتے ہیں۔ مثلاً ایک کتاب تاریخ میں لکھیں اُس کتاب میں تواریخ معتبرۂ اہلِ سنت سے نقل کریں اور ذرا خیانت نقل میں نہ کریں۔ لیکن جب نوبت ذکر صحابہؓ اور اُن کے جھگڑوں کی پہنچے تو بعض قدحیات یعنی بُری مذمت کی باتیں کتاب محمد بن جریر طبری شیعے سے جو ذمّ صحابہؓ میں تصنیف کر رکھی ہے اور اُس کتاب سے جو امامت میں لکھی ہے اور "ایضاح المسترشد" نام رکھا ہے اُس میں سے نقل کریں لیکن نام کتاب منقول عنہ کا صریح نہ لیں۔ پس یہاں دیکھنے والا غلطی میں پڑ جاتا ہے کہ شاید مراد کتاب محمد بن جریر طبری شافعی سے ہے کہ تاریخ کبیر کے نام سے مشہور ہے اور واضح التواریخ ہے۔ پھر مؤرخ نقل در نقل کرتے ہیں اور متحیر ہوتے ہیں اور نیز پیرو اُس نقل کے ورطۂ گمراہی میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اور یہ کتاب تاریخ کبیر نہایت عزیز الوجود و کمیاب ہے بہت کم لوگ ہیں جن کو پورا نسخہ اُس کا میسر ہوا ہو اور یہ جو لوگوں کے پاس ہے اس کا مختصر ہے کہ اس میں سمتاطی الشیعی کی تحریف بہت ہوتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا حال قریب آتا ہے اور ترجمہ کرنے والے اُس مختصر کے بھی شیعہ گزرے ہیں۔ پس تحریف در تحریف اس میں ہوگئی۔

❋ **کیدِ پنجاہ و سوم**۔ بعض مؤرخ ان کے کوئی کتاب لکھتے ہیں تاریخ میں اور اُس میں جھوٹ صریح اور بُرائیاں صحابہؓ کی جو آدمی کو وحشت پیدا کر دیں بے نقل و سند کسی کے ذکر کرتے ہیں تاکہ بعض بے تمیز اُس کی نقل لے کر اپنی تصنیفات اور اپنی گفتگو کے کام میں لائیں اور رفتہ رفتہ مشہور ہو جائے اور لوگوں کو اختلافِ روایات کے شک و شکوک میں ڈالے۔ اور اس کام کو پہلے ان میں سے ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے کیا ہے۔ اکثر قصے صحابہؓ کی لڑائیوں کے جو اُس کی کتاب میں مندرج ہیں اُسی کے بنائے نکالے ہوئے ہیں۔

❋ **کیدِ پنجاہ و چہارم**۔ بعض گروہ ان کے علماء کا یہ کرتے ہیں کہ کتبِ کلامیہ میں باب مطاعن صحابہؓ کو جدا لکھتے ہیں اور اُن کے اثبات کے واسطے تمسک سند صحاح اور حسان اور ضعاف حدیثوں اہل سنت سے ڈھونڈتے ہیں بادنیٰ تحریف لفظاً یا معنیً۔ اور ہے یہ کہ اُن حدیثوں میں اگر خوب غور و تامل کیا جائے تو وہ چیز جو موافق اُن کے مدعا کے موجود نہیں ہے بلکہ خلاف مدعا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بالکل ان کی تحریف ہے۔ مثال اُس کی یہ کہ خلیفۂ ثانی

ایک روز لوگوں کو بہت سا مہر باندھنے کے معاملے میں نصیحت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بڑے بڑے مہر مت باندھو اگر یہ بات موجب فخر کی ہوتی دنیا یا آخرت میں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس فخر کے سب سے زیادہ مستحق تھے کہ اُن کی بیبیوں اور لڑکیوں کا پانچ سو درم سے زیادہ مہر نہیں ہے۔ ایک عورت نے جو اُس مجلس میں حاضر تھی کہا کہ خدا تعالیٰ نے تو بھاری مہر تجویز فرمایا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا (یعنے دیا تم نے کسی کو اُن میں سے گون بھر یعنے بہت مال)۔ پھر تم کیوں منع کرتے ہو۔ خلیفۂ ثانی نے کلام الٰہی کے ادب اور نیز تواضع شعاری سے فرمایا كُلُّ النَّاسِ اَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ حَتّٰى الْمُخَدَّرَاتِ فِى الْحِجَالِ۔ یعنے ہر شخص عمرؓ سے زیادہ عالم ہے یہاں تک کہ عورتیں پردہ نشین۔ شیعوں نے اس کلمے کو اُن کے عجز جواب پر قیاس کرکے باب مطاعن میں گنا ہے۔ جیسا کہ اب ذکر اس کا آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

❋ **کیدِ پنجاہ و پنجم**۔ یہ کید ان کے بہت بڑے کیدوں سے ہے کہ کسی کلام کو اپنے مذہب کے موافق جناب امیرؓ سے نسبت کرتے ہیں حالانکہ وہ اُس سے بری ہیں اور یہ بناوٹ ان کی بعد استقراء و تتبع کے بچند طریق پائی گئی۔ اوّل یہ کہ وضع صریح کرتے ہیں یعنے پورا بنا لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ تحریف دو ایک کلموں کی عمل میں لاتے ہیں۔ تیسرے روایت بالمعنے کریں اور لفظ جناب امیرؓ کی ترک کرکے اپنے لفظوں کے ساتھ جو خود تراشی ہیں اور اپنے زعم میں لفظ مقدس جناب امیرؓ سے سمجھے ہوئے ہیں۔ اُن معنی کو ان لفظوں میں تعبیر کریں۔ اور اسی قسم سے ہیں وہ چیزیں جو ناموں اور خطبوں اور مواعظ و نصائح جناب امیرؓ سے جمع کی ہیں اور اُن میں کمی بیشی اور تحریف الكلم عن مواضعها اور تقدیم تاخیر عمل میں لا کر موافق اپنے مذہب کے بنالی ہیں۔ اور کتاب نہج البلاغت نام رکھ کر کہتے ہیں کہ رضی سے (روایت) ہے کہ مشہور و صحیح ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اُس کے بھائی مرتضیٰ سے (مروی) ہے۔ اور صریح معلوم ہوتا ہے کہ کلام جناب امیرؓ کو ابتر کرکے بعض حروف گرا دیتے ہیں اور تقدیم و تاخیر بے محل کی ہے۔ اور جہاں نام آپؓ کا لفظ میں واقع ہوا تھا اُس کو دور کرکے بجائے اُس کے لفظ فلاں بطریق ابہام داخل کیا ہے تاکہ تعیّن مراد میں شبہ پڑ جائے اہلِ سنت اُس کو سند نہ کر سکیں۔ اور نیز اسی قسم سے ہے کتاب رجب بن محمد بن رجب البرسی الحلی کی، اور سوا اس کے اور بھی۔

❋ **کیدِ پنجاہ و ششم**۔ بعض ان کے علماء کوئی کتاب تصنیف کرتے ہیں اور اُس کو اماموں سے کسی امام کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اوائل اُس کتاب میں تو اقوال صحیح اور بہتر روایتیں اُن امام کی لاتے ہیں تاکہ ناظرین معتقد اُس کی صحت کے ہوں۔ پھر بیچ میں روایتیں مزخرفہ موضوعہ کہ جو موافق اپنے مدعا کے ہوں بڑھا دیتے ہیں۔ اس قسم کی ایک تفسیر ہے کہ امام بزرگوار ابو محمد حسن بن علی عسکری علیہ السلام سے منسوب کی ہے حالانکہ

اُس کو ابن بابویہ نے جمع کیا ہے۔

کیدِ پنجاہ و ہفتم: بعض ان کے فصحاء نے دعا بنائی ہے اور خلفائی ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کی لعن وطعن لکھی ہے اور اُس کو جناب امیر رضی اللہ عنہ سے منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دُعائی قنوت آپ کی ہے اور اُن میں سے دعائی صنمی قریش کے نام سے مشہور ہے۔ اس لئے کہ اُس دعا میں شیخین رضی اللہ عنہما کو صنمی قریش کہا ہے جو یہ ہے اَللّٰهُمَّ الْعَنْ صَنَمَيْ قُرَيْشٍ وَجِبْتَيْهِمَا وَطَاغُوتَيْهِمَا الَّذِيْنَ خَالَفَا أَمْرَكَ وَأَنْكَرَا وَحْيَكَ وَجَحَدَا إِنْعَامَكَ وَعَصَيَا رَسُوْلَكَ وَقَلَبَا دِيْنَكَ وَحَرَّفَا كِتَابَكَ (إِلٰى آخِرِ الْهَذَيَانِ)۔ ترجمہ اے اللہ لعنت کر دو بُت قریش اور ان کے دو معبود اور دو طاغوت پر جنھوں نے تیرے حکم کے خلاف کیا اور منکر وحی کے ہوئے اور انکار تیرے انعام سے کیا اور تیرے رسول کی نافرمانی کی اور اُلٹا دیا تیرے دین کو اور پھیر دیا کتاب کو (آخر کلام بیہودہ تک) اور اس کذب و بہتان کی نسبت میں جو جناب امیر رضی اللہ عنہ کرتے ہیں اس میں کچھ شک و شبہ نہیں ہے نہ ان دونوں صنمی قریش کا کچھ وجود مگر شیعوں کے وہم میں۔

کیدِ پنجاہ و ہشتم: چند شعر لکھیں اُن میں مدح جناب امیر رضی اللہ عنہ اور فضلیت اُن کی بعد پیغمبر اور اُن کی امامت کا تعین اور حق ہونا مذہب شیعہ کا بیان کریں۔ اور اُس کو کسی یہود نصاریٰ میں کسی ذمّی سے نسبت دیں تاکہ نادان اہلِ سنّت کے غلطی میں پڑجائیں اور گمان کریں کہ اس ذمّی نے جو کچھ اپنے اشعار میں لکھا ہے ضرور نکالا ہوا توریت یا انجیل یا اور صحیفوں مکرمہ منزلہ سے ہوگا جو انبیائی سابقین پر نازل ہوئے ہیں۔ چنانچہ اسی قسم کے وہ اشعار ہیں جو ابن فضلون یہودی سے نسبت کرتے ہیں۔ شعر:۔

عَلٰى أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَزِيْمَةٌ	مَا لِسِوَاهُ فِي الْخِلَافَةِ مَطْمَعٌ
یعنے امیر المومنین رضی اللہ عنہ پر قصد ہے	سِوا اُن کے کسی کو خلافت میں بجز طمع کے نہیں ہے
لَهُ النَّسَبُ الْعَالِيْ وَإِسْلَامُهُ الَّذِيْ	تَقَدَّمَ بَلْ فِيْهِ الْفَضَائِلُ أَجْمَعُ
اُس کے واسطے ہے نسب عالی اور اسلام کہ مقدم	ہے بلکہ اُس میں جمع ہیں بزرگیاں سب کی
وَلَوْ كُنْتُ أَهْوٰى مِلَّةً غَيْرَ مِلَّتِيْ	مَا كُنْتُ إِلَّا مُسْلِمًا أَتَشَيَّعُ
اگر دوست رکھتا میں کوئی مذہب سوائے مذہب اپنے کے	نہیں ہوتا مسلمان مگر شیعہ

اور ان اشعار کو بھی اُسی سے نسبت کرتے ہیں:۔

حُبُّ عَلِيٍّ فِي الْوَرٰى جُنَّةٌ	فَامْحُ بِهَا يَا رَبِّ أَوْزَارِيْ
محبت علی رضی اللہ عنہ کی دُنیا میں ڈھال ہے	پس مٹا دے بطفیل محبت کے اے پروردگار گناہ میرے
فَلَوْ أَنَّ ذِمِّيًّا نَوٰى حُبَّهُ	حُصِّنَ فِي النَّارِ مِنَ النَّارِ
پس اگر کافر ذمّی نیت اُن کی محبت کی	کرے محفوظ ہے آگ میں آگ سے

اور اس قسم سے بہت باتیں ان کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

کیدِ پنجاہ و نہم: جناب امیر رضی اللہ عنہ پر یہ بات لگاتے ہیں کہ اُنھوں نے فرمایا ہے سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَحْنُ شَجَرَةٌ أَنَا أَصْلُهَا وَفَاطِمَةُ فَرْعُهَا وَأَنْتَ لِقَاحُهَا وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ ثَمَرَتُهَا وَالشِّيْعَةُ وَرَقُهَا وَكُلُّهَا فِي الْجَنَّةِ۔ ترجمہ: سُنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے کہ مَیں ایک درخت ہوں کہ جڑ اُس کی خود ہوں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا شاخ اور تو پھل حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ میوے شیعہ پتے اُس درخت کے۔ اور تمام یہ درخت جنّت میں ہے۔ اور بعض شاعران کے اس مضمون کو نظم میں لائے ہیں۔

نظم

يَا حَبَّذَا شَجَرَةٌ فِي الْخُلْدِ نَابِتَةٌ	مَا مِثْلُهَا نَبَتَتْ فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرِ
کیا خوب ایک درخت ہو کہ جنت میں جاری کر	مثل اُس کے کوئی درخت زمین میں نہیں جما
اَلْمُصْطَفٰى أَصْلُهَا وَالْفَرْعُ فَاطِمَةُ	ثُمَّ اللِّقَاحُ عَلِيٌّ سَيِّدُ الْبَشَرِ
جس کی جڑ پیغمبر ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا شاخ	پھر پھل علی رضی اللہ عنہ سید البشر
وَالْهَاشِمِيَّانِ سِبْطَاهُ لَهَا ثَمَرٌ	وَالشِّيْعَةُ الْوَرَقُ الْمُلْتَفُّ بِالشَّجَرِ
اور دو ہاشمی نواسے پیغمبر کے اُسکے میوے ہیں	اور شیعہ پتے لپٹے ہوئے اُس درخت کے
هٰذَا مَقَالُ رَسُوْلِ اللّٰهِ جَاءَ بِهِ	أَهْلُ الرِّوَايَةِ فِيْ عَالٍ مِنَ الْخَبَرِ
یہ قول رسولِ خدا کا ہے کہ لائے اُس کو	صاحب روایت عالی اخبار سے
إِنِّيْ بِحُبِّهِمْ أَرْجُو النَّجَاةَ بِهِمْ	وَالْفَوْزَ فِيْ زُمْرَةٍ مِنْ أَفْضَلِ الزُّمَرِ
میں ان کی محبت سے امید نجات کی رکھتا ہوں	بسبب انکے اور کامیابی ہے اُس جماعت میں کہ سب جماعتوں سے افضل ہیں۔

اور یہ خبر باوجود فصیح ہونے کے ان کے مدعا پر بھی دلالت نہیں کرتی ہے اس لئے کہ شیعہ علی رضی اللہ عنہ در حقیقت اہل سنت وجماعت ہیں جن کا اگلے زمانہ میں شیعہ اُولیٰ لقب تھا۔ جب رافضیوں نے یہ لقب اختیار کیا تو سُنیوں نے احتراز کیا۔ چنانچہ چند بار یہ بات گزری۔ اور دار قطنی نے اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ أَنْتَ وَشِيْعَتُكَ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا أَنَّ مِمَّنْ يَزْعُمُ أَنَّهُ يُحِبُّكَ أَقْوَامٌ يُصَغِّرُوْنَ الْإِسْلَامَ يَلْفِظُوْنَهُ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ لَهُمْ نَبَزٌ يُقَالُ لَهُمُ الرَّافِضَةُ فَجَاهِدْهُمْ فَإِنَّهُمْ مُشْرِكُوْنَ قَالَ عَلِيٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْعَلَامَةُ فِيْهِمْ قَالَ لَا يَشْهَدُوْنَ جُمُعَةً وَلَا جَمَاعَةً وَيَطْعَنُوْنَ عَلَى السَّلَفِ۔ ترجمہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے کہ تو اور تو ابع تیرے جنّت میں ہیں مگر وہ لوگ جو دعویٰ تیری محبت کا کرتے ہیں وہ ایک قوم ہوں گے کہ اہانت کریں گے اسلام

کی بزبان اور اُس کو کہیں گے، پڑھتے ہیں قرآن جو نہیں نکلتا ہے ان کے حلقوں سے اور ان کا ایک لقب ہے کہ ان کو رافضی کہیں گے پس جہاد کر ان پر اس لئے کہ یہ مشرک ہیں۔ کہا علیؓ نے اے رسول اللہؐ! ان کی کیا نشانی ہے؟ فرمایا یہ لوگ جمعہ اور جماعت میں حاضر نہ ہوں گے اور سلف پر طعن کریں گے۔ اور موسیٰؒ بن علی ابن حسین بن علی بن ابی طالب کہ افاضل اہلِ بیت سے تھے روایت ہے عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اِنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّمَا شِيْعَتُنَا مَنْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَعَمِلَ اَعْمَالَنَا۔ ترجمہ کہتے تھے اپنے باپ اور دادا سے کہ بیشک شیعہ ہمارے وہ لوگ ہیں کہ اطاعت خدا کی کریں اور ہمارے جیسے اعمال کریں۔

کید شصتم۔ اماموں سے روایت کرتے ہیں اور ان روایتوں کو مشہور کرتے ہیں کہ قیامت کے دن شیعۂ علیؓ سے حساب نہیں ہوگا نہ بہشت میں ان کے سوا کوئی داخل ہوگا۔ اوّل تو یہ روایت ہی ان کی بنائی ہوئی ہے اور ان کا افترا محض، دوسرے شیعۂ علیؓ سے مراد شیعۂ اُولیٰ اور اُن کے پیرو ہیں نہ کہ رافضی لوگ۔

کید شصت ویکم ایک حدیث لگاتے ہیں اماموں کی طرف کہ فرماتے تھے اِنَّ شِيْعَةَ عَلِيٍّ يَغْبِطُهُمُ الرُّسُلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ ترجمہ بیشک شیعہ علیؓ کے ایسے ہیں کہ رشک کریں گے پیغمبر ان پر قیامت کے دن۔ یہ حدیث بھی بنائی ہوئی اور افترا ہے اگر صحیح مانی جائے تو شیعۂ علیؓ اولیاء اہلِ سنت وجماعت ہیں کہ حدیثِ قدسی میں جن سے اس لفظ کے ساتھ ذکر کیا ہے اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِيْ جَلَالِيْ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُّوْرٍ يَغْبِطُهُمُ النَّبِيُّوْنَ وَالشُّهَدَاءُ (یعنے وہ لوگ کہ محبت رکھتے ہیں میری بزرگی میں کہ وہ عاشقانِ خدا ہیں اُن کے لئے منبر ہیں نور سے کہ اُن پر نبی اور شہید لوگ رشک کریں گے)۔ اس لفظ سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ علیؓ کے وہ لوگ ہیں کہ جناب علیؓ کو محض لِلّٰہ اور فی اللہ دوست رکھتے ہیں تاکہ ان کے وسیلۂ فیضِ ہدایت سے خدا تک پہنچیں۔ پس یہ بات سوائے اولیاء اہلِ سنت وجماعت کے کسی کو حاصل نہیں۔ بخلاف رافضیوں کے کہ اوائل تو ان کے حال کی یوں ہوئی کہ بخیال غرضوں فاسدہ دنیا کے واسطے حصول کرنے ملک وریاست اور دولت وحشمت کے اُس وقت تک کہ دولتیں اور سلطنتیں لوگوں کی خراب ہوئیں اُنھوں نے اپنا لگاؤ جناب امیرؓ سے ظاہر کیا اور ملک دولت پایا۔ اور اواخر ان کا موافق اس آیت کے اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَاۗءَهُمْ ضَاۗلِّيْنَ فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ۔ (بیشک دیکھا ہے اُنھوں نے اپنے باپوں کو گمراہ اور یہ اُن کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں) پھر یہ کب مراتب اولیاء کو فائز ہوتے۔

کید شصت ودوم۔ شیعہ کی تعریف وتوصیف میں بڑا مبالغہ کرتے ہیں اور اپنی تفسیروں میں لکھتے ہیں کہ انبیاء اولوالعزم ہمیشہ اس بات کی آرزو کرتے تھے کہ کاش شیعۂ علیؓ کے ساتھ ہمارا حشر ہوتا۔ حضرت خلیلؑ کو ایک وقت شبِ معراج میں شیعۂ علیؓ دکھائی دیئے چہرے نورانی ان کے چودھویں جیسے چاند دیکھ کر بڑی آرزو سے درخواست دعا کی کہ مجھ کو بھی شیعۂ علیؓ میں داخل کر۔ چنانچہ یہ دعا مستجاب ہوئی وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ

(یعنی بیشک اُس کے شیعوں سے ابراہیم ہیں)۔ یہ اشارہ اسی قصے سے ہے۔ اس بہتان کی بدی بُرائی کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ لازم کرتی ہے فضیلتِ شیعہ کو انبیائے اولوالعزم اور حضرت خلیلؑ پر اور جس میں نقصان درجہ نبیوں کا درجۂ اُمتیوں سے ہے اور آیت اِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ کو بھی ان معنی پر گمان کرنا بڑی خفیف بات ہے اس لئے کہ اس میں تحریف اور قطع نظم اور اضمار قبل الذکر اور ایہام خلافِ مقصود کہ یہ باتیں عرفیوں میں معیوب مذموم ہیں، کلام معجز نظام حضرت ربّ العزت میں لازم آتی ہیں جس سے خدا بچا وے۔

کید شصت وسوم یہ شیعہ معتقد اس بات کے ہیں کہ جناب امیرؓ کا جبرئیلؑ پر بھی ایک حق تھا کہ جبرئیلؑ اپنے پیدا ہونے کے وقت سے آخر دم تک ان کے ممنون واحسان مند ہیں اور یہ بڑا غلو ہے کفر سے بھی بدتر۔ اس مقدمے میں بہت سی روایتیں فرقۂ غالیہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ از انجملہ ایک یہ ہے جو اکثر اخباریین عمدہ ان کے اُن کو لائے ہیں کہ ایک روز جبرئیل علیہ السلام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے ناگاہ جناب امیرؓ آئے جبرئیلؑ کھڑے ہو گئے اور نہایت تعظیم بجالائے پیغمبر صلعم نے حال اس کا پوچھا۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ اُس کا مجھ پر ایک حق ہے کہ جب تک زندہ ہوں اُس کے شکر سے ادا نہیں ہو سکتا۔ فرمایا وہ کیا ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا کہ جب حق تعالےٰ نے مجھ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا تو مجھ سے پوچھا میں کون ہوں تو کون ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟ میں جواب میں متحیر اور خاموش ہوا۔ اتفاقاً یہ جوان اُس وقت میرے سر پر پہنچا کہ ہاں ڈر نہیں اور صاف کہہ اَنْتَ الرَّبُّ الْجَلِيْلُ وَاَنَا الْعَبْدُ الذَّلِيْلُ وَاسْمِيْ جِبْرَئِيْلُ۔ (یعنے تو پیدا کرنے والا بزرگ ہے میں بندہ ذلیل ہوں کہ جبرئیل میرا نام ہے)۔ تو میں اس احسان کا حق ادا کرنے کے لئے اُٹھا اور تعظیم بجالایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ تمھاری عمر کتنی ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا ایک ستارہ ہے کہ تیس ہزار برس میں نکلتا ہے سو میں نے طلوع اُس کا تیس ہزار دفعہ دیکھا ہے۔ اور بالکل یہ قصہ اسی فرقہ کے جھوٹوں کا جوڑا ہوا ہے اس لئے کہ تعلیم ان دو تین باتوں کی جو جناب امیرؓ نے جبرئیلؑ کو کی برابر تعلیم تمامی قرآن کے نہیں ہو سکتی ہے جو بے شبہ بموجب نصِ قرآن کے جبرئیلؑ سے پیغمبرؐ اور پیغمبرؐ سے جناب امیرؓ کو واقع ہوئی۔ پس اس نعمتِ عظیمہ کے مقابلہ میں اُن دو تین باتوں کا ایسا حق نہیں ہے یہ ایسی بات ہے کہ کسی شخص نے کسی حافظ سے قرآن یاد کیا اور تراویح میں اُس حافظ پر فتح کرے اور لقمہ دے یہ لقمہ دینا اُس کا برابر تعلیم قرآن کے جو اُس حافظ سے لقمہ دہندہ کی نسبت ہو کب ہوگا اور کیا چیز ہے۔ اور نیز آخر اس حدیث میں جو عمر جبرئیلؑ کا ذکر ہے مخالف حدیث حس کے ہے اس لئے کہ وہ ستارہ جو تیس ہزار برس بعد نکلتا ہے محال باتوں سے ہے یعنی غیر ممکن، اس لئے کہ نکلنا ڈوبنا ستاروں کا اکثر آباد ولایتوں میں موافق حرکت اُولیٰ کے ہے کہ حرکتِ اولیٰ شتاب ترین حرکات ہے جس سے کہ رات دن میں دورہ اُس کا تمام ہو جاتا ہے اور جبرئیلؑ کو آسمانِ ہشتم پر جو ٹھکانا کواکب ثابتہ کا ہے رات دن میں کتنی ہی

دفعہ آنا جانا پڑتا ہے۔ پس نسبت جبرئیلؑ کی طلوع و غروب کواکب کے ساتھ معقول نہیں ہوتی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ وجود ظاہری امیرؓ کا وجودِ جبرئیلؑ سے ہزاروں برس پیچھے ہے اس وجود میں تعلیم کرنا امیرؓ کا جبرئیلؑ کو عقلاً ممکن نہیں اور وجودِ مثالی اور رُوحی میں بھی کچھ حکم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اُس وجود میں وجود نفسِ ناطقہ کا نہیں ہے جس پر مدار افعال اختیاری کا ہو اور جس پر بھلائی بُرائی ثواب عذاب اور ثبوت غیر ثبوت حق کا ہو۔ وہ موجودات مثل اسماء اور صفاتِ الٰہی کے کہ قائم رکھنے والا اُن کا خدا تعالیٰ ہے سب اُس سے منسوب ہیں۔ اور جو افعال کہ اُن وجودات میں صادر ہوتے ہیں اس شخص سے منسوب نہیں ہوتے۔ نہ یہ قابل تعریف کے ہو نہ مذمت کے۔ نہ اس وقت میں کسی کا حق اس پر ثابت ہو۔ چنانچہ یہ بات اپنے مقام پر ثابت ہے اور اس کید کے حل کرنے سے'

❋ **کید شصت و چہارم** بھی کھُل گیا۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جناب امیرؓ نے ملائکہ کو تعلیم تسبیح و تہلیل کی کی ہے یہ بھی مزخرفات اور غلوان غالیوں بے حقیقت سے ہے۔ اس لئے کہ تسبیح و تقدیس ملائکہ کی قبل وجود آدمؑ سے بنصِ قرآنی ثابت وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اور وجود ظاہری حضرت امیرؓ کا کہ جس میں افعال اختیاری صادر ہوتے ہیں آدم علیہ السلام کے زمانے سے بھی بہت بعد ہے۔

ترجمہ: اور ہم تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور پاکی یاد کرتے ہیں تجھ کو۔

❋ **کید شصت و پنجم** یہ کہ حضرت امیرؓ کے حق میں نہایت غلو یعنی بڑھی ہوئی باتیں نقل کرتے ہیں اور جو کچھ مبالغات کہ پیغمبرؐ کے حق میں مشہور ہو رہے ہیں اور عوام کی زبانوں پر جاری ہیں جن کی محدثین کے نزدیک کچھ اصل نہیں، مثل لولاک لما خلقت الافلاک کے یہ جناب امیرؓ کے حق میں اور مانند اس کے اُن کو صحیح اور قطعی جانتے ہیں مِنْ ذٰلِكَ مَارَوَاهُ ابْنُ بَابَوَيْهِ مَرْفُوعًا لَوْلَا عَلِيٌّ لَمَا خَلَقَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ وَالْمَلَائِكَةَ۔ یعنے اگر نہ ہوتے علیؓ نہیں پیدا کرتا اللہ نبیوں اور فرشتوں کو بھی۔

❋ **کید شصت و ششم**۔ اس بات کا اعتقاد کرتے ہیں کہ ہر مومن اور فاجر کو موت کے وقت معاینہ حضرت امیرؓ کا حاصل ہوتا ہے۔ پس اپنے شیعہ کو عذابِ دوزخ اور ملک الموت کے مددگاروں اور ملائکِ عذاب سے نجات بخشتے ہیں۔ اور شربت سرد و خوشگوار پلاتے ہیں۔ دوزخ کو حکم کر دیتے ہیں کہ اس سے عرض مت کیجیو۔ اور فاجر وہ جو ان کے گمان میں مخالف ان کے مذہب کے ہے اُس کو حکم عذاب اور ایذا کا دیتے ہیں۔ اور ملائکہ ثواب و عذاب کے سب ان کے تابع ہیں۔

پس یہ اعتقاد ان کا مشابہ اعتقاد نصاریٰ کے ہے کہ روح اللہ یعنی حضرت عیسیٰؑ کو مرجع اور مآب ارواح کا جانتے ہیں کہ تمام روحیں اُنہی کے پاس لوٹتی ہیں۔ اور حساب ہر ایک سے لینا بدلا نیک و بد دینا آرام اور دُکھ میں

ڈالنا پکڑ دھکڑ کرنا یہ سب سپرد اُنہی کے طور و اختیار کے ہے جیسا چاہیں ویسا کریں۔ اس میں اتنی بات تو ہے کہ نصاریٰ کو یہ اعتقاد حضرت عیسیٰؑ کے معاملہ میں کرنا زیب دیتا ہے اس لئے کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا بھی تو بتاتے ہیں اور ہر لڑکا ولیعہد پدر اور اُس کے نائب کو زیبا ہے کہ کام سلطنت کے جاری کرے اور بجائے باپ کے دستخط کرے اور سلام و مجرا لے۔ بخلاف رافضیوں کے کہ جناب امیرؓ کو وصی و نائب پیغمبرؐ کا کہتے ہیں اور پیغمبر صلعم کو بندہ فرستادہ خدا کا اعتقاد کرتے ہیں پھر نہیں معلوم ہوتا کہ جناب امیرؓ کا یہ رتبہ کس راہ سے ثابت کہتے ہیں۔

بعض ان میں سے کچھ بیتیں حضرت امیرؓ کی طرف لگاتے ہیں کہ حارث اعور ہمدانی کی گفتگو کے وقت کہی ہیں جن سے دلالت اس مرتبے کی پائی جاتی ہے۔ اور حارث اعور ایک کذاب مشہور عالم سے ہے اگر چند بیت اپنی طبع زاد کو جناب امیرؓ پر لگا کر باعث گمراہی عالم کا ہوا ہو تو کیا عجب۔ اور ان بیتوں کے اول میں ترخیم منادیٰ مضاف کی واقع ہے کہ باجتماع اہلِ عربیت غلط اور خطا ہے۔ پس یہی ایک گواہ سچا اس بات کا ہے کہ کلام جناب امیرؓ کا نہیں ہے اور وہ بیتیں یہ ہیں۔ **ابیات**:

يَا حَارِ هَمْدَانَ مَنْ يَمُتْ يَرَنِيْ — مِنْ مُؤْمِنٍ اَوْ مُنَافِقٍ قِبَلَا

اے حارث ہمدانی جو کوئی مرتا ہے مجھ کو دیکھتا ہے — مومن ہو یا منافق اپنے سامنے

يَعْرِفُنِيْ لَحْظُهٗ وَاَعْرِفُهٗ — بِنَعْتِهٖ وَاِسْمِهٖ مَا فَعَلَا

پہچانتا ہے وہ مجھ کو آنکھ سے اور میں پہچانتا ہوں — اُس کو اُس کے وصف اور نام سے جو کچھ اُس نے کیا ہے

اَقُوْلُ لِلنَّارِ حِيْنَ تَعْرِضُ لِلْعَبْدِ — ذَرِيْهِ لَا تَقْرَبِي الرَّجُلَا

کہتا ہوں میں آگ کو جب سامنے بندہ کے آتی ہے — چھوڑ اور اُس کے پاس مت جا

ذَرِيْهِ لَا تَقْرَبِيْهِ اِنَّ لَهٗ — حَبْلًا بِحَبْلِ الْوَصِيِّ مُتَّصِلَا

چھوڑ اور اُس کے پاس مت جا کہ اُس کو — نشانی ہے علاقہ وصی کے برابر

اَسْقِيْهِ مِنْ بَارِدٍ عَلٰى ظَمَاءٍ — تَخَالُهٗ فِي الْحَلَاوَةِ عَسَلَا

پلاتا ہوں میں اُس کو ٹھنڈا پانی پیاس میں — تو اُس کو گمان کرے شیرینی میں شہد

قَوْلُ عَلِيٍّ لِلْحَارِثِ عَجَبٌ — كَمْ ثَمَّ اُعْجُوْبَةٌ لَهٗ مَثَلَا

قول علیؓ کا ہے واسطے حارث کے جس میں — عجب اور بہت تعجب ہیں اس میں مثال

اور اگر بالفرض یہ اشعار صحیح بھی ہوں تو فائدہ ان کا اُنہی لوگوں کے واسطے ہے مدد اور سفارش جناب امیرؓ میں جو اُن کے خاص دوست ہیں اور بس کہ وہ شیعہ اولیٰ یعنی اہلِ سنت و جماعت ہیں ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہونے کی ہیں۔ اور اس غلو اور مبالغے کا کہاں ٹھکانا کہ تمام کارخانہ دار الجزاء کے وہی مختار ہیں اُنہی کو اختیار ہے۔

کید شصت و ہفتم۔ اہلِ سنت پر طعن کرتے ہیں کہ یہ روایت کرتے ہیں ابن عباسؓ سے اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِیٍّ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ زَوَّجَکَ فَاطِمَۃَ وَجَعَلَ الْاَرْضَ صَدَاقَھَا۔ (یعنے خدا تعالیٰ نے زوجہ تجھ کو فاطمہؓ سی دی اور تمام زمین اُس کا مَہر کیا)۔ اور جب یہ حال ہے تو خلیفۂ اول نے فدک فاطمہؓ کو کیوں نہ دیا اور کیوں اُن سے باز رکھا اور اس پر بھی اہلِ سنت خلیفۂ اول کے کام اچھے ٹھہراتے ہیں، یہ تناقض تو ان کے مذہب کے رُو سے بھی صریح ہے۔

جواب اِس طعن کا یہ کہ یہ روایت ہرگز اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے نہ بطریق صحیح نہ بطریق ضعیف۔ ہاں بنگالے کے جاہلوں میں مشہور ہے کہ بنگلے کا ملک جو سفالۃ الہند ہے یعنی ترائی ہندوستان کی حضرت فاطمہؓ کے جہیز میں ہے گر وجہ اس شہرت کی معلوم نہیں۔ یوں بھی جاہلوں میں ایسی باتیں بے اصل محض بہت مشہور ہو جاتی ہیں۔ پھر بھی قصہ فدک کا کہ ملک بنگالہ میں واقع نہیں ہے فیصل نہیں ہوا اپنے ٹھکانے ہے۔ پس اگر عقل سے ہم کام لیں تو اس روایت کا اختراع وافترا ابھی معلوم ہوا جاتا ہے۔ اس لئے کہ کتبِ شیعہ اور سُنی دونوں فریق میں یا دعوٰی فدک کے ارث کا منقول ہے یا ہبہ کا۔ اور اس صورت میں کچھ حاجت دعوٰی ارث یا ہبہ خاص کی نہ تھی بلکہ ساری زمین کو اپنی ملک فرماتیں۔ اور یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو شیعہ سُنی سے بدون اجازت حضرت زہراؓ اور اُن کی اولاد کے کسی قطعۂ زمین کا لینا روا نہ ہوتا۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ تصرف جناب رسالت مآبؐ کا خیبر اور دوسرے اراضیٔ مفتوحہ میں جو بعد نکاح حضرت فاطمہؓ کے مفتوح ہوئیں اور اُن کو آپؐ نے بانٹا اور انعام میں دیا اور غانموں کو جاگیروں کے بطور دیں سب باطل اور ظلم ہوئے کہ حق زہراؓ اور اُن کی اولاد کا تلف کیا۔ خلاصہ کلام یہ کہ مفسدے اس خیالِ باطل کے اتنے ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ اور اس روایت باطل کو اہلِ سنت پر لگانا عجیب بُہتان ہے۔

کید شصت و ہشتم یہ کہ اہلِ سُنت پر طعن کرتے ہیں اس بات کی کہ یہ احادیث میں تمیز نہیں کرتے ہیں منافق اور مخلص کی۔ حالانکہ یہ امر بُرضرور اس لئے ہے کہ بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بسبب منقطع ہو جانے وحی کے منافق و مخلص میں تمیز نہیں ہوتی تھی۔ اور اہلِ سنت ہر صحابیؓ سے روایت کرتے ہیں مگر شیعہ کہ سوائے اہلِ بیت کے اور کسی سے روایت نہیں کرتے جن کی پاکی اور طہارت اور دُور ہونا ناپاک چیزوں کا قطعی قرآن مجید میں مذکور و منصوص ہے۔

جواب اس طعن کا یہ کہ شیعوں نے بھی اماموں سے خاص بدون کسی درمیانی کے بے واسطہ کچھ نہیں سُنا ہے اور ان کی روایت کے جو واسطے ہیں سب جھوٹے مفتری کذاب ہیں اور امام لعنت کرتے رہے ہیں اور جھوٹا بتاتے رہے ہیں۔ اکثر اُن میں مثل ہشامین اور زرارہ بن اعین کے بد اعتقاد اور زندیق گزرے ہیں۔ چنانچہ باب سوم اور

چہارم میں کتبِ شیعہ سے حال ان کا نقل کیا جائیگا۔ پس شیعہ نقل کرتے ہیں اُن لوگوں سے جن کا نفاق حضرات ائمہ کی گواہی سے ثابت ہے قطعاً۔ بخلاف اہلِ سنت کہ ان کے مجتہدوں نے بے واسطہ علم اپنا ائمہ کرامؓ سے حاصل کیا اور ان کی گواہی اور ان کی اجازت سے فتوے دیئے اور اجتہاد کئے۔ جیسے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کہ دونوں شاگرد امام جعفر صادقؓ کے ہیں اور حضرت امام جعفر صادقؓ نے ان دونوں کو خوشخبریاں دی ہیں کہ اپنے مقام پر مذکور ہوں گی۔ دوسرے یہ کہ روایت منافق اور بے دین کی اُس وقت مضر ہوتی ہے کہ وہ تنہا اُس روایت میں متفرد ہو اور جب کہ اہلِ بیت اور بڑے بڑے صحابہؓ کہ ان کے درجۂ عالی ایمان میں نصوص قرآن سے ثابت ہیں کسی روایت کو ادا کریں اور اور لوگ بھی کہ ابھی تک نفاق اُن کا کہیں ثبوت نہیں ہوا اس کی تائید کریں ایسی روایت سے اخذ کرنا کیا بُرائی ہے۔ خاص وہ قرن یعنی زمانہ صحابہؓ اور تابعینؒ کا جس کی نسبت سب اماموں سے بڑھ کر اور سب کے امام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ (یعنی یہ کہ سب قرنوں میں یعنے سب صدیوں میں بہتر میرا قرن ہے اس کے بعد جو اس سے قریب اور ملے ہوتے ہیں) صدق و صلاح ان کا ثابت ہوا کہ جناب امیرؓ اور ائمہ اطہارؓ نے بھی ابو بکر صدیقؓ اور دیگر خلفاءؓ اور جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے روایتیں کی ہیں اور روایات میں تصدیق کی ہے۔

اور یہ بات کہ آخر حیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں مومن منافق سے متمیز ہوگئے تھے اور بعد وفات آنحضرت صلعم منافقوں سے زندہ کون رہا تھا چنانچہ آیت شریفہ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ (نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چھوڑدے مومنوں کو اُس حال میں جس پر تم ہو جب تک نہ جدا کرلے پاک کو ناپاک سے)۔ اور حدیث بھی اَلَآ اِنَّ الْمَدِیْنَۃَ تَنْفِی النَّاسَ کَمَا یَنْفِی الْکِیْرُ خُبْثَ الْحَدِیْدِ (یعنے خبردار ہو جاؤ بیشک مدینہ دُور کرتا ہے لوگوں سے جیسے دُور کرتی ہے لوہار کی دھونکنی لوہے کے میل کو) دونوں اُس سے خبر دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی اُس زمانے میں بطریق شاذ و نادر کے ہوگا بھی تو شوکت صحابہؓ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اُن کے اور مواخذہ تساہل و سُستی سے بیچ روایتوں کے خائف و ہراساں ہو کر کیا ممکن کہ خلاف واقع اور مخالف دین کے روایات کرے؟ چنانچہ جو لوگ اتباع سیر خلفاءؓ کا کرتے ہیں اُن پر یہ بات آفتاب سے روشن تر اور روز گزشتہ سے ظاہر تر ہے۔ شعر۔ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ✽ چشمۂ آفتاب راچہ گناہ ✽ مع ہذا اہلِ سنت نے اپنے اصول میں ایک قاعدہ ٹھہرایا ہے کہ اُس کے سبب سے اس آمیزش سے بچتے ہیں بمقتضائے اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ (یعنے پیروی کرو سوادِ اعظم کی) پس جو روایت کہ مخالف جمہور کے ہوتی ہے اُس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ بخلاف شیعہ کہ کھلونے ان منافقین کے ہیں دین و ایمان اپنا مخالفت جمہور پر رکھا ہے۔ روایتیں شاذ و نادر ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اُنہی پر عمل ہے۔ پس منافقین کا دخل اُن کی روایتوں میں زیادہ کیا معنی بالکل ہے بلکہ دین ان کا اسی پر منحصر

اور واقع ہے۔

کید شصت ونہم۔ کہتے ہیں کہ ہول قیامت کے اور میزان اور نامہائے اعمال اور اعمال کی سزا جو کچھ مروی ومنقول ہے یہ سب غیر شیعہ کو ہوگا۔ شیعہ ان سب شدائد سے محفوظ ومصئون رہیں گے۔ اور یہ بہتان ائمہ عظامؑ پر باندھتے ہیں۔ اس عقیدے میں یہ مشابہ عقیدہ یہود کے ہیں جو قطعاً اپنے آپ کو نجات یافتہ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُهٗ (ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اُس کے دوست) وَلَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ (یعنے ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو آگ مگر چند روز)۔ اور یہ سب مخالف نصوص قطعیہ کے ہیں۔ وہو ہذا مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ (جو کوئی بُرے کام کرے گا بدلہ پائیگا)۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (جو کوئی برابر ایک ذرّے کے بھی عملِ بد کریگا دیکھے گا اُس کو)۔ اور سوا ان کے اور آیتیں حدیثیں ہیں جن پر فریقین کو اتفاق ہے۔

کید ہفتادم۔ اہلِ سنت پر بہتان کرتے ہیں کہ ان کا قول ہے جبتک کہ مُرغی یا چکور کے انڈے بھر بغض جناب امیرؓ کا دل میں نہ ہو تب تک آدمی سنّی نہیں ہوتا۔ اصل اس بہتان بے اصل کی یہ ہے کہ بعض علماء نے ان کے اس لفظ کو علی بن الجہم بن بدر بن جہم قرشی سے روایت کیا ہے کہ وہ بڑا شریر ناصبی تھا مصلحتاً سنّی بن گیا تھا اور اپنے آپ کو چھپایا تھا اور جبتک وہ زندہ رہا ہمیشہ اُس کا یہی مطلب ومقصد رہا کہ لوگوں کو جناب امیرؓ سے پھیر دوں۔ اور کچھ دُور نہیں ہے کہ اُسی کی کہی ہو۔ متاخرین نے ان کے کہ بڑے بے تمیز وبے تحقیق ہیں اس روایت کو قبول کرکے اہلِ سُنّت کے حق میں یہ ہذیان ٹھہرایا۔ خاص کر "مجالس المومنین" والا اپنی کتاب میں قطعی کہتا ہے کہ بُغض جناب امیرؓ کا بے شک وشبہ اہلِ سنت کے دل میں رہتا ہے بخوف اپنے مخالفین کے بعض فضائل اُن کے مذکور کرتے ہیں تعجب ہے اس شخص سے کہ اپنے آپ کو عاقل بھی جانتا ہے اور دعویٰ علم قلوب کا کہ خاصہ خُدا کا ہے کرتا ہے، اس کو اہلِ سنت کے دلوں کا حال کیا معلوم مگر بحکم اَلْمَرْءُ يَقِيْسُ عَلٰى نَفْسِهٖ اپنی طرح خوف وتقیہ اہل سنت کو بھی لگا رکھا ہے۔ تواریخ میں ہزاروں جگہ دیکھا ہوگا کہ علمائے اہلِ سنت نے اُمرائے خونریز وظالم نواصب کے بے ڈر ہو کر مثل حجاج بن یوسف اور ولید کے سامنے اظہار مذہب کا کیا ہے اور جانیں اپنی خاندانِ نبیؐ پر نثار کی ہیں اور مرنا اختیار کیا ہے۔ نسائی کہ محدثین اہل سنت سے ہے بدولت تحریر رسالہ مناقب جناب امیرؓ کے ہشام کے ہاتھ سے شہید کئے گئے۔ علٰی ہذا سعید بن جبیرؒ کہ حسنینؓ کو ذریت رسول کی کہتے تھے چنانچہ حجاج کو اس مسئلے میں الزام دیا، اور اس آیت وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ سے استنباط اس معنیٰ کا کرکے گلگونہ شہادت سے سُرخرو ہوئے۔ دیکھو کس بلا کا تعصب ہے، بیچارہ دیدہ کو نادیدہ اور شنیدہ کو ناشنیدہ کرتے ہیں۔ اور اگر اہل سنت مخالفوں کے ڈر سے فضائل امیر المومنینؓ کے ذکر کرتے ہیں تو ان کے خوف سے طعن اور بُرائیاں ابوبکرؓ اور عمرؓ کی کیوں نہیں بیان کرتے۔ اس لئے کہ مخالف ان کے یعنی شیعہ صرف فضائل جناب امیرؓ کے ذکر کرنے پر قناعت نہیں کرتے ہیں جبتک کہ یہ ضمیمہ ذمیمہ

اُس کے ساتھ نہ ہو۔

کید ہفتاد ویکم۔ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن طاعت وعبادت اہل سنت کی هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (یعنے غبار پراگندہ کردے گا) کچھ نتیجہ نہیں پائیں گے۔ جواب اس کید کا نص قرآنی ہی کافی ہے۔ کقولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا (بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا ہے بدلہ اُس شخص کا جس نے نیک عمل کیا) اور فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (جو کوئی عمل کرے گا نیک برابر ذرّے کے دیکھے گا)۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ غیر روافض سے اگر کوئی تمام عمر بلکہ ہزار برس عبادت خدا کی کرے اور زہد وتقویٰ اپنا شعار بنائے کبھی اُس کو فائدہ نہیں دے گا اور عذاب سے نجات نہیں بخشے گا۔ حالانکہ حق تعالیٰ قرآن مجید میں مخاطبہ مشرکین میں کہ عرب بھی یہی اعتقاد رکھتے تھے فرماتا ہے لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (یعنے نہ تمہاری آرزو پر ہے نہ کتاب والوں کی آرزو پر جو کوئی بُرا کرے گا اُس کی سزا پائے گا، اور نہ پائے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی نہ مددگار۔ اور جو کوئی کچھ نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور ایمان رکھتا ہوگا سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور اُن کا حق نہ رہے گا تل بھر)۔ اگر شیعہ یہ کہیں کہ جب اہل سنت نے انکار امامت جناب امیرؓ کا کیا تو ایمان ان کا برہم ہوگیا اس لئے کہ اعتقاد امامت کا مثل اعتقاد نبوت کے ضروریاتِ ایمان سے ہے۔ اور یہ اعتراض اس وقت کا ہے کہ خلافت خلفائے ثلثہؓ پر یہ لوگ راضی ہوگئے اور ان کی طرح ہاتھ پاؤں نہ مارے۔

پس اعتراض مذکورہ کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ بات بعید در بعید ہے کہ اہلِ سنت جناب امیرؓ کو مستحق امامت نہ جانیں یا کسی اور کو ائمہ طاہرینؓ سے قابلِ امامت نہ سمجھیں انکار کریں۔ نہایتِ کار یہ ہے کہ اہلِ سنت ابوبکرؓ وعمرؓ کو بھی مستحق امامت جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو اجماع اُمت کا ایک شخص کے مقرر کرنے پر جماعت مستحقین امامت سے منعقد ہو امام بالفعل وہ ہے اور اسی لئے وقت منعقد ہونے بیعت اہل بست وکشاد کے ساتھ جناب امیرؓ کے پس اُن کو بھی امام بالفعل جانتے ہیں۔

خلاصہ کلام کا یہ کہ خلافت کے اقسام ہیں۔ اگر استحقاق امامت کا نزدیک اہلِ سنت کے بنص ثابت ہو تو خلافت راشدہ ہے۔ اور اگر بعقل اور قرائنِ ظنی کے ثابت ہو اُس کا خلافتِ عادلہ نام رکھتے ہیں۔ اور اگر بدون استحقاق کوئی شخص غالب ہوجائے اُس کو خلافت جابرہ اور ملک عضوض یعنی کٹکھنی سلطنت جانتے ہیں اور خلافت خلفائے اربعہ کی انکے نزدیک راشدہ ہے استحقاق امامت ہر ایک کو ان سے بنص ثابت ہے۔ اور اگر اعتقاد امامت بالفعل ہر امام کا ہر وقت میں ضروریاتِ ایمان سے ہو تو ایمان شیعہ کی برہمی بھی لازم آتی ہے اس لئے کہ زمان حیات حضرت امیرؓ میں معتقد امامت حسنینؓ کے

نہیں ہیں۔ اور علی ہٰذا القیاس بحیات حضرت امام حسنؓ امامتِ حضرت امام حسینؓ کے۔ بلکہ امامت ہر امام کا زمانۂ ایک امام میں دوسرے کا کوئی معتقد نہیں ہے۔ پس اس صورت میں شیعہ بھی منکر امامت جمیع ائمہ کے ٹھہریں گے چنانچہ خود حضرت امیرؓ بھی بعین حیاتِ جناب پیغمبر صلعم بالفعل ان کے نزدیک نہیں ہیں۔ اس کے سوا اس معاملہ میں شیعہ کیا کہہ سکیں گے یعنی محمد بن حنفیہ اور زید شہید کے حق میں کہ انھوں نے اور ان کے امثال نے امام زادوں سے صریح انکار استحقاق امامتِ امام زین العابدینؓ اور امام محمد باقرؒ کا کیا ہے۔ اور ان دونوں بزرگوں کو ان دونوں بزرگوں نے کسی وقت میں امام نہیں جانا۔ پس اگر ایمان محمد بن حنفیہ اور زید شہید کا صحیح ہوگا تو اہلِ سنت کا ایمان ان سے بہت بڑھ کر صحیح ہوگا۔ اس لئے کہ یہ لوگ ہر وقت میں معتقد جناب امیرؓ کے مستحق بامامت ہونے کے ہیں اور اپنے وقت پر امام بالفعل بھی جانتے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ باوصف بغض و عداوت کے جیسا کچھ اس فرقے کو اہلِ سنت سے ہے۔ انہی کی کتابوں میں روایتیں صحیح موجود ہیں جن سے اہلِ سنت کی نجات معلوم ہوتی ہے جیسا کہ باب معاد میں نقل کیا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اصل یہ ہے کہ ان میں اس قدر غلو اور تعصب ان کی بے تمیزی سے پیدا ہوا کہ اہلِ سنت و نواصب میں فرق نہیں کرتے۔ عقائد نواصب کو اہلِ سنت کے عقائد سے نسبت کرتے ہیں۔ ابتدا ان کی تو نادانستہ تھی مگر انتہا میں ضرور دیدہ و دانستہ یہ بے تمیزی اپنے اوپر لازم کر لی ہے۔ اور اسی قسم سے وہ ہے جو ان کی کتاب سے مروی ہے کہ اگر رافضی بیشمار مدت تک گناہ خدا کے کریں اور حرام چیزوں نہایت بُرے کو اختیار کریں ان سے ہرگز مواخذہ نہ ہوگا بغیر حساب بہشت میں جائیں گے۔ بلکہ بعض شیعہ کو ہر گناہ کے بدلے میں حسنات دیں گے اور یہ بھی ان کی کتابوں سے مروی ہے کہ بعض اعمال شیعہ کے خصوصاً لعن اگلے لوگوں کی مقابل اعمال اکثر انبیاءؑ کے ہیں۔ ایسی ہی یہ بھی ہے کہ گناہ شیعوں کے عبادت سُنی سے افضل ہیں۔ اس لئے کہ گناہِ شیعہ قیامت کے دن نیکی سے بدل جائیں گے اور وہ جزائے خیر پائے گا۔ اور عبادت سُنی کی حبط اور هَبَآءً مَّنثُورًا ہو جائیگی۔

کیدِ مفتاد و دوم۔ اہل سنت پر یہ طعن بھی اُن کو ہے کہ انھوں نے اپنی صحاح میں روایت کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو ہوا بجائے چار رکعت کے دو رکعت ادا کیں اور خبر نہیں کہ یہی حدیث صحاح شیعہ مثل کافی کلینی اور تہذیبِ ابوجعفر طوسی میں سندوں صحیحہ کے ساتھ مروی ہے۔ اور سابق گزرا کہ سہو افعالِ بشریہ میں کچھ کوتاہی نہیں کرتا تاکہ انبیاءؑ کو اُس سے بچائیں۔ ہاں احکامِ الٰہی پہنچانے میں سہو ہونا روا نہیں ہے سو کسی انبیاءؑ کو ہوا بھی نہیں۔

کیدِ مفتاد و سوم۔ کہتے ہیں کہ اہلِ سنت اپنی حدیثوں میں نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لیلۃ التعریس میں نماز صبح کی قضا ہوئی۔ اور اُس جنگل میں ایک شیطان مسلط تھا کہ لوگوں پر اس نے بقول ہندی مسان (اونگھ یا غفلت) ڈال دی۔ پس شیطان کا مسلط ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت کرتے ہیں۔ یہ

طعن ان کا اُن کے سامنے سرسبز ہوتا ہے جو ان کی کتابوں سے واقف نہیں ہے۔ کلینی نے کافی میں اور ابوجعفر نے تہذیب میں یہ قصہ لیلۃ التعریس کا سندوں متنوعہ اور طرقِ معدودہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

کیدِ مفتاد و چہارم۔ یہ افترا بھی اہل سنت پر باندھا ہے کہ یہ لوگ خارجیوں اور حروریوں سے توثیق اور تعدیل کرتے ہیں اور کتبِ احادیث میں ان سے روایت لاتے ہیں۔ بلکہ بخاری کو کہتے ہیں کہ اُس نے اپنی صحیح میں ابنِ ملجم سے روایت کی ہے۔ یہ طعن خود افترا محض اور بہتان ہے صرف محتاج جواب کا نہیں۔ اس لئے کہ ہزاروں نسخے ہر کتاب اہلِ سنت کے مشرق سے غرب تک لوگوں کے ہاتھوں میں موجود ہیں یہ بھی نہیں کہ تقویم پارینہ کی طرح صندوقوں میں پڑے ہوں اور علانیہ ہیں مثل آفتاب روشن کے۔ اُن میں کونسی روایت ابن ملجم سے ہے اور خوارجِ دیگر سے۔ اہلِ سنت تو یہاں تک محتاط ہیں کہ ان کے نزدیک بغضِ اہلِ بیتؓ اور امیر المومنینؓ قوادحِ صحتِ روایت سے ہیں گو راوی اُس کا نیک کردار راست گفتار ہو۔ اسی لئے جس نے جریر بن عثمان کی توثیق کی ہے اُس کو اُنھوں نے غلط رکھا ہے کہ اُس نے اُس کا ظاہر حال اور صدق مقال دیکھ لیا اور دھوکا کھا لیا۔ عقیدۂ باطنی سے مطلع نہ ہوا کہ وہ دشمن جناب امیرؓ سے تھا اور نہایت بُغض رکھتا تھا۔ ابن ملجم کا حال ان کی کتابوں میں دیکھیں کہ اس کا اشقی الآخرین لقب ہے موافق حدیث شریف کے کہ قاتل جناب امیرؓ کا اشقی الآخرین ہے اور عاقر یعنی کونچیں مارنے والا ناقہ صالحؑ کا اشقی الاولین۔ غرض آپؓ کا قاتل ایسا بدبخت ہے آخری زمانے کے جو بدبخت ہیں اُن میں نہ کوئی ایسا ہوا نہ ہوگا۔ جس وقت کہ ابن ملجم نے جناب امیرؓ کو شہید کیا اور کندۂ دوزخ کا بنا بعض حروریہ نے اُس کی تعریف میں شعر اور قصیدے لکھے اور بڑی تحسین و آفرین کی۔ شعرائے اہلِ سنت نے اُن کے مقابلے میں کیسے قصیدے لکھے اور جواب دندان شکن دیئے کہ یہ سب اشعار و قصائد استیعاب میں موجود ہیں۔ البتہ بخاری میں روایت مروان سے آئی ہے باوجود اس کے کہ وہ بھی جملہ نواصب سے ہے بلکہ رئیس ان کا۔ لیکن مدار روایت بخاری کا امام زین العابدینؓ پہ ہے اور سند اُس کی ان پر ختم ہوتی ہے۔ اگر امام موصوف مروان سے روایت کریں تو بخاری کو اُس سے احتراز کرنا کب لائق ہوگا۔ اور نیز بخاری نے فقط مروان سے کوئی روایت نہیں کی مسور بن مخرمہ کو یا اور کسی کو بھی اُس کے ساتھ لائے ہیں۔

سابق گزرا کہ اگر کوئی منافق یا بدعتی بعض اخبار نقل کرنے میں شریک اہل حق کا ہو اُس سے لینا بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ علی الخصوص روایتیں کی ہوئی مروان کی بخاری میں بھی اس حال کے ساتھ جو بیان ہوا دو جگہ سے زیادہ نہیں۔ ایک قصہ حدیبیہ میں دوسری قصہ بنی طائف اور بنی ثقیف میں۔ سو یہ دونوں جگہیں عمل اور عقیدے سے تعلق نہیں رکھتیں جن میں احتیاط واجب ہے۔ صحاحِ دیگر میں بھی اتنی ہی اور اسی صفت کے ساتھ روایت مروان سے وارد ہے۔ عکرمہ کہ خاص مولیٰ ابن عباسؓ کا اور شاگرد رشیدان کا ہے اہلِ سنت کی کتابوں

میں اس کی روایتیں بہت ہیں۔ مگر بعض ناواقف جو اس پر تہمت ناصبی اور خارجی ہونے کی کرتے ہیں انصاف سے بہت دور ہے اس لئے کہ وہ خاص موالی اور خانہ پرورد ابن عباسؓ سے ہے ان کی صحبت کا ہمیشہ رہنے والا اور شاگرد رشید اور ابن عباسؓ بالاجماع شیعہ اولی اور دوستوں اور مددگاروں جناب امیرؓ سے ہیں۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے بھی اُن کو شیعہ سے شمار کیا ہے پھر کیا ممکن کہ ایسا مولیٰ اُن کا ہم صحبت اور ہم مشرب ہو اور اُن کے عقیدے سے ایسا دور پڑے کہ تہمت ناصبی اور خارجی کی اُس پر ہو۔ اور ابن عباسؓ باوصف دریافت اُس کے حال کے کہ اس قسم کی صحبتوں میں پوشیدہ رہنا اُس کا محالاتِ عادیہ سے ہے اپنے پاس سے اُس کو نہ نکالیں اور دور نہ کریں۔

کید ہفتاد و پنجم: کہتے ہیں کہ اہل سنت نماز میں مہرۂ خاک پر سجدہ نہیں کرتے پس یہ لوگ مشابہ شیطان کے ہیں کہ اُس نے بھی سجدۂ خاک کہ مراد آدمؑ سے ہے تکبر کیا اور ملعون ہوا۔ قولہ تعالیٰ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ (یعنے پیدا کیا تو نے مجھ کو آگ سے اور پیدا کیا اُس کو تو نے مٹی سے)۔ بعض شعراء ان کے اس مضمون کو نظم میں لائے ہیں۔ رُباعی:

آنکس کہ دل از بغض علیؓ پاک نہ کرد | بیشک تصدیق شاہ لولاک نہ کرد
برمہرہ نماز کے گزارد سُنّی | شیطان زازل سجود برخاک نہ کرد

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ اہلِ سنت کو خاک پر سجدہ کرنے سے کب احتراز ہے مگر اور چیزوں پر بھی جیسے کپڑا اور چرم حیوانات کا سجدہ کرنا جائز جانتے ہیں۔ اور اخبارِ مشہورہ میں آیا ہے کہ شیطان نے ملعون ہونے سے قبل کوئی جگہ آسمان و زمین پر نہیں چھوڑی تھی کہ وہاں سجدہ نہ کیا ہو اور یہ سب سجدے نامقبول ہوئے بدولت ایک سجدہ نہ کرنے کے طرف آدمؑ خاکی کے جو صورت اور گوشت پوست رکھتا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ فقط خاک پر سجدہ کرنا اور اُس کے مانند وہ جو چیز جو خاک سے پیدا ہو کر دوسری صورت بہم پہنچائے اُس سے بچنا اُس کا انجام یہی ہے جو شیطان کا ہوا۔ اور جو کچھ کتب شیعہ میں تحقیر آدمؑ اور بعض بغض و حسد اُن کے اہل بیت نبوی کے ساتھ یا انکار نبوت مروی و منقول ہے انشاء اللہ تعالیٰ باب نبوت میں ذکر کئے جائیں گے۔ لیکن غور کیا جائے جس شخص کی ترک تعظیم سے شیطان اس درجے کو پہنچا تحقیر اور تذلیل اُس کی اس فرقۂ شیعہ کے ساتھ سمجھو سوچو تو کیا کیا کریگی۔ اب انصاف کرنا چاہیے کہ یہ جو اہل سنت کی مشابہت شیطان سے کرتے ہیں بتائیں تو مشابہت کیا ہے اور مشابہ کون ہے اور اشعار جو مذکور ہوئے پہلا شعر تو عین عقیدۂ اہلِ سُنّت کا ہے۔ دوسرے شعر کا مضمون ناقص ہے اس لئے کہ شیطان نے خاک پر سجدہ کرنے سے کبھی احتراز نہیں کیا بلکہ آدمؑ خاکی کے سجدے سے۔ اگر خیال کرو تو شیعہ اور سُنّی دونوں خاک کو سجدہ نہیں کرتے اور انصافاً بھی یہ ہے کہ ضرورتاً اگر سجدہ خاک پر جائز ہوا تو خیر ورنہ کیا مناسب کہ نشستگاہ اپنی تو واسطے مقعد کے کہ سب

اعضاء میں ناچیز اور مقام نجاست کا ہے مسندوں منقش زردوزی اور نمدے و قالین گلگون سے درست کریں اور جب نوبت حضور و مناجات پروردگار کی پہنچے تو خاک لائیں اور اپنے اعضائے بہترین کو کہ سر و چہرہ ہے بمقتضائے حدیث اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (بیشک اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا اپنی صورت پر) اس لئے کہ مظہر صفات وجوبیہ ہے یعنی علم اور قدرت اور سُننا اور دیکھنا اور کلام مثل اپنے اُس کو عطا کیا اُس کو خاک پر رکھیں۔ حقیقت میں یہ فعل ان کا مشابہ ہے مشرکین جاہلیت کے فعل سے کہ حیوانات کی طرح ننگے ہو کر طواف کعبے کا کرتے تھے اور اتنا نہیں سمجھتے کہ انسان کو عبادت و تعظیم انسان کی طرح چاہیئے نہ حیوان کی طرح خاک پر پڑ جائیں یا ننگے ہو جائیں۔ اسی لئے ستر ڈھانکنا واجب ہے اور کپڑے شرائط نماز سے ٹھہرائے ہیں جیسا کہ فرمایا خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (یعنے خوب بن سنور کر مسجدوں کو جاؤ) نہ یہ کہ مہرۂ خاک پر سجدہ کرو کہ اس میں بہت سے وہم پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ مہرہ رکھنا خاصہ کفار و منافقوں کا ہے۔ دوسرے سر خاک پر رکھنا فالِ بد ہے مشعر بحبط عمل۔ تیسرے مشابہ ہے بُت پرستوں سے کہ عبادت کے وقت کچھ سامنے رکھ لیتے ہیں، اور علیٰ ہٰذا القیاس۔ چنانچہ شعرائے اہلِ سنت نے بھی اس کو نظم کیا ہے۔

رُباعی: از بغض و حسد مدام دل پاک بہ است ✽ وین شیشۂ صاف از تُنُہ افلاک بہ است ✽ برمہرہ نماز
می گزارد شیعی ✽ یعنی کہ دہانِ سگ پُر از خاک بہ است ✽

دوسرے نے کہا ہے رُباعی: چوں کارِ منافق بحضور انجامد ✽ تلبیس و تصنعش بزور انجامد ✽ مہرہ دل شیعہ
است کہ در وقتِ نماز ✽ از پردۂ اخفا بظہور انجامد ✽

قطعہ: طاعت و زہد با دل پُر غل ✽ ہمہ ہیچ است و پوچ لاطائل ✽ رافضی را چو بنگری بسجود ✽ خاک بر
سر بود از و حاصل ✽

اور نے کہا ہے۔ رُباعی: ہر کہ او از لوث بغض ناپاک بود ✽ سفلی است اگرچہ بر تُنُہ افلاک بود ✽ شیعی در عین
اوج معراج نماز ✽ مد نظرش مہرۂ از خاک بود ✽

پھر کسی نے کہا ہے قطعہ: اے ولے بر کسی کہ ز شوم نفاق و بغض ✽ کردار نیک را ہمہ صد پارہ چاک کرد ✽ وائی
کہ سجدہ کردن شیعی بمہرہ چیست ✽ یعنی نماز خویش برابر بخاک کرد ✽

اور کسی کا قول ہے۔ رُباعی: سُنّی دل را بیادِ حق رستہ کند ✽ کافر پئی آتش و فرو خستہ کند ✽ شیعے کہ خسیس تر
بود وقتِ نماز ✽ دل را بکلوخ خاک وابستہ کند ✽

رُباعی: شیعے کہ ہمیشہ تخم لعنت کارد ✽ وقتے بغلط روی بطاعت آرد ✽ خاکیکہ بشکل مہرہ در سجدہ نہد ✽ بر حبط
عمل طرفہ دلالت دارد ✽

کید ہفتاد و ششم: یہ کہ حکایتیں بناوٹ کی ہوتی اور روایتیں اپنی نکالی ہوئی جس سے اپنے مذہب کی حقیت ظاہر ہو اور اہل سُنت کا بطلان، اور وہ یہ کہ جو منکر مذہب امامیہ کا ہوا اور ان سے مباہلہ کیا فوراً مر گیا مشہور کریں۔ اُن میں سے ایک یہ نجاشی نے ذکر کی ہے کہ محمد بن احمد بن عبداللہ بن قضاعہ بن مہران حمال ابو عبداللہ شیخ الطائفہ نے مناظرہ کیا قاضی موصل کے ساتھ مقدمۂ امامت میں روبرو ابن حمدان وہاں کے حاکم کے رفتہ رفتہ مناظرے سے نوبت مباہلہ کی پہنچی۔ قاضی نے دوسرے دن کا وعدہ کیا آخر دونوں نے دوسرے دن مباہلہ کیا۔ قاضی نے اپنا ہاتھ ابو مہران کے ہاتھ میں دیا پھر دونوں اُٹھ کر مجلس سے چلے گئے۔ قاضی کی عادت ہر روز در دولت امیر پر حاضر ہونے کی تھی۔ جب دو روز تک نہ آیا امیر نے ایک معتمد کو بھیج کر حال دریافت کرایا۔ معلوم ہوا کہ جب سے مجلس مباہلہ سے اُٹھ کر گیا ہے تپ چڑھی ہے اور وہ ہاتھ جو مُباہلے کے واسطے بڑھایا تھا سُوج گیا اور سیاہ ہو گیا ہے آخر اُس کے دوسرے دن مر گیا۔

اور ایسی بہت نقلیں ان کے پاس تیار ہیں سب فریبِ بناوٹ۔ اہل سُنت اس قصّے کو نہیں مانتے بلکہ نقل کرتے ہیں کہ یہ محموم (تپ گرفتہ) اور ہالک (ہلاک ہونے والا) مہرانی حمال تھا آئندہ خدا واقف ہے حقیقۃ الحال سے۔ اتنا تو تواریخ سے معلوم ہوا کہ یہ مہرانی حمال ایک شخص تھا دنیا طلب کہ ہرگز پرواہ جھوٹ اور بناوٹ کی اس کو نہ تھی اگر اس قصے کو بنا کر اس نے اپنے شیعہ سے روایت کیا ہو کچھ دور نہیں اور شاید قاضی موصل کا مُطلقاً منکر امامت حضرت امیرؓ کا ہوا ہو کہ خود مخالف اہلِ سنّت وجماعت کے ہے۔ اس لئے کہ یہ شیعہ سے بھی ثبوت اصل امامت میں متفق ہیں صرف آگے پیچھے امامت میں بحث ہے۔ پس اس صورت میں مرجانا قاضی کا مُباہلے میں سُنیوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے۔ اس لئے کہ مُوصل کے لوگ اُس زمانے میں پڑوس اہل شام کے سبب سے نواصب کے مذہب کے ہو گئے تھے پس یہ احتمال نسبت قاضی کے بہت قریب ہے نہ کہ بعید۔

کید ہفتاد و ہفتم: اور ان کی روایت بنائی ہوئی سے یہ ہے کہ شیعہ کو آتش دوزخ لگتی ہی نہیں ہے۔ اور اس کو ائمہ عظامؒ سے مشہور کرتے ہیں اور بڑے مبالغے اس کی تصحیح میں۔ اور کیا بنایا ہے کہ اس روایت کو راوی نے مرتے وقت روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ مرتے وقت جھوٹ بولنا اچھا نہیں۔ مِنْ ذٰلِكَ مَا رَوَاهُ النَّجَاشِيُّ عَنِ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيِّ بْنِ زِيَادٍ الْوَشَّاءِ الْبَجَلِيِّ الْكُوْفِيِّ وَكَانَ عَيْنًا مِنْ عُيُوْنِ الطَّائِفَةِ وَوَجْهًا مِنْ وُجُوْهِهِمْ وَهُوَ ابْنُ بِنْتِ اِلْيَاسَ الصَّيْرَفِيِّ الْخَزَّازِ مِنْ اَصْحَابِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ رَوٰى عَنْ جَدِّهٖ اِلْيَاسَ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ قَالَ لَنَا اشْهَدُوْا عَلَيَّ وَلَيْسَتْ سَاعَةُ الْكِذْبِ هٰذِهِ السَّاعَةُ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ لَا يَمُوْتُ عَبْدٌ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَوَلَّى الْاَئِمَّةَ فَتَمَسَّهُ النَّارُ ثُمَّ اَعَادَ الثَّانِيَةَ ثُمَّ الثَّالِثَةَ (یعنے اُن روایتوں سے جو نجاشی نے اس معاملے میں کی ہیں، ایک یہ ہے حسن بن علی بن زیاد الوشاء البجلی کوفی سے کہ یہ ایک رئیس تھا رئیسوں شیعہ سے اور بڑا نام آور تھا نام آوروں میں نواسہ الیاس صیرفی کا کہ خزاز میں سے ہے یاروں امام

رضا علیہ السلام سے کہ اُس نے روایت کی اپنے دادا الیاس سے کہا جس وقت کہ اُس کی موت آئی۔ کہا میرے گواہ رہو اور یہ وقت جھوٹ بولنے کا نہیں ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؒ سے سُنا کہتے تھے خدا کی قسم نہیں مرتا ہے وہ بندہ جو دوست رکھتا ہے خدا اور اُس کے رسول کو اور دوست رکھتا ہو اماموں کو پھر ہرگز نہیں لگیگی اُس کو آگ۔ اور اس کو دوبارہ سہ بارہ لوٹایا)۔ حاصل تین دفعہ کہا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو مراد تولائی ائمہ سے ان کے پیرو ہیں جو ان کے روش اور طریقے پر ہیں جیسے کہ بڑے بڑے اولیائے اہلِ سنت اور معہٰذا یہ نص موافق مدعائے شیعہ کے نہیں ہے جب ہم کہیں کہ مراد ائمہ سے تمام پیشوایانِ دین ہیں پس خلفائے ثلثہؓ بھی ان میں داخل ہیں۔

کید ہفتاد و ہشتم: بعض جھوٹے ان میں سے ایک تصنیف کرتے ہیں اپنے مذہب میں اور اُس میں اصول و فروع مذہب کی بیان کرتے ہیں اور اُس کتاب کو جعفر صادقؒ پر لگاتے ہیں۔ اور بعض (کتب) کو اصحابِ باقرؒ اور اصحاب جعفرؒ سے منسوب کرتے ہیں تاکہ جاہل یقین کر کے اس مذہب کو قبول کرلیں حالانکہ قطعًا تاریخ سے معلوم ہے کہ کوئی تالیف و تصنیف میں مشغول نہیں ہوئے۔ اور شکوہ امامت بھی اسی بات کو چاہتی ہے ورنہ مثل اور مُصنفوں کے نشانہ تیر لم ولا نسلم دانشمندوں کے بنیں۔ مَنْ صَنَّفَ فَقَدِ اسْتَهْدَفَ (جس نے کچھ تصنیف کیا بیشک وہ نشانہ بنا)

کید ہفتاد و نہم: کہتے ہیں کہ ابو رافع مولیٰ سرکارِ نبوی کہ مہاجرین سابقین سے تھا اور لڑائیوں میں ہمراہ رکاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رہا اکثر داروغہ بنگاہ آپ کا ہوتا تھا امامیہ تھا اور بعیت جناب امیرؓ سے کر کے سب لڑائیوں میں حاضر رہا تھا کوفہ کے بیت المال کا داروغہ تھا کَذَا ذَكَرَهٗ اَحْمَدُ بْنُ عَلِيٍّ النَّجَاشِيُّ صَاحِبُ نَقْدِ رِجَالِ الشِّيْعَةِ وَغَيْرُهٗ مِنْ عُلَمَائِهِمْ (یعنے جیسا کہ ذکر کیا اس کو احمد بن علی النجاشی نے کہ صاحب نقد رجال شیعہ کا ہے اور شیعہ کے سوا اُن کے علماء کا)۔ اور یہ ایک فریب ہے نہایت فضیحت کرنے والا اس لئے کہ موت ابو رافعؓ کی باجماع مورخین تھوڑے دنوں قبل شہادت حضرت عثمانؓ سے ہے۔ البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ دونوں لڑکے ابو رافعؓ کے عبیداللہ اور علی ہمراہ رکاب جناب امیرؓ کے رہے۔ عبیداللہ کو خدمت نوشت و خواند کی بھی تھی۔ روایتیں اُس کی جناب امیرؓ سے کتب اہلِ سنّت میں بہت موجود ہیں۔ مگر علی اُس کے بھائی کا حال کچھ معلوم نہیں۔ نجاشی نے باپ بیٹوں تینوں کے حق میں عجب افترا کیا۔ علی بن ابو رافع کو بڑے شاگردوں جناب امیرؓ سے قرار دیا۔ اور ایک کتاب فقہ میں اُس کی تصنیفات سے جو اپنے مطلب کے موافق ہے ٹھہرائی۔ ابو رافع کو امامیہ میں شمار کیا۔ اور ایک کتاب سنن اور احکام و قضایا میں کہ موافق امامیہ کے ہے اُس سے منسوب کی۔ حالانکہ تاریخ دان تمام جہان کے اس بات پر متفق ہیں کہ بعد ہجرت کے سو برس تک کوئی تصنیف اسلام میں واقع نہیں ہوئی۔ اب تاریخ دانی ان کے بڑے بڑے علماء کی خیال کرنا چاہیئے۔

کید ہشتادم: بعض روایتیں اپنے مذہب کے موافق تاریخ علی بن محمد عدوی ابو الحسن سماطی شیعی سے کہ اس نے تاریخ طبری کو مختصر کیا ہے۔ اور اُس میں بعض چیزیں بڑھائی ہیں کہ وہ ایک سہل عبارت کے ساتھ مشہور و رائج ہوئی ہے

نقل کرتے ہیں کہ یہ روایات تاریخ طبری میں ہیں۔ حالانکہ اصل تاریخ جو طبری کی ہے اُس میں اُن کا کچھ پتہ نہیں۔ اس مختصر نے جو مذکور ہوئی بہت سے مورخوں کو دھوکہ دیا ہے اہل سنت سے۔ اس لئے کہ جو کچھ اُس مختصر میں دیکھتے ہیں اسی کو اصل جانتے ہیں۔

کید ہشتاد و یکم :۔ بعض روایات اپنے مذہب کے موافق کسی شخص کی کتاب سے نقل کریں کہ لوگوں کے خیال میں اہلِ سنت کی طرح ہیں۔ حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے چنانچہ ابن عقدہ کہ جارودی رافضی اور ابن قتیبہ کہ بڑا کٹا شیعہ اور خطب خوارزم زیدی غالی تھا اور بعض روایات اُن لوگوں سے لاتے ہیں کہ اکثر اہل سنت اُن کو اپنے گروہ سے جانتے ہیں۔ حالانکہ وہ امامیہ ہیں مثل ہشام کلینی کہ اکثر اہل سنت اُس کو اپنے فرقے سے شمار کرتے ہیں۔ اور ہے یہ کہ وہ ایسا نہیں بلکہ نجاشی اُس کو اپنے لوگوں میں گنتا ہے اور فی الواقع بھی یہی ہے۔

کید ہشتاد و دوم۔ اہل سنت کے بعض علماء پر طوفان باندھتے ہیں کہ اُنھوں نے ارادہ الزام دینے بعض ائمہ عظامؑ اہلِ بیت کا کیا تھا لیکن پیش نہ گیا خود ہی خفیف لازم ہوئے، تاکہ لوگوں کو اُس عالم بلکہ جمیع علمائے اہل سنت سے نفرت ہو جائے اور ایسوں کی پیروی اور شاگردی کو عار جانیں۔ اسی جنس سے ہے جو کچھ عیاشی لایا ہے باسنادِ خود کہ ابو حنیفہؒ نے ابو عبداللہ سے کہا کہ كَيْفَ تَفَقَّدَ سُلَيْمَانُ الْهُدْهُدَ مِنْ بَيْنِ الطَّيْرِ (یعنے کیوں تلاش کیا سلیمانؑ نے ہُدہُد کو پرندوں سے)۔ ابو عبداللہ نے کہا لِاَنَّ الْهُدْهُدَ يَرٰى مَا فِيْ بَطْنِ الْاَرْضِ كَمَا يَرٰى اَحَدُكُمُ الدُّهْنَ فِي الْقَارُوْرَةِ فَنَظَرَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَضَحِكَ فَقَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مَا يُضْحِكُكَ قَالَ ظَفِرْتُ بِكَ قَالَ الَّذِيْ يَرٰى مَا فِيْ بَطْنِ الْاَرْضِ كَيْفَ لَا يَرَى الْفَخَّ فِي التُّرَابِ حَتّٰى يَاْخُذَ بِعُنُقِهٖ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ يَا نُعْمَانُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ اِذَا نَزَلَ الْقَدَرُ عَمِيَ الْبَصَرُ۔ ترجمہ:۔ اس لئے کہ بالتحقیق ہُدہُد دیکھتا ہے جو کچھ تہ زمین میں ہے جیسے دیکھتا ہے کوئی تم سے روغن شیشے کا سو دیکھا ابو حنیفہؒ نے اپنے ساتھیوں کی طرف اور ٹھٹھا مارا۔ پھر امام جعفرؑ نے پوچھا کہ کیوں ٹھٹھا مارا؟ کہا تم پر ظفریاب ہوا، اس لئے کہ جب وہ زمین کی تہ کی چیز دیکھ لیتا ہے تو جال کو کیوں نہیں دیکھ لیتا جو اپنی گردن پھنساتا ہے۔ امام نے کہا اے نعمان! کیا نہیں دیکھتا ہے کہ جب تقدیر الٰہی نازل ہوتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔

اور یہ افترا صریح اور بہتان قبیح ہے جس میں کچھ شک شبہ نہیں۔ اس لئے کہ ابو حنیفہؒ شیعہ کے نزدیک بھی عالم ہیں جاہل نہیں ہیں۔ اور صاحب تمکین و وقار ہیں۔ سفلہ وضع اور سبک گفتار نہیں یہ کہ ٹھٹھکیں مارنا اور بڑے لوگوں اور بزرگوں پر گرفت کرنا، ممکن نہیں کہ اہل تمکین سے یہ بات وقوع میں آئے۔ اور ہر عاقل جانتا ہے کہ کسی چیز کے دیکھنے سے یہ بات نہیں لازم ہو جاتی کہ اُس کے احوال اور غایت کو بھی جان لے۔ اگر ہُدہُد جال کو زمین پر دیکھے اور صیاد کی غرض سے خبردار نہ ہو کیا بعید وہ دانے کہ جال میں ہوتے ہیں اور وہ دانے کہ چھلنی میں ہوتے ہیں ہُدہُد کے

نزدیک دونوں یکساں ہیں قصور نظر کا نہیں ہے جال اور چھلنی دونوں کی علتِ غائیہ کو جُدا جُدا جان لینا نظر بازی کو لازم نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی چیز کے دیکھنے سے لازم نہیں آتا کہ اُس کی حقیقت کو بھی دریافت کرلے پھر کیا ٹھکانا اُس کے منافع اور غایات کے دریافت کرنے کا۔

اور ابو حنیفہؒ ہمیشہ حضرت صادقؑ کی صحبت و خدمت کا افتخار کرتے رہے اور کہتے تھے لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ۔ (اگر نہ ہوتے دو برس ضرور مارا پڑتا نعمان) یہ بات اُن سے مشہور ہے پھر ممکن نہیں کہ ابو حنیفہؒ کے دل میں بھی اس قسم کے دعوے گزرے ہوں کہ میں جعفر صادقؑ سے حجت پوچھوں سو وہ بھی عقلاء کے نزدیک ہیچ پوچ قابل بحث علماء کے نہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور باجماع مورخین طرفین کے ثابت ہے کہ جب زید بن علی نے مروانیوں پر خروج کیا تو ابو حنیفہؒ نے بارہ ہزار دینار سُرخ سے اُن کی مدد کی اور کوفہ میں تعریف و توصیف اہلِ بیت کی کی۔ اور یہ کہ اس وقت میں زید بن علی کی مدد کرنا دینِ اسلام کی مدد کرنا ہے" کہنا شروع کیا درحقیقت یہی باعث تھا کہ منصور عباسی نے اُن کو قید کیا تھا۔ اور بقول بعض زہر سے مارا کہ ان کو اہلِ بیت رسول سے محبت و اعتقاد بہت تھا۔ اور جس وقت میں کہ اولادِ زید نے نواح خُراسان اور سیستان میں منصور پر خروج کیا تب بھی یہ لوگوں کو بیعت اور پیروی اُنہی کی تحریص کرتے تھے۔ اور جب منصور نے ان سے سوال کیا مِمَّنْ اَخَذْتَ الْعِلْمَ يَا نُعْمَانُ (کس سے حاصل کیا تُو نے علم اے نعمان) ابو حنیفہؒ نے یہی کہا مِنْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ وَعَنْ عَلِيٍّ وَمِنْ اَصْحَابِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْعَبَّاسِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (یعنے اصحاب علیؓ سے اور علیؓ سے اور اصحاب عبداللہ بن عباسؓ سے اور ابن عباسؓ سے) قصے ان کے مناظروں کے جو خارجیوں ناصبیوں کے ساتھ ہوئے ہیں کہ بعض نے ان میں سے ہدایت پائی ہے وہ تقریراتِ ابو حنیفہؒ کر کے مشہور و معروف ہیں۔ از انجملہ ہے یہ روایت صحیح کہ ان کا ایک حروری پڑوسی تھا نہایت غالی جناب امیرؑ کو کافر جانتا تھا۔ ہر چند انھوں نے اُس کو ہدایت فرمائی وہ اس اعتقادِ خبیث سے باز نہ آیا نہ ان کا کہنا مانا۔ چند روز اُس سے ملاقات چھوڑ دی۔ بعد چند روز کے اُس کے پاس گئے اور تنہائی ہوئی۔ اُس پڑوسی خبیث نے ابو حنیفہؒ سے کہا کیوں آئے کیا کام ہے؟ ابو حنیفہؒ نے کہا کہ ایک شخص نے تیری لڑکی کے پیغام کو بھیجا ہے۔ کہا وہ کیسا آدمی ہے اور کیا حال اُس کا ہے؟ انھوں نے اُس کی دولت و حشمت اور حسب و نسب اور اخلاق کا بیان کیا اور آخر میں کہا کہ یہ سب خوبیاں تو ہیں مگر ایک عیب بھی ہے کہ یہودی ہے۔ اُس پڑوسی نے بہت مُنہ بگاڑا اور گرم ہو کر کہا کہ عجب مرد آدمی ہے تو کہ مسلمان کو تکلیف یہودی کو لڑکی دینے کی کرتا ہے۔ تجھ کو اتنا ہوش نہیں کہ مسلمان کی لڑکی یہودی کو کب پہنچتی ہے۔ ابو حنیفہؒ نے آہستہ سے کہا اے خواہم اتنا گرم نہ ہو، تو کہ امیر المومنین علیؓ کو کافر کہتا ہے میں نے سوچا کہ جب نبیؐ کی لڑکی کافر کو پہنچتی ہے اگر حروری کی لڑکی یہودی کو پہنچے تو کیا مضائقہ ہوگا۔ اُس حروری نے سر نیچے ڈال لیا اور بعد کچھ دیر کے ابو حنیفہؒ کے پاؤں چومے اور اپنے مذہب سے توبہ کی اور مخلصوں اور محبوں جناب امیرؓ سے ہوا بحمد اللہ تعالیٰ۔

اُس پہلی روایت میں عیاشی غلط درغلط میں پڑا کہ سائل نجدہ حروری تھا اور جن سے پوچھا وہ عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ اور اُس میں اسی قدر ہے کہ قَالَ نَجْدَةُ الْحَرُوْرِيُّ لِابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّكَ تَقُوْلُ اِنَّ الْهُدْهُدَ اِذَا اَبْصَرَ اَلْاَرْضَ عَرَفَ مَسَافَةَ مَا بَيْنَهُ وَمَا بَيْنَ الْمَاءِ وَهُوَ لَا يُبْصِرُ شَعْرَةَ الْفَخِّ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ اِذَا جَاءَ الْقَضَاءُ غَشِيَ الْبَصَرُ۔ (کہا نجدہ حروری نے ابن عباسؓ سے تحقیق تو کہتا ہے کہ ہُدہُد جب زمین کو دیکھتا ہے پہچان لیتا ہے وہ فاصلہ کہ درمیان اُس کے اور پانی کے ہے اور حال یہ کہ جال کے ایک بال کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔ سو کہا ابن عباسؓ نے جب قضا آتی ہے آنکھیں بند ہوجاتی ہیں۔

اور اسی قسم سے ہے جو کچھ طبرسی نے احتجاج میں لکھا اَنَّهُ دَخَلَ اَبُوْحَنِيْفَةَ الْمَدِيْنَةَ وَمَعَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُسْلِمَةَ فَقَالَ لَهُ يَا اَبَا حَنِيْفَةَ اَنَّ هٰهُنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ مِنْ عُلَمَاءِ اٰلِ مُحَمَّدٍ فَاذْهَبْ بِنَا نَقْتَبِسُ مِنْهُ عِلْمًا فَلَمَّا اَتَيَا اِذَا هُمَا بِجَمَاعَةٍ مِنْ شِيْعَةٍ يَنْتَظِرُوْنَ خُرُوْجَهُ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ اِذْ خَرَجَ غُلَامٌ حَدَثٌ فَقَامَ النَّاسُ هَيْبَةً لَهُ فَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ لِابْنِ مُسْلِمَةَ مَنْ هٰذَا الْغُلَامُ فَقَالَ هٰذَا ابْنُهُ مُوْسٰى فَقَالَ لَاَجْبَهَنَّهُ بَيْنَ اَيْدِيْ شِيْعَةٍ قَالَ مَهْ لَا تَقْدِرُ عَلٰى ذٰلِكَ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّهُ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلٰى مُوْسٰى فَقَالَ يَا غُلَامُ اَيْنَ يَضَعُ الرَّجُلُ حَاجَتَهُ فِيْ مَدِيْنَتِكُمْ هٰذِهٖ فَقَالَ يَتَوَارٰى خَلْفَ الْجِدَارِ وَيَتَوَقّٰى عَيْنَ الْجَارِ وَشُطُوْطَ الْاَنْهَارِ وَمَسَاقِطَ الثِّمَارِ وَلَا يَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَلَا يَسْتَدْبِرُهَا فَحِيْنَئِذٍ يَضَعُ حَيْثُ شَاءَ۔ (داخل ہوئے ابوحنیفہؒ مدینے میں اور ان کے ساتھ عبداللہ بن مسلمہ تھے سو کہا اُن سے اے ابوحنیفہؒ! یہاں جعفر صادقؓ ہیں علمائے آلِ محمدؐ سے پس چلو تو حاصل کریں اُن سے کچھ علم۔ جب دونوں آئے ناگہاں دیکھی ایک جماعت شیعۂ امام سے منتظر اُن کے نکلنے کی پس اُس حالت میں کہ منتظر بیٹھے تھے ایک جوان نوعمر نکلا پس کھڑے ہوگئے سب لوگ اُس کی ہیبت سے۔ پوچھا ابوحنیفہؒ نے ابن مسلمہ سے کہ یہ جوان کون ہے؟ کہا یہ اُن کا بیٹا ہے موسیٰ نامی۔ پھر کہا کہ میں چومتا ہوں اُس کی پیشانی روبرو اُس کے شیعہ کے۔ کہا بس کر تو قدرت اس بات پر نہ پائے گا۔ کہا ابوحنیفہؒ نے قسم ہے خدا کی میں ایسا کروں گا۔ پھر التفات کیا موسیٰ کی طرف اور کہا اے طفل کہاں جاری کرے آدمی حاجت اپنی (قضائے حاجت کے لئے کہاں جائے) تمہارے اس شہر میں جو مدینہ ہے۔ کہا آڑ پکڑے دیوار کی اور بچے پاس کے آدمی کے دیکھنے سے اور کنارہ نہروں اور جن جگہوں میں میوے ڈالتے ہیں اور رُو و پشت قبلے کو نہ کرے پھر قضائے حاجت کرے جہاں چاہے)۔ یہ روایت بھی بڑے جھوٹے متعصبوں روافض سے ہے صحیح اتنی ہے کہ اور علمائے شیعہ نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے۔ اور اہلِ سنت نے بھی نقل کی ہے اس طرح پر کہ دَخَلَ اَبُوْحَنِيْفَةَ الْمَدِيْنَةَ زَارَ قَبْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اَتٰى اِلٰى دَارِ الصَّادِقِ فَجَلَسَ يَنْتَظِرُ خُرُوْجَهُ فَخَرَجَ ابْنُهُ مُوْسٰى وَهُوَ صَغِيْرٌ فَقَامَ وَوَقَّرَهُ ثُمَّ قَالَ اَيْنَ يَضَعُ الْغُرَبَاءُ حَاجَتَهُ فِيْ بَلَدِكُمْ فَاَجَابَهَا ذُكِرَ سَابِقًا فَقَالَ اَبُوْحَنِيْفَةَ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (یعنی جب داخل ہوئے

ابوحنیفہؒ مدینے میں زیارت کی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھر صادقؓ کے گھر آئے اور بیٹھے منتظر اُن کے نکلنے کے اس میں اُن کا ایک لڑکا چھوٹا سا نکلا ابوحنیفہؒ کھڑے ہوگئے اور تعظیم کی، پھر پوچھا کہاں قضا کرے حاجت اپنی یعنی پیشاب کرے غریب آدمی تمہارے شہر میں۔ پس جواب دیا اُس لڑکے نے اُن کو جیسا کہ اُوپر گزرا۔ اور ابوحنیفہؒ نے کہا خدا خوب جانتا ہے جہاں رسالت اپنی مقرر کرتا ہے یعنی وہ لوگ قابل ولائق بھی ہوتے ہیں)۔ اس روایتِ صحیحہ سے معلوم ہوا کہ ابوحنیفہؒ نے ان کے فہم و ذکا سے تعجب کرکے اور اطفالِ رسالت سے سمجھ کر یہ سوال کیا جیسا کہ اطفال عالی خاندان سے بچپن میں بھی ان کے ذی ہوشی پُرفہمی کو دیکھ کر ان کا امتحان کرتے ہیں اور اکثر بات پوچھتے ہیں اس لئے کہ فہم و ذکا خاصہ عالی خاندانوں کا ہے اور درحقیقت اس سائل کو سوال کرنے سے یا تو مضبوطی اپنے اعتقاد کی منظور ہوتی ہے یا ثابت کرنا بلند رُتبگی اُس خاندان کی غیر پر نہ کہ ارادہ کسی بُرائی والزام کا۔

کید ہشتاد و سوم۔ کہتے ہیں کہ خلیفۂ اول جن کی امامت حق ہونے کے اہل سنت قائل ہیں اُن کو خود اپنی امامت میں شک و تردد تھا بخلاف حضرت امیرؓ کہ ان کو کچھ تردد نہ تھا یہ خوب بیقین و بصیرت اپنے حال کو جانتے تھے۔ اور پیروی یقین کی بہتر ہے پیروی شک سے۔ اور اس شک ثابت کرنے کو خلیفۂ اول سے ایک روایت اپنی صنع کی ہوئی نقل کرتے ہیں کہ مرتے وقت یہ کہتے تھے يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لِلْاَنْصَارِ فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ شَيْءٌ۔ (یعنی اے افسوس میں پوچھ لیتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ انصار کا بھی اس خلافت میں کچھ حق ہے)۔ شیخ ابن مطہر حلّی نے جو یہ کلام موضوع سُنا بڑی زبان درازی اور بلند آہنگی شروع کی حتیٰ کہ اپنی سمجھ میں مناظرے کے میدان سے گیند (بازی) ہی لے گیا۔

اہلِ سنت کہتے ہیں کہ یہ روایت سراسر افترا ہے۔ اور دلیل افترا کی یہ کہ خلیفۂ اول کو اگر انصار کے مقدمے میں تردد ہوتا تو بعد اپنے نص امامت کی عمرؓ بن الخطاب پر کیوں کرتے اور نہ ہوتا تو انصار کو وزارت وغیرہ میں تو شریک ضرور کر جاتے۔ اور اگر یہ روایت خلیفۂ اولؓ سے صحیح ہوتی تب ہم یہ کہتے کہ مدعا اُن کا یہ تھا کہ کاش انصار کے روبرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں پوچھتا جو انصار جواب باصواب اُس کا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لیتے اور مجھ سے مکدر نہ ہوتے کہ اب بسبب غیبت کے مکدر ہوتے۔ اور بالفرض مانا کہ اُن سے صادر ہی ہوا تاہم جناب امیرؓ سے جو تحکیمِ حکمین (یعنی پنچایت دو پنچوں کی) اپنی خلافت کے وقت وقوع میں آئی اُس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ اسی سبب سے خارجیوں اور حروریوں نے بداعتقاد ہوکر ان پر خروج کیا۔ اور کہا کہ اس شخص کو اگر اپنے اُوپر یقین امامت کا ہوتا تو پنچایت کیوں کرتا، پس معلوم ہوا کہ بے نص و بے استحقاق دعوٰی اس امر بزرگ کا کیا تھا جب چلتا معلوم نہ ہوا تو صلح پر راضی ہوگئے اور پنچایت کی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خلیفۂ اول کی نسبت جس بات کو لگاتے ہیں ابتک کسی غیر سے سوائے کذابانِ روافض کے صادر ہونا اُس کا منقول نہیں ہوا۔ مگر صدورِ پنچایت کا جناب امیرؓ سے ایسا

ہے کہ چھپائے چھپتا نہیں۔ علاوہ اس کے خلیفۂ اول کے قول پر کوئی مفسدہ نہیں اُٹھا اس لئے کہ انصار نے پھر دعویٰ خلافت کا نہ کیا۔ اور حضرت امیرؓ سے جو تحکیم صدور میں آئی بیشمار فساد مترتب ہوئے۔ اول یہ کہ خلافت و امامت خاندان اہل بیت نبوت سے نکل گئی جس نے قابو پائی کسی نے پھر ان کے واسطے نہ چھوڑی اسی سند سے کہ اگر اس کام میں یہ اپنا کچھ حق سمجھتے پنچایت کیوں کرتے۔ منجملہ ان کے خروج حروریہ کا ہے اور تسلط نواصب اور مروانیوں کا ملکِ شام پر کہ پہلے صحب پہ خلفائے ثلثہؓ مستلط تھے۔ اور راضی ہونا لوگوں کا اوروں کی حکومت پر ان کی حکومت چھوڑ کر تمام یہ سب بلیّتیں جناب امیرؓ کے عہد میں ہوئیں۔

❋ کید ہشتاد و چہارم۔ کہتے ہیں بزرگی امیر المومنینؓ کی اس رُتبے کو پہنچی ہے کہ لوگ اُن کی اُلوہیت کے قائل ہوتے ہیں کہ ایسا غلو اعتقاد کا خلفائے ثلثہؓ سے کسی کے حق میں نہیں ہوا۔ پس جناب امیرؓ افضل اور الیق بامامت و خلافت ہیں خلفائے ثلثہؓ سے۔ اور جیسے خوارق عادات یعنی کرامتیں بکثرت جناب امیرؓ سے ہوئیں خلفائے ثلثہؓ سے نہیں ہوئیں۔ یہ بھی دلیل اس بات کی ہے کہ خلافت و امامت حق جناب امیرؓ ہی کا تھا۔

یہ تقریر مشابہ تقریر نصاریٰ کے ہے چنانچہ وہ بھی کہتے ہیں کہ جیسا کچھ اعتقاد بڑھا ہوا لوگوں کا حضرت مسیحؑ کے حق میں ہے وہ معلوم اور پیغمبر آخر الزمان کے حق میں اُس قدر غلو لوگوں کو حاصل نہیں ہے۔ اور نیز کرامتیں اور معجزے عظیمہ جیسے احیائے موتیٰ یعنی مُردے زندہ کرنا اور لنگڑے کوڑھی اچھے کرنا ہمیشہ حضرت مسیحؑ سے صادر ہوتے رہے پیغمبر آخر الزمان سے اس قسم کی چیزیں صادر نہیں ہوئیں۔ اگر ایک دو بار کوئی واقع ہوئی مشہور نہیں ہوئی۔ پس دین حضرت مسیحؑ کا احق اور اولیٰ قابل پیروی کے ہے۔

عاقل کو ان باتوں کے سُننے سے عجیب حیرت ہوتی ہے کہ اس بات سے جو لوگوں نے اعتقاد اُلوہیت کا حضرت مسیحؑ و جناب امیرؓ میں خلاف واقع کیا ان کو کیا فضیلت و بزرگی ہوگئی۔ اس لئے کہ اجلافِ عرب عُزّیٰ اور لات و منات کو بھی تو یہی اعتقاد کرتے تھے اور الفاظ اُلوہیت کے اُن پر جاری رکھتے تھے۔ اگر ایسے ہی جاہل ناسمجھ یا اجلاف اور امثال اُن کے باغواء عبداللہ بن سبا کے حضرت امیرؓ کے حق میں اعتقاد پیدا کریں اور ایسے الفاظ استعمال میں لائیں تو کیا بزرگی ہوئی جاتی ہے۔ اور اگر یہی ہے کہ مدار کار بزرگی کا اعتقاد عوام کالانعام پر ہو تو چاہیئے کہ شیخ سدو اور زین خان اور امثال ان کے تمام بزرگوں گزشتہ سے کہ ایسے مقام پر اُن کے نام لینا کمال بے ادبی ہے سب سے زیادہ افضل اور احق ہوجائیں معاذ اللہ من ذٰلک۔

اور تعجب علمائے شیعہ پر ہے کہ ایسے اعتقاد فاسد کو دلیل ایسے بڑے مطالب اصولیہ کی بناتے ہیں۔ چنانچہ ایک نے ان میں سے ایک شعر کہا ہے اور امام شافعیؒ پر لگایا ہے۔ شعر

کَفٰی فِیْ فَضْلِ مَوْلَانَا عَلِیٍّ || وُقُوْعُ الشَّكِّ فِیْهِ اَنَّهُ اللّٰهُ

یعنی بزرگی میں علیؓ کافی ہیں ان پر بزرگی بس || ہوگئی یہاں تک کہ شک پڑتا ہے کہ وہ خدا ہیں

وَمَاتَ الشَّافِعِیُّ وَلَیْسَ یَدْرِیْ || عَلِیٌّ رَبُّهٗ اَمْ رَبُّهُ اللّٰهُ

اور شافعی مرگیا اور ہنوز نہیں جانتا کہ || علیؓ رب اُس کا ہے یا رب اُس کا خدا ہے

اور شیعہ جو کثرت صدورِ معجزات کو دلیل افضلیت ٹھہراتے ہیں کہ جس سے معجزے کرامتیں زیادہ ہوں وہی افضل ہے، خود شیعہ کے موافق بھی یہ ٹھیک نہیں آتا۔ اس لئے کہ مہدیؑ سے ان کے نزدیک اس قدر معجزے ہونے والے ہیں کہ اُن کے اجداد بزرگوار سے نہیں ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس باعث تفضیل مہدیؑ کی اُن کے اجداد پر نہیں ہوسکتی ورنہ فضیلت اُن کی جناب امیرؓ پر لازم آتی کہ یہ باطل ہے باجماع شیعہ و سُنّی۔ تعجب بڑا یہ ہے کہ شیعہ اثنا عشریہ کہ ان کو اعتقاد غلاۃ سے جو قائل اُلوہیت کے ہوتے ہیں وحشت و تحاشی ہے بظاہر تو بعض رغبت خاطر کی طرف ان تقریرات اور جو مثل ان کے ہیں غلو اُلوہیت رکھتے ہیں۔ اور بعض ان میں سے اطلاق لفظ اِلٰہ اور اعتقاد حلول کو صریح مکروہ و موحش جان کر جناب امیرؓ کو سِرّ خفی کہتے ہیں۔ اور ان کا قول ہے کہ جو کوئی اس سِرّ خفی کو ظاہر کرے خون اُس کا جائز ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے ان کے بعض شعراء سے منظوم کیا ہے۔ ابیات :-

وَتَحْسَبُوْنِیْ هَوِیْتُ الطُّهْرَ حَیْدَرَةً || بِعِلْمِهٖ وَعُلَاهُ مِنْ ذَوِی الْحَسَبِ

یعنی مت جانو مجھ کو کہ میں نے جو عشق حیدرؓ کا || اختیار کیا ہے اُن کے علم اور برتر ہونے اہل نسب کے سبب سے

وَلَا تَجَاعَتِهٖ فِیْ كُلِّ مُعْتَرَكٍ || وَلَا التَّلَذُّذِ فِی الْجَنَّاتِ مِنْ اَرَبِیْ

نہ اُن کی شجاعت کے سبب جو ہر ایک معرکہ میں ہوئی ہے || نہ مطلب میرا ہے کہ اُن کے سبب جنتوں میں متلذذ ہوں

وَلَا التَّبَرِّیْ مِنْ نَارِ الْجَحِیْمِ وَلَا || نَجَوْتُ مِنْ عَذَابِ النَّارِ یَشْفَعُ بِیْ

اور نہ واسطے خلاصی آتش دوزخ کے امیدوار ہوں || آتش دوزخ سے میرے بچاؤ کے واسطے سفارش کریں

لٰكِنْ عَرَفْتُ هُوَ السِّرُّ الْخَفِیُّ فَاِنْ || اَذَعْتُهٗ یَطْلُبُوْا قَتْلِیْ وَعَزْرَنِیْ

لیکن پہچانا میں نے اُن کو کہ وہ بھید مخفی ہیں پس اگر ظاہر کروں || اُس کو لوگوں کے نزدیک واجب القتل اور واجب التعزیر ٹھہروں

یَضِلُّ هُمْ عَنْهُ دَاءٌ لَا دَوَاءَ لَهٗ || كَالْمَاءِ یَعْرِضُ عَنْهُ صَاحِبُ الْكَلَبِ

باز رکھتا ہے لوگوں کو اُن سے وہ مرض جس کی دوا نہیں ہے || جہل و نادانی جیسے پانی کہ اس سے مُنہ پھیرتا ہے سگ گزیدہ

بعض علماء ان کے اس کی تائید میں لاتے ہیں کہ جناب پیغمبرؐ نے اپنا شانہ مبارک ان کے قدم کے نیچے رکھا چنانچہ قصہ اس کا یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن کعبہ میں داخل ہوئے بہت بُت اُس کے اندر رکھے ہوئے دیکھے سب کو توڑ کر پھینکا مگر ایک بُت کہ ایک اونچے طاق پر رکھا ہوا تھا آپ کا ہاتھ وہاں نہ پہنچا حضرت امیرؓ سے کہا کہ میرے شانے پر چڑھ کر اس بُت کو بھی توڑ دو۔ آپ نے از روئے ادب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ

آپ میرے شانے پر چڑھیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تم کو طاقت بارِ نبوت اُٹھانے کی نہ ہوگی۔ اب نہیں معلوم کہ وجہ چڑھنے امیرؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانے پر کیا تھی کونسا سِرّ خفی اس واقعے میں درکار ہے۔ اور حدیث ہجرت میں یعنی جب مکّہ سے مدینہ کو چلے گئے ہیں آیا ہے کہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ شبِ ہجرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیٹھ پر اُٹھا کر اور اُنگلیوں کے بَل چل کر کئی کوس لے گئے پورا پاؤں زمین پر نہیں رکھا کہ کہیں نقشِ قدم نہ بن جائے جو کفّار سراغ لگالیں اس موقع پر کمالِ قوت حضرت ابوبکرؓ اور تحمل بارِ نبوت کا کیسا ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ یہ قصہ کہ جناب امیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شانے پر چڑھے اگرچہ روایت کیا گیا اور زبان زد عوام بھی ہے لیکن صحیح حدیثوں میں اہلِ سنت کی پایا نہیں جاتا جو قابلِ الزام دینے کے ہو۔ جو کچھ حدیثوں میں ہے بس اس قدر ہے أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَحَوْلَهُ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَسِتُّوْنَ نُصُبًا فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُوْدٍ فِيْ يَدِهِ وَيَقُوْلُ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا فَكَانَتْ يَسْقُطُ بِإِشَارَةٍ بِيَدِهٖ۔ (ترجمہ: تحقیق داخل ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبے میں فتح کعبے کے دن اور حال یہ کہ کعبے کے گرد تین سو ساٹھ بُت تھے۔ آپؐ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی کہ بُت کو چُبھو کر فرماتے تھے اب حق آیا اور باطل بھاگا، بیشک باطل بھاگنے والا ہوتا ہے، پس بُت آپؐ کے ہاتھ کے اشارے سے گر پڑتا تھا) یہ روایت یوں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بمجرد اشارۂ دستِ مبارک کے گرتے تھے حاجت شانے پر چڑھنے کی نہ تھی تمہ تک میں حول البیت ہے لہٰذا گمان ہوتا ہے کہ شاید یہ قصہ کعبہ کے گرداگرد بتوں کا ہو اندرونِ کعبہ کو دوسرے وقت جس طرح کہ روایت کی ہے اُس طرح توڑا ہو۔ لیکن اہلِ سنت کی کتابوں میں اسی قدر مذکور ہے کہ کعبے کے دیوار پر جو تصویریں بناتی تھیں اُن کو پانی سے دھو ڈالا۔ اور اسامہ بن زید کہ متبنّٰی زادہ آپؐ کے تھے پانی زمزم سے لاتے تھے آپؐ دستِ مبارک سے دھوتے تھے۔ جب نوبت تصاویر مجسمہ کی پہنچی کہ وہ بُت تھے حکم فرمایا کہ خانۂ کعبہ سے باہر لے جائیں۔ چنانچہ صورت حضرت اسماعیلؑ ابراہیمؑ کی بھی نکلی کہ اُن کے ہاتھ میں پانسے فال کے تھے۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لعنت خدا کی ہو ان کافروں پر جانتے ہیں کہ ان دونوں بزرگوں نے کبھی یہ کام نہیں کیا ہے جھوٹ ان کے ہاتھ میں قرعے دیدیئے ہیں۔

✺ **کید شصت و پنجم:** اہلِ سنت پر طعن کرتے ہیں کہ یہ مذہب ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ اور مالکؒ اور احمدؒ کا اختیار کرتے ہیں اور مذہب ائمہ کا اختیار نہیں کرتے، حالانکہ ائمہ بچند وجوہ زیادہ مستحق اس کے ہیں۔ اوّل یہ کہ ائمہ سب جگر پارے رسولؐ کے گھر میں پرورش پائے ہوئے۔ بچپن سے قاعدے رسومِ شریعت کے سیکھے ہوئے موافق مثل مشہور کے أَهْلُ الْبَيْتِ أَدْرٰى بِمَا فِيْهِ۔ یعنے گھر والے خوب جانتے ہیں جو کچھ گھر میں ہے۔ دوسرے اہلِ سنت بھی معتبر جانتے ہیں کہ اتباع ائمہ کا وارد ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ

إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ أَهْلَ بَيْتِيْ۔ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِيْ فِيْكُمْ مِثْلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجٰى وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ منے دونوں حدیثوں کے اُوپر مسطور ہو چکے ہیں۔ تیسرے علم اور بزرگی اور تقویٰ اور عبادت ائمہؑ کے سُنّی شیعہ دونوں قائل ہیں۔ اور جس کی بزرگیاں بالاتفاق ہوں وہ اُس سے شایان اور لائق تر ہے جس کی بزرگی میں اختلاف ہو۔

✺ جواب اس کید کا یہ ہے کہ امام صرف نائب نبی کا ہے اور نبی صاحبِ شریعت ہے نہ کہ صاحبِ مذہب اس لئے کہ مذہب نام ایک راہ کا ہے کہ بعض اُمّتیوں کو فہم شریعت میں کُھل جاتی ہے اور اپنی عقل سے چند قاعدے قرار دیتے ہیں کہ موافق اُن قاعدوں کے مسائلِ شرعیہ اُس کے ماخذ سے نکالتے ہیں اسی لئے اُن میں احتمال صواب و خطا کا ہوتا ہے۔ اور چونکہ امام خطا سے معصوم ہے حکم نبی کا رکھتا ہے نسبت مذہب کی جس میں صواب خطا کا احتمال ہے امام کی طرف معقول نہیں۔ ایسی ہی نسبت مذہب کی خدا اور جبرئیلؑ اور دیگر ملائکہ اور تمام انبیاءؑ کی طرف کرنا کمال بے عقلی ہے بلکہ فقہاء لوگ صحابہؓ کو کہ اہلِ سنت کے نزدیک بالیقین ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ سے افضل ہیں صاحبِ مذہب نہیں جانتے البتہ اُن کے افعال و اقوال کو ماخذ فقہ اور دلائل احکام کا گنتے ہیں۔ اور اُن کو وسیلہ حصول علم شرعی کا جانب غیب سے جانتے ہیں۔ پس اتباع فقہائے مذکورین کا اتباع ائمہؓ کا ہے کہ انھوں نے فقہ اور مذہب اور قاعدے سب حضرات ائمہؓ سے لئے ہیں اور اپنے آپ کو ان کی شاگردی کے رُتبے کو پہنچایا ہے۔ پس رتبہ ائمہ اہلِ سنت کا رتبہ پیغمبرؐ اور صحابہؓ کا ہے کہ ان کا اتباع تو اُن کا مقصود ہے لیکن نسبت مذاہب کی ان کے ساتھ نہیں کرتے۔ اور اگر شیعہ انکا ہم حال کھولیں تو یہ بھی اتباع اُن لوگوں کا کرتے ہیں جو لوگ ائمہؓ سے اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں مع دعوٰی اخذ علم کے ائمہؒ سے نہ کہ اتباع ائمہؓ کا بلا واسطہ۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ تابعین اہلِ سنت اصول و عقائد میں مخالف ائمہؒ کے نہ تھے کہ ائمہؓ نے اُن کو خوش ہو کر بشارتیں دیں۔ بخلاف تابعین شیعہ جیسے ہشامین اور احول طاق اور ابن اعین اور مثل ان کے کہ صریح عقائد اصلیہ میں خلاف ائمہؓ کے گزرے ہیں۔ اور خداتعالیٰ کے جسم اور ہاتھ وغیرہ ہونے کے قائل ہیں۔ حضرات ائمہؓ ان سے برأت ہی کرتے رہے ہیں اور ان کے بطلانِ عقائد پر گواہی دی ہے اور مفتری کہا ہے۔ چنانچہ یہ سب مطالب باب سوم وچہارم میں از رُوئے روایات معتبرۂ شیعہ کے نقل کئے جائیں گے۔

الغرض نفس الامر یہ بات ہے کہ منصب امام کا اصلاح عالم کی ہے یعنی بھلائیاں اور ازالۂ فساد یعنی بُرائیاں مٹا دینا۔ پس جس فن میں کہ قصور دیکھے اُس کی تکمیل کرے اور جو نیک روش ہو اُس کو اپنے حال پر چھوڑے تاکہ نہ تحصیلِ حاصل ہو نہ سستی عمل ضروریات میں واقع ہو۔ حضرات ائمہؒ نے اپنے زمانے میں سب سے اہم مہمات یعنی سب کاموں میں بڑا کام اپنا سلوک و طریقت کو ٹھہرایا تھا اور مقدمۂ شریعت کو اپنے یاروں رشید اور مصاحبوں حمید کے ذہن پر

حوالے کیا تھا۔ اور آپ متوجہ عبادت اور ریاضت اور درستی باطن اور اذکار و وظائف معینہ اور تعلیم دعاؤں اور نمازوں اور آراستگی اخلاق اور القا کرنے فوائد سلوک کے طالبوں پر اور رہنمائی اُن کی اور نکالنے حقیقت اور معرفت کی باتیں کلام اللہ اور کلام رسول صلعم سے اس میں مشغول رہتے تھے۔ چونکہ اس شغل کے واسطے خلوت اور عزلت ضروری ہے لہٰذا خلوت دوست و عزلت گزیں ہوتے تھے۔ التفات استنباط اور اجتہاد پر نہ تھا اسی لئے باریکیاں اور پوشیدگیاں حقیقت و معرفت کی ان سے بہت منقول ہوئیں۔ چنانچہ اہل سنت اپنے سلسلۂ قادریہ وغیرہ کی نسبت منحصر انہی کی ذاتوں عالیہ سے رکھتے ہیں اور حدیث ثقلین یعنی اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ بھی اشارہ انہی طریقوں ارشاد سے ہے اس لئے کہ کتاب اللہ واسطے ظاہر تعلیم شریعت کے کافی ہے اور علم لغت اور اصول جن کا تعلق وضع اور عقل سے ہے فہم شریعت کی امداد کو بہت ہے کسی امام کے ارشاد کی حاجت نہیں۔ اور جو کچھ محتاج بہ تعلیم امام ہے باریکیاں سلوک طریقت کی ہیں کہ ظاہر کتاب اللہ سے سمجھی نہیں جاتیں۔ حضرات ائمہؓ نے بھی ان اشارات کو سمجھ کر اپنی توجہ کی اسی امر ضروری کی طرف پھیری ہے۔ اور امر اول یعنے شریعت کو بطور مجمل القا فرما کر علم و عقل مجتہدین پر چھوڑا ہے۔ اسی سبب سے کوئی تالیف و تصنیف کسی کتاب کی یا کسی علم کے اصول کی اصل نکالنا یا فروع کی فرع پیدا کرنا کسی امام سے پائی نہیں گئی کہ شیعہ اور سُنی دونوں اس پر متفق ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو پروا ہی کیا تھی ان کی کتاب یا ان کے جمع کئے کسی فن سے سب کام ہی نکل جاتے کسی کی حاجت کیا ہوتی۔ بلکہ ایسا ہوا ہے کہ روایات مسائل اور احکام کے بارے میں ائمہؓ میں تو منتشر رہے ہیں اور قاعدے استنباط کے جزئیات میں پوشیدہ اور مخفی رہے۔ لابد ایسے شخص کی ضرورت ہوئی کہ اُن سب روایتوں کو جمع کرے اور قواعد کا تتبع کر کے علیحدہ کرے اور رسم اور آئین اجتہاد کو بنیاد کرے۔

اب معلوم ہوا کہ جیسی کسی مذہب کی نسبت کسی امام کی طرف بے معنی ہے ایسا ہی اتباع امام کا بلا واسطہ ممکن نہیں اور وہ واسطہ سوائے مجتہد کے کون ہے۔ اس لئے مقلد کو اتباع شریعت پیغمبرؐ میں واسطہ کرنا مجتہد سے ضروری ہے۔ اور شیعہ ہر چند اول امر میں اتباع ائمہؓ کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن مسائل غیر منصوصہ ائمہؓ میں یعنے جن کی صراحت نہیں، علمائے مجتہدین اپنے کو مثل ابن عقیل اور عضایری اور سید مرتضیٰ اور شیخ شہید کو متبوع بناتے ہیں اور انہی کے اقوال پر گو مخالف روایات صحیحہ اخبار میں ائمہؓ سے ہوں فتوے دیتے ہیں۔ چنانچہ باب فروع میں بطریق نمونہ تھوڑا سا مذکور ہوگا انشاء اللہ۔ اور جب کہ رہنمائی اُس مجتہد کی کہ اقوال اُس کے مخالف بعضے روایات ائمہؓ سے ہوتے ہیں ان کے نزدیک جائز ہوئی، اہل سنت کو اتباع ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ میں کیا گناہ لازم آئے گا اتنی ہی بات تو ہے کہ بعض اقوال کو بخلاف بعض روایات ائمہؓ کے لاتے ہیں مگر اصول و قواعد میں جو باہم متفق ہیں یہ مخالفت کچھ ضرر نہیں کرتی اور حیز اتباع سے خارج نہیں کرتی جیسے کہ محمد بن حسن شیبانیؒ

اور قاضی ابو یوسفؒ شاگرد اور تابع ابو حنیفہؒ کے ہیں اور بہت جگہ مخالفت اُن کی اختیار کی ہے۔ علیٰ ہٰذا جمیع مذاہب کے

اور ابن الاثیر جزریؒ صاحب جامع الاصول نے کہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا کو مجدد مذہب امامیہ کا قرن ثالث یعنی تیسری صدی میں کہا ہے سو مراد اس کی یہ ہے کہ امامیہ اپنے مذہب مدوّن (جمع کردہ) کو اُس پر پہنچاتے ہیں۔ اور اُس وقت میں ملحقاً اپنے مذہب کا اس کو جانتے ہیں جیسے کہتے ہیں کہ علقمہؒ تابعین میں اور عبداللہ ابن مسعودؓ صحابہ میں بانی مبانی مذہب حنفی کے ہوتے ہیں۔ یا کہتے ہیں کہ نافعؒ اور زہریؒ قرن تابعین میں اور عبداللہ ابن عمرؓ قرن صحابہؓ میں بانی مذہب مالکیہ کے ہوئے ہیں۔ اور یہ بات جو ابن اثیر نے لکھی ہے موافق گمان و اعتقاد امامیہ کے لکھی ہے جیسا کہ ہر مذہب کے مجددوں کو بسبب گمان و اعتقاد اُس مذہب کے لکھا ہے نہ یہ کہ واقعی ایسا ہی ہو۔

کید ہشتاد و ششم

علماء ان کے اہل سنت کی کتابوں سے ایسی روایتیں جن میں وہم طعن صحابہؓ کا ہے اپنی تالیفات میں نقل کرتے ہیں اور اُن پر استدلال کرتے ہیں کہ دیکھو تمہارے ہی قول سے ان کو لیاقت خلافت کی معلوم نہیں ہوتی، اور یہ ان کے زعم میں بڑے کید عمدہ سے ہے اور فی الواقع اس حیلے سے بہتوں کو راہ حق سے بھٹکا دیتے ہیں۔ تفصیل ان اخبار و روایات کی باب مطاعن میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ وہاں معلوم ہوگا کہ وہ اخبار اور تتمے ان کے مدعا کو ہرگز مفید بھی نہیں گئی ہیں، کچھ غرض ان کی اُن سے نہیں نکلتی۔ لیکن وہ جواب جو مناسب اس مقام کے ہے یہاں آیا یہ کہ اہل سنت کو اگر الزام دینا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ان کے تمام مرویات صحیحہ کا اعتبار کریں اور جو مناقب اور مدائح صحابہؓ اور خلفاءؓ کے ان کے یہاں برابر منقول ہیں وہ بھی پیش نظر رکھیں اور جب وہ روایتیں جو انھوں نے لی ہیں اور یہ جو چھوڑ دی ہیں دونوں قسمیں متعارض ہوں تو وجوہ ترجیح کہ علم اصول میں مقرر ہے اس کا دفع کریں۔ اور اکثر کو اقل اور اظہر کو اخفیٰ۔ اور موافق عمل اور اعتقاد دلیری کو ان کے مخالف پر حاکم بنائیں۔ پھر بعد تطبیق اور ترجیح اور تصویب کے دیکھیں کہ کیا نتیجہ حاصل ہوتا ہے جو حاصل ہو بس یہی عین مذہب اہل سنت کا ہے نہ یہ کہ روایات تمام کہ اکثر اُن میں موضوع و ضعاف ہیں اور بعض اخبار احاد مخالف روایات جمہور اور معہذا ماول اور محمول کو محامل صحیحہ پر تو منظور کر لیں اور جو متواترات اور قطعیات ہیں اُن کو نظر اُٹھا کر نہ دیکھیں جیسی کہ عادت اس فرقے کی ہے۔

اور یہ کاریگری ان کی ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص زلات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قرآن مجید سے نکالے مثل عَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی یا سوال حضرت نوحؑ کا اپنے بیٹے کے حق میں یا بہت تحیات اور ستاروں کو اپنا پروردگار کہنا۔ اور بتوں کے توڑنے کی نسبت جھوٹ ایک بڑے بت پر کرنا۔ یا خلاف اپنے آپ کو بیمار ظاہر کرنا کہ یہ سب باتیں حضرت ابراہیمؑ سے ہوئیں۔ اور مارنا قبطی کا اور داڑھی کھینچنا ہارونؑ کا جو پیغمبر اور برادر کلاں حضرت موسیٰؑ کے تھے بے تحقیق و تامل کہ یہ امر حضرت موسیٰؑ سے وقوع میں آئے۔ اور گناہ حضرت داؤدؑ کا اوریا کی عورت کے معاملے میں اور علیٰ ہٰذا القیاس اور یہ کہے کہ قرآن مجید میں مطاعن اور مثالب یعنی عیب انبیاءؑ کے برابر اور قطعاً ثابت ہیں پس یہ لوگ قابل نبوت کے

نہیں تھے ان باتوں کو نیک جاننا خلاف قرآن کے کرنا ہے۔ اور یہ شخص بے تمیز اتنا نہ سمجھے یا سمجھے مگر پردہ بدبختی کا اس کی آنکھوں پر پڑ جائے کہ نصوصِ قطعیہ متواترہ بیشمار قرآن سے مدائح اور بیان خوبیوں حال اور آل ان بزرگوں کا جو جابجا قرآن میں واقع ہے۔ اور نیز تعریفیں اُن کو نہ دیکھے اگر کسی قصے یا کسی حکم میں عتاب اُن پر اور اُن کی عبرت کے واسطے کیا ہو اور ان کو تادیب اور ارشاد فرمایا ہو تو مناقض اور معارض اُن قطعیاتِ کثیرہ کا نہیں ہو سکتا یا اگر کوئی چاہے کہ آیاتِ متشابہات جو جسمیت اور لوازم جسمیت خداتعالیٰ پر دال ہوں اور مُنہ سے پنڈلی تک اعضا اور اجزا اسکے ثابت کرے قرآن شریف سے نکالے اور تمام نقصانات اُس کے حق میں ثابت کرے اور کہے کہ جو ان صفات سے موصوف ہے قابل الوہیت اور شانِ خدائی کے نہیں ہے۔

❋ جواب ان جملہ اور سب شبہوں کا یہی ایک بات ہے جو لکھی جاتی ہے حَفِظْتَ شَيْئًا وَغَابَتْ عَنْكَ أَشْيَاءُ (یعنے بچالی تو نے ایک چیز اور جاتی رہیں تجھ سے بہت چیزیں)۔ اور یہ کید شیعہ کا کس قدر اُس لمد کی حکایت سے مشابہ ہے جو انکارِ نماز کے معاملہ میں تمسک اس آیت سے کرتا تھا یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ (یعنے اے ایمان والو مت نزدیک ہو تم نماز کے) اور جب اُس سے کہا کہ سیاق اور سباق اس آیت کا بھی پڑھ اور مثل أَقِيمُوا الصَّلَاةَ اور فَلَا تَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ۔ اُن کو بھی ملاحظہ کر۔ جواب دیا کہ بابا تمام قرآن پر کسی نے عمل کیا ہے، اگر ایک کلمہ پر عمل کریں یہی غنیمت ہے۔

❋ **کید ہشتاد و ہفتم** یہ کہ علماء ان کے باوجود دعوٰی تاریخ دانی کے حکایتیں موضوعہ مفتراۃ (من گھڑت) کہ موافق علم تاریخ کے جھوٹ اور بہتان ہیں اپنے کتبِ معتمدہ میں درج کرتے ہیں اور انہی ایسی ویسی حکایات سے بعض اہماتِ مسائل اپنے اعتقاد کے ثابت کرتے ہیں۔ اکذب ان حکایتوں میں وہ حکایت ہے کہ ان کے سیر اور اخبار والوں نے بنائی ہے اور علماء نے ان کے اپنے حُسن ظن سے جو اخبار والوں پر رکھتے ہیں اُس کو قبول کر لیا اور مان لیا ہے۔ اور فضیلت جناب امیرؓ کی تمام انبیائی اور اولوالعزم وغیرہم پر کہ ان کے اُمہات مسائل نزواتیہ ہے اور مخالف ملتوں ثلثہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے اُس سے ثابت کی ہے اور وہ حکایت حلیمہ بنت ذویب عبداللہ بن حرث سعدیہ کی ہے کہ دایہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھیں، کہتے ہیں کہ عراق میں حجاج بن یوسف ثقفی پر گرم ہوئیں۔ حجاج نے اُن سے کہا کہ اے حلیمہؓ! خدا نے تجھ کو خود میرے پاس بھیجدیا میں تو آپ بلانا چاہتا تھا کہ تجھ سے بدلہ لُوں۔ حلیمہؓ نے کہا تیری اس شورش اور خشونت کا باعث کیا ہے۔ کہا میں نے سُنا ہے کہ تُو علیؓ کو ابوبکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دیتی ہے۔ حلیمہؓ نے تھوڑی دیر تامل کر کے سر اُٹھایا اور کہا کہ اے حجاج! قسم ہے خدا کی میں اپنے امام کو فقط ابوبکرؓ اور عمرؓ ہی پر ترجیح نہیں دیتی ہوں، ابوبکرؓ اور عمرؓ کی ایسی لیاقت کہاں کہ اُن کے ہم پلہ ہو سکیں۔ میں تو اُن کو آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور سلیمانؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ سب پر ترجیح دیتی ہوں۔ حجاج نے بہت بگڑ کر کہا کہ میں تو تجھ سے اسی بات میں

ناراض تھا کہ تو اس مرد یعنے علیؓ کو دو شخص اصحابِ نبیؐ پر تفضیل دیتی ہے اب کہ انبیائے اولوالعزم پر بھی ترجیح دیتی ہے، دُھواں میرے دماغ سے اُٹھتا ہے اگر اس کو ثبوت کر سکے گی فبہا، نہیں تو تجھ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا تاکہ اور عبرت پذیر ہوں۔ حلیمہ نے کہا کہ یہ بتا ارادہ تیرا کیا ہے؟ اگر مجھ پر ظلم و تعدی منظور ہے اور زبردستی مار ڈالنا تو یہ لے سر بھی حاضر ہے اور طشت بھی موجود، پھر دیر ہی کیا ہے۔ اور اگر مجھ سے اس دعوے پر دلیل چاہتا ہے تو میری طرف کان لگا اور متوجہ ہو کر سُن۔ حجاج نے کہا کہ اچھا بتا علیؓ کو آدمؑ پر کیا فضیلت ہے جن کا خداتعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے خمیر بنایا اور چالیس صبح اُس پر اپنی رحمت نازل کی پھر اپنی رُوح خاص اُن کے قالب میں پھونکی بہشت میں رہنے کے لئے جگہ دی اور فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ حلیمہؓ نے کہا اس دلیل سے کہ آدمؑ کے حق میں فرمایا عَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ (یعنے نافرمانی کی آدمؑ نے اپنے پروردگار کی سو بہک گیا)۔ اور علیؓ کی طاعت اور بندگیوں کا سورہ ھَلْ أَتَىٰ میں وصف کیا اور إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ۔ اس آیت میں بھی بادائے صلوٰۃ اور زکوٰۃ موصوف فرمایا آدمؑ کے زمانے سے اس وقت تک کون ایسا ہوا جس نے عین نماز میں انگوٹھی فقیر کو خیرات کی ہو۔ حجاج بولا یہ تو تُو نے سچ کہا۔ اب یہ بتا کہ نوحؑ پر کیا افضلیت ہے؟ کہا زوجہ علیؓ کی فاطمہ زہرا سیدۃ النساء العالمین تھیں جن کا نکاح سدرۃ المنتہٰی کے نیچے بگواہی اور شہادت ملائکہ اور سفارت جبرئیلؑ کے بندھا۔ اور زوجہ نوحؑ کی کافرہ اور منافقہ تھی جیسا کہ نصِ قرآنی میں مذکور ہے۔ حجاج جھٹ پٹ جواب دینے حلیمہؓ سے بہت متعجب ہوا۔ اور بعد صد آفرین کے کہا کہ اچھا ابراہیمؑ پر کس دلیل سے افضل جانتی ہے؟ کہا ابراہیمؑ نے خداتعالیٰ سے عرض کیا رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي (یعنی اے رب میرے دکھا تُو مجھ کو کیونکر جلائے گا تو مُردوں کو فرمایا رب نے تو کیا اس بات کا معتقد نہیں؟ ابراہیمؑ نے کہا کیوں نہیں لیکن دیکھنے سے دل کو خوب اطمینان ہو جائے۔ اور علیؓ برسر منبر فرماتے تھے لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ مَا ازْدَدْتُ يَقِينًا۔ یعنے اگر پردے ظاہری مظاہر سے دُور کر دیئے جائیں اور مین وہ ذات جس کا اِس پردے میں ظہور ہے ظاہر اور برملا ہو ہم اپنے یقین کو نہیں بڑھائیں گے اس لئے کہ وہ حق الیقین کو پردہ داری کے حال میں پہنچ گئے ہیں۔ اور میں نے سُنا ہے پیغمبر خدا سے کہ ایک دن بیٹھے تھے اور گروہ مومنین اور منافقین اُن کو گھیرے ہوئے تھے اُس حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے گروہ مومنین کے! شبِ معراج میرے واسطے ایک منبر قائم کیا میں اُس پر بیٹھا اس میں ابراہیمؑ میرے باپ آئے اور منبر پر چڑھ کر ایک پایہ مجھ سے نیچے بیٹھے اور گروہ گروہ پیغمبر آئے اور مجھ کو سلام کیا پھر یہ ہوا کہ میرے چچیرے بھائی علی بن ابی طالب کو جنت کی اونٹنیوں سے ایک اونٹنی پر سوار کر کے لائے لوائے الحمد اُن کے ہاتھ میں تھا اور گرد ان کے ایک قوم نورانی چہرے والے جیسے چودھویں کے چاند۔ پس ابراہیمؑ نے پُوچھا کہ یہ جوان کون پیغمبر ہے؟ میں نے کہا پیغمبر نہیں ہے میرا چچا زاد بھائی علیؓ بن ابی طالب ہے۔ اور یہ قوم جو گرد اُس کے ہیں اُس کے شیعہ اور محبین ہیں۔ ابراہیمؑ نے یہ دیکھ کر کہا خدایا مجھ کو بھی شیعہ علیؓ کا کر

فذالک قولہٗ تعالیٰ من سورۃ الصافات وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ یعنی شیعہ اُس کے سے ابراہیمؑ ہے جو آیا سامنے اپنے پروردگار کے قلبِ سلیم کے ساتھ۔ حجاج بولا ٹھیک ہے۔ اب بھلا سلیمانؑ پر فضیل ہونے کی کیا دلیل ہے؟ حلیمہؓ بولیں کہ سلیمانؑ نے بادشاہی اور مرتبہ دنیا کا خدا سے مانگا رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ یعنی اے خدا ایسا بڑا ملک مجھ کو دے کہ کسی کو بعد میرے اُس کے دینے کے لائق نہ سمجھے؛ بیشک تو دینے والا ہے۔ اور امیر المومنین علیؓ نے دنیا کو تین بار طلاق دے کر مطلقہ کیا اور کہا اِلَيْكِ عَنِّيْ يَا دُنْيَا طَلَّقْتُكِ ثَلَاثًا لَا رَجْعَةَ بَعْدَهَا حَبْلُكِ عَلٰى غَارِبِكِ غُرِّيْ غَيْرِيْ لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْكِ (یعنی دُور ہو اے دنیا مجھ سے میں نے تجھ کو تین دفعہ طلاق دی جو مغلظہ ہے جس میں رجعت نہیں ہے اب تیری رسی ہے اور تیرا دوش کسی اور کو میرے سوا فریب دے مجھ کو کچھ تجھ سے غرض نہیں)۔ حجاج نے اس کو تسلیم کر کے پوچھا اب کہہ موسیٰؑ پر کیا فضیلت ہے؟ کہا موسیٰؑ جس وقت مصر سے مدین کو چلے خائف و ہراسان تھے فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ پس نکلا موسیٰؑ مصر سے ڈرتا اِدھر اُدھر تکتا۔ امیر المومنینؓ شبِ ہجرت آپ کے بستر پر بے کھٹکے ہو کر سوئے اگر ذرا بھی کھٹکا ہوتا تو نیند نہیں آتی۔ حجاج نے کہا یہ بھی معقول بات ہے۔ اب حضرت عیسیٰؑ پر کیا فوقیت ہے؟ اس کا بیان کر۔ کہا حشر میں عیسیٰؑ بھی حسابگاہ میں مثل اَوروں کے کھڑے کئے جائیں گے اور پوچھا جائے گا آیا نصاریٰ نے تجھ کو تیرے حکم کے موافق پوجا اور خدا سمجھا اور یہ محل ڈر اور معذرت اور توبہ کے ہوں گے وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ الی آخر الآیۃ یعنی جس وقت کہ پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بیٹے مریمؑ کے کیا تُو نے لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اور میری ماں دونوں کو معبود جانو سوا خدا کے۔ اور جب سبائیہ نے جناب امیرؓ کو خدا کہا بگڑ گئے اور ان کو جلا وطن کیا اور سیاست قرآنی کہ مشرق مغرب میں شہرت ہو گئی۔ اور بری الذمگی حاصل ہوئی۔ حجاج نے اس کی بھی تصدیق کی اور ہزار دینار دے کر اُس کو خوش کیا اور سالانہ بھی مقرر کر دیا۔ پھر حلیمہؓ نے کہا اے حجاج! اب دوسرا نکتہ اور سُن کہ جب مریمؑ بنت عمران کے دردِ زہ ہونے لگا بیت المقدس میں تھیں حکم الٰہی پہنچا جلدی یہاں سے جنگل کو نکل جا اور نیچے درخت خشک خرمے کے وضع حمل کر تاکہ بیت المقدس تیرے نفاس کی آلودگی سے ناپاک نہ ہو۔ اور مادرِ علیؓ کو کہ فاطمہ بنتِ اسد تھیں جب دردِ زہ شروع ہوا تو حکم الٰہی آیا کہ کعبے میں داخل ہو اور میرے گھر کو اس مولود کی تولد سے مشرف کر۔ اب تو ہی انصاف کر کہ ان دونوں مولود میں کون افضل اور اشرف ہے حجاج نے حلیمہؓ کے حق میں دعائے خیر کی اور عزت و حرمت رخصت کیا۔ انتہیٰ۔

جاننا چاہیئے کہ یہ حکایت سرتاپا بنائی ہوئی اور کذبِ صریح اور بہتان ظاہر ہے اس لئے کہ حلیمہؓ باجماع مورخین زمانۂ خلفاءؓ تک بھی زندہ نہ رہیں اگر زمانِ حجاج تک جیتیں تو تھوڑے سے تھوڑی عمر اُن کی ایک سو چالیس برس کی ہونا چاہیئے بلکہ علمائے تاریخ کو اس بات میں اختلاف ہے کہ حلیمہؓ نے زمانۂ بعثت یعنی تقرر نبوت کو بھی پایا ہے یا

نہیں اور ایمان بھی لائیں یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ حجاج خونریزی اور قتل خصوصاً شرفاء اور سادات اور متوسلان خاندان اہل بیت میں شہرۂ آفاق تھا اور بدترین نواصب۔ جیسی کچھ عداوت اُس کو حضرت امیرؓ اور اُن کی ذریات سے تھی زبان پر خاص و عام کے جاری ہے۔ چنانچہ ایک جماعت اہل سنت کو اسی علت میں شہید کیا۔ اُس کی مجلس میں بغیر اُس کے بلائے کوئی جا نہیں سکتا تھا۔ جو کوئی مصاحب اور نوکروں سے اُس کے سامنے جاتا تھا اپنی جان اور آبرو کے خوف سے لرزتا ہی رہتا تھا۔ انس بن مالکؓ کہ خادمِ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اور اور عمدہ صحابیوں سے تھے اُن کو ذلیل اور حقیر کرتا تھا۔ حسن بصریؒ اور اُس زمانے کے دوسرے بزرگوں کو مار ڈالنے کے واسطے کونسی تلاش تھی جو اس نے اُٹھا رکھی۔ بھلا ممکن تھا کہ حلیمہ اُس خبیث کے پاس آتیں اور ایسی گفتگو کرتیں۔ نہ کوئی وجہ ان کے آنے کی حجاج کے پاس معلوم ہوتی ہے۔ حجاج کوئی ایسا سخی اور کریم بھی نہ تھا جو سمجھا جاتا کہ حلیمہ اپنی قوم یعنی بنو سعد کی مسکن کہ ملک حجاز کے حوالی طائف میں تھا بامید عطا و جود کے قصد عراق کا حجاج کے پاس کرتیں اور حجاج سے کیونکر تصور کیا جائے کہ وہ اس گفتگو پر ہزار دینار دیدے اور سالانہ بھی مقرر کرے کیونکہ وہ بدترین نواصب سے تھا اور نواصب اپنی دولت اور سلطنت کا قیام اس میں جانتے تھے کہ جناب امیرؓ کی جناب میں اپنا منہ ہی کالا کرتے رہیں۔ تیسرے باجماع مورخین شیعہ اور سُنی کے کبھی کسی نے نقل نہیں کیا کہ حجاج نے اپنے وقتوں سے کسی وقت میں اپنے عقیدۂ فاسد میں سستی اور نرمی کی ہو یا توبہ کی طرف رجوع ہوا ہو بالاتفاق اپنی آخر عمر تک عداوت حضرت امیرؓ اور ذریات طاہرہ اور سادات کشی پر جما ہی رہا الگ نہ ہوا۔

اب ہم حجتیں اور دلیلیں حلیمہ کی جو بڑی آب و تاب سے بیان کی ہیں اور محض بے مغز ہیں تین وجوہوں کے ساتھ کہ تصامانعت کی خواہاں طول کی ہے لیکن ہم اس جگہ تبرکاً اور تیمناً موافق مذہب ائمہ اثنا عشریہ کے بارہ وجہیں لکھیں گے۔

اول یہ کہ اہل اسلام کے عقیدۂ مقررہ کے خلاف ہے بلکہ یہود اور نصاریٰ کے بھی مخالف کہ کوئی ولی مرتبہ نبی کو نہیں پہنچتا ہے۔

دوسرے خلاف نصوص قرآنی کے کہ انبیاءؑ کی تفضیل اور ترجیح تمام مخلوقات پر کی ہے۔ اور اصطفاء اور برگزیدگی کے ساتھ چھانٹا اور اختیار فرمایا ہے۔

تیسرے ان حجتوں میں لغزشیں انبیاءؑ کی گنائی ہیں اور جناب امیرؓ کے مناقب پر دو قوں کو قیاس کیا ہے اور مجاہدوں اور معاملوں حقانیہ انبیاءؑ سے سکوت کیا ہے اگر مناقب اور انبیاءؑ کی بزرگیوں کو مناقب اور بزرگیوں امیر المومنینؓ کے ساتھ تولتے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے تو قابل مسموع ہونے کے ہوتا۔ ورنہ ویسا طریقہ احتجاج کا ہر جگہ جاری ہو سکتا ہے چنانچہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ پیغمبر آخر الزمان یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے عَبَسَ وَتَوَلّٰى اور لینے فدیہ اسیرانِ بدر اور ترک استثناء یعنی انشاء اللہ تعالیٰ نہ کہنے اور نماز جنازہ منافق اور اجازت دیدینے منافقین کے

غزوۂ تبوک اور جانب داری طعیمہ اور اُس کے بھائیوں کی کہ ایک یہودی سے چوری کے مقدمہ میں خرخشہ رکھتے تھے عتاب فرمایا اور جناب امیرؓ بلکہ ابوذرؓ اور عمارؓ اور سلمانؓ اور مقدادؓ کی فلاں فلاں آیتوں میں تعریف کی پس یہ سب بھی پیغمبر آخر الزمان سے افضل ہوں، مَعَاذَ اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

چوتھے یہ کہ حضرت آدمؑ بشر کے باپ اور نوعِ انسان کی جڑ ہیں جو کچھ نیکی اور خوبی ان کی اولاد اور نسل سے ظاہر ہوتی ہے بحکم باپ ہونے کے اُن کے دفترِ اعمال میں لکھی جاتی ہے جیسا کہ مقرر ہے اعمال نیک اولاد کے ماں باپ کے دفترِ اعمال میں ثبت ہوتے ہیں بشرطِ ایمان والدین کے پس بزرگی حضرت امیرؓ کی اور نزول سورۂ هَلْ اَتٰى کا ان کی شان میں اور صدقہ دینا انگوٹھی کا نماز میں فقیر کو ایک نکتہ ہے یعنی ادنیٰ بزرگی حضرت آدمؑ سے اور اگر اعمال نیک تمامی انبیاءؑ اور اولیاء۔ اور اماموں اور وصیتوں کو ہم گنیں سب کو صحیفۂ اعمال حضرت آدمؑ اور اُن کے نفسِ نفیس میں مندرج پائیں گے اس لئے کہ درحقیقت رسمِ طاعت بندگی اور توبہ اور شرمندگی کی سب پیدا کی ہوئی اور لائی ہوئی اُنہی کی ہے وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (یعنی جس کسی نے رسم ڈالی اسلام میں رسم نیک کی اُس کے واسطے ہے اجر اُس کا اور اجر اُن لوگوں کا کہ اُس پر عمل کریں قیامت تک۔

پانچویں یہ کہ حضرت نوحؑ اور حضرت امیرؓ کی فضیلت کے مقابلہ میں جو اُن کی ازواج کی فضیلت کو سند پکڑا ہے خوب ظاہر ہے کہ اگر کسی شخص کی زوجہ دوسرے شخص کی زوجہ پر فضیلت رکھتی ہو تو زوجہ کی فضیلت سے اس شخص کی فضیلت دوسرے شخص پر نہیں ہو جائیگی۔ دیکھو آسیہؓ زوجہ فرعون کی افضل تھیں زوجہ حضرت نوحؑ اور لوطؑ سے بالاتفاق۔ اور شیعہ کے نزدیک پیغمبر صلعم کی زوجوں سے حضرت امیرؓ کی زوجہ قطعاً افضل ہیں۔

چھٹے یہ کہ حدیث لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ لَمَا ازْدَدْتُ يَقِينًا ایک بنائی ہوئی چیز ہے کسی کتاب میں سُنیوں اور شیعہ کے بسند مذکور نہیں۔ اور اگر ہم اس کو مان بھی لیں تاہم مفیدِ تفضیل نہیں۔ اس سبب سے کہ امیر المومنینؓ نے نفی زیادتِ یقین کی کی ہے کہ میں اپنا یقین نہیں بڑھاؤں گا اور حضرت ابراہیمؑ نے طلب اطمینان کی کہ یقین تو ہے لیکن دیکھنے سے اطمینان بھی ہو جائے۔ اور اطمینان جنس یقین سے نہیں ہے، یقین اور ہے اطمینان اور ہے۔ پس نہیں لازم آتا کہ حصولِ اطمینان سے زیادتی یقین کی ہوتی ہے بلکہ اطمینان ایک حالت ہے شبیہ بعیان اور قاعدہ معقول کا ٹھہرا ہوا ہے اَلزَّائِدُ لَابُدَّ اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ جِنْسِ الْمَزِيْدِ عَلَيْهِ معنی یہ کہ زائد ضروری ہے کہ جنس مزید علیہ سے ہو۔ حاصل یہ کہ جب امیرؓ کو رتبہ یقین کا حاصل تھا وہ طالب یقین کے کیوں ہوتے کہ اُسی جنس سے زیادہ ہوتا پس تحصیل حاصل بے فائدہ تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو بھی یقین حاصل تھا جیسا کہ لفظ بَلٰى سے ثابت ہے۔ لہٰذا یہ طالب اطمینان کے ہوئے کہ دوسری قسم ہے۔ پھر کیا نقصان اُن کی طرف عائد ہوتا ہے۔

ساتویں جو کچھ حاضر ہونے جناب امیرؓ سے شبِ معراج میں لکھا ہے خود شیعہ کے نزدیک صاف نہیں بلکہ مختلف فیہ ہے

ابن بابویہ قمی کتاب المعراج میں ضمنِ حدیث طویل کے ابوذرؓ سے روایت کرتا ہے کہ ملائکہ نے آسمان پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اِذَا رَجَعْتَ اِلَى الْاَرْضِ فَاقْرَءْ عَلِيًّا مِنَّا السَّلَامَ (یعنی جب تم لوٹ کر زمین پر جاؤ تو علیؓ سے ہمارا سلام کہنا۔ اور نیز ابن بابویہ نے اسی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امیرؓ شبِ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھے زمین پر رہے لیکن پردہ اور حجاب نظر کے سامنے سے اٹھ گیا تھا جو کچھ آپؐ نے آسمانوں پر جا کر عالم ملکوت سے دیکھا جناب امیرؓ نے وہ سب زمین پر رہ کر دیکھا اور نوادر الحکمۃ والے نے عمار بن یاسرؓ اور قطب راوندی نے بریدہؓ سے مرفوعاً روایت کی ہے اِنَّ عَلِيًّا كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْاَسْرٰى وَاِنَّهٗ رَاٰى كُلَّمَا رَاَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (یعنی بیشک علیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے شبِ معراج میں اور بیشک دیکھا انھوں نے جو کچھ دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے)۔ اور دونوں روایتیں ان کے نزدیک صحیح ہیں، حالانکہ باہم متناقض اور متہافت۔

آٹھویں یہ کہ سابق حدیث جارود عبدی میں مذکور ہوا کہ تمام انبیاءؑ ولایتِ علیؓ کے ساتھ مبعوث یعنی پیدا ہوئے ہیں اور معنی تشیع کے سوائے تولّا علیؓ کے اور کچھ نہیں ہیں۔ چنانچہ قاضی نور اللہ نے اس کی تصریح کی پس ابراہیمؑ کو یہ بات اپنے ابتدائے نبوت سے حاصل تھی پھر شبِ معراج میں درخواست تحصیل حاصل کی کرنا اور جو چیز اپنے پاس موجود ہے جناب باری تعالیٰ سے مانگنا اس کے کیا معنے بلکہ محض بے معنے۔

نویں جو کچھ خوف حضرت موسیٰؑ اور فارغ دلی جناب امیرؓ میں ذکر کیا مغالطہ ہی مغالطہ ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ وجہ یہ کہ حضرت امیرؓ جانتے تھے کہ میں مرد صغیر السن ہوں اور تابع پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مجھ سے بالاستقلال کچھ عداوت نہیں ہے مجھ کو کیوں قتل کریں گے ان کو اپنے مارے جانے کا اصلاً خوف نہ تھا اور حضرتؐ نے بھی ان کی تسکین فرما کر ارشاد کیا تھا اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا (بیشک وہ ہرگز نہیں ضرر پہنچا سکیں گے تجھ کو ذرا)۔ پس قولِ پیغمبرؐ پر جو ان کو ایمان تھا اُس نے ان کو اس بات پر آمادہ رکھا کہ پختہ رہے۔ اور یہ بھی تھا کہ ابھی تک سبب عداوت کے کہ کشاکشی اور قتل اور قتال ہے باہم ثابت نہیں ہوئے تھے اور اسباب محبت کے کہ قرابتیں قریبہ اور پاس اور لحاظ ریاستِ ابی طالب کا یہ بھی بحال اور برقرار۔ اور اس بات کا خوف کہ اگر جناب امیرؓ کے ساتھ کچھ برائی کریں گے تو حمزہؓ اور عباسؓ اور دوسرے چچا اور بھائی ان کے ضرور بدلہ لیں گے یہ بھی موجود۔ بخلاف حضرت موسیٰؑ کے کہ اُن کو اس وقت میں ان باتوں سے کوئی حاصل نہ تھی بلکہ گمان غالب یہی تھا کہ مجھ کو اُس قبطی کے عوض میں مار ڈالیں گے اور مشورے رؤسائے قبط کے جو اس کام کی تدبیر اور حیلے میں ہوتے تھے بروایتِ معتبران کے سُننے میں آتے تھے نہ کوئی وعدہ حمایتِ الٰہی کا فرعونیوں کے شر سے ابھی تک ان کو پہنچا۔ چنانچہ بعد اس کے جب وعدۂ الٰہی سے مطمئن خاطر ہوئی جیسا کہ فرمایا اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى (بیشک میں تمہارے دونوں کے ساتھ سنتا اور دیکھتا ہوں)۔ اور یہ بھی فرمایا اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ (یعنی

تم دونوں اور تمہارے پیرو غالب ہوں گے) بمقابلہ فرعون کے کہ فوجیں اور قوت اور دبدبے اُس کے معلوم کہ کفارِ قریش کی اُس سے ایسی نسبت بھی نہیں جیسے پہاڑ اور ایک تنکا، تن تنہا اپنے ایک بھائی کے ساتھ ڈٹ گئے اور چالیس برس تک ایسے بادشاہ کے ساتھ ایک شہر میں رہتے رہے۔ بخلاف حضرت امیرؓ بقول شیعہ جس وقت میں کہ ابوبکرؓ نے خلافت ان سے چھینی کہ شیعہ کے نزدیک ابوبکرؓ ایک مردِ ضعیفُ دل تھے ایسا خوف اور ڈر ان کے دل میں بیٹھا کہ خلافت کس کی کارِ امامت بھی ہاتھ سے کھویا حالانکہ امامت ان کی مثل نبوت حضرت موسیٰؑ کے خدا کی جانب سے مقرر تھی اور ڈر اور نہایت تقیے کے سبب سے بہت سے فرض اور واجبات دین کے ترک کئے اور تحریف قرآن اور تبدیل احکام شریعت پر راضی ہو گئے اور نیز زمانہ عمرؓ بن خطاب میں جب دخترِ والا اختر ان کی عمرؓ نے چھینی، ڈر کے مارے اس ننگ عارِ ناگوار کو بھی اختیار کر لیا۔ باوصف اس کے کہ یہ خوف اور ہراس بھی بجز وہم خیال ضرر کے تھے نہ بسبب خطرۂ جان کے کہ اس لئے کہ شیعہ کے نزدیک یہ بات مقرر اور مسلّم ہے کہ ہر امام کو اپنے موت کا وقت معلوم ہوتا ہے اور اپنے اختیار سے مرتا ہے۔ اور اہلِ سنت کے یہاں بھی ثابت اور صحیح کہ جب حضرت امیرؓ قصبہ ینبع میں بیمار ہوئے صحابہؓ عیادت کے ملنے گئے اور عرض کیا کہ اس قصبے میں سوائے گنواروں مزارعوں کے کوئی نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ مدینۂ منورہ کو چلیے اگر نوع دیگر ہوئی تو تجہیز اور تکفین جیسی چاہیئے نہ ہو سکے گی۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو پیغمبرِ خدا نے میرے قتل کی حقیقتِ حال سے خبردار کر دیا ہے جب تک وہ وقت نہیں آئے گا نہیں مروں گا۔ اور علیٰ ہذا القیاس بارہا ان سے صورت اپنے شہادت کی تفصیل بلکہ بتعین نام قاتل بھی مروی اور منقول ہے۔ پھر باوجود ایسی معلومات کے ان کو ایسا خوف اور ہراس ہوا۔

دسویں حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں جو بیان کیا، حاشا کہ یہ طالب جاہ و حشمت کے ہوں کہ یہ بات اہلِ نبوت میں بُرائی پیدا کرتی ہے۔ غالب کہ انکارِ نبوت حضرت سلیمانؑ کا شیعہ بھی گوارا نہیں کریں گے پس ضرور کہ اس دعاء اور طلب میں کوئی غرضِ صحیح حضرت سلیمانؑ کو ہوگی۔ اب تنزیہ الانبیاء والائمہؑ کہ کتاب معتبر شیعوں کی تصنیف سید مرتضیٰ کی ہے دیکھنا اور توجیہیں اُس کی سمجھنا چاہئیں کہ حاصل اُن کا جو کچھ اس میں مذکور ہے وہ چند توجیہیں ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت سلیمانؑ نے طلب ایسے ملک کی کی تاکہ معجزہ ہو ان کی نبوت پر اور شرط معجزے کی یہی ہے کہ دوسرا اُس پر قادر نہ ہو۔ دوسرے غرض ان کی طلب ملک اور مال سے قائم کرنا عدل اور انصاف اور ارشاد اور ہدایت خلق اللہ سے تھی کہ یہ مدعا صورتِ اقتدار بادشاہی کے نہایت سہل وجہوں سے میسّر ہو سکتا ہے کہ جس قدر اقتدار زیادہ ہوگا مدعا کا زیادہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ کلمہ لِاَحَدٍ مِّنۡ بَعۡدِیۡ سے مراد خاص انہی کی اُمت سے ہے اور درخواست اس مطلب کی اس واسطے تھی کہ اُمت پر نبی کا امتیاز رہے اُمت سے کوئی نبی کی طرح نہ ہو۔ لیکن اس توجیہ میں ظاہر خدشہ ہے اس لئے کہ صحیح حدیثیں گواہ عموم کی ہیں کہ عام درخواست تھی نہ کہ مخصوص باُمت اور لفظ لِاَحَدٍ مِّنۡ

بَعۡدِیۡ بھی نص ہے استغراق میں یعنی کسی زمانے میں کسی کو نہ پہنچے۔ اور یہ توجیہ بھی جب کام آتی کہ ملک موصوف اس صفت سے ہوتا کہ طلب اصل ملک میں۔ اس لئے کہ خوب ظاہر ہے امتیاز نبی اور امت کا بہت چیزوں سے ہو سکتا ہے طلب بادشاہی کی کیا ضرورت تھی۔ چوتھے یہ کہ خدا تعالیٰ نے ان کو جتلایا ہوگا کہ اس قسم کا ملک حاصل ہونے میں تم کو نہایت نیکی و خوبی دین میں حاصل ہوگی اور کثرت طاعات اور میراث اور خیرات کرو گے۔ دوسرے کو اگر ایسا ملک حاصل ہوگا اُس کے حق میں اصلح نہ ہوگا بلکہ مانع ہوگا خدا کی طرف متوجہ ہونے اور اشغال اور طاعات اور خیرات کا۔ اور مثل ان چار توجیہ مذکور کے اور باتیں بھی اُس کتاب میں لکھی ہیں۔ بہرحال یہ امر فضلیت حضرت امیرؓ اور مفضولیت حضرت سلیمانؑ کا نہیں ہو سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت امیرؓ نے بھی باوجود طلاق دینے دنیا کے طلب خلافت کی فرمائی اور ایسی کوشش اور سعی کی کہ قتل اور قتال مسلمانوں کا واقع ہوا۔ پس اب ہم کو معلوم ہوا کہ بعض لوگ ایسے بھی خدا کے بندے ہیں کہ دنیا کو طلاق بھی دیدیں اور ملک کی طلب اور تمنا بھی کریں اور یہ طلب اور تمنا منافی اُس طلاق کے نہیں پڑتی اس لئے کہ اس طلب میں اُن کو محبت جاہ اور مال کی مقصود نہیں ہوتی بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ قدرت جہاد کی عدو اللہ پر حاصل ہو اور کافروں کی جڑ نکال ڈالیں، احکام شریعتِ روشن کے جاری کریں، بیت المال کی حفاظت ہو اور جو اُس کے حقدار ہیں اُن پر خرچ کیا جائے۔ تو حضرت سلیمانؑ اور حضرت امیرؓ طلب ملک اور خلافت میں دونوں اس نیتِ نیک کے شریک ہیں اتنا ہی فرق ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے اس بات کی خواہش سے درخواست کی تاکہ بے اسبابِ ظاہر مخلوق مسخر ہو جائے جیسا کہ وقوع میں آیا کما قولہ تعالیٰ فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّيۡحَ یعنے مسخر اور تابعدار کیا ہم نے ہوا کو اُس کے حکم میں۔ و قولہ تعالیٰ وَالشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ، اور وہ شیاطین کہ سب معمار اور غوطہ لگانے والے تھے۔ اور حضرت امیرؓ نے اسبابِ ظاہر کے پردے میں کہ وہ جمع کرنا لوگوں کا اور جنگ و قتال ہے طلب فرمائے لیکن میسر نہ ہوئے۔ بدیں وجہ کہ حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اسبابِ ظاہری کی ان کی نظر میں کچھ قدر اور وقعت نہ رہے اور یہی چلن ہے حضرت خداوند تعالیٰ شانہٗ کا اپنے خاصوں کے ساتھ کہ ان کو ہر دقیقے میں دقائق معاملات سے رہنمائی اور آگاہی کرتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ ترک دنیا کا مطلقاً یعنی بالکل دینِ محمدی میں مطلوب اور مقصود نہیں ہے۔ اگر ترکِ دنیا سے فضیلت حاصل ہو تو ضروری ہے کہ ہندوستان کے جوگی اور کشمیر کے رشی اور رہبانِ عیسائی اور لامبہ (لامہ) چین کے کہ دنیا کو طلاقِ بات یعنی قطع دیتے ہیں اور ریاضت اور سوکھے روکھے ٹکڑے کھانے کی عادت کر لیتے ہیں حضرت سلیمانؑ اور حضرت یوسفؑ سے کہ یہ بھی بادشاہ مصر کے ہوئے ہیں افضل ہوں، معاذ اللہ من ذٰلک۔

گیارھویں جو کچھ تفضیل حضرت امیرؓ میں حضرت عیسیٰؑ پر نقل کیا خلاصہ اُس کا دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت امیرؓ نے اپنے قالیانِ محبت کو جلا وطن کیا اور تعزیر دی۔ حضرت عیسیٰؑ نے ایسا نہیں کیا۔ دوسرے یہ کہ حضرت

عیسیٰؑ سے باز پرس ہوگی اور یہ محتاج اپنے عذر بیان کرنے کے ہوں گے حضرت امیرؓ سے نہ باز پرس ہے نہ حاجت عذر کی لیکن ان دونوں چیزوں میں کلام ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں موجب تفضیل امیرؓ کی حضرت عیسیٰؑ پر نہیں ہو سکتی ہیں لیکن تعزیر اور عدم تعزیر اس کی یہ بنا ہے کہ غالیانِ امیرؓ نے کلماتِ کفر اور بیہودہ باتیں ان کے سامنے شائع اور مشہور کی تھیں۔ اور غالیانِ محبتِ حضرت عیسیٰؑ نے اُس وقت میں کہ جب یہ آسمان پہ چلے گئے۔ پس حضرت عیسیٰؑ سے تعزیر اُن کی نہیں ہو سکتی تھی اور حضرت امیرؓ کر سکتے تھے بلکہ حضرت امیرؓ مار ڈالنے کی قدرت رکھتے تھے اگر مار ڈالتے تو بالکل ہی یہ شک اور آمیزش مٹ جاتی؛ لیکن ہونے والا یوں ہی تھا جلا وطن کرنے سے پھر اُنہی کلماتِ خبیثہ اور ہذیاناتِ قبیحہ کو ان لوگوں نے مدائن اور عراق اور تبریز میں رائج کر دیا۔ اور یہ جو کہا کہ حضرت عیسیٰؑ سے باز پرس ہوگی سو قرآن مجید میں ذکر اس کا فرمایا ہے اور باز پرس امیرؓ کا کچھ حال معلوم نہیں اور ظاہر ہے کہ نہ جاننا اور چیز ہے اور نہ ہونا اور چیز۔ ہاں اگر بعد حضرت امیرؓ کے کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا اور قرآن نزول فرماتا جیسا کہ بعد حضرت عیسیٰؑ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ قرآن ہے اور اس میں صریحاً نفی باز پرس حضرت امیرؓ کی نازل ہوتی البتہ تفرقہ دونوں کا ثابت ہو جاتا اور اب تو یہی قرآن ہے جس میں خود عموماً بعض آیات دلالت کرتی ہیں کہ حضرت امیرؓ پر بھی باز پرس ہے کما قولہ تعالیٰ وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ ھٰٓؤُلَآءِ اَمْ ھُمْ ضَلُّوا السَّبِیْلَ۔ یعنی ایک دن جمع کرے گا خدا تعالیٰ ان کو اور اُس چیز کو جس کی یہ پرستش کرتے تھے سو خدا کہے پھر پوچھے گا کیا تم نے بہکایا میرے ان بندوں کو یا یہی خود بہک گئے۔ اور یہ عذر بھی بیان کریں گے قَالُوْا سُبْحٰنَکَ مَا کَانَ یَنْبَغِیْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِکَ مِنْ اَوْلِیَآءَ۔ یعنی کہیں گے وہ معبود اُن کے پاک ہے تو ہمارے لائق یہ بات کہاں ہے کہ وہ اختیار کریں سوا تیرے ہم کو والیوں سے اور مالکوں سے۔ اور اس قسم کی باز پرس میں کوئی قصور والی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں تنبیہ اور توبیخ ان کے پوجنے والوں کی منظور ہے تاکہ ان کے مذہب کا بطلان انہی کے معبودوں سے ہو۔ اور یہ باز پرس قصور والی اس دلیل سے نہیں ہے کہ ملائکہ سے بھی ہونے والی ہے وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اَھٰٓؤُلَآءِ اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ۔ یعنی ایک دن جمع کریں گے ہم سب کو پھر پوچھیں گے فرشتوں سے یہی لوگ ہیں کہ تمہاری پرستش کرتے تھے اور معبود جانتے تھے۔ اور ملائکہ بالاجماع معصوم ہیں کوئی تکلیف شرع کی اُن کے ذمے نہیں نہ قابل عتاب اور مؤاخذے کے سوا اس کے اگر حضرت امیرؓ سے مواخذہ نہ ہو اور حضرت عیسیٰؑ سے ہو تب بھی بے موقع نہیں اس لئے کہ حضرت عیسیٰؑ پیغمبر تھے ان کا کہنا حجت قاطع ہے کہ اس کی سند کے ساتھ خدا تعالیٰ کے سامنے عذر ہو سکتا ہے۔ بخلاف حضرت امیرؓ کہ یہ سید الاولیاء تھے نہ کہ پیغمبر اور قول ولی کا حجت قاطع نہیں اور شہادت پیغمبر صلعم کی اُمت کے حق میں ان کی نیکی اور بدی پر ضروری ہے جیسا کہ فرمایا وَیَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا اِلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ مِنَ الْاٰیَاتِ۔ (اور دن قیامت کے اُٹھائیں گے ہم ہر امت سے گواہ

اور تجھ کو کریں گے اس اُمت پر گواہ)۔ اور گواہی امام اور ولی کی ساری اُمت پر ضروری نہیں ہے۔ پس اس موقع سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ سے سوال کا ہونا اور حضرت امیرؓ سے سوال کا نہ ہونا صریح دلیل فضلیت حضرت عیسیٰؑ کی ہے حضرت امیرؓ پر۔

❋ بارہویں جو کچھ قصہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت میں ذکر کیا محض واہی اور مخالف تواریخ ہے۔ اس لئے کہ تولد حضرت عیسیٰؑ میں اختلاف بہت ہے۔ مشہور یہ ہے کہ بیت اللحم میں پیدا ہوئے بعض کہتے ہیں کہ فلسطین میں اور بعض مصر میں اور بعض دمشق میں بتاتے ہیں۔ مگر مورخین میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ حضرت مریمؑ کو درد زہ بیت المقدس میں لاحق ہوا تھا۔ اور بالفرض یہ بھی ہوا ہو تو یہ کہاں سے آئے گا کہ ان کو نزولِ وحی کے ساتھ مسجد سے نکال دیا بلکہ نصِ قرآنی صریح اس بات کو بتاتی ہے کہ ان کو اضطرارِ درد یہاں تک ہوا کہ کسی چیز پر تکیہ لگائیں چونکہ علوق حضرت عیسیٰؑ کا بغیر پدر کے ہوا تھا لوگوں پر اس بات کے ظاہر کرنے سے شرماتی تھیں۔ ناچار جنگل کی طرف چلی گئیں اور ویرانہ اختیار کیا اور ایک درخت کی جڑ سے لگ گئیں اور جب کہ اس حالت میں جنگل کا جانا اور بے مدد کسی کے وضع حمل کرنا بہت دشوار معلوم ہوا بے اختیار آرزو موت کی کی۔ جیسا کہ فرمایا خدا تعالیٰ نے فَاَجَآءَھَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَۃِ قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔ (یعنی لے گیا مریمؑ کو درد زہ طرف جڑ درخت کے کہا کیا اچھا ہوتا جو میں مرجاتی قبل اس کیفیت سے اور لوگ مجھ کو بھول بھال جاتے)۔ اور یہ جو کہا ہے کہ "فاطمہ بنتِ اسد مادر جناب امیرؓ کو وحی آئی کہ خانۂ کعبہ میں جاؤ اور وضع حمل کرو" نہایت ہی بے مزہ جھوٹ ہے اس سبب سے کہ کوئی فرقہ اسلامیہ اور غیر اسلامیہ میں سے قائل اس بات کا نہیں ہے کہ فاطمہ بنتِ اسد کو نبوت ہوئی بجاج کب اس کو مان لیتا۔ روایت مشہور اس طرح پر ہے کہ معمول اہلِ جاہلیت کا تھا کہ پندرہویں رجب کو دروازہ کعبے کا کھولتے تھے اور زیارت کے واسطے اندر کعبے کے جاتے تھے اسی تاریخ میں تولد حضرت علیؓ کا وقوع میں آیا۔ اس لئے اُس دن کو یوم الاستفتاح اور روزۂ مریمؑ کہتے ہیں۔ مشائخوں نے اُس دن کے اوراد اور اذکار مقرر کئے ہیں۔ اور یہ بھی معمول تھا کہ اُس سے دو ایک روز پیشتر عورتیں زیارت کرتی تھیں۔ اتفاقاً عورتوں کی زیارت کے دن فاطمہ بنتِ اسد نے بھی باوجود تمام ہو جانے مدتِ حمل کے قصد زیارت کا کیا جو کہ سال بھر میں یہ ایک دن پڑا کرتا تھا باوجود دشواری حرکت جیسے تیسے اپنے آپ کو درِ کعبہ تک پہنچایا۔ اور دروازہ کعبے کا اُس زمانے میں قدِ آدم اونچا تھا چنانچہ اب بھی ویسا ہی ہے۔ لیکن اُس وقت میں زینہ سیڑھیاں نہ تھیں۔ عورتوں کو اُن کے مرد بحرکتِ عنیف چڑھاتے تھے اب زینہ اس کا بطور گاڑی پہیوں کے بنایا ہے وقتِ حاجت اس کو کھینچ کر متصل دروازہ کعبہ کے رکھ دیتے ہیں۔ پس اسی حرکتِ عنیف میں اُن کے درد زہ پیدا ہوا سمجھیں کہ بعد ایک ساعت کے تسکین ہو جائے گی زیارت سے کیوں محروم رہوں جس وقت کہ درِ کعبہ پر آئیں طلق برطلق یعنی درد زہ پے درپے ہونے لگا اور تولد حضرت امیرؓ کا

واقع ہوا۔ اور روایاتِ شیعہ میں دوسرے طور پر دیکھا گیا کہ ابوطالب جب شدتِ درد اور درازیٔ زمانِ عدم
تولد سے مایوس ہوئے تو ان کو بنظرِ حصولِ شفا اندر کعبے کے داخل کیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے جھٹ پٹ پیدا
ہو گئے۔ اس روایت کو شیعہ نے امام زین العابدینؑ سے نقل کیا ہے اَخْبَرَنِیْ زُبْدَۃُ بِنْتُ عَجْلَانَ السَّاعِدِیَّۃِ
عَنْ اُمِّ عَمَارَۃَ بِنْتِ عَبَّادِ السَّاعِدِیَّۃِ اَنَّھَا قَالَتْ کُنْتُ ذَاتَ یَوْمٍ فِیْ نِسَاءٍ مِّنَ الْعَرَبِ اِذْ اَقْبَلَ اَبُوْطَالِبٍ
کَئِیْبًا فَقُلْتُ مَا شَاْنُکَ قَالَ اِنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتَ اَسَدٍ فِیْ شِدَّۃٍ مِّنَ الطَّلْقِ وَاِنَّھَا لَاتَضَعُ ثُمَّ اِنَّہٗ اَخَذَ
بِیَدِھَا وَجَاءَ بِھَا اِلَی الْکَعْبَۃِ فَدَخَلَ بِھَا فَقَالَ اِجْلِسِیْ عَلٰی اِسْمِ اللہِ فَجَلَسَتْ وَطَلَقَتْ طَلْقَۃً فَوَلَدَتْ
غُلَامًا نَظِیْفًا فَسَمَّاہُ اَبُوْطَالِبٍ عَلِیًّا۔ ترجمہ۔ خبر دی مجھ کو زبدہ بنتِ عجلان ساعدیہ نے امّ عمارہ بنتِ عباد
ساعدیہ سے بیشک کہا اس نے کہ ایک دن تھی میں چند عرب عورتوں میں ناگاہ میرے سامنے آئے ابوطالب
غمگین۔ میں نے کہا تمہارا کیا حال ہے؟ کہا بیشک فاطمہ بنتِ اسد شدتِ دردِ زہ میں مبتلا ہے اور بچہ پیدا نہیں ہوتا
ہے۔ پھر ابوطالب نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کعبہ تک لائے پھر داخل کیا اس کو کعبے میں اور کہا خدا کا نام لے کر یہاں
بیٹھ۔ سو وہ بیٹھ گئی اور درد ہوا درد شدید پھر جنا بچہ پاکیزہ اور نام رکھا اس کا ابوطالب نے علیؓ)۔ اور ادنیٰ بات یہ ہے
کہ جب جناب امیرؓ کی کعبے میں پیدا ہونے سے فضیلت ان کی حضرت عیسیٰؑ پر متحقق ہوئی تو پیغمبرِ خدا پر بھی ہو گی
لیکن سُنّی و شیعہ میں سے کوئی اس بات کا قائل نہیں۔ اور تواریخ صحیحہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ حکیم بن حزام
ابن خویلد بھی کہ بھتیجا امّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا تھا کعبے میں پیدا ہوا۔ پس چاہیئے کہ یہ بھی افضل ہو
حضرت عیسیٰؑ بلکہ سب پیغمبروں سے۔ برائی اس بات کی کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔

کید ہشتاد و ہشتم[۸۸]۔ توریتِ معظم سے نقل کرتے ہیں کہ کل شریعتیں چھ ہیں اور ہر نبی صاحبِ شریعت کے
بارہ وصی تھے۔ اوّل شریعت حضرت آدم علیہ السلام کی دوسری حضرت نوحؑ کی تیسری حضرت ابراہیمؑ کی چوتھی حضرت
موسیٰؑ کی پانچویں حضرت عیسیٰؑ کی چھٹے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور فصیلاً آلی تے بمیدا نلم میں
بتفصیل نام وصیوں کے لکھے ہیں لیکن مجہول اللفظ والمعنیٰ جن کے اعراب ٹھیک نہیں یہ نقل بھی بالکل جھوٹ اور نرا
بہتان ہے۔ توریتِ معظم میں اس کا پتہ بھی نہیں۔ اور دلیل عقلی اس پر اہنی کا افترا ہے۔ اس لئے کہ اگلے انبیاء تمام
اہلِ زمین پر مبعوث نہیں تھے پھر چھ شریعتوں کے حصر کی کونسی وجہ؟ دوسرے یہ کہ ابھی تک کارخانہ نبوّت کا
منقطع نہیں ہوا تھا اکثر بعد ایک دوسرے کے پیغمبر بھی ہوتے چلے آئے۔ چنانچہ بعد حضرت آدمؑ کے ان کے بیٹے
شیثؑ اور ان کے بعد ادریسؑ شیثؑ کے بیٹے اور بعد حضرت ابراہیمؑ کے حضرت اسحاقؑ پھر حضرت یعقوبؑ پھر
حضرت یوسفؑ اور بعد حضرت موسیٰؑ کے حضرت یوشعؑ پیغمبر تھے پھر حاجت نصبِ وصیوں کی کیا تھی؟ قیامِ امر
دین کا خود وجود باوجود انبیاءؑ سے حاصل ہوتا تھا اور اگر مراد اوصیاء سے انبیاءؑ ہوں تو بعد کسی پیغمبر کے باوجود

انبیاء ہونے کے اوصیاء کیونکر متصوّر ہو سکیں گے عَلٰی تَقْدِیْرِ التَّنَزُّلِ عَنْ ذٰلِکَ کُلِّہٖ یعنی اگر ان سب
باتوں کو چھوڑ دیں تب بھی اس نقل سے سوائے عدد بارہ[۱۲] کے کوئی حاصل ہاتھ نہیں لگتا۔ اور احتمال ہوتا ہے کہ خلفائے
ثلٰثہؓ بھی وصیوں میں داخل ہوں بلکہ یہ نہایت ہی لائق وصی ہونے کے ہیں۔ اس لیے کہ جہاد اور فتح کرنا شہروں
اور مٹانا کفر اور بنانا مسجدوں اور قائم کرنا منبروں اور رواج دینا شریعت کا پورے پورے طور پر ان کے
ہاتھوں سے سرانجام ہوا بخلاف حضرات ائمہؒ کے جنھوں نے تمام عمر گوشہ نشینی اور خلوت گزینی میں بسر کی کسی نے
نہ جانا کون ہیں کہاں ہیں۔

کید ہشتاد و نہم[۸۹]۔ کہتے ہیں کہ اہلِ سنت منکر بدیہیات اولیہ کے یعنی جو کہ ظاہر دلائل سے ثابت ہیں ہوتے
ہیں اور صحت رویتِ باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔ حالانکہ رویت اُس کی بدیہی محال ہے۔ اس لیے کہ دیکھنے کے لیے
چند شرطیں ہیں کہ بدون اُن کے محال اور اُن شرطوں کے ساتھ واجب ہے۔ اوّل یہ کہ مرئی (جسے دیکھا گیا ہو) مقابل
رائی (دیکھنے والے) کے ہو یعنی دیکھنے کی چیز دیکھنے والے کے سامنے یا حکم مقابل میں جیسا کہ آئینے میں ہے۔
دوسرے خوب نزدیک نہ ہو۔ تیسرے بہت دور بھی نہ ہو۔ چوتھے حجاب اور کوئی چیز حائل بیچ میں نہ ہو۔
پانچویں ایسی جگہ ہو کہ شعاع اُس کی اُس کو پہنچے نہ اندھیرے اور تاریکی میں۔ چھٹے نہایت لطافت بھی نہ ہو فی الجملہ کثافت رکھتا ہو کہ ہوا کو
کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ ساتویں بینائی بینندہ کی نہ رُکی ہو کوری اور رتوندی اور مرض بصر سے۔ آٹھویں دیکھنے والا قصد
دریافت کا بھی کرے۔ اور ظاہر ہے کہ مجموع شرطیں خدا تعالیٰ کے حق میں بالاجماع مفقود ہیں۔

جواب اہلِ سنت کی طرف سے یہ ہے کہ فی الواقع یہ امور شروط رویت کے ہیں لیکن عادت میں اس معنی کر کے کہ
دیکھنا کسی چیز کا بدون ان شرطوں کے عادی اور مستمر نہیں ہے یعنی ہمیشہ سے یوں ہی عادت پڑی ہوئی ہے۔ لیکن بطور
خرقِ عادت بدون ان شرائط کے بھی بہت چیزوں کو دیکھ سکتا ہے۔ مع ہذا کون سی دلیل قائم ہوئی ہے اس بات پر کہ
یہ شروط عقلیہ ہیں بدون ان کے کسی چیز کے دیکھنے کو عقل تجویز نہیں کرتی۔ بس معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک عادیات
اور اولیات یعنی جو منسوب بعادت ہیں وہ اور جو منسوب بدلائل ہیں وہ دونوں یکساں ہی ہیں کچھ تفرقہ اور تمیز نہیں
کرتے اور یہ کام جاہلوں کا ہے نہ کہ عالموں اور محققوں کا۔

اکثر ہندوستانیوں کو دیکھا کہ برف برسنے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ خلافِ عادت ہے۔ اور اس میں محال محال
باتیں کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ کوئی چیز جمی ہوئی مثل سنگ کے کہ اندازے میں ایک کوہستان سے زیادہ ہو کس طرح
آسمان اور زمین کے بیچ میں معلق ٹھیر سکتی ہے اور ریزہ ریزہ ہو کر گرتی ہے اور چاول کی کھیتی کا ربیع میں انکار
کرتے ہیں۔ حالانکہ سرد سیر ولایتوں (ممالک) میں رائج اور مشہور ہے۔ اور یہ کہ خطِ استواء میں آٹھ فصلیں ہوتی
ہیں یہ بھی ان کے نزدیک محالات سے ہے۔ ایسے ہی پیدا ہونا میووں کا خلافِ عادت موسم اپنے ملک کے اکثر ۱۰

جاہلوں ہر ملک کے نزدیک یہ بھی اسی قسم سے ہے۔

اگر فرض کریں کہ کسی شخص کی ایسی عادت ہے کہ قبل طلوع آفتاب سے سو جاتا ہے اور بعد غروب کے جاگتا ہے ہرگز دیکھنا اشیاء کا تجویز نہیں کرے گا یعنی جائز نہیں رکھے گا مگر اُنہی کا جو چراغ اور مشعل اور شمع اور چاند کی روشنی میں معلوم کر لی ہیں۔ اس لیے کہ وہ تو حقیقت دان اور کیفیت شعاع آفتاب سے آشنا ہی نہیں ہے۔ اس نے تو یہ جانا ہی نہیں کہ جن چیزوں کی روشنی سے یہ واقف ہوا ہے اُن کو شعاعِ آفتاب سے کچھ نسبت ہی نہیں ہے آفتاب کی شعاع میں جس چیز کو کوس بھر سے دیکھ سکتا ہے اُسی چیز کو مشعل اور چراغ کی شعاع میں ایک تیر کے فاصلہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور دوسری باریک باریک چیزیں اور مسامِ ابدان جو شعاعِ آفتاب میں دکھائی دیتے ہیں ان کو اوروں کی شعاع میں دیکھنا ممکن نہیں جب کہ اختلافِ روز و شب دنیا اور ولایتوں اور شہروں ایک عالم کا اس حد کو پہنچا ہو تو خیال کرو اختلاف دوسرے عالم کا کہ وہ ایک عالم ہی جدا ہے' اور ہی زمان اور ہی مکان' اس کو کس طرح سے نظر سے گرا دینا چاہیے۔ اس کا تو حال یہ ہے کہ جس دن شعاع أَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا کی عالمِ آخرت کو کہ بالذات نورانی اور مصداق يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ اور يَوْمَ الْفَصْلِ کا ہے منور کرے گی تو اس جہان کے دن' مقابلے میں اُس دن کے ایک اندھیری کوٹھڑی معلوم ہوں گے۔ روشن ہوگی زمین اپنے پروردگار کے نور سے۔ دوسری آیت کے معنی (جس دن جانچے جائیں بھید) یوم الفصل یعنی روز فیصلہ۔ اور حیات اس عالم کی برابر حیات اس عالم کے بحکم خواب بہ بیداری کا پیدا کرے گی۔ یعنی جیسے جاگتے میں ذرا آنکھ جھپک جاتی ہے۔ اور ملائکہ اور ارواح اور وہ چیزیں کہ یہاں دیکھنے کے قابل نہ تھیں جیسے اعمالِ مخفی اور اخلاقِ کامنی یعنی وہ چھپی چھپی باتیں جو کاہن کرتے ہیں سب دکھائی دیں گی اور آنکھوں کے سامنے ہو جائیں گی۔ اور روحِ خیالی تبدیل عالم کے سبب سے ایسا انبساط پیدا کرے گی کہ تمام حواس اُس کے جو کچھ کہ دنیا میں ہیں ہزاروں درجے اس سے قوی تر اور حساس ہو جائیں گے۔ جیسا کہ فرمایا خدا تعالیٰ نے وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ (بے شک آخرت کا گھر حیات وہی ہے اگر یہ لوگ جانتے) اور پھر فرمایا أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا (یعنی عجب شنوا ہوں گے یہ اور عجب بینا جس دن کہ ہمارے سامنے آئیں گے)۔ اور فرمایا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (پس دور کیا ہم نے تجھ سے پردہ تیرا پس نگاہ تیری اس دن میں تیز ہوگی)۔ دلیل اول اس بات پر کہ یہ امور رویت کے شروط عقلیہ سے نہیں ہیں یہ کہ ہزار جگہ سے زیادہ نصوص قرآنی ناطق ہیں اس بات پر کہ خدا تعالیٰ شنوا اور بینا ہے کہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اور شیعہ بھی کہ خدا تعالیٰ کو سمیع اور بصیر اور شنوا اور بینا کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی بینائی پر مجموع یہ امور مفقود ہیں اور نقش پذیر ہونا صورت دیکھی ہوئی کا دیکھنے والی آنکھ میں اور نکلنا شعاع کا جیسا کہ قاعدہ

دیکھنے کا ٹھیرایا ہے اس کی جناب میں خیال اور تصور سے خارج ہے۔ اور فلاسفہ نے بھی کہ گرفتار عادتوں اور مقید عقلیات کے ہیں ان امور کو مشروطِ رویت نہیں جانا ہے۔ جس موقع پر کہ دیکھنا روحانیات اور مشاہدہ اور مخاطبہ ان کا جائز کیا ہے۔

ثابت بن قرہ حرانی کہتا ہے کہ روحِ زحل کو میرے ساتھ اتصال اور الفت تھی۔ میرے دشمنوں پر میری مدد اور اعانت کرتی تھی۔ ایک دن ایسا واقع ہوا کہ میرے حاسدوں نے خلیفۂ وقت موفق باللہ کے سامنے میری شکایت کی کہ تیرے لڑکے معتضد کو بہکاتا ہے اور فعلِ شنیع پر باعث ہوتا ہے۔ خلیفہ مجھ سے بگڑ گیا اور ارادہ مار ڈالنے کا کیا۔ میں اُس وقت اپنے بستر پر بے خبر سوتا تھا ناگاہ وہ روحانیت میرے پاس آئی اور مجھ کو جگا کر صورتِ واقعہ پر خبردار کیا اور حکم بھاگنے کا فرمایا۔ میں ہراساں گھر سے نکلا اور ایک دوست کے گھر میں داخل ہوا۔ بعد اس خبر کے موفق نے ایک جماعت بطور چوکی کے میرے گھر بھیجی مجھ کو ڈھونڈا نہ پایا، پڑوسیوں پر بہت تشدد کیا لیکن کچھ سراغ نہ لگا۔ لڑکا میرا کہ سنان تھا گھر ہی میں رہ گیا میرے ساتھ وہ نہیں نکلا اس کو بھی ڈھونڈا نہ پایا۔ حالانکہ وہ چوکی کے آدمیوں کے ساتھ پھرتا تھا اس کو کوئی نہیں دیکھتا تھا۔ دوسرے دن وہ روحانیت پھر میرے پاس آئی۔ اور مجھ کو اس ماجرے سے خبر دی۔ میں نے کہا کہ مجھ کو بھی میرے لڑکے کی طرح کیوں نہیں کر دیا کہ نہ دیکھتے تو اپنے ہی گھر میں رہتا احسان دوستوں کا کیوں اٹھاتا؟ کہا تیرا ہیلاج (یعنی دلیل عمر) مریخ کے مقابلے میں تھا اس سبب سے تجھ پر میری خاطر جمع نہ تھی۔ اور تیرے لڑکے کا ہیلاج نحسوں سے سالم تھا اس پر مجھ کو اطمینان خاطر تھا۔ اور یہ بھی قول اس کا ہے کہ اگلے فلاسفہ سے بعض نے ایک سُرمہ مرکب کیا ہے جو نہایت مقویٔ بصر ہے اس درجہ کہ دن کو تارے دکھائی دیتے ہیں۔ اور نہایت دور کی چیزیں ایسی نظر آتی ہیں گویا سامنے رکھی ہیں اور میں نے اُس سرمے کو تجربۃً اہلِ بابل میں سے ایک شخص کی آنکھ میں لگایا وہ شخص نقل کرتا تھا کہ مجھ کو سب ستارے' کیا سیارہ کیا ثوابت اپنے اپنے ٹھکانوں میں معلوم ہوتے ہیں۔ اور میری آنکھوں کا نور اجسامِ کثیفہ' دیوار وغیرہ کے پار ہوتا ہے اور میں اُس پار کی چیز دیکھتا ہوں۔ بس میں اور قسطا بن لوقا بعلبکی بطریقِ امتحان گھر میں داخل ہوئے۔ اور وہ شخص بابلی گھر سے باہر رہا گھر کے اندر ہم نے ایک کتاب لکھنی شروع کی، وہ شخص گھر کے باہر وہ کتاب پڑھتا جاتا تھا مع پتے پہلی دوسری سطر کے اور ہم کاغذ لیتے تھے اور کچھ لکھتے تھے وہ بھی باہر گھر کے ہمارے لکھے ہوئے کی نقل کرتا تھا۔ جب دونوں کا مقابلہ کرتے تھے مطابق ہوتا تھا۔ اُس شخص سے ایک بار قسطا نے اپنے بھائی کا حال جو بعلبک میں تھا پوچھا' اس نے ذرا ہی نظر ڈالی اور کہا کہ مریض ہے اس وقت اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے کہ طالع اس کا درجۂ سوم برج ثور ہے۔ جب تحقیق اور دریافت کیا تو ایسا ہی نکلا۔

بالجملہ جو کوئی یہ جانتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے احکام مختلف ہیں اور عموم قدرتِ الٰہی کا معتقد ہے کسی بات کو ان باتوں سے جو دوزخ اور بہشت کے معاملہ میں وعدے فرمائے ہیں دور اور بعید نہیں جانتا۔ اور اس قدر تو جمیع اہل اسلام بلکہ یہود اور نصاریٰ تینوں ملت والے متفق اور جمع ہیں کہ آخرت میں مومن اور کافر دونوں کو فرشتے اور حور اور ولدان دکھائی دیں گے اور بہشتی لوگ انتہا اپنے ملک و حشم کی ایسی دیکھیں گے جیسے کوئی ابتدا کو دیکھتا ہے باوصف اس کے کہ بُعدِ مسافت درمیان میں واقع ہوگا۔ اور پہلی ہی روایت ابن بابویہ سے کتاب المعراج میں گذری کہ حضرت امیرؓ زمین پر دیکھتے تھے جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر دیکھتے تھے۔ اور نیز ابن بابویہ نے کتاب روضہ میں بطریق متعددہ اور سندوں معتبرہ کے اور ابو جعفر طوسی نے امالی میں روایت کی ہے کہ ہر مومن محتضر (یعنی قریب الموت) کا رکھا ہوا جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور امیرؓ اور حسنینؓ کو دیکھتا ہے۔ اور نیز قطب راوندی نے روایت کی ہے کہ جب حضرت خدیجہؓ کو مدت حمل کی تمام ہوئی اور وقت ولادت حضرت فاطمہؓ کا پہنچا دردِ زہ پیدا ہوا حق تعالیٰ نے حضرت حواؑ اور حضرت سارہؑ اور حضرت مریمؑ اور آسیہؑ زنِ فرعون کو ان کے پاس بھیجا کہ خدمت کریں جیسے زندہ عورتیں زندہ عورتوں کی کرتی ہیں۔ پس حضرت خدیجہؓ ان کو دیکھتیں اور باتیں کرتی تھیں۔ نیز صفار کتاب البصائر میں لایا ہے کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ کی آنکھوں پر دستِ مبارک پھیرا اور ابو بکرؓ جعفر طیارؓ اور ان کے یاروں کو جو کشتی میں بیٹھے ہوئے نجاشی کے پاس سے دریائے حبشہ میں آتے تھے ایک ایک کو دیکھتے تھے۔ اور شیخ الطائفہ محمد بن نعمان نے کتاب المقالات میں ادعا کیا ہے کہ آثار مذکورہ اور اخبار مسطورہ کہ اشارہ اُسی کتاب کے لکھے ہوئے سے ہے شیعہ کے نزدیک بحدِ تواتر پہنچے ہیں کہ یہ گفت و شنید اُسی صورت میں ہے کہ اہلِ سنت رویت مخلوقات اور رویتِ خالق کو ایک جنس سے گنیں اور متحد الماہیت جانیں۔ لیکن ان کے محققوں کے کلام میں مذکور ہے کہ رویت خالق کی ایک قسم جدا ہے کہ دنیا میں سوا ایک دو بار کے سو وہ بھی حضرت خاتم الانبیاءؐ کو اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ اور رویت مخلوقات ایک قسم علیحدہ ہے پس اس صورت میں کوئی مشکل نہیں رہتی بالکلیہ مٹ جاتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ایک قسم مشروط ہوگی شرطوں سے تو لازم نہیں آئے گا کہ نوع دوسری بھی مشروط ہو اور یہ بدیہی علحدہ اور وہ جو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے اس میں صریح ضدیت۔

کید نودم - یہ کہ کہتے ہیں عذاب قبر کا خاص واسطے اہل سنت اور دیگر فرقوں اسلام کے ہے اور امامیہ کو عالَم قبر میں سوائے نعمت اور لذت کے اور کوئی چیز پیش نہیں آئے گی اگرچہ گنہگار اور فاسق ہوں۔ یہ اعتقاد ان کا محض باطل ہے بدلیل روایاتِ صحیحہ اور آثارِ صریحہ کہ معتبر کتابوں شیعہ سے روایت کیے گئے اور ثابت ہیں اور عام مسلمانوں گنہ گار کے حق میں اور خاص شیعہ کے حق میں۔ ابن بابویہ قمی عمران بن زید سے روایت کرتا ہے:
قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنِّیْ سَمِعْتُ اَنْتَ تَقُوْلُ کُلُّ شِیْعَتِنَا فِی الْجَنَّۃِ عَلٰی مَا کَانَ مِنْھُمْ

قَالَ صَدَّقْتُکَ وَاللّٰہِ کُلُّھُمْ فِی الْجَنَّۃِ قَالَ قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاکَ اِنَّ الذُّنُوْبَ کَثِیْرَۃٌ صِغَارٌ وَکِبَارٌ فَقَالَ اَمَّا فِی الْقِیٰمَۃِ فَکُلُّھُمْ فِی الْجَنَّۃِ بِشَفَاعَۃِ النَّبِیِّ الْمُطَاعِ اَوْ وَصِیِّ النَّبِیِّ وَلٰکِنِّیْ وَاللّٰہِ اَتَخَوَّفُ عَلَیْکُمْ فِی الْبَرْزَخِ قُلْتُ وَمَا الْبَرْزَخُ قَالَ الْقَبْرُ مِنْ حِیْنِ مَوْتِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ **ترجمہ** پوچھا میں نے ابو عبداللہ یعنی جعفر صادق علیہ السلام سے میں نے سنا ہے تم کہتے ہو کہ سب شیعہ ہمارے داخل جنت ہیں باوجود اس کے کہ کچھ صادر ہوا ان سے۔ کہا سچ کہتا ہوں میں تجھ سے خدا کی قسم سب جنت میں ہیں۔ پھر راوی کہتا ہے میں نے کہا کہ میں تجھ پر فدا ہوں البتہ گناہ بہت ہیں صغیرہ اور کبیرہ۔ تو کہا لیکن قیامت کو سب جنت میں ہوں گے بشفاعتِ پیغمبر جس کی اطاعت کرتے ہو یا وصی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے، لیکن قسم ہے خدا کی کہ میں ڈرتا ہوں تمہارے حال پر برزخ میں۔ میں نے کہا برزخ کیا ہے؟ کہا قبر تم میں سے کسی کے مرنے کے وقت سے روز قیامت تک۔

کید نود و یکم[۹۱] کہتے ہیں کہ اہل سنت اہل بیت کے دشمنوں کے دوستدار ہیں اور دشمن کا دوست دشمن ہے۔ کیونکہ حکیموں نے کہا ہے کہ دشمن تین قسم کا ہوتا ہے۔ دشمن[۱] اپنا اور دشمن[۲] اپنے دوست کا اور دوست[۳] اپنے دشمن کا۔ پس اہلِ سنت بھی دشمن اہل بیت کے ہیں۔ اور یہ بنیاد اس قاعدے پر ہے کہ اہلِ عقل اور اہلِ شرع دونوں کے نزدیک مقرر ہے اَلْمُحِبُّ لِشَیْءٍ مُحِبٌّ لِمُحِبِّہٖ وَمَحْبُوْبِہٖ وَمُبْغِضٌ لِمُبْغِضِہٖ وَمَبْغُوْضِہٖ وَالْمُبْغِضُ لِشَیْءٍ مُحِبٌّ لِمُبْغِضِہٖ وَمَبْغُوْضِہٖ وَمُبْغِضٌ لِمُحِبِّہٖ وَمَحْبُوْبِہٖ (یعنی جو کوئی دوستدار کسی شے کا ہے دوستدار ہے اُس کا جو اُس کا دوستدار ہے اور اُس کا جس کا یہ دوستدار ہے اور دشمن ہے اُس کا جو اُس کو دشمن سمجھتا ہے یا یہ اُس کو دشمن سمجھے ہوئے ہے۔ اور جس کو جس شئے سے دشمنی ہے وہ شخص دوست ہے اُس کا جو اُس سے دشمنی رکھتا ہے اور اُس کا جو اس کا دشمن سمجھا ہوا ہے اور دشمن ہے جو اس کا دوستدار ہے اور جس کو یہ دوست سمجھے ہوئے ہے) پس اس موقع سے معلوم ہوا کہ دوست اور دشمن دونوں عام ہیں دوست دارندہ اور دوست داشتہ شدہ سے اور دشمن دارندہ اور دشمن داشتہ شدہ سے۔

جواب طعن اول کا بطریق جدل یہ ہے کہ اہلِ سنت دشمن خوارج اور نواصب کے ہیں اور نواصب دشمن اہل بیت کے پس اہل سنت دشمن دشمن کے ہوئے اور دشمن دشمن کا دوست ہے پس اہل سنت دوست اہل بیت کے ہوئے اور شیعہ بھی دشمن نواصب اور خوارج کے اور نواصب دوست پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پس شیعہ دشمن دوست پیغمبرؐ کے ہوئے اور دشمن دوست کا دشمن ہے لاجرم شیعہ دشمن پیغمبر کے ہوئے اور اسی طور پر بہت باتیں کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ دوستی اور دشمنی ہرگاہ کہ بالاصالۃ اور بالذات ہے تو اس کے مقابلے میں وہ دوستی اور دشمنی جو بواسطہ اور بعرض ہے معتبر نہیں ہے جیسے تمام علاقے اور لگاؤ جو ذاتی ہیں اُن سے معتبر ہیں جو بالعرض ہیں کہ یہ بمقابلہ ذاتی کے معتبر نہیں۔ مثلاً ایک شخص حقیقی بھائی ایک شخص کا ہے اور ہم زلف اس شخص کا دشمن اُس حقیقی

بھائی کا ہو تو اس حقیقی بھائی کو دشمن دوسرے بھائی کا نہیں کہہ سکیں گے۔ ایسے ہی ایک شخص نوکر ایک شخص کا ہے اور اس کا بھائی نوکر اس کے دشمن کا تو اس شخص کو نوکر اس کے دشمن کا نہیں کہیں گے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔

پس اہل سنت جو بالذات دوست اہل بیت کے ہیں اعتبار خاص انہی کی دوستی کا ہے اور دشمنی کہ بسبب دوستی ان کے دشمنوں کی آئے بالواسطہ اور بالعرض ہے اُس کے مقابلہ میں کچھ اس کا اعتبار نہیں۔ حاصل یہ کہ جو وصف بالعرض ثابت ہوتے ہوں ان کو جب اعتبار کرنا چاہیے کہ بالذات متحقق نہ ہوں۔ اور جب کوئی وصف بالذات متحقق ہو تو بالعرض کا اعتبار کرنا غیر معقول ہے کہ مَا بِالذَّاتِ اَقْوٰی وَاَوْلٰی مِنْ مَا بِالْعَرَضِ (یعنی وہ چیز کہ بالذات ثابت ہے قوی تر اور اولیٰ تر ہے اُس چیز سے کہ بالعرض ثابت ہے)۔ تیسری وجہ کہ وہ تحقیق ہے کہ یہ دوستی اور دشمنی ذات کی ہر طرح ہی ہے جیسے کہ وہ ذات ہی معقول نہیں اس لیے کہ منشا دوستی اور دشمنی کے نہیں ہوتے ہیں مگر صفات و حیثیات ذات۔ پھر اگر کسی شخص کو بسبب کسی وصف اور کسی حیثیت کے دوست رکھا تو لازم نہیں آتا کہ تمام حیثیات اور اوصاف کے ساتھ دوست رکھے۔ اور انتقال دوستی و دشمنی بالواسطے کا جب ہی ہوتا ہے کہ اسی حیثیت سے اس کا دوست و دشمن بنے یعنی دوستی یا دشمنی شخص متوسط کی دوست یا دشمن دارندہ بالواسطہ کی طرف جب ہی نقل کرے گی کہ جس حیثیت سے یہ متوسط دوست یا دشمن ہو رہا ہے اسی حیثیت سے شخص بالواسطہ بھی دوست یا دشمن ہو۔ پس اہل سنت جو اہل بیت کے دشمنوں کو دوست رکھتے ہیں اس حیثیت سے یہ دوستی نہیں ہے کہ وہ دشمن اہل بیت کے ہیں تاکہ کوئی محذور لازم آئے۔ چوتھی وجہ کہ وہ بھی تحقیق ہے یہ کہ اہل سنت اُس جماعت کو دوست رکھتے ہیں کہ ان کو دشمن اہل بیت کا نہیں جانتے بلکہ دوست اور موافق اعتقاد کرتے ہیں اس لیے کہ ان کے حق میں جو روایتیں ہیں اُن سے بتواتر ثابت ہوا کہ یہ جماعت ہمیشہ مداح اور ثناخواں اور ممد و مددگار دین اور ان کی شریعت کی رہی ہے۔ اور پنج وقتی نماز اور خطبوں اور دعاؤں میں اُن پر درود بھیجتے رہے ہیں۔ البتہ شیعوں نے ان کو اپنے زعم میں دشمن اور مخالف ٹھہرایا ہے سو اعتقادِ شیعہ سے دشمنی ان کی بحقیقت لازم نہیں آتی۔ اور بھلا اہل سنت کب ایسے ہیں کہ اہل بیت کے دشمنوں کو دوست رکھیں یہ کب ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ان کی کتابوں میں روایتیں صریح اس مضمون کی موجود ہیں کہ مَنْ مَاتَ وَهُوَ مُبْغِضٌ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ دَخَلَ النَّارَ وَاِنْ صَلّٰى وَصَامَ۔ (یعنی جو شخص کہ مر گیا اور حال یہ کہ دشمن تھا آل محمدؐ کا ڈالا جائیگا آگ میں اگرچہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے) یہ روایت حاکم اور طبرانی سے ہے۔ اور یہ بھی طبرانی میں ہے مَنْ اَبْغَضَ اَهْلَ الْبَيْتِ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔ (یعنی جو کوئی بغض رکھے اہل بیت سے وہ منافق ہے) اور یہ بھی طبرانی میں ہے لَا يُبْغِضُنَا اَهْلَ الْبَيْتِ اَحَدٌ وَلَا يَحْسُدُنَا اَحَدٌ اِلَّا ذِيْدَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْحَوْضِ بِسِيَاطِ النَّارِ (نہیں بغض رکھتا ہے ہمارا کوئی اہل بیت سے اور نہ حسد رکھتا ہے ہمارا کوئی مگر وہی کہ ہانکا جائے گا قیامت کے دن حوض سے کوڑے آگ کے مار مار کر)۔ حکیم ترمذی نے "نوادر الاصول فی اخبار الرسول صلی اللہ علیہ وسلم"

میں مقداد بن اسود سے روایت کی ہے کہ فرمایا مَعْرِفَةُ اٰلِ مُحَمَّدٍ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَحُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ جَوَازٌ عَلَى الصِّرَاطِ وَالْوِلَايَةُ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ اَمَانٌ مِّنَ الْعَذَابِ (یعنی معرفت آل محمدؐ کی برات ہے دوزخ سے اور محبت آلِ محمدؐ جواز ہے صراط پر اور ولایت واسطے آلِ محمدؐ کے امان ہے عذاب سے)۔ فاضل کلینی نے بھی کہ نامدار فضلائے شیعہ میں سے ہے اہل سنت کو محبت صحابہ کبارؓ میں معذور رکھا اور حکم نجات کا دیا ہے بلکہ ان کو محبت صحابہ کبارؓ پر متوقع ثواب کا کیا ہے اور دلائل اور روایات حضرات ائمہؒ کے ساتھ اس مطالب کو ثبوت پہنچایا ہے۔ اب اس موقع پر اس کا حاصل ہم نقل کریں تو یہ کید بالکلیہ فضلائے عمدہ شیعوں کی گواہی سے دور ہو جائے جیسا کہ کہا ہے اَلْمَحَبَّةُ وَالْمَبْغَضَةُ اِذَا كَانَتَا لِلّٰهِ يُؤْجَرُ صَاحِبُهُمَا وَاِنْ كَانَ الْمَحْبُوْبُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَالْمَبْغُوْضُ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ لِاِعْتِقَادِ الْخَيْرِ فِي الْاَوَّلِ وَالشَّرِّ فِي الثَّانِيْ وَاِنْ اَخْطَاَ فِيْ اِعْتِقَادِهٖ يَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ مَا رَوَاهُ فِي الْكَافِيْ بِاِسْنَادِهٖ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَوْ اَنَّ رَجُلًا اَحَبَّ رَجُلًا لِلّٰهِ لَاَثَابَهُ اللّٰهُ عَلٰى حُبِّهٖ اِيَّاهُ وَاِنْ كَانَ الْمَبْغُوْضُ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ وَلَوْ اَنَّ رَجُلًا اَبْغَضَ رَجُلًا لِلّٰهِ اَثَابَهُ اللّٰهُ عَلٰى بُغْضِهٖ اِيَّاهُ وَاِنْ كَانَ الْمَبْغُوْضُ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَلَا يَخْفٰى اَنَّ هٰذَا الْحُبَّ وَالْبُغْضَ يَرْجِعُ اِلَى مَحَبَّةِ الْمَقَالِ وَالْحَقِيْقَةِ دُوْنَ الشَّخْصِ الْجُزْئِيِّ وَكَذَا الْمَبْغَضَةُ خُصُوْصًا اِذَا لَمْ يَرَ الْمُحِبُّ وَالْمُبْغِضُ مَحْبُوْبَهٗ وَمَبْغُوْضَهٗ وَاِنَّمَا سَمِعَ بِصِفَاتِهٖ وَاَخْلَاقِهٖ وَمِنْ هٰهُنَا يُحْكَمُ بِنَجَاةِ كَثِيْرٍ مِّنَ الْمُخَالِفِيْنَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ سِيَّمَا الْوَاقِعِيْنَ فِيْ عَصْرِ خَفَاءِ الْاِمَامِ الْحَقِّ الْمُحِبِّيْنَ لِاَئِمَّتِنَا صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَاِنْ لَّمْ يَعْرِفُوْا قَدْرَهُمْ وَاِمَامَتَهُمْ كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ مَا رَوَاهُ بِاِسْنَادِهِ الصَّحِيْحِ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ اَصْلَحَكَ اللّٰهُ اَرَاَيْتَ مَنْ صَلّٰى وَصَامَ وَاجْتَنَبَ الْمَحَارِمَ وَحَسُنَ وَرَعُهٗ مِمَّنْ لَا يَنْصِبُ وَلَا يَعْرِفُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ اُولٰئِكَ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهٖ وَفِي احْتِجَاجِ الطَّبَرْسِيِّ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ فِيْ كَلَامٍ لَهٗ فَمَنْ اَخَذَ بِمَا عَلَيْهِ اَهْلُ الْقِبْلَةِ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْهِ اخْتِلَافٌ وَرَدَّ عِلْمَ مَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ سَلِمَ وَنَجَا بِهٖ مِنَ النَّارِ وَدَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ وَفَّقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَنَّ عَلَيْهِ وَاحْتَجَّ عَلَيْهِ بِاَنْ نَوَّرَ قَلْبَهٗ بِمَعْرِفَةِ وُلَاةِ الْاَمْرِ مِنْ اَئِمَّتِهِمْ وَمَعْدَنِ الْعِلْمِ اَيْ فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ سَعِيْدٌ وَلِلّٰهِ وَلِيٌّ ثُمَّ قَالَ بَعْدَ كَلَامٍ اِنَّمَا النَّاسُ ثَلٰثَةٌ مُؤْمِنٌ يَعْرِفُ حَقَّنَا وَيُسَلِّمُ لَنَا وَلَا يَاْتَمُّ بِنَا فَذٰلِكَ نَاجٍ مُحِبٌّ لِلّٰهِ وَلِيٌّ وَنَاصِبٌ لَنَا الْعَدَاوَةَ يَتَبَرَّءُ مِنَّا وَيَلْعَنُنَا وَيَسْتَحِلُّ دِمَاءَنَا وَيَجْحَدُ حَقَّنَا وَيَدِيْنُ اللّٰهَ تَعَالٰى بِالْبَرَاءَةِ مِنَّا فَهُوَ كَافِرٌ مُشْرِكٌ فَاسِقٌ وَاِنَّمَا كَفَرَ وَاَشْرَكَ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُ كَمَا يَسُبُّ اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَكَذٰلِكَ يُشْرِكُ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَرَجُلٌ اَخَذَ بِمَا لَا يَخْتَلِفُ فِيْهِ وَرَدَّ عِلْمَ مَا اُشْكِلَ عَلَيْهِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَ وَلَايَتِنَا وَلَا يَاْتَمُّ بِنَا وَلَا يُعَادِيْنَا وَلَا يَعْرِفُ حَقَّنَا نَرْجُوْا اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهٗ وَيُدْخِلُ الْجَنَّةَ فَهٰذَا مُسْلِمٌ ضَعِيْفٌ اِنْتَهٰى۔

ترجمہ: محبت اور بغض جو خدا کے واسطے ہے تو محبت اور بغض والا اجر پائے گا اگرچہ محبوب دوزخی اور مبغوض جنتی ہو بنظر اعتقاد خیر جو اول کے ساتھ رکھتا ہے اور اعتقاد شر جو دوسرے کے ساتھ ہے اگرچہ خطا کی اس نے اپنے اعتقاد میں' اور دلیل اس بات کی وہ ہے جو روایت کی اس نے کافی میں باسناد ابو جعفر علیہ السلام سے کہ فرمایا اگر کوئی مرد دوست ہو کسی مرد کا واسطے خدا کے ضرور ثواب دے گا خدا تعالیٰ اُس کو اُس شخص کی محبت کا اگرچہ وہ محبوب خدا کے علم میں دوزخی ہو۔ اور اگر کوئی بغض رکھے کسی سے واسطے خدا کے یہ بھی خدا سے ثواب پائے گا اُس بغض کا اگرچہ وہ مبغوض خدا کے علم میں جنتی ہو۔ اور پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ حب اور بغض راجع طرف اُس درجے اور حقیقت کے ہے نہ کہ شخص خاص اور ایسا ہی بغض خصوصًا اس وقت میں کہ محب اور مبغض نے اپنے محبوب اور مبغوض کو نہ دیکھا ہو بجز اخلاق اور صفات سننے کے تب ہی موقع ہے کہ بنظر اس کے حکم نجات کا کیا جاتا ہے واسطے بہت لوگوں کے مخالفوں مغلوب سے۔ خصوصًا وہ لوگ کہ عہد غیبت امام حقؑ میں ہیں جو محبت رکھتے ہیں ائمہ صلوات اللہ علیہم سے اگرچہ نہیں پہچانتے قدر اُن کی اور امامت ان کی جیسے کہ دلالت کرتی ہے اُس پر روایت جو نقل کی کافی نے باسنادِ صحیح زرارہ کے ابوعبداللہ سے کہ کہتا ہے راوی کہا میں نے نیک کرے حال تیرا خدا تعالیٰ بتا تو ہم کو اُس شخص کے حال سے کہ نماز پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے اور بچتا ہے حرام سے اور اچھا ہے تقویٰ اُس کا اُن لوگوں سے کہ نہ دشمن ہیں نہ قائل۔ سو کہا ہر آئینہ داخل کرے گا خدا تعالیٰ اُن کو جنت میں اپنی رحمت سے۔

اور احتجاج طبرسی میں ہے حسن بن علی علیہما السلام سے کہ فرمایا اپنے کلام حق میں پس جس شخص نے کہ عمل کیا اس پر جس پہ اہل قبلہ ہیں کہ اس میں کچھ اختلاف نہیں اور تحقیق مختلفات کو علم خدا کے حوالے کیا سلامت رہا اور نجات پائی بسبب اس کے دوزخ سے اور داخل ہوا بہشت میں۔ اور جس کو توفیق دی خدا نے اور احسان کیا اس پر اور حجت قائم کی تو اس طور سے کہ روشن کیا اُس کے دل کو ساتھ پہچان والیانِ ریاست ان کے اماموں سے اور پہچاننے اس بات کے کہ کان علم کے کون ہے وہ خدا کے نزدیک سعید اور خدا کا دوست ہے۔ پھر کہا ہے بعد اس کلام کے کہ آدمی تین گروہ ہیں۔ مومن کہ پہچانے حق ہمارا اور تابعداری اور پیروی ہماری کرے بس وہ ناجی ہے اور محب وہ خاص اللہ کا دوست ہے۔ ناصب جو ہماری عداوت قائم کرتا ہے اور دشمنی اور ہم سے بیزاری اور لعنت کرتا ہے اور حلال جانتا ہے خون ہمارا اور منکر ہے ہمارے حق کا اور ہم سے بیزار ہونے کو طاعت خدا کی گنتا ہے اور دین جانتا ہے سو وہ کافر مشرک فاسق ہے سوائے اس کے نہیں ہے کہ کافر مشرک ہو گیا ہے ایسے موقع سے کہ نہیں جانتا ہے جیسا کہ سخت کہتے ہیں اللہ کو زبردستی بے تحقیق ایسے ہی مشرک کرتے ہیں بے تحقیق۔ اور ایک مرد ہے کہ لے لیا اُس نے اُس کو جس میں کچھ اختلاف نہیں اور جو چیز اُس پر مشکل پڑی اُس کو اُس نے حوالے خدا کے کر دیا باوجود دوستی ہماری کے اور نہ پیروی کی ہماری نہ عداوت کی ہم سے اور نہ پہچانا حق ہمارا ہم امید کرتے ہیں کہ بخشے

خدا اُس کو اور داخل کرے جنت میں بس یہ مسلمان ضعیف ہے۔ انتہیٰ۔

اگرچہ یہ کلام فاضل کاشی کا ظاہری اور سرسری نظر والوں کو خیلے نفیس اور پُرمغز معلوم ہوتا ہے لیکن اہلِ غور اور گہری نظر والوں کے نزدیک اس میں نہایت قصور (عیب و کمی) ہے اور اصلاح چاہتا ہے خصوصًا اس کا یہ ہے کہ مطابق ارشاد حضرات ائمہؑ کے نہیں ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے نواصب کو حکم دوزخ اور کفر و فسق کا فرمایا ہے چنانچہ خود کافی سے نقل کی ہے۔ حالانکہ بعض نواصب بھی بغض اہل بیت کا للہ دعویٰ کرتے ہیں بتاویل قول امام یُدِینُ اللّٰہَ بِالْبَرَاءَۃِ مِنَّا۔ اور ہرگاہ بغضِ للہ اگرچہ مخالف واقع ہو موجب نجات ہے بلکہ ثواب پھر حکم کفر و فسق نواصب کا کس راہ سے صحیح ہوگا۔ اور نیز کلام میں حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرق فرمایا ہے اس میں جو محبت قلیل و ضعیف رکھتا ہے خاندانِ نبوت سے اور قدر واقعی ان کی نہیں پہچانتا، اور اُس شخص میں کہ عداوت کرتا ہے اور مطلق بُو محبت کی نہیں رکھتا۔ پس اول کو ناجی اور ثانی کو ہالک قرار دیا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عداوت محبوبانِ خدا کی کسی طرح عذر پذیر نہیں ہے بے شک مراتب محبت اور تعظیم کے سب مقبول ہیں اور ادنیٰ سے اعلیٰ تک ناجی اور معذور۔ قصور درجۂ اعلائے محبت اور چیز ہے اور عداوت اور چیز۔ اگر قصور سے درگزر کریں اور صاحب قصور کو معذور رکھیں تو موقع ہے بخلاف عداوت۔ لیکن اصلاح اس کلام کی ان شاء اللہ تعالیٰ بارہویں باب میں جو بیان تولا اور تبرا میں ہے باشباع تمام مذکور ہوگی۔ یہاں اسی قدر پر جو انتظار سامع کو فی الجملہ تسکین بخشے اکتفا کیا جاتا ہے۔

اب بغور سننا چاہیے کہ اصل اُس کی یہ ہے کہ محبوبوں اور مبغوضوں میں فرق کرنا اور یہ کہ کون مستحق محبوبیت کا ہے اور کون مستحقِ مبغوضیت' اس کو دو قسم سمجھنا چاہیے۔ ایک یہ کہ صاحب شریعت سے بقطع اور تواتر ثابت ہوا ہو جیسے فرض ہونا نماز اور روزے کا اور ایسے اعتقاد میں خلاف واقع کو جو محبوب کو مبغوض اور مبغوض کو محبوب بنائے معاف شدہ نہ جاننا چاہیے۔ اور اس کی تاویل باطل اور شبہ فاسد کو نہ سننا چاہیے ورنہ جو کوئی انبیاء کو بسبب ان کی زلات کے جو ان سے صادر ہوئے ہیں للہ مبغوض کرے یا ابلیس اور فرعونیوں اور ائمۃ الکفر کو بسبب اس کے کہ بندگانِ خدا اور اس کی مخلوق اور مظاہر اُس کی صفات سے ہیں محبوب بنائے اور پھر بھی معذور رہے بلکہ ماجور ہو؟ مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔ دوسرے یہ کہ صاحبِ شریعت سے اس طرح بقطع اور تواتر ثبوت کو نہ پہنچا ہو اسی قسم پر کلام حضرت ابوجعفر کو قیاس کرنا چاہیے کہ انھوں نے جو کلام ارشاد التیام جاری فرمایا ہے اُس کی بناء اس بات پر ہے کہ محبت اور بغض جو للہ ہوگا وہ ہرگز اُس اعتقادِ خلاف کے ساتھ جو ضروریات دین سے ہے مقرون ہی نہیں ہوگا۔ معہذا اگر تأمل کیا جائے تو خود ان کے کلام سے تقیید اس اطلاق کی وہاں سے ظاہر ہوتی ہے جہاں فرمایا ہے وَاِنْ کَانَ فِیْ عِلْمِ اللّٰہِ خِلَافُ اِعْتِقَادِہٖ اس لیے کہ

علم پوشیدۂ الٰہی پر حوالہ اُسی بات کا راست آتا ہے جو صاحبِ شریعت سے بالقطع ثابت ہوا ہو۔ پس قسمِ اول محبوبین سے اہلِ بیت نبوی ہیں کہ فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (کہہ تو میں نہیں مانگتا ہوں تم سے کچھ مزدوری مگر دوستی اور محبت قرابت والوں میں)۔ اور دوسری جگہ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ (نہیں ارادہ کرتا ہے اللہ مگر یہ کہ دور کر دے تم سے نجاست اے اہل بیت) اور صحابۂ کرام کہ بیعت الرضوان میں حاضر تھے اور ہجرت اور نصرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بجا لائے اور بعد رحلت کے لڑائی مرتدین میں قیام کیا۔ قولہ تعالیٰ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (دوست رکھتا ہے اللہ ان کو اور دوست رکھتے ہیں وہ اُس کو)۔ اور فرمایا يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ (دوست رکھتے ہیں وہ اس کو کہ ہجرت کی اس نے طرف اُن کے)۔ اور فرمایا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (راضی ہوا اللہ اُن سے اور راضی ہوئے وہ اس سے)۔ اور فرمایا لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اور مت کر تو ہمارے دلوں میں کھوٹ واسطے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے)۔ اور مبغوضین سے ہیں ابلیس لعین اور تمامی کفار معاندین۔ کقولہ تعالیٰ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اس کو دشمن کر کے پکڑو)۔ اور فرمایا لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ (چاہیے کہ نہ اختیار کریں ایمان دار کافروں کو دوست سوائے ایمان والوں کے اور جو کوئی کرے گا یہ کام سو نہیں ہے اللہ سے کسی کام میں)۔ اور نیز فرمایا لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (نہیں پائے گا تو کسی قوم کو کہ ایمان لائے ہیں وہ اللہ اور قیامت کے دن پر جو دوست رکھتے ہوں اُس شخص کو جس نے نافرمانی کی اللہ اور اس کے رسول کی)۔ پس نواصب عداوتِ اہلِ بیت اور روافض عداوتِ صحابہؓ خصوصاً مہاجرینِ اولین اور انصارِ سابقین اور اہلِ بیعتِ رضوان اور قاتلین مرتدوں میں البتہ معذور نہیں ہوں گے۔ ہاں اس قسم میں کہ یہ محبوب ہیں اگر کوئی فریق اُن کو اُن کی حدِ رتبہ سے کم تر جانیں یا بعض منصب اور مراتب کا جہل و نادانی یا شبہ اور تاویل سے انکار کریں باوصف اصل محبت کے بے شک معذور ہوں گے جیسے شیعہ تفضیلیہ یا وہ لوگ کہ منکر امامت حضرات ائمہؓ کے گزرے ہیں انہی کے محبوں اور دوستوں سے مثل محمد بن حنفیہؒ اور زید بن علیؒ بن حسینؓ کہ کلام حضرت امام حسنؓ میں بھی اسی قسمِ مردم کو معذور فرمایا ہے۔ مثال قسم ثانی کی، محبوبین سے تمامی صلحائے مومنین خصوصاً صحابۂ عامہ اور عرب اور قریش۔ اور قسم ثانی مبغوضین سے فاسق اور عاصی اور ظالم اور کاذب لوگ کہ محبت اور بغض ان کا شریعت سے باوصاف عامہ معلوم ہوا ہے۔ اور جو باتیں کہ سمجھی ہوئی ہیں ان کے ضمن میں بالکل ثبوت کو پہنچیں۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (بے شک اللہ دوست رکھتا ہے نیک کام والوں کو)۔ اور فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (بے شک اللہ دوست رکھتا ہے سہارنے

والوں کو)۔ اور فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (بے شک اللہ دوست رکھتا ہے اُن لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں صف ہو کر گویا وہ ایک دیوار ہیں سیسہ سے بنائی ہوئی)۔ اور فرمایا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (اور اللہ دوست رکھتا ہے ستھرائی والوں کو)۔ اور فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (بے شک اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں اور صفائی ستھرائی والوں کو)۔ اور فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ (بے شک اللہ نہیں دوست رکھتا ہے خائنوں کو) وقولہ علیہ السلام اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلٰثَةٍ اِنِّيْ عَرَبِيٌّ وَّالْقُرْاٰنُ عَرَبِيٌّ وَّلِسَانُ اَهْلِ الْجَنَّةِ عَرَبِيٌّ (یعنی دوست رکھو عرب کو بلحاظ تین باتوں کے کہ میں عربی ہوں اور قرآن عربی ہے اور زبان اہل جنت کی عربی ہے)۔ اور فرمایا ہے مَنْ اَهَانَ قُرَيْشًا اَهَانَهُ اللّٰهُ وَمَنْ عَادٰى قُرَيْشًا اَكَبَّهُ اللّٰهُ (جو کوئی اہانت کرے قریش کی اہانت کرے اس کی اللہ اور جو کوئی دشمن ہو قریش کا نگوں سار کرے اُس کو اللہ)۔ اور فرمایا خدا تعالیٰ نے وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (اللہ نہیں دوست رکھتا ظالموں کو)۔ اور فرمایا اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ اور فرمایا يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (قیامت کے دن نہیں رسوا کرے گا اللہ نبی کو اور اُن کو جو ایمان لائے ہیں ساتھ اس کے)۔ اور قول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِيْ مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ (یعنی اللہ اللہ میرے اصحاب مت پکڑو تم اُن کو دشمن میرے بعد جو دوست ہوا اُن کا دوست ہوا میرا دوستی تر اُن سے اور جو دشمن ہوا اُن کا دشمن ہوا میرا دشمنی تر اُن سے)۔ اس لیے کہ حُب اور بغض ہر شخص کا ان لوگوں سے قطعاً ثابت نہ ہوا دو وجہ سے۔ اول یہ کہ ثبوت اُن مفہوموں حُب اور بغض کا ان کی جزئیہ کی ذاتوں میں قطعی ثابت ہونا نادر اور معدوم ہے۔ دوسرے فقط وجود مقتضی کا کافی ثبوتِ حکم کا نہیں ہوتا ہے جب تک کہ بالکل موانع رفع نہ ہو جائیں۔ اور رفع موانع حب کا مثلاً نفاق اور خبثِ باطنی اور نیاتِ فاسدہ ایسے ہی موانع بغض کے جیسے صحتِ ایمان اور صفائی باطن اور نیک نیتی یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں کہ بعد ختم نبوت اور منقطع ہونے وحی کے حاصل ہونا ان کے دریافت کا قطعاً محالات سے ہے اسی سبب سے ایک صحابی نعیمان نامی جو شراب خواری پر مصر تھا اس کی لعن طعن پر زجر واقع ہوا اور فرمایا اِنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (بے شک وہ دوستدار ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کا)۔ اور مالک بن دخشم کہ اس کی نشست و برخاست منافقوں میں تھی اور انہی کی خیر مانگا کرتا تھا لوگ ظاہر حال اس کا دیکھ کر اس کو بھی منافق کہتے تھے گواہی صحتِ ایمان کی عنایت ہوئی۔ اور ایک کے حق میں جو بڑا اٹھتے باز اور فحش بکنے والا تھا ارشاد ہوا اِنَّهٗ خَبِيْثُ اللِّسَانِ طَيِّبُ الْقَلْبِ (بے شک وہ بدزبان ہے مگر قلب پاکیزہ)۔ ایسی ہی حُب کی جانب روایتیں اور حدیثیں بے شمار وارد ہیں کہ فقط قرائنِ ظنیہ پر اکتفا نہ کریں جب تک کہ حقیقت اُس کے

حال کی واجبی نہ کھل جائے نہ گواہی اس کی نجات و درجات کی دیں۔ بخلاف قسمِ اول کہ جب محبوبیت اور مبغوضیت اُن کے ذواتِ جزئیہ کی از روئے نصِ قطعی کے متواتر ثابت ہو چکی۔ وجود مقتضی اور ارتفاع موانع سب بالقطع مفہوم ہو گئے۔ جیساکہ حال انبیاء کا ہے، صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین۔

کیدِ نود و دوم۔ کہتے ہیں کہ یہ اہلِ سنت خلافت اور امامت کے معاملے میں جس کی بنائے کار شجاعت اور دلیری پر ہے یعنی کفار سے جنگ اور قتال کرنا اور آراستگی لشکر کی جو کام شجاعوں کا ہے خاصہ اور لازمہ اس منصب کا ایسے معاملے میں جبان کو شجاع پر فوقیت دیتے ہیں۔ اب اس جبان اور شجاع کا بیان یہ کہ حضرت امیرؓ کی شجاعت تمام جہان میں ضرب المثل مشہور اور معروف ہے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جبان تھے کہ اس پر قول خدا تعالیٰ کا اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ دلیل ہے (جس وقت کہ کہتا تھا وہ یعنی پیغمبرؐ اپنے ساتھی ابوبکرؓ سے ہرگز مت غمگین ہو تو) بس معلوم ہوا کہ ابوبکرؓ غار میں محزون تھے اور حزن ایسے معرکوں امتحانیہ میں دلیل جبن یعنی نامردی کی ہے۔

جواب اس طعن کا کتنے ہی صورت پر دیا ہے۔

اول یہ کہ حزن سے منع کرنا دلیل جبن کی نہیں ہے اس لیے کہ حزن شجاع کو بھی لاحق ہوتا ہے بنظر اس کے کہ معنی حزن کے افسوس ہے کسی چیز محبوب کی جاتی رہنے یا مکروہ کے پہنچنے پر۔ اور یہ معنی منافی شجاعت کے نہیں جس سے صاحب حزن شجاع نہ ٹھیرے۔ دیکھو رستم کا قتلِ سہراب پر کیا حال ہوا کہ کپڑے سیاہ رنگے اور گریبان چاک کیا ماتم زدہ بنا جیسا کہ مشہور اور معروف ہے۔ ہاں اگر بجائے حزن کے یہی خوف سے ہوتے تو کچھ گفتگو کا ٹھکانا بھی تھا۔

دوسرے یہ کہ اگر حزن سے منع کرنا دلیل جبن کی ہو گی تو حضرت موسیٰؑ اور حضرت لوطؑ بھی جبان ٹھیرں گے۔ اس لیے کہ ان دونوں کو بھی حزن بلکہ خوف سے نہی فرمایا اور منع کیا ہے وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ۔ یہ آیت حضرت لوطؑ کی شان میں ہے (اور کہا فرشتوں نے ہرگز مت ڈر اور مت غم کر ہم بچانے والے ہیں تجھ کو اور تیرے کنبے کو مگر عورت تیرے پیچھے رہنے والوں سے ہے) اور فرمایا یٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ۔ (یعنی اے موسیٰ مت ڈر بیشک نہیں ڈرتے ہیں میرے قرب میں پہنچے ہوئے یعنی پیغمبر لوگ)۔ اور فرمایا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى (اور ہرگز مت ڈر بیشک تو ہی ہے علو والا)۔ بلکہ نص قرآنی صریح دلالت لحوق خوف حضرت موسیٰؑ پر کرتی ہے جیسا کہ فرمایا فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى (پھر پانے لگا اپنے دل میں ڈر موسیٰ)۔

تیسرے یہ کہ ایک وقت میں کفارِ مکہ نے حضرتؐ کے گلے میں چادر ڈال کر ایسا گلا گھونٹا تھا کہ آپؐ کی آنکھیں

سُرخ ہو گئی تھیں اور بڑی ایذا پائی تھی کہ اُس وقت میں کوئی آپؐ کے یاروں دوستوں اقارب سے بخوف اُن ملعونوں کے آپؐ کے پاس نہیں پھٹک سکتا تھا کیسی امداد اور اعانت حضرت ابوبکرؓ سے ہوئی کہ تاریخوں میں مشہور اور مسطور ہے اور جس وقت میں کہ ابن الدغنہ نے ابوبکرؓ کی حمایت سے ہاتھ کھینچ کر غلبۂ کفار قریش سے ڈرایا تھا ابوبکرؓ نے کمالِ دلیری سے اپنے دروازے کے باہر مسجد بنائی اور بآوازِ بلند کیسا قرآن کا پڑھنا شروع کیا تھا۔ اور بعد رحلت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ مرتدین کی شورش تھی اور تمام صحابہؓ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعراب سے ڈرتے تھے۔ اُن کی لڑائیوں میں جو کچھ حضرت ابوبکرؓ سے ظہور میں آیا سارے دلیر جہان کے اُس سے حیران تھے۔

چوتھے یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد شب معراج حضرت امیرؓ کو خبر دی تھی کہ حق تعالیٰ نے تجھ کو میرا وصی اور وزیر اور بعد میرے میرا خلیفہ کیا ہے۔ چنانچہ شیخ الشیعہ ابوجعفر طوسی سے امالی میں یہ روایت ہے۔ باوصف اس بات کے کہ حضرت امیرؓ معراج میں آپؐ کے ہمراہ تھے اور لوحِ محفوظ کو انھوں نے پڑھا جیسے کہ صاحب نوادر الحکمۃ نے روایت کی ہے عمار یاسر اور قطب راوندی اور بریدہ اسلمی سے۔ اور بہ یقین جانتے تھے کہ میری عمر دراز ہے بعد وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس[30] برس تک امام اور خلیفہ رہوں گا اور ابن ملجم مجھ کو مارے گا۔ پھر حضرت امیرؓ کو معرکوں اور لڑائیوں میں کس بات کا خوف ہوتا۔

پانچویں یہ کہ شیعہ کے نزدیک مقرر ہے کہ امام اپنے اختیار سے مرتا ہے پھر جب معرکوں میں تشریف لے جاتے تھے اور دشمن سے مقابل ہوتے تھے اپنی موت اختیار نہیں کرتے تھے اور بدون اختیار کیے موت کا آنا محال تھا بس ان کو سہل تھا بخلاف حضرت ابوبکرؓ کے کہ بالاجماع یہ درجہ ان کو نہ تھا نہ یہ علم لوح محفوظ کا ان کو حاصل۔ پس خوف ظاہر ہے کہ جس شخص کو اپنی جان کا خوف لگا ہوتا ہے معرکوں میں گھسنے بیٹھنے سے ضرور پس و پیش کرتا ہے اور جو اپنی موت حیات کو بہ یقین جانتا ہے اُس کو پروا نہیں ہوتی ہے۔ پس اس خوف و خطر کے ہوتے ابوبکرؓ سے جو کچھ جاں نثاری اور جاں بازی اور نصرتِ دین اور قتلِ مرتدین میں واقع ہوا نہایت عجیب ہے اور اس سے کمالِ دلیری اور ثباتِ قلب اُن کا ظاہر ہے۔

چھٹے جب خود امیرؓ نے ابوبکرؓ کی شجاعت پر گواہی دی ہو پھر احتمال اُن کے جُبن کا خاطر میں لانا یہ جان لیں کہ امیرؓ کی گواہی کو نامقبول اور رد کرنا ہے۔ راوی محمد بن عقیل بن ابی طالب خَطَبَنَا عَلِيٌّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ اَشْجَعُ النَّاسِ فَقُلْتُ اَنْتَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَقَالَ ذَاكَ اَبُوْ بَكْرِ الصِّدِّيْقُ اَنَّهٗ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ صَنَعْنَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَرِيْشَ فَقُلْنَا مَنْ يَّقُوْمُ عِنْدَهٗ لَا يَدْنُوْ اِلَيْهِ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَمَا قَامَ اِلَيْهِ اِلَّا اَبُوْ بَكْرٍ وَلَاَنَّهٗ كَانَ شَاهِرُ السَّيْفِ بِرَاْسِهٖ فَكُلَّمَا دَنٰى اِلَيْهِ اَحَدٌ اَهْوٰى اِلَيْهِ اَبُوْ بَكْرٍ بِالسَّيْفِ (روایت ہے محمد بن عقیل بن ابی طالب سے کہ خطاب کیا ہم سے علیؓ نے اور کہا اے لوگو!

جانتے ہو سب سے بڑھ کر آدمیوں میں شجاع کون ہے؟ ہم نے کہا اے امیر المؤمنین تم ہی ہو۔ کہا وہ ابوبکر صدیق ؓ ہے اس لیے کہ بے شک جب ہوا دن بدر کا اور بنایا ہم نے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جھونپڑا سا خس پوش پھر ہم نے کہا کہ اب یہاں آپؐ کے پاس کون کھڑا رہے گا تاکہ مشرکوں میں سے کسی کو آپؐ کے پاس نہ پھٹکنے دے پس کوئی نہیں کھڑا ہوا سوائے ابوبکر ؓ کے اس حال سے کہ ننگی تلوار لیے ہوئے آپؐ کے سر پر کھڑے تھے جس وقت کہ کوئی نزدیک آتا تھا تو یہ تلوار لے کر متوجہ ہوتے تھے اس کی طرف اور آنے نہیں دیتے تھے)۔

❁ ساتویں یہ کہ جب ایک شخص سے معاملات شجاعوں اور دلیروں کے اور خوبیاں مقدماتِ خلافت اور امامت کی مثل آفتاب کے روشن اور ظاہر ہوئی ہوں پھر احتمال جبن کا اُس کے حق میں اور یہ کہ وہ شخص قابل ریاست کے نہ تھا کیسا پوچ اور بے معنی ہے۔ یہ تو ایسا ہے جیسے کوئی شخص عین شعاعِ آفتاب میں بیٹھے اور اس کی سب چیز شعاع سے دن کو دیکھے اور اس کے ساتھ میں احتمال اس بات کا پیدا کرے کہ جرم آفتاب کا ظلماتی ہے۔ یہ شعاع اور نور جو اس سے دیکھتا ہوں ایک امر اتفاقی ہے کہ طلوع آفتاب سے مقارن ہو گیا ہے آفتاب کو کچھ اس میں دخل نہیں۔ ہاں جس کسی نے سیر اور غزوات اور فتوحات عراق و شام کی کی ہے وہ بہ یقین جانتا ہے کہ ابوبکر ؓ جیسا شخص کمال عزم اور ثباتِ قلب میں وقت انقلاب عظیم کے اور بدحواس نہ ہو جانا اور اپنے ارادہ پر ثابت رہنا کوئی دوسرا نہ تھا۔ چنانچہ قاضی فاضل نے اپنے رسالات میں جو بادشاہ کی مدح میں لکھے ہیں کہ تمام ملک شام کو تھوڑی دیر میں فرنگیوں کے ہاتھ سے چھینا اور معرکے آراستہ کیے اور قلعہ شکنیاں کیں اس عبارت کو لکھا ہے لَهُ الْعَزَمَاتُ الصِّدِّيْقِيَّةُ وَالْفُتُوْحَاتُ الْعُمَرِيَّةُ وَالْجُيُوْشُ الْعُثْمَانِيَّةُ وَالْهِجَاءُ الْحَيْدَرِيَّةُ (واسطے اُس کے ہیں عزم صدیق ؓ کے اور فتوحات عمر ؓ کی اور لشکر عثمان ؓ کے اور حملے حیدر ؓ کے)۔

البتہ حضرت امیر ؓ سے شجاعت اور قوتِ بازو اور شمشیر زنی اور نیزہ بازی اور پہلوانوں کا پچھاڑنا اور اپنے ہاتھ سے قتل اور مجروح کرنا اور بہ دلیری دشمنوں کے غول میں گھس جانا جس قدر ان سے زیادہ برا صل کہ اکثر کی کچھ اصل نہیں منقول ہیں اس قدر اور کسی سے نہیں ہیں۔ اور جو یہ بات ہنر مندی ہر سلاح اور سواری اور نیزہ بازی اور ہمیشہ لڑائیوں میں رہنے اور معرکوں کے تجربوں اور میدانوں کے امتحانوں سے متعلق ہے اصل شجاعت سے کہ صفتِ قلبی ہے تعلق نہیں رکھتی اور ریاست کبرٰی میں بھی ضروری نہیں۔ اس لیے کہ حضرت امام سجاد اور بعد ان کے دیگر ائمہ بھی کبھی ان چیزوں سے آشنا نہیں ہوئے حالانکہ بالاجماع مستحق امامتِ کبرٰی کے بھی ہوئے ہیں۔ اور اکثر بادشاہ شجاع دل اور شیر شکار گزرے ہیں مثل سکندر اور اورنگ زیب کہ نہ کبھی میدانِ جنگ میں ان کو اپنے ہمسروں سے منازلت یعنی اُتر نا لڑنے کو اس کا اتفاق پڑا نہ کسی پہلوان سے کبھی نوبت کشتی کی پہنچی نہ اس کام کو انھوں نے اختیار کیا۔ اس کے ساتھ بھی ان کی شجاعت میں کچھ شک نہیں ہے۔ اور فرق دونوں صفتوں میں یہ ہے کہ شجاعت

صفتِ قلبی ہے اور یہ امر صفتِ بدنی۔ اور شجاعت خلقی اور جبلی ہے اور یہ امر عملی کسبی۔ اسی لیے عرف میں بھی اس امر کو سپہ گری کہتے ہیں اور شجاعت کو اس سے جدا جانتے ہیں۔

❁ **کید نود و سوم** [۹۳]۔ ایک گروہ علمائے شیعہ سے مثل ابن مطہر حلی اور اس کے توابع اہل سنت پر طعن کرتے ہیں کہ یہ لوگ مجسمہ اور مجبرہ ہیں۔

یہ طعن ان کا محض افترا اور صرف بہتان ہے۔ اہل سنت نے تو مجسمہ اور مجبرہ کو کافر ٹھیرایا ہے۔ اور رسالے اور کتابیں ان کے رد میں لکھی ہیں۔ ہاں شیعوں کے سردار اور ان کے پیشوا اور راویانِ اخبار بے شبہ مجسمہ گزرے ہیں جیسا کہ مفصل آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور ایک گروہ پُر انبوہ ان سے مجبرہ ہوئے ہیں جیسا کہ کلینی نے کافی میں روایت کیا کہ تمسک قول شہرستانی پر کرنا کہ اس نے ایک جماعت کو اہل سنت سے مجسمہ لکھا ہے اس مقدمہ میں روا نہیں ہے اس لیے کہ تجسیم (جسم ٹھیرانا) اس گروہ کی اگرچہ خود مردود جمہور اہل سنت کے ہے لیکن حق اور واقع سے چنداں دور نہیں۔ اس لیے کہ مراد ان کی جسم سے موجود مستقل ہے بس خطا اتنی ہے کہ اطلاق لفظ جسم کا کرتے ہیں باوجود اس کے کہ ابعادِ ثلٰثہ سے پاک اور منزہ بھی جانتے ہیں۔ اور نیز اور لوازم جسمیہ سے چنانچہ جمہور نے ان کے بجائے جسم اطلاق وجہ اور ید اور عین کا جائز رکھا ہے بے اس کے ہے کہ اعضاء اور اجزاء اور جوارح اور تبعض اور تجزی کو اعتقاد کریں۔ اور مجسمہ شیعہ جسم کو بمعنی ذوالابعادِ ثلٰثہ ٹھیرا کر ذاتِ باری تعالیٰ پر اطلاق کرتے ہیں اور اعتقاد حقیقت جسمیت کا جو اعضاء وغیرہ ہیں کرتے ہیں۔ بعض ان سے صورت اور شکل بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی مذہب اہل سنت کا جبر متوسط ہے کہ عین حق ہے کَمَا رُوِيَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ لَا جَبْرَ وَّلَا تَفْوِيْضَ وَلٰكِنْ اَمْرًا بَيْنَ اَمْرَيْنِ۔ (یعنی جیسا کہ روایت کی گئی ابی عبد اللہ علیہ السلام سے تحقیق حال یہ کہ کہا انھوں نے نہ کچھ جبر ہے نہ کچھ تفویض لیکن ایک امر ہے ان دونوں کے درمیان ہیں)۔

❁ **کید نود و چہارم** [۹۴]۔ کہتے ہیں اہل سنت نے اپنی صحیح کتابوں میں روایت کی ہے کَانَتْ عَائِشَةُ تَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ فِیْ بَيْتِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (یعنی حضرت عائشہ ؓ گڑیاں کھیلا کرتی تھیں گھر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے)۔ اور نسبت اس امر کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اور ان کی زوجہ کے ساتھ کرنا جو عبادت خانہ ایسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور اس میں وحی نازل ہوتی تھی۔ اور ملائکہ اور حضرت جبرئیلؑ آتے اور یہ اُس میں صورتیں مجسمہ بنا بنا کر رکھتی تھیں کیسی قبیح اور شنیع بات ہے۔ حالانکہ خود اہل سنت سے روایت ہے کہ جس گھر میں صورت یا تمثال ہو نماز جائز نہیں ہے اور فرشتہ اُس گھر میں نہیں آتا۔ اور یہ بھی روایت کی ہے کہ جب خانہ کعبہ میں صورت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی دیکھی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے نکال دینے کا حکم فرمایا۔

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ یہ بُرائی اُس وقت اہل سنت پر آتی تھی کہ اہل سنت نے لفظ تصویر یا تمثال یا صورت کا روایت کیا ہوتا۔ لفظ بنات کا ہے اس کو صورت پر کیوں لگائے لیتے ہو۔ بنات کے معنی لڑکیوں کے بھی ہیں نہ یہ کہ اس وقت میں جو گڑیاں کہ کے معروف اور مروج ہیں اُن پر قیاس کریں۔ اور اُس وقت میں جو بنات رائج تھیں صرف اسی قدر کہ اول ایک گول کپڑا کتر کر اس کے درمیان میں دوسرے کپڑے کی بتی سی لپیٹ کر رکھتی تھیں اور اُس گول کپڑے کو اِدھر اُدھر سے کھینچ کر بتی کے نیچے ڈوری سے کس دیتی تھیں کہ وہ بتی مثل سر انسان کے ہو جاتی تھی اور نیچے مثل حد انسان کے بغیر اس کے کہ اُس میں صورت ہاتھ پاؤں یا دیگر اعضاء کی ظاہر ہو پھر اُس کو اوڑھنی اُڑھاتی تھیں اور کُرتا پہناتی تھیں بس اس قسم مصنوعات کا بنات نام رکھتی تھیں۔ اور یہ جو اس زمانہ خصوصاً اِس ملک میں مروج ہے کہ رعایت باریکیوں تصویر کی کرتے ہیں اور اُستادکاریاں عمل میں لاتے ہیں یہ ہرگز اُس زمانہ میں نہ تھیں اور اب بھی اُس ملک میں نہیں۔ چنانچہ اس پر کیا موقوف جملہ کھانے پینے پہننے رہنے کی چیزوں اور زیور اور آلات اور فرش وغیرہ میں اُس زمانہ کی سادگی اور اس زمانے کے تکلف میں فرق زمین و آسمان کا ہے مگر ہاں یہ مصوری کہ اس زمانے میں ہوتی ہے فضلائے اہلِ سنت کے نزدیک ضرور ممنوع اور غیر مشروع ہے۔ لیکن تصویر ناتمام واسطے افادے کسی حکمت کے جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہوئی ہے اُس موقع پر جہاں ایک خط کے ساتھ انسان کو تصویر کیا اور اجل و امل کو دو خط دیگر سے تمثیل فرمائی بس یہ کھیل بھی جو عورتوں خورد سال کے واسطے تجویز ہوا ہے اس کا مدعا بھی یہی ہے کہ امور خانہ داری اور سینا پرونا کپڑے کا اور بچھانا فرش اور زیب و زینت دینا مجلس کا سیکھیں۔ جیسے لڑکوں کو سواری کاٹھ کے گھوڑے اور تلوار اور تیر و کمان اور نیزے کی کہ یہ بھی اسی جنس سے ہے بنظرِ حکمت تجویز کی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ یہ طعن جب اہلِ سنت کی طرف متوجہ ہوتا کہ بعد حرام ٹھیرنے تصویر اور علم اس بات کے کہ تصویر کے گھر میں فرشتہ نہیں آتا یہ صورتیں رکھی ہوتیں۔ ظاہر ہے کہ یہ قصہ ہجرت کے قریب کا ہے اور تصویروں کا مٹانا اور صورتوں کا نکالنا خانۂ کعبہ سے آٹھ برس بعد ہوا ہے ہجرت سے۔ اور جو کام کہ قبل حرام ٹھیرنے سے رائج تھا جیسے شراب پینا حضرت حمزہؓ کا اور سود لینا حضرت عباسؓ کا محلِ طعن نہیں ہو سکتا ہے۔ خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی اُس وقت میں نو برس کی مکلف بالشرع نہ تھیں۔ تعجب یہ ہے کہ یہاں تو بڑی حمایت زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے خانۂ مبارک کی اپنے طعن کے لیے دستاویز بنائی ہے اور خود جو کچھ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے حق میں بناوٹوں سے روایت کرتے ہیں اور نوبت کفر اور ارتداد کی پہنچاتے ہیں وہ اس وقت سب بھول گئے؟ ہیں بڑے باانصاف لیکن وہی مثل ہے کہ "مرا یاد و ترا فراموش"۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ باب مطاعن اور باب ہفوات میں مبلغ کثیر ان کے اس جنس کا سد سے معرضِ ثبوت میں لائے جائیں گے۔

کیدِ نود و پنجم [95] اہل سنت پر طعن کرتے ہیں کہ یہ لوگ مرتکب اس بات کے ہیں کہ نسبت بے غیرتی اور ناحفاظی اور ترک نہی منکر کی خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کی ہے جس موقع پر کہ عائشہؓ سے روایت کی ہے اِنَّھَا قَالَتْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسْتُرُنِیْ بِرِدَائِہٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَی الْحَبَشَۃِ یَلْعَبُوْنَ بِالدَّرَقِ وَالْحِرَابِ یَوْمَ الْعِیْدِ (بے شک قصہ یہ ہے کہ کہا عائشہؓ نے میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ چھپا لیتے تھے مجھ کو اپنی چادر میں اور میں دیکھتی تھی حبشیوں کو جو کھیلتے تھے ڈھال اور نیزوں سے عید کے دن) پس اس روایت میں دکھنا بازی کا اور بازی کرنا حبشیوں کا عین مسجد میں اور نظر کرنا زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامحرموں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ثابت ہوتا ہے اور یہ سب باتیں خلاف شرع اور خلاف غیرت کے ہیں حالانکہ خود اہل سنت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَیْرَۃِ سَعْدٍ وَاَنَا اَغْیَرُ مِنْہُ وَاللّٰہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ (بڑا تعجب کرتے ہو تم سعد کی غیرت سے میں اُس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے) حالانکہ ادنیٰ لوگ اس پر راضی نہیں ہوتے ہیں کہ بیویاں ان کی نظر غیر لوگوں پر ڈالیں یا تماشا لہو و لعب مردوں کا دیکھیں نہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔

جواب اس طعن کا یہ کہ ساری اُپج اور اَلاپ اُن لوگوں کے لیے ہے جو تاریخ اور حال ابتدائے اسلام سے جاہل اور ناواقف ہیں۔ اس لیے کہ یہ قصہ قبل نزول آیت حجاب کا ہے اُس وقت میں تمام عورتیں مسلمانوں کی، کیا بیویاں، کیا لڑکیاں باہر نکلتی تھیں اور خدمت اپنے مردوں کی غیروں کے سامنے کرتی تھیں۔ چنانچہ روایات متفق علیہا شیعہ اور سنی سے ثابت ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ زخم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو جنگِ اُحد میں پہنچا تھا دھوتی تھیں اور دوا کرتی تھیں، اور سہل بن سعدؓ اور دوسرے صحابہ نے دیکھا اور نقل کی۔ لاجرم کہ جو بات قبل حرام ٹھیرنے سے رسولؐ یا زوجۂ رسولؐ سے روایت کریں باعث طعن کے کیوں ہوئے۔ ذرا اسی بات کو دیکھو کہ حضرت حمزہؓ اور ابو طلحہ انصاریؓ شراب پی کر مست ہوئے اور لڑے اور دوسرے صحابہ بھی کہ یہ بات بطریق صحیح شیعہ اور سنی دونوں فریق سے ثابت اور مروی ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا اور سکوت فرمایا یوں کہ ثبوت منکر کا جب ہی لازم آتا ہے کہ وہ چیز منکرہ چیزوں میں داخل ہو۔

دوسرے یہ کہ عائشہؓ اُس وقت میں لڑکی غیر مکلف تھیں اگر تماشا مردوں کا لہو و بازی کی حالت میں دیکھیں خاص کر اس حال میں کہ چھپی ہوئی بھی ہوں جو مرد غیر اُن کو نہ دیکھ پائیں اس سے کیا بُرائی پیش آتی ہے۔ اور لہو و لعب حبشیوں کا سپر اور نیزوں کے ساتھ تھا کہ واسطے لڑائی کفار اور بطریق شمار آلات جہاد کے مشق اس ہنر کی کرتے تھے گو بظاہر لہو و لعب تھا لیکن معنیً سراسر حکمت، اور بلاشبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس قسم کے لہو و لعب میں حاضر ہوئے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات خود بھی شریک ہوئے۔ اور فرمایا کہ ملائکہ بھی اس قسم کی بازیوں

یں حاضر ہوتے ہیں۔ اور یہ جو منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے حبشیوں کو اس لعب پر جھڑکا یہ اس سبب سے تھا کہ انھوں نے ان حرکاتِ خفیف کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ میں ایک بے ادبی سا سمجھا اگرچہ لعب مشروع میں تھیں اور سکوتِ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قیاس کیا کہ آپ بسبب وسعت اخلاق کے منع نہیں کرتے ہیں۔ جب خطاب آپ کا دَعْهُمْ یَا عُمَرُ وَامِنُهُمْ یَا بَنِیْ اَرْفَدَةَ (یعنی چھوڑ تو ان حبشیوں کو اے عمر! اپنے کھیل میں اور مشغول رہو اے بنی ارفدہ کے) ان کے کان میں پہنچا اس انکار سے رُک گئے اور خود بھی اس تماشے میں شریک ہوئے اور جانا کہ مرضیٔ مبارک رسول مقبولؐ کی بہتر تمکین اور وقار اہل فضول سے ہے۔ ع

ہر عیب کہ سلطاں بہ پسندد ہنر ست

اور تعجب ہے اس گروہِ ناانصاف سے کہ اتنی سی بات کو جو قبل تحریم سے ہوئی بے غیرتی اور ثبوت منکرہ کہ لگاتے ہیں۔ حالانکہ خود ائمہ اطہار سے کہ جگر پارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حکمِ رسول میں ہیں اور نیز معصومین مفترض الطاعت سے ایسی چیزیں روایت کرتے ہیں کہ زبان محبّوں صادق کی اُن کے نقل اور بیان سے لرزتی ہے اور سننے سے ہر مسلمان با ایمان کے بال بدن پر کھڑے ہوتے ہیں اُن سب سے جو ان کی کتبِ معتبرہ صحیحہ میں مروی ہیں یہ ہیں کہ حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام اپنے یاروں اور شیعوں سے فرماتے تھے اِنَّ خِدْمَةَ جَوَارِیْنَا لَنَا وَفُرُوْجُهُنَّ لَكُمْ حَلَالٌ (بے شک خدمت چھوکریوں ہماری کی واسطے ہمارے ہے اور فرجیں اُن کی حلال ہیں تمہارے واسطے)۔ اور اسی روایتِ فاسد پر جو بنائی ہوتی ہے ان کے علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ زمان غیبت امام میں کہ جہاد فاسد ہو جاتا ہے خمس نکل کر اپنے مصارف کو نہیں پہنچتا باقی غنیمت سے خلط ملط ہو کر سب کو مشکوک کر دیتا ہے چھوکریاں شیعوں پر حلال ہیں۔ اب دیدۂ عبرت کھول کر اس لفظ شنیع میں تامل کرنا چاہیے کہ کس قدر غیرت سے دُور پڑا ہے۔ مقداد صاحب کنز العرفان فی احکام القرآن نے کہ بہت بڑا مفسر اس فرقہ ہے تفسیر آیہ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ میں لکھا اور تقریر کی اَرَادَ الْاِتْیَانَ مِنْ غَیْرِ الطَّرِیْقِ الْمَعْهُوْدِ بَیْنَ النَّاسِ۔ معنی اوپر کی آیت کے حضرت لوطؑ کفار سے کہتے ہیں کہ یہ لڑکیاں میری موجود ہیں اگر کرنا چاہتے ہو۔ دوسرا قول مقداد کا ہے تفسیر قول حضرت لوطؑ میں کہ "ارادہ کیا لوطؑ نے لڑکیاں دینے کا خلاف طریق مقرری کے کہ لوگوں میں مقرر ہے"۔ اور اس امرِ شنیع کو اس نے بھی حضرت لوطؑ سے نسبت کیا آخر وہ بھی تو پیغمبر تھے پیغمبروں سے علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ اراذل و اوباش لوگ ان کاموں سے عار کرتے ہیں اور کنیاتے ہیں نہ کہ شرفاء خصوصاً پیغمبر اور پیغمبر زادے۔

اور اگر کسی کے دل میں یہ بات گزرے کہ اگرچہ جملہ حال میں نظر اجنبیوں پر ڈالنا حرام نہ سہی ہم نے مانا لیکن ننگ و عار کا لاحق ہونا اس سے یہ تو جبلّی اصحاب طبائع سلیمہ کا ہے لابد قبل ورودِ شرع سے بھی چاہیے تھا کہ

پیغمبر اس بات سے منع فرماتے اور تجویز نہ کرتے۔ ہم کہیں گے یہ بات غیر مسلّم ہے کہ بُرائی اس امر کی ذہنوں سلیمہ میں قبل منع کرنے شرع سے پیدا کی ہوئی ہو۔ اس دلیل سے کہ مجمع البیان طبرسی اور نیز دیگر تفسیروں شیعہ میں وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ تحت تفسیر اس آیت میں موجود ہے کہ حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جس وقت کہ دو فرشتے بصورت مردانِ خوبصورت لباس فاخرہ پہنے ہوئے مہمانوں کی طرح حضرت ابراہیمؑ کے یہاں آئے اور ہنوز ملائکہ ہونا ان کا ظاہر نہ ہوا تھا کہ خود آکر ان کی خدمت کے واسطے کھڑی ہوئیں اور فرشتوں کی باتیں سُن کر ہنسیں اور مسکرائیں۔ اوّل تو سامنے ہونا عورت کا غیر مردوں کے۔ اور پھر ضحک اور تبسم اُس کا اُن کی باتوں پر اب یہ کس قدر دور غیرت سے ہے۔ پس معلوم ہوا اس بات سے جو عار لاحق ہوتی ہے بعد مضبوط ہو لینے برائی اس امر کے ہے یعنی پہلے بُرائی ذہنوں میں جم لی ہے تو پیچھے عار لاحق ہوئی ہے اور یہ برائی قبل ورودِ شرع سے نہ تھی پھر لحوق عار کا کیوں کر ہوگا۔ اور کیا کہہ سکتا ہے کوئی رسم یہود اور نصاریٰ اور مجوس اور ہنود اور عربان جاہلیت اور کیان (یعنی کیانیوں) اور ساسانیوں اور خطا اور ختن اور ترکستان والوں اور حبشیوں اور بربریوں اور زنگیوں اور دیگر گروہ مردم ممالک مختلفہ میں جو دور دور ہیں کہ عورتوں کو اجنبی لوگوں سے نہیں چھپاتے اور نظر نہ کرنا اُن کا لوگوں کی طرف ہرگز ان فرقوں میں معمول نہ تھا نہ اب ہے۔ ارباب طبائع سلیمہ ان میں بھی موجود ہیں کہ ملوک اور سلاطین اور امراء اور تجار اور آسودہ لوگ ان کے مسلمانوں کی نسبت زیادہ تر تکبر اور نخوت اور اقتدار والے ہیں اور اپنے آپ کو مقدمۂ غیرت اور ناموس داری میں دور دور کھینچتے ہیں۔ خصوصاً فرقۂ راجپوتِ ہندوستان۔ پس امر کو قبل ورودِ شرع سے خلاف غیرت کے جاننا اور ناحفاظی یعنی بدوزشت اور شرم کی باتوں سے گننا اس قسم سے ہے کہ کوئی خاص عادت والی باتوں پر اشتباہ خلقی باتوں کا کرے کہ یہ بڑے نادرانت سے ہے اور نیز مسلمانوں میں عادتیں مختلف ہیں۔ ملوک و اُمراء ان کے باوجود کمال اقتدار اور فرط غیرت کے کہ جس کا دعویٰ کرتے ہیں اپنی عورتوں کو کھڑکیوں میں بٹھاتے اور تماشا جنگل اور دریا اور ہاتھی کی لڑائی اور توپ اندازی اور کھیل مردوں کا تجویز کرتے ہیں۔ نہایت یہ کہ اس کو اس طور پر عمل میں لاتے ہیں کہ نظر مردوں کی ان پر نہ پڑے۔ اور عورتوں کی نظر کا حرام ٹھہرنا اجنبی مردوں پر کہ ستر عورت اُن کا کھلا نہ ہو ابھی تک شریعت میں بالاجماع ثابت نہیں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عورت کو مرد اجنبی کا دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے مرد عورتِ غیر کو دیکھے بعض کہتے ہیں نہیں۔ اور اکثر دلیلیں شرعیہ اور معاملات اگلے زمانہ کی عورتوں خلفائے عباسیہ کے ساتھ۔ اور جائز کرنا نکلنا عورتوں کا جس کو نظر کرنا مردوں اجنبی پر لازم ہے مؤید اسی قول اخیر کے ہیں۔

پس وہ امر کہ ابھی اُس کے حلال حرام ہی ہونے میں اختلاف ہے اور بالفرض حرمت ہی مان لی جائے تو

قبل حرام ٹھیرنے سے۔ اور منظور بھی صرف بازی اور حرکات مردوں کا دیکھنا ہے نہ کہ اُن کی ذات اور اشخاص کو اور دیکھنے والی لڑکی غیر مکلف اور بازی بھی جنس بازی محمود سے کس طرح محل انکار ہوگا اور کوئی اس کو بعید جانے گا اور حلال کر دینا فرج چھوکریوں مملوکہ کا کہ مخلوق اس کو عار جانیں اور بدترین بُرائیوں اور فحش باتوں سے گنیں کس طرح محل تسلیم و قبول ہوگا۔

کید نود و ششم[٩٦]۔ اہل سنت پر طعن کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے صحاح میں لکھا ہے کہ ملک الموت قبض روح کے واسطے موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے انھوں نے ایک طمانچہ ان کے مارا کہ ایک آنکھ اُن کی اندھی ہوگئی۔ حالانکہ اس قصے میں بہت محذورات لازم آتے ہیں۔ اول یہ کہ حضرت موسیٰؑ راضی بقضائے حق نہ تھے۔ دوم یہ کہ وہ لقائے الٰہی کو مکروہ جانتے تھے۔ اور اہل سنت سے خود روایت ہے مَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ (جو کوئی مکروہ جانتا ہے اللہ کی لقاء کو مکروہ جانتا ہے اللہ اس کی لقاء کو) تیسرے یہ کہ ملک الموت اس حد تک ذلیل اور عاجز تھے کہ طمانچہ بھی ان کا کھایا اور آنکھ بھی اندھی کرالی اور ان سے کچھ بس نہ چل سکا جو روح قبض کرتے بغیر حصولِ مطلب لوٹ گئے اور خدا تعالیٰ کے سامنے شکایت لے گئے۔ اور یہ سب باتیں خلاف اصول شریعت کے ہیں۔

جواب اس طعن کا یہ کہ حضرت ملک الموت کو قبض ارواح بنی آدم میں دو طریقے ہیں۔

اول طریقہ جو عام مخلوق کے ساتھ جاری ہے یہ کہ بے خبر کیے اور بغیر پوچھے عوام کی روح قبض کر لیتے ہیں اور نہیں کہتے کہ میں ملک الموت ہوں اگر مجھ کو اذن ہو تو روح قبض کروں۔

دوسرا طریقہ اُس کو پیغمبروں کے ساتھ عمل میں لاتے ہیں کہ اُن کو جتا دیتے ہیں کہ میں ملک الموت ہوں اور ان کو اختیار دیتے ہیں چلنے اور رہنے کا اور ندا اِرْجِعِیْٓ اِلٰى رَبِّكِ (یعنی رجوع کر تو اپنے پروردگار کی طرف) اُن کو پہنچاتے ہیں چونکہ انبیاء بسبب کمال شوق لقاء الٰہی کے موت کو زندگی پر ترجیح دیتے ہیں اس لیے اذن قبض روح کا ان سے چاہتے ہیں بعد حصول اُس کے اپنا کام کرتے ہیں۔

بس پہلی دفعہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس موافق طریقۂ اول کے آئے انھوں نے نہیں جانا کہ یہ ملک الموت ہیں میری روح قبض کرنے آئے ہیں بلکہ ان کو صورتِ بشری میں دیکھ کر گمان کیا کہ مبادا کوئی دشمن ہو میرے مار ڈالنے کو آیا ہے۔ چنانچہ حضرت داؤدؑ اُن فرشتوں کو جو جھگڑا خود ہا کرتے ہوئے دیوارِ محراب سے اُتر کر گھس آئے تھے دشمن جان کر ڈرے تھے اور شور مچایا تھا کہ قصہ اس کا قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اور حضرتؐ نے بھی حضرت جبرئیلؑ کو اعرابی سائل کی صورت میں نہیں پہچانا تھا باوصف اُس اختلاط زائد الوصف کے حضرت جبرئیلؑ کے ساتھ کہ حضرت موسیٰؑ کو ملک الموت کے ساتھ سنوحصے میں ایک حصہ بھی اس کا نہ تھا اور

دفع کرنا دشمن کا واجب جس طرح ہو سکا ان کو دفع کیا مگر ملک الموت تو ان کے رُتبۂ نبوت اور قرب جناب باری کو خوب جانے ہوئے تھے باوصف نہایت قدرت اور اقتدار کے ان کی زیادتی کو سہار کیے اور لوٹ کر حضرت پروردگار کے حضور میں عرض کیا۔

دوسری بار جب ان کو اس طور پر جیسا کہ انبیاء کے پاس بھیجنا معمول ہے بھیجا اور خبردار کیا۔ حضرت موسیٰ نے قبول کر لیا اور راضی ہو کر اتنی مہلت چاہی کہ میں خود کو زمین مقدس کے نزدیک کر لوں۔

اب بنظر انصاف دیکھنا چاہیے کہ اس قصے میں کون سے محذور شرعی لازم آتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کا وقت پہلی دفعہ نہ تھا آخری دفعہ تھا بس اختلاف وقت موت کا بھی واقع نہ ہوا۔ اور ملک الموت باوصف اقتدار ملکی بہت جگہ عاجز ہوتے ہیں اور بہ تعظیم پیش آتے ہیں اور پروانگی مانگتے ہیں جیسا کہ قصۂ وفات شریف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جو کہ حضرت امام جعفر صادقؓ سے روایت کیا گیا ہے اور سنی و شیعہ دونوں تسلیم کرتے ہیں ثابت ہے ولنعم ما قیل وَيَحْسُنُ اِظْهَارُ التَّجَلُّدِ لِلْعِدٰى وَيَقْبُحُ اِلَّا الْعَجْزُ عِنْدَ الْاَحِبَّةِ (یعنی کیسی اچھی بات کسی نے کہی ہے ظاہر کرنا چستی کا دشمنوں کے سامنے اچھا ہے اور بُرا ہے سوائے عجز کے سامنے دوستوں کے) ہرگاہ کہ حضرت موسیٰؑ کو یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ یہ ملک الموت ہیں بحکم پروردگار میری روح قبض کرنے آئے ہیں پھر ناخوشنودی بقضائے الٰہی اور کراہت بہ لقاء اللہ کہاں سے لازم آ جائے گی۔

اب ہم یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے پہلے سے ملک الموت کو ایسی وضع کے ساتھ کیوں نہیں بھیجا جو حضرت موسیٰ جان لیتے کہ یہ ملک الموت ہیں بحکم پروردگار میری جان نکالنے آئے ہیں تاکہ یہ حرف و حکایت اور زد و ضرب وقوع میں نہ آتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت اسرار ان معاملات کے کہ حق تعالیٰ اپنے خاصوں کے ساتھ فرماتا ہے اور اس میں بھی یہ کہ ہر ایک کے ساتھ برنگ دیگر سلوک کرتا ہے۔ یہ مضمون ایسے دقیق اور باریک ہیں کہ ذہن ہر کسی کا اُن کو نہیں پہنچ سکتا۔ اگر ایک دو نکتے کوئی موافق مذاق اور مشرب اپنے کے حکمت اور کلام اور تصوف اور فقہ یا مبنی بر اصول خود تسنن اور اعتزال یعنی معتزلہ پن اور تشیع سے کھوج لگا کر زبان پر بھی لایا تو واقعی اور نفس الامر کی راہ سے وہ ایسے ہیں جیسے قطرہ اور دریا، اور ذرہ اور صحرا۔ اس لیے محققین ایسے بھیدوں کو حوالۂ علم خدا کے کرتے ہیں اور منہ کو مُہرِ خاموشی لگا لیتے ہیں بالاجمال عقل اتنا ہی سمجھتی ہے کہ خصوصیت بعض معاملات کی بعض بندوں کے ساتھ ایک سبب ہے کہ اس کے مرتبۂ قرب سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ایک سبب ہے اُس کے لطائف روحیہ کے درجے اور ایک سبب ہے اقتضائے دورہ سے۔ اور ایک سبب ہے اسماء و صفات الٰہی سے کہ مُربی اس شخص کے ہیں۔ اور علیٰ ہذا القیاس تخصیص بعض بندوں کی بعض رنگ اور شکل اور وسعت یا تنگی رزق اور طول یا قصر اجل اس کے بھی سبب ہیں کہ اُن میں بعض کو نظر اہل طبیعت اور اطباء کی اور بعض کو غور اہل نجوم اور احکام کی

دریافت کرتی ہے لیکن احاطہ کارخانہ خدائی کا سوا ایک اُس کی ذات پاک کے کسی سے ممکن نہیں۔ ہم اگر اسباب اس قصے کے کہ اس علم کو تاویل الاحادیث کہتے ہیں اور یہ علم نہایت دقیق اور مبنی بر اصول باریک ہے یہاں چھیڑیں تو وضع اس رسالہ اور اس کے مذاق سے دور پڑ جائیں گے اور باعث طول و ملال سامع کا ہوگا۔

کید نود و ہفتم[97]۔ اہل سنت پر طعن کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اپنے صحاح میں ایک حدیث روایت کی ہے جس سے اسناد شک کی طرف پیغمبر زماں صلی اللہ علیہ وسلم اور طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہوتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرَاهِيْمَ اِذْ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى (یعنی میں سزاوار تر شک کا ہوں ابراہیم علیہ السلام سے جس وقت کہ کہا انھوں نے اے پروردگار میرے! مجھ کو دکھا دے کہ تو کیونکر زندہ کرے گا مردے کو)

جواب اس طعن کا اول یہ کہ شیعہ نے بھی قصہ علیمہ سعدیہ اور مناظرہ حجاج میں نسبت شک کی حضرت ابراہیمؑ کی طرف روایت کی ہے جیسا کہ سابق گزرا۔ اور جب انھوں نے نسبت شک کی خود حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ کی ہے تو پھر یہ طعن خصوصیت اہل سنت سے نہیں رکھتا بلکہ مشترک ہے ایک پیغمبر کی طرف۔ تو اس طعن و تشنیع میں یہ بھی شریک ہیں وہی ان کو کفایت کرتی ہے۔

دوسرے یہ کہ معنی حدیث کے قسم قیاس استثنائی سے ہیں کہ اُس میں نقیض تالی کو استثنا کیا ہے تاکہ نقیض مقدم کو استنتاج کریں۔ اور غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقریر سے یہ ہے کہ جو کچھ قرآن مجید میں واقع ہوا وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ۔ اس کو نہیں چاہیے سمجھنا کہ یہ شک اور عدم حصول یقین کو بتاتا ہے۔

حاصل تقریر کا یہ کہ اگر ابراہیمؑ کو کچھ شک ہوتا تو ہم کو بھی ضرور شک ہوتا۔ اس لیے کہ ہم شک میں اُن سے سزاوار تر ہیں اور جب ہم کو شک نہیں ہے ابراہیمؑ کو بھی ضرور شک نہیں ہوگا۔ سوال اُن کا فقط واسطے ترقی علم الیقین سے ساتھ عین الیقین کے ہے۔

اور اگر ہم اس کلام کو ظاہر پر قیاس کریں تب بھی ٹھیک ہوتا ہے اس لیے کہ شک مقابل یقین کے ہے۔ اور جو یقین کے تین درجے ہیں علم الیقین[1]، عین الیقین[2]، حق الیقین[3]، شک کے بھی تین مرتبے ہونے چاہییں تو بمقابلہ ہر مرتبہ یقین کے مرتبہ شک سے واقع ہو۔ پس مراد شک سے یہاں نہ حاصل ہونا عین الیقین کا ہے مع حصول علم الیقین کے اور نہ حاصل ہونا عین الیقین کا کچھ نقصان نہیں رکھتا۔ اور کیا ضروری ہے کہ انبیاءؑ تمام امور غیبی کو جو بچشم دل دیکھتے ہیں بچشم سر دیکھیں کہ شیعہ اور سنی دونوں میں سے کوئی اس کے وجوب کا قائل نہیں۔ الغرض اس مطلب صحیح کو کہ ہرگز طریق حق سے تجاوز نہیں رکھتا محل طعن ٹھہرایا ہے۔ اور اپنی خبر نہیں کہ کیا کیا حضرات انبیاء اور رسل کے حق میں روایت کیا ہے وہ سب بھول گئے۔ چنانچہ تھوڑا سا ان شاء اللہ تعالیٰ باب

نبوات میں ذکر کیا جائے گا تب ان کے اعتقاد کی کیفیت کھلے گی جیسا کہ ان کو انبیاء کے ساتھ ہے۔

کید نود و ہشتم[98]۔ کہتے ہیں کہ اہل سنت سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین جھوٹ بولے حالانکہ انبیاء کا بالاتفاق جھوٹ سے پاک ہونا واجب ہے۔ نہیں تو اس بات کا امن نہیں رہے گا کہ یہ حکم الٰہی کو جیسا ہوتا ہے ویسا ہی پہنچاتے ہیں۔ اور جب یہ امن جاتا رہا تو ان کے پیدا ہونے سے جو کچھ غرض تھی وہ بھی نہ رہی۔

جواب اس طعن کا یہ کہ اس روایت میں لفظ کذب کا تعریض کے معنے میں ہے کہ بحسب ظاہر جھوٹ معلوم ہو اور بحقیقت سچ ہو جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعیوں میں منقول ہے اَلْعَجَائِزُ لَا تَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ وَاِنِّيْ حَامِلُكَ عَلٰى وَلَدِ نَاقَةٍ۔ وَاِنَّ فِيْ عَيْنِ زَوْجِكَ بَيَاضًا اور مثل ان کے۔ علیٰ ہٰذا حضرت امیرؓ سے بھی ایسی تعریضیں بہت مروی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بھی تین جھوٹ اسی قسم سے تھے۔ اس لیے کہ انھوں نے جو اپنی بیوی کو بخوف ایک جبار کے خواہر بنایا مراد اس سے اخوۃ اسلامی رکھی ہے۔ اور یہ جو باوصف صحت اِنِّيْ سَقِيْمٌ (یعنی میں روگی ہوں) اس سے بے مزگی اور کدورت روحانی کہ مرض جسمانی سے بڑھ کر ہے ارادہ کی ہے بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا (یعنی بلکہ یہ کام اس نے کیا ہے جو ان سب میں بڑا ہے) یہ واسطے حیلے اور کفار کے نہیں ہے بلکہ ایک فرضی طور پر کہا ہے پس اطلاق کذب کا ان امور پر بسبب مشاکلت اور مشابہت کے ہے اور یہ بھی بنظر مصلحت ضروری کے کہ ایک جباری سے اپنے آپ کو بچاتا تھا۔ حالانکہ ایسے موقع پر جہاں اندیشہ مال اور جان اور ناموس کا ہو اگر صریح جھوٹ بھی ہو تو وہ بھی حلال ہے نہ کہ تعریضات۔ وہ جو کفار کو الزام دیا اور بتوں کی عبادت کا دیکھنا گوارا نہ کیا تو سب درکنار اُلٹا روایات صحیح المضامین کو محل طعن بناتا، اور اپنی روایتوں کو کہ صریح دلالت بُرے بُرے واقعات پر جو انبیاء اور رسل کی نسبت لکھے ہیں اور کرتے ہیں بھول جانا پرلے درجے کی بے حیائی ہے۔ ہم اس کو باب نبوات میں لکھیں گے معلوم ہو جائے گا کہ بعض انبیاء کو تو منکر وحی الٰہی کا کہتے ہیں۔ بعض کو حسد اور بغض اور عناد سے موصوف کرتے ہیں بعض کو گناہ کبیرہ سے منسوب کرتے ہیں۔ اور نیز ان کے عقائد میں موجود ہے کہ اظہار کفر کا کرنا انبیاء پر تقیۃً واجب ہے۔ اب ان روایتوں اور اپنے عقیدوں کو ان تعریضات کی روایتوں کے ساتھ تولیں اور انصاف کریں۔

کید نود و نہم[99]۔ کہتے ہیں کہ اہل سنت نے اپنے صحاح میں روایت کی ہے اِنَّ الشَّيْطَانَ يَفِرُّ مِنْ ظِلِّ عُمَرَ (بے شک شیطان بھاگتا ہے عمرؓ کی پرچھائیں سے)۔ اور اس کلام سے فضیلت عمرؓ کی انبیاء اور رسل پر معلوم ہوتی ہے کہ انبیاء شیطان سے محفوظ نہیں رہے ہیں بدلیل نصوص قرآنی در حق حضرت آدمؑ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ (پس وسوسہ ڈالا طرف اس کے شیطان نے) اور حضرت موسیٰؑ کے حق میں قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (کہا یہ شیطانی کاموں سے ہے) اور حضرت ایوبؑ کے حق میں اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ

(بے شک لپٹا مجھ کو شیطان ساتھ دشمنی اور عذاب کے)۔ اور عموماً جمیع انبیاء اور رسولوں کے حق میں وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ۔ الی غیر ذلک من الآیات والاحادیث (اور نہیں بھیجا ہم نے قبل تجھ سے رسول اور نہ نبی مگر جس وقت کہ آرزو کی اُس نے ڈالا شیطان نے اس کی آرزو میں) انتہیٰ۔ سوا اس کے اور آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ جب کہ شیطان عمرؓ یا سایۂ عمرؓ سے بھاگتا ہے اور انبیاء اور رسل کو شمار میں نہیں لاتا بلکہ ان کے دلوں میں تصرف کرتا اور وسوسہ ڈالتا ہے۔ البتہ عمرؓ افضل ہوں گے انبیاء سے کہ یہ باطل ہے بالاجماع۔ اور اس طعن کو بہت بڑے مطاعن اہل سنت سے گنتے ہیں اور دانش مند ان کے بعد تقریر اس شبہ کے کمال خوشی اور فخر کرتے ہیں۔

اہلِ سنت نے اس طعن کا کئی طرح جواب دیا ہے۔

❁ اوّل جواب کہ خیلے دندان شکن ہے یہ کہ ہم شیعوں سے پوچھتے ہیں کہ آیا تم ظواہر ان آیات اور تسلّطِ شیاطین کے انبیاء پر قائل ہوئے یا نہیں۔ اگر قائل ہوئے تو تم نے مذہب اپنا چھوڑ دیا کہ تم عصمتِ انبیاء اور اماموں کے قائل ہو۔ اور اگر قائل نہیں ہوئے اور ان آیتوں اور ان کے امثال کی تاویل کرکے عصمتِ انبیاء کو شیطان سے برقرار رکھتے ہو تو کچھ نقصان انبیاء کو عائد نہیں ہوا۔ حد یہ کہ عمرؓ بھی اس خاصہ میں انبیاء کے شریک ہو گئے۔ اور بعض اولیاء بعض فضائل میں شریک انبیاء کے ہو سکتے ہیں اور کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ بس اتنا ہی فرق ہے کہ تسلّط شیطان کا انبیاء پر ممتنع ہے اور ان کے مرتبے کو عصمت کہتے ہیں اور اولیاء پر ممکن مگر غیر واقع، اس مرتبے کو محفوظیت کہتے ہیں۔ اور نصِ قرآنی صریح دلالت کرتی ہے کہ بعض بندگانِ خدا بھی تسلّطِ شیطان سے محفوظ ہیں بدون تخصیص انبیاء کے جیسا کہ فرمایا اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (بے شک خاص بندے میرے نہیں ہوگا تجھ کو اُن پر غلبہ) اور فرمایا اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (مگر بندے تیرے کہ اُن میں سے اخلاص والے ہیں) پس اگر عمرؓ بھی اُنہی عباد میں داخل ہوں تو کون سا محذورِ عقلی اور شرعی لازم آتا ہے۔ اور یہ عبارت کہ فلاں فلاں کے سائے سے بھاگتا ہے ایک تمثیل ہے ضروری نہیں کہ ہم اس کو اس کے معنی حقیقی پر قیاس کریں تاکہ بعید سمجھی جائے۔ مدعا یہ ہے کہ شیطان قدرت اُن کے بہکانے کی نہیں رکھتا ہے۔ مثال اس کی قول خدا تعالیٰ کا قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ (کہہ تو بے شک موت وہ موت کہ بھاگتے ہو تم اس سے) پس بھاگنا بمعنی بچنے کے ہے۔ اور قول خدا تعالیٰ کا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ (یعنی دیوار کہ چاہتی تھی وہ ٹوٹ جائے) جس سے مراد گر جانا ہے۔

❁ دوسرے اگر شیطان سایۂ عمرؓ سے بھاگے اور انبیاء سے نہ ڈرے تو اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ عمرؓ انبیاء سے افضل ہوں۔ دیکھو چور جیسا کوتوال اور پاسبان سے اور راہ مار جس قدر فوج دار اور چوکیداروں سے ڈرتے

ہیں ایسا بادشاہِ وقت سے نہیں ڈرتے۔ اس لیے کہ یہ لوگ چوروں اور رہزنوں ہی کے کھونے پر مقرر ہیں سوائے اس کے اور کوئی شغل ان کا نہیں ہے بس جیسے کہ داؤں اور بداندیشیاں ان کی کوتوال وغیرہ پہچانتے ہیں بادشاہِ وقت کہ بہت سا شغل رکھتا ہے اور امورِ کثیرہ کا اہتمام کرتا ہے اس کو ایسی پہچان اور یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ ایسے ہی عمرؓ کو منصب احتساب کا تھا یعنی باز رکھنا ممنوعاتِ شرعیہ سے۔ پس اربابِ منکرات و مناہی کہ اتباع شیطان کے ہیں اُن سے بہت ڈرتے تھے بلکہ ان کے احتساب سے دریائے نیل بھی ڈر گیا اور ان کے حکم سے جاری ہوا۔ اور پہاڑ اور زمین زلزلے سے باز رہے۔

حاصل کلام یہ کہ ڈرنا شیطان کا کسی شخص یا کسی چیز سے اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ اُس شخص کی تفضیل اُس چیز کے سبب سے اُس چیز پر ہو جائے جس کی افضلیت قطعاً ثابت ہے۔ مثلاً اذان اور نماز کہ باجماع فریقین مروی اور صحیح ہے کہ شیطان اذان کی آواز سنتے ہی حدث کناں (یعنی ہگتا موتتا) بھاگتا ہے مگر نماز میں حاضر ہو کر وسوسے ڈالتا ہے۔ اور بالاجماع ثابت ہے کہ نماز افضل جمیع عبادات مقصودہ سے ہے اور اذان ایک وسیلہ وسیلوں نماز سے ہے اور سنت ہے نہ کہ فرض پھر نماز کے ساتھ کب برابر ہو سکتی ہے ایسا ہی حال حضرت عمرؓ اور انبیاء کا سمجھنا چاہیے۔

❁ تیسرے انبیاء کلی طور پر مکائد شیطان کے بیان کرتے ہیں اور دروازے اُس کی آمد کے بند فرماتے ہیں۔ اور عمرؓ اس مقدمے میں جزئیات پر نظر کرتے تھے بڑی ریزہ کاریاں اور خورده شناسیاں عمل میں لاتے تھے اور جدا جدا وسیلے ذریعے اس کے بہکانے بھٹکانے کے ڈھونڈتے رہتے تھے جو کہ مدرک احکام کلیات کی عقل ہے اور مدرک اُن معانی کا جو جزئیات سے نکالے جاتے ہیں وہم۔ اور وہم سلطان القوی حاکم وجودِ انسان کا ہے۔ اس لیے کہ عقل کو اکثر دبا لیتا ہے اکثر اوقات اکثر لوگوں کی عقل پر غالب آتا ہے اور خوف اور ڈر سے عقل کو کچھ چیز نہیں سمجھتا حتیٰ کہ اسی خوف سے مملکتِ وجود اور اعضاء اور جوارحِ انسان میں بدون اپنا حکم جاری کیے باز نہیں رہتا خواہ بطور امر خواہ بطور نہی جب تک کہ خود کسی چیز سے نہ ڈر جائے۔ اور شیطان کا بھی بغیر مدد اور موافقت وہم کے کوئی کام پیش نہیں جاتا اگر وہم اس کا رفیق نہ ہو تو سب ہتیار اس کے کاریگری کے نکمے ہو جائیں ایسا رہ جائے جیسا بے ڈھلی کا ہیجڑا۔ لاجرم شیطان کو جیسا خوف عمرؓ اور ان کے امثال کا ہے ایسا انبیاء اور رسل کا کیوں ہوگا۔ بس یہ بات سبب تفضیلِ عمرؓ یا عمرؓ جیسے لوگوں کی نہیں ہے بلکہ پیدا ہونے والی ان کے عمل اور فعل جزئیہ سے ہے، جو چھنے ہوئے اور نکالے ہوئے انوارِ انبیاء سے ہیں۔ (علیہم السلام والصلوٰة)

❁ چوتھے یہ کہ حضرات انبیاء لوگوں کو دعوت طاعات کی فرماتے ہیں اور معاصی سے جھڑکتے منع کرتے ہیں، رغبت نعیم بہشت کی دلاتے اور شدائدِ دوزخ سے ڈراتے ہیں۔ اور یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ اول تو نظر نہیں آتیں

نظر سے دور بلکہ عقل سے دور۔ دوسرے موعود وآجل یعنی دونوں کا ایک وقت معین ہے کہ وہ روزِ حشر ہے بس جس کا ایمان قوی ہے وہ ان باتوں کو ایسا جانتا ہے جیسے کوئی آنکھ سے دیکھ رہا ہے۔ اور وعدِ رسل وعیدِ انبیاءؑ پر پورا پورا جما ہوا ہے مگر ایسے لوگ کم یاب اور نادر الوجود ہیں۔ اور عمرؓ اور اُن کے امثال ظاہر دنیا کی رغبت اور خوف سے لوگوں کو رغبت طاعات کی دلاتے ہیں اور معاصی سے روکتے ہیں اور درّے اور کوڑے مار مار کر ان کو ڈراتے ہیں۔ اور مخلوق کا حال یہی ہے کہ موجود اور جلدی مل جانے والی شے کو گنتی میں گنتے ہیں اور ایسی ہی چیزوں میں طمع کرتے ہیں اور انہی سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ لابد لشکر شیاطین اور اُن کے اتباع کا ہیبت وصولتِ عمرؓ سے نسبت انبیاءؑ کے زیادہ ڈرتا اور لرزتا کانپتا تھا۔ اسی لیے حضرت امیرؓ نے فرمایا ہے اَلسُّلْطَانُ یَزَعُ اَکْثَرَ مِمَّا یَزَعُ الْقُرْاٰنُ (یعنی بادشاہ بندوبست کرتا ہے زیادہ اس سے کہ بندوبست کرے قرآن) اور ہندی میں مثل مشہور ہے کہ مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے۔ یعنی وہ جن کہ آسیب زدہ پر تصرف کرتا ہے عزیمت اور حاضرات سے ایسا نہیں ڈرتا جیسا جوتہ کاری سے ڈرتا ہے۔

اَلشَّیْطَانُ یَنْزِعُ (شیطان بندوبست کرتا ہے)

❋ پانچویں یہ طعن پکڑی جاتی ہے ایک روایتِ صحیحہ سے کہ وہ حضرت امیرؓ سے منقول ہے اور کتبِ شیعہ اور سنی دونوں میں موجود ہے کہ حضرت امیرؓ سے ان کے یاروں کے مراتب کی نسبت پوچھا۔ آپ نے ہر ایک کی فضیلت اور منقبت بیان فرمائی جب نوبت حال عمار کی پہنچی فرمایا ذَالِکَ الَّذِیْ اَجَارَہُ اللّٰہُ عَنِ الشَّیْطَانِ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّکُمْ (یعنی وہ شخص ہے کہ پناہ دی ہے اُس کو خدا نے شیطان سے تمہارے نبیؐ کی زبان پر) پس محفوظ رہنا عمار کا بھی شیطان سے ثابت ہوا۔ اور اُسی تقریر کو جو سابق اس طعن میں لکھی گئی ہے یہاں بھی جاری کرنا چاہیے اور عمارؓ کو بھی انبیاء پر فضیلت دینا چاہیے۔ اس لیے کہ عمار اور عمر دونوں کا ایک ہی مادہ ہے عمرؓ نہ سہی عمارؓ سہی۔ بس اتنا ہی تو فرق ہے کہ عمارؓ اپنی ذات سے محفوظ از شیطان ہیں اور عمرؓ باوجود محفوظ ہونے کے شیطان کو ڈراتے بھگاتے ہیں لیکن طاعن کے زعم میں انبیاءؑ کا اتنا رتبہ بھی نہیں جتنا عمار کا، البتہ تفضیل عمارؓ کی ضرور لازم آتی ہے اس لیے کہ طاعن نے اوپر آدمؑ اور موسیٰؑ اور ایوبؑ اور دیگر انبیاءؑ اور رسل سے اکثر کو شیطان سے محفوظ نہیں چھوڑا ہے اور عمار محفوظ ہیں۔

❋ **کیدِ ششم**۔ کہتے ہیں کہ اہل سنت کے صحاح میں روایت ہے کہ بہشت میں بلالؓ آگے آگے حضرتؐ کے تھے اور آپؐ نے ان کی جوتیوں کی آواز سنی۔ بس اس روایت میں تفضیل غلام ابوبکرؓ کی جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم آتی ہے اور یہ حد سے بڑھ کر ایک بات ہے۔

اس طعن میں عجب ظلم اور تعصب ان کا ہے اس لیے کہ آگے ہونا بلالؓ کا حضرتؐ سے اس قسم کا ہے جیسے دنیا میں حضرتؐ کے آگے آگے چلتے تھے اور پتھر اور خار وخشت سے راہ صاف کرتے جاتے تھے اور ہمیشہ خادموں کا یہی

حال ہے کہ آگے آگے مخدوموں کے چلتے ہیں ہٹو بچو کہتے جاتے ہیں اور جانور وغیرہ کو بھی دفع کرتے ہیں اور اس کو کمالِ ادب جانتے ہیں۔ بلکہ سوءِ ادب یہ ہے کہ مخدوم کو محتاج اس بات کا کریں کہ مزاحم چیزیں اس کو دفع کرنا پڑیں۔ اور اچھی پاک صاف خشک راہ نجس اور کیچڑ کوڑے کی راہ سے ڈھونڈنا پڑے۔ دیکھو تمام ملوک اور امراء اور آسودوں کی یہی رسم ہے۔ زمانہ جاہلیت میں عرب لوگ جن کے مزاج میں سختی اور درشتی تھی وہ اس بات کو ادب جانتے تھے اسی سبب سے ان میں بطریق مثل کے مشہور تھا ثَلٰثٌ یَتَقَدَّمُ فِیْھَا الْاَصَاغِرُ عَلَی الْاَکَابِرِ اِذَا سَارُوْا لَیْلًا اَوْ خَاضُوْا سَیْلًا اَوْ صَادَفُوْا خَیْلًا (یعنی تین مواقع ہیں جہاں ادنیٰ اعلیٰ کے آگے چلتے ہیں جس وقت پھریں رات میں اور گھسیں پانی میں یا مقابل ہوں کسی لشکر سے) اور یہ آگے ہونا بلالؓ کا نہ اس قسم کا ہے کہ جنت میں آپؐ سے پہلے داخل ہوئے نہ اس قسم سے کہ مراتب اور درجات میں آپؐ سے وہاں بڑھ گئے جو موجبِ تفضیل ہو۔ بالفرض دخول بہشت کا سابق ہی سہی تب بھی موجبِ تفضیل اور بزرگی جب ہوتا کہ بذریعہ ثواب اعمال اور جزائے خیر کے ہوتا اور یوں تو فرشتے قبل پیغمبروں سے داخلِ بہشت ہوتے ہیں۔ حضرت ادریسؑ قبل ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے داخلِ بہشت ہوئے بلکہ ابلیس بھی قبل خلقت آدمؑ سے بہشت میں جاتا تھا بڑی بزرگی اور فضیلت کی بات یہ ہے کہ بہشت میں بحالتِ بیداری اپنے جسم کے ساتھ جائے جیسی کہ صرف آپؐ کو یہ بات حاصل ہوئی نہ روح یا خواب یا استغراق میں جو اس کو خبر ہی اس معاملہ سے نہ ہو کہ میں کہاں ہوں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال کہ جب جنت میں آپؐ کو مراتب اور درجات اور مقدارِ ثواب ان کی امت کے دکھاتے تھے تو اُس شخص کی صورتِ مثالیہ بھی سامنے کر دیتے تھے اور بتا دیتے تھے کہ فلاں نے تمہاری امت سے فلاں عمل کے سبب سے یہ درجہ پایا ہے تاکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور لوگوں کو اُن اعمال کے خواص سے مطلع فرمائیں اور بعض اوقات آپؐ خود صاحبِ عمل سے پوچھتے تھے کہ میں نے تجھ کو ان مراتب کے ساتھ دیکھا ہے تو کون سے عمل کے وسیلے سے اس مرتبے کو پہنچا ہے، تاکہ اس کو تاکید ہو کہ ہمیشہ اس عمل کو کیے جائے اور دوسروں کو رغبت اور حرص پیدا ہو اور ان لوگوں کو مطلق خبر نہیں ہوتی تھی نہ آپ کو بہشت میں دیکھتے تھے۔ اسی قسم سے ہے بلالؓ کا اپنے آگے آگے دیکھنا کہ جب حقیقتِ حال پوچھی تو معلوم ہوا کہ یہ فضیلت اُن کو تحیۃ الوضوء کی برکت سے حاصل ہوئی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس بہت سے عورت ومرد کا اصحاب وصحابیات سے احادیثِ متعددہ میں نام لکھا ہے کہ فلاں کو بہشت میں ایسا دیکھا اور فلاں کو ایسا کہ فلاں عمل سے اس مرتبے کو پہنچے ہیں۔ ان میں سے رمیضاء عورت ابوطلحہ انصاریؓ کی اور حارثہ بن نعمان انصاریؓ ہیں کہ قرأت اُن کی بہشت میں سنی۔ معلوم ہوا کہ یہ رتبہ اُن کو ماں کی خدمت سے حاصل ہوا۔ طبرانی نے تتمہ حدیث بلالؓ میں ذکر فقراء اور ان کی اولاد کا بھی روایت کیا ہے اور اس مشکل کے مادہ کو کھو دیا ہے عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

قَالَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَسَمِعْتُ حَرَكَةً اَمَامِي فَنَظَرْتُ فَاِذَا بِلَالٌ وَنَظَرْتُ اِلَى اَعْلَاهَا فَاِذَا فُقَرَاءُ اُمَّتِي وَاَوْلَادُهُمْ وَنَظَرْتُ اِلَى اَسْفَلِهَا فَاِذَا هُمُ الْاَغْنِيَاءُ (روایت ہے ابی امامہ سے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں داخل ہوا جنت میں پھر سنی میں نے ایک حرکت اپنے سامنے جب دیکھا تو معلوم ہوا کہ بلال ہے۔ پھر میں نے دیکھا اعلائے جنت کی طرف تو فقرا۔ اور ان کی اولاد پر نظر پڑی کہ میری امت کے ہیں اور جب بائیں جنت کو دیکھا تو وہاں آسودہ لوگ دکھائی دیے)

اور اس شبہے کی تقریر میں جو لفظ غلام ابوبکرؓ کا لائے ہیں کس بلا کا تعصب اور عناد اس سے ٹپکتا ہے۔ اور انصاف نہیں کرتے کہ اہل سنت کو یہ لحاظ ہوتا کہ بلالؓ کا حضرت ابوبکرؓ سے تعلق اور لگاؤ ہے اس سبب سے ان کی نیکی اور فضائل کا اعتقاد کرتے ہیں تو محمد بن ابوبکر کی طرف کیوں نہ ہوتا اور ان کی تعریف کیوں نہ کرتے اس لیے کہ بیٹا باپ سے قریب تر ہے بہ نسبت اُس کے غلام کے۔ ظاہر بات ہے کہ جو نہیں سمجھتے کہ اہل سنت کے نزدیک بلالؓ کو یہ رتبہ بدولت خدمت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے تو حاصل ہوا ہے اور ببرکت قوت ایمان و صدقِ اخلاص اور مواظبتِ طاعات کے۔ اسی لیے اس روایت کو تحریص تحیۃ الوضو پر وارد کیا ہے نہ کہ فضائلِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں۔

❁ **کید صد و یکم**۔ کہتے ہیں کہ اہل سنت کی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى نَظَرَ عَشِيَّةَ يَوْمِ عَرَفَةَ اِلَى عِبَادِهٖ فَبَاهَا بِالنَّاسِ عَامَّةً وَبِعُمَرَ خَاصَّةً (بے شک اللہ تعالیٰ نے نظر کی عرفہ کی شام کو بندوں کی طرف سو معزز کیا سب لوگوں کو بطور عام اور عمر کو بطورِ خاص) اس روایت سے تفضیل عمر کی پیغمبرؐ پر بھی ہوتی ہے کہ ان کو عوام الناس میں داخل کیا اور حضرت عمرؓ کو خاص ٹھیرایا۔

اس طعن میں بھی جور و جفا اور بغض و تعصب حد سے بڑھا ہوا ہے اور قیاس کلام کا غیر قیاس کی حد کو پہنچا ہوا ہے۔

❁ اول تو اس کلام میں دلیل ان کی یہ ہے کہ عام لوگوں میں پیغمبرؐ بھی ہوئے اس لیے کہ مراد ناس سے حاجی ہیں جو حاضر تھے اور اصولیہ قاعدہ ہے کہ متکلم اپنے عموم کلام سے خارج ہوتا ہے۔

❁ دوسرے عموم خصوص کا سمجھنا یہ ایک بات مشہور اس زمانہ کے لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ فلاں عام لوگوں میں ہے فلاں خاصوں میں۔ یہ بات اس لفظ سے ہرگز از روئے عربیت کے ٹھیک نہیں ہوتی اس بات کو وہ سمجھتا ہے جو مطلق ناآشنا کلام عرب سے ہے۔ بلکہ معنی اس کے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے اُس روز فضیلت حاجیوں کی فرشتوں سے ذکر فرمائی علی العموم اور عمرؓ کی فضیلت بیان کی علی الخصوص۔

پس اس حدیث میں فضیلت جمیع حجاج حضار حجۃ الوداع کی ہے البتہ عمرؓ کی تخصیص مباہات کے ساتھ فرمائی تاکہ شرف ان کا عالمِ بالا میں ظاہر ہو کہ عالمِ بالا میں ان کی فضیلت کی شہرت تھی اور ان کی بزرگی کے معتقد تھے اس وقت میں ان کو عمرؓ کے حال سے مطلع کیا کہ ایک یارانِ پیغمبرؐ سے یہ شخص ہے جس کا ایسا رتبہ ہے۔ پس درحقیقت یہ مباہات بسبب بزرگی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے کہ رفیق اور یار اُن کے ایسے مرتبے رکھتے ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

❁ **کید صد و دوم** یہ کہ اہل سنت پر طعن کرتے ہیں کہ انھوں نے نسبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناچیز اور حقیر باتیں روایت کی ہیں اور ظلم و ستم روا رکھا ہے کہ ایک موقع پر لائے ہیں حذیفہؓ سے اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا (روایت ہے حذیفہؓ سے تحقیق حال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے خاک ریز ایک قوم پر پھر پیشاب کیا کھڑے ہو کر)۔

❁ جواب اس کا یہ ہے کہ اہل سنت ہی کی کتب میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے مَنْ حَدَّثَكُمْ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَبُوْلُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوْهُ مَا كَانَ يَبُوْلُ اِلَّا قَاعِدًا (جو کوئی نقل کرے تم سے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کرتے تھے کھڑے ہو کر تو یقین مت کرو اس کا۔ اس لیے کہ آپؐ پیشاب نہیں کرتے تھے مگر بیٹھ کر) پس معلوم ہوا کہ عادت شریف ایسی نہ تھی ورنہ ازواجِ مطہراتؓ اور اہل بیتؓ البتہ خبردار ہوتے اور جو روایت حذیفہؓ کی ہے یہ بھی صحیح ہے اس لیے ہم نے رجوع کیا طرف روایات دیگر صحابہؓ کے چنانچہ یہ حدیث ابوہریرہؓ سے مفسر ملی اور مشکل مندفع ہوئی اَخْرَجَ الْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّمَا بَالَ قَائِمًا لِجُرْحٍ كَانَ فِيْ مَابِضِهٖ (نکالی حاکم اور بیہقی نے ابوہریرہؓ سے بے شک حال یہ ہے کہ کہا ابوہریرہؓ نے نہیں پیشاب کیا انھوں نے کھڑے ہو کر مگر اس سبب سے کہ اُن کے مابض میں زخم تھا) مابض ایک رگ ہے زانو کے نیچے پس اس سے وجہ قیام کی معلوم ہوئی اور ہر عاقل جانتا ہے کہ حالتِ صحت اور حالتِ مرض میں فرق زمین اور آسمان کا ہے جس بات کو کہ حالتِ صحت میں شرم اور خلافِ مروت جانتے ہیں حالتِ بیماری میں اُس کو جائز رکھتے ہیں۔ جیسے پائخانہ چوکی اور طشت میں باوجود قربِ مردم کے پھرنا۔ اور پاؤں پھیلا دینا عین مجلسِ اکابر میں۔ اسی لیے نص قرآن میں وارد ہے لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ (نہیں ہے مریض پر کچھ تنگی) پس اس گروہ کے تعصب سے تعجب ہوتا ہے کہ اہل سنت کی روایات پر طعن کرتے ہیں باوجود صحیح ہونے ان کے محلوں کے کہ اُن کو خود اہل سنت نے تقریرِ شافی اور بیانِ واقع کے ساتھ لکھا ہے۔

سید مرتضیٰ اور دیگر علمائے امامیہ کا اپنے اصول میں یہ قاعدہ ہے اِنَّ الْخَبَرَ مَتٰى وُجِدَ لَهٗ مَحْمَلٌ صَحِيْحٌ فَلَا يُرَدُّ (بے شک روایت جب پایا جائے اُس کا محمل صحیح تو نہیں رد کرنا چاہیے قابل مان لینے کے ہے)۔ اور خود جعفر صادقؒ

سے روایت کرتے ہیں خذ منا جوار بنا لنا وفروجھن لکم (اس کے معنے او پر گزرے) اور نہیں شرم آتی۔ ایسی کوئی بات منافی غیرت اور خلاف مروت کے نہیں ہوتی جو مذکور نہیں کرتے اور از روئے تقیہ کے کذب اور دروغ انبیاء اور اماموں پر نہیں لگاتے تاکہ ان بزرگوں کے قول و فعل سے اعتماد جاتا رہے۔

کید صد و سوم[۱۰۳]۔ اہل سنت پر طعن ہے کہ انھوں نے پوستِ سگ پر نماز جائز رکھی ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ ہاں بے شک حنفیہ کے نزدیک پوستِ سگ پر جو پکایا ہوا ہو اور رطوبات اُس کی دوا اور مسالوں سے خشک ہو گئی ہو نماز جائز ہے۔ اس لیے کہ حدیث صحیح متفق علیہ فریقین کی ہے دِبَاغُ الْجِلْدِ طُهُوْرُهُ (پکانا چمڑے کا ہی پاک ہونا اُس کا ہے) اور بھی فرمایا ہے اَيُّمَا اِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ (یعنی کسی جانور کا چمڑا ہو جب پکایا جاتا ہے پاک ہو جاتا ہے)۔ اور عقل بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہے اس لیے کہ حرام جانوروں پر مثل شیر اور گرگ اور گربہ کے بحالت زندگی کے جس وقت کہ پسینہ یا کوئی اور تری مثل اس کے ان کے چمڑے پر نہ ہو ہاتھ پھیرنے سے نجس نہیں ہوتا۔ بلکہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اطہار سے اس قسم کے جانوروں پر ہاتھ پھیرنا ثابت ہوا ہے سوائے اس کے خر و نچر پر متواتر مروی ہے اور بعد مرنے کے جو ان کے پوست کو نجس ٹھہرایا ہے اس لیے کہ رطوباتِ بدنی اور خون اور چربی اور گوشت سب خلط ملط ہو جاتا ہے۔ اور جب اس کو دوا اور مسالوں سے صاف کیا گیا اور خشک ہو کر اصلی حالت پر ہو گیا تو ایسا ہو گیا جیسے کسی کپڑے پر کوئی نجاست مثل پیشاب وغیرہ کے پڑ جائے اور اس کو دھو کر خشک کر لیا جائے۔ ہاں خوک کا چمڑا اس عموم سے خارج ہے۔ اس دلیل سے کہ اُس کو قرآن مجید میں اُس کے تمام اجزاء سے ناپاک کیا ہے۔ کقولہ تعالیٰ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ (بے شک وہ پلید ہے) لہٰذا اس کی ہڈی اور مغز تک اُس کا نجس ہے۔ پس کتا اور خنزیر کو برابر سمجھنا کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہیں ہوا بلکہ قرآن مجید میں شکار سگ کا حلال کیا ہے شیعہ اور سنی سب کھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شکار کے وقت اُس کا منہ جو محل لعاب ہے شکار کو لگتا ہے پھر پوست اور دیگر اعضاء کیا ہے۔ اگر سگ اور خنزیر دونوں کا حکم یکساں ہوتا تو شکار کیوں حلال سمجھا جاتا اب معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں اہل سنت پر طعن کرنا خلاف قرآن اور حدیث کے ہے۔ البتہ امامیہ کے نزدیک انسان کے سوکھے گُوہ پر کہ بالاجماع نجسِ عین ہے اور کسی تدبیر پاک نہیں ہوتا اگر کہیں پھیلا ہو تو نماز جائز ہے۔ چنانچہ شیخ حلی نے ارشاد اور ابوالقاسم نے شرائع اور ابوجعفر طوسی نے تہذیب میں اسکی تصریح کی ہے اور اجماع ان کا ہے کوئی اختلاف اس مسئلے میں نہیں۔ اب کتے کے چمڑے اور آدمی کے گُوہ دونوں میں قیاس کرنا چاہیے۔

کید صد و چہارم[۱۰۴]۔ کہتے ہیں کہ اہل سنت جماعت نے شطرنج کھیلنا جائز کیا ہے۔ حالانکہ لہو و لعب شرع میں منع ہے اور برائی اس کی قرآن مجید سے معلوم ہے۔

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ اور حنابلہ یعنی حنبلی تینوں قائل اس کی حرمت کے ہیں اور حدیثیں جن سے اس کا حرام ہونا پایا جاتا ہے روایت کرتے ہیں۔ مگر شافعی کے اس میں دو قول ہیں۔ قولِ اول کی رو سے مکروہ بچند شروط۔ اول یہ کہ نماز کا وقت جو اس نے اختیار کیا ہے اس میں تاخیر نہ ہو اور سنت وغیرہ آداب نماز کے ادا کرنے میں جلدی نہ کرے اور کوئی ترک نہ ہونے پائے۔ دوسرے بطور جوئے کے نہ ہو۔ تیسرے اور واجبات بھی ترک نہ ہونے پائیں مثلاً خدمتِ ضروری ماں باپ اور دریافت حال اہل و عیال اور اقرباء سے ملنا اور مریض کی عیادت کو جانا اور جنازوں کا ساتھ دینا۔ چوتھے اس شغل میں جھگڑا اور لڑائی اور جھوٹ اور جھوٹی قسم بھی درمیان میں نہ آنے پائے۔ پانچویں مہرے شطرنج کے بصورتِ حیوانات نہ ہوں۔ پس اگر ایک بھی ان پانچوں شرطوں سے ہو گی حرام ہے۔ اگر اس پر اصرار کرے گا کبیرہ ہو جائے گا جیسا کہ احیاء میں ہے۔

دوسرا قول موافق جمہور کے یہ ہے وَقَدْ صَحَّ مِنَ الشَّافِعِيِّ اَنَّهٗ رَجَعَ اِلَيْهِ نَصَّ عَلَيْهِ اَبُوْ الْحَامِدِ الْغَزَالِيّ اور بر تقدیر تسلیم شطرنج بازی کو جو تیزی ذہن اور قابوئے جنگ دشمنوں اور حفاظت حیلے اُن کے میں دخل تمام ہے، یہ بازی بھی حکم بازی مباح میں مثل گھوڑا پھیرنے کے اور تیر اندازی اور نیزہ بازی ایسی بازیوں میں داخل ہو گی۔ بازی مذموم وہ ہے کہ فوائدِ دینی سے خالی ہو کہ اس قسم کی کسی بازی کو اہل سنت جائز نہیں رکھتے۔ بخلاف امامیہ کہ عین حالتِ نماز میں کہ وقت مناجاتِ خالق ارض و سموات کا ہے اور نماز افضل عبادات اور سردارِ طاعات ہے ایسے وقت میں ذکر اور خصیوں سے بازی کرنا جائز رکھا ہے۔ چنانچہ ابوجعفر طوسی وغیرہ نے تہذیب اور دیگر کتب میں ذکر کیا ہے کہ وہاں سے نقل کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

کید صد و پنجم[۱۰۵] طعن کرتے ہیں کہ اہل سنت نے گانا بجانا جائز کیا ہے۔ حالانکہ اس کی مذمت میں حدیثیں بیشمار وارد ہیں۔

یہ طعن بھی محض افتراء ہے اس لیے کہ جملہ راگ بمزامیر اور آلاتِ لہو باجماع چاروں مذہب حرام ہے اور بڑے بڑے مشائخوں اور صوفیوں نے بھی راگ حرام نہیں سنا ہے نہ اس کی رغبت کی ہے۔ بلکہ سرگروہ اولیا جنید بغدادیؒ کہتے ہیں اِنَّهٗ بَطَالَةٌ (بے شک وہ بڑی بے ہودہ چیز ہے) اور شیخ بزروق فارسی فرماتے ہیں اَلسَّمَاعُ حَرَامٌ كَالْمَيْتَةِ (راگ حرام ہے مثل مری ہوئی چیز کے جس کا کھانا ضرورت میں مباح ہے) اور اہل سنت کے بزرگوں نے جو سنا ہے وہ یہ ہے کہ آواز خوب موافق مضمون حال اور وہ بھی ایسے شخص سے جس میں خوف فتنے کا نہ ہو نہ لڑکے خوبصورت اور عورتِ اجنبی کہ باعثِ شہوت ہوں۔ اور اکثر راگ ان لوگوں کا اس قسم سے ہوتا تھا جس میں ذکر جنت اور دوزخ اور شوق دلانا طاعات کا یا ذکرِ ہجر و وصل کہ عاشقوں کی حالت سے چسپاں ہو باعث غلو محبت کے ہوتا تھا ایسے راگ کو حرام کہنا مخالفِ شرع بلکہ مخالف خود ان کے اپنے مذہب کے بھی ہے۔ شیخ مقتول نے ان کے

کتاب الدروس میں ذکر کیا ہے یَجُوْزُ الْغِنَاءُ بِشُرُوْطِهٖ فِی الْعُرْسِ یعنی جائز ہے راگ مع شروط اپنے کے عرس میں اور عجب یہ کہ شروط راگ کے امامیہ کے نزدیک ایسی چیزیں ہیں کہ بالکل مایۂ فساد اور خمیر فسق ہیں وَهُوَ اِنَّ الْمُسْمِعَ اِمْرَاَۃٌ وَ لَا یَکُوْنُ رَجُلًا وَ لَا یَکُوْنُ الشِّعْرُ فِی الْهِجَاءِ (اور وہ شرطیں یہ ہیں کہ گانے والی عورت ہو نہ کہ مرد اور نہ شعر کسی کی ہجو میں) ایسا ہی شرح القواعد میں ہے۔ اب یہاں ذرا سوچنا چاہیے کہ راگ عورت کا برائی میں کیسا بڑھ کر مرد کے راگ سے ہے۔

کید صد و ششم[۱۰۶]۔ ایک گروہ ان کے بزرگوں سے احمقوں اور بیوقوفوں کو یوں فریب دیتے تھے کہ ائمہ اطہار اور دیگر بزرگانِ دین کے پاس بڑی آمد و رفت رکھتے تھے۔ بار بار ان کے مکانوں میں گھسنا اور بار بار نکلنا تاکہ عام لوگ گمان کریں کہ یہ ان کے شاگردِ خاص اور یارِ با اختصاص ہیں۔ مقدمات اپنے دین کے خوب تحقیق کرتے ہیں اس سبب سے ان کی روایتوں کو حضرات معتبر سمجھتے ہیں۔ بس ان لوگوں نے اپنے جھوٹ اور باطل باتیں مندرج اور منتشر کر کے دینِ ایمان اکثر عوام کا اس حیلے سے برباد و فنا کیا ہے۔ سرگروہ ان مکاروں اور دغابازوں کے زمانہ حضرت سجاد اور حضرت باقر اور جعفر علیہم السلام میں ہشام بن سالم اور ہشام بن حکم اور احول طاق اور میثمی اور زید بن جہم ہلالی اور زرارہ بن اعین اور حکم بن عتیبہ اور عروہ جہمی ہیں کہ دعویٰ روایت کا ان تینوں امام عالی مقام سے رکھتے ہیں۔ اور ایسی ہی سالہا سال اس گروہ سے جماعات کثیرہ اس حیلے کی راہ چلتے اور دین و ایمان خلائق کا غارت کرتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ نوبت امام محمد بن حسن مہدیؑ کی پہنچی کہ یہ متولد ہوئے اور بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ پہلے سے بھی دروازہ ان کے فنِ فریب کا کھلا ہوا تھا ان کے مرنے کے بعد خوب کھل کھیلے، جھوٹی جھوٹی باتیں اصول و فروع اور اخبار اور مطاعن صحابہؓ اور خلفاءؓ اور امہات المؤمنین ازواج مطہراتؓ اور مدح شیعہ اور ذم اہل سنت میں دفتر کے دفتر روایت کیں۔ حضرات ائمہؑ ہر وقت اس گروہ سے اپنی برات اور بیزاری ظاہر فرماتے تھے اور ان کے عقائد رد کرتے تھے اور ان کی روایتوں سے انکار کرتے تھے۔ اور ان کو جھوٹا بتاتے تھے۔ یہ لوگ اوروں سے کہتے تھے کہ یہ سب تقیہ ہے اپنے آپ کو چھپاتے ہیں جیسے ہم ان کے حال سے واقف ہیں ایسا کوئی نہیں ہے۔ اور اس وسیلے سے عام لوگوں اور مدینہ منورہ سے جو شہر دور دور تھے مثل اہلِ عراق اور فارس اور قم اور کاشان اور مازندران کے خمس اور دوسری طرح کی نذر و نیازیں حضرات ائمہؑ کے نام سے لیتے تھے اور رقعے جعلی اور مہری آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لوگوں کو دکھاتے تھے، اور دین کو قلیل قیمتِ دنیا کے عوض بیچتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مذہب ہو کر صورت پکڑ گیا۔ عجب یہ کہ کلینی اور دیگر امامیہ کی کتبِ صحیحہ میں ائمہ اطہار سے مذمت اس گروہ کی نقل بھی کرتے ہیں اور پھر روایات کو ان کی قبلہ اور کعبہ بھی بتاتے ہیں۔

حضرت زید شہید ظاہر ان کے عقائد سے انکار کر کے بہت گھرکتے جھڑکتے رہے حتیٰ کہ ایک دن ہشام احول سے کہا۔

لَا تَسْتَحْیِیْ فِیْمَا تَقُوْلُ عَنْ اَبِیْ وَ هُوَ بَرِیْءٌ عَنْهُ حَتّٰی قَالَ الْاَحْوَلُ لَهٗ یَوْمًا اِنَّكَ لَسْتَ بِاِمَامٍ وَ اِنَّمَا الْاِمَامُ بَعْدَ اَبِیْكَ اَخُوْكَ مُحَمَّدٌ فَقَالَ یَا اَحْوَلُ لَا تَسْتَحْیِیْ فِیْمَا تَقُوْلُ اِنَّ اَبِیْ یُعَلِّمُكَ مَسَائِلَ الدِّیْنِ وَلَا یُعَلِّمُنِیْ وَ اِنَّهٗ كَانَ یُحِبُّنِیْ حُبًّا شَدِیْدًا كَانَ یَبْرُدُ اللُّقَمَ فَیَجْعَلُهَا فِیْ فَكَیْفَ لَا یَكْفِیْنِیْ مِمَّا یُدْخِلُنِیْ النَّارَ هٰذَا لَا یَكُوْنُ اَبَدًا رَوَاهُ الْكُلَیْنِیْ وَ غَیْرُهٗ مِنَ الْاِمَامِیَّةِ۔

نہیں شرماتا ہے تو اس بات میں کہ نقل کرتا ہے ہمارے باپ سے اور حالانکہ وہ بیزار ہیں اُس سے یہاں تک کہ کہا احول نے اُن سے ایک دن کہ تم امام نہیں ہو امام تمہارے باپ کے بعد تمہارے بھائی محمد ہیں۔ تو کہا اے احول نہیں شرماتا ہے تو اس بات سے کہ کہتا ہے کہ تمہارے باپ جیسے مسائل دین کے مجھ کو سکھاتے تھے ایسے تم کو نہیں سکھاتے حالانکہ مجھکو نہایت دوست رکھتے تھے لقمے ٹھنڈے کر کر کے میرے منہ میں رکھتے تھے پھر کیوں نہیں باز رکھتا مجھ کو ایسی چیز سے جو ڈالے مجھ کو دوزخ میں پس یہ امر ہرگز شدنی نہیں ہے۔

اور دعاۃ مذہب امامیہ کہ اپنے آپ کو موسیٰ کاظمؒ سے منسوب کرتا تھا اور درحقیقت اخبث زندیقوں سے تھا۔ اور زمانہ ہارون رشید میں اسحاق بن ابراہیم شاعر ہوا ہے کہ ملقب تھا بدیک الجن یعنی شیطان کا مرغا۔ منکر صانع اور نبوات اور بعثت کا کہ یہ برائیاں اُس کی سب تاریخوں میں مشہور و معروف ہیں۔ اور معہذا شیخ الطائفہ محمد بن محمد بن نعمان کہ ان کے نزدیک شیخ مفید کر کے مشہور ہے اور استاد سید مرتضےٰ اور ابو جعفر طوسی اور شاگرد محمد بن بابویہ قمی کا ہے اس نے کتاب لمثالب المناقب میں اُس کو فقہاء اور اپنے پیشواؤں میں سے گنا ہے۔ اور بعض نے ان سے نسخے جعلی اور کتابیں مزور درست کر کے حضرت باقرؒ و صادقؒ اور دیگر اماموں سے نسبت کی ہیں۔ اور نقل کی کہ انھوں نے یہ کتابیں لکھ کر چھپائی تھیں اور ہم کو وصیت اُس کی حفاظت اور اپنے وقت میں مشہور کرنے کی کی تھی اُن کتابوں کو سب شیعوں نے سر اور آنکھوں پر رکھ لیا اور روایتیں جعلی اُن کی بے دھڑک شروع کر دیں کَمَا رَوَاهُ الْكُلَیْنِیْ عَنْ اَبِیْ خَالِدٍ۔ اور ایک گروہ نے ان سے ایک کتاب کو اقارب قریبہ ائمہ سے نسبت دی ہے جیسے کتاب قرب الاسناد امامیہ آن میں سے بعض نصرانی ہوتے ہیں کہ دعوائے محبت اہل بیت کا کر کے شیعوں میں داخل ہوئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم فلاں امام کے اصحاب میں سے ہیں حالانکہ اپنی قوم و قبیلے میں بدستور نصرانی رہے کبھی اسلام ظاہر نہ کیا اور نماز روزہ اور عبادت اور اوضاع و رسوم میں شریک اُن کے رہے ممتاز و جدا نہ ہوئے۔ اور عمر بھر کھانا پینا اور دیگر معاملات بطور نصرانیوں کے عمل میں لاتے رہے۔ خود شیعوں پر بھی یہ بات چھپی نہ تھی ان سب کو بالیقین جانتے تھے باوصف یقین کے روایتیں اپنے دین و ایمان کی اُس جماعت سے بے دھڑک لیتے ہیں مثل زکریا بن ابراہیم نصرانی کے کہ ابو جعفر طوسی تہذیب میں اُس سے روایت کرتا ہے اور علیٰ ہذا القیاس۔

کیدِ صد و ہفتم۔ ان کے بڑے کیدوں میں سے ایک تقیہ ہے جس پر ان کی دانشوں کا خاتمہ ہے۔ یعنی چھپانا اپنے مذہبِ باطل کا عاقلوں اور دانشمندوں سے اور پیش کرنا اُس کا احمقوں اور لڑکوں اور عورتوں پر تاکہ عقل والے ان کی گمراہی اور جھوٹی باتوں پر مطلع نہ ہوں اور لوٹ پوٹ نہ کر دیں۔ اور جب ان کو کوئی پکڑتا ہے کہ ائمہؒ کی فلاں کتاب میں اس طور پر وارد ہے مخالف تمہاری کی ہوئی روایت کے جس سے تکذیب تمہارے عقیدے کی ہوتی ہے تو سب سے بہتر جواب ان کا تقیہ ہے کہ یہ ایک بڑی اصل ہے ان کے اصول سے۔ اگر یہ اصل نہ ہوتی تو ہرگز مذہب ان کا سفہاء اور حمقاء میں بھی صورت رواج کی نہ پاتا اور جو ان کو بڑا زعم اور گھمنڈ ہے اس بات کا کہ ہم نے اپنا مذہب ائمہ اطہار سے حاصل کیا ہے ہم شاگردِ خاص خاندان رسولؐ کے ہیں۔ اور یہ بھی سب لوگ بہ یقین جانتے ہیں کہ ان کے مصنفوں کو خود تو ملاقات ائمہؒ کی حاصل نہیں ہوتی مگر بواسطہ۔ پس ضرور ان کے اور حضرات ائمہؒ کے درمیان میں واسطے اور راوی اور پیشوا واقع ہوئے ہیں کہ یہی نسبت ائمہؒ سے کرتے تھے کہ ہم نے اماموں سے مذہب نقل کیا ہے۔ لہٰذا اب ایسا مناسب معلوم ہوا کہ کچھ ان کے اگلے لوگوں کے احوال سے اِس رسالہ میں لکھا جائے تو ان کے مذہب کی مضبوطی اور قوت کا حال جو کہتے ہیں کہ ہم نے ایسے بزرگوں سے اخبار کیا، کھل جائے۔ اسی لئے اس مطلب اہم کے بیان میں ایک باب علیحدہ نقل کیا گیا۔

باب (۳) سوم
درذکر احوال اسلافِ شیعہ

اگرچہ یہ بحث باب اول جس میں ابتداء پیدا ہونے مذہب شیعہ اور شاخ در شاخ ہونے ان کے فرقوں کا بیان کیا گیا ہے مجملاً تو گزری۔ لیکن اس باب میں بہ تفصیل ان کے احوال اور خوبیوں اور بزرگیوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور بالقصد نظر متوجہ اس مطلب کی طرف کی جاتی ہے۔ اس لئے کہ نظر قصدی کو نظر ضمنی پر بہت فوقیت ہے، اور بحث تفصیلی میں بحث اجمالی سے بڑا تفاوت ہے۔ اب جاننا چاہیئے کہ اگلے لوگ اور پیشوا ان شیعوں کے چند طبقہ ہوئے ہیں۔

طبقۂ اولیٰ۔ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس مذہب کو بلا واسطہ رئیس المضلین ابلیس لعین سے استفادہ کیا ہے کہ یہ طبقہ منافقین کا ہے جن کے باطن میں تو عداوت اسلام کی تھی اور ظاہر کلمہ اسلام کا پڑھتے تھے تاکہ زمرہ اہل اسلام میں بہکانے اور باہم بغض اور مخالفت ڈال دینے کے واسطے راہ درآمد کی کھل جائے۔ پیشوا ان سب کا عبداللہ بن سبا یہودی صنعانی ہے کہ اُس کی ابتداء حال کی تاریخ طبری سے باب اول میں نقل کی گئی ہے۔ اُس

عبداللہ بن سبا نے اول تو تفضیل حضرت امیر علیؓ پھر تکفیر صحابہؓ اور خلفاءؓ اور ان کے مرتد ہونے کی بعد الموت حضرت امیرؓ کی لوگوں کو دعوت کی۔ اور جیسی جس کی استعداد دیکھی ویسے ہی اپنے توابع کو بہکایا بھٹکایا۔ بعد اس کے پیشوا ہر فرقے کا مطلقاً فرقہ رافضیوں کا ہے کہ یہ طریق پلید سینہ ابلیس مرید سے لوگوں کے دلوں میں ان کا ڈالا ہوا ہے اگرچہ اکثر اس فرقہ کے کفرانِ نعمت عبداللہ بن سبا کا کر کے اُس کو برائی سے یاد کرتے ہیں اس لئے کہ وہ الوہیت حضرت امیرؓ کا قائل ہوا تھا اور اسی سبب سے اُس کو پیشوا غلاۃ کا جانتے ہیں، لیکن درحقیقت ہیں سب اُسی کے شاگرد اور اُسی کے شمۂ فیض سے مستفیض۔ اس لئے کہ ان کے جملہ فرقوں میں یہودیت ظاہر اور محسوس ہے اور اخلاق یہودی مخفی وملبوس۔ مثلاً کذب اور فریب اور بہتان بزرگوں پر لگانا، اور یارانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لعن کرنا اور کلام اللہ اور کلامِ رسول کو غیر محل پر حمل کرنا اور اہل حق سے دل میں عداوت رکھنا، اور بسبب خوف و طمع کے ظاہر اظہار تملق وچاپلوسی کا کرنا، نفاق کو اپنا پیشہ کر لینا تقیے کو ارکان دین سے گننا، رقعے فریب اور خط جعل کے بنا کر اُن کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اماموں سے نسبت دینا، اپنی غرضوں اور فائدوں کے خاطر حق کو باطل اور باطل کو حق کرنا۔

الغرض اس قدر جو ہم نے بیان کیا "اندک از بسیار" اور "نمونہ از خروار" ہے اگر کوئی چاہے کہ مفصل ان کے حال سے مطلع ہوں سورۂ بقرہ سے لے کر سورۂ انفال تک بغور فکر دیکھے جو کچھ یہودیوں کے ذکر میں ان کے صفات اور اعمال اور اخلاق سے موجود ہے سب کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھے، پھر صفات اور اخلاق اور اعمال اس فرقۂ رافضہ کو اُس اپنے محفوظ داشتہ سے مطابق کرے یقین ہے کہ ہمارا کہنا اُس کو راست درست معلوم ہو۔ اور طَابَقَ النَّعْلُ بِالنَّعْلِ (جوتی جوتی سے مطابق ہوئی) اُس کی زبان سے نکلے۔ یہ قول کفش دوزوں کا ہے جب دونوں جوتیاں یکساں ہوتی ہیں۔

طبقۂ دوم۔ یہ ایک جماعت ضعیف الایمان منافق قاتل حضرت عثمانؓ تابع عبداللہ بن سبا بدگو صحابہ کبارؓ کے تھے اور جو خبث اور برائیاں ان سے اسلام میں صادر ہوئی تھیں اور خود ایسے روادار نہیں تھے کہ بلادِ اسلام میں بدون وسیلہ کسی رتبے والے کے بسر کر سکیں، چار و ناچار جناب امیرؓ کے لشکر میں گھستے تھے اور اپنے آپ کو شیعہ حضرت امیرؓ کا گنتے تھے اور مخلصین اور صادقین کہلاتے تھے۔ بعض ان سے اس لالچ میں کہ ہم کو خدمت اور منصب صوبہ داریوں اور فوجداریوں اور دوسرے کام و شغل بیت المال کے مل جائیں دامن حضرت امیرؓ کا نہیں چھوڑتے تھے۔ اور باوجود اس کے خباثت باطنی ان کی وقت پر ظاہر ہوتی رہتی تھی اور نافرمانی جناب امیرؓ کی کرتے تھے ہرگز اُن کی بات نہیں سنتے تھے اور نہ دعوت قبول کرتے تھے خلاف امر ونہی اُن امام برحق کے عمل میں لاتے تھے۔ جب کسی خدمت مقررہ پر مقرر ہوتے تو ظلم اور خیانت مال بندگانِ

خدا میں دست درازیاں کرتے۔ صحابہؓ کے حق میں اپنی دھوم دھام کے لئے زبان طعن اور تشنیع کی کھولتے۔ اور یہ جماعت پیشوا رافضیوں کی ہے اور اسلاف اور مسلم الثبوت ان کے نزدیک کہ بنیاد اپنے دین و ایمان کی اس طبقے نے انہی کی روایات اور منقولات پر رکھی ہے۔ بانی ان کے مذہب کے یہی فاسق منافق ہیں۔ اکثر روایتیں اس فرقہ کی جناب امیرؓ سے بوسیلہ انہی لوگوں کے ہیں۔ اور سبب در آمدن فاسقوں منافقوں کا تواریخ سے اس طرح ظاہر ہے کہ قبل واقعہ تحکیم سے بسبب غلبۂ و کثرت شیعۂ اولیٰ یعنی مہاجرین اور انصار کے یہ لوگ لشکر حضرت امیرؓ میں مغلوب اور بیکار رہتے تھے۔ جب واقعہ تحکیم کا ظاہر ہوا ان کو بھی انتظام خلافت حضرت امیرؓ سے پاس حاصل ہوئی۔ اور مدت موعودہ خلافت کی بھی جو تیس برس تھی قریب لانقضاء ہو کر نوبت دورۂ ملک عضوض کی نزدیک آئی۔ شیعۂ اولیٰ دومۃ الجندل سے کہ موقع تحکیم کا تھا اس قسم نصرت دین یعنے جدال و قتال سے مایوس ہو کر اپنے اپنے وطنوں کو کہ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ اور دوسرے قصبات و دیہات حجاز شریف کے تھے لوٹ گئے۔ اور دوسرے رنگ پر نصرت دین کی شروع کی، یعنی رواج دینا احکام شریعت اور آداب طریقت اور روایت اور احادیث اور بیان تفسیر قرآن مجید۔ چنانچہ حضرت امیرؓ بھی کوفہ میں داخل ہوئے اور انہیں اشغال میں توجہ فرمائی۔ جہادِ اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کی۔ اس وقت ہمراہ جناب امیرؓ کے شیعۂ اولیٰ سے صرف ایک جماعت قلیل کہ اکثر اُن کے گھر کوفہ میں تھے اور کوئی نہ رہا۔ اس گروہ نے میدان خالی دیکھ کر داد نافرمانیوں کی دی اور حکومت کی باتیں اور بے ادبیاں اور طعن و تشنیع اُن کے یاروں کے حق میں خواہ زندہ خواہ مُردہ شروع کیں اور وہ مُفسدے جو ان سے صادر ہوئے تھے بسبب اُن کے حضرت امیرؓ سے الگ بھی نہیں ہو سکتے تھے اور ابھی طمع مناصب اور خدمات کی بھی فی الجملہ باقی تھی کہ عراق اور خراسان اور فارس اور دوسرے شہر اُدھر کے حضرت امیرؓ کے تصرف میں تھے اور جانتے تھے کہ حضرت امیرؓ پر غلبہ دشمنوں کا ہے انصار و مددگار بہت کم ہیں۔ لہٰذا ہم سے بھی دست بردار نہ ہوں گے حکومتیں ہماری اُٹھائیں گے۔

الحاصل اُس وقت ان ناجنسوں کی صحبت اور جُدائی یارانِ وفادار اور دشمن جو شام و مصر اور دوسرے عرب کے شہروں پر تسلط کر رہے تھے جو حالت امیرؓ کی تھی کوئی کتب تواریخ میں دیکھے، یقیناً مضمون اس حدیث خاتم النبیین کی تصدیق کرے اَشَدُّ الْبَلَاءِ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ حضرت امیرؓ کے معاملہ اس گروہ سے اور اس گروہ کے حضرت امیرؓ کے ساتھ ایسے تھے جیسے یہودیوں کے حضرت موسیٰؑ کے اور منافقوں کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ نہ لشکر سے نکل جاتے تھے نہ تابعداری اور اطاعت کرتے تھے، بلکہ ہمیشہ باعث و سبب کدورتِ خاطر اور ملالِ دل کے سوہان روح کاہے رہتے تھے۔

چونکہ روایتیں اہل سنت کی اس مقدمے میں کہ تہمت عداوت شیعوں کی ان پر ہے معتبر نہیں ہیں۔ ناچار

ہم کلمات حضرت امیرؓ کے معتبر کتابوں شیعہ سے نقل کرتے ہیں۔ بیشتر مصنف اور مؤلف اُن کتب کے زیدیہ اور امامیہ میں گزرے ہیں، دونوں سے مذکور ہوتے ہیں گوشِ تامل اور انصاف سے سُننا چاہیے۔

امام مؤید باللہ یحییٰ بن حمزہ زیدی نے اپنی کتاب کے آخر میں کہ الطواق الحامہ فی مباحث الالمہ ہے روایت کی سوید بن غفلہ سے:۔

اَنَّهٗ قَالَ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ يَنْتَقِصُوْنَ اَبَابَكْرٍ وَ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُ عَلِيًّا وَ قُلْتُ لَوْلَا اَنَّهُمْ يَرَوْنَ اِنَّكَ تُضْمِرُ مَا اَعْلَنُوْا مَا اجْتَرَؤُا عَلٰى ذٰلِكَ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَبَا وَ كَانَ اَوَّلُ مَا اَظْهَرَ ذٰلِكَ فَقَالَ عَلِيٌّ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ ثُمَّ نَهَضَ وَ اَخَذَ بِيَدِيْ وَ اَدْخَلَنِي الْمَسْجِدَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ ثُمَّ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ وَ هِيَ بَيْضَاءُ فَجَعَلَتْ دُمُوْعُهٗ تَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ وَ جَعَلَ النَّظَرَ لِلْبِقَاعِ حَتّٰى اجْتَمَعَ النَّاسُ ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَذْكُرُوْنَ اَخَوَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ وَزِيْرَيْهِ وَ صَاحِبَيْهِ وَ سَيِّدَيْ قُرَيْشٍ وَ اَبَوَيِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اَنَا بَرِيْءٌ مِمَّا يَذْكُرُوْنَ وَ عَلَيْهِ مُعَاقِبٌ صَحِبَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِدِّ وَ الْوَفَاءِ وَ الْجِدِّ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ يَاْمُرَانِ وَ يَنْهَيَانِ وَ يَقْضِيَانِ وَ يُعَاقِبَانِ لَا يَرٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرَاْيِهِمَا رَاْيًا وَ لَا يُحِبُّ كَحُبِّهِمَا حُبًّا لِمَا يَرٰى مِنْ عَزْمِهِمَا فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ فَقُبِضَ وَ هُوَ عَنْهُمَا رَاضٍ وَ الْمُسْلِمُوْنَ رَاضُوْنَ فَمَا تَجَاوَزَا فِيْ اَمْرِهِمَا وَ سِيْرَتِهِمَا رَاْيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَمْرَهٗ

ترجمہ کہا ایک قوم پر میرا گزر ہوا کہ حقارت کرتے تھے ابوبکرؓ اور عمرؓ کی سو خبر دی میں نے علیؓ کو اور کہا کہ ضرور ثابت ہے کہ یہ جو حقارت اُنکی ظاہر کرتے ہیں جانتے ہیں کہ تم اس بات کو پوشیدہ کیے ہو۔ اگر نہیں ہے تو ان لوگوں نے ایسی جرأت کہاں سے پائی۔ ان میں سے ایک عبداللہ بن سبا ہے کہ سب سے پہلے اسی نے اس امر کو ظاہر کیا ہو بس کہا علیؓ نے مجھ کو تو خدا اس سے پناہ دے اور اُن دونوں پر رحم کرے پھر اُٹھ کھڑے ہوئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں لائے اور منبر پر چڑھ گئے اور ریش مبارک اپنے ہاتھ میں پکڑی کہ وہ سفید تھی پھر آنسو داڑھی پر بہانے لگے اور نگاہ کرنے لگے مکانات مسجد پر یہاں تک کہ جمع ہوئے لوگ پھر خطبہ پڑھا۔ پھر کہا کیا حال ہے اُس قوم کا جو ذکر کرتے ہیں دو بھائی اور دو وزیر اور دو رفیق رسولِ خدا اور دو سردار قریش اور دو پدر مسلمانوں کا۔ اور میں اس بات سے بیزار ہوں جو کچھ وہ ذکر کرتے ہیں اور اس بات کی اُن کو سزا دوں گا۔ دونوں ساتھی تھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بکوشش اور وفا اور سعی در حکم خدا حکم کرتے تھے اور باز رکھتے اور جھگڑے چکاتے تھے اور سزا دیتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سی رائے کسی کی نہیں سمجھتے تھے نہ کسی کو ان کی طرح دوست رکھتے تھے اس لئے کہ ان کی عادتوں کو حکم الٰہی میں خوب خیال کرتے تھے۔ پس وفات پائی دراں حالیکہ ان دونوں سے راضی تھے اور سب مسلمان بھی راضی اس لئے کہ اپنے کام اور دستور میں اُنھوں نے مسلمانوں سے کچھ فرق نہ کیا حسب مصلحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا۔ اُن کی حیات میں بھی اور

فِیْ حَیَاتِہٖ وَبَعْدَ مَوْتِہٖ فَقُبِضَا عَلٰی ذٰلِکَ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ فَوَ الَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَبَرَئَ النَّسَمَۃَ لَا یُحِبُّھُمَا اِلَّا مُؤْمِنٌ فَاضِلٌ وَلَا یُبْغِضُھُمَا اِلَّا شَقِیٌّ مَارِقٌ وَحُبُّھُمَا قُرْبَۃٌ وَبُغْضُھُمَا مُرُوْقٌ اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْثِ۔

بعد وفات بھی اُسی حال پر۔ اور اسی حال پر دونوں نے وفات پائی اللہ اُن دونوں پر رحمت کرے قسم ہے اسکی جو دانے کو پھاڑ کر صورت کرتا ہے اور جان کو پیدا کیا جو مؤمن بلند درجے والا ہے وہی ان کا دوست ہے اور دشمن ان کا بے نصیب خارج از دین۔ محبت اُن دونوں کی قربت ہے اور بُغض اُن دونوں کا بے دینی، آخر قول تک۔

وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَعَنَ اللّٰہُ مَنْ اَضْمَرَ لَھُمَا اِلَّا الْحَسَنَ الْجَمِیْلَ وَسَتَرٰی ذٰلِکَ اِنْشَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی ثُمَّ اَرْسَلَ اِلَی ابْنِ سَبَا فَسَیَّرَہٗ اِلَی الْمَدَائِنِ وَقَالَ لَا تُشَاکِنِّیْ فِیْ بَلْدَۃٍ اَبَدًا۔

ایک روایت میں ہے لعنت کرے اللہ اُس شخص پر جو دل میں رکھے ان دونوں کی طرف سے سوا نیکی اور خوبی کے۔ اور تو دیکھے گا اس کو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلدی پھر آدمی بھیجا ابنِ سبا کے پاس اور نکال دیا اُس کو جانب مدائن کے اور کہلا بھیجا کہ تو میرے ساتھ ایک شہر میں ہرگز نہ رہ سکے گا۔

اور جب خبر قتل محمد بن ابوبکرؓ کی جو مصر میں واقع ہوا حضرت امیرؓ کو پہنچی تو عبداللہ بن عباسؓ کو جو کہ صوبہ دار بصرہ کے تھے نامہ لکھا، اُس میں دفتر کے دفتر شکایت اس گروہ بدشعار کے درج کئے۔ اب ہم اُس نامۂ کرامت شمامہ کو بعینہا کتاب نہج البلاغت سے جو بعد کتاب اللہ شیعوں کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی کتاب نہیں ہے جو ایسی صحیح اور متواتر ہو نقل کریں تو خوبی اور بزرگی ان کے بزرگوں کی بگواہی امام معصوم اظہر من الشمس اور ابین من الامس ہو جائے۔ عبارت نامے کی یہ ہے:۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ مِصْرَ قَدْ فُتِحَتْ وَمُحَمَّدُ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ فَقَدِ اسْتُشْھِدَ فَعِنْدَ اللّٰہِ نَحْتَسِبُہٗ وَلَدًا نَاصِحًا وَعَامِلًا کَادِحًا وَسَیْفًا قَاطِعًا وَرُکْنًا دَافِعًا وَکُنْتُ قَدْ حَثَثْتُ النَّاسَ عَلٰی لَحَاقِہٖ وَاَمَرْتُھُمْ بِغِیَاثِہٖ قَبْلَ الْوَقْعَۃِ وَدَعَوْتُھُمْ سِرًّا وَّجَھْرًا وَعَوْدًا وَبَدْءًا فَمِنْھُمُ الْاٰتِیْ کَارِھًا وَمِنْھُمُ الْمُتَعَلِّلُ کَاذِبًا وَمِنْھُمُ الْقَاعِدُ خَاذِلًا اَسْاَلُ اللّٰہَ تَعَالٰی اَنْ یَّجْعَلَ لِیْ مِنْھُمْ فَرَجًا عَاجِلًا فَوَاللّٰہِ لَوْلَا طَمَعِیْ عِنْدَ لِقَآءِ الْعَدُوِّ فِی الشَّھَادَۃِ

پس تحقیق مصر فتح ہوا اور محمد بن ابوبکرؓ شہید ہوئے پس خدا سے واسطے اُس کے ہم ثواب کی دعا کرتے ہیں۔ آپ کا خیرخواہ کارکن، محنتی شمشیر براں دستون بلند کرنے والا۔ میں نے لوگوں کو اُس کی رفاقت میں آمادہ کیا تھا اور حکم کیا ان کو اُس کی فریاد رسی کا قبل اس واقعے سے اور اس کام کے لئے ان کو ظاہر اور پوشیدہ بُلایا تھا انتہا میں اور ابتدا میں مگر بعض آنے والے تھے بکراہت اور بعض جھوٹے حیلے کرنیوالے بعض ان سے ترک نصرت اور بیٹھ رہنے والے۔ سوال کرتا ہوں میں خدا سے کہ جلدی مجھ کو ان کے ہاتھ سے رہائی دے۔ پس بخدا اگر نہ ہوتی مجھ کو رغبت شہادت کی وقت ملاقات دشمن کے

وَتَوْطِیْنِیْ نَفْسِیْ عَلَی الْمَنِیَّۃِ لَاَحْبَبْتُ اَنْ لَّا اَبْقٰی مَعَ ھٰٓؤُلَآءِ یَوْمًا وَّاحِدًا وَّلَا اَلْتَقِیَ بِھِمْ اَبَدًا۔

اور تیار نہ رکھتا اپنی جان کو مرنے پر میری تو یہ آرزو ہے کہ ایک دن بھی اس گروہ کے ساتھ نہ رہوں نہ کبھی ان سے ملوں۔

اور نیز جس وقت یہ خبر پہنچی تھی کہ سفیانؓ بن عوف کہ قبیلۂ بنی غامد اور اُمرائے معاویہؓ سے تھا سوار ہو کر شہر انبار میں پہنچے ہیں اور وہاں کی رعیت کو قتل کرتے ہیں۔ حضرت امیرؓ نے خطبہ فرمایا۔ اُس خطبے کی عبارت ارشاد ہدایت میں یہ مندرج ہے:۔

وَاللّٰہِ یُمِیْتُ الْقَلْبَ وَیَجْلِبُ الْھَمَّ مَا نَرٰی مِنِ اجْتِمَاعِ ھٰٓؤُلَآءِ عَلٰی بَاطِلِھِمْ وَتَفَرُّقِکُمْ عَنْ حَقِّکُمْ فَقُبْحًا لَّکُمْ وَتَرَحًا حِیْنَ صِرْتُمْ غَرَضًا یُّرْمٰی یُغَارُ عَلَیْکُمْ وَلَا تُغِیْرُوْنَ وَتُغْزَوْنَ وَلَا تَغْزُوْنَ وَیُعْصَی اللّٰہُ وَتَرْضَوْنَ فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِالسَّیْرِ اِلَیْھِمْ فِیْ اَیَّامِ الْحَرِّ قُلْتُمْ ھٰذِہٖ حَمَارَّۃُ الْقَیْظِ اَمْھِلْنَا یُسَبَّخْ عَنَّا الْحَرُّ وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِالسَّیْرِ اِلَیْھِمْ شِتَآءً قُلْتُمْ ھٰذِہٖ صَبَارَّۃُ الْقُرِّ اَمْھِلْنَا یَنْسَلِخْ عَنَّا الْبَرْدُ فَکُلُّ ھٰذَا فِرَارًا مِّنَ الْحَرِّ وَالْقُرِّ فَاِذَا کُنْتُمْ مِّنَ الْحَرِّ وَالْقُرِّ تَفِرُّوْنَ فَاَنْتُمْ وَاللّٰہِ مِنَ السَّیْفِ اَفَرُّ یَا اَشْبَاہَ الرِّجَالِ وَلَا رِجَالَ حُلُوْمُ الْاَطْفَالِ وَعُقُوْلُ رَبَّاتِ الْحِجَالِ لَوَدِدْتُ اَنِّیْ لَمْ اَرَکُمْ وَلَمْ اَعْرِفْکُمْ مَعْرِفَۃً۔

یعنی قسم ہے اُس خدا کی جو مُردہ کر دیتا ہے دل کو اور کھینچ لاتا ہے فکر کو جو کچھ میں دیکھتا ہوں اجتماع اُس گروہ سے اپنی غلطی اور تمہاری پراگندگی پر اپنے حق سے پس خدا تمہارا بُرا کرے اور خواری ہو تم کو جب کہ ہو گئے تم نشانہ تیروں کے لوگ تم کو غارت کرتے ہیں اور تم غارت نہیں کرتے اور حملہ تم پر کرتے ہیں مگر تم نہیں کرتے اور جو نافرمانی کرتا ہے خدا کی تم راضی ہوتے ہو میں جب تم سے ان کی طرف چلنے کو گرمی میں کہتا ہوں تو کہتے ہو کہ یہ وقت شدت گرمی کا ہے اس وقت میں ہم کو مہلت دو کہ گرمی ہم سے نکل جائے اور جب جاڑے میں چلنے کو کہتا ہوں تو کہتے ہو کہ اس وقت جاڑا سخت ہے جاڑا ہم سے نکل جانے دو پس بھاگنا ہے تمہارا گرمی سردی سے۔ اور ہرگاہ کہ تم گرمی اور سردی سے بھاگتے ہو قسم ہے خدا کی تلوار سے تو حد بھر بھاگو گے۔ اے مردوں کی سی صورت والو! نہ مرد، اور بچوں کی سی عقل والو! اے عورتوں زیور پہننے والو! ضرور میں چاہتا ہوں کہ تم کو نہ دیکھوں اور ذرا نہ تم کو پہچانوں۔

اور نیز اسی خطبے میں فرماتے ہیں:۔

قَاتَلَکُمُ اللّٰہُ لَقَدْ مَلَأْتُمْ قَلْبِیْ قَیْحًا وَّشَحَنْتُمْ صَدْرِیْ غَیْظًا وَّجَرَّعْتُمُوْنِیْ نُغَبَ التَّھْمَامِ اَنْفَاسًا فَاَفْسَدْتُمْ عَلَیَّ رَاْیِیْ

مارے جاؤ تم خدا کرے بیشک تم نے میرے دل کو پیپ سے بھر دیا، اور سینے کو غصّے سے اور پلائے مجھ کو گھونٹ رنج اور فکر کے دم بدم سو خراب کر دیں تم نے

بالخذلان والعصیان حتی قالت قریش ان ابن ابی طالب رجل شجاع ولکن لا علم له بالحرب لله ابوهم وهل احد اشد لها مراسا واقدم فیها مقاما منی لقد نهضت فیها وما بلغت العشرین وها انا جاوزت علی الستین ولکن لا رای لمن لا یطاع۔

میرے لیے میری تدبیریں بسبب ترک رفاقت اور بے حکمی کے یہاں تک قریش نے کہا بیشک بیٹا ابی طالب کا مرد شجاع ہے لیکن قواعد جہاد کے نہیں جانتا کہ ان کو کوتاہ کرے میں پوچھتا ہوں بتاؤ اُس کو کہ مجھ سے زیادہ تر جنگ آزمودہ کوئی ہے کہ مقامات جنگ میں مجھ سے بڑھ گیا ہو میں تو اُس وقت سے لڑائی میں گھسا ہوں کہ بیس برس کا بھی نہ تھا اور اب میری عمر ساٹھ سے زیادہ ہے لیکن اُس کی کیا تدبیر جس کا حکم نہ چلے۔

دوسرے خطبے میں فرماتے ہیں:-

ایها الناس المجتمعة ابدانهم المختلفة اهواؤهم کلامکم یوهی الصم الصلاب وفعلکم یطمع فیکم الاعداء تقولون فی المجالس کیت وکیت فاذا حضر القتال فانتم حیاری ما عزت دعوة من دعاکم ولا استراح قلب من قاساکم اعالیل باضالیل وطاع ذی الدین المطول۔

اے لوگو! تم وہ ہو کہ اپنے بدنوں میں جمع ہو اور مختلف ہو اپنی خواہشوں میں۔ باتیں تمھاری پتھر سخت کو سست کرتی ہیں اور فعل تمھارے لالچ دلاتے ہیں دشمنوں کو کہ تم کو پس تم مجلسوں میں کیسی کیسی باتیں کرتے ہو اور جب لڑائی سامنے آتی ہے پس تم کج ملہ اور حیران رہ جاتے ہو کچھ قوت نہ پائی کسی کی ریاست نے جس نے تم کو جمع کیا اور کچھ آرام نہ پایا اُس دل نے کہ رنج کھینچا پے درپے تمھارا۔ تم کو بہانے ہیں ساتھ فریب کے مثل رخصت کرنے قرضدار کے۔

دوسرے خطبے میں فرمایا:-

المغرور والله من غررتموه ومن فاز بکم فاز بالسهم الباخس ومن رمی بکم فقد رمی بافوق ناصل اصبحت والله لا اصدق قولکم ولا اطمع فی نصرکم ولا اوعد العدو بکم۔

دھوکا کھایا قسم خدا کی وہ شخص جس کو دھوکا دیا تم نے، جس نے تم کو جمع کیا جمع کیا حصہ ناقص اور جس کے پلے تم پڑے پالا پڑا اُس کو لبے تیروں سے، صبح کی میں نے قسم ہے خدا کی نہ تمھاری بات سچ جانتا ہوں نہ تمھاری مدد میں مجھ کو کچھ اُمید ہے نہ دشمن کو تم سے ڈرا سکتا ہوں۔

اور دوسرے خطبے میں فرمایا بمعاملہ مردم شام:-

اف لکم لقد سئمت عتابکم ارضیتم بالحیوة الدنیا من الآخرة عوضا وبالذل من العز خلفا اذا دعوتکم الی جهاد اعدائکم دارت اعینکم کانکم من الموت فی غمرة

میں تم سے بہت ہی دل تنگ ہوا اور بیشک بہت چڑھ گیا مجھ پر تمھارا الزام دینا کیا تم راضی ہو گئے حیات دنیا پر آخرت سے از روئے عوض کے ذلت عزت سے بدلی ہوئی اور جب بلاتا ہوں میں تم کو دشمنوں سے لڑنے کو تو آنکھیں تمھاری ایسی پھر جاتی ہیں گویا موت سے شدت نزع میں ہیں۔

ومن الذهول فی سکرة یرتج علیکم حواری فتعمهون وکان قلوبکم مالوسة فانتم لا تعقلون ما انتم لی بثقة سجیس اللیالی وما انتم برکن یمال بکم ولا ذوافر عز یفتقر الیکم ما انتم الا کابل ضل رعاتها فکلما جمعت من جانب انتشرت من جانب آخر وبئس لعمر الله سعر نار الحرب انتم تکادون ولا تکیدون وتنتقص اطرافکم ولا تغیظون ولا ینام عنکم وانتم فی غفلة ساهون۔

اور جان دینے سے بیہوشی میں بند ہوتی ہیں۔ تمھارے ذمے ہے جواب میرا ایسے پریشان معلوم ہوتے ہو گویا کہ دل گرفتہ ہو سو تم نہیں سمجھتے ہو، نہیں ہو تم حملے کے وقت ایسی قوت کہ سخت ہو۔ نہ تم ایسے ستون ہو کہ تمھاری طرف رغبت کی جائے نہ کوئی صاحب وقار و عزت حاجت کھا ہی نہیں ہو تم گروہ شتر گم کیا چرواہا اُن کا اس لیے جب اکٹھے کیے جاتے ہیں ایک طرف سے پراگندہ ہوتے ہیں دوسری طرف سے اور قسم ہے خدا کی جو بری آگ لڑائی کی بھڑکانے والا ہے تم پر کید کرتا ہے اور تم کید نہیں کرتے۔ اور گھٹتی جاتی ہیں طرفیں تمھارے ملک کی اور تم کو غصہ نہیں آتا۔ دشمن تم سے غافل نہیں ہے اور تم اُس سے غافل ہو اور بھولے ہوئے۔

اور دوسرے خطبے میں فرماتے ہیں:-

منیت بمن لا یطیع اذا امرت ولا یجیب اذا دعوت ولا ابا لکم ما تنتظرون بنصرکم ربکم لا دین یجمعکم ولا حمیة تحمشکم اقوم فیکم مستصرخا واناديکم متغوثا فلا تسمعون لی قولا ولا تطیعون لی امرا حتی تکشف الامور عن عواقب المساءة فما یدرک بکم ثار ولا یبلغ بکم مرام دعوتکم الی نصر اخوانکم فجرجرتم جرجرة الجمل الاسر وتثاقلتم تثاقل النضو الادبر ثم خرج الی منکم جنید متذائب ضعیف کانما یساقون الی الموت وهم ینظرون۔

مصیبت میں ہوں میں اُن سے کہ میرے فرمان کی اطاعت نہیں کرتے جب میں حکم کرتا ہوں اور نہ قبول کرتے ہیں جب دعوت کرتا ہوں اور تعالیٰ سے باپ ہیں کیا راہ تکتے ہو اپنے پروردگار کی مدد و نصرت میں کیا کوئی دین جامع ہے تمھارا اور نہ غیرت ہے کہ آمادہ کرے تم کو میں تم میں کھڑا ہو چلاتا ہوں اور پکارتا ہوں فریادرسی کو سو کب سنتے ہو تم میری بات اور کہاں مانتے ہو حکم میرا تو کہ پردہ کاموں کا بد انجامی سے کھل جائے پھر تمھارے نزدیک کینہ کشی کیونکر ہو سکے اور کیونکر پہنچے تم سے کسی مطلب کو۔ بلایا میں نے تم کو تمھارے بھائیوں کی مدد کو سو گردن ڈال دی تم نے جیسے گردن ڈال دیتا ہے شتر خود رائے اور بوجھل ہو گئے تم جیسے بھاری بوجھ پڑا ہو شتر لاغر پشت ریش پر پھر نکلا تم سے ایک لشکر کاہلی کرتا ہوا ضعف جتاتا ہوا گویا کہ ان کو کوئی مار ڈالنے کو لیے جاتا ہے اور وہ تکتے ہیں۔

اور نیز مذمت و طعن یاران کذائی میں فرمایا:-

کم اداریکم کما تداری البکار العمدة والثیاب المتداعیة کلما حیصت من جانب

کہاں تک تمھاری عورتوں نازک بدن ناکتخدا کی سی حفاظت کروں اور پرانے کپڑے کی سی کہ ایک طرف سے سیا جاتا ہے تو

تَهَتَّكَتْ مِنْ جَانِبٍ اٰخَرَ وَ كُلَّمَا اَطَلَّ عَلَيْكُمْ مَنْسِرٌ مِّنْ مَّنَاسِرِ الشَّامِ اَغْلَقَ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ بَابَهٗ وَانْجَحَرَ انْجِحَارَ الضَّبَّةِ فِيْ جُحْرِهَا وَالضَّبْعِ فِيْ وِجَارِهَا۔

دوسری طرف سے پھٹتا ہے اور جب تمہارے سر پر آتا ہے کوئی سردار سرداران شام سے بند کرلیتا ہے ہر شخص تم سے دروازہ اپنا اور گھس جاتا ہے جیسے گوہ اپنے سوراخ میں گھس جاتی ہے اور بجو اپنے بھٹ میں۔

آور نیز دوسرے خطبے میں فرمایا:۔

مَنْ رُمِيَ بِكُمْ فَقَدْ رُمِيَ بِاَفْوَقَ نَاصِلٍ اِنَّكُمْ وَاللّٰهِ لَكَثِيْرٌ فِي الْبَاحَاتِ وَقَلِيْلٌ تَحْتَ الرَّايَاتِ۔

جس کی قسمت میں تم پڑے اُس پر لمبے لمبے تیر پڑ گئے بیشک تم قسم ہے اللہ کی بہت ہوتے ہو نمود کی جگہوں میں اور تھوڑے نشانوں کے نیچے۔

آن خطبوں کو تما مہا رضی نے نہج البلاغت میں ذکر کیا۔ آس کے سوا اور امامیہ نے بھی اپنی کتابوں میں روایت کئے ہیں۔ آور علی بن موسٰی بن طاؤس سبط محمد بن حسن طوسی سرگروہ نے کہا ہے:۔

اِنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَانَ يَدْعُوا النَّاسَ عَلٰى مِنْبَرِ الْكُوْفَةِ اِلٰى قِتَالِ الْبُغَاةِ فَمَا اَجَابَهٗ اِلَّا رَجُلَانِ فَتَنَفَّسَ الصُّعَدَاءَ وَ قَالَ اَيْنَ تَقَعَانِ۔

بیشک امیر المومنین بلاتے تھے لوگوں کو باغیوں کی لڑائی کے واسطے کہ اُس وقت منبر کوفہ پر تھے سو قبول نہ کیا اُس کو مگر دو آدمیوں نے، پس آپؑ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور کہا کہ تم دو آدمیوں کو کہاں رکھوں۔

پھر ابن طاؤس کہتا ہے:۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ خَذَلُوْهُ مَعَ اِعْتِقَادِهِمْ وَاِظْهَارِهِمْ بِفَرْضِ طَاعَتِهٖ وَ اِنَّهٗ صَاحِبُ الْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ يُنَازِعُوْنَهٗ عَلَى الْبَاطِلِ وَ كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يُدَارِيْهِمْ وَلٰكِنْ لَا تُجْدِيْ بِهِ الْمُدَارَاةُ نَفْعًا وَ قَدْ سَمِعَ قَوْمًا مِّنْ هٰٓؤُلَآءِ يَنَالُوْنَ مِنْهُ فِيْ مَسْجِدِ الْكُوْفَةِ وَيَسْتَخِفُّوْنَ بِهٖ فَاَخَذَ بِعِضَادَتَيِ الْبَابِ وَاَنْشَدَ مُتَمَثِّلًا: هَنِيْئًا مَرِيْئًا غَيْرَ دَاءٍ مُخَامِرٍ لِعَزَّةَ مِنْ اَعْرَاضِنَا مَا اسْتَحَلَّتِ : فَيَئِسَ مِنْهُمْ كُلِّهِمْ وَ دَعَا عَلَيْهِمْ۔

اُن لوگوں نے کہ اُن کی رفاقت چھوڑی باوجود اپنے اعتقاد اور فرض ہونے طاعت کے کہ بیشک وہ صاحب حق ہیں آور جو لوگ کہ اُن سے جھگڑا کرتے ہیں باطل پر ہیں۔ آور وہ علیہ السلام رکھوالی اُن لوگوں کی کرتے تھے۔ حالانکہ کچھ فائدہ رکھوالی سے نہ تھا۔ آور بیشک سنا اِس گروہ سے ایک جماعت کو کہ حقارت کرتے تھے اُن کی مسجد کوفہ میں اور پتھر مارتے تھے اُن کو۔ پھر پکڑے دونوں بازو دروازے کے اور پڑھے برسبیل تمثیل یہ شعر کہ گوارا اور مرغوب ہوئے بے آزار طلب کرنے والے کے۔ واسطے عزہ کے کہ معشوقہ ہے ہمارے ابروؤں سے جو کچھ اُس نے حلال جانا۔ پس ناامید ہوئے اُن سب سے اور بددعا کی اُن کو۔

آب مجموع ان خطبوں اور ابن طاؤس کی روایت سے ثابت ہوا کہ حضرت امیرؑ نے اس فرقہ کے حق میں جو مدعی آپؑ کی شیعیت کے تھے قاتلکم اللہ و قبحاً لکم و ترحاً ارشاد فرمایا۔ آور قسم بھی کھائی کہ ہرگز ان کو سچا نہ جانوں گا۔ اور جا بجا ان کی نافرمانی اور بے حکمی اور نہ سُننے ان کے کلام کو بیان کیا اور ان کے دیکھنے اور پہچاننے سے بیزار تھے۔ اور ان لوگوں کا سوائے ناخوش اور غمگین کرنے اور غصہ اور غضب دلانے بلکہ مسجد میں بحالت غیبت غیبت اور حقارت کرنے کے کچھ شیوہ نہ تھا۔ اور تمام شیعہ اُس وقت کے اس کام میں شریک تھے اور اس نکوہش اور نفریں میں داخل سوائے دو آدمیوں کے۔ پھر جب اُن لوگوں کا جو صدر اول اور قرن افضل اور بہتر ہیں ترکش اور گل سرسبد اس فرقے کے ہیں خود جناب امیرؑ کے وقت میں ایسا حال ہو تو وائی بر حال دیگراں۔

طبقۂ سوم۔ ان کا حال سُنو کہ ان کے اگلے بزرگوں سے یہ لوگ سید مجتبٰی سبط مصطفٰے جگر پارۂ زہرا امام حسنؑ کے بعد شہادت امیرؑ کے باعث ہوئے۔ چالیس ہزار آدمیوں نے اپنے مرنے پر ان کی بیعت کرکے معاویہؓ کی لڑائی پر ترغیب کی اور کوفے سے باہر نکالا اس نیت فاسد کہ ان کو ورطۂ ہلاک میں ڈالیں چنانچہ اثنائے راہ میں بابت طلب تنخواہ کے اُن کو آزردہ خاطر کیا۔ آور ہر طرح قولاً اور فعلاً بے ادبیاں عمل میں لائے۔ یہاں تک کہ مختار ثقفی جو اپنے آپ کو شیعہ خاص قرار دیتا تھا مصلٰے نماز کا قدم مبارک کے نیچے سے نکال لے گیا اور ایک لعین نے کلند پائے شریف پر مارا۔ آور جب نوبت مقابلے اور لڑائی کی پہونچی تو معاویہؓ کی طرف راغب ہو کر ان کی نصرت و رفاقت چھوڑ دی اور امام بحق سے غدر کرکے خسارہ دنیا اور آخرت کا جمع کیا۔ حالانکہ اپنے آپ کو خاص شیعوں ان امام اور ان کے والد عالی مقدار سے کہتے تھے آور بنیاد مذہب شیعہ کی ان سے پیدا ہوئی۔ آس جماعت کا حال سید مرتضٰے نے کتاب تنزیہ الانبیاء والائمہ میں اسی تفصیل سے ذکر کیا ہے اُس جگہ کہ جہاں عذر جناب امامؑ کا مصالحت معاویہؓ اور چھوڑنے خلافت پر راضی ہونے کا لکھا ہے۔ آور نیز کتاب الفصول امامیہ میں مسطور ہے کہ رئیس ان کے چھپے چھپے معاویہؓ سے خط کتابت رکھتے تھے اور اُن کو اس حرکت پر آمادہ کرتے اور دغا لکھتے تھے اور لکھتے تھے کہ خبردار جلدی کرو ہم امام کو تمہارے حوالے کئے دیتے ہیں اور چند خرمہرۂ ناپاک کے عوض رُوسیاہی دنیا اور آخرت کی خریدلے ہیں۔ بلکہ بعضوں کے دل میں خود امام سے ارادہ لڑنے کا تھا کہ جملہ فساد اور ارادے ان کے امام پر ثابت اور یقین کو پہنچے ہوتے تھے بمجبوری مصالحت اور خلافت چھوڑنے پر راضی ہوگئے اور چھوڑ دی۔ یہ ہے ترجمہ خلاصہ عبارت فصول کا کہ کتب معتبرۂ امامیہ سے ہے۔

طبقۂ چہارم۔ ان کے اگلے بزرگوں سے اکثر شیعہ کوفی ہیں جنھوں نے سبط رسول جگر گوشۂ بتول یعنی امام حسینؑ مقتول کے ساتھ کیا کیا کہ بڑی منت اور زاری کے ساتھ عرضیاں اور اخلاص نامے بھیجے آور پھر اُن کے ساتھ دغا کی۔ آول تو باعث ہوئے کہ حرم امن مکہ سے کوفہ کو تشریف لائیے۔ جب آپؑ قریب پہنچے اور نوبت مقابلہ

اور لڑائی دشمنوں اور امتحان صدق و اخلاص کی پہونچی سب چل دیئے باوجود کثرت دشمنوں کے ان کی مدد و نصرت سے بیٹھ رہے۔ بلکہ بعض ان میں سے بسبب خوف و طمع رفیق دشمنوں کے ہوکر باعث شہادت امام اور اُن کے رفیقوں کے ہوئے۔ یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے بچے اہلِ بیت کے پیاس پیاس کرکے مرگئے اور بیبیوں اور مستورات اہلِ بیت کو بیجا در بدر دربدر جہاں میں پھرایا۔ یہ سب باتیں اسی گروہ کی بیوفائی اور دغابازی سے ظہور میں آئیں۔

طبقہ پنجم۔ ان کے اگلے بزرگوں سے وہ لوگ ہیں کہ جب عراق اور اُس کے اور شہروں پر تسلّط مختار کا ہوا یہ لوگ امام زین العابدینؓ سے پھر گئے اور مختار کی موافقت سے کلمہ محمد بن حنفیہ کا پڑھنے لگے۔ اُن کو اپنا امام جانتے تھے حالانکہ وہ نسلِ رسولؐ سے نہ تھے نہ اُن کی امامت کی کوئی وجہ تھی۔ چنانچہ حال اس فرقہ کا سابق مفصّل مذکور ہوا۔ آخر یہ کہ اس دائرے سے بھی نکل کر نبوت مختار اور نزول وحی پر مختار کی قائل ہوئے۔

طبقہ ششم۔ شیعہ کے اگلے بزرگوں سے وہ گزرے ہیں کہ اوّل حضرت زیدؓ کے خروج پر باعث ہوئے ان کے رفیق بنے جب نوبت لڑائی کی پہنچی تو ان کی امامت سے انکار کرکے اس حیلے سے کہ وہ خلفاء ثلثہؓ پر تبرّا نہیں کرتے چھوڑ کر کوفہ میں گھس رہے اور اُن امام زادہ مظلوم کو دشمنوں کے پنجے میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ شہید ہوگئے اور واقعہ حضرت امام حسینؓ کا نئے سرے سے تازہ ہوگیا۔ بالفرض اگر یہ امام نہ تھے امام زادے تو تھے اور اگر خلفائے ثلثہؓ سے تبرّا نہیں کرتے تھے تو کیا قصور تھا۔ سابق کلام فاضل کاشی میں ائمہ عظامؒ سے روایاتِ صحیحہ گزرے ہیں کہ بُرا کہنا خلفاءؓ کا واسطے نجات و دخول جنّت کے ضروری نہیں ہے۔ اور اگر وہ مقرّ امامت محمد بن حنفیہ کے نہ تھے اپنے کو امام کہتے تھے تاہم دائرۂ ایمان سے خارج نہ تھے کہ انہی روایتوں سے سمجھا جاتا ہے۔ بایں ہمہ آخر مظلوم جب تھے پنجۂ نواصب میں کہ دشمن تمامی اہل بیت کے ہیں گرفتار اور مدد مظلوم کی اگرچہ کافر ہو خصوص قابو میں کافروں کے درصورت قدرت فرض قطعی ہے۔

طبقہ ہفتم۔ اور ان کے اسلاف سے وہ لوگ ہیں کہ دعوای صحبت اور شاگردی اماموں کا کرتے تھے اور امام ان کو کافر اور جھوٹا بتلاتے تھے۔ اگر اس گروہ کو نام بنام مع اُن کے جو اماموں نے ان کے حق میں فرمایا ہے کتب امامیہ سے ہم لکھیں تو ایک دفتر طویل اور کتاب دراز ہونا چاہیئے لیکن بحکم مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ (یعنی جس چیز کو بالکل نہ حاصل کرسکے تو اُس کو بالکل چھوڑ بھی نہ دے) بعض فضائل اور مناقب ان بزرگوں کے اور بعض عقائد ان کے ضروری اور واجب جان کر کچھ خدمت ان کی کیجاتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ مدار شیعہ پر خصوصاً مذہب امامیہ کا اُس جماعت پر ہے جو حق تعالیٰ کو جسم ذی ابعاد ثلثہ اعتقاد کرتے تھے۔ جیسے ہشامین اور شیطان الطاق اور میثمی کہ یہ عقیدہ ان کا کافی کلینی میں مذکور ہے کسی کو مجال انکار کی نہیں۔ اور ایک گروہ صورت بھی خدا تعالیٰ کی ثابت کرتے تھے۔ جیسے ہشام بن حکم اور شیطان الطاق۔

ایک گروہ ناف تک خالی اور کاواک اور نیچے ناف کے بھرا ہوا اور موٹا اعتقاد کرتے ہیں مثل ہشام بن سالم اور میثمی۔ بعض ان سے حق تعالیٰ کو ازل میں جاہل جانتے تھے مثل زرارہ بن اعین اور بکیر بن اعین اور سلیمان جعفری اور محمد بن مسلم طحان وغیرہم۔ اور اکثر ان کے مکان و جہت بھی ثابت کرتے ہیں۔ بعض پیشوا ان کے جیسے دیک الجن شاعر وغیرہ کہ محض بے دین ہوئے ہیں ذرا اعتقاد صانع اور انبیاء۔ اور بعث اور عقبیٰ پر نہیں رکھتے تھے۔ بعض نصرانی ہوئے ہیں کہ ہرگز تغیر نہ اُن کے لباس میں ہوتی نہ انھوں نے کبھی صحبت اور معاشرت اپنے قوم کی ترک کی، اُنہی میں ملے جلے رہتے تھے مثل زکریا بن ابراہیم نصرانی کہ شیخ الطائفہ یعنی سرگروہ ابو جعفر طوسی نے تہذیب میں اُس سے روایت کی ہے۔ ایک جماعت ان کے اسلاف سے گزرے ہیں کہ حضرت صادقؓ نے ان کے حق میں فرمایا ہے یَرْوِیْ عَنَّا الْاَكَاذِيْبَ وَيَفْتَرِیْ عَلَيْنَا اَهْلَ الْبَيْتِ۔ (روایت کرتے ہیں ہم سے جھوٹی باتیں اور افترا کرتے ہیں ہم سب اہل بیت پر) جیسے بنان ہے جس کی کنیت ابواحمد ہے۔ ایک جماعت گزرے ہیں کہ ان کے عقائد سے لوگوں کو حضرات ائمہؓ نے بہت ڈرایا ہے۔ اور راوی حدیثوں اور ناقل آثاروں کے حضرات ائمہؓ سے امامیہ کے نزدیک یہی لوگ ہیں۔

رَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْخَزَّازِ وَمُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَا دَخَلْنَا عَلٰى اَبِی الْحَسَنِ الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقُلْنَا اِنَّ هِشَامَ بْنَ سَالِمٍ وَالْمِيْثَمِیَّ وَصَاحِبَ الطَّاقِ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَجْوَفُ اِلَى السُّرَّةِ وَالْبَاقِیْ مُصْمَتٌ فَخَرَّ لِلّٰهِ سَاجِدًا ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا عَرَفُوْكَ وَلَا وَحَّدُوْكَ فَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ وَصَفُوْكَ۔

روایت کی کلینی نے ابراہیم بن محمد بن خزاز اور محمد بن حسین سے کہ ان دونوں نے کہا ہم گئے ابی حسن رضا علیہ السلام کے پاس پھر کہا ہم نے تحقیق ہشام بن سالم اور میثمی اور صاحب الطاق کہتے ہیں بے شک خدا تعالیٰ خالی ہے ناف تک اور باقی ٹھوس ہے، سو گر پڑے وہ سامنے خدا کے سجدے میں پھر کہا تو پاک ہے نہ تجھ کو اُنھوں نے پہچانا نہ واحد جانا تجھ کو اس سبب سے ایسا بیان کرتے ہیں تجھ کو۔

اور اسی جماعت بد کے حق میں اور زرارہ بن اعین کے بھی حضرت صادقؓ نے بددعاء فرمائی ہے اور کہا اَخْزَاهُمُ اللّٰهُ (کہ رسوا کرے ان کو خدا تعالیٰ) ذکر اس کا اپنے مقام پر آئیگا انشاء اللہ تعالےٰ۔

اور نیز رَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ عَلِیِّ بْنِ حَمْزَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ الْحَكَمِ يَرْوِیْ عَنْكُمْ اَنَّ اللّٰهَ جِسْمٌ صَمَدِیٌّ نُوْرِیٌّ مَعْرِفَتُهٗ ضَرُوْرِيَّةٌ يَمُنُّ

روایت کی کلینی نے علی بن حمزہ سے کہا پوچھا میں نے ابی عبد اللہ علیہ السلام سے کہ سنا میں نے ہشام بن حکم سے کہ روایت کرتا ہے وہ تم سے یہ کہ بیشک اللہ ایک جسم ٹھوس نوری ہے، پہچاننا اُس کا ضروری ہے احسان کرتا ہے

مِنْهُمَا عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَقَالَ سُبْحٰنَ مَنْ لَا يَعْلَمُ اَحَدٌ كَيْفَ هُوَ اِلَّا لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ لَا يُحَدُّ وَلَا يُحَسُّ وَلَا يُحِيْطُ بِهٖ شَيْءٌ وَلَا جِسْمٌ وَلَا صُوْرَةٌ وَلَا تَخْطِيْطَ وَلَا تَحْدِيْدَ۔

اُس سے جس کسی پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے۔ پس جواب دیا انھوں نے پاک ہے وہ کہ نہیں جانتا ہے کوئی کیسا ہے وہ مگر وہی خوب جانتا ہے، نہیں ہے مثل اُس کے کوئی شی اور وہ سب سنتا دیکھتا، نہ حد کیا گیا ہے، نہ حس کیا گیا، نہ احاطہ کر سکتی ہے اُس کو کوئی چیز، نہ جسم ہے نہ صورت ہے، نہ کسی کے احاطہ کرنے کو اُس میں کچھ دخل ہے نہ کسی کے محدود کرنے کو۔

اور ایک جماعت ان سے ناؤسیہ ہیں کہ منکر موت حضرت صادقؓ کے ہیں اور ان کو مہدی موعود اعتقاد کرتے ہیں باقی ائمہؑ کی امامت کا ان کو انکار ہے۔

اور اکثر راوی ان کے واقفیہ ہیں۔ جابجا اسماء الرجال ان کے یعنی مردوں کے نام جو دیکھے گئے تو یہی پایا گیا كَانَ فُلَانٌ مِنَ الْوَاقِفِيَّةِ یہ دونوں فرقے کتنے ائمہؑ اور تعین اشخاص کے منکر ہیں۔ یعنی جیسے دوازدہ امام نام بنام کرکے نامزد ہیں ان کے نزدیک یہ بات نہیں جیسا کہ باب اوّل میں گزرا۔ اب خیال کرو شیعوں کو کہ منکر امامت کا ان کے نزدیک منکر نبوت کا ہے باوجود ان کے انکار کے بے دھڑک ان دونوں فرقوں سے بہت روایتیں اپنے صحاح میں لاتے ہیں۔ حالانکہ دونوں فرقوں نے مذہب اپنا بھی انہی حضرات سے روایت کیا ہے۔ پس جھوٹ ان کا صریح ثابت ہوا۔

ایک گروہ نے ان کے اسلاف سے امامِ وقت ہی کو نہ جانا۔ تمام عمر فکر و حیرت میں تیر کی۔ اور اس وعید میں داخل ہوئے، مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (یعنی جو کوئی مرا اور اُس نے اپنے امامِ وقت کو نہ پہچانا تو وہ مرا مرنا جاہلیت کا) مثل حسن بن سماعہ و ابن فضال اور عمرو بن سعید وغیرہم کہ ان کے اخبار کے راوی تھے۔

اور جارودیہ سے بھی کتبِ صحیحہ میں ان کی روایتیں موجود ہیں۔ حالانکہ مذہب جارودیہ بھی معلوم۔ ایک جماعت ہے ان کے پیشوایوں سے کہ انھوں نے جھوٹ اختراع کیا ہے اور اُس پر مُصر رہے ہیں مثل ابی عمرو ابن فرقد البصری۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ حضرت صادقؓ نے اُن کو اپنی مجلس سے نکال دیا اور ہرگز اجازت اپنے پاس آنے کی نہ دی، مثل ابن مُسکان۔ ان میں سے بعض نے اپنے جھوٹ کا اقرار کیا ہے مثل ابو بصیر۔ ان میں سے بعض بلا تیہ غالیہ ہیں کہ جمہور شیعہ کے نزدیک ایسا بدا باطل ہے مثل دارم بن حکم اور زیاد بن صلت اور ابن ہلال جہمی اور زرارہ بن سالم۔ بعض راویوں نے ان کے بعض کی تکذیب کی ہے روایتوں میں، جیسے ہشامین اور صاحب طاق اور میثمی کہ ایک دوسرے کو جھوٹا ٹھہراتے ہیں۔ اور ان کے راویوں اخبار اور آثار سے ابن عیاش ہے کہ خود اُس کو اپنے رجال میں کذّاب لکھتے ہیں۔ اور اماموں سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے

اس کو جھوٹا بتایا ہے۔ اور ابن بابویہ کہ صاحبِ رقعہ مزوّرہ کا متقدمین سے ہے یعنی فریب اور جعل کے رقعے مہدی کے بناتا تھا۔ اور شریف مرتضیٰ متاخرین میں سے یہ بھی نشانی و یادگار مسیلمہ کذّاب کا ہے۔

اب یہ دعوے ان کے جو مذکور ہوئے باب آئندہ میں دلائل ان کے ان کی کُتبِ معتبرہ سے نقل کئے جائیں گے جس سے ان کے علماء جو ترکیب اپنے اسماء الرجال اور احوال بزرگوں سے واقف اور مُطلع ہیں ان دعووں سے انکار نہ کر سکیں۔ ہاں اگر کوئی جاہل ناواقف کچھ تردّد کرے اُس سے کیا شکایت ؛ سو باب آئندہ میں اُس کا تردّد بھی جاتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس جگہ ایک نکتہ ہے نہایت عمدہ جس کو بکمال غور سُننا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ سارے فرقے شیعوں کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اہلِ بیت سے علم حاصل کیا ہے اور ہر ایک اپنا لگاؤ کسی امام یا امام زادے سے کرتے ہیں۔ اور اصول اور فروع اپنے مذہب کو انہی سے نسبت دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ بعض فرقے انہی میں سے اپنے بعض فرقوں کو جھوٹا اور گمراہ اور کافر بتلاتے ہیں اصول عقائد میں۔ خصوصاً امامت میں ظاہر اور صریح مخالف اور مناقض ایک دوسرے کے ہیں۔ پس یہ نقض و خلاف ان کا عاقل کے واسطے دلیل کافی ان سب فرقوں کی دروغ گوئی پر ہے سب جھوٹے ہیں۔ اس لئے کہ اس قدر تمہیدیں مختلف اور روایتیں متناقض ایک گھر سے نہیں اٹھ سکتی ہیں اور اگر اٹھیں تو ضرور کہا جائے گا کہ بعض لوگ اس گھر کے کذّاب دروغ گو گمراہ کنندہ خلق اللہ کے ہیں جو ایسی مختلف باتیں نکالتے ہیں سو اُن کی کذّابی دروغ گوئی کو نص قرآنی باطل کر رہی ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (یعنی تحقیق ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ کھو دے تم سے بُرائی کو اے اہل البیت اور ایسا پاک کر دے تم کو جو پاک کر دینے کا حق ہے) سوائے اس نص کے یوں بھی حال بزرگانِ اہل بیت خصوصاً ائمہؑ کا تاریخوں سے یقیناً معلوم ہے کہ بہترین بندگانِ خدا اور حق پرست اور تابع دین و آئین اپنے جد کے رہے ہیں۔ بھلا ان سے کیسے ہو سکتا ہے کہ جھوٹ بولیں اور ریاست کے خاطر لوگوں کو فریب دیں۔ پس معلوم ہوا کہ اہلِ بیت ان روایتوں اور حکایتوں سے بَری اور بے خبر ہیں۔ ان فرقوں نے بالا بالا یہ مختلف روایتیں اپنے مذہب کی بنالی ہیں۔ کچھ اصل ان کی نہیں ہے کقولہ تعالیٰ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (اگر نازل ہوتا قرآن سوائے خدا کے غیر کے پاس سے ضرور پاتے وہ اس میں بہت سے اختلاف) لاجرم اختلافِ روایات دلیل ہے غیر اہلِ بیت پر۔ اور اہلِ سنت میں جو اختلاف ہے اوّل تو اختلاف اجتہادی ہے کہ اہلِ سنت زمانہ صحابہؓ سے زمانہ چاروں اماموں تک سب کو مجتہد جانتے ہیں اور مجتہد اپنی رائے پر عمل کرتا ہے کہ یہ اختلاف ذاتی و پیدائشی نوعِ انسان سے ہے نہ کہ اختلافِ روایت کہ جھوٹ اور بناوٹ پر گواہی دے۔ دوسرے یہ کہ اختلاف اہل سنت کا بالکل فروع فقہ میں ہے نہ کہ اصول عقائد میں۔ اور جو اختلاف کہ فروع کا بسبب اجتہاد کے ہے دلیل بطلانِ مذہب نہیں ہو سکتا۔

جیسے کہ مجتہدین امامیہ نے بھی اپنے فقہی مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ مثلاً کوئی شراب کو پاک کوئی ناپاک بتاتے ہیں، کوئی گلاب سے وضو تجویز کرتے ہیں کوئی نہیں کرتے۔

اب ہم وہ بیان کرتے ہیں کہ جو اختلاف اہل بیت میں ہے جن سے اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اور جن کو ماخذ اپنے علوم کا بتاتے ہیں پس اس کو سُننا چاہیے۔ ہرچند کہ باب اوّل میں یہ بحث بطریقِ اجمال گزری تاہم تفصیل کا اور ہی رنگ ہوتا ہے۔

غلاۃ کہ سرگروہ جملہ فرقوں کے ہیں دراصل سب شاگرد عبداللہ بن سبا کے ہیں کہ یہ اپنے آپ کو شاگرد مخلص اور محرم باختصاص حضرت امیرؓ کا جانتا تھا۔ مختاریہ اور کیسانیہ حضرت امیرؓ اور حسنینؓ اور محمد بن علی اور ابو ہاشم ابن محمد بن علی سے مذہب اپنا روایت کرتے ہیں۔ زیدیہ حضرت امیرؓ اور حسنینؓ اور امام زین العابدینؓ اور زید بن علیؓ بن حسین اور یحییٰ بن زیدؓ سے باقریہ پانچ آدمیوں سے یعنے حضرت امیرؓ سے تا امام باقرؒ۔ ناؤسیہ چھ آدمیوں یہ پانچوں مذکور اور حضرت جعفر صادقؓ سے۔ مبارکیہ سات آدمیوں سے چھ یہ ساتویں اسمٰعیل بن جعفر سے۔ قرامطہ آٹھ آدمیوں سے سات یہ آٹھویں محمد بن اسمٰعیل سے۔ شمیطیہ بارہ آدمیوں سے آٹھ مذکور اور محمد بن جعفر اور موسیٰ ابن جعفر اور عبداللہ بن جعفر اور اسحاق بن جعفر چار یہ۔ مہدویہ بائیس آدمیوں سے کہ نام اُن کے باب اوّل میں مذکور ہوئے بلکہ یہ تمامی بادشاہوں مصر و مغرب کو کہ نسل مہدی سے گزرے ہیں امام جانتے ہیں۔ اور ان کے علم و عصمت کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان سب میں محیط ہے جیسا کہ ابو محمد بن نجم الدین عمارہ بن علی زید المذحجی شاعر مشہور اپنے قصیدۂ میمیہ مدح میں فائز بن ظافر اور اُس کے وزیر کہ صالح بن رزیک تھا کہتا ہے۔ بیت:

اَقْسَمْتُ بِالْفَائِزِ الْمَعْصُوْمِ مُعْتَقِدًا || فَوْزَ النَّجَاةِ وَاَجْرِ الْبِرِّ فِي الْقَسَمِ

یعنی قسم کھاتا ہوں میں فائز معصوم کی درحالیکہ اعتقاد || رکھتا ہوں کامیابی اور اجر راستی کا قسم میں۔

اور یہ بادشاہ بھی اپنے آپ کو معصوم اور عالم علم غیب اور علوم غریبہ کیمیا و سیمیا کا کہتے تھے۔ چنانچہ تاریخیں مصر و مغرب کی اس پر گواہ ہیں۔ نزاریہ اٹھارہ آدمیوں سے اول ان کے حضرت امیرؓ اور آخر ان کا مستنصر باللہ امامیہ اثنا عشریہ بارہ آدمیوں سے کہ اوّل ان کے حضرت امیرؓ ہیں اور آخر امام مہدیؓ۔

اب خیال کرو مثلاً اگر امامیہ کے اعتقاد کی باتیں کچھ اصل اور وجود رکھتی ہوتیں تو حضرت زیدؓ بن علی ان کے رؤس الاشہاد لحول کو ایسی شدت و غضب سے کیوں اپنی مجلس سے نکال دیتے اور اُس کے اقوال پر انکار فرماتے۔ پس ایسا ہی دوسرے فرقوں کے اعتقادی باتوں کو سمجھنا چاہیے۔ اور اس بات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہرچند ان سب فرقوں نے کتابیں اپنے واسطے بنائی ہیں اور دفتر ترتیب دیئے ہیں۔ اور ان میں عالم اور فاضل گزرے ہیں بڑے تحریر و تقریر والے۔ لیکن اس ملک میں سوائے کتب امامیہ کے اوروں کی کتابیں نہیں ہیں نہ پائی

جاتی ہیں۔ اور رجال ان کے علماء کا علماء امامیہ کا سا جاننا چاہیے اور رجال علمائے امامیہ اور ان کے راویوں کا سابق مذکور ہوا کہ ان میں سے بعض مرتکب کبیرہ کے ہوئے ہیں جن کی شکایت حضرت امیرؓ فرماتے تھے۔ بعض فاسد المذہب اور بددیانت اور مجسمہ اور مشبہہ۔ بعض مجاہیل و ضعفاء۔ بعض کذابین اور واضعین۔ بعض وہ لوگ کہ خود اُن کی جرح اور تعدیل میں یہ لوگ مختلف ہیں۔ اور دونوں طرفوں سے کوئی طرف ان کی مرجح نہ ہوئی۔ بعض راوی خطوط اور رُقعات کے جو اصلاً قابل اعتماد نہیں۔ اس لئے کہ اپنے خط اور کے خط کی طرح کر لینا ایک سہل بات ہے کچھ مشکل نہیں خصوصاً خط امام غائب کا جس کو اب تک نہ کسی نے دیکھا نہ پہچانا۔ بعض راوی ان کے رُقعے میں مسئلے لکھتے تھے رات کو کسی درخت کے سوراخ میں رکھ آتے تھے صبح کو وہ رقعہ شیعوں کے پاس لاتے تھے کہ اُسی رقعے کی سطروں کے درمیان میں جواب اُس مسئلے کا لکھا ہوتا تھا۔ اُس کو خط امام کا بتلاتے اور سب امامیہ اُس کو یقین کر لیتے۔

اب ہم ان کے علماء اور کتابوں ہر فرقے کا جس کا لکھنا اس رسالے میں اہم و ضروریات سے ہے لکھتے ہیں تاکہ وقت نقل کے کسی کتاب یا کسی عالم سے سامع کو شبہ نہ پڑے کہ یہ کتاب یا عالم کونسے فرقے کا ہے شیعہ کے نزدیک اس کا کیا رُتبہ ہے۔ آیا باتیں روایتیں اس کی معتبر جانتے ہیں یا نہیں۔

منجملہ ان کے غلاۃ۔ عالِم اوّل ان کا عبداللہ بن سبا اس کے بعد ابو کامل اور بنان اور مغیرہ عجلی ان دونوں کو حضرت صادقؓ نے نفرین فرمائی اور جھوٹا ٹھہرایا ہے اور فرمایا اَنَّھُمَا یَفْتَرِیَانِ عَلَیْنَا اَھْلَ الْبَیْتِ وَیَرْوِیَانِ عَنَّا الْاَکَاذِیْبَ (معنے اس کے اُوپر گزرے)۔ اور نصیر اور اسحاق اور علیا اور زرام اور مفضل صیرفی اور سریع اور بزیغ اور محمد بن یعفور وغیرہم۔ مقالات ان کے سب مزخرفات نہ قابل کہنے کے نہ لائق سُننے کے۔

کیسانیہ۔ ان کا اعلم علماء کیسان ہے کہ اپنے کو شاگرد محمد بن علی کا کہتا تھا اس کے بعد ابو کریب ضریر اور اسحاق بن عمر اور عبداللہ بن حرب وغیرہم۔

زیدیہ۔ ان کا سب سے بڑھ کر عالم یحییٰ بن زید اور اور دیگر یار زید بن علی کے۔ یہ حضرت امیرؓ اور سبطینؓ اور سجادؓ اور زید شہیدؓ سے بہت روایتیں کرتے ہیں۔ اور ایک ان کے اماموں سے ناصر ہے کہ مذہب اُس کا مشہور ہے۔ کہتا ہے کہ پاؤں کو دھوئے بھی اور مسح بھی کرے۔ ایک اجل علماء سے ان کے آدی ہے جس نے بعد نشہ کے اس مذہب کو رواج دیا۔ اُس کا بیٹا مرتضےٰ بھی اس فرقے میں عالم گزرا ہے۔ یہ دونوں سادات حسینیہ سے تھے اپنے آپ کو زیدیہ خالص کہتے تھے۔ اس لئے کہ زیدیہ غیر خالص دوسرے گروہ والے ہیں وہ اپنے کو زیدیہ ہی کہتے ہیں۔ ان اور اُن کے مذہب میں فرق ہے۔ ان کے علماء۔ جارود بن احمد بن محمد بن سعید سبیعی ہمدانی اور ابن عقدہ اور سلیمان اور تبر تومی اور خلف بن عبدالصمد اور نعیم بن الیمان اور یعقوب اور حسین بن صالح اور اخطب خوارزمی صاحب مناقب جناب حضرت امیرؓ کہ یہ بھی زیدیہ سے ہے۔ ایسے ہی صاحب عقائد لاکیاس۔ اکثر زیدیہ سوائے زیدیہ

خالص کے اصول میں تابع معتزلہ کے ہیں مگر مسائل معدودہ مثل امامت اور صاحب الکبیرہ کا فر نعمت فاسق اور فروع میں تابع ابو حنیفہؒ کے۔ اور بعض تابع شافعی کے لیکن بعض مسائل مثل انکار مسح خفین۔

اسمٰعیلیہ۔ علماء ان کے مبارک اور عبداللہ بن میمون قداح اور غیاث صاحب کتاب البیان اور محمد بن علی برقعی اور مقنع۔

مہدویہ کہ یہ بھی ایک شیعہ اسمٰعیلیہ کے ہیں۔ اوّل میں کتابیں اور عالم ان میں نہ تھے۔ اس لئے کہ محمد بن عبداللہ الملقب بمہدی کے جو رئیس ان کا تھا اکثر اہل حجاز اور مصر اور عراق اور شام اس کے دعوٰی شرافت اور سیادت میں تکذیب کرتے تھے۔ اور اس کے سوا اجلاف اور شورپشتوں اور سپاہی پیشوں کے اور کوئی ماننے والے نہ تھے۔ حتیٰ کہ اس کی اولاد سے عزیز نامی جو خلافت کو پہنچا تھا جمعہ کے روز منبر پہ خطبہ پڑھنے کو چڑھا وہاں ایک رقعہ پایا جس میں یہ بیتیں لکھی تھیں۔ ابیات

إِنَّا سَمِعْنَا نَسَبًا مُنْكَرًا ۔۔۔ يُتْلَى عَلَى الْمِنْبَرِ فِي الْجَامِعِ
ہم نے سُنا ہے ایک نسب غیر مشہور ۔۔۔ جو پڑھا جاتا ہے مسجد جامع میں

إِنْ كُنْتَ فِيمَا تَدَّعِي صَادِقًا ۔۔۔ فَاذْكُرْ أَبًا بَعْدَ الْأَبِ الرَّابِعِ
اگر تُو جو کچھ کہ پڑھتا ہے اُس میں سچا ہے تو ۔۔۔ ذکر کر باپ کا بعد چوتھے باپ کے یعنی پانچویں پُشت اپنی بتا

إِنْ تُرِدْ تَحْقِيقَ مَا قُلْتَهُ ۔۔۔ فَانْسُبْ لَنَا نَفْسَكَ كَالطَّالِعِ
اور اگر چاہتا ہے تو ثبوت اُس بات کا جو کچھ کہتا ہے تو اُس کو ۔۔۔ تو نسبت بیان کر ہمارے سامنے اپنی مثل آفتاب کے

أَوْ لَا دَعِ الْأَنْسَابَ مَسْتُورَةً ۔۔۔ وَادْخُلْ بِنَا فِي النَّسَبِ الْوَاسِعِ
یا نہ چھوڑ نسبوں کو پردے میں ۔۔۔ اور داخل ہو ہمارے ساتھ نسب کشادہ میں

فَإِنَّ أَنْسَابَ بَنِي هَاشِمٍ ۔۔۔ يَقْصُرُ عَنْهَا طَمَعُ الطَّامِعِ
پس تحقیق نسب بنی ہاشم کے کوتاہ ہیں ۔۔۔ اس سے کہ طمع کسی طامع کی اُن کو پہنچے۔

کالطالع میں لفظ طالع کا جو مذکور کیا ہے اس واسطے ہے کہ طائع باللہ خلفائے عباسی سے تھا اُس کے ایام خلافت میں یہ قصہ ہوا تھا۔ اور نسب طائع باللہ کا بغداد اور دیگر بلاد اسلام میں ایسا مشہور ہے جیسے پہر دن چڑھے کا آفتاب۔ اور جو اُس کے پدر چہارم میں بحث کرکے کہا فاذکر ابا بعد الاب الرابع اس سبب سے ہے کہ پدر چہارم اُس کا پدر مہدی ہے عبیداللہ بن عبداللہ اور اسی نسبت سے ان کو عبیدیین کہتے ہیں۔ جب مہدی کو دعوٰی مہدی پن کا پیدا ہوا اور یہ دعوٰی بے موافقت اس کے کہ اپنے باپ کے نام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پدر بزرگوار کے نام سے موافق نہ کرے جب تک ہو نہیں سکتا تھا اس واسطے اس نے اپنے باپ کو دادا اور دادا کو باپ

ٹھہرایا اور اس طور سے نسب اپنا بیان کرتا تھا محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ بن قاسم بن احمد بن محمد بن اسمٰعیل ابن جعفر صادق۔ بعد اس کے جب تسلّط ان کا دیار مصر و مغرب میں مستحکم ہو گیا اور مدت ہو گئی بہت لوگ مال و مناصب کی طمع سے اس کے مذہب میں داخل ہوئے پھر علماء اور فضلاء اور ادباء بھی پیدا ہوئے۔ سردار ان کے علماء کا ابو الحسن علی بن نعمان ہے اور ابو عبداللہ محمد بن نعمان کہ زمانہ معز اور عزیز میں گزرے ہیں۔ اور ابو القاسم عبدالعزیز اور حاکم اور عامر بن عبداللہ داعی اور علی بن محمد بن علی صلیحی مستنصر کے وقت میں۔

اور منجملہ اُن لوگوں کے جو بطمع مال و مرتبہ ان کے مذہب میں داخل ہوئے فقیہ عمارہ یمنی ہے کہ سلطنت عبیدیین میں مثل اس کے پیدا نہ ہوا۔ یہ ایک شخص بڑا علم اور فضل والا تھا۔ جب یہ اس مذہب میں آیا تو ایک جماعت کثیر اس کی شاگردوں اور توابع سے گمراہ ہو گئی اور مثل مشہور صادق آئی۔ ابیات

إِنَّ الْفَقِيهَ إِذَا غَوَى وَأَطَاعَهُ ۔۔۔ قَوْمٌ غَوَوْا مَعَهُ فَضَاعَ وَضِيعَا
تحقیق عالم جب گمراہ ہوتا ہے اور اطاعت بے راہی کی کرتا ہے تو ۔۔۔ ایک قوم کی قوم اُس کے ساتھ بے راہ ہو جاتی ہے پس اپنے کو بھی کھوتا ہے

مِثْلَ السَّفِينَةِ إِذْ هَوَتْ فِي لُجَّةٍ ۔۔۔ غَرِقَتْ وَتُغْرِقُ مَا هُنَاكَ جَمِيعَا
جیسے کشتی کہ جب پانی میں بیٹھتی ہے تو خود بھی ڈوبتی ہے ۔۔۔ اور جو اُس میں ہوتے ہیں اُن سب کو بھی ڈبوتی ہے۔

اور اولاد مہدی مذکور سے بھی بعض علماء ہوتے ہیں جیسے عزیز باللہ کہ ادیب اور فاضل اور شاعر تھا اور معز اور حاکم بن معز سوائے ان کے اکثر نے ان کے لوگوں سے دعوٰی علم غیب کا کیا ہے۔ خصوصاً حاکم کہتا تھا کہ طُور میں میرے ساتھ مناجات اور مکالمہ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ سے ہوا تھا اس سبب سے بار بار طُور پر جاتا تھا۔ اور علم کیمیا بھی جانتا تھا۔ تعویذ الحاکم فنِ کیمیا میں مشہور ہے۔ کتاب الہیاکل اُس کی مشہور کتابوں سے ہے۔ الحاصل اچھے لوگ ان کے ہمہ دانی اور غیب شناسی میں مورخین کی زبان پر مذکور اور کتب تواریخ میں مسطور ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک دن عزیز منبر پر چڑھا وہاں ایک کاغذ دیکھا اُس میں یہ قطعہ مرقوم تھا۔ قطعہ

بِالظُّلْمِ وَالْجَوْرِ قَدْ رَضِينَا ۔۔۔ وَلَيْسَ بِالْكُفْرِ وَالْحَمَاقَةِ
ظلم و جور پر ہم راضی ہو گئے ۔۔۔ لیکن کفر اور حماقت پر ہم راضی نہیں

إِنْ كُنْتَ أُعْطِيتَ عِلْمَ غَيْبٍ ۔۔۔ فَقُلْ لَنَا كَاتِبَ الْبِطَاقَةِ
اگر تو ایسا ہے کہ تجھ کو علم غیب دیا گیا ہے ۔۔۔ تو بتا ہم کو لکھنے والا اس پرچے کا!

اور یہ حاکم ان لوگوں سے رفض میں بھی بہت بڑھا ہوا تھا۔ چند لوگ خفیہ اس نے بھیجے تھے کہ جسم شیخینؓ کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب سے نکال ڈالیں۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ میں پہنچے تو ایک علوی کو جس کا گھر قریب مسجد اور روضہ مطہرہ کے تھا فریب دے کر وہاں مقیم ہوئے۔ رات کو نقب لگانے اور کھودنے میں مشغول ہوتے

تھے یہاں تک کہ نقب قریب جسد مبارک کے پہنچا۔ ناگاہ مدینے میں تاریکی عظیم پیدا ہوئی اور ایک غبار سخت اُٹھا اور آندھی چلنا اور بجلی چمکنا شروع ہوئی یہاں تک کہ لوگوں کو اپنے ہلاکت کا یقین ہوا نجات و خلاص سے مایوسی ہوئی۔ ناچار اُس علوی اور اُس کے کُنبے والوں نے امیر مدینہ کو ان کی کارپردازی سے خبر دی۔ پس امیر نے اُن کو پکڑ کر قتل کیا۔ فی الفور وہ تاریکی اور بجلیاں ٹھہر گئیں۔ جیساکہ اس کو قاضی فاضل ابو عبداللہ منصوؔ سمنانی نے کتاب استنصار میں ذکر کیاہے۔

نزاریہ۔ ان کے علماء میں سب سے بڑھ کر حسن صباح حمیری تھا۔ بعد اُس کے ابوالحسن سلیمان بن محمد جس کا لقب راشدالدین ہے صاحب قلاعِ اسمٰعیلیہ۔ یہ شخص شاعر اور ادیب اور فاضل تھا۔ فنِ انشاء میں اس کے رسالے بدیع ہیں۔ اُن میں سے ایک نامہ اُس کا یہ ہے جو سُلطان نورالدین محمود بن سُلطان علاء الدین شہید زنگی بادشاہ شام وحلب کو جواب نامہ سلطان میں لکھا تھا۔ اُس وقت کہ صلاح الدین بن ایوب نے سلطان کی طرف سے مصر کو فتح کیا تھا اور عبیدیوں کے چنگل سے نکالا تھا۔ اور سلطان نے اسی راشد الدین کو کہ اپنے کو باقی عبیدیوں سے کہتا تھا تہدیداً نامہ لکھا تھا۔ میں اس کے ہر بیت کا ترجمہ ہر بیت کے ساتھ لکھوں۔ ایسے ہی ہر فقرے کا فقرے کے ساتھ۔ ابیات

يَا لِلرِّجَالِ لِأَمْرٍ هَالَ مُفْظِعُهُ
وَمَا مَرَّ كَظْ عَلَى سَمْعِي تَوَقُّعُهُ
يَا ذَا الَّذِي بِقِرَاعِ السَّيْفِ هَدَّدَنَا
لَا قَامَ قَائِمُ جَنْبِي حِينَ تَصْرَعُهُ
قَامَ الْحَمَامُ إِلَى بَازِي يُهَدِّدُهُ
وَتَمَرَّتْ لِصِرَاعِ الْأُسْدِ أَضْبُعُهُ
أَضْحَى يَسُدُّ فَمَ الْأَفْعَى بِإِصْبَعِهِ
يَكْفِيهِ مَاذَا يُلَاقِي مِنْهُ أَصْبُعُهُ

فریاد اے لوگو اُس کام سے کہ ہولناک ہے خطر
اُس کا نہیں گزرا ہے ہرگز میرے کان پر پڑنا اُس کا
اے وہ شخص کہ ضربِ شمشیر سے ہم کو دھمکاتا ہے
کھڑا مت ہیو برابر میرے جس وقت کہ تو اس کو ڈالے
کھڑا ہوا کبوتر باز کے ساتھ اور دھمکاتا ہے اُس کو
اور دامن چڑھایا واسطے کشتی شیر کفتاروں نے
صبح ہوئی اور حال یہ کہ بند کرتاہے دہن اژدہا کو اپنی انگلی
یاد کرتاہے اُس کو کیسے ملاقات کرتی ہیں اُس سے انگلیاں اس کی

(یہاں تک شعر ہیں)۔

قَفَى بِتَفْصِيلِهِ وَجُمْلِهِ وَأَعْلَمَنَا مَا هَدَّدَنَا بِهِ مِنْ قَوْلِهِ وَفِعْلِهِ۔

حکم کیا اپنی تفصیل کے ساتھ اور اجمال کے ساتھ اور جتایا ہم کو جو کچھ تہدید کی ہم کو اپنے قول اور فعل سے۔

فَبِاللهِ أَتَعَجَّبُ مِنْ ذُبَابَةٍ تَطِنُّ بِأُذُنِ فِيلٍ وَبَعُوضَةٍ تُعَدُّ فِي التَّمَاثِيلِ۔

پس قسم ہے خدا کی تعجب کرتا ہوں میں اُس مکھی سے جو ہاتھی کے کان میں بھنبھناتی ہے اور اُس مچھر سے جو تصویروں میں گنا جاتا ہے۔

وَقَدْ قَالَهَا قَبْلَكَ قَوْمٌ آخَرُونَ فَدَمَّرْنَاهُمْ

ہر آئینہ کہی ہے یہ بات پہلے تجھ سے دوسری قوم نے سو ہلاک کیا ہم نے اُن کو

وَمَا كَانَ لَهُمْ نَاصِرُونَ۔	اور کوئی مددگار اُن کا نہ ہوا۔
أَمْ لِلْحَقِّ تَدْحَضُونَ وَلِلْبَاطِلِ تَنْصُرُونَ۔	آیا حق کو تم لغزش دیتے ہو اور باطل کی مدد کرتے ہو۔
وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ۔	اور بہت جلدی جانیں گے وہ لوگ جو ظلم کرتے ہیں کونسے مرجع کو رجوع کئے جائینگے۔
أَمَّا مَا هَدَّدْتَ بِهِ قَوْلَكَ مِنْ قَطْعِ رَأْسِي وَقَلْعِكَ بِقِلَاعِي فِي الْجِبَالِ الرَّوَاسِي۔	لیکن وہ جو قصد کیا تُو نے اُس سے اپنے قول کو یعنی میرا سر کاٹنا اور میری قلعے کو کھود ڈالنا اُونچے اُونچے پہاڑوں میں ہیں۔
فَتِلْكَ الْأَمَانِيُّ كَاذِبَةٌ وَخَيَالَاتٌ غَيْرُ صَائِبَةٍ۔	سو یہ آرزوئیں تیری جھوٹی اور خیالات ہیچ پوچ ہیں۔
فَإِنَّ الْجَوَاهِرَ لَا تَزُولُ بِالْأَعْرَاضِ كَمَا أَنَّ الْأَرْوَاحَ لَا تَضْمَحِلُّ مِنَ الْأَمْرَاضِ۔	پس بیشک جوہر نہیں مٹ جاتا ہے اعراض سے جیسے روح نہیں مضمحل ہوتی مرضوں سے۔
كَمْ بَيْنَ قَوِيٍّ وَضَعِيفٍ وَدَنِيٍّ وَشَرِيفٍ۔	بڑا فرق ہے قوی اور ضعیف اور ادنیٰ و شریف میں۔
وَإِنْ عُدْنَا إِلَى الظَّوَاهِرِ وَالْمَحْسُوسَاتِ وَعَدَلْنَا عَنِ الْبَوَاطِنِ وَالْمَعْقُولَاتِ فَلَنَا أُسْوَةٌ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔	اور اگرچہ ہم چھوڑ دیں ظاہر اور محسوس باتوں کو اور باطن اور عقلی چیزوں کو پھر بھی ہم کو پیروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے
فِي قَوْلِهِ مَا أُوذِيَ نَبِيٌّ مِثْلَ مَا أُوذِيتُ۔	اس کے قول میں یعنی کسی پیغمبر نے ایسی ایذا نہ پائی جیسی میں نے تم سے پائی۔
وَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جَرَى فِي عِتْرَتِهِ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَشِيعَتِهِ۔	اور بیشک تم جانتے ہو جو کچھ اُن کی اولاد اور اہلِ بیت اور شیعوں پر گزراہے۔
وَالْحَالُ مَا حَالَ وَالْأَمْرُ مَا زَالَ۔	اور ابھی حال کچھ بدل نہیں گیا نہ کوئی کام مٹ گیا۔
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ وَالْأُولَى۔	اور اللہ ہی کے واسطے سب تعریفیں ہیں عقبیٰ اور دنیا میں۔
إِذْ نَحْنُ مَظْلُومُونَ لَا ظَالِمُونَ وَمَغْصُوبُونَ لَا غَاصِبُونَ۔	اس وقت میں ہم مظلوم ہیں نہ ظالم اور مغضوب ہیں نہ غضب کنندہ۔
وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔	اور کہہ آیا حق اور بھاگا باطل بے شک باطل حق سے بھاگتاہے۔
وَقَدْ عَلِمْتُمْ ظَاهِرَ حَالِنَا وَكَيْفَ قِتَالُ رِجَالِنَا۔	اور تم جانتے ہو ظاہر حال ہمارا اور کیسی ہے لڑائی ہمارے مردوں کی۔
وَمَا يَتَمَنَّوْنَ مِنَ الْمَوْتِ وَيَتَقَرَّبُونَ مِنْ حِيَاضِ الْفَوْتِ۔	اور وہ کہ آرزو رکھتے ہیں موت کی اور نزدیک ہوتے ہیں حوضوں فوت سے۔
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔	سو آرزو کرو تم موت کی اگر اپنی بات میں سچے ہو۔

وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ۔
وَفِي الْأَمْثَالِ السَّائِرَةِ أَوَالْبَطُّ تُهَدِّدُوْنَ بِالشَّطِّ۔
فَهَيْئُ لِلْبَلَاءِ جِلْبَابًا وَتَدَرَّعُ لِلرَّزَايَا أَثْوَابًا۔
وَلَا تَكُنْ كَالْبَاحِثِ عَنْ حَتْفِهِ بِظُلْفِهِ۔
وَالْجَادِعِ مَارِنَ أَنْفِهِ بِكَفِّهِ۔
وَإِذَا وَقَفْتَ عَلَى كِتَابِنَا فَكُنْ مِنْ أَمْرِنَا بِالْمِرْصَادِ۔
وَمِنْ حِيْلَتِكَ عَلَى اقْتِصَادِ۔
ثُمَّ اقْرَأْ أَوَّلَ النَّحْلِ وَآخِرَ الصَّادِ۔

اور ہرگز نہیں آرزو کریں گے وہ موت کی کبھی اس سبب سے کہ آگے بھیج چکے ہیں ہاتھ اُن کے، اور اللہ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو۔
اور مثل مشہور ہے کیا بطخ کو دھمکاتا ہے دریا سے۔
پس تیار کر واسطے بلا کے کوئی چادر اور پہن واسطے مصیبتوں کے لباس۔
اور مت ہو مثل اُس کے جس نے کریدی موت اپنی اپنے ناخن سے۔
اور مت ہو مثل اُس کے کہ کاٹی ناک اپنی اپنے ہاتھ سے۔
اور جب مطلع ہو تو ہمارے نوشتے پر تو رہ ہمارے کاروبار سے گھات میں۔
اور تدبیر اپنی سے مضبوط۔
پھر پڑھ اوّل سورۂ نحل کا اور آخر سورۂ صاد کا۔

ابیات

بَنَابِلَتَ هٰذَا الْمُلْكَ حَتّٰى تَاثَّلَتْ ٭ بُيُوْتُكَ فِيْهِ وَسَمَتْ عُمُوْدُهَا ٭
فَاَصْبَحْتَ تَرْمِيْنَا بِنَبْلٍ قَدِ اسْتَوٰى ٭ مَغَارِسُهَا فِيْنَا وَفِيْنَا جَرِيْدُهَا ٭

ہم سے پائی تُو نے یہ سلطنت یہاں تک کہ جڑ پکڑی
تیرے گھروں نے اُس میں اور بلند ہوئے ستون اُس کے۔
پس صبح کی تُو نے اس حال میں کہ پھینکتا ہے تو ہم پر تیر کہ تحقیق
بہت ہوئی اُن کے جمنے کی جگہ ہم میں اور ہم میں ہموار ہے۔

(یہاں تک نامہ تھا)۔

الغرض یہ نصوصًا اثنا عشریہ، ان کے علما بیحد کثرت ہیں اور مشاہیر قدما ان کے قیس بن سلیم بن قیس ہلالی۔
اور ابان اور ہشام بن حکم اور ہشام بن سالم اور صاحب الطاق اور ابوالاحوص اور علی بن منصور اور علی بن جعفر اور بیان بن سمعان کہ کنیت اُس کی ابواحمد ہے مشہور بجزری اور ابن ابی عمیر اور عبد بن مغیرہ اور نصری اور ابوبصیر، اور محمد بن حکیم اور محمد بن فرج الرخجی اور ابراہیم خزاز اور محمد بن حسین اور سلیمان جعفری اور محمد بن مسلم اور بکیر بن اعین اور زرارہ بن اعین اور ان دونوں کے بیٹے اور سماعہ بن مہران اور علی بن ابی حمزہ اور عیسٰے اور عثمان اور علی تینوں بنی فضال اور احمد بن محمد بن عبداللہ ابونصر البزنطی اور یونس بن عبدالرحمٰن القمی اور ایوب بن نوح اور حسن بن عباس ابن الحریش اور علی بن مظاہر واسطی اور احمد بن اسحاق اور جابر جعفی اور محمد بن جمہور عمی اور حسین بن سعید اور عبداللہ اور عبیداللہ اور محمد اور عمران اور عبدالاعلےٰ، یہ سب بیٹے علی بن ابی شعبہ کے اور اولاد ان کی اور دادے ان کے۔
اور اس فرقے میں جو مصنف گزرے ہیں، یہ ہیں۔ صاحب معالم الاصول فخر المحققین اور محمد بن علی الطرازی اور محمد بن عمر الجعالی ابوالفتح کراجکی اور کفعمی اور جلال الدین حسن بن احمد شیخ شیخ مقتول کا اور محمد بن حسن الصفار اور امان بن بشر الغال اور عبید بن عبدالرحمٰن خثعمی اور فضل بن شاذان قمی اور محمد بن یعقوب الکلینی الرازی اور

علی ابن بابویہ قمی اور حسین بن علی بن بابویہ قمی اور محمد بن علی بابویہ قمی۔ اور یہ قمی غیر اُس قمی کا ہے کہ بخاریؒ نے اُس سے استشہاد کیا ہے روایت حدیثِ شفا میں کہ فِيْ ثَلَاثٍ شَرْطَةُ مِحْجَمٍ وَشَرْبَةُ عَسَلٍ وَكَيَّةُ بِنَارٍ کتاب طب میں اپنے صحیح سے اور کہا ہے وَرَوَاهُ الْقُمِّيُّ عَنْ لَيْثٍ عَنْ مُجَاهِدٍ (یعنی روایت کیا اُس کو قمی نے لیث سے لیث نے مجاہد سے)۔ اس لئے کہ یہ ابن بابویہ قمی اہلِ قرن چہارم سے ہے اور لیث اہلِ قرنِ دوم سے، پھر لیث کو اُس نے کیونکر دیکھا ہوگا جو اُس سے روایت کی۔ اور اگر رواہ عن لیث کو ارسال اور روایت بالواسطہ پر قیاس کریں حالانکہ خلاف مشہور بخاری کے ہے ایسے مقامات میں پھر بھی درست نہیں ہوتا اس لئے کہ وفات بخاریؒ کی وسط تین صدی میں ہوئی ہے۔ پس ابن بابویہ اُس سے پیچھے ہے بہت دنوں پھر کیونکر اس سے استشہاد ہو سکتا ہے۔

وَلَنِعْمَ مَا قِيْلَ فِيْ مِيْلَادِ الْبُخَارِيِّ وَوَفَاتِهِ وَسِنِيْ عُمُرِهٖ ٭ وُلِدَ فِيْ صِدْقٍ وَعَاشَ حَمِيْدًا ٭ وَمَاتَ فِيْ نُوْرٍ

یعنی کیا خوب کسی نے کہا ہے پیدا ہونے اور وفات پانے بخاریؒ اور اُس کی عمر کے برسوں میں، پیدا کیا گیا صدق میں اور زندگی کی ستودہ اور مرا نور میں

یعنی جتنے کہ عدد ہجری صدق اور نور کے ہیں کہ صدق کے ایک سو چورانوے ۱۹۴ میں اور نور کے دو سو چھپن ۲۵۶ پس باسٹھ ۶۲ برس کی عمر ہوئی۔ اس مقام میں بعض کو بزرگان متاخرین سے عبارت سمعانی کی سمجھنے میں غلطی پڑی ہے۔ ایسا گمان کیا ہے کہ یہ قمی وہی قمی ہے کہ بخاریؒ نے اُس سے استشہاد کیا ہے بہتر یہ ہے کہ یہاں عبارت سمعانی کی نقل اور منشاء غلطی بیان کیا جائے۔

قَالَ السَّمْعَانِيُّ فِي الْمَنْسُوْبِيْنَ إِلَى قُمٍّ وَأَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ بَابَوَيْهِ الْقُمِّيُّ نَزَلَ بَغْدَادَ وَحَدَّثَ بِهَا عَنْ أَبِيْهِ وَكَانَ مِنْ شُيُوْخِ الشِّيْعَةِ وَمَشْهُوْرِي الرَّافِضَةِ رَوٰى عَنْهُ مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ النِّعَالِيُّ وَيَعْقُوْبُ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعْدٍ الْقُمِّيُّ اسْتَشْهَدَ بِهِ الْبُخَارِيُّ فِيْ صَحِيْحِهٖ فِيْ كِتَابِ الطِّبِّ فَقَالَ فِيْ حَدِيْثِ الشِّفَاءُ فِيْ ثَلَاثَةٍ شَرْطَةُ مِحْجَمٍ وَشَرْبَةُ عَسَلٍ وَكَيَّةُ بِنَارٍ رَوَاهُ الْقُمِّيُّ عَنْ لَيْثٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَالْأُسْتَاذُ الْعَمِيْدُ أَبُوْ طَاهِرٍ سَعْدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ عِيْسٰى

کہا سمعانی نے اُن لوگوں کے مقدمے میں جو نسبت کئے جاتے ہیں طرف قصبہ قم کے۔ اور ابوجعفر محمد بن علی ابن حسین بابویہ قمی بغداد میں آیا اور اپنے باپ سے حدیثیں بیان کیں اور یہ بزرگوں شیعہ سے تھا اور رافضیوں میں مشہور، روایت کی اُس سے محمد بن طلحہ نعالی نے اور یعقوب بن عبداللہ بن سعد قمی نے کہ استشہاد کیا اُس سے بخاریؒ نے اپنے صحیح میں بمقام کتاب الطب سو کہا حدیث میں ہے الشفاء فی ثلثۃ تا آخر حدیث کہ عبارت میں مذکور ہے، روایت کیا اس کو قمی نے لیث اور مجاہد اور ابن عباس رضؓ سے اور اُستاد عمید ابوطاہر یعنی سعد بن علی بن عیسٰے

الْقُمِّيَّ صَارَ وَزِيْرًا لِسُلْطَانِ السَّنْجَرِ بْنِ مَلِكْ شَاهَ إِلٰى آخِرِ مَا قَالَ هٰذِهِ عِبَارَةُ الْأَنْسَابِ وَصَرَّحَ شُرَّاحُ الْبُخَارِيِّ بِأَنَّ الْقُمِّيَّ الَّذِيْ اسْتَشْهَدَ بِهِ الْبُخَارِيُّ هُوَ يَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ سَعْدِ الْقُمِّيِّ لَا ابْنُ بَابَوَيْهِ وَالضَّابِطَةُ فِيْ كِتَابِ الْأَنْسَابِ أَنْ يُعْطَفَ أَحَدُ الْمَنْسُوْبَيْنِ بِنِسْبَةٍ وَاحِدَةٍ عَلَى الْآخَرِ بِوَاوِ عَطْفٍ مَكْتُوْبَةٍ بِالْحُمْرَةِ فَلَعَلَّ نَاسِخَ نُسْخَةِ ذٰلِكَ الْبَعْضِ شُبِّهَا فَكَتَبَ تِلْكَ الْوَاوَ بِالسَّوَادِ حَتّٰى ظَنَّ مَنْ رَوَاهُ ابْنُ بَابَوَيْهِ وَأَنَّ مَا بَعْدَهُ وَهُوَ قَوْلُهُ اِسْتَشْهَدَ بِهِ الْبُخَارِيُّ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِحَالِ ابْنِ بَابَوَيْهِ وَ الْوَاقِعُ لَيْسَ كَذٰلِكَ بَلْ تَمَّتْ تَرْجَمَةُ ابْنِ بَابَوَيْهِ إِلٰى قَوْلِهِ رَوٰى عَنْهُ مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ التَّعَالِيْ وَابْتَدَأَ بِقَوْلِهِ وَيَعْقُوْبُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ سَعْدٍ اِسْتَشْهَدَ بِهِ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةٍ أُخْرٰى وَكُلُّ هٰذَا اِنْشَاءٌ مِنْ غَلَطِ النَّاسِخِ وَ تَصَرُّفِ النَّسَّاخِ أَشَدُّ تَغْلِيْطًا مِنْ هٰذَا الْقَدْرِ وَاللّٰهُ الْعَاصِمُ عَنْ كُلِّ زَلَلٍ۔

قمی سے کہ یہ وزیر سلطان سنجر بن ملک شاہ کا تھا جو کچھ کہ آخر تک جو اُس نے کہا ہے یہ عبارت انساب کی ہے۔ اور تصریح کی ہے شارحین بخاری نے اس طرح پر کہ بیشک وہ قمی جس سے بخاری نے استشہاد کیا ہے وہ یعقوب بن عبداللہ بن سعد قمی ہے نہ کہ ابن بابویہ اور ضابطہ تحریر انساب کا یہ ہے کہ ایک کا دو منسوبوں سے بہ نسبت واحد جو عطف کیا جاتا ہے بواو حرف عطف کے تو وہ واو سرخی لکھی جاتی ہے۔ پس شاید لکھنے والے کو اس قسم کے بعض شبہے ہیں جب تو اُس نے اس واو کو سیاہی سے لکھا یہاں تک کہ اُس نے گمان کیا اُس شخص کو جو روایت کی اُس نے اُس کی ابن بابویہ سے اور اس قول کو استشہد بہ البخاری جو مابعد اُس کے ہے اس قسم سے گمان کیا کہ متعلق بحال بابویہ ہے اور واقع میں ایسا نہیں ہے بلکہ تمام ہوگیا ترجمہ ابن بابویہ کا اس قول روی عنہ محمد بن بابویہ التعالی تک اور شروع ہوا موافق اُس کے قول کے ویعقوب بن عبداللہ بن سعد استشہد بہ البخاری، ترجمہ دوسرا اور یہ سب باتیں پیدا ہوئیں غلطی ناسخ اور تصرف نساخ سے کہ اشد غلط کرتا ہے اس قدر سے اور اللہ بچانے والا ہے ہر لغزش سے، انتہیٰ۔

اب ہم پھر اصل مطلب پر آئے کہ اور علمائے اثنا عشریہ اور ان کے مصنفین سے عبیداللہ بن علی حلبی ہے اور علی بن مہزیار اہوازی اور سالار علی بن ابراہیم قمی اور ابن براج اور ابن زہرہ اور ابن ادریس کہ ابیات افترائی اس کی شافعیؒ پر ہیں جو باب دوم میں گزرے کہ مشارکتِ کُنیت نے اُس کو اس افترا پر دلیر کیا۔ حالانکہ اپنے زعم میں جھوٹ سے صریح اجتناب کیا ہے۔ اور نیز ان کے مصنفوں سے حسن کیدری ہے اور معین الدین مصری اور ابن جنید اور حمزہ ابوالصلاح اور ابن مشرعۃ الواسطی اور ابن عقیل اور غضایری اور کشی اور نجاشی اور ملا حیدر آملی اور برقی اور محمد بن جریر طبری آملی اور ابن ہشام دیلمی اور رجب بن رجب بن محمد البرسی الحلی اور ابن شہر آشوب سروی مازندرانی اور منتجب الدین ابوالحسن علی بن عبداللہ کہ پوتا علی بن حسین بن بابویہ قمی کا ہے پانچ واسطے کے ساتھ۔ اور طبرسی اور محمد بن احمد

ابن یحییٰ بن عمران اشعری صاحب نوادر الحکمۃ اور شیخ مقتول اور محمد بن مکی اور سعد بن عبید اللہ جس کی کتاب الرحمۃ ہے۔ اور محمد بن حسن بن ولید اور شیخ ابن بابویہ اور احمد بن فہد اور میثم بن میثم البحرانی اور عبدالواحد بن صیفی نعمانی اور ابو عیسیٰ الوزان اور ابن راوندی اور مسیحی اور ابو عبداللہ محمد بن نعمان ملقب بشیخ مفید اور عبید بابا ابن المعلم اور سید مرتضیٰ اور سید رضی اور ابو جعفر محمد بن حسن طوسی جس کا لقب شیخ الطائفہ ہے اور اُس کے نواسے علی بن موسیٰ بن طاؤس اور احمد بن طاؤس اور جمال الدین ابو علی بن حسن بن یوسف بن مطہر حلی جو علامہ حلی کے نام سے مشہور ہے۔ اور اُس کا بیٹا فخر الدین محقق حلی جس کا لقب ہے۔ اور نصیر الدین بن محمد طوسی مشہور بخواجہ نصیر اور ابوالقاسم نجم الدین بن سعید صاحب شرائع اس کا لقب محقق ہے۔ اور تقی الدین بن داؤد اور سدید الدین محمود حمصی اور رضی الدین بن طاؤس اور جمال الدین بن طاؤس اور اس کا بیٹا غیاث الدین اور مقداد اور علی بن عبدالعال اور اس کا داماد میر باقر اور زین الدین مقتول اُس کا شاگرد بہاؤ الدین محمد عاملی اور خلیل قزوینی شارح عدۃ اور تقی مجلسی شارح من لایحضرہ الفقیہ اور اس کا بیٹا باقر مجلسی صاحب بحار الانوار اور یہ خاتم مؤلفوں اس فرقہ کا ہے اور معتمد علیہ اس گروہ کا کہ اگلی جو کچھ روایتیں کہ اس کی جانچ پرکھ سے گزر کر کھرے اور کامل عیار ہوگئے ہیں ان کے نزدیک ایسی ہیں جیسے وحی آسمان سے اتری بلکہ بالفعل اگر ان کے مذہب کو مذہب باقر مجلسی سے کہا جائے تو بہت ٹھیک ہو اُس سے کہ قدما۔ اور سابقین سے نسبت کیا جائے۔

اور سوا ان علمائے مذکورین کے اور علماء بھی ہیں جنھوں نے علم دینی میں تکلم نہیں کیا ہے مثل صدر الدین شیرازی اور آخون حسین خوانساری اور حبیب اللہ مشہدی اور ابوالقاسم قندرسکی استاد ملا محمود جونپوری صاحب شمس بازغہ۔ مگر بعض ان سے مذہب اور کلام میں گفت وشنید رکھتے ہیں۔ البتہ اس فرقے نے عوام کے نزدیک کچھ اعتبار پیدا کیا ہے مثل قاضی نور اللہ شوستری اور ملا عبداللہ مشہدی صاحب اظہار الحق اور ملا رفیع واعظ صاحب ابواب الجنان۔

اب جو ان کے علماء کے ناموں کی گنتی ہم گن چکے لازم ہے کہ ان کی کتابوں معتمد اور مشہور کو بھی گنائیں کہ علم ان علماء کا انہی کتابوں میں ہے۔ توڑ پھوڑ کر انہی کتابوں سے نقل اور اخذ کرتے ہیں بدون مراجعت کے متصور نہیں۔

پس اول جس نے اس فرقے میں اخبار تصنیف کی ہے سلیم بن قیس ہلالی ہے کہ کتاب اُس کی معتمد علیہ تمامی گروہ شیعوں کی ہے۔ اُس کو علق نفیس جانتے ہیں۔ علق کے معنے خونِ بستہ اور زلو ہندی جونک۔ اور نہایت خواہش سے بڑی بڑی قیمت میں لیتے ہیں۔

سبائیہ۔ ان کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ مگر بعض سفیہوں نے ان کی مدح حضرت امیرؑ اور بیان علامات الوصیت

اور خوارق عادات میں اُن کے اور یہ کہ وہ شہید نہیں ہوئے آسمان پر زندہ تشریف لے گئے۔ اور پھر آسمان سے اُترنے کی اور حلولیت فی الجملہ اس میں کچھ تصنیف اور جمع کی ہیں۔ خلاصہ ان کے تقریر کا جو ان کی اپنی تصانیف میں ہے یہ ہے کہ حق تعالیٰ آسمان میں ایک رُوح تھا سو اُس نے اول آدمؑ کے قالب میں حلول کیا اور نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کو اس پر قیاس کرتے ہیں (یعنی پھونکی میں نے آدمؑ میں بعض روح اپنی) بعد اُس سے قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ اَوْ بَطْنًا بَعْدَ بَطْنٍ انبیاءؑ اور اولیاءؒ کے جسموں میں اوتار لیتا ہوا جناب امیرؑ اور اُن کی ذُرّیاتِ طاہرہ تک پہنچا۔

کیسانیہ۔ ان کی بھی کتاب نہیں گرچند در شرع محمد بن حنفیہؒ کے حال اور خوارق اور کرامات اور لڑائیاں دیووں اور پریوں اور تسخیر جنّوں سے جمع کئے ہیں۔ جیسے قصہ امیر حمزہؓ کا کہ قصہ گویوں اور افسانہ خوانوں میں زبان زد ہو رہا ہے۔ اور اسی ضمن میں نصوص حضرت امیرؑ کے اُن کی خلافت پر اور اُن کی اولاد کی خلافت پر بھی ذکر کرتے ہیں۔

زیدیہ۔ ابتدائے معاملہ میں ان کی بھی کوئی کتاب نہ تھی۔ اصُول مذہب میں یہ لوگ خوشہ چین معتزلہ کے تھے فروع میں زلہ بردار حنفیہ کے چند مسائل میں کہ خلاف اصُول و فروع ان دونوں مذہبوں کے تھے۔ روایتیں سینہ بسینہ اپنے اماموں سے لاتے تھے لیکن نہایت قلیل۔ پھر بعض علماء نے ان کے مسائل فقہیہ میں اجتہاد شروع کیا اور مسائل میں بہت اختلاف حنفیہ سے کر کے اپنے مجتہدات کو جمع کیا اُس وقت سے تصنیف کتابوں کی ان میں بھی مروّج ہوئی اور رفتہ رفتہ اصُول و فروع میں بہت سی تصنیفات درست کیں۔ چنانچہ منجملہ کتب فروع سے ان کی کتاب الاحکام ہے کہ شرفائے بلاد یمن اور حجاز میں پائی جاتی ہے۔ اور اصُول کی کتابوں سے "عقیدۃ الالباس" ہے کہ خوب مدلّل اور مبوّب اور مفصّل لکھی ہے۔ شیخ ابراہیم کردی مدنی نے بطور جرح کے اُس پر شرح لکھی ہے مبسوط کہ نام اُس کا "نبراس" ہے۔ اور حدیث و اخبار کی بھی کتابیں بہم پہنچائی ہیں۔

اسماعیلیہ کی قبل دولت عبیدیین سے کوئی کتاب تھی مگر کتاب البیان باطنیہ جس کا باب اوّل میں ذکر کیا گیا۔ لیکن بعد خروج مہدی اور قیام اُس کی سلطنت اور تسلط اُس کی اولاد کے مصر و مغرب پر بہت کتابیں ان میں بھی تصنیف ہوئیں۔ اور عمدۂ مصنّف ان کا نعمان بن محمد بن منصور قاضی ہے۔ اُن میں سے ایک کتاب ہے "اصُول المذاہب" اور کتاب الاخبار فی الفقہ اور "کتاب الرد علی المخالفین" کہ اس میں چاروں فقیہوں پر رد کیا ہے یعنی ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ اور مالکؒ اور ابن شریحؒ۔ اور کتاب اختلاف الفقہاء اس کتاب میں بزعم خود نصرت مذہب اہل بیت کی کی۔ اور کتاب الانتصار فی الفقہ۔ اس میں بھی یہی مضمون منظور نظر ہے۔ اور کتاب المناقب والمثالب اور کتاب ابتداء الدعوۃ العبیدیہ جب سلطنت ان کی بگڑی اور تسلط جاتا رہا یہ کتابیں بھی سب خراب برباد ہو گئیں۔ اب اُن کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا مگر بلادِ عدن اور بعض نواحی یمن میں کہ اس مذہب کے لوگ وہاں ہیں۔

علمائے اہلِ سنت نے بعض مسائل ان کے مذہب کے جو فروع و اصُول میں ہیں ان کی کتب معتبرہ مصنّفہ سے نقل

کئے ہیں بعض اُن سے نقل کئے جاتے ہیں تاکہ نمونہ ہو کہ جوہر اُن کے سخن کا اُس سے دریافت ہو سکے۔ کہتے ہیں۔

یَجِبُ اَنْ یَّکُوْنَ الْاِمَامُ مَعْصُوْمًا عَنِ الْمَعَاصِیْ عِنْدَ الْوِلَایَةِ لَا قَبْلَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ قَبْلَهَا۔	واجب ہے یہ کہ امام معصوم ہو معاصی سے وقت امارت کے نہ قبل اُس سے۔ اور بعض نے کہا قبل اُس سے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں:-

اِنْ نَصَّ اِمَامٌ عَلٰی شَیْءٍ ثُمَّ عَلٰی نَقِیْضِهٖ فَالثَّانِیْ نَاسِخٌ لِلْاَوَّلِ عِنْدَ الْمُهْدَوِیَّةِ وَالْقُدَمَاءِ وَقَالَتِ النِّزَارِیَّةُ یَعْمَلُ بِالْاَوَّلِ وَیَلْغِی الثَّانِیْ۔	اگر نص کی امام نے کسی چیز پر پھر اُس کی نقیض پر تو دوسرا حکم ناسخ اوّل کا ہے مہدویہ اور قدماء کے نزدیک۔ اور نزاریہ کہتے ہیں کہ اوّل پر عمل ہوتا ہے اور دوسرا لغو ہے۔

اور کہتے ہیں کہ جب امام کوئی حکم کرے ہر مؤمن اور مؤمنہ پر اُس کی تابعداری لازم ہے گو اُن کے خلاف مرضی ہو۔ مثلاً اگر کسی عورت کو کسی مرد بے عورت کے حوالے کرے تو یہ عقد دونوں پر لازم ہو جائے فسخ نہیں کر سکتے ایسے ہی جمیع معاملے بیع اور اجارے کے۔

اور سوائے ان کے فقیہ عمارہ یمنی نے کہ شاعر مشہور ہے روایت کی کہ سیدہ بیٹی احمد بن جعفر بن احمد صلیحیہ کی کمال حسین و جمیل ادب اور قابلیت اور ظرافت اور نزاکت میں مشہور تھی بحدّے کہ اُس کو اہلِ یمن بلقیس الاسلام کہتے تھے۔ شوہر اُس کا مکرم صلیحی بادشاہ یمن کا تھا کہ دار الغرور شہر ذی جبلہ بنایا ہوا اُس کا ہے۔ اتفاقاً بعد وفات اُس کے سبا ابن احمد بن مظفر صلیحی ملک یمن پر مسلط ہوا چاہا کہ سیدہ کو اپنی بیوی بنائے اس واسطے کہ کمال تسلط اور استقلال اس کی بادشاہت کا اسی میں تھا اور وہ انکار و امتناع کرتی تھی یہاں تک کہ ارادہ جدال و قتال کا ہوا۔ دونوں طرف سے اسباب لڑائی کا مہیا کیا گیا۔ سبا کے مصاحبوں نے اس کو مشورہ دیا کہ لڑائی میں خطرہ ہے سہل تدبیر اس کام کی یہ ہے کہ اس مقدمے میں ایک عرضی مستنصر عبیدی کو کہ مالک مصر کا تھا اور اہل یمن اُس وقت اُسی کی دعوت پر قائم تھے بھیجے۔ سبا نے ایسا ہی کیا دو آدمیوں معتمد کو مع نذر و پیشکش لائق کے مستنصر کے پاس روانہ کیا اور تمام قصہ لکھا۔ مستنصر نے ایک معتمد اپنے خواجہ سراؤں سے ہمراہ اُن دونوں قاصدوں کے بھیجا۔ وہ خواجہ سرا تمام سرداروں اور اُمرائے یمن کو اپنے ساتھ لے کر سیدہ مذکورہ کے پاس گیا اور سب کو اُس کے گھر کے دروازہ پر کھڑا کر کے اُس سے کہا کہ امیر المؤمنین مستنصر نے تجھ کو امیر الامراء ابو حمیر سبا بن احمد بن مظفر کی بیوی کیا اس پر کہ یہ جو کچھ حاضر لایا ہے اور وہ ایک لاکھ دینار نقد اور پچاس ہزار دینار کی جنس تھی یعنی پوشاک اور زیور اور آلات اور تحف و ہدایا اور یہ بھی امیر المؤمنین نے فرمایا ہے۔

مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ	نہیں لائق ہے کسی مؤمن کو اور نہ کسی مؤمنہ کو جس وقت کہ حکم کیا اللہ اور

رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا۔

اُس کے رسولؐ نے کسی کام کا یہ کہ ہو اُن کو اختیار اپنے کام سے اور جس نے نافرمانی کی اللہ اور اُس کے رسولؐ کی سو بیشک بہک گیا بہک جانا پلے سرے کا۔

سیّدہ مذکورہ نے چار و ناچار بپاس اپنے مذہب کے اس عقد کو مان لیا لیکن باہم موافقت نہ ہوئی ہمیشہ کدورتیں رہیں جیساکہ تواریخ میں مذکور ہے۔

اور کہتے ہیں کہ امام کو چاہیے کہ حضرت موسیٰؑ کی طرح جناب باریتعالیٰ سے ہمکلام ہو اور حاکم عبیدی اس معاملے میں اپنے حق میں اُونچے اُونچے دعوے کرتا تھا۔ اکثر کوہ طُور پر جاتا تھا۔

اور یہ کہتے ہیں کہ امام کو علم غیب لازم ہے۔ اور یہ قول اثناعشریہ کا ہے۔

اور ان کے مسائل فرعی سے یہ ہے کہ لفظ علیٰ کو درود میں آل پر داخل کرنا نہیں چاہیے۔ مثلاً اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤی اٰلِ مُحَمَّدٍ کہ اس کا داخل کرنا حرام ہے۔

اور روایت کرتے ہیں مَنْ فَصَلَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اٰلِیْ بِعَلٰی لَمْ یَنَلْ شَفَاعَتِیْ (یعنی جس نے فصل ڈالی مجھ میں اور میری آل میں علیٰ سے نہیں پائیگا شفاعت میری) یہ روایت سراسر افترا اور بُہتان ہے۔

اور نکاح اٹھارہ عورتوں کا ایک مرد سے جائز گنتے ہیں۔ اور اس آیت کو سند پکڑتے ہیں فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (معنی یہ کہ پس نکاح کرو جو کوئی خوش آئے تم کو عورتوں سے دو دو اور تین تین اور چار چار) یہ کہتے ہیں دو دو جمع کرنے سے چار ہوئیں اور تین تین سے چھ اور چار چار سے آٹھ پس مجموع اٹھارہ ہوئیں۔ ایک شخص نے اہل سنت سے اس کے جواب میں کہا ہے کہ ایک عورت سے نکاح کرنے میں تو کچھ شبہ ہی نہیں ہے۔ پس تقدیر کلام یہ ہے فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اٰحَادَ وَمَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ اٰحاد یعنی ایک ایک تو اس حساب سے بیس ہوئیں نہ کہ اٹھارہ۔ انصاف کی بات ہے اور بلا تعصب کہ یہ معنی اس آیت سے سمجھنا ایسی تحریف کلام الٰہی کی کرنا ہے کہ جس میں کچھ آڑ نہیں۔ اور اللہ کی کتاب کیا ہے لڑکوں کا کھلونا بنایا ہے کہ عرفاً اور لغتاً اور شرعاً اور عقلاً سب طرح خلاف۔

عرفاً اس سبب سے کہ مثلاً کوئی شخص اپنے خدمتگار کو ایک خوان پُر از نان دے کہ کہے کہ ان روٹیوں کو دو دو اور تین تین اور چار چار کر کے فقیروں پر تقسیم کر دے۔ اور وہ باہر نکلے اٹھارہ ایک فقیر کو دیدے اور اٹھارہ دوسرے کو۔ کہو وہ شخص اس خدمتگار پر غصہ کرے گا یا نہیں کہ میرے حکم کے خلاف تُو نے کیوں کیا۔ اور تمام عاقل اور فہیم اس غصے میں اُس کی خطا نہیں پکڑ سکتے بلکہ مصیب جانیں گے۔

اور لغتہً یہ کہ لفظ مثنیٰ کا نکلا ہوا اثنین اثنین سے ہے بدون حرف عطف نہ اثنین واثنین سے پس دوبارہ

جو اثنین ہے یہ تکریر اوّل کی ہے گویا وہی تاکہ توہم تشریک جمع کا دفع ہو یعنے یہ نہیں کہ دو کے ساتھ دو اور ملالو۔ اور حرف عطف کا جو درمیان مثنیٰ اور ثلاث کے واقع ہے واسطے شرکت معطوف اور معطوف علیہ کے ہے حلّت نکاح میں کہ دو سے بھی حلال ہے اور ان کے ساتھ تین سے بھی۔ پس معنے کلام کے یہ ہیں کہ یہ عدد بھی حلال ہے اور وہ عدد بھی۔ چنانچہ جملہ معطوفات میں یہی معنے سمجھے جاتے ہیں نہ کہ اکھٹے۔ اور تلفیق یعنی جمع کرنا اور ترتیب دینا کہ یہ معنی لفظ مع کے ہیں نہ کہ واو اور دیگر حروف عاطفہ کے۔ پس نہیں سمجھا جاتا کہ دو کے ساتھ تین اور تین کے ساتھ چار تا نَہ ہو جائیں کہ خلاف مقصود ہیں۔ اور اگر یہاں معنے مع کے سمجھے جائیں اگرچہ خلاف عربیت کے ہیں تاہم مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ درصورت تداخل مجموعین کے اقل بسبب اکثر کے ساقط ہو جاتا ہے جیسے رَاَیْتُ بَنِیْ هَاشِمٍ مَعَ قُرَیْشٍ مَعَ کِنَانَةَ مَعَ مُضَرَ۔ اگر کوئی کہے کہ ہو سکتا ہے اثنین اثنین میں حرف عطف منظور ہو اور لفظاً حذف کیا ہو۔ اس لئے کہ حذف حروف عطف کا جائز ہے جیساکہ قول ایک شاعر اثناعشری کا ہے۔ **ابیات**

اَیُّهَا السَّآئِلُ عَنْ مَذْهَبِیْ
اے وہ شخص کہ میرے مذہب کو پوچھتا ہے

مَذْهَبِی السُّنَّةُ لَا کَعْکَعَةٌ
مذہب میرا سُنّت ہے بے تردد؛

قَالَ فَمَنْ بَعْدَ مُضِیِّ النَّبِیِّ
پھر پوچھا کہ بعد گزرنے پیغمبرؐ کے

سَیِّدُنَا بِالْحُجَجِ الْمُقْمِعَةِ
ہمارا سردار بدلائل سرشکن کون ہے؛

قُلْتُ مَنْ قَرَّتْ بِهٖ عَیْنُهٗ
میں نے کہا وہ ہے جس سے اُن کی آنکھیں ٹھنڈی تھیں

فِیْ بَیْتِهٖ اِبْنَتُهُ الْمُرْضِعَةُ
کہ اُن کے گھر میں تھیں اُن کی بیٹی شیر دہ؛

قَالَ فَمَا عِدَّةُ اَعْلَامِهِمْ
پھر پوچھا کیا شمار ہے اُن میں بزرگوں کا اگر جانتا ہے

هَاتِ لِیَ الْقَوْلَ لِکَیْ اَسْمَعَهٗ
تو میرے سامنے بات کر تاکہ میں اُس کو سُنوں؛

قُلْتُ لَهٗ عِدَّةُ اَعْلَامِهِمْ
تو میں نے کہا کہ شمار اُن کا

اَرْبَعَةٌ اَرْبَعَةٌ اَرْبَعَةٌ
چار ہے چار ہے چار ہے

کہ اس تکرار اربعہ سے اثناعشر ارادہ کیا ہے بحذف واو عطف یعنی چار اور چار اور چار کہ بارہ ہوئے۔

ہم کہتے ہیں کہ اہل لغت کا فہم اس کو جھوٹا ٹھہراتا ہے اور قول شاعر اثناعشری کا واسطے ثبوت مذہب اسماعیلیہ کے لانا صریح خطا ہے۔ اِس لئے کہ سگِ زرد برادر شغال کہلاتا ہے اس کے ساتھ اُس کا قول لائق اعتبار کے نہیں کہ شعرائے مولّدین سے ہے عربیت میں سوائے مقولات جاہلین اور مخضرمین کے سند نہیں ہوتا جیساکہ اپنے موقع پر مقرر ہے۔ اور معہذا ضرورت شعری میں یہ لوگ ایسی چیزوں کے مرتکب ہوتے ہیں کہ سقہ کلام

میں جائز نہیں ہے۔ اور نیز اس اثنا عشری نے ان شعروں میں بنائے کلام تقیہ پر رکھی ہے جیسا کہ مَذْهَبِی السُّنَّةُ اور فِی بَیْتِهٖ ابْنَتِهٖ صریح تقیے کو بتاتا ہے۔ پس یہ کلام بھی اس طور پر آیا ہے کہ مدلول لغوی اس کا مذہب اہلِ سنت کا ہو یعنی قبول بخلافتِ خلفائے اربعہؓ۔ پس تکریر اربعہ اس کے کلام میں بھی واسطے تاکید کے ہے شرعاً بدیں وجہ کہ اگر یہ بات منظور ہو تو یہ بات ضرور لازم آئے کہ کمتر اس عدد سے نکاح جائز نہ ہو اس واسطے کہ لفظ مثنیٰ یا معطوفاتِ خود حال واقع ہوا ہے اور حال باجماع اہلِ عربیت قید عامل کے ہوتا ہے جیسے اِضْرِبْ زیدًا راکبًا پس بحالتِ غیر رکوب مارنا اس کا جائز نہیں ہے۔ اور جب واو جمع اور تلفیق معطوفات کے معنے میں ہو نہ تشریک ان کے حکم میں تو حال نکاح کا بھی مقید ہوگا اس اعداد کی جمع اور تلفیق کے ساتھ اور یہ باطل ہے بالاجماع اور جب یہ بات ہے تو یہ بھی ہونا چاہیئے کہ کسی فرشتے کے اٹھارہ پر سے کم نہ ہوں بقولہ تعالیٰ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِکَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (یعنے اللہ تعالیٰ نے فرشتے پیدا کئے ہیں اُن فرشتوں میں جو فرشتے کہ رسول ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار بازو والے ہیں) اس واسطے کہ آیت شریف میں لفظ الملٰئکہ محلّی باللام ہے اور لام مفید معنیٔ استغراق اے جمیع ملائک۔

اور عقلاً یہ کہ ظاہر صورت یہ تھی کہ فرماتے فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ثَمَانِیَةَ عَشَرَ پس یہ مختصر لفظ چھوڑ کر غیر مختصر لانا اور طول طویل کرنا یہ تو ایسی حرکت ہے جس پر طفل مکتب بھی ہنسیں۔ اور ایسی بات ہے جیسے ایک اسمٰعیلی سے پوچھا کہ تیری ناک کہاں ہے؟ وہ اپنا ہاتھ پیچھے کو لے گیا اور بڑی مشقت سے گھما کر دوسری طرف لایا اور ناک پر رکھ کر بتایا کہ یہ ہے۔ معاذ اللہ ایسی حرکت شنیع نامعقول کی نسبت ذاتِ باری تعالیٰ سے کرنا کہ جس نے کلام اپنا واسطے ہدایت عام کے نازل فرمایا ہے کس درجہ حماقت ہے۔ اگر کسی جلسہ عام میں کسی شخص سے پوچھیں کہ تیری کتنی عمر ہے اور اٹھارہ برس کی بتلاتے اس طور سے کہ دو دو اور تین تین اور چار چار تو یقین ہے کہ ساری مجلس اس پر ٹھٹھہ مارے گی اور ہنسے گی۔ بعض اسمٰعیلیہ کہتے ہیں کہ نکاح فقط نو عورتوں تک جائز ہے یہ اتنا ہی سمجھے ہیں کہ مثنیٰ اور ثلاث اور رُباع میں جو واو حرف عطف کا آیا ہے ان تینوں لفظوں کے ساتھ معنی عطف کے ملحوظ نہیں ہیں نہ کچھ درمیان حرف عطف و حرف جمع کے تفرقہ کیا ہے۔

لیکن اسماعیلیہ سے جو فرقہ باطنیہ ہے ان کی کتابیں بہت ہیں۔ ازانجملہ کتاب البیان ہے تصنیفِ غیاث کہ حال اس کا سابق مذکور ہوا۔ اور کتاب تأویل الاخبار اور کتاب التأویلات منسوبہ ناصر خسرو۔

نزاریہ کی بھی بہت کتابیں ہیں مصنف اُن کا ابن صباح ہے اور نصیر الدین طوسی صاحب تجرید ہر چند کہ یہ طوسی فرقہ اثنا عشریہ سے ہے لیکن بحکم بعض سلاطین نزاریہ کے کتابیں اس مذہب میں تصنیف کی ہیں۔ اور جو کہ سلطان جلال الدین اپنے باپ دادا کے مذہب پر نہ تھا اس نے تمام کتب خانہ اپنے باپ دادے کا جلا

ڈالا اور بچی بچائی فتنہ چنگیزیہ میں نیست و نابود ہوگئیں اور خود ان کے فرقے بھی۔ مگر اماموں کی سرکار چنگیزیوں میں گھس بیٹھ بہت تھی اس واسطے اُن کے دور دورے میں یہ لوگ خوب پھلتے پھوٹتے رہے اور مذہب ان کا مروّج ہوگیا۔ پس وجہ اُس کی یہی تھی کہ اُس وقت اسلام کو ضعف تھا ان کو قوت ہوگئی۔

اب ہم امامیہ کی کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کی انواع فنون میں کتابیں ہیں کیا کلام اور کیا تفسیر و حدیث اور کیا اصول اور فروع فقہ۔ الغرض تصانیف بیشمار ہیں اور بہت کتابیں ہیں لیکن ان کے مذہب اور کلام میں اول مصنفات ہشام بن حکم سے ہیں کہ پہلے کتب کلامیہ ان کے اسی سے ہیں۔ اور مؤلفات ہشام بن سالم اور مؤلفات محمد بن نعمان صیرفی صاحب الطاق اور مصنفات ابن جہم ہلالی۔ اور مصنفات ابوالاحوص علی بن منصور اور مؤلفات حسین بن سعید اور کتابیں فضل بن شاذان قمی کی کہ اس کی کتابوں سے کتاب القائم نہایت مشہور اور ان کے نزدیک معتبر ہے۔ اور کتابیں ابو عیسیٰ وزان کی۔ اور کتابیں راوندی اور مسیحی کی۔ اور کتاب الیاقوت اور کتابیں محمد بن حسن صفار کی مانند بصائر الدرجات وغیرہ کے۔ اور کتاب علی بن مظاہر واسطی کی اور کتاب التوحید علی بن بابویہ کی اور اعتقادات اُس کے کہ اعتقاداتِ صدوق کے نام سے مشہور ہے۔ اور کتاب التوحید حسین بن علی بن بابویہ کی۔ اور کتاب الشافی مرتضےٰ کی امامت میں اور کتاب محمد بن جریر طبری آملی کی امامت میں جس کا نام ایضاح المسترشد ہے۔ اور کتاب تجرید العقائد طوسی کی۔ اور شرح اس کی مطہر حلی سے اور کتاب الالفین اور نہج الحق اور منہج الکرامت اور باب حادی عشر یہ سب اُسی طوسی سے ہیں۔ اور شرح باب حادی عشر کی مقداد سے۔ اور قواعد اور نظم البراہین اور شرح اُس کی اور نہج البراہین اور اس کی شرح اور نہج المسترشدین اور اس کی شرح۔ اور واجب الاعتقاد اور اس کی شرح اور کتاب میثم بن میثم البحرانی اور تقویم اور سوان کے۔

اور تفسیریں پس ازانجملہ ہے وہ تفسیر کہ حضرت امام حسن عسکری سے منسوب کرتے ہیں جس کو روایت کیا ہے ابن بابویہ نے باسناد اور اس کے سوا اوروں نے باسناد مع کمی و بیشی کے۔ اور اہل بیت بھی حضرت امام موصوف اور دوسرے اماموں سے اس تفسیر میں روایتیں رکھتے ہیں۔ چنانچہ دُرِّ منثور میں خوب بسط کے ساتھ لکھی ہیں۔ اور تفسیر شاہی میں سب مجموع موجود ہیں۔ لیکن جو کچھ شیعہ جناب اماموں سے روایت کرتے ہیں وہ ہرگز مطابق نہیں اور تفسیروں سے۔ تفسیر علی بن ابراہیم اور تفسیر مجمع البیان طبرسی کی۔ اور تفسیر البیان محمد بن حسن طوسی کی اور تفسیر النعمان اور تفسیر العیاشی اور محیط الاعظم فی تفسیر القرآن المکرم حیدر آملی کی۔ اور تفسیر کنز العرفان فی احکام القرآن مقداد کی اور تفسیر الاحکام کہ یہ کسی اور کی ہے۔

لیکن کتب اخبار یعنی حدیثیں پیغمبر اور اماموں کی پس بقولِ راوی کہ اس کے ذمہ دار وہی ہیں۔ چار سو کتابیں تھیں چار سو مصنف سے کہ اُن کو اصول کہتے تھے رفتہ رفتہ وہ سب نسخے ضائع ہوگئے۔ ایک گروہ شیعہ نے خلاصہ ان

نسخوں کا کرکے چند نسخے درست کئے ہیں۔ ازانجملہ ہے کافی محمد بن یعقوب کلینی کی۔ اور تہذیب ابی محمد جعفر بن محمد بن حسن طوسی اور استبصار فی ما اختلف فیہ من الاخبار، یہ بھی اسی کی ہے۔ اور کتاب من لایحضرہ الفقیہ محمد ابن علی بن بابویہ القمی کی جو ان کے یہاں صدوق کے نام سے مشہور ہے اور معتبر۔ اور سرایر اور ارشاد القلوب دیلمی کی۔ اور قرب الاسناد اور کتاب مسائل یعلی بن جعفر کی اور نوادر حسین قمی کی اور جامع برنطی کی۔ اور کتاب المحاسن برقی کی اور کتاب المسائل اور کتاب العلل ابن بابویہ کی۔ اور دعاء الاسلام اور کشفہ اور مقنع اور مکارم اور لہوف اور کتاب العیاشی اور فلاح السائل اور کتاب المناقب یہ سب ابن شہر آشوب سروی مازندرانی کی اور معانی الاخبار اور مجالس ابن معلم کی اور ارشاد بھی اسی کی ہے۔ اور کتاب الروضہ اور کتاب المجالس ابی علی بن ابی جعفر طوسی کی۔ اور عدۃ الداعی ابن فہد اور کتاب الطرف ابن طاؤس کی اور کتاب المحاسن ابن بابویہ سے اور فقیہ اور مجالس بھی اسی کی ہیں۔ اور استنصار ابن مطہر حلی کی۔ اور کتاب انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ابن عیاش کی اور کتاب الخصال کبرقی کی اور کتاب البصائر سعد بن عبداللہ کی اور اعلام الدین دیلمی کی اور مجمع البیان اور بصائر الصفار اور جامع اور کتاب نوادر ابن راوندی کی۔ اور مجمع البیان اور منتقی الجمان اور کتاب الجرائح والخوائج یہ بھی ابن راوندی کی ہیں۔ اور کتاب المحاسن ابی جعفر طوسی کی اور معانی الاخبار بھی اسی کی ہے۔ اور نوادر الحکمۃ اور کتاب الرحمۃ اور ثواب الاعمال والخصال ابن بابویہ کی اور کتاب المعراج بھی اسی کی ہے۔ اور عیون اخبار الرضی بھی اسی کی۔ اور جامع الاخبار والخلاف طوسی کی اور مصباح بھی اسی کی۔ اور اکمال الدین اور عیون اور عقاب الآمال والامانی اور ہدایہ اور علل الشرائع اور احکام اور احتجاج اور مشارق انوار الیقین فی کشف اسرار امیر المومنین اور کتاب اللباب ابن شریفہ واسطی کی۔

یہاں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اصول حدیث میں اس فرقے کی کوئی کتاب نہ تھی نہ اس فن کے قواعد پر عمل ان کا تھا نہ روایتوں کو محک امتحان پر جانچتے پرکھتے تھے۔ اور بڑی سستی اس معاملہ میں کرتے تھے۔ متقدمین ان کے اگلے دفتروں میں جو لکھا پاتے تھے بے تلاش اور جستجو اس کو مان لیتے تھے ان کا گمان یہ تھا کہ ہمارے راویوں سے کذب وخطا اور نسیان واشتباہ محال ہے۔ جب متاخرین ان کے تناقض اور سستی روایات سے مطلع ہوئے تو اہل سنت سے علم اصول حدیث کا لے کر کمی بیشی بعض قواعد میں کر کے اس فن میں کتابیں بنائی ہیں تاکہ وضع اور دستور اپنے ہاتھ سے بھی نہ جائے۔ ان میں سے بدایہ فی علم الدرایہ ہے۔ اور اس کی شرح اور تحفۃ القاصدین فی معرفۃ اصطلاح المحدثین۔ اسی طرح ان کے متقدمین کی جرح اور تعدیل میں بھی کوئی کتاب نہ تھی اول تالیفات اس فن سے کتاب کشی ہے نہایت مختصر۔ بعد اس کے کتاب غضایری اور نجاشی اور ابو جعفر طوسی اور جمال الدین بن طاؤس اور کتاب خلاصہ علامہ حلی اور ایضاح اسی کی اور کتب

نقی الدین حسن بن داؤد کہ اس فن میں مبسوط واقع ہوئے ہیں۔ اور اصول فقہ میں معتمد۔ اور عدہ اور ان دونوں کی شرح مشہور ہیں۔ اور مبادی علامہ حلی اور شرح اس کی۔ اور قواعد شیخ مقتول اور اس کی شرح کہ مقداد سے ہے۔ اور زبدۃ الاصول اور اس کی شرحیں جن میں افضل عراق وخراسان میں شرح مازندرانی کی ہے۔ اور ہندستان میں شرح مولوی احمد اسد سندیلی کی کہ واسطے حصول تقرب اور توسل صفدر جنگ ابو المنصور خان کے لکھی ہے۔

لیکن کتب فقہیہ ان کے سب سے اول فقہ الرضا ہے علیہ السلام۔ اور دوسری قرب المسائل اور مبسوط اور ارشاد اور منتہی الطلب اور تحریر اور تذکرۃ الفقہا۔ یہ سب ابن مطہر حلی کی ہیں اور مقنعہ ابن ابن بابویہ اور مقنعہ ابن معلم کی۔ اور کتاب الاشراف اسی کی ہے۔ اور مقنع اور معتبر اور مکارم الاخلاق اور کتاب العلل محمد علی بن ابراہیم کی۔ اور کنز الفوائد کراجکی کی۔ اور کتاب الافعال اور مدینۃ العلم ابن بابویہ کی اور مجلس بھی اسی کی ہے۔ اور فلاح السائل اور جنۃ الامان کفعمی کی۔ اور لمعہ اور اس کی شرح اور ایضاح اور خلاف اور تحریر اور ارشاد اور نافع اور اس کی شرح اور نہایہ اور قواعد اور مصباح اور مختصر ابن جنید کی اور فتاوی محقق اور مہذب ابن فہد کی۔ اور ایضاح القواعد اور منتہی اور شرائع اور اس کی شرحیں مدارک اور مسالک اور سوا ان کے اور خلاصہ اور مختلف اور معالم اور مجالس ابن بابویہ کی اور دروس اور ذکرٰی اور بیان شیخ مقتول کی۔ اور بحار الانوار باقر مجلسی کی، اور بہت کتابیں ہیں کہ ابن بابویہ نے اپنے بزرگوں کا حال ان میں ذکر کیا ہے ان کا کچھ اور نشان پیدا نہیں ہے۔ اسی طرح نجاشی نے جو اپنے رجال کا حال لکھا ہے ان کا بھی پتہ نہیں۔ لیکن یہ کتابیں جن کے نام مذکور ہوئے ایران کے بلاد میں رائج و مستعمل ہیں اور اکثر یہاں بھی ملیں اور ملتی ہیں۔

فائدہ۔ جاننا چاہیے کہ سارے فن ان کے جو کلام اور عقائد اور تفسیر سے ہیں اخبار کی مدد سے ہیں اور مدار ان کا اخباریین پر ہے۔ اور بالفعل فن اخبار سے باجماع اثنا عشریہ سب کتابوں میں چار کتابیں نہایت صحیح ہیں کہ ان کو اصول اربعہ کہتے ہیں۔ کافی کلینی کے نام سے مشہور ہے۔ اور من لایحضرہ الفقیہ اور تہذیب اور استبصار اور خوب تصریح کی ہے کہ جو کچھ ان چاروں کتابوں میں ہے ان پر عمل واجب ہے۔ اور یہ بھی صراحت کی ہے کہ روایت امامی پر بھی عمل واجب ہے بشرطیکہ سوا اس کے اصحاب اخبار ہوں۔ چنانچہ ابو جعفر طوسی اور شریف مرتضیٰ اور فخر الدین نے جس کا لقب محقق حلی ہے اس بات سے نص کیا ہے۔ ان دونوں فائدوں کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا چاہیے کہ بہت کام آئیں گے۔ لیکن کتب اربعہ کی فضیلت میں علمائے اثنا عشریہ مختلف ہیں۔ بعض کافی کو اصح کہتے ہیں۔ اور ایک من لایحضرہ الفقیہ کو۔ بعض متاخرین نے ان کے جن کا کلام متقدمین

ہیں ہاتھ بڑھا ہوا ہے پنچایت کر کے کہا ہے کہ اصول کی کتابوں میں احسن کتاب کافی کلینی اور تہذیب اور استبصار ہیں۔ اور کتاب من لایحضرہ الفقیہ حسن ہے۔ بالجملہ مدار تمام ان کے مذہب کا انہی چار کتابوں پر ہے کہ مسائل فقہیہ اور اصول عقائد اور مباحث امامت انہی کتابوں سے لیتے ہیں اور انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اب ان کتابوں کی اسناد اخبار میں نظر کرنا چاہیے۔ بے شک ان کتابوں میں روایت مجسمہ یعنی جو خدا تعالیٰ کو صاحب جسم کہتے ہیں مثل ہشامین اور صاحب طاق کی ہے اور روایت ان لوگوں کی کہ حق تعالیٰ کو ازل میں جاہل بتاتے ہیں مثل زرارہ بن اعین اور بکیر بن اعین اور احولین اور سلیمان جعفری اور محمد بن مسلم اور سوا ان کے۔ اور روایت بعض لوگوں فاسد المذہب کہ معتقد کسی امام کے نہ تھے یا منکر امامت امام اپنے وقت کے تھے جیسے بنی فضال اور ابن مہران اور ابن بکیر اور سوا ان کے۔ اور روایت بعض وضاعین کی کہ خود یہ بھی ان کو وضاع جانتے ہیں جیسے جعفر مرادی اور ابن عیاش اور بعض کذابین کہ خود ان کے نزدیک بھی کذاب ہیں جیسے محمد بن عیسیٰ اور بعض ضعفاء۔ اور مجاہیل مثل ابن عمار اور ابن مسکان اور ابن سکر اور زید یمانی اور بعض مستور الحال جیسے تفلسی اور قاسم خزاز اور ابن فرقد اور سوا ان کے ان سب کی روایتیں ان چاروں کتابوں میں موجود ہیں۔ اور سند ان کی ختم ہوتی ہے ان لوگوں سے کہ خود مرتکب گناہ کبیرہ اور مغضوب امام وقت کے تھے جیسے لشکر والے جناب امیرؓ اور سبط مجتبیٰ علیہ السلام اور زیاں کار حضرت سبط شہید علیہ السلام کے حالانکہ کتاب کلینی جو اصح ہے روایت ابن عیاش سے کہ باجماع فرقہ وضاع و کذاب ہے بھری ہوئی ہے۔ اور ابو جعفر طوسی روایت کرتا ہے ہر اس کسی سے جو دعویٰ صحبت امام اور روایت اس عالی مقام کا رکھتا ہے۔ اور طرفہ یہ کہ اور بار امام عالی مقام کے اس کو جھوٹا بناتے ہیں کہ کسی وقت اس کو امام سے ملاقات نصیب نہیں ہوئی جیسے ابن مسکان کہ دعویٰ روایت کا حضرت صادقؓ سے رکھتا ہے اور اور یار حضرت صادقؓ کے یہ دعویٰ جھوٹا بناتے ہیں۔ اور ابو جعفر طوسی ابن معلم سے روایت کرتا ہے اور وہ ابن بابویہ سے جو رقعے فریب کے بنایا کرتا تھا۔ بڑا تعجب تو شریف مرتضیٰ سے ہے کہ باوجود دانش و عقل کے دعویٰ کیا ہے کہ اخبار ہمارے فرقے کے حد تواتر کو پہنچے ہیں حالانکہ اس فرقے کے علماء نے اپنی سب کتابوں میں خود تصریح کی ہے مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (یعنی جو کوئی جھوٹ بولے ہمارے اوپر قصداً پس چاہیے یہ کہ پکڑے وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ سے) بس کوئی خبر متواتر نہ ہوئی۔ نَصَّ عَلَيْهِ الشَّيْخُ الْمَقْتُوْلُ فِي الْبِدَايَةِ (شیخ مقتول نے بھی البدایہ میں اس کی تصریح کی ہے)۔

اگر کوئی تلاش ان کی کتابوں کی کرے تو اس کو ظاہر ہوگا کہ کوئی خبر ان کی اخبار سے حد شہرت کو نہیں پہنچی اور ایک دو سے آگے نہیں بڑھی۔ اگر کسی وقت میں کوئی خبر ان کے اخبار سے بروایت ایک جماعت کے

وارد بھی ہوتی تو ایک لفظ الفاظ متقاربہ سے نہیں ہے۔ اختلاف الفاظ اور اضطراب ان کا اس طور سے آتا ہے کہ جمع اور تطبیق دشوار پڑ جاتی ہے۔ اور تعدد راویوں کا جب اس طرح پر ہو کہ ہر ایک ایک ہی قصے میں ایسی چیز روایت کریں کہ مخالف دوسرے کے ہو تو قادح صحت خبر کا ہوتا ہے نہ مفید شہرت اور اس اختلاف و اضطراب کے ساتھ آخر سند میں مختلف منتہی ہوتی ہیں رجال معدودے کہ خود یہ ان کو بجرح اور تہمت کذب کے طعن کرتے ہیں۔ اور ایک تعجب سنو کہ ایک گروہ تو ان کے ثقات سے ایک خبر روایت کرکے حکم اس کی صحت کا کرتے ہیں اور دوسرے ثقات جو ہم درجہ انہیں اولین کے ہیں اس کو موضوع اور مفتری بتاتے ہیں حالانکہ خود وہ جملہ اخبار ان کے ثابت ہیں۔ مثلاً قرآن شریف کی آیتوں میں جو کچھ بدل ڈالنے اور ساقط کر دینے سے روایت کرتے ہیں ابن بابویہ نے ان اخبار کو وضعی کہا ہے اور وہی روایتیں ان اسناد صحیحہ کے ساتھ جو ان کے گمان میں صحیح ہیں کافی کلینی میں موجود۔ ایسی ہی خبر لیلۃ التعریس اور خبر ذی الیدین پر ابن مطہر حلی نے حکم وضع کا لگایا ہے وہ بھی کافی کلینی میں موجود۔ اور شیخ ابن بابویہ اور محمد بن حسن صفار نے روایت کی ہے خبر میثاق سے حالانکہ اسناد ہر ایک کے ان کے گمان میں صحیح ہے۔ اور شریف مرتضیٰ ان کے وضع میں مبالغہ کرتا ہے۔

بہر حال جو نوبت بیان کی یہاں تک پہنچی کہ ان کی روایات اور اخبار کا مذکور درمیان میں آ گیا جو بحقیقت ان کے عماد مشرب اور مدار مذہب ہیں جن کے ذریعے اور حوالے سے اپنے الزاموں کو ٹالتے ہیں اور اسی سبب سے ان کے اخبار والے دیگر علماء پر فخر و ابتہاج کرتے ہیں کہ ہمارے اخباروں سے بچے رہتے ہو تو لازم آیا کہ ایک باب مفصل ان کے اخبار اور راویوں کے حال کا علیحدہ لکھا جائے۔ اس لیے کہ کلام ضمنی اور اجمالی سے ایسے مقاموں میں بخوبی تسکین خاطر سننے والے کی نہیں ہوتی جب تک کہ تفصیل اور خاص بیان اسی کا نہ ہو۔ باللہ الاستعانۃ ومنہ التوفیق۔

باب چہارم

در اقسام اخبار شیعہ و احوال رجال اسانید ایشان

اصول قسموں خبر کی ان کے نزدیک چار ہیں۔ صحیح اور حسن اور موثق اور ضعیف۔

صحیح وہ ہے کہ روایت اس کی متصل ہو معصوم کے ساتھ بوسیلۂ عدل کسی امام کے۔ پس موافق اس تعریف کے جو خود انہوں نے کی ہے مرسل اور منقطع صحیح میں داخل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ان میں اتصال

نہیں۔ اور حال یہ کہ اپنے اطلاقات میں مرسل اور منقطع کو صحیح کہتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں روی ابن ابی عمیر فی الصحیح کذا و فی صحیحۃ ابن ابی عمیر کذا۔ اور راوی عادل کا بھی اطلاق صحیح میں اعتبار نہیں کرتے۔ اور اس تعریف میں عدل ماخوذ ہے۔ بس روایت مجہول الحال کو بھی صحیح کہتے ہیں۔ جیسے حسین بن حسن بن ابان کہ وہ مجہول الحال ہے جس پر نص کی ہے حلی نے منتہی میں۔ اور تقی الدین بن داؤد نے خلاصہ میں کہا ہے کہ :۔

طَرِيْقُ الْفَقِيْهِ إِلَى مُعَاوِيَةَ بْنِ مَيْسَرَةَ وَإِلَى عَايِذِ الْأَحْمَسِيِّ وَإِلَى خَالِدِ بْنِ أَبِي نَجِيْحٍ وَإِلَى عَبْدِ الْأَعْلَى صَحِيْحٌ ۔	یعنی راہ فقیہ کی طرف معاویہ بن میسرہ اور طرف عاید احمسی اور طرف خالد بن ابی نجیح اور طرف عبدالاعلیٰ کے صحیح ہے۔

اور ان کا حال یہ کہ پہلے جو تین آدمیوں سے ہیں ان سے کسی نے کسی کو توثیق و جرح کے ساتھ یاد نہیں کیا اور چوتھے کی البتہ خود توثیق نہیں کی ہے۔ بلکہ امامی ہونا راوی کا بھی اطلاق صحیح میں ان کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ پس تمام قیدوں تعریف سے غفلت اور سستی کی ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ حسن بن سماعہ کی روایت کو صحیح کہتے ہیں اور حال یہ کہ وہ واقفیہ سے تھا کہ وقف میں اس کو پورا پورا تعصب تھا اور جو امام وقت دعویٰ امامت کا کرتا تھا یہ اس کو جھوٹا بناتا تھا اور نیز صحیح بتاتے ہیں روایت ابان بن عثمان کو کہ فطحی تھا منکر امام وقت اور قائل امامتِ غیر کا۔ اور صحیح ٹھیراتے ہیں روایت علی بن فضال اور عبداللہ بن بکیر کو حالانکہ دونوں فاسد المذہب ہیں اور عجب یہ کہ ان باتوں کو بھی علماء ان کے اپنے رجال کے حال میں لکھتے اور کہتے ہیں۔ اور پھر ایسے لوگوں کی روایات پر توثیق و تصحیح بھی کرتے ہیں بالاتفاق۔ ابن مطہر حلی خلاصۃ الاقوال میں کہتا ہے عَلِيُّ بْنُ فَضَّالٍ كَانَ فَقِيْهَهَا بِالْكُوْفَةِ وَوَجْهَهُمْ وَثِقَتَهُمْ وَعَارِفَهُمْ بِالْحَدِيْثِ (تھا علی بن فضال ایک دانشمند کوفہ میں سامنے ان کے اور معتمد اور شناسندہ ان کا حدیث ہیں) اور نجاشی کہتا ہے لَمْ أَعْتَزِلْهُ عَلَى زَلَّةٍ (یعنی نہیں علیحدہ کیا میں نے اس کو لغزش پر) پس اخبار اس گروہ کے موافق ان کے قاعدہ کے موثق ہونا چاہییں نہ کہ صحاح۔ اس لیے کہ صحیح میں امامی ہونا راوی کا شرط ہے محض عدالت کفایت نہیں کرتی ہے۔ اور اس شخص کی حدیث پر بھی حکم صحت کا کرتے ہیں جس کے حق میں معصوم نے بددعاء اور لعنت کی ہے جیسے أَخْزَاهُ اللّٰهُ اور قَاتَلَهُ اللّٰهُ (رسوا کرے اس کو خدا اور لعنت کرے اس پر خدا) اور مثل ان کلمات کے ارشاد فرمایا اور حکم عقیدۂ فاسد کا اس پر کیا اور اپنی بیزاری اور برات اس سے ظاہر کی۔ اور تصحیح کرتے ہیں روایت اس شخص کی جس نے امام وقت پر جھوٹ بولا اور امام نے اس روایت میں اس کو اپنی طرف سے جھوٹا بنایا اور اس نے بھی اپنے جھوٹ کا اقرار کیا۔ اور نیز تصریح کرتے ہیں روایاتِ مجسمہ اور مشبہہ مصرحہ کی جو اپنے اعتقاد میں جسمیت اور مکان اور جہت خدا تعالیٰ کے واسطے ثابت کرتے ہیں اور اس کو

صورت و شکل والا جانتے ہیں اور انکار اس کی صفات کا کرتے ہیں کہ ازل میں یہ صفتیں اس میں نہ تھیں اب ہوئی ہیں کہ یہ سب باتیں موجب کفر کی ہیں بالاجماع۔ اور ظاہر ہے کہ روایت کافر کی مسموع نہیں ہے چہ جائے صحت۔ اور بھی حدیث صحیح جاری اس بات پر جو رقعوں میں پائی ہے کہ ان رقعوں کو ابن بابویہ قمی نے ظاہر کیا ہے۔ اور روایت کرتے ہیں ان خطوں پر جن کو خط ائمہ کے جانتے ہیں اور اس قسم کی روایت کو اور اپنی روایتوں صحیح الاسناد پر ترجیح دیتے ہیں جن پر ان کا عمل ہے۔ بلکہ ابن بابویہ نے اس پر نص کی ہے۔ چنانچہ آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور بھی اطلاق صحیح کا کرتے ہیں اس شخص کی روایتوں پر کہ جس نے بھید امام کا ظاہر کیا اور ان کی امانت میں خیانت کی ہے مثل ابو بصیر کے کہ اس کا ذکر بھی قریب آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اطلاق کرتے ہیں خبر کاذب الاسناد پر کہ راوی نے وہ خبر سنی تو ایک شخص سے ہے اور نسبت اس کی اس کے باپ یا دادا سے کرتا ہے۔ اور نیز اطلاق کرتے ہیں ایسے شخص کی خبر پر کہ بالاجماع مجہول الحال ہے جیسے حسن بن ابان سے کہ ابن مطہر نے منتہی اور مختلف میں اور شیخ مقتول نے دروس میں اس کی خبر کو صحیح بتایا ہے۔ اور بھی اس شخص کی خبر کہ اس کو ضعیف ٹھیرایا ہے مثل محمد بن سنان کہ اس کو بشدت ضعیف جانتے ہیں مع ہذا اس کے اخبار پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور صحیح جانتے ہیں روایت اس شخص کی جس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں ایلچی ہوں امام کا اور اس کے شیعہ کا اور حالانکہ نہ کوئی گواہ نہ کوئی دلیل ایلچی گری کی۔ بلکہ جو کوئی دعویٰ کرے کہ میں نے صاحب الامر کو دیکھا ہے اور امامی عدل ہو گو دعویٰ ایلچی گری کا کرے یا نہ کرے اس کی خبر کو بھی صحیح جانتے ہیں جیسے ابن مہریار اور داؤد جعفری۔

یہ حال تو ان کی حدیث صحیح کا ہے جو سب اقسام میں اقویٰ اور اعلیٰ ہے۔ اب سنیے دوسری قسم کا جو حسن ہے اس کی تعریف یوں کی ہے کہ هُوَ مَا اتَّصَلَ رِوَايَتُهُ إِلَى مَعْصُوْمٍ بِإِمَامِيٍّ مَمْدُوْحٍ مِنْ غَيْرِ نَصٍّ عَلَى عَدَالَتِهِ (یعنی حسن وہ چیز ہے جس کی روایت کسی معصوم سے لگی ہوئی ہو بواسطہ کسی امامی کے جو موصوف بصراحت پرہیزگاری کے نہ ہو) پس یہاں لازم آتا ہے کہ مرسل اور منقطع حسن نہ ہوں اور اطلاق حسن کا مرسل اور منقطع پر ان کے نزدیک خوب ظاہر اور پھیلا ہوا ہے۔ چنانچہ ان کے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ روایت زرارہ کی مفسد حج کے معاملے میں جب اس کو لوٹ لے تو حسن ہے باوجود اس کے کہ منقطع ہے اور یہ حادثہ ان کے اخبار میں بے نہایت ہے۔ اور اطلاق حسن کا کرتے ہیں ان لوگوں کی روایتوں پر جو اس تعریف کے ساتھ نہیں ہوئے ہیں۔ ابن مطہر کہتا ہے طَرِيْقُ الْفَقِيْهِ إِلَى مُنْذِرِ بْنِ جَبْرٍ حَسَنٌ (یعنی راہ فقیہ کی بس منذر بن جبر ہی تک حسن ہے) حالانکہ منذر بن جبر کی کسی نے اس فرقے سے مدح نہیں کی اور مثل اس کے طَرِيْقُ الْفَقِيْهِ إِلَى إِدْرِيْسَ بْنِ زَيْدٍ (یعنی راہ سند فقیہ کی ادریس بن زید تک ہے) اور روایات واقفیہ کو کہ امامی نہ ہونا ان کا اظہر من الشمس ہے بھی حسن کہتے ہیں جیسے طَرِيْقُ الْفَقِيْهِ إِلَى سَمَاعَةَ بْنِ مِهْرَانَ مَعَ

اَنَّہٗ وَاقِفِیٌّ (راہ اسناد نقیہ کی سماعہ بن مہران تک ہے باوجود واقفی ہونے اس کی کے)۔

اب موثق کہ اس کو قوی بھی کہتے ہیں، پس تعریف اس کی یہ ہے :۔

مَادَخَلَ فِیْ طَرِیْقِہٖ مَنْ نَصَّ الْاَصْحَابُ عَلٰی تَوْثِیْقِہٖ مَعَ فَسَادِ عَقِیْدَتِہٖ مَعَ سَلَامَۃِ بَاقِی الطَّرِیْقِ عَنِ الضُّعْفِ ۔	موثق وہ چیز ہے کہ داخل ہوا ہے اس کی سند میں وہ شخص جس کی تصریح کی ہو علماء نے کہ یہ معتمد ہے باوجود اس کے کہ اس کے اعتقاد میں بدی ہو مگر ضعف سے سند اس کی سلامت ہو۔

یہاں بھی ان کو خبط واقع ہوا۔ پس اطلاق موثق کا ضعیف پر کرتے ہیں جیسے وہ خبر جس کو سکونی نے ابی عبد اللہ اور امیر المومنینؑ سے روایت کی کہ عن قریب آتی ہے اس کو موثق کہا ہے حالانکہ ضعیف ہے باجماع اس فرقے کے ۔ اور نیز روایت نوح بن دراج اور ناجیہ بن عمارۃ صیداوی اور احمد بن عبد اللہ بن جعفر حمیری پر اطلاق قوی کا کرتے ہیں۔ حال یہ کہ ہیں تو یہ سب امامیوں سے لیکن نہ ممدوح نہ مذموم۔

اب ضعیف کی تعریف یہ ہے کہ مَا اشْتَمَلَ طَرِیْقُہٗ عَلٰی مَجْرُوْحٍ بِالْفِسْقِ وَنَحْوِہٖ اَوْ مَجْهُوْلِ الْحَالِ (یعنی ضعیف وہ ہے کہ شامل ہو سند اس کی کسی ایسے شخص سے جو بدکاری کے ساتھ تہمت کیا گیا ہو اور مثل بدکاری کے جو کچھ ہو یا مجہول الحال)۔ اور یہ دیکھو کہ عمل صحیح پر ان کے نزدیک واجب ہے بے اختلاف اور بعض موقعوں پر اپنے گمان میں روایت تو صحیح کرتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ شاذ ہے باوجود اس کے کہ وہ مؤید ہے اور اخبار کی کہ وہ صحیح ہیں جیسے روایت کی سعد بن ابی خلف نے ابی الحسن کاظم علیہ السلام سے اور کہا سَاَلْتُہٗ عَنْ بَنَاتِ الْاِبْنَۃِ وَجَدَّۃٍ فَقَالَ لِلْجَدَّۃِ السُّدُسُ وَالْبَاقِیْ لِبَنَاتِ الْاِبْنَۃِ (پوچھا میں نے ان سے اور لڑکی کی لڑکیوں کے حصے اور دادی کے حصے سے کہا دادی کا چھٹا حصہ باقی نواسیوں کا ہے)۔ اور یہ خبر ان کے نزدیک صحیح ہے۔ اور ایک جماعت کثیر نے امامیہ سے بطریق مختلفہ روائتیں کی ہیں کہ وہ بھی مؤید اس کی ہیں۔ چنانچہ ایک ان میں سے یہ ہے جس کو روایت کیا علی بن حسین بن رقاط نے اور بلند کیا اس کو طرف ابی عبد اللہ کے قَالَ لِلْجَدَّۃِ لَهَا السُّدُسُ مَعَ اِبْنَتِهَا وَمَعَ اِبْنَۃِ اِبْنَتِهَا (یعنی کہا اس کی دادی کا حصہ ہے باوجود اس کی لڑکی اور باوجود اس کی لڑکی کی لڑکی کے) اور انہی میں سے ہے وہ جو روایت کی زرارہ نے ابی جعفر سے اور کہا :۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْطَی الْجَدَّۃَ السُّدُسَ وَلَمْ یَفْرِضْ لَهَا اللّٰہُ شَیْئًا وَهٰذَا خَبَرٌ مُوَثَّقٌ۔	بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا دادی کو چھٹا حصہ اور نہیں مقرر کیا ہے خدا نے اس کے واسطے کچھ۔ اور یہ حدیث معتمد ہے ۔

اور اسی قسم ہے یہ کہ روایت کی اسحاق بن عمار نے ابی عبد اللہ سے ماں باپ اور نانی کے معاملے

میں قَالَ لِلْاُمِّ السُّدُسُ وَلِلْجَدَّۃِ السُّدُسُ وَمَا بَقِیَ وَهُوَ الثُّلُثَانِ لِلْاَبِ (کہا ماں کا چھٹا حصہ اور دادی کا چھٹا حصہ اور جو کچھ بچا کہ وہ دو ثلث ہیں باپ کے)۔

اب دیکھو پہلی روایت صحیح ہے اور مؤید اس کے اور بھی ان کے یہاں موجود ہیں۔ اور اوپر لکھا گیا کہ بے اختلاف صحیح پر عمل واجب ہے، مع ہذا اس کے وجوب عمل میں بجنسہ اختلاف ہے بعض مطلقاً عمل اس پر واجب جانتے ہیں مثل صحیح کے۔ چنانچہ شیخ الطائفہ نے یہی مذہب اختیار کیا ہے۔ اور بعض منع کرتے ہیں مطلق، اور یہ لوگ بہت ہیں۔ بعض یہ تفصیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر مضمون اس خبر کا مشہور ہو درمیان اصحاب کے تب عمل اس پر واجب ہے، اور نہیں تو نہیں اور اسی حکم میں موثق وضعیف کو داخل کرتے ہیں۔ فخر الدین بن جمال الدین بن مطہر حلی بھی اسی طرف گیا ہے اور معتبر میں اس کو تنصیص کیا ہے۔ اور شیخ مقتول محمد بن مکی نے بھی کہ اس کا شاگرد ہے ذکری میں یہی تصریح کی ہے۔ اور اکثر ان کے علماء نے موثق پر عمل جائز نہیں رکھا ہے باوجود اس کے کہ روایات مثل ابن بکیر اور ابن فضال کو صحیح اور واجب العمل جانتے ہیں جیسا کہ گزرا۔ اور فخر الدین مذکور اور شاگرد اس کے عمل اس پر بھی واجب جانتے ہیں بشرطیکہ معتضد بشہرت ہوئی ہو[1]۔ اور تدوین اور روایت اس کی لفظ واحد یا الفاظ متقاربہ کے ساتھ رائج اور کثیر ہو۔ اور اس کے مضمون پر فتویٰ بھی درمیان علماء کے رواج پا گیا ہو۔ پس اکثر حدیثیں اہل سنت کی کہ ان کی کتابوں میں جمع ہیں اور مشہور اور مفتیٰ بہ واجب العمل ہوں گی۔ اور متاخرین ان کے عمل ضعیف پر بھی جائز رکھتے ہیں اگر معتضد بشہرت ہوئی ہو۔ اور شیخ الطائفہ روایت فساق عمل کو قابل عمل جانتا ہے اور اعتضاد شہرت کی بھی شرط نہیں کرتا۔ اور کلینی بعض لوگوں کی روایت کو جن کو اماموں کے اصحاب کے گنتے ہیں گو وہ منکر امامت اس امام کے ہوں قابل عمل کے جانتا ہے۔ حالانکہ ایسا شخص ان کے نزدیک کافر ہے خصوصاً جب اس کو امام نے دعوت کی ہو اور اس نے انکار کیا ہو۔

اب اس موقع پر یہ بھی جاننا چاہیے کہ اکثر علماء شیعہ کے اگلے زمانے میں اپنے اصحاب کی مرویات پر عمل کرتے تھے بلا تحقیق و تفتیش اور تمیز رجال اسناد کا ہرگز ان میں نہ تھا اور کوئی کتاب ان کی ذکر احوال رجال اور جرح و تعدیل میں نہ تھی اور یہ حالت ان میں بہت دنوں رہی تو یہ ہوا کہ کشی نے تقریباً ۳۰۰ھ میں ایک کتاب ان کی اسماء رجال اور احوال راویوں میں تصنیف کی اور وہ کتاب بہت مختصر تھی دیکھنے والوں کو اس سے حیرت و تشویش ہوتی تھی اس واسطے کہ خبریں تو باہم جھگڑتے ہوئی جرح اور تعدیل میں وارد ہیں لیکن ترجیح ایک کی دوسرے پر میسر نہ ہوئی اس سبب سے حال ان کے رجال کا مشتبہ ہوا۔ اس کے بعد غضایری نے ضعفاء میں کلام کیا۔ پھر نجاشی اور ابو جعفر طوسی نے جرح اور تعدیل میں کتابیں لکھیں۔ اور جمال الدین بن طاؤس اور ابن مطہر اور تقی الدین بن داؤد نے بھی اس مقدمے میں دفتر سیاہ کیے لیکن ان سب نے بھی مدح اور قدح کے

[1] قوت پائی ہوئی شہرت سے ہو۔

جھگڑوں کی توجیہ سے سستی اور غفلت ہی کی۔ ترجیح کسی کی دونوں طرفوں سے ایک پر دلیل قوی کے ساتھ میسر نہ ہوئی اسی لیے صاحب درایہ نے انصاف کرکے ان کی تقلید سے جرح اور تعدیل کے مقدمہ میں منع کیا ہے اور کہا کہ اکثر ٹھکانوں میں ان کے نزدیک تعدیل ایسی چیز کے ساتھ حاصل ہوتی ہے کہ ہرگز قابل تعدیل کے نہیں۔ چنانچہ ان کی کتابیں دیکھنی خصوصًا خلاصۃ الاقوال سے کہ خلاصہ ان کے بڑے بڑے دفتروں علم رجال کا ہے ظاہر ہوتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ ابھی تک ان کو خود احوال اپنے رجال کا صاف اور منقح نہیں ہے اور اشتباہ رفع نہیں ہوا۔

اور تعجب یہ کہ ان کے علمائے رجال نے اکثر اسمار کو تصحیف کیا ہے اس سبب سے حال خبر کا مشتبہ ہوگیا مثلاً ابو نصیر بہ نون کو بہ ابو بصیر بہ بائے موحدہ اور براجم برائے مہملہ اور جیم کو بزائے معجمہ و حائے حطی سے بدل کر بزاحم کیا ہے پھر ان کو مقبول الروایۃ اور غیر مقبول الروایۃ کیوں کر متمیز ہو۔ اور سب میں ابن مطہر رئیس المصحفین ہے اس نے بہت سے نام تصحیف کر ڈالے پس جو کوئی ہمارے قول کی صداقت اور اس حال کی شہادت کا خواہاں ہو چاہیے کہ خلاصۃ الاقوال ایک طرف رکھے اور ایضاح الاشتباہ ایک طرف رکھے اور اختلاف جو ان دونوں میں پڑے ہیں دیکھے تو عجائب قدرت الٰہی کا تماشا نظر آئے گا۔ تقی الدین بن داؤد نے اس خبط و اشتباہ پر مشتبہ ہوکر ہر ایک کی جگہ جگہ خطا پکڑی ہے اور اپنے گمان کے موافق اصلاح کی تاہم بہت جگہ جگہ گرفت و گیر کی باقی رہی۔ اصل یہ ہے کہ اخباریین ان کے بڑے غافل اور کاہل ہوئے ہیں۔ ع وَلَنْ یُّصْلِحَ الْعَطَّارُ مَا اَفْسَدَ الدَّهْرُ (یعنی عطار ہرگز درست نہیں کر سکتا جس کو زمانے نے خراب کیا)۔

تعین مفرق اور متفق کا ان میں ہرگز رواج نہ تھا ایسا بہت ہے کہ مثلاً ایک راوی دوسرے راوی کے ساتھ اپنے نام اور باپ کے نام سے شریک و متفق ہے اور اخباریین ان کے وہی نام مشترک بلا تمیز کسی علامت کے جس سے دونوں میں فرق ہو جائے ذکر کرتے ہیں پس ثقہ اور غیر ثقہ مشتبہ ہو جاتے ہیں اور مقبول الروایۃ اور مردود الروایۃ ایک لباس سے سر نکالتے ہیں۔ مثلاً تمام اخباریین ان کے محمد بن قیس سے روایت کرتے ہیں مطلقاً بلا قید۔ اور یہ نام مشترک چار آدمیوں میں ہے کہ دو ان میں سے ان کے نزدیک ثقہ ہیں محمد بن قیس الاسدی کہ اس کی کنیت ابو نصر ہے۔ اور محمد بن قیس البجلی کہ اس کی کنیت ہے ابو عبداللہ، اور ایک شخص ممدوح غیر توثیق ہے محمد بن قیس اسدی مولی بنی نصر کا اور ایک شخص ضعیف نہایت محمد بن قیس جس کی کنیت ابی احمد ہے۔ اور ابن بابویہ اسی شخص اخیر سے بہت روایت کرتا ہے اور مطلق بے تمیز پس لوگوں کو التباس واقع ہوتا ہے۔ اور شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی بھی اس غفلت و سستی میں شیخ المغفلین ہے اور اور لوگ بھی بدستور عمل کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے روایتیں ان کی خود ان کے نزدیک بھی قابل اعتماد

نہیں رہی ہیں۔

اور کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ کوئی خبر موثق تو وارد ہوتی ہے مگر یہ عمل نہیں کرتے اس سبب سے کہ موثق ہے۔ جیسے سکونی نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے روایت کی اور کہا:۔

قَالَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَلِيُّ لَا تُقَاتِلْ اَحَدًا حَتّٰى تَدْعُوْهُ وَاَيْمُ اللّٰهِ لِاَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْكَ رَجُلًا خَيْرٌ لَّكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَغَرَبَتْ وَلَكَ وِلَاءُهٗ يَا عَلِيُّ۔

یعنی فرمایا امیر المومنین رض نے کہ بھیجا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا اے علی! جب تک کہ دعوت اسلام کی نہ کرے تب تک کسی سے مت لڑ۔ اور قسم ہے خدا کی یہ کہ ہدایت کرے خدا تیرے ہاتھ پر کسی مرد کو تو بہتر ہوگا اس چیز سے کہ طلوع کیا آفتاب نے اس پر یا غروب کیا اور تو اس کا مولی ہوگا اے علی!

پس یہ خبر موثق ہے اس پر عمل نہیں کرتے اس لیے کہ موثق ہے۔ اور روایت ضعیف پر عمل کرتے ہیں۔ حالانکہ بالاجماع ان کے نزدیک بھی ضعیف موثق سے نیچے درجے میں ہے۔ اس کی مثال میں یہ خبر ہے کہ روایت کی عبید بن زرارہ نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الصَّبِيِّ يُزَوَّجُ الصَّبِيَّةَ هَلْ يَتَوَارَثَانِ فَقَالَ نَعَمْ اِذَا كَانَ اَبَوَاهُمَا زَوَّجَاهُمَا (ہر آئینہ پوچھا گیا ان سے صبی سے جو صبیہ سے نکاح کیا جائے آیا یہ دونوں باہم وارث ہوتے ہیں۔ تو فرمایا البتہ ہرگاہ کہ دونوں کے باپ نے نکاح کیا ہو)۔ اور یہ خبر باجماع اس فرقہ کے ضعیف ہے لِاَنَّ فِيْ طَرِيْقِهِ الْقَاسِمُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَهُوَ مَجْهُوْلُ الْعَدَالَةِ (یعنی اس واسطے کہ اس کی سند میں قاسم بن سلیمان ہے اور اس کی عدالت (پرہیزگاری) معلوم نہیں) اور حالانکہ سب علماء ان کے اس پر عمل کرتے ہیں۔ پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ شیخ الطائفہ نے اس مقدمہ میں بڑی وسعت کی ہے اور عمل ہر حدیث ضعیف پر جائز بلکہ واجب گنا ہے۔ اور اس بات پر دلیل لایا ہے یہ خبر عُمَرُ وَابْنُ حَنْظَلَةَ فِي الْمُتَخَاصِمَيْنِ مِنْ اَصْحَابِهِمْ وَاَمْرِهِمْ بِالرُّجُوْعِ اِلٰى رَجُلٍ مِنْهُمْ (یعنی خبر عمرو بن حنظلہ کی متخاصمین میں ان کے اصحاب سے اور ان کے حکم سے کہ ایک مرد کی طرف رجوع ہوئے ان سے) اور یہ خبر معمول بہ ہے سب فرقوں کے نزدیک حالانکہ شدید الضعف ہے:۔

لِاَنَّ فِيْ طَرِيْقِهٖ مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى وَدَاؤُدُ بْنُ حَصِيْنٍ ضَعِيْفَانِ جِدًّا وَعُمَرُ وَابْنُ حَنْظَلَةَ لَمْ يَنُصَّ فِيْهِ بِتَعْدِيْلٍ وَلَا جَرْحٍ۔

اس واسطے کہ بے شک ان کی سند میں محمد بن عیسٰی اور داؤد بن حصین ہیں اور وہ دونوں راوی نہایت ضعیف ہیں۔ اور عمرو بن حنظلہ کی کسی نے تصریح اعتبار اور غیر اعتبار کی نہیں کی ہے۔

آور ایسی خبر کا مقبول المتن نام رکھا ہے اور ایسی خبریں ان کے یہاں حد احصاء سے زیادہ ہیں پھر باوجود اس قدر وسعت کے ترک عمل موثق کی کیا وجہ۔ آور عجب تر یہ کہ کلینی میں روایت صریح موجود ہی حضرت ابو عبداللہ سے کہ مراسیل کے عمل کو منع کیا ہے جیسے نقل اس کی قریب آتی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور خود انہوں نے تعریف صحیح اور حسن میں اتصال سند کا شرط کیا ہے۔ پھر بھی مراسیل ابن ابی عمیر پر عمل واجب جانتے ہیں۔ آور دعویٰ یہ کہ یہ ابن ابی عمیر ارسال نہیں کرتا ہے مگر ثقات سے کہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ چنانچہ صاحب بشریٰ شارح ذکریٰ نے اس معاملے میں ان کے جمہور سے جھگڑا کیا ہے۔ اور نظیری اور عبداللہ بن مغیرہ کے مراسیل پر بھی عمل واجب جانتے ہیں کہ ان دونوں کا حال جلدی معلوم ہو جائے گا۔

آور پھر شیخ الطائفہ اور اس کے تابع پچھلے لوگ اضطراب کو خبر پر عمل کرنے میں قادح نہیں گنتے ہیں :۔

وَهُوَ مَا اخْتَلَفَ رِوَايَتُهٗ اَوِ الرَّاوِي الْوَاحِدُ مَتْنًا وَاِسْنَادًا فَرَوٰى مَرَّةً عَلٰى وَجْهٍ وَمَرَّةً عَلٰى وَجْهٍ اٰخَرَ مُخَالِفٍ لَهٗ مِنْ غَيْرِ تَرْجِيْحِ اَحَدِهِمَا عَلَى الْاُخْرٰى۔

اور اضطراب یہ ہے کہ مختلف ہو روایت یا راوی احد حدیث اور اسناد میں کہ روایت کی اس نے ایک مرتبہ ایک وجہ پر دوبارہ مخالف اس کے اور دونوں میں سے کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی۔

آور حال یہ کہ اضطراب مانع عمل کا ہے ظاہر از روئے عقل کے اس واسطے کہ طرفین متخالفین پر اکٹھا عمل کرنا ممکن نہیں ہے اور ترجیح بلا مرجح بھی محال۔ چنانچہ اکثر اصولیین ان کے یہی اقرار مانعیت اضطراب کا کرتے ہیں۔

آور اخباریین ان کے بھی اجماع رکھتے ہیں اس بات پر کہ جو چیز بخط ائمہ موجود ہے اس کو ترجیح ہے اُس پر جس کی باسناد صحیح روایت کی گئی ہو اگر باہم متعارض ہوں نَصَّ عَلَيْهِ ابْنُ بَابَوَيْهِ وَعَمَلٌ بِالْخُطُوْطِ دُوْنَ مَا رَوَاهُ الْكُلَيْنِيُّ بِاِسْنَادِهِ الصَّحِيْحِ (یعنی تصریح کی ہے اس پر ابن بابویہ نے اور عمل کرنا خط پر سوائے اُس چیز کے ہے کہ روایت کی کلینی نے باسناد صحیح) ظاہر بات ہے کہ ثابت ہونا اس بات کا کہ یہ خط امام کا ہے بہت دشوار ہے۔ پس احکام شرعیہ کو کہ مقدمہ دین و ایمان کا ہے اس قسم شہادت پر ثابت کرنا عقل اور دین داری سے دور ہے۔

آور غلاۃ سے جماعت کثیر نے وضع کرنا حدیثوں کا جائز رکھا ہے اور حدیثیں بے شمار واسطے نصرت اپنے مذہب کے وضع کی ہیں مثل ابو الخطاب آور یونس بن ظبیان اور یزید بن صائغ کہ ان کی تصریح کی ہے صاحب تحفۃ القاصدین فی اصطلاح المحدثین نے آور جملہ غلاۃ اور واضعانِ حدیث سے بیان نہدی ہے کہ شیوخ امامیہ سے ہے اور مجتہد ان کا کہ زندیق محض تھا۔ آور مغیرہ بن سعید عجلی :۔

كَانَ بِالْكُوْفَةِ سَاحِرًا كَذَّابًا قَتَلَهُمَا خَالِدُ ‖ تھے کوفہ میں جادوگر اور دروغ گو قتل کیا ان دونوں کو خالد

ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْقَسْرِيُّ وَاَحْرَقَهُمَا بِالنَّارِ وَكَانَا اِذَا رَاٰيَا رَاْيًا جَعَلَا لَهٗ حَدِيْثًا۔ ‖ ابن عبداللہ قسری نے اور جلایا ان دونوں کو آگ میں اور تھے وہ دونوں ایسے کہ جب کوئی تجویز کرتے تھے اسی وقت اس کے لیے حدیث بنا لیتے تھے۔

آور عبداللہ بن میمون قداح سے بھی ان کی کتابوں میں روایتیں بہت ہیں۔ اول معالم الاصول تبرکاً چند حدیث اس کی روایت میں لایا ہے اور احوال اس کا سابق مفصل گزرا کہ خاص زندیق اور نرا جھوٹا تھا۔ اس کے رجال میں باطنیہ اسماعیلیہ قرامطہ بہت پائے جاتے ہیں۔

آور جو لوگ کہ پیشوا اور مقتدا ان کے ہیں اگر تفصیل ان کی لکھی جائے تو ایک دفتر طویل چاہیے لیکن یہاں بطور نمونے کے کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری احوال زرارہ بن اعین شیبانی کوفی میں میزان ذہبی سے نقل کرتا ہے اور اس پر سکوت کرتا ہے۔

زُرَارَةُ بْنُ اَعْيَنَ الشَّيْبَانِيُّ الْكُوْفِيُّ اَخُوْ حُمْرَانَ يَتَرَفَّضُ۔ ‖ یعنی زرارہ بن اعین شیبانی کوفی بھائی حمران کا رافضی ہے۔

قَالَ الْعُقَيْلِيُّ فِي الضُّعَفَاءِ حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ اِسْمٰعِيْلَ قَالَ حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ خَالِدٍ الثَّقَفِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ خَالِدِ الصَّيْدِيُّ عَنْ اَبِي الصَّبَّاحِ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَعْيَنَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ لَا يُغَسِّلُنِيْ اَحَدٌ غَيْرُكَ۔ ‖ کہا عقیلی نے کہ قوم ضعیف سے ہے حدیث کی ہم سے یحییٰ ابن اسمٰعیل نے کہا اس نے کہ حدیث کی مجھ سے یزید بن خالد ثقفی نے اس نے کہا کہ حدیث کی مجھ سے عبداللہ بن خالد صیدی نے ابی صباح سے اور اس نے زرارہ بن اعین سے اور محمد بن علی بن عباس سے کہا اس نے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اے علی! نہ غسل دے مجھ کو کوئی سوائے تیرے۔

حَدَّثَنَا يَحْيٰى قَالَ حَدَّثَنَا اَبِيْ قَالَ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّمَّانِ قَالَ حَجَجْتُ فَلَقِيَنِيْ زُرَارَةُ بْنُ اَعْيَنَ بِالْقَادِسِيَّةِ فَقَالَ اِنَّ لِيْ اِلَيْكَ حَاجَةً وَعَظَّمَهَا فَقُلْتُ مَا هِيَ فَقَالَ اِذَا لَقِيْتَ جَعْفَرَ ابْنَ مُحَمَّدٍ وَاَقْرِاْهُ مِنِّي السَّلَامَ وَسَلْهُ اَنْ يُخْبِرَ لِيْ اَنَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ اَمْ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَاَنْكَرْتُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ ‖ ذکر کیا مجھ سے یحییٰ نے اس نے کہا کہ ذکر کیا مجھ سے میرے باپ نے اس نے کہا سعد بن منصور نے اس نے کہا سمان نے اس نے کہا کہ میں نے حج کیا پھر مجھ کو ملا زرارہ بن اعین قادسیہ میں سو اس نے کہا کہ بیشک میری تجھ سے ایک حاجت ہے اور اس حاجت کو بڑا کر کے بتایا پھر میں نے پوچھا وہ کیا حاجت ہے؟ کہا جس وقت کہ تو جعفر بن محمد سے ملاقات کرے تو ان سے میرا سلام کہہ اور پوچھ یہ کہ بتائے وہ مجھ کو میں دوزخی ہوں یا بہشتی ہوں، میں نے اس بات پر انکار کیا کہ وہ کیا جانیں؟ کہا

لِیْ اِنَّهٗ یَعْلَمُ ذٰلِكَ فَلَمَّا لَقِیْتُ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ اَخْبَرْتُهٗ بِالَّذِیْ کَانَ مِنْهُ فَقَالَ هُوَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَقُلْتُ مِنْ اَیْنَ عَلِمْتَ اَنَّهٗ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَقَالَ مِنْ اِعْتِقَادِهِ الْبَاطِلِ انتہٰی۔

مجھ سے کہ بے شک وہ جانتے ہیں اس کو۔ پھر جب میں ملاقی ہوا جعفر بن محمد سے، کہا میں نے ان سے جو کچھ کہا تھا۔ پس کہا انہوں نے کہ وہ دوزخیوں سے ہے میں نے پوچھا کہ تم نے کہاں سے جانا کہ وہ دوزخی ہے؟ کہا اس کے اعتقاد باطل سے۔

قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے کہ زرارہ کے چار بھائی اور تھے حمران، عبدالملک، بکیر، عبدالرحمن اور زرارہ کے دو لڑکے تھے حسن اور حسین۔ اور حمران کے دو بیٹے حمزہ اور محمد، عبدالملک کا ایک بیٹا عریش۔ بکیر کے پانچ بیٹے عبداللہ، جہم، عبدالمجید، عبدالاعلیٰ، عمرو۔ موافق قول قاضی کے سب اعتقاد زرارہ کا رکھتے تھے۔ اور نیز قاضی نور اللہ نے جابر بن یزید جعفی کوفی کے حال میں غضایری سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا جابر ثقہ ہے فی نفسہ مگر روایتیں جو اس سے کی ہیں اکثر ضعیف ہیں۔ اور نیز قاضی نے اس کے احوال میں لکھا کہ بعد شہادت حضرت امام باقرؒ کے اس نے لوگوں پر ظاہر کیا کہ حضرت امامؒ نے اپنے زمانِ حیات میں دو کتابیں حدیث کی مجھ کو دی تھیں۔ ایک کی نسبت فرمایا کہ زمانہ بنی امیہ تک روایت مت کرنا، اگر کرے گا تو تجھ پہ خدا کی لعنت ہو۔ بعد ان کے زمانے کے روایت کرنا۔ اور دوسری کی نسبت فرمایا کہ اس کی کبھی روایت مت کیجیو۔ میں نے اس بھید کو بہت چھپایا آخر ضبط و تحمل نہ ہو سکا پیٹ میں درد ہو گیا تو میں ایک بیابان جنگل میں گیا جہاں کسی کا گزر نہ تھا اور اس کتاب کی روایت کی تب اس مرض سے چھوٹا۔ اب اس دوسری کتاب کو جس کو ظاہر کرنے کی اجازت ہے لوگوں پر ظاہر کرتا ہوں۔ اور یہ بھی قاضی لکھتا ہے کہ بعد مارے جانے ولید پلید کے کہ ابھی زمانہ بنی امیہ کا باقی تھا جابر مذکور مسجد میں گیا اور روایت شروع کی پس خلاف حکم کے کرنے سے ضرور مستحق لعنت خدا کا ہوا ہو گا۔

اور ہر گاہ کہ یہ کلام یہاں تک پہنچا کہ ذکر احوال ان کے رجال کا درمیان میں آیا تو لازم ہوا کہ ان کی کتابوں سے احوال بعض ان کے راویوں کا نقل کیا جائے۔

اول جاننا چاہیے کہ شیعوں کے ہر فرقہ کو یہ دعوٰی ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے صحیح و معتبر ہے بموجب روایات اہل بیت کے اور جو کچھ غیر کے پاس ہے سب باطل اور افترا ہے۔ اور یہ بات کہ ایک دوسرے کو جھوٹا آپس میں ٹھیرانا ابتدا سے انتہا تک ان کی پرانی عادت ہے۔ پس امان کذب کی تو ان کے جمیع روایتوں سے جاتی رہی کوئی سچی نہیں۔ اور زیدیہ اور اسماعیلیہ اور امامیہ جو آپس میں جھگڑا رکھتے ہیں مشہور و معروف ہے۔ اور عجب یہ کہ امامیہ کے قدما و مقتدا کہ سلسلہ اسناد اخباریین کا ان پر تمام ہوتا ہے، جیسے ہشام بن حکم اور

ہشام بن سالم جوالیقی اور صاحب الطاق یہ خود آپس میں ایک دوسرے کو سخت جھوٹا اور منکر بتاتے ہیں اور ایک دوسرے کی روایتوں کو جو ائمہ ثلاثہ یعنی سجاد اور باقر اور صادق علیہم السلام سے کرتے ہیں جھوٹا ٹھیراتے ہیں اور باہم دگر نسبت کفر و گمراہی کی کرتے ہیں۔ چنانچہ ہشام بن حکم کی ایک تصنیف ہے جوالیقی اور صاحب الطاق کے رد میں اس کا ذکر نجاشی نے کیا ہے بس تمامی روایات و اخبار ان کے دائرۂ اعتبار سے نکل گئے اور اس جھگڑے کے باعث پایہ صحت سے ساقط ہوئے۔ اور شیعۂ امیرالمومنین کا حال سابق گزرا کہ سب کے سب مرتکب کبیرہ کے تھے اور امام وقت کی نافرمانی پر جمے ہوئے۔ اور انہوں نے ان کو قسم قسم کے رنج پہنچائے ہیں اور جھوٹا سمجھا ہے ہرگز ان کے قول کی تصدیق نہیں کی۔ بعض نے ان سے مدد حسنینؓ کی چھوڑ کر معاویہؓ اور یزید سے خط و کتابت کی اور دین بیچ کر دنیا خریدی۔ پس ظاہر ہے کہ جو کوئی اپنے اماموں کے ساتھ اس قسم کا ہو اس کو اخذ دین کا ٹھکانا اور اسلام کا پیشوا جاننا اور اس کی روایات پر اعتبار لانا کہو کس بات پر عمل کرنا ہے۔ اس کے علاوہ جھگڑے اور خلاف اور اضطراب روایت ان کے اخبار میں اُس حد تک ہے، جس کا پر لا سرا نہیں معلوم ہوتا۔ جیسا کہ مطالعہ "من لا یحضرہ الفقیہ" اور "استبصار" سے واضح ہوتا ہے کبھی کوئی عاقل اس قسم تخالف اور تعارض اور اضطراب میں دونوں طرف سے کسی ایک طرف عمل نہیں کر سکتا۔ شیخ الطائفہ ان کا اقرار کرتا ہے کہ جن اخبار کو یہ دستاویز ٹھیراتے ہیں اُن میں ضعفاء اور مجہول بلکہ کذاب اور وضاع موجود ہیں۔

ہر گاہ کہ یہ سب باتیں ذہن نشین ہو گئیں تو اب تفصیل پر کان لگانے چاہئیں۔ مثلاً جعفر بن محمد بن عیسیٰ بن شاپور قواریری جس کی کنیت ابوعبداللہ تھی بڑا حدیثیں بنانے والا اور نہایت جھوٹا ہے۔ روایت کی ہے اس سے ان کے ثقات نے:۔

قَالَ النَّجَاشِیْ کَانَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ ضَعِیْفًا فِی الْحَدِیْثِ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ الْحُسَیْنِ یَضَعُ الْحَدِیْثَ وَصَوَّافٌ یَرْوِیْ عَنِ الْمَجَاهِیْلِ وَسَمِعْتُ مَنْ قَالَ فَاسِدُ الْمَذْهَبِ وَقَدْ رَوٰی عَنْهُ اَبِیْ جَعْفَرِ الطُّوْسِیُّ شَیْخُ الطَّائِفَةِ وَاعْتَمَدَ عَلٰی رِوَایَتِهٖ۔

چنانچہ نجاشی کا قول ہے کہ ابوعبداللہ حدیث میں ضعیف ہے اور کہا احمد بن حسین نے کہ وہ بنا لیتا ہے اور نہایت تیز رو ہو روایت کرتا ہے مجہولوں سے اور سنا میں نے اُس شخص کو کہ کہا اس نے وہ فاسد المذہب ہے اور حال یہ کہ تحقیق روایت کی اس سے ابوجعفر طوسی شیخ الطائفہ نے اور اعتماد کیا اس کی روایت پر۔

وَالْحَسَنُ بْنُ عَبَّاسِ بْنِ الْجَرِیْشِ الرَّازِیْ رَوٰی عَنْ جَعْفَرِ الثَّانِیْ ضَعِیْفٌ جِدًّا لَهٗ کِتَابٌ

اور حسن بن عباس بن جریش رازی نے روایت کی جعفر ثانی سے کہ وہ نہایت ضعیف ہے اور اس کی ایک کتاب ہے،

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَهُوَ كِتَابٌ رُوِيَ فِيهِ الْحَدِيثُ مُضْطَرِبَ الْأَلْفَاظِ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ الْكُلَيْنِيُّ عِدَّةَ أَحَادِيثَ وَكِتَابُهُ عِنْدَهُمْ مِنْ أَصَحِّ الصِّحَاحِ .

انا انزلناه فی لیلة القدر اور وه ایسی کتاب ہے جس میں لکھی ہیں حدیثیں مضطرب الالفاظ اور حال یہ کہ تحقیق روایت کی ہیں اس سے کلینی نے کئی حدیثیں اور کتاب اس کی ان کے نزدیک اصح صحاح سے ہے ۔

وَعَلِيُّ بْنُ حَسَّانَ وَهُوَ وَضَّاعٌ قَالَ النَّجَاشِيُّ ضَعِيفٌ جِدًّا ذَكَرَهُ بَعْضُ أَصْحَابِنَا فِي الْغُلَاةِ فَاسِدُ الْاِعْتِقَادِ لَهُ كِتَابُ تَفْسِيرِ الْبَاطِنِ تَخْلِيطٌ كُلُّهُ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ الْكُلَيْنِيُّ فِي صَحِيحِهِ .

علی بن حسان بڑا حدیث بنانے والا ہے کہا نجاشی نے نہایت ضعیف ہے اور ذکر کیا ہے اس کا ہمارے بعض علماء نے کہ وہ غلاة فاسد الاعتقاد سے ہے اس کی ایک کتاب ہے تفسیر الباطن کہ بالکل گڈمڈ ہے باوجود اس کے اسی سے روایت کی ہے کلینی نے اپنی صحیح میں ۔

وَمُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى قَالَ نَصْرُ بْنُ صَبَّاحٍ هُوَ كَذَّابٌ رَوَى عَنْهُ أَبُو عَمْرٍو الْكَشِّيُّ وَغَيْرُهُ .

اور محمد بن عیسیٰ کو کہا نصر بن صباح نے کہ وہ بڑا جھوٹا ہے مع ہذا روایت کی اس سے ابوعمرو کشی وغیرہ نے ۔

عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ الْكَثِيرِ الْهَاشِمِيُّ قَالَ النَّجَاشِيُّ غَمَزَ أَصْحَابُنَا عَلَيْهِ بِأَنَّهُ يَضَعُ الْحَدِيثَ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ ثِقَاتُهُمْ كَالْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ فَضَّالٍ وَغَيْرِهِ وَرَوَى عَنْهُمُ الْكُلَيْنِيُّ وَابْنُ بَابَوَيْهِ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الطُّوسِيُّ .

عبدالرحمن بن کثیر ہاشمی. کہا نجاشی نے کہ طعن کی ہے اس پر ہمارے علماء نے اس طور پر کہ یہ بناتا ہے حدیث اور اس کے ساتھ روایت کی اس سے ان کے ثقات نے جیسے حسن بن علی بن فضال اور علاوہ اس کے اور روایت کی ان سے کلینی اور ابن بابویہ اور محمد بن حسن طوسی نے ۔

اور سابق ہشامین اور ان کے ہم عصروں کے حال میں گزرا کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کے جسم و صورت ٹھیرانے میں صریح بہتان اماموں پر کرتے تھے اور حضرت امام علی رضا نے اس بہتان پر گواہی دی ہے ۔

بس مرجع اور مآب اخباریین کی تو یہی جماعت ہے لیکن مسائل فقہیہ میں جو مجاہیل اور ضعفا ان کے اخبار کے ہیں جن کی اسنادوں پر ان کو تمسک ہے ان کی حد و نہایت نہیں ۔ بطور نمونہ دونوں قسم میں سے چند نام لیے جاتے ہیں ۔

پس ضعفا اُن میں سے یہ ہیں ابراہیم بن صالح الانماطی اور ابواسحاق اور حسن بن سہل النوفلی اور حسن بن راشد طغاوی ۔ اور اسماعیل بن عمر بن ابان الکلینی اور اسمٰعیل بن یسار الہاشمی اور حسین بن احمد المنقری اور جماعہ بن سعید الخثعمی اور یہ مع ضعف کے فاسد ہے . حالانکہ روایت کی اس سے کلینی نے اور عثمان بن عیسیٰ روایت کی اس سے شیخ الطائفہ نے اور عمرو بن شمر روایت کی اس سے ایک جماعت نے مثل طوسی وغیرہ کے اور سہیل بن زیاد اس سے بھی ابوجعفر طوسی نے روایت کی اور محمد بن سنان روایت کی اس سے ابوجعفر وغیرہ نے اور اعتماد کیا

سب نے اس کی روایت پر باوجود اس کے کہ متفق ہیں اس کے ضعیف ٹھیرانے پر ۔ اور ابراہیم بن عمر و الیمامی اور داؤد ابن کثیر الرقی حالانکہ یہ مع ضعف کے فاسد ہے روایت کی طوسی نے تہذیب اور استبصار میں اس سے اور علاوہ اس کے اور صالح بن حماد اور آمیہ جس کی کنیت ابوخدیجہ ہے ۔ اور معاویہ بن میسرہ اور عاید الاحمسی اور خالد بن نجیح اور محمد بن قیس ابواحمد اور محمد بن عیسیٰ اور داؤد بن حصین اور علی بن حمزہ اور رقبہ بن مصقلہ اور حسین ابن یزید البرقی اور اسماعیل بن زیاد سکونی ۔ اور وہب بن وہب اور حسین بن عبید ۔ اور اور جماعتیں بیشمار کہ علماء ان کے حدیث کے خصوصاً جرح اور تعدیل والے مثل نجاشی اور غضایری اور حلی خلاصہ میں اور تقی الدین بن داؤد رکی سب ان سب کی تضعیف و توہین پر اجماع کرتے ہیں اور متفق ہیں لیکن اخباریین نے اپنے صحاح میں روایتیں ان کی بھر دی ہیں ۔ اور فقہاء ان کے انہی روایتوں پر حجت قائم کرتے ہیں ۔ اور مسائل فقہیہ بلکہ اعتقادیہ کو بھی انہی روایتوں سے ثبوت پہنچاتے ہیں ۔

اب رہے مجاہیل تو ان کی کثرت کی کچھ حد نہیں ۔ مثلاً حسن بن ابان کہ اس کی خبر کو صحاح میں گنتے ہیں ۔ اور ابن مطہر نے مختلف اور منتہی میں شیخ مقتول نے دروس میں اس کی جہالت پر نص کی ہے ۔ اور قاسم بن سلیمان اور عمرو بن حنظلہ دونوں مجہول ہیں جیسا کہ آگے گزرا ۔ اور عمر بن ابان اور حسین بن علاء ۔ اور ابن ابی العلاء دونوں مجہول الاسم والمسمی ہیں ۔ اور عباس بن عمرو تفقمی اور فضل بن سکن اور علی بن عقبہ بن قیس بن سمعان اور ہاشم بن ابی عمار حبینی اور بشیر بن یساری الیساری اور موسیٰ بن جعفر اور فضل بن سکرہ اور زید الیمامی اور سعید بن زید اور عبدالرحمن بن ابی ہشام اور بکار بن ابی بکر اور فلیح بن زید اور محمد بن سہیل اور عبداللہ بن یزید اور غالب بن عثمان ۔ اور ابی حبیب الاسدی اور ابی سعید المکاری اور رکاز بن فرقد اور حسن تغلبی اور قاسم بن خزاز اور صالح سعدی اور علی بن دویل اور حسین بن علی بن ابراہیم ۔ اور ابراہیم بن محمد اور حسن ابن علی اور ابن اسحاق النحوی ۔ اور عثمان بن عبدالملک اور عثمان بن عبداللہ اور عیسیٰ بن عمرو مولی الانصار اور ربیع بن محمد سلمی ۔ اور علی بن سعد السعدی اور محمد بن یوسف بن ابراہیم ۔ اور محمود بن میمون اور جعفر بن سوید بن جعفر بن کلاب ۔

فَهٰؤُلَاءِ كُلُّهُمْ مَجَاهِيلُ مَعَ جَمَاعَةٍ أُخْرٰى لَا تَكَادُ تُحْصٰى قَدْ رَوٰى عَنْهُمْ شُيُوخُهُمْ كَعَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ وَابْنِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوبَ الْكُلَيْنِيِّ وَابْنِ بَابَوَيْهِ وَأَبِي جَعْفَرٍ الطُّوسِيِّ وَشَيْخِهِ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ

یہ تمام لوگ مجہول ہیں مع دوسری جماعت کے جن کا احصا نہیں ہو سکتا اور حال یہ ہے کہ تحقیق روایت کی ان سے ان کے بزرگوں نے جیسے علی بن ابراہیم اور بیٹا ان کا ابراہیم اور محمد بن یعقوب کلینی اور ابن بابویہ اور ابوجعفر طوسی اور ان کے استاد ابوعبداللہ نے

الْمُلَقَّبِ بِالْمُفِيْدِ فِيْ صِحَاحِهِمِ الَّتِيْ اَوْجَبَ الْعَمَلَ بِمَا فِيْهَا مُجْتَهِدُوْهُمْ وَزَعَمُوْا اَنَّهَا تُوْجِبُ الْعِلْمَ الْعِلْمَ الْقَطْعِيَّ نَصَّ عَلٰى ذٰلِكَ الْمُرْتَضٰى وَالطُّوْسِيْ وَالْحِلِّيْ -

جس کا لقب ہے مفید اپنے صحیحوں میں ایسی صحیحیں جن کا عمل واجب کیا ہے جو کچھ ان میں ہے ان کے مجتہدوں نے اور گمان کیا انہوں نے کہ وہ موجب ہوتی ہیں علم یقینی کی یعنی علم یقینی اس پر واجب ہوتا ہے چنانچہ تصریح کی ہے اس پر مرتضیٰ اور طوسی اور حلی نے۔

عجب یہ ہے کہ اہل خبر ان کی ایک جماعت سے روایت کرتے ہیں اور اسی جماعت کو علمائے رجال ان کے کاذب ٹھیراتے ہیں روایت میں از روئے تاریخ کے :-

مِثْلُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُسْكَانِ الَّذِيْ رَوٰى عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عِدَّةَ اَحَادِيْثَ اَوْرَدَهَا مُحَمَّدُ ابْنُ يَعْقُوْبَ فِي الْكَافِيْ وَابْنِ بَابَوَيْهِ فِي الْفَقِيْهِ وَاَبُوْ جَعْفَرٍ فِي التَّهْذِيْبِ وَغَيْرِهِمْ وَقَالَ النَّجَاشِيُّ لَمْ يَثْبُتْ اَنَّهُ رَوٰى عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ شَيْئًا هٰذَا مِنْ اُمُوْرِ الْمَشْهُوْرَةِ عِنْدَ الْاِمَامِيَّةِ وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسَى الَّذِيْ يَرْوِيْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْبُوْبٍ وَغَيْرِهٖ قَالَ اَبُوْ عَمْرٍو الْكَشِّيُّ نَصْرُ بْنُ صَبَّاحٍ يَقُوْلُ مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى اَصْغَرُ فِي السِّنِّ مِنْ اَنْ يَرْوِيَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَحْبُوْبٍ وَمِثْلُ هٰذَا مُحَمَّدُ ابْنُ عِيْسَى بْنِ عُبَيْدِ بْنِ يَقْطِيْنَ حَكٰى مُحَمَّدُ بْنُ بَابَوَيْهِ الْقُمِّيُّ عَنِ ابْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّهُ قَالَ مَا تَفَرَّدَ بِهٖ مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى مِنْ حَدِيْثِ يُوْنُسَ وَكُتُبِهٖ لَا يُعْتَمَدُ عَلَيْهِ وَمِثْلُ هٰذَا مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ يَحْيَى بْنِ عِمْرَانَ الْاَشْعَرِيُّ الْقُمِّيُّ طَعَنَ فِيْهِ النَّجَاشِيُّ وَغَيْرُهٗ وَقَالُوْا اِنَّهٗ يَرْوِيْ عَنِ الضُّعَفَاءِ وَلَا يُبَالِيْ عَمَّنْ اَخَذَ وَيَعْتَمِدُ الْمَرَاسِيْلَ۔

مثل اُس عبداللہ بن مسکان کے کہ روایت کیں اس نے ابوعبداللہ سے کتنی حدیثیں کہ لایا ہے ان کو محمد بن یعقوب کافی میں اور ابن بابویہ فقیہ میں اور ابوجعفر تہذیب میں اور سوا ان کے۔ اور نجاشی کہتا ہے کہ نہیں ثابت ہوئی یہ بات کہ اس نے روایت کی ہو ابوعبداللہ سے کوئی چیز کہ یہ امر امامیہ میں مشہور ہے اور اسی قسم سے ہے محمد بن عیسٰی جس نے روایت کی ہے محمد بن محبوب وغیرہ سے۔ کہا ابوعمرو کشی نے نصر بن صباح کہتا تھا محمد بن عیسٰی کمال کم سن ہے اس بات سے کہ روایت کرے محمد بن محبوب سے اور ایسا ہی ہے محمد بن عیسٰی بن عبید بن یقطین۔ حکایت کی محمد بن بابویہ قمی نے ابن ولید سے کہ بے شک کہا وہ روایت کہ جس میں وہ تنہا ہے اس میں محمد بن عیسٰی حدیث یونس سے ہے اور لکھا اس نے اس کو کہ نہیں اعتماد کیا جاتا ہے اس پر اور ایسا ہی محمد بن احمد ابن یحیی بن عمران اشعری القمی وہ ہے کہ اس کے حق میں نجاشی وغیرہ نے طعن کی اور کہا انہوں نے کہ وہ روایت کرتا ہے ضعفاء سے اور پروا نہیں کرتا ہے کسی کہ گرفت کرے گا اس سے قصداً مراسیل کی۔

اور بعض راوی معتبر ان کے ارسال کرتے ہیں اسناد میں جیسے ابن ابی عمیر اور نظیری اور عبداللہ اور ابن مغیرہ۔ حالانکہ ارسال کرنا ان کے نزدیک کبیرہ ہے۔

رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوْبَ الْكُلَيْنِيُّ وَغَيْرُهٗ مِنَ الْاَخْبَارِيِّيْنَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ الْمُفْتَرَعَ قِيْلَ وَمَا الْكِذْبُ الْمُفْتَرَعُ قَالَ اَنْ يُحَدِّثَكَ الرَّجُلُ بِالْحَدِيْثِ فَتَتْرُكَهٗ وَتَرْوِيَهٗ عَنِ الَّذِيْ حَدَّثَكَ عَنْهُ۔

روایت کی محمد بن یعقوب کلینی وغیرہ نے اہلِ اخبار سے ابی عبداللہ سے کہ بچاؤ تم اپنے کو اور جھوٹ کو جس کی خوب شاخیں پھیلی ہیں کہا گیا کہ وہ جھوٹ شاخیں پھیلا ہوا کیا ہے؟ کہا یہ کہ ذکر کرے تجھ سے کوئی شخص حدیث پس چھوڑ دے تو اُس کو اور روایت کرے اُس کو اُس شخص سے جس نے حدیث کی ہے تجھ کو اُس سے۔

اور ان کے معتبر راویوں میں سے ایک جماعت کثیر ہیں کہ امامتِ امام وقت کے قائل نہ تھے اور انکار امامت کا کرتے تھے بلکہ بغض و عناد رکھتے تھے۔ چنانچہ جمہور شیعہ امامیہ کے نزدیک عقیدہ اُن کا صحیح اور ثابت ہے کہ اُس گروہ سے تھا حسن بن محمد بن سماعہ ابو محمد کندی صیرفی فَاِنَّهٗ كَانَ يُعَانِدُ فِي الْوَقْفِ وَيَتَعَصَّبُ (یعنی پس بیشک تھا وہ کہ دشمنی رکھتا تھا وقف میں اور تعصب کرتا تھا) اور حسن بن ابی سعید ہاشم بن حیان المکاری ابوعبداللہ اور حسین بن مہران بن محمد بن ابی نصر سکونی اور احمد بن محمد البطاحی جرمی کہ طاطری کے نام سے مشہور تھا۔ اور صفوان بن یحیٰے ابی محمد البجلی اور عثمان بن عیسٰے ابی حمزہ عامری الرواسی مولائی بنی رواس وغیرہم۔ اور جیسے جارودیہ اور فطحیہ مثل احمد بن محمد بن سعید سبیعی ہمدانی اور حسن بن علی بن فضال۔ اور عبداللہ بن بکیر بن اعین شیبانی اور عمرو بن سعید ابی الحسن مدائنی وغیرہم۔ اور تمام ان لوگوں سے ان کی صحاح میں روایتیں موجود ہیں۔ اور شیخ مقتول نے ذکری میں روایت کیا کہ حضرت صادقؑ نے عبداللہ بن مسکان کو اپنے پاس آنے سے منع کیا اور یہ لوگ اُن کی روایت سے ہاتھ نہیں اُٹھاتے۔ ابوجعفر طوسی اپنی عدہ میں لکھتا ہے کہ اَلْفِسْقُ بِاَعْمَالِ الْجَوَارِحِ لَيْسَ بِمَانِعٍ مِنْ قَبُوْلِ الرِّوَايَةِ (یعنے بدکاریاں اعضاء کی مانع قبول روایت کے نہیں ہیں)۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض کافر نصرانی مذہب سے بھی روایت حدیث کی کرتے ہیں اور اُس کو یاران ائمہ سے شمار کرتے ہیں۔ مثل زکریا بن ابراہیم نصرانی کے کلوتسی نے اُس سے روایت کی ہے اور اوروں نے بھی۔

یہ بھی ہے کہ ان کے اخباریین اپنے بزرگوں کی کتابوں سے روایت کرتے ہیں اور اُس کتب میں نسبت اُس روایت کی ائمہؑ کے ساتھ موجود نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ درحقیقت نسبت ان روایتوں کی امام جعفرؓ اور امام ابو عبداللہؓ سے ثابت اور درست ہے لیکن ہمارے بزرگوں نے چھپایا ہے اور نام اماموں کا نہیں لکھا اس سبب سے کہ اُس وقت نہایت اشد ضرورت تقیہ کی تھی اور جب وہ بزرگ ہمارے مرگئے تو یہ کتابیں ہم کو پہنچیں ہم نے قرینوں سے معلوم کیا کہ یہ سب حدیثیں اماموں کی ہیں۔

اس موقع پر عقل کو کام فرمانا چاہیئے اور وثوق ان کی روایتوں کا معلوم کرنا چاہیئے :۔

مَارَوَاهُ الْكُلَيْنِيُّ عَنْ عِدَّةٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ شَنْبُوْلَةَ وَغَيْرِهٖ وَاَكْثَرُ اَخْبَارِهِمُ الَّتِيْ فِيْهَا الْعَنْعَنَةُ مِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ۔

مثال اُسکی وہ چیز ہے کہ روایت کیا اُس کو کلینی نے شمار اُن کے یاروں نے محمد بن ابی خالد شنبولہ وغیرہ سے اور اکثر حدیثیں ان کی جن میں عن عن ہوتاہے اسی قسم سے ہیں۔

اور جو لوگ کہ ان میں جھوٹے مشہور ہیں اُن سے بہت روایتیں کرتے ہیں بحدیکہ ان کے نصف اخبار کو اس قسم سے کہہ سکتے ہیں۔ معہذا انہی کو سردار اور ثقاۃ رجال سے گنتے ہیں جیسے ابو بصیر کہ چوتھائی کلینی اس کی روایتوں سے بھری ہوئی ہے اور خود کلینی اس سے روایت کرتاہے :۔

اَنَّهٗ قَالَ كُنْتُ اَسْمَعُ الْحَدِيْثَ مِنَ الصَّادِقِ وَاَرْوِيْهِ عَنْ اَبِيْهِ وَاَسْمَعُهٗ عَنْ اَبِيْهِ وَاَرْوِيْهِ عَنْهُ۔

بیشک حال یہ ہے کہ میں وہ ہوں جو سُنتا تھا حدیث کو حضرت صادقؑ سے اور روایت کرتا تھا اُس کو اُن کے باپ سے اور سُنتا تھا میں اُن کے باپ سے اور روایت کرتا تھا اُن سے۔

اور یہ ابو بصیر وہی ہے جس نے بھید حضرت امامؑ کا باوجود منع کرنے کے ظاہر کر دیا۔ اور اس حد شہرت دی کہ شیعوں کی کتابوں میں وہ بھید کہ ہرگز لائق ذکر کے نہ تھا ذائع اور شائع ہے اور ان کی لالاتق زبانوں پر جاری ہے۔

رَوَى ابْنُ بَابَوَيْهِ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ اَخْبِرْنِيْ عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ هَلْ يَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ نَعَمْ وَقَدْ رَاَوْهُ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قُلْتُ مَتٰى قَالَ حِيْنَ قَالَ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ يَرَوْنَهٗ فِي الدُّنْيَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَلَسْتَ تَرَاهُ فِيْ وَقْتِكَ هٰذَا قَالَ اَبُوْ بَصِيْرٍ قُلْتُ لَهٗ جُعِلْتُ فِدَاكَ فَاُحَدِّثُ بِهٰذَا عَنْكَ فَقَالَ لَا۔

روایت کی ہے ابن بابویہ نے اُس سے کہا کہا میں نے ابی عبداللہ سے کہ خبر دے مجھ کو اللہ غالب بزرگ سے کہ آیا دیکھیں گے مسلمان اُس کو قیامت کے دن کہا البتہ اور بر آئینہ دیکھاہے اُس کو قبل قیامت کے، میں نے پوچھا کب؟ کہا جس وقت کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کہاہے۔ پھر خاموش ہوئے تھوڑی دیر، پھر کہا بیشک مومن دیکھتے ہیں اُس کو دنیا میں قبل قیامت کے، کیا تو نہیں دیکھتاہے اُس کو اپنے اس وقت میں کہا ابو بصیر نے میں نے ان سے کہا کہ میں تیرے قربان اس حدیث سے تمہاری اوروں کو خبر دوں؟ سو کہا نہیں۔

اور اس کا بیٹا کہ محمد بن ابی بصیر ہے۔ اماموں کی نافرمانی کے حق میں خلف رشید اپنے پدر بزرگوار کا ہے :۔

رَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ دَفَعَ اِلَيَّ اَبُو الْحَسَنِ مُصْحَفًا وَقَالَ لَا تَنْظُرْ فِيْهِ فَفَتَحْتُهٗ وَقَرَاْتُ فِيْهِ لَمْ يَكُنْ فَوَجَدْتُ فِيْهِ سَبْعِيْنَ

روایت کی ہے کلینی نے اُس سے کہ بر آئینہ کہا اُس نے دیا مجھ کو ابو الحسن نے قرآن اور کہا کہ اس کو دیکھیو مت مگر میں نے اُس کو کھولا اور سورۃ لم یکن اُس میں سے پڑھی سو پائے میں نے اُس میں سے ستر

رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ بِاَسْمَائِهِمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِهِمْ۔ || آدمی قریش سے نام بنام مع نام باپوں کے۔

نیز سابق میں گزرا کہ جب تلاش و جستجو ان کی کتب اخبار سے کی جاتی ہے تو اکثر اخبار ان کے احاد ہیں، متواتر اور مشہور پائے نہیں جاتے۔ پھر وہ احاد بھی اکثر ضعیف کہ اُنہی کو صحاح میں گنتے ہیں۔ اور بعض موثق، اور علیٰ ہذا القیاس حسان بھی ان کے اکثر ضعیف ہیں۔ اور خود ان کے گمان میں ضعیف ہیں۔ پس صحیح اور حسن خود ان کے گمان کے موافق ان کی کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔ اور جو صحیح اور حسن ہیں محض مفہومات عقلیہ کہ ماصدق اُن کا خارج میں پیدا نہیں ہوتاہے وَنَصَّ عَلٰى ذٰلِكَ مِنْهُمْ صَاحِبُ الْهِدَايَةِ۔ (یعنی تصریح کی اس بات پر اُن میں سے صاحب ہدایہ نے)، اور تماشا یہ کہ بایں ہمہ ضعاف و موثق بھی آپس میں مخالف اور متعارض، اور مضطرب الاسناد والمتن۔ شیخ ابو جعفر نے جس طور پر کہ تطبیق اور جمع ان کی کی ہے یا ترجیح دی ہے وہ اہل تحقیق اور تدقیق کا مذاق ہے۔ بطریق نمونہ ایک نکتہ ہم ذکر کرتے ہیں اسی پر قیاس کیا جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ بہت روایتوں میں آیاہے کہ وضو ماء الورد یعنے گلاب سے درست ہے اور بہت میں ہے کہ درست نہیں ہے۔ شیخ ابو جعفر کہتاہے کہ صحیح بھی ہے کہ درست نہیں ہے اور جس روایت میں کہ درست کہاہے مُراد ماء الورد سے وہ پانی ہے جس میں پھول ڈالے ہوں نہ کہ گلاب مصطلح۔

الحاصل ان اسباب کے ساتھ جو مذکور ہوئے روایتیں ان کی خود ان کے زعم کے موافق قابل تمسک اور اعتبار کے نہیں رہیں۔ اور اس بات کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں کہ مخالفین کے مقابلے میں سر اُٹھا سکیں۔ یہ حال تو ان کی اُن روایتوں کا ہے جو بسندِ ظاہر کشوف ائمہ طاہرین کشوفین سے تھیں جن کی ذاتیں علی غیر مختلف فیہ اور بے شبہ تھیں کہ ان کو سب نے دیکھا اور لوگ ان سے ملاقات کرتے تھے اور ان کی باتیں سُنتے تھے۔

اب وہ روایتیں جو صاحب الزمان سے ہیں اُن کا حال سُنو۔ اوّل تو تولّد اُن کا باتفاق امامیہ ثابت نہیں ہے بعض ان سے منکر اُن کے تولّد کے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن بن علی عسکری نے عقب کسی کو نہیں چھوڑا۔

وَهُمُ الْجَعْفَرِيَّةُ لِاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ بِاِمَامَةِ جَعْفَرِ بْنِ عَلِيِّ الْهَادِيِّ بَعْدَ وَفَاتِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ الْعَسْكَرِيِّ۔

وہ جعفریہ ہیں اس واسطے کہ تحقیق وہ قائل ہوئے ہیں ساتھ امامت جعفر بن علی ہادی کے بعد وفات حسن عسکری کے۔

اور ایک گروہ جو اُن بزرگوار کے ہونے کا اقرار کرتے ہیں اکثر ان کی بقا، اور حیات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ بچپنے میں اُن کی وفات ہوگئی اور جو کہ ان کو بحدِ بلوغ پہنچاتے ہیں اُن کے باہم بھی اختلاف ہے۔ فَقِيْلَ مَاتَ فِي الصَّلٰوةِ فُجَاءَةً وَقِيْلَ قُتِلَ (بعض کہتے ہیں کہ ناگہاں موت سے نماز میں مر گئے، بعض کہتے ہیں کہ مارے گئے) اور جو لوگ کہ اُن کو زندہ جانتے ہیں وقتِ غیبت میں ان کے مختلف ہیں۔ بعض دو سو چھپن، بعض دو سو پینسٹھ یا چھیاسٹھ کہتے ہیں۔ پھر ان کی غیبت کے مکان میں بھی اختلاف فاحش ہے۔ ثقات ان کے محمد بن یعقوب کلینی اور ان کے تابع

جمہور شیعہ متقدمین کہتے ہیں۔ لَا يَعْلَمُ ذٰلِكَ اِلَّا اٰحَادُ الشِّيْعَةِ۔ (نہیں جانتا ہے اس کو مگر کوئی کوئی شیعہ)۔ پس یہ بات بھی نہایت پریشانی اور تباہی میں ہے اس لئے کہ مقطع اور منتہا ان کی سند کے ایک جماعت ہے جنھوں نے اپنے کو سفیر یعنی ایلچی قرار دیا ہے غیبتِ صغریٰ میں کہ اُس کی مدت چوہتر برس ہیں۔ چنانچہ اوّل سفراسے ابوعمرو عثمان بن سعید ہے پھر اُس کا لڑکا ابوجعفر محمد بن عثمان کہ ۳۰۵ھ میں مرا ہے۔ پھر اُس کے بعد ابوالقاسم حسین بن روح کہ شعبان ۳۲۶ھ میں مرا۔ بعد اس کے علی بن محمد کہ اُس کو خاتم السفرا جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اب اس کے بعد غیبتِ کبریٰ ظاہر ہوتی سلسلہ سفارت کا منقطع ہوگیا۔ اور ظاہر ہے جس نے دعوے سفارت کا کیا دوسرے نے اُس کی سفارت پر گواہی نہیں دی فقط دعوٰی ہی کرتا رہا بدون گواہ باجماع اہل تشیع کہ سب اُس کی سفارت پر متفق رہے۔ ظاہر ہے کہ محبت جاہ و عزت کی ہر فرد بشر کو ہے وہی ایسے دعوے کراتی ہے اور ہرگاہ کہ دعوٰی بے دلیل مسموع ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو تب تو باب دعوٰی کا نہایت ہی فراخ ہوجاتا ہے۔ اور طرّہ یہ کہ بوسیلہ سفرا کے خواہ اُس کو یہ منصب حاصل ہو خواہ نہ ہو صرف دعوٰی سفارت کا کرے، اور صاحب الامر سے روایت لائے تو خاص اسی روایت پر قناعت نہیں ہے بلکہ جو کوئی دعوٰی آنجناب کے دیکھنے کا کرے اُس کی روایت کو معتبر جانتے ہیں اور واجب القبول سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ابوہاشم داؤد بن ابی قاسم جعفری اور محمد ابن علی بن ہلال اور احمد بن اسحاق اور ابراہیم بن مہزیار اور محمد بن ابراہیم اور اور جماعت جو دعوٰی کرتے تھے کہ ہم نے صاحب امر کو دیکھا ہے، روایتیں عجیب و غریب اُن جناب سے لائے ہیں اور انھوں نے کوئی احتمال و شک نہ کرکے سب کو سر آنکھوں پر رکھ لیا۔ اب چاہیئے کہ اہل دعوٰی اور اصحاب بلند پروازی اس قصے سے عبرت پذیر ہوں۔ اس لئے کہ اوّل میں کس قدر دعوٰی احتیاط اور تحصیل امن کا خطا اور دروغ سے کیا اور انہی آفتوں کے لئے امام کا مقرر کرنا خدا پر واجب جانا اور عصمت اور افضلیت اور نص جلی متواتر اُن کی امامت پر شرط کیں۔ آخر یہ ہوا کہ ایسے احتمالاتِ موہومہ اور سہل اور سست باتوں پر مقدمات عمدۂ دین میں اعتبار و تمسک کیا اور بے دلیل و بے تحقیق ہر کسی گدھے کی آواز پر فریفتہ ہوگئے۔ مثل مشہور ایسے ہی لوگوں پر صادق آتی ہے فَرَّ مِنَ الْمَطَرِ وَ وَقَفَ تَحْتَ الْمِيْزَابِ (بھاگا مینھ سے اور کھڑا ہوا نیچے پرنالے کے)*۔ اور تعجب سُنو کہ روایت میں صاحب الامر کے اس قدر پر بھی اکتفا نہیں بلکہ ثقات نے ان کے روایت رقعوں کی کی ہے کچھ تو سفیروں کے ذریعے سے رقعے مسائل کے بھیجے اُن کا جواب آیا اور بعض بلا واسطہ سفیروں کے۔ اور جو ابھی تک ایلچی گری ایلچیوں کی کبوتروں کے بازو پر ہے اگر اُن کے ہاتھ جواب رقعے کا آئے کس طرح محلِ اعتماد ہوگا اور جو کچھ ایلچیوں کے وسیلے کے بغیر ہے ان کا حال ان سے

* بھی بدتر ہے۔ لیکن وہ رقعے جو سفیروں کے ذریعہ سے ان کا جواب پہنچا اُن کے پاس بہت ہیں۔

مِنْهَا مَا دَفَعَهُ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ رَوْحٍ مِنَ السُّفَرَاءِ عَلٰى يَدِ عَلِيِّ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ الْاَسْوَدِ

بعض اُس سے ہے وہ چیز کہ دی علی بن حسین بن روح کو ایلچیوں سے علی بن جعفر بن اسود کے ہاتھ

اَنْ تُوْصَلَ لَهُ رُقْعَةٌ اِلٰى صَاحِبِ الْاَمْرِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ رُقْعَةً زَعَمَ اَنَّهَا جَوَابُ صَاحِبِ الْاَمْرِ لَهُ۔

اس واسطے کہ اس رقعے کو صاحب امر یعنی امام مہدی علیہ السلام کے پاس پہنچاوے، سو بھیجا اُس نے رقعہ اُس کے پاس کہ گمان کیا کہ بیشک یہ جواب صاحب امر کا ہے کہ اُس کے واسطے آیا ہے۔

وَمِنْهَا رِقَاعُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرِ ابْنِ الْحُسَيْنِ بْنِ الْجَامِعِ بْنِ مَالِكِ الْحِمْيَرِيِّ اَبِيْ جَعْفَرٍ الْقُمِّيِّ قَالَ النَّجَاشِيُّ اَبُوْ جَعْفَرٍ الْقُمِّيُّ كَاتِبُ صَاحِبِ الْاَمْرِ وَسَاَلَهُ مَسَائِلَ فِيْ اَبْوَابِ الشَّرِيْعَةِ وَقَالَ قَالَ لَنَا اَحْمَدُ بْنُ الْحُسَيْنِ وَقَفْتُ عَلٰى هٰذِهِ الْمَسَائِلِ فِيْ اَصْلِهَا وَالتَّوْقِيْعَاتُ بَيْنَ السُّطُوْرِ وَذَكَرَ تِلْكَ الْاَجْوِبَةَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الطُّوْسِيُّ فِيْ كِتَابِ الْغَيْبَةِ وَكِتَابِ الْاِحْتِجَاجِ۔

اور بعض اُن سے رقعے ہیں محمد بن عبداللہ بن جعفر ابن حسین بن جامع بن مالک حمیری ابی جعفر قمی کے، کہا نجاشی نے ابوجعفر قمی کاتب گویا منشی ہے صاحب امر کا اور پوچھے اُس سے مسئلے مقدمہ شریعت میں اور کہا مجھ کو احمد بن حسین نے واقف ہوا میں ان مسئلوں کی اصل میں اور دستخط سطروں کے درمیان میں تھے اور ذکر کیا ان جوابوں کا محمد بن حسن طوسی نے اپنی کتاب غیبۃ اور کتاب احتجاج میں۔

وَمِنْهَا رِقَاعُ اَبِي الْعَبَّاسِ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ جَعْفَرٍ الْحِمْيَرِيِّ الْقُمِّيِّ شَيْخِ الْقُمِّيِّيْنَ وَوَجْهِهِمْ۔

اور بعض رقعے ہیں ابی عباس جعفر بن عبداللہ بن جعفر حمیری قمی کے کہ قمیوں کا شیخ اور سردار ہے۔

وَمِنْهَا رِقَاعُ اَخِيْهِ الْحُسَيْنِ وَرِقَاعُ اَخِيْهِ اَحْمَدَ۔

اور اسی قسم کے رقعہ جات اس کے دوسرے بھائی حسین اور تیسرے بھائی احمد کے ہیں۔

ان تینوں بھائیوں کو دعوٰی تھا کہ خط و کتابت صاحب الامر سے رکھتے ہیں اور آنجناب سے مسئلے شریعت کے تحقیق کرتے ہیں اور جواب مسائل کا ان کے پاس اُن کی طرف سے آتا ہے جیسا کہ نجاشی وغیرہ نے ذکر کیا۔ اور ابوالعباس مذکور نے ایک کتاب ان رقعوں کی جمع کر کے قرب الاسناد الی صاحب الامر اُس کا نام رکھا ہے۔

وَمِنْهَا رِقَاعُ عَلِيِّ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ الْجَهْمِ ابْنِ بُكَيْرِ بْنِ اَعْيَنَ اَبُو الْحُسَيْنِ الرَّازِيُّ قَالَ النَّجَاشِيُّ كَانَ لَهُ اِتِّصَالٌ بِصَاحِبِ الْاَمْرِ وَخَرَجَتْ اِلَيْهِ تَوْقِيْعَاتٌ۔

اور بعض اُن رقعوں سے ہیں علی بن سلیمان بن جہم بن بکیر بن اعین ابوالحسین رازی کے کہا نجاشی نے تھی اُس کو پیوستگی صاحب امر سے اور نکلے ہیں اُس کی طرف دستخط۔

اور جو بلا واسطہ کسی کے بھیجے ہیں، رقعے محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی کے ہیں کہ بڑی محبت کے ساتھ اُن کو ظاہر کیا ہے اور کہا کہ میں کوئی مسئلہ مسائل سے لکھتا تھا اور شہر قم سے باہر جو ایک درخت ہے اُس کے

سوراخ میں رکھ آتا تھا۔ ایک رات دن رکھا رہتا تھا پھر اُسی کے ضمن میں جواب اُس کا لکھ جاتا تھا دوسرے روز لے آتا تھا اور حکم توقیعات صاحب الامر اور ائمہ اماموں گزشتہ کا جو شیعوں کے سوالات میں جواب لکھے ہیں اور ان کے زعم میں اُن کا لکھا ہوا پایا گیا مرتبہ ہے تمام مرویات صحیحۃ الاسانید پر جیسا کہ سابق بھی لکھا گیا۔

قَالَ ابْنُ بَابَوَيْهِ فِي الْفَقِيْهِ بَعْدَ مَا ذَكَرَ تَوْقِيْعًا مِنَ التَّوْقِيْعَاتِ الْوَارِدَةِ مِنَ النَّاحِيَةِ الْمُقَدَّسَةِ فِي بَابِ الرَّجُلِ يُوْصِيْ إِلَى رَجُلَيْنِ هٰذَا التَّوْقِيْعُ عِنْدِيْ بِخَطِّ أَبِيْ مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَفِيْ كِتَابِ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوْبَ الْكُلَيْنِيِّ رِوَايَةٌ خِلَافَ ذٰلِكَ التَّوْقِيْعِ عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ ثُمَّ قَالَ لَا أُفْتِيْ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ بَلْ أُفْتِيْ بِمَا عِنْدِيْ بِخَطِّ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ۔

کہا ابن بابویہ نے فقیہ میں بعد اُس کے کہ ذکر کیا ایک توقیع کو توقیعات سے جو وارد ہوئیں جانب مقدسہ سے ایک مرد کے مقدمے میں کہ وصیت کرے دو مردوں کو یہ توقیع میرے پاس ہے حسن بن علی کی اور محمد بن یعقوب کلینی سے روایت خلاف اس توقیع کے ہے صادق علیہ السلام سے اور وہ حدیث بیان کی۔ پھر کہا میں اس حدیث پر فتوےٰ نہیں دیتا بلکہ خط حسن بن علی پر فتوٰی دیتا ہوں جو میرے پاس ہے۔

یہاں عاقل کو غور کرنا چاہیئے کہ کیونکر ثابت ہوا کہ یہ خط امام کا ہے۔ مَعَ اَنَّ الْخَطَّ يَشْبَهُ الْخَطَّ (اس بات کے ساتھ کہ ایک کا خط مشابہ دوسرے کے خط کے ہوتا ہے)۔ تمہید اجعل اور تلبیس خط میں مدعیہ مرتبع اکثر ہے کہ جعلیوں اور ملبوسوں نے کسی شخص کے خط کی مشوت خط لکھ کر اُس کے سامنے کیا ہے اور اُس نے اصلاً تمیز نہ کر کے اُس کو اپنا ہی لکھا بتایا ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ زمانہ بعید گزرا ہو۔ اور ایسے بزرگوں گزشتہ کے خطوط کسی نے عمر بھر میں بطور ہر کہ ایک دوبار دیکھے ہوں تو ایک دوبار دیکھنے سے پھر پہچان اور تمیز اُس خط کی اور خطوں سے کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ ابھی دیکھو اب جہاں کہیں خط کوئی دیکھتے ہیں لوگ یہی کہتے ہیں کہ یہ خط جناب امیرؑ کا ہے اور کوئی وجہ پہچان و امتیاز کی حاصل نہیں ہوتی۔ پھر خاص کر خط صاحب الامر کا کہ کسی نے اُن کو نہیں دیکھا۔ اور ہمیشہ اُس خط کا دیکھنا جس پر پہچان و شناخت موقوف ہے سو ایک دفعہ بھی نصیب نہیں۔ پھر ان احتمالاتِ بعید دُور دراز کار پر اپنے دین کے احکام ثابت کرنا کیسی حماقت اور بیوقوفی ہے اور بلاشبہ وسواس و جنون ہے۔ بلکہ اس مدت تک کہ غیبت امام کو قریب ہزار برس کے گزرے معتقدان کی حیات کا ہونا یہ بھی اُسی قسم سے ہے۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں اتنی بڑی عمر ہونا شخص انسان کا محالات سے ہے بلکہ خلاف عادت۔ اگر عمر حضرت نوحؑ اور لقمانؑ بن عادیا اور ان کے امثال پر قیاس کر کے یہ حکم کریں تو کمال بیوقوفی اس فرقہ کی ہے۔ اس لئے کہ اگر غرض اس قیاس سے بیان امکان اور حجت عقلی کا ہے تو بالکل مفید نہیں اس لئے کہ امکان سے کس نے انکار کیا اور کون کرتا ہے۔ اور اگر بیان عادت ہونے اس طول

عمر کا ہے تو صحیح نہیں۔ اس لئے کہ کرامات اور نادر باتوں پر قیاس نہیں ہو سکتا۔ اور ہرگاہ کہ اختلاف سرشت اور پیدائش اور زمان و مکان کو بھی اُس میں دخل ہو پھر کیونکر سب کو ایک صورت پر قیاس کر سکتے ہیں۔ اور یہ ایسا ہے کہ کوئی ولایت گرم سیر کو سرد سیر پر یا اس وقت کے لوگوں کو قوم عاد پر یا جاڑے کے موسم کو گرمی کے موسم پر قیاس کرے کہ اُس زمانے میں طول عمر ایک عادی امر تھا۔ حضرت نوحؑ کی بطریق ندرت سب سے زیادہ تر ہو گئی اس وقت میں سو برس یا ایک سو بیس برس بھی ایسے ہیں جیسی عمر حضرت نوحؑ اور لقمانؑ بن عادیا کی کہ ان کی دعا قبول ہو کر بطور کرامات اتنی عمر لقمانؑ کی ہوئی۔ اور یہ ضروری نہیں کہ کوئی کرامت کسی پیغمبر یا کسی مسلمان سے ظہور میں آئی ہو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یا اس اُمت کے اماموں سے بھی وہ ظہور میں آئے۔ ورنہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بھی حضرت نوحؑ اور لقمانؑ بن عادیا سے کم نہ ہوتی۔ اور حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ اگر ان کی طول عمر صحیح ہو تو وہ بھی اس اُمت اور اس دورے سے علیٰحدہ ہیں بلکہ حکم ملائکہ میں داخل نہ ان سے کسی کو سروکار نہ ان سے کوئی احکام دین اور اُصول شریعت کے حاصل کرتا ہے نہ کسی حادثوں اور واقعوں میں کسی کو ان کی طرف رجوع کرنا ضرور و لازم۔ اگر پوشیدہ اپنی عمر بسر کرتے ہیں تو کیا پروا اور اندیشہ۔ بخلاف امام وقت جس کے تعلق کاروبار اُمت کے اور احکام شریعت ہوتے ہیں اور پہنچانا امر و نہی اور قائم کرنا حدود اور تعزیرات اور جمعہ اور جماعتیں اور آراستگی لشکر اور لڑائیاں لڑنا کافروں اور دشمنان دین سے۔ یہ سب امر اُس کی تدبیر و ہدایت سے لگے ہوتے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ وہ کسی کو نظر ہی نہ آئے، نہ کوئی اُس کا ٹھکانا جانے نہ آواز سنے۔ اور لوگ منہ سے اُن پر جھوٹ لگایا کریں اور جعلی خط و دستخط بنائیں، اور ضلالت و گمراہی میں پڑیں، وہ کیسا امام۔ خدا پناہ دے اس کج فہمی اور بداعتقادی سے۔ یہ تو وہ مثل ہے کہ کہیں فلانے کو بادشاہ نے قاضی شہر کیا ہے اور حکم یہ دیا کہ لوگوں کی نظر سے چھپا رہے نہ اپنی صورت کسی کو دکھلائے نہ کسی کو اپنی آواز سنائے نہ مکان اپنا بتائے تاکہ لوگ اُس کو نہ جانیں نہ اُس تک پہنچ سکیں۔

غور کا مقام ہے کہ یہ معاملہ کس قدر دانائی سے دُور نادانی سے نزدیک ہے۔ اور تمسک اس فرقہ کا اس مقدمہ یعنی عمر صاحب الامر میں ایسا ہے جو ابومعشر بلخی اور ابوریحان بیرونی اور ماشاء اللہ مصری و ابن شادان اور مسیحی اور دیگر اہل نجوم نے کہا ہے کہ اگر مولودوں سے کوئی مولود ایسے وقت پیدا ہو کہ اُس وقت قران اکبر ہو یعنے سب ستارے ایک بُرج میں اور طالع ایک دو خانہ زحل سے ہو یا مشتری سے اور ہیلاج آفتاب کا دن میں اور ماہتاب کا شب میں کہ دونوں دلیل عمر کی ہیں، اور خمسہ متحیرہ جو کہ سوائے شمس و قمر کے پانچ ستارے ہیں قوۃ الحال اوتاد میں ناظر ہوں۔ ہیلاج یا کدخدا بنظر تودّد، ممکن ہے کہ یہ مولود بقدر سنوات قران اکبر کے زندہ رہے کہ نو سو اسی برس سال شمسی کے ہوتے ہیں۔ اور اگر اسباب فلکیہ دلالت اس کی عمر پر کریں تو اس مدت سے

زیادہ یا کم زندہ رہے یہ تمسک باطل اور محض بے فائدہ ہے۔ اس واسطے کہ اول تو ہذیان سرائی نجومیوں کو امورات اعتقادیہ شرعیہ میں دخل دینا نہایت بے دینی کی بات ہے۔ دوسرے ان نجومیوں نے بھی اس صورت میں صرف امکان ثابت کیا ہے اور کہا کہ ممکن ہے نہ قطعی اور زیادتی اور کمی کا بھی بنظر اور سببوں فلکیہ کے احتمال رکھا ہے ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ امکان سے کوئی انکار نہیں کرتا ہے۔ لیکن ہر ممکن کو واقعی جاننا یہ اصل مادہ مالیخولیا کا ہے تیسرے اگر ان سب باتوں کو مان بھی لیا جائے تب بھی ولادت حضرت امام صاحب الامر کی اس وقت واقع نہیں ہوئی باجماع مورخین اور منجمین۔ اور بشہادت کتب موالید الائمہ مثل اعلام الورٰی وغیرہ کے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وقت ولادت امام مہدی میں اختلاف ہے۔ دو قول لکھے ہیں:۔ ایک یہ کہ تولد ان کا شب برات ۲۵۵ھ میں بعد گزرنے چند ماہ کے قران اصغر سے کہ رابع تھا قران اکبر سے جو قوس میں واقع ہوا اور طالع بست و نہم تھا سرطان سے۔ اور زحل بارہویں دقیقے میں درجہ ہشتم قوس سے ایسا ہی مشتری رجعت میں تھا۔ اور مریخ چونتیسویں دقیقے میں بیسویں درجہ جوزا سے۔ اور شمس اٹھائیسویں درجے میں درجہ رابعہ اسد سے۔ اور زہرہ ستائیسویں درجے میں جوزا سے۔ اور عطارد اڑتیسویں دقیقے میں درجہ رابعہ اسد سے۔ اور قمر تیرہویں دقیقے میں درجہ تیسویں دلو سے۔ اور راس اُنسٹھویں دقیقے میں درجہ ستائیسویں حمل سے اور ذنب اُنسٹھویں دقیقے میں اٹھائیسویں درجہ میزان سے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ولادت اُن کی وقت صبح ستائیسویں شعبان سنہ مذکور میں ہوئی اور طالع ستائیسویں دقیقے میں پچیسویں درجہ سرطان سے تھا۔ اور زحل اٹھارہویں دقیقے میں بیسویں درجہ عقرب سے۔ ایسا ہی مشتری اور مریخ چونتیسویں دقیقے میں درجہ ہشتم حمل سے۔ اور شمس دقیقے اڑتیسویں میں درجہ اکیسویں اسد سے۔ اور زہرہ ستر ہویں دقیقے میں پچیسویں درجہ جوزا سے۔ اور قمر تیرہویں دقیقے میں تیسویں درجہ دلو سے۔

پس ان دونوں قولوں سے معلوم ہوا کہ دلائل فلکیہ ان کی طول عمر پر دلالت نہیں کرتی تھیں بلکہ برخلاف اس کے کہ یہ بات احکام نجوم جاننے والوں پر ان دونوں زائچوں سے روشن ہے نہ پیدائش ان کی قریب قران اکبر کے واقع ہوئی۔ اور علاوہ ان دو اقوال کے میلاد امام صاحب الامر میں اور کوئی قول منقول و مروی نہیں بخلاف نوح علیہ السلام کے کہ ان کی پیدائش باجماع مورخین اور منجمین کے نزدیک تحویل قران اکبر کے ہے۔ اور دلائل فلکیہ ان کی طول عمر پر دلالت واضحہ کرتی تھیں۔ چنانچہ منجمین نے ان کے زائچہ ولادت کے شرح میں ذکر کیا ہے۔

اس کے علاوہ دلیلیں قطعی عقلی خاص موافق اصول مذہب اثنا عشری شیعوں کے قائم ہیں جو اعتقاد طول بقا صاحب الامر کو باطل کرتی ہیں۔ اس لئے کہ اگر اُن کو زندہ کہیں اور وہ زندہ ہوں تو لازم آتا ہے یہ امر شنیع و قبیح کہ حضرت باری تعالیٰ تارک واجب کا ہے اس لئے کہ اُن کو جو لائق ریاست اور تصرف اُمت کے کاموں کے تھے مقبول

اہل دنیا نہ کیا۔ بلکہ اہل دنیا کے دلوں کو اُن سے ایسا متنفر کیا کہ درپے ان کے قتل و ایذا کے ہوگئے یہاں تک کہ ایسی چھپنے چھپانے کی نوبت پہنچی۔ اور ظالم اور کافر اور فاجر اُن پر مسلّط کئے پس حق تعالیٰ نے امر اصلح کو کہ اس کے ذمے واجب تھا ترک فرمایا۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل قبیح کا ہے اس لئے کہ ایسے شخص کے ہوتے جو قابلیت ریاست اور بڑی سرداری کے رکھتا ہو اس شخص کو جو اصلاً بو قابلیت کی نہ رکھتا ہو ملک و سلطنت پر تصرف دیدینا کیسی بری بات ہے۔ اور بھی کسی شخص کو امامت دینا اور پھر اس کو حکم چھپ رہنے کا دینا اور لوگوں کو تکلیف میں ڈالنا کہ اُس غائب چھپے ہوئے سے کہ سوا اُس کے نام کے اور کچھ نہیں جانتے احکام اپنے دین کے تحقیق کریں اور معاملات دنیوی میں کس سے رجوع لائیں۔ اور تقسیم ملک اور غنائم اور درستی لشکر اور فتح شہروں اور جنگ و صلح میں کس کی صوابدید پر عمل کریں۔ کتنی بڑی تکلیف کی بات ہے جس کا تحمل نہیں ہوسکتا۔ یہ ایسی بات کی ہے کہ کہیں جبریلؑ کو تمہارا امام کیا مسائل شرعیہ اُس سے پوچھو۔ اور مصالح دنیوی ہرگز بغیر حکم اُس کے مت کرو۔ کتنی بڑی تکلیف کی بات ہے اور عاقل کے نزدیک ان دونوں میں کیا فرق دونوں کو تکلیف مالا یطاق جانتا ہے۔ اور وقوع تکلیف مالایطاق کا بالاجماع محال۔ معہذا ایسے امام کا مقرر کرنا بھی عبث ہوگا اس لئے کہ فوائد امامت کے اصلاً اُس کے ہونے سے حاصل نہ ہوں گے۔ اگر کوئی فرقہ عنقائیہ اپنا لقب کرے اور عنقا کی امامت کا قائل ہو تو کیونکر کوئی اُس کے مذہب کا بطلان کرسکے گا۔ اور عبث قبیح ہے اللہ کی طرف اس کی نسبت کو مٹا دینا نزدیک شیعہ کے واجب ہے۔

الحاصل دلیلیں باطل کرنے ان کے اس خیال فاسد کی گنتی شمار سے زیادہ ہیں۔ مگر اس میدان سے باگ کمیت قلم کی پھیر کر اپنا مطلب لکھیں اس کو تو بچے بھی باطل کرسکتے ہیں۔ اور یہ بات ہے کہ بعض راوی ان کے ایسی چیز روایت کرتے ہیں کہ براہین قطعی عقلی کی رُو سے وہ محال ہے۔ اور یہ ایسے راوی کو قدح نہیں کرتے بلکہ روایت اُس کی مقبول رکھتے ہیں۔ مثلاً ابو بصیر کہ حضرت صادقؑ سے دعوٰی الوہیت کا روایت کرتا ہے یہ اُس کو مانتے ہیں۔ اب جو حال اخبار اور رجال شیعہ سے بطور نمونہ کے فارغ ہوئے لازم ہوا کہ باقی دلائل میں بھی ان کے کچھ کلام اجمالی شروع کریں تاکہ ناظر کو ان کے دلائل میں بصیرت حاصل ہو کُلی طور پر ان کے استدلالات کا فساد معلوم کرلے۔ اور جزئیات دلائل کو ان کے اس کُلیّے کی کسوٹی پر لگائے۔ اور اس مطلب کو خاتمۃ الباب اور فذلک الحساب ٹھہرایا گیا۔

تتمۃ الباب در دلائل شیعہ

جاننا چاہیئے کہ اقسام دلیل ان کے نزدیک چار ہیں۔ کتاب اور خبر اور اجماع اور عقل۔

کتاب کہ قرآن مجید ہے کہ ان کے زعم میں قابل استدلال کے نہیں اس واسطے کہ اعتبار اُس کے قرآن ہونے پر حاصل نہیں ہو سکتا۔ البتہ جب ہوتا کہ کسی امام معصوم کے درمیان سے ملتا پہنچتا۔ اور وہ قرآن جو ائمہؑ سے پہنچا ہے وہ ان کے ہاتھ میں موجود نہیں۔ اور یہ جو قرآن ہے ان کے زعم میں ائمہؑ نے اس کو معتبر نہیں جانا ہے اور قابل استدلال و دستاویز کے نہیں گنا۔ چنانچہ کلینی وغیرہ ان کی کتب معتبرہ سے نقل کیا جائے گا۔

یہ مطلب چند وجہوں سے ثابت ہے: اوّل یہ کہ ایک جماعت کثیر امامیہ اپنے اماموں سے روایت کرتے ہیں کہ وہ قرآن جو نازل ہوا تھا اُس میں کلموں کو اپنے مقامات سے بدل دیا ہے اور آیتیں بلکہ سورتیں بھی ساقط کر دی ہیں اور ترتیب بھی متغیر ہو گئی۔ اور اب جو کچھ موجود ہے قرآن عثمانؓ کا ہے کہ سات نسخے اُس کے لکھ کر اطرافِ عالم میں مشہور کر دیئے۔ اور جو کوئی قرآن مُنزل یعنے نازل شدہ اصل ترتیب اور وضع کو پڑھتا تھا اُس کو مار ڈالا کرتے تھے یہاں تک کہ چار ناچار تمام جہان میں اسی قرآن پر اجماع کر لیا پس یہ قرآن قابل سند و استدلال کے نہیں ہے۔ اور نظم و الفاظ اُس کے اور عام و خاص اُس کے محل اعتماد نہیں ہیں۔ کیونکہ جائز ہے کہ یہ احکام جو اس قرآن میں موجود ہیں کُل یہ احکام یا اکثر ان کے منسوخ ہوں اُن آیتوں اور سورتوں سے جو ساقط کر دی گئی ہیں یا مخصوص ہوں آیتوں اور سورتوں مسقطہ سے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نقل کرنے والے اس قرآن کے بلاتشبیہ ایسے ہیں جیسے نقل کرنے والے توریت و انجیل کے کہ بعض ان سے اہلِ نفاق تھے مثل عظمائے صحابہؓ اور کبراء جو ان سے ہیں۔ اور بعض ان سے چکنی چپڑی باتیں کرنے والے، دُنیا طلب دین فروش مثلِ عوام صحابہؓ جنھوں نے مال و مناصب کے لالچ سے پیروی اپنے رئیسوں کی کی اور دین سے پھر گئے علاوہ چار یا پانچ آدمیوں کے اور سُنتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دیا اور اُن کے خاندان سے عداوت اور دشمنی اختیار کی اور اُن کی کتاب کو تحریف اور اُن کے خطاب کو تغیر کر ڈالا مثلاً بجائے مِنَ الْمَرَافِقِ کے اِلَی الْمَرَافِقِ بنا دیا۔ اور بجائے اَئِمَّةٌ هِيَ اَزْكٰى مِنْ اَئِمَّتِكُمْ کے اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ لکھ دیا۔ اور علیٰ ہذا القیاس جیسا کہ دعاء صنمی قریش میں کہ اُس کو قنوت جنابِ امیرؓ اور متواتر جانتے ہیں مذکور ہے۔ بعض ذکر اس دعاء سے باب ثانی میں گزرا۔ پس جیسا کہ توریت اور انجیل پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے اور عقیدہ اور عمل نہیں لینا چاہیئے، ایسے اس قرآن پر جو موجود ہے تمسک نہیں کرنا چاہیئے۔ اور جیسے کہ احکام اُن کے منسوخ ہوتے ہیں قرآن مجید سے ایسی ہی اس قرآن سے بھی بہت چیزیں نسخ ہوئی ہیں مگر ناسخ کو سوا اماموں کے کوئی نہیں جانتا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ثبوت نزول قرآن اور اُس کے معجزہ ہونے بلکہ ثبوت نبوت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا موقوف ہے اس بات پر کہ اوّل نقل کرنیوالوں کا صدق ثابت ہو۔ اور جب کہ نقل کرنے والے نبوت پیغمبر صلعم کے ایسی جماعت ہیں جنھوں نے اپنی غرض فاسد سے اُس نص کو جو رُو برو ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمیوں کے فرمائی تھی،

چھپا ڈالا اور کسی نے وقتِ حاجت ظاہر نہ کیا یہاں تک کہ حق خاندانِ نبوت کا تلف ہو گیا اور اصل بزرگ دین کی ہم پہلو نبوت کے ہے یعنی امامت اُلٹ پُلٹ ہو گئی ایسے لوگوں کی نقل پر کیا اعتماد کیا جائے۔ غرض فاسد کے سبب سے باہم طے کر لیا ہے کہ فلاں شخص نبی تھا معجزے دیا اور قرآن اُس پر نازل ہوا اور تمام بُلغاء اُس کے مقابلے سے عاجز ہوئے اور واقع میں کچھ بھی نہیں۔

پس کتاب کا تو یہ حال ہے۔ لیکن خبر اُس کا حال مُفصّل اس باب میں گزرا۔ اور تازہ یہ ہے کہ خبر کے لئے ناقل چاہیئے اور ناقل خبر کے یا شیعہ ہیں یا غیر شیعہ۔ غیر شیعہ تو یوں بھی معتبر نہیں اس واسطے کہ صدرِ اوّل ان کے تو ایسے جن کی سندیں منقطع ہیں اس لئے کہ مُرتد اور منافق اور محرف خدا کی کتاب اور دشمن خاندانِ رسول خدا کے ہوئے ہیں۔ آپ رہے شیعہ اُن کی یہ کیفیت کہ اصل امامت اور تعین و شمار اماموں میں خود باہم ان کے اختلاف فاش ہے اور ثبوت کسی قول کا ان کے اقوال سے سوا خبر کے ہوتا نہیں اس لئے کہ کتاب اللہ ان باتوں سے ایسے طور پر کہ مخالف کو الزام دے سکے ساکت ہے۔ اب رہا ثبوت خبر اور اُس کی حجت ہونے کا یہ پھر موقوف اُسی قول پر ہوگا جس کا ثبوت خبر سے متعلق ہے بسبب سکوت کتاب کے اس صورت میں دَور صریح لازم آئیگا۔ یعنی قول کا ثبوت خبر سے اور خبر کا ثبوت قول سے اور یہ باطل ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ حجت ہونا خبر کا اسی سبب سے تو ہے کہ وہ قول کسی معصوم کا ہے یا بواسطہ کسی معصوم کے دوسرے معصوم سے پہنچا اور عصمت شخص معین کی بھی خبر ہی سے ثابت ہوتی ہے نہ کتاب سے بوجہ سکوت کتاب اور عجز عقل کے رہا معجزہ اوّل تو صدور اُس کا شخص معین سے نہیں اور بر تقدیر صدور وہ موقوف بر خبر اس لئے کہ ہر کسی کو اتفاق معجزہ دیکھنے کا نہیں پڑتا ہے۔

رہا اجماع۔ اُس میں بھی معصوم کے داخل ہونے کی حجت لگی ہے۔ اور پھر اُس اجماع کو غائبین پر نقل کرنے کو بھی خبر درکار ہے اور عصمت شخص معین کی بھی اُس کی خبر یا اُس خبر سے جو دوسرے معصوم سے پہنچی ہے ثابت کرنا یہ بھی دَور صریح ہے۔ اور نیز حجت ہونا خبر کا موقوف نبوتِ نبی اور امامت امام پر ہے۔ اور ہر گاہ کہ اصل ہی ثابت نہ ہو پھر فرع کیونکر ثابت ہوگا۔ حاصل کلام شیعہ کے نزدیک تواتر خود دائرۂ اعتبار سے گرا ہوا ہے اس لئے کہ کتمان واقع کا عدد تواتر سے ظہور میں آیا اور اظہار غیر واقع کا بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ کتمان واقع کا۔ رہیں اخبار آحاد خود بالاجماع اس قسم مطالب میں معتبر نہیں ہیں پس استدلال بجز ممکن نہیں۔ اب رہا اجماع اس کا باطل ہونا تو نہایت ہی ظاہر ہے اس لئے کہ اجماع تو بعد ثبوت نبوت اور شرع کے ہے اور جب نبوت اور شرع نہیں ثابت ہو سکتی تو اجماع کیونکر ثابت ہو۔ اور یہ بھی ہے کہ حجت ہونا اجماع کا ان کے نزدیک بالاصالت ثابت نہیں بلکہ اس سبب سے ہے کہ قول معصوم کا بھی اُس کے ضمن میں ہوتا ہے۔ تو اُس کا حال یہ ہے کہ ابھی تک معصوم کے ہونے اور اُس کے تعین ہونے میں کہ کون شخص ہے اور نقل قول کی ان میں بحث و تفتیش ہی چلی جاتی ہے۔ اور وہ اجماع

جو صدر اول اور ثانی کا ہے یعنی قبل پیدا ہونے اختلاف سے اُمّت میں خود معتبر نہیں۔ اس لئے کہ اُس وقت میں اجماع کیا خلافت ابوبکرؓ اور عمرؓ اور حرام ٹھہرانے متعہ اور تحریف کتاب اللہ اور منع میراث پیغمبر صلعم اور امام برحق کو حق سے کھو دینے اور غصب تعلقات خاندانِ رسول پر۔ اور بعد اس کے جب اختلاف اُمّت میں پیدا ہوا اور فرقے مختلف آپس میں بٹ گئے پھر اجماع کیونکر تصور کیا جائے۔ خصوصاً وہ مسائل جن میں اختلاف ہے کہ احتیاج استدلال اور اثبات حجت کا انہی لوگوں میں منحصر ہے۔ اور نیز داخل ہونا معصوم کا اجماع میں اور موافقت اُس کے قول کی تمام اُمّت کے قول سے ثابت نہیں ہوتی مگر اخبار سے اور اخبار کا حال جو کچھ ہے روشن ہے کہ کیسے اُس میں جھگڑے ہیں اور تساقط اور ضعف اور سُستی۔ اور بھی نقل اجماع کی ہر مسئلۂ اختلافیہ میں خاص ایک ایسا امر ہے کہ شُدنی نہیں۔ اور علمائے شیعہ بلکہ اثنا عشریہ کو بالخصوص اس نقل میں باہم تکاذب اور تجاحد ہے۔ بعضے اُن سے نقل اجماع اپنے فرقہ کی کرتے ہیں۔ اور دوسرے اُس کی تکذیب کرتے ہیں اور انکار رکھتے ہیں۔ اور جب اجماع ایک فرقے کا امامیہ سے کہ ایک فرقہ شیعہ سے ہیں اور ایک فرقہ اُمّت سے خود ان کے اپنی نقل سے ثابت نہ ہو تو اجماع جمیع اُمّت کا ثابت کرنا کس طرح متصور ہو۔ ہم اس کو چند مثالوں میں روشن کریں گے۔ صاحب سبل السلام الی معالم الاسلام کہ عمدہ علمائے اثنا عشریہ سے ہے شرح حدیث عقل میں تقریباً کہتا ہے کہ :-

كَلَامُ الشَّيْخِ اَبُو الْفَتْحِ الْكَرَاجَكِيِّ فِيْ كَنْزِ الْفَوَائِدِ يَدُلُّ عَلٰى اِجْمَاعِ الْاِمَامِيَّةِ عَلَى الْبَدَاءِ وَاَنَّهٗ مِنْ خَصَائِصِهِمْ وَاَنْكَرَهٗ سَائِرُ الْفِرَقِ وَكَلَامُ الْعَلَّامَةِ الْحِلِّيِّ فِي النِّهَايَةِ وَالتَّهْذِيْبِ وَكَشْفِ الْحَقِّ يَدُلُّ عَلَى الْاِصْرَارِ فِي الْاِنْكَارِ۔

یعنے کلام شیخ ابو الفتح کراجکی کا کنز الفوائد میں دلالت کرتا ہے اجماع امامیہ پر اوپر بدا کے اور تحقیق بیشک وہ بداخصائص ان کے سے ہے اور انکار کیا اُس کا سب فرقوں نے اور کلام علامہ حلی کا نہایہ اور تہذیب اور کشف الحق میں دلالت کرتا ہے اصرار انکار میں۔

اور شیخ شہید ثانی کہ اجلّ علمائے شیعہ سے ہے فصل متصل رکھتا ہے اس بات میں کہ شیخ ان کا بہت جگہوں میں مدعی اجماع فرقے کا ہوا ہے۔ حالانکہ خود وہی دوسری جگہوں میں مخالف اُس کے ہے۔ ایک اُس فصل سے ہم بھی ذکر کرتے ہیں :-

قَالَ فَصْلٌ فِيْمَا يَشْتَمِلُ عَلٰى مَسَائِلَ اِدَّعَى الشَّيْخُ الْاِجْمَاعَ فِيْهَا مَعَ اَنَّهٗ نَفْسَهٗ خَالَفَ فِيْمَا اِدَّعَى الْاِجْمَاعَ فِيْهِ اَوْرَدْنَاهَا لِلتَّنْبِيْهِ عَلٰى اَنْ لَّا يَغْتَرَّ الْفَقِيْهُ بِدَعْوَى الْاِجْمَاعِ فَقَدْ وَقَعَ فِيْهِ الْخَطَاءُ وَالْمُجَازَفَةُ كَثِيْرًا مِّنْ كُلِّ وَاحِدٍ

کہا فصل ہے اُس چیز میں کہ شتمل ہے مسائل پر دعویٰ کیا ہے ابو جعفر نے اتفاق کا اُن مسائل میں باوجود اس کے بذات خود مخالفت کی ہے حکم میں اُس چیز کے جس میں دعویٰ اجماع کا کیا لائے ہم اُس کو واسطے خبردار کرنے کے۔ خبردار نہیں اعتبار کرتا ہے فقیہ دعویٰ اتفاق کا۔ پس تحقیق واقع ہوئی اُس میں خطا اور مجازبہت ہر ایک

مِنَ الْفُقَهَاءِ سِيَّمَا مِنَ الشَّيْخِ وَالْمُرْتَضٰى فِيْمَا اِدَّعٰى فِيْهِ الْاِجْمَاعَ مِنْ كِتَابِ النِّكَاحِ دَعْوَاهُ فِي الْخِلَافِ الْاِجْمَاعَ اَلَا اِنَّ الْكِتَابِيَّةَ اِذَا اَسْلَمَتْ اِنْقَضَتْ عِدَّتُهَا قَبْلَ اَنْ يُّسْلِمَ الزَّوْجُ يَنْفَسِخُ النِّكَاحُ وَقَالَ فِيْ نِهَايَةٍ وَفِيْ كِتَابِ الْاَخْبَارِ لَا يَنْفَسِخُ النِّكَاحُ بَيْنَهُمَا۔

فقہا سے خصوصاً شیخ مرتضے سے پس جو کچھ دعویٰ کیا ہے اجماع کا کتاب نکاح سے دعویٰ اُس کا ہے خلاف اجماع کا اس بات پر کہ عورت کتابیہ جس وقت کہ مسلمان ہو جائے اور گزر جائے عدت اُس کی اُس سے پہلے کہ شوہر اُس کا مسلمان ہو فسخ ہو جاتا ہے نکاح اُس کا اور کہا ہے نہایہ اور کتاب اخبار میں کہ نہیں فسخ ہوتا ہے نکاح اُن دونوں میں۔

اور اسی طرح ہر باب میں ابوابِ فقہ سے تکذیب شیخ و سید کی کرتے ہیں۔ اور یہ رسالہ بہت بڑا ہے قریب تو مسئلے کے بلکہ زیادہ اس میں مندرج ہیں اور معتبر۔

اب **عقل** کا یہ حال ہے کہ تمسک اُس پر یا شرعیات میں ہے یا غیر شرعیات میں لیکن شرعیات میں ہرگز اس فرقہ کے نزدیک قابل تمسک کے نہیں ہے اس لئے کہ جڑ بنیاد ہی سے منکر قیاس کے ہیں اُس کو حجت نہیں جانتے اور غیر شرعیات میں موقوف ہے اس بات پر کہ خالی ہو آمیزش وہم اور اُلفت اور عادت اور احتراز ہو خطا سے ترتیب صورت و اشکال میں۔ لیکن یہ بات بدون ارشاد امام کے حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے کہ ہر فرقہ انسان کا خاصہ ہے کہ اپنی عقل سے بہت چیزوں کو ثابت کرتا ہے اور بہت چیزوں کا منکر ہوتا ہے اور اُن کے اصول و فروع میں ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں اور اپنی عقل سے ترجیح نہیں دے سکتے۔ اگر ترجیح دیں تو وہی تخالف اور تزاحم ترجیح میں بھی ثابت ہوگا۔ پس لابُد ہے کہ سوائے عقل کے کوئی حاکم اور مرجع ہو کو دونوں جانب سے ایک کو صواب ٹھہرائے دوسرے کو خطا۔ اور اس قسم کا مرجع سوائے نبی اور امام کے نہیں ہو سکتا۔ اور ہرگاہ کہ ثبوت نبوت اور امامت کا کہ موقوف علیہ عقل کا ہے حیز توقف میں ہے تمسک عقل پر بھی محل اعتماد نہیں ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ کہ یہاں کلام دلائل شرعیہ میں ہے اور امور شرع کے صرف عقل سے کوئی ثابت نہیں کر سکتا اس لئے کہ عقل مُفصّل شناخت اُن امور شرعیہ سے عاجز ہے بالاجماع۔ البتہ جو عقل کہ شریعت سے مدد پاتی ہوتی ہے اور اصل اُس حکم کی اُس نے شارعؑ سے لی ہو تو دوسری چیز کو اُس پر قیاس کر سکتے ہیں۔ لیکن جب اس فرقہ کے نزدیک قیاس ہی باطل ہے تو مطلقاً امور شرعیہ میں عقل کو دخل نہیں رہا۔ خاص کر جب قواعد و کلیات شرع میں بھی ابھی تردد و اضطراب ہے تو عقل کس چیز میں کام آئے ثَبِّتِ الْعَرْشَ اَوَّلًا ثُمَّ انْقُشْ (یعنی ثابت کر عرش کو اوّل پھر نقش و نگار بنا)۔

❋ **فائدہ جلیلہ**:- جاننا چاہیئے کہ تمام دلائلِ عقلیہ موافق اعتقاد بدیہیات کے قائم ہوتے ہیں پھر اگر کوئی گروہ انکار بدیہیات کا اختیار کرے جیسے سوفسطائی کہ اَلْوَاحِدُ نِصْفُ الْاِثْنَيْنِ وَالنَّفْيُ وَالْاِثْبَاتُ لَا

یجتمعان ولا یرتفعان و الجسم الواحد لا یکون فی آنٍ واحدٍ فی مکانین والغائب عن الحواس لیس لہ حکم الحاضر وما یسمی باسم الشیء لا یکون عین ذلک الشیء[1] - اور اسی قسم کی اور باتیں کہ اُن کا انکار کریں تو کوئی مطلب دلائلِ عقلیہ سے ان کے سامنے ثابت نہیں کرسکتا۔ اور ایسے ہی شرع کی دلیلوں اور دین کے مقدموں کا قیام ملّتِ حنیفیہ کے ثبوت پر ہے کہ زمانہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے اس وقت تک تمام دینوں میں یہ ملت مانی ہوتی ہے۔ اور اصول اُس کے وہ ہیں جس پر سب اہلِ ملت متفق ہیں۔ اور وہ یہ کہ:-

اِنَّ المعبود واحدٌ وانّہ یُرسِلُ الرُّسُلَ ویُظہِرُ المعجزۃ واِنّ الملائکۃ رُسُلُ اللّٰہِ اِلَی الخَلقِ معصومون عن الکذب والخیانۃ فی التبلیغ واِنّ للّٰہ تعالٰی احکامًا تکلیفیۃً علٰی عبادہ یجازی بہا وعلیہا یوم البعث والنشور بالجنۃ والنار۔

بیشک معبود ایک ہی ہے اور بیشک وہ بھیجتا ہے پیغمبروں کو اور ظاہر کرتا ہے معجزے اور بیشک فرشتے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کے پاس آتے ہیں، پاک ہیں جھوٹ اور خیانت سے حکم کے پہنچانے میں اور بیشک خدا کے واسطے حکم ہیں جن کی تکلیف بندوں پر رکھی گئی ہے اور اُس کے موافق وہ اُن کو بدلہ دیتا ہے اور اُسکے ذمے ہے قیامت کے دن خلق کا پیدا کرنا اور پھیلانا بہشت اور دوزخ میں۔

مگر ثابت کرنا اصول و قواعدِ حنیفیہ کا بطورِ شیعہ کے ممکن پھر کسی مطلب کا مطالبِ دینیہ سے بدلائل ثابت کرنا ان کے نزدیک ممکن نہیں۔ پس اس تمہید سے ثابت ہوا کہ یہ فرقے سوفسطائیہ دین کے ہیں۔

اب تفصیل اور توضیح اس اجمال و ابہام کی یہ ہے کہ یہ لوگ نبوت حضرت خاتم الانبیاءؐ کو جس سے کہ یہ اصول و قواعد نکلے ہیں اس امّت کی طرف جناب امیرؓ اور ائمہ اطہارؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اور یہ بھی قطعی معلوم ہے کہ خاص اُنہی سے روایت نہیں کرتے مگر اوروں کے درمیان کے ساتھ اور درمیانیوں کا ان کے حال معلوم کہ خود بھی اُن کو جھوٹا ٹھہراتے ہیں اور متہم کرتے ہیں۔ اور واقعی ان کے درمیانیوں نے جیسے کہ خاتم الانبیاءؐ سے نبوت کی روایت کی ہے، ایسے ہی جسم اور صورت ہوتے خدا تعالٰی کے بھی روایت کی ہے اور صریح جھوٹ جوڑا ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی ہے کہ یہ درمیانی اور ان کی روایتیں شرائطِ امامت اور تعین اماموں کی باہم مختلف اور معارض ہیں اس حد تک کہ مطابقت اُن کی ہرگز ممکن نہیں۔ پس جھوٹ بعض ان لوگوں کا جس کا کچھ تعین نہیں بہ یقین حاصل اور تواتر ایسے جھوٹے کاذبوں کا کہ کسی غرضِ فاسد کے سبب سے کسی افترا کو شہرت دی ہو جیسا کہ مقدمہ خلافت قرنِ اوّل میں ظاہر کیا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ سوائے چار صحابی یا چھ صحابی کے ان کے نزدیک کوئی قابل اعتبار نہیں ہے اور تواتر ان چار یا چھ آدمیوں کا معلوم کہ مطلق نہیں ہے۔ اور بالفرض اگر تواتر بھی مان لیا جائے کہ ہوا ہو تاہم

[1] یعنی ایک دو کا نصف ہے۔ نفی و اثبات نہ کبھی اکٹھے ہو سکتے ہیں نہ ایک ساتھ دور ہو سکتے ہیں، اور ایک جسم وقتِ واحد میں دو جگہ نہیں پایا جاسکتا، جو چیز حواس سے غائب ہو اُس کو حاضر و موجود نہیں کہہ سکتے۔ اور اسمِ شیٔ عین وذاتِ شیٔ نہیں ہے۔

خبر چار یا چھ آدمیوں کی اس قسم کے معاملات میں جن کو عقل بعید جان رہی ہے بلکہ بعض جگہوں پر مطلق محال اور معدوم سمجھتی ہے کس طرح فائدہ یقین کا دے گی۔ اور علاوہ ان چار چھ کے اور سب صحابہؓ ان کے نزدیک مُرتد اور خارج از دین اور غرض فاسد والے اور دروغ گو اور جھوٹے گزرے ہیں۔ اسی واسطے شیعہ ان سے روایت نہیں کرتے۔

رَوٰی سَلیمُ بنُ قَیسِ الہلالیُّ فی کتابِ وفاتِ النبیِّ صلّی اللّٰہُ علیہِ وسلّم عن ابنِ عبّاسٍ عن امیرِ المؤمنینَ وغیرُ واحدٍ عن الصّادقِ اِنّ الصّحابۃَ ارتدّوا بعدَ النبیِّ صلّی اللّٰہُ علیہِ وسلّم اِلّا اربعۃَ انفُسٍ وفی روایۃٍ عن صادقٍ اِلّا ستّۃً۔

روایت کی سلیم بن قیس ہلالی نے کتاب وفات النبی صلے اللہ علیہ وسلم میں ابن عباسؓ سے اور انہوں نے امیر المومنینؓ سے اور سوا ایک کے صادقؒ سے کہ بیشک صحابہؓ بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سب مُرتد ہوگئے تھے علاوہ چار آدمیوں کے اور ایک روایت میں ہے صادقؒ سے سوا چھ کے۔

پس جو کچھ کہ اس گروہ نے جو ان کے زعم میں مُرتد ہیں دعوٰی رسالت اور موافق دعوے کے اظہار معجزوں کا اور نزول قرآن اور عاجز ہوجانا بلغاء کا اُس کے جھگڑوں میں، اور احوال جنّت و دوزخ کے، اور تکلیفات شرعیہ اور نازل ہونا وحی اور ملائکہ کا بلکہ بیان نبوت اگلے نبیوں اور ان کی دعوت کا جو توحید کے ساتھ عبادات میں تھے اور منع کرنا شرک سے اُس عبادت میں روایت کرتے ہیں سب مردود ہیں۔ اس لئے کہ یہ خبر ایسے گروہ کی ہے جنھوں نے اتفاق کیا خلافِ وصیتِ پیغمبر صلعم پر جو روبرو ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمیوں کے بڑی تاکیدوں کے ساتھ فرماتے تھے۔ علی الخصوص کہ روایت اس گروہ کی بھی خود شیعہ کے نزدیک متواتر نہ ہوئی۔ اور فرقوں کے نزدیک جو ہم رنگ اُس جماعت کے ہیں متواتر ہوئی۔ اور اگر صرف اُس کی شہرت اور اُس کے پھیل جانے پر اُس قرن میں یا بعد اُس قرن کے اکتفا کی جاتے تو کمال بے احتیاطی دین میں لازم آئے اس لئے کہ خود اُس قرن اور مابعد اُس کے اور قرنوں میں سب نے بالکل مخالفت امر و نہی پیغمبرؐ پر کمر باندھی ہے، اور قرآن کو تحریف کیا۔ اور احکام جو خدا تعالٰی کے نازل کئے ہوئے نہ تھے اُن قرنوں میں ایسے مشہور ہوئے اور پھیلے کہ اصل شریعت سے بھی سب مشہور ہوگئے۔ مثلاً پاؤں دھونا وضو میں کہ یہ ایک معاملہ ہے حادث کثیر الوقوع کہ پانچوں وقت بیحد بے شمار لوگوں نے دیکھا ہے باوجود اس کے سب نے بر غلط روایت کی ہے۔ اور ایسے ہی مسح موزوں کا اور اس قسم کی بدعتیں کہ اُن قرنوں کے رئیسوں نے اپنی طرف سے پیدا کی ہیں اور رواج دین اُن کو برابر احکام اصلیہ شریعت کے جانتے۔ مثلاً سُنّت تراویح اور حُرمت متعہ اور علاوہ اس کے۔ پس اس جماعت بے دین بے باک سے کیا بعید کہ اتفاق کر لیا ہو امر نبوت اور نزولِ وحی اور ملائکہ اور ذکر بہشت و دوزخ پر لوگوں کے ڈرانے اور رغبت دلانے کو۔ اور تواتر سے اُس وقت

فائدہ یقین کا ہوتاہے کہ اہلِ تواتر کی کوئی غرض فاسد درمیان میں نہ ہو۔ یہاں غرضیں بیحد بے شمار موجود ہیں۔ اس لئے کہ احتمال ہے کہ چند لوگ ان میں سے منشاء روایت اس دعویٰ اور صدورِ معجزہ کے کسی غرض کے واسطے ہوتے ہوں اور اور سب لوگ لالچ کے مارے موافق اور مداہن بنے ہوں اور ان کی باتیں قبول کرکے مشہور کردی ہوں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اگلے کاہنوں اور نجومیوں سے سُنا تھا کہ ایک شخص قریش میں ایسا پیدا ہوگا کہ تمام رُوئے زمین کھلنے اور خزانۂ بیشمار اُس کے ہاتھ آئے۔ اور وہ اولاد عبدمناف سے ہوگا، فلاں نام اُس کا اور فلاں اُس کے باپ کا۔ پس ہر مفلس کو خیال فاقہ شکنی کا اُس کی پیروی میں پیدا ہوا ہوگا۔ اور ہر صاحب سیف کی خاطر میں گزرا کہ ہم کو عورتیں سفید پوست نازک بدن ایران کی ملیں گی اُن سے لذّت اُٹھائیں گے اور ہر دُنیا پرست کو سیر کسریٰ کے باغوں اور گلگشت قزوین اور شیراز اور بود و باش قیصر کے محلوں کی دامن گیر طبیعت کی ہوتی ہوگی۔ اور یہود سے بھی کسی جماعت نے ان فتوحات کو جان کر بموجب اخبار و کُتبِ قدیمہ اپنی کے کوئی نص توریت سے موافق مُدّعا کے نکال دی ہوگی۔ اور قِصّے اور اخبار بعبارتِ بلیغہ اُس کے واسطے درست کردیتے ہوں۔ اس کے ساتھ کہ ابھی ثبوت نزول توریت اور وقوع قِصّوں انبیاءؑ کا خود بروایات اور دارو گیر میں ہے تو یہود کی موافقت اور ناموافقت سے کیا حاصل ہوتا ہے اور کیا کھویا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ پہلے عرب کے جاہلوں نے ان غرضوں کے سبب سے اتباع کیا ہو۔ پھر اور لوگوں کو غلطی پڑ چلی پڑی اور دنیا کی طمع اور مستلذاتِ نفسانی سے پے در پے پیروی اس بڑے غول عرب کی لازم جانی تو رفتہ رفتہ ایک صورت دین و مذہب کی ہوگئی۔ چنانچہ اکثر امور شرعیہ میں بزعم شیعہ اسی قسم کی رُوداد واقع ہے۔ مثلاً جو کچھ تواتر غسل رجلین میں شیعہ کہتے ہیں یہی شقیں احتمالات کی ان کے ہیں کہ مذکور ہوئیں بلکہ اس موقع پر زیادہ تر اور قوی تر اس لئے کہ پاؤں کا دھونا نسبت مسح پاؤں کے ایک مشقت اور کلفت کی چیز ہے۔ پس اس مشقت اور کلفت کو اختیار کرنا اور اسی کو شہرت دینا بظاہر کوئی فائدہ دنیا کا اس میں معلوم نہیں ہوتا۔ بخلاف امر نبوت کے کہ مقدمہ ریاست عام کا ہے جو نہایت دلچسپ اور خاطر نشین ہے۔ اور موقع طمع اور حرص کا جس کے واسطے ہزاروں بلکہ لاکھوں جانیں اپنی کھوتے ہیں۔ اگر ایک کلمہ اور ایک روایت پر اجتماع کرلیں تو کیا عجب۔ اور مددگاران کے جھوٹ کی یہ بات بھی ہوئی کہ جب کسی نے ان سے جھگڑا کیا اور لڑنے کو مستعد ہوا خواری اُٹھائی اور خراب و تباہ ہوا۔ عوام خصوصاً اُن لوگوں کو جو پچھلے زمانہ میں پیدا ہوئے اس سبب سے اعتقاد اگلے لوگوں کے حقیقت روایت پر زیادہ ہوا۔ جیسا کہ شیعہ خلافتِ خلفائے ثلثہؓ کے معاملہ میں اور شہرت ہو جانا اُس کا اُس زمانے کے لوگوں میں جس سے اہلِ سنّت کے پچھلے لوگوں کے اعتقاد کو قوت ہوگئی۔ اسی قسم کے احتمالات رکھتے ہیں۔ اور اگر تواتر اس قسم کے لوگوں کا فائدہ بخش علم قطعی کا ہو تو چاہیئے کہ تواتر یہود کا بھی کہ

ان لوگوں سے بہت بڑھ کر تحریف کتاب اللہ اور تکذیب اور مخالفت انبیاءؑ اور اُن کی وصیتیں مٹانے میں نہ تھے واسطے تائید دین موسیٰ علیہ السّلام کے فائدہ بخش یقین کی ہوں۔ اس لئے کہ یہود نے بھی نصِ صحیح حضرت موسیٰؑ سے بتواتر نقل کیں ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

شَرِيعَتِيْ مُؤَبَّدَةٌ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَ تَعْظِيْمُ السَّبْتِ مُؤَبَّدَةٌ مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔

میری شریعت کو ہمیشگی ہے جب تک آسمان زمین ہیں۔ اور تعظیم سنیچر کے دن کی ہمیشہ رہے گی جب تک کہ آسمان اور زمین ہیں۔

اور ایسا ہی تواتر نصاریٰ کا ہے کہ وہ ایک نصِ صریح جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے خداتعالیٰ کے بیٹے ہونے پر ہے روایت کرتے ہیں کہ وَاِنَّ رِسَالَةَ ابْنِ الْبَشَرِ قَدْ خُتِمَتْ قَبْلَ مَجِيْئِهٖ (ان کے آنے سے پہلے انسانی رسالت ختم ہو چکی) اور یہ قرآن تحریف کیا ہوا جو اس گروہ کے ہاتھ میں ہے ایسا ہے جیسے توریت و انجیل عرفی جس میں سے بہت آیتیں اور بہت سُورتیں گرادیں ہیں اور کلمے اُس کے بدل ڈالے ہیں اور ترتیب متغیّر کردی ہے۔ پس اگر اس قرآن متواتر کذائی پر تمسک جائز ہو تو انجیل پر بھی جائز ہوگا۔ اور انجیل مرقس میں کہ انجیل ثانی ہے صحاح ثانی سے یہ نص موجود ہے اور چاروں انجیلیں ان کے نزدیک متواتر ہیں۔

قَالَ غَرَسَ رَجُلٌ اَشْجَارًا فِيْ اَرْضِهٖ وَبَنٰى حَوَالَيْهَا الْجُدْرَانَ وَحَفَرَ فِيْهَا بِيْرًا وَبَنٰى عَلَيْهَا بُيُوْتًا فَلَمَّا كَمَلَتْ عِمَارَةُ الْبُسْتَانِ اَوْدَعَهٗ عِنْدَ الزَّارِعِ وَسَافَرَ اِلٰى بَلَدٍ اٰخَرَ وَاَقَامَ بِهَا فَلَمَّا حَانَ اَنْ يَّنْضَجَ الثِّمَارُ اَرْسَلَ عَبْدًا مِّنْ عَبِيْدِهٖ اِلَى الزَّارِعِ لِيَاْخُذَ اَثْمَارَهٗ فَلَمَّا جَاءَ وَاَرَادَ اَنْ يَّاْخُذَ ثَمَرَهٗ ضَرَبُوْهُ وَاَرْسَلُوْهُ خَائِبًا ثُمَّ اَرْسَلَ عَبْدًا اٰخَرَ فَاٰذَوْهُ وَضَرَبُوْهُ وَاَدْمَوْهُ وَشَجُّوْا رَاْسَهٗ ثُمَّ اَرْسَلَ فَقَتَلُوْهُ فَكَانَ يُرْسِلُ عَبِيْدَهٗ تَتْرٰى فَيَضْرِبُوْنَ بَعْضَهُمْ وَيَقْتُلُوْنَ بَعْضَهُمْ وَكَانَ لَهُ ابْنٌ وَاحِدٌ يُّحِبُّهٗ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ سِوَاهُ فَاَرْسَلَهٗ اِلَيْهِمْ فَلَمَّا

کہا ایک شخص نے اپنی زمین میں درخت لگائے اور اُس کے گرداگرد دیواریں قائم کیں اور کنواں بھی اُس میں کھودا اور ایک مکان بھی بنایا پھر جب تمام ہوگئی عمارت باغ کی مزارعوں کے سپرد کرکے خود کسی اور شہر کو سفر کرگیا اور وہاں رہنا اختیار کیا۔ جب میوے پکنے کا وقت آیا اپنے غلاموں سے ایک غلام بھیجا اُن مزارعوں کے پاس تاکہ میوہ وہاں سے لائے، اُنھوں نے اُس غلام کو مارا اور میوہ نہیں لینے دیا اور بغیر حصول مطلب اُس کو مالکِ باغ کے پاس بھیجا۔ اُس مالک نے پھر اور ایک غلام بھیجا، ان مزارعوں نے اُس کو بھی مارا اور اُس کو لہولہان کردیا اور سر اُس کا توڑ ڈالا، پھر اُس نے اور غلام بھیجا اُس کو اُنھوں نے جان سے مار ڈالا، غرض حال یہ تھا کہ مالک برابر اپنے غلام ان کے پاس بھیجا تھا اور یہ بعض کو زد و ضرب کرتے رہے اور بعض کو مار ڈالتے رہے اب اُس مالک کا ایک لڑکا تھا نہایت پیارا اور عزیز اور سوا اس لڑکے کے اور لڑکا نہ تھا اُس کو ان کے پاس بھیجا جب

دَاءُ الْكُفَّارُ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ هٰذَا الَّذِیْ یَرِثُ بَعْدَهُ الْجَنَّةَ فَهَلُمُّوْا نَقْتُلُهٗ وَ نَرِثُ الْبُسْتَانَ فَوَثَبُوْا عَلَیْهِ فَقَتَلُوْهُ فَلَا جَرَمَ یَغْضِبُ عَلَیْهِمْ صَاحِبُ الْحَائِطِ وَیَرْجِعُ اِلَیْهِمْ وَیَنْزِعُهٗ مِنْ اَیْدِیْهِمْ وَیُدَمِّرُهُمْ وَ یَضَعُهٗ عِنْدَ اٰخَرِیْنَ۔

ان کافروں نے اس لڑکے کو دیکھا تو بعض نے بعض سے کہا کہ یہی ہے جو بعد مالک کے باغ کا وارث بنے گا آؤ اس کو مار ڈالیں اور ہم ہی وارث باغ کے بن جائیں۔ پس اُس پر حملہ کیا اور اُس کو مار ڈالا۔ اس بات سے کس طرح صاحبِ باغ غضبناک و خشمگین نہ ہوگا ضرور وغصہ ہو کر ان کی طرف رجوع کریگا اور باغ کو ان سے چھین کر انکو ہلاک کریگا اور باغ اوروں کے قبضہ میں رکھے گا، انتہےٰ۔

اب اس موقع سے معلوم ہوا کہ اصُول مذہب میں ثبوت ملّتِ حنیفیہ کا کہ راہ اُس کی قبول کرنا نبوت خاتم الانبیاء کا ہے بدون پیروی اہلِ سُنّت کے ممکن نہیں۔ اس واسطے کہ انھوں نے اصُول اپنے دین کے نکالے ہیں جماعتِ صحابہؓ سے مثلاً عشرہ مبشرہ اور عبادلۂ اربعہ اور مکثرین اور دیگر اہل بدر اور اہل بیعت رضوان اور مہاجرینِ اوّلین کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کے صدق وصلاح پر گواہی دی ہے کقولہٖ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (یعنی وہ لوگ سچّے ہیں) اور فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ تا آخر آیت (یعنی محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، اور وہ لوگ کہ اُن کے ساتھ ہیں نہایت سختی کرنے والے ہیں کافروں پر، آخر آیت تک) اور بہت آیتوں میں ان کی نسبت کھلے خوشنودی و رضامندی کے ارشاد فرمائے۔ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ الآیۃ (یعنی تحقیق راضی ہوا اللہ ایمان والوں سے جس وقت کہ بیعت کرتے تھے وہ نیچے درخت کے)[الخ] اور سوائے اس کے اور آیتیں ہیں رضامندی کی

پھر جب اہلِ سُنّت نے قرآن وحدیث میں یہ نصوص ان کے حق میں سُنے تو ان کے حال کی واجبی جستجو اور تلاش کی۔ معلوم ہوا کہ ایک ایک ان میں سے سچّے اعتقاد والے اور نہایت محبت اور رسُوخ والے ہوئے ہیں۔ اور کسی طرح ترقی شریعتِ غرا میں قصُور نہیں کیا۔ اور احکام روشن ملّتِ حنیفیہ میں مطلق چکنی چپڑی باتیں نہیں بنائیں۔ کتابِ خدا کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا ہے۔ اور خدا کے دین کی حفاظت اور حمایت کو اپنی جان اور اپنے دَم سے زیادہ جانتے تھے۔ رسول مقبولؐ کی سُنّتوں کی اپنی عادتوں میں جہاں تک ممکن تھا تقویت کرتے تھے اور عبادتوں سے زیادہ سمجھتے تھے۔ اور عوام صحابہؓ بھی ان کی صحبت کی برکت اور خوفِ سیاست سے اسی چال اور چلن پر تھے۔ اور تابعین ان کے باحسان بھی بتاثیر صحبت ان کے کہ ان کے نوروں کے عکس ان پر پڑے تھے انہی کے سلوک وطریق پر تھے۔ اور ایسے ہی قرناً بعد قرنٍ یعنی صدیوں۔ اور یہ فرمانبرداری وپیروی جو یہ لوگ پیغمبرؐ کی کرتے تھے غرض خاص یہی تھی کہ حق ظاہر ہو۔ نہ یہ کہ نفع کی لالچ اور ضرر کے بچاؤ سے۔ بلکہ جو کوئی سردارانِ عرب سے دراغ اُلفت مؤلفۃ القلوب یعنی حضرتؐ سے واغدار نہ تھا کیسا ہی رئیسِ قوم اور سردار کُنبے کا ہوتا اُس کی تحقیر اور

اہانت کرتے تھے۔ مثلاً ابوسفیان اور اقرع بن حابس نے مجلس میں خلیفہ دوم کے، باوجود اس کے کہ بڑی ریاست رکھتے تھے، بڑی ذلتیں اُٹھائی ہیں اور صفِ نعال میں جگہ پائی ہے۔ اور فقیر اور مسکین اور غلام اور کم اہل ان کے صدرِ مجلس ہوتے تھے جیسے صہیب اور عمار۔ اور جب اقتدار اُن کو ولایت اور ملک وسلطنت کا ہوتا تھا تو بیٹوں اور قریبوں کو نہیں دیتے تھے مگر جس کو دیکھتے تھے کہ قدم اس کا اسلام میں مستحکم ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور رفاقت میں بشدّت وکثرت رہا ہے اس قسم کے منصب اُس کو دیتے تھے۔ اور اس بات کا لحاظ رکھتے تھے۔ اور اکثر یہ لوگ بعد بڑی بڑی لڑائیوں اور مارے جانے بزرگوں اور قریبوں اور اَڑے رہنے کفر پر اور دیکھنے معجزاتِ قویہ کے ایمان لاتے ہیں۔ اور نہ جیسا کہ کہا ہے کہ کاہنوں اور نجومیوں اور اہلِ کتاب کے کہنے پر بطمع مال ومناصب کے ایمان لاتے تھے اگر یہ ہوتا تو پہلے ہی ہلے میں مسلمان ہوجاتے۔ مدّتوں تک پیغمبرؐ کے کاموں کو ابتر کرکے عداوت میں بسر کرتے۔

جب اہی کی نقل وروایت سے دعوٰی نبوّت اور ظہور معجزات اور نزول قرآن اور عاجز ہونا فصیحوں بلیغوں کا اُس کے جھگڑے میں ثابت ہوا تو یقین حاصل ہوا کہ فی الواقع ایسا ہی تھا۔ اور ثبوت ان کے صدق اور صلاح کا موافق گواہی قرآن اور رسولؐ کے ایسا دَور نہیں کررہا ہے کہ کچھ کھٹکا لازم آئے بلکہ بطور تاکید اعتقاد اور مزید یقین کے ہے ورنہ جستجو ان کے حال کی کافی ہے اس بات میں کہ اعتقاد کیا جائے کہ خبر ان کی صحیح ہے اور متواترات ان کے سچّے اور پیروی ان کے طریقے کی اور لازم پکڑنا ان کے طریقے اور راہ کا۔ شیعہ قرآن یا حدیث یا اجماع پر تمسک کریں تو اس صورت میں ان پر ضرور لازم آتا ہے کہ گویا اپنے شیعہ پن سے انھوں نے تنزل کیا اور آلودگی مذہبِ اہلِ سُنّت کی لازم پکڑلی۔ پس اگر نہ ہو تو ان کے تمسکات جو کچھ ہیں ایسے ہو جائیں گے جیسے پانی کا نقش یا سراب کی چمک (دھوکا ریت کی چمک کا جو پانی کی طرح معلوم ہوتی ہے) بے حقیقت اور بے ثبات۔

پس ظاہر ہوا کہ کوئی دلیل ان کے دلائل سے اصل شیعیت کے واسطے درست نہیں ہوتی۔ اور جب کہ دامن اہلِ سنّت کا پکڑا اور اس قرآن اور ملّتِ حنیفیہ کے قائل ہوئے تو ضروری ہے کہ سب امورِ متواترہ میں ان کے مثلاً جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شدّتِ بیماری میں امامت حضرت ابوبکرؓ کے سپرد کی اور فضائل اور مناقب اُن کے بیان فرمائے، اور پاؤں دھونے اور مسح موزہ کے کہ قرآن اور اصُول سے بتواتر ثابت ہیں سب کا قائل ہو اور ماننا چاہیئے۔ ورنہ ایک تحکم بے اصل لازم آئے گا۔ پس یہ تو ایسا ہے کہ روٹی تو اور کسی کی کھانا اور شکر دوسرے کا بجالانا کیسی بے لُطفی کی بات ہے۔ بیت:

وَجد دمنعِ بادہ اے زاہد چہ کافرنعمتی ست || دشمنِ مَی بودن وہمرنگِ مستان زیستن

اب لازم ہے کہ اس فائدے کو کوئی بیفائدہ نہ سمجھے کہ نہایت مفید ہے۔ اگلے بابوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

بناان کے مذہب تشیع کی اُن روایتوں پر ہے جو یارانِ ائمہؒ نے ائمہؓ سے کی ہیں اور یاروں کا حال معلوم کہ اکثر اُن میں دروغ گو تھے کہ خود اماموں نے اُن کو جھوٹا ٹھہرایا ہے۔ ایسا کوئی امام نہیں ہوا کہ جس کے یاروں کی تکذیب امامِ لاحق نے نہ کی ہو۔ دلیل اُس کی یہ ہے کہ ان میں سے بعض اُس امام کی امامت کے قائل نہیں ہوئے دوسرے کی امامت کے مُعتقد تھے۔ یا قائل اس بات کے کہ ابھی امام کے پیدا ہونے میں توقف ہے یا فلاں امام پر امامت منقطع ہوگئی۔ مگر ان کو ایسا حُسنِ ظن اُن کے یاروں پر ہے کہ کیسی ہی تکذیب ان کے امام لاحق یا سابق کریں لیکن یہ تو اُس کو جَو بھر بھی نہیں گنتے۔ سب کی روایتوں پر پُورا پورا اعتقاد رکھتے ہیں۔ پھر کیا یارِ حضرتؐ کے، اماموں کے یاروں سے تاثیرِ صحبت میں کم ہیں جو ان پر حُسنِ ظن نہیں کرتے اور ان کی روایتیں نہیں مانتے حدیہ کہ بعض روایتیں اماموں سے، مخالف روایت صحابہؓ کے، خاص معتقدات متعلقۂ امامت میں ان کو پہنچی ہوں اور صحابہؓ کے صدق میں ان کو شبہ پیدا ہوا ہو۔ لیکن جب کہ یہ مخالفت ہر امام کے اصحاب میں جاری ہے اور یہ شبہ ان سب میں بھی موجود اس کے ساتھ بھی اُن کی روایتیں مانی گئیں۔ پھر صحابہؓ کی روایت کے حق میں کونسی چیز مانع ماننے کے ہوگی۔ نہیں ہے یہ مگر تعصبِ محض اور بغضِ خالص، اور جناب رسول مقبولؐ کی تحقیر اور اہانت اُن کی تاثیرِ صحبت کی صحابہؓ کے حق میں، لاحول ولاقوۃ اِلّا باللہ۔ حالانکہ خود ائمہؓ نے عذر اس مخالفت کا بیان فرمایا ہے۔ اور صحابہؓ کو صدق سے موصوف کیا ہے کہ ان کے صحاح سے ثابت ہے اور مروی ہے۔ لیکن پردۂ تعصب نے ان کو اندھا بہرا کر رکھا ہے۔

مِنْ كِتَابِ الْكَافِي الْكُلَيْنِيِّ فِيْ بَابِ اِخْتِلَافِ الْحَدِيْثِ بِحَذْفِ الْاَسْنَادِ عَنْ مَنْصُوْرِ ابْنِ حَازِمٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ مَا بَالِيْ اَسْئَلُكَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ فَتُجِيْبُنِيْ فِيْهَا بِالْجَوَابِ ثُمَّ يُجِيْبُكَ غَيْرِيْ فَتُجِيْبُهٗ فِيْهَا بِجَوَابٍ اٰخَرَ فَقَالَ اِنَّا نُجِيْبُ النَّاسَ عَلَى الزِّيَادَةِ وَ النُّقْصَانِ قَالَ قُلْتُ فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقُوْا عَلٰى مُحَمَّدٍ اَمْ كَذَبُوْا قَالَ بَلْ صَدَقُوْا قَالَ قُلْتُ فَمَا بَالُهُمْ اخْتَلَفُوْا فَقَالَ اَمَا تَعْلَمُ اَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَاْتِيْ

کتاب کلینی سے ہے باب اختلاف حدیث میں مع دور کرنے اسناد کے منصور بن حازم سے۔ کہا کہا میں نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے کہ کیا حال ہے تمہارا کہ میں پوچھتا ہوں تم سے ایک مسئلہ سو جواب دیتے ہو تم مجھ کو ایک حال پر پھر آتا ہے تمہارے پاس دوسرا شخص سو جواب دیتے ہو تم اُس کو دوسرے طور پر تو کہا کہ بیشک ہم جواب دیتے ہیں لوگوں کو بیشی و کمی پر، کہا اُس نے، پوچھا میں نے مجھ کو خبر دو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ سچ کہا ہے انھوں نے محمد صلعم پر یا جھوٹ، کہا بلکہ سچ کہا ہے انھوں نے، پھر میں نے پوچھا کیا سبب ہے جو انھوں نے اختلاف کیا ہے! کہا یہ سبب تھا کہ کوئی شخص آتا تھا

عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْئَلُهٗ عَنِ الْمَسْئَلَةِ فَيُجِيْبُهٗ فِيْهَا بِالْجَوَابِ ثُمَّ يُجِيْبُهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ بِمَا يَنْسَخُ ذٰلِكَ فَنَسَخَتِ الْاَحَادِيْثُ بَعْضُهَا بَعْضًا بِحَذْفِ الْاَسْنَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُ لَهٗ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَرْوُوْنَ عَنْ فُلَانٍ وَ فُلَانٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يُتَّهَمُوْنَ بِالْكِذْبِ فَيَجِيْءُ مِنْكُمْ خِلَافُهٗ قَالَ اِنَّ الْحَدِيْثَ يُنْسَخُ كَمَا يُنْسَخُ الْقُرْاٰنُ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اور پوچھتا تھا اُن سے کوئی مسئلہ سو جواب دیتے تھے اُس کو ایک جواب پھر جواب دیتے تھے بعد اس کے پہلے جواب کو نسخ کر کے سو نسخ کرتی تھیں حدیثیں بعض کو بعض۔ اور بھی بحذف اسناد محمد بن مسلم سے ہے ابی عبداللہ سے کہا، کہا میں نے اُس کا کیا حال ہے کہ بہت قومیں روایت کرتی ہیں فلاں فلاں شخص سے زمانۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اُن پر جھوٹ کی کوئی تہمت نہیں کرتا اور تم سے اُن کا خلاف ظاہر ہوتا ہے، کہا بیشک حدیثیں منسوخ ہوتی ہیں جیسا کہ نسخ ہوتا ہے قرآن میں، انتہٰی۔

❁ **فائدۂ دوم** جو پہلے فائدہ سے بھی بڑھ کر اہم ہے، ہم نے اس کا نام "سَعَادَةُ الدَّارَيْنِ فِيْ شَرْحِ حَدِيْثِ الثَّقَلَيْنِ" رکھا ہے۔ پس جو کوئی چاہے ٹھہرا لے اُس کو ایک رسالہ ملحقۂ ابواب پنجگانہ سے کہ بعد اس کے ہیں جاننا چاہیئے کہ یہ حدیث باتفاق شیعہ اور سُنی کے ثابت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ اَهْلُ بَيْتِيْ۔

میں چھوڑتا ہوں تم میں دو چیزیں بڑی قدر والی اگر مضبوط پکڑو گے اُن کو بعد میری ہرگز نہیں گمراہ ہوگے اور ایک دوسرے سے بڑا تر ہیں سو وہ قرآن شریف ہے اور دوسری اہل بیت سے۔

پس اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقدماتِ دینی اور احکام شرعی میں ہم کو پیغمبرؐ نے حوالے ان دونوں چیزوں عظیم القدر کے فرمایا ہے۔ بیشک جو مذہب کہ امورِ شرعیہ میں عقیدہ اور عمل کی رُو سے ان دونوں چیزوں کے مخالف ہو باطل اور نامعتبر ہے۔ اور جو کوئی انکار ان دونوں بزرگوں کا کرے گمراہ اور خارج از دین ہوگا۔ اب اس کی تحقیق کرنی چاہیئے کہ ان دونوں فرقوں شیعہ اور سُنّی سے وہ فرقہ کونسا ہے جو ان دونوں مضبوط ڈوریوں کو مضبوط پکڑے ہوئے ہے۔ اور کون ان دونوں عالی قدر چیزوں کی سُبکی اور اہانت کرتا ہے اور درجۂ اعتبار سے ساقط جانتا ہے اور دونوں میں طعن اختیار کرتا ہے۔ برائے خدا اس بحث کو بنظرِ تأمل اور انصاف دیکھنا چاہیئے کہ عجب معاملہ ہے اور عجیب ماجرا۔ اس بحث میں ہم سوائے کُتُبِ معتبرۂ شیعہ کے اور کسی سے منقول نہیں کریں گے جیسا کہ تمام اس کتاب میں یہی التزام ہے۔

اب سُنو کہ کتاب اللہ تو شیعہ کے نزدیک درجۂ اعتبار سے ساقط ہوئی، اور توریت اور انجیل کی طرح قابل تمسک کے نہ رہی۔ اس واسطے کہ اس میں تحریف بہت ہوگئی اور بہت احکام منسوخ ہوئے، بہت آیتیں اور سورتیں کہ

ناسخ احکام اور مخصص عام باتوں کی تھیں چوری گئیں۔ آب جو کچھ باقی ہے بعض الفاظ اُس کے مُبدّل بعض زائد بعض ناقص ہیں۔

رَوَی الکُلَیۡنِیُّ عَنۡ هِشَامِ بۡنِ سَالِمٍ عَنۡ اَبِیۡ عَبۡدِ اللهِ اَنَّ الۡقُرۡاٰنَ الَّذِیۡ جَآءَ بِهٖ جِبۡرِیۡلُ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ سَبۡعَةَ عَشَرَ اَلۡفَ اٰیَةٍ۔

روایت کی کلینی نے ہشام بن سالم اور اُس نے ابی عبد اللہ سے کہ بے شک وہ قرآن جو جبریلؑ پاس محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لاتے اس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں۔

وَرَوٰی عَنۡ مُحَمَّدِ بۡنِ نَصۡرٍ عَنۡهُ اَنَّهٗ قَالَ کَانَ فِیۡ لَمۡ یَکُنۡ اِسۡمُ سَبۡعِیۡنَ رَجُلًا مِنۡ قُرَیۡشٍ بِاَسۡمَآئِهِمۡ وَاَسۡمَآءِ اٰبَآئِهِمۡ۔

روایت کی محمد بن نصر نے اُس سے یہ کہا اُس نے سورۂ لم یکن میں ستّر آدمیوں کے نام قریش سے تھے کہ ان کے نام بھی تھے اور ان کے آبار کے نام بھی تھے۔

وَرَوٰی عَنۡ سَالِمِ بۡنِ سَلِیۡمَةَ قَالَ قَرَءَ رَجُلٌ عَلٰی اَبِیۡ عَبۡدِ اللهِ وَاَنَا اَسۡمَعُهٗ حُرُوۡفًا مِنَ الۡقُرۡاٰنِ لَیۡسَ مَا یَقۡرَءُهُ النَّاسُ فَقَالَ اَبُوۡ عَبۡدِ اللهِ مَهۡ اُکۡفُفۡ عَنۡ هٰذِهِ الۡقِرَاءَةِ وَاقۡرَأۡ کَمَا یَقۡرَءُهُ النَّاسُ حَتّٰی یَقُوۡمَ الۡقَآئِمُ فَاِذَا قَامَ الۡقَآئِمُ اِقۡرَأۡ کِتَابَ اللهِ عَلٰی حَدِّهٖ۔

روایت کی سالم بن سلیمہ نے ..... کہا پڑھا ایک شخص نے قرآن سامنے ابو عبد اللہ کے اور میں سُنتا تھا اُس کو ایسے حروف قرآن کے اُس میں نہ تھے جیسا کہ لوگ پڑھتے ہیں۔ تو ابو عبد اللہ نے اُس سے بازرہ بازرہ اس پڑھنے سے اور پڑھ اُس طرح جسطرح لوگ پڑھتے ہیں تا وقتیکہ پیدا ہوں امام مہدی۔ اور جب امام مہدیؑ پیدا ہوں تب پڑھ کتاب اللہ کو اُس کے طریقے پر۔

وَرَوَی الکُلَیۡنِیُّ وَغَیۡرُهٗ عَنِ الۡحَکَمِ بۡنِ عُتَیۡبَةَ اَنَّهٗ قَالَ قَرَءَ عَلِیُّ بۡنُ الۡحُسَیۡنِ وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّلَا نَبِیٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ قَالَ وَکَانَ عَلِیُّ بۡنُ اَبِیۡ طَالِبٍ مُحَدَّثًا۔

روایت کی کلینی وغیرہ نے حکم بن عتبہ سے کہ بیشک اُس نے کہا کر پڑھا علی بن حسین نے بعد لفظ نبیّ کے محدّث زیادہ کرکے اور محدث یعنی صاحب الہام۔ اور کہا کہ وہ محدث یعنی صاحب الہام علیؑ ابن ابی طالب ہیں۔

وَرَوٰی عَنۡ مُحَمَّدِ بۡنِ الۡجَهۡمِ الۡهِلَالِیِّ وَغَیۡرِهٖ عَنۡ اَبِیۡ عَبۡدِ اللهِ اَنَّ اُمَّةً هِیَ اَرۡبٰی مِنۡ اُمَّةٍ لَیۡسَ کَلَامُ اللهِ بَلۡ مُحَرَّفٌ عَنۡ مَوۡضِعِهٖ وَالۡمُنَزَّلُ اَئِمَّةٌ هِیَ اَزۡکٰی مِنۡ اَئِمَّتِکُمۡ۔

روایت کی محمد بن جہم ہلالی وغیرہ سے اور اُس نے ابو عبد اللہ سے کہ ہر آئینہ جماعت اُس کی بالا تر ہے جماعت سے یہ کلام الٰہی نہیں ہے بلکہ بدلا گیا ہے اپنے طور سے، اور جو نازل ہوا ہے وہ یہ کہ امام ہیں کہ وہ پاکتر ہیں تمہارے اماموں سے۔

اور یہ بھی نزدیک ان کے ثابت اور مقرر ہے اور مشہور کہ بعض سورتیں بالکل ساقط کر ڈالی ہیں مثل سورۃ الولایۃ اور بعض سورتوں سے اکثر اُس کا جیسے سُوۡرَةُ الۡاَحۡزَابِ کیونکہ وہ سُوۡرَةُ الۡاَنۡعَامِ کے برابر تھی کہ اس سورۃ

سے جو کچھ فضیلت اہل بیت اور احکام امامت سے تھا سب ساقط کیا ہے۔ اور لفظ وَیۡلَكَ جو لَاتَحۡزَنۡ اِنَّ اللهَ مَعَنَا سے پہلے تھا ساقط کیا ہے اور لفظ عَنۡ وِلَایَةِ عَلِیٍّ اس آیت کے بعد سے وَقِفُوۡهُمۡ اِنَّهُمۡ مَّسۡئُوۡلُوۡنَ (یعنی کھڑے کئے جائیں گے وہ بیشک پُوچھے جائیں گے ولایتِ علیؓ کی بابت) اور وَیۡلَكَ بَنُوۡ اُمَیَّةَ اس آیت کے بعد سے خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ (یعنی لیلۃ القدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے خرابی ہے بنو امیہ کو) اور بِعَلِیِّ بۡنِ اَبِیۡ طَالِبٍ اس آیت کے بعد سے کَفَی اللهُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الۡقِتَالَ (یعنی کفایت کرتا ہے اللہ مومنوں سے لڑائی کو ساتھ علی بن ابی طالبؓ کے) اور اٰلَ مُحَمَّدٍ اس لفظ سے وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا اٰلَ مُحَمَّدٍ اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ (یعنے جلدی دیکھیں گے وہ لوگ کہ ظلم کیا اُنھوں نے آلِ محمدؐ پر کونسے مرجع کو رجوع ہوتے ہیں) اور لفظ عَلِیٌّ اس کے بعد سے وَلِکُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ (یعنی واسطے ہر قوم کے ہدایت کرنیوالے علیؓ ہیں)۔

ذکر کیا ہے یہ سب ابن شہر آشوب مازندرانی نے اپنی کتاب مثالب میں۔ اور ایسے ہی بہت کلمے اور آیتیں بیشار لکھی ہیں۔ پس اب ان کے نزدیک قرآن مجید محفوظ اور توریت وانجیل میں کچھ فرق نہ رہا۔ اور ان تینوں پر تمسک کرنیکی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ محرّف اور مُبدّل اور منسوخ بہ ناسخ مجہول ہیں۔

پس کتاب اللہ کی تو یہ کیفیت سُنی۔ آب عترتِ رسولؐ کا یہ حال ہے کہ باجماع اہلِ لغت عترت کسی شخص کی اُس کو کہتے ہیں جو اُس کے اقارب ہوں۔ اور یہ شیعہ نسبت بعض عترت انکار کرتے ہیں۔ جیسے حضرت رُقیہؓ اور حضرت اُمِّ کلثومؓ بیٹیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور بعض کو داخل عترت نہیں گنتے جیسے حضرت عباسؓ چچا آپؐ کے اور اولاد اُن کی۔ اور جیسے حضرت زبیرؓ آپکے پھوپھی کے بیٹے۔ اور اکثر اولادِ حضرت زہراؓ کو بھی دشمن جانتے ہیں اور بُرا کہتے ہیں، مثلاً زید بن علی بن حسینؓ کہ بڑے عالم اور متقی اور پرہیزگار تھے کہ مروانیوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ اور ان کے بیٹے یحییٰ بن زیدؓ کے بھی دشمن ہیں۔ اور ایسے ہی ابراہیم بن موسیٰ کاظمؓ اور جعفر بن موسیٰ کاظمؓ کو کہ ان کا کذاب لقب کیا ہے۔ حالانکہ وہ ازکیار اولیاء اللہ سے تھے کہ بایزید بسطامیؒ نے اُنہی سے راہ طریقت کی پائی ہے۔ اور یہ غلط ہے کہ بایزیدؒ مرید جعفر صادقؓ کے تھے۔ اور جعفر بن علیؓ کو بھی کہ بھائی حضرت امام حسن عسکریؓ کے تھے ملقب بکذّاب کیا ہے۔ اور حسن بن حسن مثنیٰؓ کو اور اُن کے بیٹے عبد اللہ محضؓ کو اور اُن کے بیٹے محمدؓ کہ ملقب بہ نفس زکیہ ہیں مُرتد اور کافر گنتے ہیں۔ اور ابراہیم بن عبد اللہؓ اور زکریا بن محمد باقرؒ اور محمد بن عبد اللہ بن حسین بن حسنؓ اور محمد بن قاسم بن حسنؓ اور یحییٰ بن عمرؓ کہ زید بن علی بن حسینؓ کے پوتوں سے ہیں، ان سب کو کافر اور مُرتد جانتے ہیں۔ اور جماعت سادات حسنیہؓ اور حسینیہؓ کو کہ قائل امامت و بزرگی زید بن علیؓ کے ہیں گمراہ جانتے ہیں۔ حالانکہ کتابیں نسبوں کی اور تواریخ سادات کی صریح دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ اکثر اہلِ بیت حسنیؓ اور حسینیؓ معتقد امامت زید بن علیؓ اور فضیلت ان بزرگوار کے ہوئے ہیں اور جاہیر

اثناعشریہ ان بزرگواروں کے حق میں اعتقادِ کفر اور مردود اور ہمیشہ داخل رہنے دوزخ کا کرتے ہیں جیساکہ بابِ معاد میں ان کی کتابوں سے نقل کیا جائے گا۔ اور وجہ بھی اس کی ظاہر ہے کہ منکرِ امامت ایک امام کا ان کے نزدیک مثل منکر نبوّت ایک نبی کے کافر ہے وَالْکَافِرُ مُخَلَّدٌ فِی النَّارِ (یعنی کافر ہمیشہ آگ میں رہیگا)۔ حالانکہ یہ سب بزرگوار یعنی شیعہ منکرِ امامت امامِ اپنے وقت بلکہ ائمہ ماضیین کے رہے ہیں۔

ایک گروہ قلیل اثناعشریہ کی یہ راہ ہے کہ مثل حضرت عباسؓ چچا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو لوگ ہیں اعراف میں رہیں گے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ بعد عذابِ شدید اپنے اجداد کی شفاعت سے نجات پائیں گے اور دونوں قول رکیک و مردود و نامقبول ہیں موافق ان کے قواعد اور اصول کے وہی اول ہے، اس واسطے کہ شفاعت کفار کی بالاجماع مقبول نہیں ہے نہ اعراف دارالخلد، اس کے ساتھ یہ کہ رہنا ان کا اعراف میں اسکی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ سب منکر امامت کے تھے اور منکر امامت کے کافر، پھر کافر اعراف میں کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اور باوجود اس کے روایت کرتے ہیں کہ مُحِبُّ عَلِیٍّ لَایَدْخُلُ النَّارَ (یعنی دوستدار علیؓ کا دوزخی نہیں ہوگا) پس جن لوگوں کو دوزخی بتلاتے ہیں اُن کی دوستداری میں حضرت علیؓ کے ساتھ کچھ شبہ نہیں، اب خیال کیا جائے کہ نواصب اور خوارج تو اہانت اور خفّت اماموں کی بیان کرتے ہی تھے مگر اس فرقۂ شیعہ کے نواصب کی سیر دیکھی جائے کہ کس قدر بزرگوں اور اُن کے جگر پاروں اور بھائیوں کی کس قدر اہانت اور خفّت ظاہر کرتے ہیں اور معدودے چند اشخاص اہل بیت میں سے یعنی دوازدہ امام اور بعضے اقارب کے دَرپردۂ محبت ہزاروں عیب اور بُرائیاں لگاتے ہیں کہ نواصب و خوارج ایسے کب لگا سکتے ہیں یہ اُن سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ سچ کسی نے کہا ہے: ع

دشمنِ دانا بہ از نادان دوست ہ

چنانچہ تفصیل ان عیوب اور بُرائیوں کی اُنہی کی کتابوں، روایتوں سے ایسی روشن ہے جیسے دوپہر کا سورج یہاں پر چند کفریات اُن کے بطورِ نمونہ از خروار لکھے جاتے ہیں۔

❋ **اوّل** یہ کہتے ہیں امامِ وقت صاحبِ عصر و زمان یعنی مہدی اس درجہ نامرد اور بزدل اور ڈرنے دبکنے والا ہے کہ تھوڑی جماعت کے خوف سے ہزار برس ہونے جو چھپا ہوا ہے اور نہیں نکلتا۔ باوجود اس کے کہ دولت و سلطنت عباسیہ درہم برہم ہوگئی۔ اور چنگیزیہ کا غلبہ ہوا کہ وہ بعد مسلمان ہونے کے نہایت محبِ اہل بیت کے تھے بلکہ بعض نے مذہبِ شیعہ اختیار کیا تھا۔ اور نیز تسلط صفویہ کا عراقین اور خراسان پر ہوا کہ یہ لوگ بھی معاونِ شیعہ کے تھے اور یہ جگہیں مردم خیز اس گروہ کی ہوئیں۔ اور سلاطینِ دکن اور بنگالہ اور پورب میں بھی یہ مذہب خوب مُروّج ہوا۔ اور ہند و سندھ میں اس فرقے کے لوگ بڑے بڑے امیر و وزیر ہوئے۔ پھر صاحبِ عصر کا کیوں نہیں ظاہر ہوتا اور اطمینان کلّی اُس کو حاصل نہیں ہوتا۔

❋ **دوم** یہ کہ تمام کتابوں میں ان کی حضرت جعفر صادقؓ سے روایت ہے کہ فرمایا یَا مَعَاشِرَ الشِّیْعَۃِ خِدْمَۃُ جَوَارِیْنَا لَنَا وَفُرُوْجُهُنَّ لَکُمْ (یعنی اے گروہ شیعوں کے ہماری چھوکریوں کی خدمت تو ہمارے واسطے ہے اور فرجیں اُن کی تمہارے واسطے ہیں) اللہ اللہ، کس قسم کا بہتان ان کے نفوسِ خبیثہ نے ایسے جنابِ پاک کی نسبت روا رکھا ہے اور سہل جانا ہے۔

❋ **سوم** یہ کہ ان حضرات کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے حضرت اُمّ کلثومؓ جو بیٹی حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کی ہیں، ان کے حق میں کہ حضرت عمرؓ سے ان کا نکاح ہوا تھا هٰذَا اَوَّلُ فَرْجٍ غُصِبَ مِنَّا (یعنی یہ پہلی فرج ہے کہ چھینی گئی ہے ہم سے) سبحان اللہ یہ کیسا کلمہ ہے جو ان کی زبان سے نکلتا ہے۔ ہم تو جانتے ہیں کہ کچھ دُور نہیں جو آسمان گر پڑے اور زمین پھٹ جائے۔ اوّل تو حق میں اُن کے جو سیدۂ پاک اور جگر گوشۂ رسولؐ اور بتولؓ کی ہیں کیسی فحش اور بے ادبی ہے۔ اور کیسی پلید بات دامنِ پاک میں اُن طاہرہ مطہرہ کے باندھتے ہیں۔ دوسرے حضرت امیرؓ اور حضرات حسنینؓ کی کیسی بے حفاظتی اور بے ناموسی ثابت کرتے ہیں۔ اور حضرت صادقؓ جن پر بہتان اُن کلمات کا لگاتے ہیں سوچیں تو اُن کی کیسی بے ہمتی اور بے غیرتی کا اعتقاد کر رہے ہیں۔ ایسے لفظوں کو بزرگ زبان پر نہیں لاتے خصوصاً ذکر ایسے عضوِ مستور الاسم کا اور وہ بھی اپنے اقارب کیا معنی اپنے بزرگوں کا کہ بدترین شُہدے بھی ایسی بات مُنہ سے نہیں نکالتے۔ ہم نے دہلی کے بازاری لوگوں کو دیکھا کہ ایک وقت قندھار کے پٹھانوں نے کہ اپنے آپ کو دُرّانی کہلاتے تھے دہلی میں ان کی بہت عورتوں کو بے ناموس کیا تھا مگر ان بازاریوں نے کبھی اس فعلِ بد کا ذکر بھی نہیں کیا اور زبان پر نہیں لائے نہ لاتے ہیں بلکہ بڑی عار رکھتے ہیں۔ اور یہ احتمال بیہودہ کہ جگر گوشۂ رسولؐ کے معاملے میں اس قسم کا فعل واقع ہو اگرچہ جبراً اور کراہی سہی تاہم کام مسلمان کا نہیں، لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

❋ **چہارم** کہتے ہیں کہ حضرات لڑکیاں اور بہنیں اپنی کافروں فاجروں کے زنا میں دیتے تھے۔ جیسے حضرت سکینہؓ کہ نکاح میں مصعب بن زبیرؓ کے تھیں اور علیٰ ہذا القیاس۔ اور قریب کی عورتوں کو کافروں اور ناصبیوں کے نکاح میں دیا ہے۔ چنانچہ جو کتابیں کہ انساب سادات کی ہیں اُن کے درمیان میں مفصل اس کی شرح ہے۔

❋ **پنجم** حضرت جعفر صادقؓ کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو زمین پر پٹک دیا اور اہانت کی اور وہ طعن جو حضرت عثمانؓ پر مصحفِ ابنِ مسعود جلا دینے کے معاملہ میں کیا ہے بعینہٖ حضرت صادقؓ پر ثابت کرتے ہیں۔

رَوَی الْکُلَیْنِیُّ عَنْ زَیْدِ بْنِ جَهْمٍ الْهِلَالِیِّ عَنِ الصَّادِقِ اَنَّهٗ قَرَءَ وَلَاتَکُوْنُوْا	روایت کی ہے کلینی نے زید بن جہم ہلالی سے اور اُنھی صادق علیہ السلام سے بیشک اُنھوں نے پڑھا مت ہو تم

كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أَئِمَّةٌ هِيَ أَزْكَى مِنْ أَئِمَّتِكُمْ فَقُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ أَئِمَّةٌ قَالَ أَيْ وَاللّٰهِ قُلْتُ إِنَّمَا يُقْرَءُ أَرْبَى قَالَ مَا أَرْبَى وَأَدْمَى بِيَدِهٖ فَطَرَحَهَا إِهَانَةً۔

اُس عورت کی طرح کہ توڑا اُس نے سوت اپنا بعد درستی کے ٹکڑے ٹکڑے پکڑتے ہو تم اپنی قسموں کو موجب خلل درمیان اپنے یہ کہ ہو تم امام کہ وہ پاکیزہ تر ہیں تمہارے اماموں سے پس کہا میں نے کریں قربان کیا جاؤں تم پر ائمہ ہے کہا ہاں خدا کی قسم۔ کہا میں نے سوا اس کے نہیں ہے کہ پڑھا جاتا ہے اربیٰ، کہا نہیں ہے اربیٰ، اور اشارہ کیا اُس نے سامنے اُس کے پس ڈال دیا مصحف اُس کو از روئے اہانت کے۔

غرض اس سے یہ ہے کہ راوی کہتا ہے کہ حضرت صادقؑ نے بجائے أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَى مِنْ أُمَّةٍ کے أَئِمَّةٌ هِيَ أَزْكَى مِنْ أَئِمَّتِكُمْ پڑھا ہے۔

✽ **ششم**۔ وہ بات جو خلاف ایمان اور مخالف علامات مؤمن کے ہے اُس کو نسبت اماموں کے ثابت کرتے ہیں بعض جناب امیرؑ اور چاہتے ہیں کہ آپ کی گواہی سے اماموں کے ایمان میں رخنہ ڈالیں۔ اور وہ تقیہ ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ حضرات ائمہؑ نے باوصف عدم خوف ہلاک عمر بھر تقیہ کیا ہے یعنی حق کو چھپایا ہے اور باطل کو ظاہر کیا ہے۔ حالانکہ حضرت امیرؑ سے نص متواتر نہج البلاغت میں موجود ہے۔

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَامَةُ الْإِيْمَانِ أَنْ تُؤْثِرَ الصِّدْقَ حَيْثُ يَضُرُّكَ عَلَى الْكَذِبِ حَيْثُ يَنْفَعُكَ۔

کہنے فرمایا جناب امیرؑ نے نشانی ایمان کی یہ ہے کہ پسند کرے تو سچ کو اوپر جھوٹ کے اُس موقع پر جہاں نقصان پہنچے سچ سے اور جھوٹ سے نفع پہنچے۔

✽ **ہفتم**۔ بعض آیاتِ قرآن کی تفسیر کو ائمہؑ سے نسبت کرتے ہیں کہ ہرگز موافق عربیت اور نحویت کے وہ معنے اُن کے ٹھیک نہیں بیٹھتے تاکہ سننے والوں پر ان کی ناواقفیت ولاعلمی قواعدِ نحویہ پر ثابت ہو۔ اور بعض تفسیریں ایسی جو مخل ربط کلام اور باعث خرابی نظم اور انتشار ضمیروں اور ابتری سیاق کلام پر متضمن ہیں وہ بھی ان سے نسبت کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو ان کے کمالِ علم سے بداعتقادی ہو جائے۔

✽ **ہشتم**۔ یہ کہتے ہیں کہ امام جہاد سے منع فرماتے تھے اور قرآن مجید میں جیسی کچھ تاکید و تقید جہاد کی ہے ہر طفلِ مکتب جانتا ہے پس ثقلین میں مخالفت ڈالتے ہیں کہ قرآن یوں کہے امام یوں کہیں۔ حالانکہ تمۂ حدیث ثقلین میں یہ عبارت بھی روایت کی ہے لَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ (یعنی ہرگز جُدا نہیں ہوں گے یہ دونوں ثقلین جبتک کہ میرے پاس آئیں حوض پر)۔ اب اس عبارت سے صریح یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ نے ایک کسوٹی اقوال اور مذاہب عترۃ طاہرہ کے پہچاننے کی ہم کو عنایت کی ہے کہ جب لوگ عترۃ پر جھوٹ اور افترا کرکے اس قسم کی باتیں اُن کی طرف سے ہمارے سامنے کریں اور ہم اُن مفتریوں کی روایتیں سنیں تو ہم اُن کو

قرآن کے سامنے پیش کریں جس کو قرآن قبول کرلے وہ صحیح ہے اور جس کو قرآن جھوٹا بتائے وہ افترا اور بہتان ہے۔ اور جو قرآن کو ہم نے عترۃ کے اقوال و مذاہب جانچنے کو کسوٹی بتایا یہ وجہ ہے کہ قرآن محفوظ و متواتر ہے کسوٹی ہونے کے لائق تر ہے عترۃ طاہرہ سے۔ اس واسطے کہ عترۃ کو بحکم بشریت موت و حیات بھی ہے اور یہ بھی کہ کبھی کسی جگہ موجود کسی جگہ سے غائب، کہیں سے دُور کہیں سے نزدیک۔ اور سوا اس کے اور امور لاحقہ کہ گویا کنجی جھوٹ اور افترا جوڑنے کے ہیں بخلاف قرآن کہ بسبب شہرت اور تواتر کے ہر کسی کے سامنے ہر وقت اور ہر مکان میں موجود اور حفظِ الٰہی میں محفوظ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (یعنی نہیں پھٹک سکتا ہے پاس اُس کے جھوٹ سامنے اُس کے سے اور نہ پیچھے اس کے سے، اور یہ نازل کیا ہوا ہے دانا راست کار تعریف کئے ہوئے سے یعنی خدا تعالیٰ)۔

✽ **نہم**۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے مطلقہ عورت کے ساتھ جماع جائز رکھا ہے کہ درحقیقت یہ زنا کا جائز کرنا ہے، معاذ اللہ من ذٰلک۔

✽ **دہم**۔ ذکر اور خصیوں سے بازی کرنا عین نماز میں، اس کی نسبت بھی ائمہؑ سے کرتے ہیں، حَاشَاهُمْ مِنْ ذٰلِكَ۔ اوّل خود نماز اعظم ارکان دین اُس میں اس قسم کی بازی۔ دوسرے اس بازی میں کونسی لطافت ہے۔

✽ **یازدہم**۔ کہتے ہیں کہ ائمہؑ نے نجس کپڑے جو نجاستِ غلیظہ سے آلودہ ہوں اُن کے ساتھ بھی نماز جائز رکھی ہے، تَعَالٰى جَنَابُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔

✽ **دوازدہم**۔ جانور مُردے کا بچہ کھانا یہ بھی اُن کی طرف لگاتے ہیں، حاشاهم عن ذٰلك۔

✽ **سیزدہم**۔ بوس وکنار عورت کے ساتھ عین نماز میں نسبت ائمہ کے ظاہر کرتے ہیں۔ اور روایتیں منقولہ ان کی ان سب مسائل میں جو ان کی کتابوں میں ہیں باب فروع میں آئیں گی۔

✽ **چہاردہم**۔ واجباتِ دین عام لوگوں خاص عورتوں کو سکھانے سے ائمہؑ نے منع فرمایا ہے۔ یہ بہتان بھی کرتے ہیں:۔

رَوَى شَيْخُ الطَّائِفَةِ عَنْ أَدِيْمِ بْنِ حُرٍّ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنِ الْمَرْأَةِ تَرَى فِيْمَا يَرَى النَّائِمُ عَلَيْهَا غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ لَا تُحَدِّثُوْهُنَّ فَيَتَّخِذْنَهٗ عِلَّةً۔

روایت کی ابوجعفر طوسی نے ادیم بن حر سے کہا پوچھا میں نے اباعبداللہؑ سے اُس عورت کا مسئلہ جو دیکھے خواب میں جیسے دیکھتا ہے سونے والا کہ اُس پر غسل ہے، کہا ہاں۔ اور کہا عورتوں سے یہ بات مت کہو کہ ان کو ایک بہانہ ہو جائے گا۔

اس صورت میں لازم آتا ہے کہ جناب ائمہ حالتِ غسل میں نماز پڑھنے پر راضی ہو گئے کہ یہ کفر ہے بالاتفاق اور ایسے ہی رضا بالکفر بھی کفر ہے بالاتفاق، معاذ اللہ من ذٰلک۔ اور یہ بھی ہے کہ مکلفاتِ شرعیہ جن کا جاننا واجب ہے

اُس کے نہ جاننے پر راضی ہو گئے وَهُوَ مُنَاقِضٌ لِمَنْصَبِ الْإِمَامَةِ قَادِحٌ فِي اِسْتِحْقَاقِهَا هَادِمٌ لِلْعَدَالَةِ وَالْمُرُوءَةِ (یعنی یہ امر خلاف منصب امامت کے ہے اور عیب پیدا کرنے والا استحقاقِ امامت میں اور قطع کرنے والا عدالت اور مروت کا) اور اس سے بدتر اور صریح اس مقدمہ میں روایت صاحب المحاسن کی ہے کہ کاظم علیہ السلام سے نقل کی قَالَ لَا تُعَلِّمُوا هٰذَا الْخَلْقَ اُصُوْلَ دِيْنِهِمْ (یعنی کہا کاظم علیہ السلام نے مت سکھاؤ ان لوگوں کو قواعد ان کے دین کے) سبحان اللہ یہ کیسی روایتِ بد اور حکایتِ شنیع ہے کہ ائمہؓ کی طرف نسبت کرتے ہیں، جب یہی تعلیمِ دین کو منع فرمائیں گے تو اور کون تعلیم دین کی کرے گا۔ ع: چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

* پانزدہم۔ کہتے ہیں کہ ائمہؓ نے احکام الٰہی پر عمل نہیں کیا۔ خصوصاً حضرت باقر اور حضرت صادق علیہما السلام ترکِ تقیہ کرتے تھے۔ حالانکہ خود حضرت صادقؓ سے روایت کرتے ہیں اَلتَّقِيَّةُ دِيْنُ اٰبَائِيْ (یعنی تقیہ ہمارے باپ دادے کا دین ہے) پھر ان حضراتؓ نے اپنے آبائے کرام کے دین میں کیا قباحت پائی جو اُس کو ترک کیا۔

* شانزدہم۔ مخالفت نصِ صریح کتاب اللہ کی اماموں کی طرف نسبت کرتے ہیں تاکہ ثقلین میں مخالفت واقع ہو۔ اور لوگوں کو امرِ دین میں حیران کریں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ ائمہؓ نے زر و سیمِ مسکوک میں زکوٰۃ واجب نہیں جانی ہے اور خود بھی نہیں دی ہے۔ معاذ اللہ چاہتے ہیں کہ ان حضراتؓ کو اس آیت کی وعید میں داخل کریں وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ خدا ان کا مُنہ کالا کرے۔ (معنے آیت کے یہ ہیں اور وہ لوگ جو جمع کرتے ہیں سونا چاندی اور نہیں خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں)۔

* ہفدہم۔ کہتے ہیں کہ باپ اور بیٹے اور اولاد اقارب کے مرنے میں کپڑے پھاڑنا اور گریبان چاک کرنا مردوں اور عورتوں کا حضرات ائمہؓ نے جائز رکھا ہے معاذ اللہ ایسے خاصوں کو بے صبروں اور رونے پیٹنے والوں میں داخل کرتے ہیں اور بشاراتِ قرآنی سے جو صابروں کے حق میں وارد ہوئے ہیں اُن سے خارج کرتے ہیں اور لَيْسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الْجُيُوْبَ کے وعید میں شامل (یعنی نہیں ہے ہم سے وہ شخص کہ چاک کرے گریبان)۔

* ہیژدہم۔ خصوصیت قصاص کی سوائے اندھے کے کہ خلاف حکم قرآن کے ہے اماموں کی نسبت نسبت کرتے ہیں کہ یہ تخصیص اُن سے ہے۔

* نوزدہم۔ کہتے ہیں کہ اگر کسی کافر ذمی نے کسی مسلمان کو قتل کیا ہو تو اُس میں حضرات ائمہؓ حکم استرقاق کا کرتے ہیں یعنی اُس کی اولاد کو غلام کر لینا۔ حالانکہ محض خلاف قاعدہ شرائع کے ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (یعنے نہ بوجھ اُٹھائے گا کوئی بوجھ اُٹھانے والا بوجھ دوسرے کا) وَلَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا۔ (یعنی کام نہ آئے کوئی باپ اپنے بیٹے کے اور نہ بیٹا کام آنے والا ہے باپ کے کچھ) پس اگر اس قسم کا بدلا لینا شرع میں جائز ہو تو شریعتِ محمدیؐ اور تورۂ چنگیز خانی میں کیا فرق ہوگا۔

اور جو کافر حربی کی اولاد کا استرقاق جائز ہے اُس سے امید محاربہ کی ہے اور قرب و جوارِ اہلِ حرب میں ہے ذمی قاتل کی اولاد کا کہ نہ مستعدِ حرب کے ہیں نہ داخل سوادِ اہلِ حرب۔ پھر کس طرح استرقاق درست ہوگا کہ صریح عہد شکنی ہے۔ اور ہر دین و ملت کے مخالف اس واسطے کہ وفائے عہد کو سب نے واجب جانا ہے۔ اور نیز مخالف حکم قرآن کہ اَلنَّفْسَ بِالنَّفْسِ فرمایا ہے (یعنی عوض شخص کے شخص)۔

* بستم۔ حضرات ائمہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ جس روز حضرت عمرؓ قتل ہوئے کہ ان کے زعم میں نویں ربیع الاوّل کی ہے اُس روز سے تین روز تک کیسے ہی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کرے کسی کے ذمّے نہیں لکھے جاتے ہیں۔ خیال کیا جائے کہ اس صورت میں کیسا کفر و معاصی کا مباح ٹھہرا دینا نسبت ائمہؓ کے تجویز کیا ہے۔

* بست و یکم۔ کہتے ہیں کہ جس پانی سے کہ استنجا کیا ہو، اُس پانی کو پینے اور اور حاجتوں اور طہارت کے خرچ میں لانے کو ائمہؓ نے جائز رکھا ہے۔ کہاں وہ طیبین طاہرین کہاں یہ جوازِ نجس۔

* بست و دوم۔ حضرات ائمہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ اُمتِ مرحومہ نہیں کہنا چاہیئے بلکہ امتِ ملعونہ ہے كَمَا رَوَاهُ الصَّيْرَفِيُّ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ (یعنی یہ روایت کی ہے صیرفی نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے)۔ اور بعض روایتوں میں تشبیہ اُمتِ مصطفویہ کی خنازیر سے کی ہے بروایتِ حضرت صادقؓ كَمَا رَوَاهُ الْكُلَيْنِيُّ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ (جیسے کہ یہ روایت کلینی نے جعفر علیہ السلام سے کی ہے) اور نصِ قرآن سے خَيْرَ اُمَّةٍ (یعنی بہترین اُمت) اس کو خطاب دیا ہے۔ اور اُن کے حق میں فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا۔ الحاصل غرض اس گروہ کی یہ ہے کہ ثقلین میں مخالفت پڑ جائے تو سررشتہ دین شریعت کا گم ہو جائے۔ یعنی کتاب اللہ پر اگر کوئی تمسک کرے تو اُس میں ادعا تحریف اور زیادتی اور کمی اور تغیر اور تبدیل کا لگایا ہے تاکہ وہ قویوں ابتر ہو جائے اور اگر کوئی عترت پر تمسک کرے تو اُن کو کافر اور مرتدین ٹھہراتے ہیں۔ اور بعض روایتوں کو مخالف کتاب اللہ کے بعض سے نقل کرتے ہیں اس میں یہ مشکل پڑ جائے۔ تب ہے مخلوق خدا کی مثل بہائم اور چوپایہ کے جو کسی قید میں مقید نہیں جو چاہیں سو کیا کریں۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب اس فائدہ اجل کی تقریر سے فارغ ہوئے۔ ذیلِ فائدہ کہ اس سے بھی نفیس اور عمدہ ہے اُس کو بھی بیان کرتے ہیں۔

* ذیل الفائدۃ۔ جاننا چاہیئے کہ جو کچھ ان کے پیشواؤں نے حضرات ائمہؓ سے روایت کیا ہے اور اس کو اقوال اور افعال عترت طاہرہ قرار دے کر تمسک کیا ہے انہی اماموں کے فرزندوں اور بھائیوں اور چچازادوں نے اُس کو جھوٹ ٹھہرایا ہے اور تکذیب کی ہے۔ اور ہر عاقل جانتا ہے کہ قول اور فعل کسی شخص کے جیسے کہ اُس کے فرزندوں اور بھائیوں اور رشتے کنبے والوں پر ظاہر ہوتے ہیں دوسرے پر جو کبھی کبھی اُس کی صحبت میں پہنچے کب ظاہر

ہوتے ہیں۔ اس واسطے کہ فرزند و اقارب اُس کے ہم مشرب اور آئین و طریق میں اُس کے مناسبت دار ہوتے ہیں۔ اور یہ رد و تکذیب ان کی کتابوں میں بروایاتِ صحیحہ موجود۔ بطورِ نمونہ ہم ایک دو مسئلے ذکر کرتے ہیں تاکہ دلیل واضح ہوں ان کی جھوٹی روایتوں پر۔ حضرت زید شہیدؒ کہ جملہ فرزندان حضرت امام سجاد علیہ السلام سے ہیں۔ اور زہد و تقویٰ اور علم اور بزرگی میں معروف اور ممتاز۔ اُنھوں نے خود حضرت امام سجادؒ کے یاروں کی بہت تکذیب کی ہے اور مسائل میں نہایت گمراہ ٹھہرایا ہے۔ جیسے مسئلہ تفضیل ائمہؒ بر انبیاء علیہم السلام یعنی اماموں کو انبیاءؑ پر فضیلت دینے میں۔ اور مسئلہ سبِ خلفائے ثلثہؓ اور تبرّا کرنا ان سے، سبّ بمعنی دشنام۔

اب ہم یہاں پر مسئلہ امامت کا کہ اس فرقے کے نزدیک رأس المسائل ہے بیان کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ مسئلہ ان کے یہاں متواترات اور اجماعیات اہلِ بیت سے ہے۔ پس چاہیئے کہ علم اس مسئلے کا ہر ایک کو اس خاندانِ عالیشان سے پوری پوری وجہ کے ساتھ ہو۔

رَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ اَبَانٍ قَالَ اَخْبَرَنِي الْاَحْوَلُ اِنَّ زَيْدَ بْنَ عَلِيٍّ بَعَثَ اِلَيْهِ وَهُوَ مُخْتَفٍ فَاَتَيْتُهُ فَقَالَ يَا اَبَا جَعْفَرٍ مَا تَقُوْلُ اِنْ طَرَقَكَ طَارِقٌ مِنَّا اَتَخْرُجُ مَعَهُ قَالَ لَا اَفْعَلُ لَهُ اِنْ كَانَ هُوَ اَبَاكَ اَوْ اَخَاكَ خَرَجْتُ مَعَهُ فَقَالَ لِيْ اُرِيْدُ اَنْ اَخْرُجَ فَاُجَاهِدَ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ فَاخْرُجْ مَعِيَ فَقُلْتُ لَا اَفْعَلُ جُعِلْتُ فِدَاكَ فَقَالَ اَتَرْغَبُ بِنَفْسِكَ عَنْ نَفْسِيْ فَقُلْتُ اِنَّمَا هِيَ نَفْسٌ وَاحِدَةٌ فَاِنْ كَانَ لِلّٰهِ فِي الْاَرْضِ حُجَّةٌ فَالْمُتَخَلِّفُ عَنْكَ وَالْخَارِجُ مَعَكَ سَوَاءٌ فَقَالَ يَا اَبَا جَعْفَرٍ كُنْتُ اَجْلِسُ مَعَ اَبِيْ فِي الْخِوَانِ فَيُلْقِمُنِي الْبَضْعَةَ السَّمِيْنَةَ وَيُبَرِّدُ اللُّقْمَةَ حَتّٰى تَبْرُدَ شَفَقَةً عَلَيَّ وَلَمْ يُشْفِقْ عَلَيَّ حَرَّ النَّارِ اِذَا اَخْبَرَكَ وَلَمْ يُخْبِرْنِيْ قَالَ فَقُلْتُ خَافَ عَلَيْكَ اَنْ لَا تَقْبَلَ فَتَدْخُلَ النَّارَ وَاَخْبَرَنِيْ فَاِنْ قَبِلْتُ نَجَوْتُ وَاِنْ لَمْ اَقْبَلْ لَمْ اُبَالِ اَنْ اَدْخُلَ النَّارَ۔

روایت کی کلینی نے ابان سے کہا اُس نے خبر دی مجھ کو احول نے کہ بیشک زید بن علی نے میرے پاس آدمی بھیجا اور حال یہ کہ وہ چھپے ہوئے تھے، کہا پھر گیا میں اُن کے پاس اور کہا اے ابوجعفر کیا کہتے ہو اگر ناگہاں پہنچے تمہارے پاس ہم سے کوئی خروج کرنے والا تو آیا تم اُس کے ساتھ خروج کرو گے، کہا نہیں۔ پھر کہا میں نے اگر وہ شخص باپ یا بھائی تمہارا تو میں اُس کے ساتھ خروج کروں، کہا میرا ارادہ ہے کہ میں خروج کروں اور جہاد کروں اس قوم پر پس تو خروج کر میرے ساتھ پس کہا میں نے میں نہیں کرتا ہوں تجھ پر سے قربان کیا جاؤں، کہا آیا تو چاہتا ہے تو اپنے نفس کو میرے نفس کے چھوڑ دینے پر، پھر کہا میں نے سوا اس کے نہیں کہ ایک جان ہے پھر اگر ہو واسطے خدا کے کوئی حجت زمین پر تو تم سے الگ رہ بیٹھنے والا اور خروج کرنے والا تمہارے ساتھ برابر ہے، پھر کہا اے ابوجعفر میں اپنے باپ کے ساتھ خوان پر بیٹھتا موں سو وہ میرے منہ میں دیتا ہے گوشت کا ٹکڑا فربہ اور ٹھنڈا کرتا ہے میری واسطے لقمہ یہاں تک کہ خوب ٹھنڈا ہو جاتے بسبب شفقت کے، اور شفقت نہ کی مجھ پر گرمی دوزخ سے جبکہ خبر دی تجھ کو اور خبر نہ دی مجھ کو کہا پس کہا میں نے ڈرا اس بات کو تو قبول نہ کرے پس داخل دوزخ ہو اور مجھ کو خبر دی کہ اگر میں مان لوں گا تو نجات پاؤں گا اور نہ مانوں گا

اَدْخُلَ النَّارَ۔

تو دوزخ میں داخل ہونے کی پروا نہیں کرتا۔

یہ روایت دلیل صریح ہے اس بات پر کہ زید شہیدؒ نے احول کی تعین امامت پر امام محمد باقرؒ کی تکذیب کی۔ اب دوسری روایت حضرت امام جعفر صادقؒ کی کہ فرزند قائم مقام محمد باقر کے تھے سُننا چاہیئے اور تامل کرنا چاہیئے کہ مطابق کلام زید شہیدؒ کے ہے یا موافق قول احول دو بین کے۔ قاضی نور اللہ نے مجالس المومنین میں فضیل بن یسار کے احوال میں امالی شیخ ابن بابویہ سے نقل کی ہے بروایتِ فضیل کہ کہا کہ زید بن علی کی لڑائی میں جو طاغیانِ لشکر ہشام سے ہوئی تھی میں اُن کے ساتھ تھا۔ اور جب زید شہیدؒ ہو گئے تو مدینے کو گیا اور حضرت امام جعفر صادقؒ کی خدمت میں پہنچا آپؑ نے مجھ سے پوچھا کہ اے فضیل! اہلِ شام کی لڑائی میں میرے چچا کے ساتھ تو تھا، میں نے کہا ہاں تھا پھر مجھ سے پوچھا کہ تو نے کتنے آدمی اُن میں سے مارے۔ میں نے کہا چھ آدمی۔ پھر فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ تجھ کو ان لوگوں کے خون حلال ہونے میں کچھ شک ہو۔ میں نے کہا کہ اگر مجھ کو شک ہوتا تو میں اُن کو مارتا ہی کیوں۔ اس وقت میں نے سُنا کہ آپؑ نے فرمایا۔

اَشْرَكَنِيَ اللّٰهُ فِيْ تِلْكَ الدِّمَاءِ وَاللّٰهِ زَيْدٌ عَمِّيْ هُوَ وَاَصْحَابُهُ شُهَدَاءُ مِثْلَ مَا مَضٰى عَلَيْهِ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَاَصْحَابُهُ انتهٰى بلفظہ۔

شریک کرے خدا مجھ کو ان خونوں میں قسم ہے خدا کی کہ زید میرے چچا۔ وہ اور یاران کے شہید ہیں مثل اُس ماجری کے جو گزرا علیؑ بن ابی طالب پر اور اُن کے اصحاب پر۔ تمام ہوا بلفظ خود۔

اس کلام ناطق بحق امام جعفر صادقؒ میں جو تشبیہ واقع ہوئی قابل غور کے ہے کہ امام زید کا باعتقاد حضرت صادقؒ کے حضرت امیرؓ کے حال سے ہم رُتبہ تھا اور ایک ہی باب۔ پس زید اپنے جمیع معتقدات میں حق پر ہوں گے کہ خروج بالاصالۃ کیا کہ کسی کی نیابت سے، نہیں تو حکم شہادت اور تشبیہ بحال حضرت امیرؓ کس طرح ٹھیک پڑے گا۔ اوپر کی روایت میں جو احول نے بیہودہ بکا ہے اور سبب بیوفائی کا پیدا کیا ہے بالکل پوچ و بے معنے ہے بچند وجوہ۔

❊ اول یہ کہ اس صورت میں حضرت ابراہیمؑ پر ترک اصلح لازم آتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے باپ کو نصیحت کی اور دعوت اسلام لیکن اُنھوں نے نہ مانا اور کفر اختیار کر کے دوزخی ہوئے۔ پس دعوت نہ کرنا ہی اصلح تھا۔ بالفرض اگر شیعہ حضرت ابراہیمؑ کے حق میں اس بات کو نہ مانیں اس لئے کہ یہ معتقد اُن کے ایمان کے ہیں تو ہم کہیں گے کہ آزر جنھوں نے ان کو پالا تھا اور بجائے ان کے باپ کے تھے۔ چنانچہ آیاتِ قرآنی میں جابجا اُن کو باپ ان کا بتایا ہے اُن کے حق میں یہ ظلم و جفا کب روا تھا جو ترک اصلح کیا۔ اور ایسے ہی تمام انبیاءؑ نے اپنے رشتہ داروں اور کُنبے کو دعوت کی اور اُنھوں نے قبول نہ کی، جیسے ابولہب اور اُس کے گروہ والے۔ پس انبیاءؑ نے اُن کے حق میں حیف اور ظلم

اور قطع رحم کیا ہوگا بلکہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حاشا عن ذٰلك یعنی دور ہیں وہ اس بات سے کہ سبب حیات ابدیہ امت کے ہیں اور اُمت پر ماں باپ سے زیادہ تر مہربان بلکہ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ باوجود اس کے کہ مصلحت نہ مقرر کرنے امام میں سمجھے اور سکوت فرمایا۔ چنانچہ مُلّا عبداللہ مشہدی نے اظہار الحق میں لکھا ہے حذیفہ سے:۔

قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَاَسْتَخْلَفْتَ قَالَ اِنِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوْهُ عُذِّبْتُمْ وَلٰكِنْ مَا حَدَّثَكُمْ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوْهُ وَمَا اَقْرَأَكُمْ عَبْدُ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْهُ۔

کہا عبداللہ نے کہ پوچھا لوگوں نے یا رسول اللہ! کیا آپ نے کوئی خلیفہ اپنا کیا، فرمایا اگر میں خلیفہ کروں تم پر اور تم اُس کی نافرمانی کرو تو عذاب کیے جاؤ، لیکن جو کچھ بیان کرے حذیفہ اُس کو سچ جانو اور جو کچھ پڑھے عبداللہ تمہارے سامنے اُس کو پڑھو انتہیٰ۔

پھر خدا جانے کیا ہوا کہ حضرت امیرؓ کی امامت پر حکم صریح فرمایا اور کسی نے قبول نہ کیا۔ اور تمام یار اپنے جو تیئیس ۲۳ برس بعد چالیس برس نبوت کے ٹھیک کر لئے تھے اور آئین اسلام کے سکھاتے ایک قلم ہلاک ابدی میں ڈال دیئے اور سب کو دوزخی کر دیا اور ان کی پیروی میں تمام اُمت گمراہ ہوئی اور ورطۂ ضلالت میں پڑی۔

❁ دوسرے یہ کہ علم اصول واجبات امامت سے ہے۔ جہل اُس میں کیونکر عذر ہوگا۔ اور اگر ان کے یعنی زیدؓ کے پدر بزرگوار نے ان کو اس اصل اعتقاد سے مطلع نہ کیا تھا یہ بے اطلاعی کیا کار آمد ہوئی آخر دوزخی ہوئے۔ علی الخصوص کہ زیدؓ جہل بسیط پر بھی نہ تھے بلکہ منکر امامت امام باقر اور مدعی اپنی امامت کے تھے اور اگر اس قسم کا جہل بھی عذر ہو تو بڑے بڑے صحابہؓ بلکہ تمام نواصب بھی ناجی ٹھہریں گے اس لئے کہ ان کو بھی نصوص امامت حضرت امیرؓ کی بطریق تواتر اور قطع اور سالم جھگڑوں سے نہیں پہنچی تھیں۔

وَقَدْ رَوَى الْكُلَيْنِيُّ فِيْ خَبَرٍ طَوِيْلٍ عَنْ مُقْرِنٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ عَرَفَنَا وَعَرَفْنَاهُ وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا مَنْ اَنْكَرَنَا وَاَنْكَرْنَاهُ۔

بیشک روایت کی کلینی نے خبر طویل میں مقرن سے اور اُس نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے نہیں داخل ہوگا جنت میں مگر جس کو ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتا ہے اور نہیں داخل ہوگا دوزخ میں مگر وہ شخص جس نے ہم کو نہیں جانا اور نہ ہم نے اُس کو جانا۔

❁ تیسرے یہ کہ مقولہ زیدؓ اور مذہب اُن کا یہ ہے کہ اُن کے باپ نے اُن کو خبر نہ دی کہ جہان میں کوئی امام بھی چاہیئے کہ صاحب اس ریاست کبریٰ کا ہو اور زمین میں حجت الٰہی نہ یہ کہ فقط تعیین امام بھی بتا دیتے یا گنتی ائمہ کی بیان نہ فرمائی۔ پس اوّل امر کے بیان کرنے میں اصلاً خوف عدم قبول کا نہ تھا۔ لاجرم حاصل کلام اُس کے دیدہ و دانستہ خطا بر خطا ہے۔ اس لئے کہ اُن کے پدر بزرگوار نے نشانیاں امام کی

بوجہ کلّی ان کو نہیں بتائیں تاکہ خود بخود جان لیتے کہ فلاں شخص امام ہے میں نہیں ہوں حالانکہ اثنا عشریہ کے نزدیک خواص اور نشانیاں امام کی ظاہر ہیں مثلاً ختنہ کردہ اور ناف بُریدہ پیدا ہونا اور علاوہ اس کے اور زیدؓ ان نشانیوں سے خالی اور عاری تھے۔

❁ چوتھے جب امام نائب نبی کا ہے تو اُس پر فرض ہے کہ ہر مکلّف کو ضروریات دین سے آگاہ کر دے جو کوئی ہو یہ پورا پورا لطف ہے اس موقع پر شفقت پدری اور محبت فرزندی کام نہیں آتی۔ اور فرق کرنا اقرباء اور غیروں میں ہنگام تبلیغ احکام شان نبوت اور امامت کے نہیں ہے بلکہ اقرباء کو غیروں کی نسبت زیادہ تر ڈرائے دھمکائے۔ کما قولہ تعالیٰ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (یعنی ڈرا تو اپنے نزدیک کے کنبے والوں کو) وقولہ تعالیٰ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا تاکہ ڈرائے وہ اہل مکہ اور اُس کے گرد و نواح والوں کو۔

❁ پانچویں شیعہ کے نزدیک مقررات سے ہے کہ امامت اماموں اثنا عشریہ کی بترتیب و تعیین نام ہر ایک کے منصوص حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ مُنزّل جانب خدا سے ہے پھر قبول قول پدر کا یہاں کیا دخل تھا، چاہیئے تھا کہ نص پیغمبر اُن کو بتا دیتے تو جیسے اور احکام دین اُنھوں نے قبول کئے اور ایمان لائے تھے اس کو بھی قبول کر لیتے۔

❁ چھٹے یہ کہ اس کی کیا حاجت تھی کہ باپ ان کو یہ نص بتا دیتے یہ تو تمام عالم میں مشہور اور متواتر تھے۔ خصوصاً اہل بیت میں کیسے پھیلے ہوئے اور شائع کہ ہر ایک چھوکری گھر کی اُس کی تلاوت کرتی ہوگی اور پڑھتی پڑھاتی ہوگی جیسے گنتی رکعتوں کی اور وقت نماز کے اس لئے کہ تعلیم امام پر مسائل خفیہ موقوف ہوتے ہیں نہ کہ نصوص متواترہ جلیہ۔ اور تمام ملّت و مذہب میں یہ بات جاری ہے کہ لڑکوں کو اوّل سن تمیز میں مائیں مسائل دین کے سکھاتی ہیں یہ مسئلہ کہ سب مسئلوں سے بڑھ کر تھا حضرت سجادؓ نے کیونکر اپنے فرزند دلبند سے چھپایا۔ مت اس صورت میں کہ حضرت زیدؓ باتفاق سُنّی اور شیعہ اُن کے فرزندان سعادتمند سے تھے اور ہمیشہ اُن کی ملازمت میں حاضر اور اپنے پدر بزرگوار کے چال اور چلن پر زندگی بسر کرتے تھے۔ اس حال میں اُن کو خوف ردّ و تکذیب کا ایسے فرزند سعادتمند سے کیا تھا۔

❁ ساتویں یہ کہ حضرت سجادؓ نے اگر یہ مسئلہ زیدؓ سے نہ کہا تو کیا فائدہ ہوا آخر امام وقت نے تو اُن کو اپنی طرف دعوت کی ہوگی اور اُنھوں نے ردّ و قبول دعوت کا کیا ہوگا۔ پھر انھوں نے جو اُن کو خبردار نہ کیا تو کیا فائدہ ہوا، وہی اندیشہ ردّ و قبول کا تو موجود ہے۔ اور حضرات ائمہؑ ایسی حرکتوں لغو اور بیفائدہ سے پاک ہیں۔ بعض شیعہ بیوقوف اس خبردار نہ کرنے کو قیاس کرتے ہیں قصہ خواب حضرت یوسف علیہ السلام اور منع کرنے حضرت یعقوبؑ پر کہ اور بھائیوں سے یہ خواب نہ کہنا تاکہ ان کی رگ حسد کی نہ جنبش کرے اور درپئے ایذا نہ ہوں۔ اور یہ قیاس صریح فاسد ہے اس واسطے کہ مع الفارق ہے یعنی خواب کا بیان کرنا نہ حضرت یوسفؑ

واجب تھا نہ حضرت یعقوبؑ پر نہ اصولِ دین سے تھا نہ مسائلِ شرعیہ سے محض ایک بشارت تھی حضرت یوسفؑ کے حق میں جس سے بزرگی حضرت یوسفؑ کی جانی جاتی تھی اور اظہارِ بشارت کا ذمہ انبیاءؑ کے لازم نہیں ہے بلکہ بہت موقعوں پر اُس سے منع فرمایا ہے اس لئے کہ اس سے غرور ہو جاتا ہے صاحبِ بشارت کو اور اُس کے شریکوں کو حسد ہوتا ہے۔ صحیح حدیث ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لَوْلَا اَنْ تَبْطَرَ قُرَیْشٌ لَاَخْبَرْتُهَا بِمَا لَهَا عِنْدَ اللّٰهِ (یعنے اگر اترا نہ جاتے قریش تو ضرور خبر دیتا میں اُن کو اُس کی جو رتبہ ہے اُن کا خدا کے نزدیک) اور نیز بعد اس کے کہ کلمہ گویوں کو جنھوں نے کلمہ باعتقادِ صحیح پڑھا ہے بشارت داخلِ جنت ہونے کے مل گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کو منع کیا لَا تُبَشِّرِ النَّاسَ فَيَتَّكِلُوا (یعنی بشارت مت دے لوگوں کو بھروسا کر لیں گے وہ اُس پر) اور ثبوت نبوت حضرت یوسفؑ کا اس خواب پر موقوف نہ تھا۔ بخلاف امامتِ ائمہ جو ہونے والی ہوں آئندہ کو وہ نصِ امامتِ حال پر موقوف ہے۔ اور جو لوگ مکلف بالشرع ہیں اُن کو بدون جتلائے علم اُس کا محال۔

حاصل کلام یہ کہ حالت تمسک اس گروہ کی عترتِ طاہرہ کے ساتھ یہ ہے جیسے کہ ظاہر و باہر ہوئی۔ اور کتاب اللہ خود ان کے زعم کے موافق قابلِ تمسک نہ رہی۔ پس ان دونوں حبل المتین کو چھوڑے ہوئے گمراہی کے جنگل میں پڑے ہیں۔

اب اگر وہ کہیں کہ ہم باوصف کافر اور گمراہ ٹھہرانے بعض اہلِ بیت کے اور بعض کی روایتیں شنیع اور قبیح روایت کرنے کے ان کے اقوال اور افعال پر تمسک کرتے ہیں بخلاف اہلِ سنت کے۔ اور معنی تمسک کے یہی ہیں کہ قول اور فعل کو کسی شخص کے اپنا پیشوا بنائے گو تعظیم کے ضمن میں ہوں یا اہانت کے۔ مثلاً اگر کوئی شخص قرآن کو نعوذ باللہ گھورے (کوڑے کے ڈھیر) میں ڈال دے یا اپنے مرشد رہنما کی ٹانگ میں رسّی باندھ کر جھاڑ کروں (کانٹوں) میں گھسیٹے لیکن احکامِ قرآن اور افعالِ مرشد میں بال بھر فرق نہ کرے اُس کا تمسک دونوں پر ہے بخلاف اُس کے کہ قرآن کو سر پر رکھے اور آنکھوں سے لگائے اور موافق اُس کے عمل نہ کرے یا مُرشد اور ہادی کی حد سے زیادہ تعظیم بجا لائے اور ہرگز اُس کے کہنے پر نہ چلے کبھی تمسک اُس پر نہ ہوگا تا چار اس بات کے جواب میں پانچ باب اور لائے جائیں گے اور ہر مسئلے میں جو عقائد اور فقہیات ان کے ہیں انہی کی روایاتِ معتبرہ سے مخالفت ان کی ثقلین کے ساتھ بیان کی جائیگی کہ پھر ان کو دم مارنے کی جگہ نہ رہے۔ اور حقیقت ان کے تمسک کی ثقلین کے ساتھ ایسی کھل جائے جیسے دوپہر کا آفتاب۔

باب ۵ پنجم

در الٰہیات

اوّل مسائلِ الٰہیات سے یہ ہے کہ نظر معرفتِ خدا میں واجب ہے لیکن یہ واجب ہونا عقلی ہے یا شرعی۔ امامیہ کہتے ہیں کہ عقلی ہے یعنی قطع نظر حکمِ خدا سے موافق حکمِ عقل کے ہر مکلف پر فرض ہے کہ اُس کو پہچانے اور فکر اُس کی صفات میں کرے۔ اہلِ سنت کہتے ہیں کہ شرعی ہے بدون فرمانے ہوئے خدا کے نظر کرنا اس مقدمے میں واجب نہیں ہے اور عقل کو کسی چیز میں امورِ دینیہ سے حاکم جاننا نہ چاہیئے نہ اُس کے حکم پر کام کرنا چاہیئے۔

پس مذہبِ امامیہ یہاں مخالف ثقلین کے ہے۔ مخالفتِ کتاب اللہ اس طرح سے کہ فرمایا اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (نہیں ہے حکومت مگر واسطے خدا کے) اَلَا لَهُ الْحُكْمُ (خبردار خاص اُسی کے واسطے ہے حکم) لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ (کوئی پھیرنے والا اُس کے حکم کا نہیں ہے) يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو حکم چاہتا ہے دیتا ہے) فرمایا مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (نہیں ہم عذاب کرنے والے جب تک کہ نہ پیدا کریں ہم کسی رسول کو) ظاہر ہے کہ اگر بحکم عقل کے کوئی چیز واجب ہوتی تو ترک اُس واجب کے قبل بعثت رسول کے عذاب بھی ہو۔ لیکن مخالفت عترت کی اس طرح کہ :-

فَلَمَّا رَوَى الْكُلَيْنِيُّ فِي الْكَافِي عَنِ الْاِمَامِ اَبِي عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ لَيْسَ لِلّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ اَنْ يَّعْرِفُوْهُ وَلِلْخَلْقِ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّعَرِّفَهُمْ۔

ہرگاہ کہ روایت کی کلینی نے کافی میں امام ابی عبد اللہ علیہ السلام سے، بیشک کہا اُنھوں نے نہیں ہے واسطے اللہ کے اُس کی مخلوق پر یہ کہ پہچانے اُس کو، اور مخلوق کے واسطے اللہ کے ذمے ہے یہ کہ پہچان دے وہ اُن کو۔

پس اگر بحکم عقل کے معرفت واجب ہوتی تو قبل پہچان دینے خدا سے معرفت اُس کی واجب ہوتی اور یہ خلاف قول صادقؑ کے ہے۔

❋ عقیدہ دوم:- حق تعالیٰ موجود اور یگانہ اور زندہ اور سنتا اور دیکھتا اور دانا اور توانا ہے۔ لیکن اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ :-

اَللّٰهُ تَعَالٰى لَا مَوْجُوْدٌ وَلَا مَعْدُوْمٌ وَلَا حَيٌّ وَلَا مَيِّتٌ وَلَا سَمِيْعٌ وَلَا اَصَمُّ وَلَا بَصِيْرٌ

اللہ تعالیٰ نہ موجود ہے نہ معدوم، نہ زندہ ہے نہ مُردہ، نہ سُننے والا ہے نہ بہرا نہ بینا ہے

وَلَا اَعْمیٰ وَلَا عَالِمٌ وَلَا جَاهِلٌ وَلَا قَادِرٌ وَلَا عَاجِزٌ وَلَا وَاحِدٌ وَلَا مُتَعَدِّدٌ۔	نہ نابینا، نہ عالم ہے نہ جاہل، نہ قدرت والا ہے نہ عاجز، نہ واحد ہے نہ متعدد۔

اور مخالفت ثقلین کی اس عقیدے میں خوب ظاہر ہے جو محتاج بیان کی نہیں۔ ہزار آیتیں قرآن کی اور چند ہزار حدیثیں اس عقیدے کو جھوٹا ٹھہرانے والی موجود ہیں۔

❋ عقیدۂ سوم۔ اللہ تعالیٰ واحد ہے۔ یہ عقیدہ بھی مثل عقیدۂ سابق کے آیاتِ قرآنی اور حدیث سے خوب ظاہر ہے۔ لیکن خطابیہ، خمسیہ، اثنینیہ، اور مفنیہ متعدد خدا کے قائل ہیں۔

❋ عقیدۂ چہارم۔ اللہ تعالیٰ متفرد ہے بقدم یعنی ہمیشگی خاصہ اس کا ہے دوسرا اس امر میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور سوائے اس کی ذات اور صفات کے جو کچھ ہے سب حادث اور نوپیدا ہے۔ لیکن کاملیہ، رزامیہ، معجلیہ، قرامطہ اور نزاریہ کہتے ہیں کہ آسمان اور زمین بھی قدیم ہیں ہمیشہ سے تھے ہمیشہ رہیں گے۔ ہزاروں آیاتِ قرآنی ترتیب پیدائش زمین اور آسمان پر دلالت کرتی ہیں۔ قولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ (یعنے وہ اللہ ایسا ہے کہ پیدا کیا اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں) اور فرمایا قُلْ اَئِنَّکُمْ لَتَکْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ (یعنے کہہ تو تحقیق تم کیا انکار کرتے ہو ساتھ اس کے جس نے پیدا کیا زمین کو دو دن میں) پھر فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ (پھر متوجہ ہوا طرف آسمان کے اور حال یہ کہ وہ دھواں تھا)۔ وقولہ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (یعنی زمین کو بعد اس کے صاف بچھایا اس کو)۔ اور بہت سے خطبے کہ نہج البلاغت میں امیرالمومنینؑ سے مذکور ہیں ان میں تصریح ہے کہ روزِ ازل میں کچھ نہ تھا اور ہر ایک کو عدم محض سے پیدا کیا۔ اور یہ فرقے روافض کے جو مذکور ہوئے ابدیت یعنی ہمیشہ رہنے عالم کے بھی قائل ہیں۔ بلکہ منصوریہ اور معمریہ بھی اس عقیدے میں ان کے شریک ہیں۔ حالانکہ صحیح حدیثیں متواتر ائمہؑ کی دلالت آسمان و زمین کے فنا ہونے پر کرتی ہیں۔ اور آیاتِ قرآنی بھی برخلاف اس عقیدے کے گواہی دیتی ہیں: اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (یعنے جس وقت کہ آسمان پھٹ جائے گا اور جس وقت کہ آسمان کھل جائیگا) وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ (اور جس دن کہ پھٹ جائیگا آسمان ابر بن کر) وَکُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ (اور ہر شئی کہ اس پر ہے فنا ہونے والی ہے) وَکُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (ہر شئی ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے)۔

❋ عقیدۂ پنجم۔ اللہ تعالیٰ زندہ ہے بحیات، اور عالم ہے بعلم، اور قادر ہے بقدرت، اور اسی طرح اسکی دیگر صفات ثابت ہیں جیسے کہ اس کے نام اس کی ذات پر اطلاق کئے جاتے ہیں۔ لیکن تمام امامیہ کہتے ہیں کہ وہ تعالیٰ شانہٗ کوئی صفات نہیں رکھتا۔ البتہ اس قسم کے اسمائے مشتقہ اس کی ذات پر اطلاق کر سکتے ہیں۔ پس کہہ سکتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ حیّ ہے اور سمیع اور بصیر ہے اور قدیر اور قوی ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اس کو حیات ہے اور علم ہے۔ اور قدرت ہے اور اس کو سمع ہے اور بصر ہے۔ اور باوجود اس عقیدۂ خلافِ معقول کے مخالفت ثقلین کی بھی رکھتے ہیں۔ لیکن کتاب اللہ کا جہاں تک تعلق ہے تو بہت سی آیتیں ان صفات کو ثابت کرتی ہیں: قولہ تعالیٰ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ (اور نہیں احاطہ کر سکتے ہیں وہ کسی چیز کو اس کے علم سے) اور فرمایا اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ (یعنے نازل کیا اس نے اس کو اپنے علم کے ساتھ) اور عترت کا جہاں تک تعلق ہے تو نہج البلاغت میں حضرت امیرؑ کے خطبوں میں جا بجا ان صفتوں کا ذکر ہے مثل عَزَّ قُدْرَتُهٗ وَوَسِعَ سَمْعُهُ الْاَصْوَاتَ (یعنی غالب ہے قدرت اس کی اور فراخ کیا اس نے سننا آوازوں کا) اور ائمہؑ سے بھی بتواتر اثبات صفات کا روایت کیا گیا ہے۔

❋ عقیدۂ ششم۔ صفات ذاتیہ حق تعالیٰ کے قدیم ہیں وہ ہمیشہ ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہے پس کسی وقت وہ ان سے جاہل اور عاجز نہ ہوگا۔ زرارہ بن اعین اور بکیر بن اعین اور سلیمان بن جعفری اور محمد بن مسلم کہ پیشوا اور مقتدا امامیہ کے ہیں اور ان کے اخبار کے راوی بھی حتّٰی کہ امامیہ ان کو عیون الطائفہ اور وجوہ الطائفہ کہتے ہیں، ان کا اعتقاد یہ ہے کہ حق تعالیٰ ازل میں نہ عالم تھا نہ سمیع نہ بصیر یعنی سننے دیکھنے والا یہاں تک کہ بدستور ساری مخلوقات کے علم اور سمع اور بصر اپنے واسطے بھی پیدا کئے تب عالم اور سمیع اور بصیر ہوا۔

مخالفت اس عقیدہ کی کتاب اللہ سے خود اظہر من الشمس ہے کہ جا بجا وَکَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا (تھا اللہ علیم وحکیم) اور عَزِیْزًا حَکِیْمًا (اور عزیز وحکیم) اور سَمِیْعًا بَصِیْرًا (اور تھا سمیع وبصیر) واقع ہے۔

اور مخالفت عترتِ طاہرہ کی یہ ہے:۔

فَلِمَا رَوَاهُ الْکُلَیْنِیُّ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ کَانَ اللّٰهُ وَلَمْ یَکُنْ شَیْءٌ غَیْرُهٗ وَلَمْ یَزَلْ عَالِمًا رَوَی الْکُلَیْنِیُّ وَجَمْعٌ اٰخَرُوْنَ مِنَ الْاِمَامِیَّةِ بِطُرُقٍ مُّتَعَدِّدَةٍ عَنِ الْاَئِمَّةِ عَلَیْهِمُ السَّلَامُ اَنَّهُمْ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَمْ یَزَلْ عَالِمًا سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔	ہر گاہ کہ روایت کیا اس کو کلینی نے ابی جعفر علیہ السلام سے اور بیشک انھوں نے کہا تھا اللہ اور نہیں تھی کوئی چیز سوا اس کے اور ہمیشہ وہ عالم و دانا ہے، روایت کی کلینی اور ایک دوسری جماعت نے امامیہ سے بطریق متعدد اماموں علیہم السلام سے کہ بیشک امام کہتے تھے تحقیق اللہ تم ہمیشہ سے عالم اور سمیع اور بصیر ہے۔

❋ عقیدۂ ہفتم۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے جو کچھ کرتا ہے اپنے اختیار اور ارادے سے کرتا ہے۔ اسمٰعیلیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قادر مختار نہیں ہے۔ جس وقت جو چیز اس کو عزیز اور مرغوب ہوتی ہے بے اختیار

موجود ہو جاتی ہے جیسے شعاع آفتاب سے حاصل ہوتی ہے۔

یہ عقیدہ بھی ان کا مخالف ثقلین کے ہے۔ کتاب اللہ میں ہے وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (پروردگار تیرا پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور اختیار رکھتا ہے) وَيَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ (اور کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اور اختیار رکھتا ہے) وَيَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَقَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً (اور قادر ہے اس بات پر کہ نازل کرے کوئی نشانی) بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ (بیشک قادر ہیں ہم اس بات پر کہ برابر کریں ہم انگلیوں کو)۔ سوائے ان کے بہت سی بیشمار آیتیں ہیں۔ اور عترت کے خلاف یہ کہ صادق علیہ السلام سے روایت ہے إِنَّهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَىٰ يُرِيدُ وَلَا يُحِبُّ (بیشک کہا انھوں نے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے اور نہیں دوست رکھتا ہے) جیسا کہ جلدی آتا ہے ذکر اس کا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اگر بقولِ اسمٰعیلیہ فقط محبت ہی اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کے ہونے میں کافی ہوتی اور ارادے اور اختیار کو دخل نہ ہوتا تو لازم تھا کہ ہر شخص اشخاص مکلف بالشرع سے ایمان اور طاعت اور احسان اور عدل والا ہی پیدا ہوتا نہ کہ خلاف ان اوصاف کے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو قطعاً یہ اوصافِ مذکورہ محبوب ہیں اور ضدان کے مبغوض۔ جیسا کہ فرمایا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو) اَللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا (اللہ دوست ہے ان لوگوں کا کہ ایمان لائے وہ) وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (اللہ دوست رکھتا ہے صبر کرنیوالوں کو) اور سوائے ان کے

عقیدہ ہشتم۔ یہ کہ حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس عقیدہ میں شیخ ابو جعفر طوسی اور شریف مرتضٰے اور ایک جماعتِ کثیر امامیہ کے مخالف ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین مقدور بندہ پر قادر نہیں ہے۔ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (اللہ ہر شیٔ پر قادر ہے) اس عقیدہ کی تکذیب کو یہی آیت کافی ہے۔

عقیدہ نہم۔ یہ کہ حق تعالیٰ عالم ہے ہر چیز کا قبل ظہور و وجود اس چیز کے اور اسی سے مراد تقدیر ہے یعنے ہر چیز اس کے علم میں اندازہ کی ہوئی ہے کہ ایسی ایسی ہوگی اور اسی کے موافق وقت پر موجود ہوتی ہے۔ شیطانیہ کہ تابع احول طاق کے ہیں، کہتے ہیں لَا يَعْلَمُ الْأَشْيَاءَ قَبْلَ كَوْنِهَا (نہیں جانتا ہے اشیاء کو ان کے ہونے سے پہلے) اور حکمیہ اور ایک گروہ اثنا عشریہ متقدمین اور متاخرین سے چنانچہ مقداد صاحب کنز العرفان بھی انہی سب سے ہے، یہ کہتے ہیں کہ جزئیات کو بغیر واقع ہوئے نہیں جانتا ہے۔

یہ عقیدہ ان کا مخالف تمام قرآن کے ہے إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (بیشک اللہ ہر شیٔ کا جاننے والا ہے) قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (تحقیق گھیرا ہے اس نے ہر چیز کو علم سے) مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا (نہیں پہنچتی ہے کسی مصیبت سے نہ زمین اور آسمان اور نہ تمہاری ذاتوں میں مگر وہ جو کتاب میں ہے قبل اس سے کہ ظاہر کریں ہم اس کو) إِنَّا

كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ (ہر چیز کو پیدا کیا ہم نے موافق اندازے کے) جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (یعنی اللہ تعالیٰ نے کعبہ اور شہر حرام اور ہدی اور قلائد کو نشان اپنا بنایا ہے تاکہ تمہاری مصلحتوں اور مضرتوں کو تم سے دفع کرے اور کھینچے کہ وہ مصلحتیں اور مضرتیں اس کو قبل وقوع سے معلوم تھیں تاکہ جانو تم کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ سب جانتا ہے) وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (یعنے کوئی تر اور خشک نہیں ہے جو کتاب مبین میں نہ ہو) الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ (یعنی غالب کی گئی قوم روم قریبی زمین میں، اور وہ بعد غلبہ ان کے جلدی غالب کئے جائیں گے) اور یہ خبر غلبہ روم کی فارس پر قبل وقوع سے ہے وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ۔ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ (اور پکاریں گے اصحاب جنت کے اور پکاریں گے اصحاب دوزخ کے) جابجا قرآن مجید میں خبر ہے کلام جنتیوں اور دوزخیوں اور ان کی حالات سے۔ اس کے علاوہ مصحفِ فاطمہ خود بھرا ہوا ہے خبروں اموراتِ آئندہ اور ان کے نشانوں سے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیت سے بتواتر پہنچا کہ انھوں نے وقائع آئندہ کی خبریں دی ہیں اور علامتیں فتنوں کی ظاہر کی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ علم ان کا ماخوذ وحی اور الہام سے تھا جو جانبِ خدا تعالیٰ سے ہوا۔

اور جو کچھ فریق ان آیتوں پر جو دلالت حدوث علم الٰہی پر کرتی ہیں تمسک کرتے ہیں وقت ثابت ہونے ان اشیاء کے مثلاً لِيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ (تاکہ وہ جان لے سہارنیوالوں کو) اور مثل اس کے یا جو آیتیں دلالت امتحان اور اختیار پر کرتی ہیں۔ جیسے لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ (تاکہ آزمائے وہ تم کو اس بات میں جو آئی ہے تم کو) لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (تاکہ آزمائے وہ تم کو کہ کون تم سے زیادہ حسن عمل والا ہے) یہ سب فاسد ہے اس لئے کہ مراد اس علم سے کشفِ حال اور تمیزِ خارج کا منظور ہے نہ کہ معنی حقیقی۔ اس واسطے کہ ایجاد شَی کا بدون علم اس شَی کے محالاتِ عقلیہ سے ہے قولہ تعالیٰ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (کیا نہیں جانتا ہے وہ جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین اور خبردار ہے)۔

اور مخالفت عترت کی اس طرح ثابت ہے کہ روایت کی دونوں فریق اہلِ سنّت وشیعہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے:

إِنَّهُ قَالَ وَاللَّهُ لَمْ يَجْهَلْ وَلَمْ يَتَعَلَّمْ أَحَاطَ بِالْأَشْيَاءِ عِلْمًا فَلَمْ يَزْدَدْ بِكَوْنِهَا عِلْمًا عِلْمُهُ بِهَا قَبْلَ أَنْ تَكُونَهَا بِعِلْمِهِ بِهَا بَعْدَ تَكُوِينِهَا۔

(بیشک شان یہ ہے کہ فرمایا جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ نادان نہیں ہے کسی کا سکھلایا ہوا ہے محیط ہی جمیع اشیاء پر از روئے علم کے پھر زیادہ نہ ہوا ان کے موجود ہونے کے سبب کوئی علم اس کے علم سے یعنی جیسا علم اس کو ان چیزوں کے پیدا ہونے سے پہلے تھا ویسا ہی ان کے پیدا ہونے کے بعد رہا)۔

غرض پورا پورا علم تھا۔

وَرَوٰی عَلِیُّ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ الْقُمِّیُّ مِنَ الْاِثْنَا عَشَرِیَّةِ عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ حَازِمٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ سَاَلْتُهٗ هَلْ یَکُوْنُ شَیْءٌ بِالْیَوْمِ لَمْ یَکُنْ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ بِالْاَمْسِ قَالَ لَا مَنْ قَالَ هٰذَا فَاَخْزَاهُ اللّٰهُ قُلْتُ اَرَاَیْتَ مَا کَانَ وَمَا هُوَ کَائِنٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَلَیْسَ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ بِالْاَمْسِ قَالَ بَلٰی قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ، اِلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ مِنْ صِحَاحِ الْاَخْبَارِ۔

روایت کی علی بن ابراہیم قمی نے کہ اثنا عشریہ سے تھا منصور بن حازم سے اور اُس نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے کہا منصور نے کہ میں نے پوچھا ابی عبداللہ سے کیا واقع ہوتی ہے کوئی چیز ایسی بھی کہ کل اللہ کے علم میں نہ تھی اور آج واقع ہوتی کہا، نہیں، جو کوئی یہ بات کہے خدا اُس کو رسوا کرے پھر میں نے اُن سے کہا کہ یہ تم نے دیکھا کہ جو چیز قیامت تک ہو وہ کل خدا کے علم میں نہ تھی کہا البتہ قبل پیدا ہونے مخلوق سے اور علاوہ اسکے یہ انہی کے صحاح اخبار سے ہیں۔

اور اس حدیث میں لفظ اخزاہ اللہ اس دعائی بد کو خیال کرنا چاہیے کہ کس قدر خوف و ہول اس سے ظاہر ہے اور علمائے معتبر ان کے اس دعائے معصوم سے مطلق نہیں ڈرتے اور اس عقیدۂ خبیثہ کو اپنے واسطے پسند کرتے ہیں اور اس کے ساتھ دعوائے عترت کے قول پر تمسک کا کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا (بڑی بھاری بات ہے جو ان کے مُنہ سے نکلتی ہر نہیں کہتے ہیں وہ مگر جھوٹ)۔

✻ **عقیدۂ دہم**۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اس میں تحریف اور کمی بیشی کو کچھ دخل نہیں ہوا، نہ ہوگا۔ اثنا عشریہ جو فرقۂ امامیہ سے ہیں کہتے ہیں کہ آج کے دن یہ قرآن جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے بالکل قرآن نہیں ہے بلکہ اس میں بعض الفاظ لوگوں کے داخل کئے ہوئے ہیں اور نہ پورا قرآن ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اُن کے حینِ حیات باقی تھا بلکہ بہت آیتیں اُس سے ساقط کر دی ہیں کہ اس معاملہ میں روایتیں کلینی کی جو ہشام بن سالم اور محمد بن جہم ہلالی سے ہیں سابق مذکور ہوئیں۔

اس عقیدے میں بھی مخالفت کتاب اللہ کی صریح کیا، بلکہ اصرح ہے جیسا کہ قول خدا تعالیٰ کا بیان کیا جاتا ہے لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (یعنی نہیں پہنچتا ہے اُس کو باطل نہ سامنے سے نہ پیچھے سے) تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ (اور تنزیل ہے حکیم حمید سے) اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (یعنی ہم ہی ہیں کہ ہم نے یہ ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)۔ خیال کیا جائے جس چیز کی حفاظت خدا تعالیٰ کرے اُس میں تغیر و تبدل کو دخل ہو سکتا ہے؟ اور یہ بھی ہے کہ پہنچانا قرآن کا جیسا اُترا تھا ویسے ہی ذمے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واجب تھا یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (اے رسول پہنچا تو جیسا کہ نازل کیا گیا ہے تجھ پر تیرے پروردگار سے

اور اگر نہیں کرے گا تو تو تو نے نہیں پہنچایا رسالت کو) اور سب اس بات کو بہ تیقن جانتے ہیں کہ جو کوئی مسلمان ہوتا تھا اول اُس کو قرآن سکھایا جاتا تھا پھر دوسری تعلیم کی جاتی تھی حتٰے کہ آپ کے سامنے ہزاروں آدمیوں نے قرآن سیکھا تھا۔ چنانچہ بعض لڑائیوں میں ستر ستر آدمی قاری شہید ہوئے ہیں۔ بعد اس کے آج تک ہزاروں مسلمان شہر اور دیہات کے اس کی تلاوت کو اعظم قربات سے جانتے ہیں۔ اور صبح و شام اور نصف شب نماز اور غیر نماز میں اس کو پڑھا کرتے ہیں، اور پہلے ہر لڑکے کو قرآن ہی پڑھاتے ہیں۔ قرآن شریف کلینی اور تہذیب نہیں ہے کہ تقیہ کی راہ سے کنج خانہ میں صندوقِ مقفل میں چھپا رکھا ہو اور تنہائی کے وقت غیروں سے ڈرتے کانپتے کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی تورانی آجائے اور دیکھ لیوے ایک دو صفحے اُس کے چُرا چُھپا کر دیکھ لئے۔ پھر جب ایسی کتابوں میں الحاق و تغیر پیش نہیں جاتا تو قرآن میں کیونکر ہو سکتا ہے۔

اب عترت کی مخالفت اس عقیدے سے یہ ہے کہ تمام روایاتِ امامیہ میں موجود ہے کہ جملہ اہلِ بیت یہی قرآن پڑھتے تھے اور عام و خاص کے ساتھ اسی کے وجوہ پر تمسک کرتے تھے اور اسی سے گواہی چاہتے تھے اور اسی کی آیتوں کی تفسیر کرتے تھے۔ وہ تفسیر کہ حضرت امام حسن عسکریؑ کی ہے یہی قرآن ہے۔ لفظ بلفظ لڑکوں، کنیزوں، خادموں اور اہل و عیال کو جو تعلیم فرماتے تھے وہ یہی قرآن ہے۔ اسی کے پڑھنے کا نماز میں حکم کرتے تھے اور انہی باتوں پر غور کر کے شیخ ابن بابویہ اپنی کتاب الاعتقادات میں اس عقیدہ کاذبہ سے دست بردار ہوا اور فارغ خطی دی، اسی سبب سے اُس کو صدوق کہتے ہیں۔

✻ **عقیدۂ یازدہم**۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ صاحب ارادہ ہے اور ارادہ اُس کا قدیم ہے۔ ازل میں اُس نے ہر چیز کا ارادہ کیا اور اُس کو اپنے وقت پر مقرر کیا کہ آگے پیچھے ہونے کی اُس میں گنجائش نہیں ہے۔ پس ہر چیز موافق اُس ارادہ کے اپنے وقت پر پیدا ہوتی ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شیعہ اسمٰعیلیہ منکر محض ارادہ کے ہیں کہتے ہیں کہ جو کچھ خدا تعالیٰ سے صادر ہوتا ہے خود اُس کی ذات کو لازم ہے جیسے آگ کی گرمی اور آفتاب کی شعاع۔

لیکن تمام قرآن اس عقیدۂ فاسدہ کے رد میں کفایت کرتا ہے اور تمام امامیہ اور آٹھوں فرقہ زیدیہ کے جن کے القاب باب اوّل میں مذکور ہوئے ارادۂ خدا تعالیٰ کو حادث جانتے ہیں۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ارادہ اُس کا عام نہیں ہے تمام کائنات میں بہت سی موجودات ایسی ہیں کہ بے ارادے اُس کے موجود ہو جاتی ہیں مثلاً شر و آفت اور کفر اور معصیت۔ اور اس عقیدے کے رد میں بھی ہزاروں آیاتِ قرآنی موجود ہیں۔ وَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِکَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا اور اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (یعنے وہ شخص کہ ارادہ کرے اللہ اُس کے فتنے کا پس ہرگز نہیں مالک ہو گی اللہ سے کوئی چیز اور یہ وہ لوگ ہیں کہ نہ ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے پاک کرنے اُن کے دلوں کا)۔ پس اگر پاک کرنے سے مراد ایمان ہو تو نقض

لازم آئے گا۔ اس آیت کا وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا (اور اللہ جسے چاہتاہے کہ گمراہ کرے تو اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے) اِن آیات کا إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ (اگر خدا یہ چاہے کہ تم کو گمراہ کرے) إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا (سوائے اس کے نہیں ہے کہ ارادہ کرتا ہے اللہ ان کو عذاب کا دُنیا میں) وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً (جس وقت کہ ارادہ کیا ہم نے ہلاک کرنے کسی موضع کا)۔ مَنْ يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ (جس کسی کو چاہتاہے اللہ گمراہ کرتاہے اُس کو)۔ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ (جانو بیشک اللہ حائل ہو جاتاہے درمیان آدمی اور اس کے دل کے)۔ علاوہ ان کے اور بہت سی آیتیں ہیں جن کا احصا ممکن نہیں۔

اسی طرح اقوالِ عترت کے بھی تکذیب اس عقیدے کی کرتے ہیں۔

رَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي بَصِيرٍ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي الْحَسَنِ الرِّضَا إِنَّ بَعْضَ أَصْحَابِنَا يَقُولُ بِالْجَبْرِ وَبَعْضُهُمْ يَقُولُ بِالِاسْتِطَاعَةِ فَقَالَ لِي اكْتُبْ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔

روایت کی کلینی نے محمد بن ابی بصیر سے کہا کہا میں نے ابی حسن رضا سے کہ بعض یار میرے قائل ہیں جبر کے اور بعض استطاعت کے، پس کہا مجھ سے لکھ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى بِمَشِيَّتِي كُنْتَ أَنْتَ، إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ۔

فرمایا ہے خدا تعالیٰ نے میری خواہش سے تو موجود ہوا ہے، تا آخر حدیث۔

رَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَالِدٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى إِذَا أَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا نَكَتَ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةً مِنْ نُورٍ وَفَتَحَ مَسَامِعَ قَلْبِهِ وَوَكَّلَ بِهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ سُوءًا نَكَتَ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةً سَوْدَاءَ وَسَدَّ مَسَامِعَ قَلْبِهِ وَوَكَّلَ بِهِ شَيْطَانًا يُضِلُّهُ، إِلَى آخِرِهِ۔

روایت کی کلینی نے سلیمان بن خالد اور اُس نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے بیشک جب ارادہ کرتاہے اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ نیکی کا ڈالتاہے اُس کے دل میں نکتہ نور کا اور کھول دیتاہے اُس کے دل کے کان اور مقرر کرتاہے ایک فرشتہ کو مضبوط رکھے اُس کو، اور جب ارادہ کرتاہے اللہ بندے کے ساتھ برائی کا تو ڈالتاہے وہ اُس کے دل میں ایک نکتہ سیاہ اور بند کر دیتاہے اُس کے دل کے کان اور مقرر کرتاہے اُس پر شیطان کو گمراہ کرے اُس کو۔

پھر اس کے بعد پڑھی یہ آیت :۔
فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا۔

یعنی جس شخص کو اللہ ہدایت کرنا چاہتاہے کھول دیتاہے سینہ اُس کا واسطے اسلام کے اور جس کو ارادہ کرتاہے گمراہ کرنے کا کر دیتاہے سینہ اُس کا تنگ اور سخت۔

وَرَوَى الْكُلَيْنِيُّ وَصَاحِبُ الْمَحَاسِنِ عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْهَاشِمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْحَسَنِ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ لَا يَكُونُ شَيْءٌ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَأَرَادَ۔

روایت کی کلینی اور صاحب المحاسن نے علی بن ابراہیم ہاشمی سے، کہا سنا میں نے ابوالحسن موسیٰ علیہ السلام سے کہ کہتے تھے وہ نہیں موجود ہوتی ہے کوئی شے مگر جو کچھ چاہے اللہ تعالیٰ اور ارادہ کرے۔

وَرَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنِ الْفَتْحِ بْنِ يَزِيدَ الْجُرْجَانِيِّ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ مَا يَنُصُّ عَلَى أَنَّ إِرَادَةَ الْعَبْدِ لَا تَغْلِبُ إِرَادَةَ اللَّهِ سَوَاءٌ كَانَتْ إِرَادَةَ عَزْمٍ أَوْ إِرَادَةَ حَتْمٍ۔

روایت کی کلینی نے فتح بن زید جُرجانی سے اور اُس نے ابی الحسن سے روایت کی کہ صریح ہم کو یہ معلوم ہوتاہے کہ بیشک ارادہ بندہ کا ارادہ خدا پر غالب نہیں ہے، خواہ وہ ارادہ عزمی ہو یا جزمی۔

وَأَيْضًا رَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ ثَابِتِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا يَنُصُّ عَلَى أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى يُرِيدُ ضَلَالَةَ بَعْضِ عِبَادِهِ إِرَادَةَ حَتْمٍ، كَمَا سَيَجِيءُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى۔

اور یہ بھی روایت کی کلینی نے ثابت بن عبداللہ اور اُس نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے کہ صحیح معلوم ہوتاہے ہم کو بیشک اللہ تعالیٰ ارادہ کرتاہے گمراہی کا بعض بندوں کے واسطے ارادہ حتمی جیسا کہ قریب آئے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

ثابت بن سعید سے بھی اس قسم کی روایتیں ہیں۔

اس اصل کی بہت سی شاخیں ہیں اُن شاخوں میں سے یہ کہ امامیہ تو بالکل اور آٹھوں فرقے زیدیہ کے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حکم نہیں کرتاہے مگر اُس چیز کے ساتھ کہ ارادہ اُس کا کرتاہے اور منع نہیں کرتاہے مگر اُس چیز سے کہ ارادہ اُس کا نہیں رکھتاہے۔ حالانکہ یہ بھی مخالف ثقلین کے ہے۔ چنانچہ کتاب اللہ میں ہے وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ (یعنی اگر ارادہ کرتے وہ خروج کا البتہ موجود کرتے وہ کوئی سامان، لیکن ناپسند رکھا خدا نے نکلنا اُن کا پس اپنی جگہ پر رکھا اُن کو اور حکم ہوا بیٹھو بیٹھنے والوں کے ساتھ) پس ارادہ خروج اس جماعت کا نہ تھا کیونکہ کراہت ضد ارادے کی ہے اور بلاشبہ مامور بخروج تھے ورنہ ملامت وعتاب کی کیا وجہ۔ وقولہ تعالیٰ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ (ارادہ کرتاہے اللہ یہ کہ نہ ٹھہراتے اُن کے واسطے کچھ حصہ آخرت میں) حالانکہ وہ مامور بایمان تھے اور اسی طرح کافروں کے ایمان کو پسند نہ کرنے پر سینکڑوں آیتیں قرآن میں موجود ہیں باوجودیکہ وہ مامور بایمان تھے۔ رہی مخالفتِ عترت تو خود شیعہ کی روایات سے بتواتر ایسا ثابت ہے کہ جو اس کی ضد ہے اور مخالف ہے، اور ان کی روایات میں اس کی ایسی مخالفت ثابت ہے جس کی نہ کوئی تاویل ہو سکتی ہے اور نہ انکار۔

فَمِنْ ذَلِكَ مَا رَوَى الْبَرْقِيُّ فِي الْمَحَاسِنِ

پس انہی میں سے روایت برقی کی ہے محاسن میں

وَالْكُلَيْنِيُّ فِي الْكَافِي عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ الْهَاشِمِيِّ وَقَدْ سَبَقَ نَقْلُهُ. وَمِنْهَا مَا رَوَاهُ الْكُلَيْنِيُّ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحَمَّانِيِّ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ مُوسَى بْنِ جَعْفَرٍ أَنَّهُ قَالَ إِنَّمَا تَكُونُ الْأَشْيَاءُ بِإِرَادَتِهِ وَمَشِيَّتِهِ. وَمِنْهَا مَا رَوَاهُ الْكُلَيْنِيُّ وَغَيْرُهُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ أَنَّهُ قَالَ أَمَرَ اللهُ وَلَمْ يَشَأْ وَشَاءَ وَلَمْ يَأْمُرْ أَمَرَ إِبْلِيسَ بِالسُّجُودِ لِآدَمَ وَشَاءَ أَنْ لَا يَسْجُدَ وَلَوْ شَاءَ لَسَجَدَ وَنَهٰى آدَمَ عَنْ أَكْلِ الشَّجَرَةِ وَشَاءَ أَنْ يَأْكُلَ وَلَوْ لَمْ يَشَأْ لَمْ يَأْكُلْ.

اور کلینی کی کافی میں علی بن ابراہیم ہاشمی سے جس کی کیفیت اُوپر گزری۔ اور اُنہی میں سے روایت کلینی کی ہے حسن بن عبدالرحمٰن حمانی کی ابوالحسن موسٰی بن جعفر سے، تحقیق حال یہ ہے کہ کہا اُس نے کہ موجود ہوتے ہیں اشیاء اسی کے ارادے اور خواہش سے۔ اور اُنہی رعایتوں سے ہے روایت کلینی وغیرہ کی عبداللہ بن سنان ابی عبداللہ سے کہ بیشک شان یہ ہے کہ کہا اُنھوں نے حکم کیا اللہ تعالیٰ نے اور حال یہ کہ نہیں چاہا اور چاہا اُس نے اور حال یہ کہ حکم نہیں کیا۔ حکم کیا ابلیس کو آدمؑ کے سجدہ کرنے کا اور چاہا یہ کہ سجدہ نہ کرے اگر چاہتا تو وہ سجدہ کرتا، اور منع کیا آدمؑ کو گندم کھانے سے اور چاہا یہ کہ کھائے اگر چاہتا تو وہ نہیں کھاتے۔

اُنہی شاخوں سے یہ ہے کہ امامیہ اور آٹھوں فرقے زیدیہ کے کہتے ہیں کہ بعض ارادہ کی ہوئی باتیں خدا تعالیٰ کی واقع نہیں ہوتی ہیں اور ارادہ کی ہوئی شیطان علیہ اللعن کی واقع ہوتی ہیں، اور دوسرے کافروں کی کیسا بھی اس عقیدے میں ان کے شریک ہیں۔ لیکن اہلِ سُنّت کہتے ہیں لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ إِلَّا بِإِذْنِ اللهِ (یعنے نہیں ہلتاہے کوئی ذرہ مگر حکم خدا سے) اور مخالف ارادے خدا تعالیٰ کے ارادہ کسی شئ کا پیش نہیں جاتا نہ واقع ہوتاہے۔ مَا شَاءَ اللهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ (جو کچھ چاہتاہے اللہ وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا) اس موقع پر مذہب امامیہ اور زیدیہ ماخوذ مذہب زندیقوں مجوس سے ہے کہ قائل خالقِ خیر وشر کے ہیں جن کو یزدان اور اہرمن کہتے ہیں اور معاملاتِ عالم کو جدا جدا ہر ایک کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اور کبھی ایک کو غالب دوسرے کو مغلوب اعتقاد کرتے ہیں۔ تَعَالَى اللهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيرًا۔

اُنہی شاخوں سے یہ ہے کہ امامیہ اور آٹھوں فرقے زیدیہ کے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتاہے ایسی چیز کا کہ جانتاہے کہ یہ ہونہار (ہونے کے قابل) نہیں معاذ اللہ یہ اعتقاد مستلزم سفاہت خدا تعالیٰ کاہے جو اُس کی جنابِ پاک میں کرتے ہیں تَعَالَى عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا (برتر ہے اُس بات سے جو کہتے ہیں ظالم بڑی برتری والا)۔

اُنہی شاخوں سے یہ ہے جو فرق ثمانیہ زیدیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتاہے اپنے بعض بندوں کی ہدایت کا اور شیطان اور مغوی بنی آدم کے اس کو گمراہ کردیتے ہیں۔ اور ارادۂ الٰہی مقابلے میں اُن ملاعین کے پیش نہیں جاتا

لیکن صریح کتاب وَمَنْ يَهْدِ اللهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ (جس کو ہدایت کرے اللہ تعالیٰ اُس کا کوئی گمراہ کرنے والا نہیں) اُن کو جھوٹا بتا رہی ہے۔ اور قولِ عترت بھی جیسے روایت کلینی کی۔

عَنْ ثَابِتِ بْنِ سَعِيدٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ يَا ثَابِتُ مَا لَكُمْ وَلِلنَّاسِ كُفُّوا عَنِ النَّاسِ وَلَا تَدْعُوا أَحَدًا إِلَى أَمْرِكُمْ وَاللهِ لَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَأَهْلَ الْأَرْضِ اجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يَهْدُوا عَبْدًا يُرِيدُ اللهُ ضَلَالَهُ مَا اسْتَطَاعُوا أَنْ يَهْدُوهُ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَأَهْلَ الْأَرْضِ اجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يُضِلُّوا عَبْدًا يُرِيدُ اللهُ هِدَايَتَهُ مَا اسْتَطَاعُوا أَنْ يُضِلُّوهُ.

روایت کی ثابت بن سعید نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے فرمایا اے ثابت! کیا پڑاہے تم کو اور لوگوں کو باز رہو لوگوں سے اور مت بلاؤ لوگوں سے کسی کو اپنے کام کی طرف قسم ہے خدا کی اگر بالتحقیق اہلِ آسمان اور اہلِ زمین اکٹھے ہوجائیں کسی بندے کی ہدایت پر اور حال یہ کہ ارادہ کرتاہے اللہ اُس کی گمراہی کا کسی کا مقدور نہیں جو ہدایت کرسکے۔ اور اگر بالتحقیق آسمان اور زمین والے اکٹھے ہوں کسی کے گمراہ کرنے پر اور حال یہ کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتاہے ہدایت کا، کسی کا مقدور نہیں کہ گمراہ کرسکے اُس کو۔

✺ **عقیدہ دوازدہم**:- یہ کہ باری تعالیٰ کا نہ جسم ہے نہ طول نہ عرض اور نہ وہ عمق رکھتاہے نہ صورت نہ شکل رکھتاہے۔ امامیہ میں سے حکمیہ، سالمیہ، شیطانیہ اور میثمیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ باری تعالیٰ جسم والاہے۔

كَمَا رَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْهَمْدَانِيِّ قَالَ كَتَبْتُ إِلَى الرَّجُلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ مِنْ قِبَلِنَا مَنْ مَرَّ إِلَيْكَ قَدِ اخْتَلَفُوا فِي التَّوْحِيدِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ جِسْمٌ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ صُورَةٌ. وَعَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ قَالَ كَتَبْتُ إِلَى أَبِي مُحَمَّدٍ سَنَةَ خَمْسٍ وَخَمْسِينَ وَمِائَتَيْنِ قَدِ اخْتَلَفَ يَا سَيِّدِي أَصْحَابُنَا فِي التَّوْحِيدِ مِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ جِسْمٌ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ صُورَةٌ.

جیساکہ روایت کی کلینی نے ابراہیم بن محمد ہمدانی سے کہا لکھا میں نے طرف ایک مرد علیہ السلام کے تحقیق قبل ہم سے وہ لوگ جو تمہارے پاس گئے تھے بیشک مختلف ہوگئے وہ توحید میں سو ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ جسم اور بعض ان میں سے کہتے ہیں کہ صورت ہے۔ اور سہل بن زیاد سے روایت ہے کہا اُس نے لکھا میں نے ابی محمد کو ٢٥٥ھ میں کہ تحقیق مختلف ہوگئے اے میرے سردار! ہمارے ساتھی توحید میں، بعض اُن میں سے وہ ہیں جو جسم بتاتے ہیں اور بعض ان میں سے کہتے ہیں کہ وہ صورت ہے۔

اب تفصیل مذاہبِ واہیہ ان ترسایانِ امامیہ کی سُننا چاہیے۔ حکمیہ کہتے ہیں کہ ایک جسم ہے طویل وعریض وعمیق کہ طول اور عرض اور عمق سب آپس میں مساوی ہیں اور برابر اور اُس کے ہاتھ بھی ہیں:-

وَهُوَ كَالسَّبِيكَةِ الْبَيْضَاءِ يَتَلَأْلَأُ مِنْ

اور وہ مثل چاندی پگھلی ہوئی کے ہے سفید کہ چمکتاہے

كُلِّ جَانِبٍ لَهٗ لَوْنٌ وَرِيْحٌ وَطَعْمٌ وَمَحَبَّةٌ وَهُوَ سَبْعَةُ أَشْبَارٍ بِشِبْرِ نَفْسِهٖ مُمَاسٌّ لِلْعَرْشِ بِلَا تَفَاوُتٍ۔

ہر طرف سے اور اُس میں رنگ اور بُو اور مزہ اور محبت ہے اور وہ سات بالشت ہے اپنی بالشتوں سے لپٹا ہوا ہے عرش سے بلا تفاوت۔

وَرَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ حَمْزَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ الْحَكَمِ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى جِسْمٌ صَمَدِيٌّ مَعْرِفَتُهٗ ضَرُوْرِيٌّ۔ رَوٰى أَيْضًا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَكَمِ وَعَنْ يُوْنُسَ بْنِ ظَبْيَانَ وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمَّانِيِّ نَحْوَهٗ بِأَسَانِيْدَ مُخْتَلِفَةٍ۔

روایت کی کلینی نے علی بن حمزہ سے اُس نے ہشام ابن حکم سے کہ کہتا تھا وہ بیشک اللہ تعالیٰ ایک جسم ٹھوس صمدی ہے پہچاننا اُس کا ضروری ہے۔ اور بھی روایت کی محمد بن حکم اور یونس بن ظبیان اور حسن بن عبدالرحمٰن حمانی سے مثل اُس کے مع اسناد مختلفہ کے۔

اور سالمیہ کہتے ہیں کہ ایک جسم ہے بصورتِ انسان، چہرہ اور آنکھ ناک کان اور ہاتھ پاؤں سب ثابت کرتے ہیں۔ اور حواس خمسہ بھی اور بال سیاہ بُنِ گوش تک۔

رَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَرَجِ الرُّخَجِيِّ إِنَّ هِشَامَ بْنَ الْحَكَمِ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ جِسْمٌ وَإِنَّ هِشَامَ بْنَ سَالِمٍ يَقُوْلُ إِنَّهٗ صُوْرَةٌ أَجْوَفُ إِلَى السُّرَّةِ وَالْبَاقِيْ صَمَدٌ۔

روایت کی کلینی نے محمد بن فرج رخجی سے تحقیق ہشام ابن حکم کہتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ جسم ہے اور تحقیق ہشام بن سالم کہتا ہے بیشک وہ ایک صورت خالی ہے ناف تک اور باقی ٹھوس ہے۔

جیسا کہ کہتا ہے جوالیقی صاحب الطاق۔ اور یہ بڑا عقیدہ امامیہ کا ہے باوجود اس کے کہ اُن کے اس پر ہیں مخالفت کُلی ثقلین سے رکھتا ہے۔ رہی کتاب اللہ سے مخالفت تو کقولہ تعالیٰ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (نہیں ہے مثل اُس کے کوئی شے)۔ اور عترت سے مخالفت:۔

فَلِمَا رَوٰى عَنْ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ خُطْبَةٍ إِنَّهٗ قَالَ لَا يُوْصَفُ بِشَيْءٍ مِنَ الْأَجْزَاءِ وَلَا بِالْجَوَارِحِ وَالْأَعْضَاءِ وَكَذَا فِيْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَكَمَا رَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدٍ الْخَزَّازِ وَمُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَا دَخَلْنَا عَلٰى أَبِي الْحَسَنِ الرِّضَا وَقُلْنَا إِنَّ هِشَامَ بْنَ سَالِمٍ وَصَاحِبَ الطَّاقِ وَالْمِيْثَمِيَّ يَقُوْلُوْنَ إِنَّهٗ تَعَالٰى

پس ہر گاہ کہ روایت کی امیر المؤمنین سے ایک خطبے میں بیشک حال یہ ہے کہ فرمایا اُنھوں نے نہیں وصف کیا جاتا ہے کسی چیز کے ساتھ اجزائے اور نہ ساتھ ہاتھ پاؤں اور اعضا کے جیسا کہ نہج البلاغت میں ہے اور جیسے کہ روایت کی کلینی نے ابراہیم بن محمد خزاز سے اور محمد بن حسین سے یہ کہ ان دونوں نے کہا کہ گئے ہم ابی حسن رضا کے پاس اور ہم نے کہا کہ بیشک ہشام بن سالم اور صاحب الطاق اور میثمی کہتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ

أَجْوَفُ إِلَى السُّرَّةِ وَالْبَاقِيْ صَمَدٌ فَخَرَّ لِلّٰهِ سَاجِدًا ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَكَ كَيْفَ طَاعَ عَنْهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ شَبَّهُوْكَ بِغَيْرِكَ اَللّٰهُمَّ لَا أَصِفُكَ إِلَّا بِمَا وَصَفْتَ بِهٖ نَفْسَكَ وَلَا أُشَبِّهُكَ بِخَلْقِكَ أَنْتَ أَهْلٌ لِكُلِّ خَيْرٍ فَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ۔

خالی ہے ناف تک اور باقی ٹھوس۔ پھر گر پڑے اللہ کے واسطے سجدے میں بعد اُس کے کہا پاک ہے تو کیسی اطاعت کی ان کے نفسوں نے اس بات میں کہ تجھ کو تشبیہ دی تیرے غیر سے، بار خدایا! میں تیرا وصف نہیں کرتا ہوں مگر اُس چیز کے ساتھ کہ تو نے اپنی ذات کا وصف کیا ہے اور میں تیری تشبیہ خلق سے نہیں کرتا ہوں تو ہی سزاوار ہر خوبی کا ہے، پس مت ٹھہرا مجھ کو ساتھی قوم ظالمین کا۔

وَلِمَا رَوَاهُ الْكُلَيْنِيُّ أَيْضًا عَنِ الْحَسَنِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمَّانِيِّ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي الْحَسَنِ الْكَاظِمِ إِنَّ هِشَامَ بْنَ الْحَكَمِ يَزْعُمُ إِنَّ اللّٰهَ جِسْمٌ قَالَ قَاتَلَهُ اللّٰهُ مَا عَلِمَ إِنَّ الْجِسْمَ مَحْدُوْدٌ مَعَاذَ اللّٰهِ وَأَبْرَأُ إِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا الْقَوْلِ وَلِمَا رَوَاهُ الْكُلَيْنِيُّ أَيْضًا فِيْ كِتَابِ التَّوْحِيْدِ مِنَ الْكَافِيْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَرَجِ الرُّخَجِيِّ قَالَ كَتَبْتُ إِلٰى أَبِي الْحَسَنِ أَسْأَلُ عَمَّا قَالَ هِشَامُ بْنُ الْحَكَمِ فِي الْجِسْمِ وَهِشَامُ بْنُ سَالِمٍ فِي الصُّوْرَةِ فَكَتَبَ دَعْ عَنْكَ حَيْرَةَ الْحَيْرَانِ وَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ لَيْسَ الْقَوْلُ مَا قَالَ الْهِشَامَانِ۔

اور بسبب اس بات کے کہ روایت کیا اُس کو کلینی نے بھی حسن ابن عبدالرحمٰن حمانی سے کہ کہا کہا میں نے ابی حسن کاظم سے بیشک ہشام بن حکم گمان کرتا ہے کہ تحقیق اللہ جسم ہے، فرمایا مارے اُس کو اللہ کیونکر جانا اللہ جسم محدود ہے، خدا کی پناہ، میں بریت چاہتا ہوں اللہ سے بسبب اس قول کے اور واسطے اس بات کے کہ روایت کیا اُس کو کلینی نے بھی کافی کی کتاب توحید میں محمد بن فرج رخجی سے کہ کہا اُس نے نامہ لکھا ابی الحسن کو کہ سوال کرتا ہوں میں اس بات سے کہ کہی ہشام ابن حکم نے معاملے میں جسم ہونے خدا کے اور ہشام بن سالم نے صورت ہونے میں خدا کے، پس لکھا اُس نے دور کر اپنے سے حیرت حیران کی اور پناہ ڈھونڈھ اللہ کی شیطان سے، نہیں ہے یہ بات جو کہا دونوں ہشاموں نے۔

✻ عقیدہ سیزدہم:۔ یہ کہ حق تعالیٰ کا کوئی مکان نہیں ہے نہ اُس کے لئے کوئی جہت تحت و فوق سے متصور ہے چنانچہ یہی مذہب اہل سنت اور جماعت کا ہے۔ امامیہ میں سے حکمیہ اور یونسیہ کہتے ہیں کہ مکان اُس کا عرش ہے، حکمیہ کے نزدیک مماس عرش یعنی عرش کی طرح عرش کو چپٹا ہوا ہے بیچ میں فرجہ نہیں ہے اور عرش اور وہ دونوں برابر ہیں۔ نہ عرش اُس سے زیادہ ہے نہ وہ عرش سے زیادہ۔ یونسیہ کہتے ہیں کہ وہ عرش پر ایسا بیٹھا ہے جیسے کوئی تخت پر بیٹھا ہو وَإِنَّهٗ يَقُوْمُ وَيَقْعُدُ وَيَتَحَرَّكُ عَلَيْهِ (بیشک وہ کھڑا ہوتا ہے اور بیٹھتا ہے اور حرکت کرتا ہے اُس پر) اور اُس کو فرشتے اٹھاتے ہیں حالانکہ وہ فرشتوں سے قوی تر اور بزرگ تر ہے مانند کرکی یعنی کلنگ کے۔ یعنی اس کے دونوں پاؤں اس کو اٹھائے رہتے ہیں حالانکہ اس کا جسم اس سے بڑا اور زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔

سالمیہ، شیطانیہ اور میثمیہ کہتے ہیں کہ مکان اُس کا آسمان میں ہے مگر معین نہیں، ایک مکان سے دوسرے

مکان کو جاتا آتا ہے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر چڑھتا اُترتا، بیٹھتا، اُٹھتا ہے اور حرکت و سکون کرتا ہے۔ ربعیہ کہتے ہیں کہ رہنے کی جگہ تو اُس کی آسمان ہے لیکن ایام بہار میں لالہ زار اور گلزار اور شگوفوں کی سیر کو زمین پر اُترتا ہے پھر آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔ جیسے جہانگیر بادشاہ کہ اُس کے رہنے کی جگہ تو آگرہ تھا اور ہر سال سیر بہار کشمیر کو جاتا تھا۔

پس مخالفت کتاب اور عترت کی اس خرافات سے ظاہر ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (نہیں ہے مثل اُس کے کوئی چیز)۔

وَقَدْ رُوِيَ عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ بَعْضِ خُطَبِهٖ لَا فِيْ مَكَانٍ فَيَجُوْزُ عَلَيْهِ الْاِنْتِقَالُ وَقَالَ فِيْ خُطْبَةٍ اُخْرٰى لَا يُقَدِّرُهُ الْاَوْهَامُ بِالْحُدُوْدِ وَالْحَرَكَاتِ وَاَيْضًا فِيْ خُطْبَةٍ اُخْرٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَشْغَلُهٗ شَاْنٌ عَنْ شَاْنٍ وَلَا يَحْوِيْهِ مَكَانٌ كُلُّ ذٰلِكَ مَذْكُوْرٌ فِيْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ۔

تحقیق روایت کی امیر المومنین ؓ سے بعض خطبے میں نہیں ہے کسی مکان میں تاکہ جائز ہو اُس پر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا، اور دوسرے خطبے میں فرمایا نہیں انداز کر سکتے ہیں اُس کا وہم حدود و حرکات کے ساتھ اور بھی دوسرے خطبے میں فرمایا نہیں مشغول کر سکتا ہے اُس کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف اُٹھا سکتا ہے اُس کو کوئی مکان، یہ سب نہج البلاغت میں مذکور ہیں۔

اور جہت کے مسئلے میں بھی حکمیہ، سالمیہ، شیطانیہ اور میثمیہ امامیہ میں سے جہت فوق کی ثابت کرتے ہیں اس واسطے کہ مکان اُسی جہت کا ثابت کیا ہے فَاِنَّ الْعَرْشَ وَالسَّمٰوٰتِ كُلَّهَا فِيْ جِهَةِ الْفَوْقِ (بے تحقیق عرش اور آسمان جانب فوق کے ہیں) مگر جس وقت کہ آسمان دنیا پر اُترتا ہے تو فرشتے اُوپر کے اور عرش و کرسی کے اُٹھانے والے اور جنت کے رہنے والے یعنی حور و ولدان یہ سب اُس سے اُوپر ہوتے ہیں پس سالمیہ شیطانیہ اور میثمیہ کے نزدیک اس وقت اُن اُوپر والوں کی نسبت تحت میں پڑتا ہے لیکن زمین پر رہنے والوں کی نسبت ہمیشہ فوق میں ہے۔ اور ربعیہ کے نزدیک اور ان کے سوا کوئی جہت معین نہیں کبھی اُوپر پھرتا ہے کبھی نیچے۔ اور نہج البلاغت میں کہ باجماع شیعہ متواتر ہے امیر المومنین ؓ سے روایت کی گئی ہے لَا يُحَدُّ بِاَيْنٍ اور جیسے نفی مکان کی کی گئی ہے نفی جہت کی بھی کی گئی ہے لِاَنَّ الْجِهَاتِ اَطْرَافُ الْاَمْكِنَةِ وَحُدُوْدُهَا (اس واسطے کہ بیشک جہتیں طرفیں مکان کی ہیں اور حدیں اُن کی ہیں)۔

فرقہ اثنا عشریہ ان خرافات کو سُن کر البتہ کچھ ماتھا سمیٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب یہ باتیں اور مذاہب ہمارے نزدیک سب مردود ہیں تو ہم کو الزام دینے کے موقع پر ان کا ذکر کیوں کرنا چاہیے فی الواقع تو ہے یہی۔ لیکن جب کلام کُل فرقوں شیعہ کے ساتھ ہے اور یہ فرقے بلاشبہ فرقہ امامیہ سے ہیں گو اثنا عشریہ نہ ہوں۔ چنانچہ اہل سنت کی خدمت میں اثنا عشریہ کے، یہ التماس بھی ہے کہ کیوں جی تم نے اس مذہب کے لوگوں کو تو صحابہؓ کے

طعنوں اور مقدمہ امامت میں اپنا پیشوا بنا رکھا ہے، اور انہی کی باتوں پر بالکل تمہارا اعتماد ہے اور ان کے جملہ نقل و حکایات کو مانتے ہو پھر کیا بات ہے جو باری تعالیٰ کی توحید میں روایتیں ان بزرگواروں کی ایک جو بھر روا نہیں رکھتے حالانکہ اس مذہب کے لوگوں نے ان روایتوں اور عقائد کو بھی اماموں سے روایت کیا ہے کچھ اپنی تھیلی سے نہیں نکالا ہے جیسا کہ اُوپر گزرا۔ اور اگر اس واسطے ان باتوں سے مُنہ چُرالتے اور پھرے جاتے ہو کہ اماموں نے ان باتوں کو جھوٹ ٹھہرایا ہے تو مطاعن اور مقدمہ امامت کو بھی تو جھوٹے ٹھہرایا ہے۔ اب حد درجہ اس معاملے میں یہ بات کہنے کی ہے کہ ان روایتوں کو جو اماموں نے جھوٹ ٹھہرایا ہے تو ان کی تکذیب کی اور شیعوں نے بھی روایت کی ہے۔ اور مطاعن اور مقدمہ امامت کی تکذیب کو جو اماموں سے روایت کرتے ہیں وہ صرف اہل سنت ہیں سو یہ تو ایک عقلی بات ہے کہ جس نے کسی بزرگ سے اپنی کسی چیز کی روایت کی ہے خود وہ اُس کو جھوٹ ٹھہرانے کی ہرگز روایت نہیں کرے گا۔ مثلاً حکمیہ و سالمیہ و میثمیہ روایتیں جسم و صورت کی حضرات ائمہؓ سے روایت کرتے ہیں پھر خود ہی اُس کی تکذیب میں روایت کیونکر کریں گے۔ اسی طرح تمام جماعت امامیہ کی اپنی غرضوں یا غلط فہمیوں سے مطاعن صحابہؓ اور مقدمہ امامت میں حضرات ائمہؓ سے روایت کرتے ہیں ان سے اس بات کی توقع کہ اُن روایتوں کی تکذیب میں کوئی روایت کریں بعید از عقل ہے۔ ہاں اگر امتحان ان کے جھوٹ سچ کا منظور نظر اہل عقل کے ہو تو روایتیں دوسرے فرقہ کی دیکھیں۔ اس لئے کہ ہمیشہ سے عقلاء کی عادت بھی یوں ہی چلی آتی ہے کہ جب کسی مخبر کی خبر کا امتحان کرتے ہیں تو اُس سے روایات خلاف اُس کے پوچھتے ہیں کہ شاید وہ اپنی سخن پروری کرتا ہو اور بسبب تعلق اغراض کے اپنی بات پر اَڑ گیا ہو۔ اور جن کو حاضر اُس معاملہ کا سمجھتے ہیں اُن سے دریافت کرتے ہیں۔ جب مقدمہ دنیا میں ایسی تحقیق کرتے ہیں تو دین کے مقدمہ کو کب سہل چھوڑنا چاہیے۔ علاوہ اس کے یہ بھی ہے کہ جماعت شیعوں نے بھی رفتہ رفتہ مطاعن صحابہؓ اور مقدمہ امامت میں خلاف اپنے اعتقاد کی باتوں کے اور روایتوں کے روایتیں کیں ہیں کہ باب مطاعن اور امامت میں عرض کی جائیں گی چنانچہ جھوٹوں کا قاعدہ ہے کہ جب ان سے قصداً اور خاص کسی روایت کو پوچھو تو فوراً انکار و انحراف کرتے ہیں۔ اور پھر کسی موقع پر اُسی روایت کو اور کسی طرز تقریر میں ادا کرتے ہیں جو جھوٹا اُن کو بناتے تب وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔

اب دوسرا التماس اہل سنت کا یہ ہے کہ جب حضرات ائمہؓ نے ایک جماعت کی ان سے تکذیب فرمائی حتےٰ کہ ایسی بد دعائیں اور نکوہش کی کہ فرمایا قَاتَلَهُ اللّٰهُ (مار ڈالے اُس کو اللہ) وَاَخْزَاهُ اللّٰهُ (اور رسوا کرے اُس کو اللہ) وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (مت ٹھہرا تو ہم کو ساتھ قوم ظالموں کے) وَاَسْتَعِيْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (پناہ مانگ اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود سے)۔ اور دیگر مثل ان بد دعاؤں اور نکوہشوں کے پھر

۱۸

ان کی روایتیں کتب دین وایمان میں لانا اوراُن پر اعتماد کرنا بتایئے تواُن کو کس قسم کا سمجھا جاتے۔

اگر اثنا عشریہ کے دل میں یہ بات گزرے کہ اہل سنت جو حضرات ائمہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں اُن میں ہم کو گمان تقیہ ائمہ رضؓ کا ہے واقعی وہی ہیں جو بیان امامیہ کا ہے۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اوّل تو ثبوت تقیہ اماموں کا ابھی تک مقام امتحان میں ہے۔ اس لئے کہ تقیہ اماموں کا سوائے ان لوگوں کے کسی نے روایت نہیں کیاہے پس انہی کی روایتوں پر انہی کی روایتوں کی توجیہ کا کچھ لُطف نہیں۔ عقلمند خوب جانتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ تقیہ کو کس وجہ سے ترجیح دی جاتے یا اماموں کا تقیہ ان کے ساتھ تھا یا اہل سنت کے ساتھ اگر ترجیح تقیے کی بھی انہی کی روایت سے ہے تو وہی آش در کاسہ ہے اور جو دوسری دلیل کے ساتھ ہے تو بیان کرنا چاہیئے۔

چونکہ یہ مقام تقریبی ہے زیادہ اس سے طُول دینا مناسب نہ جان کر اصل مقصد کے بیان میں رجُوع کیا جاتاہے

جاننا چاہیئے کہ یہ دو عقیدے جو مذکور ہوتے ان سے بہت سی شاخیں نکلتی ہیں کہ ہر شاخ مخالف ثقلین کے ہے اُن میں سے یہ کہ :-

اِنَّهٗ تَعَالٰى لَيْسَ بِمُرَكَّبٍ وَهُمْ قَالُوْا يَتَرَكَّبُ ذَاتُهٗ تَعَالٰى مِنْ اَجْزَاءٍ مُقَادِيْرِيَّةٍ فِى الْخَارِجِ كَالرَّاْسِ وَالْيَدِ وَالرِّجْلِ وَالطُّوْلِ وَالْعَرْضِ وَالْعُمْقِ وَقَدْ رُوِىَ عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّهٗ قَالَ لَا يُوْصَفُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْاَجْزَاءِ وَلَا بِالْجَوَارِحِ وَالْاَعْضَاءِ وَلَا بِعَرَضٍ مِّنَ الْاَعْرَاضِ وَلَا بِالتَّجْزِيَةِ وَالْاَبْعَاضِ وَلَا يُقَالُ لَهٗ حَدٌّ وَّلَا نِهَايَةٌ وَّلَا انْقِطَاعٌ وَّغَايَةٌ كَذَا فِىْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَرَوَى الْكُلَيْنِىُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ وَصَفَ لِاَبِىْ اِبْرَاهِيْمَ قَوْلَ هِشَامِ الْجَوَالِيْقِىِّ اَنَّهٗ صُوْرَةٌ وَحَكَيْتُ قَوْلَ هِشَامِ بْنِ الْحَكَمِ اَنَّهٗ جِسْمٌ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُشْبِهُهٗ شَيْءٌ اَىُّ فُحْشٍ وَّخَنَاءٍ اَعْظَمُ مِنْ قَوْلِ مَنْ يَّصِفُ خَالِقَ الْاَشْيَاءِ بِجِسْمٍ اَوْ صُوْرَةٍ اَوْ بِخِلْقَةٍ وَتَحْدِيْدٍ اَعْضَاءٍ۔

بیشک اللہ تعالیٰ مرکب نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ مرکب ہے ذات برتر اُس کی اجزاء سے ایسے اجزاء جواندازہ کئے گئے ہیں خارج میں جیسے سَر اور ہاتھ اور پاؤں اور لمبائی اور چوڑائی اور گہرائی۔ اور تحقیق روایت کی گئی امیر المؤمنین علیہ السلام سے بیشک حال یہ ہے کہ فرمایا انھوں نے کہ نہیں وصف کیا جاتا وہ کسی چیز کے ساتھ اجزاء سے اور نہ ساتھ جوارح اور اعضاء کے نہ کسی عرض کے ساتھ اعراض سے نہ جزء جزء ہونے کے ساتھ نہ بعض کے ساتھ، اور نہیں کہا جاتاہے کہ اُس کے واسطے حد ہے اور نہ نہایت ہے نہ کہ انقطاع اور غایت ہے جیسے کہ نہج البلاغت میں یہ روایت موجود ہے اور روایت کی کلینی نے محمد بن حکم سے کہا کلینی نے کہ بیان کیا محمد ابن حکم نے ابی ابراہیم سے قول ہشام جوالیقی کا کہ بیشک اللہ تعالیٰ صُورت ہے اور بیان کیا میں نے قول ہشام بن حکم کا کہ بیشک اللہ تعالیٰ جسم ہے۔ تو فرمایا ابی ابراہیم نے بیشک اللہ تعالیٰ نہیں مشابہ ہے کسی چیز کے، کیسا فحش اور کیسی بے تہذیبی آتی ہے اُس قول سے جو بیان کرتاہے کہ پیدا کرنے والا اشیاء کا جسم اور صُورت ہے یا مخلوق اور محدُود ہے اور اعضاء ہے۔

❁ عقیدہ چہاردہم ۱۴ - یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں نزول نہیں کرتا نہ کسی بدن میں گھُستا ہے اور سارے شیعہ غلاۃ قائل حلول کے ہیں اماموں کے بدن میں یہاں تک کہ ابو مسلم مروزی صاحبِ دعوت کے بدن میں کہ اس کے رزامیہ قائل ہیں اور طرفہ یہ کہ شیخ ابن مطہر حلّی نے باوصف ان دانشمندیوں کے قول حلول کو صوفیہ اہل سنت سے نسبت کیاہے۔ حالانکہ صوفیہ حلولیوں کو کافر ٹھہراتے ہیں۔ پس یہ ان کی سمجھ کا نقصان ہے کہ اُس کلام کو نہیں سمجھتے۔ مسئلہ وحدۃ الوجود کا بڑا باریک و دقیق ہے اُس کو سمجھتے نہیں حلول پر قیاس کرلیا۔ ایسے ہی موقعوں سے دقیقہ فہمی ان کے علماء کی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح اور مطالبِ پوشیدہ جو حضرات ائمہ رضؓ کے کلام میں واقع ہوئے ہیں غلط فہمی سے نسخ اور تبدیل کرتے رہے ہیں۔

بعض فرقے غلاۃ کے جیسے بنانیہ، نصیریہ، اسحاقیہ بجائے حلول کے اتحاد کو استعمال کرتے ہیں حالانکہ اتحاد مطلق باطل ہے اور بطلان اُس کا اُجلا یعنے بزرگوں سے ظاہر اور بدیہی ہے۔ شیخ حلّی جو بڑے دقیقہ فہم ہیں قول باتحاد کو بھی سالکین اہل سنت کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ مقصد سالکین کا اس اتحاد سے دو باتوں میں سے ایک بات ہے نہ کہ اتحاد حقیقی۔ اوّل چھُپ جانا اور مٹ جانا انیۃ کا یعنی یہ سمجھنا بندے کا کہ میں ہوا نزدیک ظہور نور تجلی کے جیسے نور چراغ کی جو حالتِ قرب میں ظہور نور آفتاب کے ہوتی ہے اور عارض ہونا اس حالت کا۔ اور ظہور نور تجلی کا قرآن مجید سے اور اقوالِ عترت سے خوب ظاہر ہے۔ قَالَ تَعَالٰى فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ ہرگاہ کہ تجلی کی پروردگار اُس کی نے پہاڑ پر کردیا اُس کو ڈھا کر برابر اور گر پڑے موسیٰ بیہوش) وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِىَ اَنْ بُوْرِكَ مَنْ فِى النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہرگاہ کہ آیا وہ اُس کے پاس ندا کیا گیا یہ کہ برکت رکھتاہے جو کوئی آگ میں ہے اور جو اُس کے آس پاس ہے۔ اور پاک ہے ذات اللہ کی کہ صاحب سارے جہاں کا ہے)۔

اور اقوال عترتِ طاہرہ سے قول حضرت صادق رضؓ کا مخاطبہ میں ابو بصیر کے موافق روایت کلینی کے جو سابق میں گزری اِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ يَرَوْنَهٗ فِى الدُّنْيَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَلَسْتَ تَرَاهُ فِىْ وَقْتِكَ هٰذَا (یعنی بیشک مومن دیکھتے ہیں اُس کو دنیا میں قبل روز قیامت سے کیا تو نہیں دیکھتاہے اُس کو اس وقت میں)۔

اور اس بات کو شیخ ابن فارض مصری علیہ الرحمۃ نے اپنی ابیات میں واضح کیاہے اور کہاہے۔ ابیات :-

وَجَاءَ حَدِيْثٌ فِى اتِّحَادِىْ ثَابِتٌ ‖ رِوَايَتُهٗ فِى النَّقْلِ غَيْرُ ضَعِيْفَةٍ

آئی ہے حدیث میرے اتحاد میں کہ ثابت ہے روایت ‖ اُس کی نقل میں ضعیف نہیں ہے

يُشِيْرُ بِحُبِّ الْحَقِّ بَعْدَ تَقَرُّبٍ ‖ اِلَيْهِ بِنَفْلٍ اَوْ اَدَاءٍ لِفَرِيْضَةٍ

اشارہ کرتے ہیں طرف دوستی کے حق کے بعد قرب ‖ ڈھونڈھنے کے طرف حق کی بسبب عبادت نفل اور ادا کرنے فرض کے

وَمَوْضِعُ تَشْبِيهِ الْإِشَارَةِ وَاضِحٌ بِكُنْتُ لَهُ سَمْعًا كَنُورِ الظَّهِيرَةِ

اور موقع تشبیہ کا جسکی طرف اشارہ ہے ظاہر ہے میں لفظ کہ میں ہوجاتا ہوں اُس شخص کے واسطے گوش کہ واضح ہے مثل روشنی دوپہر کی۔

آور وہ حدیث صحیح قدسی جس کا پہلے مصرعہ میں اشارہ ہے یہ ہے :۔

لَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِي وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا۔

ہمیشہ بندہ میرا تقرب ڈھونڈھے میرا ساتھ نفلوں کے یہانتک کہ دوست رکھوں میں اُس کو پھر جبکہ میں اُس کو دوست رکھوں گا ہو جاؤں گا میں اُس کے وہ کان کہ سُنے گا ساتھ میرے اور بینائی کہ دیکھے گا وہ اُس کے ساتھ اور ایسے ہاتھ کہ پکڑیگا وہ اُن کے ساتھ اور ایسے پاؤں کہ چلے گا وہ اُن کے ساتھ۔

دوسرے یہ کہ اپنے آپ کو آئینہ ذاتِ حق کا جانے اور اُس کے مظاہر سے ایک مظہر سمجھے اس طور پر کہ بعض احکام ظاہر کے مظہر سے منسوب ہوتے ہیں اور نیز بالعکس لیکن جو وصف کہ نزاہت ظاہر میں بُرائی پیدا کرنے والا ہو چاہیئے کہ مظہر سے ترقی نہ کرے۔ آور جو وصف کہ عنوان مرتبہ ظاہر کا ہو وہ مظہر میں نزول نہ کرے اور یہ بات بھی قرآن مجید اور اقوالِ عترت سے خوب ظاہر ہے کہ جیسا کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (جس نے اطاعت کی رسولؐ کی سو تحقیق اطاعت کی اللہ تعالیٰ کی)۔ آور إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ (بیشک جو لوگ کہ بیعت کرتے ہیں تیری نہیں ہے بجز اس کے کہ بیعت کرتے ہیں اللہ کی) خطبۃ الافتخار اور خطبۃ البیان حضرت امیرؓ کے کتبِ امامیہ میں معروف و مشہور ہیں اگر شیخ جلی ان معنی صحیحہ اتحاد سے انجان بنے جان بوجھ کر تو کچھ مضائقہ نہیں اس لئے کہ اور عُقلاء شیعہ نے تو ان معانی کو سمجھ کر میزانِ عقلیہ میں تول لیا ہے۔ کلام خواجہ نصیر طوسی کا کہ شرح مقامات العارفین میں کتاب اشارات سے ہے۔ آور کلام صدر رازی شیرازی کا شواہد الربوبیت اور اسفار میں۔ آور کلام ابن ابی جمہور اور دیگر متاخرین اس فرقہ کے دیکھنا چاہیئے۔ آور اگر یہ لوگ بھی معتبر نہیں ہیں اس لئے کہ یہ مخلط یعنی گڈمڈ ہیں درمیان تصوف اور فلسفہ اور شریعت کے تو کلام مقداد کا کہ پیشوا مقری ان کا علوم دینیہ میں ہے اور شارح قواعد اور صاحب کنز العرفان فی تفسیر احکام القرآن ہے اُس کو ہم نقل کریں :۔

قَالَ الْمِقْدَادُ فِي شَرْحِ الْفُصُولِ فِي عِلْمِ الْأُصُولِ فِي ذِكْرِ الْأَحْوَالِ السَّانِحَةِ لِلسَّالِكِ الْمُرَادُ مِنَ الْاِتِّحَادِ هُوَ أَنْ لَا يَنْظُرَ إِلَّا إِلَيْهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَتَكَلَّفَ وَيَقُولُ مَا عَدَاهُ قَائِمٌ بِهِ فَيَكُونُ الْكُلُّ وَاحِدٌ مِنْ

کہا مقداد نے شرح فصول میں بیچ شرح علم اصول کے اُس حال کے ذکر میں کہ پیش آتا ہے سالک کو۔ مُراد اتحاد سے وہ ہے کہ نظر نہ کرے مگر اُس کی طرف بدون اس کے کہ اس کو بتکلف کرے اور کہے جو کچھ سوا اُس کے ہے قائم اُس سے ہے پس ہوتا ہے ہر واحد

حَيْثُ أَنَّهُ صَارَ بَصِيرًا بِنُورِ تَجَلِّيَتِهِ لَا يُبْصِرُ إِلَّا ذَاتَهُ لَا الرَّائِيَ وَلَا الْمَرْئِيَّ إِنْتَهَىٰ كَلَامُهُ۔

اس سبب سے کہ بیشک وہ شخص ہو گیا بینا اُس کے نور تجلی سے کہ نہیں دیکھتا ہے مگر اُسی کی ذات کو نہ کسی دیکھنے والے کو نہ دیکھے گئے کو تمام ہوا کلام اُس کا۔

عقیدۂ پانزدہم۔ یہ کہ حق تعالیٰ میں صفتیں اعراض محسوسہ کی نہیں ہیں۔ پس رنگ و بو اور مثل ان کیفیتوں کے کچھ نہیں رکھتا۔ آور حکمیہ جو امامیہ سے ہیں مزہ اور رنگ اور ریح اور مجلس اُس کے واسطے ثابت کرتے ہیں۔ آور غلاۃ شیعہ جو قائل اس بات کے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ائمہؑ کے بدنوں میں حلول کیا تھا یہ سب کیفیتیں بھی اور اُن کے ساتھ بھوک پیاس اور نعوظ اور حاجت پیشاب پاخانہ کی بھی تجویز کرتے ہیں۔ وَقَدْ تَقَدَّمَ عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهُ قَالَ وَلَا يُوصَفُ بِعَرَضٍ مِنَ الْأَعْرَاضِ (تحقیق سابق گزرا امیر المومنینؓ سے کہ بیشک حال یہ کہ فرمایا اُنہوں نے اور نہیں وصف کیا جاتا ہے کسی عرض کے ساتھ اعراض سے)۔

عقیدۂ شانزدہم۔ یہ کہ ذات پاک باری تعالیٰ اور تقدس کی کسی چیز میں منعکس نہیں ہوتی اور کسی پر اُس کا سایہ نہیں پڑتا۔ تمام غلاۃ اور شیعہ کہتے ہیں کہ پانی اور آئینہ میں اُس کا سایہ پڑتا ہے اور منعکس ہوتا ہے مغیرہ عجلی نے کہ سرگروہ فرقہ مغیریہ کا ہے کہا ہے :۔

لَمَّا أَرَادَ اللّٰهُ تَعَالَى أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ تَكَلَّمَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ فَطَارَ فَوَقَعَ تَاجًا عَلَى رَأْسِهِ وَذٰلِكَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوّٰى ثُمَّ كَتَبَ عَلَى كَفِّهِ أَعْمَالَ الْعِبَادِ فَغَضِبَ مِنَ الْمَعَاصِي فَعَرِقَ فَحَصَلَ مِنْ عَرَقِهِ بَحْرَانِ أَحَدُهُمَا مِلْحٌ مُظْلِمٌ وَالْآخَرُ حُلْوٌ نَيِّرٌ ثُمَّ اطَّلَعَ فِي الْبَحْرِ النَّيِّرِ فَأَبْصَرَ فِيهِ ظِلَّهُ فَانْتَزَعَ بَعْضَ الشَّمْسِ مِنْهُ فَخَلَقَ مِنْهُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَأَفْنَى بَاقِيَ الظِّلِّ نَفْيًا لِلشَّرِيكِ وَقَالَ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الْآخَرُ ثُمَّ خَلَقَ الْخَلْقَ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَالْكُفَّارُ مِنَ الْمُظْلِمِ وَالْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّيِّرِ۔

جس گاہ کہ ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے مخلوق کا اور تلفظ کیا اسم اعظم کے ساتھ پس وہ اُڑا پھر گرا اور اُس کے سر کا تاج ہوا اور یہی ہے قول اللہ تعالیٰ کا تسبیح کر اپنے پروردگار کے نام کی کہ برتر ہے، ایسا برتر کہ پیدا کیا اُس نے پھر برابر کیا پھر لکھے اپنے ہاتھ سے اعمال بندوں کے پھر اُن کے معاصی سے غصہ ہوا پس عرقناک ہوا سو حاصل ہوئے اُس کے عرق سے دو دریا ایک کھاری تاریک دوسرا شیرین روشن، پھر نگاہ کی دریا روشن میں سو دیکھا اُس میں سایہ اپنا، پھر نکالی اُس میں سے تھوڑی روشنی سو پیدا کئے اُس سے چاند اور سورج دونوں اور دور کیا باقی سایہ کو واسطے دور کرنے شریک کے، اور فرمایا لائق نہیں ہے کہ موجود ہو دوسرا، پھر پیدا کیا خلق کو دونوں دریا سے سو کافر دھوئیں سے اور مومن نور سے۔

آور بطلان اس عقیدے کا خوب ظاہر ہے۔ اس لئے کہ منعکس ہونا اور واقع ہونا سایہ کا اجسام کثیفہ کے خواص سے ہے آور غلاۃ اس بات پر بھی بس نہیں کرتے بلکہ لذت اور دکھ اور حسد اور بغض اور خوشی اور غم جمیع کیفیتوں کے ساتھ موصوف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اماموں کو اللہ کہتے ہیں اور اماموں کی ان صفتوں کے ساتھ

موصوف ہونے میں کچھ کلام نہیں بلکہ تمام صفات حیوانی کھانا، پینا، سونا، اونگھنا، جمائی، چھینک، پیشاب پاخانہ، مرد اور عورت ہونا، اور جماع اور پیدا ہونا ان سب کے ساتھ وصف کرتے ہیں۔ اور مثل اور مشابہ اور مخلوقات کا جانتے ہیں۔

مخالفت اس عقیدے کی ثقلین سے نہایت ظاہر ہے۔ قولہ تعالیٰ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ (نہیں پکڑتی اس کو اونگھ اور نہ نیند) وَھُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُ (اور وہ کھلاتا ہے اور نہیں کھاتا ہے) وَکَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ (عیسیٰؑ اور مریمؑ دونوں کھانا کھاتے تھے) وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ وَّلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا (نہیں ہے اس کے بیوی اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا)۔ اور نہج البلاغت میں امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

اِنَّہٗ قَالَ لَمْ یَلِدْ فَیَکُوْنُ لِلْعَیْرِ مُشَارِکًا وَلَمْ یُوْلَدْ فَیَکُوْنُ مَوْرُوْثًا ھَالِکًا لَا یُبْصَرُ بِعَیْنٍ وَلَا یُحَدُّ بِاَیْنٍ وَلَا یُوْصَفُ بِاَزْوَاجٍ وَلَا یُخْلَقُ بِعِلَاجٍ۔	بیشک حال یہ ہے کہ فرمایا انھوں نے کہ نہ کسی سے پیدا ہوا تو دوسرے کا شریک ہوا اور نہ کوئی اس سے پیدا ہوا تاکہ وارث چھوڑے اور خود مر جائے اور نہ آنکھ سے دیکھا ہے اور نہ اندازہ کیا جاتا ہے کسی مکان سے اور نہ وصف کیا جاتا ہے زوجہ کے ساتھ اور نہ پیدا کرتا ہے ہاتھ پاؤں سے۔

وَقَالَ اَیْضًا جَلَّ عَنْ اِتِّخَاذِ الْاَبْنَآءِ وَطَھُرَ عَنْ مُلَامَسَۃِ النِّسَآءِ (یہ بھی کہا بزرگ ہے اختیار کرنے بیٹوں سے اور پاک ہے نشان عورتوں سے) اور جملہ اثنا عشریہ سے خواجہ نصیر طوسی اور صاحب الیاقوت قائل ہوے ہیں اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ میں صفت لذت عقلیہ کی ہے۔ اور دستاویز ان کے قیاس غائب پر شاہد ہے یعنی بے دیکھے چیز کو دیکھے ہوتے پر قیاس کر لینا۔

یہ عقیدہ بھی مخالف کتاب عترت کے ہے۔ کتاب کے اس طرح کہ فرمایا خدا تعالیٰ نے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (نہیں ہے مثل اس کے کوئی چیز)۔ اور عترۃ کے مخالف اس طرح کہ روایت ہے امیر المومنینؓ سے نہج البلاغت میں اِنَّہٗ قَالَ ھُوَ اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ لَمْ یَبْلُغِ الْعُقُوْلَ تَحْدِیْدًا فَیَکُوْنُ مُشَبَّھًا وَلَمْ یَقَعْ عَلَیْہِ الْاَوْھَامُ فَیَکُوْنُ مُمَثَّلًا (بیشک شان یہ ہے کہ فرمایا امیر المومنینؓ نے وہ اللہ بادشاہ ہے اور حق ہے اور ظاہر نہیں پہنچی ہیں عقلیں اس کی تحدید کو کہ ہو وہ مشبّہ اور نہیں واقع ہوتے ہیں اس پر اوہام کہ ہو وہ ممثّل) اور یہ بھی نہج البلاغت میں ہے امیر المومنین علیہ السلام سے اِنَّہٗ قَالَ مَا وَحَّدَہٗ مَنْ کَیَّفَہٗ وَلَا اِیَّاہُ عَنٰی مَنْ شَبَّھَہٗ (بیشک فرمایا انھوں نے توحید حاصل نہ کی خدا کی اس نے جس نے کہ کیفیت بیان کی اس کی اور نہ اس کو مجھے تشبیہ ہے) اور کلینی میں امام موسیٰ رضا سے ہے سُبْحَانَکَ کَیْفَ طَاوَعَتْھُمْ اَنْفُسُھُمْ اَنْ شَبَّھُوْکَ بِخَلْقِکَ (پاک ہے تو کیونکر راضی ہوتے ہیں نفس ان کے اس بات پر کہ مشابہ کرتے ہیں وہ تجھ کو تیری مخلوق سے) اور اسی میں ہے ابی ابراہیم سے اِنَّہٗ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُشْبِھُہٗ شَیْءٌ (بیشک فرمایا انھوں نے تحقیق اللہ نہیں

مشابہ ہو سکتی ہے اس سے کوئی چیز۔

❁ **عقیدہ ہفتدہم** یہ کہ اللہ تعالیٰ کو بدا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ حاصل بدا کا وہ ہے کہ حق تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے مصلحت دوسری چیز میں ظاہر ہو کہ قبل اس سے ظاہر نہ تھی۔ پس ارادہ اول کو فسخ کرے اور دوسرے کا ارادہ کرے، اس بات سے لازم آتا ہے کہ وہ تعالیٰ ناعاقبت اندیش ہے اور انجام کاموں کو نہیں جانتا، تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (برتر ہے اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے بڑی برتری والا)۔ زراریہ، سالمیہ، اور بدائیہ اور دیگر گروہ امامیہ میں سے جیسے مالک جہنی اور دارم بن حکم اور ریان بن صلت وغیرہ بدا تجویز کرتے ہیں اور اس کی حضرات ائمہؓ سے روایت کرتے ہیں:۔

فِی الْکُلَیْنِیْ عَنْ زُرَارَۃَ بْنِ اَعْیَنَ عَنْ اَحَدِھِمَا قَالَ مَا عُبِدَ اللّٰہُ بِمِثْلِ الْبَدَآءِ وَعَنْ ھِشَامِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ مَا عُظِّمَ اللّٰہُ بِمِثْلِ الْبَدَآءِ وَعَنِ الرَّیَّانِ بْنِ الصَّلْتِ قَالَ سَمِعْتُ الرِّضَاءَ یَقُوْلُ مَا بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیًّا قَطُّ اِلَّا بِتَحْرِیْمِ الْخَمْرِ وَاَنْ یُّقِرَّ لَہٗ بِالْبَدَآءِ۔	کلینی میں ہے زرارہ بن اعین سے، کہا نہیں ہے نزدیک اللہ تعالیٰ کے مثل بدا کے، اور ہشام بن سالم سے ابی عبد اللہ سے، نہیں بزرگ جانا ہے اللہ تعالیٰ نے مثل بدا کے، اور ریان بن صلت سے کہا سنا میں نے امام رضاؓ سے فرماتے تھے کہ نہیں پیدا کیا ہے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو ہرگز مگر واسطے حرام ٹھہرانے شراب کے اور اس لئے کہ وہ اقرار کرے اللہ کے لئے بدا کا۔

اور حالت روایت زرارہ اور ہشام بن سالم کی معلوم ہے کہ انھوں نے جسم و صورت خدا کو بھی امام سے روایت کیا ہے جو کہ تحقیق بدا کے وقت اکثر شیعہ اثنا عشریہ اس طور پر تقریر کلام کی کرتے ہیں کہ نسخ کی طرف رجوع ہوتے ہیں یعنی جو احکام کہ منسوخ ہوئے ہیں ان میں ملاتے ہیں کہ جگہ طعن و تشنیع کی نہ رہے۔ ناچار رسالہ "اعلام الہدیٰ فی تحقیق البدا" سے چند روایتیں متعلقات اس مقام سے لائی جاتی ہیں۔ وہ کہتا ہے یُقَالُ لَہٗ بَدَا اِذَا ظَھَرَ لَہٗ رَاْیٌ مُخَالِفٌ لِلرَّاْیِ الْاَوَّلِ (کہا جاتا ہے بدا واسطے اس کے جس وقت کہ ظاہر ہوئی اس کو کوئی رائے مخالف رائے اول کے)۔

وَھُوَ الَّذِیْ حَقَّقَہُ الشَّیْخُ فِی الْعُدَّۃِ وَاَبُو الْفَتْحِ الْکَرَاجِکِیْ فِیْ کَنْزِ الْفَوَائِدِ وَ الَّذِیْ حَقَّقَہُ الْمُرْتَضٰی فِی الذَّرِیْعَۃِ وَیُشْعِرُ بِہٖ کَلَامُ الطَّبَرْسِیِّ اَنَّ مَعْنٰی قَوْلِنَا بَدَا لِلّٰہِ تَعَالٰی اَنَّہٗ ظَھَرَ لَہٗ مِنَ الْاَمْرِ مَا لَمْ یَکُنْ ظَاھِرًا، اِلٰی اٰخِرِ مَا نَقَلَ۔	اور وہ چیز کہ ثابت کیا اس کو شیخ نے عدہ میں، اور ابو الفتح کراجکی نے کنز الفوائد میں، اور وہ چیز کہ ثابت کیا اس کو مرتضیٰ نے کتاب ذریعہ میں اور خبر دیتا ہے اس کے ساتھ کلام طبرسی کا اس بات پر کہ ہم جو کہتے ہیں بَدَا لَہٗ تَعَالٰی اس کے معنے یہ ہیں کہ ظاہر ہوتی ہے اس کو کام سے کوئی چیز کہ ظاہر نہ تھی، آخر اس بات تک جو نقل کی اس نے۔

پھر صاحب رسالہ "اعلام الہدیٰ" کا کہنا ہے :۔

وَالْحَاصِلُ اَنَّ عِلْمَهٗ سُبْحَانَهٗ بِالْحَوَادِثِ عَلٰى مَادَلَّ عَلَيْهِ بَعْضُ الْاَحَادِيْثِ وَالْاٰيَةِ الْمَذْكُوْرَةِ وَنَظَائِرِهَا وَصَرَّحَ بِهِ الْمُرْتَضٰى وَالطَّبْرَسِيُّ وَالْمُفِيْدُ قَدَّسَ اللّٰهُ اَرْوَاحَهُمْ۔

اور حاصل یہ کہ بیشک علم اُس کا کہ پاک ہے وہ ساتھ حوادث کے اُس طور پر ہے کہ دلالت کرتی ہیں اُس پر بعض حدیثیں اور آیتیں مذکورہ اور نظیریں اُن کی، اور تصریح کی جس کے ساتھ مرتضیٰ اور طبرسی اور مفید نے پاک کرے اللہ روحیں اُن کی۔

پھر بعد تفصیل انواع بدا کے کہتا ہے :۔

مِنْهَا تَحْوِيْلُ الْاُنْثٰى ذَكَرًا كَمَا رَوَاهُ فِي الْكَافِيْ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ جَهْمٍ عَنِ الرِّضَاءِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ بَابِ بَدْءِ خَلْقِ الْاِنْسَانِ مِنْ كِتَابِ الْعَقِيْقَةِ۔

منجملہ اُس کے ہو جانا عورت کا مرد ہے جیسے کہ روایت کی اُس کو کافی میں حسن بن جہم سے، اور اُس نے امام رضا علیہ السلام سے مقدمہ بدا میں پیدائش انسان سے کتاب عقیقہ میں۔

پھر کہتا ہے :۔

وَالثَّانِي الْبَدَاءُ فِي الْاَخْبَارِ وَصَرَّحَ الطَّبْرَسِيُّ بِمَنْعِهٖ وَمَارُوِيَ فِي الْكَافِيْ وَاَمَالِي الصَّدُوْقِ عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ قَوْلِهٖ لَوْلَا اٰيَةٌ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَاَخْبَرْنَاكُمْ بِمَا يَكُوْنُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ يُرِيْدُ بِالْاٰيَةِ قَوْلَهٗ تَعَالٰى يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَمَارَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ فِيْ تَفْسِيْرِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ وَمَا رَوَاهُ الصَّدُوْقُ فِيْ عُيُوْنِ اَخْبَارِ الرِّضَاءِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَخْبَرَنِيْ اَبِيْ عَنْ اٰبَائِهٖ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَوْحٰى اِلٰى نَبِيٍّ مِنْ اَنْبِيَائِهٖ الخ مَارَوَاهُ صَاحِبُ الْكَافِيْ فِيْ بَابِ اَنَّ الصَّدَقَةَ تَدْفَعُ الْبَلَاءَ مِنْ كِتَابِ الزَّكٰوةِ فِيْ قِصَّةِ الْيَهُوْدِيِّ وَمَارَوَاهُ فِي الْاَمَالِيْ

دوسرا بدا فی الاخبار ہے اور تصریح کی طبرسی نے اُس کے منع سے اور جو کچھ کہ روایت کی کافی اور امالی میں صدوق نے امیر المومنین ؑ سے اُن کے فرمانے کے موافق کہ اگر نہ ہوتی آیت کتاب اللہ میں ضرور خبر دیتا میں تم کو اُس بات کی جو ہوتی قیامت تک، اور ارادہ اُس آیت سے اس آیت کا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے "مٹا دیتا ہے اللہ جو کچھ چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے" اور جو کچھ روایت کی علی بن ابراہیم نے الٓمّٓ غلبت الروم کی تفسیر میں، اور جو کچھ روایت کی صدوق نے عیون اخبار میں امام رضا ؑ سے کہ فرمایا اُنھوں نے خبر دی مجھ کو میرے باپ نے اپنے باپ دادوں سے علیہ السلام کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ وحی کرتا ہے طرف کسی نبی کے اپنے نبیوں سے الخ جو کچھ روایت کی صاحب کافی نے اس حدیث کے مقدمہ میں کہ بیشک صدقہ دفع کرتا ہے بلا کو کتاب زکوٰۃ سے قصہ یہودی میں اور جو کچھ روایت کی امالی میں

فِي الْمَجْلِسِ الْخَامِسِ وَالسَّبْعِيْنَ مِنْ قِصَّةِ مُرُوْرِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقَوْمٍ مُجْلِبِيْنَ وَمَارَوَاهُ الرَّاوَنْدِيُّ فِيْ قَصَصِ الْاَنْبِيَاءِ فِيْ اَخْبَارِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ وَرَشَانًا كَانَ يُفْرِخُ فِيْ شَجَرَةٍ وَكَانَ رَجُلٌ يَاْتِيْهِ اِذَا اَدْرَكَ الْفَرْخَانِ فَيَاْخُذُ الْفَرْخَيْنِ فَشَكٰى ذٰلِكَ الْوَرَشَانُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَ سَاَكْفِيْكَ قَالَ فَاَفْرَخَ الْوَرَشَانُ وَجَاءَ الرَّجُلُ وَمَعَهٗ رَغِيْفَانِ فَصَعِدَ الشَّجَرَةَ وَعَرَضَ لَهٗ سَائِلٌ فَاَعْطَاهُ اَحَدَ الرَّغِيْفَيْنِ ثُمَّ صَعِدَ فَاَخَذَ الْفَرْخَيْنِ فَسَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَمَّا تَصَدَّقَ تَدُلُّ بِاَجْمَعِهَا عَلٰى وُقُوْعِ الْبَدَاءِ فِي الْاَخْبَارِ۔

مجلس پچھترویں میں قصہ مرور عیسیٰ علیہ السلام سے قوم مجلبین کے ساتھ اور جو کچھ کہ روایت کیا اُس کو راوندی نے قصص الانبیاء میں اخبار بنی اسرائیل میں صادق علیہ السلام سے۔ بیشک ایک مرغ تھا کہ بچے دیتا تھا ایک درخت پر، اور ایک شخص تھا کہ اُس درخت کے پاس آتا تھا جب بچے جوان ہوتے تھے تو اُن کو پکڑ لے جاتا تھا یعنے دونوں بچے، تو شکایت کی اُس مرغ نے خدا تعالیٰ کے حضور میں فرمایا کہ جلدی کفایت کروں گا میں تجھ کو کہا پھر چونے تھے اور مرغ اور وہی شخص پھر آیا اور اُس کے پاس دو روٹیاں تھیں سو چڑھا درخت پر اس میں ایک سائل اُس کے سامنے آگیا اُس میں سے ایک روٹی اُس کو دیدی پھر چڑھا درخت پر اور پکڑ لئے بچے، پس سلامت رکھا اُس کو اللہ تعالیٰ نے اس سبب سے کہ اُس نے صدقہ دیا تھا، پس دلالت کرتی ہیں یہ سب روایتیں بدا در اخبار پر۔

اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ متاخرین امامیہ نے بدا کی بُرائی دیکھ کر قول بدا کو علم مخزون الٰہی سے تخصیص کی ہے اور کہا ہے اَمَّا الْعِلْمُ الَّذِيْ اَلْقَاهُ اللّٰهُ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ثُمَّ اِلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ فَلَا بَدَاءَ فِيْهِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُكَذِّبَ اَوْلِيَائَهٗ (لیکن علم وہ علم کہ ڈالا اُس کو اللہ تعالیٰ نے طرف ملائکہ کے پھر طرف اہل بیت کے، اُس میں کچھ بدا نہیں ہے، اور نہیں ہے اللہ کہ جھوٹا بنائے اپنے دوستوں کو)۔ اور صاحب رسالہ علم الہدیٰ کا کہ ان میں بڑا محقق ہے یعنی نظام الدین جیلانی اس تخصیص میں ان کو جھوٹا بتاتا ہے اور کہتا ہے :۔

لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ اِنَّ مَا نَقَلْنَاهُ عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ قَوْلِهٖ لَوْلَا اٰيَةٌ الخ وَمَا نَقَلْنَاهُ مِنَ الْكَافِيْ فِيْ قِصَّةِ الْيَهُوْدِيِّ وَعَنِ الْاَمَالِيْ فِيْ قِصَّةِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمَارَوَاهُ اَيْضًا صَاحِبُ الْكَافِيْ فِيْ كِتَابِ النِّكَاحِ فِيْ بَابِ اللِّوَاطَةِ فِيْ تَضَاعِيْفِ حَدِيْثٍ رَوَاهُ بِالْاِسْنَادِ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ وَهٰذَا مَوَاضِعُ

نہیں پوشیدہ ہے تجھ پر بیشک جو کچھ نقل کیا اُس کو ہم نے امیر المومنین علیہ السلام سے اُن کے قول لَوْلَا اٰيَةٌ سے آخر تک، اور جو کچھ کہ نقل کیا ہم نے اُس کو کافی سے قصہ یہودی میں اور امالی سے قصہ عیسیٰ علیہ السلام میں، اور وہ چیز کہ روایت کیا اُس کو صاحب کافی نے بھی کتاب نکاح باب لواطت میں درمیان اُس حدیث کے کہ روایت کی اُس نے باسناد ابی جعفر کے کہ ان موقعوں میں

الحَاجَةِ مِنْهُ قَالَ لَهُمْ لُوطٌ يَا رُسُلَ رَبِّيْ فَمَا اَمَرَكُمْ رَبِّيْ فِيْهِمْ قَالُوْا اَمَرَنَا اَنْ نَاْخُذَهُمْ بِالسَّحَرِ قَالَ فَلِيْ اِلَيْكُمْ حَاجَةٌ قَالُوْا وَمَا حَاجَتُكَ قَالَ تَاْخُذُوْهُمُ السَّاعَةَ فَاِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَبْدُوَ فِيْهِمْ لِرَبِّيْ الخ

وَاَيْضًا مَا رَوَاهُ صَاحِبُ الْكَافِيْ فِيْ بَابِ بَدْءِ خَلْقِ الْاِنْسَانِ مِنْ كِتَابِ الْعَقِيْقَةِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لِلْمَلَكَيْنِ الْخَلَّاقَيْنِ اُكْتُبَا عَلَيْهِ قَضَائِيْ وَقَدَرِيْ وَنَافِذَ اَمْرِيْ وَاشْتَرِطَا لِيَ الْبَدَاءَ فِيْمَا تَكْتُبَانِ۔

وَمَا رَوَاهُ الصَّدُوْقُ بِالْاِسْنَادِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ قَالَ قُلْتُ لِلرِّضَاءِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَتَاْتِي الرُّسُلُ عَنِ اللّٰهِ بِشَيْءٍ ثُمَّ تَاْتِيْ بِخِلَافِهٖ قَالَ نَعَمْ اِنْ شِئْتَ حَدَّثْتُكَ وَاِنْ شِئْتَ اَتَيْتُكَ بِهٖ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى اُدْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰيَةَ فَمَا دَخَلُوْهَا وَدَخَلَ اَبْنَاءُ اَبْنَائِهِمْ وَقَالَ عِمْرَانُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَنِيْ اَنْ يَّهَبَ لِيْ غُلَامًا فِيْ سَنَتِيْ هٰذَا وَشَهْرِيْ هٰذَا ثُمَّ غَابَ وَوَلَدَتْ لَهُ امْرَاَتُهُ مَرْيَمَ عَلَيْهَا السَّلَامُ مُنَافٍ لِذٰلِكَ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَكْذَبَ فِيْهَا النَّبِيَّ وَعِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَشَرَطَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْبَدَاءَ۔

ضرورت اُس کے بیان کی ہے' اور وہ یہ کہ کہا فرشتوں سے حضرت لوط نے اے رسولو میرے پروردگار کے! کیا حکم دیا ہے تم کو میرے پروردگار نے ان لوگوں کے معاملے میں' کہا فرشتوں نے حکم دیا ہے ہم کو اس بات کا کہ پکڑیں ہم اُن کو صبح کے وقت' کہا لوط نے میری تم سے ایک حاجت ہے' فرشتوں نے پوچھا کیا حاجت ہے؛ لوط نے کہا ان کو اسی وقت پکڑو' میں ڈرتا ہوں ایسا نہ ہو اللہ تعالیٰ کو ان کے حق میں بدا ہو۔

اور بھی وہ امر کہ روایت کیا اُس کو صاحب کافی نے مقدمہ بدا پیدائش انسان میں کتاب عقیقہ سے بیشک اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اُن دونوں فرشتوں سے جو بناتے ہیں انسان کو' لکھو تم اس پر میرا حکم اور میری تقدیر اور حکم جاری میرا' اور شرط اُس میں میرے واسطے بدا کی جو کچھ تم لکھتے ہو۔

اور وہ چیز کہ روایت کیا اُس کو صدوق نے حسن بن محمد بن ابی طلحہ کے اسناد سے' کہا اُس نے کہا میں نے امام رضا علیہ السلام سے کہ آتے ہیں میرے پاس رسول اللہ کا ایک چیز کے ساتھ پھر آتے ہیں برخلاف اُس کے' فرمایا ایسا ہی ہے اگر تو چاہے تو اس معاملے میں کوئی حدیث تجھ کو سناؤں' اور اگر چاہے تو کوئی آیت تیرے سامنے لاؤں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے' اور وہ یہ کہ فرمایا خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے داخل ہو ارض مقدسہ میں کہ وہ خدا تعالیٰ نے تمہارے نام پر لکھی ہے سو داخل نہ ہوئے وہ وہاں اور داخل ہوئے ان کے بیٹوں کے بیٹے' اور کہا عمران نے بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے بیٹا عطا فرمانے کا اسی سال اور اسی مہینے میں پھر غائب ہو گیا اور جنی اُن کی عورت نے مریم علیہا السلام کو' یہ سب خلاف اس کے ہیں اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹا بنایا اس قصے میں نبیؑ اور عیسیٰ علیہ السلام کو' اور شرط کیا فرشتوں پر بدا۔

حاصل کلام تمام روایتوں شیعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدا کے تین معنے ہیں۔ بدا در علم وَهُوَ اَنْ يَظْهَرَ لَهٗ خِلَافُ مَا عَلِمَ (اور وہ یہ ہے کہ ظاہر ہو خلاف اُس چیز کے جو جانی اُس نے)۔ اور بدا در ارادہ وَهُوَ اَنْ يَظْهَرَ لَهٗ

صَوَابٌ عَلٰى خِلَافِ مَا اَرَادَ (اور وہ یہ ہے کہ ظاہر ہو اُس کو صواب برخلاف اُس چیز کے کہ ارادہ کیا اُس نے) اور بدا در امر وَهُوَ اَنْ يَّاْمُرَ بِشَيْءٍ ثُمَّ يَاْمُرَ بِشَيْءٍ بَعْدَهٗ بِخِلَافِ ذٰلِكَ (اور وہ یہ ہے کہ حکم کرے کسی چیز کا پھر حکم کرے کسی چیز کا بعد اُس کے بخلاف اس چیز کے)۔

اور ان تینوں معنے پر یہ فرقہ خدا پر بدا جائز کہتے ہیں۔ اور پچھلے معنے جو مشتبہ بہ نسخ ہیں ان کی نسبت اہل سنت سے کرکے کہتے ہیں کہ انھوں نے بدا جائز رکھا ہے۔ پہلے معنی کو شیعہ اپنے عرف میں بدا در اخبار کہتے ہیں۔ دوسرے کو بدا در تکوین' تیسرے کو بدا در تکلیف۔

یہاں ایک دقیقہ ہے نہایت باریک۔ اور وہ یہ ہے کہ بدا در تکلیف کو اکثر اہل سنت جائز نہیں رکھتے کہ وہ معنے مغایر نسخ کے ہیں۔

اب تحقیق اس مقالہ کی یہ ہے کہ جب ایسی شرطیں جمع ہوں کہ جن سے نسخ ممتنع ہو تو بالاتفاق شیعہ اور سنی کے نسخ جائز نہیں ہوتا۔ اور وہ شرطیں اہل سنت کے نزدیک چار ہیں۔ اتحاد الفعل اور اتحاد الوجہ اور اتحاد الوقت اور اتحاد المکلف۔ اور جو کچھ کہ مجوزین اس نسخ نے قصہ ذبح اسماعیل علیہ السلام کو دستاویز ٹھہرایا ہے تبدیل سے مینڈھے کی مردود ہے۔ اس لئے کہ یہاں نسخ نہ تھا بلکہ اِقَامَةُ الْبَدَلِ عِنْدَ الْعَجْزِ عَنِ الْاَصْلِ واقع ہوا۔ (یعنے قائم کرنا بدل کا وقت عجز کے اصل سے)۔ اس واسطے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ ان کا مقدور تھا چھری چلانے اور ہاتھ پاؤں باندھنے سے سب کچھ عمل میں لاتے لیکن چونکہ بطور خرق عادت صلابت جلد اسمٰعیل علیہ السلام میں پیدا ہوئی تھی کاٹنے حلقوم اور رگوں گردن سے عاجز ہوتے۔ حق تعالیٰ نے عجز اُن کا دیکھ کر بدل اسمٰعیل علیہ السلام کے مینڈھا بھیجا اور اس اقامۃ البدل مقام اصل کو نسخ نہیں کہہ سکتے ہیں جیسے تیمم وضو کے بدل میں نسخ وضو کا نہیں ہے۔ اسی طرح نسخ پچاس وقت نماز کا شب معراج میں کہ اُن کا خطاب محض پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تھا اور امت کو ابتک خبر نہیں پھر تکلیف ان کے حق میں اُن کی بیشک ثابت نہ تھی۔ لیکن شیعوں کے محققوں نے ایک شرط اور بڑھائی ہے۔ اور باوجود جمع ہونے چاروں شرطوں کے نسخ کو جائز گنتے ہیں۔ اور یہی ہیں معنے بدا در تکلیف کے۔

كَمَا قَالَ صَاحِبُ عَلَمِ الْهُدٰى وَنَحْنُ نَقُوْلُ الْبَدَاءُ فِي التَّكْلِيْفِ اِنَّمَا يَمْتَنِعُ اِذَا اجْتَمَعَ مَعَ الشُّرُوْطِ الْاَرْبَعَةِ الْمَذْكُوْرَةِ شَرْطٌ خَامِسٌ وَهُوَ اَنْ يَّكُوْنَ حُسْنُ التَّكْلِيْفِ وَالْاَمْرُ مُسَبَّبًا عَنْ مَصْلَحَةٍ عَائِدَةٍ اِلَى الْمَاْمُوْرِ

کہا علم الہدیٰ والے نے ہم کہتے ہیں بدا تکلیف میں ممتنع ہے جب کہ جمع ہو چار شرطوں مذکور کے ساتھ پانچویں شرط جو مذکور ہوئی اور وہ یہ ہے کہ خوبی ہو تکلیف میں اور حکم پیدا کرنے والا اُس مصلحت سے کہ راجع ہے طرف اس شخص محکوم بہ کے

بِهٖ وَاَمَّا اِذَا كَانَ حُسْنُ الْاَمْرِ لِمَصْلَحَةٍ عَائِدَةٍ اِلَى الْاَمْرِ نَفْسِهٖ فَلَا يَمْتَنِعُ الْبَدَاءُ فَالْمُرَادُ بِالْبَدَاءِ الْمُجَوَّزِ عِنْدَنَا مَا اجْتَمَعَ فِيْهِ الْاَرْبَعَةُ دُوْنَ الْخَامِسِ وَكَوْنُ اِطْلَاقِ الْبَدَاءِ عَلَيْهِ مَجَازًا لَا وَقْعَ لَهٗ بَعْدَ النُّصُوْصِ الْمُتَوَاتِرَةِ عَنِ الْعِتْرَةِ الطَّاهِرَةِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَاِذَا اجْتَمَعَتِ الشَّرَائِطُ الْخَمْسَةُ فَلَا رَيْبَ فِيْ اِمْتِنَاعِ الْبَدَاءِ اِلَى مَا نَقَلْنَاهُ عَنِ الشَّهِيْدِ انْتَهٰى۔

لیکن جب خوبی ہو حکم کی اُس مصلحت کے واسطے کہ رجوع ہے ہر طرف خود حکم کنندہ کی پس ممتنع نہیں ہے بدا۔ پس مراد اُس بدا سے کہ جائز ہے ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جمع ہوں اُس میں چار شرطیں سوائے شرط پنجم کے اور ہو اطلاق بدا کا اُس پر مجازاً۔ اور کچھ قدر نہیں ہے اس بات کی بعد نصوص متواترہ عترتِ طاہرہ علیہم السّلام کے اور جبکہ جمع ہوں پانچوں شرطیں تو کچھ شبہ نہیں ہے امتناع بدا میں جیسا کہ نقل کیا ہم نے اُس کو شہید سے، انتہیٰ۔

اَب یہاں سے معلوم ہوا کہ بدا درتکلیف کو بدا درارادت لازم ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی مصلحت ہے تازہ کہ ارادہ نہ کی گئی ہو کسی امر کو پھر بدا درتکلیف کیسے ہوگا۔ اور بدا درارادہ کو بدا درعلم لازم ہے اس لئے کہ ارادہ خلاف معلوم کے محال ہے۔ پس جب تک کہ علم میں تغیر نہ ہوگا ارادے میں کس طرح ہوگا۔ پس امامیہ دو معنے کو کہ بدا درتکلیف وبدا درارادہ ہے مسلم رکھتے ہیں۔ اور معنے اوّل سے کہ بدا درعلم ہے انکار کرتے ہیں کہ ٹھیک نہیں ہوتا اور آگے کو نہیں چلتا۔ اور بھی معلوم ہوا کہ تمسک ان کا اثباتِ بدا میں مع نسخ حکم کے اس طور پر کہ تبدیل حکم اول کا ساتھ حکم ثانی کے یا بسبب کسی مصلحت کے ہے کہ ظاہر ہوئی اور پہلے ظاہر نہ تھی یا تھی۔ اوّل صورت میں مدعا حاصل ہے، دوسری صورت میں لزوم عبث پر پوچ۔ اس لئے کہ نسخ میں تبدیل مصالح مکلفین کی ہے موافق اوقات کے نہ ظہور مصلحت غیر ظاہرہ کا حضرت حق سبحانہٗ پر۔ اور تغیر اور تبدیل حکم کا محض نسبت ہمارے ہے جو مقید نہاں خانہ نادانی کے ہیں۔ اور نہیں تو خدا تعالیٰ کے نزدیک ہر حکم کی ایک میعاد اور ایک وقت ہے کہ وہ اُس میعاد اور وقت تک باقی ہے وَيَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ اس آیت کے محو واثبات سے مراد محو گناہ اور اثباتِ توبہ ہے اعمال کی کتابوں میں یا مُراد محو فاسد ہے اور اثبات ہونے والی چیزوں کا صحف ملائکہ میں نہ محو واثبات اپنے علم میں بدیں دلیل کہ آخر آیت میں فرمایا ہے وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ (یعنی اُس کے پاس ہے جڑ کتاب کی) اور جو حدیثیں کہ اس مقدمہ میں اماموں سے روایت کرتے ہیں سب بنائی ہوئی اور دل کی جوڑی ہوئی ہیں۔ راوی اُن کے سخت جھوٹی بات بنانے والے ہیں۔ ایسوں کی باتیں مقابل دلائل قطعی عقلی کے کیونکر سننا چاہئیں۔ علی الخصوص کہ نصوص صریح متواتر اماموں سے بھی ثبوت اس بات کا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور کوئی چیز جملہ چیزوں سے ایسی نہیں جس کو قبل ہونے سے اور بعد ہونے کے برابر نہ جانتا ہو۔ چنانچہ سابق بھی ذکر اس کا گزرا۔ اور طرفہ یہ کہ شیخ صدوق ان کا اپنی کتاب التوحید میں اس آیت کو وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ۔ اس مطلب پر استدلال کرتا ہے (یعنی ظاہر ہوئی واسطے اُن کے وہ چیز کہ نہیں جانتے تھے وہ) ایسے موقعوں سے خوش فہمی ان کے بڑے بڑے علماء کی ظاہر ہوتی ہے کہ ہرگاہ کتاب اللہ میں کہ تن تنہا مخدوم سارے مخلوق کی ہے اس قسم کی غلط فہمیاں ان کی ہیں۔ اماموں کے کلام میں کہ متعدد ہیں، اور خاص کر کیسوں اور صندوق میں ان کے بند کہ کسی کو نہیں دکھاتے، کیا کریں گے۔

اگر اس مقام پر کسی کے دل میں گزرے کہ یہ سب روایتیں شیعہ کے اماموں سے نقل کی ہیں موافق اُس کے صحیح بخاری میں بھی حدیث اقرع اور ابرص اور اعمیٰ میں لاتے ہیں کہ بَدَا لِلّٰهِ اَنْ يَّبْتَلِيَهُمْ اس کو اہلِ سُنت کس چیز پر قیاس کرتے ہیں؟۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ اگر یہ لفظ محفوظ ہیں صحیح بخاری میں اور اہلِ سنت کے نزدیک بھی یہ روایتیں صحیح ہیں تو محمول ہیں معنے مجاز پر۔ اس لئے کہ افعال خدا تعالیٰ کے عالم میں دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ سبب دنیا کے ہر طرف سے اُن کے ہونے کا اقتضا کرتے ہیں۔ دوسری قسم وہ سبب اُس کے ہونے کے ثابت نہیں ہوتے بلکہ مواقع موجود ہیں۔ پس قسم ثانی میں لفظ بدا استعمال فرمایا ہے بنا بر استعارہ اور تشبیہ کے گویا یہ حالت شبیہ بحالت بدا ہے۔ اور اسی ایک لفظ میں یہ مجاز وارد نہیں ہوا صدہا لفظ احادیث وآثار میں موجود ہیں کہ محمول اس قسم مجازات پر ہے۔ مثلاً امتحان اور ابتلا۔ اور ضحک اور تردد کہ معنے حقیقی ان کے قطعاً مراد نہیں ہیں۔ اور تمام آیتیں صفاتی مثل وجہ اور یدین اور اصابع اور یمین اور علاوہ اس کے انہی معانی مجازیہ پر محمول ہیں۔ اور بعض آثار میں اماموں نے بدا استعمال کیا ہے نسبت بفہم بندگان۔ حالانکہ فی الحقیقۃ بدا نہیں ہے۔ جیسے قصہ عمران کا کہ واسطے نذر اپنی زوجہ کے کہ جو کچھ اپنے پیٹ میں تھا اُس کو اُنھوں نے محرر کیا تھا لفظ وَعَدَنِيْ رَبِّيْ غُلَامًا کہا۔ اور ایسی ہی آیت بِمَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ میں مراد خلافت بنی اسرائیل سے ہے نہ کہ حاضران سے فقط اور خطاب ملکین میں وَاشْتَرَطَا الْبَدَاءَ اَبِيْهِ نسبت علم ملکین کے۔ اور ایسا ہی لفظ سَيَكْفِيْكَهُمُ میں کوئی وقت معین نہیں فرمایا ہے بلکہ وعدہ کفایت کا تھا کہ اس میں ایک دفعہ اور بھی اُس کو دستیاب ہوا۔ جیسے پیغمبرؐ کو خواب میں دکھلایا کہ مسجد حرام میں داخل ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے فرمایا کہ امسال داخل ہوں گے حالانکہ یہ ارادہ کیا ہوا نہ تھا۔ اسی طرح شان میں پرندوں کے لفظ سَيَكْفِيْكَ سے عجلت سمجھی ہو تو کیا عجب۔ پس اُس کے علم میں بدا ہوا نہ کہ واقع اور نفس الامر میں اور علیٰ ہٰذا القیاس اور روایتوں میں بھی تأمل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مراد کیا ہے۔

❋ عقیدہ ہیزدہم۔ یہ کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کے کفر اور ضلالت پر خوش نہیں ہوتا ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (نہیں راضی ہوتا ہے بندوں سے کفر میں) اثنا عشریہ کہتے

ہیں کہ سوائے شیعہ کے اوروں کی ضلالت وگمراہی پر حق تعالیٰ راضی ہے اور حضرات ائمہؓ بھی ان کی گمراہی پر خوش ہیں۔

رَوٰی صَاحِبُ الْمَحَاسِنِ عَنِ الْاِمَامِ مُوْسَی الْکَاظِمِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِنَّهٗ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ لَا تُعَلِّمُوْا هٰذَا الْخَلْقَ اُصُوْلَ دِیْنِهِمْ وَارْضَوْا لَهُمْ مَا رَضِیَ اللّٰهُ لَهُمْ مِنَ الضَّلَالِ۔

روایت کی محاسن والے نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے بیشک حال یہ ہے کہ فرمایا انھوں نے اپنے ساتھیوں سے مت سکھاؤ تم اس مخلوق کو اصول اپنے دین کے اور پسند کرو واسطے اُن کے اُس چیز سے کہ پسند کی ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کے واسطے یعنی گمراہی۔

اگر یہ روایت صحیح ہے تو اہلِ سنت کے ایک بڑی بشارت ہاتھ آتی ہے کہ موافق مرضی خدا تعالیٰ کے زندگی بسر کرتے ہیں، الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ رضامندی خدا تعالیٰ کی کہ نہایت متمنّیٰ اہلِ دین کے ہے بگواہی حضرات ائمہؓ کے ان کو حاصل ہے۔ لیکن علمائے شیعہ کو چاہیئے کہ اس روایت کو جھوٹا ٹھہرائیں جیسے کہ روایتِ تجسیم اور صورت کو جھوٹا ٹھہرایا ہے۔ اس واسطے کہ مخالف ان کے دلائل قطعی اور اصول شرعی کے ہے اور غرضِ امامت کی خلاف اور وجوبِ اصلح اور لطف کے منافی اور کھودنے والے بنیاد ان کے قاعدہ مقررہ کے کہ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَا یُرِیْدُ الشُّرُوْرَ وَالْقَبَائِحَ وَالْکُفْرَ وَالْمَعَاصِیَ (بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ارادہ کرتا ہے بدیوں اور بُرائیوں اور کفر اور گناہوں کا)۔

عقیدۂ نوزدہم[۱۹]۔ یہ کہ حق تعالیٰ کے ذمّے کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ چنانچہ یہی مذہب اہلِ سنت کا ہے۔ اور تمام شیعہ متفق اللفظ ہیں کہ بہت چیزیں موافق حکم عقل کے ذمّے خدا تعالیٰ کے واجب ہیں۔ پس عقل شریک غالب کارخانۂ خدائی کے ہے اور خدا تعالیٰ حکم عقل کا محکوم ہے تَعَالَی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (برتر ہے اللہ اس سے بڑی برتری والا)۔ اور یہ نہیں سمجھتے کہ بادشاہ کا اپنی رعیّت کے حکم میں محکوم ہونے میں بڑا نقصان ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کو اپنے مخلوقات کے حکم میں محکوم ہونے سے نقصان مرتبۂ خدائی کا ہے، ہرگز یہ امر لائق مرتبۂ ربوبیت اور الوہیت کے نہیں ہے۔ بندے کی کیا حقیقت ہے کہ وہ اپنے مالک پر کوئی چیز واجب رکھتا ہو، جو کچھ مالک اُس کا اُس کو دے اُس کا فضل ہے اور کچھ نہ دے تو یہ بھی اُس کا عدل ہے، وَهُوَ الْمَحْمُوْدُ فِیْ کُلِّ حَالِهٖ (اور وہ تعریف کیا گیا ہے اپنے سب فعلوں میں)۔

قَالَ فِیْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ وَمِنْ خُطْبَةٍ لَهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ خَطَبَهَا بِصِفِّیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِیْ عَلَیْکُمْ حَقًّا بِوِلَایَةِ اَمْرِکُمْ وَجَعَلَ لَکُمْ عَلَیَّ مِنَ الْحَقِّ مِثْلَ الَّذِیْ عَلَیْکُمْ

کہا نہج البلاغت میں ایک خطبہ خطبوں اُن کے سے علیہ السلام کہ پڑھا ہے صفین میں لیکن بعد اس کے پس تحقیق ٹھہرایا اللہ نے میرے لئے تمہارے اوپر ایک حق اس سبب سے کہ میں اولوالامر ہوں تم سب میں اور ٹھہرایا تمہارے واسطے میرے اوپر حق ایسا کہ جیسا میرا حق تم پر ہے،

وَالْحَقُّ اَوْسَعُ الْاَشْیَاءِ فِی التَّوَاصُفِ وَاَضْیَقُهَا فِی التَّنَاصُفِ لَا یَجْرِیْ لِاَحَدٍ اِلَّا جَرٰی عَلَیْهِ وَلَا یَجْرِیْ عَلٰی اَحَدٍ اِلَّا جَرٰی لَهٗ وَلَوْ کَانَ لِاَحَدٍ اَنْ یَّجْرِیَ لَهٗ وَلَا یَجْرِیْ عَلَیْهِ لَکَانَ ذٰلِكَ خَالِصًا لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ دُوْنَ خَلْقِهٖ لِقُدْرَتِهٖ عَلٰی عِبَادِهٖ وَلِعَدْلِهٖ فِیْ کُلِّ مَا جَرَتْ عَلَیْهِ صُرُوْفُ قَضَائِهٖ وَلٰکِنَّهٗ سُبْحَانَهٗ جَعَلَ حَقَّهٗ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یُّطِیْعُوْهُ وَجَعَلَ جَزَاءَهُمْ عَلَیْهِ مُضَاعَفَةَ الثَّوَابِ تَفَضُّلًا مِنْهُ وَتَوَسُّعًا بِمَا هُوَ عَلَی الْمَزِیْدِ اَهْلُهٗ، انتھٰی بِلَفْظِهِ الْمُقَدَّسِ۔

اور حق نہایت وسیع چیز ہے اپنے بیان میں۔ اور نہایت تنگ چیز ہے اپنے اقتضا میں اور حق کسی کا کسی پر جاری نہیں ہوسکتا ہو کہ اس کا حق اُس پر نہ جاری ہوا اور نہیں جاری ہوتا ہے کسی کے واسطے کہ اس کے واسطے اُس پر نہ جاری ہو اور اگر کوئی ایسا ہوتا کہ اُس کا حق اُس پر جاری ہو اور اس کا حق اُس پر نہ ہو تو البتہ یہ بات ہوتی خاص واسطے اللہ تعالیٰ کے کہ پاک ہے ذات اُس کی نہ واسطے مخلوق کے اس لئے کہ وہ قادر ہے اپنے بندوں پر اور عادل ہے ہر بات میں کہ جاری کئے اُس نے اُن پر حروف اپنے حکم کے لیکن اللہ پاک نے ٹھہرایا ہے حق اپنا بندوں پر اس بات کا کہ اطاعت کریں وہ اُس کی اور ٹھہرایا بدلا اُن کا اپنے اُوپر اور دونا بدلا اپنے فضل سے اور کشائش سے کہ وہ لائق زیادتی کے ہے، تمام ہوا بلفظ مقدس۔

اب تفصیل اُن واجبات کی جو ذمّے پروردگار کے ثابت کرتے ہیں سُننا چاہیئے۔ کیسانیہ اور آٹھوں فرقے زیدیہ اور تمام امامیہ اس بات کے قائل ہیں کہ تکلیف خدا تعالیٰ پر واجب ہے کہ مکلّفین کو امر و نہی فرمائے، اور واجب اور حرام چیزیں مقرر کرے، اور پیغمبروں کے ذریعے سے اُن کی خبر دے۔ حالانکہ عقل ہرگز اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ کافر کو ایمان اور فاجر کو طاعت کی تکلیف دی جائے۔ اس واسطے کہ اس تکلیف میں خدا تعالیٰ کو کچھ فائدہ نہیں ہے اور بندے کے حق میں سراسر زیاں کاری اور ہلاکِ ابدی اور محض ضرر اور زیان۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ انجام کار ہر کسی کا جانتا ہے کہ یہ مانے گا یا نہیں اور تابعداری کرے گا یا نہیں، پس دیدہ و دانستہ بندے کو معرضِ تلف میں ڈالنا بغیر اس کے کہ کچھ نفع اپنی طرف عائد ہو کب مقتضائے عقل ہے۔ عاقل ہرگز ایسے کام نہیں کرتے کہ اپنے کو نفع نہ ہو اور دوسرے کو زیان پہنچے۔ خصوصاً ایسے لوگ کہ عمر بھر ایمان و طاعت میں رہے اور کافر مرے جیسے بلعم باعورا، اور برصیصا زاہد اور امیہ بن ابی الصلت کہ دنیا میں بھی سخت محنتیں اُٹھائیں اور آخرت میں دوزخ کا کندہ ہوئے اور حق تعالیٰ کو ان کے اضرار میں کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اور یہ بھی ہے کہ اگر تکلیف واجب ہوتی تو ضروری تھا کہ ہر شہر اور ہر گاؤں میں رسول پے در پے بھیجتا اور زمانہ فترت واقع نہ ہوتا اور کوئی جانب و طرف رسول سے خالی نہ رہتی۔ اس لئے کہ تکالیف کے پہچاننے کو بالاجماع عقل کافی نہیں ہے اور ضرورت رسول کی ضرور۔ حالانکہ بہت سے شہروں میں ہند اور سندھ اور خراسان اور ماوراء النہر اور ترکستان اور خطا اور ختن اور چین اور حبش اور بہت سے گاؤں میں کوئی معنی بھی رسول کے نہیں جانتے تھے۔ اور نہ ان لوگوں کی کسی تواریخ میں لکھا ہے کہ کوئی برسم رسالت ان کے پاس گیا ہو اور اظہار معجزے کا کرکے پیغام الٰہی

پہنچایا ہو۔ آور یہ بھی نہیں کہ بعد موت کے نبی نے کوئی امام غالب جو کسی سے نہ ڈرے مقرر کیا ہو اور آیات ظاہرہ اور معجزاتِ قاہرہ سے مدد اس امام کی کی ہو تو بے دغدغہ احکام الٰہی پہنچاتے اور مکلفین کو احکام شرع سے غافل نہ ہونے دے۔ آور جو اونچے اونچے پہاڑوں کے رہنے والے ہیں اُن کو دعوت کرے اور امامت کو ایسی جماعت کے حوالے نہ کرے جو اظہار احکام واقعی شرعیہ کا نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ اُن کے قول سے خود ہی مثل اور ظالموں کے اپنی عمر تقیے میں گزاری۔ آور بھی کیسانیہ اور آٹھوں فرقے زیدیہ کے اور امامیہ کے لوگ لطف کو خدا تعالیٰ پر واجب جانتے ہیں اور معنی لطف کے یہ بیان کرتے ہیں ھُوَ مَا یُقَرِّبُ الْعَبْدَ اِلَی الطَّاعَۃِ وَیُبْعِدُہٗ عَنِ الْمَعْصِیَۃِ بِحَیْثُ لَا یُؤَدِّیْ اِلَی الْاِلْجَاءِ (یعنی لطف وہ چیز ہے کہ نزدیک کرے بندے کو طرف طاعت کے اور دُور رکھے اُس کو معصیت سے) آور یہ بھی باطل ہے اس لئے کہ اگر لطف خدا تعالیٰ پر واجب ہوتا کسی گنہگار کو سبب اُس کے گناہ کے میسر نہ ہوتے۔ آور جو قصد طاعت کا کرتا اُس کو موجبات طاعت کے جمع ہوتے۔ دیکھو اسی عالم میں ظاہر اور محسوس ہے کہ اکثر مالدار بسبب کثرت مال اور قوت لشکر اور زور بازو کے بڑے بڑے ظلم کرتے ہیں اور اکثر فقیر بسبب محتاجی اور مفلسی کے عبادتوں سے محروم رہتے ہیں بہت سے طالب علم کہ اُن کو معلم میسر نہیں اور نہ فراغت حاصل نہ قوتِ روزی۔ اور بہت سے شہوت پرست مُفسد مُنش ایسے ہیں کہ اُن کے لئے سامان فسق و فجور کے ہر طرف سے درست ہو جاتے ہیں اور چلے آتے ہیں۔ اور یہ بات مخالف کتاب اور عترت کے بھی ہے۔

کقولہ تعالیٰ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰىھَا وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

اگر چاہتے ہم ضرور لاتے واسطے ہر نفس کے ہدایت اُس کی، لیکن حق بات ہم سے یہ ہے کہ بھریں گے ہم جہنم کو تمام جنّ اور آدمیوں سے۔

پھر فرمایا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔

اگر چاہتا اللہ ضرور کر دیتا تم کو ایک گروہ، لیکن جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

اور فرمایا۔

خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ۔

مُہر کی اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں اور کانوں اور آنکھوں پر پردہ۔

آن کے علاوہ اور آیتیں بہت ہیں جو استدراج اور گمراہی اور دور پھینکنے ایمان و اطاعت پر دلالت کرتی ہیں جیسے کَرِہَ اللّٰہُ انْبِعَاثَھُمْ فَثَبَّطَھُمْ وَقِیْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِیْنَ (خوش نہ آیا اللہ کو اُن کا اُٹھنا سو بوجھل کر دیا اُن کو اور کہا گیا کہ بیٹھے رہو ساتھ بیٹھنے والوں کے) آور مثل ان کے شمار سے زیادہ۔

رہی مخالفتِ عترت :-

فَقَدْ سَبَقَ مَا فِی الْکُلَیْنِیْ عَنِ الصَّادِقِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدٍ سُوْٓءًا نَکَتَ فِیْ قَلْبِہٖ نُکْتَۃً سَوْدَآءَ وَسَدَّ مَسَامِعَ قَلْبِہٖ وَوَکَّلَ بِہٖ شَیْطَانًا یُضِلُّہٗ وَیُغْوِیْہِ۔

تحقیق اوپر گزری وہ چیز کہ کلینی میں ہے صادق نے فرمایا جب ارادہ کرتا ہے اللہ بندے سے بُرائی کا لکھتا ہے ایک نکتہ اُس کے قلب میں سیاہ اور بند کر دیتا ہے اُس کے دل کے کان اور مقرر کرتا ہے اُس پر شیطان کہ گمراہ کئے جائے اور بہکائے جائے اُس کو۔

آور بھی کیسانیہ اور آمیہ اور آٹھوں فرقے زیدیہ اصلح کو خدا تعالیٰ پر واجب جانتے ہیں اور یہ بھی باطل ہے مثل اگلی باتوں کے جو گزریں۔ اگر اصلح خدا تعالیٰ پر واجب ہوتا تو شیطان کو بنی آدم پر مسلط نہ کرتا کہ دشمن قوی ہے اور غیر جنس انسان، کہ انسان اُس کو نہ دیکھتا ہے کہ اُس سے بچ سکے تاکہ دفع کرے اور وہ انسان کو دیکھتا ہے اور اپنے وسوسوں پر قائم اور گمراہ کرنے پر قادر ہے۔ آور تصرف اُس کا خاص دلِ انسان میں جاری، پھر اور اعضا کی کیا حقیقت۔ پیدا کرنا شیطان کا اور پھر عداوت اُس کے اور انسان کے بیچ میں ڈالنا، اور مہلت دینا اور باقی رکھنا اُس کا، اور قوت بخشنا اغوائے بنی آدم پر، اور تصرف دینا اُس کو انسان کے دل میں، یہ کیا ہے جو مادۂ اصلح کو قلع کرتا ہے اور بھی اصلح بنی اسرائیل کے حق میں یہ تھا کہ سامری جبرئیلؑ کو نہ دیکھتا اور اُن کے گھوڑے کی ٹاپ کی خاصیت اور اثر اُس کا معلوم نہ ہوتا اور اگر معلوم ہوتا تو قادر اس بات پر نہ ہوتا کہ اُس کے قدم کے نیچے کی خاک اُٹھاتا اور اگر اُٹھا بھی لی تھی تو وہ خاک ویسی ہی ضائع ہو جاتی۔

آور ہرگاہ جب یہ سب باتیں خلاف واقع ہوئیں پھر اصلح کہاں رہا۔ اور نیز اصلح کافر مسکین کے حق میں کہ فقر اور دُکھ درد اور رنج اور آلام اور احزان میں ہے، یہ ہے ہرگز وہ پیدا نہ ہوا گر پیدا بھی ہو تو چھوٹے پن میں مر جائے تاکہ عذاب ابدی آخرت سے نجات پاتے۔ اور اصلح اصحاب رسولؐ اور اُمّت کے حق میں یہ تھا کہ برخلاف حضرت صدیقؓ کے نہ کہ برخلاف حضرت امیرؓ کے حکم صریح فرماتا تاکہ یہ لوگ برخلاف اُس کے نہ چلتے۔

اس کے علاوہ کتاب مجید میں فرمایا ہے بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰىکُمْ لِلْاِیْمَانِ (بلکہ اللہ احسان جتاتا ہے تم پر کہ اس نے ہدایت دی ہے تم کو ایمان کی) پس اگر ہدایت ایمان کی اُس کے ذمے واجب ہوتی تو احسان کیوں جتاتا اس واسطے کہ ادائے واجب میں احسان نہیں ہوتا اگر کوئی شخص قرض کسی کا ادا کرے اور قرض خواہ پر ادائے قرض میں احسان رکھے بیشک یہ شخص مطعون خلائق ہوگا۔ اور امامیہ اور کیسانیہ اور آٹھوں فرقے زیدیہ کے کہتے ہیں کہ اعواض یعنی بدلے خدا تعالیٰ کے ذمے واجب ہیں یعنی جب خدا تعالیٰ کسی بندے پر اپنے بندوں سے کچھ دُکھ بھیجتا ہے یا نقصان مالی یا بدنی تو اُس کی کسی منفعت کے ساتھ منافع سے تقویت

کرتا ہے اُس کی مصلحت کے واسطے مثلاً زکوٰۃ اور صدقہ فطر کا، یا ایسی چیز بھیجنا عام جو کسب بندے سے لگا ؤ نہ رکھتی ہو یا بسبب جگہ دینے حیوان غیر عاقل کے مثلاً درندے اور سانپ بچھو۔ پس ذمّے خدا تعالیٰ کے واجب ہے کہ کوئی نفع مستحق خالی تعظیم سے اُس کو دے۔ اور یہ عقیدہ بعد دریافت علاقہ مالکیت اور مملوکیت کے باطل محض ہو جاتا ہے۔ چنانچہ عوض کو اُس وقت واجب جاننا چاہیئے کہ جب بندہ ملک غیر کی ہو اُس میں خدا تعالیٰ تصرّف کرے اور ہرگز کہ اُس کے غیر کو کوئی ملکیت حاصل نہیں ہے تو پھر کیا۔ اور درحقیقت نعیم بہشت اور رنگا رنگ کی لذتیں اُس کی یہ محض فضل اُس کا ہے اس لئے کہ اگر کوئی ساری عمر طاعت اور عبادت میں صرف کرے ایک نعمت کا شکر اُس کی نعمتوں خفیہ سے ہرگز نہ بجا لا سکے نہ کہ عوض کہ اُس سے کوئی مستحق ہو اور اس بات کو مکتب کے وہ لڑکے بھی جنھوں نے ابھی دیباچہ گلستان کا ہی پڑھا ہے وہ بھی خوب سمجھتے ہیں نہ کہ علماء اور فضلاء۔ اور احادیث ائمہ رحم سے بھی یہ بات بتواتر شیعہ کو پہنچی ہے اور ثابت ہوتی:-

رَوَی الشَّیْخُ اِبْنُ بَابَوَیْهِ الْقُمِّیُّ فِی الْاَمَالِیْ مِنْ طَرِیْقٍ صَحِیْحٍ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ کَانَ یَدْعُوْ بِهٰذَا الدُّعَاءِ اِلٰهِیْ بِعِزَّتِكَ وَعَظَمَتِكَ وَجَلَالِكَ لَوْ اَنِّیْ مُنْذُ اَبْدَعْتَ فِطْرَتِیْ مِنْ اَوَّلِ الدَّهْرِ عَبَدْتُكَ دَوَامَ خُلُوْدِ رُبُوْبِیَّتِكَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ فِیْ طَرْفَةِ عَیْنٍ سَرْمَدَ الْاَبَدِ بِحَمْدِ الْخَلَائِقِ وَشُكْرِهِمْ اَجْمَعِیْنَ لَكُنْتُ مُقَصِّرًا فِیْ بُلُوْغِ شُكْرِ اَخْفٰی نِعْمَةٍ مِّنْ نِعَمِكَ وَلَوْ اَنِّیْ كَرَبْتُ مَعَادِنَ حَدِیْدِ الدُّنْیَا بِاَنْیَابِیْ وَحَرَثْتُ اَرْضَهَا بِاَشْفَارِ عَیْنِیْ وَبَكَیْتُ مِنْ خَشْیَتِكَ مِثْلَ بُحُوْرِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ دَمًا وَصَدِیْدًا لَكَانَ ذٰلِكَ قَلِیْلًا مِّنْ كَثِیْرٍ مِّمَّا یَجِبُ مِنْ وَفَاءِ حَقِّكَ عَلَیَّ وَلَوْ اَنَّكَ اِلٰهِیْ عَذَّبْتَنِیْ بَعْدَ ذٰلِكَ بِعَذَابِ الْخَلَائِقِ اَجْمَعِیْنَ وَعَظَّمْتَ لِلنَّارِ خَلْقِیْ وَجِسْمِیْ وَمَلَأْتَ جَهَنَّمَ وَاَطْبَاقَهَا مِنِّیْ

روایت کی شیخ ابن بابویہ قمی نے امالی میں بطریق صحیح علی بن حسین علیہ السلام سے کہ بیشک وہ دعا مانگتے تھے اس دعا کے ساتھ کہ الٰہی قسم ہے تیری عزت اور عظمت اور جلال کی اگر میں جب کہ شروع کی تو نے پیدائش میری اُس اوّل زمانہ سے عبادت کرتا میں ہمیشہ ہمیشہ تیری ربوبیت کی ہر بال کے ساتھ ہر پلک مارتے میں ابد سرمد تک تمام مخلوق کی حمد اور شکر کے ساتھ تاہم مقصر ہی ہوں گا اور تیری ادنیٰ نعمت کی حد شکر کو نہ پہنچوں گا اور اگر کھودوں میں کانیں لوہے کی جو دنیا میں ہیں اپنے دانتوں سے اور جوتوں دنیا بھر کی زمین اپنی پلکوں سے اور روؤں تیرے خوف سے مثل دریاؤں آسمان و زمین کے خون اور پیپ ہرگز یہ سب باتیں یک ادنیٰ ہیں اُس سے جس قدر کہ واجب ہے ایفا تیرے حق کا مجھ پر، اور اگر اے معبود میرے عذاب کرے تو مجھ کو بعد اس کے ساتھ عذاب تمام خلائق کے اور بڑھا دے تو دوزخ کے واسطے میری خلقت اور جسم کو اور بھر دے تو جہنم اور اُس کے طبقوں کو مجھ سے

حَتّٰی لَا یَكُوْنَ فِی النَّارِ مُعَذَّبٌ غَیْرِیْ وَلَا یَكُوْنَ لِجَهَنَّمَ حَطَبٌ سِوَایَ لَكَانَ هٰذَا لَكَ عَلَیَّ قَلِیْلًا مِّنْ كَثِیْرٍ مَّا اسْتَوْجَبْتُ مِنْ عُقُوْبَتِكَ۔

یہاں تک کہ کسی کے معذب ہونے کا اُس میں ٹھکانا نہ رہے سوائے میرے، اور سوائے میرے کوئی ایندھن دوزخ کا نہ ہو بیشک سب باتیں میرے واسطے بہت ہی تھوڑی ہوں گی جن کے میں لائق ہوں تیرے عذاب کے۔

وَفِیْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ لَا یَاْمَنُ خَیْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ۔ (فرمایا نہیں امن چاہتا ہے بہترین اس اُمت کا عذاب اللہ سے)۔

عقیدہ بست و نہم:- یہ کہ جو کچھ بندے یا اور حیوانات سے صادر ہوتا ہے خواہ خیر خواہ شر خواہ کفر و ایمان خواہ طاعت و معصیت یہ سب خدا تعالیٰ کا پیدا اور ایجاد کیا ہوا ہے بندے کو اُس کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں ہے۔ البتہ کسب اور عمل اُس کا بندے سے ہوتا ہے کہ اسی اپنے کسب عمل کی بدولت جزا پاتا ہے یہ مذہب اہل سنت کا ہے کیسانیہ، امامیہ اور فرق ثمانیہ زیدیہ مخالف اس عقیدے کے کہتے ہیں کہ بندہ افعال اپنے آپ پیدا کرتا ہے اور حق تعالےٰ کو اقوال و افعال ارادیہ بندہ کیا بلکہ طیور اور بہائم اور حشرات اور تمام حیوانات کے افعال و اقوال میں جو با ارادہ کرتے ہیں کچھ دخل نہیں ہے۔

یہ عقیدہ ان کا مخالف کتاب اور عترت کے ہے۔ چنانچہ کتاب میں ہے: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا تم کو اور اُس کو جو کرتے ہو تم)۔ اور فرمایا خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (پیدا کرنے والا ہر چیز کا، نہیں ہے کوئی معبود سوائے اُس کے) اور اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَاءِ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ (کیا نہیں دیکھتے ہیں وہ طرف پرندوں کے کہ گھیرے گئے ہیں وہ اس جوف آسمان میں کہ نہیں سنبھالے ہوئے ہے اُن کو کوئی سوا اللہ تعالےٰ کے) اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ (کیا نہیں دیکھتے ہیں وہ طرف پرندوں کے کہ اُن کے سر پر ہیں بازو کھولے ہوئے اور سمیٹے ہوئے، کون سنبھالے ہوتے ہے اُن کو سوائے خدا تعالیٰ کے)۔

رہی عترت فَقَدْ رَوَتِ الْاِمَامِیَّةُ بِاَجْمَعِهِمْ عَنِ الْاَئِمَّةِ اَنَّ اَفْعَالَ الْعِبَادِ مَخْلُوْقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰی ذَكَرَ تِلْكَ الرِّوَایَاتِ شَارِحُ الْعُدَّةِ وَغَیْرُهٗ (پس تحقیق روایت کی کُل امامیوں نے اماموں سے بیشک افعال بندوں کے پیدا کئے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کے، ذکر کیا ان روایتوں کو شارح عدہ وغیرہ نے) اس مسئلہ میں صریح اپنے زعم کی رُو سے مخالف اماموں کے ان کا اعتقاد ہے اور سوائے چند باتوں کی گواہی کے دوسری جگہ ان کو پناہ اور مفر نہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر پیدا کرنے والا افعال بندوں کا خدا تعالیٰ ہو تو معاملہ ثواب اور عذاب اور جزا کا سب باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ ان کو اپنے افعال میں کچھ دخل نہیں ہے تو ایسے شخص کو جس کا اُس فعل میں دخل نہ ہو عذاب کرنا صریح ظلم ہے۔

اہلِ سنت کہتے ہیں کہ ہم موافق روایات واصول شیعہ کے معاملہ ثواب وعذاب وجزا کا باوجود اس کے کہ خالق افعال بندوں کا حق تعالیٰ ہی ہو دو طریق پر اماموں سے ثابت کئے دیتے ہیں۔

☀ اول طریق یہ ہے کہ جزا ہر کسی کے فعلوں کی مطابق علم اور اندازۂ الٰہی کے ہے ہر کسی کے حق میں مثلاً خدا تعالیٰ کے علم میں ثابت ہے کہ اگر ان کے فعل وعمل ان پر چھوڑ دوں اور ان عرضوں کا پیدا کرنا انہی کے سپرد کروں تو فلاں طاعت پیدا کرے گا فلاں معصیت، فلاں ایمان اور فلاں کفر۔ اور گواہ اپنے اس علم اور اندازے کا علم میں اپنے بندوں کے بھی قائم کردیا ہے کہ وہ میل وخواہش نفس کی ہے۔ پس میل مومنین کا طرف ایمان کے ہے اور میل کافروں کا طرف کفر کے اور میل طاعت والوں کا طرف طاعت کے اور بدکاروں کا طرف بدکاری کے۔ اور ہر کوئی اپنے دل میں اسی کو سب سے بہتر سمجھتا ہے جس کو خدا تعالیٰ اُس کے ہاتھ سے ظاہر کیا چاہتا۔ پس بدلا نیک و بد کا بسبب علم الٰہی کے ہے ان کے ایجاد پر۔ اگر پیدا کرنا افعال کا ان کے سپرد ہوتا تاہم یہ خالق اپنے افعال کے اگر حقیقۃً نہ ہوں گے تو خلق تقدیری میں شبہ ہی نہیں۔ اس واسطے کہ اگر کافر کو قدرت پیدا کرنے افعال کی دیتے کفر کو پیدا کرتا۔ اور اگر مومن کو قدرت اس کام کی دیتے ایمان کو پیدا کرتا اور علیٰ ہٰذا القیاس تمام افعال واقوال میں۔ اور بدلا دینا موافق اپنے علم کے کسی کے حق میں شیعہ کے نزدیک ظلم نہیں ہے۔ اس واسطے کہ امامیہ کے نزدیک بلا توقف جزا اطفال کفار کی اسی طور پر ہے۔

رَوَى ابْنُ بَابَوَيْهِ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ سِنَانٍ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ أَطْفَالِ الْمُشْرِكِيْنَ يَمُوْتُوْنَ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغُوْا الْحِنْثَ قَالَ اللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ يَدْخُلُوْنَ مَدَاخِلَ آبَائِهِمْ۔

روایت کی ابن بابویہ نے عبداللہ بن سنان سے کہا میں نے پوچھا ابا عبداللہ علیہ السلام سے اطفالِ مشرکین کے معاملہ کو کہ مرگئے وہ قبل بالغ ہونے سے، فرمایا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ بالغ ہوتے تو کیا کرتے، پس داخل ہوں گے وہیں جہاں ان کے ماں باپ داخل ہوں گے۔

وَرَوَى وَهْبُ بْنُ وَهْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ أَبِيْ عَبْدِ اللهِ أَيْضًا أَنَّهُ قَالَ أَوْلَادُ الْكُفَّارِ فِي النَّارِ۔

روایت کی وہب بن وہب نے اپنے باپ سے اور اُس نے بھی ابو عبداللہ سے بیشک شان یہ ہے کہ کہا اولاد کفار کی دوزخ میں داخل ہوگی۔

پھر جب عذاب غیر مکلف لڑکوں کا اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ کافر اور گنہگار تھے۔ اور یہ بھی نہیں کہ کوئی گواہ اس علم کا رغبت نفس اور خواہش دل سے پایا جاتے ظلم نہیں ہے تو عذاب کرنا بندے کو اُس کے فعل پر کہ موافق ارادے اور خواہش کے اُس فعل کو پیدا کرتا ہے بدیں وجہ کہ اگر قدرت پائے تو ضرور اسی کو پیدا کرے کیونکر ظلم ہوگا۔ چنانچہ کتب شیعہ میں حضرات ائمہؑ سے یہ وجہ خوب تصریح اور روشن کی ہوئی ہے۔

رَوَى الْكُلَيْنِيُّ وَابْنُ بَابَوَيْهِ وَآخَرُوْنَ مِنْهُمْ عَنِ الْأَئِمَّةِ أَنَّ اللهَ خَلَقَ بَعْضَ عِبَادِهِ سَعِيْدًا وَبَعْضَ عِبَادِهِ شَقِيًّا لِعِلْمِهِ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (روایت کی کلینی اور ابن بابویہ اور دوسرے لوگوں نے انہی کے اماموں سے بیشک اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو پیدا کیا سعید اور بعض بندوں کو پیدا کیا شقی بسبب اُن افعال کے کہ کرتے ہیں وہ) اب لفظ کَانُوْا میں غور وتامل کرنا چاہیئے کہ صریح فائدہ معنی فرض اور تقدیر کا کرتا ہے۔

وَرَوَى الْكُلَيْنِيُّ وَغَيْرُهُ مِنَ الْإِمَامِيَّةِ عَنْ أَبِيْ بَصِيْرٍ أَنَّهُ قَالَ كُنْتُ بَيْنَ يَدَيْ أَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَالِسًا فَسَأَلَهُ سَائِلٌ فَقَالَ جُعِلْتُ فِدَاكَ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللهِ مِنْ أَيْنَ لَحِقَ الشَّقَاءُ بِأَهْلِ الْمَعْصِيَةِ حَتّٰى حَكَمَ لَهُمُ الْعَذَابَ عَلٰى عَمَلِهِمْ فِيْ عِلْمِهِ فَقَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللهِ أَيُّهَا السَّائِلُ عِلْمُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَقُوْمُ لَهُ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِهِ بِحَقِّهِ فَلَمَّا حَكَمَ بِذٰلِكَ وَهَبَ لِأَهْلِ الْمَحَبَّةِ الْقُوَّةَ عَلٰى طَاعَتِهِ وَوَضَعَ عَنْهُمْ ثِقْلَ الْعَمَلِ بِحَقِيْقَةِ مَا هُمْ أَهْلُهُ وَوَهَبَ لِأَهْلِ الْمَعْصِيَةِ الْقُوَّةَ عَلٰى مَعْصِيَتِهِمْ بِسَبْقِ عِلْمِهِ فِيْهِمْ وَمَنَعَهُمْ إِطَاقَةَ الْقَبُوْلِ مِنْهُ لِوَافَقُوْا مَا سَبَقَ لَهُمْ فِيْ عِلْمِهِ تَعَالٰى وَلَمْ يَقْدِرُوْا أَنْ يَأْتُوْا حَالًا تُنْجِيْهِمْ مِنْ عَذَابِهِ لِأَنَّ عِلْمَهُ أَوْلٰى بِحَقِيْقَةِ التَّصْدِيْقِ وَهُوَ مَعْنٰى شَاءَ مَا شَاءَ وَهُوَ سِرُّهُ۔

روایت کی کلینی وغیرہ نے ابی بصیر سے کہ بیشک کہا اُس نے میں بیٹھا تھا سامنے ابو عبداللہ علیہ السلام کے سو پوچھا اُن سے ایک پوچھنے والے نے، پس کہا سائل نے کہ میں تم پر قربان اے ابن رسول اللہ! کہاں سے پہنچتی ہے بدبختی اہل معصیت کو کہ حکم عذاب کا ہوا ان کے حق میں ان کے عمل سے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، سو فرمایا ابو عبداللہ علیہ السلام نے اے سائل علم اللہ عزوجل کا نہیں قائم ہوسکتا ہے کوئی اُس کی مخلوقات سے اُس کے ادا کرنے میں اور کوئی سبب اُس کا بیان میں نہیں آتا، پس ہر گاہ کہ حکم کرتا ہے موجب اُس علم کا بخشتا ہے اُس کے محبت والے کو قوت اپنی طاعت پر اور اٹھا لیتا ہے اُن سے بوجھ عمل کا بسبب حقیقت اُس حال کے کہ وہ اُس کے لائق ہیں اور بخشتا ہے اہل گناہ کو قوت معصیت کی موافق اپنے علم سابق کے کہ وہ علم ان کے حق میں ہے اور باز رکھتا ہے ان سے طاعت قبول کرنے کو اُس کے عمل سے، پس موافق پڑتے ہیں اُس چیز سے جو سابق ان کی علم خدا تعالیٰ میں اور نہیں قدرت رکھتے ہیں کہ بجا لائیں ایسی حالت کہ نجات دے ان کو اُس کے عذاب سے اس واسطے کہ علم اُس کا اولیٰ ہے ساتھ حقیقت تصدیق کی پس یہی ہیں معنے اُس بات کے کہ جو کچھ اُس نے چاہا چاہا اور یہ اُس کا بھید ہے۔

وَرَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ حَازِمٍ عَنْ أَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللهَ خَلَقَ السَّعَادَةَ وَالشَّقَاوَةَ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ خَلْقَهُ فَمَنْ خَلَقَهُ سَعِيْدًا لَمْ يُبْغِضْهُ

روایت کی کلینی نے منصور بن حازم سے اور اُس نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے تحقیق شان یہ ہے کہ فرمایا انہوں نے بیشک اللہ نے پیدا کیا سعادت اور شقاوت کو قبل پیدا کرنے اپنے مخلوق کے سو جس کو پیدا کیا اُس نے سعید اُس کو کبھی مبغوض

أَبَدًا وَإِنْ عَمِلَ سُوْءًا أَبْغَضَ عَمَلَهُ وَإِنْ خَلَقَهُ شَقِيًّا لَمْ يُحِبَّهُ أَبَدًا وَإِنْ عَمِلَ صَالِحًا أَحَبَّ عَمَلَهُ۔

نہیں رکھتا ہے اور اگر چہ بُرے کام کرے اور بُغض رکھے اُس کے کام سے، اور اگر پیدا کیا ہو اُس کو شقی ہرگز دوست اُس کو نہ رکھے گا اور اگر عمل کرے وہ صالح دوست رکھے اُس کے عمل کو۔

اور اگر اس لیے عمل پیدا کرنے پر کہ موافق خواہش بندے کے واقع ہوتے ہیں جزا دینا ظلم ہو تو چاہیے کہ اُس کے نفس کو پیدا کرنا اور اُس کو قوت دینا اور اُس پر شیطان کا مسلّط کرنا اور باز رکھنا اور الطاف اور اطاعت قبول سے یہ بھی اُس کے حق میں ظلم ہو۔ حالانکہ روایتِ مذکورہ میں وَوَهَبَ لَهُ قُوَّةَ الْمَعْصِيَةِ وَمَنَعَ عَنْهُ إِطَاقَةَ الْقَبُوْلِ وَلَمْ يَقْدِرُوْا أَنْ يَأْتُوْا حَالًا تُنْجِيْهِمْ صریح واقع ہے۔ اور بھی اگلی روایتوں میں حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام سے وارد ہے إِنَّهُ قَالَ إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ سُوْءًا سَدَّ مَسَامِعَ قَلْبِهِ وَوَكَّلَ بِهِ شَيْطَانًا يُضِلُّهُ۔ اور ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں جو بندے سے کیا جاتا ہے بندہ مضطر اور ملتجی ہے طرف فعلِ معصیت کے قدرت طاعت و بندگی کی نہیں رکھتا۔

☼ طریق دوم یہ کہ جزا عمل پر نہیں ہے جب تک کہ دخل بندے کی طرف سے اُس کام میں نہ ہو بلکہ جزا میل دل اور خواہش نفس پر ہے کہ ہر عمل کے ساتھ لگی ہوتی ہے چاہے نیک ہو چاہے بد اسی واسطے سہو و نسیان اور اکراہ کو معاف رکھا ہے۔ اس سبب سے کہ اگرچہ ان حالات یعنی سہو و نسیان و اکراہ میں صدور افعال شر کا بندے سے ہوتا ہے مگر چونکہ میل و خواہش کے ساتھ نہیں ہے معاف ہے اور نیت خیر و شر پر جزا دیتے ہیں گو عمل نہ ہو:۔

فِي الْكَافِي لِلْكُلَيْنِيِّ عَنِ السَّكُوْنِيِّ عَنْ أَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ وَنِيَّةُ الْكَافِرِ شَرٌّ مِنْ عَمَلِهِ۔

کلینی میں ہے سکونی سے اور اُس نے روایت کی ابی عبد اللہ سے کہ کہا ابی عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ نیت مومن کی بہتر ہے اُس کے عمل سے، اور نیت کافر کی بدتر ہے اُس کے عمل سے۔

پس وجہ خیریت اور شریت نیت عمل کی ہے کہ مدار جزا کا اُس پر ہے:۔

وَفِيْهِ أَيْضًا عَنْ أَبِيْ بَصِيْرٍ عَنْ أَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيْرَ لَيَقُوْلُ يَا رَبِّ ارْزُقْنِيْ حَتّٰى أَفْعَلَ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْبِرِّ وَوُجُوْهِ الْخَيْرِ فَإِذَا عَلِمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ذٰلِكَ مِنْهُ بِصِدْقِ نِيَّتِهِ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ مَا يَكْتُبُ

اور یہ بھی کلینی میں ہے ابی بصیر سے کہ روایت کی ابی عبد اللہ علیہ السلام سے فرمایا کہ بیشک بندہ مومن فقیر کہتا ہے اے پروردگار میرے! رزق دے مجھ کو کہ میں ایسا ایسا کروں احسان، اور ہر قسم نیکی سے، جب جانا خدائے بزرگ و برتر نے یہ سوال اُس کا از روئے صدق نیت کے ہے، لکھا خدا تعالیٰ نے اُس کے واسطے بدلا جس قدر لکھتا

لَهُ عَمَلَهُ۔

اُسکے عمل کا۔

اور اسی واسطے ریا اور سمعہ کو محبط عمل کا ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ باب ریا میں کلینی کے مفصل مذکور ہے۔ اُن میں سے یہ ہے جو روایت کی یزید بن خلیفہ نے:۔

قَالَ قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كُلُّ رِيَاءٍ شِرْكٌ إِنَّهُ مَنْ عَمِلَ لِلنَّاسِ كَانَ ثَوَابُهُ عَلَى النَّاسِ وَمَنْ عَمِلَ لِلّٰهِ كَانَ ثَوَابُهُ عَلَى اللّٰهِ۔

فرمایا امام جعفر نے ہر ریا شرک ہے، بیشک شان یہ ہے جو کوئی واسطے لوگوں کے عمل کرتا ہے اُس کا بدلا لوگوں سے ہے اور جو کوئی عمل کرتا ہے واسطے اللہ تعالیٰ کے اُس کا بدلا اللہ پر ہے۔

اور نیز حدیث متفق علیہ میں ندامت کو توبہ فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تاثیر عمل کی خواہش قلب پر موقوف ہے جب کہ حالتِ ندامت میں خواہش کُلّی جاتی رہی اُس کا اثر بھی جاتا رہا۔ وَلَوْ بَعْدَ مُدَّةٍ وَزَمَانٍ طَوِيْلٍ (اگرچہ یہ توبہ بعد ایک مدت اور زمانہ طول و طویل کے ہو) وَفِي الْكَافِيْ عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ كَفٰى بِالنَّدَمِ تَوْبَةً۔ (یعنی کافی میں ہے ابی جعفر علیہ السلام سے فرمایا کافی ہے پشیمانی توبہ میں)۔

وَأَيْضًا عَنْ أَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ لَيُذْنِبُ فَيُدْخِلُهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ قُلْتُ يُدْخِلُهُ اللّٰهُ بِالذَّنْبِ الْجَنَّةَ قَالَ نَعَمْ إِنَّهُ يُذْنِبُ فَلَا يَزَالُ مِنْهُ خَائِفًا مَاقِتًا لِنَفْسِهِ فَيَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ (اور یہ بھی روایت ہے ابی عبد اللہ علیہ السلام سے، فرمایا بیشک کوئی مرد گناہ کرتا ہے داخل کرے گا اُس کو اللہ بسبب اُس گناہ کے جنت میں، مَیں نے کہا کیا داخل کرے گا گناہ کے سبب سے جنت میں، فرمایا ہاں اس وجہ سے کہ وہ گناہ تو کرتا ہے مگر ہمیشہ خدا سے ڈرتا رہتا ہے اور اپنے نفس سے بیزار ہوتا ہے، پس رحم کرتا ہے اللہ اُس پر سو داخل کرتا ہے اُس کو جنت میں) اور جب جزا نیت رغبتِ نفس پر موقوف ہے اور اس بات پر کہ فاعل کا قلب اُس فعل کو اچھا جانے اگر حق تعالیٰ موافق ارادے اور خواہش بندے کے افعال پیدا کرے اور اُس کی جزا دے تو کیونکر ظلم ہوگا۔ ہاں ظلم اُس وقت میں خیال کیا جاتا کہ ابتداءً افعال بندے کے پیدا ہوتے بدون خواہش اور ارادے بندے کے جیسے أَفْعَالُ الْجَمَادَاتِ كَإِحْرَاقِ النَّارِ وَقَتْلِ السَّمِّ وَقَطْعِ السَّيْفِ۔ (یعنی جیسے فعل جمادات کے جیسے جلانا آگ کا اور مار ڈالنا زہر کا اور مار ڈالنا تلوار کا)۔ اور جب کہ پیدا ہونا افعال بندوں کا ان کے ارادے اور خواہش کا تابع ہے کچھ دخل ان اعمال میں پایا اور موافق اُس کے بدلا پکھایا یہی ہیں معنے جبر اور اختیار کے عند التحقیق انتہے۔

اب ہم ادھر رجوع ہوئے کہ یہ خواہش اور مَیل نفس کا کس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ظاہر تو یہی ہے کہ بندے کو قدرت اُس کے ایجاد کی نہیں جب حق تعالیٰ خود ہی خواہش کو پیدا کرے تو پھر اُس خواہش پر مواخذہ کیوں کرے

اور جزا کیوں دے۔

✻ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ شبہ تو باوجود اعتقاد اس بات کے کہ پیدائش افعال بندوں کی بندوں سے ہے جب بھی وارد ہوتا ہے۔ پس شیعہ کو بھی فکر اس جواب کی کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ ظاہر بالاتفاق جملہ واسطے اور ارادے بلکہ سارے سبب صدور کے، کیا قدرت، کیا قوت، کیا حواس، کیا جوارح یہاں تک کہ خود وجود ذات بندے کا کہ اصل اصول ان افعال و اعمال کا ہے سب پیدا کیا ہوا خدا کا ہے بندے کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ اور تحقیق مقام کی یہ ہے کہ جب بواسطۂ اختیار کے کوئی فعل ہے تو وہ فعل اختیاری ہے ضدِ اضطرار و التجاء سے جل گیا اور مورد تعریف اور ٹھکانا ثواب عذاب کا ہوا۔ اور اختیار کا اپنے اختیار میں ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ محال ہے۔ اس واسطے کہ تسلسل لازم آتا ہے اور جب کہ ظاہر میں کسی کو ایسی قدرت معلوم نہیں ہوتی کہ اپنے غیر میں اختیار پیدا کر دے تو عقل کو قیاس سے سمجھنا اس بات کا بہت دشوار پڑے گا۔ لیکن بعد اس کے کہ آلودگیاں اوہام اور گرفتاری مالوفات کی صفا حاصل کرتی ہے تو جزم کرتی ہے کہ اختیاریت فعل کی موقوف وجود اختیار پر ہے نہ ایجاد فعل نہ ایجاد اختیار پر۔ مثلاً کسی کا غلام بھاگ جانا چاہتا ہے اور ایک شخص نے اس کو بھگا کر دیا اور کسی وجہ سے اس کے خواہش دلی پر مطلع ہو کر اس کو اٹھا کر اس کے مقصد کو پہنچا دیا بھاگنا غلام کا البتہ عند العقل منسوب بغلام ہوگا اگرچہ دوسرے کے ساتھ دینے سے ہوا لیکن خواہش قلبی غلام سے ہے۔

اب فرق اعتقاد اہلِ سنت اور شیعہ میں اسی قدر ہے کہ اہل سنت اختیار بندے کو دونوں طرف سے گھرا ہوا فعل الٰہی سے جانتے ہیں جانب فوقانی سے بسبب پیدا کرنے اختیار اور ارادے اور خواہش اور میل نفس کے اور جانب تحتانی سے ساتھ پیدا کرنے فعل کے۔ اور شیعہ اس کے اختیار کو جانب فوقانی سے ساتھ فعل الٰہی کے اعتقاد کرتے ہیں نہ کہ جانب تحتانی سے۔ اور کہتے ہیں کہ پیدا کرنا فعل کا اسی کا کام ہے۔ اس جگہ عاقل کو غور کرنا چاہیئے کہ جب جانب فوقانی کا اختیار دوسرے کے قبضے میں ہوا تو جبر لازم آیا اور وہی مشکل معاملے جزا اور ثواب و عذاب میں پیدا ہوئی۔ پھر مفت ظاہری امر عقلیہ کو کہ حاکم محال ہونے ایجاد کے مخلوق سے ہے ہاتھ سے کھو دینا اور اسی شیطانی اندھا دھند میں غوطہ کھانا کونسا لطف رکھتا ہے۔ اور سابق بروایت محاسن والے کے برقی ہے اور بروایتِ کلینی منقول ہوا عَنْ اَبِی الْحَسَنِ الْکَاظِمِ اَنَّہٗ قَالَ لَا یَکُوْنُ شَیْئًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ وَاَرَادَ (یعنی ابی حسن کاظم سے ہے بیشک حال یہ ہے کہ فرمایا انھوں نے نہیں ہوتی ہر کوئی چیز بدون چاہے اور ارادے اللہ تعالیٰ کے)۔ اور تعجب ہے علمائے شیعۂ امامیہ سے کہ آیاتِ صریحہ قرآن کو چھوڑ کر اور اخبار صحیحہ ائمہؑ کو پسِ پشت پھینک کر ایک شاعر جاہل کے قول پر تمسک کیا ہے اور اپنے اس اعتقاد میں

مصداق اس آیتِ کریمہ کے ہوئے ہیں وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (اور شاعر پیروی کرتے ہیں اُن کی غاوی)۔

وَرَوَی الشَّرِیْفُ الْمُرْتَضٰی فِی الْغُرَرِ وَالدُّرَرِ عَنِ الثَّوْرِیِّ عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ قَالَ اخْتَصَمَ رُؤْبَۃُ وَذُوالرُّمَّۃِ عِنْدَ هِلَالِ بْنِ اَبِیْ بُرْدَۃَ فَقَالَ رُؤْبَۃُ وَاللّٰہِ مَا فَحَصَ طَائِرٌ اُفْحُوْصًا وَلَا تَقَرْمَصَ سَبُعٌ قُرْمُوْصًا اِلَّا بِقَضَاءٍ مِّنَ اللّٰہِ وَقَدْرِہٖ فَقَالَ لَہٗ ذُوالرُّمَّۃِ وَاللّٰہِ مَا قَدَّرَ اللّٰہُ عَلَی الذِّئْبِ اَنْ یَّاْکُلَ حَلُوْبَۃَ عِیَالٍ ضَرَآئِکَ قَالَ رُؤْبَۃُ اَفَبِقُدْرَتِہٖ اَکَلَهَا هٰذَا کَذِبٌ عَلَی الذِّئْبِ فَقَالَ ذُوالرُّمَّۃِ الْکَذِبُ عَلَی الذِّئْبِ خَیْرٌ مِّنْ کِذْبٍ عَلٰی رَبِّ الذِّئْبِ قَالَ الْمُرْتَضٰی هٰذَا الْخَبَرُ صَرِیْحٌ فِیْ قَوْلِہٖ بِالْعَدْلِ وَاحْتِجَاجِہٖ عَلَیْہِ وَنُصْرَتِہٖ لَہٗ۔ انتھی کلام المرتضیٰ۔

روایت کی شریف مرتضیٰ نے غرر اور درر میں ثوری سے اور اس نے ابی عبیدہ سے کہ جھگڑا کیا رؤبہ اور ذوالرمہ نے کہ دونوں شاعر تھے سامنے ہلال بن ابی بردہ کے، سو کہا رؤبہ نے قسم ہے خدا کی نہ پھاڑا ہے کسی پرندے نے زمین میں کوئی خانہ اور نہ تراشا ہے کسی درندے کوئی غار مگر خدا کے حکم اور اس کی تقدیر سے، پھر کہا اس سے ذوالرمہ نے قسم ہے خدا کی اللہ کی تقدیر یہ نہیں ہے بھیڑیے پر کہ تیری بکریاں جو ہمسائے کے بچوں کو دودھ دیتی ہیں کھالے، کہا رؤبہ نے آیا پھر اپنی قدرت سے کھایا اس کو یہ جھوٹ ہے بھیڑیے پر، پھر کہا ذوالرمہ نے جھوٹ بھیڑیے پر بہتر ہے اس جھوٹ سے جو پروردگارِ بھیڑیے پر کیا جائے، کہا مرتضیٰ نے یہ خبر صریح ہے اور اس قابل کہ اس کو عدل سمجھا اور اس پر حجت پکڑی جائے اس مذہب میں کہ اس مذہب کو مدد ملے۔ تمام ہوا کلام مرتضیٰ کا۔

یہاں عاقل کو غور و تامل کرنا چاہیئے کہ ان کے علماء نے کلام ذوالرمہ کو کہ سراسر واہی اور بالکل لغو و لچر ہے قبول کر کے اس ہذیان سرائی میں اس کی تحسین و آفرین فرمائی ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ ذوالرمہ شاعر بدوی کو ان مطالبِ دقیقہ سے کیا مناسبت کہ ٹھیک ٹھیک ہمنا مونہا نہیں جانتا۔ اور ایسے شخص کو ایسے مسائلِ اعتقادیہ میں اپنا پیشوا بنانا اہلِ دین کے کب لائق ہے۔ حالانکہ کلام بھی اس کا نہایت مختل اور بے معنے ہے اس لئے کہ بھیڑیے کا قوت گوشت بز ٹھہرنا اور اس کو قوت شکار کی دینا اور ایسے قوی خونخوار کو ایسے ضعیف پر غالب کرنا اور ارادہ مار ڈالنے اور زخمی کرنے گوسفند کا اس کے دل میں ڈالنا پھر قوت حرکت دوڑنے کی اس میں پیدا کرنا یہ کس کا کام ہے۔ اور یہ سب باتیں موافق قواعد شیعہ کے ظلم صریح ہے اور کیا ہی خوب کسی نے کہا ہے۔ شعر

قُلْ لِلَّذِیْ یَدَّعِیْ فِی الْعِلْمِ فَلْسَفَۃً ‖ حَفِظْتَ شَیْئًا وَغَابَتْ عَنْکَ اَشْیَآءُ

کہہ اُس شخص سے جو دعویٰ کرتا ہے علم میں فلسفی یعنی تحقیق کا ‖ سیکھی تو نے ایک چیز اور جاتی رہیں تجھ سے بہت سی چیزیں

پھر روایت کی شریف مرتضیٰ نے اصمعی اسحاق بن سوید سے قَالَ اَنْشَدَنِیْ ذُوالرُّمَّۃِ (کہا پڑھا

ذوالرمہ نے میرے سامنے یہ شعر۔

وَعَيْنَانِ قَالَ اللّٰهُ كُوْنَا فَكَانَتَا

اور دو آنکھیں ہیں کہ فرمایا خدا نے اُن کا ہو جا پس ہو گئیں دو تو

فَعُوْلَانِ بِالْاَلْبَابِ مَا يَفْعَلُ الْخَمْرُ ؞

ایسی کہ اثر کرتی ہیں عقلوں میں جیسے تاثیر کرتی ہے شراب۔

فَقُلْتُ فَعُوْلَيْنِ خَبَرَ الْكَوْنِ فَقَالَ

لَوْ شِئْتَ اَوْ بِجِئْتَ اِنَّمَا قُلْتُ عَيْنَانِ فَعُوْلَانِ

فَوَصَفْتُهُمَا بِذٰلِكَ قَالَ الْمُرْتَضٰى اِنَّمَا تَحَرَّزَ

ذُوالرُّمَّةِ بِهٰذَا الْكَلَامِ مِنَ الْقَوْلِ بِخِلَافِ

الْعَدْلِ، انتھٰی کلامہ۔

پس میں نے کہا کہ فعولین کہہ اس واسطے کہ خبر کون کی ہے سو کہا ذوالرمہ نے اگر تو پڑھا ہوتا جب بھی قابل ترجیح ہوتا لیکن میں نے بھی کہا ہے عینان فعولان سو وصف کیا ہے دونوں آنکھوں کا اس لفظ سے۔ اس بات پر مرتضیٰ نے کہا کہ بچا ذوالرمہ اس سے کہ قائل ہوئے کلام خلاف عدل سے،

تمام ہوا کلام اُس کا۔

عجب ہے شریف مرتضیٰ سے کہ اس کلام ذوالرمہ سے اس عقیدے کو سمجھا. حالانکہ غرض ذوالرمہ کی یہ ہے کہ اگر لفظ فعولین کو خبر کان کی بناتا تو شق کلام یہ ہوتی کہ حق تعالیٰ نے معشوق کی دو آنکھیں فتان اور جادوگر اور عقل رُبا عاشقوں کی پیدا کیں اور یہ معنے مجھ کو مقصود نہیں ہیں درصورتیکہ کانَ کو تامہ لایا ہوں اور فعولان کو جو صفت عینان کی بنایا سوق کلام کا بالاصالۃ واسطے ثابت کرنے فتانی اور ساحری اور عقل رُبائی دو چشم معشوق کی ہوتی کہ یہ بات میرے مقصود سے ہے اور مرتبۂ عالی رکھتی ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ معشوق کی دونوں آنکھیں اس جنس کی ہیں کہ حق تعالیٰ نے اُن کو اپنی قدرتِ خاص اور اپنے حکم تکوین سے پیدا کیا اس واسطے کہ مادوں کو ایسی استعداد نہ تھی جن سے ایسی آنکھیں پیدا ہوتیں اور مصورہ قدرت کی القا ایسے نقش کا نہیں رکھتی تھی۔ اب دیکھو شریف مرتضیٰ کو کہ یہ کس جنگل میں پڑا ہے۔ یہاں سے شعر فہمی عالم بالا کی معلوم ہوتی ہے اور احتراز خلاف عدل تو اُس صورت میں بھی بحسب ظاہر حاصل تھا اس لئے کہ فتنہ اور ساحری کو منسوب بہ حق تعالیٰ نہیں کیا معشوق کی آنکھوں کی طرف نسبت کی ہے جو کوئی ساحر اور فتان ہو اُس کو ساحر اور فتان بنانا کسی شخص کے نزدیک خلاف عدل نہیں ہے۔ اگر خلاف عدل ہے بھی تو سحر اور فتنہ کرنا ہے اور اگر نظرِ دقیق سے دیکھیں تو درصورت رفع کے بھی موافق معنی کے خلاف عدل کے ہے جو ان کے اعتقاد میں ہے اس لئے کہ کوئی شخص عقلاء سے نہیں کہتا ہے کہ شراب خالق اسکار کی ہے اور چشم معشوق کی خالق عشق و جنون کی عاشق کے دل میں اور موافق سمجھ شریف مرتضیٰ کے چاہیئے کہ خمر اور چشم معشوق بھی خالق بعض اعراض کے ہوں کہ ایک قسم ہے موجوداتِ عالم سے اور شریک پروردگار کے ہوں۔ باوجود اس کے کہ امامیہ بھی حیوانات میں اشراک کرتے ہیں نہ کہ جمادات میں۔ اور کلام شاعر کا مبنی بر مبالغہ ہے نہ کہ ارادہ معنے حقیقی کا۔

ہرچند یہ کلام شریف مرتضیٰ کا یہاں نقل کرنا اور اُس پر رد و قدح کرنا بظاہر فضول معلوم ہوتا ہے لیکن غرض ہماری آگاہ کرنا ہے ان بزرگوں کی قوتِ دانشمندی اور دقیقہ فہمی پر کہ ایک بدوی کے شعر کے معنی میں کیسے دست بسر اور پا در گل ہوئے ہیں۔ اور باوجود ان تقریروں کے جو ہنسی کھیل لڑکوں اور بچوں کے ہیں، تمام گروہ شیعہ امامیہ نے ان کا "علم الہدیٰ" لقب کیا ہے اور اپنے دین و ایمان کی بنیاد ان کی مصلحت پر رکھی ہے۔ در حقیقت یہ عقیدہ ان کا نکالا ہوا مجوسیوں زندیق سے ہے کہ خالق شر و قبائح کا غیر یزدان کو جانتے ہیں اور اُس کو شریک الوہیت کا کرتے ہیں۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ مجوسی ایک سے زیادہ کو شریک نہیں کرتے نہ اُس پر اُن کا اعتقاد ہے اور یہ ہر مورِ ضعیف اور ہر سگ اور ہر خرِ ناپاک کو شریک قدرت جناب باری تع کا خلق اور ایجاد میں جانتے ہیں، معاذ اللہ من ذٰلک۔ چنانچہ فرقۂ مفوضہ جو شیعہ سے ہے اس بات کے قائل ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علی رض خلقتِ دنیا میں خدا تعالیٰ کے شریک ہیں جیسا کہ باب اوّل میں گزرا۔ اسمٰعیلیہ مثل فلاسفہ کے قائل اس کے ہیں کہ دنیا بواسطۂ عقول عشرہ اور نفوس کے پیدا ہوئی لیکن ان کی تقریر اور ہے خلاصہ اُس کا یہ کہ باری تعالیٰ سے ایک عقل صادر ہوئی کہ تام تھی اور کمالات اُس کے اُس کو بالفعل حاصل تھے اور نفس صادر ہوا کہ تام نہ تھا اور کمالات اُس کے اس کو بالفعل حاصل نہ تھے، پس نفس کو اشتیاق تمام و کمال دامنگیر حال ہوا کہ اپنی حرکت سے اپنے کو تمام اور کمال کے رتبے پر پہنچائے اس واسطے عقل سے استفاضہ اس صفت کا کرکے حرکت میں آیا۔ اور حرکت بدون آلات کے نہیں ہوسکتی تھی لہٰذا اجرام علویہ پیدا کئے یعنی آسمان اور اُن کو حرکتِ دوریہ سے متحرک کیا اُس حرکت کے توسط سے طبیعتیں بسیط عنصریہ اور ان کے توسط سے طبیعتیں بسیط مرکبات پیدا ہوئیں کہ اصول مرکبات کے معدنیات اور نباتات اور حیوان ہیں۔ اور افضل ان تینوں میں حیوان اور سب میں افضلِ انواع انسان۔

سو یہ عقیدہ بھی ان کا صریح خلاف کتاب اور عترت کے ہے۔ خلاف کتاب خدا تعالیٰ کے اس طرح کہ کقولہ تعالیٰ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (یعنے پیدا کیا اُس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پھر چڑھ گیا عرش پر) اور فرمایا خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ (پیدا کیا اُس نے واسطے تمہارے سب جو کچھ زمین میں ہے پھر چڑھ گیا آسمان پر پھر برابر کیا اُن کو از روی سات آسمان کے) اور فرمایا هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ (کون ہے پیدا کرنے والا سوائے اللہ تع کے) اور فرمایا خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (پیدا کرنے والا ہر چیز کا)

اور عترت کے مخالف اس طرح:۔

فَلَمَّا رَوَى الْاِمَامِيَّةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ || ہرگاہ کہ روایت کی امامیہ نے ابن عباس سے اور

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ اَیْضًا مِنْ اَھْلِ السُّنَّۃِ اِنَّہٗ قَالَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ وَخَلَقْتُ الْخَیْرَ وَالشَّرَّ فَطُوْبٰی لِمَنْ قَدَّرْتُ عَلٰی یَدِہِ الْخَیْرَ وَوَیْلٌ لِمَنْ قَدَّرْتُ عَلٰی یَدِہِ الشَّرَّ۔

انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور روایت کیا اس کو ابن ماجہ نے بھی اہل سنت سے بیشک حال یہ ہو کہ کہا اس نے کہ کہا اللہ تعالیٰ نے میں نے پیدا کیا مخلوق کو اور پیدا کیا خیر اور شر کو پس خوشحال اس شخص کا کہ مقدر کی میں نے اس کے ہاتھ پر خیر اور خرابی اس کو جس کے ہاتھ پر مقدر کی بدی۔

اور اگر اس روایت پر اس سبب سے اعتبار نہ کریں کہ اہل سنت کی بھی مشارکت ہے تو کلینی نے روایت کی ہے کافی وغیرہ میں امامیہ میں سے معاویہ بن وہب سے انھوں نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے۔

اِنَّہٗ قَالَ کَانَ یَقُوْلُ مِمَّا اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی مُوْسٰی وَاَنْزَلَ عَلَیْہِ فِی التَّوْرٰۃِ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ وَخَلَقْتُ الْخَیْرَ وَاَجْرَیْتُہٗ عَلٰی یَدِ مَنْ اُحِبُّ فَطُوْبٰی لِمَنْ اَجْرَیْتُ عَلٰی یَدَیْہِ وَاَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ وَخَلَقْتُ الشَّرَّ وَاَجْرَیْتُہٗ عَلٰی یَدِ مَنْ اُرِیْدُ وَوَیْلٌ لِمَنْ اَجْرَیْتُہٗ عَلٰی یَدَیْہِ الشَّرَّ۔

بیشک کہا اس نے کہ ابی عبداللہ فرماتے تھے اس چیز سے کہ وحی کی اللہ تعالیٰ نے طرف موسیٰ کے اور نازل کیا ان پر توریت میں بیشک میں معبود خاص ہوں نہیں ہو کوئی معبود سوا میرے میں نے پیدا کیا مخلوق کو اور پیدا کیا خیر کو اور جاری کیا اس کو جس کے ہاتھ سے چاہا پس خوشحال اس کا کہ جس کے ہاتھ سے اس کو یعنی خیر کو جاری کیا اور میں ہی خاص نہیں ہو کوئی معبود سوائے میرے میں ہی نے پیدا کیا مخلوق کو اور پیدا کیا بدی کو اور جاری کیا اس کے ہاتھ سے جس کا ارادہ کیا اور خرابی ہے اس شخص کو کہ جسکے ہاتھ سے بدی جاری کی۔

اور عَلِیُّ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ بْنِ ھَاشِمٍ اَبُو الْحَسَنِ الْقُمِّیُّ صَاحِبُ التَّفْسِیْرِ عَنْ ..... عَبْدِ الْمُؤْمِنِ بْنِ الْقَاسِمِ الْاَنْصَارِیِّ اور انھوں نے اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ سے کہا قَالَ رَبُّنَا عَزَّ وَجَلَّ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا خَالِقُ الْخَیْرِ وَالشَّرِّ (ترجمہ پہلے گزرا) اور الکلینی نے بھی روایت کی مُحَمَّدِ بْنِ اَسْلَمَ سے اور انھوں نے اَبِیْ جَعْفَرٍ سے کہ انھوں نے فرمایا اِنَّ فِیْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کُتُبِہٖ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا خَلَقْتُ الْخَیْرَ وَالشَّرَّ فَطُوْبٰی لِمَنْ اَجْرَیْتُ عَلٰی یَدِہِ الْخَیْرَ وَوَیْلٌ لِمَنْ اَجْرَیْتُ عَلٰی یَدِہِ الشَّرَّ (ترجمہ پہلے گزرا) اسی طرح کی اور بہت سی صحیح روایات و اخبار ہیں جو ان کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں جن کو یہ اصح الکتب میں شمار کرتے ہیں۔

ان روایتوں میں حضرات ائمہؓ اس مضمون کو کتب سماوی اور کلام الٰہی سے نقل فرماتے ہیں اور یہ سب فرقے امامیہ اور کیسانیہ چشم پوشی کر کے کہتے ہیں کہ شر اور معاصی اور کفر اور فسق پیدا کیا ہوا ابلیس اور بنی آدم اور بنی جان کا ہے۔ کاش اتنی ہی بات پر قناعت کرتے یہ تو تمام خیرات اور طاعات اور خوبیوں کو بھی

اپنی طرف نسبت کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کو ان کاموں میں دخل نہیں دیتے سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُہْتَانٌ عَظِیْمٌ (پاک ہے تو یہ بہتان بڑا ہے) اور ان کے علماء اور دانشمندوں نے ان روایات و اخبارات کے تاویلوں میں بہت ہاتھ پاؤں ملے ہیں لیکن اس کنارے پر نہیں پہنچے جو مخالفتِ عترت کے سمندر سے نجات پا جائیں۔

اب بعض ان کے محققین کا کلام نقل کروں تو لوگوں کو بصیرت ان کی خوش فہمی کی حاصل ہو۔ کہتے ہیں کہ مراد خیر سے وہ چیز ہے کہ مناسبِ طبع ہو اور شر سے وہ جو منافرت طبیعت کے ہو نہ ایمان و کفر نہ طاعت و معصیت۔ ہم کہتے ہیں اول تو صریح باقی کلام رد کرتا ہے کہ فرمایا فَطُوْبٰی لِمَنْ اَجْرَیْتُ عَلٰی یَدِہِ الْخَیْرَ وَوَیْلٌ لِمَنْ اَجْرَیْتُ عَلٰی یَدِہِ الشَّرَّ۔ یہ خیر و شر لوگوں کے ہاتھ سے کیونکر جاری ہوگی۔ اور اگر جاری ہونا بھی تصور کیا جائے تو طوبیٰ اور ویل کے اس خیر و شر میں کیا معنے ہوں گے۔ اگر کوئی عورت شکیلہ و جمیلہ کسی کے گھر میں دیکھنے میں آئے اور طبیعت کو خوش اور ملائم معلوم ہو تو خدا تعالیٰ کے نزدیک صاحب خانہ کو حالتِ خوش کیوں حاصل ہوگی۔ اور اگر کوئی حبشی دیو صورت سرکار بادشاہی میں نظر پڑ جائے تو ویل و ہلاک خدا کے نزدیک اس بادشاہ کو کیونکر نصیب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ملائم طبع اور منافر طبع۔ مثلاً زنا کسی عورت صاحب جمال یا غنج و دلال کے ساتھ کہ ملائم طبع ہے۔ اور لواطت کسی حبشی دیو صورت مکروہ شکل کے ساتھ منافر طبع ہے۔ اسی طرح طاعات بھی ان دو قسم سے باہر نہ ہوں گے چنانچہ وضو اور غسل ٹھنڈے پانی سے گرمی میں ملائم طبع ہے اور برف اور پالا جمنے کے دنوں میں منافر طبع۔ پس اس تفسیر خیر و شر سے کچھ فائدہ نہ ہوا اور بالاسرائی حاصل نہ ہوئی۔ وہی معنے جو قبل اس تفسیر سے سمجھے جاتے تھے اب بھی سمجھے جاتے ہیں۔ اور وہی شکل جو ان کے قبل اس عنایت سے لاحق ہوتی تھی اب بھی موجود ہے اس لئے کہ مفہوم ان دو کلموں کا بیان کرنے والا طاعت اور معصیت اور کفر اور ایمان کا نہیں ہے تاکہ اس کے ارادے سے نفی اوروں کے ارادے کی ہو جائے بلکہ ان سب سے عام تر اور ارادہ عام خود بلاشبہ مستلزم دخول خاص کا ہے۔ یہ ہے خوش فہمی ان کے علماء اور دانشمندوں کی۔

فائدہ۔ رئیس الفقہاء اہل سنت ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ فرمایا۔

قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ھَلْ فَوَّضَ اللّٰہُ اَمْرَہٗ اِلَی الْعِبَادِ فَقَالَ اللّٰہُ اَجَلُّ مِنْ اَنْ یُّفَوِّضَ الرُّبُوْبِیَّۃَ اِلَی الْعِبَادِ فَقُلْتُ ھَلْ اَجْبَرَھُمْ عَلٰی ذٰلِکَ فَقَالَ اللّٰہُ

فرمایا ابوحنیفہؒ نے پوچھا میں نے ابی عبداللہ بن جعفر بن محمد صادق علیہ السلام سے اے فرزند رسول اللہ کے! آیا حوالے کیا ہے کام خدا نے بندوں کو، فرمایا اللہ تعالیٰ بزرگتر ہے اس بات سے کہ ربوبیت حوالے بندوں کے کرے وہ تعالیٰ، پھر میں نے پوچھا آیا مجبور کیا ہے ان کو اس کام میں، کہا خدا تعالیٰ

اَعْدَلُ مِنْ اَنْ یُّجْبِرَهُمْ عَلٰی ذٰلِكَ فَقُلْتُ فَكَیْفَ ذٰلِكَ فَقَالَ بَیْنَ بَیْنَ لَاجَبْرَ وَلَا تَفْوِیْضَ وَلَااِكْرَاهَ وَلَا تَسْلِیْطَ۔

عادل تر ہے اس بات سے کہ اُن کو مجبور کرے اُس کام پر، تب میں نے کہا کہ بھلا پھر کیا حال ہے فرمایا بَین بَین ہے نہ زبردستی ہے نہ حوالہ اختیار ہے نہ بے مرضی نہ آمادگی۔

اسی روایت پر اہلِ سنّت نے بنیاد اپنے مذہب کی قائم کی ہے اور نہ پیدا ہونے میں بندوں سے اور ثابت کرنے کسب میں ان کے واسطے مطابق ارشاد حضرت صادقؑ کے اعتقاد رکھتے ہیں۔ اب بعینہا اسی روایت کو شیعہ اثنا عشریہ کی کتابوں سے سُننا چاہیئے تاکہ جھوٹ سچ ان کا اہلِ سنت پر ظاہر ہو۔

رَوَی مُحَمَّدُ بْنُ یَعْقُوْبَ الْكُلَیْنِیُّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ قَالَ لَاجَبْرَ وَلَا تَفْوِیْضَ وَلٰكِنْ اَمْرٌ بَیْنَ اَمْرَیْنِ وَرَوَی الْكُلَیْنِیُّ اَیْضًا عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَرَوَی الْكُلَیْنِیُّ اَیْضًا عَنْ اَبِی الْحَسَنِ مُحَمَّدِ بْنِ الرِّضَا نَحْوَهٗ۔

روایت کی محمد بن یعقوب کلینی نے ابی عبداللہ سے بیشک حال یہ ہے کہ فرمایا اُنھوں نے نہ جبر ہے نہ حوالہ لیکن ایک امر ہے ان دونوں کے بیچ میں اور ایسی ہی روایت کی کلینی نے ابی عبداللہ سے، اور ایسے ہی ابی حسن محمد بن رضا سے۔

اِن صریح روایتوں میں بھی کہ موافق عقیدۂ اہلِ سنت کے ہیں، علماء ان کے درپے تاویل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مُراد "بَیْنَ اَمْرَیْنِ" سے پیدا کرنا قوت و قدرت اور جما دینا فعل پر ہے نہ کہ دخل ایجادِ فعل میں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ سائل کا سوال کس بات کا تھا اور اُن کے جواب کو یہ کہاں کھینچے لئے جاتے ہیں۔ سوال حوالہ کرنے اور دینے قدرت اور قوت پیدائشِ فعل کا کرتا ہے کون عاقل ہے جو صریح باطل کرے اگر بحث اور جھگڑا ہے تو پیدائشِ فعل میں ہے۔ پس جواب حضرات ائمہؑ کو اس توجیہ میں اپنی خود ایک کلامِ لغو بناتے ہیں، معاذ اللہ من ذٰلک۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر اس تفویض کی نفی کی جائے تو بھی علّت بحث اور اعتراض سے خالی نہیں۔ اور وہی بات پھر سامنے موجود کہ اَللّٰهُ اَعْدَلُ مِنْ ذٰلِكَ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے دشمن کو جو ارادہ اُس کے قتل کا رکھتا ہے طوق زنجیر کرکے کسی حجرے میں بند کرے اور دوسرا آدمی اُس کا طوق و زنجیر دُور کرکے دروازہ حجرے کا کھول دے اور ایک چھری بھی اُس کے ہاتھ میں دیدے اور ایک غلام بھی اپنا اُس کی مدد کو تعین کردے اور پہلے آدمی کے قتل پر اس کو تحریض کرے پس اس کام میں اس شخص ثانی کا صریح ظلم شخص اوّل پر ہوگا۔ اور ان سب باتوں کو بھی جانے دو جب بھی تو اہلِ سنت کے ہاتھ میں روایتیں صریح شیعوں کی کتابوں سے موجود ہیں کہ مادّہ تاویل کو جڑ بنیاد سے نکالے پھینکے دیتی ہیں۔ اُن میں سے ایک روایت صاحبِ فصول کی ہے جو امامیہ سے ہے اور فصول میں نقل

کی ہے اور صحیح ٹھہرایا ہے۔

عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ عَیَّاشٍ اَنَّهٗ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ الرِّضَا عَلَیْهِ السَّلَامُ اَیُكَلِّفُ اللّٰهُ الْعِبَادَ مَا لَا یُطِیْقُوْنَ فَقَالَ هُوَ اَعْدَلُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ فَیَقْدِرُوْنَ عَلَی الْفِعْلِ كَمَا یُرِیْدُوْنَ قَالَ هُمْ اَعْجَزُ مِنْ ذٰلِكَ۔

ابراہیم بن عیاش سے روایت ہے بیشک حال یہ ہے کہ اُس نے پوچھا ایک شخص نے امام رضا علیہ السلام سے کیا تکلیف دیتا ہے اللہ بندوں کو جسکی وہ طاقت نہیں رکھتے، سو فرمایا کہ وہ بڑا عادل ہے اس سے کہا سائل نے کہ بندے قادر ہیں اپنے فعل پر جیسا کہ چاہیں، فرمایا وہ اس سے عاجز تر ہیں۔

اس حدیث میں صریح نفی قدرت کی فرمائی اور انہی روایتوں سے روایت نثر الدرر کی ہے :۔

سَاَلَ الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ عَلِیَّ بْنَ مُوْسَی الرِّضَا عَلَیْهِ السَّلَامُ فِی الْمَجْلِسِ الْمَاْمُوْنِ فَقَالَ یَا اَبَا الْحَسَنِ الْخَلْقُ مُجْبَرُوْنَ قَالَ اللّٰهُ اَعْدَلُ اَنْ یُّجْبِرَ ثُمَّ یُعَذِّبَ قَالَ فَمُطْلَقُوْنَ قَالَ اللّٰهُ اَحْكَمُ مِنْ اَنْ یُّهْمِلَ عَبْدَهٗ وَیَكِلَهٗ اِلٰی نَفْسِهٖ۔

پوچھا فضل بن سہل نے علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے مامون رشید کی مجلس میں سو کہا اے ابوالحسن خلق مجبور ہیں، فرمایا اللہ تعالیٰ نہایت عادل ہے اس سے کہ جبر کرے پھر عذاب کرے، پوچھا پھر کیا اپنے اختیار میں ہیں، فرمایا خدا بڑا حاکم ہے اس بات سے کہ مہمل چھوڑ دے اپنے بندے کو بطور اپنے نفس کے۔

افسوس کہ ان کے دانشمند ایک ذرّہ بھی عقلِ سلیم کو کام نہیں لاتے اور نظرِ غور سے نہیں دیکھتے ہیں کہ بدی پر قدرت دے کر پھر عذاب کرنا ظلم ہے یا نہیں۔ اور فعل پیدا کرنے اور قدرت فعل کے پیدا کرنے میں کچھ فرق ہے یا نہیں اگر کوئی بہ یقین جانتا ہے کہ زید دشمن عمرو کا ہے اور مُصمّم ارادہ اُس کے مار ڈالنے کا رکھتا ہے اور اس کام کے لئے ایک ہتھیار چاہتا ہے مگر ملتا نہیں اگر تلوار یا چھری مل جائے تو بیشک مار ڈالے ان سب باتوں کو جان کر ایک تلوار اُس کو دیدی کہ اُس نے عمرو کو مار ڈالا۔ بیشک عمرو کے حق میں اس نے ظلم صریح کیا۔

جب مخالفت ان کے عقیدے کی حضرات ائمہؑ کے عقیدے سے ازرُوئے کتب معتبرہ انہی کی ایسی ثابت ہوئی کہ اس سے زیادہ اور کیا ہوگی پس وہ لقب اور خطاب کہ حضور حضرات سے بسبب اس مخالفت کے ان کو عنایت ہوتے ہیں وہ بھی ان کے کتبِ معتبرہ سے سُننا چاہیئے۔ اور ایک دو روایت اور بھی کلام ارشاد التیام حضرات سے بنظرِ مزید تصریح بجا لانا ضروری ہے :۔

رَوَی مُحَمَّدُ بْنُ بَابَوَیْهِ الْقُمِّیُّ فِیْ كِتَابِ التَّوْحِیْدِ بِاَسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ

روایت کی محمد بن بابویہ قمی نے کتاب توحید میں باسناد صحیح ابی عبداللہ علیہ السلام سے

عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُ قَالَ اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَرَادُوْا اَنْ يَّصِفُوا اللّٰهَ بِعَدْلِهٖ فَاَخْرَجُوْهُ عَنْ سُلْطَانِهٖ وَفِيْهِمْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ

جبکہ حال یہ ہے کہ قدریہ مجوس اس امت کے ہیں چاہتے ہیں کہ وصف کریں خدا تعالیٰ کا عدل کے ساتھ پس خارج کیا انھوں نے اس کو یعنی اللہ تعالیٰ کو حکومت سے اور ان کے حق میں نازل ہوئی یہ آیت جس دن کہ گھسیٹے جائیں گے وہ منہ کے بل دوزخ میں کہیں گے ہم چکھو اب مزا دوزخ کا، ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اندازے سے۔

وَرَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ اَبِيْ بَصِيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ شَاءَ وَاَرَادَ وَقَدَّرَ وَقَضٰى قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَاَحَبَّ قَالَ لَا۔

روایت کی کلینی نے ابی بصیر سے کہا کہا میں نے ابی عبداللہ سے کہ خدا تعالیٰ نے چاہا اور ارادہ کیا اور مقدر کیا اور جاری کیا فرمایا ہاں، پھر میں نے کہا کہ اچھا بھی جانا، فرمایا نہیں۔

✳ **عقیدۂ بست و یکم**۔ یہ کہ بندے کو اتصال مکانی اور قرب جسمانی خدا تعالیٰ سے ممکن نہیں۔ اور قرب جو یہاں خیال کیا جاتا ہے وہ درجہ اور منزلت اور رضامندی اور خوشنودی ہے اس سے زیادہ نہیں چنانچہ یہ مذہب اہل سنت کا ہے۔ اور اخبار صحیحہ میں جو عترت طاہرہ سے بروایات شیعہ روایت کی گئیں گزرا نفی مکان اور اس اتصال کی انھوں نے کی ہے۔ لیکن اکثر فرقے امامیہ کے قرب مکانی اور ظاہری کے قائل ہیں اور معراج کو ایسا قیاس کرتے ہیں جیسے کسی کی کسی سے ملاقات جسمانی ہوتی ہے۔

رَوَى ابْنُ بَابَوَيْهِ فِيْ كِتَابِ الْمِعْرَاجِ عَنْ حُمْرَانَ بْنِ اَعْيَنَ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُ قَالَ فِيْ تَفْسِيْرِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى اَدْنَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ نَبِيَّهٗ فَلَمْ يَكُنْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ اِلَّا قَفَصٌ مِّنْ لُؤْلُؤٍ فِيْهِ فِرَاشٌ يَتَلَاْلَؤُ مِنْ ذَهَبٍ فَاَرَاهُ صُوْرَةً فَقِيْلَ يَا مُحَمَّدُ اَتَعْرِفُ هٰذِهِ الصُّوْرَةَ قَالَ نَعَمْ هٰذِهٖ صُوْرَةُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔

روایت کی ابن بابویہ نے کتاب معراج میں حمران بن اعین سے اور اس نے جعفر علیہ السلام سے بیشک شان یہ ہے کہا اس نے تفسیر میں اس قول خدا تعالیٰ کے جو فرمایا خدا تعالیٰ نے دَنٰى فَتَدَلّٰى یعنے نزدیک کیا اللہ عزوجل نے اپنے نبی کو سو نہ تھا درمیان خدا تعالیٰ کے اور نبیؐ کے مگر ایک پنجرہ اور اس میں ایک فرش تھا چمکتا ہوا سونے کا، پھر دکھائی نبیؐ کو ایک صورت، پھر کہا اے محمدؐ! پہچانتے ہو اس صورت کو؟ کہا ہاں یہ صورت علیؓ بن ابی طالب کی ہے۔

✳ **عقیدۂ بست و دوم**۔ یہ کہ حق تعالیٰ کو دیکھیں گے اور مومنین اس کے دیدار سے آخرت میں مشرف ہوں گے۔ کافر اور منافق اس نعمت سے محروم رہیں گے اور یہی مذہب اہل سنت کا ہے۔ لیکن تمام فرقے شیعہ کے سوائے مجسمہ متفق ہیں انکار رویت پر اور کہتے ہیں کہ اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ یہ عقیدہ بھی ان کا مخالف

کتاب اور عترت کے ہے۔ کتاب کے یوں جیسے فرمایا خدا تعالیٰ نے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (بہت منہ ہوں گے آج کے دن تروتازہ اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے) اور کفار کے حق میں فرمایا كَلَّا اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (قسم ہے کہ بیشک وہ اس دن میں پروردگار اپنے سے حجاب کیے گئے ہیں)۔ پس معلوم ہوا کہ مومن کے واسطے حجاب نہ ہوگا۔ اور فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

بیشک وہ لوگ جو خریداری کرتے ہیں اللہ کے قول اور قسموں کی تھوڑی قیمت سے وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے آخرت میں اور نہ کلام کرے گا ان سے اللہ، اور نہ دیکھے گا ان کی طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کریگا ان کو اور ان کے لئے ہے عذاب دکھ دینے والا۔

پس معلوم ہوا کہ صالحوں کو نظر اور کلام بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوگا۔ اس کے علاوہ اور آیتیں بھی ہیں، پہلے بھی باب دوم میں گزرا کہ نفی رویت میں دستاویز ان کی سوائے اس کے کہ بعید جاننا اور قیاس غائب کا حاضر پر کرنا اور شبہ کرنا عادیات کا بدیہیات سے اور کچھ نہیں ہے۔ اور کمال بے ادبی ہے کہ آیات قرآنی کو بمجرد بعید جاننے اپنی عقل ناقص کی تاویل کی جائے اور ظاہر سے پھیر دیا جائے۔ اور اس کے معنی میں غور و فکر نہ کی جائے۔ اور یہ آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (یعنی درک نہیں کرسکتی ہیں اس کو بینائیاں) نفی ادراک کی ہے جو بمعنی دریافت کے ہے نہ کہ رویت کے۔ اور ادراک اور چیز ہے اور رویت اور چیز پس معنی آیت کے یہ ہیں کہ طریق دریافت حق سبحانہ و تعالیٰ استعمال حاسہ بصر کا نہیں ہے بلکہ طریق دریافت عقل و تامل کا ہے۔ اور بالفرض اگر ادراک نفی رویت کی ہے تو بنا بر عادت کے ہے۔ ظاہر ہے کہ دیکھنا خدا تعالیٰ کا ایک عادت والی بات نہیں ہے کہ جو کوئی چاہے دیکھ لے، جب تک وہ آپ کو نہ دکھائے کوئی اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور نفی عادت والی چیزوں کی مطلق اور بدون کسی قید لگانے کے کلام الٰہی میں واقع ہے جیسے فرمایا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (بیشک وہ دیکھتا ہے تم کو اور اس کو اور اس کنبے کو اس حیثیت سے کہ نہیں دیکھتے ہو تم ان کو) اور باتفاق جن اور شیاطین کا دیکھنا خرق عادت سے ہوتا ہے۔ اسی واسطے فرشتوں کے دیکھنے کی کہ کفار درخواست کرتے تھے اس کو عظیم اور بعید جانا ہے باوجود اس کے انبیاءؑ اور صلحاءؒ اور مومنین بھی ان کو دیکھتے تھے۔

رہی مخالفت عترت سو اوپر گزری روایت ابن بابویہ کی جو ابی بصیر سے کی ہے۔ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ هَلْ يَرَاهُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ نَعَمْ

(کہا پوچھا میں نے ابوعبداللہ سے سو کہا میں نے خبر دے مجھ کو اللہ عزّ وجل سے، کیا دیکھیں گے اُس کو مؤمن قیامت کے دن کہا ہاں) اس حدیث کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں۔ اور طُرفہ یہ کہ رؤیت کو کلام الٰہی اور ائمہ رضؔ میں حاصل ہوجانے علم یقینی کے قیاس کرتے ہیں۔ اور حالانکہ کتاب اللہ میں لفظ "نظر" متعدی "بالٰی" واقع ہے کہ جس پر ہرگز سوائے رؤیتِ حقیقی کے احتمال نہیں ہوتا۔ اور کلام ائمہ رضؔ میں لفظ رؤیت کا جواب سائلوں میں رؤیت قیامت سے ہے اور حصُول علم یقینی سے کوئی سوال ہی کیوں کرتا اور خصوصیت حصُول علم یقینی کی روز قیامت پر کیا ہے مگر دنیا میں کیا مؤمنین کو علم یقینی اُس کی ذات وصفات کا حاصل نہیں ہے؟ اہلِ سُنت کے نزدیک خود حاصل کرنا علم یقینی اُس کی ذات وصفات کا ضروریاتِ ایمان سے ہے اگرچہ شیعہ کو حاصل نہ ہو اور بحکم اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ (یعنی آدمی اپنے اُوپر ہر کسی کو قیاس کرتاہے) اوروں کے حق میں بھی یہ گمان فاسد رکھتے ہوں گیا۔

بابِ ششم

در بحث نبوت و ایمان بانبیاء علیہم الصّلوات والسّلام

عقیدۂ اوّل پہلے گزرا کہ امامیہ کے نزدیک مکلف کرنا بندوں کا امر و نہی کے ساتھ خدا تعالیٰ پر واجبات سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تکلیف بدون پیدا کرنے انبیاءؑ کے نہیں ہوتی ہے۔ پس پیدا کرنا انبیاءؑ کا بھی ان کے نزدیک ذمّے خدا تعالیٰ کے واجب ہوا۔

اس عقیدے میں جیسے خلل اور فساد ہیں ظاہر اور ہویدا ہیں۔ اس لئے کہ کوئی چیز خدا تعالیٰ پر واجب نہیں اور مرتبہ اُلوہیت اور ربوبیت کا شایان اس کے نہیں۔ البتہ تکلیف دینا اور پیغمبروں کا پیدا کرنا یہ ضرور واقع ہوتاہے لیکن یہ محض بمقتضائے کرم اور فضل کے ہے اگر کرے تو عنایت ہے اور اگر نہ کرے شکایت کیا ہے۔ اور یہی ہے مذہب اہل سنت کا۔ اور اگر پیدا کرنا پیغمبروں کا واجب ہوتا تو اللہ تعالیٰ بہت سی آیتیں اس باب میں نازل کرکے مقام امتنان اور احسان کے بیان میں مذکور نہ فرماتا۔ اس لئے کہ واجب کا ادا کرنا موجب احسان کا نہیں ہوتاہے جیساکہ فرمایا لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا (ہر آئینہ تحقیق احسان کیا اللہ نے مومنین پر اس بات کا کہ پیدا کیا اُس نے اُن میں پیغمبروں کو) اور حضرت ابراہیمؑ دعا پیدا کرنے رسول کی نہ کرتے اپنی اولاد کے حق میں۔ اس لئے کہ جب ایک شئ کا واقع ہونا خود ہی واجب ہو رہاہے پھر

اُس کی دعا بے معنے ہے جیساکہ اللہ تعالیٰ حضرت خلیل صلوات اللہ کی حکایت میں فرماتاہے رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ (اے پروردگار میرے پیدا کر اُن میں کوئی رسول اُن سے)۔

اب جاننا چاہیئے کہ امامیہ کے نزدیک یوں ہے کہ کوئی زمانہ نبی یا نبی کے وصی سے جو قائم مقام اُس کے ہو خالی ہونا نہیں چاہیئے اور نبی یا وصی کے پیدا کرنے کو خدا تعالیٰ کے ذمّے واجب جانتے ہیں۔ اور جو شیعہ کہ اسمٰعیلیہ سے ہیں نبی اور وصی دونوں کا ہونا ایک زمانے میں واجب جانتے ہیں۔ چنانچہ باب اوّل میں جہاں ذکر ان کے مذہب کا کیاہے گزرا۔ اور مفضلیہ اور عجلیہ ہر زمانے میں پیدا ہونا نبی کا واجب جانتے ہیں اور نبوت کا منقطع ہونا نہیں سمجھتے چنانچہ یہ بھی گزرا۔ اور اہل سنت ان سب سے کسی چیز کو واجب نہیں جانتے۔

یہ عقیدہ بھی شیعہ کا مخالف کتاب اور عترت کے ہے۔ کتاب کے مخالف اس طرح کہ بہت سی آیتیں دلالت کرتی ہیں اُس زمانۂ فترت پر جو خالی نبوت اور آثارِ نبوت سے ہے۔ اور بہت سی آیتیں ایسی ہیں جو دلالت کرتی ہیں ختم نبوت پر جیسے قرآن مجید میں ہے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (لیکن محمدؐ رسول اللہ کاہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا)۔ اور یوحنا کی انجیل صحاح چودھویں میں قَالَ عِیْسٰی لِلْحَوَارِیِّیْنَ وَاَنَا اَطْلُبُ لَکُمْ مِّنْ اَبِیْ یَمْنَحُکُمْ وَیُعْطِیْکُمْ فَارْقَلِیْطَ لِیَکُوْنَ مَعَکُمْ دَائِمًا اِلَی الْاَبَدِ (فرمایا حضرت عیسٰیؑ نے حواریوں سے اور میں مانگوں گا اپنے باپ سے تمہارے واسطے تو بخشے اور عطا کرے تم کو فارقلیط تاکہ رہے تمہارے ساتھ ہمیشہ ابد تک) فارقلیط لغت عبرانی میں بمعنے روحِ حق اور یقین کے ہے۔ اور نام لقبی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اور ایک جماعت جو یہود اور نصاریٰ سے مسلمان ہوئے ہیں اُنھوں نے اس بات پر گواہی دی ہے۔ اور نیز ابوعلی یحییٰ بن عیسے بن جزلۃ الطبیب صاحب کتاب تقویم اور منہاج جو طب میں ہیں کہ دراصل نصرانی تھا اور مسلمان ہوا اور ایک کتاب ردِّ نصاریٰ میں لکھی ہے۔ بہت آیتیں توریت کی اور عبارت انجیل کی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور نیز آنؐ کے ظہور کی خبر میں جو اُس نے پڑھی تھیں لایاہے اور اُس کتاب میں ان کا ذکر کیاہے۔

اخبار ائمہ اس مقدمہ میں حد سے زیادہ ہیں کہ بیان نہیں ہوسکتے۔ امامیہ اس مقدمہ میں بھی اسی بات پر تمسک کئے ہوتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ پر) لطف واجب ہے۔ پس یہ معاملہ بھی داخل لطف ہے۔ چنانچہ فساد اس اصل کا سابق میں گزرا اور اُس کے لوٹنے کی حاجت نہیں۔ اور اسمٰعیلیہ اس مسئلہ میں نکاتِ شعرِ مسروقہ کے ساتھ جو فلاسفہ سے چرائے ہیں تمسک کرتے ہیں اور کہتے ہیں جیسے عالم علوی میں ایک عقل ہے کامل کلّی اور ایک نفس ہے ناقصہ کُلّیہ کہ جس سے سب ہونیوالی چیزیں ہوئیں جیساکہ یہ بیان اوپر گزرا، ایسے ہی چاہیئے کہ عالم سفلی میں بھی کوئی عقل ہو کامل کلی اور نفس ہو ناقص کلی۔ پس رسول کی نسبت شرع مقرر کرنے میں ایسی

جیسے عقل کامل کی ہے پیدائش عالم میں۔ اور نسبت وصی کی اسی مقرر کرنے میں ایسی ہے جیسے نفس ناقصہ کلیہ کی ہے ایجاد میں۔ اور جیسے حرکت افلاک کی موافق حرکت دینے عقل اور نفس کے ہے۔ حرکت نفوس انسانیہ کی بھی طرف نجات اور کامل کرنے درجوں کے موافق حرکت دینے رسول اور اس کے وصی کے ہے۔ اسی قیاس پر ہر وقت اور ہر زمانہ میں یہ دو خلیفہ عقل و نفس عالم سفلی میں ہمیشہ موجود رہتے ہیں۔ اور عاقل خوب جانتا ہے کہ یہ بالکل خرافات اوہام اور مزخرفاتِ فلسفہ۔ خام ہیں اپنے دل سے پیدا کی ہیں ورنہ عقل و نفس کا عالم علوی میں ہونا کب ثابت ہے اور کس نے مانا ہے پھر عالم سفلی کو اُس بات پر جو عالم علوی میں ہے شامل کرنا کب واجب اور لازم ہے۔ اور حضرت امیر المؤمنینؓ سے صفت درود میں متواتر شیعوں کی کتابوں میں یہ عبارت موجود ہے :۔

اَللّٰھُمَّ دَاحِیَ الْمَدْحُوَّاتِ وَدَاعِمَ الْمَسْمُوْکَاتِ اِجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَ نَوَامِیْ بَرَکَاتِكَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ۔

بار خدایا برابر کرنے والے زمین کے اور بے ستون ستون دینے والے بلندیوں کے کر اپنی بہترین رحمتوں اور افضل ترین برکتوں کو محمدؐ اپنے بندے پر اور اپنے رسول پر کے ختم کرنے والا اُس چیز کا ہے جو پہلے سے تھی۔

اور بعض خطبوں میں بھی جو شیعہ کے نزدیک متواتر ہیں وارد ہے :۔

اَرْسَلَهٗ عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ وَ طُوْلِ هَجْعَةٍ بَيْنَ الْاُمَمِ اِلٰی اَنْ قَالَ وَ اَمِيْنُ وَحْيِهٖ وَخَاتَمُ رُسُلِهٖ وَبَشِيْرُ رَحْمَتِهٖ وَنَذِيْرُ نِقْمَتِهٖ۔

بھیجا اُن کو بعد منقطع ہونے کے پیغمبروں سے اور بڑھ جاتے غفلت کے امتوں میں یہاں تک کہ کہا انہوں نے امانت اور حکم خدا کی اور خاتم اُس کے پیغمبروں کے اور بشارت دینے والے خدا کی رحمت سے اور ڈرانے والے اُس کے عذاب سے۔

اس خطبے سے جیسا کہ ختم نبوت ثابت ہوتا ہے وقوع فترت بھی ثابت ہوتا ہے۔ اور معنی فترت کے یہی ہیں کہ نہ نبی ہو نہ قائم مقام اُس کا اور اگر فترت کے معنے میں محض نہ ہونا نبی کا منظور رکھیں تو لازم آئیگا کہ زمانہ حضرت امیرؓ کا بھی بعد زمانۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ فترت کا ٹھہرے۔

❋ **عقیدہ دوم**[۲]۔ یہ کہ انبیاءؑ سارے مخلوق میں بہتر ہیں اور سوائے نبی کے اور کوئی برابر نبی کے قرب و منزلت میں عند اللہ نہیں ہو سکتا نہ کہ نبی سے کوئی افضل ہو جائے کہ تمام فریق اہل اسلام کا یہی مذہب ہے سوائے امامیہ کے کہ ان کو اس مسئلہ میں بہت خرخشے ہیں مگر اتنی بات پر سب متفق ہیں کہ حضرت امیرؓ سوائے انبیائے اولو العزم کے سب سے افضل ہیں لیکن پیغمبر آخر زمانؐ سے افضل نہیں ہیں۔ بعض نے ان میں سے اولو العزمون کے حق میں توقف کیا ہے ان ہی متوقفین میں سے ایک ابن مطہر حلی بھی ہے، بعضے حضرت امیرؓ کو ان کے برابر

جانتے ہیں۔ زیدیہ نے اس مقدمہ میں بہت ہی بُرا رَدّ امامیہ پر کیا ہے اور روایتیں متواترہ ان کی اس پر نص کرتی ہیں: مَنْ قَالَ اَنَّ اِمَامًا مِّنَ الْاَئِمَّةِ اَفْضَلُ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فَهُوَ هَالِكٌ (جس نے کہا کہ بیشک ایک امام اماموں سے افضل انبیاءؑ سے ہے سو وہ ہلاک ہونے والا ہے) اور ائمہ ثلاثہ یعنی حضرت امیرؓ اور سبطینؓ سے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے اہل سنت کو ثبوت اس مطلب کے واسطے حاجت اقوال عترت کی نہیں رہی لیکن جو اس رسالہ میں التزام اس بات کا ہے کہ کتب امامیہ کے بھی روایتیں لکھتے ہیں اس واسطے کچھ تو اُن سے لکھا جاتا ہے رَوَی الْکُلَيْنِیُّ عَنْ هِشَامٍ الْاَحْوَلِ عَنْ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَفْضَلُ مِنَ الْاَئِمَّةِ وَ اَنَّ مَنْ قَالَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَهُوَ ضَالٌّ (روایت کی کلینی نے ہشام احول عن زید بن علی بیشک انبیاءؑ افضل ہیں اماموں سے اور بیشک جس نے کہا سوا اس کے سو وہ گمراہ ہے)۔

وَرَوَی ابْنُ بَابَوَيْهِ عَنِ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا يُنَصُّ عَلٰی اَنَّ الْاَنْبِيَاءَ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ عَلِيٍّ كَمَا يَجِیْءُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

روایت کی ابن بابویہ نے صادق علیہ السلام سے جو کچھ تصریح کی گئی ہے اس بات پر کہ بیشک انبیاءؑ محبوب تر ہیں خدا تعالیٰ کے علیؓ سے، جیسا کہ آتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس عقیدے کی مخالفت کتاب اللہ سے اظہر من الشمس اور ابین من الامس ہے اس لئے کہ تمام قرآن دلالت کرتا ہے ان کے برگزیدہ اور چیدہ ہونے پر سارے جہاں سے اور عقل بھی صریح اس بات کو بتاتی ہے کہ نبی کو واجب الاطاعت کرنا اور وحی اُس کی طرف بھیجنا اور اُس کو مختار امر و نہی کا کرنا اور حاکم مطلق ٹھہرانا اور امام کو نائب اور تابع اُس کا بنانا بغیر فضیلت نبی کے امام پر کب ہو سکتا ہے۔ اور جب یہ بات ہر نبی کے حق میں موجود ہے، ہر امام کے حق میں مفقود۔ یقینی کوئی امام کسی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ اور حالانکہ مذہب امامیہ کا تمام اماموں کے حق میں یہی ہے کہ تمام انبیاءؑ سے افضل ہیں۔ اور تقدیم نبیوں کی صدیقوں، شہیدوں اور صالحوں پر نصوص قرآنی سے جابجا ثابت ہے جو فساد اس عقیدے پر دلالت کرتے ہیں اور ہمیشہ قاعدہ امامیہ کا یہی ہے کہ فروع میں اس قدر مبالغہ اور غلو کرتے ہیں کہ اصول کو توڑ پھوڑ کر دیتے ہیں چنانچہ الٰہیات میں ایسی جانب داری بندوں کا لحاظ رکھا ہے کہ قائل وجوب اصلح اور وجوب لطف کے ہوئے ہیں۔ اور افعال بندوں اور شر و قبائح کے پیدا ہونے کی نسبت جو بندوں سے ظہور کرتی ہیں بندوں کی طرف کی ہے اور مرتبہ ربوبیت اور الٰہیت کو گڑبڑ کر دیا ہے۔ اور توحید باری تعالیٰ اور عام قدرت کو اُس کی اور اُس کی بے نیازی کو اُس کے عدل سے باطل کیا ہے۔ ایسے ہی امامت کی شرطوں میں کہ بالاتفاق نیابت نبوت کی ہے اور فروع اُس کی اماموں کی مدح اور مناقب میں یہاں تک افراط کی ہے کہ منصب نبوت کو ذلیل اور حقیر کر دیا ہے۔

اور ستائش جناب امیرؓ اور اُن کی اولاد پاک میں کہ یہ بھی ایک شعبہ ہے ایمان اور شریعت کے شعبوں سے اس قدر غلو کیا ہے کہ ایمان جو انبیاءؑ کے ساتھ رکھتے تھے وہ بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ اور تحقیر و تذلیل انبیاءؑ کی ان پر لازم ہوئی۔ حالانکہ آپ ہی کہتے ہیں کہ امامت نیابت نبوت کی ہے۔ پس خوب ظاہر ہے کہ مرتبہ نائب کا مرتبہ اصل کو نہیں پہنچتا نہ اُس سے اُوپر ہو سکتا ہے۔ اور جس پر ان کو دستاویز ہے وہ چند شبہات ہیں جو چند اخبار سے ان کو پیدا ہوتے ہیں کہ پیشوا ان کے دفتروں میں لکھ گئے ہیں اور اُن کے بموجب حکم کر گئے ہیں۔ چنانچہ اول میں ان روایتوں اور حال ان کے رجال کا اور کیفیت حکم اور صحت اخبار کی جو اُن کے علماء سے صادر ہوتی ہے، ناظرین اس رسالہ کو مفصل معلوم ہوا ہے دوبارہ اُس کے ساتھ حجت کرنا اور اُس کو حجت میں لانا موافق قاعدہ اصولیہ کے ٹھیک نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ باجماع قطعی قبل ظہور مخالف کے معارض ہیں۔ پس قول بظاہر اُن روایتوں کے روا نہیں ہے بلکہ تاویل کرنا چاہیئے۔ اور دوسری روایتوں کے ساتھ بھی معارض ہیں مثل روایتوں کلینی کے جو زید بن علی سے کی ہے اور ابن بابویہ کی جو صادقؑ سے ہے۔ اور خبر واحد اگر باہم معارض ہو تو ظنی ہے اور اصول اعتقادیات میں اُس کو سند اور دستاویز نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ محققین شیعہ امامیہ کے نزدیک کہ ابن زہرہ اور ابن ادریس اور ابن البراج اور شریف مرتضیٰ ہیں، اور دوسرے اکثر قدماء ان کے اُس کو قابل احتجاج نہیں جانتے اور متاخرین نے بھی اسی مذہب کو اختیار کیا ہے۔ اسی واسطے اخبار احاد کو دلائل میں شمار نہیں کیا ہے بلکہ رد اُس کا واجب جانا ہے خصوصاً اُن باتوں میں جو اعتقادی ہیں۔

قَالَ ابْنُ الْمُطَهَّرِ الْحِلِّيُّ فِيْ مَبَادِی الْوُصُوْلِ اِلٰی عِلْمِ الْاُصُوْلِ اِنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ اِذَا اقْتَضٰی عِلْمًا وَ لَمْ یُوْجَدِ الْاَدِلَّةُ الْقَاطِعَةُ مَا یَدُلُّ عَلَیْهِ وَجَبَ رَدُّہٗ۔

کہا ابن مطہر حلی نے کتاب مبادی الوصول الیٰ علم الاصول میں بیشک خبر واحد جب مقتضی ہو کسی اعتقاد کی اور اُس کے لئے دلیلیں پائی جائیں کہ جس سے وہ اعتقاد اختیار کیا جائے تو واجب ہے رد کرنا اُس کا۔

اور ظاہر ہے کہ مضمون ان روایتوں کا دلائل قطعیہ میں موجود نہیں ہے بلکہ خلاف اُس کے موجود ہے۔ اور قطع نظر اس کے وہ روایتیں دلالت مدعا پر بھی نہیں کرتیں۔ چنانچہ بطور نمونہ اُن شبہات و روایات سے نقل کرتے ہیں اور اُن روایتوں کے دلالت کے وجہ میں جو اخفا ان کے مدعا میں ہے اُس کو بیان کرتے ہیں۔

❋ شبہ اول یہ کہ ائمہؓ علم میں انبیاءؑ سے افضل ہیں پس مرتبے میں بھی افضل ہوں گے اس لئے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ (کہہ تو نہیں برابر ہوتے ہیں وہ لوگ کہ جانتے ہیں اور وہ لوگ کہ نہیں جانتے ہیں)۔

وَ قَدْ رَوَی الرَّاوَنْدِیُّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَ اُوْلِی الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِالْعِلْمِ وَ وَرَّثَنَا عِلْمَهُمْ وَ فَضَّلَنَا عَلَیْهِمْ وَ عَلَّمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا یَعْلَمُوْنَ وَ عَلَّمَنَا عِلْمَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ تَلٰی قوله تعالیٰ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

بیشک روایت کی راوندی نے ابی عبد اللہ علیہ السلام سے فرمایا بیشک فضیلت دی اللہ تعالیٰ نے اولوالعزموں کو جو رسولوں سے ہیں اور نبیوں پر بسبب علم کے اور میراث دی ہم کو اولوالعزموں کی اور فضیلت دی ہم کو انبیاءؑ پر اور سکھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ چیز کہ نہیں جانتے تھے انبیاءؑ اور علم دیا ہم کو علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور پڑھا فرمایا ہوا خدا تعالیٰ کا قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

❋ جواب اس شبہے کا یہ ہے کہ یہ خبر اُس صورت میں کہ پہلے صحت اس کی مان لی جائے تو دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ ائمہؓ کی زیادتی علم کی سمجھی جاتی ہے اور یہ جانا جاتا ہے کہ علوم مرسلین کے بالکل اُن کو حاصل تھے اس لئے کہ متاخرین علم متقدم کے ناظر اور اطلاع یافتہ ہوتے ہیں کوئی شخص جو زمانہ متاخر میں ہوتا ہے علمائے سابقین سے بلاشبہ تمام علم اُن علماء کے احاطہ کر لیتا ہے بخلاف علمائے وقت یا متقدم کہ احاطہ ان کا علوم معاصرین اور متاخرین پر صورت نہیں پکڑ سکتا۔ اور اس فضیلتِ جزئی سے فضیلتِ کلّی علم میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ دیگر صفات۔ اب اس بات کو ایک مثال دے کر بخوبی کھول دیں مثلاً کوئی نحوی اس زمانہ کا مسائل کافیہ اور لباب اور وافی اور تصانیفِ ابن مالک و ابن ہشام اور ازہری وغیرہ علمائے نحو کہ پہلے گزرے ہیں احاطہ کرے بے شبہ علم اُس کا مسائل نحو میں ان سب علمائے مذکورین کے علم پر زیادہ ہوگا، کیونکہ ہر ایک ان سے اُن مسائل پر جو مستخرج اوروں کے ہوں گے، اور اوروں کی طبیعتیں نکتہ زا پیدا کریں گے اُن پر تو واقف نہ ہوں گے اور مقرر ہے کہ اَلصِّنَاعَاتُ اِنَّمَا تَتَکَامَلُ بِتَلَاحُقِ الْاَفْکَارِ (یعنے علوم نہیں کامل ہوتے ہیں مگر بسبب پہنچنے فکروں کے) اس نحوی نے ان سب پر اطلاع پائی ہے باوجود اس کے بھی رُتبہ اس نحوی کا مثل اُن علماء کے ہرگز نہیں ہو سکتا پھر فضیلت کیسی۔ اس واسطے کہ رسوخ علم میں اور تعمق نظر اور غور اور فکر اور مسائل کو اُن کے دلائل سے پہچاننا اور ٹھکانا ہر دقیقے کا دریافت کرنا اور مسئلے نادر لغوت تلاش اور پیروی کلام عرب کی نکالنا یہی اصالت فضیلت کی ہے نہ کہ بالکل اُن کو معلوم کر لینا اور عبور ہو جانا کہ یہ تعمق اور فکر اُس عبور کو کب پہنچتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اس زمانہ کے منطقی کو یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ وہ ارسطو اور ابو نصر فارابی اور ابو علی بن سینا سے بڑھ گیا ہے اور اُن پر غالب ہے، حالانکہ جو کچھ اُنھوں نے نکالا ہے وہ اُن سب سے مطلع ہے بلکہ اُن میں سے ہر ایک کو ایسا حاصل نہ تھا۔ ایک لڑکا عروض سیفی پڑھا ہوا خلیل بن احمد پر دقائق میں بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ اور مانا ہم نے یونہی سہی تب بھی تو کثرتِ علم سے

کثرت ثواب کی نہیں ہو سکتی جو عند اللہ مدار فضل ہے نہ کثرت علم، نہیں تو فضیلت حضرت خضرؑ کی حضرت موسیٰؑ پر لازم آئے کہ بالاجماع یہ خلاف ہے۔ یہ بھی ہم نے مانا لیکن کثرت علم کی کہ موجب کثرت ثواب ہے وہ وہ علم ہے جس پہ مدار اعتقاد اور عمل کا ہو نہ کہ علوم زائدہ۔ اور یہی علم مراد ہے آیۂ کریمہ میں قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ اور ہر نبی کو وہ علم جو مدار اعتقاد و عمل کا ہے اچھی وجہ سے (اور پورے طور پر) حاصل تھا۔ اگر کچھ زیادتی اور فضیلت اماموں یا اور علماء کو ہوگی تو اور علموں میں ہوگی۔ اس مدعا کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ علم ہر نبی کو اچھی طرح حاصل نہ ہوتے تو بیان اور پہنچانے احکام الٰہی سے کیونکر عہدہ برآ ہو سکتے اور ان کے پیدا کرنے سے کیا غرض حاصل ہوتی۔

شبہ دوم۔ تمسک کرتے ہیں روایت حسن بن کبش پر جو ابی ذر سے کی ہے۔

قَالَ نَظَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَقَالَ هٰذَا خَيْرُ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ مِنْ أَهْلِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرَضِينَ۔

کہا دیکھا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے طرف علیؓ بن ابی طالب کے اور کہا کہ یہ بہترین اولین اور آخرین کا ہے اہل سموات اور زمینوں سے۔

نیز اسی حسن بن کبش نے ابی وائل عن عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے قَالَ سَمِعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ لِي جِبْرَئِيلُ عَلِيٌّ خَيْرُ الْبَشَرِ مَنْ أَبٰى فَقَدْ كَفَرَ۔

جواب ان کا یہ کہ یہ روایتیں اُس جنس سے ہیں کہ امامیہ ان کی روایتوں پہ منفرد ہیں اور حالت ان کے راویوں کی اس قسم کی ہے کہ سابق میں روشن ہو چکی۔ اور اس کے ساتھ خود امامیہ کے نزدیک یہ دونوں خبریں دائرۂ اعتبار سے گری ہوئی ہیں اور ٹھیک سند نہیں رکھتیں کیونکہ حسن بن کبش اور اس کے بعد جو راوی ہیں سب مجہول اور ضعیف ہیں جیسے کہ ان کے علماء نے تصریح کی ہے اور باوجود اس کے مدعا پر حجت بھی نہیں ہیں اس لئے کہ تخصیص سوائے انبیاءؑ کے مثل ان عمومات کے کلام رسول میں شائع اور ذائع ہے۔ اگر ایک جگہ ذکر نہ کی تو اور جگہوں پر قیاس کر کے اُس کو منظور و ملحوظ کریں گے اور عام مخصوص حجت نہیں ہوتا بخبر یہ ظنی ہے اور کچھ اسکا اعتبار نہیں اعتقادیات میں۔ سَلَّمْنَا الْعُمُومَ فِي الْأَشْخَاصِ وَلٰكِنْ لَا نُسَلِّمُ الْعُمُومَ فِي الْأَوْقَاتِ (یعنے مان لیا ہم نے عموم اشخاص میں لیکن نہیں مانتے ہیں ہم عموم اوقات میں) کیونکہ یہ عام بہتر ہونا حضرت امیرؓ کو حیات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے میں بے شبہ حاصل نہ تھا کہ اس میں کچھ جھگڑا ہی نہیں۔ اس سبب سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امیرؓ سے افضل تھے اور اولین اور آخرین کہنے سے جملہ بشر میں داخل پس مراد غیر اُس وقت کے ہے۔ اور مراد اولین و آخرین سے اولین اور آخرین

اُس وقت کے ہیں جیسے کہا هُوَ صَحِيحٌ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ لِأَنَّهُ أَفْضَلُ الْبَشَرِ فِي زَمَنِ خِلَافَتِهِ وَلَا مَحْذُورَ وَلَا نِزَاعَ (یعنی یہ صحیح ہے اہل سنت کے نزدیک اس واسطے کہ جناب امیرؓ اپنے زمانہ خلافت میں افضل البشر ہیں اور اس میں نہ کچھ خوف ہے نہ جھگڑا)۔

شبہ سوم۔ تمسک کرتے ہیں روایت پر سعد بن عبداللہ بن ابی خلف الاشعری القمی کے کہ کتاب قصاص میں ابی جعفر علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ اور روایت محمد بن یعقوب کلینی پر جو کافی میں ابی عبداللہ علیہ السلام سے کی ہے۔

أَنَّهُمَا قَالَا فِي تَفْسِيرِ قَوْلِهِ تَعَالَى قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي هُوَ خَلْقٌ أَعْظَمُ مِنْ جِبْرَئِيلَ وَمِيكَائِيلَ لَمْ يَكُنْ مَعَ أَحَدٍ مِمَّنْ مَضٰى غَيْرَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ مَعَ الْأَئِمَّةِ يُوَفِّقُهُمْ وَيُسَدِّدُهُمْ۔

بیشک کہا ان دونوں نے قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي آیت کی تفسیر میں کہ روح ایک خلق ہے بزرگتر جبرئیل و میکائیل سے کہ اور جو گزرے ہیں اُن میں سے کسی کے ساتھ یہ خلق نہیں رہے ہیں سوائے محمدؐ کے اور وہ ساتھ اماموں کے ہے کہ توفیق دیتی ہے ان کو اور مضبوط رکھتی ہے اُن کو۔

جواب یہ ہے کہ اول تو خود اس حدیث کی سند میں ہشام بن سالم واقع ہے۔ اور حال اُس کا معلوم ہے کہ مجسم محض اور ملعون حضرات ائمہؑ کا تھا۔ اور سند حدیث میں دوسرا ابو بصیر ہے جس نے خود اقرار اپنے جھوٹ کا کیا ہے حضرات ائمہؑ پر اور ان کا بھید ظاہر کر دینے کا۔ اچھا ہم نے مان لی صحت اُس کی لیکن مضمون اس حدیث کا منافی عصمت پیغمبرؐ اور ائمہؑ کا ہے۔ اس لئے کہ محتاج اتالیق اور مؤدب کا وہ ہوتا ہے کہ خود معصوم نہ ہو اسی واسطے فرشتے محتاج اتالیق کے نہیں ہیں۔ پس اس امر میں نقصان ظاہر انبیاءؑ سابق سے جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور ائمہؑ کو حاصل ہوتا ہے کہ وہ کمال عصمت رکھتے تھے خود بخود موفق اور مسدد تھے۔ اور جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہؑ کو احتیاج ایسے اتالیق کی تھی کہ ہر وقت ان کو خبردار کرتا ہے اور راہ راست پر لایا کرے، اور خدا بچائے اس احتمال فاسد سے۔ اور نیز ہم پوچھتے ہیں کہ ہونا روح کا ہمراہ پیغمبرؐ کے شرط ہے یا نہیں۔ دونوں میں سے ایک شق اختیار کرنا چاہیے۔ اگر شرط ہے تو انبیاءؑ اگلے کہ ان کے ساتھ روح نہ تھی غیر معصوم ہوتے اور یہ بالاجماع باطل ہے۔ اور اگر شرط نہیں ہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ معصومؑ معصوم نہیں ہوں گے۔ اور یہ بھی بالاتفاق باطل ہے اس لئے کہ محتاج ہوتے اتالیقی روح کے۔ اور تفضیل انبیاءؑ کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہؑ پر لازم آئی کہ وہ سب بدون مصاحبت روح کے معصوم تھے اور یہ سب بمصاحبت روح کے معصوم ہوئے۔ اس مقام پر تماشا تو ابن بابویہ نے کیا ہے کہ اپنی کتاب اعتقاد میں چلا چلا کر گا رہا ہے:۔

إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَخْلُقْ خَلْقًا أَفْضَلَ مِنْ مُحَمَّدٍ وَالْأَئِمَّةِ وَهٰؤُلَاءِ أَحَبُّ أَحِبَّاءِ اللّٰهِ وَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهُمْ أَكْثَرَ مِنْ غَيْرِهِمْ وَإِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهُمْ أَكْثَرَ مِنْ خَلْقِهِ وَبَرِيَّتِهِ۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا ہے کسی مخلوق کو بزرگتر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اماموں سے اور یہ لوگ دوست ترین دوست خدا کے ہیں اور بیشک اللہ دوست رکھتا ہے ان کو زیادہ ان کے غیر سے اور بیشک اللہ دوست رکھتا ہے انکو زیادہ اپنے مخلوق اور پیدائش سے۔

پھر خود انہی حضرت نے کتاب امالی میں بروایت صحیح ایک خبر طویل کے ضمن میں کہ متضمن قصۂ نکاح ہونے حضرت زہرا رض کے حضرت امیر رض کے ساتھ ہے۔ حضرت صادق اور اُن کے آباء سے روایت کی ہے۔

أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ لِسُكَّانِ الْجَنَّةِ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ وَأَرْوَاحِ الرُّسُلِ وَمَنْ فِيهَا أَلَا إِنِّي زَوَّجْتُ أَحَبَّ النِّسَاءِ إِلَيَّ مِنْ أَحَبِّ الرِّجَالِ إِلَيَّ بَعْدَ النَّبِيِّينَ۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا جنت کے رہنے والوں یعنی ملائکہ اور پیغمبروں کی ارواح سے اور جو کوئی اُس میں تھے خبردار ہو میں نے نکاح باندھا اس کا جو سب عورتوں میں میرے نزدیک دوست تر ہے اس شخص سے جو دوست تر ہے سب مردوں میں مجھ کو بعد پیغمبروں کے۔

پس یہ روایت صریح آگاہ کر رہی ہے اس بات پر کہ انبیاءؑ محبوب تر ہیں خدا کے نزدیک حضرت امیر رض سے۔ اور دغا بازی ابن بابویہ کی اس تناقض صریح اور قبیح میں جو دونوں روایتوں میں ہے سوائے اس کے کیا ہے کہ "دروغ گو کو حافظہ نہیں ہوتا" اور اس قسم کے تناقض اور تضاد کہ کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ، ان کے مذہبوں اور دلیلوں میں سر سے پاؤں تک بھرے ہیں۔ اور سب کا اُستاد اس علت میں یہ شیخ ابن بابویہ ہے۔ اسی مسئلۂ ما نحن فیہ یعنی جس کا ذکر ہم کر رہے ہیں ایک مثال واسطے اس تناقض کے نقل کریں تو کلام اس بیچ میں اجنبی نہ معلوم ہو۔ مثلاً تمام امامیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت امیر رض اعرف باللہ تھے سب پیغمبروں سے یعنی سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کو پہچاننے والے سوائے پیغمبرؐ اپنے زمانہ کے۔ اور شیخ ابن بابویہ اس مقدمہ میں روایت رکھتا ہے ابی عبداللہ سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

أَنَّهُ قَالَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَا عَلِيُّ مَا عَرَفَ اللّٰهَ إِلَّا أَنَا وَأَنْتَ وَلَا عَرَفَنِي إِلَّا اللّٰهُ وَأَنْتَ وَلَا عَرَفَكَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَا۔

تحقیق حال یہ ہے کہ فرمایا آنحضرت صلعم نے اے علی رض! نہیں پہچانا ہے خدا کو کسی نے میرے اور تیرے سوا اور نہیں پہچانا ہے مجھ کو سوا اللہ کے کسی نے اور نہیں پہچانا ہے تجھ کو کسی نے سوائے اللہ کے اور میرے۔

اور پھر خود اسی شیخ ابن بابویہ نے کتاب المعراج میں ایک خبر طویل کے ضمن میں اُن ابوذر اور اُس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

قَالَ لَمَّا عُرِجَ بِي إِلَى السَّمٰوَاتِ جَاءَنِي مَلٰئِكَةُ كُلِّ سَمَاءٍ وَسَلَّمُوا عَلَيَّ

فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس وقت کہ معراج ہوئی مجھ کو طرف آسمانوں کے آئے میری پاس فرشتے سب آسمانوں کے اور مجھ کو سلام کیا

وَقَالُوا إِذَا رَجَعْتَ إِلَى الْأَرْضِ فَاقْرَأْ عَلِيًّا مِنَّا السَّلَامَ وَأَعْلِمْهُ أَنَّ شَوْقَنَا لَهُ طَوِيلٌ فَقُلْتُ لَهُمْ يَا مَلٰئِكَةَ رَبِّي هَلْ تَعْرِفُونَنَا حَقَّ الْمَعْرِفَةِ قَالُوا لِمَ لَا نَعْرِفُكُمْ إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ۔

اور کہا جب آپ لوٹ کر زمین کی طرف جائیں تو ہمارا سلام علی رض سے کہنا اور جتا دینا کہ ہمارا شوق تمھاری طرف بہت بڑھا ہوا ہے پھر میں نے کہا کہ اے میرے پروردگار کے فرشتو! آیا تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ جیسا کہ پہچاننا چاہیئے، کہا کیوں نہیں ہم تم کو پہچانتے ہیں، غرض آخر حدیث تک۔

اب اس روایت سے صریح ظاہر ہوا کہ ہر آسمان کے فرشتے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین رض کو جیسا کہ پہچاننا چاہیئے ویسا پہچانتے تھے۔ پس اس میں جو دو جگہ حصر واقع ہوا جس پر ان کو تمسک ہے باطل محض ہو گیا۔ اس جگہ بھی شیخ ابن بابویہ کو سوا عذر مقرری کے کچھ نہیں بن پڑے گا۔ اور یہی خبر پہلی صریح اس بات کو بتاتی ہے کہ انبیاءؑ و رُسل کو اصل معرفت خدا کی جیسا کہ ظاہر ہے یا حق معرفت خدا کا جیسا کہ وہ مراد ہے حاصل نہ تھا۔ اور جس کو کہ معرفت خدا کی جیسی چاہیئے ویسی حاصل نہ ہو وہ کب قابل رسالت اور نبوت کے ہوگا۔ اور یہ بھی ہے کہ خبر مذکور اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حق معرفت کا ائمۂ اطہار مثل حسنین علیہما السلام اور ان کے بعد کسی کو حاصل نہ تھا سو یہ انہی کے مذہب کے خلاف ہے۔ جب حال ان شبہات کا جو ان کو تفضیل ائمہ رض میں انبیاءؑ پر ہے بطور نمونہ معلوم ہوا۔

اب ضروری ہوا کہ لائق اس رسالۂ مختصر کے وہ باتیں کہ ان کو نہایت درجہ مبالغہ تفضیل ائمہ اور تحقیر اور اہانت انبیاءؑ میں ہے بیان کریں تاکہ ایمان والے اس فرقہ کی ہمنشینی اور مصاحبت کے سبب سے قیامت کے دن انبیاءؑ کے سامنے شرمندہ نہ ہوں اور حضرات ائمہ رض اور دیگر اولیاءؒ اور صلحائے اُمت کہ ان کی بزرگی کے معتقد ہیں، حد اعتدال سے نہ نکل جائیں۔ پس جملہ اُن غلو سے جو حق ائمہ رض اور تحقیر انبیاء علیہم السلام میں انکا ہیں

غلو اوّل یہ ہے کہ انبیاءؑ کی پیدائش ائمہ رض کے طفیل ہے۔ مقصود بالذات پیدائش ائمہ رض کی تھی۔ اور یہ بات ایسی ہے جیسے اصیل کو طفیلی نائب کا ٹھہرائیں اور کہیں کہ اصیل اس واسطے مقرر کیا گیا تھا کہ نائب مقرر ہو۔ اور یہ خلاف عقل کے ہے۔ اور اس مقدمہ میں انھوں نے شیخ مفید کی روایت کو دستاویز بنایا ہے یعنی محمد بن نعمان کہ اُستاد شریف مرتضیٰ اور شیخ ابو جعفر طوسی کا ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَنَا سَيِّدُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنْتَ سَيِّدُ الْأَوْصِيَاءِ لَوْلَا أَنَا لَمْ يَخْلُقِ اللّٰهُ الْجَنَّةَ يَا عَلِيُّ وَلَا الْمَلٰئِكَةَ وَلَا الْأَنْبِيَاءَ۔

روایت ہے محمد بن حنفیہ سے کہا انھوں نے کہ فرمایا امیر المومنین نے میں نے سنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے میں سردار انبیاءؑ کا ہوں اور تو سردار اوصیاء کا اگر میں نہ ہوتا تو نہ پیدا کرتا اللہ تعالیٰ جنت کو اے علی رض! اور نہ عرشیوں اور نہ نبیوں کو۔

اور یہ خبر بے شبہ مفتریاتِ قوم سے ہے۔ اس واسطے کہ مفہوم "لولا" میں کہ امتناع ایک شئے کا واسطے امتناع اُس کے غیر کے ہوتا ہے یہاں توقف اور احتیاج نفی ثانی کی واسطے اول کی ضروری ہے ورنہ ترتیب امتناع دوسرے کی امتناع اوّل پر معقول نہیں ہے۔ اور یہ خوب ظاہر ہے کہ یہاں موقوف ہونا وجود جمیع انبیاءؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امیرؓ کے وجود پر صریح الانتفا ہے اور اگر کچھ توقف بھی ہوگا تو نسبت آباءِ کرام اور اُن پیغمبروں کے ہوگا کہ داخل سلسلۂ نسب کے ہیں اور وہ بھی بعنوان اُبوّت نہ کہ بعنوان نبوت اس لئے کہ جائز ہے کہ وہ گروہ پیدا ہوں کہ نسل اُن سے جاری ہو اور پیغمبر نہ ہوں۔ اور ملائکہ اور جنّت میں خود اس قدر بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ اے بار خدایا سوائے اس کے اور کیا ہے کہ فرشتے ان کی محافظت پر مقرر ہوں یا ان کی مدد اور نُصرت کریں اور اعمال لکھیں۔ اور جنت سے بھی یہی کہ مواضع ان کے مسکن کے ہوں اور ان کے متعلقوں کے۔ پس معلوم ہوا کہ اگر یہ خبر صحیح بھی ہوتی تو مراد اُس سے اُس کے معنے حقیقی نہ ہوتے بلکہ غرض محض بیان عنایت حضرت حق کی ہے اپنے حق اور حضرت امیرؓ کے حق میں۔ اور یہ کہ ہدایت خلق اور ارشاد مخلوق بطریق ظاہر و باطن کہ ان دونوں سے ظاہر کی ماخذ تمام یار اور اصحاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں اور باطن کے مصدر جناب امیرؓ اس لئے کہ اکثر طریقوں اور سلسلوں کی راہ اور انتہا حضرت امیرؓ کے ساتھ ہے زیادہ جمیع انبیاءؑ اور اوصیاء سے ہونے والے۔ تو یہ بات مستلزم تفضیل جناب امیرؓ کی فقط انبیاءؑ پر نہیں ہوسکتی اس لئے کہ تفضیل مجموع اشیاء کی دوسرے اشیاء کے مجموع پر مستلزم تفضیل احاد کی احاد پر بھی نہیں ہے نہ کہ تفضیل آحاد کی مجموع پر۔

غلو دوم۔ یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ملائکہ اور انبیاءؑ سے عہد لیا ولایتِ ائمہؑ اور ان کی اطاعت پر۔ یہ بات بھی صریح خلاف عقل کے ہے کیونکہ یہ جانتے ہوئے کہ انبیاءؑ زمانۂ ائمہؑ میں نہ ہوں گے اُن سے عہد لینا محض عبث ہے۔ غرض عہد لینے سے مدد اور اعانت اور اُن کی تعریف کرنا اور مدح کا عالم میں پھیلانا ہے۔ اور جب زمانہ ایک نہیں تو یہ عہد کس کام آئے گا۔ اور جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کرنے کا عہد انبیاءؑ سے لیا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، یہ اس سبب سے ہے کہ احکام صریح نبوت آنجناب اور تعریفیں شمائل کی کتبِ آسمانی میں صریح اور نازل تھیں اور اہل کتاب کا ہونا وقت اظہار اُن نصوص کے مقطوع بہ۔ پس انبیاءؑ سے عہد لیا گیا تاکہ اُن احکام و نصوص کو بخوبی اُمت کو سمجھا دیں اور پہنچا دیں اور امتیوں سے بھی عہد لیا کہ وہ سالہا سال اُن نصوص کو بے تغیر و تبدل یاد رکھیں اور وقت حاجت کے ظاہر کیا کریں۔ بخلاف امامت ائمہؑ کے کہ نہ کتبِ انبیاءؑ میں نازل ہوئی نہ اگلی اُمتوں میں رواج پایا نہ اُس کے اظہار کی حاجت پڑی اس واسطے کہ امامت نص پیغمبر سے ثابت ہوتی ہے۔ اور جبکہ امامت نیابت پیغمبر کی ہے اور اہلِ کتاب کو امامت کے

مقدمہ میں مراجعت بھی واقع نہیں ہوتی کہ یہ نائب نوٹ کرائے گا تو اُن کے کہنے کا اعتبار کیا ہوتا۔ اگر امامت کے مقدمہ میں عہد و پیمان کرانا منظور ہوتا اور ضروری سمجھا جاتا تو ضروری تھا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ سے عہد لیتے بلکہ ایک ابرانامہ اور لادعویٰ ان سے لکھا کر اور ثقات کی مُہروں سے مختوم کر کے جناب امیرؓ کے حوالے فرماتے نہ کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہ نہ خود ان کو نہ جو پیرو ان کے تھے اُن کو غصب امامت ائمہؑ اور مقرر کرنے اور مان لینے میں دوسرے کے کچھ دخل نہ تھا۔

باعث اس غلوِ بے حاصل کا روایت حسن بن صفار کی ہے جس پر ان کو تمسک ہے:۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ اَخَذَ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ بِوَلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔

روایت ہے محمد بن مسلم سے کہا اُس نے میں نے سُنا ابوجعفر علیہ السلام کو فرماتے تھے وہ بیشک اللہ تعالیٰ نے عہد لیا نبیوں سے اوپر ولایت علیؓ بن ابی طالب کے۔

اور نیز روایت محمد بن بابویہ پر جو کتاب التوحید میں ہے:۔

عَنْ دَاوٗدَ الرَّقِّيِّ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ خَبَرٍ طَوِيْلٍ قَالَ لَمَّا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّخْلُقَ الْخَلْقَ نَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَقَالَ مَنْ اَنَا فَكَانَ اَوَّلُ مَا نَطَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْاَئِمَّةُ فَقَالُوْا اَنْتَ رَبُّنَا فَحَمَّلَهُمُ الْعِلْمَ وَالدِّيْنَ ثُمَّ قَالَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ هٰٓؤُلَآءِ حَمَلَةُ عِلْمِيْ وَدِيْنِيْ وَاُمَنَائِيْ مِنْ خَلْقِيْ ثُمَّ قَالَ لِبَنِيْٓ اٰدَمَ اَقِرُّوْا لِلّٰهِ بِالرُّبُوْبِيَّةِ وَلِهٰٓؤُلَآءِ النَّفَرِ بِالطَّاعَةِ فَقَالُوْا نَعَمْ رَبَّنَا اَقْرَرْنَا۔

روایت ہے داؤد رقی سے اور اُس کو ابی عبداللہ علیہ السلام سے ایک خبر طویل میں کہ جب خدا نے چاہا کہ پیدا کرے مخلوق کو پریشان کیا ان کو اپنے سامنے اور فرمایا میں کون ہوں؟ پس اوّل جو بولے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور امیرالمومنینؓ اور ائمہؑ سو کہا تو ہمارا پروردگار ہے، پھر ان پر رکھا علم اور دین، پھر کہا فرشتوں سے یہ گروہ میرے علم اور دین کے اٹھانے والے ہیں اور میری امانت ہمارے میری مخلوق سے، پھر کہا بنی آدم کو اقرار کرو خدا کی پروردگاری کا اور اس گروہ کی اطاعت کا، سو سبھی نے کہا کہ ہاں اے پروردگار ہمارے ہم نے اقرار کیا۔

اس روایت اور اگلی روایت میں عہد لینا ملائکہ سے مذکور نہیں ہے بلکہ دوسری روایت میں محض اظہار فضل و شرف ان حضرات کا ملائکہ کے سامنے۔ اور ظاہر ہے کہ ملائکہ سے عہد لینا بے معنی ہے اسی واسطے کسی عہد میں ملائکہ داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ عہد تو اُس سے لیا جاتا ہے جو مکلف ہو اور اُس کے حق میں احتمال طاعت و عصیان کا ہو بخلاف ملائکہ جن کی شان میں ہے لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (نافرمانی نہیں کرتے ہیں وہ اللہ کی جو کچھ حکم کیا اُن کو اُس نے اور وہی کرتے ہیں وہ جو کچھ اُن کو

حکم دیا جاتا ہے) پھر ان سے عہد لینے کی کیا حاجت۔ اور نیز روایتِ اخیرہ میں انبیاء کے عہد کا بھی ذکر نہیں ہے۔ ہاں لفظ بنی آدم کا کہ عام ہر چاہیے اس سے سمجھا جائے موافق مثل مشہور کے مَا مِنْ عَامٍ اِلَّا وَقَدْ خُصَّ مِنْهُ الْبَعْضُ (کوئی عام نہیں ہے مگر نکالا گیا ہے اُس سے بعض) اور نیز اس روایت میں طاعت کا عہد لینا منحصر انہی جناب پیغمبر صلعم اور امیر رض اور ائمہ رض میں ہے اور بس۔ پس طاعت انبیاء اولوالعزم وغیرہم کی کہ بلاشبہ واقع ہے دوسرے وقت میں بطور بدا کے جیسی مصلحت دیکھی ہوگی ویسی مقرر کی ہوگی۔

ایک اور روایت کہ خاطر خواہ اس گروہ کے ہے شیخ ابن بابویہ کے اثبات میں پائی جاتی ہے:۔

رَوَى ابْنُ بَابَوَيْهِ فِيْ خَبَرٍ طَوِيْلٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ لَمَّا اُسْرِيَ بِهٖ وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ بَعْدَ كَلَامٍ اِنَّكَ رَسُوْلِيْ اِلٰى خَلْقِيْ وَاِنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَخَذْتُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ وَمَلَائِكَتِيْ وَجَمِيْعَ خَلْقِيْ بِوَلَايَتِهٖ۔

روایت کی ابن بابویہ نے ایک لمبی خبر میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور انھوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے بیشک حال یہ ہے کہ جب معراج ہوئی اور اللہ تعالےٰ نے اُن سے باتیں کیں تو فرمایا بعد کلام کے بیشک تو میرا رسول میری مخلوق پر ہے اور بیشک علی رض ولی ہے امیر المومنین ، میں نے عہد لیا ہے نبیوں اور اپنے فرشتوں سے اور ساری مخلوق سے اُس کی ولایت پر۔

اور احوال ابن صفار اور ابن بابویہ اور ان کے رجال خصوصاً محمد بن مسلم وغیر کا جیسا کچھ ہے روشن ہے۔ اور ان اخبار کے الفاظ کی رکاکت گواہ عادل ہے ان کے کذب وافترا پر۔ اور اس کے ساتھ خدا کے فضل سے اہلِ سنت کو اس بات کی حاجت بھی نہیں رہی کہ توہین اور تضعیف ان روایتوں کی اور تاویل اور توجیہ ان مفتریات کی کریں۔ اس لئے کہ شریف مرتضےٰ نے کہ بزعم شیعہ ملقب بعلم الہدیٰ ہے کتاب درر وغرر میں اپنے اس لقب کے صحیح ہونے کی خاطر خبر میثاق کی تکذیب میں خوب مبالغہ کیا ہے اور اس بات پر جزم کیا ہے کہ یہ وضعی اور افترائی ہیں وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ (یعنی بس ہے اللہ مومنین کو لڑائی میں)۔

❋ **غلو سوم**۔ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء نے اقتباس نور کا ائمہ رض سے کیا ہے اور انہی بزرگوں کے آثار پر قدم رکھا ہے۔ اور کچھ عقل میں نہیں آتا کہ اگلا کیونکر پچھلے کے قدم پر قدم رکھے گا اور اُس سے اقتباس نور کا کرے گا۔ اگر احوال ائمہ رض کا ان کو وحی اور الہام سے معلوم ہوتا تھا تو اصالتہً کیوں نہیں ان کو تعلیم طریقت کی، بیہودہ طول کرنا کیا ضروری تھا کہ فلاں لوگ اس قسم کے کام کریں گے تم اُن کی پیروی کرنا۔ مختصر یہ تھا کہ فلاں فلاں طاعت بجالاؤ۔ اور ہر عاقل جانتا ہے کہ پیروی آثار اور اقتباس انوار کی سزاوار وہ ہوتا ہے کہ پہچان راہ نجات اور وصول بدرجات کی بلا واسطہ اُس کو عنایت نہ کی ہو اور جب کہ خود ان پر وحی نازل ہوتی تھی اور خدا تعالےٰ

سے کلام کرتے تھے اور کتابیں اور احکام بلا واسطہ ان پر نازل ہوتی تھیں تو اُن کو اتباع اپنے غیر کا کرنا کیا ضروری تھا۔ اور نیز از روئے تواریخ واخبار صحیحہ شرعیہ کے ثابت ہے کہ کسی نبی نے نماز روزہ اور زکوٰۃ اور حج اور دیگر عبادات اور معاملات مطابق شریعتوں نجم الدین ابو القاسم یا جامع عباسی عاملی کے کہ اس گروہ کے زعم میں آئین اور طریقہ ائمہ رض کا ہے نہیں ذکر کیا نہ اُن کی امت میں اس طریق کا رواج تھا پھر پیروی آثار ائمہ رض کی انبیاء سے کیا معنے؟ اس غلو میں بھی وہی اثبات شیخ ابن بابویہ کی متمسک ہے۔

رَوَى الشَّيْخُ وَغَيْرُهٗ مِنَ الْاِمَامِيَّةِ اَيْضًا اِنَّهٗ وَجَدَ بِخَطِّ اَبِيْ مُحَمَّدِ الْحَسَنِ الْعَسْكَرِيِّ مَا صُوْرَتُهٗ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ قَوْمٍ حَذَفُوْا الْمُحْكَمَاتِ الْكِتَابِ وَنَسُوْا رَبَّ الْاَرْبَابِ وَالنَّبِيَّ وَسَاقِيَ الْكَوْثَرِ يَوْمَ الْحِسَابِ وَلَظَى الطَّامَّةِ الْكُبْرٰى وَنَعِيْمَ دَارِ الْمُتَّقِيْنَ فَنَحْنُ السَّنَامُ الْاَعْظَمُ وَفِيْنَا النُّبُوَّةُ وَالْوِلَايَةُ وَالْكَرَمُ نَحْنُ مَنَارُ الْهُدٰى وَالْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى وَالْاَنْبِيَاءُ كَانُوْا يَقْتَبِسُوْنَ مِنْ اَنْوَارِنَا وَيَقْتَفُوْنَ آثَارَنَا وَسَيَظْهَرُ حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَى الْخَلْقِ وَالسَّيْفُ الْمَسْلُوْلُ لِاِظْهَارِ الْحَقِّ۔

روایت کی شیخ وغیرہ نے امامیہ سے بھی بیشک حال یہ ہے کہ پایا اُس نے ساتھ خط ابی محمد بن حسن عسکری کے جو کچھ صورت اُس کی تھی پناہ مانگتا ہوں میں خدا سے اُس قوم سے جنھوں نے ساقط کیا آیات محکمات قرآن کو اور بھلایا رب الارباب اور نبی اور ساقیٔ کوثر قیامت کو اور آتشِ دوزخ کو کہ ایک بڑی آفت ہے اور نعمت خانہ متقیوں کو سو ہم ہیں بلندی بزرگتر اور ہم میں نبوت اور ولایت اور بزرگی ہے، اور ہم ہیں نشان ہدایت کے، اور دستاویز مضبوط اور انبیاء نور لیتے تھے ہم سے اور چلتے تھے ہمارے قدم پر، اور عنقریب ظاہر ہوگی حجت خدا کی خلق پر اور ننگی تلوار واسطے اظہار حق کے۔

یہ عبارت ظاہر اختراع صاحب رقعہ مزورہ کا ہے کہ اپنے دل سے بنائی ہے، اور حضرت امام حسن عسکری کے نام کھی کہ اُن کی لکھی ہوئی ہے۔ اور اس فرقہ نے ہر جگہ سنا کہ خط فلاں امام کا ہے بے تامل اُس پر اعتماد کر لیا اور امور دینیہ کو اُس سے نکالا۔ اتنا نہیں سوچتے کہ جعل اور التباس خطوں میں رائج ہے خصوصاً اُن بزرگوں کے خطوں میں کہ نہ خود وہ موجود ہیں کہ اپنے خط کو پہچانیں اور جھوٹا بتائیں نہ لوگوں کو بسبب کمیابی کے مہارت اور پہچان اُن کے خطوں کی حاصل ہے۔ اور تعجب شیخ ابن بابویہ پر ہے کہ کتاب الاعتقادات میں پکی پکی قسمیں لکھی ہیں اور سخت قسم کھا کر کہا کہ اہلِ سنت ہم پر بہتان کرتے ہیں ہم ہرگز قائل تحریف کتاب اللہ اور اسقاط اُس کی سورتوں اور آیتوں کے نہیں ہیں۔ پھر اس خبر موضوع کو کہ اول اُس کا یہی مضمون ہے اپنی کتاب میں روایت کیا یہاں بھی وہی دغا مقرری ان کی یاد کرنا چاہیئے کہ "دروغ گو را حافظہ نمی باشد" (دروغ گو کو حافظہ نہیں ہوتا)۔

غلو چہارم۔ یہ کہتے ہیں کہ انبیاءؑ پس رَو حضرت امیرؓ کے ہوں گے اور یہ آگے آگے انبیاءؑ کے چلیں گے قیامت کے دن؛ اور اس بات کی دستاویز روایت محمد بن یعقوب کلینی کی ہے کافی میں ابی صامت الحلوانی کی ابی جعفر سے قَالَ قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا یَتَقَدَّمُنِیْ اِلَّا اَحْمَدُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (کہا فرمایا حضرت امیر المومنینؓ نے نہیں پیشرو ہوگا میرا کوئی سوائے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے)۔ اور نیز روایت فضل ابن شاذان کی کتاب الغائم میں صالح بن حمزہ اور حسن بن عبداللہ کی ابی عبداللہ سے:-

قَالَ قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مِنْبَرِ الْکُوْفَۃِ وَمَا یَتَقَدَّمُنِیْ اِلَّا اَحْمَدُ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَاِنَّ جَمِیْعَ الْمَلَائِکَۃِ وَالرُّسُلِ وَالرُّوْحِ خَلْفَنَا۔

کہا فرمایا امیر المومنینؓ نے درانحالیکہ کوفہ کے منبر پر تھے "نہیں پیشرو ہوگا میرا کوئی سوائے احمد کے رحمتیں کامل نازل ہوں اللہ کی آنپر اور سلام اس کا آنپر اور بیشک سب فرشتے اور رسول اور روح میرے پیچھے ہونگے۔

اور سوائے ان دو اثر کے اور بھی بہت سی روایتیں اس مضمون میں بنائی ہیں لیکن سب اختراع اور افترا ہے۔ اگر کسی کو انبیاءؑ سے زیادہ درجہ ہوتا تو بیشک قرآن مجید میں اُس کی تعظیم اور توقیر اور ایمان کی جب منصب اُس کی دعوت فرائی جاتی جیساکہ انبیاءؑ کے حق میں اسی طرح عمل میں آیا ورنہ ترک لُطف کا لازم آتا ہے کہ مکلفین کو ایسے شخص کے حال سے جو ایسا درجہ رکھتا ہو خبر نہ ہو اور مطلق ان کو خبر نہ دیں۔ اور یہ لوگ بے خبر میں ایمان اُس کے مرتبے پر نہ لائیں اور اُس کی تعظیم و توقیر میں قصور کریں اور ان اخبار احاد کو سوائے چند کذابوں کے کوئی نہیں جانتا ایسے مطالب عمدہ میں کہ گویا امہات عقائد ہیں کیونکر کافی ہو سکتے ہیں وہ اتمام حجت کا مکلفین پر ایسے گپوں پوست خانے پر کب ہو سکتا ہے۔

غلو پنجم۔ یہ کہ درجہ حضرت امیرؓ اور ائمہؒ کا بالاتر درجہ انبیاءؑ سے ہے قیامت کے دن سوائے خاتم النبیین کے شیخ ابن بابویہ اس مقدمہ میں بھی روایتیں رکھتے ہیں۔

فِی الْمَعَانِی الْاَخْبَارِ عَنْ خَالِدِ بْنِ یَزِیْدَ عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ اَنَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلَی الدَّرَجَۃِ الرَّفِیْعَۃِ دُوْنَ دَرَجِ النَّبِیِّ وَاَمَّا الْاَنْبِیَاءُ وَالرُّسُلُ فَدُوْنَنَا عَلَی الْمَرَاقِیْ۔

معانی الاخبار میں ہے خالد بن یزید سے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں قیامت کے دن بلند درجے پر ہوں گا نیچے درجۂ نبی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے، لیکن انبیاءؑ اور رسول پس، ہم سے نیچے زینوں کے ہوں گے۔

وَفِی الْاَمَالِیْ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ جَدِّہٖ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

اور امالی میں ہے ابی عبداللہ سے ان کے دادا امیر المومنینؓ سے فرمایا رسول اللہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَلِیُّ اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَنْتَ اَقْرَبُ الْخَلَائِقِ اِلَیَّ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فِی الْمَوْقِفِ بَیْنَ یَدَیِ الْجَبَّارِ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اے علیؓ! تو میرا بھائی ہے دنیا اور آخرت میں اور تُو قریب تر اور مخلوق سے ہے قیامتک جگہ کھڑے ہونے میں سامنے خدا تعالے کے۔

وَرَوٰی سَعْدٌ فِی الْاَرْبَعِیْنَ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرِیْلَ قَالَ لَہٗ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَۃِ نُصِبَ لَکَ مِنْبَرٌ عَنْ یَمِیْنِ الْعَرْشِ وَلِلنَّبِیِّیْنَ عَنْ یَسَارِ الْعَرْشِ وَبَیْنَ یَدَیْہِ یُنْصَبُ لِعَلِیٍّ کُرْسِیٌّ اِلٰی جَانِبِکَ اِکْرَامًا اِلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ مِنَ الْاَخْبَارِ الْمَصْنُوْعَۃِ الْمَوْضُوْعَۃِ فِیْ کُتُبِھِمْ۔

روایت کی سعد نے اربعین میں ابی صالح سے اور اُس نے سلمان فارسی سے اور اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیشک جبرئیل نے کہا اُن سے جب کہ ہوگا دن قیامت کا قائم کیا جائیگا ایک منبر تمہارے واسطے داہنی طرف عرش کے اور دوسرے نبیوں کے واسطے بائیں طرف عرش کے اور سامنے اُس کے رکھی جائیگی علیؓ کے واسطے ایک کرسی تمہاری طرف کو ازراہ تعظیم و بزرگی علیؓ کے فقط۔ اور علاوہ ان کے اور اخبار بنائے ہوئے اور گڑھے ہوئے ان کی، ان کی کتابوں میں ہیں۔

حضرت مولاناؒ فرماتے ہیں کہ اول تو یہ خبریں صحیح نہیں، اور مانا کہ صحیح ہیں بھی تو اصل مدعا میں کہ ثبوت فضیلت اماموں کا انبیاء پر ہے ان سے کیا فائدہ؟ فائدہ تو ان اخبار کا یہ ہے کہ بعض موقعوں اور جگہوں پر بطفیل پیروی و اطاعت حضرت خاتم الانبیاءؑ کے بعض آل اطہار کو تمامی مخلوق پر تقدم ہوگا اور سب سے بڑھ کر ہوں گے پس اس تقدم سے کہ بطفیل پیروی کے ہوگا تفضیل لازم نہیں آتی ہے اس لئے کہ فرقہ مُصطفویہ باتفاق ثابت ہے کہ سب اُمتوں سے پہلے بہشت میں داخل ہوگا۔ اور یہ بھی ہے کہ ہر نبی اپنی امت کے ساتھ ہوگا تو پل صراط کی راہ تنگ سے اُن کو نکلے پس اس امت کو سب انبیاءؑ سے پہلے برکت پیروی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جنت میں داخل ہونا نصیب ہوگا۔ اور باتفاق اور بالاجماع تمام لوگ اس اُمّت کے انبیاءؑ سے افضل نہیں ہیں پس اس بات کو موجب تفضیل کا جاننا نہ موافق عقل کے ہے نہ شرع کے نہ عرف کے۔ یہ تو ایسا ہے کہ مثلاً قلعہ بادشاہی کے دروازے میں گھسنے کے وقت ایک امیر کے خادم خدمتگار اپنے امیر کی پیروی کے سبب سے دوسرے امیر پر مقدم ہوں تو ان کی تقدیم سے تفضیل ان خادموں کی دوسرے امیر پر نہیں لازم آتی۔

عقیدۂ سوم۔ یہ ہے کہ انبیاءؑ گناہ سے معصوم ہیں اور یہی مذہب اہل سُنّت و جماعت کا ہے لیکن اس کے ساتھ ایک تفصیل ہے کہ کلام اللہ اور حدیثوں سے سمجھی جاتی ہے کہ گناہ کبیرہ اور صغیرہ عمداً اور قصداً سے تو معصوم ہیں لیکن سہواً صغیرہ ان سے صادر ہوتے ہیں کہ اس کو "زلت" کہتے ہیں جس کی اُردو ہے "پاؤں ڈگ جانا" اور یہ صغیرہ اس صُورت پر ان سے صادر ہوتا ہے کہ مثلاً قصد کسی طاعت یا مباح شے کا

کیا اور اُس کے قُرب اور پاس ہی کوئی گناہ بھی لگا ہوا ہے اور اُس گناہ میں اتفاقاً پڑ گئے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی راہ گیر راہ چلا جاتا ہے اور اُس راہ کے ساتھ پتھر یا کیچڑ لگی ہو اور اُس سے ٹھوکر کھائے یا پاؤں پھسل گیا اسی سبب سے اس کو "زلت" کہتے ہیں۔ اور نیز اہل سنت کہتے ہیں کہ وہ صغیرہ بھی کہ جس سے ناچیزی اور خست طبع کی پائی جاتی ہے۔ مثلاً ایک حبہ چُرا لینا یا کسی کے حق سے ایک دانہ کم کرنا پیغمبروں سے یہ صغیرہ بھی بطریق سہو کے صادر نہیں ہوتا اگر ایسا ہو تو لوگ اُن سے نفرت کریں اور پیروی سے متنفر ہوں، اور جو غرض کہ انبیاء کے پیدا کرنے سے ہے اُس میں نقص لازم آئے اور ٹوٹ جائے۔ اور سچ ہے کہ ان کو جو مرتبہ نبوّت کا دیا گیا ہے اور پیدا کیا ہے اُس کا فائدہ مقتضی اسی بات کا ہے کہ یہ بزرگوار صاحب عصمت اور معصوم ہوں کئی وجہوں سے

❋ اوّل یہ کہ اگر انبیاءؑ سے گناہ عمداً صادر ہوں اور اُمّت کو حکم ہے ان کی پیروی کا جیسا کہ فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (یعنے اگر تم چاہتے ہو کہ ہم اللہ کے محبوب ہوں تو میری پیروی کرو تم) اور حالانکہ یہ خود لوگوں کو گناہ اور معاصی سے باز رکھتے ہیں اور روکتے ہیں۔ جب گناہ عمداً کریں تو ان کی دعوتِ دین میں قولی اور فعلی تناقض لازم آئے۔ اور بر خلاف قول کے فعل ان کا ہو۔

❋ دوم۔ یہ کہ اگر انبیاءؑ گناہ کریں تو چاہیے کہ ان کو اشدّ عذاب کیا جائے اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ، ولقولہ تعالیٰ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔ پھر معذب ہونا ان کا اور خاص اشدّ عذاب کا برعکس اور خلاف منصب نبوّت کے ہے اس لئے کہ نبی تو شفیع اُمّت کا اور گواہ ان کی نیکی بدی کا ہے اور جب خود وہ اپنے کام میں درماندہ ہو گیا تو شفاعت کس کی کرے اور گواہی کس کی دے۔

❋ سوم۔ یہ کہ اگر انبیاءؑ گناہ کرتے تو ایسے ہوتے جیسے سلاطین جابر کہ اَوروں کو تو زجر اور تنبیہ کرتے ہیں فاسد اور فاحش باتوں اور کاموں پر اور آپ وہی باتیں اور وہی کام کرتے ہیں۔ اور یہ بات ضرور ولابدّ ہے کہ انبیاءؑ ایسے بادشاہوں سے جو ظالم و جابر ہیں ممتاز و جدا ہوں۔ اس واسطے کہ یہ بھی بادشاہ معنوی ہیں۔

❋ چہارم یہ کہ اگر گناہ کریں تو سزاوار ایذا اور اہانت اور عذاب کے ہوں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔

بیشک وہ لوگ کہ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ کو، لعنت ہے اللہ کی اُن پر دنیا و آخرت میں اور تیار ہے اُن کے واسطے عذاب ذلّت کا۔

❋ پنجم۔ یہ کہ اگر گناہ ان کے امت پر ظاہر ہوں تو ان سے کنیائیں اور اطاعت ان کی اُمّت کی نظر سے

گر جائے۔ بلکہ اس صورت میں ان کی نبوت کی تصدیق نہ کریں جھوٹا ٹھہرائیں۔ اور کہیں کہ اگر یہ اپنی خبر دینے میں جو خدا کے وعدہ وعید یعنے بہشت، دوزخ، عذاب ثواب کے ہم کو سُناتے اور دیتے ہیں سچے ہوتے تو اب کیوں ایسے فعل اختیار کرتے۔ ایک فرقہ یعقوبیہ امامیہ سے ہے وہ انبیاءؑ سے صدور گناہوں کا تجویز کرتے ہیں صراحۃً۔ اور جو کچھ یہ صراحۃً کہتے ہیں باقی امامیہ پردے میں بھی راگ گاتے ہیں کہ امور شنیعہ اور بڑے گناہوں کی اپنی کتابوں میں ان سے روایتیں کی ہیں۔ چنانچہ جلدی وہ روایتیں تمہارے کان میں پہنچیں گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

❋ عقیدۂ چہارم۔ یہ کہ انبیاءؑ جھوٹ بولنے اور بہتان کرنے سے مطلق معصوم ہیں خواہ عمداً خواہ سہواً خواہ نبوت سے پہلے خواہ نبوّت کے بعد۔ امامیہ کہتے ہیں کہ جھوٹ انبیاءؑ پر جائز بلکہ واجب ہے ازراہِ تقیہ کے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے قول پر جو فرمایا تھا اِنِّيْ سَقِيْمٌ (یعنی میں بیمار ہوں) اور کفار کی عید میں یہ عذر کر کے شریک نہیں ہوئے تھے اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اور حالانکہ اگر جھوٹ جائز ہو انبیاءؑ پر ازروئے تقیہ کے تو مضبوطی واعتماد ان کے اقوال پر ہرگز نہ رہے اور ان کا نبی کرنا ناقص ہو جائے۔ اور تقیہ انبیاءؑ پر جائز نہیں ہے اگر جائز ہو تو خدا تعالیٰ کے احکام پہنچانے کی کون صورت ہے۔ اس لئے کہ ابتداء میں کہ کوئی مددگار و معین ان کا نہیں ہوتا حاجت تقیہ کی بہت ہوتی ہے۔ اور جب اُس وقت میں یہ حکم الٰہی کے خلاف ظاہر کریں اور لوگوں کی ایذا سے ڈریں پھر حکم الٰہی کیونکر معلوم ہو۔ اور جلدی تحقیق اس مسئلے کی اپنے موقع پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور جو کچھ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ اِلَّا ثَلٰثَ كَذَبَاتٍ (یعنے نہیں جھوٹ بولا ابراہیمؑ نے مگر تین جھوٹ باتیں) وہ یہاں حقیقی جھوٹ سے مراد نہیں ہے بلکہ تعریضات کہ نسبت سمجھ سرسری سامع کے مشابہ بکذب ہوتی ہیں اور بطریق مشاکلت کے کذب نام رکھا ہے کہ دوسرے باب میں تحقیق اس کی گزری۔

❋ عقیدۂ پنجم۔ یہ کہ انبیاءؑ کو پہچاننا واجبات ایمان کا قبل نبی ہونے سے اور بعد اُس کے ضروری ہے۔ اس لئے کہ جب اس کو نہیں جانیں گے تو اُن کے عقائد میں جہل ہوگی اور یہ باعث کفر اور زندیق پن کا ہے۔ خدا کی پناہ کہ انبیاءؑ کو اِس قسم کی جہل ہو بیشک احکام شرعی میں تو ان کو بدون وُرود وحی خدا کے علم حاصل نہیں ہوتا ہے نہ سوائے اس کے۔ چنانچہ اسی علم کے معاملہ میں فرمایا ہے قولہ تعالیٰ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (یعنے سکھایا اُس نے تجھ کو وہ علم جس کو تو نہیں جانتا تھا) تمام مسلمان اور یہود و نصاریٰ اِس عقیدے پر اکٹھے اور متفق ہیں۔ اور جا بجا انبیاءؑ کے حق میں نصوص قرآنی صریح اِس مدعا پر دلیل ہیں جیسا کہ فرمایا وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (اور ہر ایک کو دیا ہم نے علم اور حکمت) اور اٰتَيْنَاهُ الْحُكْمَ

صبیاً (یعنی دیا ہم نے اُس کو حکم جس وقت میں کہ بچہ تھا) اور اٰتَیْنَاہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (یعنی دی ہم نے اُس کو حکمت اور فصل خطاب)۔ اور سوائے ان کے اور نصوص قرآنی۔ فصل خطاب کے معنے حق سے باطل جُدا کرنے والا۔ اور بعض مقاما میں ذکر نبی اور رسول ہونے اور وحی نازل ہونے خدا کی کتاب کا بعد اس مضمون سے واقع ہوا ہے۔ اور بھی لقمانؑ کے حق میں بغیر اس کے کہ وحی اور نبوت رکھتے ہوں لفظ حکمت کا فرمایا ہے اِس سے معلوم ہوا کہ یہ علم قبل وحی اور نبوت سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ امامیہ کہتے ہیں کہ انبیاءؑ کو اصُول عقائد کا پہچاننا وقتِ نبی ہونے بلکہ وقتِ مناجات اور کلام کے کہ یہ وقت ان کے بلند مراتب قُرب کا جناب خداوندی سے ہے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے اعتقادِ باطل سے اپنی پناہ میں رکھے۔ اور اِس بات کو بتاتا ہے وہ قول جس کی روایت کی محمد بن بابویہ قمی نے عیون میں اخبار امام موسی رضا علیہ السلام سے۔ اور کتاب توحید میں علی بن موسیٰ رضا سے جنھوں نے اپنے آبا سے امیر المومنین علیؑ تک روایت کی ہے۔ اور محمد بن یعقوب کلینی نے ابی جعفر سے کافی میں۔ اور روایت یہ ہے :۔

اِنَّ مُوْسٰی ابْنَ عِمْرَانَ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ سَاَلَ اللّٰہَ تَعَالٰی فَقَالَ یَا رَبِّ اَبَعِیْدٌ اَنْتَ مِنِّیْ فَاُنَادِیْکَ اَمْ قَرِیْبٌ فَاُنَاجِیْکَ۔

تحقیق موسیٰ بن عمران نے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام اُن پر نازل ہوں اللہ تعالیٰ سے پوچھا سو کہا اے میرے پروردگار! آیا تو مجھ سے دُور ہے کہ میں تجھ کو پکاروں یا نزدیک ہے کہ میں اپنا راز تجھ سے کہوں۔

پس یہ خبر صریح اس بات کو بتاتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو اس وقت تک کہ حالت مناجات اور ہم کلامی تھی خدا تعالیٰ کا قُرب و بُعدِ مکان سے پاک ہونا معلوم نہ تھا۔ اور حقیقت اس خبر کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک اعرابی جاہل نے آکر سوال کیا تھا کہ یَا مُحَمَّدُ اَبَعِیْدٌ رَبُّنَا فَنُنَادِیْہِ اَمْ قَرِیْبٌ فَنُنَاجِیْہِ (یعنی اے محمدؐ! کیا دُور ہے رب ہمارا سو پکارتے ہے تو اُس کو یا نزدیک ہے کہ مناجات کرتا ہے تو اُس سے) جناب سالت مآبؐ نے اُس اعرابی ناسمجھ کے جواب میں تامل کیا اور سوچے کہ اگر دوری اور نزدیکی مکانی دونوں کی نہیں کرتا ہوں تو یہ بدوی جاہل کہ گرفتار و مقید اپنے وہم و حواس کا ہے باری تعالیٰ کے نہ ہونے پر گمان کرے گا۔ اس واسطے کہ وہم یہی حکم کرتا ہے بدیں وجہ کہ کُلُّ مَوْجُوْدٍ اِذَا قِیْسَ اِلٰی مَوْجُوْدٍ اٰخَرَ فَاِمَّا بَعِیْدٌ مِّنْہُ اَوْ قَرِیْبٌ (ہر موجود کو جب قیاس کیا جائے گا دوسرے موجود کی طرف تو وہ یا اُس سے بعید ہوگا یا قریب) اور خالی ہونا موجود کا مکان اور جہت اور قُرب و بُعد سے ایسا نہیں سمجھتا ہے اور یقین کرتا ہے۔ اِس درمیان میں حق تعالیٰ خود متکفل جواب کا ہوا۔ اور آیۃ نازل ہوئی اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (یعنی جب پوچھیں تجھ سے بندے میرے مجھ سے سو بیشک میں قریب ہوں) اور اس آیت میں اشارہ

ایک باریکی کا ہوا کہ جب بُعدِ مکانی دُور ہوا تو ظاہر ہے قُرب حاصل ہوا گو قُرب مکانی نہ ہو۔ اس لئے کہ جو کچھ قُرب مکانی سے حاصل ہوتا ہے بسبب جاتے رہنے بعد مکانی کے وہی یہاں بھی حاصل ہے اِس دلیل سے کہ فرمایا اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ پس یہ ارشاد ہدایت نظام مسطر جمیع صفات کمال اور ناقص کا ہے۔ منجملہ ان کے الفاظ ذکورت کا اطلاق اُس کے جناب پاک میں کرنا بسبب ہونے انوثت کے۔ اور اسی سے ہی خندان اور بشاش ہونا بسبب انتفائے رنج وگریہ کے۔ اسی طرح حیا بسبب ہونے وقاحت و بے شرمی کے، اسی طرح صبر و شکیبا بسبب ہونے جزع اور بے صبری کے۔ اور اسی قیاس پر اگرچہ حقیقی معانی ان الفاظ کی بھی جیسے کہ ذکورت اور بشاشی اور حیا اور صبر ہے اُس کی ذات میں ثابت نہیں ہیں۔ اور یہ طریق ہدایت خداوندی کا ہے کہ جو لوگ گرفتار اوہام کے ہیں اُن کے بھی موافق اُن کے معلومات و موہومات کی تسلی کر دیتا ہے اور معقولات کی طرف ترقی کی تکلیف نہیں دیتا ہے، وہ کہاں معقولات میں سرگردان ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک کنیز سے اسی بات پر قناعت کی کہ اُس نے مکانِ عالی اُس کے لئے تجویز کیا چنانچہ اُس سے پوچھا اَیْنَ اللّٰہُ (یعنی اللہ کہاں ہے) فَقَالَتْ فِی السَّمَاءِ (یعنی اُس نے کہا آسمان میں)۔ اسی قصہ اعرابی کو حضرات ائمہؑ نے بیان فرمایا ہے مگر اس فرقہ کے جو رجال ہیں ان کی قوّت حافظہ کی یہ خوبی کہ بجائے اعرابی کے نام کے ایک پیغمبر کا جو اولوالعزم پیغمبروں سے تھے لے دیا اور گمراہی کے گُنڈ میں گر پڑے۔ اور اہلِ سُنّت کے جو رجال تھے اُن کو یہ قصہ جیسا کا تیسا یاد تھا ویسا ہی روایت کیا۔ اور اسی طرح فرق ہیں ان کی روایتوں میں اور اہلِ سنت کی روایتوں میں۔ اور اِسی قسم کے غلط قبیح سے سراغ لگا لینا چاہیئے کہ دعا صنمی قریش اور دیگر بُرائیوں صحابہ میں اور اسی قسم کے نام و القاب تبدیل و تغیر اور شمائل و صفات میں تحریف کر کے کہاں سے کہاں تک نوبت پہنچائی ہے۔ اور یہ سب باتیں اس فرقہ کی بسبب سہل انگاری اور جی نہ لگانے اور بے خوفی کے ہیں اور روایات دین میں کہ ہر کس و ناکس سے علم دین کو اخذ کیا ہے۔ کبھی کسوٹی امتحان پر نہ لگایا تو کھرا کھوٹا چھٹ جاتا، خالص غیر خالص جُدا ہو جاتا۔ اور اسی قسم کی ایک روایت حضرت یونسؑ کے حق میں رکھتے ہیں :۔

رَوَی الْکُلَیْنِیُّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّ یُوْنُسَ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِہٖ اَتَرَاکَ مُعَذِّبِیْ وَقَدْ عَفَّرْتُ لَکَ فِی التُّرَابِ وَجْہِیْ اَتَرَاکَ مُعَذِّبِیْ وَقَدْ اَظْمَاْتُ لَکَ فِیْ اَجْوِیْ اَتَرَاکَ

روایت کی کلینی نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے کہ بیشک یونسؑ کہتے تھے سجدے میں کہ آیا تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ عذاب کریگا اور حالانکہ میں نے اپنے منہ کو تیرے واسطے زمین میں خاک آلودہ کیا ہے یعنی تیرے سامنے منہ اپنا عجز پر ملا ہے۔ آیا دیکھتا ہے تو کہ عذاب کریگا مجھ کو اور حالانکہ میں تیرے واسطے دوپہریوں میں پیاسا رہا ہوں۔ آیا دیکھتا ہے تو کہ

مُعَذِّبِیْ وَقَدْ اَسْھَرْتُ لَکَ لَیْلِیْ اَتَرَاکَ مُعَذِّبِیْ وَقَدِ اجْتَنَبْتُ لَکَ الْمَعَاصِیَ قَالَ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ اَنِ ارْفَعْ رَاْسَکَ فَاِنِّیْ غَیْرُ مُعَذِّبِکَ فَقَالَ اِنْ قُلْتَ لَا اُعَذِّبُکَ ثُمَّ عَذَّبْتَنِیْ کَانَ مَا ذَا اَلَسْتُ عَبْدَکَ وَاَنْتَ رَبِّیْ فَاَوْحَی اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِرْفَعْ رَاْسَکَ فَاِنِّیْ غَیْرُ مُعَذِّبِکَ وَاِنِّیْ اِذَا وَعَدْتُ وَعْدًا اَوْفَیْتُ بِہٖ۔

عذاب کریگا مجھ کو ایسے حال میں کہ تیرے واسطے میں راتوں کو جاگتا رہا ہوں آیا دیکھتا ہے تو کہ عذاب کریگا مجھ کو درانحالیکہ میں تیرے واسطے گناہوں سے بچتا رہا ہوں کہا پھر وحی بھیجی خدا نے یونسؑ کی طرف کہ اپنے سر کو اٹھا میں تجھ کو عذاب نہیں کرونگا۔ تب کہا یونسؑ نے تو کہتا ہے عذاب نہیں کرونگا تجھ کو اور پھر تو نے مجھ کو عذاب کیا تو میں کیا کروں گا اس لئے کہ میں تو تیرا بندہ ہوں اور تو میرا پروردگار، میرا کیا بس ہے، پھر وحی بھیجی خدا غالب جل جلالہ نے کہ سر اپنا اٹھا میں تجھ کو عذاب نہیں کرونگا اور میں جب وعدہ کرتا ہوں تو پورا کرتا ہوں۔

اور اس خبر صحیح سے دو باتیں معلوم ہوتیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت یونسؑ کو معلوم نہ تھا کہ وعدہ خلاف کرنا بہت بُری بات ہے اور منجملہ نفاق کی نشانیوں سے، اور حضرت باری تعالیٰ بُرائیوں سے پاک ہے۔ دوسرے یہ بات کہ وجوب عدل اُن کو معلوم نہ تھا یعنی غیر عاصی کی سزا باطل ہے اس واسطے کہ عاصی سزاوار سزا کے ہوتے ہیں نہ غیر عاصی نہیں تو حضرت یونسؑ سزا سے کیوں ڈرتے۔ اور اگر حضرت یونسؑ اس مسئلہ عقلی میں بھی جاہل ہوتے مثل پہلے مسئلے کے تو جناب باری تعالیٰ سے جواب آتا کہ تجھ کو سزا مطیع کی جائز نہیں ہے محض وعدہ پر حوالہ نہ فرماتے۔ الحاصل یہ خبر بلاشبہ اس فرقہ کے جو رجال مفتری ہیں اُن کی مفتریات سے ہے کہ خود ان کے زعم میں اس کا مضمون دلائل قطعی سے باطل اور نامسموع ہے۔ اور ان کی روایتوں کا یہی حال ہے لِبُطْلَانِھَا مِنْھَا عَلَیْھَا شَوَاھِدُ (یعنی اُن روایتوں کے باطل ہونے پر خود اُنہی سے گواہ موجود)

عقیدہ ششم - انبیاءؑ معصوم ہیں وہ گناہ اُن سے صادر ہی نہیں ہوتا کہ موت اُن کی اُس ہلاک پر ہو۔ امامیہ اس عقیدہ میں اختلاف کرتے ہیں اور بعض انبیاءؑ کے حق میں اس کو روایت کرتے ہیں۔

رَوَی الْکُلَیْنِیْ عَنِ ابْنِ اَبِیْ یَعْفُوْرَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ وَھُوَ رَافِعٌ یَدَیْہِ اِلَی السَّمَاءِ رَبِّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ اَبَدًا وَلَا اَقَلَّ مِنْ ذٰلِکَ فَمَا کَانَ بِاَسْرَعَ مِنْ اَنْ تَحَدَّرَ الدَّمْعُ مِنْ جَوَانِبِ لِحْیَتِہٖ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیَّ

روایت کی کلینی نے ابن ابی یعفور سے کہ کہا اُس نے میں نے سُنا ابا عبداللہؑ سے کہ کہتے تھے وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے ہوئے اے پروردگار میرے مجھ کو میرے نفس کی طرف کبھی ایک پلک مارنے کو بھی مت چھوڑ اور نہ پلک مارنے سے کم پس اس بات کے کہتے ہی فوراً آنسو اطراف سے ڈاڑھی کی طرف بہنے لگے، پھر متوجہ ہوئے مجھ سے

فَقَالَ یَا ابْنَ اَبِیْ یَعْفُوْرَ اِنَّ یُوْنُسَ بْنَ مَتّٰی وَکَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی نَفْسِہٖ اَقَلَّ مِنْ طَرْفَۃِ عَیْنٍ فَاَحْدَثَ ذٰلِکَ قُلْتُ فَبَلَغَ بِہٖ کُفْرًا اَصْلَحَکَ اللّٰہُ فَقَالَ لَا وَلٰکِنَّ الْمَوْتَ عَلٰی تِلْکَ الْحَالِ کَانَ ھَلَاکًا۔

اور کہا کہ اے ابن ابی یعفور! بیشک یونسؑ بن متیٰ کو چھوڑ دیا خدا تعالیٰ نے اُس کے نفس کی طرف پل بھر کے وقفہ سے بھی کمتر کو تب پیدا ہوا وہ ابتلا۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ خدا تم کو نیکی دے کیا اِس سبب سے کفر کو پہنچے، کہا نہیں، لیکن مرنا اُس حالت پر ہلاک تھا۔

اب جاننا چاہیئے کہ حضرت یونسؑ کے مقدمہ میں جو کچھ نص قرآن سے ظاہر ہوتا ہے فقط اتنا ہی ہے کہ حضرت یونسؑ بے حکم پروردگار کے اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اسی بات سے ان پر عتاب ہوا۔ دوسرے یہ تھا کہ اپنی قوم کے حق میں بددعا کرنے میں جلدی کی اور ان کی ایذا کی سختیاں اُٹھا نہ سکے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں امر گناہ نہیں ہیں۔ پھر کبیرہ کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس واسطے کہ حضرت یونسؑ کے نزدیک قوی قرینے قائم ہو گئے تھے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اس واسطے بددعا کی۔ اور ان کے نہ معذب ہونے کا حال بھی ان پر کھل گیا تھا۔ اس سے بھی ڈرے کہ اب یہ مجھ کو سخت ایذا پہنچائیں گے اور صریح جھوٹا ٹھہرائیں گے کہ تیرے وعدے کے موافق عذاب وقوع میں نہ آیا۔ ناچار بھاگ کر چلے گئے اور منتظر حکم پروردگار کے نہ رہے جو کہ منصب انبیاءؑ کا نہایت عالی ہے پس اسی قدر اُن کو عتاب شدید ہوا، اور تادیب و رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ اگر اب بھی کوئی شخص اپنے غلام یا نوکر کو عامل کر کے کسی گاؤں میں بھیجے اور کہدے کہ اگر زمیندار اور مزارع گاؤں کے تجھ سے سرکشی کریں اور تیری طاعت نہ مانیں تو مجھ کو لکھیو کہ ایک فوج حضور سے اُس گاؤں کی غارت کو بھیجوں گا اور وہ نوکر یا غلام اُس گاؤں کو گیا اور مقدور بھر رعایا کی تسلی اور مالک کی طرف رغبت دلانے اور اُس کی سزا سے ڈرانے میں کوشش کی، لیکن وہ لوگ ہرگز مطیع نہ ہوتے اور احکام مالک کے نہ مانے بلکہ عامل کے درپے ایذا ہوتے اور اُس کا مذاق اُڑایا اور عامل نے انتظار حکم اپنے حاکم کا نہ کیا اور عرضی بدرخواست مدد اُس فوج کے جس کا وعدہ تھا بھیجی، اور حاکم نے بھی حسب وعدہ فوج عظیم رخصت کی۔ زمیندار جب قصد فوج سے مطلع ہوتے اُنھوں نے خفیہ ایک وکیل اپنا مالک کے دربار میں بھیج کر توبہ استغفار اور بہت سی ندامت ظاہر کی اور قول قرار کیا کہ آئندہ اُس کے حکم سے تجاوز نہ کریں گے۔ اور اس غلام و نوکر کو ان باتوں پر کچھ ابھی اطلاع نہیں ہے کہ ناگاہ فوج اُس کی آتی ہوئی تاخت دیہہ سے لوٹ گئی اور گاؤں کو صحیح سالم چھوڑ گئی۔ اس غلام یا نوکر نے جب یہ حالت دیکھی اور حقیقت حال سے اس کو کچھ اطلاع نہ تھی بغیر اس کے کہ حکم حاکم کا پہنچے اپنی جان کے خوف سے جلدی اُس گاؤں کے گرد نواح سے بھاگ کر چلا گیا تو اس صورت میں اُس غلام یا نوکر کو عاصی یا نافرمانبردار یا مخالف اپنے حاکم کا نہیں کہہ سکتے ہیں البتہ اتنا

ضرور ہوا کہ اگر یہ غلام یا تو صبر کرتا اور اُنہی لوگوں میں رہتا تو اُس کے وسیلے سے جو توبہ استغفار کرتے اُس میں صُورت کام کی اِس سے بہتر ہوتی۔ اور از روئے تواریخ و روایاتِ تفسیریہ کے کوئی امر سوائے ان دو چیزوں کے معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت یونسؑ سے وقوع میں آیا ہو اور قرآن مجید میں کہ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ وارد ہوا ہے، یہ مشتق قدر سے ہے جس کے معنے تضییق اور تنگ کرنے کے ہیں نہ کہ قدرت سے۔ جیسے آیت میں قولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (یعنی اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے) اسی طرح نہ "نَقْدِر" ماخوذ ہے قدرت سے کہ فساد عقیدۂ حضرت یونسؑ کا ثابت ہو۔ اور دلیل صریح اس پر یہ ہے کہ بعد اِس عبارت کے فرمایا فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ (یعنی پکارا اُس نے ظلمات میں) اور اس دُعا و ندا۔ کو قدرت کے معنی پر تفریع کرنا ہرگز درست نہیں ہوتا ہے یعنی گمان کیا اُس نے کہ ہم اُس کو تنگ نہیں کریں گے عتاب میں پس توبہ کی اور اپنے کئے ہوتے سے استغفار لایا بامید قبول۔ اور اس آیت کے آخر میں جو اقرار اپنے ظلم کے ساتھ کیا جیسا کہ کہا ہے اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (یعنی بیشک میں ظالموں میں سے ہوں) واسطے شکستگیٔ نفس اور عجز و زاری کے ہے بارگاہِ خداوندی میں کہ تھوڑی خطا کو بہت جاننا شیوہ مُطیع بندوں کا ہے۔ یا اس واسطے کہ ترک اَولیٰ کا بھی انبیاءؑ کے حق میں حکم معصیت اور ظلم کا رکھتا ہے نہ کہ عوام النّاس کے حق میں۔

❋ عقیدۂ ہفتم یہ کہ حضرت آدم ابوالبشر صفی اللہ حسد اور بُغض سے اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر اصرار کرنے سے پاک تھے۔ یہ مذہب اہلِ سنّت کا ہے جیسا کہ فرمایا خدا تعالیٰ نے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى (پھر اس کے پروردگار نے اس کو برگزیدہ کیا پس اس کی توبہ قبول کی اور ہدایت دی) فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (پھر آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے پس خدا تم نے اس کی توبہ قبول کی، بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے)۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (بیشک اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو اہلِ عالم پر چُنا)۔ امامیہ ان کے حق میں جو سب کے ابو الآبا ہیں نہایت بُری نافرمانیاں عمل میں لاتے ہیں اور کمال بے ادبی کرتے ہیں۔ اور اُن کو حسد اور بُغض اور تمام ناپسندیدہ خصلتوں سے موصوف کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی پر مُصِر جانتے ہیں۔ جو کچھ ابلیس کو نسبت حضرت آدمؑ کے پیش آیا کہ حسد کر کے امر سجدہ کو قبول نہ کیا اور خدا کے عہد کو ان کے حق میں ترک کیا اور ملعون ابدی ہوا یہ سب حضرت آدمؑ کے حق میں نسبت ائمہ اطہارؓ کے ثابت کرتے ہیں کہ انھوں نے حسد ان کا کیا اور ان کے عہد ولایت کا اقرار نہ کیا اور خدا کا عہد جو ان کے حق میں یعنے ائمہؓ کے تھا ترک کیا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان پر غضب کیا اور ہمیشہ

غضبِ الٰہی میں ہے۔ خدا اِن باتوں سے پناہ دے۔

رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ بَابَوَيْهِ فِيْ عُيُوْنِ اَخْبَارِ الرِّضَا عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُوْسَى الرِّضَا عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ اٰدَمَ لَمَّا اَكْرَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِاِسْجَادِ الْمَلٰٓئِكَةِ لَهٗ وَبِاِدْخَالِهِ الْجَنَّةَ قَالَ فِيْ نَفْسِهٖ اَنَا اَكْرَمُ الْخَلْقِ فَنَادَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِرْفَعْ رَاْسَكَ يَا اٰدَمُ فَانْظُرْ اِلٰى سَاقِ عَرْشِيْ فَرَفَعَ اٰدَمُ رَاْسَهٗ فَوَجَدَ فِيْهِ مَكْتُوْبًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيٌّ وَلِيُّ اللّٰهِ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَزَوْجَتُهٗ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَقَالَ اٰدَمُ يَا رَبِّ مَنْ هٰٓؤُلَاءِ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ هٰٓؤُلَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ وَهُمْ خَيْرٌ مِّنْكَ وَمِنْ جَمِيْعِ خَلْقِيْ وَلَوْلَاهُمْ مَا خَلَقْتُكَ وَمَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ وَلَا السَّمَاءَ وَلَا الْاَرْضَ فَاِيَّاكَ اَنْ تَنْظُرَ اِلَيْهِمْ بِعَيْنِ الْحَسَدِ فَاُخْرِجَكَ عَنْ جِوَارِيْ فَنَظَرَ اِلَيْهِمْ بِعَيْنِ الْحَسَدِ فَسَلَّطَ عَلَيْهِ الشَّيْطٰنَ حَتّٰى اَكَلَ مِنَ الشَّجَرَةِ الَّتِيْ نَهَى اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا۔

روایت کی محمد بن بابویہ نے عیون اخبار الرضا میں علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام سے۔ بیشک شان یہ ہے کہ کہا اُس نے کہ بیشک جب بزرگی دی اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو فرشتوں کے سجدوں اور جنّت میں بھیجنے سے تو آدمؑ نے اپنے دل میں کہا کہ میں بہترین مخلوق کا ہوں، پس ندا کی اُن کو خدائے عزّ و جل نے کہ اے آدمؑ اپنا سر اُٹھا اور میرے ساقِ عرش کی طرف نظر کر، پس آدمؑ نے سر اُٹھایا اور اُس میں لکھا ہوا پایا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ امیر المومنین اور بیوی اُن کی فاطمہؓ سردار سارے جہان کی عورتوں کی اور حسنؓ اور حسینؓ سردار جوانوں اہلِ جنّت کے، سو آدمؑ نے کہا اے میرے پروردگار! یہ کون گروہ ہیں؟ فرمایا اللہ عزّ و جلّ نے یہ ہیں تو تیری اولاد سے مگر تجھ سے بہتر ہیں اور تمام مخلوق سے، اگر یہ نہ ہوتے تو نہ میں تجھ کو پیدا کرتا اور نہ جنّت اور دوزخ اور آسمان و زمین کو، پس خبردار ان کی طرف حسد کی نظر سے نہ دیکھنا، نہیں تو تجھ کو اپنے پڑوس سے نکال دوں گا، لیکن آدمؑ نے نظرِ حسد سے اُن کو دیکھا، سو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ پر شیطان کو مُسلّط کیا یہاں تک کہ اُنھوں نے کھا لیا وہ درخت جس کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا۔

وَاَيْضًا رَوٰى ابْنُ بَابَوَيْهِ فِيْ مَعَانِي الْاَخْبَارِ عَنِ الْمُفَضَّلِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَمَّا اَسْكَنَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اٰدَمَ وَزَوْجَتَهُ الْجَنَّةَ قَالَ لَهُمَا كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ

اور یہ بھی روایت کی ابن بابویہ نے معانی الاخبار میں مفضل بن عمر اور اُس نے ابی عبداللہ سے کہا جب رکھا اللہ عزّ و جلّ نے آدمؑ اور اُن کی زوجہؓ کو جنت میں کہا دونوں سے کہ کھاؤ جنت میں جو کچھ چاہو بفراغت مگر اِس درخت کے پاس نہ جائیو۔

فَتَكُوْنَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ فَنَظَرَ اِلٰى مَنْزِلَةِ مُحَمَّدٍ وَّعَلِيٍّ وَ فَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَ الْاَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِهِمْ فَوَجَدَاهَا اَشْرَفَ الْمَنَازِلِ مِنْ مَنَازِلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَقَالَا رَبَّنَا لِمَنْ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةُ فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِرْفَعَا رُءُوْسَكُمَا اِلٰى سَاقِ عَرْشِيْ فَرَفَعَا رُءُوْسَهُمَا فَوَجَدَا اَسْمَاءَ مُحَمَّدٍ وَّعَلِيٍّ وَّ فَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَالْاَئِمَّةِ مَكْتُوْبَةً عَلٰى سَاقِ الْعَرْشِ بِنُوْرٍ مِّنْ نُوْرِ الْجَبَّارِ جَلَّ جَلَالُهٗ فَقَالَا يَا رَبَّنَا مَا اَكْرَمَ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةَ عَلَيْكَ وَمَا اَحَبَّهُمْ اِلَيْكَ وَمَا اَشْرَفَهُمْ لَدَيْكَ فَقَالَ اللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهٗ لَوْلَاهُمْ مَا خَلَقْتُكُمَا هٰٓؤُلَاءِ خَزَنَةُ عِلْمِيْ وَ اُمَنَائِيْ عَلٰى سِرِّيْ اِيَّاكُمَا اَنْ تَنْظُرَا اِلَيْهِمْ بِعَيْنِ الْحَسَدِ وَتَتَمَنَّيَا مَنْزِلَتَهُمْ عِنْدِيْ وَمَحَلَّهُمْ مِنْ كَرَامَتِيْ فَتَدْخُلَا مِنْ ذٰلِكَ فِيْ نَهْيِيْ وَعِصْيَانِيْ فَتَكُوْنَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِمَا الشَّيْطٰنُ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ وَحَمَلَهُمَا عَلٰى تَمَنِّيْ مَنْزِلَتِهِمْ فَنَظَرَا اِلَيْهِمْ بِعَيْنِ الْحَسَدِ فَخُذِلَا لِذٰلِكَ۔

اگر جاؤ گے تو ظالموں سے ہو گے، پھر نظر کی دونوں نے محمدؐ اور علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ اور ان اماموں کے مقاموں کی طرف...... جو بعد ان کے ہوں گے، سو دونوں نے اُن مقامات کو بہترین مقامات سے پایا جو اہلِ جنت کے واسطے تھے پس کہا دونوں نے اے پروردگار ہمارے! یہ مقام کس کے واسطے ہیں! تب فرمایا خدائے عزوجلؒ نے اپنا ذرا سر اٹھاؤ دونوں میری ساق عرش کی طرف، سو اٹھایا انھوں نے سر اپنا، پس دونوں نے نام محمدؐ اور علیؓ اور سوا اُن کے جو روایت میں مذکور ہیں پایۂ عرش پر لکھا ہوا نور پاک پروردگار جل جلالہٗ سے پایا، پس کہا اے رب ہمارے کس لئے بڑا ہے یہ مرتبہ نزدیک تیرے اور کیونکر محبوب ہیں یہ گروہ تجھ کو اور کس طرح شرافت ہے ان کی تیرے سامنے، فرمایا خدا تعالیٰ نے کہ یہ وہ ہیں کہ اگر یہ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا یہ گروہ خزانچی میرے علم کے ہیں اور امانت دار میرے بھید کے، پس مجھ سے بچتے رہیو تم دونوں اس بات میں کہ دیکھو ان کو حسد کی آنکھ سے اور تمنا کرو ان کے مرتبے کی میرے پاس سے کہ تم کو ملے، اور ان کے مرتبے کی میرے گرامی رکھنے سے ان کو اُس وقت میں داخل ہو گے اس سبب سے میرے منع اور نافرمانی میں اور ہو گے ظالموں سے۔ پس وسوسہ ڈالا شیطان نے ان کی طرف اور کھینچا فریب کی جانب آمادہ کیا ان کو اس گروہ کے مقام کی تمنا پر اور دیکھا ان کی طرف بچشم حسد پس مخذول ہوئے اِس سبب سے۔

اب عاقل کو ان دونوں خبروں کے مضمون میں تامل کرنا چاہیئے کہ حضرت آدمؑ کے حق میں کیسی اہانت اور تحقیر ہے کیونکہ حسد مطلق مذمومات اور قبائح سے ہے باتفاق تمام اہلِ ملل و نحل کے خصوصاً حسد کرنا بزرگوں اور نیک بندوں خدا کا اور جملہ کبیرہ گناہوں میں ایک بڑا گناہ کبیرہ ہے سو ان سب کو حضرت آدمؑ کی طرف نسبت کرتے ہیں خاص کر بعد بڑی تقیید اور تاکید حضرت جناب باری تعالیٰ کے۔ پس ان کے مذہبوں میں حضرت آدمؑ اور ابلیس میں کچھ فرق نہیں ہے۔ جو کچھ ابلیس نے آدمؑ کے ساتھ کیا آدمؑ اپنی اولاد امجاد

کے ساتھ عمل میں لائے۔ بلکہ آدمؑ کا کام ابلیس کے کام سے بھی بدتر ہوا۔ کیونکہ ابلیس کو آدمؑ سے کچھ علاقہ نہ تھا اور آدمؑ کو اِن بزرگواروں سے علاقہ پدری اور پسری کا تھا پس قطع رحم قریبہ لازم آیا اور اولاد پر حسد کرنا ایسے پیغمبرؑ سے کہ سب پیغمبروں سے اول اور قبلہ فرشتوں کے اور رہنے والے جنت کے تھے اُن سے منسوب ہوا۔ حالانکہ جن کی فطرت خدا نے سلامت کی ہے ایسا امر اُن کے بھی محالات عادیہ سے ہے چہ جائیکہ ایسے پیغمبر معاذ اللہ من ذٰلک۔

یہ معاملہ تو حضرت آدمؑ کا امامیہ مذہب میں حق العباد میں ہے لیکن حق اللہ میں جو ان کا معاملہ ہے ان کے نزدیک اُس کو دوسری روایت سے بیان کرتے ہیں۔

رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ الصَّفَّارِ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِاٰدَمَ وَذُرِّيَّتِهٖ اَخْرَجَهَا مِنْ صُلْبِهٖ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَعَلِيٌّ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَوْصِيَاۗءُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ وُلَاةُ اَمْرِيْ وَاِنَّ الْمَهْدِيَّ اَنْتَقِمُ بِهٖ مِنْ اَعْدَاۗئِيْ وَاُعْبَدُ بِهٖ طَوْعًا وَّكَرْهًا قَالُوْا اَقْرَرْنَا وَشَهِدْنَا وَاٰدَمُ لَمْ يُقِرَّ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ عَزْمٌ عَلَى الْاِقْرَارِ بِهٖ۔

روایت کی محمد بن صفار نے ابی جعفرؒ سے کہ کہا اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور اُن کی اولاد سے جو نکالے تھے ان کے پُشت سے آیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں، اور یہ محمدؐ رسول خدا کا اور علیؓ امیر المومنین اور وصی اُس کے بعد اُس کے حاکم میرے حکم کے اور بیشک مہدی بدلا لے گا میرے دشمنوں سے اور میری عبادت کی جائے گی بسبب اُس کے خوشی و ناخوشی سے، سب نے کہا ہم نے اقرار کیا اور گواہ ہوئے، اور آدمؑ نے اقرار نہ کیا اور نہ اُس کا قصد تھا اس کے اقرار پر۔

اس خبر میں صریح کفر حضرت آدم علیہ السلام کا اشد انواع کفر پر جو کفر جحود ہے لازم آیا۔ اور کافر ٹھہرانا ایسے پیغمبر کو کہ جسے حق تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہو اور روح خاص اپنی اُس میں پھونکی ہو اور اُس کے حق میں فرمایا ہو اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ (اللہ نے برگزیدہ کیا آدمؑ کو) اور ملائکوں سے اُسے سجدہ کرایا ہو کس قدر دین و ایمان سے دور ہے۔ البتہ شریف مرتضیٰ کو کچھ حمیت اسلام کی جوش میں آئی اس نے اپنی کتاب میں جس کا نام "غرر و درر" ہے انکار خبر میثاق سے کیا اور وضع اور اختراع کا حکم اس پر کیا کہ بنائی ہے اور دل سے نکالی ہے۔ اسی سبب سے ابن صفار اور شیوخ امامیہ کو دائرۂ ایمان سے نکالا ہے، شکر خدا کا۔ اور تعجب ہے اس فرقہ سے کہ قرآن مجید کے نظم میں تامل نہیں کرتے اور نہیں سوچتے کہ قرآن میں محض کھا لینے ایک درخت کو محلِ عتاب آدمؑ کے ٹھہرایا ہے کہ وہ بھی باتفاق اور اجماع گناہ کبیرہ نہیں ہے اگر یہ امور جو ان کی روایات میں ہیں واقع ہوتے ہوتے تو انہی امور کو محلِ عتاب ٹھہراتے اور انہی سے خبردار کرتے تاکہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ جیسوں کے

بھی آنکھیں کھل جاتیں اور عبرت ہوتی اور اس قسم کے قبائح سے بچتے، جیسے کہ ان کے اعتقاد میں ہیں۔

اور یہ تو ایسا ہے کہ کسی شخص نے کسی شخص کے بیٹے کو مار ڈالا ہو اور اس کے عمدہ فرمان سے انکار کیا ہو، اور اس کے گھر کے درخت سے چند دانے میوے کے بغیر اجازت اس کی توڑ کر کھا لئے ہوں وہ شخص غصّے کے وقت میں اور سب گناہوں کو تو ایک کنارہ رکھے اور چھوڑ دے محض میوے کے دانے کھا لینے پر شورش کرے اور دوسری باتوں کا اصلاً ذکر نہ کرے۔ پس یہ بات باوجود عقل کامل کے ہرگز متصوّر نہیں ہے۔

اور ایک روایت ترک عہد کی اور حضرت آدمؑ پر امامیہ سے ہے کہ ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی دیکھی گئی

رَوَی ابنُ الصَّفَّارُ الْمَذْکُوْرُ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ قَالَ عَهِدَ اللّٰهُ اِلٰی اٰدَمَ فِیْ مُحَمَّدٍ وَّالْاَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِهٖ فَتَرَكَ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ عَزْمٌ اَنَّهُمْ هٰكَذَا۔

(روایت کی ہے ابن صفار مذکور نے قول خداوند تعالیٰ میں یعنی وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰی اٰدَمَ میں کہ عہد کیا تھا خدا تعالیٰ نے طرف آدمؑ کے محمدؐ اور اماموں کی شان میں جو بعد محمدؐ کے ہیں تب ترک کیا آدمؑ نے اور نہ تھا اس کا قصد اس بات پر کہ یہ لوگ ایسے ہی ہیں۔)

اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ ابن صفار ایک شخص تھا علوج مجوس سے کہ اس کے دادا کا نام فرخ تھا اور وہ اپنے آپ کو غلاموں موسیٰ بن عیسیٰ اشعری سے کہتا تھا۔ بعد اسلام بھی خباثت مجوس پن کی اس کی اہل ونسل میں باقی رہی۔ حد یہ کہ شیعہ پن کو چھپاتا تھا اور دلیل صریح اس بات پر یہ ہے کہ ابن صفار وہ روایتیں اماموں سے لاتا ہے کہ وہ روایتیں درحقیقت خود اماموں کے حق میں قدح کرتی ہیں۔ جیسے کہ یہ خبریں مذکور ہوئیں۔ کیونکہ یہود اور نصاریٰ اور مسلمان دونوں گروہوں کے طوائف اور شریف لوگ حضرت ابوالبشرؑ کی بزرگی اور کرامت اور برگزیدگی ان کی ساری مخلوق پر جو خدا کے نزدیک ہے اتفاق و اجماع رکھتے ہیں۔

اور جب ایسی روایتیں اماموں سے جہان میں پھیلیں گی تو تمام لوگ ان کی امامت کے حق ہونے کیا معنے بلکہ ان کی خوبیٔ دیانت سے بد اعتقاد ہو جائیں گے اور نفرت کریں گے اور بڑی بلا اسلام میں پڑ جائے گی، اور مُدّعا اور آرزو مجوس کے دلوں کی خوب پوری ہوگی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اہل سنت ان کے خباثت پر مطلع ہو گئے ہیں اور روایتیں ان کی ایک ایک گرا دی ہیں اور حیض کے چیتھڑوں کی طرح الگ کر دی ہیں، مگر شیعوں کی شیطان نے راہ ماری ہے کہ پس روان شیوخ گمراہی کا کر کے ان کے دین و ایمان کو مبنی روایات ان بد دینوں کا بنایا ہے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ان ابلیس نما اشخاص کی راہ متابعت میں کھویا ہے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (یعنے جس کو اللہ تعالیٰ بہکاتا ہے اس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے)۔

عقیدہ ہشتم یہ کہ کسی نبی نے رسالت سے استعفیٰ نہیں دیا اور کوئی ادائگی حکم الٰہی میں عذر نہیں

لایا، یہی مذہب اہل سنت کا ہے۔ مگر امامیہ کہتے ہیں کہ بعض اولوالعزم پیغمبروں سے ایسے ہیں جنھوں نے رسالت سے معافی چاہی ہے اور سبب اور ٹلانے کی باتیں پیش کی ہیں اور عذر کئے ہیں کہ ان میں سے ایک حضرت موسیٰؑ ہیں کہ جب ان کو خدا تعالیٰ نے بذات خود بے واسطہ کسی اور کے ندا فرمائی اور ارشاد کیا کہ اِئْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (کہ آ قوم ظالم قوم فرعون پر) تو انھوں نے جواب میں کہا کہ مجھ کو اس کام سے معاف رکھ، اس واسطے کہ میں ڈرتا ہوں مجھ کو جھوٹا بتائیں اور میں ان کی قیل وقال سے ناراض ہوں، اور میری زبان بھی ہکلاتی ہے اور اچھی طرح تقریر مطلب کی نہیں کر سکتی۔ اور میں ان کا تقصیروار بھی ہوں کہ ایک کو ان میں سے مار ڈالا ہے ایسا نہ ہو کہ اس کے عوض میں مجھ کو مار ڈالیں۔ پس ہارونؑ کو کہ میرا بھائی ہے رسالت دے اور مجھ کو معاف کر۔ اور اس مضمون کو قرآن کی آیتوں سے نکالتے ہیں اور کلام الٰہی سے سمجھتے ہیں۔ حالانکہ رسالت سے معافی چاہنے کے ضمن میں ردّ وحی کا ہے جس سے نافرمانی حکم خدا تعالیٰ کی لازم آتی ہے اور بے اطاعتی اور انبیاءؑ اس امر سے معصوم ہیں۔ اور ہے یہ کہ آیات قرآنی میں کوئی جگہ دستاویز تمسک کی نہیں ہے بلکہ وہی آیتیں عند التأمل اُلٹا انہی کو الزام دیتی ہیں۔ کیونکہ یہ کلام حضرت موسیٰؑ سے کہ مجھ کو اس رسالت سے معاف رکھ اور میرے بدلے ہارونؑ کو رسالت دے اصلاً قرآن کی آیتوں میں منقول نہیں ہے، یہ سب خوش فہمی اس فرقۂ نافہم کی ہے۔ البتہ تکذیب قوم فرعون اور یہ کہ میں ادائے رسالت کرتے نہ پاؤں پہلے ہی سے مجھ کو مار ڈالیں۔ اور دل تنگی اور کوتاہ زبانی یعنی بسبب ہکلانے کے یہ ضرور بیان فرمائی ہے۔ تو بھی اس بیان سے مقصود معافی چاہنا اور حجت اٹھانا نہ تھا بلکہ مدد چاہنا اطاعت حکم پر۔ اور تمہید عذر طلب معیّن میں ہے۔ اور یہ خود عین دلیل قبول رسالت کی ہے۔ جیسے بادشاہ کسی شخص کو کسی مہم پر تعیّن کرے اور وہ شخص اپنے رفیقوں کی قلت اور کثرت وشوکت دشمنوں کی بیان کرے یا ضعف حال اپنا بسبب مال ومنال کے ذکر کرے پس غرض اس کی یہ ہوتی ہے کہ حضور بادشاہ سے اس کے ساتھ مساعدت ہو، اور سردار عمدہ مع فوج شائستہ اس کے مددگار اس کے ساتھ معیّن کئے جائیں پس یہ کلام صریح قبول پر دلالت کرتا ہے نہ کہ ردّ اور دفع پر۔ اور تفسیر میں اس آیت کی مبہم وارد ہوا وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ (کر تو میرے واسطے کوئی وزیر میرے کنبے سے ہارونؑ میرا بھائی ہے اسی سے مضبوط کر میری پشت کو اور اسی کو شریک کر دے میرے کام میں) پس غرض ان کی شریک کرنا اپنے بھائی کا تھا امر رسالت میں نہ کہ اپنے اوپر سے ٹال کر ہارونؑ پر ڈالنا اور اسی طرح اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (ڈرتا ہوں مجھ کو جھوٹا بنائیں) اور اَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ (ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں) اور یہ سب محض اس واسطے تھا کہ بلا کا دفع ہونا چاہتے تھے اور جانب خدا سے

حفظ کا اپنے واسطے کھینچنا چاہتے تھے نہ کر دفع اس منصب عالی کا اپنی ذات سے، خدا پناہ دے ایسی بُری سمجھ اور بدگمانی سے۔ خصوصًا انبیاءؑ کے حق میں اور وہ انبیاءؑ کہ رسولوں میں اُولوالعزم ہیں۔

✺ **عقیدۂ نہم** یہ کہ مبعوث الی الخلق کافۃً من عند اللہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب تھے، صلے اللہ علیہ وسلم، زمانۂ خسرو پرویز میں نہ کہ علی رضؓ بن ابی طالب بن عبد المطلب اور حضرت جبرئیلؑ امین خدا کے ہیں وحی پر، وہ اپنی طرف سے اُن کے پاس وحی نہیں لاتے اور ادائے رسالت میں خیانت نہیں کی اور سہو وخطا سے بھی معصوم ہیں اس امور عظام میں پس اِس رسالت میں بھی غلطی نہیں کی اور اشتباہ اُن کو واقع نہ ہوا۔

غرابیہ کہ سابق میں حال ان کا باب اول میں گزرا مخالف اس عقیدے کے ہیں اور جبرئیلؑ کو لعنت کرتے ہیں۔ ایسے موقع پر نصوص قرآنی اور اخبار ائمہ اہل بیت کے لانا واسطے ثبوت دعویٰ کے سماجت و زشتی و بُرائی سے خالی نہیں ہے اور اسی کے ساتھ یہ کہ جھگڑنے والے کو بھی ساکت کرنے سے قاصر کیونکہ جب تہمت جبرئیلؑ پر ہے قرآن اور شریعتیں تو سب حیزِ اعتبار سے گر گئیں اور اہل بیت کو کیا وہ مخالف منصب اپنے جدِ امجد کے کہ ان کو اُن سے شرف حاصل ہوا ہے، کیوں کہیں گے۔ ناچار اس موقع پر توریت وانجیل سے نقل لانا چاہیئے کہ غرابیہ بھی اتنے معتقد پیش بندی جبرئیلؑ کے نہیں ہیں کہ اُن کتابوں میں بھی محمدؐ کی نعت درج کر دیئے کہ آخر مجھ کو اُن سے سروکار ہونے والا ہے۔ اور اگر یہ احتمال بھی پیدا کریں تو وحی حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی اکثر بے واسطہ جبرئیلؑ کے بھی تھی۔ خصوصًا توریت کہ ایک دفعہ ان پر بلا واسطہ کسی کے طور میں عنایت ہوئی تھی زبرجد کی تختیوں پر لکھی ہوئی کہ وہاں دخل جبرئیلؑ کا نہیں ہو سکتا تھا۔

فِي التَّوْرَاةِ فِي السِّفْرِ الرَّابِعِ مِنْهُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى إِنَّ هَاجَرَ تَلِدُ وَيَكُوْنُ مِنْ وَلَدِهَا مَنْ يَدُهُ فَوْقَ الْجَمِيْعِ وَيَدُ الْجَمِيْعِ مَبْسُوْطَةٌ إِلَيْهِ بِالْخُشُوْعِ۔

توریت کا جو چوتھا سفر ہے اُس میں ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے کہ بیشک ہاجرہ سے اولاد ہوگی اور اسکی اولاد سے ایک شخص ہوگا کہ ہاتھ اُس کا سب کے ہاتھ سے بالا ہے اور اُس کی طرف سب کا ہاتھ عجز کا بڑھا ہوا ہے۔

اور کتاب توریت کہ یہ عبارت جس میں کی ہے یہود کے پاس ہے اہلِ اسلام کو اُس پر قابو نہیں ہے نہ جبرئیلؑ کو اُس میں تصرف کیونکہ یہود جبرئیلؑ کو دشمن رکھتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اولادِ ہاجرہؑ سے ایسا کوئی شخص جس کا ہاتھ سب سے بالا ہوا ہو اور اُس کے ہمعصر عجز و زاری کے ساتھ اُس کے حضور میں رجوع ہوتے ہوں کسی وقت میں اوقات سے سوائے محمدؐ بن عبد اللہ کے نہیں ہوا ہے۔ اور علی رضؓ بن ابی طالب یہ تو خلفائے

ثلٰثہ رضؓ کے زمانہ میں مغلوب اور خائف اور مغصوب اور مظلوم رہے۔ اور جب نوبت ان کی خلافت کی پہنچی وہ خشوع، کہ معاویہؓ ان کے ساتھ عمل میں لاتے اور باغی و خوارج کچھ چھپا نہیں ہے۔

فِي السِّفْرِ الْخَامِسِ مِنْهُ يَا مُوْسٰى إِنِّيْ مُقِيْمٌ لِبَنِيْ إِسْمَاعِيْلَ نَبِيًّا مِنْ بَيْتِهِ أُخْرِجُهُمْ وَأُجْرِيْ قَوْلِيْ فِيْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ لَهُمْ مَا آمُرُهُ بِهٖ۔

اور اُس کے پانچویں سفر میں ہے کہ اے موسیٰؑ! میں بنی اسماعیل میں ایک پیغمبر پیدا کروں گا اپنے گھر سے کہ رواں کریگا اُن کو اور رواں کروں گا میں کلام اپنا اُس کے منہ میں تاکہ کہے اُن سے جو کچھ حکم کروں میں اُس کو۔

اور اس قسم کا نبی ضرور بنی اسماعیل سے پیدا ہونا ہے۔ اور حضرت علی رضؓ بن ابی طالب نے کبھی امر الٰہی نہ پہنچایا نہ کلام خدا کا اُن کے دہن میں آیا۔ بلکہ خود پیغمبر وقت کے تابع رہے اور اپنے آپ کو شاگرد اُن کا جانا۔ پس وہ نبی نہیں ہے مگر محمدؐ بن عبد اللہ۔

وَفِي الْإِنْجِيْلِ فِي الْإِصْحَاحِ الرَّابِعِ عَشَرَ مِنْ إِنْجِيْلِ يُوْحَنَّا أَنَا فَارِقْلِيْطُ رُوْحُ الْقُدُسِ الَّذِيْ يُرْسِلُهُ إِلَيَّ بِاسْمِيْ هُوَ يُعَلِّمُكُمْ وَيَمْنَحُكُمْ وَجَمِيْعَ الْأَشْيَاءِ وَهُوَ يُذَكِّرُكُمْ مَا قُلْتُهُ لَكُمْ۔

اور انجیل میں ہے صحاح چودہویں میں یوحنا کے انجیل سے آیا فارقلیط روح القدس وہ روح القدس کہ بھیجا ہے وہ اُس کو پاس میرے، میرے نام پر وہ تعلیم کرے گا تم کو اور بخشے گا تم کو سب چیزیں اور وہ یاد دلائے گا تم کو جو کچھ میں نے کہا تم سے۔

وَفِيْ إِنْجِيْلِ يُوْحَنَّا أَيْضًا فِي الْإِصْحَاحِ السَّادِسِ مِنْهُ لٰكِنِّيْ أَقُوْلُ لَكُمُ الْآنَ حَقًّا وَيَقِيْنًا إِنَّ انْطِلَاقِيْ عَنْكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ فَإِنْ لَّمْ أَنْطَلِقْ إِلٰى أَبِيْ لَمْ يَأْتِكُمْ فَارِقْلِيْطُ وَإِنِ انْطَلَقْتُ أَرْسَلْتُ بِهٖ إِلَيْكُمْ فَإِذَا مَا جَاءَ هُوَ يُفَنِّدُ أَهْلَ الْعَالَمِ وَيُدِيْنُهُمْ وَيُوَبِّخُهُمْ وَيُوْقِفُهُمْ عَلَى الْخَطِيْئَةِ وَالْبِرِّ۔ وَفِيْهِ أَيْضًا أَنَّ لِيْ كَلَامًا كَثِيْرًا أُرِيْدُ أَنْ أَقُوْلَهُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَا تَقْدِرُوْنَ عَلٰى قَبُوْلِهٖ وَالْاِحْتِفَاظِ بِهٖ وَلٰكِنْ جَاءَ رُوْحُ الْحَقِّ يُرْشِدُكُمْ وَيُعَلِّمُكُمْ وَيُرِيْدُكُمْ بِجَمِيْعِ

اور یہ بھی انجیل یوحنا میں ہے اُس کے چھٹے صحاح میں لیکن میں اب تم سے کہتا ہوں حق و یقین سے کہ جانا میرا تم میں سے بہتر ہے تمہارے واسطے پس اگر میں نہ جاؤں اپنے باپ کی طرف تو تمہاری طرف فارقلیط نہ آئے گا اور اگر میں جاؤں تو اُس کو بھیجوں تمہارے پاس پھر جس وقت کہ وہ آئے گا مسخر کریگا اہلِ عالم کو اور ملزم کریگا اُن کو اور توبیخ کریگا اُن کو، اور واقف کرے گا اُن کو گناہ اور ثواب کے کام سے؛ اور اس میں یہ بھی ہے کہ بیشک بہت باتیں ہیں، ضروری ہے کہ وہ تم سے کہوں لیکن تم کو قدرت اُن کے قبول اور یاد رکھنے کی نہیں، لیکن جب روح حق آئیگا وہ ارشاد کریگا تم کو اور سکھائیگا اور پہنچائیگا تم کو

الْخَيْرِ لِاَنَّهٗ لَيْسَ يَتَكَلَّمُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ۔ ‖ ہر خیر کو کیونکہ اُس کی بات اپنے نفس کی طرف سے نہ ہوگی۔

اور زبور میں نام محمد بن عبد اللہ بھی واقع ہے کہ احتمال واشتباہ کو اصل سے دور کرتا ہے:۔

وَفِي الزَّبُوْرِ وَنُسْخَتُهٗ مَحْفُوْظَةٌ عِنْدَ الْيَهُوْدِ يَا اَحْمَدُ فَاضَتِ الرَّحْمَةُ عَلٰى شَفَتَيْكَ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ نُبَارِكُ عَلَيْكَ فَتَقَلَّدِ السَّيْفَ فَاِنَّ بَهَاءَكَ وَحَمْدَكَ الْغَالِبُ وَ بُوْرِكَتْ كَلِمَةُ الْحَقِّ فَاِنَّ نَامُوْسَكَ وَ شَرَائِعَكَ مَقْرُوْنَةٌ بِهَيْبَةِ يَمِيْنِكَ وَسِهَامُكَ مَسْنُوْنَةٌ وَالْاُمَمُ يَجْرُوْنَ تَحْتَكَ كِتَابٌ حَقٌّ جَاءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْيَمَنِ وَالتَّقْدِيْسِ مِنْ جَبَلِ فَارَانَ وَامْتَلَاَتِ الْاَرْضُ مِنْ تَحْمِيْدِ اَحْمَدَ وَتَقْدِيْسِهٖ وَمَلَكَ الْاَرْضَ وَرِقَابَ الْاُمَمِ۔

اور زبور میں ہے جو نسخہ محفوظ ہے یہود کے پاس، اے احمدؐ! جاری ہوتی رحمت تیرے لبوں پر اس سبب سے کہ برکت نازل کرتے ہیں ہم تجھ پر، پس حمائل کر شمشیر کو کہ روشنی تیری اور تعریف تیری غالب ہے، اور برکت پاگیا ہے سخن حق سے، سو بیشک احکام تیرے اور شریعت تیری مقرون ہے تیرے ہاتھ کی ہیبت سے، تیر تیرے تیز ہیں اور اُمتیں تیرے تحت حکم میں ہوں گی نوشتہ حق ہے جس کو اللہ تعالیٰ لایا یمن اور تقدیس جبل فاران سے، اور بھر گئی زمین ستائش اور تقدیس احمدؐ سے، اور مالک ہوا زمین کا اور اُمتوں کی گردنوں کا۔

وَفِيْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ مِنَ الزَّبُوْرِ اَيْضًا لَقَدِ انْكَسَفَتِ السَّمَاءُ مِنْ بَهَاءِ اَحْمَدَ وَ امْتَلَاَتِ الْاَرْضُ مِنْ حَمْدِهٖ۔

ہر آئینہ کسوف پایا آسمان نے نورِ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اور زمین اُن کی تعریف سے بھر گئی، انتہٰی

اور اہلِ کتاب ہمیشہ مولد اور مبعث اور نسب اور تعریفوں اور شمائل نبی آخر الزمان سے اور اس بات سے کہ اُن کو کفارِ قریش اپنے وطن سے نکال دیں گے اور محلِ ہجرت سے ایسی صورت پر خبر دیتے رہے کہ بسبب تحقیقات اور تقیدات کے احتمال شرکت ابہامی کا کہ مبہم ہونے سے کسی اور کو گمان کرے سب رفع اور صاف ہوگئے اور جملہ کلی منحصر فرد واحد میں ہوگئے تھے۔ اسی واسطے وقت ظہور اس عالی جناب کے اِن صفتوں کو اُن پر منطبق بلکہ ان میں منحصر پاکر تھوڑے سے اہل کتاب آپؐ کی اطاعت میں داخل ہوئے۔ اور بعض نے وعدہ نُصرت و امداد کا وقت پر مصمم کیا۔ لیکن قضا و قدر نے پیش دستی کی کہ وہ جماعت ہنوز وقت نُصرت نہ آنے پایا تھا کہ دار القرار کو چلے گئے۔ اور پیدا ہونے کے وقت جو علامتیں ظہور میں آئیں اور باتیں کرنا پتھروں اور درختوں کا اور خبر دینا کاہنوں کا اور ہاتفوں کی آواز اور چلانا بُتوں اور شیاطین کا ایسے ہی وقت نبی ہونے کے جو کچھ وقوع میں آیا سب نے جملہ احتمالات کو مسدود کیا۔ پھر ظہور معجزوں، اور قبولیت دُعاؤں

اور امداد کا، اور وہ نُصرت جو پے در پے جنابِ الٰہی سے اُن کو اور اُن کے اتباع کو پہنچتی رہی۔ اور برکات اور انوار کہ اُن سے عالم میں پھیلے اور باقی رہے سب دلیل "اِنِّی" اُن کی تخصیص کی ہوئی۔

اِن سب باتوں سے قطع نظر واحتمال غلط اور اشتباہ کا جبریلؑ کے حق میں اُس وقت وہم وخیال کیا جاتا کہ مدار ارسال وحی اور تعین موحی الیہ یعنی جس کی طرف وحی کی گئی محض صورت بتا دینے پر ہوتا اور اُس کے ساتھ میں ذکر نام ونشان اور تعریفوں اور شمائل کا نہ ہوتا۔ اور خداوند تعالیٰ کچھ تدارک اس غلط اور آگاہی اِس اشتباہ کا نہ کرسکتا۔ پس یہ سب شق بدیہیۃ البطلان ہیں۔ ظاہر اِن دلیلوں سے اُن کا عقیدہ باطل ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ مشابہت صورت کی درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب امیرؓ کے بتواتر اخبار مخبرین شیعہ اور غیر شیعہ سے کہ حلیہ دونوں بزرگوں کا روایت کیا ہے باطل اور بے اصل ہے۔ اگر غرابیہ اور ذبابیہ بطریق خرافات کے اس کا ادعا کریں تو وہ کوّے کی کائیں کائیں اور مکھی کی بھن بھن سے جو کسی کو پسند نہیں بلکہ اُنہیں مار کر اُڑا دیتے ہیں زیادہ نہیں ہوگا۔

❋ **عقیدہ دہم**۔ یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم النبیین ہیں لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ (میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے) تمام فرق اسلامیہ اسی کے قائل ہیں لیکن چند فرقے شیعہ کے جیسے خطابیہ، معمریہ، منصوریہ اسحاقیہ، مفضلیہ، سبعیہ کہ برملا مخالف اس عقیدے کے ہیں۔ چنانچہ باب اوّل جس میں ذکر اِن کے مذاہب کا ہے گزرا۔ اور امامیہ ہرچند بظاہر ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں لیکن در پردہ نبوت ائمہؓ کے قائل ہیں یا کہ ائمہؓ کو بہتر اور بزرگتر انبیاءؑ سے گنتے ہیں جیسا کہ اسی باب میں مفصل گزرا۔ اور امر تحلیل و تحریم یعنے حلال و حرام ٹھہرانے کا کہ خلاصہ نبوت بلکہ بالاتر نبوت سے ہے، اس کی سپردگی بھی واسطے ائمہؒ کے ثابت کرتے ہیں، اور معنی میں منکر ختم نبوت کے ہیں۔ دلالت کرتا ہے اس پر وہ قول کہ روایت کی اُس کی حسین بن محمد ابن جمہور القمی نے نوادر میں۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِنَانٍ عَنْ جَعْفَرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَهٗ فَاَجْرَيْتُ اِخْتِلَافَ الشِّيْعَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَزَلْ مُتَفَرِّدًا بِالْوَحْدَانِيَّةِ ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَعَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَمَكَثُوْا اَلْفَ دَهْرٍ فَخَلَقَ الْاَشْيَاءَ وَاَشْهَدَهُمْ خَلْقَهَا وَاَجْرٰى طَاعَتَهُمْ عَلَيْهَا وَفَوَّضَ اُمُوْرَهُمْ

کہا کہ میں جعفر کے پاس تھا پھر میں نے شیعہ سے باتیں شروع کیں اور ان کے اختلاف سے، پس کہا اے محمد بن سنان! بیشک خدا تعالیٰ ہمیشہ ہے تنہا بوحدانیت پھر پیدا کیا محمدؐ اور علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنینؓ کو پھر توقف کیا ہزار دہر پھر پیدا کیں اور چیزیں اور دکھلائی اُن کو پیدائش اُن چیزوں کی اور جاری کی اطاعت اس گروہ کی، اور مخلوق کے کام ان کے سپرد کیے

اِلَیْھِمْ یُحِلُّوْنَ مَا یَشَاءُ وَیُحَرِّمُوْنَ مَا یَشَاءُ۔

جو چاہیں ان پر حلال کریں جو چاہیں حرام کریں۔

وَمَا رَوَاہُ الْکُلَیْنِیُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَسَنِ الْمِیْثَمِیِّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَدَّبَ رَسُوْلَہٗ حَتّٰی قَوَّمَہٗ عَلٰی مَا اَرَادَ ثُمَّ فَوَّضَ اِلَیْہِ دِیْنَہٗ فَقَالَ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا فَمَا فَوَّضَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی رَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَدْ فَوَّضَہٗ اِلَیْنَا۔

اور وہ چیز کہ روایت کی اُس کی کلینی نے محمد بن حسن المیثمی سے اور اُس نے ابی عبداللہ سے کہا سنا میں نے کہ کہتے تھے بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو ادب سکھا یہاں تک کہ سنبھالا اُن کو جس طور پر کہ چاہا پھر اُن کو اپنا دین سپرد کیا، اور فرمایا جو کچھ تم کو رسولؐ دے اُس کو لو اور جس سے باز رکھے اُس سے باز رہو، پس جو کچھ حوالے کیا خدا تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب ہمارے حوالے کیا۔

اور یہ دونوں روایتیں بنائی ہوئی اور جھوٹی ہیں۔ اِس واسطے کہ حسین بن محمد ضعیفوں سے روایت کرتا ہے اور مراسیل کو زیادہ اپنی کتابوں میں لاتا ہے۔ نجاشی نے کہا ہے کہ ہمارے اصحابوں نے حسین بن محمد کو اسی صفت پر موصوف کیا ہے۔ اور محمد بن حسن میثمی مجسّم سے ہے کہ ایمان نہیں رکھتا اُس کا کیوں اعتبار کیا جائے۔ اگر یہاں اُس کا اعتبار کریں تو اس کی تجسیم یعنی خدا تعالیٰ کو صاحبِ جسم ٹھہرانے پہ اعتبار کریں کہ یہ روایت بھی ائمہؓ ہی سے کرتا ہے اور تجسیم کو بھی مان لیں۔ اور حالانکہ اول تو پیغمبرؐ ہی کو دین تفویض کر دینے میں کلام ہے سورہ گئے اور لوگ، مذہب صحیح یہ ہے کہ تشریع پیغمبرؐ کے سپرد نہیں ہوتی یعنی مخلوق میں خود شرائع بنائیں کیونکہ منصب پیغمبری منصب رسالت اور ایلچی گری ہے نہ کہ نیابت اور نہ شرکت کارخانۂ خدائی میں۔ خدا تعالیٰ جو کچھ حرام و حلال فرماتا ہے پیغمبرؐ اُس کو پہنچاتا ہے اپنی طرف سے کچھ اختیار نہیں۔ اور اگر امرِ دین پیغمبرؐ کے سپرد ہوتا تو اُن کو عتاب کیوں ہوتا حالانکہ بہت سے موقعوں پر مثلاً فدیۂ بدر اور تحریم ماریہ قبطیہ اور اذن دینے منافقین کو تخلف غزوۂ تبوک پر اور ان کے علاوہ دیگر موقعوں پر عتابِ شدید واقع ہوا۔ اور جو بعض جگہوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی حکم کے اثنائے بیان میں بتقریب سوال کسی سائل یا وقوع واقعہ کی فی الفور بے انتظار وحی استثناء یا تخصیص فرمائی ہے جیسے اِلَّا الْاِذْخِرَ، یہ مثال استثناء کی ہے اور جیسے تُجْزِئُ عَنْکَ وَلَا تُجْزِئُ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَکَ، یہ مثال تخصیص کی ہے (کفایت کرتا ہے تجھے اور بعد تیرے کسی کو کفایت نہیں کرتا ہے) یعنی بز کم ایک برس کی قربانی میں۔ اور یہ حدیث لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ (اگر میں نعم کہتا تو واجب ہو جاتی وہ) اور قائلین تفویض کے ان کے ساتھ دستاویز ڈھونڈھیں تو یہ حقیقت میں باب تفویض سے ہیں نہیں بلکہ قبیلِ اجتہاد سے ہیں کہ درج

فی العموم یا قیاس خفی کے طور پر استنباط اُس حکم کا فرماتے تھے اور تشفی سائل کی کرتے تھے۔ اور اجتہاد نبی کا امت کے حق میں لازم کرنے والا عمل کا ہے۔ پس اس قسم کی تفویض کا کہ قواعد کلیہ شرعیہ سے استنباط حکم کا کرکے فتویٰ دے تو کچھ نہیں ہے کہ تمام مجتہد اس میں شریک ہیں۔ اور اگر ہم مان لیں کہ پیغمبرؐ کو تفویض امورِ دین کا واقع ہوا تھا جیسا کہ مذہب مرجوح ہے تو ائمہؓ کو اس منصب میں شریک کرنا خلاف اجماع کے ہے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا تو چاہیئے تھا کہ جو روایتیں ائمہؓ سے ہیں اور جو پیغمبرؐ سے سب عمل میں برابر ہوتیں جا ہے جس پر عمل کریں کیونکہ ہر ایک ان میں سے صاحبِ شرع ہے۔ اور اس صورت میں جو روایتیں ائمہؓ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں اُن میں سے کسی پر عمل جائز نہ ہوتا کیونکہ ہر ایک نے ان سے مصلحت کسی قوم یا کسی شخص یا کسی زمانہ کی رعایتیں کرکے تشریع کی ہے اور وہ مصالح اُمت سے مستور ہیں تو دوسری جگہ بھی موافق اُن مصلحتوں کے احکام مختلفہ جاری کریں پس بیکاری احکام شرع کی لازم آئے وَاللَّوَازِمُ کُلُّھَا بَاطِلَۃٌ عِنْدَ الْاِمَامِیَّۃِ اَیْضًا فَکَذَا الْمَلْزُوْمُ (کل لوازم امامیہ کے نزدیک بھی باطل ہیں پس اُسی طرح ملزوم) اور یہ بھی ہے کہ اگر تفویض امرِ دین کی پیغمبرؐ اور امام کو ہوتی تو ضرور ان کو اجتہاد کرنا چاہیئے جواب حکم میں تو جو کچھ اولیٰ اور ارجح ہو اُس کو قرار دیں۔ اور حالانکہ شیعہ امامیہ کے نزدیک نبیؐ اور امام کو اجتہاد جائز نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ کل ائمہؓ روایت حلال و حرام کی اپنے آبا سے کرتے ہیں اور جب ائمہؓ کو منصب تفویض کا ہے تو روایت کی کوئی وجہ نہیں۔

الحاصل یہ ایک اصل فاسد ہے کہ مستلزم بہت فسادوں کی ہے۔ اور اس کے ساتھ متضمن انکار ختم نبوت کی در حقیقت، اور سب امامیہ اس کے قائل نہیں۔

عقیدۂ یازدہم ۱۱ یہ کہ معراج حق ہے اور مخصوص ہے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور کوئی شخص ان کے ہمعصر سے ملکوت زمین و آسمان کے دیکھنے میں شریک اُن کا نہ تھا پس یہی ہے مذہب اہل سنت کا کہ ثابت ہے نصوصِ کتاب اور عترت سے قَوْلُہٗ تَعَالٰی سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی (پاک ہے وہ کہ لے گیا اپنے بندے کو مسجد حرام سے طرف مسجد اقصیٰ کے) اور قول ہے خدائے بزرگ کا وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی سے لے کر لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی تک۔ اور قول عترت کے قصۂ معراج کے بیان میں کتب امامیہ میں حدِ تواتر کو پہنچے ہیں اُن کا نقل کرنا موجبِ طوالت ہے۔

اِس عقیدے میں بھی اکثر فرقے شیعہ کے مخالفت رکھتے ہیں۔ اسمٰعیلیہ، معمریہ اور ذمیہ اصل معراج کا انکار کرتے ہیں۔ اور شبہاتِ فلسفیہ اور استبعادات یعنی بعید جاننا عادیہ سرعت حرکت اور پھٹنے آسمانوں کے

تمسک کرتے ہیں کہ کیونکر ایسی جلدی آنے جانے میں ہوتی اور کیونکر آسمان پھٹ گئے۔ اور حالانکہ نص قرآنی اِس کے خلاف ناطق ہے۔ لیکن حرکت کی سرعت تو بلقیس کے تخت کے حق میں کہ ایک لمحہ میں یمن سے شام میں پہنچا سورۂ نمل میں منصوص ہے اور صریح ظاہر۔ لیکن آسمانوں کا پھٹ جانا اس پر تو آیات بیشمار صریح دلالت کرتی ہیں قولہ تعالیٰ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ وَاِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ دونوں کے معنے ہیں جس وقت کہ آسمان پھٹ جائیگا۔ اور خرق تو جب لازم آئے کہ آسمان کے دروازے نہ ہوں اور ثبوت دروازوں کا کہ راہیں چڑھنے اُترنے ملائکہ اور ارواح کی ہیں آسمان میں تینوں مذہبوں کی مجمع علیہ ہیں یعنی تینوں مذہب کے متفق علیہ۔ پھر اصولِ اسلامیہ کا کیا کہنا۔ اور منصوریہ خصوصیت معراج کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ابو منصور عجلی نے اپنے جسم سمیت بیداری میں آسمان پر صعود کیا اور خدا سے باتیں کیں اور دیکھا، اور خدا تعالیٰ نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا کہ یہ پہلے باب میں گزرا۔ اور یہ ابو منصور عجلی وہی گائے کا بچھڑا ہے جس کو حضرت جعفر علیہ السلام نے مردود کرکے نکلوا دیا تھا اور جھوٹا ٹھہرایا تھا اُس وقت سے اُس نے دعوای امامت کا کیا اور بہتان باندھے۔ اور امامیہ اس مسئلے میں مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ معراج میں شریک تھے جناب پیغمبرؐ کے ساتھ۔ بعض کہتے ہیں کہ جو کچھ حضرتؐ نے عرش پر دیکھا حضرت امیرؓ نے زمین پر دیکھا۔ سبحان اللہ جہاں جبرئیلؑ جیسے مقرب کو گنجائش رفاقت کی نہ ہو کسی بشر کی کیا طاقت کہ وہ شریک منصب اُس جناب کا ہو سکے۔ اور اگر زمین میں دیکھنا جو کچھ عرش پر دیکھا ممکن ہوتا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مفت مشقت اس سفرِ طویل کی کیوں دیتے معاذ اللہ۔ شاید اُن کی بصر بصیرت کو رتوندھی آتی تھی یا عارضہ شب کوری کا تھا کہ یہ دُور سے نہیں دیکھ سکتے۔ اور اس فرقہ کا تمسک روایتِ ابن بابویہ پر ہے:۔

فِیْ کِتَابِ الْمِعْرَاجِ فِیْ خَبَرٍ طَوِیْلٍ اِنَّ عَلِیًّا کَانَ فِیْ لَیْلَۃِ الْمِعْرَاجِ فِی الْاَرْضِ وَلٰکِنَّہٗ رَاٰی مِنْ مَلَکُوْتِ السَّمَآءِ مَارَاٰہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔	کتاب معراج میں ہے بیچ خبر طویل کے بیشک شب معراج علیؓ زمین میں تھے لیکن حال یہ ہے کہ دیکھا انھوں نے ملکوت آسمان سے جو کچھ کہ دیکھا اُس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے۔

اور سابق میں گزرا کہ یہ روایت معارض ہے۔ دوسری روایتِ صحیح ان کے نزدیک یہ ہے:۔

اِنَّ عَلِیًّا کَانَ عَلٰی نَاقَۃٍ مِنْ نُوْقِ الْجَنَّۃِ وَبِیَدِہٖ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَحَوْلَہٗ شِیْعَتُہٗ اِلٰی اٰخِرِ مَا سَبَقَ نَقْلُہٗ وَقَدْ سَبَقَ اَنَّھُمَا تَعَارَضَا فَتَسَاقَطَا۔	بیشک علیؓ تھے ایک ناقہ پر جنت کے ناقوں سے اور اُن کے ہاتھ میں لوائے حمد تھا اور اُن کے گرد اُن کے شیعہ تھے آخر اُس روایت تک کہ سابق میں اُس کی نقل ہوئی۔ اور حالانکہ سابق گزرا کہ دونوں معارض ہیں پس دونوں ساقط ہوئیں۔

اور اگر یہ روایت صحیح ہو تو تمام شیعہ کو شرکت معراج میں پیغمبرؐ کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔ پس اولیٰ اور انسب یہی ہے کہ اسی روایت کو ترجیح دیں۔

اموریہ کہ ایک فرقہ ہے امامیہ سے اعتقاد شرکت حضرت امیرؓ کا اصل نبوّت میں رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ نسبت حضرت امیرؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی تھی جیسے نسبت ہارونؑ کی موسیٰؑ سے۔ حالانکہ حضرت امیرؓ سے لفظ خاتم النبیّین کا نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر ہے تمامی امامیہ کے نزدیک۔ اب اس صورت میں کہ حضرت امیرؓ تیس برس تک بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات رہے ختمِ نبوت کی کیا صورت ہو سکے۔ اور معزول ہونا نبی کا نبوت سے محال پھر خاتم النبیّین کس طرح ہوئے۔

❋ **عقیدۂ دوازدہم**۔ یہ کہ تمام نصوص اور قرآن ظاہری معنے پر محمول ہیں اور نیز احادیث پیغمبرؐ۔ سبعیہ کہ اسمٰعیلیہ سے ہیں اور خطابیہ اور منصوریہ اور معمریہ اور باطنیہ اور قرامطہ اور رزامیہ یہ فرقے شیعوں کے اس طرف گئے ہیں کہ جو کچھ کتاب اور سنت یعنی قرآن اور حدیث میں وضو اور تیمم اور صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ وحج اور بہشت و دوزخ اور قیامت وحشر سے وارد ہوا یہ ظاہر پر محمول نہیں ہے بلکہ ان سے دوسری چیزوں کی طرف اشارہ ہے کہ سوائے امام معصوم کے کوئی نہیں جانتا۔ پس ان کے نزدیک اعظم ثقلین کہ کتاب اللہ ہے قابل سند کے نہ رہی۔ چنانچہ سبعیہ نے کہا کہ وضو دوستی اور محبت امام کی ہے اور تیمم اخذ ماذون غیبت امام میں۔ اور صلوٰۃ عبارت ناطق بحق سے کہ وہ رسول ہے بدیں دلیل کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (بیشک نماز باز رکھتی ہے بدی اور بُرائیوں سے) اور زکوٰۃ پاک کرنا نفس کا معرفتوں حق سے۔ اور کعبہ نبیؐ ہے اور باب علی اور صفا ومروہ حسنینؓ اور میقات مردم اور تلبیہ یعنی لبیک پکارنا قبولیت دعوت عام کی اور جو سات طواف کعبہ کے ہیں عبارت ہے دوستی و محبت ائمہ سبعہ سے کہ درمیان میں نطقائے بالشرائع کے ہوتے ہیں۔ اور شریعت سابق کو لاحق کے آنے تک قائم رکھتے ہیں۔ اور احتلام عبارت ہے ائمہ کے بھید ظاہر کرنے سے نا اہلوں سے اگر بغیر قصد واقع ہو اور غسل عبارت ہے از سرِ نو عہد امام سے کرنا۔ اور جنّت راحت بدن کی ہے تکلیفاتِ شرعیہ سے اور دوزخ مشقتوں کی تکلیفیں اُٹھانا اور ظواہر پر عمل کرنا۔ اور قرامطہ وباطنیہ بھی اِس قسم کے خرافات اور ہذیانات بہت رکھتے ہیں اور ظواہر کے عمل کے دشمن ہیں۔ اسی واسطے انھوں نے حاجیوں کو حرم میں قتل کیا اور ان کا مال لوٹا اور حجرِ اسود کھود کر لے گئے اور خاک ریزوں خاک کو فرش پر ڈال دیا۔ اور یہ سب مباح ہونے حرام اور حرام چیزوں کے قائل ہیں۔ برقعیہ اکثر انبیا کا انکار کرتے ہیں اور طعن کرتے ہیں۔ اور باطنیہ کہتے ہیں کہ صوم

وصلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ یہ سب خلفائے ثلٰثہؓ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور بنائے ہوئے۔ اور روزے ماہ رمضان کے بدعت عمرؓ کی ہے۔ اور خطابیہ اور منصوریہ اور معمریہ اور جنابیہ کہتے ہیں کہ فرائض مذکورہ شریعت میں اُن مَردوں کے نام ہیں جن کی دوستی کا ہم کو حکم دیا ہے اور محرمات نام اُن مَردوں کا ہے جن سے دشمنی کا حکم ہوا ہے۔ منصوریہ اور زرامیہ جنت کو امام سے تاویل کرتے ہیں اور دوزخ کو اُس کے دشمنوں سے جیسے ابوبکرؓ اور عمرؓ۔ معمریہ کہتے ہیں کہ جنت نعیمِ دُنیا اور دوزخ آلامِ دنیا۔ اور دنیا کو فنا نہیں ہوگی۔ اور زمانہ مطیع باللہ میں اِن فرقوں کو باوجود ایسے شعور کے غلبہ اور خوب تسلّط حاصل ہوا اور ایک عالم کو اُنھوں نے گمراہ کیا تو عاقلوں کو عبرت ہو۔ آخر علف تیغ انتقام تُرکوں چنگیزیہ کے ہوئے اور ان کے ساتھ گیلے سوکھے بہت جل گئے۔ قولہ تعالیٰ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (اور بچو اس فتنہ سے جو صرف انہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہوگا)

✺ **عقیدۂ سیزدہم** ۱۳ یہ کہ حق تعالیٰ نے بعد خاتم النبیینؐ کے فرشتے کو کسی پر بہ رسم رسالت نہیں بھیجا اور وحی نازل نہیں ہوتی اگرچہ بغیر معاینہ اور مشاہدہ کے ہو بلکہ بمجرد سماع وصوت کے۔

امامیہ کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ کو یہ منصب حاصل تھا اور اُن کے پاس وحی آتی تھی۔ اور فرق درمیان وحی رسولؐ اور وحی امیرؓ کے یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرشتہ کو دیکھتے تھے امیرؓ آواز اُن کی سُنتے تھے صورت نہیں دیکھتے تھے۔

رَوَى الْكُلَيْنِيُّ فِي الْكَافِيْ عَنِ السَّجَّادِ إِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ كَانَ مُحَدَّثًا وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ اللّٰهُ إِلَيْهِ الْمَلَكَ فَيُكَلِّمُهٗ وَيَسْمَعُ الصَّوْتَ وَلَا يَرَى الصُّوْرَةَ۔

روایت کی کلینی نے کافی میں سجادؒ سے بیشک علی بن ابی طالبؓ محدث اور محدث وہ شخص ہے کہ خدا تعالیٰ اُس کے پاس فرشتہ بھیجتا ہے پس کلام کرتا ہے وہ اُس سے اور وہ سُنتا ہے آواز مگر صورت نہیں دیکھتا۔

اور یہ سب اس قوم کی جھوٹ اور بہتان بندی سے ہے۔ اور اس کے ساتھ دوسری روایتوں کے مناقض جو ائمہؓ سے اِن کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اُن میں سے یہ کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَيُّهَا النَّاسُ لَمْ يَبْقَ بَعْدِيْ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ (اے لوگو! میرے بعد نبوت باقی نہیں ہے مگر مبشرات) از انجملہ یہ کہ باری تعالیٰ نے ایک کتاب نازل کی جس پر سونے کی مہریں لگی تھیں پیغمبرؐ پر، اور آپؐ نے جناب امیرؓ کو پہنچائی اور امیرؓ نے حضرت امام حسنؓ کو اور ایسے ... ہی مہدیؑ تک، اور ہر سابق لاحق کو وصیت کرتا رہا ہے کہ ایک ایک مہر کو اُس کی چھڑائے اور اُس کے مضمون پر عمل کرے۔ پس علم ائمہؓ کا وہی کتاب ہے۔ اب خیال کرو جب ایسا حال ہے تو حاجت فرشتہ بھیجنے اور

آواز سنوانے کی کیوں پڑے گی۔ اور عبث کارخانۂ الٰہی میں محال ہے۔ اور ایک گروہ امامیہ سے ادعا مصحف فاطمہؓ کا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعد رحلت جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت زہراؓ کو وحی آتی تھی کہ اُس کو حضرت امیرؓ نے جمع کر کے مصحفِ فاطمہ نام رکھا تھا۔ اور اکثر وقائع آیت اور فتنوں اِس امت کے اُس میں مذکور ہیں اور ائمہؓ اُسی مصحف کی رُو سے غیب کی خبروں پر مطلع ہوتے تھے اور ہوتے ہیں۔ اور مختاریہ جو شیعہ سے ہیں اِدعا وحی کا طرف مختار ثقفی کے جس کا حال بابِ اوّل میں گزرا کرتے ہیں۔ اور شیعہ اسمٰعیلیہ سے اور مفضلیہ اور مغیریہ اور عجلیہ صریحاً مدعی نبوت اور نزول ہونے وحی کے اپنے پیشواؤں پر ہیں جیسا کہ باب اوّل میں گزرا۔

✺ **عقیدۂ چہاردہم** ۱۴ یہ کہ تکلیفیں شرعیہ بعد وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتفع نہ ہوئیں اور نہ ہوں گی۔ معمریہ اور منصوریہ اور عمیریہ فرقوں اسماعیلیہ سے جمیع تکلیفاتِ شرعی کا اِسقاط تجویز کرتے ہیں بحکم امام وقت کے۔ چنانچہ ابوالخطاب نے کہ اُس کا نام معمر ہے تمام تکلیفات کو اپنے تابعین سے اسقاط کیا اور تمام محرمات کو حلال کر دیا، اور ترکِ فرائض کا حکم کیا۔ اور منصوریہ کہتے ہیں کہ جو کوئی امام وقت سے ملاقی ہوا۔ اُس سے ساری تکلیفیں ساقط ہو جاتی ہیں خود بخود جو چاہے کرتا ہے۔ کیونکہ جنت عبارت امام سے ہے اور جب جنت کو پہنچ جاتا ہے کوئی تکلیف باقی نہیں رہتی۔ اور عمیریہ کہتے ہیں کہ حکم شریعت کا موقوف بحجتِ وقت ہے یعنی امامِ وقت۔ اسقاط تکلیف اور کمی بیشی کرنا سب اُس کے ہاتھ میں ہے۔ حسن بن ہادی بن نزار بن مستنصر کہ ہجرت سے پانچویں قرن یعنی صدی میں گزرا ہے اُس کو حجتِ وقت جانتے تھے، اُس نے اسقاط تکلیف شرعیہ کو مصلحتِ وقت جان کر سب محرمات اور حرام چیزوں کو حلال کر دیا اور فرائض کو ترک کرا دیا۔

✺ **عقیدۂ پانزدہم** ۱۵ یہ کہ امام کو نہیں پہنچتا ہے کہ کوئی احکام شرعیہ کو ردّ و تبدیل کرے۔ اثناعشریہ بلکہ تمام امامیہ اور عمیریہ کا یہ مذہب ہے کہ امام جمیع احکام کو منسوخ کر سکتا ہے اور یہ عقیدہ ان کا خلاف ظاہر عقل کے ہے۔ کیونکہ امام پیغمبرؐ کا نائب ہے احکام شریعت کے رواج دینے اور سکھلانے میں اُس کو اگر تغیر و تبدیل احکام میں دخل ہو تو مناقض اور مخالف پیغمبرؐ کے ہو وہ نائب اُس کا کیونکر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ امام بلکہ نبیؐ شارع نہیں ہے درحقیقت شارع حق تعالیٰ ہے قولہ تعالیٰ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وقولہ تعالیٰ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ جا بجا اُن لوگوں کے حق میں کہ اپنی عقل سے جائز کو حرام ٹھہرایا اور کھانے کی چیزوں کو اور مُردار کو حلال ٹھہرایا، اور مثل اس کے عام طور پر کہ اور لوگ بھی اس میں شامل ہیں عتاب قرآن مجید میں وارد ہیں بلا تخصیص۔ پس جب نبی کو آپ ہی آپ

کسی حکم کا نسخ نہیں پہنچتا ہے تو امام کو یہ منصب کیونکر حاصل ہو سکتا ہے کہ گویا خدائی میں شرکت ہے نہ کہ نیابت نبوت میں۔

اور تمسک اثنا عشریہ کا بھی اس مقدمہ میں اُن چند روایات پر ہے کہ اختراع اور بہتان ائمہ پر کیا ہے۔

مِنْهَا مَا رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ بَابَوَيْهِ الْقُمِّيُّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اٰخَا بَیْنَ الْاَرْوَاحِ فِی الْاَزَلِ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ الْاَجْسَامَ بِاَلْفَیْ عَامٍ فَلَوْ قَدْ قَامَ قَائِمُ اَهْلِ الْبَیْتِ وَرَّثَ الْاَخَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰخَا بَیْنَهُمَا فِی الْاَزَلِ وَلَمْ یُوَرِّثِ الْاَخَ مِنَ الْوِلَادَةِ۔

اسی سے ہے وہ روایت کہ روایت کی محمد بن بابویہ قمی نے ابی عبداللہ سے بیشک اللہ تعالیٰ نے بروز ازل عقد برادری کا ارواحوں کے درمیان میں باندھا دو ہزار برس پہلے اجسام پیدا کرنے سے کہ اگر کوئی حاکم پیدا ہو اہل بیت سے وارث کرے بھائی کو اُن شخصوں سے کہ عقد برادری ہوا ہے دونوں کا روز ازل میں اور وارث نہ کرے اس بھائی کو جو ولادت سے ہو۔

صریح دلیل اس روایت کی کذب پر یہ ہے کہ تکالیف شرعیہ جب عام لوگوں پر ہیں تو چاہیئے یہ کہ علامات ظاہری اور امور جبلّی سے لپٹے ہوتے ہوں جیسے تولد اور نکاح اور قرابت کہ علم بشری اُس کے دریافت میں پہنچ سکے اور برادری ازلی کہ یہ معیت معین کس کے ساتھ ہے اور مکان اُس کا کہاں ہے اور تعداد اُن اخوان کی کہ کتنے ہیں۔ اور مراتب اُن کی برادری میں کہ موافق اُس کے بعض پر بعض کی ترجیح کی جائے۔ اور ضعیف کو قوی سے محجوب کر سکیں کتنی ہی وجہیں ہوں مگر کسی وجہ سے عقل نہیں پا سکتی۔ اور نص امام کی ہر فرد میں ڈھونڈھنا دشوار پس معاملہ میراث کا بیکار ہو گیا مال لوگوں کے بیت المال میں ضبط ہوں۔

باب ہفتم - در امامت

جاننا چاہیئے کہ اوّل مسائل خلافیہ اس باب کے یہ ہیں کہ اہل سنّت کہتے ہیں کہ مکلّفین کے ذمّے واجب ہے کہ کسی شخص کو اپنے میں سے رئیس مقرر کریں اور اُس کی پیروی اُن باتوں میں جو موافق شرع کے ہیں لازم جانیں اور اُس کے امور مشروعہ میں ممد و معاون رہیں۔ کیونکہ انسان کی جبلّی بات ہے کہ ہر فرقہ کے لوگ اپنے واسطے ایک رئیس مقرر کرتے ہیں لیکن شارع ؑ نے اوصاف رئیس کے اور شرطیں اور لوازم اُس کے بیان کئے۔ اس واسطے کہ جب نصب رئیس کا مطابق اُن شرائط اور لوازم کے واقع ہوگا تو

بے انتظامی و فساد ریاست سے محفوظ رہیں گے۔ اور یہی آئین شریعت کا ہے کہ امور جبلّیہ انسان میں تعین اور تخصیص کو اپنے ذمہ نہیں لیتے اور اس کے متصدی نہیں ہوتے بلکہ پوری پوری شرائط اور لوازم اُن امور کے جن سے صلاح اور حفظ انتظام ہو سکے بیان کر دیتے ہیں۔ اور تعین و تخصیص کو صاحب احتیاج کی عقل کے حوالہ کر دیتے ہیں خواہ وہ ایک آدمی ہو خواہ ایک جماعت ہو۔ مثلاً نکاح کے امر میں اوصاف منکوحہ کے کہ ایسے ایسے ہونا چاہیئے اور شرائط نکاح کے کہ شہادت اور کفارت اور مہر اور ولایت ہے اور لوازم اس عقد کے کہ نان و نفقہ اور رہنے کی جگہ اور دیگر امور میں بیان فرماتے ہیں اور اس سے کچھ تعرض نہیں کیا کہ منکوحات کا تعین فرمایا ہو کہ فلاں عورت فلاں مرد سے اور فلاں مرد فلاں عورت سے نکاح کرے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام معاملات بلکہ معاملات دین میں فرمایا ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پوچھ لو جاننے والوں سے اگر تم نہیں جانتے ہو) اور نہ تعیّن مجتہدین اور علماء کا کیا ہے۔ ہاں اگر کسی کو حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں قابلیت ریاست کبریٰ کی یا منصب فتویٰ اور اجتہاد کا حاصل ہوا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بطریق وحی یا از روئے فراست اور تتبع کے قرینے حصول اس بات کے معلوم ہوئے اور اس مرتبے میں استحقاق اُس کا بیان فرمایا نورٌ علیٰ نورٌ ہوا۔ جیسا کہ خلفائے اربعہ ؓ اور بعض صحابہ ؓ کے حق میں واقع ہوا۔

اور امامیہ کہتے ہیں کہ عام کے واسطے رئیس مقرر کرنا ذمّے خدا کے واجب ہے، حالانکہ الٰہیات میں گزرا کہ واجب ہونا کسی چیز کا ذمّے خدا کے محض بے معنیٰ ہے بلکہ کسی چیز کو اُس پر واجب کرنا خلاف شان اُلوہیت اور ربوبیت کے ہے۔ اور مکلّفین کے کام یعنی قائم کرنا حدود اور جہاد اعداء کا اور درستی لشکروں کی اور بانٹنا غنیمتوں کا اور خمس کا اور جاری کرنا احکام کا اور علاوہ اس کے سب متعلق رئیس عام سے ہے۔ پس چاہیئے کہ نصب کرنا اُس کا مکلّفین پر واجب ہو کیونکہ مقدمہ اُس پر واجب ہوتا ہے جس کے ذمّے واجب ہو نہ کہ دوسرے پر مثلاً وضو اور ستر عورت اور استقبال قبلہ کا اور پاکیزہ ہونا کپڑوں کا اور جگہ کا سب ذمّے نمازی کے ہے نہ کہ ذمّے خدا کے۔ پس نصب کرنا امام کا بہت سے واجبات کا مقدمہ ہے اور وہ واجبات سب مکلّفین کے ذمّے ہیں، ذمّے مکلّفین کے واجب ہوگا نہ کہ ذمّے خدا کے۔ بلکہ بتامّل غور کرنے سے معلوم کر سکتے ہیں کہ نصب امام کا جانب خدا سے بہت سے مفاسد پر متضمّن ہے کیونکہ رائیں مخلوق کی مختلف اور خواہشیں ان کے نفوس کی جدا جدا۔ پس تعین ایک شخص بلکہ چند شخصوں کا تمام عالم کے واسطے ہر زمانے بقائے دنیا میں سبب موجب فتنے اُٹھانے اور کثرت ہرج مرج اور بیکاری امر امامت اور غلبہ متغلبین اور خمول اور تقیہ اُن اشخاص کا بلکہ معرض ہلاکت میں ان کا ڈالنا اور ہمیشہ خائف اور مختفی ہونے اُن لوگوں کا ہے چنانچہ جن لوگوں کے

حق میں یہ لوگ اعتقادِ امامت کا رکھتے ہیں اُن کے حق میں اسی قسم کا معاملہ واقع ہوا۔ پس نصبِ امام کو لُطف کہنا اور خدا کے ذمّے واجب جاننا ایسی بات ہے کہ عقل سرسری اُس کو یقین نہیں کرتی اور بعد تأمل کے تجویز نہیں کرتی۔ اور اگر نصبِ امام کا لُطف ہو تو اُس کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ امام کے واسطے تائید اور اظہار و غلبہ اور ذلّت مخالفین اور معاندین کی بھی ہمراہ ہو۔ نہیں تو جو مفاسد کہ مذکور ہوتے دست بگریبان ہیں۔ اور جب تائید اور اظہار ہرگز نہیں ہے لُطف ہونا صریح مخالف عقل کے ہے۔

اور جو بعض علماء امامیہ نے اس بات کے جواب میں کہا ہے کہ وجُودِ امام کا ایک لُطف ہے اور نُصرت اُس کی اور تصرّف دینا اُس کو یہ دوسرا لطف ہے۔ اور نہ تصرف ہونا ائمہ کا بسبب فساد لوگوں کے ہے کہ ائمہؑ کو اِس مرتبے میں ڈراتے دھمکاتے تھے کہ اُنھوں نے جان کے خوف سے امامت سے کنارہ کیا تا آنکہ رفتہ رفتہ امامِ وقت نے غیبتِ کبرٰی اختیار کی ایسی کہ اُس کا نام ہی ہے کہیں نشان ظاہر نہیں۔ اور جب خدا اُس کے بندوں نے بسبب اپنی بداختیاری کے ترک کی ہو تو خدا کے ذمّے کونسی قباحت لازم آتی ہے۔ اور چُھپنا اور ڈرنا یہ سنت و طریقہ انبیاءؑ و اوصیاءؑ کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی غار میں کُفّار کے خوف سے چُھپے تھے۔

اِس جواب میں سراسر غفلت اور چشم پوشی ہے اُن باتوں سے جو اعتراض میں اخذ کئے گئے ہیں کیونکہ معترض تو کہتا ہے کہ وجود امام کا بشرط نُصرت اور تصرّف کے لُطف ہے اور بدُون نصرت اور تصرف کے بڑے بڑے فسادِ کبیر پر متضمن۔ تو اب جواب دینے والے کے ذمّے یہ ہے کہ اُن مفاسد کو دفع کرے نہیں تو ہرزہ سرائی کرتا ہے۔ اور اِس جواب میں دفع مفاسد نے مطلق غرض نہیں رکھی۔ اور یہ جو جواب دینے والے نے کہا کہ بندوں نے اُس کی نُصرت ترک کی ہے یہ بھی غیر مُسلَّم ہے کیونکہ کسی شخص نے اہل سنّت اور شیعہ کے مؤرخوں سے خصوصاً زیدیہ اور واقفیہ اور ناؤسیہ اور افطحیہ نے نہیں لکھا اور ذکر نہیں کیا کہ کسی نے بادشاہوں اور سلاطین سے امامِ وقت کو ڈرایا ہو۔ اور نیز وہ ڈرانا کہ جس سے امام وقت چھپ جاتے مار ڈالنے سے ڈرانا ہی سو ائمہؑ کے حق میں یہ بھی مُوجب چُھپ رہنے بلکہ سبب خوف کا نہیں اس واسطے کہ ائمہؑ اپنے اختیار سے مرتے ہیں اور جب موت ان کے اختیار میں ہے تو پھر مار ڈالنے کے خوف کی کوئی وجہ نہیں۔ چنانچہ یہ قاعدہ کلینی نے کافی میں بہت سی روایتوں سے ثابت کیا ہے اور اس کے واسطے ایک باب علیحدہ باندھا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ائمہؑ بغیر حکم الٰہی کے کچھ نہیں کرتے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ اُن کا چُھپنا بھی امر الٰہی سے ہوگا۔ اور جب اختفاء امر الٰہی سے ہوا اور وہ بھی ہزار برس کو پہنچا اور دین ایمان اس حد درہم برہم ہوا کہ ہرگز اصلاح پذیر نہ رہا پھر لُطف کی کیا گنجائش۔

اب یہ بھی ہم کہیں گے کہ اگر اُن کو اختفا یعنی چُھپ جانا امر الٰہی کے ساتھ واجب ہوا تو جو انبیاءؑ و اوصیاء کہ مخفی اور پوشیدہ نہ ہوتے وہ تارک واجب کے ہوئے۔ جیسے حضرت زکریا اور یحیٰی اور امام حسین علیہم السلام کہ معاذ اللہ من ذٰلک۔ اور اگر واجب نہ ہو بلکہ مندوب یا مباح ہو تو لازم آتا ہے کہ جو گروہ پوشیدہ ہو گئے اور چُھپ رہے اُنھوں نے مندوب مباح کے واسطے ترک واجب کا کیا کہ وہ تبلیغِ احکام اور اقامتِ دین ہے تو یہ پہلے سے بھی بدتر ہے۔ اور اگر یہ کہیں کہ حکم الٰہی مختلف آتے تارکوں کے حق میں بطریقِ ندب یا اباحت کے اور چُھپنے والوں کے حق میں وجُوب اور فرضیت کے تو لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نے ترکِ اصلح کیا دو فرقوں سے ایک کے حق میں سو یہ بھی باطل ہے شیعہ کے نزدیک۔

اور یہ بھی ہم کہیں گے کہ چُھپ جانا اگر خوفِ قتل سے ہے تو قتل موجب خوف کا ائمہؑ کے حق میں نہیں ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ اُوپر گزرا اَنَّ الْاَئِمَّةَ یَمُوْتُوْنَ بِاِخْتِیَارِهِمْ (امام اپنے اختیار سے مرتے ہیں) اور اگر بسبب ایذا بدن کے ہے تو لازم آتا ہے کہ ائمہؑ نے عبادت مجاہدہ اور صبر و مشقت سے جس کا اجر بہت بڑا اور عظیم ہے گُریز کیا۔ اس واسطے کہ اذیت و مشقت خدا کی راہ میں اُٹھانا بڑا اجر رکھتا ہے اور مجاہدین کے بڑے بڑے درجے مسلّم الثبوت ہیں نہ کہ ائمہؑ کہ جملہ بندگانِ خدا سے بزرگتر ہیں عبادت بھی ان کی سب آدمیوں سے ہر مقدمہ میں اعلیٰ اور کامل تر۔ خصوصاً صاحب الزمان کے چُھپ جانے کی تو اصلاً کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ وہ بالیقین جانتا ہے کہ میں جب تک حضرت عیسیٰ بن مریمؑ آسمان سے نہیں اُترتے زندہ ہوں مجھ کو کوئی شخص نہیں مار سکتا۔ اور میں مالکِ شرق و غربِ زمین کا ہوں گا۔ پھر کس سبب لعن و تشنیع اور ڈرانے اور جھٹلانے مخالفوں سے ڈرتا ہے اور کیوں نہیں برملا دعوت کرتا ہے تو اِن کی ایذا کی مشقت اُٹھانے اور کیوں اگلے اماموں کی مخالفت کرتا ہے خصوصاً امام حسینؑ صابر کی کہ اُن کو ظالموں فاجروں نے حد سے زیادہ ڈرایا بلکہ نوبت قتل و خون کی پہنچائی وہ نہ ڈرے اَمَرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ بجا لائے (یعنی حکم کیا معروف کے ساتھ اور منع کیا بدی سے) حالانکہ اُن کو نہ اپنا طولِ عمر معلوم تھا نہ اپنا تسلّط معلوم تھا۔ محض ادا کرنا واجب کا اور خوشنودی خدا کی ڈھونڈھنا تھا کہ بدن اور مال اور ناموس سب اپنا راہِ خدا میں نثار کر دیا۔

اور جو کچھ شریف مرتضٰی نے کتاب "تنزیہ الانبیاءؑ والائمہؑ" میں ان باتوں سے کہ بہت قریب بعقل ہیں آگاہ ہو کر کہا ہے کہ صاحبِ زمان اور اُس کے آبائے کرام میں فرق ہے کہ اِس صاحب زمان کی طرف اشارہ اس بات کا ہے کہ وہ مہدی قائم ہے اور صاحبِ سیف و سنان اور قہر کرنے والا اعداء پر اور بدلا لینے والا مخالفین سے اور اُن کے ملک و دولت کو کھو دینے والا پس اُس کو یہ خوف ایسا ہے کہ یہ خوف

اوروں کو نہ تھا۔ یہ قول اُس کا ایسا ہے جیسے دیوانوں کا بکنا اور خرافات واہیوں کی۔ اس واسطے کہ اُس کو اپنے مارے جانے کا خوف نہیں۔ چنانچہ کئی بار یہ بات گزری اور اُس کو خوب معلوم ہے کہ مجھ کو کوئی نہیں مار سکے گا۔ اور میں ملاقات عیسیٰ بن مریم کی کروں گا اور میں اُن کی نماز کی امامت کروں گا اور دجّال سے لڑوں گا اور لوگوں کو خدا کی عبادت میں طوعًا اور کرہًا جھکاؤں گا اور واجبی بدلا دشمنوں اپنے اور اپنے اسلاف سے لوں گا۔ بعد اِس سے خود بخود حتف الانف سے مروں گا یعنی اپنی موت۔ پس اتنی موجبات امن و اطمینان کو خیال میں نہیں لاتا ہے اور باعث خوف کے کہ موہوم ہیں پیش نظر کئے ہوئے ہے۔ حالانکہ وہ بواعث بھی خلافِ واقع ہیں کیونکہ صاحب الزمان کو کہ امام ہے البتہ علم مَا کَانَ وَمَا یَکُونُ کا حاصل ہوگا۔ یعنی جو کچھ ہوگیا اور جو کچھ ہوگا۔ اور اوّل یہ کہ اس غیبت میں کسی کی زبان سے جو شیعہ سے اُس کے پاس پہنچتا ہے سنا ہوگا کہ جو اُس کے مخالف ہیں اُس کے مہدویت کو ہزار برس سے قبل بلکہ زیادہ اس سے ہرگز نہیں مانیں گے کیونکہ مخالفوں کے نزدیک یہ مانی ہوئی باتوں سے ہے کہ ظہور آیات قیامت کا بارہ سو ہجری گزر جانے کے بعد ہوگا۔ بعد اس کے علامتیں قیامت کی شروع ہونگی اور مخالفین کہتے ہیں کہ مہدیؑ شروع صدی میں ظہور کرے گا نہ کہ وسط میں۔ اور قریب خروج عیسیٰ بن مریمؑ کے نہ کہ فاصلے کے ساتھ۔ اور اُس کے سر پر ابر کا سایہ ہوگا نہ کہ سرداب سُرَّ مَنْ رَّاٰی[1] کا۔ اور اُس کے خروج کی جگہ حرم شریف مکّہ ہے نہ کہ سُرَّ مَنْ رَّاٰی۔ اور چالیس برس کی عمر میں دعوٰی امامت کا کریگا نہ کہ حالت لڑکپن اور بڑھاپے میں۔ پس اگر آیات و علامات میں اختلاف کرکے نکل آتے اور کسی وقت میں اوقات سے لوگوں کو مثل علماء اور مشائخ کی دعوت دیں اور احکام شریعت کی کرے اور خرق عادات و معجزات دکھلاتے یقین ہے کہ کوئی متعرض اُس کے حال کا نہ ہوگا۔ خصوصًا شیعہ کہ دل و جان سے خواہاں ہیں کہ یہ دن نصیب ہو خدا سے مُرادیں مانگتے ہیں۔

اور اس کو یہ بھی خبر پہنچی ہوگی کہ باقریہ دعوٰی کرتے ہیں کہ مہدی موعود باقرؒ ہے۔ اور ناؤسیہ دعوٰی کرتے ہیں کہ مہدی موعود جعفر صادقؒ ہے۔ اور ممطوریہ کہتے ہیں کہ موسیٰ بن جعفر ہے اور یہ دعوے تمام امت میں مشہور اور پھیلے ہوتے ہیں۔ مگر کوئی شخص ان بزرگواروں سے کسی کی مہدویت کے پیچھے نہیں پڑا نہ ڈرایا، اُس کو کیوں ڈراتے۔ اور سید محمد جونپوری نے ہندوستان میں چلا چلا کر دعوے مہدویت کا کیا، اور جماعت کثیر نے افغانوں دکن اور راجپوتانہ نے اپنا مہدویہ لقب کیا اور اتباع سید محمد کا کیا کسی نے اُن کو قتل و سیاست نہ کی۔ خصوصًا جب سنہ ہزار ہجری ختم ہوئی اور عراقین و خراسان

[1] سُرَّ مَنْ رَّاٰی ایک شہر کا نام ہے جسے مختصرًا سامرہ یا سمرّا۔ کہتے ہیں اس کو بنو عباس نے ۲۲۱ھ میں بغداد کے شمال میں آباد کیا تھا ۱۲ مترجم

میں تسلط صفویہ کا پیدا ہوا۔ اور دکن میں بہمنیہ اور عادل شاہیہ کا کہ نہایت درجہ کا غلو شیعہ پن میں رکھتے تھے بہم پہنچا۔ اور ہند اور سندھ اور بنگال میں اُس وقت کہ سلطنت جہانگیر بادشاہ کی تھی مگر حقیقت میں نورجہاں بیگم اور اُس کے اقرباء سلطنت کرتے تھے۔ اور سب عراق و خراسان کے لوگوں میں سے تھے وزراء اور اُمراء اور صوبہ دار اسی مذہب میں غلو تمام رکھتے تھے اُس وقت کو کیوں کھودیا اور خروج نہ فرمایا اور اپنے دوستوں کو صرف ماوراء النہر کے خانوں اور قیاصرۂ روم کے وہم سے فوائد اور لطف سے محروم رکھا۔ اُس کو کیا ضروری تھا کہ پہلے ہی کود کر بخارا اور سمرقند یا اسلام بول (استنبول) میں ظہور اپنا کرے جہاں ان لوگوں کا خوف ہو دوسرے ملک شیعہ وسیع و فسیح کیا تھوڑے تھے۔

اور یہ جو شریف مرتضٰے نے ذکر کیا کہ ابتداء میں اپنے دوستوں پر ظاہر تھا دشمنوں سے چھپا تھا اور جب اُس کی تلاش کا حکم شدید ہوا تو دوست اور دشمن سب سے چھپ گیا اس واسطے کہ نادان دوست اُس کو ظاہر نہ کریں اور دشمنوں کو نہ ورغلائیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ جو لوگ فن تواریخ سے واقف نہیں ہیں اُن کو دھوکا دے لے اور جو اِس فن سے واقف ہیں وہ تو اُس کو مسخرہ بناتے ہیں ٹھٹھے اُڑاتے ہیں۔ کسی مؤرخ نے اپنی تاریخ میں نہیں لکھا کہ ایک نے بھی تلاش میں محمد بن حسن عسکری کی جاسوسی کی ہو۔ اور گھروں میں گھسے ہوں یا اُس زمانہ میں مخلوق کی زبان پر ان کی تلاش کا حرف بھی بغداد یا سُرَّ مَنْ رَّاٰی (سامراء) میں آیا ہو یا خلیفہ اور اُمراء اور ملوک جو اُس زمانہ کے تھے یہ دغدغہ اُن کے خاطر میں گزرا ہو سوائے علمائے اثنا عشر کے کہ جب اُن بزرگ کے چھپ جانے کی توجیہ ڈھونڈھتے ہیں تو ایسے احتمال موہوم ذکر کرتے ہیں کوئی اس امر سے واقف نہیں ہے بلکہ ابتک از روئے تواریخ کے یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ امام حسن عسکری کے گھر میں ایسا ایسا لڑکا پیدا ہوا لوگ اُس کو مہدی موعود جان کر اُس کے قتل اور ایذا کے درپے ہوتے حاشا و کلّا۔ اور اسی کے ساتھ کہ اُن کی غیبت سے غیبت کبرٰی بعد سنّر اور چند سال کے واقع ہوئی کہ اِس مدّت میں خلفاء اور ملوک اور اُمراء اُس وقت کے سب جاتے رہے اور منقطع ہوگئے اور سلطنتیں لوٹ پوٹ ہوگئیں اور کونسا عاقل یقین کریگا کہ چار پانچ برس کے بچّے نے دعوٰی امامت کا کیا ہو اور موافق دعوے کے معجزے ظاہر کئے ہوں اور ملوک و اُمراء اُس وقت کے اُس کو جھٹلا اور ڈرا کر درپے ایذا ہوتے ہوں جا بجا جاسوس تعین کئے ہوں اور ایک دوسرے کو اس کام کی وصیت کی ہو یہاں تک کہ برسیں اور قرن گزر جائیں مگر پھر بھی اُن ملوک اور خلفاء کے جانشینوں نے اُس کی تلاش سے ہاتھ نہ اُٹھایا ہو۔ بلکہ شدت طلب اور تجسس کی عمل میں لاتے ہوں ایسی صورت میں عذر چھپ جانے اور غیبت کبرٰی کے مسموع ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی کہ اُس زمانہ میں کہ کوئی طالب ایذا اُس امام عالی مقام کا نہ تھا جیسے کہ زمانہ دولت صفویہ کا بلکہ

چھوٹے سے بڑے تک سب جان و دل سے مشتاق دیدار اُس عالی مقدار کے ہوں، اور جان و مال اپنا اُس محبوب دلہا کے مقدم ہمایوں پر نثار کریں اور سب ایک زبان ہو کر نالہ اور شیون اور فریاد و فغان کریں کہ اے امام زمان! ہماری فریاد کو پہنچ اور ہم کو اپنے دیدار سے مشرف کر۔ اور وہ جماعت کثرت اور عدد میں زیادہ ریگ بیابان اور برگ درختوں سے ہوں۔ پھر چند اوباش تورانیہ اور رومیہ کے وہم سے ایسی نامردی جتانا، ہرگز اپنے کو ظاہر نہ کرنا بلکہ روز بروز گزشتہ سے زیادہ تر چھپنے اور مخفی ہونے میں کوشش کرنا خلاف منصب امامت کے جس کی سراسر بنیاد شجاعت اور دلیری پر ہے ہوگی باوجود اس کے کہ اصلاً خوف جان نہیں رکھتا اور طول عمری اپنی اُس کو قطعاً معلوم ہے اور یہ بھی کہ امام کو علم مَا کَانَ اور مَا یَکُوْنُ کا اثنا عشریہ کے نزدیک ضروری ہے پس اِس قدر اشتیاق شیعوں کے فرقوں کا بلادِ عراقین اور خراسان اور ہند اور سندھ خصوصاً بلاد پورب اور بنگالہ اور دکن اور لکھنؤ اور فیض آباد میں مفصل معلوم ہوگا۔ اور مقدار کثرتِ افواج اور پلٹنوں اور ساختگی ان کی ساتھ فرنگیوں اور توپخانے اور آلاتِ حرب و ضرب کہ معتقد اور مخلص اُس کے رکھتے ہیں یہ بھی اُس پر ظاہر اور باوصفِ ان سب مراتب کے اپنے آپ کو چھپانا اس وہم سے کہ ایسا نہ ہو مرزا مظہر مرحوم کی طرح کوئی دغا سے قصد میرے مار ڈالنے کا کرے، سو ہرگز مجھ کو نہ مار سکے گا کہ مقدر نہیں ہے کس بات پر قیاس کیا جائے۔ اور ہر اُمت اور ہر دین میں صالح اور انبیاء اور اوصیاء گزرے ہیں اور مخالف اور معاند لوگ اُن کی ایذا کے پیچھے پڑے رہے بلکہ اُن کی ناموس کا ہتک اور نقصان بدن اور ضائع کرنا جان کا کیا۔ اُنھوں نے بلاکشی اور رضائے الٰہی اختیار کر کے صبر کو اپنی ہمت کے سامنے رکھا اور چھپنا، مخفی ہونا، بھاگنا، اختیار نہ کیا۔ قولہ تعالیٰ :-

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ۔

بہت سے پیغمبر تھے کہ جہاد کیا اُن کے ساتھ بہت سے خدا طلبوں نے پس جو کچھ ان پر راہ خدا میں پڑا اُس سے سُست نہ ہوئے نہ ضعیف ہوئے نہ التجا کی اور اللہ تو دوست رکھتا ہے صبر کرنے والوں کو۔

اور اس حال میں کہ اُن کی موت اُن کے اختیار میں نہ تھی نہ اپنی طول عمر اور غلبہ اور تسلط کا آخرِ کار میں اُن کو یقین تھا۔ اور عجیب امور سے ایک یہ ہے کہ کُل شیعہ حُزنِ حضرت صدیق اکبرؓ کو کہ وہ اس خیال سے تھا کہ مبادا کُفار کے ہاتھ سے نفس نفیس جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ایذا و ضرر پہنچے اور ابھی بشارت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اللہ بچاتے رہے گا تجھ کو لوگوں سے) اصلاً اُن کے کان میں نہ پہنچی تھی اُن کے محل طعن میں اخذ کر کے دلیل اُن کے جُبن (بزدلی) کی ٹھہرائی ہے۔ اور

اس خوفِ شدید کو جو اپنے مراتب میں حدّ درجہ جُبن سے بھی پرلی طرف ہو گیا بزعم خود امام زمان میں ثابت کرتے ہیں مگر اس سے خبر نہیں کہ ہم کیا کہتے ہیں۔ حزن اور چیز ہے اور خوف اور چیز اور جُبن اور چیز۔ اور سوائے دونوں کے قَالَ ابْنُ الْمُطَهَّرِ الْحِلِّيُّ الْجَبَانُ لَا يَسْتَحِقُّ بِالْاِمَامَةِ (کہا ابن مطہر حلی نے بزدل نہیں استحقاق رکھتا ہے امامت کا) فی الواقع ایسا ہی ہے کیونکہ مقاصد امامت کے اُس سے حاصل نہیں ہوتے۔ لیکن حزین بلکہ خائف کو بھی استحقاقِ امامت سے دُور پھینکنا اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔

رَوَى الْاَخْبَارِيُّوْنَ كُلُّهُمْ مِنَ الْاِمَامِيَّةِ عَنْ اَبِيْ حَمْزَةَ الثُّمَالِيِّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ قَالَ اَبُوْ حَمْزَةَ قَالَ لِيْ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ كُنْتُ مُتَّكِئًا عَلَى الْحَائِطِ وَ اَنَا حَزِيْنٌ مُتَفَكِّرٌ اِذْ دَخَلَ عَلَيَّ رَجُلٌ حَسَنُ الثِّيَابِ طَيِّبُ الرَّائِحَةِ فَنَظَرَ اِلٰى وَجْهِيْ قَالَ مَا سَبَبُ حُزْنِكَ قُلْتُ اَلْخَوْفُ مِنْ فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ فَضَحِكَ ثُمَّ قَالَ يَا عَلِيُّ هَلْ رَاَيْتَ اَحَدًا خَافَ اللّٰهَ فَلَمْ يُنْجِهِ قُلْتُ لَا قَالَ يَا عَلِيُّ هَلْ رَاَيْتَ اَحَدًا سَاَلَ اللّٰهَ فَلَمْ يُعْطِهِ قُلْتُ لَا ثُمَّ نَظَرْتُ فَلَمْ اَرَ قُدَّامِيْ اَحَدًا فَعَجِبْتُ مِنْ ذٰلِكَ اِذَا قَالَ الْقَائِلُ اَسْمَعُ صَوْتَهٗ وَلَا اَرٰى شَخْصَهٗ يَقُوْلُ يَا عَلِيُّ هٰذَا الْخَضِرُ۔

روایت کی ہے کل اخباریوں نے امامیہ کے ابی حمزہ ثمالی سے اور اُس نے علی بن حسین علیہما السلام سے کہا ابو حمزہ نے کہ کہا مجھ سے علی بن حسینؓ نے کہ میں تکیہ لگائے تھا ایک دیوار پر اور محزون اور متفکر تھا ناگاہ میرے پاس ایک شخص خوش پوشاک و خوشبو آیا اور میرے مُنہ کو دیکھا اور مجھ سے پوچھا کہ تیرے حزن کا کیا سبب ہے؟ میں نے کہا کہ فتنۂ ابن الزبیر سے ڈرتا ہوں، کہا علی نے کہ وہ ہنسا، پھر کہا اے علی! تو نے ایسا شخص بھی دیکھا کہ اللہ سے ڈرا ہو اور نجات نہ پائی ہو، میں نے کہا نہیں، پھر کہا اے علی! تو نے ایسا کوئی آدمی دیکھا کہ اُس نے مانگا ہو اللہ تعالیٰ سے اور اس نے نہ دیا ہو، میں نے کہا نہیں۔ پھر نگاہ کی میں نے اپنے سامنے کسی کو نہ دیکھا پس مجھ کو تعجب ہوا، پس ناگاہ کہتا ہے ایک گوئندہ کہ میں اُس کی آواز سُنتا ہوں اور صورت نہیں دیکھتا ہوں اے علیؓ! یہ خضرؑ ہے۔

اس خبر میں چند فائدے حاصل ہوتے۔ اوّل یہ کہ خوف و حزن امارت کے دشمنوں کا جُبن نہیں ہے ورنہ حضرت سجاد مستحق امامت کے نہ ہوتے اس دلیل سے کہ اُس کا ذکر کیا ہے حلی نے هُوَ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ۔ دوسرے یہ کہ ائمہؓ بھی بعض اوقات میں محتاج نصیحت اور آگاہی اور رہنمائی خضر علیہ السلام کے ہوتے ہیں اور خضرؑ کو منصب نصیحت اور تعلیم اور تنبیہ ائمہؓ کا حاصل ہے۔ پس افضلیت ائمہ کی خضرؑ پر ثابت نہ ہوئی۔ اور خضرؑ بالاجماع مفضول ہیں انبیاء سے یا مثل تمام انبیاءؑ کے ہیں۔ پس افضلیت ائمہؓ کی انبیاءؑ پر بھی ثابت نہ ہوئی۔

اور جو کچھ غار اور چھپنے سید الابرار کا بسبب خوف کفار کے اس میں مذکور کیا ایک کلام بے موقع ہے کیونکہ چھپنا اور مختفی ہونا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ بنا بر اخفا و کتمان نبوت دعوت کے تھا بلکہ ایک بات کا چھپانا تھا یعنی کفار اُن کے مقصد پر مطلع نہ ہوں اور ہجرت سے ممانعت نہ کریں۔ راستہ نہ گھیریں اور یہ بھی تین رات رہا جب کفار تلاش و تفتیش سے سیر ہو گئے اور کچھ نشان نہ پایا تو آپؐ نے جانب طیبہ منورہ کے ہجرت فرمائی۔ اور اس چھپنے اور اختفا کو مقیس علیہ اس چھپاؤ اور اختفاء کا کرنا کس چیز پر تابع کر سکتے ہیں۔ دعوتِ اسلام اور پہنچانا احکام اور ظاہر کرنا نبوت کا اس اخفا میں جو واسطے سفر کے تھا کوئی ایک بھی برہم نہ ہوا تا کہ قیاس صحیح ہو۔ اس وقت کتابیں سیر اور تواریخ دونوں طرف کی موجود ہیں۔ کونسی ایذائیں بدنی اور جسمی کفار نگونسار کے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہنچیں مگر اظہار کلمۂ حق سے کبھی خاموش نہ ہوئے۔

اور اس سے قطع نظر بھی ایک فرق ظاہر ہے کہ کسی عاقل پر چھپا نہیں ہے اُس اختفا میں کہ مقدمہ ظہور و خروج کا ہو، اور اُس اختفاء و پوشیدگی میں جو لازمۂ گمنامی اور خمول و ترک دعوٰی کا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختفا نے جو تین رات تک رہا وہ کام کیا کہ جڑ بنیاد دشمنوں کی اُکھیڑ ڈالی اور دوستوں کے فائدے کو دونا دون کر دیا۔ پس ایسا چھپنا تو خود قسم تدبیروں اور حیلوں سے ہے کہ عزم و خروج والے ابتدائے کام میں عمل میں لاتے ہیں اور اُس کو اپنی مراد پوری ہونے کی تمام اسباب سے جانتے ہیں۔ نہ ایسا چھپنا کہ موافق گمان شیعوں کے صاحب زمان نے اختیار کیا، جس سے صریح نامردی اور اپنے دعوٰی سے بھاگنا اور تہمت امامت کی دفع کرنا ٹپکتا ہے اور ایسے طُول طویل چھپے رہنے میں کونسے فرقہ کو اپنا مطیع کر لیا اور کونسا ملک اپنا کیا اور لے لیا۔ اور اگر صاحب زمان تین رات کی جگہ تین سو برس اور غارِ ثور کے بدلے تہ خانۂ سُرَّ مَن رَّاٰی (سامرّا) کا، اور مدینۂ منورہ کے عوض میں دار المومنین یعنی شہر قم اور دار ایمان کاشان، اور بجائے انصار پیغمبرؐ کے شیعۂ فارس اور عراق کی کہ ہزاروں مرتبہ کثرت اور سامان میں انصار سے زیادہ ہیں، درخواست کرتے کہ میں اس صورت میں اپنے بال و پر جمع کر کے واسطے اصلاح حالِ اُمت کے خروج کروں گا، اہل سنت اور دوسرے سب مسلمان اِن شرطوں کو اُٹھا لیتے کہ رتبہ امام کا بعد رتبۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے۔ قیامت تو یہ ہے کہ ہزار برس گزرے مہلت دراز پائی اور اکثر ملک اسلام میں مذہب شیعہ کا ہو گیا اور شہر وسیع بافضا اُن کے دوستوں کے قبضے میں ہیں کہ ہر ایک اُن سے رشکِ جابلسا اور جابلقا اور حیرتِ مینوُ ارم ہے اور اُن کے انصار و اعوان نے ایسی قوت پائی کہ کسی مذہب کو یہ قوت حاصل نہیں ہے پھر بھی رغبتِ خروج بلکہ خیال بھی

ظہور کا اُس کو نہیں ہے روز بروز چھپنے ہی کی ترقی فرماتا ہے۔ ایسے امام دشوار پسند سے کہ پہلے ہی تکلیفِ مالایطاق اُٹھواتا ہے جانے کیا کیا اُمت کو اُٹھانا پڑے گا، امام نہ ہوا قیامت ہوا۔ اسی واسطے شیخ الشیعہ متاخرین کا یعنی مقتدا و صاحب کنز العرفان والاراہ شریف مرتضٰی اور متقدمین کی چھوڑ کر دوسری راہ چلا ہے اور کہا اِنَّمَا کَانَ الْاِخْتِفَاءُ لِحِکْمَۃٍ اِسْتَاْثَرَھَا اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَہٗ (سوا اِس کے نہیں ہے کہ اختفاء ایک حکمت کے واسطے ہے جس کو خدا تعالیٰ نے مخصوص کیا ہے علمِ غیب میں اپنے نزدیک) اور ظاہر ہے کہ یہ دعوٰی مجرد ہے کوئی قید نہیں، ہر چیز میں کہ مناقض لطف کے ہو ایسے ہی کہہ سکتے ہیں کہ لَعَلَّ فِیْ ذٰلِکَ حِکْمَۃً اِسْتَاْثَرَھَا اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ فَلَا یَثْبُتُ اللُّطْفُ فِیْ شَیْءٍ مِّنَ الْاَشْیَاءِ مِثْلُ بَعْثِ الرُّسُلِ وَنَصْبِ الْاِمَامِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ (شاید اس چیز میں حکمت ہے کہ مخصوص رکھا ہے اُس کو خدا تعالیٰ نے علم غیب میں پس ثابت نہیں ہوتا ہے لطف کسی چیز میں چیزوں سے مثل بھیجنے پیغمبرؐ اور قائم کرنے امام کے، اور سوائے اِس کے) اور بسبب اس احتمال کے بالکل سررشتہ کلام شیعہ کا ابتر ہو جائے گا۔ کیونکہ بنا ان کی دلیلوں کی اسی بات پر ہے کہ فلاں امر لطف ہے وَاللُّطْفُ وَاجِبٌ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی۔ اِس بحث کو خوب سوچنا چاہیے اور اس لجۂ مرد آزما میں ان کے ہاتھ پاؤں مارنا دیکھنا چاہیے اور ان کے کمال عقل و کیاست کا سراغ لگانا چاہیے، وَاللّٰہُ یُحِقُّ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ (اللہ ثابت کرتا ہے حق کو اور وہی سیدھی راہ بتا دیتا ہے)۔

عقیدۂ دوم۔ یہ کہ امام کو چاہیے کہ ظاہر ہو نہ کہ پوشیدہ۔ یہی مذہب اہل سنت کا ہے کہ ظہور امامت کی شرط ہے۔ اور شیعہ منکر اس شرط کے ہیں اور اس انکار میں مخالف عقل و نقل کے ہوئے ہیں۔ مخالف عقل کے اِس سبب سے کہ غرض نصب امام سے قائم ہونا حدود اور تعزیرات کا ہے اور آراستگی لشکروں اسلام کی اور حمایت اُس کی اور محافظت اُس کے انتظام کی اور بلند کرنا شعائر شرع اور اسلام کا اور نافذ کرنا اوامر اور احکام کا، اور سیاست لوگوں کی برائیوں اور گناہوں پر، اور تعین کرنا عاملوں اور قوام کا، اور یہ سب باتیں بدون ظہور امام کے میسر نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ ظاہر ہو گا جب ہی تو غلبہ اور قہر اُس کا مفسدوں پر ہو گا اور دلوں میں لوگوں کے رعب بیٹھے گا اور اُس کا اقبال ہو گا اگر یہ چیزیں میسر نہ ہوئیں تو امام کا نصب و عدم نصب برابر ہوا۔ اور عبث محض کارخانۂ خدا میں محال ہے۔ اور شرط ہونا ظہور امام کا عقل میں اس حد تک ظاہر ہے کہ مجوسی بے دین بھی اِس کو جانتے تھے پھر کیا اندازہ اور مذہب والوں کا۔ چنانچہ فردوسی نے شاہنامہ میں اُن سے نقل کی ہے ابیات:

——— نزیبد بہر پہلوی تاج و تخت || بباید کیے شاہ فرخندہ بخت ———

کہ باشد بر دفرۂ ایزدے || بتابد ز گفتار او بجزدے

آخر تک، جو کچھ اُس نے کہا ہے۔

اور مخالف نقل کے اس طرح کہ کتاب اللہ میں ہے: قولہ تعالیٰ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ الیٰ قولہٖ لَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا (وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہیں البتہ حاکم کریگا اُن کو ملک میں جیسا کہ حاکم کیا تھا اُن سے اگلوں کو، اور جما دے گا اُن کو دین اُن کا جو پسند کر دیا اُن کو اور دے گا اُن کو اُن کے ڈر کے بدلے امن) و قولہ تعالیٰ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (وہ لوگ کہ اگر اُن کو مقدور دیں ہم زمین میں، قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں بُرے سے)، پس معلوم ہوا کہ غرض حاکم کرنے سے جمانا دینِ پسندیدہ اور اہلِ خیر کے لئے امن و صلاح اور قائم کرنا نماز اور جمعہ اور جماعت اور عیدین اور تحصیل کرنا صدقہ اور زکوٰۃ اور بانٹنا اُس کا فقیروں پر اور حکم اچھی باتوں اور منع بُری باتوں کا ہے کہ کتاب الجہاد اور کتاب الاحتساب اور کتاب الحدود والقصاص اور جنایات شرح اور بسط میں ان دو کلموں کے ہیں، اور امثال ان امور کے۔ و قولہ تعالیٰ اِبْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (قائم کر ہمارے واسطے بادشاہ کہ لڑیں ہم اللہ کی راہ میں) اس سے معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ مقصود نصب بادشاہ سے ہے۔ و قولہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا ھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا (اور ٹھہرایا ہم نے اُن کو امام کہ ہدایت کرتے ہیں ہمارے حکم کی ہرگاہ کہ وہ صبر کرتے ہیں)۔ معلوم ہوا کہ ہدایت کرنا لوگوں کا اور مشقتیں ان کی مخالطت کی گوارا کرنا اور اُن کا سہارنا لوازم امامت سے ہے۔

اور قاعدہ عقلیہ ہے کہ اَلشَّیْءُ اِذَا خَلَا عَنْ مَقْصُوْدِہٖ لَغَا (جو چیز اپنے مقصود سے خالی ہوتی ہے لغو ہوتی ہے) اور یہ بھی عقل کے نزدیک مقرر ہے اَلشَّیْءُ اِذَا ثَبَتَ ثَبَتَ بِلَوَازِمِہٖ (ہر چیز جب ثابت ہوتی ہے ثابت ہوتی ہے مع اپنے لوازم کے)۔

وَمِنْ اَقْوَالِ الْعِتْرَۃِ مَا ھُوَ عَنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بَلْ تَوَاتَرَ عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِیْرٍ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ یَعْمَلُ فِیْ اِمْرَتِہِ الْمُؤْمِنُ وَ یَسْتَمْتِعُ فِیْھَا الْکَافِرُ وَیُبَلِّغُ فِیْھَا الْاَجَلَ وَ تَاْمَنُ فِیْھَا السُّبُلُ

اور اقوال عترت سے جو کچھ کہ صحیح ہے امیر المؤمنین سے بلکہ تواتر اُن سے، بیشک فرمایا ضروری ہے لوگوں کیلئے کسی امیر کا ہونا نیک ہو یا بد کہ چاہیئے اُس کی حکومت میں مومن عمل کرے اور فائدہ پائے کافر بھی اور کامل ہو اُس حکومت میں اجل (راہ) اور اُس حکومت میں راہیں با امن ہوں،

وَیُؤْخَذُ بِہٖ لِلضَّعِیْفِ مِنَ الْقَوِیِّ حَتّٰی یَسْتَرِیْحَ بَرٌّ وَیُسْتَرَاحُ مِنْ فَاجِرٍ کَذٰلِکَ فِیْ نَھْجِ الْبَلَاغَۃِ۔

اور ضعیفوں کا حق قوی لوگوں سے لیا جائے تو راحت پائے نیک بختی اور راحت پائی جائے بدبختی سے ایسے ہی نہج البلاغت میں ہے۔

اور اس کلام کو تقیہ پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ نہج البلاغت میں مذکور ہے کہ قَالَہٗ لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْخَوَارِجِ لَا اِمْرَۃَ (کہا اُس نے اس کلام کو جس وقت کہ سُنا قول خوارج کا کہ کچھ حکومت کی ضرورت نہیں ہے)۔ اور خوارج کے مقابلہ میں کیا محل تقیہ کا تھا۔

عقیدہ سوم :- امام کو معصوم ہونا خطا سے علم و اجتہاد میں ضروری نہیں ہے نہ امتناع صدورِ گناہ کا اُس سے شرطِ امامت ہے البتہ وقت نصب کے چاہیئے کہ نہ مرتکب کبائر کا ہو نہ مصر صغائر کا کہ خلاف عدالت ہے پس یہی ہے مذہب اہلِ سنت کا۔ لیکن شیعہ خصوصًا امامیہ اور اسماعیلیہ کہتے ہیں کہ عصمت خطا سے علم میں اور گناہ سے عمل میں یعنی امتناع صدور کہ خاصہ انبیاءؑ کا ہے شرطِ امامت ہے۔

اُن کا یہ عقیدہ خلاف کتاب اور عترت کے ہے۔ خلافِ کتاب اس طرح کہ قولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ بَعَثَ لَکُمْ طَالُوْتَ مَلِکًا (بیشک اللہ نے حال یہ ہے کہ مبعوث کیا تمہارے واسطے طالوت کو بادشاہ)۔ پس طالوت امام تھا جس کی طاعت فرض تھی موافق نصِ الٰہی کے اور حالانکہ بالاجماع معصوم نہ تھا۔ بلکہ آخر جو معاملہ کہ حضرت داؤدؑ سے کیا وہ اُس کی عدالت ہی میں بُرائی پیدا کرتے تھے پھر کیا جگہ عصمت کی۔ و قولہ تعالیٰ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں کرنے والا ہوں زمین میں خلیفہ) پس حضرت آدمؑ قبل نبوت سے امام اور خلیفہ زمین کے تھے، اور بالاجماع مصدر گناہ ہوئے۔ قولہ تعالیٰ وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (گناہگار ہوا آدمؑ اپنے پروردگار کا سو بہک گیا) اور یہ قصہ زمانِ امامت اور خلافت میں تھا نہ کہ زمانہ نبوت میں بدلیل قولہ تعالیٰ ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ وَھَدٰی (پھر برگزیدہ کیا اُس کو اُس کے پروردگار نے سو توبہ کی اُس پر اور ہدایت پائی)۔

رہا قول عترت کا، سو حال یہ ہے کہ ابھی گزرا جو کچھ نہج البلاغۃ میں ہے قول امیرؓ کا کہ لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِیْرٍ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ تا آخر ہے۔ اور کافی کلینی میں بروایتِ صحیحہ مروی ہے کہ حضرت امیرؓ اپنے اصحاب سے فرماتے تھے کہ:-

لَا تَکُفُّوْا عَنْ مَقَالَۃٍ بِحَقٍّ اَوْ مَشْوَرَۃٍ بِعَدْلٍ فَاِنِّیْ لَسْتُ اٰمَنُ اَنْ اُخْطِیَٔ، اِلٰی اٰخِرِہٖ وَسَیَجِیْءُ نَقْلُہٗ اِنْشَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ بَابِ الْمَطَاعِنِ۔

مت رُکو تم حق بات سے یا مشورہ بعدل سے پس تحقیق میں خطا کرنے سے بچا ہوا اور مامون نہیں ہوں، آخر تک، اور عنقریب آئے گی نقل اس کی انشاء اللہ تعالیٰ باب مطاعن میں۔

اور شیعہ کو نہیں پہنچا ہے کہ حضرت امیرؓ کے فرماتے ہوئے کو مشورۂ دنیاوی پر قیاس کریں اور قبیل اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ سے جانیں (یعنے تم خوب جانتے ہو اپنے امورِ دنیا کو) کیونکہ حضرت امیرؓ نے دو لفظ فرمائے ہیں عَنْ مَقَالَۃٍ بِحَقٍّ اور مَشْوَرَۃٍ بِعَدْلٍ اگر لفظ اخیر کو اس معنے پر قیاس کریں گے تو دوسرے کو کہاں پھینکیں گے۔ اور صاحب الفصول وغیرہ نے بھی امامیہ سے روایت کی ہے۔

عَنْ اَبِیْ مِخْنَفٍ اَنَّہٗ قَالَ کَانَ الْحُسَیْنُ ابْنُ عَلِیٍّ یُبْدِی الْکَرَاھَۃَ لِمَا کَانَ مِنْ اَخِیْہِ الْحَسَنِ مِنْ صُلْحِ مُعَاوِیَۃَ وَیَقُوْلُ لَوْ جُزَّ اَنْفِیْ کَانَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا فَعَلَہٗ اَخِیْ۔

ابی مخنف نے روایت کی ہے کہ حسین بنؓ علی کراہت ظاہر کرتے تھے اس بات سے کہ واقع ہوئی اُن کے بھائی حسنؓ سے صلح ساتھ معاویہ کے اور کہتے تھے کہ اگر میری ناک کٹ جاتی تو میں اس کو اس صلح سے دوست تر رکھتا۔

اور جب دو معصوموں سے ایک دوسرے کی خطا پکڑلے خطا دونوں سے ایک کی ثابت ہوتی اس واسطے کہ اجتماعِ نقیضین محال ہے۔ اور صحیفہ کاملہ میں بھی کہ حضرت سجادؓ سے بطریقہ صحیحہ امامیہ کے نزدیک مروی ہے ثابت ہے :۔

قَدْ مَلَکَ الشَّیْطٰنُ عِنَانِیْ فِیْ سُوْءِ الظَّنِّ وَضُعْفِ الْیَقِیْنِ وَاِنِّیْ اَشْکُوْ سُوْءَ مُجَاوَرَتِہٖ لِیْ وَطَاعَۃِ نَفْسِیْ لَہٗ۔

پکڑی ہے میری باگ شیطان نے طرف بدگمانی اور ضعف یقین کے اور میں فریاد کرتا ہوں اُس کی بد باتوں سے اور اپنے نفس کی طاعت سے جو اُس کی کرتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ کلام دونوں تقدیر پر خواہ سچ ہو خواہ جھوٹ خلاف عصمت کے ہے۔

جو دستاویز امامیہ اور اسماعیلیہ کی اس عقیدہ میں محض شبہاتِ عقلیہ پر ہے ہم مجبوراً اُن شبہوں کو بھی مذکور کرتے ہیں۔ اور جو موقع غلطی میں پڑنے کا ہے اُس سے خبردار کردیں۔

شبہ اوّل یہ کہ اگر امام معصوم نہ ہو تو تسلسل لازم آئے۔ کیونکہ اُمّت پر جوازِ خطا کا ہے علم و عمل میں کہ ان سے خطا ہوتی ہے۔ اور یہی جوازِ خطا کا محتاج نصب امام کا ہے تاکہ اصلاح کرے۔ اگر امام پر بھی خطا جائز ہو تو محتاج ہو دوسرے امام کا اسی طرح وہ اور کا۔ الغرض اس طرح ایک لا متناہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ہم اِس کو مانتے ہی نہیں کہ جوازِ خطا کا محتاج ہے بلکہ وہ غرضیں جو مذکور ہوئیں یعنے جاری کرنا احکام کا دار المفاسد اور مفسدوں کی جگہوں میں اور حفاظت بیضۂ[1] اسلام کی۔ اور اِن غرضوں کی حاصل کرنے کیلئے عصمت ضروری نہیں ہے اجتہاد اور عدالت کافی ہے۔ اور جب امرؔ اور اُس کے مقلد پر خطا در اجتہاد کا مواخذہ ہی نہیں ہے عمداً کا ہر کسی سے، تو جوازِ خطا اور عدم جواز

[1] جماعت اسلام یا اس کا صدر مقام۔

اُس کا برابر ہوا۔ اماہم نے لٰکِنْ لَا نُسَلِّمُ التَّسَلْسُلَ بَلْ یَنْتَھِیْ اِلَی النَّبِیِّ الْمَعْصُوْمِ بِالْاِتِّفَاقِ سِلْسِلَۃُ اَخْذِہٖ وَاقْتِدَائِہٖ مُسَلَّمًا (یعنے تسلسل کو ہم نہیں مانتے کہ تسلسل لازم آتا ہے بلکہ وہ تمام ہوتا ہے ساتھ نبی معصوم کے بالاتفاق سلسلہ اُس کے اختیار اور پیروی کا اماہم نے) لیکن یہ شبہ منقوض ہے مجتہد جامع شروط کے ساتھ جو امامیہ کے نزدیک غیبتِ امام میں نائب امام کا ہے۔ اور حالانکہ معصوم نہیں ہے باتفاق پس خطا اُس پر جائز ہوگی۔ فَمَا ھُوَ جَوَابُھُمْ فِیْہِ فَھُوَ جَوَابُنَا فِی الْاِمَامِ (پس اس میں جو کچھ جواب ان کا ہوگا وہی ہمارا جواب ہے امام میں)۔

شبہ دوم کہتے ہیں کہ امام حافظ شریعت کا ہے اگر اُس پر خطا جائز ہو حفظ شریعت کس طرح کرسکے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم اِس کو نہیں مانتے کہ وہ حافظ شریعت ہے بلکہ مروّج احکام شریعت کا ہے اور جاری کرنے والا حکموں اور نہیوں کا۔ اور شریعت کی حفاظت ذات علماء سے ہے۔ قولہ تعالیٰ وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ وَکَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ (بزرگ اور عالم اس سبب سے کہ نگہبان ہوئے تھے کتاب خدا کے۔ اور تھے اُس پر گواہ)۔ وقولہ تعالیٰ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (ہو تم راست اُس قاعدے پر کہ تعلیم کرتے تھے کتاب کو اور پڑھتے پڑھاتے تھے) اور بھی زمانِ فترت امام میں جیسے اتمام شریعت کا امامیہ کے نزدیک بھی وجود علماء سے ہے اسی طرح اُس کی غیبت میں، بلکہ اُس کے حضور میں بھی ہوگا۔

قَالَ ابْنُ الْمُطَھَّرِ الْحِلِّیُّ فِیْ کَشْکُوْلِ الْکَرَامَۃِ اِنْ حَصَلَ بَیْنَ الْاِمَامِ الْمُتَّصِلِ بِالنَّبِیِّ الْمُتَّصِلِ بِاللّٰہِ قَدْرٌ مِّنَ الزَّمَانِ اِلٰی وَصِیٍّ اٰخَرَ حَفِظَ اللّٰہُ تَعَالٰی تِلْکَ الْوَصِیَّۃَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

اگر درمیان امام کے جو متصل بہ نبی ہے وہ نبی کہ متصل ہے بخدا تعالیٰ فاصلہ حاصل ہو کسی زمانہ یا وقت کا وصی سے تو محفوظ رکھے گا خدا تعالیٰ اُس وصیت کو مومن لوگوں سے۔

ہم یہ تسلیم بھی کرلیں لیکن امام حافظ شریعت کا ہے کتاب وسُنّت اور اجماع اُمّت سے نہ کہ بالذات بہ نفسِ خود، اور اِن امورِ ثلٰثہ میں خطا جائز نہیں ہے۔ اور اُن تینوں کے سوا جو کچھ ہے مجتہدات سے ہے کہ داخل نسل شریعت میں نہیں، حفظ اُس کا کیا ضرور۔ لیکن یہ شبہ ٹوٹتا ہوا ہے مجتہد نائب میں کہ وہ بھی زمانِ غیبت میں حافظ ہے پس چاہیئے کہ معصوم ہو اور یہ باطل ہے بالاجماع۔

اور ان تینوں شبہوں کا معارضہ بھی کیا ہے اِس طور پر کہ اگر وجود امام معصوم کا ضروری ہو اس واسطے کہ وجود ایک شخص کا مستلزم امن نہیں ہوسکتا ہے اس لئے کہ مکلّفین مشارق اور مغارب

میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہر ایک اپنی اپنی حاجتوں میں گرفتار۔ یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ سب ائمہ کے پاس حاضر ہوسکیں کہ محالاتِ عادیہ سے ہے۔ اور اگر امام ہر شہر میں کوئی نائب تعین کرے پس جب کہ عصمت مفقود ہے خطا اُس پر جائز ہوگی۔ اور بسبب اس کے کہ امام سے وہ دُور ہے اُس خطا پر مطلع نہیں ہوسکتا۔ خصوصًا حوادث اور وقائع یومیہ کہ تا تدارک خطا کا ہوتا چلا جائے علی الخصوص زمان غیبتِ کبریٰ میں۔ اور بر تقدیر مطلع بھی ہوا تو تنبیہ اُس خطا پر نہیں ہوسکتی سوا اس کے کہ کوئی قاصد بھیجا جائے اور قاصد کو بھی عصمت لازم نہیں ہے یہ بھی خطا سے مامون نہیں۔ اس کے سوا خط بھی جعل و فریب کے جاری رہتے ہیں ان میں بھی احتمال خطا کا موجود ہے۔ معہٰذا نائب جب تک عمل قواعد لغت اور قیاس کے نہ جانے گا، مراد امام کی عبارت خط اور بیان قاصد سے سمجھنا ممکن نہیں۔ اور یہ سب موقع گمان خطا کے ہیں پس امن خطا سے بغیر نصب معصوم کے کسی طریق سے حاصل نہیں ہوسکتے۔

❁ عقیدۂ چہارم:۔ امام کو لازم نہیں ہے کہ خدا کی طرف سے اُس کے واسطے نص ہو یعنی خدا مقرر کرے کیونکہ مکلّفین پر واجب ہے کہ اپنی ضرورت و حاجت کے وقت موافق مصلحت اُس وقت کے کسی کو خود رئیس کرلیں پس تعین اس کا انہی کے صوابدید کے سپرد ہے تاکہ اُس کی اطاعت میں قصور نہ کریں جیسا کہ مشہور ہے "نواختہ را نباید انداخت[1]" لاجرم اپنے کئے کا لحاظ رکھیں گے۔ اور اگر خدا کی طرف سے منصوص اور مقرر ہو تو جیسے تمام احکام شرعیہ میں سُستی اور بناوٹ ظہور میں آتی ہے ویسے ہی اس کے نصب میں بھی واقع ہوگی، پس نصب امام سے جو غرضیں منظور ہوتی ہیں سب ضائع اور خراب ہوجائیں گی کیونکہ نصِ الٰہی مکلّفین کے حق میں کافی نہیں ہے کہ اُس پر عمل کریں اور مطیع ہوں ورنہ قرآن کیا تھوڑا تھا اور حدیث پیغمبرؐ کی کیا کم تھی۔ امام کا نصب تو اسی واسطے ہے کہ احکامِ شریعت میں سُستی نہ ہونے دے، اور لوگوں کو شریعت کی راہ سے باہر نہ نکلنے دے خواہ بخوشی خواہ بہ ناخوشی۔ پس اگر امام بنصِ الٰہی ہوتا تو جیسے اور احکام شرعیہ بنص تھے ویسے ہی ایک یہ بھی اُن میں داخل ہوتا تو مثل احکام شرعیہ کے خود بھی محل سُستی اور بناوٹ کا ہوجاتا۔ لاجرم اصلح اور بہتر سے بہتر مکلّفین کے حق میں یہی ہے کہ تعین جس کا مکلّفین کی عقل پر چھوڑیں۔ اور امامیہ کہتے ہیں کہ نصب امام کا خدا پر واجب ہے پس چاہیئے کہ خدا کی طرف سے منصوص ہو۔ حالانکہ یہ عقیدہ نہ موافق عقل کے ہے نہ موافق نقل کے، دونوں کے مخالف مخالف عقل تو بیان ہوچکا۔ مخالف نقل کے یہ کہ حق تعالیٰ جابجا بعض فرقوں بنی آدم کے حق میں جیسے بنی اسرائیل وغیرہ، فرماتا ہے وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً (ہم نے ان کو امام بنایا)۔ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ (اور ارادہ کرتے ہیں ہم یہ کہ کریں اُن کو امام، اور کریں اُن کو وارثوں سے)

[1] یعنے پروردہ کو اپنے سے دُور نہیں پھینکنا چاہیئے ۱۲

اور یہ بھی فرماتا ہے وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ (اور بنایا اُس نے تم کو بادشاہ اور دی اُس نے تم کو وہ چیز جو نہیں دی اُس نے کسی کو سارے جہان سے)۔ اُن کے علاوہ اور بھی فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ (وہ ایسا ہے جس نے تم کو خلیفہ بنایا زمین میں)۔

اب دیکھو کہ امام اور بادشاہ اور خلیفہ تو ان فرقوں سے کئے لیکن کسی کے حق میں نص نہ تھی بلکہ وہی لوگ جملہ معاملوں بست و کشاد کے واسطے اپنی ہی عقل و تدبیر سے کسی شخص کو ریاست پر مقرر کرلیتے تھے تو وہ بشوکت و غلبہ مُسلّط ہوجاتا تھا، اور سب اُس کی اطاعت و تابعداری کرتے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ آیتِ شریف میں جو فرمایا ہے "بنایا ہم نے امام اور بنایا ہم نے خلیفہ"۔ اس امام بنانے اور خلیفہ بنانے کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس زمانہ کے لوگوں سے اُن لوگوں کے دل میں جن کا ساختہ پرداختہ معتبر ہے ڈال دیتا ہے کہ فلانے کو اپنا رئیس بنائیں یا تائید آسمانی اور اقبال غیبی کے ساتھ مخلوق پر اُس کو خود مُسلّط کردے پس اگر وہ لیاقت اس کام کی رکھتا ہے تو امام عادل ہے نہیں تو امام جابر ہے۔

❁ عقیدۂ پنجم:۔ امام کو لازم نہیں ہے کہ اپنے ہمعصروں سے خدا کے نزدیک بھی افضل ہو۔ کیونکہ طالوت کو حق تعالیٰ نے اپنے نص کے ساتھ خلیفہ کیا۔ حالانکہ حضرت شمویلؑ اور حضرت داؤدؑ موجود تھے اور بلاشبہ طالوت سے افضل تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر بست و کشاد والے اپنی بیعت سے کسی رئیس کو نصب کریں تو ان کو چاہیئے کہ افضل کو نصب کریں واسطے ریاست اور شرائط سرداری کے نہ کہ اور کاموں میں۔ بیشک ہے کہ بہت ولی کامل اور عالم متبحر اور سیّد اصیل الطرفین ایسے ہوتے ہیں کہ اُن سے ایک گھر کی سرداری بھی سرانجام نہیں ہوسکتی۔ پس ان کاموں کے لئے دوسری قسم کی فضیلت چاہیئے۔

اب جاننا چاہیئے کہ یہ تینوں شرطیں یعنی معصوم اور منصوص اور فضیلت کے امامیہ نے امام میں جو بڑھائی ہیں اپنے زعم میں یہ سمجھ لیا ہے کہ جب ہم خلفائے ثلثہ رضؓ کی امامت سے انکار کریں گے تو اپنے دعوے کو سرانجام کرلیں گے۔ اور اہلِ سُنّت کے جواب کے محتاج نہ ہوں گے۔ کیونکہ خلفائے ثلثہ رضؓ اہل سُنّت کے نزدیک نہ معصوم ہیں نہ منصوص علیہ اور فضیلت میں بھی گنجائش بحث کی بہت ہے۔ پس مناسبت ہوگا کہ مُجَانَبَةً مَعَ الْخَصْمِ (یعنے دشمن کے ساتھ رفاقت کرنا)، ہم بھی اِن شرطوں کو تنہا ذکر نہ کریں۔ جب ابوبکر صدیقؓ کی امامت کا ذکر کریں اُس کے ضمن میں اس کو بھی ذکر کریں اور اِن شرطوں کی جڑ کھود کر پھینک دیں۔ لیکن جو کہ امامیہ نے اپنی کتابوں میں اصل سب مسائل کا اِن شرائط کو ٹھہرایا ہے۔ ناچار ان کی متابعت سے اِس موقع پر بھی جدا جدا موافق مقتضا مقام کے نفی ان شرائط کی کی گئی مگر پورے کلام کا جو شرح بسط کے ساتھ ہوگا وہاں منتظر ہونا چاہیئے۔

عقیدہ ششم یہ ہے کہ امام بعد رسولِ خدا کے بلا فاصلہ حضرت ابوبکر صدیق رض ہیں۔ یہی مذہب اکثر اہلِ اسلام کا ہے لفظ شیعہ اس عقیدہ کے منکر ہیں تنہا اور جتنے فرقے شیعہ کے ہیں سب اس بات میں شریک ہیں کہ امام بعد رسول ص کے بلا فاصلہ جناب امیر رض ہیں، اور ابوبکر رض غاصب ہیں حیلہ اور تغلب سے امیر رض کو منصب امامت سے ٹال دیا خود اُس پر قائم ہوگئے۔ یہ عقیدہ ایسا ہے کہ اس پر تمام فرقے شیعہ کے متفق اور مجمع ہیں۔ ہاں اگر ان کے آپس میں کچھ اختلاف ہے تو جناب امیر رض کے بعد میں ہے۔

لیکن اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ حضرت امیر رض اُس وقت امام تھے جبکہ لوگوں نے اُن سے بیعت کی نہ کہ اس سے قبل البتہ استحقاق امامت کا حضور جناب پیغمبر ص سے رکھتے تھے۔ چنانچہ خلفائے ثلاثہ رض بھی اِس استحقاق میں اُن کے شریک تھے۔ اور بعد حضرت امیر رض کے حضرت امام حسن رض امام تھے بعد حضرت امام حسین رض۔ اور امام استحقاق اپنی امامت کا ظاہر کرتے تھے۔ لیکن جو ان سے بیعت اہلِ بست و کشاد کی واقع نہ ہوئی، اور اکثر نے بسبب غلبۂ شغل باطن کے اور تعلیم علم کر درخواست امامت کی نہ کی بظاہر امام نہ ہوتے۔

اور جاننا چاہیے کہ اہلِ سنت امامت کو پیشوائے دین کے معنی میں بھی بولتے ہیں اِسی سبب سے امام اعظم رح، امام شافعی رح کو کہ پیشوا فقہ کے تھے۔ اور امام غزالی رح اور امام رازی رح کو کہ عقائد اور کلام میں۔ اور نافع رح اور عاصم رح کو کہ قرأت میں امام تھے، امام کہتے ہیں۔ اور ائمہ اطہار رض اُن سب فنون میں پیشوا ہوئے ہیں خصوصاً ہدایت باطن اور ارشاد طریقت کہ ان سے مخصوص تھا اسی سبب سے اہلِ سنت ان کو بے قید امام جانتے ہیں نہ کہ وہ امامت جس سے مراد خلافت ہے۔ کیونکہ خلافت میں ان کے نزدیک ملک میں تصرف ہونا باوجود استحقاق اور غلبہ اور شوکت، اور جاری ہونا حکم کا ضروری ہے۔ اسی واسطے خلافت کو انہی پانچ اشخاص مذکورین میں منحصر کیا ہے۔ یعنی خلفائے اربعہ رض اور حضرت امام حسن رض اور کبھی وہ امامت کو بادشاہت اور ریاست کے معنی میں بھی لیتے ہیں۔ اس واسطے کہ بادشاہ ہرچند خوش سیرت نہ ہو لیکن بعض امور دین میں جیسے جہاد اور لوٹ کا بانٹنا اور جمعہ اور عیدوں کا قائم کرنا، یہ بھی پیشوائی کی بات ہے۔ پس ان تینوں اطلاق کو جدا جدا اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا چاہیے۔ ہرچند ان سب معانی کا ایک ہی چیز کی طرف رجوع ہے کہ مَنْ يُقْتَدٰى بِهٖ فِيْ اَمْرٍ مِّنْ اُمُوْرِ الدِّيْنِ حَتّٰى اَمِيْرِ الْحَجِّ۔ اور پیشوائی نماز کی کہ وہ بھی یہی بات ہے کہ امام ہے۔ اور جو پیشوائی دین کی جملہ باتوں میں ہوتی ہے خواہ ظاہر ہو خواہ باطن، پس یہی خلافت خفیہ ہے کہ منحصر انہی پانچ شخصوں میں ہے۔ اور یہ اطلاق ان کے موافق استعمال قرآن مجید کے ہیں اور اُسی سے اخذ کئے ہوتے کہ پیشوایانِ دین کو گو بظاہر تصرف نہیں رکھتے تھے ائمہ فرمایا ہے وَجَعَلْنٰهُمْ

اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (کیا ہم نے اُن کو امام کہ راہ بتاتے ہیں ہمارے حکم کی) اور ہر کسی کو یہ دعا تلقین فرمائی وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (یعنی کر تو ہم کو واسطے متقیوں کے امام) اور خلافت میں ہر جگہ قید فی الارض کی ذکر فرمائی لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ اور يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ اور هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ، الیٰ غیر ذلک من الآیات۔

اور حضرت امام حسن رض کو وجہ صلح کی معاویہ کے ساتھ اور ترک خلافت کی باوجود اس کے کہ استحقاق خلافت کا منحصر انہی کی ذات عالی صفات میں تھا اور جانب خلاف کے بے استحقاقی ظاہر یہ ہے کہ حضرت امام رض نے جانا تھا کہ زمانہ خلافت کا گزر چکا اور کٹ کھنی بادشاہی اور دور ظلم و بیداد کا آ پہنچا۔ اگر میں اس ریاست کا کام اپنے ذمے رکھوں گا تو تقدیر الٰہی میں تو ہے نہیں، منتظم نہ ہوگی اور فتنے اور فساد اور غصب اور عناد درمیان میں پیدا ہوں گے۔ اور جو مصلحتیں کہ امامت میں ملحوظ و منظور ہوتی ہیں بالکل فوت ہو جائیں گی ناچار اُس وقت کی ریاست سے کنارہ کیا اور معاویہ رض کو حکم سپرد کر دیا کہ اُس وقت کی ریاست کے لائق تھے۔ اور یہ صلح اور سپردگی بسبب قلت و ذلت کے واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ امام کے ساتھ بھی فوج کثیر تھی اور جان بازیوں پر مستعد لیکن ایک روایت کی مدد میں سامی لیکن جو مدت خلافت کی کُل تیس برس تھی اور وہ منقضی ہو گئے تھے، لہٰذا ترک کر دی۔ اور صاحب فصول نے جو امامیہ سے ہے جو کچھ نقل کیا ہے کہ رئیس امام کے لشکر کے معاویہ رض سے مل گئے تھے امام کو یقیناً اُن کا حال معلوم ہو گیا تھا کہ انھوں نے ارادہ فاسد مصمم کیا ہے کہ امام کو پکڑ کر اُس باغی کے حوالہ کر دیں، محض افترا ہے۔ کیونکہ خود اپنی کتابوں میں حضرت امام رض سے خطبہ روایت کیا ہے کہ حضرت امام رض نے فرمایا اِنَّمَا فَعَلْتُ مَا فَعَلْتُ اِشْفَاقًا عَلَيْكُمْ (بجز اس کے نہیں ہے کہ میں نے جو کچھ کیا از روئے شفقت کے جو تم پر ہے) اور دوسرے خطبے میں کہ شریف مرتضیٰ اور صاحب فصول دونوں نے روایت کیا ہے لکھا ہے کہ حضرت امام رض نے فرمایا:۔

لَمَّا اَبْرَمَ الصُّلْحَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ مُعَاوِيَةَ قَالَ اِنَّ مُعَاوِيَةَ قَدْ نَازَعَنِيْ حَقًّا لِيْ دُوْنَهٗ فَنَظَرْتُ الصَّلَاحَ لِلْاُمَّةِ وَقَطْعَ الْفِتْنَةِ وَقَدْ كُنْتُمْ بَايَعْتُمُوْنِيْ عَلٰى اَنْ تُسَالِمُوْا مَنْ سَالَمَنِيْ وَتُحَارِبُوْا مَنْ حَارَبَنِيْ وَرَاَيْتُ اَنَّ حَقْنَ دِمَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ سَفْكِهَا وَلَمْ اُرِدْ بِذٰلِكَ اِلَّا صَلَاحَكُمْ۔

جب حضرت امام رض نے اپنے اور معاویہ رض کے درمیان میں صلح ٹھان لی کہا بیشک معاویہ رض نے مجھ سے جھگڑا کیا میرے حق میں کہ خاص میرے واسطے تھا نہ اُس کے واسطے پس دیکھی نظر کی صلاح امت اور قطع ہو جانے فتنے کی طرف اور تم نے مجھ سے بیعت کی تھی اس بات پر کہ صلح کرو تم جس سے کہ میں صلح کروں اور لڑو جس سے کہ میں لڑوں۔ اور میں نے محفوظ رہنا مسلمانوں کا خون گرنے سے بہتر دیکھا اور اس صلح کا ارادہ خاص تمہاری بہتری کے واسطے کیا۔

اِن دونوں خطبوں سے صریح ظاہر ہے کہ ملک کو معاویہؓ کے تصرف میں دیدینا اور ریاست اُس کے سپرد کر دینا بیچارگی اور درماندگی کے سبب سے نہ تھا بلکہ برعایت اُس مصلحت کے جو حضرت امام ہمام کے خاص شایان تھی یہ صلح فرمائی۔ اور دوسرے خطبے میں صریح اسلام فریق ثانی کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ صلح کرنا کفار اور مُرتدوں سے بخوف فتنے کے جائز نہیں ہے بلکہ ان سے لڑائی چھوڑ دینا کہ ان کا غلبہ ہو جاتے میں فتنہ ہے۔ قولہ تعالیٰ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (لڑو تم اُن سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ اور اللہ کا خاص دین ہو جائے) اور صاحب فصول وغیرہ نے امامیہ سے روایت کی ہے:۔

عَنْ اَبِیْ مِخْنَفٍ اَنَّهٗ قَالَ كَانَ الْحُسَيْنُ ابْنُ عَلِیٍّ يُبْدِیْ الْكَرَاهَةَ لِمَا كَانَ مِنْ اَخِيْهِ الْحَسَنِ مِنْ صُلْحِ مُعَاوِيَةَ وَيَقُوْلُ لَوْ جُزَّ اَنْفِیْ كَانَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا فَعَلَهٗ اَخِیْ۔

ابی مخنف سے روایت ہے کہ کہا بیشک حال یہ ہے کہ حسینؓ ابن علیؓ ظاہر کرتے تھے کراہت کو اس بات میں کہ ہوئی اُن کے بھائی حسنؓ کی صلح معاویہؓ سے اور کہتے تھے کہ اگر کاٹی جاتی ہماری ناک تو اچھا ہوتا ہم کو اس بات سے کہ ہمارے بھائی حسنؓ نے کی۔

پس یہ کلام امام شہید کا بھی صریح دلیل اس بات کی ہے کہ ناچاری و درماندگی سے نہیں چھوڑی اور نہ سپرد کی کیونکہ اگر یہ امر اُن کی اضطراری اور مجبوری سے ہوتا تو حضرت امام شہید عتاب کیوں ظاہر کرتے اور شکایت کیوں کرتے؟ امر اضطراری تو قابل شکایت اور عتاب ہی کے نہیں ہوتا۔ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ (ضروری چیزیں مباح کرتی ہیں محظور و ممنوع چیزوں کو)۔

اور اس کلام سعادت فرجام امام ثانی میں جو کتب شیعہ سے مروی ہے یہ دلیل بھی ہے کہ امام وقت کے فعل کو مکروہ جاننا اور اُس سے ناخوشی ظاہر کرنا اس سبب سے کہ وہ فعل خلاف اپنی مصلحت معقولہ کے ہے کچھ قباحت نہیں رکھتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رعایت مصلحتوں وقت اور حال میں بزرگانِ دین کو بھی اختلاف رایوں کا واقع ہوا ہے اور منجر بہ ناخوشی نہیں ہوا اور کسی نے کسی کو اس اختلاف پر بُرا نہیں ٹھہرایا۔

پس اِن دونوں فائدوں کو بہ نفاست یاد رکھنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ ہاتھ سے جاتے رہیں کہ بہت سی جگہوں پر کام آئیں گے۔

اور اس مقام پر یہ بھی جاننا چاہیئے کہ بعض جاہل لوگ امامیہ میں سے نہایت بغض اور تعصب کے مارے کہتے ہیں کہ اہلِ سنت کے نزدیک بعد عثمانؓ شہید کے امام معاویہؓ بن ابی سفیان ہے۔ یہ بات ان کی بے شرمی اور بے حیائی سے پیدا ہوتی ایسی ہے جیسے "دروغ گویم برروئے تو"۔ ورنہ ہر جاہل جس نے فارسی ہی پڑھی ہے بلکہ طفل مکتب کہ فارسی کا عقائد نامہ اہلِ سنت کا جس کو مولانا نور الدین عبد الرحمن جامیؒ نے

نظم کیا ہے پڑھا، یا دیکھا ہے یقین سے جانتا ہے کہ کل اہلِ سنت متفق ہیں اس بات پر کہ معاویہ بن ابی سفیان شروع امامتِ حضرت امیرؓ سے اُس وقت تک کہ حضرت امام حسنؓ نے اُس کے سپرد کی باغیوں سے تھا کہ امام وقت کا مطیع نہ تھا۔ اور جب حضرت امامؓ نے اُس کے سپرد کر دی تو بادشاہوں سے ہوا حد یہ کہ جو بادشاہ اُس پاس کے تھے جدا جدا ہر ایک کے لئے امام منصوب کرتا تھا اور وہ لوگ اُس کے اوامر و نواہی کی پیروی کرتے تھے۔ اور یہ بادشاہ سلطان عام تھا تمام ممالکِ اسلام پر کہ حضرت امامؓ نے مصلحتاً اور ضرورتاً یہ سلطنتِ عام اُس کی گوارا فرمائی تھی۔ جیسا کہ چاہیئے ویسا ان کا اتباع نہیں کرتا تھا۔ بلکہ جیسے زور آور صوبہ دار اپنے سلاطین سے معاملہ کرتے ہیں یا جیسے مختار لوگ شاہ عالم کے کہ ہمارے وقت میں نام کا بادشاہ ہے بے اس کے کہ اُس کی طرف رجوع کریں امور سلطنت میں تصرف کرتے ہیں۔ اور سوائے روزینہ مقرری پہنچانے اور عرضیاں لکھنے اور القاب و خطاب حاصل کرنے کے بادشاہ سے کچھ مطلب نہیں رکھتے۔ پس ایسے ہی حال میں وہ بادشاہ تھا کہ بظاہر موافق تجویز اور رضا امامؓ کے ملک کو لے لیا تھا۔ اسی واسطے اہلِ سنت اُس کو کہتے ہیں کہ اسلام میں اول بادشاہ ہوا ہے۔

اب ہم اس بات پر آئے کہ جب اُس کو باغی اور متغلب جانتے ہیں تو لعنت کیوں نہیں کرتے۔ اس کا جواب اہلِ سنت کے نزدیک یہ ہے کہ مرتکبِ گناہِ کبیرہ پر لعنت جائز نہیں ہے اور باغی بھی مرتکب کبیرہ کا ہے پھر اُس پر کیونکر لعنت جائز ہو۔ اس مقدمہ میں بھی ان کی دستاویز کتاب اللہ اور عترت ہے۔ لیکن کتاب، جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (بخشش مانگ اپنے گناہ اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی) صریح نصِ قرآنی دلالت کرتی ہے کہ جو شخص ایماندار ہے اُس کے حق میں مطلوب شارع کا استغفار ہے وَالْاَمْرُ بِالشَّیْءِ نَهْیٌ عَنْ ضِدِّهٖ (حکم کرنا کسی چیز پر باز رکھنا ہے اُس کی ضد سے) موافق قاعدۂ اصولیہ کے ہے اور امامیہ کے بھی۔ پس امر استغفار کا نہی لعن کی ہے۔ اور ہر مرتکب کبیرہ باجماعِ سُنی و شیعہ دونوں کے ایماندار ہے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا الیٰ آخر الآیۃ۔ پس اِس آیت کے موافق بھی لعن اُس کی منہی عنہ ہے یعنی اُس سے باز رکھے گئے۔ البتہ لعن بالوصف اہلِ کبائر کے حق میں آئی ہے جیسے اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی (خبردار ہو ظالموں پر اللہ کی پھٹکار ہے) اور فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ یعنے (پس ٹھہرائیں ہم لعنت اللہ کی جھوٹوں پر)۔ لیکن یہ لعن درحقیقت لعن اُس صفت کی ہے یعنی ظلم یا کذب کی نہ کہ صاحبِ صفت کی۔ اور اگر بالفرض صاحبِ صفت ہی کی یعنی ظالم اور کاذب کی تو یہ صورت ہے کہ ایمان جو اُس میں موجود ہے مانع لعن کا ہے اور ظلم و کذب یہ

صفت جو اُس میں موجود ہوئی یہ لعن کو جائز کرتی ہے۔ اور شیعہ امامیہ کے اصول میں یہ بات ٹھہری ہوئی ہے کہ اِذَا اجْتَمَعَ الْمُبِيْحُ وَالْمُحَرِّمُ غَلَبَ الْمُحَرِّمُ (یعنے جس وقت کہ جمع ہو مباح چیز اور حرام چیز تو حرام کو غلبہ ہوتا ہے)۔ اور نیز وجود مقتضی باوجود ثبوت مانع کے اقتضا حکم کا نہیں کرتا ہے پھر لعن فقط وجود صفت پر مترتب نہیں ہوتی تا وقتیکہ ایمان جو مانع ہو رہا ہے یہ جاتا نہ رہے۔ جیسے کافر کے حق میں ہے کہ یقیناً وہ کفر میں مرا ہے۔ اگرچہ اُس میں کیسی ہی صفت نیک کرداری کی ہو اُس کی مغفرت چاہنا جائز نہیں ہے۔

قوله تعالیٰ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ	یعنی وہ لوگ کہ آئے بعد اُن سے کہتے ہیں اے پروردگار ہمارے مغفرت کر تو ہمارے واسطے اور ہمارے بھائیوں کے واسطے جو ہم سے پہلے گزر چکے ایمان کے ساتھ اور مت کر تو ہمارے دلوں میں عداوت اُن لوگوں کی کہ ایمان لائے ہیں اے پروردگار ہمارے تو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔

اِس آیت میں بھی کوئی قید عمل صالح کی نہیں لگائی ہے بلکہ طلب مغفرت اور ترک عداوت و بُغض کو محض ایمان ہی پر مترتب کیا ہے پس بُغض و عداوت ترک کرنا اور لعن سے بچنا کہ اس کے واسطے طلب مغفرت لازم ہے ہر شخص با ایمان کے ساتھ ضروری ہوا۔ اگر اس قسم کی آیتیں وہ قرآن میں ڈھونڈھیں گے تو بہت ہی پائیں گے۔

اب عترت کا حال سُنیئے کہ امامیہ کی کتابوں میں بتواتر یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت امیرؓ نے اہل شام کی لعن سے لوگوں کو منع فرمایا اور حضرت امیرؓ کے منع کرنے سے ممتنع نہ ہونا اور باز نہ رہنا اہل سُنت کا کام نہیں ہے۔ البتہ شیعوں نے اِس موقع پر کہا ہے کہ حضرت امیرؓ نے اس سبب سے منع نہیں کیا کہ وہ قابل لعنت کے نہ تھے بلکہ تہذیب اخلاق اور حُسن کلام اپنے یاروں کو تعلیم فرماتے تھے۔ چنانچہ یہ لفظ کہ روایت منع میں وارد ہے اسی بات پر دلالت کرتا ہے اِنِّیْ اَكْرَهُ لَكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا سَبَّابِيْنَ (یعنی بیشک میں بُرا جانتا ہوں اس بات کو کہ تم دُشنام دہندوں سے ہو) اہل سنت کہتے ہیں کہ جس بات کو حضرت امیرؓ نے ہمارے واسطے مکروہ جانا ہے اُس کو ہم کس طرح محبوب کر لیں بلکہ اُس کو عبادت و قربت جانیں ہم کو اپنے امام کا حکم بجا لانا چاہیئے۔ اور جو اُنھوں نے ہمارے واسطے مکروہ جانا ہے اُس کو مکروہ سمجھنا چاہیئے۔ وجہ کراہت کو امام جانے ہم کو وجہ سے کیا غرض۔ اور بھی اہل سنت کے واسطے قول ہے کہ نہج البلاغت میں ایک روایت موجود ہے جس سے شیعوں نے چشم پوشی کی ہے کہ صریح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لعن سے جو منع کیا ہے حضرت امیرؓ نے یہ اس سبب سے تھا کہ شرکت اسلام اور برادری ایمان کی باقی تھی۔

وَهُوَ اَنَّهٗ لَمَّا سَمِعَ لَعْنَ اَهْلِ الشَّامِ مِنْ اَصْحَابِهٖ	اور وہ روایت یہ ہے کہ بیشک جب امیر المومنینؓ نے سنا کہ ہمارے اصحاب اہل شام کو

خَطَبَ وَقَالَ اَصْبَحْنَا نُقَاتِلُ اِخْوَانَنَا فِي الْاِسْلَامِ عَلٰى مَا دَخَلَ فِيْهِ مِنَ الزَّيْغِ وَالْاِعْوِجَاجِ وَالشُّبْهَةِ وَالتَّاْوِيْلِ۔	خطبہ پڑھا اور کہا کہ صبح کی ہم نے تاکہ قتل کریں ہم اپنے بھائیوں کو اسلام میں اس بات پر کہ جو کچھ داخل ہوئی ہے اسلام میں بے راہی اور کجی اور شبہہ اور تاویل۔

اور یہ روایت صحیح کتابوں میں امامیہ کی بھی موجود ہے اور جو پہلی روایت بھی کتب شیعہ میں صحیح ہے اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اُس میں اس واسطے منع کیا ہے کہ لعن کی عادت نہ پڑ جائے اور زبان درازی نہ کریں اور ان کی گفتگو کی اصلاح ہو جائے۔ اس بات پر ہم نے قیاس کیا کہ پہلی روایت اُن لوگوں کے حق میں ہے کہ لعن بالوصف کرتے تھے کہ وہ شرعاً جائز ہے۔ لیکن جو لوگ کہ پہچانے والے شریعت کے ہیں جیسے انبیاء اُن کو صفات قبیح کے قبح جاننے سے ضرور پڑتی ہے کہ اُس لعن کو اپنے کلام میں استعمال کریں مگر اور لوگوں کا یہ منصب نہیں ہے کیونکہ اُن کی زبان کو لگام نہیں اگر اس لعن بالوصف کی عادت پڑے گی ضروری ہے کہ جو لائق لعن کے نہ ہوگا اُس کو بھی کہہ اٹھیں گے۔ اور گو نہ کہا لیکن ترک اولیٰ ہے اس سے کہ بطور وظیفہ رات دن کے لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ لَعَنَ اللّٰهُ الشَّارِبَ الْخَمْرَ (یعنی لعنت ہو اللہ کی چور پر اور لعنت ہو اللہ کی شراب پینے والے پر) تلاوت کرتے ہیں۔ دوسری روایت اُن لوگوں کے حق میں ہے کہ مقرر اور خاص طور پر شام کے لوگوں کو لعنت کرتے تھے اور ایمان اُن کا جو مانع لعن کا تھا اُس کے مانع ہونے سے غافل ہوتے تھے پس حضرت امامؓ کی دونوں روایتوں پر ہم نے عمل کیا اور عترت کو کتاب اللہ سے ہم نے موافق کیا اور ہمارا یہی طریقہ ہے کتاب اللہ اور کلام عترت کے سمجھنے کا اور اس پر خدا کا شکر کرتے ہیں۔

اور اِس مقام میں شیعوں کے بعض دانشمندوں نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک بھی لعنت اُس کافر پر جائز اور اُس سے مخصوص ہے کہ قطعاً موت اُس کے کفر پر معلوم ہوتی ہو۔ اور ہمارا قاعدہ مقتضی اِس کا نہیں کہ باقیوں پر جو مرتکب کبیرہ کے ہوتے مگر دائرۂ ایمان سے خارج نہ ہوئے ہوں اور ہم اُن کو لعن کریں۔ لیکن یہ حکم تو اُن لوگوں میں ہے جو حضرت امیرؓ سے لڑے نہیں ہیں، اور جو لڑے ہیں ہمارے نزدیک کافر ہیں موافق دلیل حدیث کے جس پر شیعہ اور اہل سنت دونوں متفق ہیں کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیرؓ سے خطاب کر کے فرمایا حَرْبُكَ حَرْبِیْ (تجھ سے لڑنا مجھ سے لڑنا ہے) اور اسی واسطے خواجہ نصیر طوسی نے حضرت امیرؓ کے مخالفین اور محاربین میں فرق کیا ہے۔ اور کہا ہے مُخَالِفُوْهُ فَسَقَةٌ وَمُحَارِبُوْهُ كَفَرَةٌ (مخالف جناب امیرؓ کے فاسق ہیں اور لڑنے والے کافر ہیں) اگر قائل بنا اپنے کلام کی مشہور کلام جمہور امامیہ پر کرتا کہ منکر امامت کو مثل منکر نبوت نبی کے کافر کہتے ہیں، کوئی وجہ فرق مخالف و محارب کی نہ تھی دونوں کو کافر کہتا۔ لیکن خواجہ نصیر قول مشہور جمہور سے بدیں وجہ علیحدہ ہوا کہ صحیح روایتیں حضرات ائمہؓ سے کافی اور صحاح

شیعہ میں اس بات پر ثابت نہ ہو ئیں کہ منکر ہماری امامت کا کافر ہے جب تک کہ یہ انکار اس کی دشمنی اور عداوت تک نہ پہنچے اور ہمارا قتل وخون حلال نہ ٹھہرائے۔ اور منکر کو حکم نجات کا فرمایا ہے ائمہ رض نے۔ چنانچہ کلام فاضل کاشی میں جواب ثانی میں ہے مفصل وہ روایتیں گزریں۔ اور یہ بھی دونوں فریق کی کتابوں میں مروی ہے کہ آنجناب نے اہل عبا کو فرمایا اَنَا سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمْتُمْ وَحَرْبٌ لِمَنْ حَارَبْتُمْ (میں صلح ہوں اس سے جس سے تم صلح کرو اور جنگ ہوں اس سے جس سے تم جنگ کرو) اور حرب رسول ؐ کی بلاشبہ کفر ہے بس حرب حضرت امیر رض اور ائمہ رض کی بھی کفر ہوئی۔ لیکن اہل سنت کہتے ہیں کہ اس حدیث سے حقیقت کلام کی مراد نہیں ہے بلکہ تہدید اور تغلیظ ہے ان کی لڑائی کے معاملہ میں تاکہ کوئی قصد لڑائی کا نہ کرے۔ کیونکہ لڑائی اشد گناہان کبیرہ سے ہے اس دلیل سے کہ حضرت امیر رض نے اخوت اسلامی اہل شام اور اُن کے بقائے ایمان کا حکم فرمایا کہ روایت صحیح اس کی امامیہ کے پاس موجود ہے۔ اور اگر معنے اس حدیث کے ایسے ہی ہوتے جیسے شیعہ سمجھے ہیں اور خواجہ نصیر نے ٹھہرائی تو حضرت امیر رض کا فہم غلط پر تھا جو ایسا فرمایا معاذ اللہ من ذلک۔ پس ہم کو تو پیروی حضرت امیر رض کی کرنا چاہیے نہ کہ خواجہ نصیر اور اس جیسوں کی۔ اس واسطے کہ خواجہ نصیر معصوم نہیں ہے اور حضرت امیر رض معصوم ہیں۔ خواجہ نصیر اور حضرت امیر رض سے جو کچھ فرق ہے وہ دونوں کے تابعوں میں اثر کرے گا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں کہ بالاتفاق خبر احاد ہے حرب حضرت امیر رض کو حرب رسول ؐ کہا ہے فقط۔ اور قرآن مجید میں قطعاً متواتر ہے کہ سود خوری کو حرب خدا اور رسول ؐ دونوں کہا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔	پس اگر نہیں کروگے تم تو خبردار ہو جاؤ خدا اور رسول کی لڑائی سے اور اگر توبہ کروگے تو تمہارے واسطے تمہارا مال ہے نہ تم نے ظلم کیا نہ تم ظلم کئے جاؤگے۔

اس روایت میں کیوں نہیں سمجھ خواجہ نصیر کی اس سود خور پر کہ سود سے توبہ نہ کرے حکم کفر کا کرتی ہے اور کیوں نہیں سود خوری کو بغیر توبہ کے موجبات کفر سے گنتا ہے اور گناہان کبیرہ سے مخصوص نہیں کرتا۔ ایسے ہی اور فرمایا ہے قطاع الطریق کے حق میں اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ الخ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ محارب ہیں وہ خدا و رسول ؐ کے۔ پس معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ شدید اور عظیم پر لڑائی خدا و رسول ؐ کی لازم آتی ہے اور ایمان نہیں جاتا۔ اور چونکہ یہ بحث اس مقام پر تقریبی ہے یعنی بسبب قول نصیر طوسی کے اس واسطے بنظر طوالت اس کو چھوڑ کر اصل مطلب کی طرف ہم رجوع کرتے ہیں۔

اصل منشاء اشتباہ اس فرقہ کا یہ ہے کہ معاویہ اور علاوہ اُن کے مروانی اور عباسی اپنے آپ کو خلیفہ

کہتے تھے اور لوگوں سے بھی کہلاتے تھے۔ اس واسطے کہ بظاہر مشابہت خلافت پیغمبر ؐ سے رکھتے تھے۔ مثلاً جہاد کی رسم اور شہروں کا فتح کرنا اور تیاری لشکر اور غنیمتوں کا بانٹنا اور صدقات اور حفاظت دارالاسلام کی شر کفار سے کرنا اور قلما۔ اہل سنت بھی اس لقب کو اسی مشابہت ظاہری کے سبب سے اور اس سبب سے کہ اسماء و القاب ہر فرقہ کے موافق اُن کی اصطلاح کے ہوتے ہیں اوروں کو کیا ضرورت ہے کہ اس میں پرخاش کریں اطلاق کرتے تھے۔ جیساکہ اب بھی کہ جو کوئی کربلائے معلی کو گیا اور ملا نصیر اور اخوند باقر سے کتاب شرائع کی نکال کر آتا ہے اس فرقہ کے نزدیک مجتہد کہلاتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اُس زمانہ میں لفظ خلیفہ نے ابتذال پیدا کیا تھا اس گروہ نے سمجھا کہ جو لفظ خلیفہ مرادف امام کا ہے یہ گروہ یعنی اہل سنت ان لوگوں کو بھی خلیفہ اور امام بحق جانتے ہیں یہ سب غلط فہمیاں ان کی ہیں۔ ورنہ محققین اہل سنت کے اطلاق لفظ خلیفہ سے بھی حاشا للہ پکارتے تھے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں اَلْخِلَافَةُ بَعْدِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً (خلافت میرے بعد تیس برس رہے گی) ترمذی نے سعید بن جمہان سے کہ راوی اس حدیث کا ہے نقل کی ہے۔ جب اُس سے یعنی سعید سے پوچھا کہ مروانی بھی اپنے آپ کو خلیفہ کہتے ہیں تو اُس نے کہا كَذَبَ بَنُو الزَّرْقَاءِ اِنَّمَا هُمْ مُلُوْكٌ مِّنْ شَرِّ الْمُلُوْكِ (جھوٹ کہتے ہیں بنو زرقا یعنے بنو امیہ نہیں ہیں وہ مگر بادشاہ بد ترین بادشاہوں سے)۔ اور ابوبکر بزار نے جو عمدہ ترین محدثین اہل سنت سے ہے بسند حسن ابو عبیدہ ابن الجراح رض سے روایت کی :-

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ دِيْنِكُمْ بَدَأَ نُبُوَّةً وَّرَحْمَةً ثُمَّ يَكُوْنُ خِلَافَةً وَّرَحْمَةً ثُمَّ يَكُوْنُ مُلْكًا وَّجَبْرِيَّةً۔ اِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْث۔	کہا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اول تمہارے دین کی نبوت اور رحمت ہے، پھر ہوگی خلافت اور رحمت، پھر ہوگی بادشاہت جبر کی، آخر حدیث تک۔

حاصل کلام اہل سنت کے نزدیک مقرری چیزوں سے ہے کہ امامت نے خود تیس برس کی مدت پائی۔ اور روقت صلح حضرت امام حسن رض کے کہ پندرہویں جمادی الاولیٰ ۴۱ھ کی تھی منقطع ہوگئی۔ اور ترتیب بھی خلافت کی اِن کے نزدیک جیسے کہ واقع ہوئی ہے حق اور بہتر ہے۔ وہ تقدیم کہ جس کا حق تاخیر تھا اُس تقدیم کا اُس میں دخل نہیں ہوا یعنی لوٹ پوٹ کچھ نہیں ہوئی۔ پس بعد رحلت جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیق رض امام بحق تھے چنانچہ کتاب اللہ کی دلیلیں اور قول عترت کے اس عقیدہ پر اِن کے پاس موجود ہیں۔ جیساکہ کتاب "ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا" میں ہزاروں دلیلیں قرآن اور حدیث اور اجماع امت اور اقوال عترت سے ایسے طور و طرز پر درج ہیں جن کو دانشمندوں کے کان اپنی آرائش سمجھیں

اور جو اس اسرار میں متحیر ہیں اُن کی خاطر میں سرمایہ جمعیت کا جانیں۔ مصنف اس کتاب کے پرانی دلی کے رہنے والے تھے جو آیاتِ الٰہی میں سے ایک آیت اور معجزاتِ نبوی میں سے ایک معجزہ تھے۔ میں بارہا اُن کی زیارت سے مشرف ہوا اور تقریر رنگین کے گلوں سے دامن وکنار بھرا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ لیکن اس رسالہ مختصر کے جو لائق ہے چند آیتیں قرآنی اور چند خبریں خاندانی ہیں کہ لکھی جاتی ہیں تاکہ مخالفت اِس فرقہ کے اس مسئلے میں کہ جس کو اصل الاصول قرار دیا ہے اور مدار شیعہ پنے کا اُس پر رکھا ہے، ظاہر ہو جائے وَبِاللّٰہِ الْاِسْتِعَانَۃُ وَالتَّوْفِیْقُ وَمِنْہُ یُرْجَی الْوُصُوْلُ اِلٰی سَوَاءِ الطَّرِیْقِ (یعنی اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں اور توفیق، اور اُسی سے امید رکھتا ہوں سیدھی راہ ملنے کی)۔

قرآن سے مخالفت اِس طرح کہ فرمایا خدا تعالیٰ نے۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ حاصل اِس آیت کا یہ ہے کہ وقت نزول سورۂ نور کے جو لوگ ایمان لائے تم اور نیک کام کئے تھے اُن سے وعدہ فرمایا کہ تم میں سے ایک گروہ کو ہم خلیفہ کریں گے اور زمین پر مسلط فرمائیں گے جیسے کہ تم سے پہلے گزرے ہوؤں کو خلیفہ کیا تھا، مثل داؤد علیہ السلام کے کہ جن کے حق میں فرمایا: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ (اے داؤد! ہم نے تجھ کو خلیفہ بنایا زمین میں) اور اور انبیائے بنی اسرائیل اور یہ بھی وعدہ فرمایا کہ تمہارا دین پسندیدہ اور موافق مرضی خدا کے ہے اِس کو زمین میں جگہ دیں گے یعنی جاری کرینگے اور پھیلائیں گے اور مستقر اور قوت دار کریں گے اور جو خوف کہ تمہارے دل میں ہے اُس کو امن سے بدل دیں گے یہ بھی وعدہ فرمایا پس یہ سب امور وعدۂ الٰہی میں داخل ہوتے اور قابل واقع ہونے کے ہو گئے نہیں تو وعدۂ الٰہی میں خلاف لازم آئے اور کل یہ امور سوائے زمانۂ خلفائے ثلثہؓ کے اور میں واقع نہیں ہوئے۔ کیونکہ امام مہدیؓ وقت نزول اس سورۃ کے بالاجماع موجود نہ تھے۔ اور حضرت امیرؓ اگرچہ اُس وقت موجود تھے لیکن شیعہ کے زعم میں ان کے دین کا وہ رواج کہ مرضی الٰہی اور اُس کا پسندیدہ ہے حاصل نہ ہوا۔ چنانچہ "تنزیہ الانبیاء والائمہ" میں شریف مرتضےٰ نے اس کی تصحیح کی ہے اِس طور پر کہ حضرت امیرؓ اور اُن کے شیعہ ہمیشہ اپنے دین کو چھپاتے رہے اور مخالفوں کے دین کے پردے میں ہمیشہ گزران کی اور امن کامل اور بے خوفی بھی ان کے زمانہ میں حاصل نہ تھی۔ کیونکہ اکثر شہروں میں اور دور دور کی راہوں مثل شام اور مصر اور مغرب میں منکر اُن کی امامت کے تھے، اور جب اصل امامت کو نہیں مانتے تھے تو قبول احکام کی کیا جگہ۔ اور ہمیشہ شام کی فوجوں کا خوف و ہراس ان کے عاملوں اور لشکر والوں کو

لگا ہی رہا سوائے حضرت امیرؓ کے کہ یہ اُس گروہ سے ایک فرد ہیں اور ھُم گروہ کو کہتے ہیں پس جمع کو ایک شخص پر قیاس کرنا خود خلاف اصول شیعہ کے ہے کم سے کم تین آدمی تو ہوں تب جمع ٹھیک پڑے پس حضرت امیرؓ مستثنےٰ ہیں۔

رہے اور امام کہ بعد حضرت امیرؓ کے پیدا ہوئے اُن کا کیا ذکر کہ اُس وقت ہی میں حاضر نہ تھے اور ان کا تسلط زمین میں اور ان کے دین کا رواج بزعم شیعہ واقع ہی نہ ہوا نہ امن رکھتے تھے بلکہ ہمیشہ ڈرتے چھپتے رہے۔ پس لازم آیا کہ خلفائے ثلثہؓ کو خدا کی طرف سے وعدہ خلیفہ کرنے کا تھا یہی موعود باستخلاف تھے۔ اور جو دین کہ ان کے زمانے میں رواج پایا مرضی اور پسندیدہ خدا تعالیٰ کا ہے۔ اور یہی ہے معنی خلافت حقہ کے جو مرادف امامت کے ہے۔ مُلا عبداللہ مشہدی نے بڑی تلاش سے اظہار الحق میں کہا ہے کہ "احتمال رکھتا ہے کہ خلیفہ معنی لغوی میں ہو۔ اور استخلاف لانا ایک شخص کا بعد دوسرے کے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے حق میں وارد ہوا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّھْلِکَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ (قریب ہے یہ کہ پروردگار تمہارا ہلاک کرے تمہارے دشمن کو اور خلیفہ کرے تم کو ملک میں) اور خاص معنی واسطے خلیفہ کے یہ ایک اصطلاح نئی پیدا کی ہوئی ہے بعد وفات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور شہرت اِس اصطلاح کی اُن لوگوں کے اقوال میں جنھوں نے کتابیں حدیث اور سیر اور تواریخ کی جمع کی ہیں بعد گزرنے زمانہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد ثابت ہونے امامت مسلمانوں کے موافق وجہ مخصوص معروف لکھی ہوئی کے حاصل ہو گئی۔" انتہیٰ کلامہ۔

✺ جواب اِس بات کا یہ ہے کہ ہم نے کب کہا کہ استخلاف معنی لغوی کے ساتھ کلام میں مستعمل نہیں ہے قاعدۂ اصولیہ شیعہ کا ہے کہ قرآن کے لفظوں کو حتے الامکان معانی اصطلاحیہ شرعیہ پر لگاتے ہیں نہ کہ معانی لغویہ پر۔ نہیں تو یعنے معانی لغویہ پر لگائے جائیں تو تمام شریعت برہم ہو جائے اور کوئی حکم احکام دین سے ثابت نہ ہو۔ مثلاً جس جگہ قرآن میں لفظ ایمان وارد ہوا ہے اُس کو تصدیق لغوی پر قیاس کریں اور صلوٰۃ کو دعا پر اور حج کو قصد پر، اور علیٰ ہذا القیاس۔

اب ہم اس طرف رجوع ہوتے کہ یہ معنے خلیفہ کے بھی اصطلاحی شرعی ہیں یا مستحدث (نئے نکلے ہوئے) موتفوں کے پس شیعہ کو بھی اِس مسئلہ میں حکم کیا یعنی پنچ۔ اگر چاہتے ہیں کہ تمسک ان کا اِس حدیث پر کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی بِاِنْضِمَامِ اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ (تو مجھ سے ایسا ہے جیسے ہارونؑ موسیٰؑ سے) معہ انضمام اس آیت کے خلیفہ ہو تو میرا میری قوم میں) بر صحت خلافت حضرت امیرؓ کے صورت پکڑتا ہے اور تمسک ان کا اس حدیث کے ساتھ یَا عَلِیُّ اَنْتَ خَلِیْفَتِیْ مِنْ بَعْدِیْ (اے علیؓ!

تو خلیفہ ہے بعد میرے) اسی مدعا پر قرار پاتا ہے تو ضرور سچ کہدیں گے کہ حقیقت الامر کیا ہے۔ اور یہی ثابت کرنا معنی اصطلاحی امامت کا لفظ امام سے کہ قطعاً قرآن مجید میں اِس معنے کے ساتھ مستعمل نہیں ہوا بہت دشوار پڑجائے گا۔ بلکہ معاذ اللہ نواصب دو تین آیتیں قرآن کی پڑھ کر جیسے فَقَاتِلُوا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ (پس لڑو کفر کے سرداروں سے) اور وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُونَ اِلَى النَّارِ (ہم نے ان کو ایسے امام بنایا جو آگ دنار کی طرف بُلاتے تھے) اِن آیتوں سے گواہی ڈھونڈھیں اور لفظ امام سے معنی فاسد ارادہ کریں تو اُن کا جواب کیا ہوگا۔

اور جو کوئی کہ پیروی قرآن مجید کی کرتا ہے بہ یقین جانتا ہے کہ امام ہرگز رئیس عام کے معنی میں مستعمل نہیں ہوا بلکہ بمعنے نبی اور مُرشد اور ہادی کے ہے بخلاف لفظ خلیفہ کہ اسی کے ساتھ لفظ فی الارض کا جو دلالت تصرف عام پر رکھتا ہے ہر جگہ لگا ہوا ہے۔ اور ہمارا استدلال لفظ استخلاف سے صحت خلافت خلفائے ثلثہ رض پر محض لفظ استخلاف سے نہیں ہے بلکہ استخلاف مع نسبت بجانب خدا تعالیٰ سے ہے اور جب استخلاف لغوی مسند خدا تعالیٰ کی طرف ہوئی تو عین استخلاف شرعی ہوگئی۔

اس مسئلہ میں بھی علمائے شیعہ سے فتویٰ چاہا جاتا ہے کہ بجائے فرعونیوں کے بنی اسرائیل کا قائم کرنا اور ان کو مدد دینا زمینِ مصر و شام میں بجائے عمالقہ اور آل فرعون کے حق اور صواب تھا یا باطل اور ناصواب۔ ان دونوں شقوں سے جونسی چاہیں اختیار کریں۔ اور اگر ہم ملا عبد اللہ کی خاطر سے اِن سب باتوں کو چھوڑ کر بھی مان لیں کہ استخلاف لغوی معنی میں ہے تب کیا فائدہ مدعا مُلّا کا جب بھی تو نہیں حاصل ہوتا ہے بلکہ ان کا رخنہ اور زیادہ پھیلا جاتا ہے۔ کیونکہ استخلاف لغوی ہر اُمت کو شامل ہے جو کوئی ایمان اور نیک عمل اور دین میں داخل ہے۔ اور خلفائے ثلثہ رض بھی مُلّا کے نزدیک ایماندار اور نیکوکار ہیں، پس وہ بھی اس میں داخل ہوں گے۔

شیعہ کے دیگر مدققوں نے اس آیت میں بڑی کوشش کی ہے اور انتہا ان کی کوشش کی چند توجیہیں ہیں۔ چنانچہ اوّل یہ ہے کہ آیتِ کریمہ کے صدر میں جو مِنْكُمْ ہے تبعیض کا نہیں ہے بیان کا ہے اور استخلاف کے معنے لغوی زمین میں وطن اختیار کرنا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ لفظ مِن کو بیان پر قیاس کرنا اُس صورت میں کہ وہ ضمیر پر داخل ہو جیسے کہ كُمْ ہے خلاف استعمال عرب کے ہے۔ اچھا اس کو بھی مانا لیکن قید وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی لغو ہوئی جاتی ہے کیونکہ توطن زمین کا جیسا صالح کو حاصل ہے فاسق کو بھی حاصل ہے بلکہ زیادہ تر اور خوب تر اور اس کے سوا قید ایمان کی بھی عبث ہے کیونکہ کفار کو بھی توطن زمین میں حاصل ہے اور قرآن میں کلام لغو ہونا محال ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ فقط مراد حضرت امیر رض سے ہے اور صیغہ جمع کا واسطے تعظیم امیر رض کے ہے اور اُن کی اولاد کے یعنی اور اماموں کے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ امیر رض اور اُن کی اولاد کے اماموں سے کسی ایک کو بھی خوف سے ایمنی نہ ہوتی اور نہ کسی کے دین کو استقرار حاصل ہوا۔ اِس صورت میں وعدۂ الٰہی میں خلاف لازم آتا ہے اور حالانکہ اس آیت میں بالکل خلیفہ ہونا اور اُس دین کا رواج دینا جو دین کہ پسندیدۂ الٰہی ہے اور نہ ہونا خوف کا اور وہ عبادات جو خالی شرک و ریا سے ہیں اُن کا گروہ مؤمنین اور صالحین سے وقوع میں آنا موعود ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں زمانوں بقائے اُمت سے امور مذکور واقع نہیں ہوتے ہیں اور آیت اِن وعدوں سے موعود ہے۔ پس ضرور تعین زمانہ اور اشخاص کا چاہیئے کہ مجمع ان امور کے ہوں۔ اور یہ احتمالات کہ مراد امیر رض و ائمہ رض سے ہے اِس موقع پر باطل اور لغو ہیں۔

اہلِ سنت نے اِس آیت کے مصداق کے تعین میں کہ سچے وعدۂ الٰہی پر متضمن ہے جناب مستطاب مشکل کشائے دارین یعنی حضرت ابو الحسنین رض کی طرف رجوع کی۔ اور کتاب نہج البلاغۃ میں کہ بے شک و شبہ تمام شیعوں کے نزدیک سب کتابوں میں اصح اور متواتر ہے اور خاص کلام جناب امیر رض کا ہے ڈھونڈھا اور تلاش کیا آخر کرامت اُن مظہر العجائب و غرائب کی ظاہر ہوئی اور سارا جھگڑا قطع کر دیا۔ اور ارشاد ہوا کہ وہ جماعت خلفائے ثلثہ رض ہیں اور اُن کے مددگار اور انصار اور آپ کو بھی اُس گروہ میں داخل کیا ہے۔ اب اُس کلام صدق نظام کو گوش دل سے سُننا چاہیئے اور اپنے احتمالاتِ باطل کو جو اپنی عقلِ ناقص میں گزرے ہیں الگ پھینکنا چاہیئے۔ چنانچہ نہج البلاغۃ میں مذکور ہے کہ جب عمر بن خطاب رض نے اپنے جانے کا مشورہ اہلِ فارس کی لڑائی میں جب جمع ہوتے تھے جناب امیر رض سے کیا تاکہ نیک صلاح دیں، جناب امیر رض نے اُس کے جواب میں یہ عبارت فرمائی۔

اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهٗ وَلَا خِذْلَانُهٗ بِكَثْرَةٍ وَّلَا بِقِلَّةٍ وَّهُوَ دِيْنُ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَظْهَرَهٗ وَجُنْدُهُ الَّذِيْٓ اَعَزَّهٗ وَاَيَّدَهٗ حَتّٰى بَلَغَ مَا بَلَغَ وَطَلَعَ حَيْثُ طَلَعَ وَنَحْنُ عَلٰى مَوْعُوْدٍ مِّنَ اللّٰهِ حَيْثُ قَالَ عَزَّ اسْمُهٗ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ

بیشک یہ وہ دین ہے کہ نصرت اور بے نصرتی اُس کی کثرت اور قلت پر نہیں ہے اور یہ وہ دین خدا کا ہے کہ خدا نے اُس کی مدد کی ہے اور وہ فوج ہے اُس کی کہ اُس کو خدا نے عزت دی ہے اور مدد کی ہے یہاں تک کہ پہنچا جہاں تک پہنچا اور ظاہر ہوا جیسا کچھ ظاہر ہوا اور ہم خدا کے وعدے پر ہیں، چنانچہ اُس بزرگ نام والے نے فرمایا وعدہ کرتا ہے اللہ اُن لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نکوکار ہیں یہ کہ ضرور ضرور خلیفہ کرے وہ اُن کو زمین میں جیسے کہ خلیفہ کیا تھا اُس نے اُن لوگوں کو جو تم سے پہلے ہو گئے اور ضرور ضرور جگہ دے اُن کے دین کو جو پسند کیا اُن کے واسطے اور بدلے

مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا وَاللّٰهُ مُنْجِزٌ وَعْدَهُ وَنَاصِرٌ جُنْدَهُ وَمَكَانُ الْقَيِّمِ مِنَ الْاِسْلَامِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ فَاِنِ انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ وَرُبَّ مُتَفَرِّقٍ لَمْ يَجْتَمِعْ وَالْعَرَبُ الْيَوْمَ وَاِنْ كَانُوْا قَلِيْلًا فَهُمْ كَثِيْرُوْنَ بِالْاِسْلَامِ وَعَزِيْزُوْنَ بِالْاِجْتِمَاعِ فَكُنْ قُطْبًا وَاسْتَدِرِ الرَّحٰى بِالْعَرَبِ وَاَصْلِهِمْ دُوْنَكَ نَارَ الْحَرْبِ فَاِنَّكَ اِنْ شَخَصْتَ مِنْ هٰذِهِ الْاَرْضِ انْتَقَضَتْ عَلَيْكَ الْعَرَبُ مِنْ اَطْرَافِهَا وَاَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ مَا تَدَعُ وَرَاءَكَ مِنَ الْعَوْرَاتِ اَهَمَّ اِلَيْكَ مِمَّا بَيْنَ يَدَيْكَ وَكَاَنَّ قَدْ اِنَّ الْاَعَاجِمَ اِنْ يَّنْظُرُوْا اِلَيْكَ غَدًا يَقُوْلُوْا هٰذَا اَصْلُ الْعَرَبِ فَاِذَا قَطَعْتُمُوْهُ اسْتَرَحْتُمْ فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ اَشَدَّ لِكَلَبِهِمْ عَلَيْكَ وَطَمَعِهِمْ فِيْكَ فَاَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ مَسِيْرِ الْقَوْمِ اِلٰى قِتَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ هُوَ اَكْرَهُ لِمَسِيْرِهِمْ مِنْكَ وَهُوَ اَقْدَرُ عَلٰى تَغْيِيْرِ مَا يَكْرَهُ وَاَمَّا مَا ذَكَرْتَ مِنْ عَدَدِهِمْ فَاِنَّا لَمْ نَكُنْ نُقَاتِلُ فِيْمَا مَضٰى بِالْكَثْرَةِ وَاِنَّمَا كُنَّا نُقَاتِلُ بِالنَّصْرِ وَالْمَعُوْنَةِ۔ اِنْتَهٰى بِلَفْظِهِ الْمُقَدَّسِ۔

خوف کو امن سے۔" اور وہ اللہ اپنے وعدے کا پورا کرنے والا ہے، اور مددگار ہے اپنے لشکر کا، اور جگہ رئیس اسلام کی ایسی ہے جیسے ڈورے میں جگہ نگینوں کی پس اگر ڈورا ٹوٹ جائے سب بکھر جائیں اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ بکھرے ہوئے پھر جمع نہیں ہوتے، اور قوم عرب اگرچہ اس وقت تھوڑے ہیں لیکن بنظر قوت اسلام کے بہت ہیں اور غالب ہیں بزور اجتماع کے۔ پس تم مثل کیلے چکی کے اپنے ٹھکانے پر رہو اور عرب سے اس چکی کو چلنے دو اور انہی کو لڑائی کی آگ میں ڈالو نہ اپنے کو، پس اگر تم اٹھو گے اس زمین سے تو عرب تم پر ٹوٹ پڑیں گے اطراف وجوانب سے اس وقت تم کو اس سے جو معاملہ تمہارے سامنے ہوگا یہ ضرور تر ہو جائے گا جو اپنے پیچھے یہاں عورات وغیرہ سے چھوڑ جاؤ گے اور گویا یہ بات بھی ہوئی رکھی ہے کہ کل کو اگر عجمیوں نے تم کو دیکھا تو ضرور کہیں گے کہ یہی جڑ عرب کی ہے پس اسی کو اکھیڑ ڈالو تاکہ چین سے ہو جاؤ۔ اس صورت میں یہ جنبش تمہاری ان کی دلیری کی باعث ہوگی اور طمع کی تم پر اور تمہاری ذات میں اور جو یہ کہتے ہو کہ قوم عجم مسلمانوں سے لڑنے کو روانہ ہوئی ہے تم سے زیادہ خدا تعالیٰ کو ان کی روانگی ناپسند ہوگی، اور جو چیز اس کو ناپسند ہو اس کے بدل دینے پر وہ نہایت قادر ہے، اور جو ان کے شمار کا ذکر کرتے ہو تو ہم نے زمانہ گزشتہ میں کثرت کے زور سے لڑائیاں نہیں لڑی ہیں سوا اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد کے، انتہیٰ بلفظ عبارت مقدس جناب امیرؓ کی۔

اور اس عبارت سراسر ہدایت سے سب مشکلیں حل ہوگئیں پوری پوری تسکین ہوگئی اور صدق وعدۂ الٰہی کا ظاہر ہوگیا، اور اللہ کا شکر ہے۔

وقولہ تعالیٰ :-

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔

کہہ عرب جو پیچھے رہے ہوئے ہیں، اب بلائے جاؤ گے تم اس قوم کی طرف جو قوی جنگ والے ہیں، لڑو گے تم ان سے یا مسلمان ہوں گے، پس اگر تم اطاعت کرو گے خدا تعالیٰ اجر نیک تم کو دے گا اور اگر پھر جاؤ گے جیسے اس سے پہلے پھر گئے تو خدا تعالیٰ تم پر دکھ والا عذاب کرے گا۔

اس آیت میں بعض قبائل اعراب کے مخاطب ہیں۔ جیسے اسلم اور جہینہ اور مزینہ اور غفار اور اشجع کہ سفر حدیبیہ میں جنہوں نے رفاقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ کی۔ اور شیعہ سنّی دونوں طرف کے مورخوں کا اتفاق ہے کہ بعد نزول اس آیت کے کوئی لڑائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پھر ایسی نہیں ہوئی کہ اس میں اعراب کو دعوت کی ہو مگر غزوۂ تبوک اور وہ غزوہ ضرور اس آیت سے مراد نہیں ہے کیونکہ فرمایا ہے کہ "تم اپنے حریفوں سے لڑو گے یا اسلام لائیں گے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ کوئی اور لڑائی ہے، یہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ تبوک کی لڑائی میں دونوں باتوں سے ایک بھی وقوع میں نہیں آئی، نہ لڑائی نہ مخالفوں کا مسلمان ہونا۔ پس ضروری ہے کہ اس کا داعی کوئی خلیفہ ہے خلفائے ثلثہؓ میں سے کہ ان کے وقت میں دعوت قتال مرتدوں کی نسبت اعراب کے واقع ہوئی خلیفۂ اولؓ کے زمانہ میں، اور واسطے لڑائی اہل فارس اور روم کے ان کے زمانہ میں بھی اور خلیفۂ ثانیؓ کے زمانہ میں بھی۔ پس ہر طرح پر خلافت خلیفۂ اولؓ کی صحیح ہوئی۔ کیونکہ ان کی اطاعت اور قبول دعوت پر وعدہ اجر نیک کا ہے اور پھر جانے پر وعید عذاب الیم کی مرتب کی ہے۔ اور جو کوئی واجب الاطاعت ہوا امام ہے۔

اس آیت میں شیخ ابن مطہر حلّی نے بہت ہاتھ پاؤں مار کر ایک جواب نکالا ہے کہ داعی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور غزوات میں کہ ان میں لڑائی بھی واقع ہوئی ہو دعوت کی ہو، لیکن یہ بات کہیں منقول نہ ہوئی ہو۔ اس جواب کی رکاکت پوشیدہ نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اخبار اور سیر اور تواریخ کے مقدمہ میں احتمالات پر تمسک کرنا عقلمندوں کی شان نہیں ہے۔ اور جو احتمالی مقدموں پر تمسک ہو تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بعد غدیر خم کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امامت حضرت علیؓ کو موقوف کرکے نص امامت صدیقؓ پر کی ہو اور لوگوں کو اس کام پر تاکید اور کوشش کی ہو لیکن منقول نہ ہوئی ہو، علیٰ ہذا القیاس۔

بعض شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ داعی ہیں واسطے لڑائی عہد شکنوں اور بدکاروں اور مرتدوں کے۔ اس جواب میں جو کچھ ہے پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ لڑائی حضرت امیرؓ کی واسطے اسلام کے نہ تھی بلکہ محض

واسطے انتظام امامت کے تھی۔ اور عرف قدیم و جدید سے کسی میں ہرگز منقول نہیں کہ اطاعتِ امام کو اسلام اور مخالفت اُس کی کو کفر کہتے ہوں۔ اور اس کے ساتھ یہ کہ خود شیعہ نے روایاتِ صحیحہ کے ساتھ نقل کی ہے کہ جنابِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے امیرؓ کے حق میں فرمایا اِنَّكَ يَا عَلِيُّ تُقَاتِلُ عَلٰى تَأْوِيْلِ الْقُرْاٰنِ كَمَا قَاتَلْتُ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ (بیشک تم اے علیؓ! لڑو گے تاویل قرآن پر جیسے کہ ہم لڑے ہیں اُس کے نازل ہونے پر) اور ظاہر ہے کہ لڑائی تاویلِ قرآن پر بعد نازل ہو لینے قرآن کے اُس کے مخالفین سے ہوگی۔ اور نازل ہونے قرآن کو بدونِ اسلام کے مان لینا معقول نہیں بلکہ ماننا عین اسلام ہے۔ پس لڑائی تاویل قرآن کی مقاتلہ اسلام پر جمع نہیں ہو سکتی، اور یہ بات خوب ظاہر ہے۔ قولہ تعالیٰ:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

اے ایمان والو! جو کوئی پھر جائیگا تم میں سے اپنے دین سے تو قریب لائیگا اللہ وہ قوم کہ دوست رکھتا ہو وہ اُن کو اور دوست رکھتے ہیں وہ اُس کو دبنے والے مومنوں سے اور دبانے والے کافروں کو لڑتے ہیں وہ اللہ کی راہ میں اور نہیں ڈرتے ہیں ملامت سے کسی ملامت کرنے والے کے یہ فضل اللہ تعالیٰ کا ہے دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے اور اللہ فراغ کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

فائدہ۔ اِس آیت میں مدح اُن لوگوں کی ہے جنھوں نے قتل مُرتدوں کا کیا ایسے کمال اوصاف کے ساتھ کہ اِس صفت و اوصاف سے بڑھ کر اصطلاحِ قرآن میں دوسری چیز نہیں ہے۔ اوّل قرب و منزلت اور معاملہ اُن کا خدا کے ساتھ کہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ فرمایا ہے جس سے محبوب اور مُحبّ خدا کے ہوئے۔ دوسرے معاملہ اُن کا ساتھ مومنوں کے۔ تیسرے معاملہ اُن کا ساتھ کافروں کے۔ چوتھے معاملہ اُن کا منافقوں اور ضعیف الایمان لوگوں کے ساتھ۔ اور ظاہر ہے کہ امام کو معاملہ یا خالق کے ساتھ ہے یا خلق کے، اور خلق مومن ہے یا کافر یا منافق یا ضعیف الایمان۔ اور جب امام چاروں معاملوں میں پسندیدۂ خدا ہوا اور ٹھیک نکلا تو وہی امام بحق ہے، اسی واسطے اِن اوصاف کو نہایت پسند فرما کر ارشاد کیا ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

لڑائی مُرتدوں کی بالاتفاق خلیفۂ اوّلؓ اور اُن کے تابعین سے واقع ہوئی اس لئے کہ آخری زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں تین گروہ مُرتد ہوئے۔ اوّل بنو مدلج قوم اسود عنسی ذوالخمار جس نے یمن میں دعوٰی نبوت کا کیا اور فیروز دیلمی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ دوسرے بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب کے ساتھی کہ زمانِ خلافتِ خلیفۂ اوّل میں وحشی قاتل امیر حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تیسرے بنو اسد قوم طلیحہ بن خولید متنبّی کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کو ان کے خلاف بھیجا تھا اور وہ خالدؓ کے سبب سے شام کو بھاگ گیا

تھا اور آخر میں ایمان لایا۔

اور خلیفۂ اوّل کے زمانہ میں سات گروہ مُرتد ہوئے۔ اوّل بنو فزارہ قوم عُیینہ بن حصن۔ دوم بنو غطفان قوم قُرہ بن سَلمہ۔ سوم بنو سُلیم قوم ابن عبدیالیل۔ چہارم بنو یربوع قوم مالک بن نُویرہ۔ پنجم بعضے بنو تمیم قوم سجاح بنت المنذر متنبّیہ زوجۂ مسیلمہ کذاب۔ ششم بنو کندہ قوم اشعث بن قیس کندی۔ ہفتم بنو بکر بحرین میں۔ اور ایک فرقہ خلیفۂ ثانیؓ کے زمانہ میں بھی مُرتد ہو کر نصاریٰ میں مل گیا تھا۔ اور ان سب فرقوں سے ہر ایک کو خلیفۂ اوّل نے جڑ بنیاد سے کھود کر پھینک دیا اور پھر اسلام میں لائے، جیسا کہ مؤرخین اس امر پر متفق ہیں۔ اور حضرت امیرؓ کو مُرتدوں کے قتل کا کبھی اتفاق نہیں پڑا۔ بلکہ خود فرمایا ہے اُبْتُلِيْتُ بِقِتَالِ اَهْلِ الْقِبْلَةِ (مُبتلا کیا گیا میں اہلِ قبلہ کی لڑائی میں) جیسے کہ یہ روایت امامیہ نے اپنی کتابوں میں کی ہے پس سمجھ لے۔

اور اگر امامیہ یہ کہیں کہ اُنھوں نے انکار امامت کا کیا تھا اس سبب سے وہ بھی مُرتد ہیں، تو ہم یہ کہیں گے کہ عُرفِ جدید و قدیم میں اصل دین کے منکر کو مُرتد کہتے ہیں۔ اور اگر عقائدِ اسلام سے کسی چیز کا اپنے باطن کی تاویل سے منکر ہو اُس کو مُرتد کہنا عُرف میں جاری نہیں ہے۔ اور قیاس قرآن کے معنوں کا بالاتفاق لُغت کے عُرفی معنے پر ہے نہ کہ اصطلاحی معنے پر کہ ایک قوم کے سوائے دوسری قوم کے ہے پھر اپنی اپنی اصطلاح۔ اور اُس کے ساتھ قید لفظ عَنْ دِيْنِكُمْ کی ہے جس سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ انکار مُرتدوں کا تمام اصل دین سے ہو نہ کہ اُس کے ایک مسئلہ سے ہو جو مسائل دین سے ہے۔ اور زکوٰۃ روکنے والوں کو جو خلیفۂ اوّلؓ کے عہد میں مُرتد کہا ہے اِس سبب سے ہے کہ وہ لوگ منکر واجب ہونے زکوٰۃ کے تھے اور جو کوئی منکر ضروریاتِ دین کا ہو گویا وہ منکر اصل دین کا ہے۔ اور امامت موافق اقرار علمائے شیعہ کے ضروریاتِ دین سے نہیں ہے جس کے انکار سے کافر یا مُرتد ہو جائے۔ چنانچہ دوسرے باب میں کلام فاضل کاشی سے از روئے روایات کافی وغیرہ کے گزرا۔ اور مُلّا عبداللہ جس کی "اظہار الحق" ہے سوال و جواب لایا ہے کہ اِس بحث سے بہت مطابق ہیں۔ چنانچہ کہا ہے کہ اگر کوئی کہے حضرت مرتضیٰؓ کی خلافت میں کہ اگر نص صریح نہیں ہوتی تو امامیہ کاذب ہیں اور اگر نص ثابت ہوئی تو چاہیئے کہ وہ جماعت جنھوں نے مسئلہ خلافت میں مخالفت کی مُرتد ہوتے ہوں۔ اور جواب اِس بحث کا اِس عبارت میں لکھا ہے کہ جس نص کا انکار کہ موجب کفر ہے وہ یہ ہے کہ جس امر میں وہ نص واقع ہے اُس امر منصوص کو باطل اعتقاد کریں، اور خدا بچائے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس تنصیص میں کوئی جھٹلائے۔ اور اگر نص کو تو حق جانا مگر دنیا کی غرضوں اور جاہ و مرتبے کی محبت سے ترک کیا عمل میں نہ لایا تو فسق و عصیان کی قسم سے ہوگا۔ مثلاً زکوٰۃ دینا کہ باتفاقِ اُمّت کے واجب ہے اور

قرآن و حدیث میں منصوص پس اگر کوئی منکر اُس کا ہو اور اُس کے ادا کو واجب نہ جانے وہ مُرتد ہوگا اور اگر معتقد اُس کا ہو اور اُس کے ادا کو واجب جانے مگر بُخل اور محبتِ زر کی وجہ سے نہ دے اور اپنے ذمے رکھے عاصی ہوگا۔ اور جو لوگ کہ خلیفۂ اوّلؓ کی خلافت پر متفق ہوتے وہ نہیں کہتے تھے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نص کی ہے لیکن یہ جھوٹ کہا بلکہ بعض اوقات بعض لوگ منکر تحقق نص کے ہوجاتے تھے اور بعض کلامِ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں تاویل دُور از کار کرتے تھے۔" بس یہاں تک ترجمہ کلام مُلّا عبداللہ کا بلفظہٖ ختم ہوا۔

اور یہ بھی ہے کہ حضرت امیرؓ نے اپنے خطبے میں جو امامیہ کے نزدیک بطریق صحیح روایت کیا ہوا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ آتا ہے فرمایا ہے :-

اَصْبَحْنَا نُقَاتِلُ اِخْوَانَنَا فِی الْاِسْلَامِ عَلٰی مَا دَخَلَ فِیْهِ مِنَ الزَّیْغِ وَالْاِعْوِجَاجِ وَالشُّبْهَةِ وَالتَّاْوِیْلِ۔	ہم وہ ہوئے کہ اپنے بھائی مسلمانوں سے لڑتے ہیں اس بات پر کہ اسلام میں بے راہی اور کجی اور شبہ اور تاویل داخل ہوگئی ہے۔

اور حضرت امیرؓ نے اُن لوگوں کی دُشنام دہی کو بھی جو آپؓ سے لڑتے تھے سخت منع فرمایا ہے جیسا کہ رضی نہج البلاغۃ میں لایا ہے۔ اور دُشنام مرتدوں کی ممنوع عنہ نہیں ہے۔

اگر ہم اِن سب باتوں کو جانے دیں اور مان لیں کہ حضرت امیرؓ بھی اپنے وقت میں مُرتدوں سے لڑے ہیں لیکن مرتدوں زمانہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفۂ اوّلؓ سے کہ یہ بھی ان کے مقاتل اور دافع تھے اور وہ مقاتل اور دافع بھی اس مدح میں شریک ہیں کہ اس سے بھی مدعا ثابت ہوتا ہے کیونکہ قاعدۂ اصولیہ مقرر ہے کہ حرف مَنْ جو شرط و جزا کے مقام میں واقع ہوتا ہے جیسا کہ اس مثال میں یعنی مَنْ دَخَلَ حِصْنًا كَذَا فَلَهُ كَذَا تصریح کی ہے اور کہا ہے بس اس آیت میں جو کوئی مُرتد ہوگا اُس کے واسطے ایک قوم موصوف بدیں صفات پیدا ہوگی۔ اور جو خلیفۂ اوّلؓ کے زمانہ میں ارتداد بکثرت اور شدت واقع ہوا اگر کوئی قوم موصوف بدیں صفات اُن کے مقابلہ میں موجود نہ ہو بلکہ خود بھی مُرتد مثل اُن مرتدوں کے ہو تو وعدۂ الٰہی میں خلاف لازم آئے۔ اب تعین اُس قوم سے جو اُس زمانہ میں تھی گفتگو ہے کہ وہ کون لوگ ہوئے ہیں۔ حضرت امیرؓ تو بے شبہ اِن کی اور اُن کی مدافعت میں قائم نہیں ہو سکتے۔ پس ضرور ہے کہ کوئی اور ہی ہوگا نہ یار و رفیق اور لشکر والے حضرت امیرؓ کے موصوف بدیں صفات مذکورہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سابق باب اسلاف شیعہ میں گزرا کہ جناب امیرؓ ان کی شکایت کرتے رہے جیسا کہ نہج البلاغۃ سے منقول ہے۔ اور اگر اُس مضمون کی تاکید میں اور عبارتیں حضرت امیرؓ کی ہم نہج البلاغۃ سے لائیں تو مناسب ہے تاکہ یہ رسالہ اُن کے

کلام کی برکت سے بخوبی زیب و زینت پائے اور سُننے والوں کو بھی اُس عبارت ہدایت اشارت سے فائدہ بر فائدہ ہو هُوَ الْمِسْكُ مَا كَرَّرْتَهٗ يَتَضَوَّعُ (وہ مُشک ہے جس قدر اُس کی تکرار کرے گا خوشبو ہی دے گا)

نہج البلاغۃ میں مذکور ہے کہ جناب امیرؓ نے اپنے یاروں کی شکایت میں کہ دعوت اُن کی نہیں مانتے تھے اور وعظ و نصیحت کو گوشِ قبول سے نہیں سُنتے تھے، یہ عبارت سراسر ہدایت ارشاد فرمائی ہے :-

اَمَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیَظْهَرَنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ عَلَیْكُمْ لَا اَنَّهُمْ اَوْلٰی بِالْحَقِّ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لِاِسْرَاعِهِمْ اِلٰی بَاطِلِ صَاحِبِهِمْ وَاِبْطَائِكُمْ عَنْ حَقِّیْ وَلَقَدْ اَصْبَحَتِ الْاُمَمُ تَخَافُ ظُلْمَ رُعَاتِهَا وَاَصْبَحْتُ اَخَافُ ظُلْمَ رَعِیَّتِیْ اسْتَنْفَرْتُكُمْ لِلْجِهَادِ فَلَمْ تَنْفِرُوْا وَاَسْمَعْتُكُمْ فَلَمْ تَسْمَعُوْا وَدَعَوْتُكُمْ سِرًّا وَجَهْرًا فَلَمْ تَسْتَجِیْبُوْا وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَلَمْ تَقْبَلُوْا اَشُهُوْدٌ كَغُیَّابٍ وَعَبِیْدٌ كَاَرْبَابٍ اَتْلُوْ عَلَیْكُمُ الْحِكَمَ فَتَنْفِرُوْنَ وَاَحُثُّكُمْ عَلٰی جِهَادِ اَهْلِ الْبَغْیِ فَمَا اٰتِیْ عَلٰی اٰخِرِ قَوْلِیْ حَتّٰی اَرَاكُمْ مُتَفَرِّقِیْنَ اَیَادِیَ سَبَا تَرْجِعُوْنَ اِلٰی مَجَالِسِكُمْ وَتَتَخَادَعُوْنَ عَنْ مَوَاعِظِكُمْ اُقَوِّمُكُمْ غُدْوَةً وَتَرْجِعُوْنَ اِلَیَّ عَشِیَّةً كَظَهْرِ الْحَیَّةِ عَجَزَ الْمُقَوِّمُ وَاَعْضَلَ اَیُّهَا الشَّاهِدَةُ اَبْدَانُهُمْ الْغَائِبَةُ عَنْهُمْ عُقُوْلُهُمْ الْمُخْتَلِفَةُ اَهْوَاؤُهُمْ الْمُبْتَلٰی بِهِمْ اُمَرَاؤُهُمْ صَاحِبُكُمْ یُطِیْعُ اللّٰهَ وَاَنْتُمْ تَعْصُوْنَهٗ وَصَاحِبُ اَهْلِ الشَّامِ یَعْصِی اللّٰهَ وَهُمْ یُطِیْعُوْنَهٗ لَوَدِدْتُ وَاللّٰهِ اَنَّ مُعَاوِیَةَ صَارَفَنِیْ بِكُمْ صَرْفَ الدِّیْنَارِ بِالدِّرْهَمِ فَاَخَذَ مِنِّیْ عَشَرَةً مِنْكُمْ وَاَعْطَانِیْ رَجُلًا مِنْهُمْ	قسم ہے اُسکی جس کے قبضے میں میری ذات ہے ضرور غالب ہوں گے یہ گروہ تم پر نہ اس سبب سے کہ وہ تم سے بڑھ کر حق پر ہیں لیکن اس سبب سے کہ وہ اپنے رئیس کے امر باطل میں تیز و چست ہیں اور تم میرے امر حق میں سُست ہو۔ اور حالانکہ صبح کرتے ہیں وہ گروہ اس حال میں کہ ڈرتے ہیں اپنے سرداروں کے ظلم سے اور میں صبح کرتا ہوں اس حال میں کہ ڈرتا ہوں رعیت کے ظلم سے میں نے تم کو جہاد کے واسطے روانہ کرنا چاہا سو تم نہیں گئے۔ اور نصیحت سنائی میں نے تم کو وہ تم نے نہ سنی اور بُلایا میں نے تم کو ظاہر اور پوشیدہ وہ بھی تم نے نہ مانا اور خیر خواہی کی میں نے تمہاری سو وہ بھی تم نے قبول نہ کی۔ ہو تم حاضر گویا غائب ہو اور غلام ہو مثل مالک کے۔ میں تمہارے سامنے حکمت کی باتیں بیان کرتا ہوں اور تم بھاگتے ہو اور ترغیب کرتا ہوں باغیوں کے جہاد پر سو میری بات پوری نہیں ہونے پاتی کہ تم کو متفرق دیکھتا ہوں جیسے سلطنت سبا اُجڑی تھی اور تم جاکر بیٹھتے ہو مجلسوں میں اور فریب بازی کرتے ہو اپنی نصیحتوں سے۔ میں صبح کو تمہیں سیدھا کرتا ہوں اور تم شام کو میرے پاس ایسے لوٹتے ہو جیسے کہ ٹیڑھا سانپ کہ سیدھا کرنے والا بھی عاجز ہوگیا، کہاں تک سیدھا کرے اور تم وہ لوگ ہو کہ بدن تو تمہارے حاضر ہیں اور عقلیں تمہاری غائب ہیں اور پریشان ہیں خواہشیں تمہاری، بلا میں گرفتار ہے تم سے تمہارا امیر اور امیر تمہارا خدا کی اطاعت کرتا ہے اور تم اُس کی نافرمانی کرتے ہو، اور سردار اہل شام کا خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور وہ اُس کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ خدا کی قسم مجھ کو یہ آرزو ہے کہ معاویہ معاملہ صرافی میری ساتھ تمہارے اوپر کرے مثل بیچنے دینار کے عوض دراہم اور مجھ سے تم میں سے دس آدمی لے اور مجھ کو ایک آدمی دے اُن میں سے، انتہیٰ۔

اور جب دونوں عامل امیرؓ کے عبید اللہ بن عباسؓ اور سعید بن عمرانؓ لوٹ آئے۔ اور تسلط بسر بن ارطاۃ کا کہ امرائے معاویہؓ میں سے تھا اُس ملک پر بیان کیا اور یہ حادثہ اس سبب سے وقوع میں آیا کہ جناب امیرؓ کی طرف سے کمک نہ پہنچی، اور آپ نے پہلے سے یمن کے عاملوں کو اس امداد کی بہت تاکید فرمادی تھی، لشکر والوں نے ہرگز نہ سُنی یہاں تک کہ کام ہاتھ سے نکل گیا اور عامل اُٹھ آئے اُس وقت یہ فرمایا ہے:۔

أُنْبِئْتُ أَنَّ بُسْرًا قَدِ اطَّلَعَ الْيَمَنَ وَإِنِّي وَاللهِ لَأَظُنُّ أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ سَيُدَالُونَ مِنْكُمْ بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلٰى بَاطِلِهِمْ وَتَفَرُّقِكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ وَبِمَعْصِيَتِكُمْ إِمَامَكُمْ فِي الْحَقِّ وَطَاعَتِهِمْ إِمَامَهُمْ فِي الْبَاطِلِ وَبِأَدَائِهِمُ الْأَمَانَةَ إِلٰى صَاحِبِهِمْ وَخِيَانَتِكُمْ وَبِصَلَاحِهِمْ فِي بِلَادِهِمْ وَفَسَادِكُمْ فَلَوِ ائْتَمَنْتُ أَحَدَكُمْ عَلٰى قَعْبٍ لَخَشِيتُ أَنْ يَذْهَبَ بِعِلَاقَتِهِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي قَدْ مَلِلْتُهُمْ وَمَلُّونِي وَسَئِمْتُهُمْ وَسَئِمُونِي فَأَبْدِلْنِي بِهِمْ خَيْرًا مِنْهُمْ وَأَبْدِلْهُمْ بِي شَرًّا مِنِّي اَللّٰهُمَّ مُثْ قُلُوبَهُمْ كَمَا يُمَاثُ الْمِلْحُ بِالْمَاءِ لَوَدِدْتُ وَاللهِ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ أَلْفَ فَارِسٍ مِنْ بَنِي فِرَاسِ بْنِ غَنْمٍ، لَوْ دَعَوْتَ أَتَاكَ مِنْهُمْ فَوَارِسُ مِثْلُ أَرْمِيَةِ الْحَمِيمِ۔

خبر پائی میں نے کہ بیشک بُسر نمودار ہوا یمن میں اور میں بخدا گمان کرتا تھا کہ وہ قوم تم پر فتحیاب ہوگی اس سبب سے کہ وہ اپنے باطل پر خوب جمع ہے اور تم اپنے حق سے پراگندہ ہو بسبب نافرمانی اپنے امام برحق کی، اور وہ اطاعت اپنے امام باطل کی کہ وہ پوری خیر خواہی اپنے سردار کی ادا کرتے ہیں اور دغا بازی تمہاری اور بسبب اُن کی نیک چلنی کے شہروں میں اور تمہارے فساد کے، پس اگر امانت چھوڑوں تم میں سے کسی کے پاس پیالہ تو ڈرتا ہوں کہ دستارلے جائے بار خدایا! بیشک تنگ ہوا میں اُن سے اور تنگ ہوئے وہ مجھ سے اور سیر ہوا میں اُن سے اور وہ مجھ سے، پس بدل دے مجھ کو ان سے بہتر اور بدل دے اُن کو مجھ سے بدتر، بار خدایا گُھلا ان کے دلوں کو ایسا جیسے نمک پانی میں گُھل جاتا ہے، بخدا آرزو رکھتا ہوں کہ تمہارے بدلے کاش میرے پاس ہزار سوار ہوتے فراس بن غنم سے۔ اگر بلاتا تو اُن کو پہنچتے ان سے سوار مثل حباب آب گرم کے۔

نیز دوسرے خطبہ میں کہ تھوڑا اُس سے باب سوم میں گزرا، فرماتے ہیں:۔

وَايْمُ اللهِ إِنِّي لَأَظُنُّ بِكُمْ أَنْ لَوْ حَمِسَ الْوَغٰى وَاسْتَحَرَّ الْمَوْتُ قَدِ انْفَرَجْتُمْ عَنِ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ انْفِرَاجَ الرَّأْسِ۔

قسم کھاتا ہوں خدا کی کہ میں تم پر گمان کرتا ہوں کہ اگر گرم ہو جنگ اور موت شتابی کرے بیشک الگ ہو جاؤ گے تم ابن ابی طالب سے مثل الگ ہو جانے سر کے بالوں کے۔

نیز دوسرے خطبہ میں فرمایا:۔

أَحْمَدُ اللهَ عَلٰى مَا قَضٰى مِنْ أَمْرٍ وَقَدَّرَ

حمد کرتا ہوں میں خدا کی جو کچھ اُس نے حکم اور تقدیر فرمائی

مِنْ فِعْلٍ وَعَلَى ابْتِلَائِي بِكُمْ أَيَّتُهَا الْفِرْقَةُ الَّتِي إِذَا أَمَرْتُ لَمْ تُطِعْ وَإِذَا دَعَوْتُ لَمْ تُجِبْ ثُمَّ قَالَ بَعْدَ كَلَامٍ وَإِنِّي لَصَحِبْتُكُمْ قَالٍ وَبِكُمْ غَيْرُ كَثِيرٍ

چاہے جو معاملہ ہوا اور اس بات پر کہ مجھ کو تمہارے ساتھ مبتلا کیا کہ تم وہ گروہ ہو کہ جب تم کو حکم کرتا ہوں تو تم نہیں مانتے اور جو بلاتا ہوں قبول نہیں کرتے، پھر فرمایا بعد کلام کے کہ میں تمہاری صحبت سے بیزار ہوں اور تم سے کثرت نہیں رکھتا۔

اور جب حضرت امیرؓ کو خبر پہنچی کہ معاویہ کے لشکر نے شہر انبار کو لوٹ لیا تو بنفس نفیس پیادہ دولتخانہ سے چل دیئے اور نخیلہ تک کہ شہر کوفہ کے باہر ہے پہنچے۔ بعض اصحاب پیچھے سے دوڑے آئے اور عرض کیا یَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ نَحْنُ نَكْفِيكَهُمْ (ہم کفایت کریں گے تمہاری طرف سے اُن کو) پس فرمایا:۔

وَاللهِ مَا تَكْفُونَنِي أَنْفُسَكُمْ فَكَيْفَ تَكْفُونَنِي غَيْرَكُمْ إِنْ كَانَتِ الرَّعَايَا لَتَشْكُو حَيْفَ رُعَاتِهَا فَإِنِّي أَشْكُو حَيْفَ رَعِيَّتِي كَأَنَّنِي الْمَقُودُ وَهُمُ الْقَادَةُ أَوِ الْمَوْزُوعُ وَهُمُ الْوَزَعَةُ فَتَقَدَّمَ إِلَيْهِ رَجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ أَحَدُهُمَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَمُرْنَا بِأَمْرِكَ نُنْفِذْ لَهُ فَقَالَ وَأَيْنَ تَقَعَانِ مِمَّا أُرِيدُ۔

قسم ہے خدا کی کہ تم مجھ سے اپنے نفس کی خبرداری میں کافی نہیں ہوتے پھر کیونکر کافی ہوگے دوسری کام میں اگر ہوتی رعایا کہ شکایت کرتی ہے اپنے سرداروں کی میں وہ ہوں کہ شکایت کرتا ہوں اپنی رعیت کے ظلم سے گویا کہ میں تابع ہوں اور یہ میری رہبر یا میں ہوں تعین شدہ اور یہ ہیں تعین کرنے والے پھر بڑھے اُن کی طرف دو آدمی اُن کے اصحاب سے اور کہا ایک نے اے امیر المومنینؓ میں اپنے اوپر اور اپنے بھائی پر اختیار رکھتا ہوں سوا ان کے اور کسی پر نہیں رکھتا ہوں پس حکم کرو ہم کو اپنے حکم سے کہ ہم اُس کی اطاعت کریں سو فرمایا کہ میں جو ارادہ رکھتا ہوں اُس میں تم دونوں کو کہاں رکھوں۔

اِس قسم کے کلام ارشاد نظام جناب امیرؓ کے بہت ہیں اور سب نہج البلاغۃ میں کہ شیعہ کے نزدیک اصح اور کُتب متواترات سے ہے موجود ہیں کسی شخص کو ان باتوں سے موقع انکار کا نہیں ہے۔

اور اس کلام صادق سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ وہ صفتیں جو مرتدوں کے مقاتلین کی حق تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں اُن صفتوں کی ضدیں حضرت امیرؓ کے لشکر والوں میں تھیں۔ وہ خائن اور سارق تھے اور إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ (اللہ تعالیٰ خائنوں کو دوست نہیں رکھتا ہے) اور مفسد تھے اور إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ (اللہ تعالیٰ مفسدوں سے محبت نہیں کرتا)۔ اور پیروی اور اطاعت اولوالامر کی کہ نتیجہ محبت الٰہی اور سبب محبوبیت خدا کا ہے نہیں کرتے تھے۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (اگر تم چاہتے ہو کہ تم کو اللہ دوست رکھے تو میری پیروی کرو دوست رکھے گا تم کو اللہ) پس کلمہ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ہرگز ان کے حق میں ٹھیک نہیں آتا۔ اور وہ حضرت امیرؓ پر اپنی بزرگی و حکومت

جتلاتے تھے اور رنج وایذا پہنچاتے تھے پس اَعِزَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ تو کیا بلکہ اَعِزَّۃٍ عَلٰی یَعْسُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ ہوئے (یعنی غلبہ کرنے والے ایمان والوں پر بلکہ سردار مومنوں پر) مطلب یہ کہ قرآن میں اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ آیا ہے یہ اس کے برعکس اَعِزَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ بلکہ یَعْسُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ تھے جو جناب امیرؓ ہیں اور یہ باغیوں اور خارجیوں سے ڈرتے تھے پس اَذِلَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ ہوئے۔ اور جہاد سے بھاگتے تھے اور مضمون یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سے منزلوں دُور پڑے تھے۔ اور بجائے لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ کے لَا یَسْمَعُوْنَ نَصِیْحَةَ نَاصِحٍ ان کے حق میں درست تھا کہ نصیحتِ حضرت امیرؓ نہیں سُنتے تھے۔ پس جو اوصاف کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں یاد فرمائے ہیں حضرت امیرؓ کے لشکر والوں پر اُن کا منطبق کرنا ممکن نہیں کیونکہ اجتماعِ ضدّین کا محال ہے۔ اور نیز سیاق و سباقِ آیت کا صریح مستفاد ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کی کوشش سے فتنۂ مُرتدوں کا دفع ہوجائے گا اور اصلاحِ دین کی ثابت ہوگی اس واسطے کہ آیت کا سیاق واسطے تسلّی مومنوں اور دُور کرنے خوفِ مرتدوں کے ہے۔ اور لڑائیاں حضرت امیرؓ کی بالاتفاق منجر باصلاح نہ ہوئیں اور غلبہ ان کا ثابت نہ ہوا، اور روز بروز تسلّط باغیوں کا ہوتا رہا اور دین میں فساد ہی بڑھتا رہا۔ یہ تینوں آیتیں اللہ کی کتاب کی حقیت خلافت اور امامت خلفائے ثلثہؓ اور تعقیدوں اور تخصیصوں کی اس طور پر راہ بتاتی ہیں کہ ہرگز کوئی احتمال ان کے غیر کا موافق قواعدِ دانشمندوں کے باقی نہیں رہتا ہے اور اگر خارج قاعدۂ عقلی سے بعضے علمائے شیعہ کے جو انجان بن کر کوئی احتمال بیان کریں وہ محتاج جواب کا نہیں ہے کیونکہ ہماری گفتگو عقلمندوں سے ہے نہ کہ وہمیوں اور جان کر انجان بننے والوں سے۔

اور جس کسی کو یہ منظور ہو کہ ان استدلالات کی تفصیل دیکھوں اور اس بحث کی تکمیل کروں اور ان کے جواب اور دیگر استدلالات کہ بہت سی آیتوں کے ساتھ اِس مطلب میں واقع ہیں دیکھوں تو کتاب "ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا" کو دیکھے کہ اِس مقدمہ میں کلام حد کو پہنچادیا ہے اور کتاب اللہ کے معانی پردہ نشینوں کو خلعتِ ظہور کا پہنادیا ہے کہ اُس کے مصنفؒ کی خوبی واسطے اللہ کے ہے۔ اور جو اس مقام میں بیان مخالفت شیعہ کا ثقلین کے ساتھ مقصود ہے ہر مسئلہ میں خواہ فرعی ہو یا اصولی اور اس مخالفت میں ایک آیت اور سَو آیت برابر ہیں۔ بنظرِ خوفِ طوالت اتنے ہی پر اکتفا کیا۔ اور قولِ عترت کے جو کچھ اہلِ سُنّت سے مروی ہیں حد حصر و احصاء سے خارج ہیں اُسے کتاب "ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفا" میں دیکھنا چاہیے۔

اور چونکہ اِس رسالہ میں ہم نے التزام کیا ہے کہ ہمارا تمسک سوائے روایاتِ شیعہ کے اور کسی امر میں نہ ہو، لہٰذا جو کچھ اقوالِ عترت سے اِس مقدمہ میں معتبر کتابوں اور ان کے مرویاتِ صحیحہ میں موجود ہے لکھا جاتا ہے انہی میں سے ہے جو کچھ رضیؔ نہج البلاغۃ میں لایا ہے امیر المومنینؓ سے اُس خط میں جو معاویہ کو لکھا ہے:۔

* [illegible]

وَهُوَ، اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ بَیْعَتِیْ لَزِمَتْكَ وَاَنْتَ بِالشَّامِ فَاِنَّهٗ بَایَعَنِی الْقَوْمُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا اَبَابَكْرٍؓ وَّعُمَرَؓ وَعُثْمَانَؓ عَلٰی مَا بَایَعُوْهُمْ عَلَیْهِ فَلَمْ یَكُنْ لِلشَّاهِدِ اَنْ یَّخْتَارَ وَلَا لِلْغَائِبِ اَنْ یَّرُدَّ وَاِنَّمَا الشُّوْرٰی لِلْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی رَجُلٍ وَّسَمَّوْهُ اِمَامًا كَانَ لِلّٰهِ رِضًی فَاِنْ خَرَجَ مِنْهُمْ خَارِجٌ بِطَعْنٍ اَوْ بِدْعَةٍ رَدُّوْهُ اِلٰی مَا خَرَجَ مِنْهُ فَاِنْ اَبٰی قَاتَلُوْهُ عَلَی اتِّبَاعِهٖ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَوَلَّاهُ اللّٰهُ مَا تَوَلّٰی وَصَلَاهُ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا۔	پس تحقیق بیعت میری اے معاویہ تجھ پر لازم ہوتی ہے اور تو شام میں ہے کیونکہ مجھ سے اُن لوگوں نے بیعت کی جنھوں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ سے بیعت کی تھی اُسی چیز پر کہ اُنھوں نے اُس پر بیعت کی پس کسی حاضر کو یہ اختیار نہ رہا کہ اپنے پسند کو اُس میں داخل کرے اور نہ کسی غائب کو کہ اُس کو رد کرے اور نہ مانے اور بیشک شوریٰ ہے واسطے مہاجرین و انصار کے کہ اگر اجماع کریں یہ لوگ کسی آدمی پر اور اُسکا امام نام رکھیں خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا۔ پس اگر خروج کرے کوئی خروج کنندہ بسبب کسی طعن یا بدعت کے لوٹا دو اُس کو اُس کی طرف جو کچھ اُس سے ظاہر ہوا ہے پس اگر قبول نہ کرے تو لڑو اُس سے اس بات پر کہ بیعت کی اُس نے سوا راہ مسلمانوں کے پھیرا اُس کو اللہ تعالیٰ اس جگہ کہ جس سے وہ پھرا ہے اور داخل کرے اُس کو آگ میں اور وہ بُری بازگشت ہے۔

جاننا چاہیے کہ انتہا کوششِ امامیہ کی ایسے نصوص کے معاملہ میں یہ ہے کہ کہتے ہیں هُوَ مِنْ بَابِ مُجَارَاةِ الْخَصْمِ۔ یعنے دلیل الزامی ہے مرکب اُن مقدمات سے جو مُسلّمہ خصم کے ہیں گو نزدیک مستدل کے مسلّم نہ ہوں، نہ ہوں۔ پس یہ تاویل ہے بلکہ تحریف بلکہ تکذیب ہے، عاقل کو اس میں غور و فکر کرنا چاہیے۔ اوّل تو کلام معصوم کو ایسی بات پر جو مطابق نفس الامر کے نہ ہو قیاس کرنا اور پھر اطراف و جوانب کلام سے آنکھیں بند کرلینا کہ قدر الزام سے زیادہ ہے۔ کیونکہ الزام تو اتنے ہی میں حاصل ہوتا کہ ذکر بیعت کا فرماتے۔ باقی عبارت جو فَاِذَا اجْتَمَعُوْا عَلٰی رَجُلٍ وَّسَمَّوْهُ اِمَامًا کر آخر تک ہے اُس کو الزام میں کچھ دخل نہیں ہے۔ پھر امام معصوم اور کذب بے حاصل زبان پر لائے، وہ بھی خدا پر کہ كَانَ لِلّٰهِ رِضًی وَّیُصْلِیْهِ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا بکمال نشاط تحسین اور تاکید اور تکریر۔ خدا کی پناہ بدگمانی سے۔ اور جو اِن سب سے ہم درگزر کریں جب بھی تو دلیل الزامی کو چاہیے ہے کہ مقدمات اُس کے خصم کے نزدیک مسلّم ہوں۔ معاویہ کب معتقد اِن مقدمات کے تھے کہ اُن کے واسطے جناب امیرؓ یہ مقدمات ترتیب دیں اور تسلیم کریں۔ معاویہؓ کے خطوط امامیہ اور زیدیہ کی کتابوں میں جو بتقریب جوابات حضرت امیرؓ کے ہیں منقول و مذکور ہیں۔ مذہب معاویہؓ کا یہ ہے کہ ہر مسلمان قریشی خواہ مہاجرین اوّلین سے ہو خواہ سوا اِن کے جب اتنی باتوں پر قادر ہو کہ احکامِ الٰہی پہنچا سکے اور جہادِ کفّار اور سیاستِ رعایا اور آراستگی لشکر اور حمایت گھیرے اسلام کا اور حفاظتِ درآمدِ کفار اور دفع مفاسد کا بجالا سکے، اور ایک گروہ مسلمانوں کا اُس سے بیعت کرے خواہ اہلِ عراق ہوں خواہ اہلِ شام خواہ اہلِ مدینہ، وہ امام ہے

جو کوئی ہو۔ اور اسی سبب سے وہ دعوی اپنی امامت کا کرتے تھے بعد قصۂ تحکیم کے۔ اور نہیں تو کس شخص نے مہاجرین وانصار سے اُن کی بیعت کی تھی اُن کو منجملہ اور لوگوں کے جانتے تھے۔ اور حضرت امیرؓ کا جو اتباع معاویہؓ نے نہیں کیا اور ان کی امامت کے منکر ہوئے اس واسطے تھا کہ جناب امیرؓ کو تہمت لگاتے تھے کہ انھوں نے قتل عثمانؓ میں کوشش کی اور حمایت ان کے قاتلوں کی کی کہ اُن کے نزدیک سَاعِيُّ فِي الْاَرْضِ بِالْفَسَادِ تھے غیر مصلح۔ پس حضرت امیرؓ کو دافع مفسدوں اور حافظ حدودِ اسلام اور پہنچانے والا حکم قصاص کا کہ عمدہ تر امور ہماری شریعت سے ہے نہیں سمجھتے تھے۔ اور خوب ظاہر ہے کہ بیعت مہاجرین وانصار کی جو جناب امیرؓ سے تھی معاویہؓ پر چھپی نہیں تھی اگر جَو بھر بھی قدر اُس کی معاویہؓ کے نزدیک ہوتی تو حضرت امیرؓ کی بُرائیاں اپنی مجلسوں میں اور مکاتیب میں کیونکر تحریر و زبان پر آتیں بلکہ صریحاً اس بیعت میں مہاجرین اور انصار پر نسبت خطا کی کی تھی چنانچہ اُن کے مذہب سے یہ بات مشہور و معروف ہے کہ بارہا تمام انصار سے شکایت اس بات کی اپنے زمانِ امارت میں کی اور طنز و تعریض ظاہر کی۔ پس ذکر بیعت مہاجرین اور انصار کا بھی مقابلہ میں اُس کے ایک دلیل تحقیقی ہے مرکب مقدمات حقّہ ثابتہ فی نفس الامر سے خواہ وہ خصم کے نزدیک مُسلّم ہوں خواہ نہ ہوں۔

وَمِنْهَا مَا اَوْرَدَهُ الرَّضِيُّ فِي نَهْجِ الْبَلَاغَةِ عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنَّهُ قَالَ لِلّٰهِ بِلَادُ فُلَانٍ فَقَدْ قَوَّمَ الْاَوَدَ وَدَاوَى الْعَمَدَ وَاَقَامَ السُّنَّةَ وَخَلَّفَ الْبِدْعَةَ وَذَهَبَ نَقِيَّ الثَّوْبِ قَلِيْلَ الْعَيْبِ اَصَابَ خَيْرَهَا وَسَبَقَ شَرَّهَا اَدّٰى اِلَى اللّٰهِ طَاعَتَهُ وَاتَّقَاهُ بِحَقِّهِ رَحَلَ وَتَرَكَهُمْ فِي طُرُقٍ مُتَشَعِّبَةٍ لَا يَهْتَدِي فِيْهَا الضَّالُّ وَلَا يَسْتَيْقِنُ الْمُهْتَدِيْ۔

اور انہی اقوالِ عترت سے وہ ہے کہ لایا اُس کو رضی نے نہج البلاغت میں امیر المومنینؓ سے کہ بیشک حال یہ ہے کہ فرمایا جناب امیرؓ نے واسطے اللہ کے ہے خلافت فلاں کی کہ ہر آئینہ سیدھا کیا کجی کو اور اصلاح کیا ستون کو اور قائم کیا سنت اور پیچھے ڈالا بدعت کو گیا پاکدامن کم عیب پائی خوبی خلافت کی اور فسادِ خلافت سے پیشتر چلا گیا، خدا کی طاعت ادا کی اور پرہیزگاری کی موافق حق پرہیزگاری کے، کوچ کیا اور چھوڑا لوگوں کو شاخ در شاخ ہونے والی راہ میں، نہ ہدایت پاتا ہے گمراہ اور نہ یقین پاتا ہے راہ یاب۔

اس عبارت میں جناب امیرؓ کی شریف رضی نے اپنا تصرف کرکے برعایت حفظ اپنے مذہب کے لفظ ابوبکرؓ کا اڑا دیا ہے اور اس کی جگہ لفظ فلاں لائے ہیں تاکہ اہلِ سنت دستاویز نہ کرسکیں۔ لیکن کرامت حضرت امیرؓ کی وہ ہے کہ اوصاف مذکورہ تعیّن مبہم کا کرتے ہیں چنانچہ بیان کیا جائے گا۔ اور اسی واسطے شارحین نہج البلاغت نے جو امامیہ سے ہیں تعیّن لفظ فلاں میں اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں فلاں سے مراد

ابوبکرؓ ہیں اور بعض کے نزدیک عمرؓ۔ مگر اکثر شراح نے اوّل کو ترجیح دی ہے وَهُوَ الْاَظْهَرُ۔ پس اس عبارت سراسر بشارت میں ابوبکرؓ کو دس اوصاف عالی کے ساتھ موصوف کیا ہے اور اُس پر قسم یا دی ہے۔ اقامتِ سُنّت اور بچنا بدعت سے اور نہ ہونا فتنے کا اُن کے زمانہ میں اُن کی حُسنِ تدبیر سے اور پاکدامن جانا اِس جہان سے اور قلّت اُن کے عیبوں کی اور سرانجام پانا اُس کا جو مقصود امامت اور خلافت سے ہے یعنی قائم کرنا عدل کا اور رواج دینا دینِ خدا کا اور ادا کرنا طاعتِ الٰہی اور آخر عمر تک حق پرہیزگاری بجالانا۔ اور کچھ شک نہیں ہے کہ نہایت امر خلافت اور امامت کی یہی ہے کہ موافق سچی گواہی حضرت امیرؓ کے ابوبکرؓ سے وقوع میں آئی۔

شیعہ اس عبارت میں ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتے ہیں اور گھبرا کر رکیک رکیک توجیہوں میں ہاتھ ڈالتے ہیں کہ قابل ذکر کے نہیں ہیں مگر اس واسطے کہ سُننے والے خوش ہوں یا ان کے دانشمندوں کے اندازۂ غور سے باخبر ہوں چنانچہ عمدہ اُن توجیہات میں اِن کے نزدیک یہ ہے کہ جناب امیرؓ کبھی کبھی وصف مدح شیخینؓ کی بیان فرمایا کرتے تھے تاکہ لوگوں کے دِلوں کو اپنی طرف کھینچیں اور اپنی رعایا کو تسلی دیں۔ اس واسطے کہ بہت سے لوگ حُسنِ سیرت شیخینؓ یعنے ابوبکرؓ و عمرؓ اور انتظام اُمورِ دین کے جو اُن کے وقت میں تھے معتقد تھے۔ اور یہ عبارت بھی اُسی مقدمہ سے ہے لیکن عاقل مُنصف پر پوشیدہ نہیں ہے کہ دس جھوٹ جو مؤکد بقسم ہیں اُن کی نسبت ایسے جناب معصومؑ سے کرنا اور وہ بھی بغرض سہل دنیا یعنی چند آدمیوں کی دلداری اِس نظر سے کہ انتظام ریاست ظاہر کا حاصل ہو کہ تحقق اور ثبوت اس غرض کا بھی یقینی نہ تھا بلکہ اُس سے ناامیدی حاصل ہو چکی تھی اور غرض دین کی بالکل فوت ہوتی تھی کیا ایسے ظالموں سرکشوں کی کہ صریح نافرمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے بلکہ مُرتدی اختیار کی تھی کہ تحریف کتاب اللہ اور تبدیل دین خدا کی کرتے تھے تعریف کریں۔ حالانکہ حدیث صحیح ہے اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ (یعنے ہرگاہ کہ فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو پروردگار کا غضب ہوتا ہے) باوجود سُننے اِس حدیث کے مرتکب اِس امر کے ہوتے، دین و دیانت اور عقل و کیاست سے کس قدر بعید ہے۔ اور کونسی ضرورت تھی کہ اِس قدر تاکیدیں اور مُبالغے اور قسمیں سخت زبان پر لائی جائیں اگر فقط مدح اُن لوگوں کی بنظر حُسنِ انتظام اُمورِ خلافت کے مصلحتاً تھے تو سہل سے سہل طور پر ممکن تھے، یہ دس جھوٹ بولنا کب لازم تھا اتنا ہی فرما دیتے کہ:-

لِلّٰهِ بِلَادُ فُلَانٍ قَدْ جَاهَدَ الْكَفَرَةَ وَالْمُرْتَدِّيْنَ وَشَاعَ بِسَعْيِهِ الْاِسْلَامُ فِي الْبُلْدَانِ وَوَضَعَ الْجِزْيَةَ وَبَنَى الْمَسَاجِدَ وَلَمْ تَقَعْ فِيْ خِلَافَتِهِ فِتْنَةٌ۔

واسطے اللہ کے ہے خوبی فلاں کی حکومت (مملکت) کی کہ جہاد کیا کافروں اور مُرتدوں سے اور اُس کی کوشش سے اسلام نے شہروں میں رواج پکڑا اور جزیہ مقرر کیا اور مسجدیں بنائیں اور کوئی فساد اُس کی خلافت میں واقع نہ ہوا۔

اور ایسے ہی دیگر مضامین اور جو مضامین کہ حضرت امیرؓ کی عبارت میں درج ہیں اُن سے اِن سے زمین آسمان کا فرق ہے۔ معصوم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ باطل کی اس حد تعریف کرے کہ جمع کثیر کو کہ اکثر اُن میں سے اس کی اُمت ہیں اپنی باتوں سے گمراہی میں ڈالے اور جو بات کہ لائق قدح یعنی بُری بتلانے کے ہے کہ وہ مدح کافروں اور فاجروں کی ہے اُس پر حکم اُن کے قُرب اور خوبی باطنی کا عمل میں لائے۔ بلکہ اُن کے ذمہ تو یہ بات لازم تھی کہ بُرائیاں اور عیب اور زبونیاں اپنی جماعت کے سامنے برملا جُدا جُدا ظاہر فرماتے تاکہ لوگ اُن کی پیروی اور حُسنِ ظن سے جو اُن کی نسبت رکھتے تھے اُن بُرائیوں سے باز رہیں اور گڑھے میں گمراہی اور ضلالت کے نہ پڑیں مُطابق اس حدیث صحیح کے اُذْكُرُوا الْفَاسِقَ بِمَا فِيْهِ يَحْذَرُهُ النَّاسُ (ذکر کرو فاسق کا جو باتیں اُس میں ہیں تاکہ لوگ اُس سے خبردار ہو جائیں) اور اگر ایسی دنیا کی غرضیں اِن بزرگواروں کی نظروں میں قدر و منزلت رکھیں تو مکاروں اور فریبیوں دنیا طلب میں کہ ریاست کی طمع سے مرتکب ایسے کام بد اور خوشامد اور تعریف مفسدوں کی ہوتے ہیں اور پاکیزہ لوگوں میں جن کو خدا نے پاک کیا ہے کیا فرق ہو حاشا وکلّا کہ ایسی غرضِ فاسد جنابِ امیرؓ کے دامنِ پاک کو آلودہ کر سکے۔ اور امامیہ میں سے بعض نے کہا ہے کہ مراد جناب امیرؓ کی اس آدمی سے وہ دوسرے شخص ہیں منجملہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فوت ہوگئے۔ اور قبل وقوع فتنہ کے اِس جہاں سے کوچ کر گئے۔ اور رلونڈی نے اسی بات کو پسند و اختیار کیا ہے۔ یہاں بھی عقل سے کام لینا اور اوصافِ مذکورہ کو قیاس کرنا چاہیے کہ اُس شخص پر منطبق ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو وحی نازل ہوتی تھی، اور پیغمبرؐ موجود تھے، علاج علتوں کا، راستی کجی کی، اقامت سُنت کی اور کوئی دوسرا کیوں کرتا۔ اور اگر کرتا تو نام و نشان اُس کا کیوں نہ معلوم ہوتا۔ اور کونسی عقل تجویز کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی شخص مرے اور اُمت کے لوگوں کو پراگندہ راہوں میں جن سے گمراہوں کو حیرت ہو اور اہلِ ہدایت و یقین ڈھونڈھتے پھریں اِس حال میں چھوڑ دے۔ حالانکہ نفسِ نفیس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ابھی اُن میں موجود ہے اور وحی نازل ہوتی ہے اور فیضِ الٰہی دمبدم تکمیلِ دین اور تمام کرنے نعمت کے جوش میں ہے۔

بعضے امامیہ نے ایسا کہا ہے کہ غرض امیرؓ کی اس سے توبیخ اور تعریض کی حضرت عثمانؓ سے تھی کہ شیخینؓ کی عادت پر نہ چلے اور ان کے زمانہ میں فتنہ فساد بہت وقوع میں آیا اور یہ توجیہ اگلی دونوں توجیہوں سے بڑھ کر پوچ ہے۔ اوّل یہ کہ توبیخ تو عثمانؓ کی مُتنے ہی میں حاصل ہوتی تھی جس میں یہ دِقّت جھوٹ بولنے لازم نہیں آتے۔ دوسرے یہ کہ اگر سیرت شیخینؓ کی محمود اور قابل تعریف تھی تو امامت اُن کی ثابت ہوئی اور اگر محمود نہ تھی تو عثمانؓ کو اُس کے ترک پر توبیخ و سرزنش کیوں فرماتے۔ تیسرے یہ کہ مخالفت عثمانؓ کی عادت شیخینؓ سے

ہرگز اس عبارت میں مذکور نہیں ہے نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔ اور یہ عبارت کوفہ کے خطبوں میں ارشاد ہوئی۔ اُس وقت حضرت عثمانؓ کہاں تھے اور فتنہ و فساد کہاں۔ بلکہ ظاہر حسرت ناک کلام ہے اپنے زمانہ میں امورِ خلافت کا سرانجام نہ پاکر۔ اور غبطہ ہے خلیفہ اوّل کے حال پر یعنی آرزو کرنا کہ ہمارا حال بھی اُن کا سا ہوتا کیسی تدبیر اُن کی تقدیر سے موافق پڑی تھی اور کام دست بستہ بے غل و غش اُن سے ظہور میں آئے۔ اور اگر توبیخ عثمانؓ کی منظور ہوتی کیوں نہیں بصراحت فرماتے کہ عثمانؓ نے ایسا ایسا کیا کہ یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ توبیخ عثمانؓ سے سوائے مخالفت اہلِ شام کے کہ اپنے کو ناصر عثمانؓ کا کہتے تھے کوئی مضرت نہ تھی اور یہ مضرت روز بروز خود ہی بڑھتی جاتی تھی۔ اور جب مخالفین نسبت قتل عثمانؓ کی یقیناً آنجناب کی طرف کرتے تھے تو ان کو توبیخ سے کیا خوف تھا۔ مثل مشہور ہے اَنَا الْغَرِيْقُ فَمَا خَوْفِيْ مِنَ الْبَلَلِ (میں ڈوبا ہوا ہوں تو پھر بھیگنے سے کیوں ڈروں)۔

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی روایت کی امامیہ نے امام ابی محمد حسن عسکری سے اپنی تفسیر میں۔

اَنَّهٗ قَالَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا بَعَثَ اللّٰهُ مُوْسٰى بْنَ عِمْرَانَ وَاصْطَفَاهُ نَجِيًّا وَفَلَقَ لَهُ الْبَحْرَ وَنَجّٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَاَعْطَاهُ التَّوْرٰىةَ وَالْاَلْوَاحَ رَاٰى مَكَانَهٗ مِنْ رَّبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ يَا رَبِّ لَقَدْ اَكْرَمْتَنِيْ بِكَرَامَةٍ لَمْ تُكْرِمْ بِهَا اَحَدًا قَبْلِيْ فَهَلْ فِيْ اَنْبِيَآئِكَ عِنْدَكَ مَنْ هُوَ اَكْرَمُ مِنِّيْ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا مُوْسٰى اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ مُحَمَّدًا اَفْضَلُ عِنْدِيْ مِنْ جَمِيْعِ خَلْقِيْ فَقَالَ يَا رَبِّ اِنْ كَانَ مُحَمَّدٌ اَفْضَلَ عِنْدَكَ مِنْ جَمِيْعِ خَلْقِكَ فَهَلْ فِيْ اٰلِ الْاَنْبِيَآءِ اَكْرَمُ مِنْ اٰلِيْ قَالَ عَزَّ وَجَلَّ يَا مُوْسٰى اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ فَضْلَ اٰلِ مُحَمَّدٍ عَلٰى اٰلِ جَمِيْعِ النَّبِيِّيْنَ كَفَضْلِ مُحَمَّدٍ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ

بیشک کہا اُنھوں نے کہ روایت ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جب مبعوث کیا خداتعالیٰ نے موسیٰؑ بن عمران کو اور چھانٹا اُن کو اپنی ہمرازی میں اور پھاڑا اُن کے واسطے دریا اور نجات دی بنی اسرائیل کو اور بخشی اُن کو توریت اور الواح، دیکھا حضرت موسیٰؑ نے اپنا مرتبہ اپنے پروردگار عزّ وجلّ کے سامنے تو کہا اے پروردگار میرے ایسی بزرگی دی تو نے مجھ کو کہ مجھ سے پہلے تو نے اس بزرگی کے ساتھ کسی کو نہیں نوازا ہے، پھر آیا پیغمبروں میں تیرے نزدیک کوئی ایسا ہے کہ وہ مجھ سے بزرگتر ہے، فرمایا خداتعالیٰ نے اے موسیٰؑ کیا تُو نے نہیں جانا کہ محمد صلعم بہت بڑھ کر ہے تمامی میری مخلوق سے، پھر کہا موسیٰؑ نے اے رب میرے! اگر محمدؐ افضل ہیں تیرے نزدیک ساری مخلوق سے تو پھر کسی پیغمبر کی اولاد بزرگتر ہے میری اولاد سے؟ فرمایا اللہ عزّ وجلّ نے اے موسیٰؑ! کیا تُو نے نہیں جانا کہ بزرگی آلِ محمدؐ کی سب پیغمبروں کی آل پر ایسی ہے جیسے محمدؐ کی بزرگی ہے سب پیغمبروں پر، پھر کہا

يَا رَبِّ إِنْ كَانَ فَضْلُ آلِ مُحَمَّدٍ عِنْدَكَ كَذٰلِكَ فَهَلْ مِنْ صَحَابَةِ الْأَنْبِيَاءِ أَكْرَمُ عِنْدَكَ مِنْ أَصْحَابِي قَالَ يَا مُوسٰى أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ فَضْلَ صَحَابَةِ مُحَمَّدٍ عَلٰى جَمِيْعِ الْمُرْسَلِيْنَ كَفَضْلِ آلِ مُحَمَّدٍ عَلٰى آلِ جَمِيْعِ النَّبِيِّيْنَ فَقَالَ مُوسٰى إِنْ كَانَ فَضْلُ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ كَمَا وَصَفْتَ فَهَلْ فِي أُمَمِ الْأَنْبِيَاءِ أَفْضَلُ عِنْدَكَ مِنْ أُمَّتِي ظَلَّلْتَ عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْتَ عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى وَفَلَقْتَ لَهُمُ الْبَحْرَ* يَا مُوسٰى إِنَّ فَضْلَ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ عَلٰى جَمِيْعِ الْأَنْبِيَاءِ كَفَضْلِي عَلٰى خَلْقِي۔

*فائدہ

اے رب میرے! اگر بزرگی آل محمدؐ کی تیرے نزدیک ایسی ہے تو پیغمبروں کے یاروں میں تیرے نزدیک کوئی ایسا ہے کہ میرے صحابہ سے بزرگتر ہو، فرمایا خدا تعالیٰ نے اے موسیٰؑ! کیا تو نے نہیں جانا کہ محمدؐ کے صحابہ کا فضل سب پیغمبروں کے صحابہ پر ایسے ہے جیسے فضل اولاد محمدؐ کا جمیع پیغمبروں کی اولاد پر، پھر کہا موسیٰؑ نے کہ بزرگی محمدؐ کی اور اولاد محمدؐ کی اور محمدؐ کے اصحابؓ کی ایسی ہے جیسی تو نے فرمائی۔ آیا پیغمبروں کی امت میں سے کوئی امت میری امت سے بزرگتر تیرے نزدیک ہے جن پر تو نے بادل کا سائبان کیا اور منّ و سلویٰ اُتارا اور اُن کے واسطے دریا کو پھاڑا، تو فرمایا خدا تعالیٰ نے اے موسیٰؑ ہر آئینہ افضلیت امت محمدؐ کی سب پیغمبروں کی امت پر ایسی ہے جیسے میری بزرگی میری تمام خلق پر۔

اِس روایتِ امام ہمام سے دو وجہ وجیہ پر حقیت صدیقؓ کے خلافت کی ظاہر ہوتی۔ اوّل اِس وجہ سے کہ ہم صحبت ہونا اُن کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قطعی ثابت ہے نصِ قرآن سے باتفاقِ شیعہ و سُنی قولہ تعالیٰ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ (جس وقت کہ کہتا تھا وہ اپنے ساتھی سے مت غمگین ہو تو) اور اِس صاحب سے بالاتفاق حضرت ابوبکرؓ مراد ہیں اور نیز صحبت ہمیشہ اُن کی اور رازداری اور خصوصیت اُن کی مشہور ہے کہ ہر مصاحب رازدار خصوصیت والے کو بطریق ضرب المثل اُن کی صفت سے ذکر کرتے ہیں کہ فلاں یارِ غار فلاں کا ہے پس جب افضلیت اُن کی جمیع اصحاب پیغمبرؐ پر معنی مصاحبت میں ثابت ہوئی تو ضرور وہ لائق امامت اور خلافت کے ہوں گے کیونکہ اُن میں بہت سے لوگ لائق اِس کام کے گزرے ہیں۔ جیسے کالب بن یوقنا اصحابِ موسیٰؑ سے خلیفہ حضرت موسیٰؑ کے ہوتے بعد حضرت یوشعؑ کے۔ اور آصف بن برخیا یعنی اصحاب حضرت سلیمانؑ سے بھی لائق اِس کام کے تھے۔ اور اگر ہم سب سے درگزر کریں تو بھی یہ کیا کم ہے کہ ظلم اور چھیننا حقوق عام مسلمانوں خصوصاً عترتِ رسولؐ کا یہ اُس سے کیونکر صادر ہوگا۔ اور اگر ہوگا تو افضلیت کیا بلکہ فضیلت بھی کم ہو جائیگی۔

❋ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب صحابۂ رسولؐ من حیث المجموع سب پیغمبروں کے اصحاب سے افضل ہوئے تو ضرور

ہے کہ جور و ظلم اور غصب اہلِ بیت رسولؐ کے حقوق کا اور حقارت اور اہانت خاندان عالیشان رسولؐ کی ہرگز نہ کریں گے۔ کیونکہ پیغمبروں کے اصحاب میں سے کسی شخص نے یہ فعل بد نہیں کیا ہے۔ اگر یہ گروہ اور پیغمبروں کے اصحاب سے مساوی ہوتے تو لازم تھا کہ مرتکب اِن بد کاموں کے نہ ہوتے پھر کیا مجال کہ افضل ہوں اور مرتکب ان کاموں کے بھی ہوں۔ اِس جگہ امام فخر الدین رازی کی ایک تقریر ہے نہایت دلچسپ و دلنشین چنانچہ کہا ہے کہ رافضیوں کا فرقہ میرے نزدیک مورِ سلیمانؑ سے بھی کمترین ہیں عقل اور اعتقادِ نیک میں کہ اُن کو اپنے پیغمبر سے تھا کیونکہ اس چیونٹی نے تو اپنے تابعین سے کہا يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (اے چینٹیوں کے فرقے اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ مبادا لوگ لشکر سلیمانؑ کے پامال کریں درانحالیکہ وہ نہیں جانتے ہیں) پس اتنا ہی سمجھ لو کہ فرقہ سپاہ اور لشکریوں کا ظلم و تعدی میں نہایت بے صرفہ و بے دریغ ہوتے ہیں ببرکتِ صحبت پیغمبرؑ کے ایسے مہذب ہو گئے ہیں اور صحبت سرسری نبی نے اُن میں اِس قسم کی تاثیر کی ہے کہ دیدہ و دانستہ مورِ ضعیف پر ظلم نہیں کریں گے بلکہ اپنے پاؤں تلے پامال بھی نہ کریں گے۔ لیکن گروہ رافضیوں کے ہرگز نہیں سمجھے ہیں کہ صحبت پیغمبرِ خاتم المرسلینؐ نے کہ افضل پیغمبروں سے ہیں اپنے صحابۂ کبارؓ میں کہ ہمیشہ ملازم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اور یارِ غار اور رفیق و غمگسار کہلاتے جاتے تھے کچھ تاثیر کی ہو اور خیانت اور شرارت اور شیطنت اُن سے کھوئی ہو بلکہ اوروں کی نسبت یہ سب امورِ شنیعہ اُن میں زیادہ تر غالب و مستولی ہوئے کہ خود لڑکی اور داماد اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں کو کہ یتیم و بے کس رہ گئے تھے ناراض کیا اور اُن پر ظلم کیا اور اُن کا گھر جلا دیا اور بے قدر کیا اور باغ و زمین اور وجہ مددِ معاش اُن کی قُرق کر لی اور ہمیشہ اُن کی ایذا کے درپے ہوئے خدا ان باتوں سے بچائے۔

وَمِنْهَا مَا نَقَلَهُ عَلِيُّ بْنُ عِيْسٰى الْأَرْبِلِيُّ الْإِمَامُ الْإِثْنَا عَشَرِيُّ فِي كِتَابِهِ كَشْفِ الْغُمَّةِ عَنْ مَعْرِفَةِ الْأَئِمَّةِ أَنَّهُ سُئِلَ الْإِمَامُ أَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ حِلْيَةِ السَّيْفِ هَلْ يَجُوْزُ فَقَالَ نَعَمْ قَدْ حَلّٰى أَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ سَيْفَهُ بِالْفِضَّةِ فَقَالَ الرَّاوِيْ أَتَقُوْلُ هٰكَذَا فَوَثَبَ الْإِمَامُ عَنْ مَكَانِهِ فَقَالَ نَعَمِ الصِّدِّيْقُ نَعَمِ الصِّدِّيْقُ

اور بعض روایات میں سے وہ روایت ہے کہ نقل کیا اُس کو علی بن عیسیٰ اربلی نے کہ امام اثنا عشریہ کا ہے اپنی کتاب "کشف الغمہ عن معرفۃ الائمہ" میں کہ پوچھا امام ابو جعفر علیہ السلام کو زیور تلوار کی بابت آیا جائز ہے، پس فرمایا ہاں جائز ہے کہ ابوبکر صدیقؓ نے اپنی تلوار کو چاندی سے آراستہ کیا تھا۔ پھر کہا راوی نے کیا ایسی ہی ہے جو تم کہتے ہو، پس اُچھل پڑے امام اپنی جگہ سے اور بتکرار کہا ہاں صدیق، ہاں صدیق

نَعَمْ اَلصِّدِّيْقُ فَمَنْ لَّمْ يَقُلْ لَهُ الصِّدِّيْقُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰهُ قَوْلَهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

ہاں صدیق اور جو کوئی اُن کو صدیق نہ کہے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اُس کی بات کی تصدیق نہیں کرے گا۔

قاعدے مقررہ منصوصہ قرآن اور دین کے ہیں کہ بعد نبیوں کے مرتبہ صدیقین کا ہے اور اقسام اُمّت سے اوّل یہ لوگ ہیں۔ چنانچہ اس آیت اور دوسری آیتوں کلام اللہ سے بھی معلوم ہوتا ہے :۔

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔

پس وہ لوگ اُن لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا یعنے نبیؑ اور صدیق اور شہید اور صلح۔

دوسری جگہ :۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ۔

نہیں ہے مسیحؑ بن مریم مگر رسول اور ماں اُس کی صدیقہ ہے۔

وقوله تعالیٰ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ۔

اور وہ لوگ کہ ایمان لائے اللہ اور اُس کے رسول پر وہ لوگ صدیق ہیں اور شہید ہیں اپنے پروردگار کے نزدیک اور اُن کے واسطے اُن کا بدلہ ہے۔

اور قطع نظر افضلیت سے اتنا تو خود بہت سی آیتوں اور بیشمار حدیثوں سے بالقطع ثابت ہے کہ لقب صدیق کا لفظ مدح ہے بالاتر شہید و صالح سے۔ قولہ تعالیٰ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ۔ امامیہ کی کتابوں میں مروی اور ثابت ہے کہ جناب امیرؓ اپنے حق میں یہ لقب اطلاق فرماتے تھے اَنَا الصِّدِّيْقُ الْاَكْبَرُ (یعنی میں صدیق اکبر ہوں) بلکہ آپؓ نے اپنے واسطے منحصر کیا تھا نسبت اُن لوگوں کے جو بعد اُن کے پیدا ہوئے۔ پس اور اماموں کے حق میں اطلاق اِس لقب کا بطریق مجاز ہوگا حَيْثُ قَالَ لَا يَقُوْلُهَا بَعْدِيْ اِلَّا كَذَّابٌ (یعنی مجاز اِس حیثیت سے کہ فرمادیا نہیں کہے گا میرے بعد اِس کو مگر کذّاب) اسی واسطے اماموں نے اِس لقب کو اپنے حق میں اطلاق نہیں فرمایا ہے۔ اور لفظ بَعْدِيْ سے صریح مستفاد ہوا کہ قبل جناب امیرؓ سے بھی ایک صدیق اِس اُمّت میں گزرے ہیں کہ معروف اِس لقب سے تھے اور صدیقیت اُن کے حق میں تھی۔ اور انحصار کو اکبر کے لفظ پر نظر کر کے سمجھیں تب بھی صدیقیتِ کبریٰ ابوبکرؓ کے واسطے ثابت ہوتی ہے مفہوم لفظ بَعْدِيْ سے۔

الحاصل جب کسی شخص کے حق میں امام معصومؑ لفظ صالح کا کہے احتمال جور اور فسق اور ظلم و غصب کا بالکل اُس سے جاتا رہے گا اور نہیں تو معصومؑ جھوٹا ٹھہرے۔ پس جس شخص کے حق میں کہ اُس کو معصوم اِس تاکید کے ساتھ صدیق کہے بلکہ اعتقاد اُس کی صدیقیت کا گروہ مخلوق پر واجب کرے اور اُس کی صدیقیت کے

منکر پر دعاء بد کرے کیا گمان کرنا چاہیئے۔ اور انکار اُس کی صدیقیت سے کہ جس سے اعتقاد بطلان امامت اور غصب حق مستحقوں سے ہے دعائے بد امام معصومؑ میں داخل ہو سکتا ہے، نعوذ باللہ من ذٰلک۔

اور جو جھگڑا اس روایت کا امامیہ سے درمیان میں آیا سوائے انکار اس روایت کے کچھ جواب نہیں رکھتے۔ کیونکہ اگر تقیہ پر ٹالتے تو گنجائش نہ تھی۔ اس لئے کہ وضع سوال سائل سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ تھا۔ لیکن اتنا تو کسی عاقل پر چھپا نہیں ہے کہ کتاب کشف الغمہ کوئی کتاب کمیاب نہیں ہے بہت موجود ہیں پس یہ انکار ہرگز فائدہ نہیں بخشتا۔ اور اگر کسی نے کمال تعصب و عناد سے ایک کتاب سے نکال ڈالی ہو اور گرادی ہو تو دوسری کتاب ضرور اُس کو جھوٹا بنائے گی۔ ہاں جو کچھ قصور اس روایت میں ہے تو یہ ہے کہ اہل سنت بھی اِس کو اپنی کتابوں میں لاتے ہیں اگر پرہیزگار امامیہ کے بسبب ناچیزی شریکوں کے اُس کا انکار کریں تو کچھ بعید نہیں ہے۔ لیکن انکار کلمہ اور نماز کا بھی لازم ہوگا بملاحظہ شرکت اہل سنّت کے اِن اُمور میں۔

رَوَى الدَّارَقُطْنِيُّ عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِيْ حَفْصَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى اَبِيْ جَعْفَرٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَتَوَلّٰى اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ فِيْ نَفْسِيْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَلَا نَالَتْنِيْ شَفَاعَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ سَالِمٌ اَرَاهُ قَالَ ذٰلِكَ مِنْ اَجْلِيْ۔

روایت کی دارقطنی نے سالم بن ابی حفصہ سے، کہا گیا میں پاس ابی جعفر کے سو کہا بارِ خدایا دوست ہوں میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کا اگر میرے دل میں اس کے سوا اور کچھ ہو تو مجھ کو شفاعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ پہنچے دن قیامت کے، کہا سالم نے گمان کرتا ہوں میں کہ یہ کلمہ میرے واسطے کہا۔

یہ سالم بن ابی حفصہ ایک شیعہ تھا۔ چنانچہ سب محدثوں نے اُس کو شیعہ پن سے نسبت کیا ہے اور اِس روایت سے بھی شیعہ پن اُس کا ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امامؑ نے اُس کے سُنانے کو کہا تاکہ اپنے عقیدہ فاسد اور گمانِ باطل سے توبہ کرے۔ اور یہ روایت اس واسطے لائی گئی کہ احتمال تقیہ کا کلام حضرت امامؑ میں گنجائش نہ رکھے۔ کیونکہ آنجنابؑ نے بطریقِ شرط و جزا کے تقیہ پر اس مقدمہ میں کفر اپنا خدا سے چاہا ہے۔ کیونکہ شفاعتِ پیغمبرؐ سے محروم کافر ہیں بالاتفاق۔ اور دُعا امام معصومؑ کی البتہ مقبول ہے۔ اگر معاذ اللہ شرط واقع ہو وقوع جزا میں کچھ تردّد نہیں ہے۔

اب روایتیں اہل سُنّت کی مانحن فیہ میں یعنی جس کی ہم بحث کر رہے ہیں اس کی بابت سُننی چاہیئیں۔

رَوَى الدَّارَقُطْنِيُّ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا جَعْفَرٍ عَنْ حِلْيَةِ السَّيْفِ فَقَالَ لَا بَاْسَ فَقَدْ حَلّٰى اَبُوْ بَكْرٍ

روایت کی دارقطنی نے عروہ بن عبداللہ سے کہا پوچھا میں نے ابو جعفر سے یعنی امام جعفر سے زیور تلوار کے معاملہ میں، کہا کچھ ڈر نہیں ہے، کیونکہ ابوبکر

نِ الصِّدِّیْقُ سَیْفَہٗ قَالَ قُلْتُ تَقُوْلُ الصِّدِّیْقُ قَالَ نَعَمْ الصِّدِّیْقُ نَعَمْ الصِّدِّیْقُ نَعَمْ الصِّدِّیْقُ مَنْ لَّمْ یَقُلْ لَہٗ الصِّدِّیْقَ فَلَا صَدَّقَ قَوْلَہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔

صدیقؓ نے اپنی تلوار میں زیور لگایا ہے، اور سالم نے کہا کہ تم بھی صدیق کہتے ہو؟ کہا ہاں صدیق، ہاں صدیق، ہاں صدیق اور جو کوئی ان کو صدیقؓ نہ کہے خدا اُس کی بات دنیا و آخرت میں سچی نہ کرے۔

وَرَوَی ابْنُ الْجَوْزِیِّ فِیْ صَفْوَۃِ الصَّفْوَۃِ وَزَادَ فَوَثَبَ وَثْبَۃً وَّاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ وَقَالَ نَعَمْ الصِّدِّیْقُ۔[۱]

اور روایت کی ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں اور زیادہ کیا کہ کود پڑے امام جعفر کود پڑنا تعجب کا اور قبلہ کو مُنہ کر کے کہا ہاں صدیق تین بار۔

اِس روایت میں بھی کہ مطابق روایت "کشف الغمہ" کے ہے بد دُعا واقع ہے نہ کہ تقیہ کے احتمال کی گنجائش نیز شیعہ کے نزدیک یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ حضرت ابو جعفرؓ اور حضرت صادقؓ کتاب "مختوم بخواتیم الذہب" میں تقیہ سے ممنوع تھے ان کی روایتوں کو تقیہ کے تابع کرنا نہیں چاہیئے۔ چنانچہ اپنے موقع پر ان کے یہ مقررات ان کے معتبرات سے منقول ہوں گے۔

وَرَوَی الدَّارَقُطْنِیُّ اَیْضًا عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ الصَّادِقِ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلٰی اَبِیْہِ فَقَالَ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍؓ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فَقَالَ عَنِ الصِّدِّیْقِ قَالَ وَتُسَمِّیْہِ الصِّدِّیْقَ قَالَ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ قَدْ سَمَّاہُ الصِّدِّیْقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْمُھَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ وَمَنْ لَّمْ یُسَمِّہٖ صِدِّیْقًا فَلَا صَدَّقَ اللّٰہُ قَوْلَہٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِذْھَبْ فَاَحِبَّ اَبَا بَکْرٍؓ وَعُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا۔

روایت کی دارقطنی نے بھی ابی عبد اللہ جعفر بیٹے محمد صادق سے اُنھوں نے اپنے باپ سے کہ ایک آدمی ان کے باپ کے پاس آیا کہ وہ زین العابدین علی بن حسین ہیں، سو کہا اُس آدمی نے کہ بتاؤ مجھ کو حال ابو بکرؓ اور عمرؓ کا، کہا صدیقؓ کا پوچھتا ہے کہا تم بھی اُن کو صدیقؓ کہتے ہو، کہا قسم ہے خدا کی بے ولد ہو جائے تجھ سے تیری ماں بیشک اُن کا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیقؓ نام رکھا ہے، اور مہاجرین اور انصار نے، اور جو کوئی اُن کو صدیقؓ نہ کہے خدا اُس کی بات کو دُنیا و آخرت میں سچا نہ کرے، جا اور ابو بکر و عمر کی محبت اختیار کر، رضی اللہ عنہما۔

جب آیاتِ صریحہ اور اقوالِ ظاہرہ عترتِ طاہرہ سے جن پر کوئی شکل بنانے اور مقدمات ترتیب دینے کی حاجت نہیں ہے ہم نے فراغت پائی تو اب بعض دلیلیں جو قرآن اور عترت سے نکالی ہوئی ہیں کہ ذرا تأمل کرنے میں اس مطلب کو پہنچاتی ہیں وہ ذکر کریں۔

اوّل یہ کہ حق تعالیٰ نے جماعتِ صحابہؓ کو کہ وقت منعقد ہونے خلافت ابو بکرؓ کے حاضر تھے اور سب

امورِ خلافت میں اُن کے مددگار اور معین و ناصر ہوتے چند القاب سے ملقب فرمایا ہے۔ ایک جگہ تو فرمایا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ اور ایک جگہ فرمایا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ اور ایک جگہ وعدہ جنت اور اجرِ عظیم سے مشرف کیا۔ اور ایک جگہ بشارت عالی درجوں اور رحمت اور رضوان کی ان کو بخشی۔ اور جمع ہونا ایسے شخصوں کا امرِ باطل پر کہ صریح مخالف نص رسول ؐ اور شکست (توڑنا) اُن کے عہد میں ہو محال ہے، نہیں تو کتاب اللہ کی بشارتوں میں جھوٹ لازم آئے گا۔

دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صحابہؓ کا اس مضمون کے ساتھ وصف کیا ہے کہ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ (یعنی محبت دی اُس نے تمھاری طرف ایمان کو اور زینت دی اُس نے ایمان کو تمھارے دلوں میں اور ناگوار ٹھہرایا کفر اور بدکاریوں اور نافرمانیوں کو) اب خیال کرو کہ حق تعالیٰ نے جس گروہ کے حق میں یہ کرامتیں فرمائی ہوں وہ کیونکر سب کے سب اکٹھے کفر اور فسق اور عصیان کو اختیار کریں گے۔ اور برسوں بلکہ زندگی بھر اُس پر اڑے رہیں گے۔

تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ آیۂ تقسیم فَے یعنی غنیمت میں بعد ذکر فقرائے مہاجرین کے فرماتا ہے اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (یعنے وہ لوگ سچے ہیں) اور سب مہاجرین ابو بکرؓ کو خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہتے تھے۔ پس اگر وہ سچے خلیفہ نہیں تو وہ لوگ بھی سچے نہیں اور یہ خلاف نص کے ہے۔

چوتھے یہ کہ جنھوں نے ابو بکر صدیقؓ سے بیعت کی وہ جماعت تھی کہ دینی مقدمات میں ہرگز لحاظ اپنے باپوں اور بیٹوں اور بھائیوں اور اقربا کا نہ کیا اور اُن کو دین کے واسطے قتل کیا اور سر کاٹے اور جہاد کی مشقتوں پر صبر کیا اور محنتیں اُٹھائیں اور کسی دشمن مخالف سے نہ ڈرے اور اپنے کو بارہا دین کے واسطے ہلاکت میں دیدیا۔ چنانچہ امیر المومنینؓ نے بھی اپنے خطبوں میں ان کی گواہی دی جیسا کہ باب مطاعن صحابہؓ میں ہم اس کو نقل کریں گے۔ اور جب یہ جماعت کہ جن کا حال ایسا ہے کسی امر پر متفق ہوں ضروری ہے کہ وہ امر خلافِ شرع نہ ہوگا۔

پانچویں یہ کہ ابو بکرؓ کی خلافت پر سب صحابہؓ کا اتفاق واقع ہوا۔ اور جو کچھ متفق علیہ ہے یعنی جس بات پر سب متفق ہوں وہ حق ہے اور خلاف اُس کے باطل۔ اس دلیل سے کہ نہج البلاغت میں جو باتفاق شیعہ کے صحیح و متواتر ہے امیر المومنینؓ سے روایت کی ہے۔

فِیْ کَلَامٍ لَّہٗ، اَلْزِمُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّ یَدَ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَاِیَّاکُمْ وَالْفُرْقَۃَ

درکلامِ خود کہ لازم پکڑو بڑی جماعت کو اس واسطے کہ خدا کا ہاتھ ہے جماعت کے سر پر اور بچو جدائی سے،

فَاِنَّ الشَّاذَّ مِنَ النَّاسِ لِلشَّیْطَانِ کَمَا اَنَّ الشَّاذَّ مِنَ الْغَنَمِ لِلذِّئْبِ۔

پس حصۂ شیطان کا آدمیوں سے ایک کنارے پڑا ہے جیساکہ دور پڑا ہے بکریوں سے حصہ بھیڑیے کا۔

نیز یہ بھی نہج البلاغۃ کی شرحوں میں جو امامیہ کی تصنیف سے ہیں لکھا ہے اُن میں سے صحیح روایت ہے امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے۔

اَنَّهٗ کَتَبَ اِلٰی مُعَاوِیَةَ اَلَا اِنَّ لِلنَّاسِ جَمَاعَةً یَدُ اللّٰهِ عَلَیْهَا وَغَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی مَنْ خَالَفَهَا فَنَفْسَكَ نَفْسَكَ قَبْلَ حُلُوْلِ الْغَضَبِ، وَقَدْ اَوْرَدَهُ الرَّضِیُّ بَعْضَ هٰذَا الْکِتَابِ وَاَسْقَطَ مِنْهُ صَدَارَهٗ لِکَوْنِهٖ مُخَالِفًا لِمَذْهَبِهِ الْمُبْتَنِیْ عَلَی الْفُرْقَةِ فَرَوٰی اٰخِرَهٗ وَهُوَ قَوْلُهٗ وَاتَّقِ اللّٰهَ فِیْمَا لَدَیْكَ وَانْظُرْ فِیْ حَقِّهٖ عَلَیْكَ۔

یہ کہ لکھا معاویہ کو خبردار ہو کہ لوگوں کو ایک اجتماع ہے جس کے سر پر خدا کا ہاتھ ہے اور جو مخالف اُس کے ہے اُس پر غضب خدا کا ہے، پس اپنی فکر کر قبل غضب نازل ہونے سے، رضی اس خط میں بعض الفاظ کو لایا ہے اور بعض کو گرادیا ہے اس واسطے کہ اُن کی بنا اُس کے مطلب سے جدا ہے اور اُس کے مذہب کے خلاف، پس آخر مکتوب سے روایت کی ہے جو قول امیرؓ کا ہے "ڈر خدا سے جو کچھ تیرے نزدیک ہو رہا ہے اور نظر کر خدا کے حق میں جو تجھ پر ہے"۔

وَاَیْضًا فِیْ شُرُوْحِ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ لِلْاِمَامِیَّةِ وَالْمُعْتَزِلَةِ مِمَّا کَتَبَ اِلٰی مُعَاوِیَةَ مَا کُنْتُ اِلَّا رَجُلًا مِّنَ الْمُهَاجِرِیْنَ اَوْرَدْتُ کَمَا اَوْرَدُوْا وَاَصْدَرْتُ کَمَا اَصْدَرُوْا وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیَجْمَعَهُمْ عَلَی الضَّلَالِ۔

اور یہ بھی نہج البلاغت کی شرحوں میں ہے کہ تصنیف امامیہ اور معتزلہ کی ہے اُن سب سے جو امیر المومنینؓ نے معاویہؓ کو لکھے ہیں میں ایک شخص مہاجرین سے تھا داخل ہوا جیسے وہ داخل ہوئے اور لوٹا میں جیسے وہ لوٹے اور خدا نے اُن کو گمراہی کے واسطے جمع نہیں کیا ہے۔

اِس کتابؑ کو رضی نے ابتر کیا۔ تھوڑا سا نہج البلاغت میں لایا ہے اور وہ یہ ہے اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ وَرَدَ عَلَیَّ کِتَابُ امْرِئٍ لَیْسَ لَهٗ بَصَرٌ تَهْدِیْهِ وَلَا قَائِدٌ یُرْشِدُهٗ (لیکن بعد اس کے پہنچا میرے پاس مکتوب اُس مرد کا کہ اُس کی آنکھیں نہیں راہ بتائیں اُس کو اور نہ کوئی قائد ہے یعنی کورکش کہ خوبی کام کی اُس کو سکھائے)۔ لیکن اِس عبارت کو صدر دوسری کتابؑ کا کیا ہے اور اِس رضی کا یہی قاعدہ ہے کہ خطوں اور خطبوں جناب امیرؓ کو موافق مراعات اپنے مذہب کے ابتر کرتا ہے اور بسبب تقدیم و تاخیر کے محرّف کرتا ہے۔

❊ چھٹے یہ کہ جناب امیر المومنینؓ سے جب حال صحابۂ گزشتہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا پوچھا موافق لوازم ولایت کے وصف فرمایا اور کہا:۔

کَانُوْا اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ هَمَلَتْ اَعْیُنُهُمْ حَتّٰی تَبُلَّ جِبَاهُهُمْ وَمَادُوْا کَمَا یَمِیْدُ الشَّجَرُ یَوْمَ الرِّیْحِ الْعَاصِفِ خَوْفًا مِّنَ الْعِقَابِ رَجَاءً لِلثَّوَابِ کَذَا ذَکَرَهُ الرَّضِیُّ فِیْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ۔

وہ اصحاب ایسے تھے کہ جس وقت ذکر اللہ کا کیا جاتا تھا تو ایسی جاری ہوتی تھیں اُن کی آنکھیں کہ اُن کی پیشانیوں کو تر کرتی تھیں اور ہلتے تھے جیسے درخت آندھی کے دن ہلتے ہیں خوف عذاب اور امید ثواب سے جیساکہ ذکر کیا رضی نے نہج البلاغت میں۔

اور دوسری بار بھی اُن کے حق میں فرمایا کَانَ اَحَبَّ اللِّقَاءِ اِلَیْهِمْ لِقَاءُ اللّٰهِ وَاِنَّهُمْ یَتَقَلَّبُوْنَ عَلٰی مِثْلِ الْجَمْرِ مِنْ ذِکْرِ مَعَادِهِمْ (اور وہ ایسے تھے کہ سب ملاقاتوں سے اُن کو دوست تر ملاقات خدا کی تھی اور وہ مثل آگ کے بے چین ہوتے تھے اپنے معاد کے ذکر سے)۔

جمع ہونا ایسے شخصوں کا بلکہ اصرار ایسے ایک شخص کا امر باطل پر جو خلاف نص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو محالات سے ہے۔

❊ ساتویں خلافت صدیق اکبرؓ کی بیعت جماعت کے ساتھ ثابت ہوئی کہ امام سجادؑ صحیفہ کاملہ اور دعاؤں طویلہ میں جو وقت مناجات باری تعالیٰ کے کہ وقت راز و نیاز بندگانِ خاص کا ہے اُن کی تعریف کرتے ہیں یہاں تک کہ جو تابع اُس جماعت کے تھے اُن کے حق میں بھی بڑی لمبی دعا کی ہے ان لفظوں کے ساتھ

اَللّٰهُمَّ وَاَوْصِلْ اِلَی التَّابِعِیْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ خَیْرَ جَزَائِكَ الَّذِیْنَ قَصَدُوْا سَمْتَهُمْ وَتَحَرَّوْا وِجْهَتَهُمْ وَمَضَوْا فِیْ قَفْوِ اٰثَارِهِمْ وَالْاِئْتِمَامِ بِهِدَایَةِ مَنَارِهِمْ یَدِیْنُوْنَ بِدِیْنِهِمْ عَلٰی شَاکِلَتِهِمْ وَلَمْ یَتَّهِمْهُمْ رَیْبٌ فِیْ قَصْدِهِمْ وَلَمْ یَخْتَلِجْ شَكٌّ۔ اِلٰی اٰخِرِ مَا قَالَ۔

بار خدایا میرے اور پہنچا اُن کے تابعین کی طرف ساتھ نیکی کے جو لوگ کہ کہتے تھے بار خدایا بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جنھوں نے ایمان میں ہم پر سبقت کی ہے، اور پہنچا اپنا اچھا بدلہ اُن لوگوں کو کہ اُن کے جانب کو پیش رو کیا اور اُن کی طرف کو قصد کیا اور رواں ہوئے ان کی پیروی میں، اور پیروی کی ان کی ہدایت کی نشانیوں کی، اور ان کے دین کو دین اختیار کیا ان کے طریقے پر، اور روک نہیں سکتا ہے کوئی شبہ اُن کو اُن کے قصد میں، اور نہ خلش کرسکتا ہے کوئی شک آخر اُس بات تک جو امامؑ نے فرمائی۔

اور جس کی امام معصومؑ ایسی تعریف کرے مناجات کے وقت کہ وہ خاص وقت خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے جو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے اور ایسے وقت میں احتمالِ تقیہ کو بھی گنجائش دینا صریح کفر ہے اور جانا باطل پر اور چھپانا حق کا اور ظلم و غصب خاندانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس سے محال و ممتنع ہے

آٹھویں یہ کہ کلینی باب السبق الی الایمان میں بروایت ابی عمرو زبیری کے ابی عبد اللہ علیہ السلام سے

روایت کی۔

قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ اِنَّ لِلْاِیْمَانِ دَرَجَاتٌ وَمَنَازِلَ یَتَفَاضَلُ الْمُؤْمِنُوْنَ فِیْھَا عِنْدَ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ صِفْہُ لِیْ رَحِمَکَ اللّٰہُ حَتّٰی اَفْھَمَہٗ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ سَبَقَ بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ کَمَا یُسْتَبَقُ بَیْنَ الْخَیْلِ یَوْمَ الرِّھَانِ ثُمَّ فَضَّلَھُمْ عَلٰی دَرَجَاتِھِمْ فِی السَّبْقِ اِلَیْہِ فَجَعَلَ کُلَّ امْرِءٍ مِّنْھُمْ عَلٰی دَرَجَۃِ سَبْقِہٖ لَا یَنْقُصُہٗ فِیْھَا مِنْ حَقِّہٖ وَلَا یَتَقَدَّمُ مَسْبُوْقٌ سَابِقًا وَلَا مَفْضُوْلٌ فَاضِلًا تَفَاضَلَ بِذٰلِکَ اَوَائِلُ الْاُمَّۃِ وَاَوَاخِرُھَا وَلَوْ لَمْ یَکُنْ لِلسَّابِقِ اِلَی الْاِیْمَانِ فَضْلٌ عَلَی الْمَسْبُوْقِ اِذًا لَلَحِقَ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَوَّلَھَا نَعَمْ وَلَتَقَدَّمُوْھُمْ اِذْ لَمْ یَکُنْ لِمَنْ سَبَقَ اِلَی الْاِیْمَانِ فَضْلٌ عَلٰی مَنْ اَبْطَاَ عَنْہُ وَلٰکِنْ بِدَرَجَاتِ الْاِیْمَانِ قَدَّمَ اللّٰہُ السَّابِقِیْنَ وَبِالْاِبْطَاءِ عَنِ الْاِیْمَانِ اَخَّرَ اللّٰہُ الْمُقَصِّرِیْنَ لِاَنَّا نَجِدُ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنَ الْاٰخِرِیْنَ مَنْ ھُوَ اَکْثَرُ عَمَلًا مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَاَکْثَرُھُمْ صَلٰوۃً وَصَوْمًا وَحَجًّا وَزَکٰوۃً وَجِھَادًا وَاِنْفَاقًا وَلَوْ لَمْ تَکُنْ سَوَابِقُ یَفْضُلُ بِھَا الْمُؤْمِنُوْنَ بَعْضُھُمْ بَعْضًا عِنْدَ اللّٰہِ لَکَانَ الْاٰخِرُوْنَ بِکَثْرَۃِ الْعَمَلِ مُقَدَّمِیْنَ عَلَی الْاَوَّلِیْنَ وَلٰکِنْ اَبَی اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ یُّدْرِکَ

تو پوچھا میں نے ابی عبداللہؑ سے کہ ایمان کے درجے اور مرتبے ہیں کہ مومن اُن میں خدا کے نزدیک فرق رکھتے ہیں، کہا ہاں میں نے کہا کہ اُن کو بیان کرو میرے واسطے اللہ تم پر رحمت بھیجے تو میں اُن کو سمجھ لوں، کہا اللہ تعالیٰ نے سبقت ڈالی ہے درمیان مسلمانوں کے جیسے گھوڑوں میں سبقت ڈالتے ہیں شرط کے دن، پھر اُن کو فضیلت دی ہے موافق اُن کے درجوں کے پیش دستی میں پھر مقرر کیا ہر مرد کو اُن میں سے اپنی پیش دستی کے درجے پر کم نہیں دیتا ہے اُس کو اُس درجے سے اُس کے حق سے، اور کوئی مسبوق کسی سابق سے اور کوئی مفضول کسی فاضل سے بڑھ نہیں جاتا ہے۔ اِس سبب سے جو لوگ اوائل اُمت سے ہیں وہ فضل پاتے ہوئے ہیں اپنے اواخر سے، اور اگر پہلے ایمان والے کا فضل پچھلے ایمان والے پر نہ ہوتا تو اُس وقت میں آخر اِس اُمت کے البتہ اُن لوگوں کے درجوں کو پہنچتے اور البتہ جب مقدم ہو جاتے تم اُن سے ایمان میں کہ جو سابق ہیں ایمان میں تو اُن کو اُن لوگوں پر فضل نہ ہو جنھوں نے ایمان میں دیر کی ہے، لیکن درجاتِ ایمان میں خدا تعالیٰ نے اُن کو مقدم کیا ہے جو پہلے ایمان کو پہنچے ہیں، اور بسبب دیر کرنے کے ایمان میں پیچھے ڈالا ہے اللہ نے کوتاہی کرنے والوں کو۔ پائیگا تو ایمان والوں سے جو پچھلے ہیں کسی کو کہ جس کے عمل اولین سے بہت زیادہ ہوں اور نماز اور روزہ اور حج اور زکوٰۃ اور جہاد اور انفاق میں اُن سے بڑھے ہوئے ہوں اگر نہ ہو تیں پیش قدمیاں کہ فضیلت پائیں اُن کے سبب سے بعض اُن میں سے بعض پر اللہ کے نزدیک تو ضرور ہوتے پچھلے اُن کے بسبب کثرت عمل کے مقدم پہلوں پر، لیکن خدا تعالیٰ نے روا نہیں کیا اس بات کو کہ

اٰخِرُ دَرَجَاتِ الْاِیْمَانِ اَوَّلَھَا وَیُقَدَّمَ فِیْھَا مَنْ اَخَّرَ اللّٰہُ اَوْ یُؤَخَّرَ فِیْھَا مَنْ قَدَّمَ اللّٰہُ قُلْتُ اَخْبِرْنِیْ عَمَّا نَدَبَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلَیْہِ مِنَ الْاِسْتِبَاقِ اِلَی الْاِیْمَانِ فَقَالَ قَوْلُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ سَابِقُوْا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَقَالَ السَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ وَقَالَ: السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ فَبَدَاَ بِالْمُھَاجِرِیْنَ عَلٰی قَدْرِ دَرَجَۃِ سَبْقِھِمْ ثُمَّ ثَنّٰی بِالْاَنْصَارِ ثُمَّ ثَلَّثَ التَّابِعِیْنَ لَھُمْ بِاِحْسَانٍ فَوَضَعَ کُلَّ قَوْمٍ عَلٰی قَدْرِ دَرَجَاتِھِمْ وَمَنَازِلِھِمْ عِنْدَہٗ ثُمَّ ذَکَرَ مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ اَوْلِیَآءَہٗ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ فَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِّنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجَاتٍ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ وَقَالَ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَقَالَ اُنْظُرْ کَیْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَقَالَ وَلَلْاٰخِرَۃُ اَکْبَرُ دَرَجَاتٍ وَّاَکْبَرُ تَفْضِیْلًا اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْثِ وَقَالَ فِیْ اٰخِرِہٖ فَھٰذَا ذِکْرُ

پچھلے درجے والے ایمان کے اول ایمان والوں کے درجے پائیں اور پیش ہوں درجے اُس کے جس کو اللہ نے مؤخر کیا، یا پس ہو جائیں درجے اُس کے جس کو اللہ نے پیش کیا، میں نے کہا مجھ کو بتاؤ تو وہ بات کہ کسی کو ترغیب کی مومنوں سے خدا نے طرف اپنے کہ پیش قدمی کرے طرف ایمان کے، پھر کہا قول اللہ تعالیٰ کا ہے اور سبقت ڈھونڈھو اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اور جنت کی جس کی چوڑائی آسمان و زمین جیسے ہے اور آراستہ کی گئی ہے اُن لوگوں کے واسطے جو اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں، اور کہا وہ لوگ کہ سبقت کرنے والے ہیں اور سابق ہیں اور وہی مقربوں سے ہیں اور کہا وہ لوگ کہ سابقون اولون ہیں مہاجر اور انصار سے اور اُن لوگوں سے جنھوں نے اُن کی پیروی کی ہے نیکی کے ساتھ راضی ہوا اللہ اُن سے اور وہ راضی ہوئے اُس سے، پس شروع کیا مہاجرین سے موافق اندازے درجے اُن کی سبقت کے دُہرایا انصار کے ساتھ، پھر تہرایا اُن کے تابعین کو احسان کے ساتھ، پس رکھا ہر قوم کو اُن کے موافق اُن کے درجوں اور مرتبوں کے جو اُس کے نزدیک تھے، پھر ذکر کی وہ بات کہ فضیلت دی اُس سے اللہ نے اپنے بعض اولیاء کو بعض پر، سو فرمایا عزّ و جلّ نے وہ رسول کہ فضیلت دی ہم نے اُن سے بعض کو بعض پر، بعض وہ ہیں کہ اُن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ اور بعض کے اُن میں سے درجے بلند کئے، آخر آیت تک، اور فرمایا تحقیق فضیلت دی ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر، اور فرمایا دیکھ فضیلت دی ہم نے بعض کو اُن میں سے بعض پر، اور آخرت اور بہت بڑے درجے اور بڑی بڑی فضیلتیں، آخر حدیث تک، اور آخر حدیث میں یہ کہا کہ یہ بیان

دَرَجَاتِ الْاِیْمَانِ وَمَنَازِلِهٖ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ || درجوں اور مرتبوں ایمان کا ہے اللہ عزوجل کے نزدیک۔

پس اِس حدیث سے صریح معلوم ہوا کہ مہاجرین اور انصار ایمان کے درجوں سے اعلیٰ درجہ میں تھے اور بعد ان کے ہرگز کوئی اُن درجوں کو نہ پہنچا۔ چنانچہ آیتیں قرآن کی بھی اِس پر نص کر رہی ہیں۔ قولہ تعالیٰ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (وہی لوگ ایمان والے ہیں درحقیقت) وقولہ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ (بہت بڑے درجے ہیں نزدیک اللہ کے) وقولہ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ (نہیں برابر ہے تم میں سے اُس شخص کے جس نے انفاق کیا قبل فتح کے اور لڑا) اور جو شخص کہ اعلیٰ درجے کو ایمان کے پہنچا ہوا ہو اُس سے اُڑجانا اِن امورِ شنیعہ پر اور اتفاق کرنا اور جمع ہونا قسم محالات سے ہے۔

✺ نویں یہ کہ نہج البلاغۃ کے شارحین نے حضرت امیرؓ کے اُس نامہ میں جو معاویہؓ کے نامہ کے جواب میں معاویہؓ کو لکھا ہے نقل کیا ہے۔ اور اُس نامہ میں بعد ذکر ابوبکرؓ و عمرؓ کے یہ عبارت مندرج ہے لَعَمْرِیْ اِنَّ مَکَانَهُمَا مِنَ الْاِسْلَامِ لَعَظِیْمٌ وَاِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا لَجُرْحٌ فِی الْاِسْلَامِ شَدِیْدٌ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَجَزَاهُمَا بِاَحْسَنِ مَا عَمِلَا (قسم ہے مجھ کو اپنی جان کی بیشک مرتبہ اُن کا بڑا ہے اور مصیبت اُن کے جانے کی ایک زخم شدید ہے بیشک اسلام میں، رحم کرے اُن دونوں پر اللہ اور بدلا دے اُن کو بہتر جو کچھ اُن دونوں نے عمل کئے ہیں)۔ پس اگر یہ غاصب اور ظالم تھے تو اس قسم کی تعریف و دعا زبانِ معصوم سے کیونکر نکل سکتی تھی۔ اور عجب یہ ہے کہ نہج البلاغۃ والے نے بھی اِس نامہ کو پورا لکھا ہے لیکن وہاں داد تحریف کی دی ہے کہ مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کیا ہے۔ اور جو کچھ خلاف اپنے مذہب کے پایا گرا دیا ہے۔ اور جتنے شارح اِس کتاب مستطاب کے ہیں سب نے اِس بات کا اقرار کیا ہے کہ رضی کو اِس نامہ کی نقل کرنے میں عجب رقص الجمل بے انتظامی کا واقع ہوا کہ عبارت نے اُس نامہ کی بسبب خبط اس حد اغلاق و اشکال پیدا کئے کہ شارح اُس کے ترکیب توجیہ سے عاجز ہوتے ہیں۔ آخر کار ناچار ہو کر اصل اُس نامہ کی نقل کر کے متوجہ شرح کے ہوتے ہیں۔

تمہید کلام و تقریر مرام

شیعہ حضرت امیرؓ کی امامت بلافصل کے ثبوت میں بہت دلیلیں لاتے ہیں۔ اور جب ان کی کتابوں میں جستجو کی گئی اور ان کے دلائل کی تحقیق و تلاش کی تو ظاہر ہوا کہ اکثر اُن سے غیر محل نزاع میں قائم ہیں۔ نزاع کچھ بے دلیل کچھ ہے۔ اور بہت اُن سے ایسی ہیں کہ اہلِ سنّت سے اخذ کی ہیں اور چرالی ہیں۔

چنانچہ تفصیل اِس اجمال کی یہ ہے کہ کل دلائل ان کے تین قسم کے ہیں۔

✺ اوّل آیتیں اور حدیثیں جو فضائل حضرت امیرؓ اور اہلِ بیت پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ سب نکالی ہوئی اہلِ سنت کی ہیں کہ خوارج و نواصب کے مقابلہ میں جو جناب امیرؓ اور اور اہلِ بیت کو لعن طعن کر کے ڈھیر بدبختی کا اپنے واسطے جمع کرتے تھے، تحریر اور تقریر کی ہیں۔ اِن صاحبوں نے اپنی حماقت سے اُن دلیلوں کو اہلِ سنت کے مقابلہ میں واسطے ثابت کرنے امامت بے فصل حضرت امیرؓ کی وارد کیا ہے۔ اور جب ان کے متاخرین نے کلام اور اصول اہلِ سنت اور معتزلہ سے سیکھ کر روش دانشمندی کی اختیار کی اور اُن دلیلوں کے ضائع ہونے پر خبردار ہوتے تو اُن کے مقدمات میں کچھ تھوڑا التغیر یا کوئی کلمہ موضوعہ ایسا داخل کر کے جو غرض میں مفید ہو، اور حالانکہ وہ اب بھی مفید نہیں ہے، عمل میں لا کر اپنے زعم میں اُن ضائعات کو کام میں لاتے ہیں۔ اور اکثر دلیلیں اِس قوم کی اِسی جنس سے ہیں، کتاب الالفین واسطے درستی اور آراستگی انہی دلائل کے تصنیف ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ اہلِ سنت کو متصدی جواب اُن دلائل کا ہونا نہایت ہی نالائق ہے۔ بار خدایا مگر نقل کرنا اُن دلائل کا واسطے ظاہر کرنے دانشمندی اور خوش تقریری اِن بزرگواروں کے کیا جائے اور یاں ان کے موضوعہ اور مقدمہ مدخلہ پر آگاہی کی جائے۔

✺ دوسرے وہ دلیلیں کہ جو خاص حضرت امیرؓ کی امامت کے واسطے اور اُن کے استحقاقِ امامت پر دلالت کرتی ہیں اور اِس بات پر آنجنابؓ کوئی وقت ہو اوقات سے خلیفہ برحق اور امام مطلق ہیں کہ اِن دلیلوں کو بھی اہلِ سُنّت نے مقابلہ میں خوارج اور نواصب کے قائم کیا ہے، جو منکر امامت حضرت امیرؓ کے تھے اور اِس منصبِ عالی کے استحقاق پر اُن کی شان میں بدگوئیاں کرتے تھے۔ اور جو کچھ اُن دلائل سے فائدہ بخش ہے وہ اسی قدر ہے کہ حضرت امیرؓ مستحق خلافت راشدہ کے ہیں، اور امامت اُن کی پسندیدہ اور حسب مرضی شارع کے بے تعین وقت و زمان، اور بدون تخصیص اِس بات کے کہ زمانہ اُس کا زمانۂ نبوت سے لگا ہوا ہو یا زمانِ نبوت سے جدا ہو۔ پس متصدی جواب ان دلائل کے البتہ اہلِ سنّت نہ ہوں گے۔ اس واسطے کہ اہلِ سُنّت کا یہ عین مذہب ہے۔ اور خلاصہ مطلب کا مگر بعض جگہوں میں واسطے آگاہ کر دینے کے کہ جو دو ایک ان کے مخترعہ ہیں اور اُن دلائل میں بڑھائے ہیں اور اپنے زعم میں خوب تقریب ان کی اُن دلائل سے کی ہے۔

✺ تیسرے وہ دلیلیں جو دلالت کرتی ہیں امامت بلافصل آنجنابؓ پر مع نہ ہونے استحقاق امامت کے کسی غیر کو سوا اُن کے، اور درحقیقت وہ دلیلیں جو مذہب شیعہ سے مختص ہیں اور جن کے استخراج میں یہ متفرد ہیں یعنی تن تنہا انھوں نے نکالے ہیں اہلِ سُنّت سے کچھ علاقہ نہیں، وہ بھی قسم اخیر ہے اور یہ قسم بہت اقل قلیل ہے اور مقدمات ان کے نہایت مخدوش کہ ثقلین یعنی کتاب و عترت اُن دلائل کے مقدمات کے جھوٹا بنانے پر

دو گواہ صادق اور دو شاہد عدل ہیں۔

پس اِس رسالہ میں ہم تینوں قسم سے بیان و ذکر کریں، اور قسمِ اخیر کو پورا پورا بیان کریں اور جو منشا اور موقع غلط کے ہیں اُن پر خبردار کریں تو حقیقت ان کی دلیلوں کی معلوم ہو۔ اور ضروری ہے کہ مقدمات اور مبدا اُن دلیلوں کے ایسے ہونے چاہئیں جن کو اہلِ سُنّت بھی مُسلّم الثبوت سمجھیں۔ کیونکہ ان دلیلوں کے قائم کرنے سے تو غرض یہی ہے کہ ان کو الزام دیں۔ اور اگر مسلّم الثبوت نہ ہوں تو ایسا ہے کہ کوئی کُتّا اپنی گلی میں عو عو کر کے شیر غرّاں بنا ہوا ہے۔ اہلِ سنت ان کی روایتوں اور اصول کو کہ اگلے بابوں میں مُفصّل حال اُن کا گزرا ایک جَو کو بھی نہیں خریدتے ہیں۔ پس وہ دلیلیں یا قسم آیات قرآنی سے ہوں گی یا حدیثوں متفق علیہ سے کہ جن پر سب متفق ہوں یا دلائلِ عقلیہ سے کہ وہ ایسے مقدمات سے نکالے گئے ہوں کہ جو مقدمات دونوں طرف سے مانے ہوئے ہوں۔ یا قسم مطاعن خُلفائے ثلٰثہؓ سے ہوں گے کہ اُن کے امامت کے استحقاق مٹانے میں لاتے ہیں۔ لیکن چونکہ باب مطاعن علیٰحدہ لکھا جائے گا اس واسطے اقسامِ ثلٰثہ کو ہم اس باب میں لاتے ہیں۔

رہیں آیات تو ان میں سے ایک یہ آیت ہے قولہٗ تعالیٰ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ (فرمایا خدا تعالیٰ نے بیشک مددگار تمہارا اللہ ہے اور اُس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں نماز اور زکوٰۃ دیتے ہیں اُس حال میں کہ فروتنی کرنے والے ہیں)۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اہلِ تفسیر متفق ہیں کہ یہ آیت حضرت امیرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اُس وقت کہ اپنی انگوٹھی رکوع کے حال میں سائل کو دی تھی اور کلمہ اِنَّمَا مفید حصر کا ہے اور وَلِی بمعنے متصرّف در امور۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں عام تصرّف سب مسلمانوں میں مُراد ہے جو مساوی امامت کا ہے اِس قرینہ سے کہ اُس کی ولایت خدا اور رسولؐ کی ولایت سے ضم یعنی ملی ہوئی ہے۔ پس امامت آنجنابؓ کی ثابت ہوئی۔ اور بسبب فائدہ حصر کے غیر کی امامت کے نفی حاصل ہوئی۔ اور یہی ہمارا دعوٰی ہے۔

اس کا جواب چند وجوہ سے دیا ہے۔ اوّل تو اس میں نقض ہے یعنی یہ بات اس طور پر بگڑی جاتی ہے کہ اگر یہ دلیل اس بات پر دلالت کرے کہ اُن اماموں کی جو اُن سے پہلے ہوئے ہیں امامت کی نفی کرتی ہے جیسے شیعوں نے تقریر کی ہے تو یہ بھی ہے کہ بعد اُن کے جو امام ہوئے ہیں اُن کی امامت کی بھی نفی کریگی اُسی تقریر کے ساتھ بعینہٖ۔ پس چاہیئے کہ حسنینؓ اور اُن کے بعد جو امام ہوتے ہیں وہ بھی امام نہ ہوں۔ ہاں اگر شیعہ کا یہ مذہب ہو تو اس دلیل کو دستاویز کریں۔

حاصل یہ کہ بنیاد اِس استدلال کی اِس وجہ کے ساتھ کہ اہلِ سُنّت کے مقابلہ میں مفید ہو کلمہ حصر پہ ہے اور حصر جیسا اہلِ سنّت کو مُضر ہے شیعہ کو بھی مُضر ہے۔ کیونکہ امامت اگلے پچھلے سب اماموں کی باطل ہوئی جاتی

ہے ہرچند مذہب اہلِ سنت کا بھی باطل ہوا لیکن مذہب شیعہ کے باطل ہونے میں بھی کچھ قصور نہ رہا۔ بلکہ اگر اہلِ سنت کو نقصان تین اماموں کا ہوا تو شیعہ اثنا عشریہ کو گیارہ اماموں کا ہوا۔ اور تین سے گیارہ تک کا جو فرق ہے پوشیدہ نہیں ہے۔ سوائے حضرت امیرؓ کے کہ باتفاق امام ہیں کوئی نہ رہا۔ شعر

شادم کہ از رقیبان دامن کشان گزشتی || گو مُشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد

اور اگر جواب اِس نقض کا اس طریق پر دیں کہ حصر سے مراد حصر ولایت آنجنابؓ کا ہے بعض اوقات میں یعنی اپنی امامت کے وقت میں نہ کہ وقت امامت حسنینؓ کے اور جو بعد اُن کے ہوئے تو ہم کہیں گے فَمَرْحَبًا بِالْوِفَاقِ (مبارک ہو یہ اتفاق) ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ ولایت عام آنجنابؓ کی بعض اوقات میں محصور تھی کہ وہ وقت اُن کی امامت کا ہے نہ کہ قبل اُس سے کہ زمانہ خلافت خلفائے ثلٰثہؓ کا تھا۔

اور اگر کہیں کہ حضرت امیرؓ خلفائے ثلٰثہؓ کے زمانہ میں صاحب ولایت عامہ کے نہ تھے تو ایک نقض اُن کی جناب مستطاب میں لازم آتا ہے بخلاف وقت امامتِ حسنینؓ کے کہ اُس وقت بقیدِ حیات نہ تھے دوسرے کی امامت ان کے حق میں موجبِ نقض نہیں ہو سکتی لِاَنَّ الْمَوْتَ رَافِعٌ لِجَمِيْعِ الْاَحْكَامِ الدُّنْيَوِيَّةِ (موت تمام احکام دنیوی کو رفع کر دیتی ہے)۔ ہم یہ کہیں گے کہ یہ استدلال دوسرا ہوا۔ آیت پر استدلال نہ رہا۔ کیونکہ اصل بنا اِس استدلال کی دو مقدموں پر ہے۔ اوّل یہ کہ جو صاحب ولایت عامہ کا ہے اُس کو دوسرے کی ولایت میں ہونا چاہے کسی وقت میں ہو اوقات سے نقص ہے۔ دوسرے یہ کہ صاحب ولایت عامہ کو کہ کسی بھی وقت میں نقص لاحق نہ ہوا اور یہ دونوں مقدمے آیت سے کہاں ثابت ہوتے اور سمجھے جاتے ہیں۔ اِس صنعت کو عرف مناظرہ میں فرار کہتے ہیں یعنی ایک دلیل چھوڑ کر دوسری دلیل کی طرف جانا جس کا جھگڑا فیصل نہ ہوا ہو چاہے اقرار سے فیصل ہو چاہے ثابت ہو کر فیصل ہو۔ اور اگر اِس فرار کو بھی ہم گوارا کر لیں تو ہم بھی اِن مقدمات کے استدلال میں دوسری طرف جائیں گے اور کہیں گے کہ دونوں مقدمے باطل ہیں۔ اور یہ استدلال پکڑا جاتا ہے حضرات حسنینؓ کے حق میں کہ زمانہ حضرت امیرؓ میں مستقل بالولایت یعنی خود صاحب ولایت نہ تھے اور کی ولایت میں تھے اور حضرت امیرؓ کی ولایت سے بھی بگڑا ہوا ہے کہ زمانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں اُن کا یہی حال تھا۔ پس صاحب ولایت عامہ کو بعض اوقات دوسرے کی ولایت میں ہونا نقص نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض نقص ہے تو صاحب ولایت عامہ کو یہ نقص لاحق ہوتا ہے۔ پس باطل ہوئی وہ دلیل جس کی طرف تم بھاگے تھے مع اپنے سب مقدمات کے۔

❋ دوسرا جواب حضرت شیخ ابراہیم کُردی علیہ الرحمۃ اور دوسرے اہلِ سُنّت نے لکھا ہے کہ ولایت اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی اُس وقت جب کہ یہ خطاب ہوا ہے البتہ مُراد نہیں ہے بالاتفاق۔ کیونکہ جس وقت یہ خطاب ہوا ہے اُس وقت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ اور امامت نیابت نبیؐ کی ہے بعد وفات نبیؐ کے اب جب کہ

زمانہ خطاب کا مراد نہ ہوا تو ضرور ہے کہ زمانہ بعد کا ہوگا وفاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس کی کچھ حد نہیں ہے بعد چار برس کے ہو جو ایام امامت ابوبکرؓ کے ہیں یا بعد چوبیس برس کے جو زمانہ امامت خلفائے ثلثہؓ کا تھا۔ پس یہ دلیل بھی غیر محلِ نزاع میں قائم ہوئی اور مدعا شیعہ کا کہ امامت بلا فصل ہے حاصل نہ ہوا۔ اور اس دلیل کے مقدمات کا خیال کر کے تفصیل کریں تو اوّل اجماع مفسّرین کا ممنوع ہے۔ بلکہ علمائے تفسیر کو اس آیت کے سببِ نزول میں اختلاف ہے۔ ابوبکر نقاش کہ صاحبِ تفسیر مشہور ہے حضرت امام ابوجعفرؒ یعنی امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت کرتا ہے کہ نَزَلَتْ فِی الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ (نازل ہوئی مہاجرین و انصار کے حق میں) ایک کہنے والے نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ نَزَلَتْ فِیْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ (علی بن ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی) امامؒ نے فرمایا کہ هُوَ مِنْهُمْ (وہ بھی انہی میں سے ہیں) یعنی وہ بھی انصار و مہاجرین میں داخل ہیں۔ اور یہ روایت بہت موافق ہے لفظ اَلَّذِیْنَ اور جمع کے صیغوں سے جو یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رَاکِعُوْنَ ہیں۔ اور ایک جماعت مفسّروں نے عکرمہؓ سے روایت کی ہے کہ نَزَلَتْ فِیْ شَانِ اَبِیْ بَکْرٍ (ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی) اور اس کی تائید آیت ماسبق سے ہوتی ہے کہ مرتدوں کے قتال میں واقع ہے۔

اور یہ قول کہ نَزَلَتْ فِیْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اور روایت قصہ سائل اور خیرات انگشتری کی ہے رکوع میں کہ فقط ثعلبی متفرد اور متن تنہا ہے، اور کل محدث اہل سنت کے اس ثعلبی اور اس کی روایتوں کو کچھ بھی نہیں گنتے اور اس کو "حاطبِ لیل" کا خطاب دیا ہے۔ یعنی رات میں لکڑیاں توڑنے والا کہ گیلی سوکھی میں فرق نہیں کرتا۔ اور اکثر روایتیں اس کی تفسیر میں کلبی سے ہیں عن ابی صالح، وَهِیَ اَوْهٰی مَا یُرْوٰی مِنَ التَّفْسِیْرِ عِنْدَهُمْ (وہ جو کچھ تفسیر سے روایت کرتا ہے ان کے نزدیک نہایت رکیک ہے) اور قاضی شمس الدین ابن خلکان نے کلبی کے حال میں کہا ہے:۔

کَانَ الْکَلْبِیُّ مِنْ اَصْحَابِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ سَبَا الَّذِیْ کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ لَمْ یَمُتْ وَاِنَّهٗ یَرْجِعُ اِلَی الدُّنْیَا۔	یہ کہ کلبی عبداللہ بن سبا کے یاروں سے ہے جو کہتا تھا کہ علی بن ابی طالب مرے نہیں ہیں اور وہ لوٹ پھر دنیا میں آئیں گے۔

اور بعض روایتیں ثعلبی کی تمام ہوتی ہیں محمد بن مروان السدی الصغیر کے ساتھ کہ اس کو سلسلہ کذب اور وضع کا جانتے ہیں اور رافضی غالی تھا اور صاحب لباب التفسیر کا لایا ہے کہ آیتِ مذکورہ عبادہ بن صامت کے حق میں نازل ہوئی جس وقت کہ اس نے اپنے حلفاء سے جو یہودی تھے تبرّا کیا عبداللہ بن اُبی کے خلاف کہ اس نے تبرّا نہ کیا اور ان کی حمایت و خیر خواہی سے دست بردار نہ ہوا۔ اور یہ قول سیاق آیت سے بہت مناسبت رکھتا ہے کیونکہ بعد اس کے یہ آیت وارد ہے:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ۔	اے ایمان والو مت پکڑو تم ان لوگوں کو کہ پکڑا انھوں نے دین تمہارا مسخرہ اور بیہودگی میں ان لوگوں میں سے کہ دیئے گئے ہیں کتاب تم سے پہلے اور کافروں کو دوست۔

ایک جماعت مفسّرین کہتی ہے کہ جب عبداللہ بن سلامؓ کہ علمائے یہود میں سے تھے بشرفِ اسلام مشرف ہوئے تمام قبیلے نے اُن کے اُن کو چھوڑ دیا اور اُن سے قطع سلوک کیا۔ انھوں نے اس حادثہ کی شکایت حضرت رسالت پناہ کے حضور میں کی اور کہا یا رسول اللہ اِنَّ قَوْمَنَا هَجَرُوْنَا (بدرستیکہ میری قوم نے مجھ کو چھوڑ دیا)۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ باعتبار فنِ حدیث کے یہ قول سب قولوں میں زیادہ صحیح ہے۔

دوسرے یہ کہ لفظ ولی بہت سے معنے میں مشترک ہے یعنی محب، ناصر، صدیق اور متصرف در امر۔ اور لفظ مشترک سے ایک ہی معنیٰ مراد نہیں ہو سکتے مگر جب کہ کوئی قرینہ خارج میں ہو اور قرینہ یہاں موافق سیاق کے ناصر کے معنے کا مؤید ہے۔ کیونکہ کلام تقویتِ قلوب اور مومنوں کی تسلّی کے لئے اور مرتدوں کا خوف ان کے دل سے دُور کرنے کی غرض سے ہے۔ لیکن قرینہ سیاق کا یعنی مابعد کا معیّن معنی محب اور صدیق کا ہے۔ اور وہ ہے قول اللہ تعالیٰ کا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ کیونکہ یہود و نصاریٰ اور دوسرے کافروں کو کوئی امام نہیں بناتا تھا نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو امام بناتے تھے۔ اور کلمہ اِنَّمَا کہ مفید حصر ہے انہی معنے کو چاہتا ہے۔ کیونکہ حصر وہیں ہوتا ہے جہاں کچھ جھگڑا اور تردد اور اعتقاد کسی شرکت کا ہوتا ہے۔ اور بالاتفاق جب یہ آیت نازل ہوئی ہے تو کچھ تردد اور جھگڑا امامت اور ولایت اور تصرف میں نہ تھا البتہ نصرت اور محبت میں تھا۔

تیسرے یہ کہ اَلْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ (عموم لفظ کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا) یہ قاعدہ اصولیہ متفق علیہ ہے درمیان شیعہ اور سُنی کے۔ پس آیت حصر ولایت عام کے مفاد میں چند اشخاص ہوں گے کہ حضرت امیرؓ بھی اُس میں داخل ہیں کیونکہ صیغہ جمع کے اور کلمہ اَلَّذِیْنَ الفاظ عموم یا مساوی الفاظ عموم سے ہیں باتفاق امامیہ جیسا کہ المرتضیٰ نے الذریعہ میں اور ابن المطہر نے النہایہ میں ذکر کیا ہے۔ پس جمع کو واحد پر قیاس کرنا دشوار ہے اور قیاس عام کا خاص پر خلاف اصل کے ہے کہ بلا ضرورت اس کو اختیار نہیں کر سکتے ہیں۔

اگر شیعہ کہیں کہ یہاں ضرورت ثابت ہے کیونکہ سائل کو صدقہ دینا حالتِ رکوع میں سوائے ایک شخص کے اور سے ثابت نہ ہوا۔ تو ہم کہیں گے کہ اس آیت میں یہ قصہ ہی کہاں مذکور ہے جو عام پر قیاس کرنے کو منع کرے

بلکہ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ایک جملہ ہے معطوف اگلے سب جملوں پر اور صلہ موصول کا ہے یعنے اَلَّذِيْنَ هُمْ رَاكِعُوْنَ یا حال ہے يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ سے۔ اور بہر تقدیر معنے رکوع کے خشوع کے ہیں نہ کہ رکوع اصطلاحی

اگر شیعہ کہیں کہ رکوع کو خشوع کے معنی پر قیاس کرنا یہ بھی تو اُس کے غیر معنی شرعی پر ہے اور خلاف ہے اصل کے، تو ہم کہیں گے کہ رکوع خشوع کے معنی میں بھی قرآن میں مستعمل ہے قولہ تعالیٰ وَارْكَعِيْ مَعَ الرَّاكِعِيْنَ (رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے) حضرت مریمؑ کو حکم ہوا۔ حالانکہ اگلے لوگوں کی نماز میں رکوعِ اصطلاحی نہ تھا۔ وقولہ تعالیٰ فَخَرَّ رَاكِعًا (گرا در انحالیکہ رکوع کرنے والا تھا) اور خوب ظاہر ہے کہ رکوعِ اصطلاحی میں خرّ اور سقوط نہیں ہوتا ہے۔ اور جب خشوع معنے مجازی مشہور اس لفظ کے ہیں تو قیاس کرنا اس لفظ کا اُس معنے پر بلاضرورت بھی جائز ہے، كَمَا هُوَ الْمُقَرَّرُ فِيْ مَحَلِّهٖ۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ کو تصدقِ خاتم پر قیاس کرنا کہ انگوٹھی سائل کو دیدی مثل اُسی قیاس رکوع کے ہے جو غیر معنے شرعی میں۔ پس جو جواب تمھارا اس میں ہوگا وہی جواب ہمارا رکوع میں ہوگا۔ بلکہ ذکرِ رکوع کا بعد اقامت صلوٰۃ کے ہمارا مؤید ہے کہ تکرار لازم نہ آئے۔ اور ذکر زکوٰۃ کا بعد اقامتِ صلوٰۃ کے تمھارے مخالف کہ عرف قرآن میں ہر جگہ زکوٰۃ کو صلوٰۃ سے لگا ہوا لاتے ہیں کہ مُراد اُس سے وہ زکوٰۃ ہے جو فرض ہے نہ کہ تصدق مُطلقاً یعنی بے قید۔

اور اگر رکوع کو اُس کے معنی حقیقی پر قیاس کریں پھر بھی حال يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ سے ہے اور مدام تمام مؤمنین کے واسطے کہ احتراز ہے نماز یہود سے کہ خالی رکوع سے تھی، اس صورت میں نہی (ممانعت) دوستی یہود سے کہ بعد اس آیت کے وارد ہے نہایت چسپاں ہے۔ اور اگر یہی حال يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے ہو تو صفت مدح نہیں رہتی ہے بلکہ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کے مفہوم میں قصور لاتا ہے کیونکہ خوبی نماز کی یہ ہے کہ جو عمل نماز سے تعلق نہیں رکھتا اُس سے خالی ہو خواہ تھوڑا ہو خواہ بہت، حد یہ ہے کہ عملِ کثیر نماز کو خراب کردیتا ہے اور مفسد نماز کا ہے قلیل غیر مُفسد، لیکن معنے اقامتِ صلوٰۃ میں ضرور قصور لاتا ہے اور کلام الٰہی کو جو يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ہے اور اقامتِ صلوٰۃ کو جتاتا ہے نقص اور خلاف پر قیاس کرنا روا نہیں ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اس قید کو بالاتفاق کچھ دخل نہیں ہے نہ کسی امر کی موافقت سے نہ برعکس اُس کے، نہ یہ قید جامع ہے نہ مانع کہ امامت بدون اس کے صحیح نہیں ہے۔ پس حکمِ امامت کو اس قید کے متعلّق کرنے سے لغویت کلام باری تعالیٰ میں لازم آتی ہے گویا ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ تمھاری بادشاہی کے قابل وہ شخص ہے جس کے کپڑے سُرخ ہوں۔

اور اگر ان سب باتوں کو ہم جانے دیں اور یہ آیت اس بات کی دلیل ہو کہ امامت منحصر امیرؓ کی ذات میں ہے تو اور آیتیں اس کے خلاف ایسی معارض ہوں گی کہ شیعہ کو بھی دستاویز اُن کے معارضات پر اور

ثابت کرنا امامت ائمۃ اطہارؑ کا ضرور پڑے گا وَالدَّلِيْلُ اِنَّمَا يُتَمَسَّكُ بِهٖ اِذَا سَلِمَ عَنِ الْمُعَارِضِ (دلیل نہیں دستاویز اُس پر کی جاتی ہے مگر جس وقت کہ سلامت ہو جائے معارض سے) اور آیتیں گزشتہ خلافت خلفائے ثلثہؓ پر سابق میں لکھی گئیں۔

اور تعجب یہ ہے کہ ملّا عبداللہ صاحبِ اظہار الحق نے واسطے صحیح کرنے اِس استدلال کے اپنے زعم میں حد درجہ کوشش کی ہے حالانکہ باتیں اس کی اُسی جیسے لوگوں سے نسبت رکھتی ہیں اور بہت ہی بے مغز ہیں مگر باوجود اس کے ہم واسطے نمونہ دانشمندی ممتازوں اِس فرقہ کے یہاں نقل کریں گے اور جہاں جہاں اُس کو غلطی لاحق ہوئی ہے بیان کریں گے۔

اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ملّا عبداللہ نے کہا کہ "حکم محبت اور دوست رکھنے خدا اور خدا کے رسول کا یقین ہے کہ بطریق وجوب کے ہے یعنی واجب ہے۔ پس حکم محبت اور ولایت مؤمنین کا جو موصوف بصفات مذکورہ ہیں یہ بھی چاہیئے کہ بطریق وجوب کے ہو۔ کیونکہ جو حکم کہ ایک کلام اور ایک قضیہ سے ہے کہ موضوع اُس کا ایک ہو اور محمول اُس کا ایک ہو یا متعدد ایک دوسرے پر معطوف تو بعض اُس سے واجب اور بعض اُس سے ندب نہیں ہو سکتے ہیں اور ایک لفظ کو استعمال واحد میں دو معنی پر لینا جائز نہیں ہے۔ پس موافق مقتضی اور مفاد آیت کے واجب ہوتی ہے ولایت اور مودّت مؤمنوں کی کہ جن میں وہ صفتیں جو مذکور ہوئیں موجود ہوں اور بعد مودّت خدا اور رسولِ خدا کے انہی کی مودّت ہے جو تیسرے درجہ پر ہے کہ واجب علی الاطلاق۔ اس واسطے کہ کوئی قید اور سبب اس کے ساتھ نہیں ہے پس مُراد اُس مؤمنین سے گویا مسلمین اور کُل اُمّت لی جائے بدیں اعتبار کہ اِن کی شان سے ہے اور موصوف ہونا صفات مذکورہ کے ساتھ ٹھیک نہیں پڑتا۔ کیونکہ ہر ایک پر کُل ہی کا پہچاننا دشوار ہے پھر ان کی مودّت کا کیا ٹھکانا۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض سببوں سے ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن سے باہم دگر عداوت مباح بلکہ واجب ہو جاتی ہے۔ پس مراد مرتضےٰؓ سے ہے۔" فقط انتہیٰ کلامہ۔

اس کلام میں بھی عاقل کو غور درکار ہے تاکہ اندازہ اِس فرقہ کے علماء کا ظاہر ہو۔ اور موالاۃ یعنے دوستی باہمی سب مؤمنین میں از روئے جہت ایمان کے عام ہے بدون کسی قید اور کسی جانب کے کیونکہ حقیقت میں موالاۃ ایمان کی ہے پس اگر کوئی عداوت اور بعض ساتھ کسی سبب کے اسباب مباح ہو یا واجب ہو تو موالاۃ ایمانی میں کیا ضرر ہوگا۔ ہم خود شیعہ کو اس مسئلہ میں حکم کرتے ہیں کہ بسبب شیعہ پن کے آپس میں دوستی رکھتے ہیں۔ اور یہ دوستی عام بسبب شیعہ پن کے جس میں نہ کوئی قید ہے نہ کوئی جہت اور اس کے ساتھ بابت معاملات دنیا کے آپس میں عداوت بھی ہو جاتی ہے۔ اور موالاۃ شیعہ پن کی اپنے حال پر رہتی ہے۔

اور اگر اس آیت سے اس معنی کو محذور اور محال جان کر نہ سمجھیں تو تمام قرآن سے چشم پوشی نہیں کرسکتے۔ قولہ تعالیٰ :-

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۔

ایمان والے اور ایمان والیاں بعض اُن سے دوست ہیں بعض کے حکم کرتے ہیں ساتھ نیکی کے اور منع کرتے بدی سے اور قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ کی وہ لوگ ہیں کہ اُن پر قریب رحم کرے گا اللہ

اور اگر موالاۃ ایمانی با جمیع مؤمنین، عام اس بات سے کہ مطیع ہو یا گنہگار، تیسری مودّت خدا اور رسولؐ کی ہو تو اس امر میں کونسی ایسی مشکل بات ہے جس کو عقل محال جانے لازم آتی ہے۔ ہاں یہ بات بچنے کی ہے کہ تینوں محبتیں ایک درجہ اور ایک مرتبہ میں نہ ہوں اصل میں۔ اور جب محبت خدا کی اصل ہے اور محبت رسولؐ کی بالتبع اور محبت عام مؤمنین کی تبع کی تبع پھر باہم مساواۃ نہ رہی اور اتحاد قضیہ یعنی جملہ کا موضوع و محمول میں یہاں ثابت نہیں ہے۔

ملّا مذکور دراصل اہل سنت کے انجانوں کو ڈرانے اور مرعوب کرنے کے لئے یہ منطقی اصطلاحات لے آیا تاکہ سب اُس کو منطقی گمان کرکے اُس کے کلام میں بُرائی نکالنے سے بچیں، اسی واسطے خود بھی آگاہ ہو کر کہاہے "یا متعدد ہوں مگر ایک دوسرے پر معطوف" لیکن اتنا نہ سمجھا کہ درصورت تعدد اور عطف کے یہ مقدمہ ناقابل تسلیم ہے کیونکہ عطف سے شرکت حکم میں ہوتی ہے نہ کہ جہت حکم میں۔ مثال اُس کی عقلیات سے ہے جیسے کہ ہم کہیں اَلْمَوْجُوْدُ فِی الْخَارِجِ اَلْوَاجِبُ وَالْجَوْهَرُ وَالْعَرَضُ (وہ چیز جو خارج میں موجود ہے واجب ہے اور جوہر ہے اور عرض ہے) حالانکہ نسبت وجود کی واجب کے ساتھ جانب وجوب کے رکھتی ہے کہ وجود اُس کا ضروری ہے جس کو دوام لازم ہے۔ اور نسبت وجود کی جوہر اور عرض کے ساتھ جانب امکان کے رکھتی ہے۔ اور شرعیات سے اس کی مثال یہ ہے جیسے فرمایا خدا تعالیٰ نے قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (کہہ تو یہ ہے راہ میری کہ بلاتا ہوں میں خدا کی طرف اپنی دیکھی راہ پر اور جو کوئی پیروی کرے میری) حالانکہ دعوت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہے اور اوروں پر مندوب اسی واسطے اصول والوں نے کہاہے کہ قرآن فی النظم موجب قرآن فی الحکم کا نہیں ہے اور اس قسم کے استدلال کو مردودہ مسالک سے لکھاہے۔

اور اگر اس کو بھی جانے دیں تب بھی خوب ظاہر ہے کہ ایک ہونا ذات وجوب محبت کا مخدوم نہیں ہے۔

اور جو کچھ محذورات اور اتحاد مرتبہ اور درجہ کے بیں اصالت اور تبعیت میں ہیں اور وہ لازم نہیں ہیں نیز محبت جمیع مؤمنین کو من حیث الایمان موقوف رکھاہے پہچاننے ہر فرد کے مؤمنین سے بالخصوص۔ حالانکہ کوئی کثرت نہیں ہے کہ ملاحظہ اُس کا عنوان وحدت سے نہ ہوسکے، اگرچہ کثرت غیر متناہی ہو پھر کثرت متناہی کا تو کیا ذکر۔ مثلاً اگر ہم کہیں كُلُّ عَدَدٍ هُوَ نِصْفُ مَجْمُوْعِ حَاشِيَتَيْهِ (ہر عدد نصف مجموعہ اپنے دونوں کناروں کا ہے) پس اس حکم میں توجہ جمیع مراتب اعداد کی طرف اجمالاً واقع ہوئی۔ اور مراتب اعداد کے بلاشبہ غیر متناہی ہیں۔ اور كُلُّ اِنْسَانٍ حَسَّاسٌ میں حکم جمیع افراد حیوان پر واقع ہوا، اور حالانکہ انواع حیوان سب ہم کو معلوم نہیں ہیں کیا جگہ اصناف اور افراد کی اور قسم قسم۔ تو اس مُلّا کو ابھی ملاحظہ اجمالی سے جس کو لڑکے اور بازاری لوگ بھی جانتے ہیں خبر نہیں ہے اور وہ فرق عنوان و معنون میں نہیں کرتاہے۔

اور اگر وہ اِن تقدیرات کو علم معقول سے جان کر گوش قبول سے سُنتاہے تو ہم مسلّمات دینیہ سے پوچھیں گے اور کہیں گے کہ ترک موالات بلکہ عداوت کفر کُلِّهِمْ اَجْمَعِيْنَ مِنْ حَيْثُ الْكُفْرِ واجب ہے یا نہیں یعنی کل کافروں کی حیثیتِ کُفر سے۔ اگر پہلی شق کو اختیار کیا اور کہا کہ کُفر ہے تو وہی محذور لازم آکر معرفت کل کی حاصل نہیں ہے پھر عداوتِ کُل کا کیا ٹھکانا۔ اور اگر دوسری شق اختیار کی تو عداوتِ یزید اور مروان کو کیونکر ثابت کریں گے جو جناب امیرؑ اور حسنینؑ سے تھی، اور قرآن کی آیتوں کا کیا جواب دیں گے حالانکہ بسبب شناخت ایمان کے فرقہ مؤمنین میں تو امتیاز حاصل ہوتاہے اور انواع کفر کی ہم کو اصلاً معلوم نہیں ہیں کہ امتیاز انواع کافروں کا کرسکیں پھر اُن کے اشخاص کے امتیاز کا کیا ذکر۔

نیز منقوض ہے واجب ہونے موالاۃ علویہ میں یعنی دوستی اولاد حضرت علیؑ میں کہ اِن کے متعلقین میں داخل ہے۔ اور معرفت ان اشخاص اور شمار علویہ کا کہ مشارق اور مغارب کی زمین میں پھیلے ہوئے ہیں دشواری میں عام مؤمنوں سے کم نہیں ہے۔ اور جو کچھ کہاہے اُن میں سے ایک یہ ہے کہ بعض حدیثوں اہل سنت سے ظاہر ہوتاہے کہ بعض صحابہؓ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے التماس خلیفہ مقرر کرنے کا کیا۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے حذیفہؓ سے :-

قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوِ اسْتَخْلَفْتَ قَالَ لَوِ اسْتَخْلَفْتُ عَلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوْهُ عُذِّبْتُمْ وَلٰكِنْ مَا حَدَّثَكُمْ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوْهُ وَمَا اَقْرَاَكُمْ عَبْدُ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْهُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

کہا حذیفہؓ نے کہ کہا صحابہؓ نے یا رسول اللہؐ کیا اچھا ہو اگر خلیفہ مقرر کردو تم، کہا اگر خلیفہ مقرر کردوں میں تم پر اور تم اُس کی نافرمانی کرو تو عذاب کئے جاؤ۔ لیکن حذیفہؓ جو بات تم سے کہے اُس کو سچ جانو اور جو کچھ پڑھائے تم کو عبداللہ پڑھو، اِس حدیث کو ترمذی نے روایت کیاہے۔

اسی طرح اسی بات کا استفسار کیا کہ کون شخص لائق امامت کے ہوگا:۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ نُؤَمِّرُ بَعْدَكَ قَالَ اِنْ تُؤَمِّرُوْا اَبَابَكْرٍ تَجِدُوْهُ اَمِيْنًا زَاهِدًا فِي الدُّنْيَا رَاغِبًا فِي الْاٰخِرَةِ وَاِنْ تُؤَمِّرُوْا عُمَرَ تَجِدُوْهُ قَوِيًّا اَمِيْنًا لَا يَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ وَاِنْ تُؤَمِّرُوْا عَلِيًّا وَلَا اَرَاكُمْ فَاعِلِيْنَ تَجِدُوْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا يَاْخُذُ بِكُمُ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، رَوَاهُ اَحْمَدُ۔

روایت ہے علیؓ سے کہا گیا کہ یارسول اللہ! تمہارے بعد کس کو امیر بنائیں؟ فرمایا اگر امیر بناؤ گے ابوبکرؓ کو پاؤ گے اُس کو امانت دار بے رغبت طرف دنیا کے، راغب طرف آخرت کے، اور اگر امیر کرو گے عمرؓ کو اُس کو با قوت اور امانت دار پاؤ گے کہ معاملہ خدا میں کسی الزام دینے والے کے الزام سے نہ ڈرے گا۔ اور اگر امیر بناؤ گے علیؓ کو اور حال یہ کہ میں تم کو ایسا نہیں دیکھتا کہ جو امیر بناؤ تو پاؤ گے راہ نما راہ یافتہ کہ تم کو راہ راست دین پر ڈال دے گا۔ اس حدیث کو احمد نے روایت کیا۔

یہ التماس اور استفسار اس بات کے مقتضی ہیں کہ وقت نزول آیت کے حضور میں حضرت رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تردّد واقع ہوا ہو پس مدلول اِنَّمَا کا باطل نہ ہوا" انتہیٰ کلامہ۔

یہاں بھی غور درکار ہے خاص سوال و استفسار دوقوع تردّد کو نہیں چاہتا۔ ہاں اگر بعد سُننے جواب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے آپس میں مشورہ اس کام کا کیا اور باہم کر اولو الامر کے تعین میں اختلاف اور تنازع کرتے تھے مدلول اِنَّمَا کا ثابت ہوتا اور فقط سوال و استفسار مقام استعمال اِنَّمَا کا نہیں ہے۔ چنانچہ علم معانی کے اوائل مؤکدات میں اسناد اس بحث میں مذکور ہے کہ یہ مقام استعمال اِنَّ کا ہے نہ کہ اِنَّمَا کا۔ پس مُلّا کے نزدیک ابھی اِنَّ اور اِنَّمَا کا فرق نہیں کُھلا۔

نیز اگر وقوع تردّد کا بھی ہوتا تو ہم کہاں سے جان لیتے کہ قبل نزول اس آیت سے تھا یا بعد اس سے، اگر قبل نزول اس آیت سے تھا تو لگا ہوا تھا یا جُدا۔ اگر لگا ہوا تھا تو یہ لگاؤ اتفاقی تھا یا سبب نزول کا بھی ہوا ہو۔ ان سب باتوں کو سند کے ساتھ بیان کرنا چاہیئے۔ اور احتمالات کو اوّل تو مقام استدلال میں گنجائش نہیں ہے۔ دوسرے جب اسباب نزول کے تعین کئے جاتے ہیں تو اُس میں احتمالات مسموع نہیں ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ امر عقلی نہیں ہے بغیر صحیح خبر کے ثابت نہیں کر سکتے۔ بلکہ شیعوں کے مُفسّروں میں سے کسی شخص نے اس سبب کو واسطے نزول اِس آیت کے ذکر نہیں کیا نہ اہل سُنّت کے مفسروں نے۔ پس معلوم ہوا کہ اتصال (لگاؤ) نہ تھا یا بعد نزول آیت کے ہو، ہر طرح یہ مُفید مطلب نہیں ہوتی ہے۔

پھر طرفہ یہ کہ جو حدیث وارد کی ہے اس میں صریح منافات ہے کلمہ اِنَّمَا سے کیونکہ جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استفسار اُس شخص میں کہ سزاوار خلافت ہو، ماحصل جواب یہ ہے کہ استحقاق خلافت کا ہر ایک کو

اِن اعزّہ کرام سے حاصل ہے لیکن نام لینے کی ترتیب میں حقیقت میں اشارہ تقدیم ابوبکرؓ و عمرؓ کا کیا ہے جن کو شیخینؓ کہتے ہیں پس سوال مذکور اور جواب حضرت رسالت پناہؐ کا منافات رکھتا ہے اِس وجہ سے کہ لفظ اِنَّمَا آیت میں خلافت کو حضرت مرتضیٰؓ کے لئے مخصوص کر رہا ہے۔ اور اگر ایسا ہو اور آیت مقدّم ہو تو مخالفت رسولؐ کی قرآن سے ہوئی اور اگر آیت مؤخر ہے تو تکذیب قرآن کی رسولؐ کی شان میں لازم آئی۔ اور اس بات کی یہاں گنجائش نہیں کہ کوئی ایک دوسرے کے نسخ کا دعوٰی کرے۔ اِس واسطے کہ بیشک حدیث اور اسی طرح یہ آیت قسم خبر سے ہیں اور خبریں محتمل نسخ کی نہیں ہوتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ یہ کہ جب مقدم ہونا ایک کا دوسرے پر معلوم نہیں تو دونوں کا عمل ساقط ہوا۔

اور اگر وہ یہ کہیں کہ حدیث خبر واحد ہے مسئلہ امامت میں اس پر تمسک جائز نہیں ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ تردّد و نزاع کے ثبوت میں بھی تمسک جائز نہ ہوگا۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ آیت پر تمسک جب ہو سکے کہ تردّد و نزاع ثابت ہو پس تمسک شیعہ کا آیت سے بھی باطل ہوا کیونکہ مسئلہ امامت میں تمسک اُس آیت پر بھی جس کی دلالت خبر واحد پر موقوف ہو جائز نہیں ہے اور یہ بھی ہے کہ پہلی حدیث میں استخلاف کو اُمّت کے حق میں ترک اصلح فرمایا ہے۔ پھر اگر آیت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ دلالت استخلاف پر کرے استخلاف کہ ترک اصلح ہے جناب الٰہی سے صادر ہوگا۔ اور یہ محال ہے پس حدیث اوّل منافی ان کے تمسک کی ہے اس آیت سے۔

اس باب میں یہ حال تو ان کی عمدہ باتوں کا ہے جو اس گروہ کی ہیں کہ اہل عالم ان کی بھی خبر پوری نہیں نکالتے ہیں۔ اور دوسری باتیں جو مثل گوز شتر کے بے صرفان سے سرزد ہوتی ہیں اگر ہم نقل کریں تو بے کار طول لازم آئے گا۔

وَمِنْهَا قَوْلُهٗ تَعَالٰى اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (نہیں ارادہ کرتا ہے اللہ مگر یہ کہ دُور کرے تم سے نجاست اے اہل بیت اور پاک کرے تم کو پاک کرنا) کہتے ہیں کہ مُفسّرین متفق ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ کے حق میں نازل ہوئی اور ان کی عصمت کو جتاتی ہے بتاکید تمام وَغَيْرُ الْمَعْصُوْمِ لَا يَكُوْنُ بِاِمَامٍ (غیر معصوم امام نہیں ہوتا ہے)

اس میں بھی سب مقدّمے ان کے مخدوش ہیں۔ اوّل تو اتفاق مفسّرین کا یہاں ناقابلِ تسلیم ہے۔ ابن ابی حاتمؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتا ہے کہ اِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ نِسَآءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (تحقیق قصہ یہ ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کے حق میں) اور ابن جریرؒ عکرمہؓ سے روایت کرتا ہے کہ اِنَّهٗ كَانَ يُنَادِيْ فِي السُّوْقِ اِنَّ قَوْلَهٗ تَعَالٰى اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ الخ نَزَلَتْ فِيْ نِسَآءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بیشک شان یہ ہے کہ ندا کرتا تھا وہ بازار میں کہ بیشک

یہ آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ آخر تک نازل ہوئی ازواج مطہرات نبی کے حق میں) اور ملاحظہ سیاق وسباق آیت سے بھی ظاہر یہی ہے کیونکہ ابتداء سے یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ تا قولہ وَ اَطِعْنَ اللّٰہَ بلکہ تا وَ الْحِکْمَۃِ ازواج مطہراتؓ سے خطاب ہے۔ یعنی اے عورات نبی کی تم ایسی نہیں ہو جیسے عام عورتوں سے کوئی عورت ہو اور اطاعت کرو تم اللہ کی۔ پس خطاب بھی ان کی طرف ہے اور امر و نہی بھی انہی سے واقع ہوتا ہے۔ پس ایک کلام کے درمیان میں کہ ابھی وہ منقطع نہیں ہوا، دوسرے کا حال ذکر کرنا اور دوسرے کی ابتداء ڈالنا مخالف روش بلغاء کے ہے اور کلام اللہ اس سے پاک ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ اضافت بیوت ازواجؓ کی بھی اِس قول میں اور وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (یاد کرو جو کچھ پڑھا گیا تمہارے گھروں میں) میں دلالت اس بات پر کرتی ہے کہ مُراد اہلِ بیت سے اس آیت میں بیبیاں ہیں کیونکہ بیت یعنی گھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوائے اُن گھروں کے کہ جن میں ازواج مطہراتؓ ہوں اور ہو نہیں سکتا۔

ملا عبداللہ نے کہا کہ بُیُوْتِکُنَّ میں جو لفظ بیوت کا جمع ہے اور اہلِ بیت میں لفظ بیت کا مفرد آیا ہے اِس بات کو بتاتا ہے کہ ان کے بیوت الگ ہیں اور بیت نبوی الگ ہے۔ اور اگر یہ اہلِ بیت ہوتیں تو وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بَیْتِکُنَّ واقع ہوتا یعنے یاد کرو اُس چیز کو جو پڑھی گئی تمہارے گھر میں "انتہی کلامہ"۔ ذرا انصاف سے دیکھنا چاہیئے کہ کیسی بے مغز بات ہے۔ اس واسطے کہ مفرد لانا بیت کا اہلِ بیت میں کہ اسم جنس ہے جس کا اطلاق قلیل وکثیر پر جائز باعتبار نسبت اور اضافت بیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ سب گھر ازواجؓ کے باعتبار اس اضافت کے ایک ہی گھر ہے۔ اور بُیُوْتِکُنَّ میں جو بیوت جمع کے آیا ہے وہ باعتبار اضافت بیت کے ازواج کے ساتھ ہے کہ یہ متعدد ہیں۔

(اور ملا مذکور نے یہ جو کہا ہے کہ لَا یَبْعُدُ اَنْ یَّقَعَ بَیْنَ الْمَعْطُوْفِ وَالْمَعْطُوْفِ عَلَیْہِ فَاصِلٌ (معطوف اور معطوف علیہ کے مابین فاصلہ لانا کچھ بعید نہیں) جیسا کہ آیۂ کریمہ میں واقع ہوا قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ ثُمَّ قَالَ بَعْدَ تَمَامِ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ قَالَ الْمُفَسِّرُوْنَ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ مَعْطُوْفٌ عَلٰی اَطِیْعُوْا "انتہی کلامہ"۔

یہ اس کے اگلے کلام سے بھی زیادہ پوچ ہے کیونکہ معطوف و معطوف علیہ میں فصل واقع ہونا امر اجنبی کے ساتھ بحیثیت کہ تعلق صنعت نحویوں سے رکھتا ہے بلاشبہ جائز ہے۔ لیکن ہم کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتا کیونکہ ہم جس گفتگو و بحث میں ہیں اُس میں اجنبیت اور غیریت باعتبار موارد آیات سابق اور لاحق کے لازم آتی ہے۔ اور منافی بلاغت یہ ہے نہ کہ وہ۔ اور یہ جو اُس نے بعض مفسروں سے نقل کیا ہے کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ معطوف اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ پر ہے صریح فساد ہے۔ کیونکہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے بعد پھر اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ واقع ہے، پس عطف الشَّیْءِ عَلٰی نَفْسِہٖ (ایک چیز کا عطف خود اسی پر) لازم آئے گا۔

اور اِس سے بھی بڑھ کر ایک اور پوچ بات کہی ہے جس کو سُن کر وہ لڑکے جو کافیہ پڑھتے ہیں ٹھٹھے ماریں گے۔ یعنی کہتا ہے کہ آیتوں میں مغایرت انشائی اور خبری کی ہے۔ کیونکہ آیت تطہیر کہ جملہ ندائیہ اور خبریہ ہے اور ماقبل اور مابعد اُس کے کہ امر و نہی ہیں یہ انشائیہ اور عطف انشائیہ کا خبریہ پر نہیں ہوتا ممنوع ہے۔

اول تو آیتِ تطہیر میں حرف عطف کہاں ہے بلکہ تعلیل واسطے اطاعتِ حکم کے ہے جو قولہ تعالیٰ اَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ میں ہے۔ اور انشائیہ کو خبریہ سے تعلیل کرلینا تمام قرآن اور حدیثوں اور کلام بلغاء میں رائج و مشہور ہے جیسے اِضْرِبْ زَیْدًا اِنَّہٗ فَاسِقٌ وَ اَطِعْنِیْ یَا غُلَامُ اِنَّمَا اُرِیْدُ اَنْ اُکْرِمَکَ۔ اور اگر عطف وَاذْکُرْنَ سے مُراد لیں تو معطوف علیہ اُس کا اَطِعْنَ اور قَرْنَ اور اور امر سابقہ ہوں گے نہ کہ اِنَّمَا یُرِیْدُ۔ یہاں سے ان کے علماء کی عربیت دانی کو سمجھ لینا چاہیئے کہ باوصف ایسے ظاہر اور بین قصور کے جو صرف و نحو میں رکھتے ہیں چاہتے ہیں کہ تفسیر کلام اللہ میں بھی ہاتھ ڈالیں۔ مگر ہے یہ کہ کوئی چوہا خواب میں اونٹ ہو گیا تھا!

اور جو عَنْکُمْ میں صیغہ مذکر کا آیا ہے بلحاظ لفظ اہل کے ہے اس واسطے کہ قاعدہ عرب کا ہے کہ جب کسی چیز کو کہ بحقیقۃ مونث ہو لفظ مذکر کے ساتھ لحاظ کریں اور چاہیں کہ اُس لفظ کے ساتھ اُس سے تعبیر کریں تو صیغے تذکیر کے اُس مونث کے حق میں استعمال کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ علیہا السلام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ (آیا تعجب کرتی ہے تو اللہ کے حکم سے رحمۃ اللہ کی اور برکتیں اُس کی تم پر اے اہلِ بیت! بیشک وہ سراہا ہوا الٰہ بزرگ ہے)۔

اور جو کچھ ترمذی اور دیگر صحاح میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار آدمیوں کو بھی ایک کمبل میں گھیر لیا اور دعاء فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا (اے بارِ خدایا! یہ میرے اہلِ بیت ہیں، سو دور کر اُن سے نجاست کو اور پاک کردے اُن کو پاک کرنا) اس وقت حضرت اُمّ سلمہؓ نے فرمایا کہ یا حضرت! مجھ کو بھی شریک کر لیجیے، فرمایا اَنْتِ عَلٰی خَیْرٍ وَّ اَنْتِ عَلٰی مَکَانِکِ صریح دلیل اس بات کی ہے کہ ازواج کے حق میں آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان چار آدمیوں کو بھی اپنی دعاء سے اِس وعدے میں داخل کیا۔ پس اگر اُن کے حق میں یہ آیت نازل ہوتی تو دعاء کی حاجت ہی کیا تھی اور حضرتؐ کیوں اُس بات کے حصول کی جو حاصل تھی دعاء کرتے۔ اسی واسطے اُمّ سلمہؓ کو اس دعاء میں شریک نہیں کیا کہ اُن کے حق میں تحصیلِ حاصل جانا۔ اور محقق اہلِ سنت کے کہتے ہیں کہ ہر چند یہ آیت ازواج مطہراتؓ کے خطاب میں ہے لیکن اِس سبب سے کہ اَلْعِبْرَۃُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوْصِ السَّبَبِ

(اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصِ سبب کا) سب اہلِ بیت اِس بشارت میں داخل ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو یہ دُعا، چار آدمیوں سے موصوف فرمائی بنظرِ سببِ خاص کے تھی۔ اور یہ بھی کہ قرینے ازواج کی خصُوصیّت کے سابق اور لاحق عبارت سے معلوم کرکے ڈرے کہ ایسا نہ ہو کہ خاص ازواج کے واسطے ہو۔ اِسی واسطے بیہقی نے روایت کی ہے کہ اِس قسم کا معاملہ جو عباسؓ و حسنینؓ اور حضرت علیؓ و بتولؓ کو لے کر دُعا کی ہے حضرت عباسؓ اور اُن کے لڑکوں کے ساتھ بھی ثابت ہے۔ اور مدعا آپؐ کا یہی تھا کہ اپنے سب اقربا کو لفظ اہلِ بیت میں کہ آیتِ کریمہ میں ہے اور خدا تعالیٰ نے اُس کے ساتھ خطاب فرمایا ہے داخل کریں۔ یہ ایسا ہے جیسے کوئی بادشاہِ کریم کسی مصاحب کو حکم دے کہ اپنے اہلِ خانہ کو حاضر کر تاکہ ہم اُن کو خلعت دیں اور نوازش فرمائیں۔ یہ مصاحب عالی ہمت سب متوسّلوں کو حاضر کرکے کہے کہ یہ سب میرے اہلِ خانہ ہیں لہٰذا خلعت اور نوازش شاہی سے ہر ایک بہرہ یاب ہوں۔

اَخْرَجَ الْبَیْہَقِیُّ عَنْ اَبِیْ اُسَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَا اَبَا الْفَضْلِ لَا تَرِمْ مَنْزِلَکَ اَنْتَ وَبَنُوْکَ غَدًا حَتّٰی اٰتِیَکُمْ فَاِنَّ لِیْ بِکُمْ حَاجَۃً فَانْتَظَرُوْہُ حَتّٰی جَآءَ بَعْدَ مَا اَضْحٰی فَدَخَلَ عَلَیْہِمْ وَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ فَقَالُوْا وَعَلَیْکَ السَّلَامُ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ قَالَ کَیْفَ اَصْبَحْتُمْ قَالُوْا اَصْبَحْنَا بِخَیْرٍ نَحْمَدُ اللّٰہَ فَقَالَ لَہُمْ تَقَارَبُوْا فَزَحَفَ بَعْضُہُمْ اِلٰی بَعْضٍ حَتّٰی اِذَا اَمْکَنُوْہُ اِشْتَمَلَ عَلَیْہِمْ بِمُلَاءَتِہٖ ثُمَّ قَالَ یَا رَبِّ ہٰذَا عَمِّیْ وَصِنْوُ اَبِیْ وَہٰؤُلَآءِ اَہْلُ بَیْتِیْ اُسْتُرْہُمْ مِنَ النَّارِ کَسَتْرِیْ اِیَّاہُمْ بِمُلَاءَتِیْ ہٰذِہٖ قَالَ فَاَمَّنَتْ اُسْکُفَّۃُ الْبَابِ وَحَوَائِطُ الْبَیْتِ وَقَالَتْ اٰمِیْنَ اٰمِیْنَ اٰمِیْنَ۔

نکالی بیہقی نے یہ حدیث ابوُاُسید ساعدی سے کہا اُس نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا عباسؓ بن عبد المطلب کو کہ اے ابا الفضل تم کل تم اور تمھارے لڑکے گھر سے باہر نہ جائیں جب تک کہ میں تمھارے پاس نہ آجاؤں اس واسطے کہ مجھ کو تمھارے معاملہ میں ایک کام ہے، پس وہ منتظر حضرتؐ کے رہے یہاں تک کہ آنحضرتؐ بعد وقت چاشت کے تشریف لائے اور فرمایا السلام علیکم پھر گھر والوں نے کہا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فرمایا کس حال میں تم نے صبح کی گویا خیریت شب کی پوچھی، جواب دیا کہ اللہ کا شکر ہے خیر کے ساتھ ہم نے صبح کی پھر فرمایا آنحضرتؐ نے کہ سب نزدیک نزدیک ہو جاؤ سو بیٹھے بیٹھے حرکت کی بعض نے بعض کی طرف یہاں تک کہ جب حضرتؐ کے اختیار میں آگئے پس کرلیا اُن کو اپنی چادر میں اور فرمایا اے پروردگار میرے! یہ میرا چچا ہے اور میرے باپ کی جڑ بھی ہے اور یہ سب میری اہلِ بیت ہیں چھپالے ان کو دوزخ سے جیسا کہ میں نے اُن کو چادر سے چھپایا ہے، پھر راوی کہتا ہے کہ آمین کی دروازے کے سائبان اور گھر کی دیواروں نے تین بار کہا آمین آمین آمین۔

اور ابنِ ماجہ نے بھی اِس حدیث کو مختصراً روایت کیا ہے۔ اور دوسرے محدثوں نے بھی اعلام النبوۃ

میں اِس قصّے کو بطور متعدد روایت کیا ہے۔

اور ملّا عبداللہ نے کہا کہ مراد بیت سے بیتِ نبوّت ہے یعنی گھر نبوت کا اور اہلِ بیت نبوّت شک نہیں ہے کہ ازواج ہیں بلکہ خادم اور چھوکریاں جو اُس گھر کے رہنے والے ہیں اُن کو بھی شامل ہے۔ لیکن معنے لغوی باوصف اِس وسعت معنیٰ کے مراد نہیں ہیں اور اسی پر اتفاق پس مراد اہلِ بیت سے خمسہ آلِ عبا ہیں جن کی حدیثِ کِسا نے تخصیص کی" انتہیٰ کلامہ۔

یہ قول اُس کا یعنی ملّا عبداللہ کا اُسی قسم سے ہے جس قسم کی باتیں اُس کی گزریں۔ کیونکہ اگر معنے لغوی اس وسعت کے ساتھ مراد ہوں تو ایک ایسا امر لازم آتا ہے کہ وہ عصمت عام ہے جو شیعہ کے نزدیک اس آیت سے ثابت ہوتی ہے۔ اور اہلِ سنّت جو اِس آیت سے عصمت سمجھنے میں شیعہ کے مخالف ہیں اور غیر متّفق یعنی ان کو اعتقاد عصمت کا جیسا حق میں خمسہ آلِ عبا کے ہے ویسا ہی ازواجِ مطہراتؓ میں بھی ہے، پھر اہلِ سنّت ایسے عموم کی نفی میں کیونکر اتفاق ان سے کریں گے کہ رحمتِ واسعہ الٰہی کو تنگ کرنا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ ارادہ معنے کا اگر اِس وسعت کے ساتھ مراد نہ ہو تو اس قسم سے نہ ہوگا کہ قرینہ دالہ آیاتِ سابقہ اور لاحقہ سے مراد کو تعین کرتا ہے اور عقل بھی اِس لفظ کو عرفاً اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص کرتی ہے جو خاص گھر کے رہنے والے ہیں نہ کہ انتقال اور تحوّل اور تبدّل کے ساتھ اُن میں عادت جاری ہو جیسے ازواج و اولاد نہ کہ خدمتگار اور کنیز اور غلام کہ ایک مِلک سے دوسری مِلک کو چلے جائیں یا آزاد یا ہبہ کردیے جائیں یا بیچ ڈالے جائیں یا اجارے میں دے دیے جائیں کہ ان سب میں تحوّل اور تبدّل ہوتا رہتا ہے۔ بخلاف ازواج و اولاد اور جو حوالہ حدیثِ کِسا کا نسبت ان چند اشخاص اہلِ بیت کے تخصیص کے ساتھ کیا ہے یہ تخصیص ان چند اشخاص اہلِ بیت کے ساتھ جب ہوتی کہ دوسرا فائدہ ظاہر نہ ہوتا۔ اور یہاں تخصیص سے یہ فائدہ ہے کہ جب خطاب فقط ازواج کی طرف تھا تو گمان ہوتا تھا کہ یہ اشخاص اہلِ بیت نہیں ہیں لہٰذا اس گمان کا دفع اس تخصیص سے کیا ہے۔

اور بڑا تعجب ہوتا ہے اس بات سے کہ تمام اہلِ اسلام کیا شیعہ کیا سُنّی، ازواجِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں باتفاق "مُطہّرات" کہتے ہیں یعنی ازواجِ مُطہّراتؓ۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری اور ملّا عبداللہ مشہدی اور اور ان کے علما کے کلام میں ہزاروں جگہ دیکھا گیا اور ظاہر ہے کہ یہ لقب آیتِ تطہیر سے نکالا ہے اور جو لوگ کہ ان میں مُنصِف ہیں بیشک اور بے دغدغہ اُن کی زبان پر یہ لفظ جاری ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ آیتِ تطہیر مشعر بہ تطہیر ازواج ہے تو خُدا کی پناہ، رگیں گردن کی پُھلا کر بحث اور لڑائی کو لپٹ پڑتے ہیں اور مُستعد ہو جاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ دلالت اِس آیت کی عصمت پر مبنی بچند بحث ہے۔ ایک یہ کہ کلمہ لِیُذْہِبَ عَنْکُمْ

الرِّجْسَ ترکیب نحوی میں کس محل پر ہے آیا مفعول کہ یُرِیْدُ کے واسطے یا مفعول بہ۔ دوسرے یہ کہ اہل بیت کے معنے میں کیا چیز ہے اور رجس سے کیا مراد ہے اِن تینوں مقام میں بڑی گفتگو ہے، بڑی بڑی تفسیریں دیکھنی چاہئیں۔ اور بعد ردّ و کد اگر یہ بات ثابت ہو کہ لِیُذْهِبَ مفعول بہ ہے اور اہل بیت بھی صرف یہی چار آدمی ہیں اور رجس سے مراد مطلق گناہ ہے پھر بھی تو یہ دلالت عصمت پر مسلّم نہیں کہ مان لی جائے بلکہ عصمت نہ ہونے کو بتاتی ہے کیونکہ جو چیز کہ پاک ہے اُس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں چاہتا ہوں کہ پاک کروں۔ حد درجہ یہ کہ محفوظ ہونا ان چند اشخاص کا رجس و گناہ سے ثابت ہوتا ہے تو بھی بعد تعلق اِس ارادہ الٰہی کے۔ لیکن یہ بھی موافق اصول اہل سنت کے ہے نہ کہ موافق شیعہ کے، اس واسطے کہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرے اُس ارادے کا ظاہر بھی ہو جانا لازم نہیں ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت چیزوں کا ارادہ کرتا ہے لیکن شیطان اور بنی آدم ہونے نہیں دیتے، چنانچہ الٰہیات میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ اور بالجملہ اگر خدا تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا کہ فائدہ معنے عصمت کا حاصل ہو تو یوں فرماتا اِنَّ اللّٰهَ اَذْهَبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ وَطَهَّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (بیشک اللہ نے کھو دیا تم سے رجس اور پاک کیا تم کو پاک کرنا) اور یہ خوب ظاہر ہے جس کو غبی بھی سمجھے ہیں نہ یہ کہ ذکی بھی نہ سمجھیں۔

اور بالفرض اگر یہ کلمہ مفید بعصمت بھی ہوتا تو چاہیے تھا کہ تمام صحابہؓ خصوصاً جو جنگ بدر میں حاضر تھے بالکل معصوم ہوتے کیونکہ ان کے حق میں جدا جدا فرمایا ہے قولہ تعالیٰ وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (لیکن ارادہ کرتا ہے اللہ کہ پاک کرے تم کو اور تمام کرے نعمت اپنی تم پر شاید شکر گزار ہو تم)، وقولہ تعالیٰ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ (اور کھو دے تم سے رجس شیطان کی) اور ظاہر ہے کہ سوائے تطہیر کے پورا کرنا نعمت کا حق صحابہؓ میں یہ ایک عنایت زائدہ ہے اِس آیت میں نہ کہ بسبب اُن دو لفظ کے جو اوّل واقع ہوئے عصمت پر۔ اس لئے کہ جب تک گناہوں اور بدی شیطان سے بچا نہیں رہیگا پورا ہونا نعمت خدا تعالیٰ کا ہرگز اُس پر متصور نہیں اور جو تخصیص کہ لفظ تطہیر اور اذہاب رجس یعنی پاک کرنے اور کھونے بُرائی میں بطور احتمال کے چلی تھیں سب بادِ ہوائی ہو گئیں۔

سوم یہ کہ غَيْرُ الْمَعْصُوْمِ لَا يَكُوْنُ اِمَامًا (سوائے معصوم کے اور کوئی امام نہیں ہوتا) یہ ایک مقدمہ بیہودہ اور ممنوع ہے قرآن اور قول اہل بیت کے اس کو جھوٹ ٹھہراتے ہیں۔

یہ تو ہم نے مانا کہ اس دلیل سے صحت امامت حضرت امیرؓ کی ثابت ہوتی مگر یہ بات کہ وہ امام بلافصل تھے یعنے اگرچہ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کے بعد خلیفہ ہوئے مگر امام پہلے ہی سے تھے یا ایسا ہے کہ اُن کے ہوتے کوئی حسینؓ سے امام ہو سو یہ کس طرح ہو سکے گا نہ اس کا کوئی قائل۔ اور ایسی بات پر جس کا کوئی قائل نہ ہو

تمسک کرنا اور سند پکڑنا عاجزوں کا کام ہے۔ اِذِ الْمُعْتَرِضُ لَا مَذْهَبَ لَهٗ۔ (معترض کا کوئی مذہب نہیں)۔

وَمِنْهَا قَوْلُهٗ تَعَالٰى قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى (اور اسی قسم سے ہے قول اللہ تعالیٰ کا کہ نہیں چاہتا ہوں میں تم سے حکم الٰہی پہنچانے کی کچھ مزدوری مگر دوستی قرابت والوں کی) انتہے۔

فَلَمَّا نَزَلَتْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قَرَابَتُكَ الَّذِيْنَ وَجَبَتْ عَلَيْنَا مَوَدَّتُهُمْ قَالَ عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَابْنَاهُمَا۔ || جب نازل ہوئی یہ آیت لوگوں نے کہا یا رسول اللہ وہ قرابت والے آپ کے کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب ہوئی ہے، فرمایا علیؓ اور فاطمہؓ اور اُن کے دونوں کے بیٹے یعنی حسنینؓ۔

اب جاننا چاہیئے کہ یہ آیت تو دلیل اہل سُنّت کی ہے نواصب کے مقابلہ میں جس سے واجب ہونا محبت اہل بیت کا ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ قرطبیؒ اور دیگر علمائے اہل سنّت کو شام و مغرب میں نواصب سے مناظرہ رہتا تھا انھوں نے اِس آیت کو اِس مقام پر تمسک کیا تھا نہ کہ شیعہ نے۔ ہاں شیعہ نے یہ کیا کہ اہل سنّت کی کتابوں سے چُرا کر ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ کی نفی امامت پر تمسک کیا اور دو تین کلمے اور بڑھا دیئے۔ اور کہتے ہیں کہ واجب المحبت اہل بیت ہیں اور جس کی محبت واجب ہے اس کی اطاعت بھی واجب ہے اور واجب الاطاعت امام کے یہی معنی ہیں اور سوائے علیؓ کے کوئی واجب المحبت نہیں پس واجب الاطاعت بھی نہ ہوگا۔

ان کی اِس آیت سے دلیل چاہنے کا جواب یہ ہے کہ اِس آیت سے جو مُراد ہے اُس میں مفسّروں کو اختلاف فاحش ہے۔ طبرانی اور امام احمدؒ نے ابن عباسؓ سے ایسی ہی روایت کی ہے۔ لیکن جمہور محدثینؒ نے اِس روایت کو ضعیف ٹھہرایا ہے۔ اس لئے کہ یہ سورۃ یعنی سورہ شوریٰ مکّی ہے۔ اور وہاں امام حسنؓ اور امام حسینؓ نہ تھے اور نہ حضرت فاطمہؓ کو علاقہ زوجیت کا حضرت علیؓ سے پہنچا تھا۔ اور اس روایت کے سلسلہ میں بعضے شیعہ غالی پڑے ہیں اُن سے اس کا سلسلہ ہے کسی محدث نے محدثوں سے ظاہر حال کسی شیعہ کا دیکھ کر صدق سے اُس کو موصوف کر دیا کہ سچا ہے اور باطن سے باخبر نہ تھا۔ زیادہ گمان یہ ہوتا ہے کہ اُس شیعہ نے جھوٹ نہیں کہا بلکہ حدیث کی معنے کے ساتھ روایت کی یعنے حدیث میں مَنْ قَرَابَتُكَ کے جواب میں اَهْلُ بَيْتِيْ ہوگا اُس نے اہل بیت کو انہی چار اشخاص میں حصر کر کے لکھ دیا یعنے عَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَابْنَاهُمَا۔ چنانچہ بخاریؒ ابن عباسؓ سے اس روایت کو من وعن لایا کہ اَلْقُرْبٰى مَنْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَابَةٌ (قرابت دار وہ شخص ہے کہ اُس میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں قرابت ہو) اور قتادہؒ اور سدی کبیرؒ اور سعیدؓ بن جبیر نے قطعی لکھا ہے کہ معنے آیت کے یہ ہیں کہ میں نے جو تم کو احکام خدا کے پہنچائے کچھ مزدوری نہیں چاہتا مگر یہ چاہتا ہوں کہ مجھ سے دوستی رکھو اِس سبب سے کہ میں تمہارا

قرابت دار ہوں۔ بخاری میں ابن عباس رضؓ سے یہ روایت موجود ہے اور مفصل مذکور ہے کہ کوئی بطن بطون قریش سے نہ تھا جس سے قرابت داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ ہوتی۔ اور اس قرابت کو یاد دلانا اور اس کے حقوق کا ادا چاہنے کا ادنیٰ درجہ ایذا ہی سے باز رہنا ہے کہ مقتضائے قرابت یہی ہے پس استثنا منقطع ہے۔

امام فخر رازی اور تمام مفسرین متاخرین نے یہی معنے پسند کئے ہیں کیونکہ پہلے معنے شایانِ شان نبوت کے نہیں ہیں یہ عادت طالبانِ دنیا کی ہے کہ کوئی کام کریں اور نتیجہ اس کا اپنی اولاد اور اقربا کے لئے چاہیں پس اگر انبیاء کے مدنظر بھی ایسی غرضیں ہوں تو ان میں اور دنیا داروں میں فرق ہی کیا ہو اور ان کے قول و فعل سب بناوٹ اور موجب تہمت کا ہو۔ اور جو ان کے پیدا کرنے سے غرض ہے وہ بگڑ جائے۔

اس کے علاوہ معنے اول میں بہت آیتوں سے منافات ہے قولہ تعالیٰ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ (جو چیز کہ چاہوں تم سے میں قسم مزدوری سے وہ تمہارے ہی واسطے ہے میری مزدوری تو خدا پر ہے) و قولہ تعالیٰ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَغْرَمٍ مُثْقَلُونَ (کیا چاہتا ہے تو ان سے مزدوری جس کے ڈانڈ سے یہ بڑے بوجھل ہو رہے ہیں) ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں۔

سورۂ شعرا میں تمام انبیاء کی زبان سے مزدوری کے انکار کا بیان ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ خاتم الانبیاء ہیں اگر مزدوری چاہیں تو سب انبیاء سے مرتبہ ان کا گھٹ جائیگا اور یہ خلاف اجماع ہے یعنے سب متفق ہیں کہ یہ سب انبیاء میں عالی رتبہ ہیں پھر کیونکر ہو سکتا ہے۔

دوسرا جواب یہ کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے کہ جو کوئی واجب المحبت ہے واجب الاطاعت بھی ہے۔ اور یہ بھی نہیں مانتے کہ جو کوئی واجب الاطاعت ہے صاحب امامت ہے جس کے معنے ہیں ریاست عامہ۔

اب اوّل صورت کی کیفیت یہ کہ اگر محبت کے واجب ہونے سے اطاعت واجب لازم آتی ہے تو یہ بھی لازم آتی ہے کہ تمام علوی یعنے اولاد حضرت علی رضؓ کے واجب الاطاعت ہوں کیونکہ شیخ ابن بابویہ نے اپنی کتاب اعتقادات میں لکھا ہے کہ إِنَّ الْإِمَامِيَّةَ أَجْمَعُوا عَلَى وُجُوبِ مَحَبَّةِ الْعَلَوِيَّةِ (بیشک امامیہ متفق ہیں اولاد حضرت علی رضؓ کی محبت کے واجب ہونے پر) اور اسی دلیل سے حضرت فاطمہ رضؓ کی امامت لازم آتی ہے کہ اس کا کوئی قائل نہیں اور یہ بالکل خلافِ اجماع ہے۔ اور یہ بھی لازم آتا ہے ان چاروں یعنے علی رضؓ اور فاطمہ رضؓ اور حسنین رضؓ میں سے ہر ایک امام ہو زمانہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اور حسنین رضؓ امام ہوں زمانہ حضرت امیر رضؓ میں اور یہ بات بالاتفاق باطل ہے۔

اور دوسری صورت اس سبب سے کہ واجب الاطاعت صاحب امامت ہے یعنی صاحب خلافت کبریٰ تو لازم آئے کہ ہر نبی صاحب خلافت کبریٰ ہو اور یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ شمویل علیہ السلام نبی واجب الاطاعت تھے

اور طالوت صاحب ریاستِ کبریٰ موافق نص قرآن کے إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا (بیشک اللہ نے پیدا کیا طالوت کو تمہارے واسطے بادشاہ)۔

دوسرا جواب یہ کہ ہم نہیں مانتے ہیں کہ محبت کا واجب ہونا انہی چار اشخاص مذکور پر منحصر ہے بلکہ اوروں میں بھی پایا جاتا ہے۔

رَوَى الْحَافِظُ أَبُو طَاهِرٍ السِّلَفِيُّ فِي مَشْيَخَتِهِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُبُّ أَبِي بَكْرٍ رضؓ وَشُكْرُهُ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ أُمَّتِي وَرَوَى ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْهُ نَحْوَهُ۔ وَمِنْ طَرِيقٍ آخَرَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ نَحْوَهُ۔

محبت ابوبکر رضؓ کی اور شکر اس کا واجب ہے میری ساری امت پر۔ اور روایت کی ابن عساکر نے انس رضؓ سے مثل ابو طاہر کے۔

اور دوسری راہ سے سہل بن سعد الساعدی سے یعنے مثل اس کے۔

وَأَخْرَجَ الْحَافِظُ عَنْ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ خَضِرٍ الْمُلَّاءِ فِي سِيرَتِهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَرَضَ عَلَيْكُمْ حُبَّ أَبِي بَكْرٍ رضؓ وَعُمَرَ رضؓ وَعُثْمَانَ رضؓ وَعَلِيٍّ رضؓ كَمَا فَرَضَ عَلَيْكُمُ الصَّلٰوةَ وَالزَّكٰوةَ وَالصَّوْمَ وَالْحَجَّ۔

نکالی حافظ نے عمر بن محمد بن خضر الملاء سے اپنی کتاب سیرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا بیشک اللہ نے محبت ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ اور عثمان رضؓ اور علی رضؓ کی تم پر فرض کی ہے جیسے فرض کی ہے تم پر نماز اور زکوٰۃ اور فرض کیا ہے روزہ اور حج۔

وَرَوَى ابْنُ عَدِيٍّ عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ حُبُّ أَبِي بَكْرٍ رضؓ وَعُمَرَ رضؓ إِيمَانٌ وَبُغْضُهُمَا نِفَاقٌ۔

اور روایت کی ابن عدی نے انس رضؓ سے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ محبت ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ کی خاص ایمان ہے اور عداوت ان دونوں کی عین نفاق ہے۔

وَرَوَى ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُبُّ أَبِي بَكْرٍ رضؓ وَعُمَرَ رضؓ مِنَ الْإِيمَانِ وَبُغْضُهُمَا كُفْرٌ۔

اور روایت کی ابن عساکر نے جابر سے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محبت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کی قسم ایمان سے ہے اور عداوت ان دونوں کی کفر ہے۔

وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ أَنَّهُ أُتِيَ بِجَنَازَةِ رَجُلٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ وَقَالَ إِنَّهُ كَانَ يُبْغِضُ عُثْمَانَ رضؓ

اور روایت کی ترمذی نے بیشک شان یہ ہے کہ لایا گیا ایک جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ نے اس کی نماز نہیں پڑھی اور فرمایا بیشک یہ بغض رکھتا تھا عثمان رضؓ سے

نَمَا یُبْغِضُہُ اللّٰہُ ۔ || سو بغض میں ڈالا ہے اُس کو اللہ نے ۔

ہر چند یہ روایتیں اہلِ سنت کی کتابوں میں ہیں لیکن جب شیعہ کو اِس مقام میں الزام اہلِ سنت کا منظور ہے تو بدون ملاحظہ ان کی سب روایتوں کے یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اور ایک روایت سے یہ الزام نہیں کھاتے ہیں۔ اور اگر شیعہ اہلِ سنت کو تنگ کریں تو قرآن اور قول اہلِ بیت سے ثابت کر سکتے ہیں کہ محبت خلفائے ثلثہؓ کی کہ وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ ہیں واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ دوست رکھتا ہے اللہ اُن کو اور دوست رکھتے ہیں وہ اللہ کو باتفاق یہ لفظ اُن کے حق میں ہے جنہوں نے مرتدوں کو قتل کیا۔ اور یہ یعنی خلفائے ثلثہؓ سرگروہ اُن قتل کرنے والوں کے تھے۔ اور جس کو خدا دوست رکھے اُس کی محبت واجب ہے۔ اور منجملہ القیاس آیتِ مباہلہ یعنی آپس میں بددعا کرنا کسی امر کے جھوٹ سچ میں اور شیعہ بھی اِس آیت پر تمسک کرتے ہیں اُن کا طریق یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی :۔

نَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ، اِلٰی اٰخِرِھَا۔	سو کہہ تو آؤ بلاتے ہیں ہم اپنی اولاد کو اور تمہاری اولاد کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں اور اپنی ذات کو اور تمہاری ذات کو، آخر آیت تک۔

تو آپ گھر سے نکلے اور علیؓ اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ کو ساتھ لیا۔ پس معلوم ہوا کہ مُراد اَبْنَآءَنَا سے حسنؓ اور حسینؓ ہیں۔ اور مُراد اَنْفُسَنَا سے حضرت امیرؓ۔ اور جب حضرت امیرؓ نفس رسولؐ کے ہوئے اور ظاہر ہے کہ معنے حقیقی نفس کے تو یہاں ہونا محال ہیں لہٰذا مراد برابر اور مساوی سے ہوگی اور جو کوئی مساوی پیغمبرِ وقت کا ہے ضروری ہے کہ وہ غیر سے تصرف میں افضل اور اولیٰ ہوگا ؛۔

لِاَنَّ الْمُسَاوِیَ لِلْاَفْضَلِ الْاَوْلٰی بِالتَّصَرُّفِ اَفْضَلُ وَاَوْلٰی بِالتَّصَرُّفِ فَیَکُوْنُ اِمَامًا اِذْ لَا مَعْنَی الْاِمَامِ اِلَّا الْاَفْضَلُ الْاَوْلٰی بِالتَّصَرُّفِ۔	کیونکہ جو کوئی افضل اور اَولیٰ بتصرف ہوتا ہے اُس کا مساوی بھی افضل اور اَولیٰ بتصرف ہے پس وہی امام ہوئے۔ اس لئے کہ معنے امام کے بھی یہی ہیں یعنی افضل اور اَولیٰ بتصرف۔

اب مصنفؒ فرماتے ہیں کہ جس انتظام و خوبی کے ساتھ یہ تقریر اس آیت میں ہم نے لکھی اکثر علمائے شیعہ کو میسر نہ ہوئی اور ہمارے اِس رسالہ کا حق اُن کے ذمہ بھی ثابت ہے کہ اکثر اُن کی پریشان دلیلوں کو ہم نے ترتیب اور تقریرِ خوش طور سے آراستہ کر دیا اور صورت بنا دی۔ اگر کسی کو ہماری اس بات میں تامل ہو تو ان کی کتابوں کو دیکھے کہ کیسا کیسا کلام کو پریشان کیا ہے اور مطلب کو نہ پہنچایا ؛ انتہٰی۔

اور یہ آیت دراصل اہلِ سُنت کی دلیلوں سے ہے جو نواصب کے مقابلہ میں لائے ہیں اور اس سے تمسک

ڈھونڈا ہے اور وجہ تمسک کی ان سے خوب ظاہر ہے کہ حضرت امیرؓ اور ان بزرگواروں یعنی فاطمہؓ اور حسنینؓ کا ساتھ لے جانا اور ان کو مخصوص کرنا چاہتا ہے کہ کوئی وجہ مرجح جو سب سے بڑھ کر ہو مذکور کی جائے اور وہ دو باتوں سے خالی نہیں : یا ان کا ساتھ لے جانا اور مخصوص کرنا اس سبب سے تھا کہ ان بزرگواروں کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت عزیز جانتے تھے اور جب ان کو مقامِ مباہلہ میں کہ بحسب ظاہر اس میں اندیشہ ہلاک کا بھی تھا حاضر کریں گے تو مخالفوں کو پوری کوشش اور بھروسے اور نہایت مضبوطی کا اپنی نبوت کے صدق اور ٹھیک ٹھیک پیدائش عیسیٰؑ پر کہ اس کی خبر دیتے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یقین ہوگا۔ کیونکہ جب تک بالقطع یقینی بات نہیں ہوتی اور اپنے دعوے کو خوب سچا نہیں جانتا کوئی عاقل اپنے کو اور اپنے عزیزوں کو موقع ہلاکت میں نہیں ڈالتا اور اپنی جڑ نہیں کھودتا اور اس پر قسم نہیں کھاتا۔

اہلِ سنت نے یہی وجہ اختیار کی ہے اکثر اور شیعہ نے بھی۔ چنانچہ ملا عبد اللہ نے بھی ”اظہار الحق“ میں اسی وجہ کو پسند کیا ہے اور ترجیح دی ہے۔ پس اس آیت میں عزیز ہونا ان اشخاص کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ثابت ہوا اور چونکہ پیغمبر محبت اور بغض نفسانی سے پاک ہیں یعنی حب اور بغض ان کا حسب اقتضائے نفس مثل اہلِ دنیا کے نہیں ہوتا بلکہ بوجہ اللہ۔ یہ عزت ان اشخاص کے ان کے سامنے ضرور موافق ان کے دین اور پرہیزگاری اور نیکوکاری کے ہوگی۔ پس یہ بات ان اشخاص کے واسطے ثابت ہوئی اور جو نواصب ان کے خلاف ہیں ان کے مقابلہ میں مفید پڑی۔

یا ان کا لے جانا اِس واسطے تھا کہ یہ حضرات بھی دعائے بد میں جو کفارِ نجران کے حق میں منظور تھی شریک ہوں اور اپنی آمین سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں تاکہ دعا آپؐ کی ان کی آمین سے جلدی مستجاب ہو چنانچہ یہ بات اکثر شیعہ نے کہی ہے اور ملا عبد اللہ نے بھی ذکر کی ہے اس صورت میں بھی عالی رتبہ ہونا ان کا دین میں اور مقبول ہونا ان کی دعا کا بارگاہِ الٰہی میں ثابت ہوا کہ نواصب کے مقابلے میں یہ سب باتیں مفید ہیں۔

لیکن نواصب نے اس کو رد کیا ہے کہ ان کا ساتھ لے جانا نہ وجہ اوّل کے سبب سے تھا نہ دوسری وجہ سے بلکہ ارادہ دشمن کے الزام دینے کا تھا کہ ان کے نزدیک یہ امر مسلّم الثبوت ہے اور مخالفوں کے نزدیک کہ کفار تھے یہ بات مانی ہوئی تھی کہ قسم کے وقت جب تک اولاد و داماد کو حاضر نہ کریں اور ان کے مرنے اور ہلاک ہونے پر قسم نہ کھائیں وہ قسم معتبر نہیں ہوتی۔ آپؐ نے بھی اِس طریق پر ان کے عمل کیا۔ اور ظاہر ہے کہ قرابت والے اور اولاد جس قسم کے ہوں لوگوں کے اعتقاد میں غیر قرابت والوں اور اولاد سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں گو اس شخص کے نزدیک ان کی عزت نہ ہو۔ اور دلیل اس وجہ پر یہ ہے کہ ایسا مباہلہ کرنا اور اولاد پر قسم کھانا آپؐ کے نزدیک بھی مسلّم نہ تھا اگر ہوتا تو شریعت میں بھی ایسی قسم آئی ہوتی۔ حالانکہ شریعت میں ممنوع ہے کہ اولاد کو حاضر کریں

اور ان پر قسم کھائیں پس معلوم ہوا کہ یہ باتیں دشمنوں کو چُپ کرنے کے واسطے تھیں۔

اسی طرح دوسری وجہ بھی درست نہیں ہوتی کیونکہ نجران کے ایلچیوں کا ہلاک ہونا کوئی ایسی بڑی بات نہ تھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تو اس سے بڑھ کر اور نہایت سخت حادثے پڑے، اور مشقتیں اٹھائیں کبھی دعا میں ان اشخاص سے مدد نہ چاہی۔ علاوہ اس کے سب کا اتفاق ہے کہ کفار کے مقابلے اور جھگڑے میں دعا پیغمبر کی ضرور مقبول ہوتی ہے اگر نہ ہو تو پیغمبر جھوٹے ٹھیریں اور تکذیب لازم آئے کہ ان کے پیدا ہونے سے جو غرض ہے وہ بگڑ جائے اور اس دعا کے قبول نہ ہونے میں ایسا کیا تردد ہو سکتا تھا جو اوروں کی آمین سے مدد چاہتے لہذا یہ سب بیہودہ اور خراب ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے اہل سنت نے ان کے کلام کا بالکل قلع قمع واجبی کیا ہے۔ مگر اس رسالہ میں اس بحث کا موقع نہیں ہے۔ طول ہو جانے کے ڈر سے ہم نے کچھ غرض نہ رکھی۔ القصہ یہ آیت اصل میں دلیل مدعا ہے جسے شیعہ بڑے زور شور کے ساتھ اہل سنت کے مقابلہ میں لائے ہیں۔ شعر

کس نیاموخت علم تیر از من || کہ مرا عاقبت نشانہ نہ کرد

اور یہ جو شیعوں کو اس پر تمسک ہے بہت وجہوں سے اس میں خلل ہے۔ اوّل یہ کہ ہم نہیں مانتے کہ مراد اَنْفُسَنَا سے حضرت امیرؓ ہیں بلکہ یہ نفسِ نفیس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جو کچھ ان کے علماء نے اس بات کے باطل کرنے کو یہ احتمال کیا ہے کہ اَلشَّخْصُ لَا یَدْعُوْ نَفْسَہٗ (کوئی آدمی اپنے نفس کو بلا نہیں سکتا) یہ ایسی بات ہے جیسے کلام ایک حجام کا جو ایک گاؤں سے آیا تھا۔ ایک عالم نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے گاؤں میں ہل چلاتے ہیں اور ہل بھی چلتے ہیں اس نے کہا اے آخوں! سمجھ کے بات کہہ ہل نہیں چلاتے ہیں اور نہ ہل چلتے ہیں بلکہ بیلوں کو چلاتے ہیں اور بیل گھومتے ہیں۔ یہ بات عرف قدیم اور جدید میں شائع و جاری ہے دَعَتْہُ نَفْسُہٗ اِلٰی کَذَا وَدَعَوْتُ نَفْسِیْ اِلٰی کَذَا (بلایا اس کو اس کے نفس نے اس بات کی طرف اور بلایا میں نے اپنے نفس کو اس بات کی طرف) اور فَطَوَّعَتْ لَہٗ نَفْسُہٗ قَتْلَ اَخِیْہِ (رغبت دلائی اس کے نفس نے اپنے بھائی کے مار ڈالنے کی) وَاَمَرْتُ نَفْسِیْ وَشَاوَرْتُ نَفْسِیْ (مصلحت کی میں نے اپنے دل سے اور مشورت کی اپنے نفس سے) اور علاوہ اس کے دیگر استعمالات اہل بلاغت سے جو اُن کے کلام میں صحیح طور پر واقع ہے۔ پس حاصل معنی نَدْعُ اَنْفُسَنَا کے نَحْضُرُ اَنْفُسَنَا ہوئے۔

اور یہ بات بھی ہے کہ اگر جانب حضرتؐ سے حضرت امیرؓ کو معنی اَنْفُسَنَا کا ہم قرار دیں تو اَنْفُسَکُمْ میں جانب کفار سے کس کو قرار دیں گے حالانکہ صیغہ نَدْعُ میں وہ بھی شریک ہیں اِذْ لَا مَعْنٰی لِدَعْوَۃِ النَّبِیِّ اِیَّاھُمْ وَاَبْنَاءَھُمْ (اس واسطے کہ ان کو اور ان کے لڑکوں کو بلانے میں کچھ معنی نہیں ہیں) بعد قولہ تعالیٰ جو تَعَالَوْا کو اے معنی آؤ پس

معلوم ہوا کہ حضرت امیرؓ بھی اَبْنَاءَنَا میں داخل ہیں جیسے حسنینؓ بھی حقیقۃً ابناء نہیں ہیں حکماً ابناء میں داخل ہوئے وَلِاَنَّ الْعُرْفَ یَعُدُّ الْخَتَنَ اِبْنًا مِنْ غَیْرِ رَیْبَۃٍ فِیْ ذٰلِکَ (اس واسطے کہ عرف میں داماد کو بھی بیٹا شمار کرتے ہیں کہ اس میں شک نہیں ہے)۔

اس کے علاوہ نفس قریب اور ہم نسبت اور ہم دین اور ہم ملت کے معنی میں بھی آیا ہے۔ قولہ تعالیٰ یُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَھُمْ مِّنْ دِیَارِھِمْ (نکالتے ہیں وہ لوگ اپنوں کو اپنے شہروں سے) پس اَنْفُسَھُمْ کے معنے اَھْلَ دِیْنِھِمْ ہیں۔ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ (مت نام رکھو اپنے نفسوں کو) فَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِھِمْ خَیْرًا۔ ان دونوں آیتوں میں بھی نفس کا لفظ بمعنی مذکورہ بالا کے ہے۔ پس حضرت امیرؓ کو جو میل نسبتِ قرابت اور مصاہرت یعنی دامادی اور اتحادِ دین و ملت اور کثرتِ صحبت اور الفت کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے از حد تھا کہ فرمایا عَلِیٌّ مِّنِّیْ وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ (علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں) اس صورت میں اگر اپنے نفس سے ان کی تعبیر کی تو کیا بعید ہے فَلَا یَلْزِمُ الْمُسَاوَاۃُ کَمَا لَا یَلْزِمُ فِی الْاٰیَاتِ (سو نہیں لازم آتی مساواۃ جیسے کہ آیات میں نہیں لازم آتی ہے)

دوسرے یہ کہ اگر برابری جمیع صفات میں مراد ہے تو یہ بات لازم آتی ہے کہ جیسے آپؐ نبی اور رسول اور خاتم الانبیاء و رسل اور تمام مخلوق کے پیغمبر تھے اور چار نکاح سے زیادہ کے ساتھ مخصوص اور بروز قیامت اعلیٰ درجہ کے ساتھ مختص اور صاحب شفاعت کبریٰ اور مقام محمود اور محل نزول وحی ہیں اور ان کے علاوہ وہ احکام جو خاصہ پیغمبر ہیں سب میں حضرت امیرؓ بھی شریک ہوں۔ اور یہ بات بالاجماع باطل ہے۔ اور اگر شرکت کل میں نہیں بعض میں مراد ہے تو کچھ فائدہ نہیں کرتی کیونکہ جو بعض اوصاف میں افضل اور اولیٰ بالتصرف کے برابر ہوتا ہے وہ افضل اور اولیٰ بالتصرف نہیں ہوتا ہے اور یہ بات خوب ظاہر ہے۔

اور اگر یہ آیت دلیل امامت کی ہو تو لازم آتی ہے امامت امیرؓ کی زمان حیات پیغمبرؐ میں کہ یہ بھی بالاتفاق باطل ہے۔ اور اگر قید لگائیں ایک وقت سے کسی دوسرے وقت کی اس کے ساتھ کہ لفظاً کوئی دلیل اس پر نہیں تب بھی مفید مدعا نہیں ہے۔ اس واسطے کہ خود اہل سنت بھی آپؓ کی امامت کسی نہ کسی وقت تو بہر حال مانتے ہیں۔

ومنھا قولہ تعالیٰ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ (نہیں ہے تو مگر ڈرانے والا اور ہر قوم کا ہے ایک راہ بتانے والا) وَرَدَ فِی الْخَبَرِ الْمُتَّفَقِ عَلَیْہِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ اَنَا الْمُنْذِرُ وَاَنَا الْھَادِیْ۔ (آیا ہے حدیث متفق علیہ میں ابن عباسؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے شک فرمایا کہ میں ڈرانے والا اور راہ بتانے والا ہوں اور یہ روایت ثعلبی سے ہے تفسیر میں، اور جو

اس نے روایتیں کی ہیں ان کا چنداں اعتبار نہیں ہے۔ اور یہ آیت بھی بدستور انہی آیات میں سے ہے جن کو اہل سنت مذہب خارجیوں اور ناصبیوں کے رد میں لائے ہیں۔ اور اس روایت تفسیری پر تمسک کیا ہو کہ جناب امیرؓ کی امامت اور سوائے ان کے اور کی امامت کی نفی پر ہرگز، اور قطعاً دلالت نہیں رکھتی۔ اس واسطے یہ لازم نہیں ہے کہ جو شخص ہادی ہو امام بھی ہو نہ یہ اُس کے غیر کو ہدایت سے باز رکھتا ہے۔ اور اگر تنہا ہدایت امامت پر دلالت کرتی ہے تو وہ امامت وہ ہوگی جو موافق اصطلاح اہل سنت کے ہے یعنی پیشوائی دین کی۔ اور یہ کچھ جھگڑے کی بات نہیں ہے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا (ٹھیرایا ہم نے اُن کو امام کہ ہدایت کرتے ہیں وہ ہمارے حکم کی ہرگاہ کہ صبر کیا انہوں نے)۔ وقال وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور چاہیے کہ ہو تم میں کوئی گروہ ایسا کہ بُلائیں وہ نیکی کی طرف اور حکم کریں ساتھ معروف کے اور باز رکھیں برائیوں سے)۔

وَمِنْهَا قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (ٹھیراؤ اُنہیں بے شک وہ پوچھے جائیں گے) کہتے ہیں کہ ابوسعید خدریؓ سے مرفوعاً مروی ہوا اِنَّهٗ قَالَ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ عَنْ وِلَایَةِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ (اُنہوں نے کہا کہ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ "ان کو ٹھیراؤ کہ ان سے باز پرس ہوگی ولایت علی بن ابی طالبؓ کی بابت)

حقیقت میں یہ سب تمسک روایات پر ہیں نہ کہ آیات پر، اور حالت ان روایتوں کی معلوم ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ان کا کچھ اعتبار نہیں خصوصاً یہ روایت جو فردوس دیلمی کی مسند میں واقع ہے اور وہ کتاب خاص اسی واسطے ہے کہ اس میں ضعیف حدیثیں واہی جمع ہیں۔ اور خصوصاً اس روایت کی سند میں بہت سے ضعیف و مجہول لوگ ہیں جو قابل حجت پکڑنے کے نہیں ہیں خصوصاً ایسے مطالب میں جو اصولِ مذہب ہیں۔

اس کے علاوہ نظم قرآنی بھی اس کو جھوٹا ٹھیراتی ہے۔ اس واسطے کہ یہ خطاب مشرکوں کے حق میں ہے بدلیل وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (جس کی بندگی کرتے ہیں سوائے اللہ کے) اور ضروری ہے کہ پہلا سوال مشرکوں سے عبادت غیر اللہ کی بابت ہوگا نہ کہ ولایت علیؓ بن ابی طالب کی بابت۔ اور یہ بھی کہ ترتیب قرآن کی اس بات کو بتاتی ہو کہ سوال مضمون جملہ استفہامیہ سے ہے جو مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ہے (کیا ہوا تم کو جو مدد نہیں کرتے) اور یہ واسطے فقط جھڑکی اور بیان کے ہے نہ کہ دوسری چیز کے واسطے۔ اسی لیے سب قاریوں کا اتفاق ہے کہ مَسْئُوْلُوْنَ پر وقف کرنا نہیں چاہیے۔

اور اگر روایت صحیح سمجھی جائے اور ترتیبِ قرآنی کو بھی جانے دیں تو مراد ولایت سے محبت ہے پس ریاست کبرٰی نہیں ٹھیرے گی جو محل نزاع ہے۔ اور اگر ریاستِ کبرٰی بھی ٹھیرے تب بھی مفیدِ مدعا نہیں کیونکہ

آیت سے یہ فائدہ ہے کہ اعتقاد محبت جناب امیرؓ کا واجب ٹھیرے خواہ کسی وقت میں ہو اوقات سے سو یہ عین مذہب اہل سنت کا ہے اور اس روایت کو واحدی بھی اپنی تفسیر میں لایا ہے اس طور پر کہ عَنْ وِلَایَةِ عَلِیٍّ وَّ اَهْلِ الْبَیْتِ۔ اور ظاہر ہے کہ سب اہل بیت امام نہ تھے چنانچہ شیعہ بھی معتقد سب اہل بیت کی امامت کے نہیں ہیں۔ پس اگر ولایت کو محبت پر قیاس کریں تو ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ ایک لفظ مشترک ہے اور موافق خارجی قرینوں کے اس کے دونوں معنی سے ایک معنی مقرر ہوں گے۔ اور بالجملہ سوال محبت حضرت امیرؓ اور ان کی امامت سے اجماعی ہے یعنی متفق علیہ کہ اہل سنت بھی اس کے قائل ہیں اس کے ساتھ بحث اس میں نہیں چلتی بلکہ بحث اس میں ہے کہ حضرت امیرؓ بلافصل امام تھے۔ اُن کے علاوہ صحابہؓ میں سے کوئی مستحقِ امامت نہ تھے لیکن اس آیت میں اس مدعا کا مطلق مس نہیں۔

وَمِنْهَا قَوْلُهٗ تَعَالٰی وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ (اور جو لوگ کہ سابق ہیں وہی سابق ہیں اور وہی مقرب ہیں)

رُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَرْفُوْعًا قَالَ السّٰبِقُوْنَ ثَلٰثَةٌ فَالسَّابِقُ اِلٰی مُوْسٰی یُوْشَعُ بْنُ نُوْنٍ وَالسَّابِقُ اِلٰی عِیْسٰی صَاحِبُ یٰسٓ وَالسَّابِقُ اِلٰی مُحَمَّدٍ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔

اور روایت کی گئی ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بے شک انہوں نے کہا کہ سابقون تین اشخاص ہیں، موسےؑ کی طرف یوشع بن نون ہے اور عیسےؑ کی طرف یاسین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف علی بن ابی طالب

اور سابق سے مراد پہلے ایمان لانے والا اور یہ تمسک بھی حدیث سے ہے نہ کہ آیت سے کہ جو بروایت طبرانی و ابن مردویہ کے ابن عباسؓ اور بروایت دیلمی کے عائشہؓ سے ثابت ہوئی۔ لیکن مدار اسناد کا ابوالحسن اشقر پر ہے کہ وہ بالاتفاق ضعیف ہے قَالَ الْعُقَیْلِیُّ هُوَ شِیْعِیٌّ مَتْرُوْكُ الْحَدِیْثِ وَلَا یُعْرَفُ هٰذَا الْخَبَرُ وَهُوَ حَدِیْثٌ مُّنْكَرٌ (عقیلی نے کہا کہ وہ شیعہ ہے متروک الحدیث اور یہ خبر معروف نہیں ہے بلکہ منکر ہے) اور نشان وضع کے بھی اس حدیث میں پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ صاحبِ یاسین وہ شخص نہیں ہے جو اول عیسٰی علیہ السلام پر ایمان لایا ہے بلکہ ان کے رسولوں پر جو ایمان لائے ہیں ان میں اول ہے کہ اسی امر پر نص کتاب رہنما ہے۔ اور جو حدیث کہ اخبار اور قصوں میں مدلولِ قرآن کو بگاڑے وہ موضوع اور بنائی ہوئی ہے جیسے کہ یہ بات محدثوں میں مقرر ہے اور یہ بھی ہے کہ تین آدمیوں میں حصر سیاق کا بھی خلاف عقل کے ہے۔ اس لیے کہ ہر نبی کا ایک سابق ہوگا اور بعد رد و کد کے کیا ضروری ہے کہ ہر سابق صاحب ریاستِ کبرٰی کا ہو یا ہر مقرب امام ہو۔ اور بالفرض صحیح روایت ہی سہی تو صریح مناقض آیت کی ہے اس واسطے کہ سابقین کے حق میں

فرمایا ہے ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ (جماعتِ کثیر ہیں پہلوں سے اور قلیل ہیں پچھلوں سے) اور جب ثُلَّۃٌ جماعتِ کثیر کے معنے میں ہے تو دو آدمیوں کو جماعتِ کثیر نہیں کہہ سکتے ہیں ہر واحد کو قلیل نہیں کہہ سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ آیت سے سبقِ حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ سبقِ عرفی یا اضافی کہ شاملِ جماعتِ کثیرہ کو ہے حسبِ دلیل دوسری آیت کے وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ (اور سابق اول مہاجرین اور انصار سے یعنی بعض ان کے بعض سے) اور باتفاق شیعہ سنی کے سب سے اول جو ایمان لائیں درحقیقت حضرت خدیجہؓ ہیں پس اگر صرف یہی بات ہے کہ جو پہلے ایمان لائے مستوجب امامت ہے تو لازم آتا ہے کہ خدیجہؓ بھی قابل امامت کے ہوں اور یہ بالاتفاق باطل ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ خدیجہؓ میں نسوانیت مانع ہے تو ہم کہیں گے کہ حضرت امیرؓ میں بھی مانع ثابت ہے اور وہ نہ ہونا وقت امامت کا ہے۔ جب وقت امامت کا پہنچا اور مانع نہ رہا تب وہ امام ہوئے اور مانع کیا تھا ہونا خلفائے ثلثہؓ کا کہ ریاست کے حق میں اصلح تھے بہ نسبت حضرت امیرؓ کے نزدیک تمام اہل سنت کے اور بعد خلفائے ثلاثہؓ کے بھی باقی رہے تھے اور قبل امام ہونے سے ان کو ان سے مودت تھی نہ کہ عداوت۔ اور تفضیلیہ کے نزدیک:۔

فَاِنَّهُمْ قَالُوْا لَوْ كَانَ اِمَامًا عِنْدَ وَفَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنَلْ اَحَدٌ مِّنَ الْخُلَفَاءِ الْاِمَامَةَ وَمَاتُوْا فِيْ عَهْدِهٖ وَقَدْ سَبَقَ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ اَنَّ الْخُلَفَاءَ اَرْبَعَةٌ فَلَزِمَ التَّرْتِيْبُ عَلَى الْمَوْتِ۔

بے شک تفضیلیہ کہتے ہیں ہیں کہ اگر کوئی امام ہوتا وقت وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفوں میں سے کسی کو امامت نہ ملتی سب اُسی کی بیعت میں مرتے۔ اور حالانکہ سابق سے اللہ کے علم میں تھا کہ چار خلیفہ ہوں گے اس واسطے ان کی موت میں ترتیب لازم ہوئی۔

حاصل کلام تمسک شیعوں کے آیاتِ قرآن کے ساتھ اسی قسم کا ہیں۔ اور الفین والے نے بھی اسی طریق پر بہت سی آیتیں اپنے مدعا کی دلیل بنائی ہیں۔ اور ہرگاہ جو اولیٰ و اقویٰ ہیں ان کا حال معلوم ہوگیا تو باقی کو انہی پر قیاس کرنا چاہیے۔ کلیہ باقی کی تقریر کا یہ ہے کہ اکثر استدلال ان کی آیتوں پر تمام نہیں ہوتے نہ احتمالات بند ہوتے ہیں نہیں تو دل کی نکالی ہوئی باتیں کہ جن میں خدشے ہیں اور ممنوع اور روایتیں متروک مردود کا اس استدلال میں ملانا محض بے لطفی ہے لیکن کیا کریں پردہ تعصب کا دیدۂ دل پر پڑا ہے اچھے بُرے کی تمیز نہیں ہوتی اور اپنا ہی گڈھا بنایا اس کے مقابل میں جو اور کوئی کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے۔

اب وہ حدیثیں جن پر اس مدعا میں انہوں نے تمسک کیا ہے کل بارہ[۱۲] روایت ہیں۔

❋ اوّل حدیث غدیر خم کہ بڑی دھوم دھام سے ان کی کتابوں میں مذکور ہے اس حدیث کے نزول کو قطعی اس مدعا میں جانتے ہیں۔ حاصل اس کا یہ کہ بریدہ بن الحصیب الاسلمیؓ روایت کرتا ہے کہ وقت مراجعت

حجۃ الوداع کے جب حضرتؐ غدیر خم پر کہ ایک موضع ہے درمیان مکہ اور مدینہ کے پہنچے جو مسلمان کہ رکاب والا میں حاضر تھے سب کو بلا کر فرمایا:۔

یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ۔

اے گروہ مسلمانوں کے کیا نہیں ہوں میں دوست تر تم کو اپنی ذاتوں سے سب نے کہا بے شک ہو فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے اے بارِ خدایا! دوست رکھ جو کوئی اس کو دوست رکھے اور دشمن رکھ جو اس کو دشمن رکھے۔

کہتے ہیں کہ مولیٰ کے معنی اولیٰ بتصرف اور اولیٰ بتصرف ہونا عین امامت ہے۔

❋ اول[۱] تو اس استدلال میں یہ غلطی ہے کہ کل اہل عربیہ کا اتفاق ہے کہ مولیٰ معنے میں اولیٰ کے نہیں آیا ہے بلکہ کہا ہے کہ مفعل بمعنی افعل کسی جگہ کسی مادہ میں نہیں آیا ہے پھر کیا ٹھکانا خاص اس مادہ کا۔ مگر ابو زید لغوی کے کہ اس کو تجویز کیا۔ اس کو تمسک ہے قول ابو عبیدہؓ پر اس آیت کی تفسیر میں هِيَ مَوْلٰكُمْ یعنی اَوْلٰی بِكُمْ لیکن جمہور اہل عرب نے اس تجویز و تمسک میں اس کو خطا سے منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر یہ قول صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ بجائے اَوْلٰی مِنْكَ کے مَوْلٰی مِنْكَ کہیں اور یہ باطل اور برا ہے بالاتفاق۔ بعض نے کہا ہے کہ تفسیر ابو عبیدہؓ کی بیان حاصل معنی کے ہے یعنی اَلنَّارُ مَقَرُّكُمْ وَمَصِيْرُكُمْ وَالْمَوْضَعُ اللَّائِقُ بِكُمْ۔ نہ یہ مولیٰ بمعنے اولےٰ کے ہے۔

❋ دوسرے[۲] یہ کہ اگر مولیٰ بمعنے اولیٰ کے بھی ہو تو اس کے ساتھ صلہ اس کا بالتصرف ہی ٹھہرانا کون سی لغت سے منقول ہوگا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے اَوْلٰی بِالْمَحَبَّةِ وَاَوْلٰی بِالتَّعْظِیْمِ مراد ہو۔ اور کیا ضروری ہے کہ جب لفظ اولیٰ کا سنیں تو اس سے اولیٰ بتصرف مراد لیں، قولہ تعالیٰ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (بے شک ابراہیم سے قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے پیروی کی اس کی اور اس نبی کی اور ایمان لائے) اور ظاہر ہے کہ پیرو حضرت ابراہیم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اولیٰ بتصرف نہیں ہوئے ہیں۔

❋ تیسرے[۳] یہ کہ قرینہ مابعد کا صریح یہ بتاتا ہے کہ لفظ مولیٰ یا اولیٰ سے غرض جو کچھ ہو مراد ولایت ہے بمعنے محبت کے اور قرینہ یہ ہے جو فرمایا اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ۔ پس اگر مولیٰ بمعنی متصرف فی الامر ہوتا یا مراد اولیٰ سے اولیٰ بتصرف ہوتی تو امید یہ تھی کہ یوں فرماتے "بار خدایا دوست رکھ اس کو جو اس کے تصرف میں ہو اور دشمن رکھ اس کو جو اس کے تصرف میں نہ ہو"۔ دوستی اور دشمنی کا ذکر کرنا صریح دلیل اس بات پر ہے کہ مقصود ان کی دوستی کا قبول کرنا اور دشمنی سے بچنا ہے تصرف ہو یا نہ ہو۔

اور ظاہر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ادنیٰ واجبات اور سنتوں بلکہ آداب اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کے اس طور پر ارشاد فرمائے ہیں کہ اُس معنی کو جو اس سے مقصود ہے ہر کوئی حاضر و غائب بعد جاننے لغت عرب کے بے تکلف حاصل کر لے، درحقیقت کہ کمالِ بلاغت بھی یہی ہے اور مقتضا منصب ارشاد کا بھی یہی۔ پھر اگر اس قسم کلام کو کہ ہرگز اُس سے موافق قاعدۂ لغت عرب کے معنے نہ نکل سکیں قصداً کافی سمجھے اور کہے تو نبی کے حق میں قصور گویائی و بلاغت کا ثابت کرنا ہے بلکہ احکام الٰہی کے پہنچانے اور ہدایت میں سستی کرنا اور سرسری جاننا ہے جس سے خدا بچائے۔

پس معلوم ہوا کہ آں جنابؐ کو افادہ اسی بات کا منظور تھا کہ بے تکلف اِس کلام سے سمجھی جاتی ہے یعنی محبت علیؓ کی فرض ہے مثل محبت پیغمبرؐ کے اور دشمنی ان کی حرام ہے مثل دشمنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ یہی مذہب اہلِ سنت اور جماعت کا ہے کہ مطابق فہم اہل بیت کے ابو نعیم نے حسن مثنیٰ بن حسن السبط رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک دن ان سے پوچھا کہ حدیث مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ آیا نص ہے خلافتِ علیؓ پر؟ کہا اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ارادہ خلافت کا کرتے اور مراد ان کی خلافت ہوتی تو ضروری تھا کہ خوب واضح کہتے تاکہ سب مسلمان سمجھ لیں. کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ فصیح اور سب سے زیادہ صحیح گو تھے بے شک فرماتے يَا أَيُّهَا النَّاسُ هٰذَا وَالِي أَمْرِي وَالْقَائِمُ عَلَيْكُمْ بَعْدِي فَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا (اے لوگو! یہ قائم ہوگا بعد میرے تم پر سو سن لو تم اور اطاعت کرو) بعد اس سے کہا کہ قسم ہے خدا کی اگر خدا اور خدا کا رسول علی کو اس کام کے واسطے اختیار کرتے ممکن نہ تھا کہ علیؓ فرماں برداری اس حکم کی نہ کرتے اور اس کام میں قدم نہ رکھتے اور حکم خدا کی نافرمانی اور حضرت سید الوریٰ کی بے اطاعتی کرتے، کیا اُن لوگوں میں سب سے بڑھ کر ہوتے جو خطا والوں سے ہیں. ایک شخص نے کہا کیا نہیں کہا ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ حسن نے کہا خوب جان لے قسم ہے خدا کی اگر ارادہ خلافت کا کرتے تو واضح کہتے اور تصریح کر دیتے جیسے نماز و زکوٰۃ کی کی ہے اور فرماتے أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ عَلِيًّا وَالِي أَمْرِكُمْ مِنْ بَعْدِي وَالْقَائِمُ فِي النَّاسِ بِأَمْرِي (اے لوگو! بے شک علیؓ والی ہے تمھارے کام کا بعد میرے اور قائم ہے لوگوں میں میرے کام کا)۔

اس کے علاوہ اس حدیث میں زمانِ واحد میں دو ولایتوں کا جمع ہونا دلیل صریح ہے. اس واسطے کہ قید لفظ بعد کی نہیں ہے بلکہ روانی کلام کے واسطے برابری دونوں ولایتوں کی ہے جمیع اوقات میں تمام وجوہ سے جیسا کہ ظاہر ہے. اور حالانکہ شرکت امیرؓ کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تصرف میں حینِ حیات آں جنابؐ میں ممتنع ہے. پس یہ اول دلیل ہے اس کی کہ محبت ان کی واجب ہے کہ یہی اس سے مراد ہے

اس لیے کہ دو محبتوں کے اجتماع میں کوئی خوف نہیں ہے. بلکہ یہ بھی لازم نہیں کہ ایک ہو تو دوسری بھی ہو۔ لیکن وہ تصرف کے جمع ہونے میں بہت محذور ہیں وَاِنْ قَيَّدَهُ يَدُلُّ عَلٰى إِمَامَتِهِ فِي الْمَآلِ دُوْنَ الْحَالِ فَمَرْحَبًا بِالْوِفَاقِ لِأَنَّ أَهْلَ السُّنَّةِ قَائِلُوْنَ بِذٰلِكَ فِيْ حِيْنِ إِمَامَتِهِ (اگر مقید کرے وہ اس کو اس بات سے کہ دلالت کرتی ہے امامت فی المآل پر نہ کہ حال پر تو خوشا حال موافقت کا کہ اہل سنت بھی اس کے قائل ہیں ان کی امامت کے وقت میں)۔

اب رہی وجہ تخصیص حضرت مرتضیٰؓ کے ساتھ اس امر کی تو وہ یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے معلوم ہوا کہ زمانِ حضرت مرتضیٰؓ میں بغی اور فساد بہت ہوگا اور بعض لوگ ان کی امامت کا انکار کریں گے۔

اور طرفہ یہ ہے کہ بعض علما نے ان کی اس بات کے ثابت کرنے کو کہ مراد مولیٰ سے اولیٰ بتصرف ہے تمسک کیا ہے اُس لفظ سے کہ جو صدر حدیث میں واقع ہے اور وہ یہ ہے جو فرمایا أَلَسْتُ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ یعنی اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (نبی اولیٰ ہے واسطے مومنوں کے ان کے نفس سے) پھر وہی بات ہے کہ جہاں کہیں لفظ اولیٰ کا سنتے ہیں اولیٰ بتصرف مراد لیتے ہیں کیا ضروری ہے کہ اس لفظ کو بھی اولیٰ بتصرف قیاس کریں. بلکہ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ أَلَسْتُ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ فِي الْمَحَبَّةِ۔ بلکہ یہاں اولیٰ مشتق ولایت سے ہے جو محبت کے معنی میں ہے یعنی أَلَسْتُ أَحَبَّ إِلَى الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (کیا نہیں ہوں میں دوست تر ایمان والوں کو ان کے نفس سے) تاکہ مناسبت اجزائے کلام اور جملوں منتسقۃ النظام سے حاصل ہو۔

اصل میں معنی اِس خطبے کے یہ ہیں کہ "اے گروہ مسلمانوں کے مقرر ہے کہ تم مجھ کو جان سے زیادہ دوست رکھتے ہو پس جو کوئی مجھ کو دوست رکھتا ہے علی کو دوست رکھے اور جو کوئی علی کو دوست رکھے بارِ خدایا دوست رکھ اُس کو اور دشمن رکھ اس کو جو علی کو دشمن رکھے"۔ عاقل کو چاہیے کہ اِس کلام مربوط میں غور کرے اور اس کے حسنِ انتظام کو سمجھے۔ اور یہ لفظ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آیاتِ قرآنی سے ماخوذ ہے اسی سبب سے اپنے قول کو اس پر تفریع کیا ہے. کیونکہ آیاتِ قرآنی مسلمہ یعنی مانی ہوئی مسلمانوں کی ہیں اور قرآن شریف میں یہ لفظ بہت جگہ واقع ہوا کہ وہاں معنی اولیٰ بالتصرف کے ہرگز مناسبت نہیں رکھتے۔ اور وہ قول اللہ تعالیٰ کا یہ ہے اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهٗ أُمَّهٰتُهُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ پس سوق اس کلام کا واسطے انکار نسبت متبنیٰ ساتھ متبنیٰ کے ہے جس کا بیان یہ ہے کہ زیدؓ بن حارثہ کو زیدؓ بن محمدؐ نہیں کہنا چاہیے کیوں کہ نسبت پیغمبرؐ کی سب مسلمانوں کے ساتھ نسبت شفیق باپ کی ہے

بلکہ اس سے بہت زیادہ اور عورتیں پیغمبرؐ کی سب مسلمانوں کی مائیں ہیں اور قرابت والے نسبت میں غیر سے زیادہ احق واولی ہیں اگرچہ شفقت اور تعظیم اوروں کی زیادہ ہو، پس نسبت قرابت پر موقوف ہے جو متبنّٰی اور متبنّٰی میں مفقود ہے نہ کہ شفقت اور تعظیم پر کہ یہی کتاب اللہ میں ہے یعنی حکم خدا میں۔ اور معنی اولی بتصرف کے اس مقصود میں کچھ دخل نہیں رکھتے۔ پس یہاں بھی وہی معنی مراد ہیں جو حدیث میں ہیں۔

اور بالفرض اگر صدرِ حدیث کو اولی بتصرف کے معنی میں ٹھیرائیں تب بھی تو قیاس مولیٰ کا اولیٰ بتصرف پر مناسبت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ اُس صورت میں یہ عبارت مخاطبین کی تنبیہ میں ہے تاکہ کمال توجہ سے سُنیں اور کلام آئندہ کو پہنچیں اور اطاعت اس امر کی جو ارشاد کیا جاتا ہے واجب جانیں جیسے باپ وعظ و نصیحت کے موقع پر اپنے بیٹے سے کہے کیا میں تیرا باپ نہیں ہوں اور جب بیٹا اقرار کرے اس وقت جو کچھ منظور ہے اس سے فرمائے تو موافق حکم پدری و پسری کے قبول کرے اور عمل میں لائے اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ اس جگہ ایسا ہے جیسے اَلَسْتُ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ یا اَلَسْتُ نَبِیُّکُمْ اس طور پر واقع ہے۔ مناسبت ایک لفظ کی کلام آئندہ سے اس عبارت کے لیے ڈھونڈنا اور چاہنا نہایت بے وقوفی ہے سارے کلام کو اس عبارت سے جو ربط کہ ہے وہی کافی ہے۔

اور اس سے طرفہ تر یہ ہے کہ ان کے بعض محققین خود معنے محبت و دوستی پر یہ دلیل لائے ہیں کہ دوستی حضرت امیرؓ کی تو ایک امر ہے جس کا فائدہ اس آیت میں ثابت ہو چکا وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ (ایمان والے اور ایمان والیاں بعض ان میں سے دوست ہیں بعض کے) پھر یہ حدیث بھی اگر فائدہ اُسی معنی کا بخشتی ہے تو لغو ہے کہ مکرر بات ہے۔ مگر یہ نہ سمجھے کہ فائدہ دوستی کسی شخص کا جو عام کے شمول میں مذکور ہو وہ اور چیز ہے اور قبول کرنا اُسی شخص کی دوستی کا خصوصیت کے ساتھ امر دیگر ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص تمام انبیاء اور خدا تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان لائے اور خاص محمد رسول اللہ کا نام نہ لے تو اسلام اس کا معتبر نہیں ہے۔ یہاں دوستی حضرت امیرؓ کی ذات کی بشخصہٖ منظور ہے اور آیت میں دوستی بوصفِ ایمان کہ یہ دوستی عام ہے فائدہ بخش ہوئی تھی۔

اور اگر مضمون آیت و حدیث کا باہم مل بھی گیا تو اس میں کچھ قباحت نہیں۔ پیغمبرؐ کا یہی کام ہے کہ قرآن کے مضمونوں اور ذکر کی تاکید کرتے رہیں۔ خصوصاً ایسے وقت میں کہ جو مکلف بشرع ہیں ان میں سستی و کاہلی ہو۔ قولہ تعالیٰ وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (نصیحت کر بے شک نصیحت نفع دیتی ہے ایمان والوں کو) اور کوئی مضمون قرآن میں نہیں آیا جس کی چند آیتوں میں خود تاکید نہ فرمائی ہو۔ پھر زبانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تاکید و تقریر کرائی تاکہ حجت تمام ہو جائے اور پوری نعمت دی جائے۔

اصل یہ ہے کہ جس نے قرآن و حدیث کو دیکھا ہوگا وہ تو ایسا پوچ کلام ہرگز نہ کہے گا ورنہ تاکیدیں اور تقریریں پیغمبرؐ کی روزہ نماز و تلاوتِ قرآن میں جو فرمائی ہیں سب لغو ہو جائیں گی۔ اور خود شیعہ کے نزدیک نصِ امامت حضرت امیرؓ کا بار بار کہنا اور تاکید کرنا لغو و بیہودہ ہو جائے گا۔ معاذ اللہ من ذلک

تاریخ و سیر کی کتب سے بھی واضح ہے کہ یہ خطبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سبب سے فرمایا تھا کہ فائدہ محبت و دوستی حضرت امیرؓ کا فائدہ بخشے صریح بتایا ہے کہ یہی منظور تھا۔ اس واسطے کہ ملک یمن کی مہم میں جو ایک جماعت صحابہؓ کی حضرت امیرؓ کے ساتھ متعین ہوئی تھی ان میں سے بعد مراجعت بعض نامداروں مثل بریدہ اسلمیؓ اور خالدؓ بن الولید وغیرہ نے بے جا شکایتیں حضرت امیرؓ کی حضور میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عرض کی تھیں۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اس قسم کی باتیں لوگوں کی زبان پر آئیں اگر ایک دو آدمیوں کو اس شکایت سے منع کیا جائے گا، یہ لوگ اس بات پر کہ حضرت امیرؓ کو میرے ساتھ علاقہ یگانگی کا ہے پاس یگانگی پر قیاس کریں گے اور باز نہیں رہیں گے اس واسطے عام خطبہ فرمایا اور اس نصیحت کو اُس کلمے سے کہ نص قرآنی ہے شروع کیا کہ وہ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی میں جو کہتا ہوں از راہ شفقت و مہربانی کے کہتا ہوں کسی کی پاسداری پر قیاس نہ کرو اور کسی کا علاقہ نظر میں نہ لاؤ۔ محمد بن اسحاق اور دیگر اہلِ سیر نے مفصل اس قصے کو لکھا ہے۔

❁ **حدیث دوم**۔ بخاری اور مسلم میں براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ تبوک کی لڑائی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیرؓ کو عورتوں اور لڑکیوں پر خلیفہ مقرر کیا اور متوجہ لڑائی کے ہوئے اور سب کو ان پر چھوڑ گئے۔ حضرت امیرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اَتُخَلِّفُنِیْ فِی النِّسَاءِ وَالصِّبْیَانِ (کیا مجھ کو عورتوں اور لڑکیوں پر خلیفہ مقرر کرتے ہو) آپؐ نے فرمایا اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (کیا تو راضی نہیں ہوتا ہے اس پر کہ تو مجھ سے بمنزلہ ہارونؑ کے ہو موسیٰؑ سے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے)۔

یہ کہتے ہیں کہ منزلت اسم جنس ہے مضاف طرف علم یعنی ہارونؑ کے پس جملہ منازل کے لیے عام ہے تاکہ استثناء صحیح ہو جب مرتبۂ نبوت کو استثناء فرمایا تو تمام منازل جو حضرت ہارونؑ میں ثابت تھے حضرت امیرؓ میں ثابت ہوئے کہ انہی منازل سے صحت امامت ہے اور فرض ہونا طاعت کا بھی اگر ہارونؑ بعد موسیٰؑ کے زندہ ہوتے اس لیے کہ موسیٰؑ کے حینِ حیات میں یہ مرتبہ رکھتے تھے پھر بعد وفات کے کیوں نہ ہوتا اور اگر دور کر دیا جاتا تو عزل ان کا لازم آتا جو جائز نہیں ہے کہ اس میں اہانت نبی کی ہے۔ پس یہ مرتبہ بھی حضرت امیرؓ کو ثابت ہوا جو اُن کی امامت ہے۔

اصل میں یہ حدیث بھی دلیل اہل سنت کی ہے کہ جس سے فضیلت حضرت امیرؓ کی ثابت کی ہے تاکہ امامت ان کی اپنے وقت پر صحیح ہو۔ اس واسطے کہ اس حدیث سے استحقاق ان کی امامت کا مستفاد ہوتا ہے

اب ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ شیعہ جو کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ امام ہیں بلا فصل یعنی بعد حضرتؐ کے خاص یہی امام ہیں ان کے سوا کوئی غیر امام نہیں سو اس حدیث سے یہ سمجھا نہیں جاتا۔ ہر چند ناصبیوں نے بھی کہ خدا اُن کو شرما ئے اہل سنت کے تمسک پر رد کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ خلافت عورتوں اور بچوں کی وہ خلافت نہ تھی کہ جس پر جھگڑا ہو کہ اس خلافت کے دینے سے استحقاق اُس خلافت کا ثابت ہو۔ سب اہل سیر متفق ہیں کہ محمدؓ بن مسلمہ کو صوبہ دار مدینہ کا اور سباع بن عرفطہ کو کوتوال مدینہ کا اور ابنؓ ام مکتوم کو پیش نماز اپنی مسجد کا مقرر کیا تھا اگر خلافت مرتضیٰؓ کی مطلق اور بے قید وقت کے ہوتی تو ان امور کے کیا معنی پس معلوم ہوا کہ یہ خلافت محض گھر کے امور اور خبرداری اہل و عیال کی تھی اور جو یہ امور محرمیت اور اطلاع امور مستورات پر موقوف تھے لابد ایسے کاموں کے واسطے بیٹا اور داماد اور مثل ان کے متعین ہوتے ہیں جو کوئی ان میں ہو پس یہ خلافت دلیل خلافت کبریٰ کی نہیں ہو سکتی ہے اور خدا کے فضل سے اہل سنت نے ان کی اس قدح کے اپنی کتابوں میں جواب دندان شکن دیے ہیں کہ اپنے مقام پر مذکور رہیں۔

شیعوں نے جس طریق پر تمسک اس حدیث سے کیا ہے جیسا کہ مذکور ہوا کیسی پراگندہ اور پریشان باتیں ذکر کی ہیں ان کی کتابوں میں دیکھی جائیں اور پھر بھی مطلب کو نہیں پہنچتی۔ اس جگہ تو ہم نے بنا سنبھال کے لکھ دی ہیں۔ اور ابھی اس تمسک میں بوجوہ بہت خلل باقی ہیں۔

اوّل یہ کہ اسم جنس جو مضاف علم کی طرف ہے تمام اصول والوں کے نزدیک عام الفاظ سے نہیں ہے بلکہ عہد کے واسطے ہے یعنی ایک امر مقرری اور خاص جیسے غُلَامُ زَیْدٍ میں غلام خاص مراد ہے نہ کہ ہر غلام اور مثل اس کے اور اگر قرینہ عہد کا موجود نہ ہو حد درجہ یہ کہ اطلاق ثابت ہوگا اور کیا کہہ سکتا ہے کوئی ایسی ترکیب میں جیسے رَکِبْتُ فَرَسَ زَیْدٍ (سوار ہوا میں خاص زید کے گھوڑے پر) اور لَبِسْتُ ثَوْبَ زَیْدٍ (پہنے میں نے خاص کپڑے زید کے) وَرَاَیْتُ ابْنَ زَیْدٍ (اور دیکھا میں نے زید کے بیٹے کو) کہ ظاہر عموم باطل ہے اور یہاں تو قرینہ عہد کا موجود ہے جو قول حضرت امیرؓ کا ہے اَتُخَلِّفُنِیْ فِی النِّسَاءِ وَ الصِّبْیَانِ یعنی جیسے کہ حضرت ہارونؑ خلیفہ حضرت موسیٰؑ کے تھے اُس وقت جب کہ طور کو گئے تھے، حضرت امیرؓ خلیفہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اُس وقت جب کہ تبوک کی لڑائی کو گئے تھے۔ اور جو یہ خلیفہ ہونا اتنے ہی دنوں کو تھا کہ جتنے دن وہ نہ ہوں بعد گزر جانے اُن دونوں کے باقی نہ رہا جیسے کہ حضرت ہارونؑ کے حق میں باقی نہ رہا ایسی ایسی خلافت کے جاتے رہنے کو عزل نہیں کہہ سکتے کہ کسی کے حق میں اہانت ہو۔ اور صحت استثنا اُس وقت

دلیل عموم کی ہوتی ہے استثنا متصل ہو اور یہاں استثنا منقطع ہے بالضرورت لفظاً بھی اور معناً بھی، لفظاً اس سبب سے کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ جملہ خبریہ ہے اس کو منازل ہارونؑ سے مستثنیٰ نہیں کر سکتے۔ اور جو تاویل جملہ کی مفرد سے کریں گے تو بدخول اَنَّ حکم اِلَّا کا عدم نبوت پیدا ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ عدم نبوت منازل ہارونؑ سے نہیں ہے تاکہ استثنا صحیح ہو لیکن معناً اس سبب سے کہ منازل ہارونؑ سے ایک یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے عمر میں بڑے تھے دوسرے یہ کہ افصح تھے موسیٰؑ اَلْکَنْ تھے۔ اور یہ کہ شریک نبوت اور حقیقی بھائی۔ اور یہ سب منازل بالاتفاق حضرت امیرؓ میں ثابت نہیں ہیں۔ پھر اگر استثنا متصل ٹھیرائیں اور منزلت کو عام پر قیاس کریں تو کلام معصوم میں جھوٹ لازم آئے۔

دوسرے یہ کہ ہم نہیں مانتے اس بات کو کہ وہ منازل جو ہارونؑ کو موسیٰؑ کے ساتھ تھے اُنہی میں سے خلافت ہارونؑ کی تھی بعد موت موسیٰؑ کے۔ اس واسطے کہ ہارونؑ اگر بعد موسیٰؑ کے زندہ رہتے تو رسول مستقل تھے احکام الٰہی پہنچانے میں کہ یہ مرتبہ اُن سے کبھی نہیں جاتا۔ اور خلافت میں منافات ہے اس لیے کہ خلافت تو نیابت نبی کی ہے پھر اصل کو نیابت سے کیا مناسبت لہٰذا اس راہ سے بھی ہرگز استدلال خلافت امیرؓ ٹھیک نہیں پڑتا۔

تیسرے یہ جو کہا ہے کہ یہ مرتبہ ہارونؑ سے اگر جاتا رہے تو اُن کا عزل لازم آئے اور عزل نبی کا جائز نہیں۔ ہم کہتے ہیں کام مقرری کے ہو چکنے کو جو کسی سے متعلق کیا گیا ہے عزل کہنا خلاف عرف کے بھی ہے اور لغت کے بھی۔ کیونکہ بادشاہ جب اپنے دارالسلطنت سے نکلتے ہیں تو نوکروں اور گماشتوں کو اپنا خلیفہ چھوڑتے ہیں اور اُن کے لوٹنے کے بعد یہ خلافت خود بخود منقطع ہو جاتی ہے اور ان کو کوئی معزول نہیں جانتا نہ ان کی اس میں کچھ اہانت سمجھتا ہے۔ اور بالفرض عزل ہی سہی لیکن جب موت موسیٰؑ کے بعد نبوت مستقل ہارونؑ کو ملتی جس کا خلافت سے ہزار درجے رتبہ بڑھا ہوا ہے تو پھر اہانت اور نقصان کی کیا وجہ؟ بلکہ یہ ایسا ہے کہ کسی وزیر کے نائب کو بعد مرنے وزیر کے مستقل کریں۔

اور یہ بھی ہے کہ جب حضرت امیرؓ کو ہارونؑ سے تشبیہ دی اور جانتے ہیں کہ حضرت ہارونؑ حیات حضرت موسیٰؑ میں بعد ان کے چلے جانے طور کے خلیفہ تھے اور بعد وفات حضرت موسیٰؑ کے یوشع بن نون اور کالب بن یوفنا خلیفہ ہوئے۔ اب لازم آیا کہ حضرت امیرؓ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں خلیفہ ان کے ہوں بعد غیبت کے نہ کہ بعد وفات کے۔ بلکہ بعد وفات کے اور لوگ ہوں تاکہ تشبیہ پوری اور کامل ہو نہ کہ ناقص۔ اس واسطے کہ کلام رسولؐ میں جو تشبیہ واقع ہو اس کو تشبیہ ناقص پر لگانا کمال بے دیانتی ہے۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔

اور اگر اس کو بھی ہم جانے دیں تو حدیث میں خلفائے ثلثہ رض کی امامت پر نفی کہاں ہے جس سے مدعا ثابت ہو غایت درجہ یہی ہے کہ حضرت امیرؓ مستحق امامت کے ثابت ہوتے ہیں اگرچہ کسی وقت میں ہوں اوقات سے۔ اور یہ عین مذہب اہل سنت کا ہے۔

حدیث سوم۔ بریدہؓ سے مرفوعاً روایت ہے اِنَّہٗ قَالَ اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ عَلِیٍّ وَھُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ بَعْدِیْ (بے شک حال یہ ہے کہ فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق علی مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے اور وہ ولی ہے ہر مومن کا میرے بعد)۔

یہ حدیث باطل ہے کیونکہ اس کے اسناد میں اجلح واقع ہوا کہ وہ اپنی روایتوں میں متہم ہے اور جمہور نے اس کو ضعیف ٹھیرایا ہے۔ پس اس کی حدیث کو حجت پکڑنا نہیں چاہیے۔ اس کے علاوہ ولی الفاظ مشترکہ سے ہے کیا ضروری ہے کہ اولیٰ بتصرف مراد ہو اور کسی وقت سے مقید نہیں۔ اس لیے کہ اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ حضرت امیرؓ کی اطاعت فرض ہے جب کبھی اس کا وقت ہو بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

حدیث چہارم۔ روایت ہے انسؓ بن مالک سے:۔

اِنَّہٗ کَانَ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَائِرٌ قَدْ طُبِخَ لَہٗ اَوْ اُھْدِیَ اِلَیْہِ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ ائْتِنِیْ بِاَحَبِّ النَّاسِ اِلَیْکَ یَاْکُلُ مَعِیَ ھٰذَا الطَّیْرَ فَجَاءَ عَلِیٌّ وَاخْتَلَفَ الرِّوَایَاتُ فِی الطَّیْرِ مَشْوِیٌّ فَفِیْ رِوَایَۃٍ اَنَّہٗ النَّھَامُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَنَّہٗ حُبَارٰی وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَنَّہٗ حَجَلٌ۔

بیشک حضرتؐ کے سامنے ایک پرندہ تھا کہ اس کو ان کے واسطے پکایا گیا تھا یا وہ تحفے میں آیا تھا، پھر فرمایا بار خدایا بھیج میرے پاس ایسے شخص کو کہ جس کو تو سب آدمیوں سے زیادہ دوست رکھتا ہو کہ میرے ساتھ اس پرندہ کو کھائے، پس آئے ان کے پاس علیؓ لیکن اس بھونے ہوئے پرندہ میں اختلاف ہے روایتوں کا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ سہام تھا اور ایک میں ہے کہ چرز تھا اور ایک روایت میں ہے کہ چکور تھا۔

اس حدیث کو اکثر محدثوں نے موضوع کہا ہے اور ان میں سے کہ جنہوں نے اس حدیث کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے حافظ شمس الدین جزری بھی ہیں۔

وَقَالَ اِمَامُ اَھْلِ الْحَدِیْثِ شَمْسُ الدِّیْنِ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ مُحَمَّدُ بْنُ اَحْمَدَ الدِّمَشْقِیُّ الذَّھَبِیُّ فِیْ تَلْخِیْصِہٖ لَقَدْ کُنْتُ زَمَانًا طَوِیْلًا اَظُنُّ اَنَّ حَدِیْثَ الطَّیْرِ لَمْ یُحْسِنِ الْحَاکِمُ اَنْ یُّوْدِعَہٗ فِیْ مُسْتَدْرَکِہٖ فَلَمَّا عَلَّقْتُ ھٰذَا الْکِتَابَ رَاَیْتُ

امام اہل حدیث شمس الدین ابو عبد اللہ محمد ابن احمد دمشقی ذہبی نے کہا ہے اپنی تلخیص میں کہ میں بہت دنوں گمان کرتا رہا کہ حاکم نے جو حدیث طیر کو اپنے مستدرک میں رکھا اچھا نہیں کیا مگر جب میں نے اس کتاب کا حاشیہ لکھا تو میں نے پایا

اَلْقَوْلَ مِنَ الْمَوْضُوْعَاتِ الَّتِیْ فِیْہِ ۔

اس قول کو جملہ موضوعات سے جو مستدرک میں ہیں۔

اس کے علاوہ یہ حدیث ان کے لیے مفید مدعا نہیں کیونکہ قرینہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ فِی الْاَکْلِ مَعَ النَّبِیِّ (زیادہ تر دوست اللہ کا کھانے میں ساتھ نبی کے) مراد ہو۔ اور حضرت امیرؓ بے شبہ اس وصف میں احب الناس تھے خدا کے نزدیک۔ اس لیے کہ لڑکے کا باپ اس کا جو مثل لڑکے کے ہو ساتھ کھانا سبب دونی لذت طعام کا ہوتا ہے۔ اور اگر احب سے مطلق مراد ہو یعنی بے قید فرزند حقیقی یا حکمی کے تب بھی کچھ مطلب نہیں نکلتا اس واسطے کہ اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ کیا لازم ہے کہ صاحب عام ریاست کا ہو بڑے بڑے اولیاء اور انبیاء اَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ ہوئے ہیں لیکن صاحب ریاست عام کے نہیں ہوئے جیسے حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ بلکہ حضرت شمویلؑ کہ ان کے زمانہ میں موافق حکم خدا تعالیٰ کے ریاست عامہ طالوت سے متعلق تھی۔

اور احتمال ہے کہ ابوبکرؓ اس وقت مدینہ منورہ میں موجود نہ ہوں اور دعا خاص ان کے حق میں تھی جو موجود تھے نہ کہ وہ جو موجود نہ تھے بدلیل اس قول کے اَللّٰھُمَّ ائْتِنِیْ اس واسطے کہ جو موجود نہیں اس کو لمحہ بھر میں مسافت دور سے بلا کر ایسی مجلس اکل و شرب میں شامل کرنا خرق عادت سے کہ وہ معجزہ و کرامت ہے متصور ہے اور انبیاء خدا تعالیٰ سے خواستگار خرق عادت کے جب ہی ہوتے ہیں جب کہ کفار خواہاں ہوں اگر یہ نہ ہو تو لڑائی اور سامان اسباب ظاہر کا کیوں کریں خرق عادت ہی سے کام اپنا کیا کریں اور غالب ہو جائیں۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد اس سے اس طور پر ہو مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیْکَ کہ ایسا استعمال بہت مروج و مشہور ہے جیسا کہ محاورہ عرب کا ہے فُلَانٌ اَعْقَلُ النَّاسِ وَ اَفْضَلُھُمْ (فلاں آدمی سب لوگوں میں زیادہ تر عقیل اور سب سے افضل ہے) اور اس صورت میں کہ دلالت مدعا پر بھی کرے تب بھی مقابلہ میں اس اخبار صحاح کے جس سے صریح خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ کی حاصل ہوتی ہے نہیں ہو سکتا۔ جیسے فرمایا اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ وغیرہ ذلک (میرے بعد دین میں پیروی ابوبکرؓ و عمرؓ کی کرو، اور ان کے علاوہ دیگر اقوال)۔

حدیث پنجم۔ روایت ہے جابرؓ سے اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا (میں شہر علم کا ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے) حالانکہ یہ حدیث بھی مطعون ہے یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ لَا اَصْلَ لَہٗ (اس کی کچھ اصل نہیں) وَقَالَ الْبُخَارِیُّ اَنَّہٗ مُنْکَرٌ (اور بخاری نے کہا یہ منکر ہے، وَ لَیْسَ لَہٗ وَجْہٌ صَحِیْحٌ (اس کی کوئی وجہ صحیح نہیں) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ اِنَّہٗ مُنْکَرٌ غَرِیْبٌ (ترمذی نے کہا کہ یہ منکر غریب ہے) وَذَکَرَہُ ابْنُ الْجَوْزِیِّ فِی الْمَوْضُوْعَاتِ (ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں ذکر کیا ہے)

قَالَ الشَّیْخُ تَقِیُّ الدِّیْنِ ابْنُ دَقِیْقِ الْعِیْدِ ھٰذَا الْحَدِیْثُ لَمْ یُثْبِتُوْہُ ۔

(شیخ تقی الدین

ابن دقیق العید نے کہا اس حدیث کا کچھ ثبوت نہیں) وقال الشیخ محی الدین النووی والحافظ شمس الدین الذھبی والشیخ شمس الدین الجزری انّہ موضوعٌ (اور محی الدین نووی اور شمس الدین ذہبی اور شمس الدین الجزری نے کہا کہ بے شک یہ موضوع ہے)۔

پس ایسی موضوع حدیثوں پر جن کو اہل سنت نے دائرۂ تمسک اور حجت پکڑنے سے خارج کیا ہے ان کے الزام دینے کو تمسک کرنے سے صریح عقلمندی علمائے شیعہ کی ظاہر ہے۔ اور یہ ایسا ہے کہ کوئی شخص کسی کے نوکر سے جان پہچان پیدا کرے کہ اس نے اس کو نوکری سے چھڑا دیا ہو اور اس کی خیانت دیکھ کر گھر سے بھی نکال دیا ہو اور منادی کرا دی ہو کہ مجھ کو فلاں نوکر سے کچھ سروکار نہیں ہے میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں نہ اس کے معاملات سے کچھ غرض۔ اس شخص احمق نے ان سب باتوں کو جان بوجھ کر اس سے معاملہ قرض کا کیا اور زرِ معاملہ اس شخص سے مانگنا شروع کیا۔ خیال تو کرو عقل مندوں کے نزدیک یہ شخص کس درجہ بے وقوف ٹھہرے گا اور بے وقوفی اس کی ثابت ہوگی۔

اور اگر غور کیا جائے تو اس کے ساتھ بھی کچھ مطلب نہیں نکلتا اس لیے کہ اگر کوئی شخص باب مدینہ علم کا ہوا تو کیا لازم ہے کہ صاحب ریاست علم کا بھی ہو بلا فصل بعد پیغمبرؐ کے۔ حد درجہ یہ کہ شرائط امامت سے ایک شرط اس میں پوری پوری ثابت ہوئی۔ اور ایک شرط پائی جانے سے وجود مشروط کا لازم نہیں آتا۔ اور وہ شرط بھی ایسی کہ اس شرط سے زیادہ حسب روایت اہل سنت کے اوروں میں ثابت ہے جیسے فرمایا مَا صَبَّ اللّٰہُ شَیْئًا فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُہٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ (اللہ نے میرے سینے میں ایسی کوئی شے نہیں ڈالی ہے جس کو میں نے ابو بکر کے سینے میں نہ ڈالا ہو) اور جیسے فرمایا لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ (اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا) اگر اہل سنت کی روایتوں کا اعتبار ہے تو سب جگہ کرنا چاہیے نہیں تو ان کے الزام کا قصد نہ کرنا چاہیے کہ ایک روایت سے الزام نہیں کھاتے ہیں۔

حدیث ششم یہ وہ حدیث ہے جس کو امامیہ مرفوعًا ذکر کرتے ہیں:۔

اِنَّہٗ قَالَ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی اٰدَمَ فِیْ عِلْمِہٖ وَاِلٰی نُوْحٍ فِیْ تَقْوَاہُ وَاِلٰی اِبْرَاھِیْمَ فِیْ حِلْمِہٖ وَاِلٰی مُوْسٰی فِیْ بَطْشِہٖ وَاِلٰی عِیْسٰی فِیْ عِبَادَتِہٖ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ

جو کوئی ارادہ کرے کہ میں آدم کا علم دیکھوں اور نوح کا تقویٰ اور ابراہیم کا حلم اور موسیٰ کا غصہ اور عیسےٰ کی عبادت تو چاہیے کہ علی بن ابی طالب کو دیکھے۔

اور تمسک اس بات پر ہے کہ اس حدیث سے حضرت امیرؑ کی مساواۃ انبیاء کے ساتھ ان صفات میں معلوم ہوئی اور انبیاء اپنے غیر سے افضل ہیں وَالْمُسَاوِیْ لِلْاَفْضَلِ اَفْضَلُ فَکَانَ عَلِیًّا اَفْضَلُ مِنْ غَیْرِہٖ وَ

الْاَفْضَلُ مُتَعَیِّنٌ لِلْاِمَامَۃِ دُوْنَ غَیْرِہٖ (جو کوئی برابر والا افضل کا ہے وہ افضل ہے پس علیؓ افضل ہیں اپنے غیر سے اور جو کوئی افضل ہے وہی امامت کے لیے مقرر ہے نہ کہ اس کا غیر) فساد ابتدائی اس تمسک کا اور اس کے مقدمات کا سرتاپا ہوشمند پر ظاہر ہے۔

اوّل تو یہ حدیث اہل سنت کی حدیثوں سے نہیں بلکہ اس کو ابن مطہر حلی اپنی کتابوں میں لایا ہے اور اس کی روایت کو کبھی بیہقی سے اور کبھی بغوی سے نسبت کی ہے حالانکہ ان دونوں کی تصنیفات میں کہیں اس کا نشان نہیں ایسے افترا و بہتان سے اہل سنت کو الزام دینا کب میسر آئے گا۔ اہل سنت کا قاعدہ ہے کہ جس حدیث کو کوئی امام فن حدیث کا کسی کتاب میں روایت کرے بلا التزام صحت کسی کتاب کے جیسے بخاری و مسلم ہیں اور باقی صحاح والے۔ اور اس حدیث کی صحت خاص اس کتاب والے یا اس کے سوا اور ثقہ محدثوں سے صریحًا نہ ہوئی ہو اس کو قابل حجت پکڑنے کے نہیں جانتے۔ اس لیے کہ اہل سنت کے محدثوں سے ایک گروہ پچھلے طبقے میں پیدا ہوئے جیسے دیلمی اور خطیب اور ابن عساکر انھوں نے جب دیکھا کہ صحیح اور اچھی حدیثوں کو تو متقدمین مضبوط کر گئے ہیں ان میں گنجائش کسی کی سعی کی نہ رہی لہٰذا تمام حدیثوں ضعیفہ موضوعہ مقلوبۃ الاسانید اور متون بطریق بیاض کی طرف جھکے کہ ان سب کو جمع کر کے نظر ثانی کریں تاکہ موضوعات حسان لغیرہا سے جدا و ممتاز ہو جائیں۔ لیکن کم فرصتی و کوتاہی عمر سے یہ مہم ان سے بھی سر انجام نہ ہوئی۔ مگر متاخرین کہ ان سے بہت پیچھے پیدا ہوئے انہوں نے امتیاز کر دیا۔ ابن جوزی نے موضوعات کو الگ کر دیا اور سخاوی حسان لغیرہا کو مقاصد حسنہ میں علیحدہ لکھ دیا۔ اور سیوطی تفسیر درمنثور میں مشغول ہوا۔ چنانچہ خود ان جمع کرنے والوں نے اپنی کتابوں کے مقدمات میں جو کتاب کے اول میں لکھا جاتا ہے کھول کر اس غرض کو کہہ دیا ہے۔ پھر جب ہم حال ان کتابوں کا جانتے ہیں کہ صریحًا ان کے مصنفوں سے معلوم ہوا تو پھر ان حدیثوں کو حجت پکڑنا کیوں کر روا و جائز ہوگا۔ اسی واسطے جامع الاصول والے نے نقل کی ہے کہ خطیب نے شریف مرتضیٰ برادر رضا سے حدیثیں شیعہ کی اسی غرض سے روایت کیں کہ ان کو جمع اور اکٹھا کر کے دیکھے اور بحث کرے کہ کچھ اصلیت رکھتے ہیں یا نہیں۔ الحاصل یہ حدیث خود اس قسم نہیں کہ کسی کتاب میں اہل سنت کے موجود نہ ہو اگرچہ بطریق ضعیف کے ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ کلام محض تشبیہ ہے کہ امیرؑ کی بعض صفات کو بعض صفات انبیاء سے تشبیہ کی ہے جو مذکور ہوئے اور تشبیہ جیسی کہ حروف مشہورہ تشبیہ سے ہوتی ہے جیسے کاف اور کَاَنَّ اور مثل اور نحو ویسی ہی اس طور پر بھی ہوتی ہے جیسا کہ علم بیان میں ٹھہرا ہوا ہے کہ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلَی الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی وَجْہِ فُلَانٍ (جو کوئی چاہے کہ چاند کو شب بدر میں دیکھے تو چاہیے کہ فلاں شخص کی صورت دیکھے) اور یہ دو بیتیں متنبی کی:۔ ے

۲۸

نَشَرَتْ ثَلٰثَ ذَوَائِبَ مِنْ خَلْفِهَا
بکھیر دیے معشوقہ نے تین گیسو اپنی پشت کے پیچھے

وَاسْتَقْبَلَتْ قَمَرَ السَّمَاءِ بِوَجْهِهَا
اور متوجہ ہوئے چاند آسمان کی طرف اپنی صورت سے

فِيْ لَيْلَةٍ فَاَرَتْ لَيَالِيَ اَرْبَعًا
وقت شب کے پس کھائیں لوگوں کو چار راتیں اکٹھی

فَاَرَتْنِيَ الْقَمَرَيْنِ فِيْ وَقْتٍ مَّعًا
پس کھائے مجھ کو دو چاند ایک وقت میں ایک جگہ

داخل تشبیہ کے ہیں۔ اور اگر ان سب کو جانے دیں تو استعارہ ہوگا جس کی بنا تشبیہ پر ہے لیکن تشبیہ اور استعارہ سے مشبّہ کو مشبّہ بہ کے برابر جاننا کمال بے وقوفی ہے۔ اشعار میں مروّج و مشہور ہے کہ بادشاہوں کی الگنائی کی خاک کو مُشک اور کنکریوں کو موتیوں اور یاقوت سے تشبیہ دیتے ہیں اور کوئی دونوں کو برابر نہیں جانتا۔ ہے

اَرٰى بَارِقًا بِالْاَبْرَقِ الْفَرْدِ يُوْمِضُ
میں دیکھتا ہوں کہ ایک طرف بجلی تو دہ ریت پر چمکتی ہے

فَيَكْشِفُ جِلْبَابَ الدُّجٰى ثُمَّ يَغْمِضُ
سو کھول دیتی ہے چادر اندھیری کو اور چھپاتی ہے

كَاَنَّ سُلْمٰى مِنْ اَعَالِيْهِ اَشْرَفَتْ
گویا سُلمیٰ اُن تودوں پر متوجہ ہوئی

فَمَدَّ لَنَا كَفًّا خَضِيْبًا وَتَقْبِضُ
سو ہی کھول لیتی ہے اپنی ہتھیلی مہندی لگی کو اور بند کر لیتی ہو (بجلی نہیں ہے)

پس اس مضمونِ شعر سے لازم نہیں آتا کہ پنجۂ حنائی سلمیٰ کا چمک اور درخشندگی میں برابر برق کے ہو۔ اہلِ سنت کی صحیح حدیثوں میں تشبیہ ابوبکرؓ کی ابراہیمؑ و عیسیٰؑ اور تشبیہ عمرؓ کی نوحؑ اور موسیٰؑ اور تشبیہ ابوذرؓ کی عیسیٰؑ سے مروی ہے۔ لیکن جو اس فرقہ نے عقلِ خداداد سے حصہ پایا ہے ہرگز یہ قیاس نہیں کیا کہ یہ شخص انبیاء کے برابر ہیں بشبہ کو اپنے رتبہ میں رکھا ہے اور مشبّہ بہ کو اپنے رتبے میں رکھا ہے بلکہ اشارہ تشبیہ کا ایسے کلمات میں مسقط ہونے اس وصف کا ہے اُس شخص میں کہ جو اوصاف مختص اس پیغمبر سے ہیں گویا وہ مرتبہ نہ ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فِيْ قِصَّةِ مُشَاوَرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فِيْ اُسَارٰى بَدْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ هٰؤُلَاءِ اِنَّ مَثَلَهُمْ كَمَثَلِ اِخْوَةٍ لَّهُمْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ۔ قَالَ نُوْحٌ رَبِّ

روایت ہے عبداللہ بن مسعودؓ سے قصہ مشاورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جو بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں ابوبکرؓ و عمرؓ سے کی تھی۔ کہا عبداللہ نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہتے ہو ان لوگوں کے حق میں ہر آئینہ مثال ان کی مثال ان کے بھائیوں کی ہے جو ان سے پہلے ہوئے ہیں (یعنی بعض انبیاء مظہر صفاتِ قہری جلالی کے ہوئے ہیں اور بعض مظہر صفاتِ جمالی اور لطفی کے، ایسے ہی ابوبکرؓ مظہر صفاتِ جمال ہیں اور عمرؓ مظہر صفاتِ جلال)۔ نوحؑ نے کہا اے پروردگار میرے!

لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَقَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وَقَالَ عِيْسٰى اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

زمین پر کافروں سے کوئی گھر مت چھوڑیو۔ اور موسیٰ نے کہا اے پروردگار میرے! ناپید کر دے ان کے مال اور سختی ڈال ان کے دلوں پر۔ اور ابراہیم نے کہا جو میری پیروی کرے گا وہ میرا ہے اور جو مجھ سے برگشتہ ہوگا اس کا تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور عیسیٰ نے کہا اگر ان کو عذاب کرے گا تو تیرے ہی بندے ہیں اور اگر بخش دیگا تو تو غالب اور حکمت والا ہے۔

رَوَى الْحَاكِمُ وَصَحَّحَ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ يَا اَبَا مُوْسٰى لَقَدْ اُعْطِيْتَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِيْرِ اٰلِ دَاوٗدَ۔

روایت کی حاکم نے اور صحیح کیا اس کو ابوموسیٰؓ سے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے، اے ابوموسیٰ! ضرور تجھ کو خوش آوازی دی گئی ہے داؤد علیہ السلام کی خوش آوازیوں سے۔

رَوَى الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ وَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى تَوَاضُعِ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى اَبِيْ ذَرٍّ۔

(جس کو خواہش ہو کہ میں عیسیٰ بن مریمؑ کی تواضع کو دیکھوں تو وہ ابی ذر کو دیکھے) جیسا کہ استیعاب میں ہے۔

وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ بِلَفْظٍ اٰخَرَ قَالَ مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ اَصْدَقَ لَهْجَةً مِنْ اَبِيْ ذَرٍّ شَبِيْهِ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ يَعْنِيْ فِي الزُّهْدِ۔

اور روایت کی اس حدیث کی ترمذی نے دوسری عبارت سے کہ سایہ نہ ڈالا سبز رنگ اور غبار نہ اٹھایا زمین نے کہ راست گفتار زیادہ ابی ذرؓ سے ہوا ہو کہ مشابہ عیسیٰ بن مریم کے ہے پرہیزگاری میں۔

❋ تیسرے یہ مساوات افضل کی ایک صفت میں موجب افضلیت کی نہیں ہوتی اس واسطے کہ اُس افضل میں اور صفتیں بھی تو ہیں جن سے وہ افضل ہوا ہے۔ پس خود افضلیت بھی موجب ریاستِ کبریٰ کے نہیں ہے جیسا کہ گزرا بار بار۔

❋ چوتھے یہ کہ تفضیل حضرت امیرؓ کی خلفائے ثلٰثہؓ پر اس حدیث سے جب ثابت ہو کہ وہ مساوی نہ ہوں ساتھ انبیاء مذکورین کے اِن صفات میں جو مذکور ہوئیں یا مثل ان صفاتِ مذکور کے وَدُوْنَ هٰذَا النَّفْيِ خَرْطُ الْقَتَادِ (اور بغیر اس نفی کے تو درخت خار دار پر ہاتھ ملنا ہے)۔

بلکہ اگر اہلِ سنت کی کتابوں میں جستجو کی جائے تو اتنی بہت سی حدیثیں جو انبیاء کے ساتھ تشبیہ کی حقِ شیخینؓ میں مروی و ثابت ہیں ملیں گی کہ ان کے زمانہ کے لوگوں سے کسی ایک کے حق میں بھی ثابت نہیں ہیں۔ اسی واسطے صوفیہ کے محققوں نے لکھا ہے کہ شیخین کمالاتِ نبوت کے اٹھانے والے ہوئے ہیں اور حضرت امیرؓ کمالِ ولایت کے اٹھانے والے۔ اسی سبب سے جو کام انبیاء کا ہے مثلاً جہاد با کفار اور جاری کرنا احکامِ شریعت کا۔ اور اصلاح امور مذہب کی شیخینؓ سے خوب سرانجام ہوئی، اور کام اولیاء کا جو تعلیم طریقت اور رہنمائی احوال و مقامات سالکین کی ہے اور آگاہ کرنا شر و بدی نفس سے اور رغبت دلانا زہد کی یہ سب حضرت امیرؓ سے زیادہ مروی ہیں۔

اور عقل کی بات ہے کہ ملکوں اور قوتِ نفسانی پر ہر شخص کے اس کے فعلوں سے جو مخصوص اُس قوت سے ہیں ہر کوئی راہ پا سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص ہر معرکہ میں ثابت قدم رہے اور مقابلہ میں برابر والوں کے صنعت سیف و سنان میں جو ہنگام لڑائی کرتے ہیں جیت لے جائے صریح دلیل اس کی شجاعتِ نفسانی پر ہے۔ بلکہ محبت و عداوت اور خوف و امید اور دیگر امور باطنی انہی فعلوں اور معاملوں کی راہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔ پس اسی قیاس پر امتیاز کمالاتِ باطنیہ شخص کا کہ آیا کمالِ انبیاء کی قسم سے ہے یا جنس کمالِ اولیاء سے جیسا کہ وہ خارج میں ہوتا ہے ان دونوں کارخانوں سے اس خارجیہ سے عمدہ حاصل ہوتا ہے ایک حدیث میں جس کو شیعہ بھی اپنی کتابوں میں لائے ہیں صریح شاہد اس تفرقہ اور امتیاز کا ہے اور وہ یہ ہے :۔

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّكَ يَا عَلِيُّ تُقَاتِلُ النَّاسَ عَلٰى تَاْوِيْلِ الْقُرْاٰنِ كَمَا قَاتَلْهُمْ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ۔	فرمایا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے علی! بے شک تو لڑے گا لوگوں سے تاویلِ قرآن پر جیسے وہ لڑے ہیں اس کی تنزیل پر۔

اس لیے کہ لڑائیاں شیخینؓ کی سب تنزیلِ قرآن پر تھیں۔ پس گویا زمانہ شیخین کا بقیہ زمانہ نبوت کا تھا۔ اور زمانہ حضرت امیرؓ کا ابتدا دورۂ ولایت کا ہوا۔ اسی سبب سے مشائخوں طریقت اور اہل معرفت و حقیقت نے آں جنابؓ کو فاتح بابِ ولایتِ محمدیہ اور خاتم ولایتِ مطلقہ انبیاء لکھا ہے یعنی انہی نے دروازہ ولایتِ محمدی کا کھولا اور انہی پر ولایتِ مطلق انبیاء کی ختم ہوئی۔ اور یہی سبب ہے کہ سلسلے جملہ فریق اولیاء کے ان کے ساتھ تمام ہوتے ہیں۔ جیسے کسی بڑے دریا سمندر سے جیسے نہریں پھوٹتی ہیں۔ جیسے سلسلے شاگردی فقیہوں شریعت اور مجتہدوں ملت کے شیخینؓ سے اور ان کے توابع سے مثل عبداللہ بن مسعودؓ و معاذ بن جبلؓ و زید بن ثابتؓ و عبداللہ بن عمرؓ اور ایک قطرہ ان کے علوم کے خزانچی سے لیتا ہے۔

اور معنی امامت کے جو اولاد حضرت امیرؓ میں باقی رہے ایک دوسرے کو وصی اس کا کرتا رہا یہی قطبیت

ارشاد و قبض ولایت کی تھی۔ اسی واسطے ائمہ اطہار پر لازم ہونا اس امر کا واسطے گروہ مخلوق کے کسی نے روایت نہیں کیا۔ بلکہ اپنے چیدہ یاروں اور برگزیدہ صاحبوں کو اس فیض سے مشرف کرتے تھے اور ہر ایک کو بقدر اُس کے مادہ اور استعداد کے نوازتے تھے۔ اس فرقہ ناسمجھ نے اُن سب اشاروں کو ان کی ریاستِ عامہ اور تصرف امورِ ملک و مال پر ڈھالا ہے اور ورطۂ گمراہی میں گرے ہیں۔ اور یہ بھی اسی قسم سے ہے جو تمام امت حضرت امیرؓ اور ان کی اولادِ طاہرہ کو پیروں اور مرشدوں کی طرح مانتے ہیں اور دنیا کے کاموں کو ان سے متعلق جانتے ہیں اور فاتحہ درود اور نذر و صدقات ان کے واسطے مروج و معمول ہو گئے۔ جیسا کہ تمام اولیاء اللہ کے ساتھ یہی معاملہ ہے ایسے مقدمات میں شیخینؓ کا کوئی نام بھی نہیں لیتا۔ اور فاتحہ درود اور نذر و عرس اور مجلس میں کوئی ان کو شریک نہیں کرتا، دنیا کے کاموں کو ان سے متعلق نہیں جانتا چاہیے معتقد ان کے کمال و فضیلت کا ہو۔ پس یہ ایسا ہے جیسے کمال انبیاء کا معتقد مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ۔ کیوں کہ ان کے یعنی شیخینؓ کے کمال مثل کمال انبیاء کے معنی کثرت اور تفصیل اور مغائرت پر ہیں اور کمالات اولیاء کے وحدت و جمع اور عینیت سے پیدا ہوتے ہیں پس اولیاء کو آئینہ ملاحظہ الٰہی بلکہ اس کی صفات کا کر سکتے ہیں۔ اور انبیاء کو اور جو اُن کے کمالات کے وارث ہیں ان کو مرآت ملاحظہ خدا تعالیٰ نہیں کر سکتے ہیں۔

❋ حدیث ہفتم۔ روایت ہے ابوذر غفاریؓ سے کہ مَنْ نَاصَبَ عَلِيًّا الْخِلَافَةَ فَهُوَ كَافِرٌ (جو کوئی علی کی خلافت میں جھگڑا کرے وہ کافر ہے)۔

اِس حدیث کا بھی اہلِ سنت کی کتابوں میں کچھ نام و نشان نہیں ہے۔ ابن مطہر حلی نے نسبت اِس روایت کی اخطب خوارزم سے کی ہے اور یہ ابن مطہر نقل کرنے میں بڑا چور ہے اور اخطب فرقہ غلاۃ زیدیہ سے ہے اِس کے ساتھ بھی اس کی کتاب میں کہ مناقب امیر المومنینؓ ہے دیکھنے میں نہیں آئی۔ بالفرض اس کی کتاب میں بھی ہو تاہم معتبر نہیں ہے کہ صحاح کی حدیثوں کے مخالف ہے جو کتب امامیہ میں موجود ہے۔

مِنْهَا قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ اَصْبَحْنَا نُقَاتِلُ اِخْوَانَنَا فِي الْاِسْلَامِ عَلٰى مَا دَخَلَ فِيْهِ مِنَ الزَّيْغِ وَالْاِعْوِجَاجِ۔	انہی میں سے قول امیر علیہ السلام کا ہے نہج البلاغہ میں ہم ایسے ہوئے کہ قتل کرتے ہیں اپنے بھائیوں کو اسلام میں بسبب اُس چیز کے کہ داخل ہوئی اسلام میں بے راہی اور کجی۔

اور اگر اس حدیث کا اعتبار کریں پھر بھی تو مضمون اِس حدیث کا جب ثابت ہوگا کہ حضرت امیرؓ طالب خلافت کے ہوں اور ان کے ہاتھ سے کوئی اور نکالنا چاہے کہ یہ بات کسی وقت میں واقع نہیں ہوئی۔ زمانہ خلفائے ثلٰثہؓ میں حضرت امیرؓ طالبِ خلافت کب ہوئے جیسا کہ امامیہ کی کتابوں میں موجود ہے کہ جناب پیغمبرؐ نے

ان کو وصیت سکوت کی فرمائی تھی اِذْ لَمْ یَجِدْ اَعْوَانًا یہ وصیت اس واسطے تھی کہ ان کے مددگار معلوم نہیں ہوتے تھے) اسی وصیت پر خلفائے ثلثہؓ کے وقت میں ساکت رہے۔ جب طالب خلافت کے ہوئے طلحہؓ اور زبیرؓ اور ام المؤمنینؓ نے ہرگز قصد ان کے ہاتھ سے نکالنے کا نہیں کیا بلکہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر حکم قصاص نافذ کرنے کے خواہاں تھے رفتہ رفتہ یہ بات جدال و قتال کو پہنچی جو بے قصد و ارادہ طرفین کے تھی۔ چنانچہ کتب سیر اور خطبے امیر المؤمنین کے اس پر گواہ ہیں۔ سلمنا لیکن مراد لفظ کافر سے کفران نعمت ہے اس لیے کہ خلافت حضرت امیرؓ کی اپنے وقت میں بالاتفاق ایک نعمت تھی کہ اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہ ہوگی۔ اور دلیل اس تخصیص پر کہ نعمت تھی لفظ خلافت کا ہے کیوں کہ خلافت بالاتفاق اس بات پر مشروط ہے کہ ملک میں دخل و تصرف ہو۔ اور یہ بات زمانہ خلفائے ثلثہؓ میں حضرت امیرؓ کو ثابت نہیں تھی۔ اسی واسطے حدیث میں لفظ امامت واقع نہیں ہے۔ سلمنا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منکر خلافت خلفائے ثلثہؓ کو بھی آیت استخلاف میں کافر فرمایا ہے اور اسی پہ آیت شریف کو ختم کیا۔ قولہ تعالیٰ :۔

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اَیْ وَمَنْ اَنْكَرَ خِلَافَةَ الْخُلَفَاءِ بَعْدَ ذٰلِكَ اَیْ بَعْدَ سَمَاعِ هٰذِهِ الْاٰیَةِ وَ الْعِلْمِ بِاسْتِخْلَافِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِیَّاهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَامِلُوْنَ فِی الْفِسْقِ۔

اور جنہوں نے کفر کیا بعد اس کے پس وہ فاسقوں سے ہیں یعنی انکار کیا خلافت خلفاءؓ سے بعد اس کے کہ وہ سنتا آیت کا ہے اور علم اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ اس گروہ کو خلیفہ کرے گا، پس وہ لوگ اپنے فسق میں کامل ہیں۔

اور اہل سنت کے محدث اس پر متفق ہیں کہ روایتیں اخطب زیدی کی سب مجہول ضعیف ہیں اور بہت اس کی روایتوں سے منکر و موضوع ہیں۔ ہرگز اہل سنت اس کی روایت کی ہوئی حدیثوں کو حجت نہیں پکڑتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر علمائے اہل سنت سے نام اخطب خوارزم کا پوچھو گے کوئی نہیں پہچانے گا۔ پس الزام دینا اہل سنت کو ایسے زیدی کی روایت سے مثل اُس قصے کے ہے کہ ایک سُنی بوڑھا راہ میں چلا جاتا تھا کہ ایک سانپ اس کی راہ میں پیدا ہوا اور عاشورے کے دن تھے۔ بوڑھے نے کہ نہایت ضعیف العمر تھا سانپ کے مارنے پر قدرت نہ پائی دیکھا کہ ایک شیعہ جوان جاتا ہے چلایا کہ اے شیعی! عثمانؓ کے صدقے اس سانپ کو مار۔ شیعی نے غل مچایا کہ اے مسلمانو! اس سُنی بوڑھے سے میری فریاد ہے کہ کس شخص کو کس کے صدقے میں اور کون سے دنوں میں کس جانور کے مار ڈالنے کا حکم دیتا ہے۔

حدیث ہشتم۔ روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

كُنْتُ اَنَا وَعَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ نُوْرًا

میں تھا اور علی بن ابی طالب ایک نور

بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ اٰدَمَ بِاَرْبَعَةَ عَشَرَ اَلْفَ عَامٍ فَلَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ قَسَّمَ ذٰلِكَ النُّوْرَ جُزْئَیْنِ فَجُزْءٌ اَنَا وَجُزْءٌ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ۔

خدا کے سامنے قبل پیدا ہونے آدمؑ سے چودہ ہزار برس پھر جب پیدا کیا آدم کو اس نور کو دو حصوں پر بانٹا، جس کا ایک حصہ میں ہوں اور ایک حصہ علی بن ابی طالب ہے۔

یہ حدیث موضوع ہے سارے اہل سنت اس پر متفق ہیں۔

وَفِیْ اَسْنَادِهٖ مُحَمَّدُ بْنُ الْمَرْوَزِیِّ قَالَ یَحْیَی بْنُ مَعِیْنٍ هُوَ كَذَّابٌ وَقَالَ الدَّارُقُطْنِیُّ مَتْرُوْكٌ وَلَمْ یَخْتَلِفْ اَحَدٌ مِّنْ كِذْبِهٖ۔

اس حدیث کی اسناد محمد بن خلف مروزی سے ہے جس کو یحییٰ بن معین نے کذاب کہا ہے اور دارقطنی نے کہا کہ یہ شخص متروک ہے اور کسی نے اس کے جھوٹ میں اختلاف نہیں کیا ہے۔

وَیُرْوٰی مِنْ طَرِیْقٍ اٰخَرَ وَفِیْهِ جَعْفَرُ ابْنُ اَحْمَدَ وَكَانَ رَافِضِیًّا غَالِیًا كَذَّابًا وَضَّاعًا وَكَانَ اَكْثَرُ مَا یَصْنَعُ فِیْ قَدْحِ الصَّحَابَةِ وَسَبِّهِمْ۔

روایت کی گئی ہے یہی حدیث دوسری سند سے کہ اس سند میں جعفر بن احمد ہے کہ وہ تھا رافضی غالی جھوٹا حدیثیں گھڑنے والا اور اکثر طعن و دشنام صحابہ میں گھڑتا تھا۔

اور اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ اُس روایت کے معارض ہے جو فی الجملہ اس سے بہتر ہے جس کی اسناد میں متہم لوگ جھوٹ اور وضع کے واقع نہیں ہوئے ہیں۔ اور وہ یہ ہے :۔

رَوَی الشَّافِعِیُّ بِاَسْنَادِهٖ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِیٌّ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ اٰدَمَ بِاَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا خَلَقَ اَسْكَنَنَا ظَهْرَهٗ وَلَمْ نَزَلْ نَنْتَقِلُ فِی الْاَصْلَابِ الطَّاهِرَةِ حَتّٰی نَقَلَنِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلٰی صُلْبِ عَبْدِ اللّٰهِ وَنَقَلَ اَبُوْ بَكْرٍ اِلٰی صُلْبِ اَبِیْ قُحَافَةَ وَنَقَلَ عُمَرَ اِلٰی صُلْبِ الْخَطَّابِ وَنَقَلَ عُثْمَانَ اِلٰی صُلْبِ عَفَّانَ وَنَقَلَ عَلِیًّا اِلٰی صُلْبِ اَبِیْ طَالِبٍ۔

روایت کی شافعی نے باسناد اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ میں تھا اور ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی روبرو خدا تعالیٰ کے اُس وقت کہ جس سے آدم ہزار برس بعد پیدا ہوئے۔ پھر جب پیدا کیا ان کو رکھا ہم کو ان کی پشت میں اور ہمیشہ ہم نقل کرتے رہے پاکیزہ پشتوں میں، یہاں تک کہ نقل کیا مجھ کو خدا تعالیٰ نے عبداللہ کی پشت میں اور ابوبکر کو ابو قحافہ کی پشت میں، اور عمر کو خطاب کی پشت میں اور عثمان کو عفان کی پشت میں اور علی کو ابی طالب کی پشت میں۔

اس حدیث کی مؤید ایک اور حدیث بھی ہے کہ مشہور ہے اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا

اِیۡتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنۡهَا اِخۡتَلَفَ (ارواح ایک لشکر آراستہ ہے جو اُن سے آشنا ہوا الفت پکڑی دنیا میں اور جو ان سے آشنا نہ ہوا مختلف ہوا دنیا میں) اور اختلف بفتح لام فصیح ہے ضم لام سے جیسا کہ حریری نے درۃ الغواص میں ذکر کیا ہے۔

اس ردوکد کے بعد بھی یہ حدیث دلالت مدعا پر نہیں رکھتی۔ اس واسطے کہ اگر حضرت امیرؓ نور نبوی میں شریک بھی ہوں تب بھی واجب ہونا ان کی امامت کا بلافصل لازم نہیں آتا۔

اب ہم ان دونوں امر کے جوبات لازم ہے ایسی صورت سے بیان کرنا چاہیے کہ نہ تو غبار منع کا اس پر جمے نہ خرط القتاد ہو یعنی ہاتھ ملنا درخت خار پر۔ الغرض حضرت امیرؓ کو جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جیسی کچھ نسبت قریب ہے اس میں تو کچھ بحث ہی نہیں۔ لیکن کلام اس میں ہے کہ یہ قرب موجب امامت بلافصل کا ہے یا نہیں اور اگر تنہا یہی قرب نسبت موجب اس بات کا ہو کہ پہلے یہ امام ہوتے تو حضرت عباسؓ اولیٰ ہوتے خلافت و امامت کے واسطے لِکَوۡنِهٖ عَمَّهٗ وَصِنۡوَ اَبِیۡهِ (اس واسطے کہ وہ آپ کے چچا اور آپ کی جڑ تھے) وَالۡعَمُّ اَقۡرَبُ مِنۡ اِبۡنِ الۡعَمِّ عُرۡفًا وَّشَرۡعًا (اس لیے کہ چچا زیادہ قریب ہے چچازاد بھائی سے عرف اور شرع دونوں کی رو سے)۔

اگر یہ کہا جائے کہ عباس کو لیاقت امامت کی اس وجہ سے حاصل نہ ہوئی کہ اُس نور سے یہ محروم تھے وہ نور عبد المطلب سے منقسم ہو کر عبد اللہ اور ابی طالب کو پہنچا تھا اور لڑکوں کے حصے میں نہیں آیا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر پہلے ہونا امامت کا قوت و کثرت نور پر موقوف ہے تو حسنینؓ زیادہ تر اولیٰ اور مستحق ہوں گے امامت میں حضرت امیرؓ سے بسبب دونوں جانب قوت و کثرت کے۔ قوت یہ کہ جب نور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منقسم ہوا اور آپ کا حصہ آپ کو ملا اسی حصے سے حسنینؓ کی شاخ پھوٹی بخلاف حضرت امیرؓ کے کہ اصل نور میں شریک تھے نہ کہ پیغمبرؐ کے حصے میں۔ اور ان پر یہ بات روشن تھی کہ جو نور پیغمبرؐ کے حصے میں آیا وہ اوروں کے نور سے قوی تر ہے غیر کے نور میں ایسی قوت کہاں؟ اور کثرت اس سبب سے کہ حسنینؓ میں نور مصطفےٰ اور نور مرتضیٰؓ دونوں جمع تھے وَالۡاِثۡنَانِ اَکۡثَرُ مِنَ الۡوَاحِدِ قَطۡعًا (ایک سے دو میں قطعی کثرت ہے)۔

حدیث نہم روایت ہے عمر خطاب رضی اللہ عنہ سے:۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَوۡمَ خَیۡبَرَ لَاُعۡطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا یُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَیُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ یَفۡتَحُ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیۡهِ۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے دن کہ کل ایسے شخص کو نشان لشکر کا دوں گا جس کو اللہ اور اللہ کا رسول دوست رکھتے ہیں اور وہ دوست رکھتا ہے اللہ اور اللہ کے رسول کو، فتح دے گا اللہ اس کے ہاتھ سے۔

یہ حدیث بہت صحیح اور قوی الروایۃ ہے۔ اہل سنت اس کو اپنے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور اپنی کتابوں

میں خارجیوں اور ناصبیوں کے دفع میں اس سے کام لیتے ہیں۔ لیکن شیعوں کا مدعا اس سے نہیں حاصل ہوتا۔ کیوں کہ خدا کی محبت اور محبوبیت اور امامت بلافصل دونوں لازم ملزوم نہیں ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ حب خدا اور محبوبیت کسی کے لیے کلام میں ثابت کرنا اوروں کے لیے ان دونوں صفت کی نفی نہیں کرتا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے رفقاء کے حق میں فرمایا ہے یُحِبُّهُمۡ وَیُحِبُّوۡنَهٗ (دوست ہے وہ ان کا اور دوست ہیں وہ اس کے) اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے حق میں فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِهٖ صَفًّا کَاَنَّهُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ (بے شک وہ لوگ اللہ کے دوست ہیں جو اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں صف باندھ کر گویا وہ بنیاد ہے مضبوط) اور اس میں تو کچھ شک نہیں ہے کہ جس شخص کو اللہ دوست رکھتا ہے اس کو اللہ کا رسول دوست رکھتا ہے اور جو دوست رکھتا ہے اللہ کو وہ اللہ کے رسول کو بھی دوست رکھتا ہے۔ مسجد قبا والوں کی شان میں خدا فرماتا ہے فِیۡهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّتَطَهَّرُوۡا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الۡمُطَّهِّرِیۡنَ (اس میں وہ لوگ ہیں کہ دوست رکھتے ہیں وہ طہارت کو اور اللہ دوست رکھتا ہے طہارت والوں کو)۔

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذٍ یَا مُعَاذُ اِنِّیۡ اُحِبُّكَ وَلَمَّا سُئِلَ مَنۡ اَحَبُّ النِّسَاءِ اِلَیۡكَ قَالَ عَائِشَةُ قِیۡلَ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ اَبُوۡهَا۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ سے میں تجھ کو دوست رکھتا ہوں۔ اور جب پوچھا گیا عورتوں میں آپ کو زیادہ تر محبوب کون ہے؟ فرمایا عائشہ۔ پھر کہا گیا مردوں میں کون ہے؟ فرمایا عائشہ کا باپ (یعنی ابوبکرؓ)۔

اب اگر شیعہ کہیں کہ جب محب و محبوب ہونا خدا و رسول کا اوروں میں بھی پایا گیا تو خصوصیت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہ رہی۔ اور یہاں خصوصیت ان کی ضرور ہونی چاہیے۔ تو ہم کہیں گے کہ خصوصیت باعتبار جمیع صفات ہے یعنی بلاحظہ یَفۡتَحُ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیۡهِ یعنی جب فتح قلعہ کی علم الٰہی میں ان کے ہاتھ پر ٹھہری ہوئی تھی تو مجموع صفات بحیثیت مجموع مخصوص حضرت امیرؓ سے ہوئے گو فرداً فرداً اوروں میں بھی پائی جائے۔

اور ذکر اس صفت میں کہ جس میں اور بھی مشترک ہیں اس موقع پر ایک نکتہ ہے نہایت گہرا کہ وہ یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ یُؤَیِّدُ هٰذَا الدِّیۡنَ بِالرَّجُلِ الۡفَاجِرِ (بے شک خدا مدد دیتا ہے دین کو مرد فاجر سے) کہ یہ حدیث صحیح ہے پس اگر تنہا فتح حضرت امیرؓ کے ہاتھ پر بیان فرماتے تو فضیلت و بزرگی حضرت امیرؓ کی نہ نکلتی۔ اس واسطے اس صفت کو بھی مقدم فرمایا۔

دوسرا جواب تخصیص سے یہ ہے کہ کلام عرب بلکہ ہر گروہ کا معمول ہے کہ پہلے کسی چیز کے ساتھ تمہید کرتے ہیں اس کے بعد مقصود ہوتا ہے چنانچہ لفظ رَجُلًا اسی حدیث میں۔ اور جیسے کہیں زید مرد عاقل ہے حالانکہ اس میں ثبوت رجولیت کا اس کے واسطے مقصود نہیں ہے ثبوت عاقلیت کا فقط مقصود ہے۔ پس یہاں

بھی مقصود بالتخصیص مضمون یَفتَحُ اللّٰہُ عَلیٰ یَدَیہِ ہے اور رَجُلاً یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُولُہٗ وَیُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ محض تمہید ہے۔

حدیث دہم رَحِمَ اللّٰہُ عَلِیًّا اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ (رحمت کرے خدا علی پر، بارِ خدایا پھرا حق کو علی کے ساتھ جہاں کہیں وہ پھرے)۔

اِس حدیث کو بھی اہلِ سنت سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ لیکن شیعہ کے مدعا پر جو امامت بلافصل ہے مساوی نہیں ہوتی۔ چنانچہ عمار بن یاسرؓ کے حق میں بھی آئی ہے کہ لَلْحَقُّ مَعَ عَمَّارٍ حَیْثُ دَارَ (حق عمار کے ساتھ ہے جہاں وہ پھرتا ہے) اور عمرؓ کے حق میں بھی صحیح مشہور ہے لَلْحَقُّ بَعْدِیْ مَعَ عُمَرَ حَیْثُ کَانَ (میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہے جہاں وہ ہو) بلکہ حدیث عمرؓ میں اخبار ہے لازم ہونے حق کے عمرؓ کے ساتھ اور حضرت امیرؓ کی حدیث میں دعا ہے دورہ حق کا ان کے ساتھ۔ اور اخبار و دعا میں ظاہر بہت بڑا فرق ہے خصوصاً مطابق اس کے جو شیعہ نے ٹھہرایا ہو کہ مقبول ہونا ہر دعا نبی کا لازم نہیں جانتے۔

رَوَی ابْنُ بَابُوَیْہِ الْقُمِّیُّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعٰی رَبَّہٗ اَنْ یَجْمَعَ اَصْحَابَہٗ عَلٰی مَحَبَّۃِ عَلِیٍّ اِلٰی اٰخِرِ مَا سَبَقَ۔

دعا کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے یہ کہ اکٹھا کریں اپنے یاروں کو علی کی محبت پر، آخر حدیث تک جو کچھ گزری۔

اور عمرؓ کے حق میں لفظ بَعْدِیْ بھی بڑھایا ہے جس سے صحت امامت حضرت عمرؓ کی اور اس کی جس کو عمرؓ امام جانے بُو سونگھی جاتی ہے۔ یہ مذہب اہل سنت کا نہیں ہے کہ نبی کے سوا کسی غیر کو معصوم جانیں ورنہ موافق مذاق شیعہ کے یہ حدیث اول دلیل ہے عصمتِ عمرؓ پر اور جب شیعہ اس مقام میں اہل سنت کے الزام دینے کو ان کی روایتوں پر تمسک کرتے ہیں تو ان کو اس سے چارہ نہیں کہ کل روایتوں کو بھی مانیں۔

بعض ظریف اہل سنت نے بمقابلہ میں شیعہ کے اس حدیث اَدِرِ الْحَقَّ مَعَہٗ حَیْثُ دَارَ تمسک کیا ہے صحتِ خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ پر لِاَنَّ عَلِیًّا کَانَ مَعَھُمْ حَیْثُ بَایَعَھُمْ وَتَابَعَھُمْ وَصَلّٰی مَعَھُمْ فِی الْجُمَعِ وَالْجَمَاعَۃِ وَنَصَحَھُمْ فِیْ اُمُوْرٍ یَتَعَلَّقُ بِرِیَاسَتِھِمْ (اس واسطے کہ علیؓ ان کے ساتھ تھے اس حیثیت سے کہ بیعت کی ان سے اور پیروی ان کی کی اور ان کے ساتھ جمعوں اور جماعت کی نماز پڑھی اور خیر خواہی کی ان کاموں میں جو ان کی ریاست سے متعلق تھے) پس قیاس مساوات درست ہوتا ہے کہ اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ (حق علیؓ کے ساتھ ہے اور علیؓ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ ہیں) اور مقدمۂ اجنبیہ کہ مدار صحت نتیجہ کا اس قیاس میں ہوتا ہے صادق ہے لِاَنَّ مُقَارِنَ الْمُقَارِنِ مُقَارِنٌ (قرین اپنے قرین کے ساتھ خود قرین ہے) اور حقیقت میں یہ استدلال ظریفوں کا نہایت متین و مضبوط

ہے گو ظریف لوگوں نے مقام ظرافت میں ذکر کیا ہے اس سبب سے کہ موافق روایت شیعہ کے نہج البلاغہ میں جو ان کے نزدیک بڑی صحیح کتاب متواتر ہے ثابت ہے کہ جب عمرؓ بن الخطاب نے واسطے مٹانے فساد نہاوند کے چاہا کہ خود حرکت کریں تو صحابہؓ کو اس کام کے مشورے میں اختلاف ہوا۔ بعض ان کا جانا تجویز کرتے تھے بعض منع کرتے تھے حضرت عمرؓ نے حضرت امیرؓ سے مشورہ کیا، امیرؓ نے فرمایا:۔

اِنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ لَمْ یَکُنْ نَصْرُہٗ وَلَا خُذْلَانُہٗ بِکَثْرَۃٍ وَّلَا بِقِلَّۃٍ وَھُوَ دِیْنُ اللّٰہِ الَّذِیْ اَظْھَرَہٗ وَجُنْدُہُ الَّذِیْ اَعَزَّہٗ حَتّٰی بَلَغَ مَا بَلَغَ وَطَلَعَ حَیْثُ مَا طَلَعَ وَنَحْنُ عَلٰی مَوْعُوْدٍ مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مُنْجِزٌ وَعْدَہٗ وَنَاصِرٌ جُنْدَہٗ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِلٰی قَوْلِہٖ اَمْنًا وَمَکَانُ الْقَیِّمِ مِنَ الْاِسْلَامِ مَکَانُ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ یَجْمَعُہٗ وَیَنْظِمُہٗ فَاِنِ انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ وَذَھَبَ ثُمَّ لَمْ یَجْتَمِعْ اَبَدًا وَالْعَرَبُ وَاِنْ کَانُوْا قَلِیْلًا وَّھُمْ کَثِیْرُوْنَ بِالْاِسْلَامِ عَزِیْزُوْنَ بِالْاِجْتِمَاعِ فَکُنْ قُطْبًا وَّاسْتَدِرِ الرَّحَا بِالْعَرَبِ وَاَصْلِھِمْ دُوْنَکَ نَارَ الْحَرْبِ وَاِنَّکَ اِنْ شَخَصْتَ مِنْ ھٰذِہِ الْاَرْضِ انْتَقَضَتْ عَلَیْکَ الْعَرَبُ مِنْ اَطْرَافِھَا حَتّٰی یَکُوْنَ مَا تَدَعُ وَرَاءَکَ مِنَ الْعَوْرَاتِ مِمَّا بَیْنَ یَدَیْکَ وَاِنَّ الْاَعَاجِمَ اِنْ یَّنْظُرُوْا اِلَیْکَ غَدًا یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا اَصْلُ الْعَرَبِ فَاِذَا قَطَعْتُمُوْہُ اسْتَرَحْتُمْ فَیَکُوْنُ ذٰلِکَ اَشَدَّ لِکَلَبِھِمْ عَلَیْکَ وَطَمَعِھِمْ فِیْکَ

بے شک یہ دین ایسا ہے کہ اس کی نصرت اور غیر نصرت کثرت و قلت پر نہیں ہے اور یہ دین خدا کا ہے جس کو اس نے غالب کیا ہے اور اسی کی فوج ہے جس کو اس نے عزت دی ہے یہاں تک کہ پہنچے جس حد کو پہنچے اور جو کچھ وہاں ظاہر ہوا اور ہم خدا تعالیٰ کے وعدے پر ہیں اور اللہ پہنچانے والا ہے اپنے وعدے پر اور اپنے لشکر کا مددگار ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے سچا تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ کہ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور اس آیت کو اَمْنًا تک پڑھا، پھر کہا کہ رئیس اسلام کی جگہ ایسی ہے جیسے کسی لڑی کا ڈورا کہ جملہ نگینوں کو اکٹھا کرتا ہے اور ملائے رکھتا ہے پس اگر رشتہ ٹوٹ جائے سب متفرق ہو جائیں اور جاتے رہیں۔ پھر کبھی جمع نہ ہوں۔ اور قوم عرب اگرچہ تھوڑے ہیں لیکن بہ نظر اسلام بہت ہیں اور غالب ہیں اجتماع میں پس تو قطب بن یعنی کیلی چکی کی اور پھرا اس چکی کو قوم عرب سے اور ڈال ان کو نہ اپنے کو لڑائی کی آگ میں۔ اگر تو اٹھے گا اس زمین سے تو ٹوٹ پڑے گا تجھ پر ملک عرب اطراف و جوانب سے تو وہ کام کہ جس کو پیچھے چھوڑا ہے ضرورتر ہو جائے گا اس سے جس کو سامنے اپنے جانتے ہو۔ اور بے شک عجمی کل تجھ کو دیکھ کر کہیں گے یہی عرب کی جڑ ہے کہ اگر اس کو کاٹ ڈالو گے تو چین سے ہو جاؤ گے پس یہ حرکت بہت ہی ان کی دلیری کا باعث ہوگی اور تجھ میں ان کے لالچ کی

كَذَا ذَكَرَهُ الرَّضِيُّ فِي نَهْجِ الْبَلَاغَةِ -

اسی طرح ہے جس کو ذکر کیا رضی نے نہج البلاغہ میں۔

اب معلوم ہوا کہ حضرت امیرؑ تہ دل سے مددگار و معین اور ناصح امین عمرؓ بن الخطاب کے تھے خدا کی پناہ اگر کچھ نفاق دل میں ہوتا تو اُس نفاق کے لیے اس سے بہتر کون سا وقت تھا کہ عمر بن الخطابؓ کو عجم کے جانے کا مشورہ دیتے جب وہ اور ان کے لشکر والے لڑائی میں پڑتے یا شکست ان پر پڑتی حجاز میں کہ دار السلطنت اسلام تھا وہ متصرف و دخیل ہو جاتے لوگ ناچار ہو کر ان کی پیروی کرتے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امیرؑ اپنے آپ کو ابوبکرؓ اور عمرؓ کے گروہ میں داخل جانتے تھے۔ اسی سبب سے فرمایا وَنَحْنُ عَلٰى مَوْعُوْدٍ مِنَ اللّٰهِ اور نہج البلاغت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت امیرؑ نے عمر بن الخطابؓ سے کہا جب کہ آپ سے غزوۂ روم کی بابت مشورہ طلب کیا گیا:۔

مَتٰى تَسِيْرُ اِلٰى هٰذَا الْعَدُوِّ بِنَفْسِكَ فَتَكْسِرُ وَتَنْكُبُ لَا تَكُنْ لِلْمُسْلِمِيْنَ كَانِفَةٌ دُوْنَ اَقْصٰى بِلَادِهِمْ وَلَيْسَ بَعْدَكَ مَرَاجِعُ يَرْجِعُوْنَ اِلَيْهِ فَاَرْسِلْ اِلَيْهِمْ رَجُلًا مُجَرَّبًا وَاَحْفِزْ مَعَهُ الْبَلَاغَةَ وَالنَّصِيْحَةَ فَاِنْ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ فَذٰلِكَ مَا تُحِبُّ وَاِنْ تَكُنِ الْاُخْرٰى كُنْتَ رِدْءً النَّاسِ وَمَثَابًا لِلْمُسْلِمِيْنَ -

جب تم اس دشمن کے پاس گیا بذات خود اور شکست کھا کر لوٹا تو مسلمانوں کو پناہ کہیں نہیں رہی ان کے شہروں کی انتہا میں بھی اس لیے کہ بعد تیرے ان کا کوئی ٹھکانا نہ رہا جس کی طرف رجوع کریں پس ضروری ہے کہ ان کے پاس کوئی مرد تجربہ کار بھیج واسطے تاکید و نصیحت کے پس اگر خدا نے اس کو غالب کر دیا شکر کی جگہ ہے اور اگر دوسری صورت پڑے تو مسلمانوں کی پشتی تجھ سے ہوگی اور رجوع ہونے کا ٹھکانا تو رہے گا۔

عجب یہ کہ شیعہ اس قسم کی روایتوں کو ہر چند کہ ان کی اصح کتابوں سے برابر ان کو پہنچی ہیں اور ان کی دیکھی سنی مگر سب کو ایسا جانتے ہیں کہ نہ دیکھیں نہ سنیں۔ اور جو روایتیں موضوعہ اور دل کی بنائی ہوئی چند کذابوں کی ہیں ان کے سبب سے گمان مخالفت فیما بین کا کرتے ہیں کہ شیعہ سنی کی مخالفت سے یہ بات ہے پھر ان روایتوں کو جب دیکھتے ہیں تو ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ نے جو اتنی متابعت و پیروی شیخین کی کی خاص یہ سبب تھا کہ ان کے مددگار اور معاون بہت کم تھے اور خود ان کے ثقہ لوگوں کی روایات صریح غلبہ اور قوت حضرت امیرؑ کو بتاتی ہیں اور کثرت مددگاروں اور انصار پر دلالت کرتی ہیں جیسے کہ یہ روایت ہے:۔

رَوٰى اَبَانُ بْنُ عَيَّاشٍ عَنْ سُلَيْمَانَ ابْنَ قَيْسِ الْهِلَالِيِّ وَغَيْرُهُ عَنْ غَيْرِهِ اَنَّ عُمَرَ قَالَ لِعَلِيٍّ وَاللّٰهِ لَئِنْ لَمْ تُبَايِعْ

روایت کی ابان بن عیاش نے سلیمان بن قیس ہلالی وغیرہ نے اس نے اپنے غیر سے کہ بے شک عمر نے علی سے کہا کہ اگر بیعت ابوبکر کی نہ کرے گا تو

اَبَا بَكْرٍ لَنَقْتُلَنَّكَ قَالَ لَهُ عَلِيٌّ لَوْ لَا عَهْدٌ عَهِدَ اِلَيَّ خَلِيْلِيْ لَسْتُ اَخُوْنُهُ فَعَلِمْتَ اَيْنَ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا -

قسم ہے خدا کی تجھ کو قتل کر دوں گا، علیؓ نے عمرؓ سے کہا کہ اگر وہ وصیت نہ ہوتی جو میرے خلیل نے مجھ کو کی ہے یعنی پیغمبر علیہ السلام نے کہ میں اس میں خیانت نہیں کرتا، جانتا تو کہ کون ہم میں سے زیادہ کمزور ہے مددگاروں میں اور کون کم ہے شمار میں۔

پس یہ روایت ظاہر بتاتی ہے کہ سکوت حضرت امیرؑ کا اس سبب سے تھا کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا وَهُوَ اِنَّ الْخِلَافَةَ حَقُّ اَبِيْ بَكْرٍ بِلَا فَصْلٍ ثُمَّ حَقُّ عُمَرَ (اور وہ یہ ہے کہ بے شک خلافت حق ابوبکر کا ہے بلا فصل پھر حق عمر کا ہے) یہاں بھی دلیل عقلی موافق اصول شیعہ کے قائم ہے کہ عہد مذکور یہی تھا۔ اس واسطے کہ امامت اگر حق مرتضیٰ کا ہوتا اور حضرات شیخینؓ کے ساتھ جھگڑا کرنے کو منع کرتے باوجود یار دل اور مددگاروں کے جیسا کہ صریح اس روایت سے ظاہر ہے لازم آتا ہے کہ پیغمبرؐ نے وصیت کی ہو بیکاری امر الٰہی سے اور محروم رکھا امت کو لطف سے اور حضرت امیرؑ کو اہل باطل کی پیروی کی وصیت فرمائی خدا کی پناہ ان باتوں سے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ (اے نبی! اٹھا اور آمادہ کر ایمان والوں کو لڑائی پر) غور کرو کہ جس وقت ایک مسلمان اور دس کافر مقابل ہوئے جناب پیغمبرؐ ان تاکیدوں کے ساتھ لوگوں کو تکلیف جہاد کی دیتے تھے۔ اب اس وقت کہ دین تمام ہوا اور کمال نعمت ثابت، شیر خدا جیسے شخص کو حکم نامردی اور خوف اور نہ پہنچانے احکام الٰہی اور تجویز فتنہ و فساد اور تحریف کلام اللہ اور تبدیل دین کا کرنے حاشا و کلا۔ شان نبوت و رسالت کی ہرگز مناسب اس امر کے نہیں اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (کیا حکم کرتے ہو تم ساتھ کفر کے بعد اس کے کہ مسلمان ہو)۔

کبھی کہتے ہیں کہ نہ جھگڑا کرنا امیرؑ کا اور موافقت ظاہر کرنا اور نصیحت کرنا خلفائے ثلثہ کو محض پیروی افعال الٰہی کی تھی کہ وہ تأمل و آہستگی ہے نہ کہ عجلت و شتابی۔ اس توجیہ کو ابن طاؤس سبط ابو جعفر طوسی نے نکالا ہے۔ اور اوروں نے بہت ہی پسند کی ہے۔ اور عجب توجیہ ہے جس کا کچھ سر پاؤں نہیں اس لیے کہ پیروی افعال الٰہی کی واجب نہیں ہے بلکہ جائز بھی نہیں ہے ہاں تابعداری ان کی چاہیے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کافروں کی مدد کرتا ہے اور مسلمان و صالح کو مارتا ہے۔ مگر نصرت کافر کی اور قتل مسلمان کا کسی کو جائز نہیں۔ شرط بندگی یہی ہے کہ حکم اپنے مالک کا مانے اس کے موافق کام کرے نہ یہ کہ اس کی پیروی فعال میں کرے ظاہر ہے کہ اس دنیا کے علاقۂ بندگی اور خاوندی میں جو مجاز در مجاز ہے یہ بات معیوب و مطعون ہے علاقۂ بندگی و خاوندی کا کیا ٹھکانا۔

اور یہ جو کہا ہے کہ تأمل کرنا اور عجلت نہ کرنا بہت اچھی بات ہے سو امور خیر میں اچھی نہیں۔

اس واسطے کہ جب رسولوں اور بندوں کو ان کا آقا اور مالک کسی کام کو جلدی کرنے کا حکم فرمائے اور یہ تامل کریں صریح داغ نافرمانی کا اپنے اوپر لگائیں گے وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ (تم میں سے بعض وہ بھی ہے کہ دیر کرے گا) اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مستعجل بندوں کی مدح میں اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ (سابقون وہ ہیں جو نیک باتوں میں جلدی کرتے ہیں) لہٰذا یہ مثل ہی مشہور ہے ع

—— در کارِ خیر ہیچ حاجت استخارہ نیست ——

پھر امام کو جو منصب ہدایت و ارشاد خلق کا رکھتا ہے کس طرح تامل جائز ہوگا کہ اس تامل میں اس سے بہت سے واجبات فوت ہوں گے۔ بااین ہمہ تامل کی بھی کچھ حد ہے پچیس برس تامل میں کوئی نہیں دیر کرتا ہے جیسے حضرت امیرؓ نے کی۔

اگر وہ کہیں کہ تامل حضرت امیرؓ کا حکم الٰہی سے تھا اس صورت میں فوت واجبات کا لازم نہیں آتا تو ہم کہیں گے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت حضرت امیرؓ کی اُس وقت ثابت نہ تھی نہیں تو امام مقرر کرنا اور حکم تامل کا فرمانا اور جو لوازم امامت کے ہیں ان کے ادا کرنے کو ترک کرانا اس کے کیا معنے کہ سب ایک دوسرے کو بگاڑتے ہیں اور یہ ایسا ہے کہ کسی شخص کو بادشاہ قاضی مقرر کرے اور کہہ دے کہ پچیس برس تک ہرگز ظاہر مت کرنا کہ میں قاضی ہوں۔ نہ کسی مقدمے کو اپنے سامنے آنے دینا اور دو آدمی جھگڑے ہیں ان کے درمیان میں ہرگز کلام نہ کرنا۔ یہ امر ظاہر اس بات کو بتاتا ہے کہ بالفعل وعدۂ قضا کا ہے ابھی قاضی مقرر نہیں کیا ہے پچیس برس بعد کرے گا۔ اگر ظاہر پر قیاس کریں جب بھی صریح تناقض اور فوت اس غرض کا جو قاضی مقرر کرنے سے ہوتی ہے لازم آئے گا اور یہ کمال بیوقوفی ہے جس کی برائی پوشیدہ نہیں تَعَالَى اللّٰهُ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (برتر ہے اللہ اس سے بڑی برتری کے ساتھ)۔

اور سنیے جب حضرت امیرؓ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم تامل کا ہوا کہ انہوں نے ہرگز امامت اپنی ظاہر نہ کی تو جو مکلف بالشرع ہیں ان کی متابعت میں معذور رہوں گے۔ اور اگر واسطے حفاظتِ دنیا و دین اور اپنے کام چلانے کو کوئی اور شخص اس منصب پر مقرر کر لیں تو قابل عتاب و عذاب کے نہ ہوں گے۔ اس واسطے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (نہیں تکلیف دیتا ہے اللہ کسی شخص کو مگر اس کی گنجائش کے موافق)۔

❋ **حدیث یازدہم** روایت ہے ابو سعید خدریؓ سے :۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِيٍّ اِنَّكَ تُقَاتِلُ عَلٰى تَاْوِيْلِ الْقُرْاٰنِ كَمَا قَاتَلْتُ عَلٰى تَنْزِيْلِهٖ۔	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علیؓ سے بے شک تو لڑے گا تاویل قرآن پر جیسے میں لڑتا ہوں اس کے نازل ہونے پر۔

یہ خبر بھی ان کے مدعا کو چھو نہیں گئی اس سبب سے کہ مفاد حدیث کا یہ ہے کہ تو کسی نہ کسی وقت تاویل قرآن پر لڑے گا۔ سو یہی مذہب سنیوں کا ہے کہ حضرت امیرؓ اپنی لڑائیوں میں حق پر تھے اور مخالف ان کے غیر حق پر اور خطا کار۔ پھر اس حدیث میں کون سی وجہ اس بات کو بتاتی ہے کہ حضرت امیرؓ امام بلافصل ہیں اس واسطے کہ تاویلِ قرآن پر لڑنے کو امامت بلافصل ظاہر کسی وجہ سے لازم نہیں ہے۔

پس ایسی حدیث کو اہل سنت کے مقابلہ میں لانا بڑی نادانی ہے۔ بلکہ اگر اس حدیث کو اہلِ سنت کے مذہب پر دلیل پکڑیں کہ ان کے مذہب کی ہے تو ہو سکتا ہے۔ بدیں وجہ کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیرؓ اُس وقت امام ہوں گے جس وقت تاویلِ قرآن پر لڑائی ہوگی اور ان کی لڑائی کا وقت نہ معلوم کب ہو۔

پس یہ حدیث درحقیقت دلیل اہلِ سنت کی ہے اِس بات پر کہ حق امیرؓ کی جانب تھا۔ اور جو ان کے مقابلہ میں تھے خطا پر تھے کہ معنی قرآن کے نہ سمجھے اور اجتہاد میں غلطی کی۔ یہ صاحبان شیعہ اپنی وقاحت سے ایسی حدیثیں اس مقام میں لاتے ہیں کہ خود خفیف ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ برخلاف ان کے عقیدے کے یہ قول ظاہر دلالت کرتا ہے لِاَنَّ اِنْكَارَ تَاْوِيْلِ الْقُرْاٰنِ لَيْسَ بِكُفْرٍ بِالْاِجْمَاعِ (اس واسطے کہ انکار تاویل قرآن کا کفر نہیں ہے بالاتفاق) اگر معنے قرآن کے جو ظاہر ہیں ان کا کوئی اپنی غلط فہمی سے انکار کرے پھر بھی اس کے کفر میں کلام ہے پھر اس کا کیا ٹھکانا جو معنے خفی ہیں کہ وہ تاویل ہے انکار کرے اور کفر ہو۔ اور عقیدہ ان کا یہ ہے مُحَارِبُوْ عَلِيٍّ كَفَرَةٌ (لڑنے والے اُس سے کافر ہیں) چنانچہ تجرید العقائد طوسی میں موجود ہے۔

❋ **حدیث دوازدہم**۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ فَاِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِيْ اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ عِتْرَتِيْ۔	میں تمہارے بیچ میں بھاری دو چیزیں چھوڑتا ہوں اگر ان کو مضبوط پکڑو گے تو ہرگز نہ بہکو گے کہ میرے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے بزرگ تر ہیں یعنی خدا کی کتاب اور میری اولاد۔

اس حدیث کو بھی اگلی حدیثوں کی طرح ان کے مدعا کی ہوا نہیں لگی۔ اس واسطے کہ لازم نہیں ہے کہ تمسک ریاست کبریٰ والے کے ساتھ ہو۔ خیر اس کو بھی ہم نے مانا لیکن یہ حدیث بھی تو صحیح ہے :۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔	لازم پکڑو میرے طریقہ کو اور جو میرے خلیفہ ہوں راشد اور راہ یافتہ بعد میرے ان کے طریقے کو اور خوب مضبوط پکڑو اس کو اپنے دانتوں کی جڑ سے۔

اچھا ایسی ہی سہی لیکن عترت لغتِ عرب میں اقرباء کے معنی میں ہے پھر اگر عترت دلالت امامت پہ کرے تو لازم آتا ہے کہ سب اقربا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امام ہوں واجب الاطاعت خصوصًا جیسے

عبداللہ بن عباسؓ اور محمد بن الحنفیہؒ اور زید بن علیؒ اور حسن مثنیٰؒ اور اسحاق بن جعفر صادقؒ اور مثل ان کے مردم اہلِ بیت سے۔

اور یہ بھی حدیث صحیح میں آیا ہے خُذُوْا شَطْرَ دِیْنِکُمْ عَنْ هٰذِهِ الْحُمَیْرَاءِ (لو اپنے نصف دین کو اِس حمیرا سے کہ وہ عائشہؓ ہیں) اور فرمایا وَاهْتَدُوْا بِهَدْیِ عَمَّارٍ وَتَمَسَّکُوْا بِعَهْدِ ابْنِ اُمِّ عَبْدٍ (اور روش سیکھو روش عمار کی اور مضبوط پکڑو وصیت ابن مسعودؓ کی) وَاَعْلَمُکُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ (اور بتائے گا تم کو حلال وحرام معاذ بن جبل) اور ایسے ہی بہت سی حدیثیں ہیں جن کی نسبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خصوصاً آپؐ کا قول اِقْتَدُوْا بِالَّذَیْنِ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ (کہ پیروی کرو اُن دو شخصوں کی جو بعد میرے ہوں گے یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ) یہ بات درجۂ شہرت اور تواترِ معنوی کو پہنچی ہوئی ہے۔ پس لازم آتا ہے کہ یہ سب امام ہوں۔

اور اگر یہ حدیث دلالت صرف امامت پر عترت کی کرے تو حدیث صحیح جو شیعہ کے نزدیک حضرت امیرؓ سے متواتر ہے کیوں کر درست ہوگی کہ وہ یہ ہے اِنَّمَا الشُّوْرٰی لِلْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ (سوائے مہاجرین اور انصار کے مشورہ نہیں ہے) اور اسی قسم کی یہ حدیث ہے اَهْلُ بَیْتِیْ فِیْکُمْ سَفِیْنَةُ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَهَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ (اہلِ بیت میرے نوح کی کشتی ہیں جو اس کشتی پر سوار ہوا نجات پائی اور جس نے خلاف کیا ڈوب گیا) ظاہر ہے کہ یہ حدیث سوائے اس کے اور کچھ نہیں بتاتی کہ فلاح اور ہدایت کو ان کی دوستی سے ربط ہے اور اسی میں پیچیدہ۔ اور خلاف ان کے دوستی اور اتباع کا موجبِ ہلاک۔ اور خدا کے فضل سے یہ بات خاص اہلِ سنت کو نصیب ہے تمام فرقۂ اسلامیہ سے اور بس۔ اور مخصوص ہے ان کے مذہب کے ساتھ سوائے ان کے اور کسی میں نہیں پائی جاتی۔ اس واسطے کہ یہ فریق رسّی محبت جمیع اہل بیت کی خوب مضبوط پکڑے ہوئے ہیں موافق قیاس کتاب اللہ کے کہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (ایمان لاتے ہو تم بعض کتاب پر اور انکار کرتے ہو بعض سے) اور انبیاء کے ساتھ ان کے ایمان کا یہ رنگ ہے کہ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (نہیں فرق کرتے ہیں ہم کسی میں اس کے رسولوں سے) ایسے نہیں کہ کسی کے ساتھ محبت وایمان اختیار کریں اور کسی کے ساتھ بغض وکفران۔ بخلاف شیعہ کہ کوئی فرقہ ان کا ایسا نہیں جو سب اہلِ بیت کو دوست رکھتے ہوں۔ بعض ایک گروہ کو محبوب رکھتے ہیں اور باقی کو مبغوض بعض دوسرے گروہ کو اور یہی حال ہے اتباع کا لیکن اہلِ سنت وجماعت ایک گروہ کو خاص نہیں کرتے ہر ایک سے روایتیں اپنے دین کی لاتے ہیں اور ان سے تمسک ڈھونڈھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی کتابیں تفسیر وحدیث وفقہ کی اس پر گواہ ہیں۔ اگر اہلِ سنت کی کتابوں کا اعتبار نہ کریں تو جو شیعوں سے روایتیں کی گئی ہیں عقائد سے لے کر فرعِ فقہیہ تک وہ جو موافق اہلِ سُنّت کے ہیں اِس رسالہ میں منقول ہیں اُن کا کیا جواب۔

اِس مقام پر بعض خوش طبع شیعہ ایک تقریر تراشتے ہیں کہ وہ بہت الغریب ہے لا بد اِس تقریر کا ذکر اور اُس فریب کو حل کیا جاتا ہے۔ اور وہ تقریر یہ ہے، کہتے ہیں کہ اہلِ بیت کو جو سفینے سے تشبیہ کی ہے یہ اِس بات کو چاہتی ہے کہ نجات وفلاح کے واسطے سب اہلِ بیت اور اُن کے کُل تابعین کی محبت ضروری نہیں ہے۔ اِس وجہ سے کہ اگر کوئی کشتی کے ایک کونے میں بیٹھ رہے بلاشبہ وہ ڈوبنے سے بچا رہے گا۔ اور یہ امر کشتی میں کبھی کسی کونے میں بیٹھے کبھی کسی کونے میں معمول نہیں ہے نہ ایسا دوران عادی ہے نہ جاری پس شیعہ تمسک جو بعض اہلِ بیت اور اُن کے بعض تابعین سے کرتے ہیں بلاشبہ ناجی ہیں۔ اہلِ سُنّت جو اُن پر طعن بابت انکار بعض اہلِ بیت کے کرتے ہیں اِس سے دفع ہوئے۔

الحمد للہ اہلِ سنت کو ان کے اِس جواب میں دو طرح کا سخن ہے۔

اوّل نقض اس جواب میں یہ ہے کہ اس صورت میں امامیہ کو چاہیے کہ زیدیہ، کیسانیہ، افطحیہ، ناؤسیہ کو گمراہ نہ جانیں ناجی اور فلاح والے سمجھیں۔ اِس لیے کہ ہر ایک نے اِن فریق سے اِس کشتی میں ایک گوشہ وسیع لے لیا ہے کہ اُس گوشے میں اپنی جگہ بنالی ہے اور ڈوبنے کے بچاؤ کے واسطے ایک گوشہ کافی ہے۔ بلکہ اِس صورت میں بارہ ۱۲ امام مقرر کرنا اسی میں خدشہ پڑ گیا۔ اِس لیے کہ ہر گوشۂ کشتی کا موج دریا سے بچنے کو کافی ہے۔ اور امام کے معنے یہی کہ اُس کی پیروی سے نجات حاصل ہو۔ پس تمام مذہب اثنا عشریہ بلکہ امامیہ کا برہم ہوا۔ اگر زیدیہ یہ بات کہیں تو اُن کے مقابلہ میں بھی یہی کہا جائے۔ پس شیعہ کے کسی فرقہ کو جملہ فریق سے تعین کسی مذہب کا اپنے واسطے درست نہیں بلکہ سب مذہبوں کو حق جانیں اور نیک سمجھیں۔ اور حالانکہ ان کے مذہبوں میں باہم دگر نقیض وضد ہے اور دونوں جانب نقیض کو حق جاننا غیر اجتہادی باتوں میں اجتماع نقیضین کا قائل ہونا ہے کہ صریح محال جانتے ہیں۔

دوسرے بطور حل کے یہ کہ کشتی کے ایک گوشے میں جگہ بنا لینا موجب نجات کا جب ہوتا ہے کہ اُس کے دوسرے گوشے میں چھید نہ کرے اور جب ایک گوشے میں بیٹھا اور دوسرے گوشے میں چھید کرنا شروع کیا تو بلاشبہ ڈوب جائے گا۔ اور ان کے فرقوں میں سے کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے کہ ایک گوشے میں تو بیٹھا ہو اور دوسرے گوشے میں چھید نہ کر رہا ہو۔ ہر چند اہلِ سُنّت اِس کشتی کے جُدا جُدا گوشوں میں سیر دَور کرتے ہیں لیکن کشتی ان کی سالم ہے انھوں نے کسی گوشے میں اِس کے چھید نہیں کیا ہے کہ اُدھر سے موجِ دریا کی گھس آئے اور اِن کو ڈبو دے، الحمد للہ۔

اہلِ سنت نے جو یہ رَوِش اختیار کیا ہے اس میں اُن کو کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ نواصب کو اِن دونوں

حدیثوں سے انکار ہے۔ اسی سبب سے اس کی صحت میں اُنھوں نے دلیل عقلی سے قدح کیا ہے اور کہا ہے کہ مفاد ان دونوں حدیثوں کا تکلیف ممتنعات عقلیہ کے ساتھ ہے جو ظاہر محال ہے۔ اس واسطے کہ اگر تمسک سب اہل بیت سے کیا جائے اور عقائد اور فروع میں ان کے بے شبہ اختلاف اور تناقض ظاہر ہوا ہے تو اب چاہیئے کہ امت مکلّف ہو بجمع بین النقیضین اور یہ ظاہر محال ہے یعنے دو نقیضوں میں اکٹھے ہو پھر کس کو مانے اور کس کو نہ مانے۔ اور تمسک بعض کے ساتھ کیا جائے تو ضروری ہے کہ یا بہ تعین ہوگا یا بغیر تعین۔ اگر بہ تعین ہوگا تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ اس واسطے کہ سب اہل بیت فوقیت میں برابر و یکساں ہیں اور روایات تعین حق میں اپنی طرف خود ان کو بھی اختلاف واقع ہے تو پھر وہی اجتماع النقیضین آش در کاسہ ہے، یا ترجیح بلا مرجح۔ و اگر شق ثانی یعنے غیر تعین مراد ہو تو لازم آئے گا مختلف عقیدوں اور متفاوت شریعتوں کا ایک دین واحد میں اپنی طرف سے خلاف شارع کے۔ حالانکہ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا (ہم نے تم میں سے ہر ایک کے واسطے مقرر کی ایک روشنی اور ایک راہ) صریح مخالف اِس تجویز کے ہے اور واسطے ضرورتِ دینی کے محال ہونا اس کا ثابت شیعہ کے فرقوں سے تو کوئی فرقہ ان اشقیا کے اِس خدشہ کے جواب سے بَری نہیں ہو سکتا مگر جب ہو کہ روشِ اہلِ سُنّت کی اختیار کرے۔

اب رہیں دلیلیں عقلیہ شیعہ کی تو وہ حدِّ شمار سے زیادہ ہیں۔ چنانچہ الفین اور دوسری کتابوں میں ان کی پورا استیفار ان دلائل کا ہے۔ لیکن یہاں ایک قاعدہ ایسا اہلِ سُنّت کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس سے وہ ان کی ہر ایک دلیل کو حل کر سکیں۔

پہلے تو یہ جاننا چاہیئے کہ دلیلِ عقلی اِس مدعا پر تین حال سے خالی نہیں ہے یا تمام مقدمات اُس کے نقلی ہیں جیسے دلیل پنجم ان کی جو اِس رسالہ میں مذکور ہے یا بعض مقدمات اُس کے عقلی بعض نقلی جیسے ان کی دلیلِ اوّل ہے۔ یا سب مقدمات اُس کے عقلی مثل دلیلِ دوم کے۔ اور یہ اصطلاح سوائے اصطلاح مشہور کلام کے ہے کیونکہ دلیل عقلی کو اُس چیز پر جو صرف عقلی باتوں سے مرکب ہو استعمال کرتے ہیں۔ اور دلیل نقلی کو اُس پر جس کا ایک مقدمہ موقوف نقل پر ہو۔

حاصل کلام تینوں دلالتیں عقلیہ ضرور ماخوذ ہیں شرائطِ امامت سے یا اُس کے موانع یا اُس کے تعین کی راہوں سے شرط امامت جیسے عصمت موانع جیسے سابق میں کافر ہونا۔ اور طریقِ تعین جیسے نص اور معجزہ۔ پس اصل میں یہ سب دلائل ٹھکانے بحث امامت کے ہیں۔ اور جو ٹھکانے بحث امامت کے ہیں وہ فرع بحث نبوت کے ہیں کیونکہ امامت نبوت کی نیابت ہے۔ اور جو موقعے بحث نبوت کے ہیں وہ فرع الٰہیات کے اس سبب سے کہ نبوت رسالت خدا کی ہے۔

سو جب اصول شیعہ کے اور مقرری باتیں ان کی تینوں بحثوں میں برہم کی گئیں مخالفتِ کتاب اور عترت اور عقل کے ساتھ، گویا دلائل ان کے تین درجے میں منع سے زیر کی گئیں اور شبہات کے نسب کا تین پُشت تک قدح کیا گیا اِس بات کو ہم ایک مثال میں روشن کر دیں۔ مثلاً یہ مقدمہ ان کا جس کو انھوں نے دلیل ٹھہرایا ہے اور اپنی دلیلوں میں اخذ کیا ہے اَلْإِمَامُ يَجِبُ أَنْ يَّكُوْنَ مَنْصُوْصًا عَلَيْهِ (امام واجب ہے کہ منصوص علیہ ہو) مطلب یہ کہ امامت بنص ثابت ہوئی ہو۔ اس کی اصل یہ ہے کہ نَصْبُ الْإِمَامِ وَاجِبٌ عَلَى اللّٰهِ (قائم کرنا امام کا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے) اور اصل اس اصل کی یہ کہ بَعْثُ النَّبِيِّ وَاجِبٌ عَلَى اللّٰهِ (پیدا کرنا نبی کا واجب ہے اللہ پر) اور اصل اس اصلِ اصل کی یہ ہے اَلتَّكْلِيْفُ وَاجِبٌ عَلَى اللّٰهِ (مکلّف کرنا واجب ہے اللہ پر) اور اصل اس اصلِ اصلِ اصل کی یہ کہ اَللُّطْفُ وَاجِبٌ عَلَى اللّٰهِ (لطف واجب ہے اللہ پر)۔

جب اِن چاروں مقامات میں جن کی بحث اِن کے مذہب میں ہے دو گواہوں عادل کی گواہی کہ وہ کتاب و عترت ہیں باطل کیا گیا تو پھر اِس مقدمہ کے بطلان میں عقل کو کیا اشتباہ رہا۔ پس اِس قاعدہ سے ان کی ساری دلیلوں کی حالت عاقل کو معلوم و روشن ہو گئی اور کچھ باقی نہ رہی مگر صورتِ اشکال کہ مانند کاٹھ کی تلوار جو بچوں کا کھلونا ہوتی ہے نہ کہ کچھ کار آمد۔ اور مثل شیر قالین کے پامال ہر پیر زال کی ہے۔ اِسی واسطے ان کے دلائل عقلیہ کے ذکر کرنے سے اِس رسالہ میں بفضلہٖ استغنائے کُلّی حاصل ہے۔ مگر چند دلیلیں جو انھوں نے اپنے زعم میں بہت ہی عمدہ اور عمدۃ القوی (قوی) اور عروۃ الوثقٰی (بڑی مضبوط رسّی) اپنے عروج کی ٹھہرائی ہیں اُن کا ہم ذکر کرتے ہیں تو تھوڑے سے بہت کا حال معلوم ہو۔ جیسے مٹھی بھر نمونے سے سارے ڈھیر کا حال کھل جاتا ہے اور حال باقی ان کی دلیلوں کا کہ خود ان کے گمان میں وہ اُن کے مرتبہ کی قوت کو نہیں پہنچی ہیں ظاہر ہو جائے گا اور وہ سب چھ دلیلیں ہیں۔

❋ **دلیلِ اوّل**۔ یہ کہ امام کو معصوم ہونا واجب ہے اور سوائے حضرت امیرؓ کے صحابہؓ میں کوئی معصوم نہ تھا۔ پس وہی امام ہیں نہ کہ غیر اُن کا اور یہی مدعا ہے۔

اِس دلیل میں صغریٰ اور کبریٰ دونوں ممنوع ہیں۔ صغریٰ اِس سبب سے کہ حضرت امیرؓ نے نص فرمائی ہے اِس بات پر إِنَّمَا الشُّوْرٰى لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ الخ (مشورہ نہیں ہے مگر واسطے مہاجرین اور انصار کے آخر تک) اِس قول سے ظاہر ہے کہ مہاجرین اور انصار نے جو اُن کو خلیفہ مقرر کیا اُس گروہ میں کوئی معصوم نہ تھا اور یہ بھی ہے کہ جب آپ نے سنا کہ خوارج کہتے ہیں لَا إِمْرَةَ (خلافت کچھ نہیں ہے) تو فرمایا لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ أَمِيْرٍ بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ الخ كذا في نهج البلاغة (ناگزیر ہے لوگوں کو امیر سے چاہے نیکوکار ہو چاہے فاجر)۔

تو یہی سہی ہم نے مانا لیکن معلوم ہونا اس بات کا کہ یہ شخص معصوم ہے نبی کے سوا اوروں میں معلوم نہیں ہوسکتا ہے اس کا علم دشوار ہے۔ اس واسطے کہ اسباب علم کے کل تین چیزیں ہیں۔ حواس سلیمہ اور عقل اور خبر صادق۔ ظاہر ہے کہ عصمت ایک ملکہ اور قوت نفسانی ہے کہ وہ گناہ اور برائیوں کو صادر نہیں ہونے دیتی اور حس میں نہیں آتی۔ نہ عقل کسی کی اس ملکہ کو دریافت کرسکتی ہے مگر افعال و آثار شخص سے بطور استدلال کے لیکن راہ استدلال کی یہاں بند ہے اس وجہ سے کہ اول تو اس بات کی آگاہی ناممکن ہے کہ شخص مخصوص مذکور کے جملہ افعال و آثار پر وقوف حاصل ہو، خصوصاً اس کے دل کی نیتوں اور چھپی باتوں پر قسم عقائد فاسد اور حسد و بغض اور عجب و ریا ان کے سوا اور بری عادتیں، اور بالفرض حاصل بھی ہو تو حسن اسی زمان حاضرہ کا کہ اس میں جو کچھ افعال و آثار اس کے ہیں معلوم ہوں گے ماضی مستقبل یعنی گزشتہ آئندہ کا کون ضامن ہوسکتا ہے۔ اور حالت انسان کی بسبب مکر شیطان اور بہکانے نفس اور بد مصاحبوں کے دمبدم تغیر میں ہے یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَیُمْسِیْ کَافِرًا وَیُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَیُصْبِحُ کَافِرًا (صبح ہوتی ہے آدمی کو حالتِ ایمان میں اور شام ہوتی ہے حالتِ کفر میں اور شام ہوتی ہے حالتِ ایمان میں اور صبح ہوتی ہے حالتِ کفر میں) قصہ برصیصا اور بلعم باعورا کا اس مقدمہ میں عبرت کو کافی ہے۔ اور دعا ماثور یعنی جو حدیث میں آئی ہے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ وَطَاعَتِکَ (اے دلوں کے پھیرنے والے ثابت رکھ میرے دل کو اپنے دین اور طاعت میں) اس مرض کی یہی دوا شافی ہے۔

اگر ان باتوں کو بھی ہم مان لیں جو معلوم ہوئیں لیکن حقیقت عصمت کی جو صدور گناہ سے باز رکھتی ہے کیونکر دریافت ہوسکے۔ انتہائی درجہ کوشش کا یہ ہے کہ جو امور صادر ہوں ان کو معلوم کریں سو مرتبہ محفوظیت کا ہے صرف اتنا ہی حصول عصمت میں کافی نہیں ہے۔ اور خبر صادق دو قسم کی ہوتی ہے یا متواتر یا خبر خدا اور رسولؐ۔ سو متواتر تو ظاہر ہے کہ یہاں کچھ دخل نہیں رکھتا اس واسطے کہ متواتر بشرطیکہ جس کے ساتھ منتہی ہو فائدہ علم ضروری کا بخشتی ہے۔ اور جس کی ہم بحث کر رہے ہیں غیر محسوسات سے ہے۔ پس متواتر بھی غیر مفید ہے اگر یہ نہ ہو تو خبر فلاسفہ کی جو عالم کو قدیم بتاتے ہیں فائدہ بخش علم ضروری ہو اور یہ بالاجماع باطل ہے۔ اور خبر خدا و رسولؐ کی اس مقدمہ میں موجب علم کی نہیں ہوتی موافق اصول شیعہ کے۔ اول یہ کہ بدا اخبار میں جائز ہے یعنی جائز ہے کہ ایک وقت میں کسی کی عصمت سے خبر دیں دوسرے وقت میں اسی کے فسق سے خبر دیں اور دونوں خبروں سے ایک اس کو پہنچی ہو اور دوسری نہ پہنچی ہو۔ اور بَدَا فِی الْاِرَادَۃِ بھی باجماع شیعہ جائز ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادے میں بھی بدا ہے کہ کسی وقت میں ارادہ متعلق ہوتا ہے کسی کی عصمت پر، اور دوسرے وقت میں اسی کے فسق پر۔ پس اطمینان اٹھ گیا اور مضبوطی وثوق اعتماد کی اس پر نہ رہی کہ یہ

شخص آخر عمر تک اپنی عصمت پر باقی و قائم رہے۔ دوسرے یہ کہ خدا اور رسولؐ کی خبر مکلفین کو یا کسی معصوم کے واسطے سے ہے یعنی وہ معصوم اس درمیان میں ہے یا بواسطہ تواتر کے۔ شق اول کا دور تو صریح لازم آتا ہے کہ اس معصوم کی عصمت بھی ہم اسی خبر سے ثابت کرتے ہیں۔ اور جب اسی سے ثابت کریں تو تَوَقُّفُ الشَّیْءِ عَلٰی نَفْسِہٖ ہے۔ یعنی ٹھہراؤ کسی چیز کا اسی کی ذات پر، گویا وہی دعویٰ وہی دلیل۔ اور دوسری شق میں حرف ہے کیونکہ شیعہ کے نزدیک ہر تواتر فائدہ علم قطعی کا نہیں بخشتا۔ جیسے تواتر مسح موزہ کا اور دونوں پاؤں کا دھونا وضو میں۔ اور اِلَی الْمَرَافِقِ (کہنیوں تک) وَ اُمَّۃٌ ھِیَ اَرْبٰی مِنْ اُمَّۃٍ فِی اَلْفَاظِ الْقُرْاٰنِ وَصِیْغَۃُ التَّحِیَّاتِ فِیْ قَعْدَۃِ الصَّلٰوۃِ وَاَمْثَالُ ذٰلِکَ (ایک فرقہ بڑھ کر ہے ایک فرقہ سے، یہ دونوں یعنی الی المرافق اور یہ آیت قرآن سے چھنی ہیں۔ اور صیغہ التحیات کا نماز کے قعدے میں اور مثل ان کے) پس ضروری ہو کہ کسی تواتر خاص کو مقرر کرنا چاہیئے سو وہ بھی غیر مفید و فائدہ بخش نہیں۔ اس سبب سے کہ علم قطعی تواتر سے خاص کثرت ناقلین سے ہوتا ہے اور جب ایک دو مادوں میں جھوٹ نکلا تو جملہ اقسام کا اعتماد جاتا رہا۔

اب کبریٰ کا حال سنیئے۔ سو اس سبب کہ حضرت امیرؓ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔

وَلَا تَکُفُّوْا عَنْ مَقَالَۃٍ بِحَقٍّ اَوْ مَشْوَرَۃٍ بِعَدْلٍ فَاِنِّیْ لَسْتُ بِفَوْقِ اَنْ اُخْطِیَٔ وَلَا اٰمَنُ مِنْ ذٰلِکَ فِیْ فِعْلِیْ۔ کذا فی نہج البلاغۃ۔	باز مت رہو حق بات کہنے سے یا مشورہ انصاف کے ساتھ دینے سے، اس لئے کہ میں ایسا بڑھ کر نہیں ہوں جو خطا نہ کروں اور خطا سے امن میں رہوں اپنے کام میں۔ جیسا کہ نہج البلاغت میں ہے۔

ظاہر ہے کہ معصوم ایسا نہیں کہتا۔ خصوص آخر کلام اس عبارت کا یہ ہے اِلَّا اَنْ یَّکْفِیَ اللّٰہُ فِیْ نَفْسِیْ مَا ھُوَ اَمْلَکُ بِہٖ مِنِّیْ (مگر یہ کہ ڈال دے خدا میرے دل میں وہ چیز کہ وہ اس کا مالک تر ہے مجھ سے) کہ یہ کلام صریح دلیل معصوم نہ ہونے پر ہے۔ اس واسطے کہ معصوم کو خدا تعالیٰ خود مالک اپنے نفس کا کردیتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کَانَ اَمْلَکَکُمْ لِاَرَبِہٖ (تھا وہ سردار تم سے زیادہ مالک اپنی حاجت پر) اور حضرت امیرؓ سے بھی دعا میں روایت کی گئی ہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ مَا تَقَرَّبْتُ بِہٖ اِلَیْکَ ثُمَّ خَالَفَہٗ قَلْبِیْ (بار خدایا بخش میرے اس عمل کو جس سے میں نے تیری طرف قربت ڈھونڈھی پھر مخالف اس کے ہوا دل میرا) یہ دعا بھی رضی نہج البلاغۃ میں لایا ہے۔

❁ دلیل دوم۔ امام ایسا ہونا چاہیئے کہ کبھی اس سے کفر نہ ہوا ہو لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (نہیں پہنچتا ہے میرا عہد ظالموں کو)۔ اور کافر ظالم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالْکٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (کافر ہی ظالم ہیں) نیز فرماتا ہے اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (شرک بہت بڑا ظلم ہے)۔

حالانکہ سوائے حضرت امیرؓ کے سب بُت پرست تھے۔ پس سوائے حضرت امیرؓ کے امام نہ ہوگا پس امیرؓ امامت کے واسطے متعین ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سُنی شیعہ کی کتابوں میں سے کہیں کسی نے یہ شرط امامت میں نہیں لکھی نہ ثبوت کو پہنچی۔ ہاں انکار خلافت خلفائے ثلٰثہؓ کے لئے ان کے علماء نے یہ شرط گھڑی ہے کسی آیت اور حدیث میں اس کا ذکر نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جملہ اُمور شرعیہ اور دینیہ میں کوئی امر ایسا نہیں جس میں اگلے کفر کا اعتبار کیا ہو سابق میں وہ کافر نہ ہو بلکہ بعد ایمان لانے اور مُسلمان ہونے کے ستو برس کا کافر اور جس کی ستر پُشت اسلام میں گزری ہوں دونوں برابر ہیں پھر اس امر میں اس شرط کا اعتبار کیونکر ہوگا۔ اور لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ پر جو تمسک کرتے ہیں اس موقع پر مضحکہ اور مغلطہ سے زیادہ نہیں ہے جس کا کچھ وقار نہیں۔ اس واسطے کہ آیت تو یہ فائدہ بخشتی ہے کہ ریاست شرعیہ ظالم کو نہیں پہنچتی۔ اس سبب سے کہ ضرور امامت کبرٰی میں عدالت شرط ہے جمیع مناصب شرعیہ اور قضاء اور احتساب اور امارت میں اور سوائے ان کے تاکہ فائدہ اُس منصب کا ثابت اور متحقق ہو۔ اور ظالم کے نصب سے کسی ریاست میں ہو موجب خرابی و فساد ریاست کا ہے اور جب کُفر و ظلم اور امامت دونوں میں تنافی ہے، یعنی ایک ہوگا تو دوسرا نہ ہوگا تو دو متنافی ایک وقت میں جمع کیونکر ہوں گے نہ کہ ایک ذات میں دو وقت میں۔ پس تمام اہل سُنت کا یہی مذہب ہے کہ امام امامت کے وقت مسلمان و عدل ہو نہ یہ کہ قبل امامت کے اُس نے کُفر و ظلم نہ کیا ہو بلکہ جس نے سابق میں کُفر کیا ہے یا ظلم اُس کو بھی بعد ایمان اور توبہ کے کافر اور ظالم کہنا ہرگز لُغت اور عُرف اور شرع میں جائز نہیں ہے۔ وَقَدْ تَقَرَّرَ فِي الْأُصُوْلِ أَنَّ الْمُشْتَقَّ فِيْمَا قَامَ بِهِ الْمَبْدَءُ فِي الْحَالِ حَقِيْقَةٌ وَفِي غَيْرِهِ مَجَازٌ (بیشک اصول میں یہ بات طے شدہ ہے کہ استعمال لفظ مشتق کا اُس چیز پر قائم ہے اُس کے ساتھ مبدأ حال میں حقیقت ہے اور غیر میں مجاز ہے)۔

لیکن مجاز بھی ہر جگہ نہیں کہ مطرد ہو۔ بلکہ وہ موقعے جو مشہور اور جانے پہچانے ہیں وہاں بولنا چاہیئے:۔

كَمَا تَقَرَّرَ فِي مَحَلِّهِ أَنَّ الْمَجَازَ لَا يَطَّرِدُ وَالْمَجَازُ نَخْلَةٌ لِطَوِيْلٍ غَيْرِ الْإِنْسَانِ وَصَبِيٌّ لِشَيْخٍ وَهِيَ سَفْسَطَةٌ قَبِيْحَةٌ وَكَذَا النَّائِمُ لِلْمُسْتَيْقِظِ وَالْفَقِيْرُ لِلْغَنِيِّ وَالْجَائِعُ لِلشَّبْعَانِ وَالْحَيُّ لِلْمَيِّتِ وَالْمَيِّتُ لِلْحَيِّ.

جیساکہ ٹھہرا ہے اپنے موقع پر کہ مجاز کُلیۃً جاری نہیں ہے ورنہ جائز ہوتا ہر لمبے کو نخل کہنا سوا انسان کے۔ اور بوڑھے کو لڑکا کہنا اور بہت ہی بُرا مغالطہ ہے، اسی طرح سوتے کو جاگتا اور محتاج کو آسودہ اور بھُوکے کو پیٹ بھرا اور زندہ کو مُردہ اور مُردے کو زندہ کہنا۔

وَقَدْ رَوَى الْقَاضِي أَبُو الْحَسَنِ الزَّاهِدِيُّ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ فِي مَعَالِي الْعَرْشِ إِلَى مَوَالِي الْفَرْشِ

روایت کی قاضی ابو الحسن نے حنفیہ سے معالی العرش الٰی موالی الفرش میں

فِي حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَحْضَرٍ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَعَيْشِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ لَمْ أَسْجُدْ لِصَنَمٍ قَطُّ فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ صَدَقَ أَبُوْ بَكْرٍ۔

بیچ حدیث طویل کے بیشک ابوبکرؓ نے کہا نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سامنے مہاجرین اور انصار کے قسم کھاتا ہوں میں تمہاری عمر کی اے رسول خدا کے کہ میں نے کبھی بُت کو سجدہ نہیں کیا ہے۔ پس میں آئے جبرئیل علیہ السّلام اور کہا سچ کہتا ہے ابوبکرؓ۔

اہل سیر اور تواریخ نے بھی ابوبکرؓ کے حال میں لکھا ہے لَمْ يَسْجُدْ لِصَنَمٍ قَطُّ (اس نے ہرگز کسی بُت کو سجدہ نہیں کیا) پس صحت امامت ابوبکر صدیقؓ کی بلحاظ اِس شرط کے بھی اجماعی ہے، والحمد للہ۔

❋ **دلیل سوم**۔ امام ایسا ہونا چاہیئے کہ منصوص علیہ ہو اور سوائے امیرؓ کے کسی میں نص نہیں پائی جاتی پھر سوائے اُن کے امام کس طرح ہوگا۔

یہاں بھی صغرٰی اور کبرٰی دونوں ممنوع ہیں صغرٰی یوں کہ اس کی روایت امیرالمؤمنینؓ ہی سے گزر چکی کہ فرمایا اِنَّمَا الشُّوْرٰى لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ فَإِنِ اخْتَارُوْا رَجُلًا وَسَمَّوْهُ إِمَامًا كَانَ لِلّٰهِ رِضًى (امر خلافت میں سوائے مہاجرین اور انصار کے اور کو حق مشورہ کا نہیں ہے، پس اگر کسی شخص کو پسند کرکے اُس کا امام نام رکھیں وہی خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا)۔

اور کبرٰی یوں ممنوع ہے کہ اگر کوئی نص علیؓ کے حق میں ہوتی تو قرآن میں ہوتی یا حدیث میں ہوتی اور حالانکہ یہ دونوں امر بھی گزر گئے بالکلیہ، یعنی بیان ہو چکے اور اگر موجود ہوتے تو متواتر ہوتے اس واسطے کہ احاد کا اعتبار نہیں عقائد میں کہ یہ ایک بڑا مقدمہ ہے۔ آخر اِس سے کم تو نہ ہو کہ اُس نص کو اہل بیت پہچانتے ہوں۔ اور حالانکہ اُنھوں نے اس سے اِنکار کیا اور اس واسطے کہ اگر نص ایک امام میں پائی جاتی تو سب میں پائی جاتی۔ اور حالانکہ ہر امام کی اولاد نے بعد امام کے دعوائے امامت میں اختلاف کیا ہے پھر نص موجود ہوتی تو ان میں اختلاف ہی کیوں ہوتا۔ اور اگر نص موجود ہوتی تو یا یہ تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو متواتر لوگوں کو پہنچاتے یا نہ پہنچاتے۔ اول صورت میں یا یہ تھا کہ لوگ اُس کو چھپائے رکھتے بوقتِ ضرورت ظاہر کرنے کے یا ظاہر کرتے اُس کو۔ پس دوسری صورت کی طرف بالاجماع کوئی راہ نہیں ہے اور صورتِ اول رفع کرتی ہے امانِ تواتر کو کہ تواتر اُس کا مامون نہ تھا۔ پس اخبار متواترہ میں جھوٹ لازم آتا ہے۔ اور اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم متواتر نہ پہنچاتے تو اس قدر میں مکلفین پر حجت نہیں لازم آتی پس نص کا فائدہ متحقق نہ ہوتا بلکہ لازم آتا ترک پہنچانے کا حق میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

دلیل چہارم۔ حضرت امیرؓ ہمیشہ شاکی اور فریادی خلفائے ثلثہؓ کے رہے اور آپ کو مقہور و مظلوم کہا کرتے تھے۔ اور یہ بات سوائے غصب امامت کے نہ تھی جو اُن سے چھینی گئی۔ پس امامت اُن کا حق ہے نہ کہ غیر کا۔ کیونکہ حضرت امیرؓ بالاجماع صادق اور سچے ہیں۔

جواب اِس دلیل کا یہ ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اِس مقدمہ میں کوئی روایت اہلِ سُنّت کو نہیں پہنچی بلکہ موافقت اور مناصحت اور ثنا۔ و دُعا کی روایتیں ہیں ایک دوسرے کے حق میں اور معاونت و امداد کی اور روایتیں امامیہ کی مختلف پائی گئیں اکثر موافق روایات اہلِ سُنّت کے کہ حضرت امیرؓ اپنی حیات میں اُن کے ساتھ موافق تھے اور مناصح یعنی ایک دوسرے کو نصیحت کرنے والے اور نیک مشورہ بتاتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ کے قصہ میں نہج البلاغۃ سے نقل کیا گیا۔ اور بعد فوت کے بھی ان کی تعریف کی اور اعمال ان کے پسند کئے اور نجات وغیریت کی گواہی دی۔ چنانچہ لِلّٰهِ بِلَادُ أَبِیْ بَکْرٍؓ آخر خطبے تک یہ بھی نہج البلاغت سے منقول ہے یعنے (واسطے اللہ ہی کے ہے خوبی ملک ابوبکرؓ کی) اور اکثر روایتیں شیعہ کی اِس کے مخالف بھی پائی گئیں پس اہلِ سُنّت نے متفق علیہ کو اخذ کیا اور مختلف فیہ کو کہ محض شیعہ با وجود اِس کے کہ حال اُن کے راویوں کا معلوم ہے اور پھر روایت کرتے ہیں، الگ کر دیا لِاَنَّ الْعَاقِلَ یَاْخُذُ بِالْمُتَّفِقِ عَلَیْهِ وَ یَتْرُكُ الْمُخْتَلَفَ فِیْهِ (کیونکہ عقلمند متفق علیہ کو لیتا ہے اور مختلف فیہ کو چھوڑتا ہے) سو شیعوں کی روایتیں تو اِس مقدمہ میں نہج البلاغۃ اور کشف الغمہ اور صحیفۂ کاملہ کی بتفصیلِ تمام سابق میں گزریں اور اہلِ سُنّت کی روایتیں بھی اِس مقدمہ میں حصر و قیاس کی حد سے زیادہ ہیں۔ کتاب الموافقہ ابن السمان کی خاص اِسی واسطے تصنیف کی گئی ہے ہم ایک روایت اُس کتاب سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں اِس بحث امامت میں جس میں ہم مشغول ہیں بطور نمونے کے لاتے ہیں۔ اگر کوئی ماہر عربیت کا اِس عبارت حضرت امیرؓ کو اُس عبارت کے ساتھ جو نہج البلاغۃ میں ہے تولے اور تفاوت بتلائے تو ہمارا ذمہ۔ اور حق یہ ہے کہ کلام حضرت امیرؓ میں کسی کا تصنع نہیں چل سکتا لیکن مہارت عربیت اور سلیقہ شناسی ہر متکلم کی شرط ہے۔ نہ یہ کہ عربی کے لُغت وحشی مقام باغی پن میں سُن کر بے تامل کھپا جائے اور مایۂ تفرقہ اور تمیز کا نہ رکھتا ہو۔

رَوَى الْحَافِظُ اَبُوْ سَعْدِ ابْنِ السَّمَّانِ وَغَيْرُهٗ مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ اَيْضًا عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَقِيْلِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّهٗ لَمَّا قُبِضَ اَبُوْبَكْرِنِ الصِّدِّيْقُ وَسُجِّيَ عَلَيْهِ ارْتَجَّتِ الْمَدِيْنَةُ بِالْبُكَاءِ كَيَوْمٍ قُبِضَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ

روایت ہے حافظ ابو سعد ابن سمان وغیرہ محدثوں سے نیز محمد بن عقیل بن ابی طالب سے کہ بیشک جب ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور اُن کو چادر سے چھپا دیا گیا تو لوگوں کی گریہ وزاری سے مدینہ منورہ ہلنے لگا جیسے آنحضرت صلے اللہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ عَلِيٌّ بَاكِيًا مُسْتَرْجِعًا وَهُوَ يَقُوْلُ الْيَوْمَ انْقَطَعَتْ خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ فَوَقَفَ عَلٰى بَابِ الْبَيْتِ الَّذِيْ فِيْهِ اَبُوْبَكْرٍ مُسَجًّى فَقَالَ رَحِمَكَ اللّٰهُ يَا اَبَا بَكْرٍ كُنْتَ مَاْلِفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنِيْسَهٗ وَمُسْتَرَاحَهٗ وَثِقَتَهٗ وَمَوْضِعَ سِرِّهٖ وَمُشَاوَرَتِهٖ كُنْتَ اَوَّلَ قَوْمِهٖ اِسْلَامًا وَاَخْلَصَهُمْ اِيْمَانًا وَاَشَدَّهُمْ يَقِيْنًا وَاَخْوَفَهُمْ لِلّٰهِ وَاَعْظَمَهُمْ غَنَاءً فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَحْوَطَهُمْ لِرَسُوْلِهٖ وَاَشْفَقَهُمْ عَلَيْهِ وَاَحْدَبَهُمْ عَلَى الْاِسْلَامِ وَاَيْمَنَهُمْ عَلٰى اَصْحَابِهٖ وَاَحْسَنَهُمْ صُحْبَةً وَاَكْثَرَهُمْ مَنَاقِبَ وَاَفْضَلَهُمْ سَوَابِقَ وَاَرْفَعَهُمْ دَرَجَةً وَاَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدْيًا وَسَمْتًا وَرَحْمَةً وَفَضْلًا وَخُلُقًا وَاَشْرَفَهُمْ عِنْدَهٗ مَنْزِلَةً وَاَكْرَمَهُمْ عَلَيْهِ وَاَوْثَقَهُمْ عِنْدَهٗ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَعَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا كُنْتَ عِنْدَهٗ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ صَدَّقْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ كَذَّبَهُ النَّاسُ فَسَمَّاكَ اللّٰهُ فِيْ تَنْزِيْلِهٖ صِدِّيْقًا فَقَالَ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ وَالَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ فَالَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَدَّقَ بِهٖ اَبُوْبَكْرٍؓ

علیہ وسلم کی وفات کے دن ہلا تھا، پس آئے علیؓ روتے ہوئے اور انا للہ کہتے، اور فرماتے تھے آج خلافت نبوت کی منقطع ہو گئی اور کھڑے ہوئے اُس گھر کے دروازے پر جس میں ابوبکرؓ تھے چادر میں چھپے ہوئے، پھر کہا رحمت خدا کی تجھ پر ہو اے ابوبکرؓ! تو ہی تھا ٹھکانا اُلفت رسول اللہ کا، اور اُن کے اُنس کا، اور اُن کے آرام اور اعتماد کا، اور ٹھکانا اُن کے بھیدوں اور مشوروں کا، تو ہی تھا اول قوم اُن کی کا اسلام لانے میں اور خالص تر اِس قوم سے اسلام میں اور زیادہ تر اُن سے تقویٰ میں، سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا، اور دین خدا عزّ و جلّ کی مددگاری میں کامل تر، بڑا نگہبان، بڑا شفیق اللہ کے رسولؐ کا، سب سے پہلے اسلام لانے والا، قوی تر اور شفیق تر اُن کا صحبت میں فضیلتوں میں سب سے زیادہ سابقین سے فاضل تر سب میں زیادہ بلند درجوں والا، رہنمائی اور چلن اور مہربانی اور بزرگی اور خُلق نیک میں سب سے زیادہ پیغمبرؐ سے مشابہ، پیغمبرؐ کے نزدیک سب میں بلند رتبہ اور عزت والا اور معتمد، بدلا دے تجھ کو اے ابوبکرؓ اللہ تعالےٰ اسلام اور رسولؐ اور مسلمانوں کی طرف سے نیک، تو ہی تھا اُن کے نزدیک مثل گوش اور چشم کے، تو ہی نے تصدیق اُن کی کی اُس وقت کہ اوروں نے تکذیب کی تھی، اِس سبب سے اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام میں صدیق کہا چنانچہ فرمایا اُس نے جو سب قائلوں میں غالب ہے یعنے خدا تعالےٰ جو شخص صدق کے ساتھ آیا اور تصدیق کی اُس کی اُس نے پس وہی لوگ متقیوں سے ہیں، سو بصدق آنے والے محمد ہیں صلے اللہ علیہ وسلم اور بتصدیق ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ

وآسيته حين بخلوا وقمت معه عند
المكاره حين عنه قعدوا وصحبته في
الشدة أحسن الصحبة ثاني اثنين و
صاحبه في الغار والمنزل عليه السكينة و
رفيقه في الهجرة وخليفته في دين الله
عز وجل وفي أمته أحسنت الخلافة
حين ارتد الناس وقمت بالأمر ما لم
يقم به خليفة نبي نهضت حين وهن
أصحابك وبرزت حين استكانوا وقويت
حين ضعفوا ولزمت منهاج رسول الله
صلى الله عليه وسلم في أصحابه إذ كنت
خليفة حقا ولم تنازع ولم تغذع برغم
المنافقين وكبت الكافرين وكره الحاسدين
وصغر الفاسقين وزيغ الباغين قمت
بالأمر حين فشلوا ونطقت حين تعبوا
ومضيت نورا إذ وقفوا فاتبعوك فهدوا
وكنت أخفضهم صوتا وأعلاهم فوقا
وأقلهم كلاما وأصوبهم منطقا وأطولهم
صمتا وأبلغهم قولا وأكبرهم رأيا و
أشجعهم وأعرفهم بالأمور وأشرفهم
عملا كنت والله للدين يعسوبا أولا حين
نفر الناس عنه وآخرا حين فشلوا كنت
للمؤمنين أبا رحيما إذ صاروا عليك عيالا
حملت أثقال ما ضعفوا عنه ورعيت ما
أهملوا وحفظت ما أضاعوا وعلوت إذ هلعوا

اور تو نے اُس کی اُس وقت میں رعایتیں کیں جب سب نے
بخل کیا، اور کروہات (مصائب) کے وقت تو ہی اُن کے
ساتھ مستعد رہا جب کہ سب بیٹھ رہے تھے وقت کے باعث،
اور اچھا ساتھی تو اُن کا سختی میں، دو آدمیوں کا دوسرا ہے
اور رفیق اور یار غار اُن کا کہ اتری اُن پر سکینت، اور رفیق
اُن کا ہجرت میں اور خلیفہ دین خدا عز و جل کا، اور کیسی اچھی
خلافت کی اُن کی اُمت میں جس وقت کہ لوگ مردود و برگشتہ
ہو گئے تھے۔ اور اس کام میں تو ایسا قائم و مستعد ہوا کہ کوئی
خلیفہ کسی پیغمبر کا نہ ہوا، تو مستعد رہا جب کہ تیرے یار سست
ہوئے اور تو سامنے ہوا جس وقت کہ وہ عاجز ہوئے یعنی ہمراہی سے
اور قوی کیا تو نے اُن کو جب کہ وہ کمزور ہوئے تو رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی راہ پر اُن کے یاروں میں مستقیم رہا اس واسطے کہ
تو خلیفہ برحق تھا، کسی نے تجھ سے جھگڑا نہ کیا نہ تیرا نہ ہونا چاہا،
اہل منافق ناخوش تھے، کافر ذلیل، حاسد رنجیدہ، فاسق خوار اور
باغی گمراہ، تو اس کام پر آمادہ ہوا اس وقت جبکہ سب پریشان ہو گئے تھے
جس وقت کہ سب کی زبانیں بند تھیں تو نے گویائی پائی تھی جس جگہ لوگ رکے تو
بے دھڑک چلا گیا سب تیرے پیرو ہوئے اور ہدایت پائی تو سب میں زیادہ آہستہ
بولنے والا تھا اور سبقت میں سب سے بہتر سب میں زیادہ کم سخن سب سے زیادہ
صحیح گو، خاموشی میں سب سے بڑھ کر باتیں سب سے زیادہ موثر، تدبیر میں سب سے
بڑا سب سے زیادہ شجاع سب میں بڑھ کر کارشناس سب سے عالی عمل، قسم ہے
خدا کی تو ہی پیشوا دین کا تھا اول میں جب کہ لوگوں نے دین سے نفرت کی تھی اور آخر میں
جب نامردی کی تھی تو مومنوں کا پدر مہربان تھا جب تیرے عیال ہو گئے تھے
اُن کے بوجھ اٹھائے حالانکہ اُس کے بوجھ اٹھانے میں وہ کمزور تھے متحمل یہ کہ جن
بوجھ عیال کا نہیں اٹھ سکتا تھا اُن کا تو نے اٹھایا اس کی نگہبانی کی جس کو
انھوں نے مہمل چھوڑا، اور اس کی خبرداری کی جس کو انھوں نے ضائع کیا جب وہ
بے قرار ہوئے تو اُن سے بالا ہوا اپنے بیقراری میں [illegible]

وصبرت إذ جزعوا وأدركت أوطار
ما طلبوا ورجعوا أرشدهم برأيك
فظفروا ونالوا بك ما لم يحتسبوا وجليت
عينهم فأبصروا وكنت على الكافرين عذابا
صبا وللمؤمنين رحمة وأنسا وحصنا
فطرت والله بعنانها وفزت بحبائها
وذهبت بفضائلها وأدركت سوابقها
لم تفلل حجتك ولم تضعف بصيرتك
ولم تجبن نفسك ولم يزغ قلبك كالجبل
لا تحركه العواصف ولا تزيله القواصف
كنت كما قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم أمن الناس عليه في صحبتك و
ذات يدك وكما قال ضعيفا في بدنك
قويا في أمر الله متواضعا في نفسك عظيما
عند الله جليلا في أعين المؤمنين
كبيرا في أنفسهم لم يكن لأحد فيك
مغمز ولقائل فيك مهمز ولا لأحد
فيك مطمع الضعيف الذليل عندك
قوي عزيز حتى تأخذ بحقه والقوي
العزيز عندك ضعيف ذليل حتى تأخذ
منه الحق القريب والبعيد عندك سواء
أقرب الناس إليك أطوعهم لله وأتقاهم
له شأنك الحق والصدق والرفق و
قولك حكم وحتم وأمرك حلم و
حزم ورأيك علم وعزم فأبلغت والله

تو مستقیم رہا جب لوگ مضطر ہوئے، جو ان سب نے ڈھونڈھا
تجھ اکیلے نے پایا، تیری ہی تدبیر سے دوسری راہ پر رجوع کیا
پھر کامیاب ہوئے ایسے جس کا اُن کو گمان نہ تھا، تو نے ان پر
ہر چیز واضح کر دی سو بینا ہو گئیں اُن کی آنکھیں، تو ہی نے کافروں
پر عذاب برسایا اور مومنوں پر راحت اور انسیت و کشائش پھر
اڑا تو خدا کی طرف ان مراتب کی بلندی پر اور کامیاب ہوا قربتیں
اُس کے، اور لئے تو نے اُس کے فضائل اور سوابق تیری حجت
کبھی ناقص نہ ہوئی نہ تیری سوجھ بوجھ میں ضعف آیا نہ تیرے
نفس نے کبھی نامردی ظاہر کی، نہ تیرا دل کبھی کجی پر مائل ہوا،
دل کیا گویا ایک پہاڑ تھا جس کو نہ آندھی ہلا سکے نہ اُس کے
جھونکے سخت جگہ سے ٹال سکیں، اور تھا تو جیسا کہ فرمایا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں میں زیادہ احسان کرنے
والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی رفاقت میں، اور تھا
اور مایہ اُن کے ہاتھ کا چنانچہ فرمایا ضعیف اپنے بدن میں قوی
خدا کے کام میں بڑی فروتنی کرنے والا اپنے نفس میں عظیم خدا
کے نزدیک جلیل مومنوں کی آنکھوں میں بڑی قدر والا اُن کے
دلوں میں کسی کو تیرے حق میں طعن کا ٹھکانا نہ تھا نہ کسی کو سخت
کو تیرے امر میں مجال گفتگو نہ کسی کو موقع طمع کا جو تجھ پر قابو پائے جو
ضعیف و ذلیل تھے تیرے نزدیک قوی و عزیز تھے تو اُن کا حق اُن سے
چاہے، اور قوی و عزیز تیرے نزدیک ضعیف و ذلیل تا آنکہ اُن سے
اُن کا حق لے، قریب و بعید تیرے سامنے یکساں تھے جو سب میں زیادہ
مطیع خدا کا تھا اور پرہیزگار تر تھا وہ سب سے زیادہ تیرا قریب تھا،
تیرے اشعار حق پرستی اور سچ اور نرمی کی بات تھی،
تیرے حکم قطعی تھے، اور حکم تیرا حکمت اور دانائی، اور رائے
تیری علم اور عزم، پس نہیں پہنچایا تو نے ان کو مگر قسم ہے خدا کی

لَهُمُ السَّبِيلَ وَسَهَّلْتَ الْعَسِيرَ وَاَطْفَأْتَ النِّيرَانَ وَاعْتَدَلَ بِكَ الدِّيْنُ وَقَوِيَ الْاِيْمَانُ وَثَبَتَ الْاِسْلَامُ وَالْمُسْلِمُوْنَ فَظَهَرَ اَمْرُ اللهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ فَسَبَقْتَ وَاللهِ سَبْقًا بَعِيْدًا وَاَتْعَبْتَ مَنْ بَعْدَكَ اِتْعَابًا شَدِيْدًا وَفُزْتَ بِالْخَيْرِ فَوْزًا عَظِيْمًا جَلَّلْتَ عَنِ الْبُكَاءِ وَعَظُمَتْ رَزِيَّتُكَ وَهَدَّتْ مُصِيْبَتُكَ الْاَنَامَ فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

سیدھی راہ پر اور سہل کر دیا دشوار کو، بجھا دیا آتشِ فتنہ کو، اعتدال پایا تجھ سے دین نے اور مضبوط ہوا ایمان اور جم گیا اسلام اور مسلمان اور ظاہر ہوئے احکام خدا کے گرچہ کافر مکروہ جانتے تھے، پیش قدمی کی تو نے قسم ہے بڑی لمبی پیشی، اور رنج میں ڈالا اپنے پیرووں کو اور پہنچا بخوبی مرادِ عظیم کو، جس قدر ہم روئیں تو اُس سے برتر ہے اور بڑی مصیبت ہے، تیرے جانے کی، ہلا دیا تیری مصیبت نے جہان کو، ہم واسطے اللہ کے ہیں اور اُسی کی طرف رجوع ہونے والے ہیں۔

یہ ایک خطبہ ہے حضرت امیرؓ کا ابوبکرؓ کی تعریف و توصیف میں تمام خطبوں اور کلمات طیبات آنجناب سے جو ابوبکرؓ اور عمرؓ کی شان میں واقع ہیں اور اہل سنت کی کتابوں میں بطریق صحیح اور اعتدال کے موجود بلکہ متواتر اور مشہور ہیں۔ اگر سب کو ہم لکھیں تو ایک بڑی کتاب جامع درست کریں، اور ایک دفتر مستقل بنائیں جیسے نہج البلاغہ ہے رضی کی۔

سوال۔ اگر کوئی یہ کہے کہ شیعوں کی کتابوں میں جو روایتیں حضرت امیرؓ کی شکایت و فریاد کی مروی ہیں اگر کہا جائے کہ وہ سب موضوع اور نکالی ہوئی ان کے رئیسوں کی ہیں یہ بات تو دُور از عقل ہے کہ اتنے بڑے گروہ کثیر نے بالاتفاق حضرت امیرؓ پر افترا کیا ہو اور بہتان لگایا ہو۔ پس ضروری ہے کہ یہ منشا ان کی کسی غلطی کا ہو تو وہ غلطی کیا ہے۔

جواب پہلے بھی ہم نے ذکر کیا کہ ان کے راویوں نے روایاتِ تجسیم اور بداء وغیر ذلک میں ائمہؒ پر جھوٹ لگایا اور بےہودہ گوئی کی ہے معہذا ائمہؒ نے اُن کو جھوٹا ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ اعتقادِ الٰہیہ کا رتبہ اعتقادِ صحابہؓ سے بہت دُور ہے۔ مقدور یہ کہ اُن روایتوں کو جھوٹا ٹھہرانے والا بطریق اور شیعوں کے بھی ان کو پہنچا اور جو روایتیں ان کی کہ بعض صحابہؓ کے ٹھکانوں میں ہیں کوئی مکذب اُن کا شیعہ کی طرف سے ان کو نہ ملا یا ملا تو ہی ان کی سمجھ میں صریح تکذیب اُس کی نہ ہوئی۔ جیسا کہ صحیفۂ کاملہ اور نہج البلاغہ سے نقل کیا گیا۔

اور جب یہ فرقہ کا فرقہ بعض صحابہؓ پر متفق ہیں اور اُن کے حق میں نہایت بد اعتقاد تو جن روایتوں سے تکذیب اُن کی ہوتی ہے اُن کو کیوں روایت کریں گے اور کیونکر ظاہر کریں گے اپنے لوگوں کے جھوٹ کو پالنا سب کو منظور ہو گیا۔ اس سبب سے یہ جھوٹ اس فرقہ کا اجماعی ہو گیا اور اور جھوٹ جو تجسیم و بداء میں ہیں بعض تو اُن کی روایت کرتے ہیں بعض اُس کو جھوٹ ٹھہراتے ہیں اور جھوٹ ٹھہرانے کے ساتھ بھی اُس کی اصل منشا

میں غلط ہیں اور وہ یہ ہے کہ جناب امیرؓ نے اپنے خطبوں میں جو رضی نے نہج البلاغۃ میں جمع کئے ہیں اور وہ خطبے جن سے تکذیب شیعوں کی گمان کی ہو کہ یہی مراد حضرت امیرؓ کی تھی نکال ڈالے اور دُور کر دیئے ہیں جیسا کہ یہ خطبہ جو ابوبکرؓ کی تعریف میں گزرا شکایت قریش کی فرمائی ہے اور ان کے حق میں بددعا کی ہے یہ فرقہ اپنی بدگمانی سے سمجھتے ہیں کہ اِس سے خلفائے ثلثہؓ اور اُن کے مددگار مراد ہیں حاشا وکلا یعنی یہ بات ہرگز نہیں ہے اور آنجناب سے نہایت بعید ہے بلکہ اُن سے مراد امیرؓ کی نوجوان قریش کے ہیں جو صحابہؓ کے گروہ میں نہ تھے۔ حالانکہ خلافت خلیفہ اولؓ اور خلیفۂ ثانیؓ کی بھی ان کے شعور و تمیز کے وقت میں ہوئی حضرت امیرؓ کی خلافت میں کچھ عقل و رشد پیدا کر کے بڑے بڑے کاموں میں گھس پڑے اور حضرت امیرؓ اور ان کے اصحاب یعنی طلحہؓ و زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان شکر رنجیاں اور ناراضیاں پیدا کر دیں اور باعث فسادِ عظیم کے ہوئے۔ پھر بھی حضرت امیرؓ کی نصرت و معاونت اور اطاعت امر و نہی میں سستی کرتے اور بیٹھ بیٹھ رہتے تھے یہاں تک کہ معاویہ باغی اور اس کا لشکر شہروں پر مسلط ہو گیا سوائے نواح کوفہ اور عراق اور خراسان کے حضرت امیرؓ کے قبض و تصرف میں کچھ نہ رہا۔ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ جب امیرؓ نے کشتگانِ جمل کی سیر فرمائی تو عبدالرحمٰن بن عتاب بن اُسید کو حضرت عائشہؓ کی جانب سے کشتہ پایا بہت افسوس کیا اور روئے اور کہا کہ هٰذَا يَعْسُوبُ قُرَيْشٍ ثُمَّ قَالَ جَدَعْتُ اَنْفِيْ وَشَفَيْتُ نَفْسِيْ۔ (یہ پیشوا قریش کا ہے، پھر کہا کہ ہم نے اپنی ناک کاٹ ڈالی اور اپنے دل کو آرام دے لیا)۔

اصل دُکھ شیعوں کے عضلات میں یہی تو ہے کہ حضرت امیرؓ کے کلام کو اپنے اعتقاد اور رغبت کی باتوں پر اور اُن پر جو اُن کے چند رئیس گمراہی کے جمع کر گئے ہیں تابع کریں بلکہ آیات و حدیث کو بھی ایسے ہی سمجھتے ہیں اور اِس گمراہی کے دُکھ کا کچھ علاج نہیں ہے۔ ورنہ کیا ممکن ہے کہ صحابۂ کرامؓ جن کے وصف میں حق تعالیٰ فرماتا ہے وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (لازم پکڑی ہیں انھوں نے باتیں پرہیزگاری کی، وہ اس کے حقدار اور اہل تھے) اور نیز ان کی شان میں فرمایا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (بڑی سختی کرنے والے کافروں پر مہربان آپس میں)۔ اور یہ بھی فرمایا حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ (ایمان تم کو محبوب ہے اور اُس نے تمہارے دلوں میں رونق پائی ہے اور مکروہ ہوا تم کو کفر اور فسق اور عصیان)۔ پس ایسے لوگ مصداق مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے خاندان کی ایذا کے ہو سکتے ہیں۔ جس کا یہ عقیدہ ہے اُس نے ضرور قرآن و حدیث متواترہ کو جھوٹا ٹھہرایا ہے، والعیاذ باللہ۔

دلیل پنجم۔ یہ کہ حضرت امیرؓ نے دعوٰی امامت کا کیا اور موافق دعوٰی کے معجزے ظاہر کئے جیسا کہ دروازہ خیبر کا اُکھیڑا اور بڑا پتھر اُٹھا لیا اور جنوں سے لڑے اور سورج کو لوٹایا، پس اپنے دعوے میں سچے تھے

لہٰذا امام یہی ہیں۔

اُنھوں نے یہ روش کلام کی استدلالِ اہلِ سُنّت سے اخذ کی ہے جو اُنھوں نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اثباتِ نبوّت میں کیا ہے۔ لیکن مشابہت خاص طرزِ سخن میں ہے نہ یہ کہ مقدمات بھی صحیح ہوں۔ کیونکہ اوّل تو اسی میں کلام ہے کہ اثباتِ امامت کے لئے معجزہ کیسا معجزہ تو اثباتِ نبوّت کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اثباتِ امامت کے واسطے یا دیگر مناصبِ شرعیہ کے لئے، جیسے قضا اور افتا اور اجتہاد اور سلطنتِ اطراف اور سرداریٔ لشکر، اور وزارت یعنی سلطنت کا بوجھ اُٹھانا اور مثل اِس کے، بدیں وجہ کہ جب مبعوث ہونا نبی کا بے واسطۂ خدا کی طرف سے ہے پس ثبوت اُس کا بدون تصدیق خدا کے کہ کوئی معجزہ پیدا کرے نہیں ہوسکتا ہے۔ بخلاف اِن مناصب کے کہ نبیؐ کے کہدینے اور سپرد کرنے سے اُمّت کو ثابت ہوتے ہیں۔ اور یہ جو صداقتِ نبیؐ پر معجزہ دلیل ہوتا ہے یہ عادت خاص خدا تعالیٰ کی طرف سے جاری ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے حق میں جاری ہے نہ کہ کسی غیر کے حق میں۔ پس دلالت یعنی معجزہ بھی انبیاءؑ کے حق میں منحصر ہے۔ شاہد اِس کلام کا یہ کہ اگر کوئی شخص کسی شخص پر دعوٰی کرے اور معجزے سے ثابت کرے ہرگز شرع میں معتبر نہ ہوگا کیونکہ شرع میں طریق ثبوت کا گواہ و دلائل ہیں نہ کہ معجزہ ظاہر کرنا۔ اسی طرح جملہ دعووں اور معاملوں میں۔ اور جب امامت بھی اختیارِ حلّ و عقد سے یا (جس کو ہندی میں کہتے ہیں کہ فلاں کے باندھے بندھتے ہیں اور اُسی کے کھولے کُھلتے ہیں) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کرنے سے متعلق ہے چاہے جس کو مقرر کردیں تو معجزہ اُس میں دلیل نہیں ہوسکتا۔

❁ دوسرے یہ کہ دعوٰی کرنا امامت کا خُلفائے ثلٰثہؓ کے وقت میں محض جھوٹ اور بڑا افترا ہے اِس کی تکذیب امامیہ کی روایتیں بھی کرتی ہیں اور تقیہ جو واجب ٹھہرایا ہے اُس کو باطل کرتا ہے اور اُس وصیت کے بھی خلاف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیرؓ کو سکوت کی فرمائی تھی کہ یہ سب امور بھی امامیہ میں ایسے ثابت ہیں جیسے وحی آسمان سے اُتری ہو۔

❁ تیسرے یہ کہ کرامات اور خوارق عادت کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مُسلّم الثبوت ہے سب نے مانا ہے۔ لیکن خُلفائے ثلٰثہؓ اور دیگر صحابہؓ اور اُمّت کے صالح لوگوں سے بھی متواتر و مشہور ہے۔ خیبر کا دروازہ تو زمانِ حیاتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں اُکھیڑا تھا اُس وقت امامت کا دعوٰی ممکن نہ تھا نہ اس کی گنجائش تھی۔ اور رہی جنّوں کی لڑائی تو اہلِ سُنّت کی کتابوں میں اِس کا کچھ پتہ نہیں ہے محض شیعوں کی روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی مصطلق کی لڑائی کو نکلے تو جبریل علیہ السّلام نے راہ میں خبر پہنچائی کہ فلاں کنوئیں میں جنّ جمع ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمھارے لشکر سے بُرائی کریں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیرؓ کو بھیجا کہ اُنھوں نے اُن کو قتل کیا۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو معجزہ پیغمبرؐ

کا ہوگا، اور ان کی کرامت اور جب امامت اُس وقت نہ تھی تو امامت کی گواہ کیونکر ہوجائے گی اس لئے کہ معجزہ تو دعوٰی کے ساتھ ہی ہونا چاہیئے بالاتفاق یہ شرط ہے۔ علی بن عیسٰی اربلی کشف الغمہ میں لایا ہے کہ یہ لڑائی بحکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تھی پس بلاشبہ معجزہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا۔ اور پتھر عظیم کا اُٹھانا بھی اہلِ سُنّت کی کتابوں میں نہیں ہے۔ امامیہ زیدیہ کی کتابوں میں دیکھا گیا ہے اخطب خوارزم کہ زیدی ہے اپنی کتاب میں لایا ہے کہ حضرت امیرؓ صفین کی طرف متوجہ ہوئے پانی ملتا نہ تھا اور ساتھ والے پیاسے تھے۔ پس امیرؓ نے ایک جگہ بتائی کہ یہاں کھودو نزدیک ایک راہ کے کہ اُس جنگل میں تھی۔ اُس کھودنے میں ایک بڑا پتھر ظاہر ہوا لوگ اُس کے اُٹھانے سے عاجز ہوئے۔ امیرؓ کو خبر کی۔ پس آپؓ اُترے اور اُس کو اُٹھایا اور بہت دُور پھینک دیا اُس کے نیچے ایک چشمہ پانی کا نکلا شیریں و سرد، سارے لشکر نے سیر ہوکر وہ پانی پیا۔ ایک راہب دیر یہ بات دیکھ کر مسلمان ہوا اور کہا کہ ہم نے اپنی اگلی کتابوں میں دیکھا ہے کہ ایک شخص ایسا اِس دیر کے پاس اُترے گا اور اِس پتھر کو اُٹھائیگا وہ دینِ حق پر ہوگا فقط۔

بالجملہ مثل اور کرامتوں حضرت امیرؓ کی یہ بھی کرامت ثابت ہو تو دعوٰی امامت کا یہاں مذکور نہیں ہے نہ مقابلہ میں اہلِ شام کے یہ قصہ وقوع میں آیا۔ اگر اہلِ شام کی تحدی کے موقع میں اِس قسم کے معجزے ظاہر ہوتے تو اہلِ سنّت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں نہ کہ شیعہ کی کہ ان کے مدعا سے مساوی نہ ہوتے اِس سبب سے کہ اس وقت بالاتفاق امامت حضرت امیرؓ کی تھی دوسرے جانب والے باغی اور ناحق پر۔

رہی ردِّ شمس والی روایت یعنی سُورج کا لوٹا دینا اس کی اکثر اہلِ سُنّت کے محدّثوں نے تصحیح کی ہے جیسے طحاوی وغیرہ اور یہ معجزاتِ پیغمبرؐ سے ہے بلاشبہ، کہ حضرت امیرؓ کو وقت نماز عصر کا آپؐ کی دعا سے مِلا تو نماز عصر کی حضرت امیرؓ نے ادا کی نہ کہ کرامت حضرت امیرؓ سے اُس وقت دعوٰی امامت کا کہاں تھا اور مقابل کون تھا اور منکر کون۔

❁ دلیل ششم۔ یہ کہ کہتے ہیں حضرت امیرؓ میں کسی شخص نے موافق ہو یا مخالف ایسی بات جو موجب طعن و قدح کے ہو روایت نہیں کی بخلاف خُلفائے ثلٰثہؓ کے کہ موافق لوگوں نے بھی اور مخالف نے بھی بہت بُرائیاں ان کی روایت کی ہیں کہ استحقاقِ امامت کی مانع ہیں۔ پس حضرت امیرؓ کہ بُرائیوں سے محفوظ ہیں امامت کے واسطے متعیّن ہیں نہ کہ غیر۔

یہ دلیل تو عجیب قسم کا ہے کیونکہ جو لوگ ان کی امامت یعنی خلفائے ثلٰثہؓ کے قائل ہیں کہ وہ اہلِ سنت و معتزلہ ہیں ان میں سے کسی نے ان کی بُرائیاں روایت نہیں کی ہیں۔ ہاں شیعہ نے جو خلفائے ثلٰثہؓ سے بُغض و عناد رکھتے ہیں بعض چیزوں کو موقع طعن کا ٹھہرایا ہے کہ حقیقت میں وہ چیزیں محلّ طعن نہیں

ہیں۔ چنانچہ باب مطاعن میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اگر وہ چیزیں ان میں قسم محل طعن سے ہوں گی تو انبیاء اور ائمہ رض میں بھی محل طعن ہوں گی۔ بلکہ اگر شیعوں کی کتابوں کو کوئی خوب مطالعہ کریگا تو انبیاء وائمہ رض کے طعن سے بھری پائے گا۔ چنانچہ جو کافی تھا اگلے بابوں میں گزرا۔

اور یہ جو کہا ہے کہ حضرت امیر رض کے مقدمہ میں مخالف و موافق سے کسی نے بُرائی کی روایت نہیں کی یہ دوسرا خبط ہے اس واسطے کہ اگر مخالف سے مراد اہلِ سُنّت ہیں تو صریح جھوٹ ہے اِس لئے کہ اہلِ سنّت معتقد صحت امامت حضرت امیر رض کے ہیں پھر اُن کی بُرائیاں کس طرح روایت کریں گے۔ اور اگر مُراد خارجیوں اور ناصبیوں سے ہے تو اُنھوں نے خود بڑے بڑے دفتر اور بڑے بڑے طومار اپنی صورتوں کی طرح اس میں سیاہ کئے ہیں کہ اُس خرافات کا اِس رسالہ میں لانا ہرچند بے ادبی ہے، لیکن ضرورت ہے اِس سبب سے "نقل کفر کو کفر نہ جان کر" بطریق نمونہ کچھ ان کی کتابوں سے نقل کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ محل طعن امامت حضرت امیر رض کے کتاب عبدالحمید مغربی ناصبی سے دو قسم کے پائے جاتے ہیں۔

✺ ایک قسم وہ ہے کہ تنہا نواصب ہی اُس کو بیان کرتے ہیں اور شیعہ کہ ان کے محب ہیں اُن سے انکار کرتے ہیں۔ پس ایسی روایتیں جو محض افترا و بہتان ہوں قابل اعتبار نہیں ہوتیں اور اُن سے دوسرے پر الزام عائد نہیں ہوتا۔ جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی شرکت اور شرکت قذف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا۔ قذف کے معنے گالیاں دینا اور زنا اور بدی کی تہمت لگانا۔ اور نزول اِس آیت کا وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (جو شخص ذمہ دار ہوا ہے بوجھ اُٹھانے کا جملہ منافقوں سے اُس کے واسطے ہے عذاب بڑا)۔

✺ دوسری قسم وہ ہے کہ اہلِ سُنّت اور شیعہ دونوں کی کتابوں میں بطریق صحیح ثابت ہے البتہ یہ قسم جواب طلب ہے جس کے شیعہ اور سُنّی دونوں جوابدہ ہوئے ہیں۔ شریف مرتضےٰ نے تنزیہ الانبیاء والائمہ میں علمائے شیعہ سے، اور ابن حزم رح نے کتاب الفصل میں علمائے اہلِ سُنّت سے بہت اُن مطاعن کو دفع کیا ہے۔

ان مطاعن میں سے ایک یہ ہے کہ بعد مارے جانے حضرت عثمان رض کے ان کے مال و ہتھیار پر یعنی حضرت امیر رض متصرف ہوئے۔ حالانکہ مال مسلمان کا کسی طرح حلال نہیں ہوتا۔ ہرچند اُن کے وارثوں نے مانگا لیکن ان کو نہیں دیا۔ چنانچہ ولید بن عقبہ نے اِس مقدمہ میں چند شعر کہے ہیں۔ ابیات

اَلَا مَا لِلَیْلِیْ لَا تَغُوْرُ کَوَاکِبُہٗ	خبردار ہو نہ معلوم کہ میری رات کا کیا حال ہے کہ ستارے اُس کے
اِذَا غَارَ نَجْمٌ لَاحَ نَجْمٌ یُرَاقِبُہٗ	ڈوبتے نہیں جاتے سوا سطے کہ ڈوبتا ہے ایک ستارہ تو نمودار ہوتا ہے دوسرا ستارہ مقابل اُس کے۔

بَنِیْ ھَاشِمٍ رُدُّوْا سِلَاحَ ابْنِ اُخْتِکُمْ	اے بنی ہاشم پھیر دو ہتھیار اپنے بھانجے کے اور لُوٹو
وَلَا تَنْھَبُوْہُ لَا تَحِلُّ مَنَاھِبُہٗ	مت اُس کو کہ اُس کی لُوٹ حلال نہیں ہے
بَنِیْ ھَاشِمٍ لَا تَعْجَلُوْنَا فَاِنَّہٗ	اے بنی ہاشم ہمارے ساتھ جلدی مت کرو بیشک ہمارے سامنے
سَوَاءٌ عَلَیْنَا قَاتِلُوْہُ وَسَالِبُہٗ	جنھوں نے اُس کو قتل کیا اور جنھوں نے لُوٹا دونوں برابر ہیں
وَاِنَّا وَاِیَّاکُمْ وَمَا کَانَ مِنْکُمْ	ہم میں اور تم میں جو کچھ تم سے ہوا ہے مثل زخم و شگاف
کَصَدْعِ الصَّفَا لَا یَرْاَبُ الصَّدْعَ شَاعِبُہٗ	کے ہے کہ اُس کو ملا نہیں سکتا اُس کا کوئی بھرنے والا
بَنِیْ ھَاشِمٍ کَیْفَ التَّعَاقُدُ بَیْنَنَا	اور اے بنی ہاشم کیسے ہم میں تم میں صلح ہو سکتی ہے ہمارے
وَعِنْدَ عَلِیٍّ سَیْفُہٗ وَحَرَائِبُہٗ	بیچ میں جب کہ علی رض کے پاس تلوار ہے اور نیزے اس کے
لَعَمْرُکَ لَا اَنْسٰی ابْنَ اَرْوٰی وَقَتْلَہٗ	قسم تیری جان کی کہ میں نہیں بھولا ہوں عثمان رض کو اور
وَھَلْ یَنْسَیَنَّ الْمَاءَ مَا عَاشَ شَارِبُہٗ	اُس کے قتل کو کیا بھول جاتا ہے پانی کو جب تک زندہ ہے اُس کا پینے والا
ھُمْ قَتَلُوْہُ کَیْ یَکُوْنُوْا مَکَانَہٗ	اُنھی نے اُس کو مارا ہے اور اُس کی جگہ بیٹھے ہیں
کَمَا فَعَلَتْ یَوْمًا بِکِسْرٰی مَرَازِبُہٗ	جیسا کہ کسریٰ کے ساتھ ایک دن اُس کے امیروں نے کیا تھا

اور اُنہی مطاعن میں سے ایک یہ ہے کہ اُمہات الاولاد کے حق میں یعنی وہ چھوکریاں جن سے اولاد ہوتی ہو، مختلف مذہب اختیار کئے اور کسی بات پر نہ ٹھہرے۔ اوّل میں اُن کی صحتِ بیع کے قائل تھے، پھر عمر رضی اللہ عنہ کے وقت جو سب میں بیع بیہودہ ٹھہری بالاجماع تو اُس اجماع میں داخل ہوئے پھر اپنی خلافت میں صحتِ بیع کا فتویٰ دیا۔ اِسی واسطے قاضی شریح نے ان سے بحث کی اور کہا رَاْیُکَ فِی الْجَمَاعَۃِ اَحَبُّ اِلَیْنَا مِنْ رَاْیِکَ وَحْدَکَ (رائے تیری جو صحابہ رض کے اجماع میں تھی وہ ہمارے سامنے اچھی ہے اِس رائے سے جو تجھ اکیلے کی ہے)۔ حالانکہ خود بھی کہا ہے اَلَا اِنَّ یَدَ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَۃِ وَغَضَبَ اللّٰہِ عَلٰی مَنْ خَالَفَھَا (خبردار ہو بیشک اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور اللہ اُس پر غضب نازل کرے جو جماعت کا مخالف ہو)۔ اور قرآن میں بھی موجود ہے وَمَنْ یَّتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ (جو کوئی پیروی کرے مسلمانوں کی راہ کے سوا، آخر آیت تک)۔ پس اُنھوں نے صریح مخالفت اجماع کی کی۔

اور اُنہی میں سے ایک یہ ہے کہ دادا کی توریث کے مسئلہ میں مختلف قضیے فرماتے اُن میں بھی کسی ایک پر نہ ٹھہرے۔ حالانکہ خود فرمایا ہے مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّتَقَحَّمَ جَرَاثِیْمَ جَھَنَّمَ فَلْیَقُلْ فِی الْجَدِّ (جو چاہے کہ گھس جاؤں میں دوزخ میں اُس کو چاہیئے کہ مسئلہ جد میں کلام کرے)۔

اور اُنہی میں سے ایک وہ ہے جو بخاری رح نے نقل کیا ہے اِنَّ عَلِیًّا اُتِیَ بِزَنَادِقَۃٍ فَحَرَّقَھُمْ بِالنَّارِ

(بیشک علیؓ کے سامنے لائے گئے چند مرتد سو انھوں نے اُن کو آگ میں جلا دیا) اور ابن عباسؓ نے اس مقدمہ پر بڑا انکار کیا ہے۔ اور حضرت امیرؓ بھی اس پر نادم ہوئے حالانکہ قصہ احراق بنار یعنی جلا دینے اغلامی کا شیعہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ شریف مرتضےٰ نے تنزیہ الائمہ میں روایت کی اِنَّ عَلِیًّا اَحْرَقَ رَجُلًا اَتٰی غُلَامًا فِیْ دُبُرِہٖ (بیشک علیؓ نے جلا دیا ایک شخص کو جس نے اِغلام کیا) حالانکہ حدیث صحیح ہے متفق علیہ لَا تُعَذِّبُوْا بِالنَّارِ (مت عذاب کرو آگ سے)۔

اور انہی میں سے ہے کہ ایک شخص بوڑھے کے اسّی دُرّے مارے اور جب وہ شخص مرگیا تو اُس کا خون بہا اُس کو دیا اور کہا اِنَّمَا وَدَیْتُہٗ لِاَنَّ ھٰذَا شَیْءٌ فَعَلْنَاہُ بِرَاْیِنَا (میں نے دیت اُس کی دی کہ یہ ایک بات میں نے اپنی عقل سے کی ہے) حالانکہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں خود عمرؓ کو یہ مشورہ دیا کہ شراب کی حد میں اسّی دُرّے مقرر کرنے چاہئیں اس دلیل سے کہ اِنَّہٗ اِذَا سَکِرَ ھَذٰی وَاِذَا ھَذٰی افْتَرٰی (جو شخص مست ہوتا ہے بیہودہ بکتا ہے اور جو بیہودہ بکتا ہے بہتان کرتا ہے) پس اپنے اجتہاد میں مشکوک تھے۔

اور انہی میں سے یہ بھی ہے کہ ولید بن عقبہ کے صرف چالیسؔ کوڑے مارے اور بس کیا۔ لہٰذا امر الٰہی میں خوشامد و سستی کی بسبب رواداری عثمانؓ کے کہ ولید بن عقبہ اُن کا رشتہ دار تھا۔

اور اُن مطاعن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک شخص نے کہ اقرار موافق حد یا قصاص کے کیا تھا گر قصاص اُس سے معاف کر دیا کہ یہ خلاف شرع کے ہے اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ (عوض نفس کے نفس ہے)۔

اور منجملہ اُن مطاعن کے ایک یہ ہے کہ مولاۃ حاطب کو رجم فرمایا۔ حالانکہ وہ کنیز تھی اور کنیز پر رجم نہیں ہے۔

اور منجملہ اُن کے یہ کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے مکاتب کے معاملہ میں ان کو صاف الزام دیا کہ ھُوَ عَبْدٌ مَا بَقِیَ عَلَیْہِ دِرْھَمٌ (وہ غلام ہے جب تک اُس پر ایک درہم بھی ہے) حالانکہ مذہب امیرؓ کا یہ تھا کہ ھُوَ بِقَدْرِ مَا اَدّٰی حُرٌّ وَبِقَدْرِ مَا لَمْ یُؤَدِّ عَبْدٌ کَمَا ھُوَ مَنْقُوْلٌ فِی الصِّحَاحِ (جس قدر اس نے ادا کیا اس قدر یہ آزاد ہوا اور باقی کے برابر یہ غلام ہے جیسا کہ صحاح میں منقول ہے)۔

اور اُن میں سے ایک طعن یہ ہے کہ پہلے تو دو پنچوں کی پنچایت ٹھہرائی پھر فرمانے لگے لَقَدْ عَثَرْتُ عَثْرَۃً لَا تَنْجَبِرُ وَلَسَوْفَ اَکِیْسُ بَعْدَھَا وَاَسْتَجْمِعُ الْاَمْرَ الشَّتِیْتَ الْمُنْتَشِرَ (میں نے ایسی ٹھوکر کھائی ہے جس کا تدارک نہیں ہو سکتا، اب بعد اس کے ایسی ہوشیاری کروں گا جو مضبوط ہوگی اور کام پراگندہ پریشان کو جمع کروں گا) حالانکہ خلاف پنچایت کا جائز نہیں ہے۔

اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیعہ نے روایت کی ہے اِنَّ عَلِیًّا قَطَعَ یَدَ السَّارِقِ مِنْ اُصُوْلِ الْاَصَابِعِ (چور کا ہاتھ کاٹا انگلیوں کی جڑ سے) معلوم ہوا کہ وہ چور کی حد قائم کرنا نہیں جانتے تھے۔ اور جو حدود شرع کے قائم کرنا نہ جانے وہ لائق امامت کے نہیں۔

اور منجملہ اُن کے یہ ہے کہ بعض لڑکوں کی گواہی قبول کی حالانکہ ظاہر کہا ہے کہ لڑکوں کی گواہی معتبر نہیں ہے اور خدا تعالیٰ نے فرمایا وَاسْتَشْھِدُوْا شَھِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ الخ (گواہ چاہو تم دو گواہ اپنے مردوں سے)۔

اور یہ ہے کہ دیت چشم میں نصف دیت کا لینا قصاص گیرندہ اعور کو یعنی کانے کو مقرر کیا۔ حالانکہ یہ صریح خلاف شرع ہے کہ اَلْعَیْنُ بِالْعَیْنِ (آنکھ کے بدلے آنکھ ہے) اور یہ کہ چور کی حد نابالغ لڑکے پر جاری کی کہ یہ شیعہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ حالانکہ خود ہی روایت فرماتی رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلٰثَۃٍ عَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَبْلُغَ الخ (اُٹھالی گئی ہے قلم تینؔ آدمیوں سے ایک لڑکا کہ جب تک بالغ نہ ہو)۔

اور انہی میں سے یہ ہے کہ رَوٰی مُحَمَّدُ ابْنُ بَابَوَیْہِ الْقُمِّیُّ فِی الْفِقْہِ اَنَّہٗ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَقَرَّ بِالسَّرِقَۃِ اِقْرَارًا یُقْطَعُ بِہِ الْیَدُ فَلَمْ یَقْطَعْ یَدَہٗ (آیا ایک شخص پاس امیر المومنینؓ کے اور ایسا اقرار کیا چوری کا جس سے اُس کا ہاتھ کاٹا جاتا سو انھوں نے اُس کا ہاتھ نہیں کاٹا)۔ حالانکہ رعایت شرع میں گناہ کبیرہ ہے۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ نجاشی حارثی شاعر کو پکڑ کر لائے کہ رمضان میں اس نے شراب پی تھی اس کی سزا میں بیسؔ دُرّے حدِ شرعی سے زیادہ مارے اور حدِ الٰہی میں زیادتی کی جو جائز نہیں ہے۔

اُن میں سے ایک یہ ہے کہ شریف مرتضےٰ نے تنزیہ الانبیاء والائمہ میں نقل کی ہے اَنَّہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ اُتِیَ بِمَالٍ مِّنْ مُّھُوْرِ الْبَغَایَا فَقَالَ ارْفَعُوْہُ حَتّٰی یَجِیْءَ عَطَاءُ غَنِیٍّ وَبَاھِلَۃَ (لایا گیا ایک مال قسم اُجرت زانی عورتوں سے، کہا اُٹھالو اس کو جب تک آئے تنخواہ قوم غنی کی اور اُن کے اہل کی) حالانکہ اس قسم کا مال سخت حرام ہے۔

اور یہ ہے کہ درہموں میں سُود کا حکم صریح خلاف حکم رسولؐ کے کیا۔ چنانچہ فرمایا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لَا تَبِیْعُوا الدِّرْھَمَ بِالدِّرْھَمَیْنِ (مت بیچو درہم کو عوض دو درہم کے)۔

اور یہ کہ ایسی باتیں کی ہیں کہ جو مشتمل بر دعوائے اُلوہیت ہیں۔

کَمَا ثَبَتَ عَنْہُ ذٰلِکَ فِیْ خُطْبَۃِ الْبَیَانِ الَّتِیْ رَوَاھَا اَصْبَغُ بْنُ نُبَاتَۃَ مِنْ رِّجَالِ الشِّیْعَۃِ | جیسے کہ ثابت ہوا اُن سے یعنی حضرت امیرؓ سے خطبۃ البیان میں وہ خطبہ جس کی روایت کی اصبغ بن نباتہ نے کہ شیعہ لوگوں سے تھا

اَنَا اَخَذْتُ الْعَهْدَ عَلَى الْاَرْوَاحِ فِى الْاَزَلِ اَنَا الْمُنَادِىْ لَهُمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ	میں نے عہد لیا روحوں سے ازل میں، میں نے اُن کو پکارا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ یعنے کیا نہیں ہوں میں تمہارا پیدا کرنے والا)۔

اِسی طرح یہ قول اُن کا اَنَا مُنْشِئُ الْاَرْوَاحِ (میں پیدا کرنے والا ارواح کا ہوں) اور قول اُن کا خطبۃ الافتخار میں جیسے روایت کی اُس کی رجب بن محمد رجب برسی حلّی نے اپنی کتاب مشارق الانوار الیقین میں معلّلہ کشف میں امیر المومنین ؓ سے :۔

اَنَا صَاحِبُ الصُّوْرِ اَنَا مُخْرِجُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ وَقَوْلُهٗ اَنَا حَىٌّ لَا يَمُوْتُ اَنَا جَاوَزْتُ بِمُوْسَى الْبَحْرَ وَاَغْرَقْتُ فِرْعَوْنَ وَجُنُوْدَهٗ اَنَا اَرْسَيْتُ الْجِبَالَ الشَّامِخَاتِ وَفَجَّرْتُ الْعُيُوْنَ الْجَارِيَاتِ اَنَا ذٰلِكَ النُّوْرُ الَّذِىْ اِقْتَبَسَ مُوْسٰى مِنْهُ الْهُدٰى۔	میں ہی صاحب صُور ہوں، میں ہی مُردوں کا قبروں سے نکالنے والا ہوں، میں نے ہی موسیٰؑ کے واسطے دریا کو پھاڑ دیا، میں نے ہی فرعون کو اور اُس کے لشکر کو ڈبویا، میں نے ہی بڑے بڑے پہاڑ قائم کئے، میں نے ہی چشمے جاری کئے اور بہائے، میں ہی وہ نور ہوں کہ جس سے موسیٰؑ نے نُورِ ہدایت کا چُنا۔

اور از انجملہ یہ ہے کہ اپنے رشتہ دار یمن اور عراق وغیرہ میں منصوب کئے اور طلحہؓ اور زبیرؓ کی سرداری پر کوفہ اور بصرہ میں راضی نہ ہوئے۔ حالانکہ یہ متولی ہونے میں امارت کے زیادہ حقدار تھے۔ اور یہ کہ اپنی امامت میں قاتلانِ عثمانؓ سے قصاص نہ لیا اس واسطے کہ کوئی موجبات قتل کے عثمانؓ پر ثابت نہ تھے جو اُن کو قتل کیا۔

اور منجملہ اُن کے یہ کہ ابو موسیٰ اشعریؓ کی اہانت کی، مال اُن کا لُوٹ لیا اور گھر جلا دیا اور ابو مسعود انصاریؓ کی بھی اہانت کی۔ اور یہ کہ قصّۂ افک میں تسلیم کرنے والوں میں سے تھے (افک کے معنے دروغ وبہتان) موافق دلیل بخاری کے وَكَانَ عَلِىٌّ مُسَلِّمًا فِىْ شَأْنِهَا رہے تھے علیؓ اس حال کے تسلیم کرنے والے حضرت عائشہؓ کے مقدمہ میں) خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ الخ۔

اور یہ کہ قتلِ عثمانؓ سے ایک دفعہ انکار کیا جب اُن کے قاتل ناراض ہوئے تب کہا قَتَلَهُ اللّٰهُ وَاَنَا مَعَهٗ (خُدا نے اُس کو مارا اور میں اُس کے ساتھ ہوں)۔

الغرض میری ایسی زبان کہاں ہے جو مطاعن ناصبیوں کے بیان کرے اِس واسطے کہ خلاف صدق واخلاص کے ہیں۔ پس یہ قماش تو اُن کے مطاعن کا آنجنابؓ کے علم ودیانت میں ہے لیکن جو شبہات کہ اُن بدبختوں کو امامت باطل کرنے میں ہیں بہت ہی طویل ہیں کہ اِس رسالۂ مختصر میں اگر مع جوابوں کے لائے جائیں تو بڑا طول کھینچے۔ اِس کے ساتھ یہ کہ جس واسطے یہ رسالہ بنا کیا ہے اُس سے بھی خارج۔ اِس لئے کہ

اِس میں بحث تو روافض سے ہے نہ کہ خوارج سے مگر خدا کے فضل سے اہلِ سُنّت وجماعت نے بتفصیل تمام اِن خرافات کی جڑ نکالی ہے کہ اُن کی کتابوں مبسوطہ میں موجود ہیں۔ اور مجمل جواب اِن مطاعن مذکور کا موافق اصول اہل سُنّت کے خوب ظاہر ہے۔

❋ اوّل طعن کا جواب یہ ہے کہ ہتھیار و مال حضرت عثمانؓ کے اس قسم سے ہوں گے جو قابل بیت المال کے ہوں اسی سبب سے آپ نے تصرّف کیا۔ اور یہ لوازم خلافت سے ہے کہ جو کوئی خلیفہ ہو وہ اس پر متصرّف ہو۔ جیسے کہ تخت وچتر اور فیل اور اسپ اور توپخانہ کہ ہمارے زمانہ میں بادشاہ اُس پر متصرّف ہوتا ہے۔ اور ایسا مال بعد فوت خلیفہ اوّل کے خلیفہ ثانی کو پہنچتا ہے نہ کہ وارثوں کو، نہ کہ خاص ملکیت عثمانؓ پر تصرّف کیا ہو۔ لیکن حضرت عثمانؓ کے وارث بے سمجھے اِس امر کے درخواست مال کی کرتے تھے۔

❋ دوسرے طعن کا یہ جواب ہے کہ اہلِ سُنّت حضرت امیرؓ کو مجتہد اعتقاد کرتے ہیں اجتہاد میں ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف رجوع کرنا جائز اور واقع ہے۔ جیسے شیخینؓ اور عثمانؓ کو بھی بارہا وقوع میں آیا۔

❋ اور وہ اجماع کہ عمرؓ کے وقت میں منع بیع اُمّہات اولاد پر منعقد ہوا تھا حضرت امیرؓ کے نزدیک اجماع قطعی نہ ہو شاید اجماع ظنّی ہو اِس واسطے آپؓ نے اُس کی مخالفت کی۔ اِس لئے کہ اجماع ظنّی کی مخالفت ہو سکتی ہے مثل اجماع سکوتی کے۔ اور اکثر اصول والوں کی نزدیک شرط ہے باقی رہنا اہلِ اجماع کا اپنے قول پر اُس کی حجیت میں۔ اور جب حضرت امیرؓ اُس اجماع والوں سے تھے اور اُن کا اجتہاد معتبر ہوا تو وہ اجماع ان کے حق میں حجت نہ رہا۔

❋ اور جدّ کی وراثت کی بابت ابو بکرؓ اور زیدؓ بن ثابت کے حکم میں اختلاف باہمی بہت ہیں عمرؓ ابن خطاب کے زمانہ میں اِس مقدمہ میں بہت مناظرے ہوتے اور بڑی بحثیں طُول کو پہنچیں در صورت خلاف مجتہدین کے کہ سب مختلف ہوں اور ایک مجتہد کو ترجیح کے ساتھ جانبین حکم کے کسی اوقات مختلفہ میں نظر آتے تو کیا مضائقہ ہے۔ اور یہ جو فرمایا ہے اَرَادَ اَنْ يَّتَقَحَّمَ الخ اِس سے مراد یہ ہے کہ مسئلہ جدّ کا ایسا ہے جس میں اختلاف بہت ہیں اور ترجیح کی وجہ ہر طرف سے قائم اور کوئی نص اس مقدمہ میں نازل نہیں پس باوجود اِن سب کے جو کوئی حکم قطعی کرے بیباک و بے احتیاط ہے کہ یہی ہے شان احتیاط والوں کی جو علمائے راسخ سے ہیں کہ جن اجتہاد کی باتوں میں اختلاف ہوتا ہے دونوں طرف سے کسی طرف امر قطعی نہیں کرتے ہیں۔

اور مُرتدوں اور لُوطی کا جلا دینا بھی اجتہاد سے تھا جب خبر صحیح سُنی تو اُس پر نادم ہوئے اور جمیع اخبار کا احاطہ کر لینا اور سب سے واقف ہونا اجتہاد میں شرط نہیں ہے۔ بدیں دلیل کہ ابو بکرؓ کو میراث

وادا کی معلوم نہ تھی۔ جب مغیرہؓ بن شعبہ اور محمدؓ بن مسلمہ نے اُس کی خبر دی تو مان لی۔ حالانکہ ابوبکرؓ ناصبیوں وخارجیوں دونوں کے اجماع سے مجتہد ہیں۔

اور دیت محدود فی الخمر بھی احتیاط کی راہ سے تھی نہ کہ اجتہاد کے شک سے اور احتیاط پر عمل کرنا کمال تقوای و پرہیزگاری ہے کہ شایانِ شان حضرت امیرؓ اور اُن کی امثال کے ہے۔

ولید بن عقبہ کے چالیسؔ دُرّوں پر اس واسطے اکتفا کی کہ اُس کی حد کی گواہی میں شبہ پیدا ہوا تھا اس واسطے کہ ایک گواہ نے گواہی شراب پینے کی دی تھی اور ایک گواہ نے شراب کی قے کرنے پر۔ ہر چند خود حضرت عثمانؓ نے اِس شبہ کو حد میں معتبر نہ رکھا فرمایا مَا تَقَيَّأَهَا إِلَّا وَقَدْ شَرِبَهَا (قے شراب کی نہیں کی ہے مگر جب ہی تو کہ شراب پی ہے) لیکن حضرت امیرؓ نے بنظرِ احتیاط دونوں حدوں سے اقل پر اکتفا کیا۔

اور خدا کی پناہ کہ حضرت امیرؓ اور حد جاری کرنے میں پاسداری قرابت عثمانؓ کی کریں۔ حالانکہ حضرت عثمانؓ کو نہایت تاکید پوری حد پر کی ہے۔ چنانچہ کتبِ سیر و تواریخ میں جو متفق علیہا ہیں یعنے جن پر ناصبی و سُنی متفق ہیں موجود ہے۔

اور قصاص کا معاف کرنا حضرت امیرؓ کی جانب سے نہیں تھا بلکہ مقتول کے والیوں کی طرف سے تھا حسبِ مشورہ حضرت امیرؓ کے چنانچہ یہ قصہ معتبر کتابوں میں اس طرح مروی ہے کہ ایک شخص نے کسی شخص کو بسبب عداوت کے جو باہم تھی کسی ویرانے میں مار ڈالا اور قاتل بھاگ گیا۔ جب مقتول کے والی اُس کی تلاش کو گئے اُس ویرانے کے قریب ایک ویرانہ تھا۔ دیکھا کہ ایک شخص چھری خون آلودہ ہاتھ میں لئے پیشاب کر رہا ہے، اُس کو پکڑ کر لائے۔ اور اُس کے کپڑے بھی خون میں بھرے تھے۔ جب حضرت امیرؓ کے حضور میں آیا تو سوائے اقرار کے اُس کو کچھ بن نہیں پڑا، کہا کہ ہاں میں نے مارا ہے جو کچھ حکم شرع کا ہو اُس کا تابع ہوں، اس واسطے کہ یہ خون آلودگی میری خود میری گواہ ہے، مجھ کو وہاں سے جہاں وہ مارا گیا اس حالت سے پکڑا ہے کس طرح انکار کروں۔ اسی حال میں جس نے اُس کو مارا تھا، اِس ماجرا پر مطلع ہو کر دوڑتا ہوا آیا اور حضرت امیرؓ کے حضور میں اقرار کیا کہ یا امیرالمومنینؓ اُس شخص کا قاتل میں ہوں یہ مُفت میں بے گناہ پکڑا گیا ہے مجھ کو قصاص فرمایئے اس کو چھوڑ دیجئے۔ حضرت امیرؓ نے پہلے شخص سے حال پوچھا کہ تیرا قصہ کیا ہے اور تجھ کو کیا پڑا تھا جو تُو نے اقرار کیا۔ اُس نے کہا کہ اے امیرالمومنینؓ میں نے اپنے گھر میں ایک بکری ذبح کی تھی اِس حال کی مجھ کو ہرگز خبر نہ تھی اور کپڑے میرے خون میں رنگے ہوئے تھے اور چھری خون آلودہ ہاتھ میں، اُس بکری کو صاف کرتا تھا کہ دفعتہً مجھ کو پیشاب کی ضرورت ہوئی، میں اُس ویرانے میں جب پیشاب کرنے گیا تو دیکھا کہ ایک شخص ملا ہوا پڑا ہے، میں ڈرا اور اُس ویرانے سے نکل کر دوسرے ویرانے میں

جو اُس کے قریب ہے پیشاب کر کے چاہتا تھا کہ اپنے گھر جاؤں اور بکری بناؤں۔ دفعتہً وارث مقتول کے آپہنچے اور مجھ کو پکڑ لیا، میں نے دیکھا کہ علامتیں قتل کی مجھ میں موجود ہیں اور سوائے اقرار کے چارہ نہیں ہے لہٰذا اقرار کر دیا۔ حضرت امیرؓ خدا کا شکر بجا لائے اور اُس قاتل مُقِر کی تعریف کی کہ ہر چند تُو نے ایک آدمی کو مار ڈالا لیکن ایک کی جان بھی بچائی۔ اگر تُو نہ آجاتا اور اقرار نہ کرتا تو یہ بے گناہ مُفت میں مارا جاتا تو اِس لائق ہے کہ قصاص تجھ سے معاف کیا جائے۔ مقتول کے والیوں نے جب کلام حضرت امیرؓ کا سُنا تو اُس خون سے درگزر کیا اور قصاص معاف کیا۔ پھر اِس قصّے میں کونسی طعن کی جگہ ہے۔

اور مولاۃ حاطب کو جو رجم کیا جانا ہے کہ اُس کے آزاد ہونے کے بعد ہو۔ یا حضرت امیرؓ کو اُس کے کنیز ہونے کی اطلاع نہ ہوئی ہو۔

اور جو زید بن ثابتؓ نے آپ سے مناظرہ کر کے ایک مسئلہ میں آپؓ کو الزام دیا اس سے آپ کی کچھ حقارت نہیں ہوتی کہ پیروی حق کی کرنا شانِ اولیاء سے ہے۔ خلیفۂ ثانی عمرؓ بن خطاب سے منقول ہے کہ ایک عورت کے کہنے سے قائل ہو گئے۔ اور فرمایا كُلُّ النَّاسِ أَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ حَتَّى الْمُخَدَّرَاتُ فِي الْحِجَالِ (ہر شخص عمرؓ سے زیادہ جاننے والا ہے یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں جو حجلوں میں ہیں)۔

اور خلاف پنچایت کا جب لازم آتا کہ دونوں پنچ فکر و تامل سے کوئی بات ٹھہراتے اور فیصلہ کرتے جب ایک پنچ نے جو معاویہؓ کی طرف سے تھا دوسرے پنچ کو داؤں پیچ سے دھوکا دیدیا اور وہ فکر و تامل نہ کرنے پایا تو پنچایت کب ثابت ہوئی اور خلاف اُس کا کب لازم آیا۔

اور چور کا ہاتھ اُنگلیوں کی جڑ سے کاٹنا جلّاد کی خطا سے تھا نہ کہ موافق حکم حضرت امیرؓ کے جو ان کا جہل ثابت ہو۔

اور گواہی بعض لڑکوں کی بعض پر اُن باتوں پر جو اُن میں جاری ہوتی ہیں اب تک امام کے نزدیک مانی ہوئی ہے وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ یہ آیت خاص ہے لڑکوں کے کاموں کے سوا اوروں کے کاموں میں۔ اس واسطے کہ بالغوں کے سامنے لڑکوں کے کھیل متعذر ہیں۔ جیسے گواہی بعض کفار کی بعض پر مانی ہوئی ہے پس موقع طعن کا نہیں ہے۔ اِس واسطے کہ یہ مذہب بعض مجتہدوں کا ہے۔

اور نصف دیت کانے کی آنکھ کی لینا بسبب باریکی فقیہ کے ہے۔ کیونکہ کانے کی آنکھ اگرچہ منحصر ایک فرد پر ہے لیکن حکم دو آنکھ کا رکھتی ہے۔ پس جس نے بدلا اس سے لیا اُس نے اِس آنکھ کو جو دونوں آنکھوں کے مثل تھی اندھا کیا۔ پس گویا ایک آنکھ کو اپنے حق سے زیادہ اندھا کیا اُس پر دیت لازم ہوئی لیکن بسبب نصِ قرآن اَلْعَيْنَ بِالْعَيْنِ کے قصاص لینا اُس سے روا ہوگا۔ پس یہاں حقیقتہً اور شبہتہً دونوں پر ثابت

ہوا اگرچہ مجتہدوں میں سے یہ مذہب کسی کا نہیں ہے مگر نظیر اُس کی شرع کے قاعدوں موافق ثابت کرسکتے ہیں جیسے بنتِ لبون یعنے دو برس کی اُونٹنی صدقہ میں بجائے بنتِ مخاض یعنی یکسالہ کے لینا اور پھیر دینا قیمت زائد کا جائز ہے۔ حاصل کلام اجتہادی باتوں کو موقع طعن کا بنانا محض بے فائدہ ہے۔

اور اگر نابالغ لڑکے سے پُورا لینا حد کا صحیح ہے تو سیاست کی نظر سے ہوگا نہ کہ حکم شرع کی راہ سے۔ ہرچند قلم شرع کی بچوں سے اُٹھالی گئی ہے لیکن ڈرانے اور تنبیہ کے لئے خلفاؓ سے نہیں اُٹھالی گئی ہے بدلیل حدیث صحیح اِضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ (مارو واسطے نماز کے جب وہ دس برس کے ہوں)۔

اور روایت محمد بن بابویہ کی کہ چور مُعتَرِف کو حد نہ ماری اور بیس دُرّے رمضان میں شراب پینے والے پر بڑھادیئے۔ دونوں مقبول نہیں ہیں جو محتاج جواب کے ہوں۔ اگرچہ پچھلی میں توجیہ کرسکتے ہیں کہ یہ زیادتی حد مُقرّر پر ڈرانے کے واسطے تھی۔

اور روایت مُہورِ بغایا کی اہلِ سُنّت کی کتابوں میں مطلق موجود نہیں ہے۔ پس جواب اُس کا جھوٹا ٹھہرانا اِس روایت کا ہے۔ بلکہ اہلِ سُنّت کے نزدیک مخالف اِس روایت کا صحیح ہے:۔

رَوٰى اَبُوْ سَلَمَةَ مُوْسٰى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ اَبِىْ عَوَانَةَ عَنْ مُغِيْرَةَ عَنْ ثَابِتِ ابْنِ هُرْمُزَ قَالَ حَمَلَ الْمُخْتَارُ مَالًا مِّنَ الْمَدَائِنِ مِنْ عِنْدِ عَمِّهٖ اِلٰى عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ فَلَمَّا فَرَغَ اَخْرَجَ كِيْسًا فِيْهِ خَمْسَةَ عَشَرَ دِرْهَمًا فَقَالَ هٰذَا مِنْ اُجُوْرِ الْمُوْمِسَاتِ فَقَالَ لَهٗ عَلِىٌّ وَيْلَكَ مَالِىْ وَلِاُجُوْرِ الْمُوْمِسَاتِ ثُمَّ قَامَ الْمُخْتَارُ وَعَلَيْهِ مُقَطَّعَةٌ لَهٗ حَمْرَاءُ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ عَلِىٌّ مَالَهٗ قَاتَلَهُ اللّٰهُ لَوْ شُقَّ عَنْ قَلْبِهٖ الْاٰنَ لَوُجِدَ مَلْاٰنَ مِنْ حُبِّ اللَّاتِ وَالْعُزّٰى كَذَا فِى الْاِصَابَةِ فِىْ ذِكْرِ الْمُخْتَارِ۔

روایت کی ابو سلمہ موسیٰ بن اسمٰعیل نے ابی عوانہ اور مغیرہ اور ثابت بن ہرمز سے کہ مختار کچھ مال اپنے چچا کے پاس سے لاکر علیؓ بن ابی طالب کے پاس مدائن سے لایا۔ جب فارغ ہوا ایک کیسہ نکالا کہ اُس میں پندرہ درم تھے اور کہا کہ یہ اُجرت زانی عورتوں کی ہے۔ پھر کہا علیؓ نے خرابی ہو تجھ پر مجھ کو کیا کام ہے زانی عورتوں سے۔ پھر کھڑا ہوا مختار اور اُس پر ایک کپڑا تھا سُرخ رنگ پھر سلام کیا۔ آپ نے کہا کیا حال ہے اِس کا لعنت کرے اللہ اُس پر اگر پھاڑا جائے اُس کا دل اس وقت ضرور ملے گا محبت سے لات وعُزّیٰ کے بھرا ہوا۔ ایسا ہی ہے الاصابہ میں ذکرِ مختار میں۔

پس معلوم ہوا کہ جو روایت شیعہ کو پہنچی ہے وہ مختار کا افترا و بُہتان ہے مال مارنے کے واسطے

اور اپنی فضیحت مٹانے کے لئے ساختہ پرداختہ عام لشکر والوں کا اس نے اپنے تابعین کو بنادیا وہ رفتہ رفتہ سب میں پھیل گیا۔

اور درہموں کا سُود تھا کہ جن میں کھوٹاپن زیادہ تھا اور رواج اُن کا منقطع تھا اور اصل ثمنیت یعنی قیمت نہ رہی تھی۔ چنانچہ اب بھی شافعیوں کے نزدیک اُس پر فاضل لینا جائز ہے حرام نہیں۔ شاید یہ امر شافعیوں کا بھی حسب تجویز امیرؓ کے ہو۔ اور حدیث رسول اللہؐ میں جو لفظ دراہم کا ہے مراد اُس سے درہم خالص چاندی کا یا درم رائج کہ قیمت پُوری رکھتا ہو۔

اور خطبۃ البیان اور خطبۃ الافتخار مطلق اہلِ سنت کی کتابوں میں سے نہیں ہیں بلکہ اُن کو موضوع کہا ہے۔ اور امامیہ میں بھی جو ان کے راوی ہیں وہ جھوٹے ہیں پس افترا و بُہتان کو محل طعن بنانا بڑی نادانی ہے۔ بالفرض اگر صحیح بھی ہو تاہم ایسے کلام حقانی جذبوں اور مستی کے حال سے ہیں کہ اولیاء اللہ کو ظاہر ہوتے ہیں، اور حقیقتوں کی حقیقت سے کلام کرتے ہیں۔ شرع میں بھی اِس قسم مستی حالی وغلبۂ وارداتِ سے معذور کیا ہے۔ اور حدیث صحیح توبہ میں واقع ہے کہ اَنْتَ عَبْدِىْ وَاَنَا رَبُّكَ اَخْطَاَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ (تو میرا بندہ ہے میں تیرا پروردگار، خطا کی اس نے کثرت وشدّتِ فرح سے) یہ کلام ہے گویا حکایت زبان حال کی ہے۔ اور جیسے قول اُن کا قَالَتِ الْاَرْضُ لِلْوَتَدِ لِمَ تَشُقُّنِىْ قَالَتْ لَا تَسْاَلْنِىْ وَاسْاَلْ مَنْ يَدُقُّنِىْ (زمین نے میخ سے کہا کہ تو مجھ کو کیوں پھاڑتی ہے کہا مجھ سے مت پُوچھ جو مجھ کو ٹھونکتا ہے اُس سے پُوچھ) اور مراد مثلہٗ فِى الْحَدِيْثِ هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ اَىْ بِلِسَانِ الْاِشَارَةِ وَ اِلَّا فَالْاِطِّلَاعُ عَلٰى لِسَانِ الْعِبَارَةِ لِلْاُمَّةِ غَيْرُ مُمْكِنٍ حَتّٰى يَسْتَفْهِمَ عَنْهُ۔ (آیا جانتے ہو کیا فرمایا تمہارے پروردگار نے یعنی زبان اشارے سے اور اگر اشارہ نہ ہو اطلاع زبان کی عبارت پر اُمّت کو ممکن نہیں ہے کہ سمجھیں اُس سے)۔

اور اپنے عزیز واقارب کو حکومت وسرداری دینا بشرطیکہ اطاعت واجبی اختیار کریں بہتر ہے اُن لوگوں سے کہ اطاعت نہ کریں۔ چنانچہ عثمانؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت عثمانؓ کے قصاص میں جو تامل کیا بوجہ جستجو قاتل کے تھا کہ وہ خلیفہ کے ذمہ نہیں ہے بلکہ وارثانِ مقتول کے ذمہ ہے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ کی مالک اشتر اور اُس کے غلاموں نے اہانت کی بے حکم حضرت امیرؓ کے کوفہ میں اُن کا گھر جلادیا۔ حضرت امیرؓ کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ چنانچہ تاریخ طبری سے ثابت ہے۔ ابو مسعودؓ انصاری کی اہانت اِس سبب سے کی کہ وہ باغیوں کی طرفداری کرتا تھا۔

اور تسلیم حضرت عائشہؓ کی شان میں قبل نزول آیت سے تھی جس سے اُن کی برئیت ثابت ہوئی۔

اس صورت میں کچھ اندیشہ نہیں ہے لِاَنَّ الْخَبَرَ یَحْتَمِلُ الصِّدْقَ وَالْکِذْبَ (اِس واسطے کہ خبر میں احتمال جھوٹ سچ دونوں کا ہوتاہے)۔

یہ عبارت قَتَلَہُ اللّٰہُ وَاَنَا مَعَہٗ بطور توریہ کے تھی یعنے چھپاناکہ بنظر ضرورت عمل میں لائے جیسے ھٰذَا اُخْتِیْ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؑ کے معاملہ میں کہا (یعنے یہ میری بہن ہے) حضرت امیرؓ نے بھی بلوے اور فتنۂ فساد قاتلانِ عثمانؓ کے خوف سے جو لشکر میں تھے مصلحتاً فرمایا۔ بلکہ خوف یہ تھاکہ خود حضرت امیرؓ کے قتل کا قصد کریں۔

حاصل کلام نواصب و شیعہ دونوں فرقوں کی شیطان نے راہ ماری ہے۔ جو لوگ خدا کے دوست ہیں اُن کی عیب جوئی کی طرف کہ یہی اِس کی آرزو ہے' دوڑاکر اپنا کام اُن کے ہاتھوں سے لیتاہے۔ شعر

ہرکہ راخواہد خُدا پردہ درد ہ میلش اندر طعنۂ نیکاں برد

تتمۂ بحث الامامۃ

قدرِ مشترک یعنی کُلّیہ تمام فرقوں میں شیعہ کے جس پر ان کو اتفاق ہے یہی ہے کہ حضرت امیرؓ امام ہیں بلا فصل اور امامت خُلفائے ثلٰثہؓ کی باطل و بے اصل ہے۔ پس اسی قدرِ مشترک میں اہلِ سُنّت کے گفتگو ان کے ساتھ روشن اور واضح ہے۔ اور فروع اور شاخوں میں اِس کی جو مخالفت اِس فرقہ کی ہے نصوص قرآنی اور قول اہلِ بیت طاہرہ سے جو مذکور ہوتے ظاہر ہو گئی۔ لیکن بعد اِس قدرِ مُشترک کے بھی بڑے اختلاف اِس فرقہ میں پڑے ہیں۔ بعض نے ان میں سے بعض کو منسوب بگمراہی اور کُفر اور ابطال اور بدی کیاہے وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ (کافی ہے اللہ مومنوں کو لڑائی کے واسطے) حاصل یہ کہ وہ خود اُن کو سمجھ لیگا۔

پس اِس کتاب میں کہ گفتگو سُنّی شیعہ کی ہے اُن اختلافات کا ذکر کرنا کچھ ضروری نہیں ہے نہ کچھ اہلِ سُنّت کو اُن اختلافات سے ضرر کہ گوشت خر دندانِ سگ۔ لیکن بدیں نظر کہ کَثْرَۃُ الْاِخْتِلَافِ فِیْ شَیْءٍ دَلِیْلُ کِذْبِہٖ (کثرت اختلاف کی کسی شئے میں اُس کے جھوٹ ہونے پر دلیل ہے) نقل کرنا ان کے قولوں کا امامت کی شرطوں اور معنے امامت اور عدد اماموں میں منظور ہوا تو نشانیاں اِس مذہب کے جھوٹ کی بہت طرفوں سے قائم ہوں' اور وہ طعن کہ اہلِ سُنّت پر بابت اختلاف فقہ کے کرتے ہیں' لَوٹ کر انہی پر پڑیں نہایت فحش وجہ کے ساتھ۔ اِس واسطے کہ ان کو تو اختلاف اپنے اصُول میں ہے اور اختلاف اہلِ سُنّت کا فروع میں۔ اگلے پیغمبروں کے دین بھی فروع میں مختلف ہوتے ہیں لیکن اصُول

میں سب متفق۔ قولہ تعالٰی شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا (شروع کیا تمہارے واسطے وہ دین جس کی وصیت کی تھی نوحؑ کو)۔

غور کرو جس دین کے اُصول مختلف ہوں وہ عجب دین ہے کہ کسی اگلے انبیاءؑ کے دین سے مشابہ نہو پھر اسلام کا کیا ٹھکانا۔ پوشیدہ نہ رہے کہ شیعہ غُلاۃ کے نزدیک معنے امامت کے محض حکومت جو جاری کرنے احکام امر و نہی کے ہے اور ایک شان ہے شانِ اُلوہیت سے۔ اور سوائے غلاۃ کے کہتے ہیں کہ معنی امامت کے نیابت پیغمبرؐ کی ہے دین و دُنیا کے کاموں میں۔ اور زیدیہ کُل عصمت کو امامت میں شرط نہیں جانتے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اُس کے حق میں نص ہو۔ نہ یہ لازم کہ سب سے افضل ہو بلکہ تلوار و اظہار امامت کے ساتھ خروج کرنے کو عمدہ شروط امامت سے اعتقاد کرتے ہیں اور اسی مطالب پر دلیل قائم کرتے ہیں۔ اسماعیلیہ سوائے نزاریہ کے معصُوم ہونا امام کا شرط کرتے ہیں لیکن نزاریہ معصوم ہونے نہ ہونے کو برابر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام پر تکلیف فرعات شرع کی نہیں ہے چاہے زنا کرے' چاہے اغلام' چاہے شراب پیے اُس کو سب جائز ہے۔ شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی اپنے شیخ سے کہ ابو عبداللہ محمد بن نعمان بغدادی ہے جس کا لقب مفید ہے تہذیب میں نقل کرتا ہے کہ اُس نے کہا ہے ابوالحسن ہارونی اول اعتقاد میں شیعہ مذہب تھا اور قائل امامت کا آخر جب بہت سے اختلاف امامیہ نے امر واقعی کو اُس پر چھپالیا اور اِس گروہ کے خبروں کو نہایت ہی مختلف اور ایک دوسرے سے خلاف اور جھگڑتے ہوئے پایا تو آخر میں اہلِ سُنت کی طرف رجُوع کیا اور شافعی ہوا۔ اور جو لوگ کہ اتنی عمر میں اُس سے تلمذ و فائدہ پاتے رہے تھے وہ بھی اپنے شیخ کے تابع ہوئے اور بیزار ہو کر اِس مذہب سے پھر گئے۔

اور فی الواقع جو کوئی اِس مذہب میں خُوب غور کرے گا اور اِس مذہب کے جو صاحب خبر ہیں اُن کے اخبار اور مختلف قولوں پر مطلع ہوگا بہ یقین جان لے گا کہ اس طریقے میں راہ نجات کی بند ہے' اور راہ اخلاص کی' جھگڑوں کی کش مکش سے ناپید' پس ضرور اِس کو چھوڑدے گا اور دوسرا مذہب اختیار کرے گا۔

اب اس مجمل کو ہم مفصّل بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے اماموں سے روایتیں متعارض بہت رکھتے ہیں ہر امام سے مخالف دوسرے امام کے اور مخالف اللہ کی کتاب اور سُنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس میں گمان نسخ کا بالکل نہیں ہے۔ کیونکہ نبیؐ کے کلام کو سوائے نبیؐ کے کوئی نسخ نہیں کرسکتا اور امام کا حق نہیں ہے کہ احکامِ الٰہی یا سنّتِ پیغمبرؐ کو نسخ کرے نہیں تو امام امام نہیں ہے۔ اِس لئے کہ ظاہر ہے کہ امام نائب پیغمبرؐ کا ہے نہ کہ مخالف اُس کا اور نہ نبی مستقل۔ اور اگر نسخ کے بھی قائل ہوں تو ضرور پچھلے

امام کو پہلے امام کے کلام کا ناسخ کہیں گے۔ پس مدارِ عمل کا پچھلے امام کی روایتوں پر ہوگا۔ حالانکہ بہت جگہوں میں اتفاق اِس فرقہ کا روایتِ پہلے امام پر ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ احکام موبّدہ میں جس کی تائید ایک دوسرے سے ہو نسخ جائز نہیں ہے تاکہ معصوم کو جھوٹا ٹھہرانا لازم نہ آئے۔ سو ان کی روایتوں کے احکام موبّدہ میں بھی اختلاف واقع ہے۔ پس احتمال نسخ کا بالکل جاتا رہا۔

اب رہی وہ ترجیح دوؔ خبروں سے ایک کی دوسرے پر جیسے وثوق و مضبوطی ان کے راویوں کی ہو، سو مطلقًا بند۔ اس واسطے کہ چند کتابوں کو انھوں نے کَالْوَحْیِ مِنَ السَّمَاءِ یعنے آسمانی وحی کی طرح ٹھہرا رکھاہے کہ ہر ایک روایت کرتا ہے دوسرا اُس کو برابر خاک کے گِنتا ہے، پھر کیونکر اور کس پر وثوق کیا جائے۔ پس اگر موافق اعتقاد ان کے عام لوگوں کے ہم سب کو موثوق ٹھہرائیں تو ایک کو دوسرے پر ترجیح و فوقیت نہیں ہوسکتی۔ اور اگر بعض اخبار والوں کے کہے ہوئے پر بعض کے حق میں طعن و جرح شروع کریں کہ کبھی ایک کے کبھی دوسرے کے تو سب مطعون و مجروح ہوجائیں گے۔ پس کوئی سبیل ترجیح کی پیدا نہ ہوتی۔ ناچار گرا دینا روایتوں کا لازم آتاہے اور سب احکام ان کے بیکار ہو گئے۔

یہ جملہ روایتیں ان کی ایک فرقہ کی ہیں جو اثنا عشریہ ہیں کہ ہر عالم ان کا ایک روایت رکھتا ہے مخالف روایت دوسری کے، مثلاً ایک گروہ نے اسناد صحیح کے ساتھ روایت کی ہے کہ اَلْمَذِیُّ لَا یَنْقُضُ الْوُضُوْءَ (مذی سے وضو نہیں ٹوٹتا) دوسرا باسناد صحیح روایت کرتاہے یَنْقُضُ الْوُضُوْءَ۔ ایک جماعت راوی ہیں کہ سجدہ سہو کا نماز میں واجب نہیں ہوتا۔ ایک جماعت کہتی ہے واجب ہوتا ہے اور ائمہ رضؓ نے بھی سجدہ سہو کا کیا ہے۔ ایک جماعت کی روایت ہے کہ نمازی اگر نماز میں اپنی داڑھی یا کسی اور اعضاء کے ساتھ بازی کرے تو نماز جاتی رہتی ہے۔ ایک جماعت روایت کرتی ہے کہ اگر خایہ اور ذکر کے ساتھ بازی کرے تو نماز جائز ہے۔ پس وہ مثل ہوئی کہ کُجا ریش و کُجا خایہ۔ یہی حالت ان کی تمام اخبار میں پائی جاتی ہے نہ کہ ایک دو چیز میں۔ چنانچہ کتاب من لایحضرہ الفقیہ اس پر گواہ ہے۔

اور اگر جمیع فریق شیعہ کے اخبار کو جو روایت کیاہے نظر کریں تو عجب ہی تلاطم اور لوٹ پوٹ اور نہایت حیص بیص سارے اصول و فروع میں ظاہر ہوتا ہے جس کی انتہا نہیں معلوم ہوتی۔ بعض علماء ان کے کہ متصدی تمام روایات جمع کرنے کے ہوئے ہیں انھوں نے عجب سحر کاریاں کی ہیں۔ ان سب میں سردار اس کام کا شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی ہے جس کی تہذیب اور استبصار ہے۔ اور حد اس کی کوشش کی یہی ہے کہ تقیہ پر قیاس کیاہے۔ اور تقیہ کا حال یہ کہ بعض جگہوں میں ایسی چیز کو تقیہ پر قیاس کیاہے کہ وہ کسی مخالف کا مذہب نہیں ہے۔ یا کوئی مذہب ضعیف ہے کہ مخالف لوگوں سے ایک دو آدمیوں نے

اُس مذہب کو اختیار کیا ہے نہ کہ زیادہ نے۔ اور ظاہر ہے کہ ائمہ عظامؒ ایسے بھی ڈرنے والے نہ تھے کہ اس وہم سے کہ شاید یہ مذہب کسی کا ہو اور اسی وقت ہمارے سامنے آموجود ہوئے اپنی عبادتوں کو باطل و خراب کرتے مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ سُوْءِ الْاِعْتِقَادِ فِیْ جَنَابِ الْاَئِمَّۃِ وَالْاَوْلِیَاءِ (اللہ بچائے ایسی بد اعتقادی سے جو ائمہؒ اور اولیاءؒ کے جناب میں ہو) بعض جگہوں میں خبر کے ایک جملہ کو تو تابع تقیہ کا کیاہے اور دوسرے جملے کے مدلول کو کہ مخالف مذہب اہلِ سنّت کے ہے اپنے حال پر لگا لیاہے۔ اگر تقیہ تھا تو ایک جملہ میں تقیہ کرنا دوسرے جملہ میں اظہار کرنا اس کے کیا معنے۔ کیا حضرات ائمہ رضؓ ان کے اعتقاد میں بے عقل ہیں مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ۔ مثال اُس کی یہ ہے:۔

خَبَرُ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَہٗ بِغَسْلِ الْوَجْہِ مَرَّتَیْنِ وَبِتَخْلِیْلِ اَصَابِعِ الرِّجْلَیْنِ عِنْدَ غَسْلِھِمَا۔

خبر دی علی رضی اللہ عنہ نے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دوؔ دفعہ اُن کو مُنہ دھونے کا حکم کیا اور پاؤں دھونے کے وقت اُنگلیوں کے خلال کرنے کا یعنے پاؤں کی اُنگلیوں میں ہاتھ کی اُنگلیاں ڈالنا۔

اور حالانکہ شیعہ مذہب میں مُنہ کا دھونا دوؔ ہی دفعہ ہے۔ اور سُنیوں کے مذہب میں تینؔ دفعہ اور پاؤں کا دھونا سُنّی مذہب میں ہے اور مسح کرنا شیعہ مذہب میں پس اِس خبر میں اظہار و تقیہ دونوں کا جمع ہونا لازم آتاہے۔

بعض جگہوں میں یہ کہ اکثر رکیک تاویلیں کرکے کلامِ امام کو مرتبۂ بلاغت سے بازاریوں کی حدّ کج مج میں ڈالاہے۔ ازانجملہ تاویلوں کی کلام حضرت سجادؒ کا ہے کہ دُعاء میں فرمایا اِلٰھِیْ عَصَیْتُ وَظَلَمْتُ وَتَوَانَیْتُ (اے معبود میرے میں نے گناہ کئے اور ظلم کئے اور سُستی کی) یہ دُعاء ان کی اور اماموں اور صحیح کتابوں سے بھی روایت کی گئی ہے۔ سچی ہو یا جھوٹی دونوں صورتوں پر خلاف و منافی عصمت کے ہے اور یہ موقع موقع تقیہ کا نہ تھا کیونکہ یہ اس وقت کہی ہے کہ جس وقت خدا تعالیٰ سے مناجات کرتے تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ مراد حضرات ائمہ رضؓ کی یہ ہے کہ:۔

اِلٰھِیْ اِنَّ شِیْعَتَنَا عَصَوْا وَظَلَمُوْا وَتَوَانَوْا لٰکِنْ رَضِیْنَا بِھِمْ شِیْعَۃً وَرَضُوْا بِنَا اَئِمَّۃً فَحَالُنَا حَالُھُمْ وَحَالُھُمْ حَالُنَا۔

اے معبود میرے! بیشک ہمارے شیعہ نے گناہ کئے اور ظلم کئے اور سُستی کی۔ لیکن ہم راضی ہیں اُن سے شیعہ ہونے میں اور وہ راضی ہیں ہمارے پیشوا ہونے میں، پس جو حال ہمارا ہے وہ اُن کا ہے اور جو اُن کا ہے وہ ہمارا ہے۔

سُبحان اللہ کیا کہنا ہے اگر ایسا اتحاد شیعہ اور ائمہ رضؓ کا ثابت ہے تو شیعہ کے گناہ و ظلم و سُستی نے

اماموں میں اثر کیا کہ امام اُن کو اپنے گناہ و ظلم و سُستی ٹھہراتے ہیں۔ اور اماموں کی طاعت و عدل و عبادت و قنوت نے شیعوں میں کیوں نہیں اثر کیا۔ تعجب ہے معلوم ہوا کہ احکام شیعہ کے ائمہؓ پر غالب ہوئے اور احکام ائمہؓ کے مغلوب ہوئے معَاذَ اللهِ مِنْ سُوْءِ الْاِعْتِقَادِ (خدا بچائے اِس بداعتقادی سے) اور ہرگز ایسی تاویلوں کی عرب و عجم کے محاورات میں کوئی نظیر و مثال نہیں پائی جاتی ہے۔

علاوہ اِس کے جو رکاکتیں کہ نحو کی راہ سے یہاں لازم آتی ہیں پوشیدہ نہیں ہیں یعنی قیاس کرنا واحد متکلم کو جمع پر اور صیغہ متکلم کو غائب پر اور اضافت متکلم فعل غیر کی اپنے نفس کی طرف۔ پھر ایسے کلام فاسد کی نسبت ایسے لوگوں سے کریں جو حد درجہ مرتبہ بلاغت میں تھے۔ نہ معلوم اِس کا باعث ہی کیا کہ حضرات ائمہؓ نے صریح نسبت ظلم و عصیان کی اپنے شیعہ کی طرف نہ کرکے اپنے کو اس میں آلودہ فرمایا ہے، اور برُ تکران کی عصمت کے ہیں اُن کو ایک دستاویز اور رستی مضبوط خود عنایت فرمادی اور باعث گمراہی ایک جماعت کثیر کے ایک دو باتیں کرکے جو ضروری نہ تھیں ہوئے۔

دوسرے یہ خوب ظاہر ہے کہ پہلی صدیوں میں سخت اختلاف مسائل فروعی میں واقع ہوئے کہ اہل سُنت بھی اُن مسائل میں باہم دگر اختلاف رکھتے ہیں لیکن اختلاف فروعی جن میں کچھ نقصان نہیں جانتے نہ اس معاملہ میں کوئی کسی پر طعن و عتاب کرے بلکہ بطور مناظرہ اور مجادہ فروع میں۔ اگلے وقت میں یہ بہت رائج و بکثرت تھا کہ ہر کوئی اپنا مذہب ظاہر کرکے دلیلیں اِس پر قائم کرتا تھا۔ صحابہؓ کے وقت سے لے کر عباسیہ کے وقت تک یہی بردومات اور جو ظلم جوٹا رہی کہ بے دغدغے اور بے وسوسے اجتہاد اور مسائل نکالنا اور اپنے قول کی ترجیح اور خصم کی دلیلوں کی تضعیف عمل میں لانا۔ حضرات ائمہؓ کو کیا لازم تھا کہ فروعی مسئلوں میں تقیہ کرتے اور جو حکم کہ نازل کیا ہوا ہے اُس کو ظاہر نہ کرتے۔ حضرت امیرؓ نے خلیفہ ثانی و ثالث کے زمانہ میں بیع اُمہاتِ اولاد اور تمتع حج اور دیگر مسائل میں ایسے مناظرے فرمائے کہ دونوں جانب سے نوبت سختی و درشتی کی پہنچی اور کسی نے دم نہ مارا۔ خصوصاً خلیفہ ثانی کہ شیعہ کے گمان میں بھی اس مقدمہ میں بڑے انقیاد پیشہ تھے جو کوئی ان کے سامنے کچھ دلیل کتاب و سُنت کی بیان کرتا تو اُس کے قائل ہو جاتے تھے حتےٰ کہ ایک عورت نے عوام کی عورتوں سے مقدمہ میں بہت مہر ہونے کے ان کو الزام دیا کہ یہ قائل ہو گئے۔ اور کہا کُلُّ النَّاسِ اَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ حَتّٰى مُخَدَّرَاتٍ فِي الْحِجَالِ (اس کے معنے اُوپر گزرے) کہ اِس قصہ کو شیعہ نے مطاعن میں شمار کیا ہے۔ پھر اُس وقت حضرت امیرؓ مسائل فروعیہ میں کیوں تقیہ فرماتے اور اظہار اُس حکم کا جو خدا تعالیٰ سے نازل ہوا اور جو ان کے ذمہ واجب تھا نہ کرتے اور چھوڑ دیتے اور پچھلے ائمہؓ جیسے حضرت سجادؓ و باقرؓ و صادقؓ و رضاؒ سب مقتدا و پیشوا اہل سُنت کے

ہوتے ہیں۔ جن کے علما مثل زہریؒ و امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ شاگرد اُن کے ہوئے ہیں۔ اور اُس وقت جو صوفی تھے جیسے معروف کرخیؒ اُنھوں نے اُن سے فیض حاصل کیا ہے۔ طریقت کے مشائخوں نے اِن حضرات سلسلہ کو سلسلۃ الذہب کہا ہے۔ محدثوں نے اہلِ سُنت کے اِن بزرگوں سے ہر فن خصوصاً تفسیر و سلوک میں دفتر کے دفتر حدیثوں کے روایت کئے ہیں پھر کیونکر گمان ہوتا ہے کہ یہ حضرات ان لوگوں سے ڈریں اور تقیہ کریں۔ اگر ایسے لوگوں سے احتمال تقیہ کا ہو تو رِجال شیعہ سے یہ احتمال قوی تر ہوگا۔

اب مُصنّفؒ بہ تعجب فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ ہم کہاں سے کہاں جا پڑے گفتگو تو اس میں تھی کہ امامیہ اور تمام فریق شیعہ کو اصل امامت میں بعد حضرت امیرؓ کے ایسا اختلاف ہے جس کی کچھ حد نہیں یہی اختلاف روایات کو پہنچا۔ اب پھر ہم اصل مطلب کی راہ پر چلیں۔

جاننا چاہیئے کہ امامیہ حصر شمار ائمہؓ میں مثل تینوں فرقوں اسمٰعیلیہ کے قائل ہیں لیکن شمار میں ان کے اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پانچ ہیں، بعض کہتے ہیں کہ سات، بعض کہتے ہیں آٹھ، بعض بارہ، بعض تیرہ۔ غلاۃ کہتے ہیں کہ امام الٰہ ہیں:—

اَوَّ لُهُمْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْحُسَيْنِ ثُمَّ مَنْ صَلَحَ مِنْ اَوْلَادِ الْحُسَيْنِ اِلٰى جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ اِلٰهُ الْاَصْغَرِ وَخَاتَمُ الْاٰلِهَةِ ثُمَّ بَعْدَهٗ نُوَّابُهٗ وَهُمْ مَنْ صَلَحَ مِنْ اَبْنَاءِ جَعْفَرٍ۔	امام اِلٰہ ہیں یعنی معبود اول اُن میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں حسینؓ تک پھر جو کوئی صلاحیت رکھے اولادِ حسینؓ سے جعفر بن محمد تک الٰہ یہ الٰہ اصغر ہے اور خاتم الٰہ۔ بعد اُن کے نائب اُن کے ہیں جو کوئی جعفرؒ کے بیٹوں سے صلاحیت رکھے۔

ایک فرقہ غلاۃ کا اِس طرف گیا ہے کہ اِس اُمت میں دو شخص امام ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علیؓ۔ باقی نائب ان کے جو لیاقت اِس کام کی رکھتا ہو اولادِ علیؓ سے۔

اور حلولیہ کہتے ہیں کہ امام وہ شخص ہے کہ اُس میں اللہ حلول کرے یعنی اُترے جیسے ہندو اپنے پیشواؤں کو اوتار بتلاتے ہیں۔ اِن کے اختلاف کا بیان باب اوّل میں گزرا۔

کیسانیہ کہتے ہیں کہ امام بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے علیؓ ہیں پھر محمد ابن حنفیہ۔ اور ہر فرقہ فریق شیعہ سے جو امام کہ اُن کے گمان میں ہے اُس سے احکام شریعت میں خبریں اور روایتیں نقل کرتے ہیں اور اُن کے تواتر کا دعویٰ۔ پس پہلا فرقہ کیسانیہ کا کہتے ہیں کہ محمد بن حنفیہ نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد دعویٰ امامت کا کیا کہ اُن کی امامت پر اُن کے باپ نے نص فرمائی تھی۔ اور دوسرا فرقہ کہتے ہیں یعنی مختاریہ

دعوی امامت کا محمد بن علیؓ سے بعد شہادت امام حسینؓ کے واقع ہوا اور بہت سی کرامت موافق دعوی امامت کے اُن سے روایت کرتے ہیں۔

امامیہ بالکل کہتے ہیں کہ بیشک بعد شہادت حضرت امام حسینؓ کے محمد بن علیؓ نے دعوی امامت کا کیا تھا لیکن آخر میں رجوع کر کے اپنے بھتیجے یعنی امام زین العابدینؓ کی امامت کا اقرار کیا۔ اور راوندی نے حضرت سجادؓ کے معجزات میں روایت کی ہے۔

عَنْ حُسَيْنِ بْنِ أَبِي الْعَلَاءِ وَأَبِي الْمَعْزِي حُمَيْدِ بْنِ الْمُثَنَّى جَمِيعًا عَنْ أَبِي بَصِيرٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ جَاءَ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ إِلَى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ فَقَالَ يَا عَلِيُّ أَلَسْتَ تُقِرُّ أَنِّي إِمَامٌ عَلَيْكَ فَقَالَ يَا عَمِّ لَوْ عَلِمْتُ ذٰلِكَ مَا خَالَفْتُكَ وَإِنَّ طَاعَتِي عَلَيْكَ وَعَلَى الْخَلْقِ مَفْرُوضٌ يَا عَمِّ أَمَا عَلِمْتَ إِنِّي وَصِيٌّ وَابْنُ وَصِيٍّ وَتَشَاجَرَا سَاعَةً فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بِمَنْ تَرْضٰى حَتّٰى يَكُونَ بَيْنَنَا حَكَمًا فَقَالَ مُحَمَّدٌ بِمَنْ شِئْتَ فَقَالَ أَتَرْضٰى أَنْ يَكُونَ بَيْنَنَا الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ أَدْعُوكَ إِلَى النَّاسِ وَتَدْعُونِي إِلَى حَجَرٍ لَا يَتَكَلَّمُ فَقَالَ عَلِيٌّ بَلٰى يَتَكَلَّمُ إِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَهُ عَيْنَانِ وَلِسَانٌ وَشَفَتَانِ يَشْهَدُ عَلٰى مَنْ أَتَاهُ بِالْمُوَافَاةِ فَنَدْنُو أَنَا وَأَنْتَ فَنَدْعُو اللهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُنْطِقَهُ اللهُ لَنَا أَيُّنَا حُجَّةُ اللهِ عَلٰى خَلْقِهِ فَانْطَلَقَا وَصَلَّيَا عِنْدَ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ وَدَنَيَا مِنَ

حسین بن ابی العلاء و ابی معزی حمید بن مثنے سب نے ابی بصیر سے انہوں نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آئے محمد بن حنفیہ پاس علی بن حسین کے اور کہا کیا تو اقرار اس بات کا نہیں کرتا کہ میں تجھ پر امام ہوں، کہا اے چچا اگر میں اس بات کو جانتا تو تیری مخالفت نہ کرتا، بیشک میری طاعت تجھ پر اور سب مخلوق پر فرض ہے۔ اے چچا کیا تو نہیں جانتا کہ میں وصی ابن وصی ہوں۔ اور تھوڑی دیر دونوں نے گفتگو کی، پھر کہا علی بن حسین نے کس پر تو راضی ہوتا ہے کہ ہمارا تیرا پنچ ہووے، کہا محمد نے جس کو تو چاہے، کہا اس پر راضی ہے کہ ہمارا تمہارا حجر اسود پنچ ہووے، کہا پاک ہے اللہ تعجب ہے کہ میں تجھ کو آدمیوں کی طرف بلاتا ہوں اور تو مجھ کو پتھر کی طرف بلاتا ہے جو بات نہیں کرتا، پھر کہا علی نے کہ وہ کلام کرتا ہے تو نے نہیں جانا ہے کہ وہ آئے گا قیامت کے دن اور اس کی دونوں آنکھیں اور زبان اور ہونٹ ہوں گے اور اس کی گواہی دے گا جو اس کے پاس گیا ہے اچھے خاتمے پر یعنی ایماندار، پس اس کے پاس ہم تم چلیں پھر دعا کریں خدائے عز و جل سے کہ وہ اس کو گویا کر دے ہمارے واسطے اور خبر دے کہ کون اللہ کی حجت ہے مخلوق میں پس دونوں چلے اور نماز پڑھی نزدیک مقام ابراہیم کے اور پاس گئے

الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَقَدْ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةِ لَئِنْ لَمْ يُجِبْكَ إِلَى مَا دَعَوْتَنِي إِلَيْهِ إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ فَقَالَ عَلِيٌّ لِمُحَمَّدٍ يَا عَمِّ تَقَدَّمْ إِلَيْهِ فَإِنَّكَ أَسَنُّ مِنِّي فَقَالَ مُحَمَّدٌ لِلْحَجَرِ أَسْأَلُكَ بِحُرْمَةِ اللهِ وَحُرْمَةِ رَسُولِهِ وَحُرْمَةِ كُلِّ مُؤْمِنٍ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي حُجَّةٌ عَلٰى عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ فَانْطِقْ بِالْحَقِّ وَبَيِّنْ لَنَا فَلَمْ يُجِبْهُ ثُمَّ مُحَمَّدٌ قَالَ لِعَلِيٍّ تَقَدَّمْ فَاسْأَلْهُ فَتَقَدَّمَ عَلِيٌّ فَتَكَلَّمَ بِكَلَامٍ خَفِيٍّ ثُمَّ قَالَ أَسْأَلُكَ بِحُرْمَةِ اللهِ وَحُرْمَةِ رَسُولِهِ وَحُرْمَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيٍّ وَبِحُرْمَةِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَفَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنِّي حُجَّةُ اللهِ عَلٰى عَمِّي فَانْطِقْ بِذٰلِكَ وَبَيِّنْ لَهُ حَتّٰى يَرْجِعَ عَنْ رَأْيِهِ فَقَالَ الْحَجَرُ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ يَا مُحَمَّدُ بْنَ عَلِيٍّ اسْمَعْ وَأَطِعْ لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ لِأَنَّهُ حُجَّةُ اللهِ عَلَيْكَ وَعَلٰى جَمِيعِ خَلْقِهِ فَقَالَ ابْنُ الْحَنَفِيَّةِ عِنْدَ ذٰلِكَ سَمِعْتُ وَأَطَعْتُ وَسَلَّمْتُ۔

حجر اسود کے، اور بے شک محمد بن حنفیہ نے کہا تھا کہ اگر یہ پتھر جس کے پاس مجھے لیے جاتا ہے تجھ کو جواب نہ دے گا تو تو ظالموں سے ہوگا، پھر کہا علی نے محمد سے آگے چلو تم اے چچا اُس کی طرف اس واسطے کہ تم عمر میں مجھ سے زیادہ ہو، پھر کہا محمد نے پتھر سے میں تجھ سے پوچھتا ہوں بحرمت خدا و رسول و ہر مومن کے اگر تو جانتا ہے کہ میں حجت ہوں علی بن حسین پر تو بول حق پر اور ثابت کر ہمارے واسطے، سو جواب نہ دیا پتھر نے اُس کو، پھر کہا محمد نے علی سے اب تم بڑھو، پس بڑھے علی اور کچھ کلام پوشیدہ کہا پھر کہا میں تجھ سے پوچھتا ہوں بحرمت خدا تعالیٰ اور بحرمت رسولؐ اور بحرمت امیر المومنین علیؓ و حسنؓ و حسینؓ اور فاطمہؓ بنت محمدؐ کے جو تو جانتا ہے کہ میں حجت خدا کی ہوں اپنے چچا پر تو اس بات پر بول اُٹھ اور ثابت کر اس کو تو میرا چچا اپنی رائے سے پھر جائے، پس پتھر نے صاف بزبان عربی کہا اے محمد بن علی! سن اطاعت کر علی ابن حسین کی کہ وہ خدا تعالیٰ کی حجت ہے تجھ پر اور سب مخلوق پر۔ تو کہا ابن حنفیہ نے اس وقت میں نے سنا اور اطاعت کی اور مان لیا۔

کیسانیہ اگرچہ اس دعوے کو سچا بتاتے ہیں لیکن گواہی سے انکار کر کے کہتے ہیں کہ حجر اسود نے محمد بن حنفیہ کی دعا پر گواہی دی اور علی بن حسین ان کی امامت پر قائل ہوئے۔ اس بات پر یہ امر بھی گواہ ہے کہ بعد اس واقعہ کے علی بن حسین نے کبھی نام امامت کا نہ لیا اور سکوت اختیار کیا۔ چنانچہ امامیہ بھی ان کے سکوت کے قائل ہیں۔

اور محمد بن حنفیہ نے مختار اور شیعہ کوفہ کے ساتھ جو مروانیوں سے لڑ رہے تھے خط و کتابت شروع کی ۱۳۱

وہ سب ان کی طرف رجوع ہوئے نہ کہ علی بن حسینؒ کی طرف باوجود اس کے کہ دونوں ایک جگہ ایک شہر مدینہ میں رہتے تھے نذر نیاز کوفہ کے شیعوں کی بھی محمد بن علیؒ کو پہنچتی تھی علی بن حسینؒ کو کبھی نہیں بھیجی نہ وہ ان کو اپنی طرف رجوع کرتے تھے۔ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں لکھا ہے کہ جب محمد بن حنفیہؒ نے وفات پائی تو اُن کے شیعہ ان کے بیٹے ابوہاشم پر اعتقاد امامت کا رکھتے تھے اور وہ بڑے عظیم القدر تھے شیعہ ان کے تابع تھے محمد بن حنفیہؒ نے بھی اُن کی امامت کی وصیت کی تھی پس صریح معلوم ہوا کہ محمد بن حنفیہؒ اپنے اعتقادِ امامت سے نہیں پھرے تھے جب تو امامت اپنے خاندان کے سپرد کی تھی۔

اور یہ بھی ہے کہ قاضی نور اللہ نے وہ خط جو محمد بن حنفیہؒ نے کوفہ کے شیعوں اور مختار کو لکھا تھا نقل کیا ہے اس عبارت سے کہ "اے مختار تو مکہ سے کوفہ کو جا اور ہمارے شیعہ سے کہہ کہ خروج کر کے خون حضرت امام حسینؓ کا بدلہ لیں اور کوفہ والوں سے بیعت لے"۔ جب یہ خط محمد بن حنفیہ کا ظاہر ہوا اکثر لوگ کوفہ کے سلیمان سے پھر گئے۔ پس سلیمان نے اپنے شیعہ سے کہا کہ اگر تم جانب محمد بن حنفیہ سے خروج کرتے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن امام میرے علی بن حسین ہی ہیں انتہیٰ کلامہ۔ اس عبارت سے کوفہ کے شیعوں کا روگرداں ہو جانا سلیمان سے صریح اس بات کو بتاتا ہے کہ محمد بن حنفیہ جو اپنی امامت کا اعتقاد رکھتے تھے اُس سے نہیں بدلے تھے۔ نیز قاضی مذکور مؤید خوارزمی سے کہ زیدی ہے نقل کرتا ہے کہ مختار نے امرائے شام کے سر مع فتح نامہ اور تیس ۳۰ ہزار دینار کے محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجے نہ کہ امام زین العابدینؒ کے پاس۔ اور انھوں نے اس موہبت کے شکرانے میں دو ۲ رکعت نماز ادا کی اور حکم کیا کہ سر امرائے شام کے لٹکا دیں حتےٰ کہ ابن زبیرؓ نے اس بات کو منع کیا اور کہا کہ ان کو دفن کر دیں، انتہےٰ کلامہ۔

اب عقیدۂ مختار کا اظہر من الشمس یعنی خوب روشن ہو گیا کہ معتقد امامت محمد بن علی کا تھا اس واسطے کہ کچھ خوف اس کو نہ تھا جو دل سے تو معتقد امامت سجاد کا ہوتا اور ظاہر میں محمد بن علی کو امام کہے اور تقیہ کرے۔

اب دوسری بات قاضی نور اللہ کی سننا چاہیے اور مدعا کو سمجھنا، قاضی نور اللہ مختار کے حال میں علامہ حلّی سے نقل کرتا ہے کہ شیعہ کو اس کے حسنِ عقیدہ میں نہایت کلام ہے حد یہ ہے کہ بعض اعمال پر اُس کے جوان کو اعتراض تھا اس کی مذمت کرتے تھے۔ حضرت امام باقرؒ نے جب اس کی اطلاع پائی تو شیعہ کو اعتراض مختار سے منع کیا کہ اس نے ہمارے قاتلوں کو مارا ہے اور روپیہ ہمارے پاس بھیجا۔ انتہیٰ کلامہ۔

یہاں عاقل کو غور کی ضرورت ہے کہ کوئی شخص کسی امام وقت کی امامت سے انکار کرے تو واجب نہیں ہے کہ اُس منکر کو بُرا کہیں بلکہ اس کی محبت کو جو خاندانِ رسولؐ سے رکھتا ہے ملاحظہ کرنا چاہیے بلکہ دشمنانِ خدا سے جہاد کرنا اور کافروں فاجروں کو ذلیل کرنا اور ان سے عوض لینا اور اللہ کی باتوں کو بڑھانا موجب

اس کی خوبی و نجات کا ہے اور جو افعالِ بد کہ اُس شخص سے صادر ہوں ان کا چھپانا ڈھانکنا ضروری ہے کہ اہل سنت کا یہی مذہب ہے۔ اور علیٰ ہٰذا معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ کے حق میں کہ منکر امامتِ امامِ وقت کے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے تھے اور دشمنانِ خدا سے لڑتے تھے اور بالکل روپیہ ازواج مطہراتؓ اور حضرات امام حسنؓ اور حسینؓ کو پہنچاتے تھے۔

اب مصنفؒ عذر فرماتے ہیں کہ ہم اپنے مطلب سے جو بیان کر رہے تھے پھر علیحدہ ہو گئے اور تقریباً بیان پھر دوسرے موقع میں چھیڑ دیا۔ اصل مطلب یہ ہے کہ کیسانیہ ان دلیلوں اور گواہوں سے قائل نہیں ہوئے ہیں کہ محمد بن حنفیہ نے دعویٰ امامت چھوڑ کر حضرت سجادؒ کی طرف رجوع کیا ہو اور اللہ حقیقتِ حال کو خوب جانتا ہے۔ اور یہ فرقہ کیسانیہ محمد بن علی سے کرامات و خارقِ عادات عقل و قیاس سے زیادہ روایت کرتے ہیں اور متواتر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم موافق ان کی نص کے امام ہوئے۔ لیکن ابو ہاشم کے بعد پھر باہم اختلاف ہے۔ چنانچہ باب اول میں گذرا۔

زیدیہ کہتے ہیں کہ بعد امام حسینؓ کے زید بن حسین امام ہوئے اور امامت علی بن حسین کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک شرط امامت کی خروج بسیف ہے اور تقیہ کرنا اور ساکت رہنا اس کا منافی ہے۔ اور روایت کرتے ہیں کہ زید بن علی اپنے باپ دادے اور امیر المؤمنینؓ سے اپنی امامت کے نصوص و بشارتیں نقل کرتے تھے اور اُن میں سے بعض روایتوں کو متواتر بتاتے ہیں مگر زید بن علی جن باتوں کے معتقد شیعہ ہیں سب کے منکر تھے۔ چنانچہ زیدیہ امامیہ دونوں نے اس انکار کی روایت کی ہے کہ نقل اس کی جو کلینیؒ نے ہشام بن حکم کے قصے میں کی ہے سابق میں گذری۔

باقریہ۔ امام باقر کو مہدی موعود وَحَیٌّ لَّا یَمُوْتُ (زندہ ہیں مرے نہیں) چھپے ہوئے ہیں اعتقاد کرتے ہیں۔

ناؤسیہ کا امام جعفر صادقؒ کے حق میں یہی اعتقاد ہے اور نص صریح متواتر اس مقدمہ میں اُن سے روایت کرتے ہیں کہ وہ یہ ہے لَوْ رَاَیْتُمْ رَاْسِیْ تَدَهْدَهُ عَلَیْکُمْ مِنْ هٰذَا الْجَبَلِ فَلَا تُصَدِّقُوْا فَاِنَّ صَاحِبَکُمْ صَاحِبُ السِّنِیْنَ (اگر تم دیکھو کہ سر میرا ڈھلکتا چلا آتا ہے اس پہاڑ سے تو ہرگز یقین مت کرو کیونکہ تمہارا صاحب صاحب برسوں کا یعنی بڑی عمر والا ہے)۔

اور مہدویہ اسمٰعیلیہ سے اسماعیل بن جعفر صادقؒ کے حق میں حضرت جعفر صادقؒ کی نص روایت کرتے ہیں بتواتر کہ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ فِی الْاَکْبَرِ مَا لَمْ یَکُنْ بِهٖ عَاهَةٌ (یہ امر سب سے بڑے بیٹے میں ہے جب تک کہ اس میں کوئی نقصان نہ ہو) امام موسےٰ کاظم کے دعوئے امامت کو جھوٹا بتاتے ہیں اور بُرا کہتے ہیں کہ نصِ متواتر کا انکار کیا

جیسے ابوبکرؓ نے علیؓ کے حق میں انکار کیا۔

قرامطہ کہتے ہیں کہ بعد اسمٰعیل کے ان کا بیٹا محمد امام ہوا۔

افطحیہ عبداللہ بن جعفر کو بعد جعفر صادقؓ کے بلافصل امام جانتے ہیں اس دلیل سے کہ وہ اسمٰعیل کا حقیقی بھائی ہے اور اسمٰعیل جب حضرت جعفرؓ کے سامنے مرگئے تھے اور نص انہی کے حق میں تھی تو بعد فوت باپ کے مضمون اس نص کا بطور میراث اس کے حقیقی بھائی کو پہنچا نہ کہ سوتیلے بھائیوں کو اور ماں اسمٰعیل و عبداللہ کی فاطمہ بیٹی حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کی ہے پس یہ دونوں بھائی دونوں طرف سے حسینی سید تھے۔

موسویہ کہتے ہیں کہ امام بعد صادق کے موسیٰ کاظم ہیں موافق نص حضرت صادقؓ کے۔

اور ممطوریہ کہتے ہیں کہ وہ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ ہے اور قائم اور منتظر اس کا ہے جو امیر المؤمنینؓ سے متواتر اس مدعا سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا سَابِعُهُمْ قَائِمُهُمْ سَمِیُّ صَاحِبِ التَّوْرٰىةِ (ساتواں اُن کا قائم ہے ہم نام صاحبِ توریت کا یعنی موسیٰ)۔

اثنا عشریہ حضرت امام عسکری کے باتفاق معتقدِ امامت ہیں بعد ان کے جعفر کے قائل ہیں امامتِ جعفر بن علی کے اور کہتے کہ امام حسن عسکری کے بیٹا نہ تھا اس دلیل سے کہ امام حسن عسکری کی میراث جعفر بن علی لے گیا کہ یہ بات باجماع ثابت ہے اگر ان کا بیٹا ہوتا تو میراث جعفر کو نہیں پہنچتی۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک بیٹا تھا صغیر جو حیاتِ پدر میں مرگیا۔

وَرَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَعْيَنَ بْنِ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّهُ قَالَ لَابُدَّ لِلْغُلَامِ مِنْ غَيْبَةٍ قُلْتُ وَلِمَ قَالَ يَخَافُ قُلْتُ وَمَا يَخَافُ فَأَوْمَىٰ بِيَدِهٖ إِلَىٰ بَطْنِهٖ۔

روایت کی کلینی نے زرارہ بن اعین بن ابی عبداللہ علیہ السلام سے بے شک فرمایا کہ بہت ضروری ہے لڑکے کو غائب رہنا میں نے کہا کیوں؟ کہا ڈرتا ہے پھر میں نے کہا کس سے ڈرتا ہے تو اشارہ کیا اپنے ہاتھ سے اپنے پیٹ کی طرف۔

بعض اثنا عشریہ معنی اس اشارے کے یوں سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو اس کے پیدا ہونے میں شک ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ حمل ساقط ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ حمل ہی نہ تھا۔ لیکن عاقل خوب جانتا ہے کہ اشارہ کرنا امام کا اپنے پیٹ کی طرف ان معانی سے صریح انکار کرتا ہے کہ مَا يَخَافُ کے جواب میں ہے اس واسطے کہ جو بچہ شکم میں ہے اُس کو خوف نہیں ہوتا اور خوف بھی ہو تو اس سے اختلاف لوگوں کا دفع نہیں ہوتا۔

حاصل کلام ہمارا مقصود ان کے فرقوں کے اختلاف بیان کرنے اور دعویٰ ہر ایک کے تواتر پر اپنے زعم

میں استدلال ان کے جھوٹ و افترا ہی پر ہے اگر ایک فرقہ کی خبر بھی متواتر ہوتی تو کبھی یہ اختلاف نہ پڑتا۔ خصوصاً محمد بن حنفیہؓ کو امام زین العابدینؓ کے ساتھ جھگڑا کیوں ہوتا حجرِ اسود کے پنچ ہونے کی نوبت کیوں پہنچتی اور زید بن علی کو امام باقرؓ کے ساتھ اور جعفر بن علی کو امام محمد مہدیؓ کے ساتھ کہ اَهْلُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِيْهِ (جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اُس کو گھر والے خوب جانتے ہیں)۔

پس اسی موقع سے عاقل کو چاہیے کہ ان کے جملہ فرقوں کے جھوٹ کو سوچ سمجھ لے اور جان لے کہ یہ سب افترا اور ان کے دل کی باتیں بنائی ہوئی ہیں کہ موافق مصلحتِ وقت کے ایک امام اپنے زعم میں ٹھیراتے تھے اور اس کی طرف لوگوں کو رجوع کرتے تھے تو اس وسیلے سے خُمس یعنی پانچواں حصہ اور نذر و نیاز اور فتوح اپنے تابعین سے بنام امام کے جو ان کے زعم میں ہوتا تھا لیں اور مزے اُڑائیں اور پچھلے لوگ جو ان میں ہوئے بلاتحقیق اگلے لوگوں کی تقلید و پیروی کرکے ورطۂ گمراہی میں گرے اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ (بے شک ان لوگوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا اور اُن ہی کے قدموں پر دوڑے چلے جاتے ہیں)۔

باب ہشتم

در معاد و بیان مخالفت شیعہ با ثقلین

در عقائد متعلق بمعاد یعنی عقبیٰ

بہت سے فرقے شیعہ کے جیسے زرامیہ، کاملیہ، منصوریہ، حمیریہ، باطنیہ، قرامطیہ، جناحیہ، خطابیہ، معمریہ، میمونیہ، مقنعیہ، خلفیہ اور جنابیہ کہتے ہیں کہ بدنوں کے لیے معاد نہیں ہے اور ارواح کو بھی سوائے اس جہان کے کوئی مقر نہیں ہے بلکہ اسی جہان میں تناسخ ہو جاتی ہیں یعنی ایک بدن سے دوسرے بدن میں چلی جاتی ہیں۔

مخالفت اس عقیدے کی کتاب اللہ اور نصوص تمام انبیاء و رسل اور ائمہ سے خوب ظاہر ہے کچھ حاجت بیان کی نہیں ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (پس ناگاہ وہ قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف پھیلیں گے) فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِىْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (وہ کہیں گے کون ہم کو لوٹائے گا تو کہہ جس نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا) وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِىَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْىِ الْعِظَامَ وَهِىَ رَمِيْمٌ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِىْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ (اور اس نے بیان کی ہماری بابت مثال اور بھول گیا اپنی پیدائش کو، کہا کون زندہ کرے گا اُن ہڈیوں کو جو بوسیدہ ہوں گی۔ کہہ وہی زندہ کرے گا ان کو جس نے پہلی دفعہ زندہ کی تھیں) ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُحْشَرُوْنَ (پھر اپنے پیدا کرنے والے کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے) وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (اور اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے)۔ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّىْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (کہے گا مردہ اے پروردگار میرے! لوٹا دے مجھ کو تاکہ میں نیک عمل کروں اُس معاملہ میں کہ جو کچھ مجھ سے ترک ہو لیے۔ نہیں، ہرگز یہ بات نہیں ہے کہ وہ کہتا ہے اور اس کی پشت کے پیچھے پردہ ہے روز بعث تک یعنی قیامت تک کہ وہ پردہ قبر ہے)۔

اس عقیدۂ فاسد میں ان کا تمسک ایسی چیزوں پر ہے جو انھوں نے فلاسفہ سے لی ہیں کہ شرع میں وہ امور سب باطل ہیں اور محض بے اصل ہیں۔ جیسے آسمان کا کرہ کی شکل کا ہونا۔ اور منع خلا یعنی

خالی نہ ہونا۔ اور علاوہ اس کے کہتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا عالم موجود ہو مثل اس عالم کے تو بشکل کرہ کے ہوگا۔ اور دو کرے ایک دوسرے سے باہم نہیں چمٹ سکتے مگر جب کہ دونوں میں فرجہ ہو یعنی کشادگی اور فرجہ کے لیے خلا لازم آتا ہے اور خلا محال ہے۔

اس استدلال میں ان سے چند جگہ غلطی ہوئی ہے۔ اوّل یہ کہ یہ کیا ضروری ہے کہ تمام عالم بتمامہ کرہ ہو اس واسطے کہ وہ دلیلیں ہندسیہ جو کرویت پر قائم ہوئی ہیں وہ صرف کرویت افلاک متحرکہ پر ہیں اور جائز ہے کہ یہ افلاک متحرکہ بعض عالم ہو۔ دوسرے یہ کہ امتناع خلا ممنوع ہے اور جو دلیلیں کہ امتناع خلا پر قائم کی ہیں وہ سب مقدوح ہیں۔ تیسرے یہ کہ اگر دو کرے کو تہ اوپر یا ایک دوسرے کے برابر رکھیں البتہ فرجہ ضرور واقع ہوگا۔ اور اگر دونوں کروں سے ہر ایک مرکز ہو اپنی ثخن یعنی موٹائی میں اور موٹائی دونوں کی مساوی ہو اور قطر بھی دونوں کے مساوی ہوں یا ثخن قطر اس کا زیادہ ہو دونوں کے ثخن و قطر سے جیسے تدویرین کہ ان کے نزدیک جمی ہوئی ہیں ثخن خوارج میں تو وقوع فرجہ کا لازم نہیں آتا ہے۔ اس لیے کہ جہاں ٹھکانا فرجہ کا ہے وہ جگہ بھری ہوئی ہے ثخن کرۂ محیط سے اور خود فلاسفہ کا قول ہے کہ قطر تدویر مریخ و قطر مثل شمس سے بہت بڑا ہے۔ بس جائز ہے کہ تمام عالم معلوم الکرات ایک کرہ ہو دوسرے کرہ کی ثخن میں اسی طرح اور عوالم۔ چوتھے یہ کہ وجود دوسرے کسی عالم کا اس معنی کے ساتھ معاد کے لیے درکار نہیں ہے بلکہ اسی عالم میں تغیر و تبدل ہو جائے اور سب عنصر اپنے حال سے ناریت کے حال پر مستحیل ہو جائیں اور آسمان سب بہشت و باغ ہو جائیں اور جوف میں اسی عالم اور اس کے مادون فلکیہ اور عنصریہ میں اور ہی رنگ اور دوسری صورت ڈال دی جائے کہ مرکبات اور کانیں اور درخت وغیرہ نباتات اور انسان و حیوانات افلاک میں پیدا ہوں اور ہر آسمان ایک بہشت ہو جائے اسی طرح زمین دوزخ ہو جائے۔ قولہ تعالیٰ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (جس دن کہ بدل دی جائے گی زمین سوائے اس زمین و آسمانوں کے اور نکلیں گے مردے سامنے اللہ کے جو یگانہ ہے اور غالب) اور ہونا بہشت و دوزخ کا بعث کے وقت سے پہلے ان کے انبساط و انشداد کا منافی نہیں ہے اُس وقت بھی پیدائش ان کی ایسی ہوگی جیسی اب ہے۔

❋ **عقیدۂ دوم۔** خدا تعالیٰ پر بعث بندوں کا ایسا واجب نہیں یعنی قیامت کے دن اٹھانا کہ جس کے ترک سے کچھ قباحت عقلی ہو۔ ہاں اُس کے وعدے کے موافق بعث اور حشر و نشر ہونے والا ہے اور یہی مذہب اہل سنت کا ہے۔ لیکن امامیہ قائل وجوب بعث کے ہیں وجوباً اور عقلاً حالانکہ بہت سی آیتیں

اس بات کو بتاتی ہیں کہ بعث و معاد وابستہ وعدۂ الٰہی کے ہیں کہ آخر میں ان آیتوں کے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اور مثل اس عبارت کے واقع ہے جو صریح اِس عقیدے کو جھوٹا ٹھیراتی ہیں۔

سابق میں ہم نے الٰہیات میں ذکر کیا ہے کہ خدا تعالیٰ پر کسی چیز کا واجب ہونا محض بے معنی ولا یعنی ہے۔ لیکن امامیہ کو اس مقدمہ میں تمسک اپنی ہی عقلی و ناقص باتوں پر ہے۔ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے بندوں پر تکلیف امر و نہی کی لگائی ہے اگر طاعت پر ثواب نہ دے اور معصیت پر عذاب نہ کرے تو ظلم لازم آئے گا اور ظلم قبیح چیز ہے جس کا اعتقاد کرنا جنابِ الٰہی میں ازبس قبیح ہے اور ثواب و عقاب بدون بعث کے نہیں ہوسکتا پس بعث بھی واجب ہوا۔

بطلان اس استدلال کا بچند وجوہ باطل ہے۔ اولؔ یہ کہ ظلم خالق اور مالک سے متصور نہیں اس واسطے کہ مالک کو اختیار ہے جیسا چاہے اپنی مِلک میں تصرف کرے۔ دوؔسرے یہ کہ جن لوگوں سے ظلم متصور ہے مثلاً مالکِ مجازی اگر وہ طاعت کا بدلہ نہ دیں تو ظلم نہیں ہے جیسے کوئی اپنے بندے کو جو کچھ ضروری چیزیں معاش کی ہیں سب دیدے اور ایسا کوئی کام اس کے ذمے لگائے کہ اس کی طاقت سے باہر نہیں ہے اور وہ اس کام کو سرانجام دے تو مالک پر کچھ بدلا اور مزدوری واجب نہیں۔ تمام عقلاء اس پر متفق ہوں گے۔ اور کوئی مالک کو اس کے ترک میں ملامت نہیں کرے گا۔ اور اگر وہ نافرمانی پر عذاب نہ دے تو بھی صریح ظلم نہیں ہے بلکہ عفو و احسان ہے اور اپنا حق معاف کر دینا ہے۔ اس کو جو کوئی ظلم خیال کرے اس سے زیادہ احمق کون ہوگا۔ بتواتر ہم نے اس کتاب میں سابق میں حضرت امیرؓ اور حضرت سجادؓ سے منقول کیا ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ بڑے سے بڑے عابد کو ہمیشہ کے ایسے بدتر عذاب میں جو اشد کافر کے لیے ہے معذب فرمائے تب بھی عدل ہے نہ کہ ظلم۔

حاصل کلام شیعہ کے سب فرقوں کو اس بات میں بھی مثل اور عقیدوں ضروری کے بڑی افراط تفریط پیش آئی ہے کہ کوئی کسی میں کچھ گھٹاتا ہے کوئی کسی میں کچھ بڑھاتا ہے۔ امامیہ نے تو افراط کی راہ میں چل کر بعث و معاد کو خدا تعالیٰ کے ذمے واجب کیا ہے۔ اور اسی فرقے نے بعث کے باب میں تفریط اختیار کرکے بعث سے انکار کیا ہے اور تمسک دونوں کا اپنی ہی ناقص باتوں پر ہے۔ چنانچہ فریق مرقومہ کہتے ہیں کہ اگر بعث و معاد واقع ہو تو اجزائے بدن مؤمن صالح پر عذاب کرنا لازم آئے گا خواہ بطریق کُل بدن خواہ بطریق بعض بدن۔ اور خوش عیشی اجزائے بدن کافر کی از روئے کل یا بعض کے اور یہ بالکل خلاف عقل و شرع کے ہے۔ اور اس عذاب و خوش عیشی لازم آنے کی صورت یہ بیان کی ہے کہ مثلاً کسی آدمی نے کسی آدمی کا گوشت کھایا اور ہمیشہ کھاتا رہا آخر یہ ہوا کہ اُسی غذا کے اجزا سے نطفہ پیدا ہو کر ایک لڑکا متولد ہوا۔

پس اِس کے بدن کے اجزاء یا معذب ہوں گے یا خوش عیش۔ اگر معذب ہیں تو اجزا غذا کے اس کے ضمن میں معذب ہوئے۔ اور اگر خوش عیش ہیں تو اجزاء بدن کے خوش عیش ہوئے گو وہ غذا اول صورت میں مستحق عذاب کے نہ ہو اور دوسری شکل میں لائق خوش عیشی کے نہ ہو' انتہیٰ۔

ہم کہیں گے کہ خداوند تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اِس بات پر کہ کھانے والے کے بدن کو اُس مدت تک تحلیل ہونے سے محفوظ رکھے کہ جب تک کہ اجزا غذا کے بالکل فضلہ ہو کر نہ نکل جائیں یا کھانے والے کو بانجھ کردے کہ اس سے نطفہ ہی پیدا نہ ہو اور اگر پیدا ہو تو احتلام یا اور کسی طرح پر نکل جائے اور اس لڑکے سے متعلق نہ ہو۔ اس کے علاوہ ایسے شخص کا ہونا جو مدت دراز تک آدمی کا گوشت کھاتا رہا ہو اور اس سے لڑکا پیدا ہو کون سی دلیل سے معلوم ہوا۔ اگر بلا دلیل کہا جائے کہ ممکن ہے تو محض ممکن کافی نہیں' اس واسطے کہ یہ دلیل معارضہ کی شکل میں ہے اور معارضے والا دلیل لاتا ہے اس کو احتمال کافی نہیں ہوتا جس کا وقوع ممنوع ہے۔ پس یہ طریق جدل ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ بعض اجزائے بدن انسان کی خوراک و ماکول نہیں ہوسکتے کہ وہ رُوح ہوائی ہے جس کے نکل جانے کو عرف میں مَوت کہتے ہیں کہ اس رُوح ہوائی میں کسی طرح ایسا تصرف نہیں کرسکتے کہ دوسرے بدن کا یہ جز ہو۔ اور یہ بھی ہے کہ بہت سے اجزا قبل اس سے کہ ماکول و خورش کسی خورندے کا بنے بسبب تخلل یعنی کسی فساد و تباہی کے ماکول سے جدا بھی ہوگئے ہوں کہ علم الٰہی میں ہر ایک ان اجزاء سے چھٹا ہوا ہے۔ پس حشر کے وقت سب کو جمع کرکے رُوح ہوائی سے عقد و ربط کر دیں گے کہ ایک بدن قائم ہو جائے گا۔

خلاصہ کلام کا یہ ہے کہ عذاب ہو جب اور عیش ہو جب' دونوں رُوح کے واسطے ہیں اس سبب سے کہ دکھ پانے والی بھی وہی ہے اور لذت اٹھانے والی بھی وہی ہے۔ لیکن اس لذت یابی اور دکھ اٹھانے کا واسطہ بدن ہے اور بدن کہ بدون رُوح کے ایک جماد ہے اس کا دکھ پانا یا لذت اٹھانا خلافِ عقل ہے۔ اور دکھ دینے یا لذت پہنچانے میں بدن کفایت کرتے ہیں۔ پس اگر پہلا بدن اس کا باقی ہے اور اس کے دکھ دینے یا لذت پہنچانے میں کوئی کھٹکا لازم نہیں آتا۔ مثلاً کافر کی خوش عیشی اور مطیع کا عذاب اور تناسخ تبدیل بدن کا واسطے رُوح کے تو اُسی بدن پر اکتفا کریں گے۔ نہیں تو دوسرا بدن اس کے لیے پیدا کریں گے خواہ ابتدائی بدن بنائیں گے یعنی از سرِ نو خواہ وہ جو اس کے بدن سے ایک وقت میں متخلل اور خراب ہوا تھا قبل خورش کسی خورندے کے کہ اس کے واسطے سے اس پر عذاب و عیش ہوگا اور یہ قسم تناسخ سے نہیں ہے اس لیے کہ تناسخ ہے کہ ارواح دنیا کے بدنوں

میں انتقال کرے تاکہ وہ بدن کامل ہو جائیں یعنی جان پڑ جائے اور کام دیں۔ اور یہاں تعلق ہے عقبیٰ کے بدن سے واسطے سزا جزا کے اور بعینہ بدن کا جزا کے وقت محفوظ رہنا ضروری نہیں ہے بلکہ قبض و بسط روح کا اس پر کمی بیشی دونوں کے ساتھ حدیثوں میں متواتر ہے اور آیاتِ قرآنی میں بھی منصوص ہے كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ (جس وقت کہ پک جائیں گے چمڑے ان کے بدن کے بدل دیں گے ہم چمڑے اُن چمڑوں کے علاوہ دوسرے چمڑے تاکہ بخوبی ہمارے عذاب کا مزہ چکھیں) اور ظاہر مثال اس کی یہ ہے کہ ایک شخص کپڑے پہنے تھا اور کوئی گناہ اس سے صادر ہوا اسی حالت میں وہ گرفتار آیا تو اُس کو اسی لباس میں سزا دیں گے اور اگر گناہ سرزد ہونے کے وقت کپڑے پہنے تھا مگر حمام سے ننگا اور برہنہ گرفتار ہوا تو دوسرا لباس بقدر ستر عورت پہنا کر سیاست (سزا) کریں گے پس بدن روح سے ایسی نسبت رکھتا ہے جیسے نسبت لباس کی شخص سے۔ ؎

دم بدم گر شود لباس بدل || شخص صاحب لباس را چہ خلل

اسی واسطے بچپن سے بڑھاپے تک باوجود بدل جانے اور خراب ہو جانے اجزائے بدن کے بیماریوں سے اور ریاضتوں سے شخص ہونا ہر شخص کا باقی رہتا ہے اس میں فرق نہیں آتا۔ لہٰذا اختلاف شخص کا ہرگز خیال میں نہیں آتا اور احکام عذاب و عیش کے باوجود اس تبدل کے اس پر جاری کرتے ہیں بلا تامل۔

اما میہ اس مقدمہ میں تمسک کرتے ہیں اُن آیتوں پر جو دلالت آخرت کی جزائے اعمال پر کرتی ہیں کقولہ تعالیٰ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (بدلہ ہے اُس کا جو عمل وہ کرتے تھے) و قولہ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ (قیامت کے دن بدلہ دیں گے ہم ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہے) لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ (آج کسی پر ذرا ظلم نہ ہوگا) و قولہ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (جو کوئی نیک عمل کرے گا ایک ذرہ بھر، وہ اس کو دیکھے گا)۔ اور کہتے ہیں کہ ان آیتوں سے مستفاد ہوتا ہے کہ عمل سبب جزا کے ہیں پس ثواب دینا مطیع کو اور عذاب کرنا عاصی کو واجب ہوا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ آیتیں اس بات کو بتاتی ہیں کہ جزا واقع ہوگی اور ثواب و عذاب بمقابلۂ اعمال کے ہر ایک کو ملے گا نہ یہ کہ ثواب و عذاب خدا تعالیٰ پر واجب ہے۔ اس پر ہرگز دلالت نہیں کرتی ہیں جیسے کسی شخص نے ایک شخص کو مزدور نہیں ٹھیرایا اور اس کی خدمت یا تقصیر پر کچھ قول و قرار نہیں کیا۔ اگر وہ اس کو کسی خدمت پر کچھ انعام دے یا تقصیر پر کچھ سزا کر دے تو یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ انعام اس کی خدمت کا تھا اور یہ سزا اس کی تقصیر کا بدلہ۔ حالانکہ واجب ہونا دونوں میں سے ایک کا بھی اس کے ذمے لازم نہیں تھا۔ اور نیز اگر عذاب گناہ پر واجب ہوتا تو جو مرتکب گناہ کبیرہ کا ہوتا اس پر ہوتا نہ کہ غیر کبیرہ پر حالانکہ نص قرآنی میں باعتبار وقوع کے اس کے واجب نہ ہونے کو بتایا ہے چہ جائیکہ

اس کا عقلی وجوب قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (بے شک اللہ جس نے اس کے ساتھ شرک کیا اور مشرک ہے اس کو نہیں بخشے گا اور سوائے شرک کے جو کچھ ہے جس کو چاہے گا اس کو بخش دے گا)۔

عقیدۂ سوم مذہب اہل سنت میں عذاب قبر کا حق ہے لیکن اکثر فرق شیعہ اس کے منکر ہیں یہاں تک کہ زیدیہ بھی۔ حالانکہ قرآن مجید کی آیتیں بتاتی ہیں کہ قبر میں مُردے کو عذاب و خوش عیشی دونوں ہوں گی۔ قولہ تعالیٰ مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (اپنے گناہوں کے سبب سے غرق کیے گئے پھر دوزخ میں ڈالے گئے)۔ اور فَاُدْخِلُوْا میں حرفِ فا واسطے تعقیب کے ہے جو بتاتا ہے کہ ڈوبنے کے بعد ہی وہ آگ میں پڑے بلا مہلت اور صیغۂ ماضی ثبوت فعل کا کرتا ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈوبنے کے ساتھ ہی وہ بلا فصل دوزخ میں پڑ گئے زمانۂ ماضی میں۔ و قولہ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا (آگ عرض کرتے ہیں اس پر ہر صبح اور ہر شام) اس آیت میں عطف عذابِ قیامت کا عذابِ عرض پر صریح ہے مدعا میں۔ نیز خبریں اور حدیثیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مقدمہ میں متواتر ہیں۔ اسی طرح خوش عیشی قبر کی اس پر بھی بہت سی آیتیں دال ہیں۔ قولہ تعالیٰ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (ہرگز مت جانو اُن لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے مردہ ہیں بلکہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس رزق دیے جاتے ہیں) اور اسی قسم سے فرمایا خدا تعالیٰ نے يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ (کیا اچھا ہوتا جو میری قوم کو معلوم ہوتا کہ مجھ کو میرے پروردگار نے بخش دیا اور کیا مجھ کو بزرگی پائے ہوؤں میں سے)۔

بے شک یہ بات بہ یقین قبل دن قیامت سے ہے، اس واسطے کہ قیامت کے دن ہر ایک کو حال اس کی مغفرت اور اکرام کا معلوم ہوگا۔

اور جو منکر جزاؤں قبر کے ہیں وہ سمع (سُنی ہوئی باتوں) اور عقل پر تمسک کرتے ہیں۔ سُنا ہوا یہ فرمایا خدا تعالیٰ نے لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى (نہیں چکھیں گے وہ اس میں موت سوائے پہلی موت کے) پس اگر قبر میں حیات ہوتی تو ضرور موت بھی اس کے پیچھے لگی ہوتی۔ اس واسطے کہ ثبوت زندہ کرنے کا قیامت کے دن ہے بالاجماع۔ اس صورت میں دو موتیں چکھنا ہوتیں نہ کہ ایک موت۔

جواب اس کا یہ کہ قبر میں زندہ کرنا اور مارنا حقیقۃً نہیں ہے بلکہ عکس روح کی شعاع کا بدن پر پڑ کر ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کے ساتھ غذا پانا یا بڑھنا بدن کا نہیں ہوتا کہ معنے حیات کے ثابت ہوں، یہ تعلق ایسا ہے جیسے تعلق عاشق کا معشوق سے یا مالک کا مملوک سے یا صاحبِ خانہ کا خانہ سے کہ وہ تعلق

سبب عذاب و خوش عیشی کا ہوسکتا ہے۔ اور یہ بھی اُس صورت میں ہے کہ بدن قائم ہو اور مدفون، نہیں تو عذاب و عیش روح پر ہے کہ نفس مجرد ہے اور بدن حقیقی اس کا روح ہوائی اور روح کا علاقہ کرتے ہیں دوسرے بدن سے جو عالمِ مثال میں ہے۔ یا مرکب اجزائے جمادات سے ایسی ہیئت و شکل سے کہ جو کوئی دیکھے اِس بدن اور دنیا کے بدن میں ہرگز فرق و امتیاز نہ حاصل ہو۔ اور یہ بابِ تناسخ سے نہیں ہے اس واسطے کہ اصل تناسخ کی یہ ہے کہ روح ایک بدن سے دوسرے بدن میں نقل کرے واسطے تدبیر بدن کے قسم غذا پہنچانے اور بڑھانے کے۔ اور یہ علاقہ جو مذکور ہوا علاقہ محض ہے واسطے دُکھ اور لذت پانے کے۔ چنانچہ طبرسی اپنی تفسیر میں لایا ہے کہ شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی اپنی کتاب تہذیب الاحکام میں بسندِ خود روایت کرتا ہے :-

عَلِيُّ بْنُ مَهْزِيَارَ عَنِ الْقَاسِمِ ابْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ اَحْمَدَ عَنْ يُونُسَ بْنِ ظَبْيَانَ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ اَبِي عَبْدِ اللّٰهِ جَالِسًا فَقَالَ مَا يَقُولُ النَّاسُ فِي اَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِينَ قُلْتُ يَقُولُونَ فِي حَوَاصِلِ طَيْرٍ خُضْرٍ فِي قَنَادِيلَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَقَالَ اَبُو عَبْدِ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْمُؤْمِنُ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ اَنْ يَجْعَلَ رُوحَهُ فِي حَوْصَلَةِ طَائِرٍ غَيْرِ مَانُوسٍ الْمُؤْمِنُ اِذَا قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالَى صَيَّرَ رُوحَهُ فِي قَالِبٍ كَقَالِبِهِ فِي الدُّنْيَا فَيَاكُلُونَ وَيَشْرَبُونَ فَاِذَا قَدِمَ عَلَيْهِمُ الْقَادِمُ عَرَفُوهُمْ بِتِلْكَ الصُّورَةِ الَّتِي كَانَتْ فِي الدُّنْيَا۔

روایت کی علی بن مہریار نے قاسم بن محمد سے اور اس نے حسین بن احمد سے اور اس نے یونس بن ظبیان سے کہا میں ابی عبداللہ کے پاس بیٹھا تھا سو پوچھا انھوں نے مومنوں کی ارواح کے معاملہ میں کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا یہ کہتے ہیں کہ سبز جانوروں کے سینوں میں وہ قندیلیں جو زیرِ عرش ہیں اُن میں رہتی ہیں، پس کہا ابی عبداللہ یعنی جعفر صادق نے سبحان اللہ مومن اللہ کے نزدیک اس سے بہت زیادہ صاحبِ عزت ہے کہ اس کی روح کو جانور غیر مانوس کے سینے میں بند کرے، مومن جس وقت کہ مرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ بدل دیتا ہے اس کی روح کے واسطے ایک قالب بشکل قالبِ دنیا کے پس کھاتے ہیں اور پیتے ہیں اور جب ان کے پاس اور آنے والے آتے ہیں تو اُن کو اُسی صورت سے جو دنیا میں اُن کی تھی پہچان لیتے ہیں۔

وَعَنْهُ عَنِ ابْنِ اَبِي عُمَيْرٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنْ اَبِي بَصِيرٍ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَرْوَاحِ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ فِي الْجَنَّةِ عَلَى صُوَرِ اَبْدَانِهِمْ لَوْ رَاَيْتَهُ لَقُلْتَ

یہ بھی طبرسی سے ہے کہ اس نے بسند ابن ابی عمیر و حماد و ابی بصیر کہا میں نے پوچھا ابی عبداللہ سے مومنوں کی ارواح کے معاملہ میں، سو کہا جنت میں اپنے بدنوں کی صورت پر کہ اگر تو اُس کو دیکھے تو کہے کہ

فُلَانٌ، انتهى نقلاً عن الطبرسي۔ || یہ فلاں شخص ہے۔

بسکہ تعلق روح کو جو بدن کے ساتھ ہے اِس قسم کا ہو یا اُس قسم کا اسی کو عرف میں حیات کہتے ہیں۔ اور بعض آیات و حدیث میں اس تعلق کو حیات سے تعبیر کیا ہے۔ اور قطع اس تعلق کو جو درمیان دونوں نفخوں صور کے ہے موت کہا ہے۔ قولہ تعالیٰ رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ (اے رب ہمارے مارا تو نے ہم کو درمیان دو کے اور زندہ کیا تو نے ہم کو درمیان دو کے)۔ یہ بھی اُس صورت میں ہے کہ موت اُولیٰ سے ایک فرد موت مراد ہو، اور احتمال ہے کہ موتِ اولیٰ سے مراد جنسِ موت ہو جو کہ زندگی بہشت سے پہلے ہے خواہ ایک دفعہ ہو خواہ دو دفعہ۔ اس صورت میں تمسک ان کا اصل سے باطل ہوا۔

وَفِي شَوَاهِدِ الرَّبُوبِيَّةِ لِصَدْرِ الشِّيرَازِيِّ اِعْلَمْ اَنَّ الْاَرْوَاحَ مَا دَامَتْ اَرْوَاحًا لَا يَخْلُو عَنْ تَدْبِيرِ اَجْسَامٍ لَهَا وَالْاَجْسَامُ قِسْمَانِ قِسْمٌ تَتَصَرَّفُ فِيهِ النُّفُوسُ تَصَرُّفًا اَوَّلِيًّا ذَاتِيًّا مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ وَقِسْمٌ تَتَصَرَّفُ فِيهِ ثَانَوِيًّا بِالْعَرَضِ بِوَاسِطَةِ جِسْمٍ اٰخَرَ قَبْلَهُ - وَالْقِسْمُ الْاَوَّلُ لَيْسَ مَحْسُوسًا بِهٰذِهِ الْحَوَاسِّ الظَّاهِرَةِ لِاَنَّهُ غَائِبٌ عَنْهَا فَاِنَّهَا اِنَّمَا يَحِسُّ بِالْاَجْسَامِ الَّتِي مِنْ جِنْسِ مَا يَحْمِلُهَا مِنْ هٰذِهِ الْاَجْرَامِ كَالْقُشُورِ وَيُؤَثِّرُ فِيهَا سَوَاءٌ كَانَتْ بَسِيطَةً كَالْمَاءِ وَالْهَوَاءِ اَوْ مُرَكَّبَةً كَالْمَوَالِيدِ وَسَوَاءٌ كَانَتْ لَطِيفَةً كَالْاَرْوَاحِ الْبُخَارِيَّةِ اَوْ كَثِيفَةً كَهٰذِهِ الْاَبْدَانِ اللَّحْمِيَّةِ الْحَيَوَانِيَّةِ وَالْاَجْسَادِ النَّبَاتِيَّةِ فَاِنَّ جَمِيعَهَا مَا يَسْتَعْمِلُهَا النُّفُوسُ وَيَتَصَرَّفُ فِيهَا بِوَاسِطَةٍ وَاَمَّا الْقِسْمُ الْاَوَّلُ

شواہد الربوبیۃ میں صدر شیرازی نے کہا ہے کہ جان لو کہ جب تک کہ ارواح ارواح رہتی ہیں اُس وقت تک اپنے بدن کی تدبیر سے خالی نہیں رہتی ہیں جو بدن اُس کا ہے، اور بدن دو قسم کے ہیں ایک قسم وہ ہے جس میں نفس تصرف اپنا کرتا ہے تصرف ذاتی بلا واسطہ۔ اور دوسری وہ قسم ہے کہ تصرف کرتا ہے اس میں تصرف دوسرا بالعرض بواسطہ دوسرے جسم کے کہ اس سے پہلے ہے۔ قسم اول روح کی ان حواسِ ظاہرہ سے محسوس نہیں ہے اس واسطے کہ ان حواس سے وہ چھپی ہوئی ہے اُنہی جسموں کو دریافت اور حس کرتی ہے کہ جنس انہی اجرام سے ہیں جیسے پوست اور اثر کرتی ہے اس میں برابر ہے کہ بسیط ہوں جیسے پانی اور ہوا۔ یا مرکب جیسے موالید ثلاثہ۔ اور برابر ہے کہ لطیف ہوں جیسے ارواح بخاری یا کثیف مثل اس بدن کے کہ گوشت سے ہے واسطے حیوان کے اور مثل اجساد نباتی کے۔ اس واسطے کہ یہ سب اجسام ہیں کہ ان کو نفوس استعمال نہیں کرتے نہ کہ ان میں تصرف کرتے ہیں، مگر بواسطہ لیکن قسمِ اول

الْمُتَصَرِّفُ فِيهَا النُّفُوسُ فَهُوَ مِنْ اَجْسَامِ النُّورِيَّةِ الْاُخْرَوِيَّةِ بِحَيٰوةٍ ذَاتِيَّةٍ غَيْرِ قَابِلَةٍ لِلْمَوْتِ وَهِيَ اَجَلُّ رُتْبَةٍ مِنْ هٰذِهِ الْاَجْسَامِ الْمُشْفَقَةِ الَّتِيْ يُوْجَدُ هٰهُنَا وَ مِنَ الرُّوْحِ الَّتِيْ يُسَمّٰى بِالرُّوْحِ الْحَيَوَانِيِّ فَاِنَّهٗ مِنَ الدُّنْيَا وَ اِنْ كَانَ شَرِيْفًا لَطِيْفًا بِالْاِضَافَةِ اِلٰى غَيْرِهٖ وَلِهٰذَا يَسْتَحِيْلُ وَيَضْمَحِلُّ سَرِيْعًا وَ لَا يُمْكِنُ حَشْرُهٗ اِلَى الْاٰخِرَةِ وَالَّذِيْ كَلَامُنَا فِيْهِ مِنْ اَجْسَامِ الْاٰخِرَةِ وَهِيَ يُحْشَرُ مِنَ النُّفُوْسِ وَيَتَّحِدُ مَعَهَا وَيَبْقٰى بِبَقَائِهَا، انتہٰی

جن میں نفوس تصرف کرتے ہیں سو وہ جسم نوریہ اخروی ہیں مع حیوٰۃ ذاتی کہ قابلِ موت نہیں ہیں اور یہ اجسام اپنے مرتبے میں بہت بڑھ کر ہیں اُن اجسام سے جو یہاں موجود ہیں۔ اور نیز وہ روح جس کو روح حیوانی کہتے ہیں اس واسطے کہ یہ سب دنیا سے ہیں اگرچہ شرافت ولطافت رکھتی ہے اپنے غیر کی نسبت اسی سبب سے اس کو تغیر ہوتا ہے اور نابود ہو جاتی ہے جلدی اور حشر اس کا آخرت میں ممکن نہیں، اور ہمارا کلام اسی میں ہے جو آخرت کے جسم سے ہے کہ وہ نفس کے ساتھ محشور ہوتا ہے اور اس کے ساتھ متحد ہے جب تک اُس کو بقا ہے اِس کو بھی ہے انتہٰی۔

اب عقلی دلیل ان کی یہ ہے کہ سوال جواب اور بات چیت اور لذت اور دکھ ان سب کا دریافت اور معلوم ہونا زندگی پر موقوف ہے اور زندگی درصورت فساد اصل سرشت اور بگڑ جانے اعتدالِ مزاج کے ممکن نہیں۔ پس یہ باتیں بھی مُردے کو ممکن نہیں۔

❁ جواب اس کا یہ ہے کہ میت اس معنی کے ساتھ بدن ہے نہ کہ روح، اور فساد سرشت اور بے اعتدالی مزاج کی کل بدن پر واقع ہوئی ہے نہ کہ روح پر۔ ہاں روح کو واسطے لذت پانے یا تکلیف اٹھانے جسمانی اور اعمال حواس کے اس کے اپنے بدن یا دوسرے بدن مثالی سے تعلق دیں گے لیکن سوائے تعلق تصرف اور تدبیر بدن اور غذا پہنچانے اور بڑھانے کے کہ یہ تعلق نہیں ہوگا صرف لذت پانا یا تکلیف اٹھانا جزائے اعمال کا۔

حاصل یہ کہ جب روح بدن سے جدا ہوئی تو قوائے نباتی اس سے جدا ہو جاتے ہیں نہ کہ قوائے نفسانی اور حیوانی۔ اس واسطے کہ قوائے نفسانی و حیوانی کا وجود اگر قوائے نباتی اور مزاج کے ساتھ مشروط ہو خواہ از روئے فیض کے خواہ از روئے بقاء کے تو لازم آئے گا کہ ملائکہ کو شعور و ادراک حس و حرکت اور غضب اور نفرت والی چیز کے دفع کا نہ ہو۔ پس حال ارواح کا عالم قبر میں حال فرشتوں کا سا ہے کہ بوسیلہ شکل اور بدن کے کار کرتے ہیں اور اُن سے افعالِ حیوانی و نفسانی صادر ہوتے ہیں بدون ہمراہی نفسِ نباتی کے۔ اتنا ہی فرق ہے کہ فرشتوں پر موافق اپنے احوال کے خوش عیشی اور عذاب و تکلیف نہیں ہے

اور ارواح پر موافق اعمال کے جو کمائے ہیں تکلیف و تنشیط ہو گی۔

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے ہیں ایک شخص کو زمین پر مرا پڑا ہے یا کسی کو سولی دے کر درخت سے لٹکایا کہ مدتوں اس کی شاخ سے لٹکتا رہا یہاں تک کہ اس کے اعضاء اور اجزاء سب چھوٹ گئے کبھی بھی اس سے زندگی اور کھڑا ہونا اور بیٹھنا اور حرکت کرنا اور کلام اور سوال وجواب اور اور کوئی امور اس قسم نشانیوں کے اس سے معلوم نہ ہوئے بلکہ اس کے سینے پر ہم نے چند دانے رائی کے بکھیر دیے اور ویسے ہی پائے نیز کافر کو بعد مر جانے کے ہم نے تجسس کیا اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھ کر حس کیا تو ذرا اثر جلنے کا اُس میں نہ پایا نہ دیکھا۔

❁ جواب اس شبہ کا اگلی تقریر سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ روح اُس میت کو اس اندازے کے موافق کہ اس کو دُکھ اور لذت کا ادراک اس سے حاصل ہو کسی بدن میں بدنوں عنصریہ موجودہ یا مثالیہ نئے بنائے ہوئے سے متعلق کرتا ہے اور اس کام کو سرانجام فرماتا ہے۔ اور جو حرکتیں مذکورہ محسوس نہیں ہوتیں یہ دلیل ان کے واقع ہونے کی نہیں ہے۔ چنانچہ فرشتوں اور جنوں کی ذات و شخص کو حواس سے ہم دریافت نہیں کر سکتے۔ رہیں اُن کی حرکتیں، ان کا دریافت ہونا کیا ممکن۔ اور یہ بات سُنی شیعہ دونوں ملتوں میں بلاشبہ واقع ہے کوئی اس کا منکر نہیں۔ علاوہ اس کے سوتا آدمی خواب دیکھتا ہے کہ ایک عورت خوش شکل سے جماع کرتا ہے اور گلے لگانا اور چومنا اور بغل میں دبانا سب کچھ کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ انزال و احتلام ہو جاتا ہے اور لذت اٹھاتا ہے اور اثر اس کا دوسرے آدمی بدن پر اس کے ادراک نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ حکماء اور فلاسفہ بھی اعانت و مددگاری فرشتوں اور جنوں اور ستاروں کی حرکتوں کے قائل ہیں جو کسی کو محسوس نہیں ہوتیں۔ جیسے کہ ثابت بن قرہ سے دوسرے باب میں اس کی نقل گزری۔ اور خدا تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ دانے رائی کے اپنی ہیئت پر باقی رہیں اور روح اُس مردے کو باوجود اُس تعلق کے جو اپنے بدن سے پیدا کر کے خوش عیش ہوتی ہے یا دکھ میں پڑی ہے یہ ایسا کام بعید و مشکل ہے اس سے کوئی کام نہیں چلتا۔ وَهُوَ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝ (وہ نہ موٹا کرتی ہے نہ بھوک سے بے پروا کرتی ہے)۔

پس جب کوئی چیز اپنے امکانِ عقلی میں آ جائے اور مخبرِ صادق اس کی خبر دے تو وہ ضرور مان لینے کے قابل ہے خواہ مالوف و عادی ہو یا نہ ہو۔ دیکھو احوال اُن ممالک کا جو نہایت سرد ہیں اُن لوگوں کے نزدیک جو گرم ملک کے رہنے والے ہیں کس درجہ بعید عجیب ہے۔ کیسا تعجب ان کو ہوتا ہے۔ روایت کی گئی ہے کہ ایک مجوسی خلیفہؓ ثانی کے پاس آیا اُس کے پاس تین کاسے سر کے تھے اور کہا کہ تمہارے پیغمبر صلی اللہ

علیہ وسلم کا قول ہے کہ جو کوئی دنیا سے بے ایمان جائے گا اس کو آگ میں جلائیں گے، خلیفۂ ثانی رضؓ نے کہا کہ بے شک۔ مجوسی بولا کہ یہ سر میرے ماں باپ بھائی کے ہیں ان کے اوپر ہاتھ رکھو اور اثر سوزش کا دریافت کرو۔ خلیفۂ ثانی رضؓ اٹھے اور ایک ٹکڑا لوہے اور پتھر کا اُس مجوسی کے پاس لائے اور کہا اے مجوسی ان دونوں پر ہاتھ رکھ کچھ اثر گرمی کا اس میں معلوم ہوتا ہے۔ کہا کچھ نہیں دونوں سرد ہیں۔ کہا اس لوہے کو اس پتھر پر مار، اس کے مارتے ہی بہت سی آگ نکلی۔ خلیفۂ دوم رضؓ نے کہا بتا تو یہ آگ کہاں سے نکلی؟ کہا ان دونوں میں آتش کامن یعنی پنہاں تھی بسبب رگڑنے کے نکل آئی۔ کہا پھر تو کیوں انکار کرتا ہے، شاید ان سروں میں بھی آتش کامن ہو کہ تیرے ہاتھ کو محسوس نہیں ہوتی۔ مجوسی نے توبہ کی اور اسلام سے مشرف ہوا۔ اور فرق یہ ہے کہ سنگ و آہن کو رگڑنے سے آتش کا منہ ظہور کرتی ہے اور کافر کے بدن میں اس طور پر نکون آگ کا ہے کہ ہرگز دریافت نہیں ہو سکتا تاکہ جن و انس دونوں حجاب غفلت میں چھپے رہیں۔

اور بتاؤ اُس مریض کے حق میں جس کے دل میں بخارات گرم یا مادہ شعلہ زن ہو یا اور کسی اعضاء میں سوزش ہو کیا کہتے ہو جیسا کہ درد والے اور ان جیسوں کا حال ہے کہ ہرگز بدن پر گرمی محسوس نہیں ہوتی۔ اور جب کہ عالم قبر پہلی منزل منزلوں جزا و سزا سے ہے اگر یہ بھید ظاہر کر دیا جاتا اور بخوبی تمام اس جہان میں کھول دیتے تو ایمان غیب پر لانا کیوں کر ہوتا بالکل خلاف اس کے تھا۔ اور یہ دنیا کہ تکلیفِ شرعی کا گھر ہے اور بنیاد اِس کے امتحان کی عقل پر ہے نہ کہ آنکھوں کی حس پر سراسر اس کے خلاف و مناقض ہونا۔ اس کے ساتھ بھی مکلفین کے آگاہ و ہوشیار کرنے کے واسطے کبھی کبھی حال قبر کا خوابوں میں لوگوں پر کُھل بھی جاتا ہے۔ بلکہ جاگتے میں بھی احوال بعض مُردوں کا بُرا بھلا جیسا کچھ ہو ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے دُکھ سُکھ بعد مرنے کے تمام فرقوں عقلاء کے نزدیک یقینی و قطعی ہے اسی سبب سے ہر فرقہ ہندو و مسلمان وغیرہم اپنے مُردوں کی مدد و اعانت کی خاطر فاتحہ درود اور خیر خیرات میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر اُس جہان سے کچھ خوف یا امید نہیں ہے تو یہ سب باتیں کیوں ہیں۔

❊ **عقیدۂ چہارم۔** جو کچھ قرآن و حدیث میں سوالِ قبر اور حساب اور وزنِ اعمال اور نامے نیکی بدی کے ہر کسی کو دینا اور صراط و حوض اور شفاعت کی بابت آیا ہے سب کے جو معنی ظاہر ہیں وہی ہیں سوائے ظاہر کے اور کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح بہشت و دوزخ حق ہیں اور موجود ہیں اور ان دونوں کی تفصیلیں مثلاً درخت اور نہریں اور حور و قصور اور میوے اور پھل اور سانپ بچھو اور درد و آفت اور پوستِ بدن کا پکنا اور ان کا تبدیل ہونا دوسری پوستوں کے ساتھ سب حق ہیں

یہ مذہب اہلِ سنت کا ہے مگر اکثر فریق رافضی جیسے زیدیہ، اسمٰعیلیہ ان چیزوں سے انکار کرتے ہیں اور تاویلیں لاتے ہیں اُن میں جو آیتیں صریح قرآن کی ہیں اور روایتیں صحیح خاندان کی اِن کے جھوٹا کرنے کو بھی دو گواہ عادل کافی و بس ہیں۔

❊ **عقیدۂ پنجم۔** یہ کہ تناسخ باطل ہے، اور اکثر فریق شیعہ جیسے قرامطہ، کاملیہ، منصوریہ، مفضلیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ارواح تناسخ کرتی ہیں یعنے ایک تن سے دوسرے بدن میں جاتی ہیں کہ معاد اسی انتقال سے عبارت ہے۔ اِس طور پر کہ کامل ارواحیں جو عقائد حق و طاعات کے ساتھ ہیں وہ آسودہ اور مالدار اور تندرست و صحیح مزاج آدمیوں کے بدن میں نقل کرتی ہیں جیسے بادشاہ اور اُمراء کہ یہی معنے جنت کے ہیں۔ اور جو ارواح کہ ناقص ہیں وہ کبھی فقیر محتاج مریض کے بدن میں کہ غم و رنج میں مبتلا ہے جاتی ہیں اور کبھی حیوانوں کے بدن میں کہ مناسب اُن کے اوصاف کے ہوں جاتی ہیں۔ مثلاً حریصوں کے واسطے چیونٹی اور متکبروں اور شجاعوں کے لئے شیر و چیتا۔ اور خرگوش اور مثل اس کے نامرد کے واسطے اور لومڑی مکار و دغاباز اور بندر مسخرہ اور ریچھ چور اور طاؤس خود دار اور خود پسند کے واسطے۔

اصل میں یہ عقیدہ ہندوؤں سے اُنھوں نے اختیار کیا ہے۔ بلکہ بعض نصوص قرآنی کے بھی لفظ و معنے بدل کر اسی پر قیاس کرتے ہیں جیسے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ۔ حالانکہ معنے آیت کے یہ ہیں کہ جانور چرند خواہ پرندہ جُدا جُدا قسم کی نوع ہیں مثل بنی آدم کے اِس بات میں کہ ہر ایک کو خواص و حکم اور پرواز مناسب اُس کی خلقت و پیدائش کے بخشا ہے۔ پس اگر معنے تناسخ کے مراد ہوں تو لازم آئے گا کہ کسی جانور کی پیدائش ابتدائی نہیں ہے جتنے افراد حیوان کے ہیں اصل میں سب آدمی تھے کہ تناسخ کے سبب سے جانور ہو گئے ہیں۔ حالانکہ مذہب اہلِ تناسخ کا یہ نہیں ہے یعنی کہ سب آدمی اصل میں ہوں اور جیسے یہ آیت كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا کہ یہ دوزخیوں معذب کے عذاب میں اتری ہے نہ کہ اُن ارواحوں کے حق میں جو ایک تن سے دوسرے بدن میں جاتی ہیں دنیا میں اور جیسے یہ آیت كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا (جب چاہیں گے کہ نکلیں اُس آگ سے تو لوٹا دیئے جائیں گے پھر اُس میں) اِس میں ضمیر راجع طرف آگ آخرت کے ہے۔

اسی طرح جو حدیثیں کہ دلالت کرتی ہیں اِس بات پر کہ قیامت کے دن صورتیں بدل جائیں گی اور مختلف صورتوں سے حشر ہو گا ان کی مدعا کو چھو نہیں سکتیں اِس سبب سے کہ اصل تناسخ کی یہ ہے کہ اسی جہان میں انتقال روح کا ایک تن سے دوسرے بدن میں ہو نہ کہ عالم آخرت میں۔ اور حدیثیں اسی بات کو بتاتی ہیں نہ کہ اُس کو۔ اور یہ بھی ہے کہ دوسرا بدن جس میں روح نقل کرے تمام اجزا میں

اوّل بدن کا غیر ہونا کہ اوّل بدن کی سی چوڑائی لمبائی مع صورت شکل اُنہی اجزا کی اور اُس کے ساتھ قطعی دلیلیں قائم ہیں اس بات پر کہ اعمال کا بدلہ تناسخ کے ساتھ محال ہے اِس واسطے کہ جس وقت اُس نے بدلہ اعمال کا پایا ہے اُس وقت اُس کا مکلّف بالشّرع ہونا محال ہے بدون تکلیف سابق کے بدلہ محال ہے۔ پس اس صورت میں یہ دونوں محال لازم آتے ہیں۔ مثلاً جیسے ایک شخص نے اعمال نیک کئے اور رُوح اس کی بعد موت کے اگر انسان کے بدن کی طرف منتقل ہوتی تو اس حالت میں وہ جزا یافتہ بھی ہے اور مکلّف بالشّرع بھی۔ اِس لئے کہ کوئی فرد بشر مہمل اور بے تکلیف نہیں رہتا۔ اور اگر کسی انسان غیر مکلّف کے بدن میں منتقل ہوتی جیسے لڑکا یا دیوانہ یا کسی حیوان کے بدن میں تو ضروری ہے کہ بعد مرنے کے پھر منتقل ہو کر دوسرے انسان مکلّف یا غیر مکلّف یا حیوان کے بدن میں اور اُس کو دُکھ سُکھ اُس بدن میں پیش آئے گا اُس حالت میں وہ جزا یافتہ ہوگی۔ حالانکہ مطلق تکلیف اُس پر نہ تھی اور یہ دُکھ سُکھ اتفاقی ہے عمل کے مقابلہ میں نہیں تو طریق جزا کا نہ رہا۔ اِس سبب سے کہ جزا دینا تو عبرت اور تنبیہ ہے اور جب گناہوں کو بھی وہی بات پیش آتے جو گناہگاروں کو تھی پھر عبرت کیونکر حاصل ہو۔ اور محل جزا خلط ملط اور درہم برہم صورت پر ہو گیا اور جو کچھ مطیع کو پہنچا وہ غیر مطیع کو بھی پہنچا پھر عزّت و بزرگی مُطیع کو کیا حاصل ہوتی۔

نیز اگر مومنوں اور صالحوں بلکہ انبیاءؑ اور ائمہؑ کو دولتمند فاسقوں کے بدن میں جیسے اُمراء و سلاطین تناسخ واقع ہو تو لازم آئے کہ اس گروہ کی رُوحیں بعد دوسری دفعہ مرنے کے عذاب میں ڈالی جائیں سعادت سے شقاوت کی طرف منتقل ہوں، اور باوجود تعظیم و تکریم کے مستحق ذلّت و اہانت کے ہوں۔ اور اگر دولتمند صالح اور انبیاءؑ کے بدنوں میں واقع ہو تو لازم آئے کہ ہر زمانہ میں صالح اور نبی اگلے زمانہ سے گھٹ کر نہ ہوں بلکہ برابر یا زیادہ، اور اس کے ساتھ سب دولتمند و آسودہ اور یہ خلاف واقع ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی ہے کہ تعلق رُوح کا ہر چند ساتھ عیش و آسودگی کے ہو پھر بھی بعض دُکھوں سے خالی نہیں ہوتا، جیسے بھوک اور درد اور مرض امثال اس کے، اس صورت میں دُکھ پہنچانا مطیع لوگوں اور نبیوںؑ اور اماموںؑ کا لازم آتا ہے کہ ظلم صریح ہے۔ اسی طرح تعلق رُوح کا ہر چند دُکھ کے ساتھ ہے لیکن راحت سے بھی خالی نہیں ہوتا گو بعض اوقات ہو، اس وقت خوش عیشی فرعونوں اور جبّاروں کی لازم آئے۔

اگر بدن غیر متناہی ہیں کہ جن کی حد نہیں تو نوعِ انسان کا قدم لازم آتا ہے یعنی قدیم و دیرینہ ہونا، بلکہ ہر زمانہ میں کمی بدن انسان کی اگلے زمانہ سے محال ہو۔ اور اگر کسی حد پر منتہی ہوں یعنے تمام ہو جائیں تو مکلّف اپنی جزا کے موقعوں سے خالی رہ جائیں، جس وقت کہ لاحق اُن کا منقطع ہو جائے یعنی جس حال

میں تھے وہ نہ رہے اور تکلیف سے خالی ہو جائیں جب کہ سابق منقطع ہو جاتے۔ پس دونوں دو انقطاع صورتوں میں ہیں۔

اگر وہ یہ کہیں کہ جب نوع میں صورتیں نہیں رہتیں تو حکم بدلوں کا آخرت پر منتقل ہوتا ہے آخرت میں بدلہ پائیں گے۔ تو ہم کہیں گے کہ اگلے اعمال کا بدلہ اخیر بدن کے اعمال پر تمام و قطع ہونے والا تھا اب اخیر بدن میں جو اعمال واقع ہوئے وہ ابدی و دائم ہوئے اگر اوّل میں مقتضائے عدل تھا تو دوسرا ظلم ہوا اور جو دوسرا مقتضائے عدل کے تھا تو اوّل ناقص ہوا۔

اسی طرح اگر وہ یہ کہیں کہ ابتدائے نوع میں جو کچھ دُکھ سُکھ تھا اتفاقی تھا بدلہ کی راہ سے نہ تھا تو ہم کہیں گے یہ پچھلے طبقوں کے حق میں ظلم ہوگا۔ اس واسطے کہ وہ خوش عیشی اتفاقی و ابتدائی سے محروم رہیں گے۔ اور پہلے طبقے کے حق میں بھی ظلم ہوا کہ بے تقصیر اُن کو دُکھ دیا۔

حاصل کلام تناسخ کا جزا کے طریق قرار دینا صریح مخالف قاعدوں عرف و عقل کے ہے۔ اور اس مقام پر باطل کرنا اسی قسم تناسخ کا اقسام تناسخ سے مقصود ہے۔

❋ **عقیدہ ششم:** مُردوں کو قیامت سے پہلے دُنیا میں لوٹنا رجوع ہونا نہیں ہے لیکن کُل امامیہ اور بعض فریق اور بھی روافض میں سے بعض مُردوں کے لوٹنے کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور وصی اور امام حسنؓ و حسینؓ اور ان کے دشمن یعنے خلفائے ثلثہؓ اور معاویہؓ اور یزید و مروان اور دیگر ائمہؓ اور ائمہ کے قاتل بعد ظہور مہدیؑ کے سب زندہ ہوں گے اور حادثۂ دجّال سے پہلے ان سب تقصیر واروں کو سزا واقع ہوگی اور قصاص لیں گے پھر مر جائیں گے اور قیامت میں دوبارہ زندہ ہوں گے۔

یہ عقیدہ صریح مخالف کتاب کے ہے کہ بہت سی آیتوں میں لوٹنے کو باطل کیا ہے اُنہی میں سے یہ ہے:

قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔	کہا اُس نے اے پروردگار میرے! لوٹا تو مجھ کو طرف دُنیا کے کہ میں وہ عمل کروں جو کچھ میں نے ترک کیا ہے۔ ہرگز یہ بات نہیں ہے یہ تو ایک کہنے کی بات ہے جس کو وہ کہہ رہا ہے اور اس کی پیٹھ کے پیچھے پردہ ہے دن قیامت تک۔

اُن کا تمسّک مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ اس لفظ پر ہے لیکن یہ موقع بھی شیعہ کو حاصل نہیں ہے جو کہیں کہ لوٹنا اعمالِ صالح کے واسطے محال ہے اور بدلے اور حد جاری کرنے اور تعزیر کے لئے محال نہیں ہے، اِس لئے کہ آخر آیت میں مطلق منع ہے رجعت سے جو فرمایا ہے۔

شریف مرتضٰے نے مسائلِ ناصریہ میں کہا ہے کہ زمانِ مہدیؑ میں ابوبکرؓ و عمرؓ کو ایک درخت پر

سُولی دیں گے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ درخت سولی دینے سے قبل تر و تازہ ہوگا بعد سولی کے خشک ہوجائیگا۔ اِس سبب ایک جماعت کثیر بہک جائے گی اور کہے گی کہ اِن بیچاروں پر بڑا ظلم ہوا کہ یہ درخت سبز خشک ہوگیا۔ بعض کہتے ہیں کہ سولی دینے سے پہلے وہ درخت خشک ہوگا بعد سولی دینے کے سبز و تر و تازہ ہوجائے گا اِس سبب بہت سی مخلوق کو ہدایت ہوجائیگی۔ اور تعجب یہ کہ اس جھوٹ میں بھی باہم اختلاف ہے۔ جابر جعفی کہ اس فرقہ کے متقدمین سے ہے کہتا ہے کہ امیرالمومنینؓ دنیا میں لوٹ آئیں گے قرآن شریف میں جس کو دابۃ الارض کہا ہے وہ اُنہی کی طرف اشارہ ہے۔ خدا ایسی بے ادبی سے بچائے۔ زیدیہ کُل منکر رجعت اور لوٹنے کے ہیں، سخت انکار کرتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں ائمہؓ کی روایتوں سے رَد اس عقیدے کا پُورے طور پر مذکور ہے۔ پس اہلِ سُنّت کو حاجت اِس خرافات کے رد کرنے کی نہ رہی، وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے هُوَالَّذِیْٓ اَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر مارتا ہے تم کو پھر زندہ کرے گا تم کو پھر تم اُس کی طرف رجوع ہوگے) اور فرمایا وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ (جس وقت کہ تم مردہ ہوگے سو زندہ کرے گا وہ تم کو پھر تم کو مارے گا پھر تم کو زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف رجوع کئے جاؤگے)۔

اور دلیل عقلی موافق قاعدوں امامیہ کے باطل ہونے اِس عقیدہ پر یہ ہے کہ اگر پہلے گزر جانے دُنیا سے کہ دُنیا باقی نہ رہے اُن کو مقامِ سزا و قصاص میں سزا دیجائے پھر آخرت میں عذاب کا لوٹانا ظلم صریح ہے پس ضروری ہے کہ وہ آخرت میں معذب نہ ہوں گے اور اُن کو بڑی تخفیف عذاب ہمیشہ اور مستمر سے اور چین و آرام ابدی حاصل ہوگا کہ یہ خلاف شدّت خیانت اور جُرمِ عظیم کے ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی (ہر آئینہ عذاب آخرت کا نہایت سخت اور ہمیشہ کا ہے) اور بالفرض اگر عذاب کرنا ان کا فقدان کی ایذا اور دُکھ پہنچانے کو ہے، وہ خود قبر میں بھی حاصل ہے فَالْاِحْیَاءُ عَبَثٌ وَالْعَبَثُ قَبِیْحٌ یَجِبُ تَنْزِیْهُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَنْهُ (پھر زندہ کرنا عبث ہے اور عبث بہت بُری چیز کو واجب ہے اللہ تعالیٰ کو اُس سے پاکیزگی)۔

اور اگر ان کے گناہ لوگوں پر ظاہر کرنا مقصود ہے تو وہ لوگ اس اظہار کے واسطے بہتر اور سزا وار تر تھے جو ان کے زمانہ میں تھے اور ان کی اصلیت خلافت کے معتقد اور مددگار و معین تھے پس اُس وقت حضرت امیرؓ و حسنینؓ کو قوت بدلہ لینے کی دینا چاہیے تھی کہ باقی اُمت گمراہی میں نہ پڑتی اور ان کے کام سے بیزار ہوجاتی۔ اتنی دیر بدلہ میں، کہ اکثر اُمتیں گزر گئیں اور ذرا اپنے اعمال کی بیہودگی و خرابی کی ان کو اطلاع نہ ہوتی خلاف حکمت و صلاح کے ہے پس اس صورت میں ترک اصلح لازم آیا۔ اور اگر کاش یہ سب آخرت میں، ہو جہاں اوّلین و آخرین جمع ہوں گے سب اس جزا و قصاص سے مطلع ہو جائیں تو بھی فی الجملہ ایک

وجہ ہے۔ اور جب آخرت میں اُن کو پاک صاف کر کے اُٹھایا جہاں ساری مخلوق جمع ہوگی تو پھر یہاں اگرچند لوگوں نے جو اُس وقت موجود ہوں گے اس سبب سے کہ دُنیا کا اُس وقت دم آخری ہوگا ان کی بُرائی اور گناہ پر اطلاع پائی تو کیا حاصل ہوا، مثل اور انقلاب و تغیروں کے اس کو بھی سمجھ لیں گے عبرت تھوڑی کریں گے۔ اور ان کو اُس وقت زندہ کریں گے تو کون بتائے گا کہ یہ ابوبکرؓ ہیں یہ عمرؓ ہیں یہ معاویہ اور کون تفریق اور تمیز کرے گا، جتنے ہوں گے سب ہی خیال کریں گے کہ چند آدمیوں کے یہ نام رکھ لئے ہیں، جیسے یزید اور شمر عاشورۂ محرم میں بنالتے ہیں اور مارتے ہیں۔ یہ سب اپنی تسلّی کے لئے تولیہ طوفان باندھ لیا ہے۔ اور اگر قول امام مہدیؑ اور دوسرے اماموں کا اس مقدمہ میں کافی ہو کہ فلاں ابوبکرؓ ہے فلاں عمرؓ ہے پھر کیا سبب ہے جو یہ قول انکا کہ باطل ہونے امرِ خلافت اور غصب و ظلم میں ان کی بحالتِ حیات کہا ہے مانا نہیں جاتا کہ حاجت زندہ کرنے مُردوں کی پڑی۔ اور اس صورت میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور وصی اور ائمہؓ کو اور لوگوں سے زیادہ ایک مزا موت کا چکھنا ہو، خوب جانتے ہیں کہ موت کے برابر کوئی دُکھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو ایک فعلِ عبث کے لئے دُکھ دینا کب روا رکھتا ہے۔ اور نیز جب اُن کو زندہ کرے اور یہ قرینوں سے جان لیں کہ ہم کو سزا و قصاص کے واسطے زندہ کیا ہے اور ہم ناحق پر تھے ائمہؓ حق پر تھے ضرور صدق و اخلاص سے توبہ نصوح کریں پھر سزا دینا ان کا کب ممکن ہے اور نیز اس میں اہانت حضرت امیرؓ و حسنینؓ کی لازم آتی ہے کہ یہ لوگ اِس درجہ خدا کے نزدیک ذلیل و خوار تھے کہ ان کے دشمنوں سے ان کا بدلہ نہ لیا اور ان کو قدرت نہ دی۔ جب بعد ایک ہزار اور چند سال کے امام مہدیؑ پیدا ہوتے تب فریاد ان کی مقبول ہوتی اور بدلہ لیا اور قُدرت پائی۔

حاصل کلام مفاسد اس عقیدۂ باطلہ کے حدِ تحریر سے زیادہ ہیں۔ پہلے وہ شخص جس سے قول رجعت اور لوٹنے کا شروع ہوا ہے وہ عبداللہ بن سبا ہے لیکن خاص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پھر جابر جعفی شروع دوسری صدی میں رجعت امیرالمومنینؓ کا بھی قائل ہوا لیکن اس کا کوئی وقت نہیں ٹھہرایا۔ امام شافعیؒ سفیان بن عیینہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دن جابر جعفی کے گھر میں گئے اُس سے وہ باتیں سُنیں جن سے ہم کو یہ خوف پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ اس مکان کی چھت ہم پر گر پڑے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ مَا رَاَیْتُ اَکْذَبَ مِنْ جَابِرٍ وَلَا اَصْدَقَ مِنْ عَطَاءٍ (میں نے پرلے سرے جھوٹا جابر سے بڑھ کر نہیں دیکھا اور حد درجہ سچا عطاء سے بڑھ کر نہیں دیکھا) جب تیسری صدی کی نوبت پہنچی تو تیسری صدی کے صاحبوں نے یعنے روافض نے تمام ائمہؓ اور ان کے دشمنوں کی رجعت کا حکم اپنی تسلّی کو ٹھہرا دیا۔

✹ عقیدہ ہفتم یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں گنہگار سے جس کو چاہے گا عذاب کریگا کسی فرقہ کا پابند

اُس کو نہ ہوگا۔ جیساکہ فرمایا یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ (عذاب کرے گا جس کو چاہے گا اور رحم کرے گا جس پر چاہے گا)۔

امامیہ کا اعتقاد ہے کہ امامیہ میں سے کوئی شخص کسی گناہِ صغیرہ میں اور کبیرہ میں عذاب نہیں کیا جائے گا نہ قیامت کے دن نہ قبر میں۔ اور یہ عقیدہ ان کا بالاتفاق مُسلّم الثبوت ہے اسی سبب سے ترک واجبات وارتکاب گناہ میں نہایت دلیر ہیں۔ دلیل اس پر یہ پیش کرتے ہیں کہ محبت علیؓ کی کافی ہے، اسی سے نجات وخلاصی ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ محبت خدا اور محبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جب خلاص و نجات میں کافی نہیں ہے تو محبت علیؓ کی کیونکر کافی ہوگی۔ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص اس فرقہ کا کشمیر کے ایک حمام میں داخل ہوا۔ حمامی نے اُس سے پُوچھا کہ آغا تیرا نام کیا ہے؟ کہا کلبِ علی، حمامی نے کہا غلام علی کیوں نہ نام کیا کہ نوبت کلبِ علی کی پہنچی۔ کہا اِس نیت سے کہ شاید علیؓ کے دروازے کا کُتا جان کر بہشت میں داخل کریں۔ حمامی نے کہا یہ تو بخیر ہے لیکن جب خُدا کے کُتے کو بہشت میں داخل ہونا نہیں ہے تو علیؓ کے کُتے کو کہاں سے توقع دخول بہشت کی ہوگئی۔

حالانکہ یہ عقیدہ ان کے اصُول کے خلاف بھی ہے اور ان کی روایتوں کے خلاف بھی لیکن چونکہ یہ دستاویز مباح ہونے ہر چیز اور بہانہ ترک طاعت کا اور تکلیف سے بچنے کا خُوب ہے، اس کو ملنے ہوتے ہیں، اور اس موقع پر نفس آمارہ ان کے علم وعقل پر خُوب غلبہ کئے ہوتے ہے۔ مخالف اصُول کے اس طرح کہ اگر کوئی امام مرتکب گناہ کبیرہ کا ہوا ہو اور خدا تعالیٰ اُس کو عذاب کرے تو ترک لطف کا ذمّے خدا تعالیٰ کے لازم آئے، اِس واسطے کہ عاصی کو عذاب کرنا ان کے نزدیک خدا تعالیٰ پر واجب ہے جیساکہ گزرا، اس کا انھوں نے عدل نام رکھا ہے۔ اور مخالفت روایات کی اِس سبب سے کہ حضرت امیرؓ اور حضرت سجادؓ اور ائمہ دیگر سے رونا، گڑگڑانا اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے پناہ مانگنا بواسطہ رسولؐ اور قرآن اور کعبے کے اور توسل ڈھونڈھنا ان کا صحیح دُعاؤں میں روایت کیا ہے۔ اور جب یہ بزرگوار اس قدر لرزتے کانپتے رہے ہیں تو دوسرے کو اُن کی محبت پر مغرور ہونا اور اس پر بھروسہ کرنا کیونکر روا ہوگا۔

دراصل یہ عقیدہ اُنھوں نے یہود سے لیا ہے:۔

قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّھُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰھُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔

کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں لگے گی آگ ہم کو مگر گنتی کے دن اور دھوکا دیا اُن کو دین میں اُن باتوں نے جو وہ دل سے جوڑتے تھے، پھر کیا حال ہوگا اُن کا اُس دن کہ جس دن ہم اکٹھا کریں گے اُن کو جس دن میں کہ کچھ شک شبہ نہیں ہے اور پورا دیا جائیگا ہر شخص کو بدلہ اُس کی کمائی کا اور مُطلق ظلم نہیں کئے جائیں گے۔

اور عمدہ متمسک ان کی اس باب میں چند روایتیں ہیں کہ ان کے رئیسوں نے احمقوں کے بُھلانے کو بنائی اور اختراع کی ہیں منجملہ اُن کے روایت ابن بابویہ قمی کی ہے اور اکثر اِس قسم کا کھوٹا نقد اسی کی تھیلی سے نکلتا ہے جو اِن شیعوں کا بڑا بزرگ ہے:۔

تَرْوِیْ فِیْ عِلَلِ الشَّرَائِعِ عَنِ الْمُفَضَّلِ اِبْنِ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ لِمَ صَارَ عَلِیٌّ قَسِیْمَ الْجَنَّۃِ وَالنَّارِ قَالَ لِاَنَّ حُبَّہٗ اِیْمَانٌ وَبُغْضَہٗ کُفْرٌ وَاِنَّمَا خُلِقَتِ الْجَنَّۃُ لِاَھْلِ الْاِیْمَانِ وَالنَّارُ لِاَھْلِ الْکُفْرِ فَھُوَ قَسِیْمُ الْجَنَّۃِ وَالنَّارِ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّا مُحِبُّوْہُ وَلَا یَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا مُبْغِضُوْہُ۔

روایت کیا اُس نے کتاب علل الشرائع میں مفضل ابن عمرو سے کہا میں نے ابی عبداللہ سے پُوچھا کہ علی علیہ السّلام بانٹنے والے جنّت و دوزخ کے کس سبب سے ہوئے؟ کہا محبت اُن کی ایمان ہے اور بُغض اُن کا کُفر اور جنت خاص ایمان والوں کے واسطے پیدا ہوئی ہے اور دوزخ واسطے کُفر والوں کے، وہ دونوں کے بانٹنے والے ہیں، پس جنت میں اُن کے دوستدار داخل ہوں گے اور دوزخ میں اُن کے دشمن۔

دلیل اِس روایت کے جھوٹے ہونے کی یہ ہے کہ حضرات ائمہؓ مخالف قرآن وشریعت کے نہیں فرماتے ہیں نہیں تو اپنے آپ کو بھی جُھوٹا ٹھہرائیں اور اپنے باپ دادوں کو بھی۔ نیز اس روایت میں بچند وجوہ مخالفت قاعدوں مقررہ شریعت کی ہے۔

❁ اوّل یہ کہ اگر کسی شخص کی محبت ایمان اور بُغض کُفر ہو تو یہ لازم نہیں آتا کہ وہ بہشت و دوزخ کا بانٹنے والا بھی ہو۔ اِس واسطے کہ تمام انبیاءؑ و رُسل اور امام حسنینؓ یہ رُتبہ رکھتے ہیں کہ محبت اُن کی ایمان اور دشمنی اُن کی کُفر ہے لیکن بہشت و دوزخ کے بانٹنے والے کوئی نہیں ہیں۔

❁ دوسرے یہ کہ فقط حُبِّ علیؓ سے ایمان کامل وتمام نہیں ہوتا۔ اور اگر ایسا ہو تو توحید یعنے خدا کو واحد جاننا اور نبیؐ کو برحق سمجھنا اور آخرت پر ایمان لانا، اور دیگر جو عقائد شیعہ کے ہیں سب لغو وبیہودہ ہوجائیں گے۔ اور دیگر ائمہؓ کو بُرا کہنا اور ایذا دینا سب روا ہوجائے گا معاذ اللہ من ذٰلک۔ اور جب ایمان کامل نہ ہوا تو بلکہ محبت علیؓ کی ایک جُز اجزائے ایمان سے ہے تو جنّت میں کیونکر داخل ہوجائے گا اور یہ جُز کیا کفایت کرے گا؟ چنانچہ خوب ظاہر ہے۔

❁ تیسرے یہ کہ کلمہ لَا یَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا مُبْغِضُوْہُ صریح اس بات کو بتاتا ہے کہ کوئی کافر جیسے فرعون، ہامان، شداد، نمرود، عاد اور ثمود دوزخ میں نہیں جائیں گے اس واسطے کہ دشمن علیؓ کے نہ تھے بالاتفاق۔

✽ چوتھے اگر ان سب باتوں کو ہم مان بھی لیں تب بھی مدّعا کے برابر نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مُحِبُّوْهُ مقتضی اس بات کا ہے کہ علیؓ کے مُحبّوں کے سوا کوئی جنت میں نہ جائے نہ یہ کہ ہر محبّ علیؓ کا جنّت میں جائے۔ چنانچہ ان دونوں مضمونوں کا فرق لڑکوں پر بھی ظاہر ہے۔

✽ پانچویں اگر ان سب سے بھی ہم درگزر کریں تو لازم آتا ہے کہ سب فرقے رافضیوں کے غلاة کیا اور کیا کیسانیہ اور ناؤسیہ اور افطحیہ اور قرامطہ اور باطنیہ ناجی ہوں۔ تو یہ بھی خلاف مذہب امامیہ ہے۔

پس جب یہ روایت مقصود پر نہ جمی اور نشانہ پر نہ پہنچی تو شیخ ابن بابویہ نے دوسری روایت کردی :-

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَهُوَ مُسْتَبْشِرٌ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ الْاَعْلٰى یَقْرَءُكَ السَّلَامَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ نَبِیِّیْ وَرَحْمَتِیْ وَعَلِیٌّ حُجَّتِیْ لَا اُعَذِّبُ مَنْ وَالَاهُ وَاِنْ عَصَانِیْ وَلَا اَرْحَمُ مَنْ عَادَاهُ وَاِنْ اَطَاعَنِیْ۔

ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس جبریل علیہ السّلام آئے خوش حال پھر کہا اے محمدؐ! بیشک اللہ برتر تم کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ محمدؐ میرا نبی ہے اور رحمت، اور علیؓ میری حجّت ہیں عذاب نہیں کروں گا اُس کو جو اُس کا دوست ہے اگرچہ میری نافرمانی کرے، اور جو اُس کا دشمن ہے اُس پر رحم نہیں کروں گا اگرچہ میرا مطیع ہو۔

دلیل جھوٹ ہونے اِس روایت کی یہ ہے کہ یہاں معنی نبوّت کے درحقیقت حضرت علیؓ میں ثابت ہوئے۔ اس واسطے کہ طاعات و مُنکر کا احاطہ خاصہ انبیاءؑ کا ہے۔ اور فضیلت حضرت علیؓ کی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر اس سبب سے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے مرتبہ حجّت کا ثابت نہیں ہے علیؓ کو ہے، اس لئے کہ منکر اُن کا یعنے پیغمبرؐ کا بھی جملہ عاصیوں سے ہے اور مُعتَرِ اُن کا جملہ مطیعوں سے، مگر علیؓ کے محبّ کو عصیان سے کچھ خوف نہیں اور دشمن کو طاعت سے کچھ نفع نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز روزہ طاعت و بندگی سب منسوخ و باطل ہیں۔ اسی طرح گناہ کبیرہ بھی هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (یعنے ناچیز و نابود)۔ اب تو حُبّ علیؓ پر اور اُن کی دشمنی پر مدار نیک و بد کے بدلے کا ٹھہرا۔ اور یہ بھی لازم آیا کہ قرآن مجید مخلوق کے گمراہ کرنے کو نازل ہوا، مطلق ہدایت کی بات اُس میں نہیں۔ اِس وجہ سے کہ سارے قرآن میں وہ بات جو کام کی ہے یعنی حُبّ علیؓ اور بُغض علیؓ کہیں مذکور نہیں ہے اور مذکور بھی ہو تو ایسے جو ہر شخص مکلّف بالشرع سمجھ لے ضرور موجود نہیں ہے اور مُعمّا سمجھنے کی طاقت ہر کسی میں نہیں ہوتی۔ پس تمام قرآن ایسی چیز کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے جو آخرت میں ہرگز کارآمد نہیں بالکل مشقّت و رنج اور کلفت و ملال اِس سے حاصل ہے،

کارآمد کی بُو بھی اس میں نہیں، مَعَاذَ اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ اور نیز اِس قسم کا کلام دل سے بنانا نفس کو دلیر کرنا اور شیطان کی مدد کرنا ہے۔ ممکن نہیں کہ انبیاءؑ و اوصیاء کہ نفس و شیطان کی راہ روکنے اور مداخل بند کرنے کو پیدا ہوتے ہیں ایسا کلام فرمائیں۔

جب حالت اس روایت کی معلوم ہوئی تو اب دوسری روایت ان کی معتبر کتابوں کی سُننا چاہیے۔ اور تناقض جو ایک دوسرے کو بگاڑتے ہیں اور تعارض جو باہم جھگڑتے ہیں سمجھنا چاہیئے :-

مِنْ ذٰلِكَ مَا رَوٰهُ سَیِّدُهُمْ وَ سَنَدُهُمْ حَسَنُ بْنُ كَبْشٍ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ نَظَرَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ هٰذَا خَیْرُ الْاَوَّلِیْنَ وَخَیْرُ الْاٰخِرِیْنَ مِنْ اَهْلِ السَّمٰوَاتِ وَ اَهْلِ الْاَرْضِ هٰذَا سَیِّدُ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ سَیِّدُ الْوَصِیِّیْنَ وَاِمَامُ الْمُتَّقِیْنَ قَائِدُ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِیْنَ اِذَا كَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ كَانَ عَلٰى نَاقَةٍ مِّنْ نُوْقِ الْجَنَّةِ قَدْ اَضَاءَتْ عَرْصَةُ الْقِیَامَةِ مِنْ ضَوْءِهَا عَلٰى رَاْسِهٖ تَاجٌ مُّرَصَّعٌ مِّنَ الزَّبَرْجَدِ وَالْیَاقُوْتِ فَتَقُوْلُ الْمَلَآئِكَةُ هٰذَا مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَ یَقُوْلُ النَّبِیُّوْنَ هٰذَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ فَیُنَادِی الْمُنَادِیْ مِنْ تَحْتِ بُطْنَانِ الْعَرْشِ هٰذَا الصِّدِّیْقُ الْاَكْبَرُ هٰذَا وَصِیُّ حَبِیْبِ اللّٰهِ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فَیَقِفُ عَلٰى مَتْنِ جَهَنَّمَ فَیُخْرِجُ مِنْهَا مَنْ یُّحِبُّهٗ وَیُدْخِلُ فِیْهَا مَنْ یُّبْغِضُهٗ وَیَاْتِیْ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ فَیُدْخِلُ فِیْهَا مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

اُنہی متناقض اور متعارض روایتوں سے ایک یہ ہے کہ جس کو روایت کیا ان کے سردار اور ان کے پیشوا حسن بن کبش نے ابی ذر سے کہا نگاہ کی نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے طرف علیؓ بن ابی طالب کے اور کہا کہ وہ شخص جو آسمان و زمین کے اوّلین میں بھی بہتر ہے اور آخرین میں بھی بہتر ہے، یہ رئیس صدیقوں کا ہے، اور سردار وصیوں کا، امام متّقیوں کا، ہاتھ پکڑنے والا اُمّت سفید رُو اور سفید دست و پا کا، جب قیامت کا دن ہوگا تو یہ ایک ناقہ پر جنت کے ناقوں سے سوار آئے گا، جس ناقہ کی روشنی سے میدانِ قیامت روشن ہوجائے گا اور تاج مرصّع زبرجد و یاقوت سے سر پر رکھے ہوئے، پس فرشتے تو کہیں گے یہ کوئی فرشتہ مقرّب ہے اور پیغمبر کہیں گے یہ کوئی نبی مُرسل ہے، پس پکارنے والا پکارے گا تحت بطنانِ عرش سے کہ یہ صدیقِ اکبر ہے، یہ خدا کے محبوبؐ کا وصی ہے یعنے علیؓ ابن ابی طالب، پھر کھڑا ہوگا پشتِ جہنم پر پس نکالے گا جہنّم سے اپنے دوستدار کو اور داخل کرے گا اپنے دشمن کو اُس میں، پھر آئے گا جنّت کے دروازوں پر اور داخل کرے گا جنّت میں جس کو چاہے گا بے حساب۔

آب یہ روایت صریح اِس بات پر نص کرتی ہے کہ بعض گنہگار مُحب علی رض کے بھی دوزخ میں داخل ہونگے کہ ان کو حضرت امیر نکالیں گے اور بعد عذاب جنت میں داخل فرمائیں گے۔ پس اگر یہ جماعت محبّوں سے نہ تھی تو ان کو بہشت میں کیوں داخل کیا۔ اور اگر مُحبّوں سے تھی تو دوزخ میں کیوں پڑی۔

وَمِنْ ذٰلِكَ مَارَوٰى ابْنُ بَابَوَيْهِ الْقُمِّيّ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ عَبْدًا مَكَثَ فِي النَّارِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا وَكُلُّ خَرِيْفٍ سَبْعُوْنَ سَنَةً قَالَ ثُمَّ اِنَّهٗ سَاَلَ اللّٰهَ تَعَالٰى بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ اَنْ يَّرْحَمَهٗ فَاَخْرَجَهٗ مِنَ النَّارِ وَغَفَرَ لَهٗ۔

اور اسی قسم کی یہ روایت جس کا راوی ہے ابن بابویہ قمی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے، کہا بیشک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک بندہ دوزخ میں ستّر برس رہا اور ہر برس ستر ستّر برس کے، فرمایا پھر بیشک اُس نے اللہ سے یوں سوال کیا کہ طفیل محمدؐ اور اُن کی آل کے مجھ پر رحم کر، سو نکالا اُس کو اللہ نے دوزخ سے اور بخش دیا اُس کو۔

پس یہ شخص اگر محب امیر رض کا تھا تو اتنی مدت دوزخ میں کیوں عذاب کیا گیا؛ اور اگر دشمن تھا تو بہشت میں پھر کیوں داخل ہوا اور بخشا گیا۔ یہ روایتیں کہ شیعہ کی طرف سے ہیں ان کا جواب وہی ہے جو بارہا ہم کہہ چکے ہیں کہ "جھوٹے کو حافظہ نہیں ہوتا"۔ اور خوب ظاہر ہے کہ محبت حضرت امیر رض کی ہرگز اُس شخص کو فائدہ نہیں کرے گی جس کا عقیدہ اُن کے عقیدے کے خلاف ہوگا۔ اور اُن کے طریقے کو چھوڑ کر شیطانوں گمراہ اور جھولوٹں اور جھوٹی روایتیں بنانے والوں کا پیرو ہوگا۔ کیا وہ شخص جو منکر ولایت حسنین رض اور بتول رض اور دیگر ائمہ کا ہو اور فقط محبت امیر رض کی رکھتا ہو وہ بہشتی ہوگا اور مطلق عذاب دوزخ نہ چکھے گا جیسا کہ اس صورت میں لازم آتا ہے۔ حالانکہ ابن مُعلّم نے ان کے کہ جس کا لقب ان کے نزدیک مفید ہے یعنے فائدہ بخشنے والا کتاب المعراج میں خود روایت کی ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ يَا مُحَمَّدُ لَوْ اَنَّ عَبْدًا عَبَدَنِيْ حَتّٰى يَصِيْرَ كَالشَّنِّ الْبَالِيْ اَتَانِيْ جَاحِدًا لِّلْوِلَايَةِ مُحَمَّدٍ وَعَلِيٍّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ مَا اَسْكَنْتُهٗ جَنَّتِيْ۔

بیشک اللہ تعالٰی نے فرمایا اے محمدؐ! اگر کوئی بندہ میری عبادت کرے یہاں تک کہ ایسا ہو جاوے جیسے پُرانا مشک اور محمدؐ اور علی رض اور فاطمہ رض اور حسن رض و حسین رض کی ولایت کا انکار کرتا ہوا میرے سامنے آئے میں اُس کو اپنی جنت میں نہیں ٹھکانا دوں گا۔

پس کیسانیہ باوجود اس کے کہ حسنین رض کی ولایت کے منکر ہیں، اور غلاۃ باوجود مخالفت عقیدہ حضرت امیر رض کے چاہیے کہ بہشتی اور ناجی ہوں۔ اور اگر امامیہ کہیں کہ اس روایت میں انکار پانچوں کی ولایت کا مذکور ہے کہ اُن میں سے حضرت امیر رض بھی ہیں پس شاید اُس کی عبادت کا مقبول نہ ہونا اسی سبب سے ہو کہ ان کی

ولایت کا منکر تھا۔ ہم کہیں گے اس صورت میں تو انکار ولایت محمدؐ کا جس کو کفر لازم ہے بالاجماع وہ کیا کافی نہ ہوگا اُس کے اعمال حبط ہونے میں بغیر دخل انکار ولایت حضرت امیر رض کے، پس معلوم ہوا کہ یہاں انکار ولایت جُدا جُدا ہر شخص کا منظور ہے اور اسی سے مدعا ثابت ہوتا ہے۔

اور جو یہ کلام سوائے فرقہ اثنا عشریہ کے اور فرقوں تک شیعہ کے پہنچا کہ اُن کا ہم نے ذکر کیا اثنا عشریہ رہ گئے۔ لہٰذا لازم آیا کہ ان کے عقیدے کا بھی بیان جو کچھ اُن کے حق میں ہے کریں۔ جاننا چاہیے کہ اثنا عشریہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جملہ فرقے شیعہ کے سوائے اثنا عشریہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے فقط اثنا عشریہ کی نجات ہے، یہ بات ان میں مشہور ہے۔ لیکن ابن مطہر حلی اپنی شرح تجرید میں کہتا ہے کہ اِن فرقوں میں ہمارے علماء کو اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اس واسطے کہ یہ سزاوار و مستحق جنت ہی کے نہیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دوزخ میں تو پڑیں گے مگر پھر اُس سے نکال کر بہشت میں داخل کئے جائیں گے۔ اور ابن نوبخت و دیگر علماء ہمارے کہتے ہیں کہ دوزخ سے تو نکالے جائیں گے اس سبب سے کہ کافر نہیں ہیں مگر بہشت میں بھی نہیں جائیں گے کہ ایمان صحیح نہیں رکھتے کہ مقتضی استحقاق جنت کا ہے لہٰذا اعراف میں رہیں گے۔ اور صاحب التقویم کہ علمائے امامیہ سے اجلّ اور بہت بزرگ ہے کہتا ہے کہ کُل شیعہ بہتر فرقوں پر بٹے ہیں سب میں نجات پانے والے اثنا عشریہ ہیں باقی فرقے چندے دوزخ میں عذاب کئے جائیں گے پھر بہشت میں جائیں گے۔

حاصل کلام ہمیشہ معذب ہونا یا چندے معذب ہونا پھر منقطع ہونا عذاب کا حضرت امیر رض کے مُحبّوں کا ثابت کرتے ہیں۔ اور صاحب التقویم کا یہ قول بھی ہے وَاَمَّا سَائِرُ الْفِرَقِ الْاِسْلَامِيَّةِ فَكُلُّهُمْ مُخَلَّدُوْنَ فِي النَّارِ (سوائے اثنا عشریہ کے کُل فرقے اسلامیہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے) پس اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت بھی ان کے نزدیک ہمیشہ کو دوزخی ہیں۔ حالانکہ وہ محبت حضرت امیر رض کی رکھتے ہیں اور اس کو جزو ایمان کا جانتے ہیں۔ پس قاعدہ محبت حضرت امیر رض کا ایک دوسرے کے اتفاق اور اختلاف دونوں طرح پر بگڑ گیا۔

اچھا اب اس مذہب کو تو کسی گوشہ خاطر میں اب برڑا رکھنا چاہیے۔ اور ان روایتوں کو خوب کان لگا کر سُننا چاہیے :۔

رَوٰى ابْنُ بَابَوَيْهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ وَالَّذِيْ بَعَثَنِيْ لَا يُعَذَّبُ بِالنَّارِ مُوَحِّدٌ اَبَدًا۔

روایت کی ابن بابویہ نے ابن عباس رض سے اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھ کو پیغمبر کیا توحید کرنے والا کبھی دوزخ میں مُعذّب نہ ہوگا۔

وَرَوَى الطَّبَرْسِيُّ فِي الْاِحْتِجَاجِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ مَنْ اَخَذَ بِمَا عَلَيْهِ اَهْلُ الْقِبْلَةِ الَّذِي لَيْسَ فِيْهِ اخْتِلَافٌ وَرَدَّ عِلْمَ مَا اخْتُلِفَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ سَلِمَ وَنَجَى مِنَ النَّارِ وَدَخَلَ الْجَنَّةَ۔

روایت ہے طبرسی سے احتجاج میں حسنؓ بن علیؓ سے، جس نے مضبوط پکڑا اُس بات کو جس پر اہلِ قبلہ ہیں کہ اُس میں اختلاف نہیں ہے اور چھوڑ دیا اختلاف والی چیز کو خدا کی طرف وہ بچ گیا اور اُسی نے نجات پائی اور جنت میں داخل ہوگا۔

وَرَوَى الْكُلَيْنِيُّ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ عَنْ زُرَارَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ اَصْلَحَكَ اللّٰهُ اَرَاَيْتَ مَنْ صَامَ وَصَلّٰى وَحَجَّ وَاجْتَنَبَ الْمَحَارِمَ وَحَسُنَ وَرَعُهٗ مِمَّنْ لَا يَعْرِفُ وَلَا يَنْصِبُ الْاَئِمَّةَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهٖ۔

روایت کی کلینی نے باسنادِ صحیح زرارہ سے، کہا میں نے ابی عبداللہ سے کہا، نیکی دے تجھ کو اللہ تعالیٰ آیا دیکھا تو نے کسی کو جس نے روزہ رکھا اور نماز پڑھی اور حج کیا اور بچا رہا حرام چیزوں سے اور اچھی پرہیزگاری کی اُن لوگوں سے جو نہیں معترف ہیں اور نہیں قائم کرتے ہیں المہ کو، کہا بیشک اللہ تعالیٰ داخل کرے گا اُن کو جنت میں اپنی رحمت سے۔

پس یہ تینوں خبریں صحیح اہلِ سُنّت کی نجات پر دلالت کرتی ہیں اگرچہ شناخت امامت ائمہؒ کی نہ رکھتے ہوں نہ کہ اُن کو مستحق امامت کا جانیں اور پیشوا دین کا سمجھیں اور نہایت محبت اُن سے بہم پہنچائیں اور بھی اخبار قول جمہور اور قول صاحب التقویم کے باطل کرنے والے ہیں جیسا کہ ہر اُس شخص پر ظاہر ہے جس میں ذرا بھی سمجھ ہے۔ اور کلام ابن نوبخت منجم کا کہ در اصل مجوسی ہے ابھی تک اسلام کے قاعدوں سے خبردار نہیں صریح باطل اور بے اصل ہے اِس واسطے کہ اعراف دار الخلد نہیں ہے یہاں ایک مدت سے زیادہ کوئی نہ رہے گا کیونکہ اصحاب اعراف آخر بہشت میں داخل ہوں گے، جیسا کہ نہایت صحیح ثابت ہے مسلمانوں کے نزدیک۔

باب نہم ۹

در احکامِ فقہیہ

کہ شیعہ نے اُس میں خلاف ثقلین یعنے کتاب و عترت کا کیا ہے، اور مضمون اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ (آیا اِن کے شریک ہیں جنھوں نے وہ راہ نکالی ہے ان کے لیے جس کا اذن خدا تعالیٰ نے نہیں دیا ہے) ان پر صادق آتا ہے۔

غلاۃ و کیسانیہ کے احکام اکٹھے اور باب باب اور فصل فصل پائے نہیں جاتے اس واسطے کہ اِن کے علماء اور اِن کی کتابیں مفقود ہیں۔ لیکن اتنا بہ یقین ثابت ہے کہ مختار ثقفی نے بہت سی چیزیں اپنی طرف سے شریعت میں ٹھہراتی ہیں۔ اور دعویٰ کرتا تھا کہ مجھ پر جبرئیلؑ نازل ہوتے ہیں اور وحی لاتے ہیں پس یہی باتیں ان کی فقہ کی قیاس کرلو۔ ع۔ قیاس کُن زگلستانِ مَن بہارِ مرا

رہے زیدیہ تو ان کے مجتہدوں نے بہت سے احکام خلاف شریعت نئے نکالے ہیں یمن کے بہت سے شہروں میں ان کے علماء اور ان کی کتابیں ملتی ہیں۔ ازانجملہ کتاب الاحکام ان کی مشہور تر کتاب ہے۔ اسمٰعیلیہ اکثر مسائل میں موافق امامیہ کے ہیں قبل خروج عبیدیوں کے اور بعد خروج ان کے اور احکام نئے بنائے ہیں چنانچہ بعض مسائل ان کے گزرے۔ قرامطہ اور باطنیہ نے سرے ہی سے احکام و شرائع کے باطل کرنے کا قصد کیا ہے اور ظاہر پر عمل نہ کرنا ان کا شعار ہے پس یہ درحقیقت دشمن اصل فقہ اور شریعت کے ہیں۔

بالفعل اس زمانہ میں سوائے اثنا عشریہ کے کوئی فرقہ ایسا نہیں ہے کہ جس کے احکام اگر جمع ہیں تو اس ملک میں بھی ہیں۔ پس ضروری ہے کہ بنظرِ غور ان کے فقہ کی کتابیں دیکھیں اور مخالفت ان کے طوروں کی اطوارِ شرع سے ظاہر کریں تاکہ عاقل ان کے جھوٹ اور بندش اور اختراع و ابتداع یعنے نئی نئی باتیں نکالنے پر سُراغ لگالے۔ ہرچند اہلِ سُنّت بھی اپنے مسائل فقہیہ میں باہم مختلف ہوتے ہیں لیکن ہر ایک کو تمسک قرآن اور حدیث اور آثار پر ہے۔ اور موجب اختلاف کا یہ ہے کہ معانی سمجھنے اور علل شرائع میں اختلاف ہوا ہے بخلاف اِس گروہ کے کہ ان کی مخصوص شریعتیں قرآن اور حدیث کے طور سے مطلق مشابہ نہیں ہیں گویا شریعت یہود و نصاریٰ کی ہے یا شاستر اور وید ہنود کا یا صابئین کی دساتیر ہے۔ چونکہ یہ بحث نہایت طول ہونا چاہتی ہے ناچار بطور نمونہ کے ڈھیر سے اور تھوڑا بہت سے

ہم یہاں ذکر کریں، کیونکہ عقلمند کو اشارہ کافی ہے۔

اوّل۔ احکام ان کے احکام کا حکم تکفیر صحابہؓ کا ہے یعنے کافر ٹھہرانا مع خلفائے ثلثہؓ کے اور چند امہات المومنینؓ کو کہ سب ازواج میں وہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب تر ہیں بالاجماع اور رحی لعنت اس کی بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے ظاہر ہے۔

دوم۔ فضیلت لعن عمرؓ کی اللہ کے ذکر پر کسی شریعت میں اور کسی دین میں لعن ابلیس کو کہ اصل اصول بہکانے اور گمراہ کرنے کا ہے طاعت نہیں سمجھا ہے نہ کہ افضل طاعت وجہ سے جانیں۔ اور قرآن مجید میں صریح وارد ہے وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے)۔

سوم۔ یہ کہ لعن بڑے بڑے مہاجرین اور انصار اور خلفائے ثلثہؓ اور اکثر عشرہ مبشرہ جیسے طلحہؓ اور زبیرؓ علاوہ ان کے عائشہؓ اور حفصہؓ کی بعد نماز پنجگانہ کے واجب جانتے ہیں۔ یہ بھی مخالف طور و طریقہ تمام شریعتوں اور دینوں کے ہے کیونکہ تمام انبیاءؑ و مرسلین کے دشمن تھے جیسے فرعون کہ سالہا سال بنی اسرائیل کو طرح طرح کی ایذا اور رنج پہنچاتے۔ قولہ تعالیٰ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ (اور جس وقت کہ نجات دی ہم نے تم کو قوم فرعون سے کہ داغ دیتے تھے وہ تم کو برے عذاب یعنی مار ڈالتے تھے تمہارے لڑکے اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری لڑکیاں) وقولہ تعالیٰ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ الخ (اسی طرح کئے ہم نے واسطے ہر نبی کے شیاطین انسان سے دشمن) کسی ملت و مشرب میں لعن کسی کی اپنے دشمنوں سے انبیاءؑ و رسل نے فرض نہیں کی اور نماز کے پیچھے اس کا اشتغال نہ فرمایا بلکہ مستحب بھی نہ ٹھہرایا اور کسی ثواب اور بدلہ کا وعدہ نہ کیا۔

چہارم۔ احداث عید غدیر یعنے نئی نکالی ہوئی جو اٹھارویں ذی الحجہ کو کرتے ہیں اور اس عید کو عید الفطر اور عید اضحیٰ پر فضیلت دینا اور عید اکبر نام رکھنا صریح مخالفت شریعت کی ہے۔

پنجم۔ احداث عید بابا شجاع الدین کہ ان کے نزدیک لقب ابولولو آتش پرست مجوسی قاتل حضرت عمرؓ کا ہے کہ وہ ان کے گمان میں نواں دن ربیع الاوّل کا ہے۔

رَوٰى عَلِيُّ بْنُ مَظَاهِرٍ الْوَاسِطِيُّ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ اِسْحٰقَ اَنَّهٗ قَالَ هٰذَا الْيَوْمُ يَوْمُ الْعِيْدِ الْاَكْبَرِ وَيَوْمُ الْمُفَاخَرَةِ وَيَوْمُ التَّبْجِيْلِ وَيَوْمُ الزَّكٰوةِ الْعُظْمٰى وَيَوْمُ الْبَرَكَةِ وَيَوْمُ التَّسْلِيَةِ۔	روایت کی علی بن مظاہر واسطی نے احمد بن اسحٰق سے، بیشک اُس نے کہا یہ دن عید اکبر کا ہے اور دن مفاخرت کا اور دن تعظیم کا اور دن بڑی زکوٰۃ دینے کا، اور دن برکت کا اور دن بزرگی کا۔

اِس عید کا موجد و محدث احمد بن اسحٰق ہے۔ اسی شخص نے یہ عید اسلام میں نئی پیدا کی۔ اُس کے بعد اُس کے پیرو ہوتے، جب بہت سا زمانہ گزر گیا تو اس عید کی نسبت ائمہؑ سے شروع کی۔ حالانکہ یہ عید مجوسیوں کی عید سے ہے کہ خبر قتل امیر المومنین عمرؓ بن خطاب کی جو ایک مجوسی کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے سن کر نہایت ہی خوش ہوئے تھے اور اس دن کا روزِ انتقام اور روزِ مفاخرت اور روزِ تسلیہ نام رکھا گیا۔ اس واسطے کہ حضرت عمرؓ سے جو کچھ ان پر اور ان کے دین و دولت پر گزرا تھا ظاہر ہے۔ اس واسطے اس دن میں یہ عید ٹھہرائی ہے کہ قتل کی خبر ان کو اس دن میں صاف صاف معلوم ہوتی تھی ورنہ روز قتل حضرت عمرؓ کا اٹھائیسویں ذی الحجہ کی بلا اختلاف اور دفن ان کا غرۂ محرم۔ پس اگر ائمہؑ اس عید کو کرتے تو دن کیوں بدل ڈالتے؟ اور خود بھی اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ عید ائمہؑ کے زمانہ میں نہ تھی بلکہ اسی احمد بن اسحاق کی نکالی ہوئی ہے۔

ششم۔ تعظیم روزِ نوروز کی کہ مجوسوں کی عید سے ہے قَالَ ابْنُ فَهْدٍ فِي الْمُهَذَّبِ بِاَنَّهٗ اَعْظَمُ الْاَيَّامِ (کہا ابن فہد نے مہذب میں کہ وہ بزرگتر دن ہے سب دنوں میں) اور یہ محض پیروی رسوم جاہلیت کی ہے اسلام میں۔ امیر المومنینؑ سے صحیح مروی ہوا کہ نوروز کے دن ایک شخص آپ کے پاس حلوا اور فالودہ لایا تھا، پوچھا کہ کیوں لایا ہے؟ کہا آج نوروز ہے، فرمایا نَيْرُوْزُنَا كُلَّ يَوْمٍ وَمِهْرَجَانُنَا كُلَّ يَوْمٍ (ہر روز ہم کو نوروز ہے اور ہر روز ہم کو آفتاب) اور یہ اشارہ ایک باریکی کا ہے یعنے خوبی نوروز کی اسی سبب سے تو ہے کہ آفتاب معدل النہار سے اپنی ایک حرکت خاص کے ساتھ اُن لوگوں کی طرف جو شمالی ملکوں کے رہنے والے ہیں متوجہ ہوتا ہے اور پاس آجاتا ہے جس کے سبب سے بدنوں اور جسموں میں ایک حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور نامیہ ترقی کرتی ہے اور نفس نباتی کو تازگی حاصل ہوتی ہے کہ یہ بات طلوع میں ہر روز زیادہ تر ثابت ہے۔ اس واسطے کہ آفتاب پہلی حرکت میں کہ وہ نہایت تیز اور ظاہر سب حرکتوں میں ہے دائرۂ اُفق سے نکل کر اُس اُفق کے لوگوں پر نور افشانی کرتا ہے اور قوت باصرہ کو جلا دیتا ہے اور روح کو تراوٹ و تازگی دیتا ہے اور منافع خاص نوع انسان کے زراعت اور تجارت اور صناعت اور حرفہ سے بسبب اُس کے بہتر و بیشتر واقع ہوتے ہیں۔ اور صورت حیات کے بعد صورت موت کی ظاہر ہوتی ہے، قولہ تعالیٰ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا (اور ٹھہرایا اُس نے تمہارے واسطے رات کو ایک چھپاؤ اور نیند کو آرام اور ٹھہرایا اُس نے تمہارے واسطے دن کو پھیلانے والا کہ اپنے اپنے کام میں پھیل جاتے ہو) وقولہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (ٹھہرایا ہم نے تمہاری نیند کو آرام اور رات کو چھپاؤ اور ٹھہرایا ہم نے

دن کو معاش یعنی سبب حصول معاش) پس یہ وقت عید ٹھہرانے کے واسطے نہایت بہتر اور اولیٰ ہے۔ بلکہ اگر عاقل سوچے تو معلوم کر سکتا ہے کہ ایک دورہ رات دن کی مدت میں چاروں فصلیں ثابت ہوتی ہیں۔ پس صبح سے دوپہر تک تو فصل ربیع ہے کہ سبزہ تر و تازہ اور پھول کھلے ہوئے اور مزاج حیوانات میں نشاط یہ سب باتیں ہوتی ہیں۔ اور جب آفتاب دائرۂ نصف النہار پر پہنچا گویا اپنی حرکت خاص سے سرطان کے سر پر ہے تو گرمی شروع ہوتی کملاہٹ اور پیاس کا غلبہ اور یبس اور خشکی جسموں میں پیدا ہوتی۔ جب غروب ہوا حکم میزان کا پایا گویا اس وقت میزان میں ہے پس خریف ہوئی۔ اور جب آدھی رات ہوتی تو پستی سے بلندی پر چلا گویا جدی کے سر پر پہنچا حکم جاڑے کا پیدا کیا مثل برف کے اوس پڑنے لگی۔

ہفتم۔ ظالم بادشاہوں کے واسطے سجدہ تجویز کرنا کہ مجوز اُس کا آخون باقر مجلسی ہے اور دیگر علماء ان کے ہیں جو صریح مخالف قواعد کلی شریعت کے ہے۔ قولہ تعالیٰ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (مت سجدہ کرو سورج کو نہ چاند کو اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے اُن کو پیدا کیا، اگر تم اُس کی عبادت کرتے ہو) وقولہ تعالیٰ اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (کیوں نہیں سجدہ کرتے ہو اللہ کو کہ ظاہر کرتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں، اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو) ان کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جو حصر سجدہ کا خدا تعالیٰ کے واسطے بتاتی ہیں جو توانا ہے اور دانا ظاہر اور چھپے کا۔ خصوصاً اس شریعت مصطفوی میں۔ اور ملائکہ نے جو آدمؑ کو سجدہ کیا اس مقام میں اس پر تمسک کرنا نہایت بیجا ہے۔ اس لئے کہ آدمی کے احکام کو ملائکہ کے احکام پر قیاس کرنا نہیں چاہیئے۔ اسی طرح حضرت یوسفؑ کے سجدے کا جو اُن کے بھائیوں نے اُن کو کیا تھا تمسک کرنا نہیں چاہیئے۔ اس سبب سے کہ اوّل تو وہ سجدہ مصطلح نہ تھا یعنے اس وقت کی اصطلاح میں جس کو سجدہ کہتے ہیں۔ دوسرے تمسک اُن شریعتوں پر کرنا جو ہم سے پہلے ہیں اُس وقت درست ہوتا ہے کہ ہماری شریعت میں اُس کا کوئی ناسخ نہ ہو، اور ہماری شریعت میں بے شبہ یہ حکم منسوخ ہے، نہیں تو سب سے زیادہ مستحق اس تعظیم کے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیرؓ اور حسنینؓ اور دیگر ائمہؓ ہوتے نہ کہ شاہ عباس و شاہ طہماسپ۔

اب مسائلِ فقہیہ کا سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔ اُنہی مسائل میں سے حکم طہارت پانی کا یہ ہے جو کہتے ہیں کہ پانی استنجے کا پاک ہے یعنی استنجا کیا ہوا کہ ہنوز محل استنجے کا پاک نہ ہوا ہو اور اجزا نجاست کے پانی میں مل کر پھیل گئے ہوں حتے کہ وزن پانی کا بڑھ جائے۔ یہ حکم صریح مخالف قاعدوں شریعت کے ہے۔

وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (حرام کرتا ہے ان پر وہ نبیؐ خبیث اور پلید چیزیں) اور مخالف روایت ائمہؑ کے۔

كَمَا رَوَاهُ صَاحِبُ قُرْبِ الْاِسْنَادِ عَنْ عَلِیِّ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ اَخِیْهِ مُوْسَی بْنِ جَعْفَرٍ كَمَا رَوَاهُ اَبُوْ جَعْفَرٍ الطُّوْسِیُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ وَاَبُوْ بَصِیْرٍ كِلَاهُمَا عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَكَمَا رُوِیَ فِیْ كِتَابِ الْمَسَائِلِ اَیْضًا عَنْ عَلِیِّ بْنِ جَعْفَرٍ اَنَّهٗ قَالَ سَاَلْتُ اَخِیْ مُوْسَی بْنَ جَعْفَرٍ عَنْ جَرَّةٍ فِیْهَا اَلْفُ رَطْلٍ مِّنْ مَّاءٍ وَّوَقَعَ فِیْهِ اُوْقِیَّةُ بَوْلٍ هَلْ یَصِحُّ شُرْبُهٗ وَالْوُضُوْءُ مِنْهُ قَالَ لَا اَلنَّجَسُ لَا یَجُوْزُ اِسْتِعْمَالُهٗ۔

جیسے روایت کی اسکی صاحب قرب الاسناد نے علی بن جعفر اپنے بھائی موسیٰ بن جعفر سے، جیسے کہ روایت کی اس کی ابو جعفر طوسی نے عبداللہ بن سنان اور ابو بصیر سے اور ان دونوں نے جعفر علیہ السلام سے اور جیسے روایت کی کتاب مسائل میں بھی علی بن جعفر سے، کہا میں نے پوچھا اپنے بھائی موسےٰ ابن جعفر سے کہ ایک ہزار رطل پانی میں ایک اوقیہ بول یعنی پیشاب پڑنے سے اس کا پینا اور اس سے وضو کرنا صحیح ہے، کہا نہیں نجس ہے۔ اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

اور عجب یہ کہ مذہب اثنا عشریہ کا بھی یہی ہے کہ جب پانی گز بھر سے کم ہو تو نجاست پڑنے سے نجس ہو جاتا ہے۔ لیکن نہ معلوم استنجے کے پانی میں زیارت مقعد سے کہ نجاستوں کا مرکز ہے کیا خوبی و پاکیزگی حاصل ہوئی کہ ہرگز اس کے پڑنے سے پانی نجس نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ اور مسائل دیگر سے جو قریب آتے ہیں خوب ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی ان کے نزدیک ایسا ہے جیسے گائے ہنود کے نزدیک۔ لیکن پھر بھی شکر خدا کا ..... کہ اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی (حق ہمیشہ اونچا رہتا ہے اس سے کوئی اونچا نہیں ہوتا)۔ آدمی سے گائے تک بڑے فرق ہیں۔

اگر کوئی اثنا عشری منکر اس مسئلہ کا ہو تو اس وقت کتاب منتہیٰ ابن مطہر حلی میں ایک جگہ موجود ہے کہ پاک ہونا پانی استنجے کا اور جائز ہونا اس کے استعمال کا مکرر باجماع فرقہ لکھا ہے۔

اور اسی قسم سے ہے طہارت شراب کی جس پر نص ہے ابن بابویہ اور جعفی اور ابن عقیل اور ابن حکم کی جو صریح خلاف آیت کے ہے اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ (بے شک شراب اور جوا اور بت اور پانسے نجاست ہیں عمل شیطان سے) اور رجس لغت میں اشد نجاست کو کہتے ہیں جیسا کہ خنزیر کے حق میں کہا ہے فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اور نیز خلاف روایات ائمہ کے جو کتب شیعہ میں موجود ہیں كَمَا رَوَاهُ صَاحِبُ قُرْبِ الْاِسْنَادِ وَصَاحِبُ كِتَابِ الْمَسَائِلِ رَوٰی اَبُوْ جَعْفَرٍ الطُّوْسِیُّ عَنْ اَبِیْ

عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ لَا تُصَلِّ فِي الثَّوْبِ قَدْ اَصَابَهٗ الْخَمْرُ (جیسے کہ روایت کی قرب الاسناد اور کتاب المسائل والے نے، روایت کی گئی ابو جعفر طوسی ابی عبداللہ علیہ السلام سے بے شک فرمایا انھوں نے مت نماز پڑھ اس کپڑے میں جس پر شراب پڑی ہے)۔

اور اسی قسم سے ہے حکم طہارت مذی کا۔ اور یہ مخالف حدیث صحیح متفق علیہ کے ہے رَوَی الرَّاوَنْدِيُّ عَنْ مُوْسَى بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ اٰبَائِهٖ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذِيِّ فَقَالَ يَغْسِلُ طَرَفَ ذَكَرِهٖ (روایت کی راوندی نے موسی بن جعفر اپنے باپ سے اور اس نے علی سے بے شک کہا انھوں نے کہ میں نے پوچھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے معاملہ میں، فرمایا دھوئے وہ اپنے ذکر کے کنارے کو) اور ابو جعفر طوسی بھی روایتیں صریح نجاستِ مذی میں لایا ہے لیکن فتویٰ اور عمل اس پر نہیں رکھتا۔

اور اسی قسم سے حکم ہے وضو نہ جانے کا مذی نکلنے سے حالانکہ ائمہ سے اس کے برخلاف روایت ہے رَوَی الطُّوْسِيُّ عَنْ يَعْقُوْبَ بْنِ يَقْطِيْنٍ عَنْ اَبِي الْحَسَنِ اَنَّهٗ قَالَ الْمَذِيُّ مِنْهُ الْوُضُوْءُ (روایت کی طوسی نے یعقوب بن یقطین سے اور اس نے ابی الحسن سے بے شک فرمایا انھوں نے مذی سے وضو لازم آتا ہے) وَرَوَی الرَّاوَنْدِيُّ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ ذَرٍّ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَذِيِّ فَقَالَ يَتَوَضَّاُ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ (روایت کی راوندی نے علی سے فرمایا، کہا میں نے ابی ذر کو پوچھا گیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مقدمہ مذی سے، فرمایا کہ وضو کرے مثل وضو نماز کے۔

اور اسی قسم سے ہے حکم طہارت ودی کا کہ وہ پیشاب غلیظ ہوتا ہے بلاشبہ اور پیشاب نجس ہے بالاتفاق سب شریعتوں میں بلکہ اور دین جو باطلہ ہیں۔

اور اسی قسم سے ہے یہ حکم کہ ودی نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ حالانکہ یہ مخالف روایات ائمہؑ کے ہے رَوَی الرَّاوَنْدِيُّ عَنْ عَلِيٍّ مَرْفُوْعًا اَلْوَدِيُّ مِنْهُ الْوُضُوْءُ وَرَوٰى غَيْرُهٗ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ (روایت کی راوندی نے علی سے مرفوعاً کہ ودی سے وضو لازم آتا ہے اور سوائے راوندی کے ابی عبداللہ سے بھی ایسا ہی ہے)۔

اور اسی قسم سے ہے کہ بعد پیشاب کے تین دفعہ ذکر کو جھاڑ دیں پھر تین دفعہ کے بعد جو کچھ نکلے پاک ہے اور وضو بھی نہیں توڑتا۔ یہ حکم بھی صریح مخالف شرع کے ہے کہ خارج از سبیلین نجس ہے یعنی دو راہوں سے کہ وہ دونوں راہیں پیشاب اور پاخانہ کی ہیں اور وضو بھی اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اور پہلے کے جھاڑنے کو طہارت حال میں اور وضو نہ ٹوٹنے میں کیا دخل اور کون تاثیر۔ اور یہ بات مشابہ ہے مذہب صابئین سے کہ

ان کی کتاب "دساتیر" میں موجود ہے کہ اگر کسی شخص نے وضو کر کے نماز کے واسطے نیت باندھی درمیان نماز کے کوئی حدث ہو تو کچھ خلل نماز میں نہیں ہوتا۔

اور اس قسم کے مسائل بعینہ ایسے ہیں جیسے یہ مثال کہ ایک شخص نے ایک شخص کی ملاقات کے واسطے مذہب اور پُر زینت لباس فرش درست کیا اور ایک مدت انتظار میں رہا جب وہ شخص آیا تو محض ننگا ہو گیا اور فرش اٹھا لیا اور کہا کہ آخر یہ سب سامان تو اس کے لیے میں نے کیا تھا اس سے کیا ہوتا ہے جو اثنائے ملاقات میں ننگا ہو گیا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ نیز یہ مخالف روایت ائمہؑ کے ہے۔

رَوَی ابْنُ عِيْسٰى عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلَيْهِ هَلْ يَجِبُ الْوُضُوْءُ اِذَا خَرَجَ مِنَ الذَّكَرِ شَيْءٌ بَعْدَ الْاِسْتِبْرَاءِ فَقَالَ نَعَمْ۔

روایت کی ابن عیسیٰ نے ابی جعفر سے بے شک اس نے لکھا ابی جعفر کو کیا واجب ہوتا ہے وضو اگر ذکر سے کوئی چیز نکلے بعد پاک ہو جانے کے، کہا ابی جعفر نے ہاں۔

اور انہی اقسام سے یہ ہے کہ بیخال مرغ خانگی کی اور مرغ اور مرغیوں کی بیٹ پاک ہے حالانکہ نصوصِ ائمہؑ سے اس کی نجاست ثابت ہوئی کہ ان کی معتبر کتابوں میں ہے:۔

رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الطُّوْسِيُّ عَنْ فَارِسٍ اَنَّهٗ كَتَبَ رَجُلٌ اِلٰى صَاحِبِ الْعَسْكَرِ يَسْئَلُهٗ عَنْ ذَرْقِ الدَّجَاجِ يَجُوْزُ الصَّلٰوةُ فِيْهِ فَكَتَبَ لَا۔

روایت کی محمد بن حسن طوسی نے فارس سے بے شک لکھا ایک شخص نے صاحبِ عسکر یعنی امام حسن عسکری کو کہ میں تم سے پوچھتا ہوں مرغی کی بیٹ کی بابت کہ آیا جائز ہے نماز اس میں، سو لکھا انھوں نے نہیں۔

اور ان کے خود قاعدے کلیہ کے مخالف کہ اِنَّ ذَرْقَ الْحَلَالِ مِنَ الْحَيَوَانِ نَجَسٌ (بے شک گوبر اور بیٹ و بیخال حیوان حلال کا نجس ہے) اس پر ابن مطہر حلی کی نص ہے پھر مرغیوں اور مرغ میں کون سی نئی خوبی پیدا ہو گئی کہ بیخال ان کی پاک ہو گئی۔

صفت وضو و غسل و تیمم

وضو میں تمام منہ کا دھونا ان کے نزدیک فرض نہیں ہے۔ حالانکہ نص قرآن سے صریح تمام منہ کا دھونا ثابت ہے فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (دھوؤ تم اپنے چہروں کو) انھوں نے حد فرض کی مقرر کی ہے اتنی کہ جتنا انگوٹھے اور بیچ کی انگلی میں آجائے جس وقت کہ پیشانی کے اوپر سے نیچے کو کھینچیں۔ اور اس اندازے کی شرع میں کچھ اصل نہیں، ائمہؑ سے روایت ہے اور امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے کہ ایک وقت کوفہ کی مسجد کے

برآمدے میں بیان وضو کا موافق طریق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماتے تھے کہ تمام چہرہ دھویا ہے جس کو ہزاراں ہزار مخلوق نے دیکھا اور روایت کی۔

اور دلیل باطل ہونے اِس اندازے کی یہ ہے کہ انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کو باہم پھیلا کر اور بڑھا کر اوپر سے نیچے کو کھینچیں جب ٹھوڑی کے قریب پہنچیں گے تو ضرور ہے کہ دونوں طرف سے کچھ کلّے کو گھیریں گے تو اتنے کلّے کا دھونا بھی فرض ہو جائے گا اور کلّے کو چہرے میں کوئی داخل نہیں کرتا۔ اور اگر دونوں انگلیوں کو گرداگرد پیشانی کے پھیلا دیں اور آہستہ آہستہ سمیٹیں تو سمیٹنے کی حد کیا ہے کچھ معلوم نہ ہوا۔ اور اندازے شرع کے لوگوں کو جتانے کے واسطے ہیں نہ کہ جاہل بتانے کے لیے۔

اور کہتے ہیں کہ وضو غسلِ جنابت کا حرام ہے۔ یہ حکم بھی صریح مخالف سنت پیغمبرؐ کے ہے ہمیشہ غسلِ جنابت میں پہلے وضو فرماتے تھے۔ اور کہتے ہیں کہ وہ پانی بدن پر بہاتے تھے چنانچہ برابر متواتر ثابت ہے اور مخالف روایت ائمہؓ کے بھی۔

رَوَی الْکُلَیْنِیُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُبَشِّرٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَالْحَسَنُ بْنُ سَعْدٍ عَنِ الْحَضْرَمِیِّ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ اَنَّھُمَا قَالَا تَوَضَّاْ ثُمَّ تَغْسِلُ حِیْنَ سُئِلَ عَنْ کَیْفِیَّۃِ غُسْلِ الْجَنَابَۃِ۔

روایت کی کلینی نے محمد بن مبشر سے اس نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے اور حسن بن سعد نے حضرمی سے اور اس نے ابی جعفر سے بے شک دونوں نے کہا وضو کرے پھر غسل کرے، جب کہ پوچھی گئی اس سے کیفیت غسلِ جنابت کی۔

اور یہ نوروز کے غسل کو سنت کہتے ہیں قَالَ اِبْنُ فَھْدٍ اَنَّہٗ سُنَّۃٌ (ابن فہد نے کہا یہ سنت ہے) یہ حکم بھی محض نیا نکالا ہوا اور نیا بنایا ہوا (بدعت) ہے دین میں۔ خود ان کی کتابوں میں نہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے نقل کیا نہ حضرت امیرؓ اور دیگر ائمہؒ سے کہ انھوں نے نوروز کے دن غسل کیا ہو۔ عرب نوروز کے دن کو ہرگز نہیں جانتے تھے، یہ دن خاص مجوسیوں کی عیدوں میں سے ہے۔

اور تیمم میں بھی بجائے دو ضرب کے ایک ضرب مقرر کی ہے۔ لیکن ائمہؒ کی روایتیں اس کے برخلاف ناطق ہیں:۔

رَوَی الْعَلَاءُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ جَدِّھِمَا قَالَ سَاَلْتُہٗ عَنِ التَّیَمُّمِ فَقَالَ مَرَّتَیْنِ مَرَّۃً لِلْوَجْہِ وَمَرَّۃً لِلْیَدَیْنِ وَرَوٰی لَیْثُ الْمُرَادِیُّ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ

روایت کی علاء نے محمد بن مسلم سے اس نے اپنے دادا سے کہا پوچھا میں نے اس سے تیمم کو تو کہا دو بار، ایک بار منہ کے واسطے، ایک بار دونوں ہاتھوں کے لیے۔ اور روایت کی لیث المرادی نے ابی عبداللہ سے

نَحْوَہٗ وَاِسْمَاعِیْلُ بْنُ حَمَّامِ الْکِنْدِیُّ عَنِ الرِّضَا نَحْوَہٗ۔

اسی طرح، اور اسماعیل بن حمام کندی نے رضا سے ایسی ہی۔

اس کے علاوہ تیمم میں پیشانی کا مسح بڑھایا ہے، حالانکہ شرع میں اس کی کچھ اصل نہیں۔

اور کہتے ہیں کہ اگر موزہ اور ٹوپی اور کمر بند اور عمامہ اور جو کچھ نمازی کے بدن پر ہو جس کی چوڑائی میں نماز جائز نہ ہو وہ اگر نجاست سے آلودہ ہو خواہ خفیفہ خواہ غلیظہ جیسے آدمی کا گو تو نماز جائز ہے کچھ خلل نماز میں نہیں۔ اور یہ حکم صریح خلاف حکم قرآن کے ہے۔ قولہ تعالیٰ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ (کپڑے اپنے پاک کر) اور بلاشبہ ان چیزوں کو عرف و شرع میں ثیاب کہتے ہیں۔ اس واسطے جو قسم ثیاب سے متعلق ہو نفیاً اور اثباتاً ان چیزوں کو اس میں داخل کرتے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ اگر نمازی کے بدن کے کپڑے مثل ازار اور کرتہ اور پائجامہ کے زخموں کے خون میں سنے ہوں تو نماز جائز ہے۔ حالانکہ خون اور پیپ خواہ اپنے زخم کی ہو خواہ دوسرے کے زخم کی بلاشبہ نجاست ہے۔

اور کہتے ہیں کہ نفل نماز چاہے کھڑے ہو کر پڑھے چاہے بیٹھ کر۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت کا چاہے قبلہ کی طرف کرے چاہے اور طرف جائز ہے۔ حالانکہ یہ صریحاً داخل کرنا ہے دین میں ایسی چیز کو جس کو اجازت نہ ہوئی حالت سواری اور سفر کی البتہ اس سے الگ کی ہوئی ہے موافق روایات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہؒ کے بغیر اس عذر کے ہرگز ثابت نہیں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ (جدھر کو تو جائے اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر اور جہاں تم ہو اپنا منہ اس کی طرف پھیرو) جو کچھ شارعؑ نے ایسی عام باتوں کو نکال ڈالا ہو دوسرے کو سوائے سر آنکھوں پر رکھنے کے اور کیا زیبا ہے اور کب ہو سکتا ہے کہ اپنی عقل سے استثنا کرے۔ اس مسئلہ میں مقدم کہ ان کا شیخ ہے "کنز العرفان فی احکام القرآن" میں البتہ انصاف کی راہ چلا ہے اور اقرار کیا کہ یہ حکم مخالف حکم قرآن کے ہے۔

اور کہتے ہیں کہ اگر نمازی کسی ایسے مکان میں نماز کے لیے کھڑا ہو جہاں خشک نجاستِ آدمی کا فرش بچھا ہو لیکن بدن اور کپڑے کو نہ چھٹے تو نماز جائز ہے۔ حالانکہ پاک ہونا مکانِ نماز کا طے شدہ اور مسلمہ امورِ شریعت سے ہے۔

اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے دونوں پاؤں اور دونوں زانو اور دونوں ہاتھ دونوں کہنیوں تک پاخانے کے چہ بچہ میں کہ پیشاب اور پاخانہ سے آدمی کے بھرا ہوا ہے ڈبوئے اور پاخانہ پیشاب جو کچھ لگ گیا ہو اس کو

دور کر دے تو بغیر شستہ وشو کیے اور دھوئے نماز جائز ہے۔

اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے تمام بدن کو اپنے بالوعہ میں (وہ ایک چھوٹا سا حوض ہوتا ہے اندر سے فراخ باہر سے تنگ جس میں نجس پانی گھر کا اور پیشاب پاخانہ جمع ہوتا ہے) غوطہ دے اور جرم نجاست کا اس کے بدن پر نہ ہو تو بغیر دھوئے دُھلائے نماز جائز ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ پاکیزگی بغیر اس کے دھوئے نہیں ہوتی اور جرم نجاست کے جاتے رہنے سے اس کے اثر کا جاتا رہنا ثابت نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے پانی کو اسی کام کے واسطے پیدا کیا ہے۔ قولہ تعالیٰ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ (اُتارتا ہے تم پر آسمان سے پانی تاکہ طہارت کرو تم اس سے) وقولہ تعالیٰ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاک کرنے والا)۔

اور کہتے ہیں کہ اگر نمازی کو بعد فراغت ہونے نماز کے اپنے کپڑوں میں خشک گو انسان اور کتے بلی کا اور منی اور خون معلوم تو نماز اس کی جائز ہے كَمَا ذَكَرَهُ الطُّوْسِيُّ فِي التَّهْذِيْبِ وَغَيْرِهٖ (جیسے کہ ذکر کیا طوسی وغیرہ نے تہذیب میں)۔ حالانکہ خوب ظاہر ہے کہ طہارت کپڑے کی نجاستوں سے ضروریاتِ نماز سے ہے عند الشرع۔

اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بالکل ننگا ہو اور تھوڑی گیلی مٹی ذکر اور خصیوں پر اپنے لگا لے اور بے ضرورت نماز پڑھے تو نماز اس کی جائز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شرع میں ستر عورت کے جملہ حالات خصوصاً حالتِ نماز و مناجات میں کس درجہ تاکید فرمائی ہے۔ اسی واسطے امامیہ کے گروہ متاخرین نے اس برائی پر خبردار ہو کر اپنے جمہور کے قول کو چھوڑ دیا ہے اور ان کے بیہودہ ہونے پر آثارِ ائمۂ اہل بیت سے دلیل چاہی ہے۔

اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی ڈاڑھی مونچھ اور بدن کے کپڑے مرغیوں مرغوں کے پنجال (بیٹ) میں سانے یا ڈاڑھی مونچھ اور چہرے اور رخسار پر خود اپنے پیشاب کی چھینٹیں پہنچی ہوں بعد اس سے کہ قضیب کو تین دفعہ جھاڑ ڈالا ہو یا مذی بہت ان ٹھکانوں پر ملی ہوئی ہو تو ان سب لوگوں کی نماز بے دھوئے دُھلائے درست ہے۔

مسائل الصلوٰۃ

اور کہتے ہیں کہ نماز میں چلنا اور مشی کرنا اپنا خمیر اٹھانے کے واسطے جس کو کتے بلی کھائے جاتے ہوں اور اس کو اٹھا کر ایسی جگہ رکھ دینا جہاں ان کا منہ نہ پہنچ سکے اگرچہ نماز کی جگہ سے دس گز شرعی

دور ہو تو جائز ہے۔ حالانکہ فعلِ کثیر خاص جو نماز سے متعلق نہ ہو باجماعِ شرعیہ نماز کو خراب و باطل کرتا ہے قولہ تعالیٰ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (اور کھڑے ہو سامنے اللہ تم کے ادب سے اگر اس سے ڈرتے ہو تو نماز پڑھو پیادہ اور سوار پھر جب امن پاؤ تو یاد کرو اللہ کو جیسا کہ سکھایا تم کو کہ تم جانتے نہ تھے)۔

اور کہتے ہیں کہ قرآن کی بعض سورتوں سے جیسے حٰمٓ تَنْزِيْل سے اور تین سورتیں اور ہیں ان کے پڑھنے سے نماز جاتی رہتی ہے۔ حالانکہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (پڑھو تم جو کچھ آسان ہو قرآن سے) حکمِ ناطق عموم کا ہے۔ اور خود یہ فرقہ ائمہ سے روایت رکھتے ہیں کہ نماز قرآن کی ہر سورۃ کے ساتھ جائز ہے۔ اور تعجب یہ کہ حکم کرتے ہیں کہ جو قراءت نمازی جانتا ہو اس سے بھی جائز ہے اس واسطے کہ یہ قرآن وہ نہیں ہے جو نازل ہوا ہے بلکہ عثمانؓ اور ان کے یاروں کا تبدیل کیا ہوا ہے۔ مثلاً اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ۔

اور بعض لوگ ان کے نماز میں کھانے پینے کو جائز کرتے ہیں چنانچہ ان کے معتبر فقیہ ابو القاسم نجم الدین نے کتاب شرائع الاحکام میں بصراحت اس کو لکھا ہے۔ حالانکہ اخبارِ متفق علیہا میں منع اکل و شرب کی روایت کی ہے۔ اور اتنا تو بالاجماع اس فرقہ کا ہے کہ نماز وتر میں پانی پی لینا اس شخص کو کہ صبح کو روزہ رکھے اور عین نماز میں پیاسا ہو جائز ہے۔

اور کہتے ہیں کہ نمازی عین نماز میں کسی عورت کو بغل میں دبوچے اور اس حالت میں اس کو نعوظ پیدا ہو اور سرِ ذکر مقابل اس کے سوراخ کے رکھے جس سے بہت سی مذی بہے تو نماز اس کی جائز ہے كَذَا ذَكَرَهُ الطُّوْسِيُّ اَبُوْ جَعْفَرٍ وَغَيْرُهٗ مِنْ مُجْتَهِدِيْهِمْ (ایسا بیان کیا ہے طوسی نے اور علاوہ طوسی کے ان کے دیگر مجتہدوں نے) اور یہ ایسا مقدمہ ہے کہ صریح مخالف شرع کے ہے اور ظاہر منافی حالتِ مناجات کے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر نمازی عین نماز میں اپنے خایہ (فوطے) اور ذکر سے بازی کرے یعنی ہلائے جُلائے اس حد تک کہ نعوظ پیدا ہو اور مذی بہنے لگے تو نماز میں کچھ خلل نہیں۔

ان کے بعض لوگوں نے ائمہؒ کی قبروں کی طرف نماز پڑھنا جائز رکھا ہے کہ اس میں ثواب و قربت زیادہ ہے۔ حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ (لعنت ہے اللہ کی یہود اور نصاریٰ پر کہ اپنے نبیوں کی قبروں کو مساجد بنایا ہے)۔

اور یہ تجویز کرتے ہیں ظہر کے ساتھ عصر کی اور مغرب کے ساتھ نماز عشاء کی پڑھ لینا بے عذر اور بے سفر کے

جو خلاف نص قرآن کے ہے حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلوٰةِ الْوُسْطٰى، اِنَّ الصَّلوٰةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (محافظ ہو تم نمازوں پر اور خاص کر بیچ کی نماز پر کہ وہ نماز عصر ہے، بیشک ہے نماز ایمان والوں پر مقرر اپنے وقتوں پر) اور یہ بھی ان کے یہاں مستحب ہے کہ چاروں نمازوں یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشار کو متصل ادا کیا جائے واسطے انتظار خروج امام مہدی کے۔

اور سفر اور تجارت میں پوری نماز کا حکم کرتے ہیں نہ کہ روزے کا۔ حالانکہ شرع میں فرق نہیں ہے نماز روزے میں وَقَدْ نَصَّ عَلَى الْفَرْقِ اِبْنُ اِدْرِيْسَ وَاِبْنُ الْمُعَلِّمِ وَالطُّوْسِيْ وَغَيْرُهُمْ (حالانکہ نص کی ہے فرق پر ابن ادریس اور ابن المعلم اور طوسی وغیرہ نے) حالانکہ ائمہؓ سے روزے نماز میں موافق کتب صحیحہ کے کچھ فرق مروی نہیں ہے رَوٰى مُعَاوِيَةُ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ اَنَّهٗ قَالَ فَاِذَا قَصَرْتَ اَفْطَرْتَ وَاِذَا اَفْطَرْتَ قَصَرْتَ (روایت کی معاویہ ابن وہب نے ابی عبد اللہ سے بے شک فرمایا کہ جب میں نے نماز میں قصر کیا تو روزہ میں بھی افطار کیا اور جب روزہ افطار کیا تو نماز میں قصر کیا)

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو سفر میں بہت رہتا ہو اور مقیم کم ہوتا ہو جیسے کرایہ کرنے والا اور ملاح اور وہ تاجر جو بازاروں کی تلاش میں پھرتا ہے جن کو پینٹھیں کرنے والا کہتے ہیں دن کی نمازوں میں قصر کرے تو رات کی پوری پڑھے اگرچہ بقدر پانچ دن کے سفر میں مقیم بھی ہو اس پر نص کی ہے قاضی ابن سراج اور ابن زہرہ اور ابو جعفر طوسی نے کتاب نہایہ اور مبسوط میں۔ حالانکہ روایتیں ائمہؓ کی خلاف اس حکم کے ان کو پہنچیں کہ ائمہؓ نے رات دن میں کچھ فرق نہیں کیا ہے۔ رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ بَابَوَيْهِ فِي الصَّحِيْحِ عَنْ اَحَدِهِمَا اَنَّهٗ قَالَ الْمُكَارِيْ وَالْمَلَّاحُ اِذَا جَدَّ بِهِمَا السَّفَرُ فَلْيَقْصُرَا (روایت کی محمد بن بابویہ نے صحیح میں ایک اُن دونوں سے بے شک اس نے کہا کہ کرایہ کرنے والا اور ملاح جب ان کو شتابی سفر کی ہو تو چاہیے کہ قصر کریں) وَرَوٰى عَبْدُ الْمَلِكِ ابْنُ مُسْلِمٍ عَنِ الصَّادِقِ نَحْوَهٗ (اور روایت کی عبد الملک بن مسلم نے حضرت صادقؓ سے ایسی ہی)۔

اور یہ کہ نمازوں کو سوائے ان چار سفر کے خاص کرتے ہیں۔ سفر مسجد مکہ یا سفر مدینہ یا کوفہ یا کربلا۔ حالانکہ نص قرآنی ہے وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلوٰةِ (جس وقت کہ سفر کرو تم زمین میں تو کچھ گناہ نہیں جو قصر کرو نماز) مطلق واقع ہے۔ اور امیر المؤمنینؓ سے بھی جمیع سفروں میں قصر کی روایتیں ہیں۔ اور وہ روایت کہ محمد بن بابویہ سے گزری وہ سفر مطلق بتاتی ہے۔

اور یہ حکم ترک جمعہ کا کرتے ہیں غیبت امام میں جس کو خدا تعالیٰ فرماتا ہے يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلوٰةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللهِ (اے ایمان والو! جس وقت آواز کی جائے نماز جمعہ کی تو دوڑو طرف ذکر اللہ کے) بدون قید حاضری امام کے۔

اور یہ بھی تجویز کیا ہے کہ مرد اپنے کپڑے پھاڑے جب باپ یا بیٹا یا بھائی اس کا مر جائے اور عورت کو کپڑے پھاڑنا مطلق جائز رکھا ہے ہر مُردے پر۔ اور تمام شریعتوں میں صبر واجب ہے مصیبتوں میں اور رونا پیٹنا حرام ہے۔ اخبار صحیح میں واقع ہے لَيْسَ مِنَّا مَنْ حَلَقَ وَسَلَقَ وَخَرَقَ (نہیں ہے ہم میں سے جو کوئی بال منڈائے یا بیان کر کے روئے یا کپڑے پھاڑے)۔ اور یہ بھی آیا ہے لَيْسَ مِنَّا مَنْ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَلَطَمَ الْخُدُوْدَ (نہیں ہے ہم میں سے جو کوئی گریبان پھاڑے یا منہ پیٹے)۔

باب مسائل الصوم والاعتکاف

کہتے ہیں جو کوئی پانی میں غوطہ مارے اس کا روزہ نہیں رہتا۔ اور بالاتفاق توڑنے والی روزے کی تین چیزیں ہیں کھانا پینا جماع کرنا۔ اسی سبب سے ایک جماعت جنھوں نے اس کے خلاف کی صحیح حدیث پائی ہے اس مسئلہ سے پھر گئے ہیں اور عدم فساد روزہ کا قول اختیار کیا ہے۔

اور یہ نئی بات کہ لڑکے کے ساتھ اغلام کرنے سے روزہ نہیں جاتا کہ ان میں سے اکثر کا یہ مذہب ہے، اور ائمہؓ سے خلاف اس کے مروی ہے اور تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو چیز سبب انزال کی ہے مفسد روزے کی ہے چاہے آگے سے وطی کی جائے چاہے پیچھے سے۔

ان میں سے بعض کے نزدیک روزہ میں پوست حیوان کا کھانا جائز ہے اس سے روزہ میں کچھ خلل نہیں ہوتا۔ بعض کہتے ہیں کہ درختوں کے پتے کھانا جیسے پان وغیرہ روزے میں خلل نہیں کرتا۔ بعض کہتے ہیں کہ جس چیز کے کھانے کی عادت نہیں ہے اس کا کھانا ضرر نہیں کرتا۔ غرض یہ سب باتیں تو جائز ہیں لیکن پانی میں غوطہ مارنا بغیر اس کے کہ ناک یا حلق سے کچھ پانی گلے میں جائے اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔ واہ واہ اچھی افراط تفریط کی ہے یعنی کسی کو گھٹایا ہے کسی کو بڑھایا ہے۔ اور کیسے مقاصد اور سبب احکام شرع سے دور پڑے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ روزہ روز عاشورا کا صبح سے عصر تک مستحب ہے۔ حالانکہ کسی شریعت میں ایسا نہیں کہ کچھ دن روزہ ہو اور کچھ دن بے روزہ۔ یہ مسائل ان کے سب مشابہ ہنود سے ہیں کہ ان کے نزدیک بعض چیزوں کا کھانا روزہ اور برت میں جائز ہے اور تمام دن کا روزہ رکھنا ضروری نہیں ہے۔

اور کہتے ہیں کہ اٹھارہویں ذی الحجہ کو روزہ رکھنا سنت مؤکدہ ہے۔ حالانکہ کسی ایک نے پیغمبرؐ اور

ائمہؑ سے خاص کر کے اس دن روزہ نہیں رکھا ہے نہ ثواب اس کا بیان کیا۔

اور کہتے ہیں کہ اعتکاف اُس مسجد میں جس میں نبی یا وصی نے جمعہ قائم نہ کیا ہو جائز نہیں کہ یہ حکم صریح مخالف قرآن کے ہے وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ (جب کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو)۔ اور عطر سونگھنا اور خوشبو ملنا معتکف کے واسطے اشد محظورات سے جانتے ہیں۔ حالانکہ خوشبو لگانا مسجد میں جانے کے واسطے بالاجماع مسنون ہے۔ اور معتکف کو کہ مصاحب مسجد کا ہے اور ہم نشین ملائکہ کا جن کو قطعاً خوشبو سے الفت و انسیت ہے اور بدبو سے وحشت و نفرت حاصل ہوتی ہے کَمَا ثَبَتَ فِي جَمِيْعِ الشَّرَائِعِ بہتر اور سزاوار ہے باستعمالِ خوشبو۔

مسائل الزکوٰۃ

زکوٰۃ میں یہ حکم کرتے ہیں جو زر و دِرم کہ بے سکہ ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص روپیہ اور اشرفی بہت سا اپنی ملک میں رکھتا ہو جب سال تمام ہوا اس نے اس سب کا زیور یا کوئی کھیل کی چیزیں یا برتن بنا لیے تو زکوٰۃ ساقط ہوئی اگرچہ قبل ایک دن سال تمام سے یہ حیلہ کیا۔ اسی طرح اگر چلن اُس روپیہ یا اشرفی کا جاتا رہا اس کی جگہ اور کا چلن ہوگیا تو زکوٰۃ ساقط ہوئی۔

ان مسئلوں کو سوچنا چاہیے کہ کیسے مقاصدِ شرع سے دور بھٹکے ہیں۔ اور نصِ صریح کی مخالفت کی ہے وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (اور وہ لوگ جو چاندی سونا جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے خوشخبری سنا دے ان کو عذاب دردناک کی) جس جگہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کے کلام میں فرض ہونا زکوٰۃ کا مذکور ہے لفظ فضہ اور ذہب کے ساتھ ہے نہ کہ لفظ درم اور دینار مروج کے ساتھ۔

اور کہتے ہیں کہ زکوٰۃ تجارت کے مالوں میں واجب نہیں ہوتی تاوقتیکہ بدلنے اور لوٹ پوٹ کرنے سے نقد نہ ہوجائے اور حکم کرتے ہیں اُس مال میں جس کا کوئی مرد یا کوئی عورت مالک ہوا اور اس کو اپنا سرمایہ قرار دیا یا کوئی متاع خریدی بہ نیت کسب کے پھر اس کو سرمایہ کی نیت کرلی یا بالعکس عدم زکوٰۃ کا کہ ایسے مال پر زکوٰۃ نہیں۔ حالانکہ شارع نے فرمایا ہے اَدُّوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِكُمْ (دو زکوٰۃ اپنے مالوں کی) اور ایسی چیزوں کے مال ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہے۔

اور حکم کرتے ہیں پھیر لینے مال زکوٰۃ کا مستحق سے مثلاً فقیر اور زائل کر دینا اس کو استحقاق سے بعد اس کے کہ مالک ہوا اور قبض و تصرف کیا۔ حالانکہ لینا کسی کے مال کا بدون اس کی مرضی کے ہرگز کسی ملت و شریعت میں

روا نہیں رکھا ہے اور استحقاق زکوٰۃ لینے کے وقت شرط ہے کہ قابل زکوٰۃ لینے کے ہو نہ کہ تمام عمر۔

مسائل الحج

کہتے ہیں کہ ایک شخص کو زادِ راہ اور سواری اور گھر کا خرچ تا آمد و رفت یہ سب تو میسر ہے کہ اس کو بخوبی وفا کرے لیکن وہ گمان کرتا ہے کہ حج سے لوٹ کر جو گھر آؤں گا تو ایک مہینے سے زیادہ نفقہ کفایت نہیں کرے گا تو اس پر حج واجب نہیں ہوتا کہ اس پر نص ہے ابوالقاسم سے شرائع وغیرہ میں۔ حالانکہ شارعؑ نے حج کو بشرطِ مقدور فرض کیا ہے اور مقدور کو زادِ راہ اور سواری اور نفقہ بال بچوں کے ساتھ بیان کیا تا آمد و رفت۔ پھر تمام ہونا نفقے کا بعد آنے کے مقدورِ حج میں کچھ نقصان پیدا نہیں کرتا۔ اس واسطے کہ ظاہر ہے ہر کوئی بعد آنے کے اپنی وجہ معاش پر قائم ہو جاتا ہے بیکار نہیں رہتا۔ اور لوگ جو حاجی ہونے کے خیال سے تحفے اور ہدیے اور نذر و نیاز اس کو دیتے ہیں یہ فتوحات زائد ہیں وجہ معاش سے۔

اور ان میں سے بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ ستر عورت حج میں فرض نہیں ہے۔ اور خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (زینت اختیار کرو نزدیک ہر مسجد کے) اور روایتیں صحیح اس کے برخلاف نص کرتی ہیں۔

اور طواف کو بحالتِ عریانی تجویز کرتے ہیں موافق رسمِ جاہلیت کے لیکن اتنی شرط کرتے ہیں کہ مرد اپنی شرمگاہ کو گیلی مٹی یا مثل اس کے اور کسی چیز سے ایسا سان لے کہ اس کی صورت کی رنگت نہ معلوم ہو گو اعضاء معلوم ہوں۔ اور یہ مسئلہ اخذ کیا ہے ہند کے جوگیوں اور برہنہ گوسائیوں سے اور ایجادِ رسم جاہلیت کہ برہنگی کو طواف میں عبادت جانتے تھے ملتِ حنفی سے اس کو کچھ ربط نہیں۔ اور چاہیے یہ کہ جو شخص طواف خانۂ خدا کو جائے تو اس کے آداب کی زیادہ تر رعایت کرے نہ یہ کہ بے ادبانہ ننگا ستر کھولے اپنے آپ کو مخلوق میں رسوا کرے اور اس وسوسہ پر کہ اہلِ جاہلیت جو اسلام سے پہلے تھے برہنگی کو طواف میں عبادت جانتے تھے تمسک کرے جس پر شیطان ہنسے۔

ایک اور عجیب بات سنو کہ اگر احرام حج میں زنا واقع ہو تو ایک گروہ اثنا عشریہ کہتے ہیں کہ حج میں کچھ نقصان نہیں ہوتا ہے۔ بیشک ثمرہ اس ننگے ہونے کا یہی تو ہے اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ (جب تو بے حیا بن جائے تو جو چاہے سو کر) حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (پس نہ تو جماع ہے نہ بدکاری ہے نہ لڑائی ہے حج میں) اور زنا سے بڑھ کر اس دنیا میں کوئی بدی اور رفث نہیں ہے۔

اور کہتے ہیں کہ اگر احرام میں ایک بار کسی نے عمداً ظاہر گناہ کیا تو کفارہ واجب ہے۔ اگر دوسری بار

پھر یہ کام کیا تو کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ حالانکہ معنی جنایت یعنی گناہ کے دوسری دفعہ اول دفعہ سے زیادہ تر ہیں موافق نص قرآن کے اور مطلق عامد کو کفارہ کا حکم کیا ہے قولہ تعالیٰ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ الخ (اور جس نے قتل کیا اس کو تم میں سے عمداً پس بدلہ اس کا ہے آخر آیت تک)۔

مسائل الجہاد

جہاد کو پانچ وقت کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت امیرؓ اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ اور امام مہدی۔ علاوہ ان پانچ وقت کے اور جہاد ان کے نزدیک عبادت کیا معنی جائز بھی نہیں ہے، حالانکہ اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (جہاد قیامت تک جاری ہے) یہ نص متواتر ہے۔ اور جو آئتیں کہ جہاد کی ترغیب تاکید میں ہیں اُن میں کوئی قید وقت اور زمانہ کی واقع نہیں ہوئی بلکہ بعض صریح اس بات کو بتاتی ہیں کہ سوائے ان پانچ وقتوں کے بھی جہاد عبادت ہے اور سزاوار اجر عظیم مثلاً یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ (جہاد کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں) کہ یہ آیت حق میں خلیفہ اول کے رفیقوں کے ہے رضی اللہ عنہ اور سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ الآیہ خلیفہ دومؓ کے لشکر کے حق میں ہے۔

جب ان کے نزدیک جہاد سوائے زمانوں مذکور کے .... فاسد ہے تو جہادِ فاسد میں لوٹ کی تقسیم خلافِ شرع ہے پس چاہیے کہ اسیر چھوکریاں کسی کی ملک نہیں اور تمتع ان سے اٹھانا درست نہیں۔ ایک فتویٰ عجیب اس مشکل کے آسان کرنے کو انھوں نے نکالا ہے صاحبِ فقہ مزورہ ابن بابویہ نے اس فتویٰ کو امام صاحبِ وقت کی طرف لگایا ہے کہ وہ چھوکریاں سب امام کی ملک ہیں۔ اور ائمہؒ نے اپنی چھوکریاں شیعہ پر حلال کر دی ہیں پس اس حیلے سے جنگ میں پکڑی ہوئی چھوکریوں کو قید میں لانا جہادِ فاسد میں شیعہ کا درست ہے۔ واہ واہ کیسی گراں باتیں جن کے بوجھ سے زمین آسمان کانپتے ہیں کس بے حیائی و بے باکی کے ساتھ اپنی فقہ کی کتابوں میں جو مقام روشن ہونے دین و ایمان کا ہے لکھتے ہیں۔ اور جب اہلِ سنت اس کے برابر میں کہتے ہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے خولہ بنتِ جعفر یمامیہ حنفیہ کو جو خلیفہ اولؓ کے عہد میں خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ سے اسیر ہو کر آئی تھی تسری فرمائی جس کے پیٹ سے محمد بن حنفیہؒ پیدا ہوئے۔ اگر جہاد اُس وقت کا اور تقسیم اُس خلیفہ کی صحیح نہ تھی تو حضرت امیرؓ نے کیوں تصرف کیا؟ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم کو روایت صحیح پہنچی ہے کہ حضرت امیرؓ نے اس کو اول آزاد کر کے پھر تزوّج اپنا کیا تھا یعنی زوجہ بنایا تھا۔ لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ اعتاق یعنی آزاد کرنا بھی بدون ملک متصور نہیں ہے۔ پس اول مالک ہوئے بعد اس کے اعتاق کیا۔ اور اعتاق بھی ایک قسم ہے تصرف سے، اور اس سے مدعا ثابت ہوتا ہے۔

مسائل النکاح والبیع

نکاح اور بیع کو بغیر زبان عربی کے تجویز نہیں کرتے یعنی اور زبان میں جائز نہیں۔ حالانکہ دنیا کے معاملات میں ہرگز اعتبار کسی زبان کا کسی شریعت میں نہیں نہ حضرت امیرؓ نے اپنے وقت میں خراسان و فارس کے لوگوں کو یہ تکلیف دی باوجود اس کے اپنے معاملات کو زبانِ عرب کے ٹھیرائے اور عقد کیے۔ بلکہ نکاحوں اور ہر قسم بیع کو جو فارسیوں اور خراسانیوں نے اپنی زبان میں منعقد کیے تھے جائز اور نافذ رکھا ہے۔ اور کچھ عقل میں بھی نہیں آتا ہے کہ زبان عربی کو نکاح اور بیع اور طلاق میں کیوں کر دخل ہوگا کہ اس زبان میں منعقد ہونے سے ان معاملات کی صحت ٹھیرے۔ اس لیے کہ ان معاملات میں اپنی دلی بات ظاہر کرنا مقصود ہوتی ہے اور ہر قوم کے واسطے دلی بات ظاہر کرنے کو ایک زبان ہے جس کی ان کو عادت ہے۔

اور کہتے ہیں کہ دادا باپ کے ہوتے صغیر کا مال بیچنے میں مختار ہے اور ولی ہے۔ حالانکہ شرع اور عرف دونوں میں مقررہ و طے شدہ باتوں سے ہے کہ ولی اقرب کے ہوتے ولی بعید کو کسی مقدمہ میں کچھ دخل نہیں ہے۔

مسائل التجارۃ

کہتے ہیں کہ تجارت میں مؤمن سے نفع لینا مکروہ ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ (اور حلال کی اللہ تعالیٰ نے خرید فروخت) وَقَالَ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَۃً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ (مگر یہ کہ ہو تجارت بر رضامندی باہم تم سے) مؤمن غیر مؤمن اس مقدمہ میں برابر ہیں۔ اس واسطے کہ بنیاد تجارت و بیع کی حصول نفع پر ہے اور تواارث جملہ امتوں کا جملہ وقتوں اور شہروں میں اس کے برخلاف ہے اگر کوئی شخص چاہے کہ خاص دار الاسلام میں تجارت کرے تو اس کو جائز نہیں ہے کہ بعض شہر کثیر مثل ایران، خراسان، عراق، عرب اور یمن کے اس فائدے سے محروم رہیں۔ حالانکہ انبیاء اور ائمہؒ نے تجارت باہم مؤمنین کی باوجود نفع لینے کے مقرر فرمائی ہے۔

مسائل الرہن والدین

کہتے ہیں کہ رہن جائز ہے بغیر قبضہ مرتہن کے اس شے پر جس کو رہن رکھا ہے اور شرع میں قبضہ کو ضروریات اور لوازمات رہن سے ٹھیرایا ہے۔ قولہ تعالیٰ فَرِھَانٌ مَّقْبُوْضَۃٌ (جملہ گروی جو مقبوضہ ہوں)

اس لیے کہ بغیر قبضہ کے وہ فائدہ جو رہن سے مقصود ہے ثابت نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر قبضہ نہ ہو تو رہن گیرندہ کو رقبہ رہن کیے ہوئے میں کچھ دخل نہیں ہے۔ بلکہ رہن کرنے والے پر ہے منافع اس کا بھی بے اذن اس کے نہیں لے سکتا ہے۔ پس جو کچھ ہے یہی ہے کہ عند الحاجت اس سے قرض اپنا وصول کر لے گا۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر فائدہ رہن کا کیا ہوگا۔ معہذا روایتیں صحیحہ ائمہ سے ہیں روی محمد بن قیس عن الباقر والصادق انھما قالا لا رھن الا مقبوضا (روایت کی محمد بن قیس نے باقرؑ اور صادقؑ سے کہ دونوں نے کہا رہن ثابت نہیں ہے مگر بقبضہ)۔

اور کہتے ہیں کہ منفعت رہن کی جائز ہے اور ظاہر ہے کہ یہ صریح ربا یعنی سود ہے۔ اور کہتے ہیں اگر کوئی کسی کی چھوکری کو گروی رکھے تو اس چھوکری سے گرو گیرندہ (مرتہن) کو وطی جائز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ صریح زنا ہے۔

اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی اپنی حرم یعنی چھوکری مملوکہ کو جس کے اس شخص سے اولاد ہوئی ہو کہ اس کو اُمّ الولد بھی کہتے ہیں گروی رکھے تو جائز ہے اور اس کے ساتھ پروانگی وطی کی گرو کنندہ کو دے کہ پیش و پس میں چاہے جدھر جماع کرے تو بھی درست ہے۔ بشناعت مسئلہ اور مخالفت قواعد شرع کی کیسی ظاہر ہے۔

اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قرض اپنا دوسرے پر اُتار دے اور وہ دوسرا اس کو مان نہ لے تو اُتار دینا لازم ہو جاتا ہے اس پر نص ہے ابو جعفر طوسی کی اور اس کے شیخ ابن نعمان کی۔ ظاہر اس حکم میں نہایت غرابت ہے۔ یعنی کہیں شریعت میں نہیں آیا کہ قرض کسی کا جب تک کہ دوسرا اپنے ذمہ لازم نہ کر لے اس پر عائد نہیں ہوتا۔ اگر اسی مسئلہ پر عمل جاری ہو تو عجب فساد اٹھے، ہر فقیر اپنے قرض و دام کو دریبہ اور اردوئے معلّٰی کے ساہوکاروں پر حوالہ کر کے بری الذمہ ہو جائے اور مال ان ساہوکاروں کا جامع مسجد کی سیڑھیوں کے فقیروں کے حوالہ میں برباد ہو طوعاً اور کرہاً، یہ تو اچھا تماشا ٹھیرا۔

مسائل الغصب و الامانۃ

اور کہتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کا مال غصب کیا اور کسی کے پاس امانت رکھا، امانت دار کو واجب ہے کہ بعد مرنے امانت رکھنے والے کے امانت سے انکار کرے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے انکارِ امانت میں کیسی سختی فرمائی ہے۔ اگر گنہ گار ہے تو وہ غصب کنندہ ہے جس نے امانت رکھا ہے اُس کے ذمّے گناہ غصب کا ہے اس کو انکار امانت کا کیونکر جائز ہوگا اور جھوٹ بولنا، جھوٹی قسم کھانا کب روا ہوگا۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مالک اُس مالِ مغصوبہ کا پیدا نہ ہو سال بھر تلاش کرے، پھر فقیروں کو

خیرات کر دے۔ حالانکہ غیر کا مال بدون اس کی اجازت کے خیرات کرنا شرع میں جائز نہیں ہے۔ قولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا (اللہ حکم کرتا ہے کہ امانت والے کی امانت ادا کرو)۔ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَدِّ الْاَمَانَۃَ اِلٰی مَنِ ائْتَمَنَکَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَکَ (فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کر امانت اُس کی جس نے تجھ کو امین ٹھیرایا ہے اور خیانت مت کر اُس کی جس نے تیری خیانت کی) اور یہ نص صحیح ہے ابن مطہر حلی سے۔ اور کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی کا مال غصب کر کے اپنے مال میں ایسا ملا لیا کہ دونوں میں امتیاز نہ رہا مثلاً دودھ کے ساتھ دودھ، روغن کے ساتھ روغن، دہی کے ساتھ دہی، گیہوں کے ساتھ گیہوں، پانی کے ساتھ پانی، شکر کے ساتھ شکر۔ حاکم اس سب مال کو اُسے دیدے جس سے اس نے غصب کیا ہے۔ سبحان اللہ اس موقع پر ظلم صریح غصب کرنے والے پر ہوتا ہے اس واسطے کہ جس کا غصب کیا ہے اُس کا اِس کے مال میں کچھ حق نہیں ہے اور علاج ظلم کا ظلم سے نہیں چاہیے۔

اور یہ کہ اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی کسی کے پاس امانت چھوڑی اور اجازت دیدی کہ جب چاہے اس سے جماع کرے تو ان کے نزدیک جائز ہے۔ اور اُس امانت دار کو یہ حق پہنچتا ہے کہ بے دھڑک اُس سے صحبت کرتا رہے۔

مسائل العاریۃ

اگر ایک شخص نے ایک شخص سے کہا کہ جملہ منافع اس چھوکری کے میں نے تجھ کو حلال کیے۔ اُس شخص کو جماع اس کنیزک کا حلال طیّب ہے۔ اور عاریت دینا فرج اپنی چھوکریوں کی خواہ خاص فرج خواہ جیسے کہا ہے جمیع منافع ضمناً ان کے نزدیک جائز ہے۔ اور اُمّ الولد کو بھی وطی کے واسطے عاریت دینا درست ہے کہ یہ سب احکام صریح خلاف قرآن کے ہیں۔ قولہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ (اور وہ لوگ فرجوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی ازواج کے یا انکے جن کے مالک ہوئے ان کے داہنے ہاتھ سو وہ رنج پانے والے نہیں ہیں اور جو کوئی خواہش کرے سوا اس کے تو وہ حد سے گزرنے والا ہے)۔

مسائل اللقیط

کہتے ہیں کہ بچہ ہوشیار اگر اپنے وارثوں سے گم ہو کر کسی کو ملے تو اس پر التفات کرنا اور اپنے گھر میں پالنا

جائز نہیں ہے۔ حالانکہ ہوشیار بچے کے ساتھ بھی ضائع ہونے کا ڈر لگا ہے۔ اور خوجہ گرا اور لوطی ایسے جنسِ عزیز کو بہت ڈھونڈتے چاہتے رہتے ہیں اس پر التفات نہ کرنے میں بلا شبہ اندیشہ ہلاک کا ہے جیسا کہ تجربہ کیا ہوا ہے۔ اِس واسطے کہ وہ بچہ خورد سالی کے سبب سے موذی چیزوں کے دفع سے عاجز ہے اور کسبِ نفقہ سے۔ پس التفات اس کا زیادہ مؤکّد ہے التفاتِ جانوروں سے۔

مسائلُ الاجارۃ والہبۃ والصّدقۃ والوقف

کہتے ہیں کہ اجارہ بغیر زبان عربی کے منعقد نہیں ہوتا۔

اور کہتے ہیں کہ جو کوئی جہادِ کفار اور واسطے چوکیداری رہ زنوں کے اپنے آپ کو نوکر کرے اُس وقت کہ امام مہدیؑ غائب ہیں تو اس کی اجرت کا مستحق نہیں ہے اس لیے کہ جہاد غیبتِ امام میں فاسد ہے، پس اجارہ بھی اس کا صحیح نہیں۔

اور کہتے ہیں کہ اگر کسی شیعہ نے اپنی امّ ولد کو کسی کا نوکر کیا خدمت اور اصیل گری کے واسطے اور فرج اس کی کسی دوسرے کے لیے حلال کر دی تو پہلا مستحق خدمت لینے کا ہے اور دوسرے کو وطی حلال ہے اور ہبہ کرنا بھی بغیر زبانِ عربی کے درست نہیں ہے۔ اگر کوئی ہزار بار کہے "بخشیدم بخشیدم" تو ہبہ نہیں ہوتا۔

اور کہتے ہیں کہ بخشنا فقط وطی اپنی مملوکہ کا درست ہے اور فرج بھی عاریت ہوتی ہے۔

اور اکثر ان میں سے کہتے ہیں کہ پھیر لینا صدقہ کا جائز ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا تُبْطِلُوا صَدَقٰتِكُمْ (مت باطل کرو اپنے صدقوں کو) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْعَائِدُ فِي صَدَقَتِهٖ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِي قَيْئِهٖ (پھرنے والا اپنے صدقہ کی طرف ایسا ہے جیسا کتا اپنی قے کی طرف پھرتا ہے)۔

اور کہتے ہیں کہ بلّی کو وقف کرنا جائز ہے، خدا جانے بلّی میں کیا فائدہ ہے اور اس کے ساتھ کون سا انتفاع ہے جو وقف اس کا جائز ہوا، بارِ خدایا شاید بلاؤ بلّی کی جفتی میں کام آتا ہوگا۔

اور بالاتفاق کہتے ہیں کہ چھوکری کی فرج وقف کر دینا درست ہے پس وہ چھوکری خرچی میں جائے اور متعہ کرے اور اجرت اس کی اس شخص کو جس کے واسطے وقف کی ہے حلال ہے وہ مزے سے اس کو نوش جان فرمائے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلٰى هٰذَا الْمَذْهَبِ (لعنت خدا کی اس مذہب پر) اب تو شریعت میں اور بوندی کے راجاؤں کے آئین میں فرق نہ رہا۔

مسائل النّکاح

کہتے ہیں باوجود خواہش، نکاح نہ کرنا مستحب ہے۔ حالانکہ ظاہر خلاف سُنّت انبیاءؑ اور اولیاء کے ہے اِس لئے کہ خود بھی نکاح کیا ہے اور اوروں کو بھی نکاح کرنے کو فرمایا۔ ہاں انبیاءؑ اور اولیاء کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا کہ خواہش جماع کی متعہ اور مانگے کی فرج سے بھی ٹل سکتی ہے تو نکاح کا بوجھ سر پر رکھنا کیا ضروری ہے۔

اور کہتے ہیں کہ نکاح اُن ایام میں جو قمر عقرب میں ہو مکروہ ہے۔ اسی طرح اگر تحت الشّعاع میں ہو جس کو چاند کا چھپنا کہتے ہیں۔ لیکن یہ سب باتیں مخالف مقاصد شرع کے ہیں جس نے نجوم کو باطل ٹھہرایا ہے بلکہ مخالف اصول ملتِ ابراہیم حنیف والوں اور موافق صابئین کے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک عورت نوؔ برس کی نہ ہو دخول حرام ہے، اگرچہ موٹی اور قوی ہو۔ اس کی بھی شرع میں کچھ اصل نہیں۔

اور کہتے ہیں کہ نکاح حلال میں یہ شرط کر لینا کہ اتنی دفعہ دن میں جماع کروں گا، اور اتنی دفعہ رات میں اور ایک مہینہ میں اتنی، ان کی تعداد اور وقت کر لینا جائز ہے۔ اور اس شرط کے موافق دونوں طرف سے مطالبہ اور مواخذہ ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (اور وعدہ مت کرو اُن سے زنانوں مقرری پر خفیہ مگر جو بات کہو وہ قول معروف ہو)۔

اور کہتے ہیں کہ حالتِ حیض میں وطی دُبر منکوحہ و مملوکہ اور چھوکری عاریتی اور وقف اور امانت اور عورت متعہ سب کے ساتھ جائز ہے لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ (کہہ حیض نجاست ہے پس بچو عورتوں سے اور کنارہ کرو حالتِ حیض میں)، خیال کرو بسبب نجاست حیض کے فرج کو حرام کیا ہے بسبب نجاستِ گُہ کے دُبر کیونکر حرام نہ ہوگی کہ ہر وقت یہ ناپاکی امعاء (انتڑی) میں جو دُبر کے متصل ہے موجود رہتی ہے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتَى امْرَاَةً فِي دُبُرِهَا (لعنت کیا گیا ہے جو عورت سے نزدیکی کرے دُبر کے ساتھ) اور یہی فرمایا اِتَّقُوْا مَحَاشَّ النِّسَاءِ، اَيْ اَدْبَارَهُنَّ وَهُوَ خَبَرٌ صَحِيْحٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ نَصَّ عَلَيْهِ الْمِقْدَادُ (بچاؤ تم محاش عورتوں کی کہ وہ دُبر ہیں اور یہ خبر صحیح متفق علیہ ہے جس پر نص کی ہے مقداد نے) اور اس خبر میں بعلّتِ حرمت کے اشارہ فرمایا کہ یہ ٹھکانا براز و ناپاکی کا ہے مثل پاخانے کے۔ اِس واسطے کہ محشہ پاخانہ کو کہتے ہیں لغتِ عرب میں وَمِنْهُ قَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ الْحُشُوْشَ مُحْتَضَرَةٌ (بیشک حشوش بچنے کی چیزیں ہیں)، اِس موقع پر علم تشریح الابدان سے

۴۲

بعض ناواقفوں کے دل میں شبہ گزرتا ہے کہ فرج بھی تو جگہ پیشاب و ناپاکی کی ہے پھر اس جگہ کو کیوں حلال کیا ہے اور اس شبہ کا دفع اِس عضو کی تشریح سمجھنے سے ہو سکتا ہے۔ فنِ تشریح میں ذکر کیا ہے کہ عورت کی فرج میں تین سوراخ ہوتے ہیں، سب سے اُوپر ایک سوراخ ہے مثانہ تک کہ وہ پرنالہ پیشاب کا ہے اُس کے بعد ایک سوراخ باریک ہے آنتوں سے لگا ہوا کہ اُس راہ سے کسی وقت ہوا نکلتی ہے۔ اور سب سے نیچے ایک سوراخ ہے وسیع کہ جماع کے وقت ذکر اُس میں جاتا ہے کہ یہ متصل رِحم کے ہے۔ خُون حیض کا اور بچہ اسی راہ سے نِکلتا ہے۔ پس فرج میں جماع کی جگہ سوائے ایامِ حیض کے کسی وقت ناپاک نہیں ہوتی اور اُس وقت جماع حرام ہے بخلاف دُبر کے کہ اس کی ایک راہ ہے متصل بامعا کہ وہ براز و نجاستِ غلیظ کا خزانہ ہے۔

مسائل المتعۃ

کہتے ہیں کہ متعہ دوریہ کا جائز ہے۔ ہرچند اثنا عشریہ ہمارے زمانے اور ملک کے انکار کرتے ہیں لیکن محقق ان کے کہتے ہیں کہ ہماری کتابوں سے ثابت ہے، اِس کا انکار جائز نہیں۔ چنانچہ کہا ہے لَا یَجُوْزُ اِنْکَارُہٗ۔ صورت اُس کی یہ ہے کہ ایک گروہ ایک عورت سے متعہ کریں اور دَورے کی باری ٹھہرائیں اور ہر ایک اُس عورت سے جماع کرے۔ حالانکہ تمام شریعتوں میں دو پانیوں کا ایک بچہ دانی میں ملانا درست نہیں رکھا ہے اور مابہ الامتیاز شرف آدمی کا حیوانات سے نسب ہی ہے کہ بجز آدمی کے اور میں یہ حفظ نہیں۔ اسی واسطے حفظِ نسب کو ضروریاتِ خمسہ سے کہ ہر ملت میں اُن کی حفظ کا حکم ہے، فرمایا ہے داخل کیا ہے اَوَّلُھَا حِفْظُ النَّفْسِ ثُمَّ حِفْظُ الدِّیْنِ ثُمَّ حِفْظُ الْعَقْلِ ثُمَّ حِفْظُ النَّسَبِ ثُمَّ حِفْظُ الْمَالِ (ضروریاتِ خمسہ سے اوّل حفظ نفس ہے پھر حفظِ قرض پھر حفظ عقل پھر حفظ نسب پھر حفظ مال) لہٰذا خون کا بدلہ اور جہاد اور قائم کرنا حدود کا اور حرام ٹھہرانا منشّی چیزوں کا اور زنا اور متعہ اور چوری اور غصب، یہ سب بتاکید تمام شریعت میں آیا ہے۔ لیکن اِس صورت میں اس امر ضروری کا جواب صاف ہی اور حیا و غیرت اور پاس ناموس کا کہ تمام ملتِ صادقہ اور مذہبِ باطلہ یعنے یہود اور جو اُن کے ضد ہیں سب میں یہ باتیں مذموم و مردود ہیں جڑ بنیاد سے کھود ڈالا ہے۔ بلکہ اگر عاقل اصل متعہ کو سوچے تو جان لے کہ اس عقدِ فاسد میں کیسے مفسدے ہیں کہ جملہ خلاف شرع اور ضد حکم الٰہی کے ہیں۔ انھیں سب سے یہ کہ اولاد ضائع ہوتی ہے اور گویا معناً ان کو مار ڈالنا ہے۔ کیونکہ جب اولاد اُس کی ہر شہر اور ہر گاؤں میں پہنچی اور پریشان ہوتی اُس کے پاس نہ رہی تو اُن کی پرورش اور تدبیر کے لئے اس کا پہنچنا غیر ممکن ہوا۔ اور مثل اولادِ زنا کے بے تربیت بردمی۔ اور اگر بالغرض وہ اولاد لڑکیوں کی قسم ہوں تو اور زیادہ رسوائی ہے۔ اس واسطے کہ اپنے کفو میں

نکاح اُن کا نہ ہو سکے گا۔ اور منجملہ ان کے ہے وطی موطوءۂ باپ سے بیٹے کی نکاح سے یا متعہ سے بلکہ وطی دختر اور دختر کی دختر اور دخترِ پسر اور خواہر اور دخترِ خواہر کی اور علاوہ ان کے جو عورتیں حرام ہیں بعض صورت میں خصوصاً مدتِ دراز میں۔ کیونکہ ایک مہینہ تک علم حمل عورت کا حاصل نہیں ہوتا خصوصاً اتفاق متعہ کا سفر میں پڑے اور سفر بھی لمبا ہو اور ہر منزل میں نیا متعہ کرنا پڑے اور ہر متعہ سے اولاد لاحق ہو، اور بعض اُن اولاد سے لڑکیاں ہوں اور یہ شخص پندرہ برس بعد اس سفر سے لوٹے یا لڑکا اُس کا یا بھائی اُس کا اُن منزلوں پر گزر کرے اور اُن لڑکیوں سے متعہ کرے یا نکاح کرے۔ اور اسی قسم سے تقسیم میراث کی ہے اُس کی جس نے بہت سے متعہ کئے ہوں کہ نہ وارث اُس کے معلوم ہیں نہ اُن کی گنتی معلوم نہ نام نہ ٹھکانا اُن کا، پس حکم میراث کا بیکار رہا۔ اسی طرح بیکاری میراث اُن لوگوں کی جو متعہ کی اولاد ہیں اس سبب سے کہ ان کے باپ بھائی معلوم نہیں ہیں اور جس وقت تک کہ حصر وارثوں کا گنتی میں معلوم نہ ہو جائے میراث کا تقسیم ہونا ممکن نہیں اور جب تک صفات ورثہ کی کہ مرد ہیں یا عورت ہیں اور محجوب ہیں یا محروم معلوم نہ ہوں ایک وارث کا حصہ بھی معین نہیں ہو سکتا۔

الحاصل اگر متعہ حلال کیا جائے تو اس کے ضمن میں برہمی حکم شریعت خصوصاً نکاح اور میراث کی صریح لازم آتی ہے۔ اس کی تفصیل فوائد القلوب میں کہ اہلِ سنت کے ایک محقق کی ہے دیکھنی چاہیئے۔ اور یہ باتیں حلال کر دینی چھوکریوں اور اُمہاتِ اولاد میں متعہ سے زیادہ لازم آتی ہے۔ پس نوعِ انسان میں فسادِ عظیم برپا ہوتا ہے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں حصر فرما دیا ہے اسبابِ وطی حلال کو دو چیز میں ایک نکاح صحیح ظاہر التائید، دوسرے مِلکِ یمین یعنے جو کنیز کہ جہاد سے لائیں یا زرخرید ہو کہ ان دو عقدوں کے سبب سے عورت و مرد میں پورا اختصاص حاصل ہوتا ہے۔ اور قید و حمایت آدمی میں رہتی ہیں۔ اور حفاظت اولاد اور وارث کی جیسے چاہیئے ثابت ہوتی ہے۔ اور اسی مضمون کو دو سورتوں میں تاکید کے واسطے مکرر فرمایا ہے۔ قولہ تعالیٰ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ، سورہ مؤمنون میں اور سورہ معارج میں (مگر ازواج یا مِلکِ یمین پر)۔ اور اس کے بعد ہی دونوں جگہ فرمایا فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ (جو خواہش کریگا سوا اس کے وہی حد سے باہر نکلا ہوا ہے) اور ظاہر ہے کہ عورتِ متعہ زوجہ نہیں ہے ورنہ میراث اور عدۃ اور طلاق اور نفقہ اور کسوت اور جو کچھ زوجیت کو لازم ہیں اس کو بھی ثابت ہوتے، نہ وہ مِلکِ یمین ہے ورنہ بیع اور ہبہ اور عتاق اُس کا جائز ہوتا۔ اس پر شیعہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ زوجیت درمیان مرد و عورتِ متعہ کے حاصل نہیں ہوتی ہے، کتاب اعتقادات میں ابن بابویہ کی تصریح موجود ہے کہ: اَسْبَابُ حِلِّ الْمَرْاَةِ عِنْدَنَا اَرْبَعَةٌ

اَلنِّكَاحُ وَمِلْكُ الْيَمِيْنِ وَالْمُتْعَةُ وَالتَّحْلِيْلُ الخ (سبب حلال ٹھہرنے عورت کے چار ہیں نکاح، ملک یمین، متعہ، تحلیل) اور حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (اگر ڈرو کہ کئی منکوحہ ہونے سے عدل نہیں ہو سکے گا تو ایک عورت پر بس کرو یا اپنی چھوکریوں کے ساتھ حاجت روائی کرو) پس یہاں کہ بیان کرنے کا موقع تھا سکوت کرنا صریح بغرض فائدہ حصر کے ہے۔ خصوصاً یہ مقام تو مقتضی اس کا ہے کہ جن میں عدل واجب نہیں ہے سب کا ذکر ہوتا بلکہ متعہ اور تحلیل ہی کو اس امر میں پیشقدمی ہے۔ اس لئے کہ نکاح اور ملک یمین میں آخر بعض حقوق واجب ہوتے ہیں جن کے ترک سے ظلم تصور کیا جاتا ہے، بخلاف متعہ کے کہ سوائے اجرت مقرری کے کوئی حق واجب نہیں ہوتا اور تحلیل کا تو کیا کہنا محض حلوائے بے دود ہے سوائے احسان اٹھانے مالک فرج کے کوئی بات اپنے ذمے نہیں ہوتی۔ اور حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (اور چاہیئے کہ پاک دامنی پکڑیں وہ لوگ کہ نہیں پاتے ہیں نکاح کو جبتک کہ غنی کرے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے) پس اگر متعہ اور تحلیل جائز ہوتی تو اللہ تعالیٰ حکم عفت اختیار کرنے کا کیوں فرماتا۔ نیز یہ بھی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِلٰى قَوْلِهٖ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔

اور جو کوئی کہ نہ پاتے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لاوے بیویاں مسلمان تو جو ہاتھ کا مال ہیں تمھارے آپس کی لونڈیاں۔ یہ اسکے واسطے ہے کہ جو کوئی ڈرے تم میں تکلیف میں پڑنے سے اور اگر صبر کرو گے بہتر ہے تمھارے واسطے۔

اگر متعہ اور تحلیل جائز ہوتی تو خوف اور حاجت صبر کی نکاح میں کیوں ثابت ہوگی۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً (پھر جو کام میں لاؤ تم ان عورتوں میں سے ان کو تو دو ان کے حق میں جو مقرر ہوا) یہ آیت متعہ کے حق میں نازل ہے غلط محض ہے۔ اور اس کی روایت جو عبداللہ بن مسعودؓ سے کرتے ہیں بالکل افترا ہے، اگرچہ اہل سنت کی غیر معتبر تفسیروں میں بھی نقل کریں اس واسطے کہ نظم قرآن کے خلاف ہے۔ اور جو تفسیر کہ خلاف نظم قرآن کے ہو گو کسی صحابی سے روایت کریں قابل ماننے اور سننے کے نہیں ہے۔ اس سبب سے کہ حق تعالیٰ۔ اول ان عورتوں کو جو حرام ہیں بیان فرمایا ہے جیسے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور نکاح بندھی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمھارے ہاتھ) پھر فرمایا وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (اور حلال ہوئیں تم کو جو ان کے سوا ہیں)۔ پھر فرمایا اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (اس شرط سے کہ اپنا مال خرچ کرو مہر اور نفقے میں)۔

پس حلال ہونا فرجوں کا اور عاریت ان کی اس شرط سے باطل ہوئی۔ اس لئے کہ وہ مفت کا سودا ہے۔ پھر فرمایا مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (قید میں لانے کو نہ کہ مستی نکالنے کو) قید سے مراد محافظت ہے تاکہ دوسرے سے ربط نہ پیدا کریں۔ پس متعہ اس سے باطل ہوا اس وجہ سے کہ متعہ میں احتیاط خصوصیت کی مطلق نہیں ہوتی، متعہ والی عورت کا ہر مہینے میں ایک یار ہے اور ہر سال میں ایک بغل اور کنار۔ پھر حلال ہونے نکاح پر متفرع فرمایا ہے فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ الخ یعنی جب نکاح میں مہر مقرر ہوا اگر تم نے دخول و جماع سے فائدہ اٹھایا تو کل مہر تم پر لازم ہوتا ہے نہیں تو نصف مہر۔ اب اس آیت کو اپنے ماقبل کے کلام سے الگ کر دینا اور ابتدائے کلام پر قیاس کرنا موافق اعتبار عربیت کے صریح بیہودہ ہے۔ اس واسطے کہ حرف فا الگ کرنے سے منع کرتا ہے اور نیز ابتداء سے اور پچھلے کلام کو پہلے کلام سے ربط دیتا ہے۔

اور یہ جو روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ اس آیت کو اس لفظ کے ساتھ پڑھتے ہیں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى، اول تو اس روایت کی صحت میں حرف ہے، یوں کہ کتب معتبرہ میں نہیں پائی گئی۔ دوسرے اگر روایت بھی ثابت ہو تو قرآت منسوخ ہوگی اور ایسی قرآت سے احکام ثابت نہیں ہوتے نہ کارآمد۔ کیونکہ نہ وہ قرآن رہی نہ خبر۔ خاص کر ایسے حال میں کہ اور آیتیں قرآن کی صریح اس کے خلاف ہوں۔ تیسرے اگر ان سب سے ہم درگزر بھی کریں پھر بھی متعہ پر نہیں دلالت کرتی اس وجہ سے کہ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى متعلق استمتاع سے ہے نہ کہ عقد سے۔ اور متعہ کی مدت مقرری متعلق نفس عقد سے ہوتی ہے نہ کہ استمتاع سے۔ پس معنی آیت کے یوں ہوں گے کہ "اگر عورتوں منکوحہ سے تم نے تمتع پایا مدت مقرری تک تو پورا مہر ادا کرو"۔ اور اگر فائدہ اس عبارت کے بڑھانے کا یہ ہے کہ کوئی وہم نہ کرے کہ تمام مہر کا ادا کرنا تمام مدت نکاح کے گزر جانے پر معلق ہے، جب تمام مدت گزر جائے تب تمام کا ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ عرف میں مشہور ہے کہ ایک ثلث مہر کو معجل کرتے ہیں یعنے جلدی دینا اور دو ثلث کو موجل یعنی کسی وعدے پر جبتک نکاح باقی ہے۔ لیکن یہ وعدہ بسبب تصرف زن اور اس کے اختیار کے حاصل ہوتا ہے ورنہ حکم شرع یہ ہے کہ چاہے بعد ایک جماع کے کل مہر کا مطالبہ کرے۔ اور اگر اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى قید عقد کے ہو چاہیئے کہ متعہ شیعہ کے نزدیک عمر بھر ہمیشہ کو درست نہ ہو۔ حالانکہ باجماع شیعہ درست ہے۔ اور سیاق آیت کا بھی جو قول اللہ تعالیٰ کا ہے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا الاٰية نکاح کے مقدمہ میں ہے۔ یعنی اگر اتنا مال نہیں رکھتے ہو کہ مہر و نفقہ آزاد عورتوں کا دے سکو تو نکاح اپنے دینی بھائیوں کی لونڈیوں کے ساتھ کرو، پس درمیان میں قطع کلام کرنا اور درمیان کی عبارت کو متعہ پر قیاس کرنا صریح تحریف کلام اللہ کی ہے۔ بلکہ اگر کوئی سباق اس آیت میں تامل کرے تو متعہ کا حرام ہونا پائے گا۔ اس لئے کہ اس آیت میں چھوکریوں کے نکاح پر اکتفا فرمایا ہے۔

اگر متعہ کو کلام سابق میں حلال کر دیتے تو مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا کیوں کہتے۔ اس سبب سے کہ جب مقدور یہ نہیں ہے کہ حُرّہ عورت سے نکاح کرے تو جماع کی ضرورت نکالنے کو متعہ کیا تھوڑا تھا بلکہ بحکم لِکُلِّ جَدِیْدٍ لَذَّۃٌ (ہر نئی چیز کی لذت جدا ہے) نہایت خوب بہتر معلوم ہوتا تھا چھوکریوں کے نکاح ایسے تقید و تشدد اور شرطوں اور قیدوں کے ساتھ حلال کرنے کا کیا کام تھا۔

الحاصل یہ پانچوں آیتیں قرآن کی ظاہر بتاتی ہیں کہ متعہ حرام ہے۔ اور یہ ایک آیت کہ شیعہ نے اپنے گمان میں متعہ حلال ہونے پر قیاس کی ہے اس کا حال معلوم ہوا کہ حقیقت میں اس کا الٹا معاملہ ہے اور اسکے ساتھ شیعہ کی طرف استدلال ہے اور مخالف کی طرف منع، اور مانع کے واسطے صرف احتمال کافی ہے۔ پھر کیا ٹھکانا اس کا کہ ظاہر اور متبادر بھی ہو یعنے ذہن اسی طرف جاتے اور استدلال میں اگر تو بھی احتمال کی ہو تو یہ بھی اس کو باطل کرتی ہے نہ کہ قوی اور غالب احتمال ہو۔

مسائل الرضاع والطلاق

مسئلہ رضاع میں کہتے ہیں کہ اگر پندرہ دفعہ بچہ سیر ہو کر دودھ پی لے برابر بلا فاصلہ تو حرام ہو جاتا ہے۔ اور اگر پندرہ دفعہ ایسے ہی دودھ پیا ہو مگر برابر نہیں فاصلے کے ساتھ تو حرام نہیں ہوتا۔ حالانکہ دس بار کا حکم کلام اللہ میں، سو باجماع امت منسوخ ہوا۔ لیکن کلام اللہ میں پانچ زیادتی اور قید پے درپے کی نہ تھی، یہ زیادتی اور قید ان کی نکالی ہوتی ہے۔ اور جو حکم کہ منسوخ ہو گیا اس کو باقی رکھنا اپنی طرف سے شرع پیدا کرنا اور مخالف حکم الٰہی کے ہونا ہے۔ اور خود ائمہ سے روایت کرتے ہیں کہ دودھ پینا بے قید مدتِ شیر خوارگی میں موجب حرمت کا ہے خواہ دس دفعہ شیر خوارگی ہو خواہ اس سے کم۔ حالانکہ وہ مقام مقام احتیاط کا ہے یہاں عمل احوط کے ساتھ درکار ہے کہ مقدمہ حرمتِ نکاح کا ہے تو بری الذمگی یقیناً ثابت ہو۔ چنانچہ موافق واجب ہونے عمل بالاحوط کے اس قسم کے موضعوں میں ان کے شیخ مقداد نے کنز العرفان میں جو بحث کفارہ یمین کی لکھی ہے اس میں تصریح کی ہے۔

اور کہتے ہیں کہ طلاق بغیر زبانِ عربی کے نہیں ہوتی۔ بیہودگی اس مسئلے کی خوب ظاہر ہے حاجت بیان کی نہیں۔ اور عجب ہے کہ اگر مرد ہزار دفعہ اپنی عورت سے کہے کہ اَنْتِ مُطَلَّقَۃٌ وَاَنْتِ طَلَاقٌ (تو طلاق دی گئی ہے اور تو طلاق ہے یعنی قیدِ نکاح سے رہا شدہ) ہرگز ان کے نزدیک طلاق نہیں واقع ہوتی ہاں اگر کہے طَلَّقْتُكِ (طلاق دی میں نے تجھ کو) تو طلاق ہے۔ حالانکہ شارع نے ان دونوں صیغوں کو بھی طلاق میں گنا ہے اگرچہ اصل وضع ان دونوں صیغوں کی واسطے اخبار کے ہے کہ طلاق سے خبر دیتے ہیں۔

پس طَلَّقْتُكِ بھی ایسا ہی ہے۔ معنی انشائیہ کے واسطے کوئی ایک ترکیب لغت میں موضوع نہیں ہے ہر جگہ یہی لفظ اخبار کے کام میں لاتے ہیں جیسے اَنْتَ حُرٌّ وَاَنْتَ عَتِیْقٌ (تو آزاد ہے اور تو بے قید ہے) اور خود یہ لوگ طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں اس صورت میں کہ کوئی کسی سے پوچھے ھَلْ طَلَّقْتَ فُلَانَۃً (کیا طلاق دی تو نے فلان کو) پس وہ شخص کہے کہ نَعَمْ۔ حالانکہ یہاں صریح اخبار مراد ہے نہ کہ انشاء ورنہ جواب استفہام میں کس طرح واقع ہوتا۔

اور کہتے ہیں کہ بغیر دو گواہوں کے طلاق درست نہیں ہوتی جیسے نکاح۔ اور شرع سے قطعاً معلوم ہے کہ گواہ طلاقِ رجعی اور طلاق محض میں واسطے جھگڑے قطع کرنے کے مستحب ہیں۔ نہ یہ کہ وجود و حضور دو گواہوں کا شرط طلاق کی رجعت تک ہے مثل نکاح۔ اور تو ارث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ائمہ کے وقت تک یہی ہوتا آیا کہ طلاق کے وقت ہرگز گواہ نہیں بلاتے تھے اس واسطے کہ طلاق و نکاح میں فرق ہے۔ وجہ فرق کی یہ ہے کہ نکاح کے لئے اعلان ضروری ہے تاکہ زنا سے جدا رہے اور محل تہمت نہ ہو پس اقل مدا علان کی دو گواہ مقرر فرمائے ہیں بخلاف طلاق کے کہ اس میں اعلان ضروری نہیں ہے لِعَدَمِ اِلْتِبَاسِہٖ بِشَیْءٍ حَتّٰی یُمَیَّزَ وَلِعَدَمِ التُّھْمَۃِ فِیْ تَرْکِ الصُّحْبَۃِ وَالْجِمَاعِ (اس سبب سے کہ طلاق میں کسی چیز سے التباس نہیں ہے تاکہ جدا کی جائے اور نہ محل تہمت ہے اس واسطے کہ صحبت جماع ترک ہو جاتا ہے) پس طلاق مثل بیع اور اجارے اور جملہ عہدوں کے ہے کہ اگر انکار کے خوف سے گواہ حاضر کریں کہ وہ عقد پایۂ ثبوت کو پہنچے تو بہا ورنہ کچھ ضروری نہیں ہے۔

اور کہتے ہیں کہ کنایات سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگر خاوند موجود ہو۔ حالانکہ فرق حاضر و غائب ہونے خاوند کا خلاف قاعدہ شرع کے ہے اس واسطے کہ طلاق واقع ہونے میں ہرگز حاضر و غائب ہونا خاوند کا اعتبار نہیں کیا ہے کسی باب میں۔ پس یہ فرق نکالنا اپنی شرع قائم کرنا ہے اور اپنی طرف سے راہ نکالنا۔

اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جس کا ذکر مقطوع ہو اور خصیتین سلامت ہوں وہ کسی عورت سے نکاح کرے اور بعد خلوتِ صحیح کے طلاق دے تو عدت واجب نہیں ہوتی۔ اور خود ایسے شخص سے ثبوتِ نسب کے قائل ہیں اگر کوئی لڑکا پیدا ہو۔ احتمال علوق یعنے خون عورت کا نطفہ مرد کے ساتھ رحم میں جم جانا جو ابتدائے حمل ہے ہونے کا اس شخص سے حاصل ہوتا ہے پھر عدت کیوں نہیں واجب ہوگی۔ اس لئے کہ عدۃ علوق کے لئے واجب ہے تاکہ معرفت علوق کی حاصل ہو، اور ممکن ہونا علوق کا اس شخص سے موافق قواعد طبیہ کے ثابت و صحیح ہے اس وجہ سے کہ منی کا ٹھکانا خصیتے ہیں نہ کہ ذکر پس احتمال ہے کہ رگڑنے کے وقت اس کے سوراخ سے منی نکل کر عورت کے بچہ دان کے منہ میں پہنچ گئی ہو اور رحم نے اس کو فوراً جذب کر لیا ہو اور لڑکا پیدا ہوا، بخلاف

اُس کے جس کے خصیے کٹے ہوتے ہوں کہ اُس سے منی کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہے گو ذکر اُس کا سلامت ہو۔

اَور کہتے ہیں کہ ظہار (یعنی مرد عورت سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت ہے کہ اس کہنے سے عورت مرد پر حرام ہو جاتی ہے) واقع نہیں ہوتا اگر شوہر واقع کرنے ظہار سے اپنی زوجہ کا اضرار ترک وطی کے ساتھ چاہے۔ حالانکہ شارع کا قصد واجب کرنے کفارہ سے بند کرنا باب اضرار کا ہے۔ پس اگر اضرار میں کچھ واجب نہ ہو مناقضت مقصود شارع سے لازم آئے۔ اَور اس کے ساتھ مخالف نص کتاب اور احادیث اور خبروں ائمہؑ کی ہے جن میں کچھ قید نہیں اور ان کی کتابوں میں بھی صحیح و مروی۔

اَور کہتے ہیں کہ اگر ظہار کرنے والا نقد کفارہ ادا کرنے میں عاجز ہو تو اٹھارہ روزے رکھے ہی کافی ہیں۔ اَور ظاہر ہے کہ یہ حکم کرنا اپنی طرف سے شرع نکالنا ہے خلاف مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے۔ ہرگز شرع میں اِس کی کچھ اصل نہیں، خلاف نص کتاب کے ہے۔

اَور وہ لعان میں کہ وہ اپنی زوجہ کو تہمت زنا کی لگاتا ہے، زوجہ کا مدخول بہا ہونا شرط کرتے ہیں۔ اَور ہے یہ کہ تہمت بہ زنا میں جیسے عار کہ مدخول بہا کو لاحق ہوتی ہے اس سے زیادہ غیر مدخول بہا کو لاحق ہوتی ہے۔ اَور لعان واسطے مٹانے عار تہمت کے ہے، اور اس کے ساتھ مخالفت نص کتاب کی۔ قولہ تعالیٰ وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ الخ (اَور وہ لوگ کہ اپنی بیویوں کو تہمت لگاتے ہیں اور سوا اُن کی ذات کے کوئی گواہ نہیں ہے) بے قید مدخول کے آیا ہے۔ الغرض ایسے حکموں سے اُن کے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ مقاصدِ شریعت کو نہیں سمجھے ہیں، اَور اپنی طرف سے موافق اپنی عقلِ ناقص کے یہ چیزیں تراشی ہیں۔

مسائل العتاق والایمان

کہتے ہیں کہ بلفظ عتق کے عتق واقع نہیں ہوتا۔ عتق کے معنے آزاد ہونا اور یہ عجیب حکم ہے جس پر لڑکے بھی ہنستے ہیں۔

اَور کہتے ہیں کہ فَكُّ رَقَبَةٍ سے بھی عتق واقع نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن مجید میں کتنی جگہ عتق کو فَكُّ رَقَبَةٍ سے تعبیر کیا ہے اور یہی کہنا اس باب میں حقیقت شرعی ہوا۔ قولہ تعالیٰ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ الخ۔

اَور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ غلام یا چھوکری مذہب میں مخالف اثنا عشریہ کے ہوں عتق اُن کا صحیح نہیں ہوتا ہے۔ اِس حکم بیجا کا کوئی ماخذ کتاب و سُنت سے نہیں ہے سوائے تعصب کے بلکہ بموجب روایتوں صحیحہ ائمہؑ کے

جن کا سابق میں ذکر کیا گیا ہے۔ ایمان اہلِ سُنّت کا صحیح ہے انہی کو بشارت نجات کی ہے۔

اَور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر غلام مجذوم ہو جائے یا اندھا یا مقعد یعنے لنگڑا تو خود بخود آزاد ہو جاتا ہے بغیر آزاد کئے مالک کے۔ حالانکہ یہ خلاف قاعدہ شرع کے ہے کہ کسی کا مال معیوب ہونے سے اُس کی ملک سے نکل جائے بلکہ بدون ارادے مالک کے مال اُس کا ہرگز شریعت میں اُس کی ملک سے نہیں نکلتا ہے اَور اُس کے ساتھ کہ مقصد شرع کا مناقض ہے اس سبب سے کہ آزاد کرنے میں نفع غلام کا مقصود ہے اور اسی واسطے شرعاً مقرر ہوا ہے لیکن اِس صورت میں تو بالکل اس کی بربادی ہے۔ اِس لئے کہ اِن عوارض کے سبب سے اپنی کمائی اور تلاش معاش سے گیا اور نفقہ اور لباس اُس کا جو اس کے مالک کے ذمہ تھا اب اپنے ذمے پڑا۔ اب وہ بیچارہ کیا کریگا۔ اگر کہیں اُس کو یہی نفع ہے کہ خدمت سے بچا، ہم کہیں گے مالک کو تکلیف خدمت کی نہیں پہنچتی کہ اُس کی خدمت کرنا پڑے گی اور نفقہ لباس بمقابلہ ملک کے ہے نہ کہ مقابلہ خدمت کے۔ اکثر غلام چھوکری بسبب دائم المرضی اور دیگر عوارض کے خدمت نہیں کرتے۔ البتہ اُن کا آخری حکم یہ ہے کہ جبتک خدمت بجا نہ لائے اُس کی مزدوری اُس کو نہ دے اور جب وہ خدمت سے باز رہے تو اُجرت موقوف کرے نہ حکم مملوکی سے۔

اَور کہتے ہیں کہ اگر نطفہ سید کا چھوکری کے پیٹ سے نکل جائے تو وہ اُمّ ولد ہو جاتی ہے۔ یہ عجیب مسئلہ ہے کیونکہ اس صورت میں چھوکری موطوءہ اُم ولد ہو گی۔ اِس لئے کہ عادت ان عورتوں کی ہی ہے کہ بعد جماع کے نطفہ گرا دیتی ہیں مگر جس وقت کہ وہ حمل کا قرار چاہیں اور نطفہ منعلق ہو پھر بھی تجربہ میں آیا ہے کہ بقدر انعلاق و تولید کے رہ جاتا ہے باقی نکل آتا ہے۔ اَور یہ نہیں سمجھتے کہ خروج نطفے کا اگر دلیل ہو تو دلیل عدم انعلاق کی ہو اور جب انعلاق نہیں ہوا تو چھوکری اُمّ ولد کیونکر ہو جائے گی۔ اُم ولد ہونا تو اُس کا انعلاق ولد سے متعلق ہے بلکہ پوری پیدائش ولد کی۔ ظاہر ہے کہ ایک چیز کسی شے کے اجزائے مادیہ سے اگر کسی کو مل جائے تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ شے اُس کے پاس ہے۔ مثلاً ایک تاگا کسی کپڑے کا۔

اَور کہتے ہیں کہ اگر چھوکری کو کسی شخص نے کسی شخص کے پاس گروی رکھا اور مُرتہن نے اُس سے وطی کی اور لڑکا پیدا ہوا تو وہ اُمّ ولد مُرتہن کی ہوئی حالانکہ وطی مرتہن کی صاف زنا ہے اِذْ لَا مِلْكَ لَهٗ وَلَا تَحْلِیْلَ عِنْدَهُمْ (اِس واسطے کہ اُس کی ملک نہیں ہے اور نہ تحلیل ہے اُن کے نزدیک) اَور اگر تحلیل بھی ہو تو تحلیل بھی اسی فرقہ کے نزدیک مُوجب اُمّ ولدیت نہیں ہوتی۔

اَور کہتے ہیں کہ قسم بیٹی کی بے اذن باپ کے اُس فعل میں جو واجب نہیں ہے یا اُس میں ترک بُرائی کا بھی نہیں ہے، اِسی طرح عورت کی بغیر اذن شوہر کے فعل غیر واجب اور ترک قبیح میں مضبوط و منعقد نہیں ہوتی ہے۔ یہ صریح مخالف نصوص قرآن کے ہے جو اطلاق کے ساتھ نازل ہیں۔ قولہ تعالیٰ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ

بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ (لیکن ماخوذ کرے گا تم کو اُس بات میں جو تمہارے دلوں نے کمائی کی ہے) وقولہ تعالیٰ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ (لیکن مواخذہ کرتا ہے تم سے محکم باندھنے پر قسموں کے)۔ ہاں توریت میں مذکور ہے کہ نذر زوجہ کی بے اذن شوہر کے اور چھوٹے لڑکے کی بغیر اذن باپ کے منعقد محکم نہیں ہوتی۔ لیکن معلوم نہیں کہ یہ حکم اصلی ہے یا تحریف کیا ہوا۔ درصورتیکہ اصلی بھی ہو تو قسم میں اور نذر و نیاز بالغ و نابالغ میں بڑا فرق ہے۔ اِس کے ساتھ جب قرآن مجید اگلی کتابوں کا ناسخ ہے برخلاف اُس کے توریت پر تمسک کرنا بڑی یہودیت ہے۔ اور اس فرقہ کے نزدیک اذن شوہر کا نذر عورت میں کہ متعلق فرمانبرداری سے ہے شرط ہے کہ یہ بھی مخالف اطلاق قرآن کے ہے۔ قولہ تعالیٰ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (چاہیئے کہ پورا کریں اپنی نذروں کو) وقولہ تعالیٰ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ (وفا کرتے ہیں وہ نذروں کو)۔

اور کہتے ہیں کہ اگر نذر کرے کہ خانۂ کعبہ کو پیادہ پا جا کر حج کروں گا تو یہ نذر ساقط ہو جاتی ہے۔ اس پر نص ہے ابو جعفر طوسی سے۔ یہ بھی مخالف نص قرآن کے ہے۔

اور کہتے ہیں کہ دل کے قصد سے نذر لازم ہو جاتی ہے بغیر اس کے کہ لفظ نذر کا ظاہر یا پوشیدہ کلام میں نہ آئے اِس کو نذر ضمیر کہتے ہیں۔ حالانکہ شرع میں کوئی چیز جو باتوں کی قسم سے ہیں دل کے قصد سے لازم نہیں ہو جاتی۔ جیسے قسم اور نکاح اور طلاق اور عتق اور رجعت اور بیع اور اجارہ اور ہبہ اور صدقہ اور سوا اس کے۔ اور حدیث صحیح متفق علیہ ہے اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِيْ مَا وَسْوَسَتْ بِهٖ صُدُوْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهٖ اَوْ تَتَكَلَّمْ (بیشک اللہ تعالیٰ نے دور رکھا ہے میری اُمت سے اُس بات کو جو وسوسے گزرے اُن کے سینے میں جب تک کہ عمل نہ کریں یا زبان پر نہ لائیں)۔

مسائل القضاء

کہتے ہیں کہ حکم قاضی حدود یعنے شرع کی سزاؤں میں نافذ نہیں ہوتے اس کے لئے امام کو معصوم ہونا چاہیئے۔ پس زمان غیبت امام میں یا جس وقت میں غلبہ اور تسلط ائمہؑ کا نہ ہو بلکہ کل اوقات میں یہ اُمت اسی حالت میں رہے تو بیکاری حدود کی لازم آئی اور بالفرض امام معصوم موجود ہو تو سُرَّ مَنْ رَاٰی (سامرہ) اور کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف میں ہوگا، پھر فیض آباد اور بنگالہ میں کون حدود قائم کریگا۔ اگر نائب قائم کرے گا تو اُسی کی اجازت سے قائم کرے گا پس بلا واسطہ جو اجازت خدا کی ہے یہ کیا تھوڑی ہے۔ قولہ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً (مارو اُن کو اسّی دُرّے) اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (زانیہ اور زانی دونوں کو سَو سَو دُرّے مارو) قولہ تعالیٰ اَلسَّارِقُ وَ

السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا (چور مرد اور چور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹو) اور جب جمیع عبادات و معاملات اور کفارات شریعت میں حضور امام سے وابستہ نہیں ہیں تو حدود کا قائم کرنا کہ یہ بھی جملہ عبادات سے ہے شہر کے رہنے والوں کے حق میں اور جملہ کفارات سے محدودوں کے حق میں وہ کیوں وابستہ حضور امام سے ہوں۔

اور ان کے نزدیک لکھنا پڑھنا بھی شرط قضاء سے ہے۔ حالانکہ اپنے ہاتھ سے لکھنے کی جو شرط قضاء کی ہے کوئی دلیل نہیں بلکہ برخلاف اس کے دلیل ہے کیونکہ خاتم النبیینؐ بے شبہ منصب قضاء کا رکھتے تھے اور کوئی قصور و کوتاہی اس مقدمہ میں ان کو نہ تھا بدلیل نص قرآنی اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ (بیشک اُتاری ہم نے تجھ پر کتاب سچی تاکہ انصاف کرے تو لوگوں میں ساتھ اُس چیز کے کہ دِکھائی تجھ کو اللہ تعالیٰ نے) حالانکہ آپ علم کتابت نہیں رکھتے تھے بدلیل قرآن وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (اور تو ایسا نہ تھا کہ قبل اس سے پڑھتا کوئی نوشتہ اور نہ لکھنا جانتا تھا اپنے ہاتھ سے) نیز قبالے اور سجل لکھنا اور اُن کا پڑھنا کام منصدیوں دار القضاء کا ہے، اگر خود قاضی اس امر کو نہ کر سکے تو قضاء میں کیا نقصان۔ اس کے علاوہ ان کے اخبار والوں نے ائمہ اطہارؑ سے صریح نصوص روایت کئے ہیں جن میں علم کتابت شرط نہیں ہے۔

مسائل الدعوٰی

کتاب الدعوٰی میں غریب و نادر مسئلے ان کے ہیں اُن سب سے یہ کہ اگر کوئی عورت جس کی لڑکی مرگئی ہے دعوٰی کرے کہ میں نے اپنی لڑکی متوفی کو فلاں فلاں متاع مع خادم کے امانت سونپی تھی، بے حجت و گواہ کے یہ دعوٰی مقبول ہے۔ اس پر نص کی ہے ابن بابویہ نے۔ اور یہ صریح مخالف شرع کے ہے کہ بغیر گواہوں کے کوئی دعوٰی مقبول نہیں ہے۔ قولہ تعالیٰ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (پھر کیوں نہیں لاتے اُس پر چار مرد گواہ، پھر جو نہ لائے گواہوں کو پس وہ گروہ نزدیک اللہ تعالیٰ کے سب جھوٹے ہیں)۔ مقصد شرع کا کہ حفظ اموال ہے صریح یہاں فوت ہوتا ہے۔

اور یہ کہ اگر کسی شخص کے دشمن نے اُس پر دعوٰی زنا کا کیا، اور کوئی گواہ نہیں ہے تو اُس دشمن کو قسم دے کر چھوڑ دینا چاہیئے اور حدِ قذف یعنی تہمت زنا کی نہیں مارنا چاہیئے، اس پر نص کی ہے ان کے شیخ مقتول نے مبسوط میں۔ حالانکہ شرع میں ایسی قسم کو حدود کے مقدمہ میں اعتبار نہیں کیا ہے اور حد قذف کی، مدعی حد زنا پر جو حجت روشن نہیں قائم کر سکتا، واجب کی ہے كَمَا هُوَ الْمَنْصُوْصُ فِي الْقُرْاٰنِ (جیساکہ

یہ قرآن میں منصوص ہے) اور اس موقع پر کہ دشمنی صریح علاقہ تہمت دروغ کے واسطے ہے کس طرح نظر سے گرا دیں گے اور اس کی قسم پر نیک گمان کریں گے۔

مسائل الشہادۃ و الصید و الطعام

کتاب شہادت میں بھی عجیب غریب باتیں کرتے ہیں۔ شہادت لڑکے نابالغ دس برس والے کی قصاص میں قبول کرتے ہیں۔ حالانکہ شہادت نابالغ کی کسی مقدمہ میں لیاقت نہیں رکھتی۔ وقولہ تعالیٰ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ (گواہی چاہو دو گواہوں کی اپنے مردوں میں سے) مقدمہ قصاص میں جس میں جان جاتی ہے دو لڑکوں کی گواہی کیونکر مقبول ہوگی۔

اور کتاب صید اور ذبیحوں میں صریح مخالف قرآن کے اہل کتاب کے شکار کو حرام جانتے ہیں اور اہل سنّت کا ذبیحہ مُردار گنتے ہیں۔ اور اس شخص کا ذبیحہ کہ ذبح کے وقت قبلہ کو منہ نہ کرے حرام جانتے ہیں۔ اور ان سب باتوں پر کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور عام نصوص مُبطل ان زائد شرطوں کے ہیں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ (اور کھاؤ تم جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر اس کی آیتوں پر ایمان لائے ہو)۔

اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسے آلہ سے جس کی عادت و رواج نہیں ہے شکار کرے وہ شکار اس کی ملک نہیں ہوتا۔ شرع میں آلہ غیر معتاد میں کچھ فرق نہیں ہے۔

اور کتاب الاطعمہ میں وہ نہایت ہی تحفہ مسئلے دل کے نکالے ہوئے رکھتے ہیں۔ مثلاً جانور مُردار کے دودھ اور مشیمہ (بچہ دانی) کو حلال جانتے ہیں اور گیہوں کی روٹی جس کا آٹا نجس پانی سے گوندھا ہو اور وہ آٹا اس پانی میں ایسا مخلوط ہوا ہو کہ پتلا ہو گیا ہو اور جملہ اجزاء میں آٹے کے پانی نجس دخل و تاثیر کرے اُس کو حلال جانتے ہیں جیسا کہ حلّی نے تذکرہ میں ذکر کیا ہے۔ اور جس کھانے میں بیخال (بیٹ) مُرغیوں کی پڑی ہو اور مل گئی ہو، اور فالودے کا پانی جس میں قدرے پانی مرد یا عورت کے استنجے کا اور قدرے بیخال (بیٹ) مُرغیوں کی ڈال کر تیار کیا ہو ان کے نزدیک طیب و پاکیزہ اور قابل کھانے کے ہے۔ ایسے ہی جس کُر میں کہ (وہ ایک پیمانہ وسیع ہے بارہ دستی کا) جس میں بیشمار آدمیوں نے استنجا کیا ہو اور خون حیض و نفاس کا اس میں گرا ہو اور مذی و ودی اور بیخال بیشمار مرغیوں کی اس میں پڑ کر گھل گئی ہو اور کسی کُتے نے بھی اُس میں مُوتا ہو، اگر کوئی آش یا فالودہ اُس سے بنائیں اور اس پر افطار کریں تو حلال طیبہ ہے اور اگر صرف اس پانی کو وقت افطار کے پئیں یا آب شورہ اور شربت کے کام میں لائیں تو حلال ہے۔

اگر کوئی آش بقدر پاؤ بھر کے پکائیں اور اس میں پاؤ درم دم مسفوح ڈالیں تو ان کے نزدیک حلال ہے۔ یا گدھے کا پیشاب یا گھوڑے کا کسی قدر زیادہ اُس میں پڑ گیا ہو جب بھی حلال ہے۔ حالانکہ نص قرآن میں ان سب خبائث کو حرام فرمایا ہے۔ قولہ تعالیٰ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (اور حرام کرتا ہے اُن پر خبائث)۔

اور ان کے نزدیک اگر کوئی شخص بھوکا ہو اور دوسرے کے پاس کھانا ہو لیکن وہ قیمت اس کھانے کی قیمتِ مشہور سے زیادہ مانگتا ہے اور یہ بھوکا زردار بھی ہے اور وہ اگر دینا چاہے تو یہ قیمت دے سکتا ہے لیکن اگر زیادتی قیمت پر نظر کرکے وہ بھوکا زبردستی بإکراہ اُس سے کھانا چھین لے تو حلال ہے۔

مسائل الفرائض و الوصایا

اُن کے جو مسائل فرائض کے ہیں اُن میں درصورت ہونے پوتی کے دادی کو ارث میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اور یہ مخالف اخبار صحیح کے ہے کہ ان کی کتابوں میں موجود ہے:-

رَوَىٰ سَعْدُ بْنُ خَلَفٍ فِي الصَّحِيحِ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الْكَاظِمِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ سَأَلْتُهُ عَنْ بَنَاتِ الِابْنِ وَالْجَدِّ قَالَ لِلْجَدِّ الثُّلُثُ وَالْبَاقِي لِبَنَاتِ الِابْنِ۔

روایت کی سعد بن خلف نے صحیح میں ابو الحسن کاظم علیہ السلام سے کہا میں نے پوچھا اُن سے میراث بیٹے کی لڑکیوں اور دادا کی بابت تو فرمایا ایک ثُلث دادا کا ہے باقی بیٹے کی لڑکیوں کا۔

اور یہ بھی ان کا مسئلہ ہے کہ عدم توریث پوتے کی ہے بیٹے کے ہوتے۔ یہ بھی مخالف کتاب اللہ کے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ (وصیت تم کو کرتا ہے اللہ تمہاری اولاد میں) اور پوتا بلاشبہ اولاد میں داخل ہے۔ قولہ تعالیٰ وَأَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ (بیٹے ہمارے اور بیٹے تمہارے) قولہ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا (اے بنی اسرائیل یاد کرو) وقولہ تعالیٰ يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ (اے بنی آدم! نہ فساد میں ڈالے تم کو شیطان)۔ نیز یہ مخالف اخبار صحیحہ کے بھی ہے کہ اس مقدمہ میں وارد ہیں اور ان کی کتابوں میں مروی اور موجود ہیں۔

بھائیوں اور بہنوں مادری کو دیتِ مقتول سے میراث نہیں دیتے اور زوجہ کو نہ زمین سے میراث دیتے ہیں نہ قیمتِ زمین سے۔ اور عجب یہ کہ مقتول کے ترکہ اور دیت سے قاتل کو میراث دیتے ہیں جو خطاسے اُس نے مارا ہو یا بشبہ خطا۔ اور حالانکہ اَلْقَاتِلُ لَا يَرِثُ (قاتل نہیں وارث ہوتا) حکم عام ہے۔ اور نصوص قرآنی ارث زوجہ اور خواہروں اور برادروں میں بھی عام ہے۔ تخصیص زمین اور دیت کی کہاں سے ثابت ہوتی۔

اور میّت کے بڑے بیٹے کو اُس کے ترکہ سے تلوار اور قرآن اور انگوٹھی اور پوشاک سے بغیر عوض ان سب کے اور وارثوں سے مخصوص کرتے ہیں۔ یہ سب مخالف نص قرآن کے ہے۔

اور اس بیٹے کی میراث سے باپ کو محروم رکھتے ہیں جس نے اس کی میراث یا قصور سے بادشاہ یا قاضی یا کوتوال کے سامنے فارغ خطی دیدی ہو۔ درحقیقت یہ حکم تورہ چنگیز خان کا ہے نہ کہ حال شرع کا اور چاہتے ہیں کہ شرع کو اس تورہ سے منسوخ کریں۔

اور چچاؤں اور چچازادوں کو اور دادیوں کو بعض ان سے محروم مطلق رکھتے ہیں میراث سے اور وصیتوں کے مسائل میں مظروف کو تابع ظرف کے کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کے ایک صندوق کی وصیت ہے یہ جو کچھ نقد و متاع اُس صندوق میں ہو سب کو داخلِ وصیت کرتے ہیں۔ اور وصیت تحلیل فرج چھوکری کی کسی شخص کے واسطے سال بھر یا دو سال کے لئے صحیح جانتے ہیں۔ اور دیوانے کی حد کو واجب سمجھتے ہیں جبکہ اُس نے عاقلہ عورتوں سے زنا کیا ہو۔ حالانکہ خبرِ صحیح متفق علیہ مخالف اُس کے ہے۔ وَهُوَ قَوْلُهُ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ (اٹھالی گئی قلم تین آدمیوں سے ایک مجنون جبتک کہ ہوش میں نہ ہو جائے الخ)۔

اور رجم واجب کرتے ہیں اُس عورت پر کہ اپنے شوہر کے ساتھ جماع کیا اور بعد جماع کے دوسری عورت باکرہ کے ساتھ مساحقہ (چپٹی) کیا اور وہ باکرہ حاملہ ہوتی۔ کہتے ہیں کہ عورت کو رجم یعنی سنگسار کرنا چاہیئے اور باکرہ کو سو کوڑے لگائے جائیں۔ حالانکہ سحاق کو کوئی زنا نہیں کہتا اور شرع میں بھی اِس کو زنا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔

اور حد قذف کی اُس مسلمان پر واجب کرتے ہیں جو دوسرے کو کہے یَا ابْنَ الزَّانِيَةِ اگرچہ ماں اُس کی کافرہ ہو۔ لیکن نص قرآن میں حد قذف کی محصنات سے مخصوص ہے کافرہ سے ہرگز مخصوص نہیں، اور حرمت اُس کے بیٹے مسلمان کی موجب تعزیر کے ہے نہ کہ حد کے۔

اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اندھا مسلمان کسی معصوم کو مار ڈالے تو اُس سے قصاص لینا نہیں چاہیئے۔ حالانکہ آیت قصاص کی عام ہے اندھے اور غیر اندھے سب کو برابر ہے۔

اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی بھوکا ہو اور دوسرے مسلمان کے پاس کھانا ہو اور وہ بھوکے کو نہیں دیتا تو بھوکے کو چاہیئے کہ اُس مسلمان کو قتل کرے اور کھانا لے کر کھالے تو اُس بھوکے پر قصاص و دیت کچھ لازم نہیں آتا۔ یہ کسی شریعت میں جائز نہیں ہے کہ بھوکے کو کھانا نہ دینے سے قتل تجویز و جائز کیا گیا ہو۔

اور کہتے ہیں کہ اگر کافر ذمّی کسی مسلمان کو قتل کرے تو تمام مال اُس ذمی کا مسلمان کے وارثوں کو دینا چاہیئے اور وارث مختار ہے چاہے اس ذمّی کو غلام کرے چاہے مار ڈالے۔ یہ حکم بھی ظاہر خلاف شریعت کے ہے کہ کتاب اللہ نے فقط قصاص فرمایا ہے اور مال لے لینا اور قصاص کرنا اور غلام بنانا ان سب کو جمع نہیں کیا ہے یہ ہرگز شرع میں جائز نہیں ہے۔

اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اُس ذمّی کی اولاد صغر سن کو لونڈی غلام بنالے۔ حالانکہ حکم یہ ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (نہیں اُٹھاتا ہے کوئی اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ) کہ آیت قرآنی ہے۔

حاصل کلام ان کی نئی نئی باتیں نکالی ہوئی مسائلِ دین میں اِس قسم کی بہت ہیں۔ ہم نے جو ذکر کیں بطور نمونہ یہی کافی ہیں تا حقیقت ان کے دین وایمان اور اصول و فروع کی عاقلوں پر کھل جائے کہ یہ اصول سراسر دروغ اور فروع بے فروغ کی نسبت ائمہ رضی اللہ عنہم سے کرنا اور ایسے مذہبوں کو مذہب ان پاکوں کا جاننا کس حد کا بہتان اور افترا ہے اور کیسی مخالفت اُن کی روایتوں کی ہے جو اُن کے پاس موجود ہیں۔

باب دہم

اس باب میں خلفائے ثلثہ اور صحابہ کرامؓ اور امّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مطاعن کا بیان ہے کہ شیعہ اپنی کتابوں میں لائے ہیں اور اُن مطاعن کو اپنے زعم میں اہل سُنّت کی کتابوں سے ثابت کیا ہے۔ اور جواب اُن مطاعن کا۔

جاننا چاہیئے کہ بعد تلاش و جستجو کے معلوم ہوا کہ جہان میں کوئی شخص ایسا نہیں ہوا ہے جس پر زبان بدگویوں اور عیب جویوں کی طعن و قدح کے ساتھ نہ کھلی ہو بلکہ جناب کبریائے الٰہی میں بھی حرف ہے اور معلوم ہے کہ بتقریب انکار عصمت انبیاءؑ معتزلہ نے ابتدائے آدم علیہ السلام سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی پیغمبرؑ کو نہیں چھوڑا ہے کہ صغائر اور کبائر ان کے جناب میں نہ لگائے ہوں اور سب کو حدیث و آیتوں سے ثبوت پہنچایا۔ ایسے ہی فرقہ یہود انکار عصمت ملائکہ میں یہی چال چلے ہیں۔ اور خوارج اور نواصب نے جناب حضرت امیرؓ اور اہل بیت کرام میں یہی وتیرہ اختیار کیا ہے۔ لیکن عقلمندوں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ یہ سارا شور و غوغا کتوں کا نسبت نور افشانی ماہ کے ہے۔ مطلق اُن کے مرتبہ بلند میں کچھ نقصان نہیں کرتا ؎

مہ نور می فشاند و سگ بانگ می کند — اورا چہ جرم خاصیت سگ ہمیں بود

وَاِذَا اَتَتْکَ نَقِیْصَتِیْ مِنْ نَاقِصٍ — فَهِیَ الشَّهَادَةُ لِیْ بِاَنِّیْ کَامِلٌ

جب آئے کوئی نقص میرا تیرے پاس کسی ناقص سے، — تو وہ گواہی ہے میرے لئے اس بات کی کہ میں کامل ہوں۔

پس اس کو ایک وجہوں بزرگی خلفاءؓ اور صحابہؓ اور امّ المؤمنینؓ سے جاننا چاہیئے کہ ان بدگویوں نے از روئے کمال بغض اور نہایت حسد کے ان مدتوں تک جان ماری اور سوا انہی چند شبہوں کے جو اوّل فکر میں تار تار ہو جاتے ہیں نہیں پائے گو اپنے مقدور سے زیادہ کوشش کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ جو کوئی عمر بھر میں دس بارہ کام ایسے عمل میں لائے کہ وہ موقع گرفت دشمنوں اور بدگویوں کے ہوں باوجود اس کے کہ ریاست عام اور معاملات رنگارنگ خلق و انام سے رکھتا ہو اور بخوبی ان کو انجام دیا ہو وہ شخص فی الحقیقہ محل طعن نہیں ہوتا اگر ہو تو بڑی تعجب کی بات ہے۔ بالفعل اگر کوئی شخص ریاست ایک گھر کی رکھتا ہو اور ہر روز دس کام خطا کے اُس سے ظاہر ہوں اور باقی جملہ امور باصواب تو وہ غنیمت ہے ورنہ نادرہ روزگار ہوتا ہے۔

مطاعن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پندرہ ہیں

طعن اوّل۔ ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھے تاکہ خطبہ پڑھیں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما نے کہا یَا اَبَابَکْرٍ اَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِ جَدِّنَا (اے ابوبکر اُتر ہمارے نانا کے منبر سے) پس معلوم ہوا کہ ابوبکر کو لیاقت اس کام کی نہ تھی۔

جواب۔ امامینؑ زمانہ خلافت ابوبکرؓ میں بالاجماع صغیر سن تھے اس واسطے کہ تولّد امام حسنؓ کا ہجرت سے تیسرے سال رمضان میں ہے۔ اور امام حسینؓ کا چوتھے سال شعبان میں، اور وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شروع گیارھویں سال میں پس جو قول فعل کہ صغر سنی میں واقع ہوئے آیا شیعہ ان کا اعتبار کرتے ہیں اور اُن پر احکام مترتب کرتے ہیں، یا بسبب صغر سن کے معتبر نہیں رکھتے اور احکام مترتب نہیں کرتے۔ اوّل صورت میں ترک تقیہ کا کہ ان کے نزدیک جملہ واجبات سے ہے لازم آتا ہے اور نیز مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ آں جنابؐ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پانچوں وقت کی نماز کے واسطے چہار شنبے سے دو شنبے تک اپنا خلیفہ کیا تھا کہ اس درمیان میں نماز جمعہ اور خطبہ بھی سرانجام انہی سے ہوا لازم آتی ہے۔ اور مخالفت حضرت امیرؓ کی بھی کہ انھوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی اور ان کے خطبہ اور جمعہ کو مسلّم رکھا۔ اور دوسری صورت پر کوئی نقصان نہیں نہ سبب طعن و تشنیع کا ہو سکتا ہے بچوں کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کو اپنے بزرگ کے مقام پر بیٹھے یا اس کا کپڑا پہنے یا اور کوئی متاع اُس کی اس کے استعمال میں دیکھتے ہیں، گو اُس بزرگ کی مرضی و اذن سے ہو ضرور مزاحمت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس جگہ سے اٹھ اور یہ کپڑے اُتار۔ اس بات کو ان کی دلیل نہیں پکڑ سکتے۔ ہر چند انبیاء اور ائمہ کمالِ نفسانی و مراتبِ ایمانی میں تمام مخلوق سے جدا اور نرالے ہیں۔ مگر بشریت کے حکم اور خواص بچپن اور طفولیت کے پھر بھی ان میں ہوتے ہیں۔ اسی سبب سے امام بننے کے واسطے بلوغ و حد کمال عقل کو ضروری ٹھیرایا ہے۔ بلکہ قبل چالیس سے کسی کو منصب نبوت کا عطا نہیں ہوا۔ مگر بطریق نادر وَالنَّادِرُ فِیْ حُکْمِ الْمَعْدُوْمِ (اور نادر حکم معدوم میں ہے) اور مثل مشہور ہے اَلصَّبِیُّ صَبِیٌّ وَلَوْ کَانَ نَبِیًّا (لڑکا لڑکا ہی ہوتا ہے اگرچہ نبی ہو)۔

طعن دوم۔ مالک بن نویرہ کی عورت بہت خوبصورت تھی، خالدؓ بن ولید نے کہ امیر الامراء ابوبکر کے تھے اس کی زوجہ بنانے کے لالچ میں مالک کو کہ مرد مسلمان تھا مار ڈالا۔ اور اسی رات اس سے نکاح کیا اور

مجامعت کی چار مہینے اور دس روز جو عدت کے ہیں ان کے گزرنے تک توقف نہ کیا۔ اس صورت میں زنا واقع ہوا اس لیے کہ نکاح عدت کے درمیان میں درست نہیں ہے۔ اور ابوبکر نے نہ خالد سے قصاص لیا نہ حد لگائی۔ حالانکہ قصاص پورا کرنا اور حد مارنا ابوبکر پر واجب تھا اور عمر نے اس بات میں ابوبکر سے برا مانا اور خالد سے کہا اگر میں مالک اس کام کا ہوتا تو تجھ سے قصاص لیتا۔

❋ **پہلا جواب**۔ اس طعن کا اس قصے کے صحیح بیان پر موقوف ہے جیسا کچھ کہ معتبر کتابوں میں تاریخ و سیر کے ثابت ہے۔ جاننا چاہیے کہ خالدؓ جب مہم طلیحہ بن خویلد اسدی متنبی سے کہ جس نے باغوائے شیطان دعوائے نبوت شروع کیا تھا فارغ ہوئے تو متوجہ اطراف بطاح کے ہوئے اور سرایا لشکر کے یعنی فوجی دستے ہر طرف کو بھیجے اور موافق طریقہ مسنون پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمایا کہ جس قوم میں آواز اذان کی سنو تو ان سے تعرض مت کرو نہ لوٹو نہ مارو۔ اور جس میں آواز اذان کی نہ سنو تو ان کو لوٹو اور مارو اور خراب و ہلاک کرو اور دار الحرب جانو۔ اتفاقاً ایک سریہ کے لوگ جس میں ابوقتادہؓ انصاری بھی تھے مالک بن نویرہ کو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ریاست بطاح اور خدمت تحصیل صدقات وہاں کے لوگوں کی اس کے متعلق تھی پکڑ کر لائے اور وقت استفسار خالدؓ کے ابوقتادہؓ نے تو گواہی دی کہ میں نے آواز اذان کی اس قوم میں سنی ہے۔ مگر اور لوگوں نے کہ وہ بھی اس سریہ میں تھے برعکس اس کے ظاہر کیا۔ اور گرد و نواح کے لوگوں کی گواہی سے یہ بھی ثابت ہو چکا تھا کہ جب خبر وفات جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی تھی تو اس مالک بن نویرہ کی گھر کی عورتوں نے مہندی لگائی تھی اور دف نوازی کر کے لوازم فرحت و شادی کے ادا کیے تھے اور اہل اسلام پر ہنستے تھے۔ جب مالک اور خالدؓ سے گفتگو ہوئی تو ہنگام سوال و جواب کے مالک نے خالدؓ کے سامنے کسی بات میں یہ کلمہ کہا قَالَ رَجُلُكُمْ اَوْ صَاحِبُكُمْ كَذَا (کہا ہے تمہارے مرد نے یا تمہارے صاحب نے ایسا) اور یہ نسبت و اضافت کرنا اہل اسلام کی طرف تھا نہ کہ اپنی طرف۔ اس وقت کے کفار و مرتدوں کا مطلب یہ تھا کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے صاحب ہیں ہمارے نہیں۔ اس کے علاوہ پہلے یہ بھی منقح ہو چکا تھا کہ جب مالک نے خبر وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی تھی تو وہ صدقات جو اپنی قوم سے لیے تھے ان کو پھیر دیے اور کہا کہ اچھا ہوا اس شخص کے درد و رنج سے اب تم چھوٹ گئے۔ پھر خالدؓ کے سامنے بہ ادا مرتدی کی اس سے ظاہر ہوئی۔ خالدؓ نے حکم دیا تو اس کو مار ڈالا جب یہ خبر مدینہ منورہ میں پہنچی تو خالدؓ کی اس حرکت سے ابوقتادہ انصاریؓ غصہ ہو کر دار الخلافہ میں آئے اور خالدؓ سے کہا تم نے بڑی غلطی و خطا کی۔ اور عمرؓ بن خطاب نے بھی اول دفعہ میں یہی جانا کہ یہ قتل بے جا ہوا خالدؓ پر قصاص اور حد آتی ہے۔ جب ابوبکر صدیقؓ نے خالدؓ کو اپنے پاس

بلایا اور حال پوچھا ماجرا من و عن ظاہر ہوا تو حق بجانب خالدؓ کے پا کر متعرض نہ ہوئے اور پھر منصب امیر الامرائی پر بحال کر کے مامور فرمایا۔ اب اس قصے میں تامل کرنا چاہیے اور ایسی صورت میں سمجھنا چاہیے کہ خالدؓ پر کس طرح قصاص اور کیوں کر حد واجب ہوتی ہے۔

ہم بھی کہتے ہیں کہ حربی عورت کا ایک حیض سے پاک ہو جانا ضروری ہے اور خالدؓ نے اس کا انتظار نہ کیا۔ پس جواب اس کا یہ ہے کہ طعن نہ حضرت خالدؓ پر ہے نہ حضرت ابوبکرؓ پر اور خالدؓ نہ معصوم تھے نہ امام عام۔ اس کے ساتھ یہ روایت کہ خالدؓ نے اسی رات اس عورت کو صحبت میں رکھا کسی کتاب معتبر میں نہیں ہے اگر کسی غیر معتبر میں پائی جائے تو جواب اس کا بھی اس کے ساتھ موجود ہے کہ مالک نے مدت سے اس عورت کو طلاق دے کر قید کر رکھا تھا موافق رسم جاہلیت کے کہ ان کی اس رسم کے دفع کرنے کو یہ آیت نازل ہوئی وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ (جس وقت کہ طلاق دو تم عورتوں کو اور پہنچ جائیں وہ اپنے وقت یعنی عدت کو تو بند مت کرو ان کو) پس عدت اس کی گزر چکی تھی نکاح اس سے حلال ہوا، اسی سبب سے خالدؓ نے انتظار عدت کا نہ کیا یہ مذہب تمام فقیہوں اہل سنت کا ہے جو اس مقدمہ میں الزام دینا اہل سنت اور ثابت کرنا مطاعن کا ان کے مذہب کی روایتوں سے منظور ہے تو لامحالہ ان کے مسائل اور روایتوں کا ملاحظہ کرنا چاہیے نہیں تو مقصود حاصل نہ ہوگا۔

فِي الْاِسْتِيْعَابِ وَاَمَّرَهُ اَيْ خَالِدًا اَبُوْبَكْرِنِ الصِّدِّيْقُ عَلَى الْجُيُوْشِ فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْيَمَامَةَ وَغَيْرَهَا وَقُتِلَ عَلٰى يَدَيْهِ اَكْثَرُ اَهْلِ الرِّدَّةِ وَمِنْهُمْ مُسَيْلَمَةُ الْكَذَّابُ وَمَالِكُ بْنُ نُوَيْرَةَ اِلٰى اٰخِرِ مَا قَالَ۔	امیر کیا خالدؓ کو ابوبکرؓ نے لشکروں پر سو فتح کیا خدا نے اس کے ہاتھ سے یمامہ وغیرہ اور قتل کرائے اس کے ہاتھ سے اکثر مرتد، انہی میں سے مسیلمہ کذاب اور مالک بن نویرہ ہیں، آخر قول تک۔

❋ **دوسرا جواب**۔ ہم نے مانا کہ مالک بن نویرہ مرتد نہ تھا لیکن شبہ اس کے مرتد ہونے کا بے شبہ خالدؓ کے دل میں تھا اور ذہن میں جم گیا تھا وَالْقِصَاصُ يَنْدَرِئُ بِالشُّبُهَاتِ (اور قصاص دفع ہوتا ہے شبہوں سے) ہم استفسار کرتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین امامیہ اور اہل سنت سے کہ ایسی صورت میں کہ کسی شخص سے ایسی حرکتیں اور ایسے کلمات جو مالک بن نویرہ سے سرزد ہوئے سرزد ہوں یا روز عاشورہ کو فرحت و شادی اور اہانت کی باتیں حضرت امام حسینؓ اور ان کی تحقیر اور خاندان رسولؐ اور اولاد بتول کی کہ اس دن سخت بلا میں مبتلا تھیں اس سے صادر ہوں آپ کو کیا کرنا چاہیے۔ اگر اس کے مردود ہونے کا حکم فرمائیں تو فبہا۔ ورنہ جو کوئی ان حرکتوں اور ایسی باتوں کو معلوم کر کے اس کو مار ڈالے اس گمان سے کہ

مرتد ہے اس پر قصاص آئے گا یا نہیں۔

تیسرا جواب۔ ابوبکر صدیقؓ خلیفہ رسولؐ کے تھے نہ کہ خلیفہ شیعہ اور سنی کے، اُن کو ان کی خواہش و فرمائش کے موافق کام کرنا کب ضروری ہے بلکہ موافق سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کرنا چاہیے تھا اور حضور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں انہی خالدؓ نے سیکڑوں مسلمانوں کو ارتداد کے شبہ میں مار ڈالا تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز اس سے متعرض نہ ہوئے چنانچہ باجماع اہل سیر و تاریخ کے ثابت ہے۔ اس کا قصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالدؓ کو ایک لشکر پر امیر مقرر کیا اور خالدؓ نے ایک قوم پر تاخت کی وہ لوگ مسلمان تو ہو گئے تھے لیکن اسلام کے قواعد ابھی ٹھیک نہیں جانتے تھے جس وقت کہ یہ مشغول ان کے قتل کے ہوئے اس وقت اسلام ظاہر کرنے کے لیے یہ کلمہ ان کی زبان سے نکلا صَبَأنَا صَبَأنَا (بے دین ہوئے ہم بے دین ہوئے ہم) مراد اُن کی یہ تھی کہ ہم نے اپنے دین سے توبہ کی اور اسلام میں داخل ہوئے۔ خالدؓ نے ان سب کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہ یہ بھی ان کے ماتحتوں میں سے تھے اپنے یاروں اور ساتھیوں کو حکم کیا کہ ان لوگوں کو قتل مت کرو قید رکھو۔ جب حضرتؐ کے حضور میں حاضر ہوئے تو آپؐ بہت غصہ ہوئے اور بڑا افسوس کیا اور کہا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَبْرَءُ اِلَیْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ (بار خدایا میں پاک ہوں تیرے نزدیک جو کچھ خالد نے کیا) نہ خالدؓ پر قصاص جاری فرمایا نہ ان سے دیت دلائی۔ اس واسطے کہ ان کے دل میں ان کی طرف سے کفر کا شبہ پڑا۔ پس ابوبکر صدیقؓ نے بھی اگر ایک آدمی کے خون کی بابت جس میں یہ شبہ تھا بلکہ اس شبہ سے قوی تر خالدؓ سے تعرض نہ کیا تو کیا برائی کی۔ خصوصاً ابوبکرؓ نے دیت یعنی خوں بہا مالک کا بیت المال سے دلایا۔

چوتھا جواب۔ اگر ابوبکرؓ نے پورا قصاص مالک کا خالدؓ سے نہ لینے میں توقف کیا کہ اس توقف سے ان کی خلافت میں قدح اور برائی پیدا ہوئی تو توقف حضرت امیرؓ کا عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص پورا نہ لینے میں اس سے بہت بڑھ کر موجب قدح ہوگا۔ اس لیے کہ عثمانؓ میں کوئی موجب قتل کا نہ تھا نہ متحقق نہ متوہم لیکن جب اہل سنت اس توقف کو حضرت امیرؓ کے موجب قدح نہیں جانتے تو ابوبکرؓ کے توقف کو خالدؓ کے باب میں کیوں کر قادح جانیں گے پس ان پر الزام عائد نہیں ہوتا۔

پانچواں جواب بطور استیفاء کے جس کے معنے ہیں سب کو گھیر لینا۔ قصاص مالک بن نویرہ کا ابوبکرؓ کے ذمے اُس وقت واجب ہوتا کہ وارث اس کے قصاص چاہتے اور اس کے وارثوں کا قصاص چاہنا ہرگز ثابت نہ ہوا بلکہ اس کا بھائی متمم بن نویرہ عمرؓ بن خطاب کے پاس آیا اور اس کے مرتد ہو جانے کا اقرار کیا جس کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے بھائی کے عشق و محبت میں مدتوں چلاتا رہا اور کپڑے پھاڑتا تھا، عمر بھر

یہی حال اس کا رہا بہت سے مرثیے اس کے حق میں کہے جو عرب میں مشہور ہیں۔ انہی ابیات مشہورہ سے یہ دو بیتیں ہیں:۔

وَکُنَّا کَنَدْمَانَیْ جُذَیْمَۃَ حِقْبَۃً || مِنَ الدَّھْرِ حَتّٰی قِیْلَ لَنْ یَّتَصَدَّعَا

ہم دونوں ایسے تھے جیسے دو مصاحب بادشاہ جذیمہ کے ایک عمر زمانہ سے یہاں تک کہ کہا گیا ہرگز یہ دونوں آدمی جدا نہ ہوں گے۔

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا کَاَنِّیْ وَمَالِکًا || لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَیْلَۃً لَمْ نَبِتْ مَعًا

اور جب جدا ہوئے تو یہ گویا ہم اور مالک باوجود اتنے طول صحبت کے ایک رات بھی ایک جگہ نہ رہے تھے

جب اس متمم نے عمرؓ بن خطاب کے سامنے اقرار اس کے ارتداد کا کیا تو عمرؓ اُس انکار سے جو زمانہ ابوبکرؓ میں کیا تھا نادم ہوئے اور اقرار کیا جو صدیقؓ عمل میں لائے عین صواب اور محض حق تھا اور دلیل اس پر یہ ہے کہ عمرؓ بن خطاب نے باوجود اس کے کہ نہایت سختی حد جاری کرنے اور پورا قصاص لینے میں رکھتے تھے اپنے زمانہ میں کہ حد بیان سے زیادہ اقتدار حاصل تھا نہ حد ماری نہ قصاص لیا۔

طعن سوم۔ یہ کہ لشکر اسامہؓ سے تخلف اختیار کیا۔ حالانکہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو خود رخصت کیا تھا اور لوگوں کو نام بنام متعین کیا اور اپنے آخر دم تک مبالغہ اور تاکید فرماتے تھے اور کہتے تھے جَهِّزُوْا جَیْشَ اُسَامَۃَ لَعَنَ اللہُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا (سامان کرو لشکر اُسامہ کا، لعنت کرے اللہ اس کو جو پھر بیٹھے اس سے)

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ یہ طعن ابوبکرؓ کی طرف کس طرح متوجہ ہوتی ہے خواہ بوجہ نہ سامان کرنے خواہ بوجہ بیٹھ رہنے کے۔ اگر پہلی وجہ یعنی سامان نہ کرنے کے سبب سے تو صریح جھوٹ ہے۔ کیونکہ سامان لشکر اسامہ کا ابوبکرؓ نے کیا ہر چند مرضی اصحابؓ کی نہ تھی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ چھبیسویں صفر المظفر روز دوشنبہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درستی لشکر کا حکم دیا رومیوں کی لڑائی کے واسطے عوض قتل زیدؓ بن حارثہ کے اور سہ شنبہ کو اسامہ بن زیدؓ کو امیر لشکر کا مقرر کیا، چار شنبہ چھبیسویں صفر مذکور کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض طاری ہوا۔ دوسرے روز باوجود مرض ایک نشان اپنے ہاتھ سے اس کے واسطے بنایا اور فرمایا اُغْزُ بِسْمِ اللہِ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ وَقَاتِلْ مَنْ کَفَرَ بِاللہِ (جہاد کر خدا کے نام سے خدا کی راہ میں اور جنگ کر اس سے جس نے خدا سے کفر کیا) اور اسامہؓ اس نشان کو اپنے ہاتھ میں لے کر باہر نکلا اور بریدہ بن حصیب اسلمی کو دیا کہ وہ اس کا نشان بردار ہو۔ اور موضع جرف میں اترے تاکہ لشکر جمع ہو جائے اور سردار مہاجر اور انصار جیسے ابوبکر صدیقؓ اور عمرؓ بن خطاب اور عثمانؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص اور ابو عبیدہؓ ابن الجراح اور سعدؓ بن زید اور قتادہؓ بن نعمان اور سلمہؓ بن اسلم ان سب نے تیاری کر کے

ڈیرے خیمے باہر بھیجے اور چاہتے تھے کہ وہاں سے کوچ کریں کہ آخر روز چار شنبہ اور شب پنج شنبہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی شدت ہوگئی اس سبب سے تہلکہ پڑ گیا۔ شب پنج شنبہ عشاء کے وقت ابوبکرؓ کو جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ نماز کا فرمایا اور اس خدمت پر مامور کیا۔ جب دوشنبہ کا دن دسویں ربیع الاول کی ہوئی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افاقہ مرض میں ہوا۔ مسلمان کہ لشکر اسامہؓ کے ہمراہی تھے آپؐ کو رخصت کرکے باہر نکلے اور اسامہؓ کو بھی آپؐ نے اپنی گود میں لے کر دعا اس کے حق میں کی اور رخصت فرمایا۔ جب یک شنبہ کے دن شدت مرض کی بہت ہوئی تو پھر اسامہؓ اور لشکر والوں نے توقف کیا کہ اسی اثناء میں صبح کے وقت دوشنبہ کے دن اُسامہؓ چاہتا تھا کہ سوار ہو اور کوچ کرے اس سبب سے کہ آپؐ کی نہایت تقید اس مہم میں دیکھتا تھا کہ ناگاہ قاصد اس کی ماں اُمّ ایمنؓ کا پہنچا اور کہا کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نزع کی حالت ہے۔ اسامہؓ اور دیگر صحابہؓ یہ خبر سن کر گرتے پڑتے لوٹے۔ اور بریدہؓ بن حصیب نے نشان لاکر آں جنابؐ کے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ جب آپؐ کے دفن سے فارغ ہوئے اور ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو حکم دیا کہ اُس نشان کو اسامہؓ کے دروازے پر کھڑا کر دیں۔ اور بریدہؓ سے فرمایا کہ اسامہؓ کے دروازہ پر جاکر لشکر والوں کو جمع کرکے باہر نکالے اور اسامہؓ بھی کوچ کرے۔ پھر اسامہؓ باہر نکلا اور جرف میں منزل کی۔ اس اثناء میں خبر مدینہ میں پہنچی کہ بعض قبائل عرب کے مرتد ہوگئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مدینہ پر حملہ کریں۔ صحابہؓ نے ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ اس وقت میں نکالنا ایسے لشکر سنگین کا اس مہم دور دراز پر مصلحت وقت کی نہیں ہے ایسا نہ ہو کہ اعراب مدینہ کو خالی پاکر دُند اور شورش مچائیں اور فساد عظیم پیدا ہو اور اہل مدینہ کو صدمہ پہنچے۔ ابوبکرؓ نے ہرگز قبول نہ کیا اور کہا کہ اگر اسامہؓ کا لشکر بھیجنے سے میں جانوں کہ مدینہ میں لقمہ درندوں کا ہو جاؤں گا تو ہو جاؤں مگر خلاف حکم رسول اللہ کے جائز نہیں رکھتا ہوں لیکن اسامہؓ سے درخواست کی کہ عمرؓ بن خطاب کو اجازت دے کہ وہ ان کے پاس رہیں تاکہ محافظتِ مدینہ اور صلاح مشورہ میں شریک ہوں۔ پس اسامہؓ کے اذن سے عمرؓ بن خطاب لوٹ پڑے۔ اسامہؓ نے ربیع الآخر کے غرہ کو کوچ کیا۔ اور لبنے کی طرف جہاں زیدؓ بن حارثہ شہید ہوئے تھے متوجہ ہوا۔ یہ سب روضۃ الصفا اور روضۃ الاحباب اور حبیب السیر ملّا معین اور دیگر معتبرہ سُنی و شیعہ تاریخوں میں موجود ہے۔

اور اگر دوسری وجہ ہے یعنی تخلف رفاقت اسامہؓ سے تو اس کے چند جواب ہیں:۔

✺ **اوّل** یہ کہ رئیسِ وقت جب کسی شخص کو کسی لشکر میں متعین کرے پھر اس شخص کو کسی خدمت میں خدماتِ حضور سے مامور فرمائے صریح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کو متعینوں سے موقوف کرکے استثناء کر لیا اور پہلے کو منسوخ کیا۔ یہاں یہی معاملہ واقع ہوا۔ کیونکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اول مرض میں

اِس لشکر کو جدا کرکے ہمراہ اسامہؓ کے متعین کیا۔ جب مرض کو شدت ہوئی اور اسامہؓ اور اس کے تابعین نے کوچ میں توقف کیا تو ابوبکرؓ کو خدمتِ نماز میں اپنا نائب مقرر کیا اور اس مہمِ عظیم میں مشغول فرمایا یہاں تک کہ آپؐ نے وفات پائی۔ پس تعیناتی ابوبکرؓ کی خود موقوف ہوگئی تھی، ان کا جانا نہ جانا دونوں برابر رہے۔ اور شریعت میں ثابت ہے کہ ابتداءِ جہاد کی فرض کفایہ ہے اور سامان لشکر اسامہؓ کا بھی اسی قسم کا تھا۔ پس اسامہؓ کے ساتھ خروج نہ کرنے سے بالخصوص ابوبکرؓ کو کچھ لازم نہیں آتا۔ اور دفع کرنا فساد کفار اور مرتدوں کا مدینہ سے فرضِ عین، اگر اس کو ترک کرتے تو ترک فرض کا تھا۔ لہٰذا حضرت ابوبکرؓ نے فرض کفایہ کو ادائے فرض عین کے واسطے ترک کیا وَهُوَ الْحُكْمُ الشَّرْعِيُّ خَاصَّةً (وہ حکم خاص شرع کا ہے) جب تمام لشکر ابوبکرؓ کی تجہیز یعنی سامان اور برانگیختہ کرنے سے نکلا ان سب کا ثواب ابوبکرؓ کی طرف عائد ہوا اور وہ فرض کفایہ بھی ان کے دفتر اعمال میں ثابت ہوا۔

✺ **دوسرے** یہ کہ مقرر کرنا اشخاص کو کسی طرف کسی امیر کے ساتھ جہاد کو باب سیاست مدنی سے ہے اور یہ رئیسِ وقت کی صوابدید کے سپرد ہے نہ کہ احکام مُنَزَّلَة مِنَ اللهِ سے۔ پس جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو سیاستِ مدنی ابوبکرؓ کے متعلق ہوئی۔ اب یہ امور وابستہ بصلاح دید ابوبکرؓ کے ہوئے جس کو چاہیں اسامہؓ کے ساتھ روانہ کریں اور جس کو چاہیں اپنے پاس رکھیں اور چاہیں خود بھی نکلیں چاہیں نہ نکلیں۔ یہ ایسا ہے جیسے کوئی بادشاہ کسی لشکر کو متعین کرے اور اثنائے سامان و اسباب سفر اور استعداد اس مہم میں وفات پا جائے۔ دوسرا بادشاہ اس کی جگہ مقرر ہو تو اب اس بادشاہ کو روا ہے کہ بعض تعیناتیوں کو اپنے حضور میں رہنے دے اس سبب سے کہ بھلائی ملک و دولت کی اس میں سمجھتا ہے پس اتنے سے تصرف میں مخالفت بادشاہِ اول یا نہ ماننا اُس کے حکم کا لازم نہیں آتا۔ مخالفت یہ ہے کہ اُس کی جگہ کوئی اور امیر مقرر کرے یا اس کو مہمل چھوڑے یا اس کے حریفوں سے صلح کرلے۔

حاصلِ کلام سب امورِ جزئیہ اور جو مناسب مصلحتِ وقت کے ہوں اسی کے صوابدید سے متعلق ہیں جو رئیسِ وقت کا ہے اُس کا ان کاموں میں اپنی رائے کے ساتھ تصرف ہے اور حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسے امور میں قسمِ تشریع اور وحی سے نہیں ہے ہرگز۔ اور یہ جملہ لَعَنَ اللهُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا اہل سُنت کی کتابوں میں ہرگز موجود نہیں ہے۔ بالفرض اگر صحیح بھی ہو تو معنی اس کے یہ ہیں کہ اسامہؓ کو تنہا چھوڑنا اور مہم رومیوں سے واسطے بدلہ لینے زیدؓ بن حارثہ کے بچنا حرام ہے۔ اور جب ابوبکرؓ خدمتِ امامت پر متعین ہوئے تو وہ ان سب باتوں سے نکل گئے اور مستثنیٰ ہوگئے بلاشبہ۔ قَالَ الشَّهْرِسْتَانِي فِي الْمِلَلِ وَالنِّحَلِ إِنَّ هٰذِهِ الْجُمْلَةَ مَوْضُوعَةٌ وَمُفْتَرَاةٌ (شہرستانی نے ملل و نحل میں کہا ہے کہ بے شک یہ جملہ بنایا ہوا

اور دل کا جوڑا ہوا ہے) اور بعض فارسی نویس کہ اپنے آپ کو محدث اہل سنت کا گنتے ہیں اور اپنی تاریخ میں یہ جملہ لائے ہیں واسطے الزام اہل سنت کے کافی نہیں۔ اس واسطے کہ اہل سنت کے نزدیک اعتبار حدیث کا جب ہے کہ محدثین کی مسند کتابوں میں پائی جائے مع حکم بصحت کے بے سند حدیث ان کے نزدیک ایسی ہے جیسے شتر بے مہار ہرگز اس پر کان نہیں لگاتے۔

تیسرے یہ کہ ابوبکرؓ کو بعد رحلت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلاب منصب کا ہوا یا تو احاد مؤمنین میں تھے یا خلیفہ ہوئے اور بجائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھے۔ اور جب کسی کا منصب بدل جاتا ہے تو احکام اس منصب کے اس پر جاری ہوتے ہیں موافق شرع کے نہ کہ اگلے احکام جیسے۔

اَلصَّبِيُّ إِذَا بَلَغَ وَالْمَجْنُوْنُ إِذَا أَفَاقَ وَالْمُقِيْمُ إِذَا سَافَرَ وَالْمُسَافِرُ إِذَا أَقَامَ وَالْعَبْدُ إِذَا عَتَقَ وَالرَّعِيَّةُ إِذَا أَمَّرَ وَالْعَامِيُّ إِذَا تَقَلَّدَ الْقَضَاءَ وَالْفَقِيْرُ إِذَا صَارَ غَنِيًّا وَالْغَنِيُّ إِذَا صَارَ فَقِيْرًا وَالْجَنِيْنُ إِذَا تَوَلَّدَ وَالْحَيُّ إِذَا مَاتَ وَالْقَرِيْبُ إِذَا مَاتَ الْأَقْرَبُ مِنْهُ فِي الْوَلَايَةِ وَالْإِرْثِ إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ النَّظَائِرِ۔

لڑکا جب بالغ ہو اور دیوانہ جب ہوشیار ہو اور مقیم جب مسافر ہو اور مسافر جب مقیم ہو اور غلام جب آزاد ہو اور رعیت جو حاکم ہو اور عامی جو خدمت قضا کی کرے اور فقیر جب غنی ہو جائے اور غنی جب فقیر ہو جائے۔ اور بچہ شکم کا جب پیدا ہو اور زندہ جب مرجائے اور رشتہ دار جو قریب تر ہے وہ مرجائے اور قریب معاملہ نکاح اور ارث میں قائم ہو۔ ان کے علاوہ ایسی بہت سی نظیریں ہیں۔

جب حضرت ابوبکرؓ بجائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہوئے تو اُن کو اسامہؓ کے ساتھ نکلنا کیوں چاہیے تھا۔ کیونکہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خود زندہ ہوتے خود نہیں نکلتے نہ ارادہ نکلنے کا کرتے۔ ہاں کام پیغمبرؐ کا کہ درستی سامان لشکر کی تھی وہ ان کے ذمے ہوئی اس کو سرانجام کیا۔

چوتھے یہ کہ بالفرض خاص ابوبکرؓ مامور تھے اس بات پر کہ اسامہؓ کے ساتھ رومیوں کی لڑائی میں جائیں اور یہ نہ گئے اور نماز میں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھانٹا اور خلیفہ نماز کا کیا یہ چھانٹنا بھی نہ سہی اور شغل خلافت کے مہمات اور محافظت مدینہ اور ناموس رسولؐ کا جو عذر کیا یہ بھی تخلف میں مقبول نہ ہوا تو پس حد درجہ یہی تو ہے کہ ان کی عصمت میں خلل پڑے گا سو عصمت امامت میں شرط نہیں ہے بلکہ عدالت ضروری ہے۔ اور ایک دو گناہ صغیرہ کے ارتکاب سے عدالت بگڑ نہیں جاتی۔ اور ابوبکرؓ بالاجماع فاسق نہ تھے یہ شیعہ سنی میں سے کسی کے نزدیک ثابت نہیں ہے کہ گناہ کبیرہ کے وہ مرتکب ہوئے ہوں۔

پانچویں یہ کہ ایک دو طعن کہ ابوبکرؓ اور ان کے امثال پر شیعہ اہل سنت کی روایتوں سے جو ثابت کرتے ہیں

اول تو ثابت نہیں ہوتیں۔ بالفرض اگر ثابت بھی ہوں تو چاہیے یہ کہ اہل سنت کی جو روایتیں کہ حق میں ابوبکرؓ کے ہیں فضائل و مناقب اور خوش خبری بڑے بڑے درجوں بہشت کی کہ آیات اور حدیث پیغمبرؐ اور اخبار ائمہ اور دیگر اہل بیت سے لاتے ہیں۔ اور بعض ان سے شیعہ کی کتابوں میں بھی صحیح اور مروی ہیں، ایک پلڑے میں ترازو کے رکھیں اور یہ جو دو تین طعن ہیں دوسرے پلڑے میں رکھ کر تولنا چاہیے پھر جواب مانگنا چاہیے۔

چھٹے یہ کہ شیعہ کے نزدیک حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطے وجوب متعین کے نہیں ہے جیسے کہ اس پر نص ہے مرتضیٰ کی "درر غرر" میں پس اگر حکم صریح خاص ابوبکرؓ ہی کو ثابت ہو کہ اسامہؓ کے ساتھ جائیں اور ابوبکرؓ نہ جائیں جب بھی کچھ خلل نہیں۔ اس لیے کہ شاید یہ امر واسطے ندب کے ہو اور امر ندبی کے ترک سے گناہ نہیں لازم آتا ہے۔

اب ہم اس جملہ کا جو لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا ہے بیان کرتے ہیں یہ جملہ اہل سنت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے کہ محتاج جواب کا ہو۔ اور بالفرض اگر ہو بھی تو لفظ مَنْ عام ہے خود شیعہ کے نزدیک کَمَا صَرَّحُوْا بِهَا فِيْ كُتُبِ الْأُصُوْلِ (جیسا کہ تصریح کی ہے انہوں نے کتب اصول میں) پس اس صورت میں حضرت امیرؓ اور دوسرے سب مسلمان اس وعید میں شریک ہیں۔ لہٰذا جو کچھ سب کی طرف سے جواب ہوگا وہی ابوبکرؓ کی طرف سے ہوگا۔ اور اگر کہیں کہ یہ وعید خاص اسامہؓ کے متعینوں کو ہے تو ہم کہیں گے جَهِّزُوْا جَيْشَ أُسَامَةَ یہ خطاب متعینوں پر نہیں ہو سکتا ہے۔ اس واسطے کہ تجہیز و سامان لشکر اسامہؓ کا بعینہ لشکر اسامہؓ کو فرمانا کلام بے معنی ہے پس خطاب عام سب مسلمانوں کی طرف ہے اور جملہ لَعَنَ اللّٰهُ بھی اسی کلام کے ساتھ مذکور ہے پھر خصوصیت متعینوں کی نہیں ہے۔

ساتویں یہ کہ مخالفت حکم خدا کی بے واسطہ شیعہ کے نزدیک حضرت آدم اور حضرت یونس علیہما السلام سے بلاشک ثابت ہے جیسا کہ باب نبوت میں گزرا اگر ایک حکم رسولؐ کا امام نے بھی خلاف کیا ہو تو کیا ڈر ہے اس واسطے کہ امام نبی کا نائب ہے، اور نائب کیسا ہی بہتر ہو پھر بھی اصل سے گھٹ ہی کے ہوگا۔

طعن چہارم یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو کبھی واسطے اقامت ایک امر کے جو دین و شرع متین سے متعلق ہو والی نہیں کیا ہے اور جو قابل ولایت ایک امر مسلمانوں کے نہ ہو قابل ولایت عام مسلمانوں کے کس طرح ہوگا۔

جواب اس طعن کا بھی بچند وجوہ دیا ہے۔

اوّل تو یہ دعویٰ ہی محض جھوٹ اور صرف بہتان ہے۔ باجماع اہل سیر تواریخ شیعہ اور سنی

ہیں صحیح و ثابت ہے کہ ابوبکرؓ بعد شکست جنگِ احد کے جب یہ خبر پہنچی کہ ابوسفیان جو اس لڑائی میں نادم ہو کر لوٹا ہے چاہتا ہے کہ مدینہ پر تاخت کرے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو اس کے مقابلہ میں رخصت کیا اور انہوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ اور چوتھے سال غزوۂ بنی نضیر میں ابوبکرؓ صدیق کو امیر لشکر کا فرما کر گھر کو تشریف فرما ہوئے۔ اور چھٹے سال میں جب غزوۂ بنولحیان کو نکلے وہ لوگ آپؐ کی خبر سن کر پہاڑوں پر متحصن ہوئے آپؐ نے ایک دو روز ان کے مقام پر ٹھیر کر فوج سریہ کی مختلف اطراف میں بھیجی ان میں سے عمدہ سریہ کے سردار ابوبکر صدیقؓ تھے کہ طرف کراع الغمیم کے گئے تھے۔ اور غزوۂ تبوک میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لشکر ظفر پیکر مدینہ سے نکل کر ثنیۃ الوداع میں جمع ہوں اور امیر لشکر کے صدیقؓ ہوں کہ موجودات لشکر کی ان کے طور پر مقرر ہو۔ اور غزوۂ خیبر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو درد شقیقہ یعنی درد سر عارض تھا اور وقت عین محاصرہ قلعہ کا تھا ابوبکرؓ کو واسطے فتح قلعہ کے نائب اپنا مقرر فرما کر بھیجا کہ اس روز ابوبکرؓ سے سخت لڑائی ہوئی۔ اور ساتویں برس میں بنی کلاب کی ایک جماعت پر بھیجا سلمہؓ بن اکوع اپنے رسالہ سمیت ان کے ساتھ متعین ہوا۔ اور انہوں نے بنوکلاب سے لڑ کر ایک جماعت کو قتل کیا اور ایک گروہ کو پکڑ لائے۔ اور بنوفزارہ پر بھی ابوبکر صدیقؓ ہی امیر لشکر کے تھے۔ چنانچہ حاکم سلمہ بن اکوع سے روایت کرتا ہے:۔

وَاَمَّرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبَا بَکْرٍ فَغَزَوْنَا نَاسًا مِنْ بَنِیْ فَزَارَۃَ فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنَ الْمَاءِ اَمَرَنَا اَبُوْبَکْرٍ فَعَرَّسْنَا فَلَمَّا صَلَّیْنَا الصُّبْحَ اَمَرَنَا اَبُوْبَکْرٍ فَشَنَنَّا الْغَارَۃَ اِلٰی اٰخِرِ الْحَدِیْثِ۔

امیر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو، سو ہم نے جہاد کیا ایک قوم بنی فزارہ سے جب ہم پانی کے نزدیک پہنچے تو حکم کیا ہم کو ابوبکرؓ نے پس رات کو ہم نے آرام کیا۔ جب نماز صبح کی پڑھ چکے تو حکم کیا ہم کو تو صبح کو ہم نے غارت ڈالی۔ تا آخر حدیث

اور معارج اور حبیب السیر میں مذکور ہے کہ بعد غزوۂ تبوک کے ایک اعرابی نے حضرتؐ کے حضور میں آ کر عرض کی کہ ایک قوم عرب سے وادی الرمل میں جمع ہو کر ارادہ شبخون کا رکھتی ہے۔ حضرتؐ نے نشان اپنا ابوبکرؓ کو دے کر امیر لشکر کا مقرر کیا اور اس جماعت پر بھیجا۔ اور بھی جب درمیان بنی عمر اور بنی عوف کے خانہ جنگی واقع ہوئی اور حضرتؐ کو بعد ظہر کے خبر پہنچی اور اصلاح کے واسطے ان کے محلہ میں تشریف لے گئے تو بلالؓ کو فرمایا کہ اگر نماز کا وقت ہو جائے اور میں نہ آؤں تو ابوبکرؓ نماز پڑھائے۔ چنانچہ عصر کے وقت بھی یہی ہوا۔ نویں برس حج فرض ہوا اور آپؐ کا جانا بسبب بعض امور کے موقوف رہا تو ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج کا مقرر کر کے ایک جماعت کثیر اصحابؓ کے ساتھ مکہ کو بھیجا تاکہ وہاں جا کر اقامت مراسم حج کی ادا کرے

مخلوق کو اس عبادت کبریٰ کے قاعدوں پر آگاہی بخشے۔ اور اپنے مرضِ موت میں شب پنج شنبہ سے صبح دوشنبہ تک امامت نماز کی ان کے سپرد فرمائی جو ایسی مشہور ہے کہ حاجت بیان کی نہیں۔ اب سوچنا چاہیے کہ امور دین کے جو ریس سے تعلق رکھتے ہیں یہی تین چیزیں ہیں: ۱ جہاد ۲ حج ۳ نماز۔ سو تینوں چیزوں میں ابوبکرؓ کو اپنے سامنے اپنا نائب کیا ہے پھر اور کون سے امورِ دینی باقی رہ گئے جن میں ابوبکرؓ کو لیاقت امامت و نیابت کی نہ تھی۔

دوسرے یہ کہ ہم نے مانا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ابوبکرؓ کو کسی کام پر والی مقرر نہ کیا لیکن اس سبب سے کہ ان کو اپنا وزیر و مشیر جانتے تھے ان کی غیبت میں کوئی کام دین کے کاموں سے سرانجام نہیں پاتا تھا۔ ہمیشہ سے رسم و عادت بادشاہوں کی ایسی ہی ہوتی آئی ہے کہ وزراء اور امراء کبار کو عمل داری و فوج داری کو نہیں بھیجتے ہیں۔ اور فوج سریہ پر امیر مقرر نہیں کرتے اس واسطے کہ بدون ان کے عمدہ کام دربار کے ابتر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس وجہ کو خود جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ حاکم حذیفہؓ بن الیمان سے روایت کرتا ہے کہ میں نے سنا ہے جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کو دور دراز ملکوں کی طرف واسطے تعلیم دین و فرائض کے بھیجوں جیسے حضرت عیسیٰؑ نے حواری بھیجے تھے۔ حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! اس قسم کے لوگ تو موجود ہیں جیسے ابوبکرؓ اور عمرؓ۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّہٗ لَا غِنَاءَ لِیْ عَنْھُمَا اِنَّھُمَا مِنَ الدِّیْنِ کَالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ (بے شک ان سے بے پروائی مجھ کو نہیں ہے کہ وہ آنکھ اور کان دین کے ہیں) نیز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو چار وزیر عطا کیے ہیں۔ دو وزیر اہلِ زمین سے ابوبکرؓ و عمرؓ۔ اور دو وزیر آسمان سے جبرئیل و میکائیل۔

تیسرے۔ اگر کسی کام پر نہ بھیجنا موجب بے لیاقتی امامت کا ہو تو لازم آئے کہ حضرات حسنینؓ بھی لائق امامت کے نہ ہوں معاذ اللہ من ذلک۔ اس واسطے کہ حضرت امیرؓ نے ان دونوں کو کسی لڑائی اور کسی کام پر نہیں بھیجا۔ اور ان کے برادر علاتی محمد بن حنفیہ کو اکثر کاموں پر مامور فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے محمد بن حنفیہ سے پوچھا کہ تمھارے باپ لڑائیوں اور خوفناک مقامات میں تم کو کام بتاتے ہیں اور حسنینؓ کو اپنے آپ سے جدا نہیں کرتے اس کا کیا سبب ہے؟ اس امام زادہ منصف نے فرمایا کہ حسنین ہمارے باپ کی اولاد میں ایسے ہیں جیسے بدن میں دو آنکھیں۔ اور دوسرے ایسے ہیں جیسے ہاتھ پاؤں۔ اور جب تک ہاتھ پاؤں سے کام نکلے آنکھوں کو دکھ دینا کیا ضرور بلکہ عادت انسان کی ہے کہ ہاتھ پاؤں کو آنکھوں کی سپر بناتا ہے آفت کے وقت میں۔

طعن پنجم یہ کہ ابوبکر صدّیق نے عمرؓ بن خطاب کو جملہ کاموں میں مسلمانوں کے متولی کیا اور خلیفہ امامت کا کیا۔ حالانکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک سال صدقات لینے پر مامور ہوئے تھے پھر معزول ہوگئے اور معزولِ پیغمبر کو منصوب کرنا پیغمبر کی مخالفت کرنا ہے۔

پہلا جواب اس طعن کا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو معزول سمجھنا بڑی بیوقوفی ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی کام پر متولی کریں اور وہ کام اس کے ہاتھ سے سرانجام ہوجائے اور تولیت تمام کو پہنچے تو اس شخص کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس تولیت سے معزول ہوا۔ عمرؓ بن خطاب کی تولیت کا انقطاع بھی اسی قسم سے تھا کہ کام اخذ صدقات کا تمام ہوا تولیت بھی تمام ہوئی۔ اگر اس کو عزل کہیں تو لازم آئے کہ ہر نبی بعد موت کے معزول ہو اور ہر امام بعد موت کے معزول ہو۔

دوسرا جواب یہ کہ مانا ہم نے عمرؓ معزول پیغمبرؐ کے تھے لیکن مثل حضرت ہارونؑ کے کہ جب حضرت موسیٰؑ طور سے لوٹ کر آئے تو یہ خلافت سے معزول ہوئے۔ مگر اس سبب سے کہ نبی بالاستقلال تھے اس عزل نے ان کی لیاقتِ نبوت میں کچھ نقصان نہ کیا۔ اسی طرح عمرؓ بن خطاب جن کے حق میں فرمایا لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ (اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا) پس اس عزل نے ان کی لیاقتِ امامت میں بھی نقصان نہ کیا۔

تیسرا جواب۔ مخالفتِ پیغمبر تو جب ہو کہ انہوں نے منع کیا ہو اور یہ اس کے مرتکب ہوئے ہوں نہ یہ کہ ان کے معزول کو منصوب کریں۔ پس اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نصب سے منع فرماتے اور ابوبکرؓ ان کو منصوب کرتے تب تو البتہ مخالفت لازم آتی جب یہ نہیں تو مخالفت کہاں۔ اور اگر اس چیز کا کرنا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کی ہو مخالفت ٹھیرے تو لازم آئے گا کہ حضرت امیرؓ نے بھی حضرت عائشہؓ کی لڑائی میں مخالفت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی معاذ اللہ من ذٰلک۔

طعن ششم یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ و عمرؓ کو متعین اور تابع عمروؓ بن عاص کا کیا، اور اس کو ان پر امیر مقرر کیا۔ اسی طرح اسامہ کو ان پر سردار کیا۔ اگر ان کو لیاقت ریاست کی ہوتی تو اس مقدمہ میں بھی افضل و اولیٰ ہوتے پھر کیوں نہیں رئیس کیا اوروں کو ان کے تابع کیا۔

جواب اس طعن کا بھی بوجوہ ہے۔

اوّل یہ کہ اگر ان کے سردار نہ کرنے سے دلیل ان کی بے لیاقتی کی ہے کہ امر افضل کے لائق نہ تھے تو ضروری ہے کہ امیر کرنا دلیل افضلیت و لیاقت کی ہوگی۔ پس اگر شیعہ معتقد لیاقت امامت عمروؓ بن عاص اور اسامہؓ بن زید اور ان کی افضلیت کے ہوں تب اہلِ سنت اس مقدمہ میں محتاج جواب کے ہوں گے اور نہیں تو نہیں۔

دوسرے یہ کہ کسی خاص معاملہ میں افضل پر مفضول کو امیر کرنا کچھ قباحت نہیں اور یہ امر خاص افضلیت و لیاقت امامتِ کبریٰ پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ مقدمۂ خاص میں ریاست دینا اکثر بنظرِ مصلحت جزئیہ خاصہ کے ہوتا ہے کہ وہ مصلحت مفضولوں اور کمتر لوگوں سے سرانجام پاتی ہے اور افضل اور بہتروں سے نہیں ہوتی۔ جیسا کہ امارت عمروؓ بن عاص میں واقع ہوا وہ بہت ہوشیار اور چالاک آدمی تھے۔ اور منظور یہی تھا وہ حریفوں کو مکر و حیلہ سے تباہ کریں یا وہ دشمنوں کے مکر اور ان کی جگہوں اور آنے کی راہوں سے واقف تھے، اور کوئی شخص ایسا واقف نہ تھا۔ یہ ایسا ہے جیسے چور پکڑنے اور راہ صاف کرنے کے لیے شب گردی اور فوج داری اسی قسم کے لوگوں کو دیتے ہیں۔ بڑے بڑے امراء سے یہ خدمتیں سرانجام نہیں ہوتیں۔ یا ریاست خاص میں تسلی و تشفی خاطر مصیبت زدہ ماتم کشیدہ ظلم رسیدہ کی منظور ہوتی ہے جیسا کہ اسامہؓ کے حق میں واقع ہوا کہ اس کا باپ روم میں شام کی فوج کے ہاتھ سے شہید ہوا تھا اگر اس کو رئیس نہ کرتے اور اس کے ہاتھ سے بدلہ اس کے باپ کا نہ دلواتے تو اس کو تسلی و تشفی اور نام و مرتبہ حاصل نہ ہوتا۔

تیسرے یہ کہ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو منظور تھا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ اسکو مطلع کریں اُن معاملات پر جو متعینوں اور تابع کو سردار سے پیش آتے ہیں کہ کس قسم کا عہد تابع اور متعینوں کے حال میں کرنا چاہیے اور یہ بات بدون اس کے کہ ایک دوبار ان کو کسی کا تابع کریں اور کسی کا متعین فرمائیں بحق الیقین معلوم نہیں ہوسکتی گویہ تابع کرنا واسطے ریاضت و تعلیم سلیقۂ امارت و ریاست کے تھا۔ ایسا جیسے بادشاہ اولوالعزم جب تک کہ سپہ گری سے امارت کو اور امارت سے وزارت کو اور وزارت سے سلطنت کو نہیں پہنچے ہیں اس مرتبۂ عظمیٰ کو کما حقہ سرانجام نہ دیا ہے۔ جیسے تیمور اور نادر شاہ اور ان کے مثل۔ پس تربیت ان کی اس طور پر صریح دلیل اس بات کی ہے کہ ان کے حق میں یہ ریاست عمدہ خاص آپؐ کی مدنظر کرامت اثر تھی اور اسی تربیت کے واسطے ان دونوں آدمیوں کے حق میں یہ صورت واقع ہوئی۔ یہ دونوں حضرات اپنی خلافت کے وقت میں امراء اور لشکر والوں کو ایسے انتظام سے رکھتے تھے کہ اس سے بہتر خیال میں نہیں آتا تھا نہ امراء کے سر میں بغی و استقلال کا ٹھکانا تھا نہ لشکر والوں میں کاہلی و سستی نہ بے صرفگی لوٹ اور قتل میں ظاہر ہوتی تھی۔ امراء کو لشکر پر اور لشکر کو امراء پر کسی قسم کا ظلم و ستم اور ناز و فخر نہ تھا۔ رعایا مہدِ امن و امان میں چین سے تھی فارغ البال گزران کرتے تھے۔ اور فتوح پے درپے اور غنیمتیں وافی روز بروز ان کے ہاتھ آتی تھیں، یہ بات واقفوں فن سیر پر اظہر من الشمس ہے اور ابین من الامس۔ اور جو امور واقعی ہیں ان میں شیعہ پن نہیں چل سکتا۔ دغا و شبعہ پن کا زور امورِ موہومہ میں

ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اچھا تھا اور اگر ایسا ہو تو بہتر ہو۔

طعن ہفتم یہ کہ ابو بکرؓ نے اپنی خلافت میں مخالفت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی۔ قطعاً معلوم ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصلحت اور مفسدہ کو خوب سمجھتے تھے اور امت پر جو نہایت شفقت اور رافت رکھتے تھے کسی کو امت پر خلیفہ مقرر نہ فرمایا اور ابو بکر نے عمر کو خلیفہ بنایا۔

جواب اس طعن کا بھی بوجوہ ہے۔

اول یہ کہ خلیفہ نہ کرنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امت پر صریح جھوٹ ہے۔ اس واسطے کہ شیعہ کلہم قائل ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب امیرؓ کو خلیفہ مقرر کیا۔ اگر ابو بکرؓ نے اپنے پیغمبرؐ کی سنت کا اتباع کر کے امت پر خلیفہ بنایا تو مخالفت کیونکر لازم آئی۔ اور اگر موافق مذہب اہل سنت کے کلام کرتے ہیں تو محقق اہل سنت کے بھی خلیفہ بنانے کے قائل ہیں۔ نماز اور حج میں اور صحابہؓ کو کہ رمز شناس اور دقیقہ یاب اور اشارت فہم آں جناب اطہرؐ کے تھے اسی قدر کافی ووافی تھا۔ اور ابو بکر صدیقؓ نے اس نظر سے کہ بہت سے لوگ عرب اور عجم کے تازہ اسلام میں آئے تھے بغیر تصریح اور تنصیص عہد نامہ کے ان دقیقوں کو نہیں پاسکیں گے اس لیے نوشت وخواند درمیان میں لائے۔

دوسرے یہ کہ خلیفہ نہ کرنا جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سبب سے تھا کہ از روئے وحی ربانی اور الہام سبحانی کے بہ یقین جانتے تھے کہ بعد میرے خلافت ابو بکرؓ کی ہوگی اور صحابہ اخیار اس پر اجماع اور اتفاق کریں گے اور غیر کو دخل نہ دیں گے۔ چنانچہ حدیث فَاَبَى عَلَىَّ اِلَّا تَقْدِيْمَ اَبِىْ بَكْرٍ (پس قبول نہ رکھا مجھ سے مگر مقدم کرنا ابو بکرؓ کا) اور دوسری حدیث يَاْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ (قبول نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اور نہ مسلمان مگر ابو بکرؓ کو) اور حدیث اِنَّهُ الْخَلِيْفَةُ مِنْ بَعْدِىْ (بے شک وہ خلیفہ ہے میرے بعد) کہ یہ سب صحاح اہل سنت میں موجود ہیں صریح دلالت کرتے ہیں اس بات پر کہ جب اس کا یقین حاصل تھا تو حاجت خلیفہ کرنے اور عہد نامہ لکھنے کی نہ رہی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ مرض وفات میں ابو بکرؓ اور ان کے بیٹے کو بلایا تھا کہ عہد نامہ لکھ دیں۔ پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ اور مسلمان خود بخود سوائے ابو بکرؓ کے اور کو خلیفہ ہی نہ کریں گے حاجت لکھنے کی نہیں ہے موقوف رکھا۔ بخلاف ابو بکرؓ کے کہ ان کو وحی نہیں آتی تھی جو قطعی علم اس سے حاصل ہوتا نہ لوگوں کے حال وقرائن سے معلوم ہوا تھا کہ بعد میرے بلاشبہ عمر بن خطاب کو خلیفہ کریں گے اور اپنی عقل میں اصلح حق میں امت کے اور دین کے خلافت عمرؓ کو جانتے تھے۔ پس ان کو ضروری ہوا کہ جس میں صلاح امت کی معلوم کی تھی عمل میں لائیں۔ شکر خدا کا ان کی عقل کام کر گئی۔ جیسی شوکت دین اور انتظام امور ملت اور ذلت کافروں کی عمرؓ کے ہاتھ سے ہوئی کسی

تاریخ میں مرقوم نہیں ہے کہ کسی نبی کے خلیفہ سے ہوئی ہو۔

تیسرے یہ کہ خلیفہ مقرر نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اس سے اور چیز۔ مخالفت جب ہوتی کہ آپؐ کسی کو خلیفہ مقرر کرنے سے منع فرماتے اور ابو بکرؓ خلیفہ مقرر کرتے نہ یہ کہ پیغمبرؐ نے خلیفہ مقرر نہ کیا ابو بکرؓ نے کیا۔ نہیں تو لازم آئے کہ حضرت امیرؓ نے خلیفہ مقرر کرنے حضرت امام حسنؓ میں مخالفت حضرت پیغمبرؐ کی حاشا للہ من ذٰلك۔

طعن ہشتم یہ کہ ابو بکرؓ کہتے تھے اِنَّ لِىْ شَيْطَانًا يَعْتَرِيْنِىْ فَاِنِ اسْتَقَمْتُ فَاَعِيْنُوْنِىْ وَاِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِىْ (ہر آئینہ میرے واسطے ایک شیطان ہے کہ مجھ کو پیش آتا ہے پس اگر میں سیدھا چلوں تو میری مدد کرو اور ٹیڑھا چلوں تو مجھ کو سیدھا کردو) اور جو ایسا ہے کہ شیطان اس کو پیش آتا ہے اور بھٹکا دیتا ہے قابل امامت کے نہیں ہے۔

جواب اس طعن کے کئی ہیں۔

اول جواب تو یہ ہے کہ یہ روایت اہل سنت کی معتبر کتابوں میں نہیں ہے تاکہ الزام درست ہو۔ بلکہ خلاف اس روایت کے ان کے نزدیک یوں صحیح اور ثابت ہے کہ ابو بکرؓ نے اپنی وفات کے وقت عمرؓ ابن خطاب کو بلا کر وصیت کی اور یہ کلمات کہے وَاللّٰهِ مَا نِمْتُ فَحَلَمْتُ وَمَا شَبَّهْتُ فَتَوَهَّمْتُ وَاِنِّىْ لَعَلَى السَّبِيْلِ مَا زِغْتُ وَلَمْ اَلُ جُهْدًا وَاِنِّىْ اُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ (قسم خدا کی میں نہیں سویا کہ خواب پریشان دیکھے اور کسی نے مجھ کو شبہ میں نہ ڈالا کہ میں وہم کرتا۔ اور ہر آئینہ میں راہ پر ہوں ٹیڑھا نہیں ہوا۔ اور کوشش میں میں نے قصور نہیں کیا۔ اور میں وصیت کرتا ہوں تجھ کو خدا کے تقویٰ کی۔ آخر کلام تک)۔

سچ ہے کہ بعد رحلت پیغمبر علیہ السلام اور منعقد ہونے خلافت کے اول خطبہ جو ابو بکر صدیقؓ نے پڑھا یہی تھا کہ "اے یاران رسولؐ! میں خلیفہ پیغمبر کا ہوں لیکن دو چیز کہ خاصہ پیغمبرؐ کا تھا یہ مجھ میں نہ ڈھونڈو۔ اول وحی، دوسرے عصمت شیطان سے"۔ اور یہ خطبہ ان کا امام احمد کے مسند اور دیگر کتابوں میں اہل سنت کے موجود ہے۔ اور اس خطبہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ "میں معصوم نہیں ہوں" پس اطاعت میری تم پر انہی باتوں میں فرض ہے جو موافق سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت خدا کی ہوں۔ بالفرض اگر خلاف اس کے تم سے کہوں ہرگز مت مانو اور مجھ کو آگاہ کردو۔ اس عقیدے پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے۔ اور کیسا کلام سراسر انصاف ہے۔ اور جو لوگ ریاست پیغمبر کے خوگر تھے ہر مشکل میں وحی الٰہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور بسبب عصمت پیغمبرؐ کے ان کے امر ونہی کی بے تامل اطاعت کرتے تھے۔ اول خلفاء کو لازم تھا

کہ ان کو آگاہ کر دیں کہ دو چیزیں خواص پیغمبر سے ہیں کہ یُوْجَدُ فِیْہِ وَلَا یُوْجَدُ فِیْ غَیْرِہٖ (وہ دونوں چیزیں پیغمبر ہی میں پائی جاتی ہیں غیر میں نہیں پائی جاتیں)۔

دوسرے یہ کہ کتاب کلینی میں حضرت جعفر صادقؑ سے صحیح روایتیں موجود ہیں کہ ہر مومن کے واسطے ایک شیطان ہے کہ اس کو بہکاتا ہے۔ اور حدیث صحیح میں آیا ہے مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُکِّلَ بِہٖ قَرِیْنُہٗ مِنَ الْجِنِّ (تم میں سے ایسا شخص کوئی نہیں ہے کہ جس کے ساتھ ایک مصاحب جن سے مقرر نہ ہو) یہاں تک کہ عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے واسطے بھی یہ قرین یعنی ہم نشین ہے۔ فرمایا ہاں ہے لیکن حق تعالیٰ نے مجھ کو اس پر غالب کیا ہے کہ اس کے شر سے بچا رہتا ہوں۔ پس انبیاء کو پیش آنا شیطان کا بہکانے کے قصد سے نقصان نبوت میں نہیں کرتا، ابوبکرؓ کو امامت میں کیا نقصان کرے گا۔ اس واسطے کہ امام کو متقی ہونا چاہیے یہ ضروری ہے اور متقی کو بھی خطرہ شیطانی پہنچتا ہے مگر وہ خبردار ہو جاتا ہے مطابق اس کے کام نہیں کرتا۔ قولہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّہُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ہُمْ مُّبْصِرُوْنَ (بے شک وہ لوگ کہ پرہیزگار ہیں جب کوئی خیال ان کو شیطان سے پہنچتا ہے کہ اس کو یاد کرو تو اسی وقت ان کی آنکھیں بینا ہو جاتی ہیں یعنی آگاہ ہو جاتے ہیں) البتہ اُس شخص کی امامت کو نقصان پہنچتا ہے کہ مغلوب شیطان اور مطیع اس کے فرمان کا ہو اپنے اختیار کی نکیل اس کے ہاتھ میں دیدے اس کے کہنے پر چلے، توبہ استغفار سے جلدی تدارک اس کا نہ کرے۔ قولہ تعالیٰ وَاِخْوَانُہُمْ یَمُدُّوْنَہُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ (متقیوں کا تو وہ حال اور جو ان کے بھائی ہیں ان کو یہ بے راہی میں کھینچتے ہیں پھر وہ کوتاہی نہیں کرتے) اور یہ مرتبہ فسق و فجور کا ہے کہ بالاجماع لیاقت امامت میں خلل انداز ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر ابوبکرؓ سے ایسے کلام صادر ہوئے تو اس سبب سے وہ منصب امامت سے گر جائیں۔ ابوبکرؓ سے صادر ہوئے تو تعجب ہوا حضرت امیرؑ نے کہ بالاجماع امام برحق تھے اپنے یاروں سو ایسے کلمات فرمائے۔ نہج البلاغت میں کہ امامیہ کے نزدیک سب کتابوں میں زیادہ صحیح اور متواتر ہے روایت ہے وَھُوَ قَوْلُہٗ لَا تَکُفُّوْا عَنْ مَقَالَۃٍ بِحَقٍّ اَوْ مَشُوْرَۃٍ بِعَدْلٍ فَاِنِّیْ لَسْتُ بِفَوْقِ اَنْ اُخْطِیَ وَلَا اٰمَنُ ذٰلِکَ مِنْ فِعْلِیْ اِلٰی اٰخِرِ مَا سَبَقَ نَقْلُہٗ (بند نہ ہو حق بات کہنے سے یا مشورہ عدل سے بیشک میں نہیں ہوں میں اپنے قول میں کہ خطا نہ کروں۔ اور نہیں مطمئن ہوں میں ایسے ہی اپنے فعل میں، آخر تک جو پہلے گزری نقل اس کی) اور کیا کہہ سکتا ہے وہ جس نے سیپارہ الٓمّٓ کا قرآن مجید سے پڑھا ہے، حضرت آدمؑ کے حق میں جن کی خلافت کی نص ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (میں کرنا چاہتا ہوں

زمین میں اپنا نائب) اور کیا کہے گا جس نے سورہ صٓ پڑھی ہوگی حضرت داؤدؑ کے حق میں کہ وہ بھی نص الٰہی سے خلیفہ تھے یَا دَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ (اے داؤدؑ! ہم نے خلیفہ کیا ہے تم کو زمین میں) حالانکہ اوریا کی عورت کے معاملہ میں کیسا پریشان کیا کہ آخر محتاج تنبیہ و عتاب خدا تعالیٰ کے ہوئے اور نوبت توبہ و استغفار کی پہنچی۔ اور کیا کہیں گے شیعہ وظیفہ والے جنھوں نے صحیفہ کاملہ حضرت سجادؓ کا دیکھا ہوگا اور اُن کی دعائیں گوش ہوش سے سُنی ہوں گی کہ اپنے حق میں کیا فرماتے ہیں۔ چنانچہ منجملہ ان کے یہ ہے:-

قَدْ مَلَکَ الشَّیْطٰنُ عِنَانِیْ فِیْ سُوْٓءِ الظَّنِّ وَضُعْفِ الْیَقِیْنِ وَاِنِّیْ اَشْکُوْ سُوْٓءَ مُجَاوَرَتِہٖ وَاِطَاعَۃَ نَفْسِیْ لَہٗ۔	بیشک پکڑ لی ہے میری باگ شیطان نے بدگمانی میں اور ضعف یقین میں اور میں شکایت کرتا ہوں اس کی کہ یہ میرا بدہمسایہ ہے اور نفس کی کہ اُس کا مطیع ہو گیا ہے۔

اب اس عبارت کو اور ابوبکرؓ کی عبارت کو تولنا چاہیے۔ لفظ یَعْتَرِیْنِیْ وَاِنْ زِغْتُ کو ایک پلہ میں اور لفظ مَلَکَ عِنَانِیْ وَاِطَاعَۃَ نَفْسِیْ لَہٗ کو ایک پلہ میں۔ قضیہ حملیہ کہ کلام امام میں واقع ہے کہ دلالت وقوع طرفین پر نسبت بالجزم بین الطرفین کرتا ہے۔ اور قضیہ شرطیہ ابوبکرؓ کو بھی دل میں لانا چاہیے کہ اِنْ زِغْتُ ہرگز وقوع طرفین کو نہیں چاہتا۔ نیز یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ خطرات شیطان سے جب تک کہ وہ اپنے مقصود پر قابو نہ پائے کیا نقصان بلکہ ایک فضیلت ہے۔ اور سورہ یوسف سے اوّل آیہ سیپارہ پڑھنی چاہیے۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (میں بے عیب نہیں کہتا اپنے نفس کو بیشک نفس میرا حکم بدی کا کرتا ہے مگر وہ کہ رحم کرے پروردگار میرا) اور ابوبکرؓ کو منصب خلافت سے گرانا نہ چاہیے۔

طعن نہم۔ یہ کہ عمرؓ بن خطاب سے مروی ہے کہ فرمایا اَلَا اِنَّ بَیْعَۃَ اَبِیْ بَکْرٍ کَانَتْ فَلْتَۃً وَقَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ شَرَّہَا فَمَنْ عَادَ اِلٰی مِثْلِہَا فَاقْتُلُوْہُ (خبردار ہو بیشک بیعت ابوبکرؓ کی بے اندیشہ اچانک تھی، بچا لیا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُس کے شر سے۔ پس جو کوئی کہ دوسری بار ایسا کام کرے اُس کو مار ڈالو) اور روایت بخاری میں اور الفاظ ہیں کہ حاصل معنی اُن کا یہی ہے۔ پس یہ روایت صریح دلالت کرتی ہے کہ بیعت ابوبکرؓ کی ناگاہ و بے مشورہ اور بے تأمل ہوئی تھی اور بے دستاویز کسی دلیل کے اُس کو خلیفہ کیا، پس خلافت اُن کی بے بنیاد تھی نہ کہ اصلی۔ لہٰذا وہ امام برحق نہ تھے۔

جواب۔ یہ کلام حضرت عمرؓ کا اُس شخص کے جواب میں واقع ہے جو کہتا تھا اُن کے وقت میں کہ اگر عمرؓ مر جائیں تو فلاں شخص سے بیعت کروں گا اور اُس کو خلیفہ کروں گا۔ کیونکہ ابوبکرؓ کے اوّل ایک دو

آدمیوں ہی نے فلتۃً بیعت کی تھی آخر یہ مقدمہ کرسی نشین ہوا اور سب مہاجر و انصار اُس کے تابع ہوئے۔ بخاری میں یہ کلام مذکور ہے۔ پس معنی کلام عمرؓ کے اس سائل کے جواب میں یہی ہیں کہ بیعت ایک دو آدمیوں کی بے تامل اور بے رجوع مجتہدوں اور مشورہ اہل حل و عقد کے صحیح نہیں ہے اور جو کچھ ابوبکرؓ کے حق میں واقع ہوا، ہر چند ناگاہ اور بے تامل تھا، لیکن رجوع ہونا اُس کا اپنے موقع پر خوب جما اور حق حقدار کو پہنچا اور بے جا نہ ہوا بسبب ظہور اُس کے اسی خلافت پر امامتِ نماز اور دیگر قرینوں حالیہ اور مقالیہ پیغمبرؐ سے اُن معاملات میں جو اُن سے کئے تھے، اور افضلیت اُن کی تمام صحابہؓ پر۔ اور ہر کسی کو ابوبکرؓ پر قیاس نہ کرنا چاہیے بلکہ اگر دوسرا ایسی بیعت کرے تو اُس کو مار ڈالو کہ جو کچھ واجب ہے یعنی تامل اور اجتہاد اور اجتماع اہل حل و عقد، وہ اُس نے نہ کیا، اور باعث فتنہ و فساد کا ہوا اہلِ اسلام میں۔

اور آخر میں اس کلام کے، کہ شیعہ نے اُس کو اپنا شبہ مروّج کرنے کو نکال ڈالا ہے، یہ لفظ واقع ہے وَاَیُّکُمْ مِثْلُ اَبِیْ بَکْرٍ (تم میں سے کون ابوبکرؓ کا مثل ہے) فضیلت اور خیریت میں یعنی نیکی میں، اور نہ حاجت ہونے طرف مشورہ اور تامل کے اُس کے حق میں۔ پس معلوم ہوا کہ معنے وَقَی اللّٰہُ شَرَّھَا کے یہی ہیں کہ ہر چند ابوبکرؓ کی خلافت میں عجلت ہوئی بنی ساعدہ کے سقیفہ یعنی مشورۂ باطل کے سبب سے کہ انصار اُس کی پرخاش کرنا چاہتے تھے فرصت مشوروں اور مراجعتوں طویل کی نہ پائی۔ لیکن عجلت میں جو خوف ہوتا ہے کہ مبادا بیعت اپنے موقع پر نہ پڑے اور نالائق منصبِ امامت پر والی و غالب ہو جائے، خدا کی عنایت سے یہ بات ظہور میں نہ آئی اور حق اپنے مرکز پر ٹھہرا۔

اور ظاہر ہے کہ مراد عمرؓ کی یہ نہیں ہے کہ بیعت ابوبکرؓ کی صحیح نہیں ہے اور خلافت اُن کی درست نہیں ہوئی۔ کیونکہ عمرؓ اور عبیدہؓ بن جراح یہی دو شخص ہیں کہ اوّل ابوبکرؓ سے سقیفہ میں بیعت کی ہے۔ اور سقیفہ کے معنے ایک ایوانِ پنہان کے بھی ہیں جس میں بیٹھ کر عرب مشورے باطل کیا کرتے تھے۔ بعد اِن دونوں کے اَوروں نے بیعت کی اور اِن دونوں نے اُس وقت ابوبکرؓ کے حق میں کہا ہے اَنْتَ خَیْرُنَا وَ اَفْضَلُنَا (تُو بہتر اور بزرگتر ہے ہم سے) اور یہ کلمے ان کے سب لوگوں نے مہاجر و انصار سے تسلیم کئے کسی نے انکار نہیں کیا۔ پس خیریت و افضلیت ابوبکرؓ کی تمام صحابہؓ کے نزدیک قطعی اور سب کی مانی ہوئی ثابت ہے۔ اور انصار جو پرخاش کرتے تھے یہ چاہتے تھے کہ انصار میں سے بھی ایک خلیفہ ہو نہ یہ کہ ابوبکرؓ قابلِ خلافت نہیں ہیں۔

اور اہلِ سُنّت کی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ سعدؓ بن عبادہ نے بھی بعد اس صحبت کے ابوبکرؓ سے بیعت کی اور حضرت امیرؓ اور حضرت زبیرؓ نے بھی بیعت کی ہے اور پہلے روز کے خلاف کا عذر کر کے شکایت کی کہ ہمارے مشورہ پر کیوں نہیں موقوف رکھا۔ ابوبکرؓ نے اُس شکایت کے جواب میں پرخاش انصار کی اور عجلت اُن کی

اِس کام میں بیان کی۔ اور حضرت امیرؓ اور حضرت زبیرؓ نے یہ وجہ عجلت کی پسند کی اور مان لی۔ چنانچہ تمام صحاح اہلِ سنت میں بشہرت و تواتر ثابت ہے۔ اگر شیعہ حضرت عمرؓ کے اس قول مذکور پر تمسک کرتے ہیں، تو لازم یہ ہے کہ جمیع اقوال پر اُن کے جو حضرت ابوبکرؓ کے اور اُن کی خلافت کے حق میں ہیں تمسک کرنا چاہیے کہ یہ بات کس موقع پر پڑتی ہے۔ وہ دفتر اور طومار جو عمرؓ کے اقوال کا ابوبکرؓ کے حق میں ہے باوجود اُن کے عمرؓ کو معتقد صحت امامت و خلافت ابوبکرؓ کا نہ جاننا عجیب ماجرا ہے کہ بیان میں نہیں آتا۔

❋ طعن دہم۔ یہ کہ ابوبکرؓ نے کہا کہ لَسْتُ بِخَیْرِکُمْ وَعَلِیٌّ فِیْکُمْ (میں علیؓ کے ہوتے تم میں بہتر نہیں ہوں) پس اگر وہ اس قول میں اپنے سچے ہیں تو قابلِ امامت نہیں۔ اِس واسطے کہ افضل کے ہوتے مفضول لائقِ امامت نہیں ہوتا۔ اور اگر جھوٹے ہیں تو بھی لائقِ امامت نہیں اس لئے کہ کاذب فاسق ہوتا ہے وَالْفَاسِقُ لَا یَصْلُحُ لِلْاِمَامَۃِ (فاسق لیاقت امامت کی نہیں رکھتا)۔

❋ جواب۔ اوّل تو یہ روایت کسی کتاب میں اہلِ سُنّت کے نہیں ہے نہ بطریقِ صحیح نہ بطریقِ ضعیف۔ پس پہلے تو اہلِ سنت کی کتابوں سے اِس روایت کو نکالنا چاہیے پھر جواب مانگنا چاہیے۔ اور شیعوں کی افترا پر اہلِ سُنّت کا الزام چاہنا بڑی نادانی ہے۔ دوسرے اگر یہ روایت موافق قول شیعہ کے ہم مان بھی لیں تو کہیں گے کہ حضرت امام ہمام زین العابدین سجادؓ نے صحیفۂ کاملہ میں جو ان کے نزدیک بطریقِ صحیح متعدد مروی ہے فرماتے ہیں اَنَا الَّذِیْ اَفْنَتِ الذُّنُوْبُ عُمُرَہٗ (میں وہ شخص ہوں جس کی عمر گناہوں میں تمام ہوئی) اگر وہ اس قول میں سچے ہیں تو قابلِ امامت کے نہیں لِاَنَّ الْفَاسِقَ الْمُرْتَکِبَ لِلذُّنُوْبِ لَا یَصْلُحُ لِلْاِمَامَۃِ (اِس واسطے کہ جو بدکار کہ مرتکب گناہوں کا ہے لیاقت امامت کی نہیں رکھتا) اور اگر جھوٹے ہیں تب بھی قابلِ امامت نہیں وَالْفَاسِقُ لَا یَصْلُحُ لِلْاِمَامَۃِ (کیونکہ فاسق امامت کے لائق نہیں ہوتا)۔ اب شیعہ ضرور کچھ جواب میں کہیں گے وہی جواب اہلِ سنّت کی طرف سے ابوبکرؓ کے حق میں قبول فرمائیں ہم کیوں دردِ سر بڑھائیں۔

اور اِس روایت میں بعضے علماء شیعہ کے لفظ اَقِیْلُوْنِیْ اَقِیْلُوْنِیْ بھی بڑھاتے ہیں۔ (یعنی بیعت مجھ سے لوٹا لو بیعت مجھ سے لوٹا لو) کہ تکرار واسطے تاکید کے ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ امامت سے استعفا دیتے تھے۔ پس جو امامت سے استعفا دے وہ قابلِ امامت نہیں۔ اور تعجب ہے کہ خود شیعہ معتقد اس کے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے رسالت اور نبوّت سے استعفا دیا اور حضرت ہارونؑ پر ٹالا۔ اگر بالفرض ابوبکرؓ کا استعفا امامت کے معاملہ میں ثابت بھی ہو تو کیا مثل حضرت موسیٰؑ کے ہوگا، بلکہ اُس سے زیادہ ہلکا پھلکا۔ اِس وجہ سے کہ استعفا رسالت و نبوّت کا باوجود خاص خطابِ الٰہی کے جو بلا واسطہ تھا سخت قبیح ہے اور استعفا ابوبکرؓ کا امامت سے کیا اکیلا

قباحت رکھتا ہے کہ بقولِ شیعہ اور لوگوں نے بسبب پرخاشِ انصار اور سامان لڑائی مُرتدوں سے اور حفاظت مدینے کے شر اعراب سے اور بنظر مصلحت وقت کے اُن کو امام مقرر کر دیا تھا خدا کی طرف سے نہ تھا۔ کیونکہ جو ریاست کہ لوگ کسی کو دیں اُس کا قبول کرنا یا ہمیشہ اس پر قائم ہی رہنا کیا ضروری ہے۔

اور مشقتیں امامت اور خلافت کی دنیا میں اُٹھانا اور نیز عقبے میں بڑی مشکل کی بات ہے اوّل دفعہ ہیں جو ابوبکر صدیق رضؓ نے اس منصبِ دشوار کو قبول کیا تھا تو خاص واسطے قطع جھگڑے انصار کے تھا جب وہ فتنہ دب گیا تو چاہا کہ اپنا بوجھ ہلکا کردوں اور کسی کی گردن پر ڈالوں اور خود فارغ البال زندگی گزاروں۔

اس موقع سے معلوم ہوا کہ موافق روایاتِ شیعہ کے بھی ابوبکر رضؓ طامع ریاست اور امامت کے نہ تھے، اور خود اُس کو اپنے اُوپر سے ٹلاتے تھے مگر لوگ اس ٹالنے کو نہیں مانتے تھے۔ اور اعلیٰ سے ادنیٰ تک نے اس منصب کو زبردستی اُن کے گلے لگایا ورنہ یہ بات زبان پر لانا اس کی کیا گنجائش۔ اگر بادشاہ دُنیا کے کہ مطلق طاقت سلطنت کی نہ رہی ہو بلکہ اندھے بہرے ہوگئے ہوں اور کوئی لذت دنیا کی سوائے حکومت گنتی کے آدمیوں کی سلطنت سے اُن کو نصیب نہ ہو اُن سے ہم کہیں کہ یہ منصب اپنی کسی محبوب ترین اولاد کو چھوڑ دو تو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ بلکہ گاؤں گاؤں اور محلے محلے کے رئیسوں میں بھی بخل و حسد دیکھنے میں آتا ہے۔ پھر کیا ٹھکانا اُس ریاست کا جو حضرت ابوبکر رضؓ کے ہاتھ آئی تھی اور عزت دنیا و آخرت کی نصیب ہوتی تھی ایسی عزیز چیز کو خود پھینکنا اور دوسرے کو دینا نہایت بے طمعی اور زہد اس سے ظاہر ہے۔ اور یہی کتبِ شیعہ میں صحیح روایتوں سے ثابت مروی ہے کہ حضرت امیر رضؓ بھی بعد قتل حضرت عثمان رضؓ کے خلافت قبول نہیں کرتے تھے۔ بڑی خوشامد اور مبالغہ مہاجر و انصار سے قبول فرمائی تھی۔ اگر ابوبکر رضؓ نے بھی ایسے ہی ناز و کرشمے اظہارِ محبت اور اقرار کرانے کو لوگوں کی نسبت اپنے کمال کے منظور رکھے ہوں تو کیا عجب اور منصب امامت میں اُن کے کیا قصور۔

✺ طعنِ یازدہم۔ یہ کہ ابوبکر رضؓ کو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے سورۃ برات مکہ میں پہنچانے کے لئے روانہ کیا، جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ برأت حوالے علی رضؓ کے کرو ابوبکر رضؓ سے لیلو۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضؓ کے پیچھے علی رضؓ کو روانہ کیا اور کہا کہ برأت کو جو دوسرا تیرا ہے اُس سے لے لے اور اہلِ مکہ پر پڑھ۔ پس جو شخص کہ اس قابل نہیں کہ قرآن کے ایک حکم کو ادا کر سکے وہ حقوق خلق اللہ اور جملہ احکام شریعت و قرآن کے ادا کرنے میں کیونکر امین ہو سکے گا اور امام بن سکے گا۔

✺ جواب۔ اس روایت میں عجب خبط و غلط واقع ہوا ہے۔ وہ مثل ہے جو کسی نے کہی ہے شعر:۔

چہ خوش گفتہ است سعدیؒ در زلیخا | | اَلَا یَا اَیُّهَا السَّاقِیُ اَدِرْ کَاْسًا وَّنَاوِلْهَا

یا دہ استفتاء۔ جو مشہور ہے کہ ختنِ وختین معاویہ کی تینوں لڑکیوں کا کیا حکم ہے۔

تفصیل اس مقدمہ کی یہ ہے کہ روایتیں اہلِ سنت کی اس قصہ میں مختلف ہیں۔ اکثر اس مضمون کے ساتھ وارد ہیں کہ ابوبکر رضؓ کو واسطے امارتِ حج کے مقرر فرما کر روانہ کیا تھا نہ کہ سورۃ برأت پہنچانے کو بعد اس کے سورۃ برأت نازل ہوئی تو حضرت امیر رضؓ کو سورۃ برأت پہنچانے کو بھیجا کہ اُس میں مشرکوں سے عہد توڑنا نازل ہوا تھا تاکہ حضرت امیر رضؓ احکام تازہ کو پہنچائیں۔ اس صورت میں عزل ابوبکر رضؓ کا مطلق نہیں ہوتا بلکہ یہ دونوں آدمی دو امر مختلف پر مقرر تھے۔ پس اس روایت میں خود شیعہ کو ٹھکانا تمسک کا نہ رہا کہ مدار اُس کا عزلِ ابوبکر رضؓ پر ہے۔ اور جب اس خدمت کا نصب ہی نہ تھا تو عزل کس طرح ہوگا۔ بیضاوی اور مدارک اور زاہدی اور تفسیر نظام نیشاپوری اور جذب القلوب اور مشکوٰۃ میں یہی روایت اختیار کی گئی ہے۔ اور یہی روایت اہلِ حدیث کے نزدیک سب سے فائق ہے۔ البتہ معالم اور حسینی اور روضۃ الاحباب اور حبیب السیر اور مدارج سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضؓ کو اس سورت کے پڑھنے کا حکم دیا تھا بعد اس کے علی مرتضےٰ رضؓ کا نام اس کام پر رکھا لیکن اور اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ابوبکر رضؓ کو اس خدمت سے عزل کر کے علی مرتضےٰ رضؓ کو بجائے اُن کے مقرر فرمایا۔ دوسرے یہ کہ علی مرتضےٰ رضؓ کو ان کا شریک کیا تو دونوں اس خدمت میں قدم بڑھائیں۔ چنانچہ روایات روضۃ الاحباب و بخاری و مسلم اور دوسرے تمام محدثوں کی اسی احتمال کو قوت بخشتی ہیں۔ اس واسطے کہ انھوں نے باجماع روایت کی ہے کہ ابوبکر صدیق رضؓ نے ابوہریرہ رضؓ کو قربانی کے دن مع دوسری جماعت کے جو علی مرتضےٰ رضؓ کی متعینہ تھی فرمایا کہ منادی کر دو لَا یَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَّلَا يَطُوْفُ الْبَيْتَ عُرْيَانٌ (اس سال کے بعد کوئی مُشرک حج نہ کرے اور خانہ کعبہ کا طواف کوئی ننگا نہ کرے) ان روایتوں سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق رضؓ اس خدمت سے معزول نہیں ہوئے تھے ورنہ غیر کی خدمت میں دخل نہیں کرتے اور منادی لوگ مقرر نہ فرماتے۔ چنانچہ اس صورت میں بھی تمسک شیعہ کا باقی نہ رہا اس لئے کہ عزل ہی نہیں ہوا۔

اب ہم احتمالِ اوّل بیان کرتے ہیں کہ ظاہر لَا يُؤَدِّيْ عَلَيَّ اِلَّا رَجُلٌ مِّنِّيْ (جو چیز میرے ذمہ ہے اُس کو ادا نہ کرے گا مگر وہ شخص جو مجھ سے ہوگا) اُس کو قوت بخشتا ہے۔ اور نیز حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ ابوبکر رضؓ سے لے لے اور تو پڑھ، درصورت صحیح ہونے کے مؤید اس کا ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ عزل اس وجہ سے نہ تھا کہ ابوبکر رضؓ اس کے لائق اور قابل نہ تھے۔ کیونکہ بالاجماع ثابت ہے کہ ابوبکر رضؓ امارتِ حج سے معزول نہیں ہوئے اور جب لیاقت سرداری حج کی جس کے درمیان میں کئی لاکھ مسلمانوں کی عبادتوں کی اصلاح ہے جس کو بہت سے احکام ادا کرنا اور خطبے پڑھنا اور بہت سے مسائل تعلیم کرنا اور ہر امر میں فتویٰ دینا

ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے وقائع اور حوادث جو اُس انبوہ کثیر میں پیدا ہوتے ہیں جن کو حاجت بڑے اچھا اور بہت سے علم کی پڑتی ہے ہرگاہ یہ سب ابوبکرؓ کے واسطے ثابت ہوتے تو لیاقت چند آیات با آواز بلند پڑھنے کی جس کو ہر قاری وحافظ سرانجام دے سکتا ہے کیونکر نہیں اُن کو ثابت ہوگی۔ اور خطبے ابوبکرؓ کے اور صفت اقامت حج کی کہ ابوبکرؓ سے اُس وقت ظاہر ہوئی، صحیح نسائی اور دیگر حدیث کی کتابوں میں گن گن کر سب نے لکھی ہے۔ اور تمام اہلِ تاریخ کے اجماع سے ثابت ہے کہ علی مرتضٰےؓ اس سفر میں پیروی ابوبکرؓ کی فرماتے رہے ام انہی کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور مناسکِ حج میں بھی ان کی متابعت کرتے تھے۔ اور یہ بھی کتبِ سیر اور احادیث سے ثابت و صحیح ہے کہ جب علی مرتضٰےؓ مدینہ سے روانہ ہوئے بہت جلدی قطع مسافت کرکے ابوبکرؓ کے پاس پہنچے۔ ابوبکرؓ نے آواز ناقۂ رسولِ خدا کی سُنی تو بے چین ہوگئے اور گمان کیا کہ شاید رسولِ خدا خود حج ادا کرنے کو تشریف لائے ہیں لہٰذا تمام لشکر کو کھڑا کیا اور توقف فرمایا۔ بعد ملاقات حضرت علیؓ سے پوچھا کہ اَنْتَ اَمِیْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ (تم امیر ہو اور میں امارت سے معزول ہوں یا تم تابع و مامور ہو اور میں امیر ہوں)۔ علی مرتضٰےؓ نے جواب میں کہا کہ میں مامور ہوں۔ اور قبل روز ترویہ سے خطبہ پڑھا اور تعلیم مناسکِ حج کی موافق قاعدہ اہلِ اسلام کے شروع کی۔ پس ضرور یہ عزل ابوبکرؓ کا کہ چند آیاتِ قرآنی پہنچانے میں واقع ہوا ایک خاص وجہ سے تھا نہیں تو مقرر کرنا ابوبکرؓ کا ایسے کام میں کہ بڑا جلیل القدر تھا اور عزل ایسے کام سہل سے صریح خلاف عقل کے ہے ہرگز پیغمبرؐ سے کہ سب سے بڑھ کر عقیل تھے واقع نہیں ہوسکتا تھا پھر کیا ممکن تھا کہ حکمِ الٰہی ہی خلاف حکمت کے نازل ہو، مَعَاذَ اللہِ مِنْ ذٰلِکَ۔ اور وہ وجہ یہ ہے کہ عرب کی عادت تھی کہ عہد کرنے یا توڑنے اور صلح اور لڑائی کی بنیاد رکھنے میں بلاواسطہ سردار قوم کے یا جو حکم سردار کا رکھتا ہو، مثلاً بیٹا یا بھائی یا داماد کے عمل نہیں کرتے تھے۔ دوسرا شخص کیسی ہی بزرگی رکھتا ہو اُس کے قول و فعل کو خاطر میں نہیں لاتے تھے نہ معتبر جانتے تھے۔ بلکہ اب بھی یہی رائج اور جاری ہے کہ جب سلاطین و اُمراء اور زمینداروں میں بابت ملک یا سرحد کے جھگڑا پڑتا ہے تو دونوں طرف سے وزیر و امیر اور فوج و لشکر جنگ و جدال سعی و تلاش اور جد و کد کرتے ہیں اور جب نوبت عہد و پیمان اور قول و قسم کی پہنچتی ہے تو جب تک شہزادوں کو بطور تورہ (حکمِ شاہی) کے نہیں بلا لیتے اور اُن کی زبان سے یہ مضمون نہیں کہلا لیتے ہیں معتبر نہیں جانتے ہیں۔

اور جو ہم سوچتے ہیں کہ ایسے انبوہ کثیر میں سورۂ برأت کا پڑھنا کہ منیٰ میں واقع ہوتا ہے اور بقدر چھ لاکھ آدمی کے اُس میدانِ وسیع میں جمع ہوتے ہیں ہر شخص کے کان میں آواز پہنچانا محتاج ہے بڑی گردشِ سخت اور محنتِ شدید اور بلند کرنے آواز کا متصل ہر خیمے کے اور ہر منزل اور ہر بازار میں پس

امیرِ حج سے یہ کام نہیں ہو سکتا اِس واسطے کہ وہ مشغول خبرداری اعمالِ حج اور فتنہ و فساد کی نگہبانی اور احرامِ حج کے بگڑنے اور بُرائیاں حج کی خیال کرنے میں رہے۔ لہٰذا اِس کام کے واسطے دوسرا آدمی ہوا اور جو یہ بھی بڑا کام اور مہماتِ عظیمہ سے ہے، لابد وہ شخص بھی عظیم القدر بلند مرتبہ ہو مثل ابوبکرؓ کے، اس واسطے جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کام کے واسطے علی مرتضٰےؓ کو امیر مقرر کیا اور ابوبکرؓ کو حج پر تاکہ دونوں مہم بخوبی سرانجام پائیں اور لوگوں کے نزدیک بھی دونوں مہمیں مقصود بالذات جانی جائیں۔ اور اگر ابوبکرؓ کی منادیوں پر اکتفا فرماتے تو لوگوں کو گمان ہوتا کہ معاملہ عہد و پیمان کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک چنداں ضروری نہ تھا جب ہی تو اِس کام کے واسطے کوئی شخص مستقل مقرر نہ فرمایا۔

یہاں ایک لطیفہ اور بھی ہے کہ اہلِ سُنّت کے مدققوں نے اُس کا سراغ لگایا ہے اور مقصودِ دلی حاصل کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ابوبکرؓ مظہر صفتِ رحمتِ الٰہی تھے۔ لہٰذا اُن کی شان میں فرمایا اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ (بڑا مہربان میری اُمت میں میری امت پر ابوبکرؓ ہے) پس کام مسلمانوں کا کہ مورد رحمتِ الٰہی ہیں اس کو اُن کے حوالہ کیا۔ اور علی مرتضٰےؓ کہ شیرِ خدا مظہر جلال و قہرِ الٰہی تھے کافر کُشی شیوہ اُن کا تھا، کافروں کی عہد شکنی کو کہ موردِ قہر و غضب ہے اُن کے ذمے کیا۔ تو صفاتِ جلال و جمالِ الٰہی اُس مجمعِ عظیم میں کہ نمونۂ محشر اور موردِ مسلمان اور کافر کا تھا ان دو فواروں دریائے بے پایان صفاتِ حقانی سے جوش کرے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ ابوبکر صدیقؓ بھی اِس کام میں علی مرتضٰےؓ کے مددگار تھے۔ بخاری میں ابوہریرہؓ سے روایت موجود ہے کہ اُن کو دوسری جماعت علی مرتضٰےؓ کے ساتھ کیا اور خود بھی کبھی کبھی اِس خدمت میں شریک ہوئے۔ چنانچہ ترمذی میں حاکم سے بروایت ابن عباسؓ ثابت ہے کَانَ عَلِیٌّ یُنَادِیْ فَاِذَا اَعْیٰی قَامَ اَبُوْبَکْرٍ فَنَادٰی بِھَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ فَاِذَا بَحَّ قَامَ اَبُوْھُرَیْرَۃَ فَنَادٰی بِھَا۔ (حضرت علیؓ منادی کرتے تھے جب وہ تھک جاتے تھے تو ابوبکرؓ کھڑے ہوتے تھے اور وہ ندا کرتے تھے اُن کلمات کے ساتھ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب اُن کی آواز بیٹھ جاتی تھی تو ابوہریرہؓ کھڑے ہوتے تھے اور اُنہی کلمات سے ندا کرتے تھے)۔

بالجملہ وجہ عزل ابوبکرؓ کی یہی تھی کہ عہد شکنی کو موافق عادت عرب کے کہ سردار یا اُس شخص کو جو حکم سردار میں ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا بخوبی ظاہر کر دی جائے تاکہ آئندہ عربوں کو مجال عذر کی نہ رہے کہ ہم کو موافق ہماری رسم و قاعدے کے آگاہی نہ ہوئی تاکہ ہم اپنی راہ اختیار کرتے اور تدبیر کر لیتے۔ اور یہ وجہ معالم اور زاہدی اور بیضاوی اور شرح تجرید اور شرح مواقف اور صواعق محرقہ اور شرح مشکوٰۃ اور

دیگر کتب اہل سنت میں مذکور و مسطور ہے۔ اسی واسطے جب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں جد مصالحت اُن انصار کو جو فن کتابت میں پوری مہارت رکھتے تھے عہدنامہ لکھنے کو بلایا تو سہیل بن عمر نے جو مشرکوں کی طرف سے مصالحت کو آیا تھا کہا یا محمد یہ عہدنامہ تمہارے چچیرے بھائی علی رض کو لکھنا چاہیے۔ اور اُس کا لکھنا قبول نہ کیا۔ چنانچہ مدارج و معارج اور دیگر کتب سیر میں مرقوم ہے۔

❊ **دوسرا جواب**۔ ہم نے مانا کہ ابوبکر رض کو تبلیغ برأت سے عزل فرمایا لیکن عزل ایسے شخص کا کہ صاحب عدالت ہو اور ہزار جگہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و آیات قرآنی اُس کی عدالت پر گواہی دیں تو بنظر کسی مصلحت جزئیہ کے اُس کی نسبت اس بات پر دلیل نہیں ہو سکتا کہ اُس میں صلاحیت ریاست کی نہ تھی۔ خصوصاً جس خدمت سے کہ معزول ہوا ہے اُس میں کوئی کوتاہی اور خیانت اُس سے نہ ہوئی ہو۔ کیونکہ حضرت امیر رض نے عمر بن ابی سلمہ کو جو ربیب خاص (گیلڑ) حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اور حضرت امیر رض کے با اخلاص شیعہ تھے اور بڑے عابد و زاہد اور امین اور فقیہ اور متقی تھے ان کو ولایت بحرین سے معزول فرما کر اُن کو نامہ عذر کا لکھا کہ کتب صحیحہ بلکہ اصح الکتب شیعہ میں جو نہج البلاغت ہے موجود ہے:-

اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ وَلَّیْتُ النُّعْمَانَ بْنَ عَجْلَانَ الزُّرَقِیَّ عَلَی الْبَحْرَیْنِ وَنَزَعْتُ یَدَكَ بِلَا ذَمٍّ لَّكَ وَلَا تَثْرِیْبٍ عَلَیْكَ فَقَدْ اَحْسَنْتَ الْوِلَایَةَ وَاَدَّیْتَ الْاَمَانَةَ فَاَقْبِلْ غَیْرَ ظَنِیْنٍ وَلَا مَلُوْمٍ وَلَا مُتَّهَمٍ وَلَا مَاْثُوْمٍ۔

بعد اس کے میں نے والی کیا نعمان بن عجلان زرقی کو بحرین پر اور نکال لیا میں نے تیرے ہاتھ کو بدون مذمت اور بغیر الزام کے کہ تجھ پر کچھ نہیں۔ حالانکہ تو نے اچھی حکومت کی اور امانت ادا کی پس متوجہ ہو بغیر اس کے کہ تجھ پر میں بدگمان ہوا ہوں اور نہ ملامت نہ تہمت نہ نسبت گناہ کی کی۔

اور بالیقین ثابت ہے کہ عمر رض بن ابی سلمہ نعمان بن عجلان زرقی سے افضل تھا دین کی راہ سے بھی اور حسب و نسب کی راہ سے بھی۔ اور اس نے ولایت کو بخوبی سرانجام دیا تھا اور امانت کو کما حقہا ادا کیا اور اگر ابوبکر صدیق رض کو لیاقت اور قابلیت ادا کرنے ایک حکم قرآن کی نہ تھی اور امیر حج مقرر کرنا کہ بدرجہا اس سے مہم و اہم و اعظم ترہے تو اس رسالت کے ادا کرنے سے کیا معنے تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ بالاجماع معصوم ہیں کس طرح یہ بات صادر ہوتی۔

❊ **طعن دوازدہم**۔ یہ کہ ابوبکر رض نے فاطمہ رض کو اُن کے باپ کے ترکہ سے ورثہ نہ دیا۔ پس فاطمہ رض نے کہا اے ابن ابی قحافہ رض تو تو اپنے باپ سے میراث پائے اور میں اپنے باپ سے میراث نہ پاؤں یہ کونسا انصاف ہے۔ اور فاطمہ رض کے مقابلہ میں ایک آدمی کی یعنے خود کی روایت سے حجت کرنے لگے۔ اور کہا کہ میں نے رسول خدا سے

سُنا ہے کہ ہم لوگ کہ پیغمبر کے فرقہ سے ہیں نہ کسی سے میراث لیتے ہیں نہ کوئی ہم سے میراث لیتا ہے۔ حالانکہ یہ خبر صحیح نص قرآن کے خلاف ہے یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (وصیت کرتا ہے تم کو اللہ اولاد کے حق میں کہ مرد کا عورت سے دوگنا حصہ ہے) کہ یہ نص عام ہے نبی اور غیر نبی سب کو شامل ہے۔ نیز دوسری نص بھی اُس کے مخالف ہے وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ (اور وارث ہوئے سلیمان داؤد کے) یا فرمایا وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ (اور بخش تو اپنے پاس سے مجھ کو کوئی ولی کہ وارث ہو میرا اور وارث ہو آل یعقوب سے) پس معلوم ہوا کہ انبیاء بھی وارث ہوتے ہیں اور اُن کے وارث بھی اُن سے میراث پاتے ہیں۔

❊ **جواب**۔ اس طعن کا یہ ہے کہ ابوبکر رض نے جو منع میراث کا حضرت فاطمہ رض سے کیا محض بسبب سُننے اس نص پیغمبر کے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی نہ کہ بسبب عداوت و بغض فاطمہ رض کے اس دلیل سے کہ اگر میراث ٹھہرتی تو ازواج مطہرات رض کو بھی ترکہ پیغمبر سے حصہ پہنچتا اور عائشہ رض ابوبکر رض کی دختر بھی ازواج سے تھیں پس اگر ابوبکر رض کو فاطمہ رض سے بغض و عداوت تھی تو ازواج مطہرات رض اور اُن کے باپ بھائی خصوصاً خود اپنی لڑکی کہ حضرت عائشہ رض تھیں ان سے کیا عداوت تھی جو سب کو محروم المیراث کیا۔ اور نیز قریب نصف ترکہ کے کہ حضرت عباس رض کو جو آپ کے چچا تھے اُن کو پہنچتا تھا۔ پس اس صورت میں کہ عباس رض ابتدائے خلافت سے ابوبکر رض کے رفیق و مشیر تھے اُن کو کیوں محروم المیراث کیا۔ اور جو کہا ہے کہ فقط ایک شخص یعنے خود اپنی روایت سے حضرت فاطمہ رض کو جواب دیا تو یہ محض جھوٹ ہے۔ کیونکہ یہ خبر کتب اہل سنت میں موافق روایت حذیفہ رض بن الیمان اور زبیر رض بن عوام اور ابودردا رض اور ابوہریرہ رض اور عباس رض اور علی رض اور عثمان رض اور عبدالرحمن رض بن عوف اور سعد بن ابی وقاص رض کی صحیح و ثابت ہے کہ یہ سب بزرگترین صحابہ رض ہیں۔ اور بعض ان میں سے مبشر بہ بہشت تھے۔ اور ملا عبداللہ مشہدی نے حذیفہ رض کے حق میں کتاب اظہار الحق میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے کہ مَا حَدَّثَكُمْ بِهٖ حُذَیْفَةُ فَصَدِّقُوْهُ (حذیفہ رض جو بات تم سے کہے اُس کو سچ جانو) اور ان میں سے علی مرتضے بھی ہیں کہ باجماع شیعہ معصوم اور باتفاق اہل سنت صادق ہیں اور عائشہ رض اور ابوبکر رض اور عمر رض کی روایت کا اس موقع پر اعتبار نہیں ہے:-

اَخْرَجَ الْبُخَارِیُّ عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ النَّصْرِیِّ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ بِمَحْضَرٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ فِیْهِمْ عَلِیٌّ وَالْعَبَّاسُ وَعُثْمَانُ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ

بخاری نے مالک بن اوس بن حدثان النصری سے روایت کی کہ عمر رض بن خطاب نے ایک مجمع میں کہا جس میں صحابہ یعنے علی رض اور عباس رض اور عثمان رض اور عبدالرحمن بن عوف رض

وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ أُنْشِدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِي بِإِذْنِهٖ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ قَالُوا اللّٰهُمَّ نَعَمْ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلٰى عَلِيٍّ وَالْعَبَّاسِ فَقَالَ أُنْشِدُكُمَا بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ ذٰلِكَ قَالَا اللّٰهُمَّ نَعَمْ۔

اور زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص جمع تھے کہ قسم دیتا ہوں میں تم کو اُس خدا کی جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ تم جانتے ہو کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے واسطے میراث نہیں جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے، سب نے کہا اے بارِ خدایا ایسا ہی ہے۔ پھر وہ متوجہ ہوئے علیؓ اور عباسؓ کی طرف اور کہا تم کو قسم دیتا ہوں خدا کی آیا تم جانتے ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے، ان دونوں نے کہا اے بارِ خدایا ایسا ہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ خبر بھی قطعی ہونے میں برابر آیت کے ہے اس واسطے کہ یہ جماعت جن کے نام لئے گئے ہیں اُن میں سے ایک کی خبر بھی مفید یقین ہے نہ کہ یہ جماعتِ کثیر، خصوصاً علی مرتضےٰؓ کہ شیعہ کے نزدیک معصوم ہیں اور روایت معصوم کی برابر قرآن کے ہے اُن کے نزدیک حق یقین ہیں۔ اور قطع نظر ان سب کے یہ روایت کتبِ شیعہ میں بھی امام معصومؑ سے موجود ہے:۔

رَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ الرَّازِيُّ فِي الْكَافِي عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ الصَّادِقِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ إِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَذٰلِكَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرِثُوا وَفِي نُسْخَةٍ لَمْ يَرِثُوا دِرْهَمًا وَلَا دِيْنَارًا وَإِنَّمَا أَوْرَثُوا أَحَادِيْثَ مِنْ أَحَادِيْثِهِمْ فَمَنْ أَخَذَ بِشَيْءٍ مِنْهَا فَقَدْ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔

روایت کی محمد بن یعقوب رازی نے کافی میں ابی البختری ابی عبد اللہ جعفر بن محمد صادق علیہ السلام سے کہا بیشک علماء وارث انبیاءؑ کے ہیں اور یہ بات اس سبب سے ہے کہ انبیاءؑ میراث نہیں چھوڑتے ہیں۔ اور ایک نسخہ میں ہے کہ انھوں نے میراث نہیں پائی ہے درم و دینار سے، پس اُن کی یہی چند باتیں (حدیثیں) اپنی باتوں (حدیثوں) سے میراث ہیں جس نے ان باتوں سے کچھ حاصل کیا پس اس نے بڑا حصّہ پایا۔

اِس حدیث میں کلمہ اِنَّمَا موافق اقرار شیعہ کے حصر کے واسطے ہے جیسا کہ آیت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ میں گزرا۔ غرض معلوم ہوا کہ سوائے علم و حدیثوں کے کوئی چیز کسی کو نہیں دی ہے۔ پس ثابت ہوا مدعا موافق روایت معصومؑ کے۔

نیز خبر پیغمبرؐ کی جس نے بلا واسطہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی، ہو اُس کے حق میں مفید علم یقینی کی ہے بلا شبہ۔ پس اپنے سُنے ہوئے پر عمل کرنا واجب ہے، چاہے دوسرے سے سُنے یا نہ سُنے۔ اور سب شیعہ اور سُنی اصول والے اس پر متفق ہیں کہ تقسیم خبر کی متواتر اور غیر متواتر کی نسبت اُن لوگوں کے ہے جنھوں نے نبیؐ کو نہ دیکھا ہو، اور اوروں کے واسطے سے اُس کو سُنا ہو نہ کہ اُن لوگوں کے حق میں جنھوں نے نبیؐ کو دیکھا بھی اور بے واسطہ اُن سے کوئی خبر بھی سُنی کہ یہ خبر اُس کے حق میں حکمِ متواتر رکھتی ہے بلکہ متواتر سے بڑھ کر ہے۔ اور جب یہ خبر ابوبکرؓ نے خود سُنی تھی تو حاجت تفتیش کی نہ تھی کہ کسی دوسرے سے جُستجو کرتے۔

اب ہم اِس بات کو ثابت کرتے ہیں جو شیعہ کہتے ہیں کہ یہ خبر مخالف آیت کے ہے یہ بھی جھوٹ ہے کیونکہ کمؔ سے خطاب اُمت کی طرف ہے نہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ پس یہ خبر مبین تعین خطاب ہے نہ کہ مخصص اُس کے۔ اور اگر مخصص بھی ہو تو تخصیص آیت کی لازم آئے گی مخالف کیونکر ہو جائے گی اور آیت نے بہت جگہ تخصیص پائی ہے۔ مثلاً اولاد کافر کی وارث نہیں ہے۔ اور رقیق وارث نہیں ہے اور قاتل وارث نہیں ہے۔ اور شیعہ بھی اپنے ائمہؑ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے باپ کے بعض وارثوں کو اپنے باپ کے بعض ترکہ سے منع کیا ہے اور خود لیا ہے۔ جیسے تلوار اور قرآن شریف اور انگوٹھی اور پوشاک بدنی باپ کی اُس خبر کے ساتھ کہ جس کے راوی تنہا خود ہی ہیں کہ ابھی تک عصمت اُس خبر کی اہلِ سُنت کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔ اور دلیل ثبوت و صحت اس خبر کی بلکہ تمام اہلِ بیت پر حضرت امیر المومنینؓ سے لے کر آخر تک یہ ہے کہ جب ترکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے قبضہ میں پڑا تو حضرت عباسؓ اور اُن کی اولاد سب کو خارج کیا اور دخل نہ دیا۔ اور ازواج کو بھی اُن کا حصہ نہ دیا۔ پس اگر میراث ترکہ پیغمبرؐ میں جاری ہوتی تو یہ بزرگوار کہ شیعہ کے نزدیک معصوم ہیں اور اہلِ سنت کے نزدیک محفوظ ہیں کس طرح یہ حق تلفی صریح روا رکھتے۔ کیونکہ باجماع اہلِ سیر اور تواریخ والوں اور علمائے حدیث کے ثابت اور طے شدہ ہے کہ متروکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیبر اور فدک وغیرہ سے عمرؓ بن خطاب کے عہد میں حضرت علیؓ اور عباسؓ کے اختیار میں تھا۔ حضرت علیؓ نے عباسؓ پر غلبہ کیا اور بعد علی مرتضےٰؓ کے حسن بن علیؓ ان کے بعد حسین بن علیؓ پھر علی بن حسینؓ اور حسن بن حسنؓ کے ہاتھ آیا کہ دونوں اُس میں تداول کرتے ہیں یعنے ایک سے دوسرے کے اختیار میں جاتا تھا۔ ان کے بعد زیدؓ بن حسن بن علی برادر حسن بن حسنؓ کے متصرف ہوئے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پھر مروان کے قبضے میں کہ وہ امیر تھا پڑا اور مروانیوں کے اختیار میں رہا حتّٰی کہ نوبت خلافت عمر بن عبد العزیزؒ کی پہنچی۔ یہ ایک شخص عادل تھا اُس نے کہا کہ میں اُس چیز کو

جس کے لینے سے پیغمبرِ خدا نے حضرت فاطمہؓ کو منع کیا اور روا نہ رکھا اور نہ دیا نہیں لوں گا، میرا اُس میں کچھ حق نہیں ہے میں اُس کو پھیرتا ہوں، پس اُس کو اولادِ فاطمہ علیہا السلام پر لوٹا دیا۔ پس بعمل ائمہ معصومینؑ کے اہلِ بیت سے معلوم ہوا کہ ترکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میراث نہ تھا نہ حکم میراث اُس میں جاری ہوا۔ آیتِ میراث نے حدیث مذکور سے خصوصیت پائی۔

اب ہم اس آیت وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ کو جو دلالت اس بات پر کرتی ہے کہ انبیاءؑ بھی وارث رکھتے ہیں اور انبیاءؑ سے میراث بھی لیتے ہیں بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ حدیث قطعی اس کے مخالف ہے اور بروایتِ معصومین ثابت ہے ہم بھی اِس مشکل کے حل کرنے میں قولِ معصومؑ کی طرف رجوع کریں، اور شیعہ کی کتابوں کی طرف التجا لے جائیں: رَوَى الْكُلَيْنِيُّ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللهِ إِنَّ سُلَيْمَانَ وَرِثَ دَاوُدَ وَإِنَّ مُحَمَّدًا وَرِثَ سُلَيْمَانَ (روایت کی کلینی نے ابی عبداللہ سے بیشک سلیمانؑ وارث داؤدؑ کے ہوتے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وارث سلیمانؑ کے ہوتے) پس معلوم ہوا کہ یہ وراثت علم و نبوت اور کمالاتِ نفسانی سے ہے نہ کہ وراثتِ مال و متروکہ۔ اور قرینۂ عقلیہ بھی مطابق قول معصوم کے اسی وراثت پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ باجماع اہلِ تاریخ حضرت داؤدؑ کے اُنیس ۱۹ لڑکے تھے پس سب وارث آنحضرت (داؤدؑ) کے ہوتے ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ نے اختصاص و امتیاز حضرت سلیمانؑ میں یہ عبارت فرمائی کہ جو وراثت کہ ان سے اختصاص رکھتی ہے دوسرے بھائیوں کو اُس میں شرکت نہیں ہو سکتی۔ اور وہ وہی وراثت علم و نبوّت کی ہے کہ اور بھائیوں کو اس سے کچھ حاصل نہ تھا۔ اور یہ بھی خوب ظاہر ہے کہ ہر بیٹا میراث باپ کی لیتا ہے اور باپ کا وارث ہوتا ہے پھر اُس سے خبر دینا لغو محض ہے، اور کلام الٰہی مشتمل بر لغو نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت سلیمانؑ کو اُس چیز میں کہ جس میں تمام عالم شریک ہے شریک بیان فرمانا کونسی بزرگی کی بات ہے کہ حق تعالیٰ فضیلتیں اور تعریفیں اس وراثتِ عامّہ کی مذکور فرماتے۔ اِس کے علاوہ کلام آئندہ صریح ناطق ہے بآنکہ مراد وراثت سے وراثتِ علم ہے حیث قال: وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (اُس جگہ کہ فرمایا ہے اور کہا سلیمانؑ نے اے لوگو! سکھائی گئی مجھ کو پرندوں کی بولی)۔

اور اگر وہ یہ کہیں کہ وراثت علم کی مجازی ہے اور مال کی حقیقی تو لفظ کو حقیقت سے مجاز کی طرف کیوں لے جانا چاہیے۔ ہم کہتے ہیں ضرورت ہے تو یہ کہ قول معصومؑ کی تکذیب ہوتی ہے۔ اور اس کو بھی ہم نہیں مانتے کہ وراثت مال میں حقیقت ہے، بلکہ بسبب غلبہ استعمال کے جو عُرف فقہا میں ہے تخصیص پائی جیسے منقول باتیں عرفی اور درحقیقت اطلاق اُس کا وراثتِ علم و منصب سب پر صحیح ہے۔ پھر کہتے ہیں

ہم نے مانا کہ مجاز ہے لیکن مجاز مشہور و متعارف ہے خصوصًا استعمال قرآن میں اُس حد تک کہ حقیقت سے برابری کرتا ہے، ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتَابَ (پھر وارث کتاب کا کیا ہم نے اُن لوگوں کو جنھیں چھانٹا ہم نے اپنے بندوں سے۔ پس جانشین ہوئے بعد اُن کے ناکارہ خلفا وارث ہوئے کتاب کے)۔

رہی دوسری آیت یعنی يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ (وہ میراث لے مجھ سے اور میراث لے اولادِ یعقوبؑ سے) پس بصراحت عقلیہ یہ ہے کہ وہاں وراثت منصب سے مراد ہے قطعًا۔ کیونکہ اگر لفظ آلِ يَعْقُوبَ سے نفس ذات یعقوبؑ مراد ہو بطریق مجاز تو لازم آئے کہ مال یعقوبؑ کا ان کے زمانہ سے زمانہ حضرت زکریّاؑ تک کہ زیادہ دو ۲۰۰۰ ہزار برس سے گزرے تھے بے بٹا باقی تھا کہ بعد وفات حضرت زکریّاؑ کے تقسیم ہو اور حصہ حضرت یحییٰؑ کا حضرت یحییٰؑ کو پہنچے اور یہ بڑا مغالطہ ہے۔ اس لئے کہ اگر قبل وفات حضرت زکریّاؑ سے بٹا ہوا ہو تو وہ مال حضرت زکریّاؑ کا ہو گا اور يَرِثُنِي میں داخل ہوا۔ اور اگر آلِ یعقوبؑ سے اولادِ یعقوبؑ مُراد ہو تو لازم آئے کہ حضرت یحییٰؑ وارث تمام بنی اسرائیل کے ہوں کیا زندے کیا مُرے ہوئے کہ یہ مغالطہ پہلے مغالطہ سے بھی زیادہ فحش ہے۔ پس اِس آیت کو یہاں لانا کمال خوش فہمی اس فرقہ کی ہے۔

نیز حضرت زکریّاؑ نے دو لفظ فرمائے وَلِيًّا يَرِثُنِي۔ پس جنابِ الٰہی سے ولی مانگا کہ بصفت وراثت کے موصوف ہو پھر اگر خاص مراد وراثت علمی سے نہ ہو تو یہ صفت محض لغو پڑے جس کے ذکر میں کچھ فائدہ نہیں۔ اس واسطے کہ جملہ شریعتوں میں بیٹا وارث باپ کا ہے اور ولی کے لفظ سے بے تکلف وراثت مال کی سمجھی جاتی ہے۔ نیز نظرِ ہمت عالی ذات پاک انبیاءؑ میں کہ اس عالم بے ثبات کے تعلقات سے چھوٹی ہوئی ہیں، سوائے جناب حق جلّ و علیٰ کے غیر سے تعلق نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک بالکل متاع دنیا کی ایک جَو کے برابر نہیں خصوصًا حضرت زکریا علیہ السلام کہ نہایت آزادی و بے تعلقی کے ساتھ مشہور و معروف ہیں اُن کی عادت سے نہایت ہی محال ہے کہ مال و متاع کی وراثت سے جو ان کی نظر میں ذرا قدر نہیں رکھتی ڈریں اور اس سبب سے جنابِ خداوندی میں اپنا کلفت اندوہ اور ملال و خوف ظاہر کریں کہ یہ بات ظاہر جتاتی ہے کہ ان کو کمال محبت اور تعلق دِلی مال سے تھا۔ اور اگر حضرت زکریاؑ اس بات سے ڈرتے تھے کہ میرا مال میرے چچازادے بیجا خرچ کریں گے اور امورِ ممنوعہ میں لگائیں گے تو اوّل تو کچھ موقع ڈر کا نہ تھا۔ کیونکہ جب آدمی مرگیا اور بذریعۂ وراثت مال کے مال دوسرے کا ہو گیا تو صرف (خرچ) اُس مال کا بھی دوسرے کے ذمہ ہے خواہ بیجا اُٹھاتے خواہ بجا، مُردے کو اُس خرچ پر کچھ مواخذہ اور عتاب نہیں ہے۔ اس کے سا تھ اس

خوف کو جنابِ الٰہی میں عرض کرنا کیا ضرور۔ اور اس خوف کا دفع بھی ان کے قبضے میں تھا اپنی وفات سے قبل تمام مال للہ صدقہ اور خیرات کر دیتے اور اپنے باپ کے وارثوں کو زیان ونقصان میں چھوڑتے اور محروم رکھتے۔ اور انبیاءؑ کو اُن کی موت سے آگاہی دیدیتے ہیں۔ اس صورت میں یہ خوف بھی نہ تھا کہ ناگہانی مرگِ مفاجات سے مرجائیں۔ پس ضرور اس جگہ مراد منصب ہے کہ مبادا بنی اسرائیل کے شریر لوگ بعد میرے مستولی ہوکر احکام الٰہی میں تحریف کریں اور خدا کی شریعتوں کو بدل ڈالیں میرے علم کی نہ محافظت کریں نہ اُس کے موافق عمل ظہور میں لائیں اور فسادِ عظیم پھیلائیں۔ لہٰذا قصد ان کا بیٹا مانگنے سے جاری کرنا احکام الٰہی اور مروّج کرنا شریعت اور باقی رہنا نبوت کا اپنے خاندان میں ہے تاکہ موجب دوگنے اجر کا ہو اور مدّتِ دراز تک باقی رہے نہ کہ بُخلِ مال۔

بعض علمائے شیعہ یہاں بحث کرتے ہیں کہ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی میراث نہیں پاتا ہے تو ازواج کے حُجرے ازواج کی میراث میں کیوں دیتے۔ اس بحث کی غلطی خوب ظاہر ہے اس لئے کہ ازواج کا رہنا حُجروں میں بسبب ان کی ملکیت کے تھا کہ اُن کے اختیار میں تھا نہ کہ بسبب میراث کے۔ اسی دستور پر حضرت زہرؓا کا رہنا تھا اپنے حُجرے میں جو اُن کے قبضے میں تھا۔ اس واسطے کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حُجرے کو ہر زوجہ کے نام پر بنا کر اُن کے حوالہ کیا تھا۔ پس ہبہ مع قبض کے ثابت ہوا کہ موجب ملکیت ہے۔ بلکہ حضرت زہرؓا و حضرت اسامہؓ کے بھی ایسے ہی گھر بنا کر اُن کے حوالے کر دیئے تھے اور یہ سب اُن گھروں کی مالک تھیں، اور حضرتؐ کے حضور میں تصرف مالکانہ کرتی تھیں۔ اور دلیل اس دعوے پر یہ ہے کہ باجماع سُنّی وشیعہ کے ثابت ہے کہ جب حضرت امام حسن علیہ السلام کی وفات نزدیک پہنچی تو اُنھوں نے اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے اذن چاہا کہ مجھ کو بھی کسی جگہ اپنے جدِّ بزرگوار کے پڑوس میں دفن کے لئے جگہ دے دو۔ پس اگر حجرہ حضرت عائشہؓ کا اُن کی مِلک نہ تھا تو اذن چاہنا کیا معنے؟ اور دلالت ان کے مالک ہونے کی اپنے گھروں پر قرآن سے بھی سمجھی جاتی ہے کہ گھروں کو ازواجؓ سے نسبت کر کے ارشاد فرمایا ہے وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (قرار پکڑو اپنے گھروں میں) ورنہ مقام اِس بات کا تھا کہ فرمایا جاتا وَقَرْنَ فِیْ بَیْتِ الرَّسُوْلِ (قرار پکڑو گھر میں رسولؐ کے) اور بعض علماء شیعہ کے کہتے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو تلوار اور زرہ اور دُلدُل اور مثل اس کے کیوں حضرت امیرؓ کو دیا؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ دینا خود دلیلِ صریح ہے اس بات پر کہ متروکہ پیغمبرؐ میں میراث نہ تھی۔ کیونکہ حضرت امیرؓ کو کسی طرح میراث پیغمبرؐ کی نہیں پہنچتی تھی، اگر وارث ہوتے تو زہرؓا اور آزواجؓ اور عباسؓ وارث ہوتے۔ پس دینا حضرت امیرؓ کو اس سبب سے ہے کہ مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعد وفات حکم وقف کا

رکھتا ہے سب مسلمانوں کے واسطے، خلیفۂ وقت جس کو چاہے کسی چیز سے مخصوص کر دے۔ حضرت امیرؓ کو ان چیزوں کے لائق بلکہ الیق جان کر خلیفۂ اوّلؓ نے مخصوص کیا۔ اور بھی بعض چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ زبیرؓ بن عوام کو کہ وہ پھوپھی زاد بھائی تھے دیں۔ اور محمدؓ بن مسلمہ انصاری کو بھی دیں۔ پس تقسیم صریح دلیل اس کی ہے کہ توریث نہ تھی اور اس کو معرضِ شبہ میں لانا اہلِ سُنّت ہی کے واسطے دوسری دلیل بڑھانا ہے۔ شعر

عدو شود سبب رزق گر خدا خواہد || خمیر مایۂ دُکان شیشہ گر سنگ ست

یہاں ایک فائدۂ عظیم بھی جاننا چاہیئے کہ شیعہ ابتدا باب مطاعن ابوبکرؓ میں منع میراث کا لکھتے اور کہتے۔ لیکن جب عمل ائمہ معصومینؓ اور ان کی روایتوں سے عدم توریث پیغمبرؐ کی ثابت ہوتی تو دوسرا دعویٰ تراشا اور دوسری طعن نکالی کہ وہ طعن تیرہویں[۱۳] ہے۔

طعن سیزدہم[۱۳]۔ ابوبکرؓ نے فدک فاطمہؓ کو نہ دیا ہر چند کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ہبہ کیا تھا اور دعویٰ حضرت فاطمہؓ کا نہ سُنا اور گواہ شاہد طلب کئے۔ آپؓ حضرت علیؓ اور اُمِّ ایمنؓ کو گواہی کے واسطے لائیں۔ لیکن اُنھوں نے کہا کہ ایک عورت ایک مرد کی گواہی کافی نہیں ہے بلکہ ایک عورت اور چاہیئے۔ حضرت فاطمہؓ نہایت غصہ ہوئیں اور بولنا چھوڑ دیا۔ حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ (جس نے فاطمہؓ کو غصہ دلایا مجھ کو غصہ دلایا)۔

جواب۔ اس طعن کا یہ ہے کہ اہلِ سنّت کی کتابوں میں ہرگز موجود نہیں ہے کہ حضرت زہرؓا نے دعویٰ ہبہ کا کیا اور حضرت علیؓ اور اُمِّ ایمنؓ نے گواہی دی مع حسنینؓ کے کہ اس میں بھی اختلاف روایتوں کا ہے یہ سب مفتریاتِ شیعہ سے ہے۔ اس کو اہلِ سُنّت کے الزام میں لانا اور جواب چاہنا کمال بیوقوفی ہے، بلکہ اہلِ سُنّت کی کتابوں میں اس کے برخلاف ہے۔ مشکوٰۃ میں ابوداؤدؒ کی روایت سے مغیرہ لایا ہے یہ ہے کہ جب عمرؓ بن عبدالعزیز بن مروان خلیفہ ہوئے تو اُنھوں نے بنو مروان کو جمع کر کے کہا۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ فَدَكُ فَكَانَ يُنْفِقُ مِنْهَا وَيَعُوْدُ مِنْهَا عَلٰى صُغْرِ بَنِیْ هَاشِمٍ وَيُزَوِّجُ مِنْهَا اَيِّمَهُمْ وَاِنَّ فَاطِمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا سَاَلَتْهُ اَنْ يَّجْعَلَهَا لَهَا فَاَبٰى فَكَانَتْ كَذٰلِكَ فِیْ حَيٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

بیشک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے واسطے فدک تھا سو آپؐ اُس سے خرچ کرتے اور پہنچاتے تھے بنی ہاشم کے بچوں کو اور نکاح کر دیتے تھے بے شوہر عورتوں کا بیشک فاطمہؓ نے اُن سے سوال کیا کہ فدک اُنہی کے واسطے مقرر کر دیں آپؐ نے انکار کیا۔ پس ایسے ہی آپؐ کی زندگی بھر رہا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى مَضٰى بِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وَّلِيَ اَبُوْبَكْرٍ عَمِلَ فِيْهَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَيَاتِهٖ حَتّٰى مَضٰى بِسَبِيْلِهٖ فَلَمَّا اَنْ وَّلِيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَمِلَ فِيْهَا بِمَا عَمِلَا حَتّٰى مَضٰى بِسَبِيْلِهٖ ثُمَّ اَقْطَعَهَا مَرْوَانُ ثُمَّ صَارَتْ لِعُمَرَ ابْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فَرَاَيْتُ اَمْرًا مَنَعَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ وَاِنِّيْ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ رَدَدْتُّهَا عَلٰى مَا كَانَتْ يَعْنِيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ۔

تاآنکہ حضرتؐ اپنی راہ چلے گئے پھر جب ابوبکرؓ والی ہوئے انھوں نے ایسا عمل کیا فدک میں جیسا آنحضرتؐ نے کیا تھا اپنی حیات میں وہ اپنی راہ گئے جب حضرت عمرؓ والی ہوئے تو فدک میں اُنھوں نے بھی وہی عمل کیا جو دونوں گزشتہ صاحبوں نے کیا تھا یہاں تک کہ اُنھوں نے بھی اپنی راہ لی پھر مروان نے اُس کو اپنی جاگیر میں لیا سو وہ پہنچا طرف عمر بن عبدالعزیز کے، پس میں نے غور کیا اُس چیز کو جو حضرت فاطمہؓ جیسی عزیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دی مجھ کو بھی سزاوار نہیں ہے۔ اور میں تم کو سب کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اُس کو پھیر دیا اُس دستور پر جیسا کہ وہ تھا یعنی عہد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور ابی بکرؓ و عمرؓ میں۔

پس واقع میں جب ہبہ ہی ثابت نہ ہوا تو گواہی دینا اِن بزرگواروں کا جو شیعہ کے نزدیک معصوم اور ہمارے نزدیک محفوظ ہیں اور دعوٰی کرنا حضرت فاطمہؓ کا اُس کی گنجائش و امکان ہی کب ہے۔

دوسرا جواب۔ بالفرض ہم اِس روایت کو موافق قولِ شیعہ کے قبول کرتے ہیں لیکن یہ مسئلہ تو شیعہ سُنی سب کے نزدیک بالاتفاق ہے کہ ہبہ کی ہوئی چیز پر جب تک اُس کا قبضہ اور تصرّف جس کو ہبہ کی ہے ثابت نہ ہو اُس کی مِلک نہیں ہو سکتی۔ اور فدک باتفاق عینِ حیات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں کبھی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کے تصرّف میں نہیں آیا بلکہ آپؐ ہی کے تصرّف میں رہا اور آپؐ مالکانہ تصرّف فرماتے رہے۔ پس ابوبکرؓ نے فاطمہؓ کے دعوٰی ہبہ میں تکذیب نہیں کی بلکہ تصدیق کی مگر مسئلہ فقہیہ بیان کیا کہ فقط ہبہ اس وقت تک مِلک نہیں ہوتا جب تک کہ قبضہ اُس شخص کا نہ ہو۔ اِس صورت میں حاجت گواہ شاہد بُلانے کی نہ تھی۔ اور بالفرض اگر حضرت علیؓ اور اُمّ ایمنؓ نے بطور ایک خبر محض کے اس ہبہ کو ظاہر بھی کیا ہو تو اُس کو یہ کہنا کہ اُن کی شہادت ردّ کی اور نہ مانی عجب جہل کی بات ہے یہاں تو یہ ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی پر حکم نہ کیا نہ یہ کہ گواہی کو ردّ کیا، گواہی کا ردّ کرنا تو یہ ہے کہ گواہ کو تہمت دروغ کی لگائیں اور دروغ گو جانیں۔ تصدیق گواہ کی اور چیز ہے اور اُس کی گواہی کے موافق حکم کرنا اور چیز ہے۔ اور جو کوئی ان دونوں چیزوں میں فرق نہ کرے اور حکم نہ دینے کو یہ سمجھے کہ گواہ یا مدعی کو جھوٹا جانتا ہے وہ علماء کے نزدیک بات کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اور جو مسئلہ

شرع کا جس پر نص قرآنی ہے یوں ہی ہے کہ جب تک ایک مرد اور دو عورت نہ ہوں حکم کرنے کے لائق نہیں ہوتا۔ ابوبکرؓ بھی اس پر حکم نہ کرنے میں شرع سے مجبور تھے۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِيْ اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغتِ عرب کے معنے بالکل نہیں جانتے۔ اس واسطے کہ اغضاب کے معنے یہ ہیں کہ کوئی شخص یہ قصد کرے کہ اپنے قول و فعل سے دوسرے کو غضب میں لائے۔ اور خوب ظاہر ہے کہ ابوبکرؓ کو قصد فاطمہ زہراؓ کی ایذا کا نہ تھا۔ بارہا مقامِ عذر میں کہتے تھے وَاللّٰهِ يَا ابْنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ قَرَابَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَصِلَ قَرَابَتِيْ (قسم ہے اے بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت صلہ رحمی کے لئے مجھ کو زیادہ محبوب ہے اپنی قرابت سے) پھر جب اغضاب اِن کی طرف سے ثابت نہ ہوا تو وہ اس وعید میں کس طرح داخل ہوں گے۔ ہاں اگر حضرت زہراؓ بمقتضائے بشریت غضب میں آئی ہوں تو آئی ہوں۔ لیکن جب وعید اغضاب کے لفظ کے ساتھ ہے نہ کہ غضب کے لفظ کے ساتھ تو پھر ابوبکرؓ کو اس سے کیا خوف۔ اگر وعید اس لفظ کے ساتھ ہوتی مَنْ غَضِبَتْ عَلَيْهِ غَضِبْتُ عَلَيْهِ (جس پر غصہ ہوں گی فاطمہؓ غصہ ہوں گا میں اُس پر) تو البتہ ابوبکرؓ کے لئے خوف کی بات تھی۔ اور غضب حضرت زہراؓ کا حضرت امیرؓ پر بارہا خانگی مقدموں میں واقع ہوا اُن میں سے یہ ہے کہ جب ابوجہل کی بیٹی کا خطبہ (منگنی، پیغام) اپنے نام پر کیا تو حضرت زہراؓ روتی ہوئی باپ کے پاس گئیں اور اسی تقریب سے آنجنابؐ نے یہ خطبہ فرمایا اَلَا اِنَّ فَاطِمَةَ بِضْعَةٌ مِّنِّيْ يُؤْذِيْنِيْ مَا اٰذَاهَا وَيُرِيْبُنِيْ مَا رَابَهَا فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِيْ (خبردار ہو بیشک فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو چیز اُس کو ایذا پہنچاتی ہے مجھ کو ایذا پہنچاتی ہے اور مجھ کو تردّد میں ڈالتی ہے جو اُس کو تردّد میں ڈالتی ہے پس جو کوئی اُس کو غضب میں لایا مجھ کو غضب میں لایا) اور مراد اس سبب سے یہ ہے کہ حضرت امیرؓ حضرت زہراؓ سے رنجش فرما کر مسجد کو چلے گئے اور مسجد میں زمین پر بے فرش کے سو رہے۔ حضرتؐ کو اس کی خبر ہوئی تو حضرت زہراؓ کے پاس جا کر پوچھا اَيْنَ ابْنُ عَمِّيْ (کہاں ہے میرے چچا کا بیٹا) زہراؓ نے عرض کی غَاضَبَنِيْ فَخَرَجَ وَلَمْ يَقِلْ عِنْدِيْ (مجھ سے رنجش کی پھر نکل گئے اور میرے پاس قیلولہ نہ کیا) یہ روایتیں صحیح ہیں اور ان پر اتفاق ہے۔ اور بڑی ظاہر باتوں سے یہ ہے کہ حضرت موسٰی علٰے نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ نے بحکم بشریت اپنے بڑے بھائی حضرت ہارونؑ پر کہ نبی تھے اور مقرب خدا کے تھے غضب کیا یہاں تک کہ ان کا سر اور ریش مبارک اُن کی پکڑ کر کھینچا۔ اور یقین ہے کہ حضرت ہارونؑ قصد غضب حضرت موسٰیؑ کا

نہیں فرمایا تھا اس واسطے کہ نبی کو غصہ میں لانا کفر ہے لیکن حضرت موسیٰؑ کے غضب میں شک نہیں۔ اگر یہ معاملہ اغضاب کا ہوتا تو ضرور حضرت ہارونؑ اس وقت متصف بکفر ہوتے مَعَاذَ اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔

تیسرا جواب۔ ہم نے مانا کہ حضرت زہراؓ نے اس سبب سے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اُن کو میراث سے باز رکھا یا اُن کا دعویٰ ہبہ کا نہ سُنا غضب فرمایا اور ابوبکرؓ سے بولنا چھوڑ دیا۔ لیکن شیعہ سُنّی دونوں کی روایتوں سے صحیح وثابت ہے کہ یہ بات حضرت ابوبکرؓ پر بہت شاق ہوئی حضرت زہراؓ کے دروازے پر گئے اور حضرت امیرالمؤمنینؓ کو اپنا سفارشی بنایا یہاں تک کہ حضرت زہراؓ اُن سے راضی ہوگئیں۔ یہ روایتیں اہلِ سنّت کی کتب یعنی مدارج النبوۃ اور کتاب الوفا بیہقی اور شروح مشکوٰۃ میں موجود ہیں۔ بلکہ شرح مشکوٰۃ عبدالحق میں لکھا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ بعد اس قضیے کے فاطمہؓ کے گھر گئے اور دھوپ میں اُن کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور حضرت زہراؓ اُن سے راضی ہوئیں۔ اور ریاض النضرۃ میں بھی یہ قصہ بتفصیل مذکور ہے۔ اور فصل الخطاب میں بروایت بیہقی اور شعبی یہی قصہ مروی ہے۔ اور ابن السمان نے کتاب الموافقہ میں اوزاعی سے روایت کی اور کہا کہ آئے ابوبکرؓ فاطمہؓ کے دروازے پر دوپہر کی دھوپ میں، اور کہا کہ میں ہرگز یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ مجھ سے بیٹی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی راضی نہ ہوں گی پھر حضرت علیؓ فاطمہؓ کے پاس آئے اور قسم دی کہ راضی ہو جاؤ، پس وہ راضی ہوگئیں۔ اور روایات شیعہ خصوصاً زیدیہ کی اس مقدمہ میں موافق روایات اہلِ سُنّت کے ہیں۔ لیکن امامیہ میں صاحب محجاج السالکین نے اُس کے علاوہ اُن کے دیگر علماء سے روایت کی ہے :۔

اَنَّ اَبَا بَكْرٍ لَمَّا رَاٰى اَنَّ فَاطِمَةَ اِنْقَبَضَتْ عَنْهُ وَهَجَرَتْهُ وَلَمْ تَتَكَلَّمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ اَمْرِ فَدَكٍ كَبُرَ ذٰلِكَ عِنْدَهٗ فَاَرَادَ اِسْتِرْضَاءَهَا فَاَتَاهَا فَقَالَ لَهَا صَدَقْتِ يَا اِبْنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْمَا اِدَّعَيْتِ وَلٰكِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُهَا فَيُعْطِي الْفُقَرَاءَ وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ بَعْدَ اَنْ يُؤْتِيَ مِنْهَا قُوْتَكُمْ وَالصَّانِعِيْنَ بِهَا فَقَالَتْ اِفْعَلْ فِيْهَا كَمَا كَانَ اَبِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

بیشک ابوبکرؓ نے جب دیکھا کہ فاطمہؓ مجھ سے دل تنگ ہوئیں اور چھوڑ دیا اور بات کرنا ترک کیا بعد اس معاملہ فدک کے یہ اُن کو بہت گراں ہوا پس ارادہ اُن کی رضاجوئی کا کیا۔ اس واسطے اُن کے پاس آئے اور کہا اے بنتِ رسول اللہ تم نے جو کچھ دعویٰ کیا تھا سچا تھا لیکن میں نے دیکھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ اس کو بانٹ دیتے تھے فقیروں اور مسکینوں اور مسافروں کو اور اُسی میں سے تم کو قُوت (روزی) دیتے تھے اور کام کرنے والوں کو جو وہاں کے تھے۔ پس فاطمہؓ نے کہا کرو جیسا میرے باپ رسولِ خدا صلے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فِيْهَا فَقَالَ وَلَكِ اللّٰهُ عَلَيَّ اَنْ اَفْعَلَ فِيْهَا مَا كَانَ يَفْعَلُ اَبُوْكِ فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَتَفْعَلَنَّ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّ ذٰلِكَ فَقَالَتْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَرَضِيَتْ بِذٰلِكَ وَاَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يُعْطِيْهِمْ مِنْهَا قُوْتَهُمْ وَيَقْسِمُ الْبَاقِيَ فَيُعْطِي الْفُقَرَاءَ وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ۔

اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، پھر کہا ابوبکرؓ نے قسم ہے خدا کی تمہارے واسطے کروں گا وہ کام جو کچھ تمہارے باپ کرتے تھے، پھر فاطمہؓ نے کہا تم کو قسم ہے خدا کی تم ضرور ویسا ہی کروگے۔ ابوبکرؓ نے کہا خدا کی قسم ضرور کروں گا تو فاطمہؓ نے کہا خدایا تو گواہ ہے پھر راضی ہوئیں فاطمہ علیہا السلام اِس سبب سے اور عہد لیا ابوبکرؓ سے اور ابوبکرؓ ان کو اُس میں سے قُوت (روزی) اُن کی دیتے تھے اور باقی فقیروں مسکینوں مُسافروں کو بانٹ دیتے تھے۔

یہ عبارت محجاج السالکین کی ہے، اور دیگر کتبِ معتبرہ امامیہ کی۔ اور یہ عبارت صریح یہ فائدہ دیتی ہے کہ ابوبکرؓ نے دعویٰ زہراؓ کا تصدیق کیا لیکن تاحیاتِ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو اُن کا تصرف رہا اور ان کا قبضہ نہ ہوا اُس کو مانع ملکیت کا سمجھا۔ جیسا کہ مقرر و طے شدہ ہے نزدیک تمام اُمت کے۔ اور جب ابوبکرؓ نے دعویٰ زہراؓ کا سچا ٹھہرایا تو حاجت گواہوں کی نہیں ہے۔ پھر حضرت امیرؓ اور اُمّ ایمنؓ کی گواہی کی کیا احتیاج۔ الحمدللہ کہ خود امامیہ کی روایات سے اظہار حق ہوا۔ اور ابوبکرؓ کو جو تہمت لگائی تھی کہ دعویٰ نہ سُنا اور گواہی رد کی جھوٹ نکلا، وَاللّٰهُ يُحِقُّ الْحَقَّ وَيُبْطِلُ الْبَاطِلَ (خدا ثابت کرتا ہے حق کو اور باطل کرتا ہے جھوٹ کو) یہاں بھی یہ بات جاننا چاہیئے کہ علمائے شیعہ نے جب دیکھا کہ ہبہ بغیر قبض موجبِ ملکیت نہیں ہے تو حضرت زہراؓ کیوں غصہ ہوئیں اور ابوبکرؓ کی کیا تقصیر، ناچار ہو کر ہمارے زمانہ میں جو ان کے علماء ہیں اُنھوں نے اس دعویٰ سے انتقال کرکے دعویٰ دوسرا نکالا اور دوسرا طعن گھڑا کہ وہ چودھواں ہے۔

طعن چہاردہم۔ یہ کہ پیغمبرؐ خدا نے حضرت زہراؓ کے واسطے فدک کی وصیت کی، ابوبکرؓ نے اُن کو خلاف وصیت پیغمبرؐ کے فدک پر تصرف نہ دیا۔

جواب اس طعن کا بھی بچند وجوہ ہے۔

اوّل۔ تو دعویٰ وصیت کا حضرت زہراؓ سے اور پھر ثبوت اُس دعویٰ کا اہلِ سُنّت یا شیعہ کی کسی معتبر کتاب سے ثابت کرنا چاہیئے پھر جواب مانگنا چاہیئے۔

دوسرے یہ کہ وصیت باجماع شیعہ وسُنّی میراث کی بہن ہے پس جس حال میں کہ میراث جاری نہ ہو اُس میں وصیت کیونکر جاری ہوگی۔ اس واسطے کہ میراث و وصیت دونوں ہی تو ہیں کہ کسی شخص کی

ملکیت اُس کے مرنے کے بعد دوسرے کے پاس چلی جائے، اور بعد موت کے انبیاءؑ کسی چیز کے مالک نہیں رہتے بلکہ ان کا مال خدا کا مال ہوجاتا ہے اور بیت المال میں داخل ہوجاتا ہے۔ اس میں یہ بھید ہے کہ اَلْاَنْبِیَاءُ لَا یَشْهَدُوْنَ مِلْكًا مَعَ اللّٰهِ (انبیاءؑ اللہ تعالیٰ کے ہوتے کسی چیز کو اپنی مِلک نہیں سمجھتے)۔ پس جو چیز کہ ان کے ہاتھ آتی ہے اُس کو خدا کی عاریت جانتے ہیں اور اُس سے فائدہ پاتے ہیں، اسی واسطے زکوٰۃ اُن پر واجب نہیں ہوتی نہ ان کے ترکہ سے قرض ادا کرنا واجب ہے پس بدیہی ہے کہ مانگے کے مال میں وصیت کرنا اور میراث دینا کس طرح ہوسکتا ہے۔ جب مال انبیاءؑ کا ورثہ نہ ٹھہرا حسبِ روایت معصومینؑ کے قطعاً تو اُس میں وصیت کا نہ جاری ہونا بطریقِ اَولیٰ ثابت ہوا۔ اِس واسطے کہ ورثہ ٹھہرنا وصیت سے بہت قوی ہے اور وصیت توریث سے نہایت ضعیف۔

❁ تیسرے یہ کہ وصیت خاص کسی شخص کے واسطے اس وقت درست ہوتی ہے جب کہ پہلے اُس سے جو وصیت کی ہے وصیت کرنے والے سے کوئی بات صادر ہوتی ہو اور یہاں تو لفظ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ (جو کچھ ہم نے چھوڑا صدقہ ہے) پہلے ہی اپنا کام کرچکا ہے۔ اور سب متروکہ پیغمبرؐ کا وقف فی سبیل اللہ ہوگیا گنجائش وصیت کی کب رہی۔

❁ چوتھے یہ کہ بالفرض اگر وصیت واقع ہوئی ہو اور ابوبکرؓ کو اُس کی اطلاع نہ ہوئی نہ گواہوں سے ثبوت کو پہنچی تو وہ خود معذور ہوئے، لیکن حضرت امیرؓ کو اپنی خلافت میں کیا عذر تھا کہ اُس وصیت کو جاری نہ فرمایا بلکہ موافق اگلے دستور کے فقیروں اور مسکینوں اور مسافروں میں تقسیم کرتے رہے اگر اپنا حصہ تقسیم کرتے رہے خدا کی راہ میں تو حسنینؓ اور اُن کی بہنوں کو اُن کی ماں کی میراث سے کیوں محروم کیا۔

شیعہ نے اس بات کے چار جواب دیے ہیں چاروں میں جو سقم اور خلل ہیں اُن سمیت لکھے جاتے ہیں۔

❁ **جواب اوّل** یہ کہ اہلِ بیت غصب کی ہوئی چیز پھیر نہیں لیتے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر غصب کیے ہوئے کو جو مکہ میں تھا بعد فتح مکہ غاصب سے نہیں لیا۔ اس جواب میں یہ خلل ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے وقت میں فدک حضرت امام باقرؒ کو دیا اُنھوں نے لے لیا اور ان کے قبضے میں رہا۔ پھر خلفائے عباسیہ اُس پر متصرف ہوئے یہاں تک کہ ۲۲۰ھ میں مامون عباسی نے اپنے عامل قثم بن جعفر کو لکھا کہ فدک اولادِ فاطمہ کو دیدے۔ اس وقت امام علیؒ نے لیا پھر متوکل عباسی اُس پر متصرف ہوا اُس کے بعد معتضد نے پھر اُس کو پھیر دیا پھر مکتفی متصرف ہوا پھر مقتدر نے پھیر دیا۔ چنانچہ قاضی نور اللہ نے

مجالس المؤمنین میں مفصّل لکھا ہے۔ پھر اگر اہلِ بیت غصب کی ہوئی چیز نہیں لیتے ہیں تو اِن حضرات نے کیوں لے لی۔ اور حضرت امیر المؤمنینؓ نے بعد شہادتِ عثمانؓ غصب کی ہوئی خلافت کیوں قبول کی اور حضرت امام حسینؓ خلافتِ مغصوبہ کے یزید پلید سے کیوں خواہاں ہوئے کہ نکال لیں آخر نوبت شہادت کی پہنچی۔

❁ **جواب دوم** یہ۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ نے حضرت فاطمہؓ کی پیروی کی اور فدک سے نفع نہیں اُٹھایا اِس میں سراسر خلل ہی خلل ہے۔ اس لیے کہ بعض ائمہؒ نے جو فدک کو لیا اور نفع اُٹھایا تو اُنھوں نے حضرت فاطمہؓ کی پیروی کیوں نہ کی۔ اور یہ بتاؤ کہ پیروی فرض تھی یا نہیں۔ اگر فرض تھی تو اور ائمہؒ نے ترکِ فرض کیوں کیا۔ اگر نہ تھی تو حضرت امیرؓ نے نفل کے پیچھے فرض کیوں ترک کیا کہ حقدار کا حق پہنچانا فرض ہے۔ اور پیروی کسی کی اُن فعلوں میں ہوتی ہے جو اختیاری ہیں نہ کہ اُن میں جو اضطراری ہوں۔ اگر حضرت زہراؓ نے کسی کے ظلم و ستم سے فدک پر قابو نہ پایا اور نفع نہ اُٹھایا تو مجبور تھیں۔ اور مظلومیت کے حال میں کہ سراسر مجبوری و ناچارگی ہے پیروی کیا معنے۔ اور بالفرض اگر پیروی ہی منظور تھی تو آپ اُس سے فائدہ نہ اُٹھاتے حسنینؓ اور اُن کی بہنوں کو اُس سے کیوں محروم المیراث کیا۔

❁ **جواب سوم** یہ۔ شیعہ کہتے ہیں کہ گواہی حضرت امیرؓ کی اپنا نفع کھینچنے کے واسطے نہ تھی بلکہ حسبۃً لِلّٰہ تھی یعنی واسطے رضا جوئی خدا کے کہ یہ بات لوگوں پر ظاہر ہو اور سب جان لیں۔ اس جواب میں بھی خلل ہیں۔ اوّل یہ کہ جو لوگ گمان فاسد اس مقدمہ میں حضرت امیرؓ کی نسبت رکھتے ہوں گے وہ وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے کہ ہبہ اور وصیت کے معاملہ میں ان کی شہادت کا رد کرنا ٹھہرایا ہے سو حضرت امیرؓ کے زمانِ خلافت میں مرگئے ہوں گے۔ پھر اُنھوں نے جو فدک سے نہیں لیا ان کے نہ لینے کو وہ کب جان سکتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جب حضرت امیرؓ نے نہ لیا لیکن ان کی بعض اولاد نے لیا، جب بھی تو خارجیوں ناصبیوں کو توہم ہوگا کہ گواہی امیرؓ کی بخیال نفع اپنی اولاد کے تھی کہ میری اولاد کو نفع پہنچے بلکہ زمین اور ملک و باغ میں نفع اولاد کا زیادہ منظور ہوتا ہے اپنے نفع سے۔ پس چاہیے تھا کہ اپنی اولاد کو بھی وصیت فرماتے کہ ہرگز ہرگز اس کو نہ لینا کہ میری گواہی میں خلل نہ آئے۔ نیز اُن کی اولاد کو دو پیرویاں مانع میراث لینے کی تھیں ایک پیروی حضرت زہراؓ کی اور ایک پیروی حضرت امیرؓ کی۔

❁ **جواب چہارم** یہ۔ شیعہ کی طرف سے یہ ہے کہ یہ سب بسبب تقیہ کے تھا۔ اس میں یہ خلل ہے کہ جب امام خروج فرماتے اور جنگ و قتال کرے تو اُس کو تقیہ حرام ہوجاتا ہے۔ چنانچہ جملہ امامیہ کا یہی مذہب ہے۔ اسی واسطے حضرت حسینؓ نے ہرگز تقیہ نہ فرمایا اور جان اپنی راہ خدا میں دیدی پھر اگر اپنے زمانِ خلافت میں حضرت امیرؓ تقیہ فرماتے تو مرتکب حرام کے ہوتے، معاذ اللہ من ذٰلک۔

اِن سب باتوں کو جانے دو کتاب منہج الکرامت میں شیخ ابن مطہر حلی نے ایسی بات کہی ہے جس کے سبب سے جو شکل تھی اُس کی جڑ بنیاد اُکھڑ گئی اور ہرگز ابوبکرؓ پر طعن کا ٹھکانا نہ رہا کہ وہ یہ ہے اِنَّہٗ لَمَّا وَعَظَتْ فَاطِمَۃُ اَبَابَکْرٍ فِیْ فَدَکٍ کَتَبَ لَھَا کِتَابًا وَرَدَّھَا عَلَیْھَا (جس وقت کہ نصیحت کی فاطمہؓ نے ابوبکرؓ کو فدک کے معاملہ میں تو ایک نوشتہ ابوبکرؓ نے لکھ دیا اور فدک حضرت فاطمہؓ کو پھیر دیا) پس در صورت صحت اس روایت کے جو دعویٰ کہ حضرت ابوبکرؓ پر تھا میراث کا خواہ ہبہ کا خواہ وصیت کا سب ساقط ہو گیا۔ اور شیعہ کو کسی دعویٰ کے ساتھ موقع طعن کا نہ رہا۔

ہاں دو شبہے باقی ہیں کہ اکثر شیعہ اور سُنی دونوں کے دل میں گزرتے ہیں۔ شبہ اول یہ کہ حضرت زہراؓ کی طرف سے چند دعوے میراث اور دعوے ہبہ کے وقوع میں آئے کہ ابوبکرؓ کے نزدیک ثابت نہ ہوئے۔ لیکن اگر مرضی حضرت زہراؓ کی فدک کے لینے پر تھی تو کیوں نہ دیدیا اور کیوں توقف کیا کہ یہ رنجش نہ ہوتی گو انجام اُس کا صلح و صفائی پر ہوا۔

دفع اس شبہ کا یہ ہے کہ ابوبکرؓ کو اس مقدمہ میں ایک بلاء عظیم پیش آتی تھی اگر رضا جوئی حضرت زہراؓ کی مقدم کرتے تو دو وجہ سے دین میں رخنہ عظیم پڑتا۔

❋ اول یہ یقین تھا کہ لوگ گمان کریں گے کہ خلیفہ مسلمانوں کے معاملات میں فرق کے ساتھ حکم کرتے ہیں اور رعایت ملحوظ رکھتے ہیں اور بے ثبوت دعویٰ کے رو دار دں کو مدعاان کا حوالہ کر دیتے ہیں اوروں کو عوام الناس جان کر ان سے ثبوت دعویٰ کے واسطے خاطر خواہ گواہ مانگتے ہیں۔ اور یہ گمان بد بڑے فساد کی بات تھی دین میں قیامت تک۔ جو قاضی حاکموں کے ہوتے اس دستور العمل کو اپنے کام کا پیشوا بناتے جگہ جگہ سُستی و سہل انگاری اور رعایتیں اور جانب داریاں اسی دستاویز سے ظہور میں آتیں۔

❋ دوسرے یہ کہ اُس صورت میں کہ جب حضرت زہراؓ کی ملکیت میں یہ زمین دیدیتے اور ملک وارث کی درحقیقت ملکیت مورث کی ہوتی ہے اس واسطے کہ اُسی کی خلافت اور نیابت تو ہے۔ پس اعادہ اس زمین کا کہ صدقہ رسول کا تھا بحکم مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ (جو کچھ ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے) اعادہ صدقہ کا خاندان رسول میں لازم آتا ہے باوجود اس کے کہ جناب پیغمبرؐ سے سُنا تھا کہ اَلْعَائِدُ فِیْ صَدَقَتِہٖ کَالْکَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِہٖ (اپنے صدقہ کا پھیرنے والا ایسا ہے جیسے کتا اپنی قے کی طرف پھرتا ہے) پس یہ حرکت عظیم ابوبکرؓ سے ممکن نہ تھی کہ صادر ہوتی۔

اِن دونوں دینی وجہوں کے ساتھ ایک وجہ دنیوی اور بھی تھی کہ حضرت عباسؓ اور ازواج مطہرات بھی وہاں طلب کھولے ہوئے تھے اپنے اپنے واسطے۔ اسی طرح کی زمین اور دیہات چاہتے تھے۔ اور ابوبکرؓ کو

مشکل میں ڈالے ہوئے تھے۔ اگر ان مصلحتوں کی رعایت کر کے اُن کو مقدم کرتے تو حضرت زہراؓ آزردہ ہوتی تھیں ناچار بحکم حدیث نبوی اَلْمُؤْمِنُ اِذَا ابْتُلِیَ بِبَلِیَّتَیْنِ یَخْتَارُ اَھْوَنَھُمَا (مومن جب دو بلا میں پڑتا ہے تو اُن میں سے سہل کو اختیار کرتا ہے) ابوبکرؓ نے یہی بات اختیار کی اس واسطے کہ تدارک اس کا پیچھے ہو سکتا تھا جیسا کہ ہوا۔ اور تدارک اُس شق کا نہیں ہو سکتا تھا اور باعث فساد عام تھا۔

❋ دوسرا شبہ یہ ہے کہ جب حضرت زہراؓ اور ابوبکرؓ میں بابت اس معاملہ کے صلح و صفائی ہو گئی اور کوئی کدورت نہ رہی جیسا کہ شیعہ سُنی دونوں کی روایتوں سے ثابت ہوا تو پھر کیا باعث تھا جو حضرت زہراؓ اپنے جنازے پر ابوبکرؓ کے آنے کی روادار نہ ہوئیں۔ اور حضرت امیرؓ نے ان کو حسب وصیت ان کی رات ہی کو دفن کر دیا۔

اس شبہ کا رفع یہ ہے کہ وصیت حضرت زہراؓ کی بوجہ نہایت ستر و حیا کے تھی۔ چنانچہ بروایت صحیح مروی ہے کہ حضرت زہراؓ نے اپنے مرض موت میں فرمایا کہ مجھ کو شرم آتی ہے اس سے کہ بعد موت کے بے پردہ سامنے مردوں کے نکالیں۔ اس سبب سے کہ اُس زمانہ میں یہی رسم تھی کہ عورتوں کو مثل مردوں کے بے پردہ نکالتے تھے۔ اسماء بنت عمیس نے کہا میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ خرمے کی شاخوں سے جنازہ مثل کجاوے کے بناتے ہیں۔ حضرت زہراؓ نے فرمایا کہ میرے سامنے بنا کر دکھاؤ۔ اسماء نے بنا کر حضرت زہراؓ کو دکھایا تو بہت خوش ہوئیں اور مسکرائیں۔ اور حالانکہ بعد واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کبھی کسی نے اُن کو خوش وقت اور مسکراتے نہ دیکھا تھا۔ اسماءؓ سے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد تو مجھ کو غسل دینا اور تیرے ساتھ علیؓ ہوں اور کسی کو نہ آنے دینا۔ پس اس سبب سے حضرت امیرؓ نے کسی کو جنازے پر نہیں آنے دیا نہ بلایا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے مع چند اہل بیت کے نماز پڑھ کر رات ہی میں دفن کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ دوسرے دن جو ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ اور دیگر اصحابؓ تعزیت کے واسطے حضرت علیؓ کے گھر گئے تو شکایت کی کہ ہم کو کیوں نہیں خبر کی تاکہ شرف نماز و حضوری کا پاتے۔ علی مرتضےٰؓ نے کہا کہ فاطمہ علیہا السلام کی وصیت تھی کہ جب میں دنیا سے جاؤں تو مجھ کو رات میں دفن کرنا تاکہ نامحرم کی آنکھ مجھ پر نہ پڑے نہ میرے جنازے پر، میں نے اسی وصیت پر عمل کیا۔ یہ تو روایت مشہور ہے۔ اور فصل الخطاب میں لایا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ اور عثمانؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور زبیرؓ بن عوام نماز عشاء کے وقت حاضر ہوئے اور رحلت حضرت فاطمہؓ کی مغرب عشاء کے درمیان میں شب سہ شنبہ سوم ماہ مبارک رمضان بعد چھ مہینے کے وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع ہوئی کہ عمر اُن کی اُس وقت اٹھائیس ۲۸ برس کی تھی اور ابوبکرؓ

باجازت علی مرتضٰےؓ کے پیش امام ہوئے اور نماز ادا کی اور چار تکبیریں ادا کیں۔ پس دلیل عقلی اسی پر ہے کہ ابوبکرؓ کو جنازہ پر نہ بلانا حضرت زہراؓ کی وصیت کی وجہ سے تھا نہ کہ کسی کدورت وناخوشی سے۔ اگر کدورت اور ناخوشی سے ہوتا تو یہی تو تھا کہ ابوبکرؓ ان پر نماز نہ پڑھیں۔ سو یہ خود درست نہیں کیونکہ باجماعِ مورخین طرفین یعنے شیعہ اور سُنّی کے ہے کہ جب جنازہ امام حسنؓ کا نکالا امام حسینؓ نے سعید بن عاص کی طرف کہ معاویہؓ کی جانب سے امیر مدینہ کے تھے اشارہ کرکے فرمایا کہ اگر سُنّت میرے جدؐ کی اس بات پر نہ ہوتی کہ امام جنازے کا امیر ہی ہو تو کبھی تم کو امام نہ کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت زہراؓ نے بلحاظ بچاؤ نماز ابوبکرؓ کے نہ فرمایا تھا ورنہ حضرت امام حسینؓ خلاف وصیت حضرت زہراؓ کس طرح عمل میں لاتے۔ ظاہر ہے کہ سعید بن عاص ہزار درجہ ابوبکرؓ سے کمتر تھا لیاقتِ امامتِ نماز میں۔ اور صرف چھ مہینے ہی گزرے تھے کہ جناب پیغمبرؐ پدر بزرگ۔۔ حضرت زہراؓ نے ابوبکرؓ کو تمام مہاجرادر انصار کا پیش نماز کیا تھا اور اس معاملہ میں بڑی تاکید فرمائی تھی کیونکر گمان کیا جائے کہ اتنی مدت قلیل میں حضرت زہراؓ اس واقعہ کو بھول گئی ہوں۔

❋ **طعن پانزدہمؐ**۔ یہ کہ ابوبکرؓ کو بعض مسائل شرعی معلوم نہ تھے، اور جس کو مسائلِ شرعی معلوم نہ ہوں قابل امامت کے نہیں ہوتا اس واسطے کہ علم باحکام شریعت باجماع شیعہ سُنّی کے امامت کی شرطوں میں سے ہے۔ اور وہ مسائل جن کی دلیل سے ہم کہتے ہیں کہ ابوبکرؓ کو مسائل معلوم نہ تھے یہ تین دلیلیں ہیں۔ اوّل یہ کہ چور کا اُلٹا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ حالانکہ شرع میں سیدھا ہاتھ کاٹنا مقرر ہے۔

❋ **جواب** اس دلیل کا یہ ہے کہ اُلٹا ہاتھ کاٹنا ابوبکرؓ سے دو دفعہ وقوع میں آیا۔ ایک بار تیسری چوری میں۔ چنانچہ نسائی نے مفصل حارث بن حاطب لخمی سے اور طبرانی اور حاکم سے روایت کی ہے۔ اور حاکم نے کہا ہے کہ صحیح الاسناد یہی ہے، اور یہی ہے حکم شریعت کا اکثر علماء کے نزدیک جیسا کہ مشکوٰۃ میں ابوداؤد اور نسائی نے جابرؓ سے نقل کی ہے کہ کہا:۔

جِيْئَ بِسَارِقٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيْئَ بِهِ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيْئَ بِهِ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِيْئَ بِهِ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ۔

ایک چور کو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے فرمایا اس کا ہاتھ کاٹو سو کاٹا گیا پھر اسی شخص کو دوسری دفعہ لائے فرمایا ہاتھ کاٹو سو ہاتھ کاٹا گیا پھر تیسری دفعہ آیا فرمایا ہاتھ کاٹو سو ہاتھ کاٹا گیا پھر چوتھی دفعہ آیا پھر کہا ہاتھ کاٹو پھر ہاتھ کاٹا گیا۔

اور امام محی السنہ بغویؒ نے شرح السنہ میں ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے سارق کے حق میں فرمایا:۔

إِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا يَدَهٗ ثُمَّ إِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا رِجْلَهٗ ثُمَّ إِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا يَدَهٗ ثُمَّ إِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوْا رِجْلَهٗ۔

اگر کوئی چوری کرے تو اُس کا ہاتھ کاٹو پھر چوری کرے تو پاؤں کاٹو اور پھر چوری کرے تو ہاتھ کاٹو پھر چرائے تو پاؤں کاٹو اُس کا۔

اور کہا محی السنہ نے۔

اِتَّفَقَ اَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى اَنَّ السَّارِقَ اَوَّلَ مَرَّةٍ يُقْطَعُ بِهِ الْيَدُ الْيُمْنٰى ثُمَّ اِذَا سَرَقَ ثَانِيًا يُقْطَعُ رِجْلُهُ الْيُسْرٰى وَ اخْتَلَفُوْا فِيْمَا سَرَقَ ثَالِثًا بَعْدَ قَطْعِ يَدِهٖ وَرِجْلِهٖ فَذَهَبَ اَكْثَرُهُمْ اِلٰى اَنَّهٗ يُقْطَعُ يَدُهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ اِذَا سَرَقَ رَابِعًا يُقْطَعُ رِجْلُهُ الْيُمْنٰى ثُمَّ اِذَا سَرَقَ بَعْدَهٗ يُعَزَّرُ وَيُحْبَسُ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ اَبِيْ بَكْرٍ وَ هُوَ قَوْلُ قَتَادَةَ وَاِلَيْهِ ذَهَبَ مَالِكٌ وَ الشَّافِعِيُّ وَاِسْحٰقُ ابْنُ رَاهُوْيَهْ۔

متفق ہیں اہل علم اس پر کہ پہلی دفعہ چور کا کاٹا جائے سیدھا ہاتھ اُس کے سبب سے اور پھر جب چوری کرے دوسری بار تو اُس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے۔ اور اس بات میں اختلاف ہے کہ تیسری بار میں کیا کاٹا جائے بعد کاٹنے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کے۔ اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ اُلٹا ہاتھ کاٹا جائے پھر جب چوتھی دفعہ چوری کرے تو سیدھا پاؤں کاٹا جائے، پھر تعزیر کیا جائے اور قید کیا جائے۔ یہی روایت کی گئی ہے ابوبکرؓ سے، اور یہی قول قتادہؒ کا ہے۔ اور یہی روایت ہے مالکؒ اور شافعیؒ اور اسحٰق بن راہویہ سے۔

اور جب حکم ابوبکرؓ کا موافق حکم پیغمبرؐ کے ہو تو طعن کی گنجائش ہی کب ہے؟ اور ظاہر ہے کہ ابوبکرؓ حنفی نہ تھے کہ خلاف مذہب حنفیہ کے نہ کرتے۔

دوسری دفعہ ایک چور کو اُن کے سامنے لائے کہ جس کا سیدھا ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا تھا لہٰذا آپ نے بایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس موقع پر بھی مذہب اکثر علماء کا یہی ہے کہ ایسے شخص کا اُلٹا ہاتھ کاٹنا چاہیئے۔ اور اس قصہ کو موطا میں امام مالکؒ بروایتِ عبدالرحمٰن بن قاسم اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص اہلِ یمن میں سے کہ ہاتھ پاؤں اُس کے کٹے ہوئے تھے ابوبکرؓ کے پاس آیا اور اُن کے گھر میں اُترا اور عاملِ یمن کی شکایت پیش کی کہ مجھ پر ظلم کیا اور چوری کی تہمت سے میرے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ اور وہ اکثر رات کو تہجد پڑھتا تھا یہاں تک کہ ابوبکرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم تیری رات چوروں کی سی رات نہیں ہے۔ اتفاقاً ابی بکرؓ کی بیوی اسماء بنت عمیس کا زیور گم گیا۔ اور ابوبکرؓ کے گھر کے لوگ نکلے

چراغ لئے تلاش کرتے تھے کہ شاید کہیں گر گیا ہو۔ وہ ہاتھ پاؤں کٹا بھی لوگوں کے ساتھ پھرتا تھا اور کہتا تھا بارِ خدایا اُس شخص کو جس نے نیکوں کے گھر میں چوری کر کے اُن کو رنج دیا سزا دے۔ آخر لوگ نااُمید ہو کر لوٹ گئے۔ بعد چند روز کے اُسی زیور کو ایک سُنار کے پاس پایا۔ اُس سُنار سے بعد تفحص کے معلوم ہوا کہ وہی ہاتھ پاؤں کٹا میرے ہاتھ بیچ گیا ہے۔ عاقبت کار اُسی ہاتھ پاؤں کٹے نے اقرار اُس زیور کی چوری کا کیا۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے حکم دیا کہ اس کا بایاں ہاتھ کاٹ ڈالو۔ ابوبکر رضؓ کہتے تھے کہ وہ جو بددُعا اپنی جان پر کرتا تھا مجھ کو اُس کی چوری سے بہت زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی۔ اِن دو روایتوں کے علاوہ اور کوئی روایت ابوبکر رضؓ سے بایاں ہاتھ کاٹنے چور کی مروی نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہ طعن محض بیجا تعصب ہی تعصب ہے۔ لفظ یسار کو لیبیٹے ہیں پُورے قصہ کو نہیں دیکھتے۔

✹ **دُوسری دلیل** یہ ہے کہ ابوبکر رضؓ نے لوطی کو جلا دیا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جاندار کا آگ میں جلانا مقامِ تعذیب میں منع فرمایا ہے۔

✹ جواب اس دلیل کا بھی بچند وجوہ ہے۔ اوّل یہ کہ لوطی کا جلانا بروایتِ ضعیف ابوذر رضؓ کے وارد ہوا۔ پس اہلِ سُنت کے الزام میں حجت نہیں ہوتا۔ اور روایت صحیح سوید بن غفلہ کی ابی ذر رضؓ سے اس طرح پر ہے اَنَّهٗ اَمَرَ بِهٖ فَضُرِبَ عُنُقُهٗ ثُمَّ اَمَرَ بِهٖ فَاُحْرِقَ (حکم کیا اُس کے حق میں تو اُس کی گردن ماری گئی پھر حکم کیا اُس کے حق میں تو اُس کو جلا دیا گیا) اور مُردے کو آگ میں اوروں کی عبرت کے لئے جلانا دُرست ہے، جیسے مُردے کو سولی پر رکھنا درست ہے۔ اس واسطے کہ مُردے کو عذاب نہیں معلوم ہوتا، دُکھ درد کا معلوم ہونا شرط زندگی کے ساتھ ہے۔ اور مرتضٰے نے کہ بہت بڑا عالم علمائے شیعہ سے ہے اور مُلقب بعلم الہدیٰ، اسی روایت کی صحت اور روایتِ سابق کے بطلان پر اقرار کیا۔ پس وہ روایت نہ اہلِ سُنت کے نزدیک صحیح ہے نہ شیعہ کے نزدیک۔ ایسی روایت کو مدارِ طعن کا کرنا دلیلِ اتناعی ہے یعنے دل کو تسکین بخشنے والی کہ الزامی۔

✹ دُوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ ابوبکر صدیق رضؓ سے ایک دفعہ آدمی جلانا عمل میں آیا اور مرتضٰے علی رضؓ سے کئی بار جماعتِ کثیر کے حق میں واقع ہوا۔ ایک دفعہ جماعت کثیر زندیقوں کو کہ بقول بعض مرتد تھے اور باعتقاد بعض عبداللہ بن سبا کے یار تھے جلانے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں کہ اہلِ سنت کے نزدیک سب کتابوں میں زیادہ تر صحیح ہے عکرمہؒ سے روایت کی ہے کہ اُتِیَ عَلِیٌّ بِزَنَادِقَةٍ فَاَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَمْ اُحْرِقْهُمْ لِاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ (لائے پاس علی رضؓ کے چند شخص زندیق پس جلایا اُنھوں نے اُن کو پس

خبر ابن عباس رضؓ کو پہنچی، کہا کہ اگر میں ہوتا تو ہرگز نہیں جلاتا اُن کو اس سبب سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے عذاب کی طرح عذاب نہ کرو)۔

✹ دُوسری دفعہ دو آدمیوں کو کہ دونوں لواطتِ شنیعہ باہم میں گرفتار ہوئے تھے ان کو بھی جلا دیا۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں رزین نے ابن عباس رضؓ سے اور ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَلْعُوْنٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ (ملعون ہے جس نے قومِ لوط کا عمل کیا) اور ایک روایت میں ابن عباس رضؓ سے یوں آیا ہے:۔ اِنَّ عَلِیًّا اَحْرَقَهُمَا (علی رضؓ نے اُن دونوں کو جلا دیا)۔

اگر وہ ان روایتوں کو علی مرتضٰے رضؓ کے حق میں قبول نہ کریں باوصف اس کے کہ حضرت ابوبکر رضؓ کے حق میں ایک روایتِ ضعیف مردود کو مدار اُن کے طعن کا کیا ہے، تو اس فرقہ کے تعصب سے بعید نہیں ہے، ناچار شیعہ کی ان کتابوں سے جن پر اُن کو اعتبار ہے اِس مضمون کو لانا چاہیئے۔ شریف مرتضٰی ملقب بعلم الہدیٰ نے کتاب تنزیہ الانبیاء والائمہ میں روایت کی ہے اِنَّ عَلِیًّا اَحْرَقَ رَجُلًا اَتٰی غُلَامًا فِیْ دُبُرِهٖ (بیشک علی رضؓ نے جلا دیا ایک مرد کو کہ بدفعلی کی تھی اُس نے ایک لڑکے کے ساتھ اُس کے دبر میں)۔ اور جب ایسا ہوا تو شیعہ کو موقع طعن کا ابوبکر رضؓ پر نہ رہا۔ اس واسطے کہ فعل اُن کا فعل معصوم رضؓ سے موافق پڑا۔

✹ تیسری وجہ یہ ہے کہ اہلِ سنت کی روایتوں سے ثابت ہے کہ ابوبکر صدیق رضؓ نے لوطی کو حضرت امیر رضؓ کے مشورہ اور حکم سے جلایا ہے نہ کہ اپنے اجتہاد سے:۔

اَخْرَجَ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَابْنُ اَبِی الدُّنْیَا بِاِسْنَادٍ جَیِّدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ وَالْوَاقِدِیُّ فِیْ كِتَابِ الرِّدَّةِ فِیْ اٰخِرِ رِدَّةِ بَنِیْ سُلَیْمٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ لَمَّا اسْتَشَارَ الصَّحَابَةَ فِیْ عَذَابِ اللُّوْطِیِّ قَالَ عَلِیٌّ اَرٰی اَنْ تُحَرِّقَ بِالنَّارِ فَاجْتَمَعَ رَاْیُ الصَّحَابَةِ عَلٰی ذٰلِكَ فَاَمَرَ بِهٖ اَبُوْبَكْرٍ فَاُحْرِقَ بِالنَّارِ۔

روایت کی ہے بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن ابی الدنیا نے باسناد جید محمد بن منکدر سے، اور روایت کی واقدی سے کہ محدث ہے کتاب الردہ قصہ آخر مرتد ہونے بنو سُلیم میں یہ کہ جب ابوبکر رضؓ نے مشورہ چاہا صحابہ رضؓ سے لُوطی کی سزا میں تو حضرت علی رضؓ نے کہا میں یہ مصلحت دیکھتا ہوں کہ اُس کو جلا دو آگ میں، پھر متفق ہوئے صحابہ رضؓ اس مصلحت میں اسی قول پر۔ پس ابوبکر رضؓ نے اُس کے جلا دینے کا حکم دیا سو اُس کو آگ میں جلا دیا گیا۔

اور بعض راویوں نے شیعہ کے جو کہا ہے کہ ابوبکر رضؓ نے فجاۃ سُلمی کو جو رہزنی کرتا تھا زندہ آگ میں ڈال دیا اور جلایا یہ غلط ہے۔ صحیح یوں ہے کہ شجاع بن زبرقان کو کہ لُوطی تھا موافق حکم امیر رضؓ کے جلانیکا

حکم فرمایا۔ اور بالفرض اگر سیاست کی راہ سے ایک رہزن کو حکم جلانے کا کیا تب بھی محل طعن نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے کہ ان کا فعل، فعلِ معصوم سے موافق پڑا۔

❋ **تیسری دلیل** یہ ہے کہ ابوبکرؓ کو مسئلہ جدہ اور کلالہ کا معلوم نہ تھا اوروں سے پوچھتے تھے۔

❋ **جواب** اس دلیل کا یہ ہے کہ یہ طعن اہلِ سنّت پر موجب الزام کی نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کے نزدیک علم تمام احکام کا بالفعل امام کے واسطے شرط نہیں ہے بلکہ اجتہاد و استنباط شرط ہے۔ اور مجتہد کا یہی کام ہے کہ پہلے پیروی اُن نصوص کی جو جمع کی ہوئی ہیں کرتا ہے اور اخبار کی جستجو فرماتا ہے اگر حکم منصوص پایا موافق نص کے فتوٰی دیا اور اگر منصوص نہ پایا تو اُس کے استنباط میں مشغول ہوا۔ اور جب کہ حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں نصوص جمع کی ہوئی نہ تھیں اور روایتیں حدیثیں مشہور نہیں ہوئی تھیں ناچار صحابہؓ سے تفحص کرتے تھے کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سُنا ہے:۔

قَالَ فِیْ شَرْحِ التَّجْرِیْدِ اَمَّا مَسْئَلَۃُ الْجَدَّۃِ وَالْکَلَالَۃِ فَلَیْسَتْ بِدْعًا مِّنَ الْمُجْتَہِدِیْنَ اِذْ یَبْحَثُوْنَ عَنْ مَدَارِکِ الْاَحْکَامِ وَیَسْئَلُوْنَ مَنْ اَحَاطَ بِہَا عِلْمًا وَلِہٰذَا رَجَعَ عَلِیٌّ فِیْ بَیْعِ اُمَّہَاتِ الْاَوْلَادِ اِلٰی قَوْلِ عُمَرَ وَذٰلِکَ لَا یَدُلُّ عَلٰی عَدَمِ عِلْمِہٖ۔

شرح تجرید میں کہا ہے کہ رہا مسئلہ جدہ اور کلالہ کا پس نہیں ہے خلاف عادت مجتہدوں سے اس واسطے کہ دلائل احکام سے جستجو کرتے ہیں اور اُن لوگوں سے پوچھتے ہیں جنہوں نے خبریں پائی ہیں۔ اسی سبب سے کہ حضرت علیؓ نے امّ ولد کی فروخت کے بارے میں عمرؓ کے قول کی طرف رجوع کیا اور اس جستجو سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ علم نہ تھا۔

بلکہ تفحص اور تحقیق ثابت ہوتی ہے کہ ابوبکر صدیقؓ احکام دین میں نہایت رعایت احتیاط کی کرتے تھے اور قواعدِ شریعت میں پورا اہتمام بجالاتے تھے۔ اور اسی واسطے جب مسئلہ جدہ کا مغیرہ نے ظاہر کیا تو پوچھا ہَلْ مَعَکَ غَیْرُکَ تیرے ساتھ سوائے تیرے اور کوئی بھی تھا، ورنہ روایت میں تعدد شرط نہیں ہے پس یہ امر درحقیقت بہت بڑی صفت ابوبکرؓ کی ہے اور منقبت مگر کس بلا کا تعصب بیجا ہے کہ خواہ نخواہ منقبت کو منقصت بناتے ہیں اور محل طعن ٹھہراتے ہیں، سچ ہے شعر

چشم بداندیش پراگندہ باد || عیب نماید ہنرش در نظر

اگر شیعہ کہیں کہ اکتفا اجتہاد پر امام کے حق میں مذہب اہلِ سنّت کا ہے اور ہمارے نزدیک علم محیط بالفعل سب مسائل پر شرع کی شرط امامت کی ہے اور یہ جواب ہمارے کام کا نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ جب بنا مطاعن کی مذہب اہلِ سنّت پر ہے تو ضرور ان کے یہاں جو بات ٹھہری ہے اُس کو مسلّم رکھنا چاہیے نہیں تو نفی امامت ابوبکرؓ کی اہلِ سنّت کے نزدیک کہ مدعا اس باب کا ہے میسّر نہیں آئے گی۔ اور اگر

اہلِ سنّت کو بہت تنگ کرکے تشنیع ان کے ذمہ ثابت کرتے ہو تو لو یہ ہے جواب اُس کا موافق اصُول شیعہ کے سُننا چاہیے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ابوبکرؓ کو مسئلہ جدّہ اور کلالہ کا معلوم نہ تھا تو امامت میں اُن کے کچھ نقصان نہیں کرتا۔ کیونکہ بموجب روایاتِ شیعہ حضرت امیرؓ کو بھی بعض مسائل معلوم نہ تھے۔ حالانکہ باجماع امام مطلق تھے۔

رَوٰی عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ بِشْرٍ اَنَّ عَلِیًّا سُئِلَ عَنْ مَسْئَلَۃٍ فَقَالَ لَا عِلْمَ لِیْ بِہَا ثُمَّ قَالَ وَابَرْدَہَا عَلٰی کَبِدِیْ سُئِلْتُ عَمَّا لَا اَعْلَمُ وَرَوَاہُ سَعْدَانُ بْنُ نَصْرٍ اَیْضًا۔

روایت کی عبداللہ بن بشر نے یہ کہ علیؓ سے ایک مسئلہ پُوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا مجھ کو خبر نہیں ہے اِس مسئلے کی بابت پھر کہا میں ٹھنڈا کرتا ہوں اپنے کلیجے کو اِس سے کہ مجھ سے پوچھا گیا اُس چیز کی بابت جس کو میں نہیں جانتا ہوں روایت کی اس کی سعدان بن نصر نے بھی۔

نیز امام ناطق یعنی جعفر صادقؓ کو بعض مسائل معلوم نہ تھے:۔

رَوٰی صَاحِبُ قُرْبِ الْاِسْنَادِ مِنَ الْاِمَامِیَّۃِ عَنْ اِسْمٰعِیْلَ بْنِ جَابِرٍ اَنَّہٗ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ طَعَامِ اَہْلِ الْکِتَابِ فَقَالَ لَا تَاْکُلْہُ ثُمَّ سَکَتَ ہُنَیْہَۃً ثُمَّ قَالَ لَا تَاْکُلْہُ ثُمَّ سَکَتَ ہُنَیْہَۃً ثُمَّ قَالَ لَا تَاْکُلْہُ ثُمَّ سَکَتَ ہُنَیْہَۃً ثُمَّ قَالَ لَا تَاْکُلْہُ وَلَا تَتْرُکْہُ اِلَّا تَنَزُّہًا اِنَّ فِیْ اٰنِیَتِہِمُ الْخَمْرَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ۔

روایت کی صاحب قرب اسناد نے جو منجملہ امامیہ کے ہے اسمٰعیل بن جابر سے بیشک اُس نے کہا کہ پُوچھا میں نے ابی عبداللہ علیہ السلام سے اہلِ کتاب کے طعام کے بارے میں۔ تو فرمایا کہ مت کھاؤ اُس کو، پھر سکوت کرکے کہا مت کھا اُس کو، پھر تھوڑا سکوت کیا پھر کہا مت کھا اُس کو، پھر تھوڑا سکوت کیا پھر کہا مت کھا اُس کو اور ترک بھی نہ کر، مگر از روئے احتیاط کہ اُنکے برتنوں میں شراب اور خوک کا گوشت ہوتا ہے۔

اِس روایت سے صریح معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علیہ السلام کو حکم کھانے اہلِ کتاب کا معلوم نہ تھا آخر بہت تأمل سے بھی حکم صریح معلوم نہ ہوا، ناچار احتیاط پر عمل فرمایا۔

مطاعن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ گیارہ طعن ہیں۔ اوّل عمدہ طعنوں میں شیعہ کے نزدیک قصہ قرطاس یعنی کاغذ کا ہے۔ بخاری و مسلم

کی روایت کے موافق ابن عباسؓ سے مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پنجشنبہ کے دن چار روز پہلے وفات سے صحابہؓ سے جو حجرۂ مبارک میں حاضر تھے خطاب فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات میرے پاس لاؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ لکھدوں کہ بعد میرے گمراہ نہ ہو۔ اس بات پر حاضرین نے اختلاف کیا کاغذ قلم لانے میں اور نہ لانے میں۔ اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ قرآن مجید جو ہمارے پاس ہے یہی کافی ہے اس وقت حضرتؐ کو درد کی شدّت ہے لہٰذا کیا ضرور۔ پس بعض نے عمرؓ کے قول کی تائید کی بعض نے کہا ضرور لانا چاہیے جو حضرتؐ منگاتے ہیں کاغذ قلم وغیرہ۔ اس اثناء میں بہت سا شور وغل ہوا، اور کسی نے یہ بھی کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہذیان اور اختلاطِ کلام ہوگیا۔ پھر آپؐ سے پوچھا کہ آپؐ کیا چاہتے ہیں پھر سے فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس وقت میرے پاس سے اُٹھ جاؤ۔ اس واسطے کہ پیغمبروں کے پاس جھگڑا کرنا اور شور وغل مچانا لائق نہیں ہے۔ اس قضیہ اور پرخاش کے سبب سے کسی نوشتہ کا لکھنا موقوف رہا۔ پس یہ قصہ قرطاس کا ہے موافق صحیح روایات اہلِ سُنّت کے خاطر خواہ شیعہ، اور وہ اِس قصہ میں کئی طرح عمرؓ کی طرف بذریعۂ طعن متوجہ ہوتے ہیں۔

اوّل یہ کہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وحی ہے اور عمرؓ نے آپؐ کے قول کو رد کیا گویا وحی کو رد کیا قولہ تعالےٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (پیغمبرؐ اپنی خواہش نفس سے کلام نہیں کرتا ہے مگر وحی سے کہ اُس پر نازل کی جاتی ہے) اور ردّ وحی کا کفر ہے۔ قولہ تعالیٰ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (اور جو کوئی اُس چیز پر حکم نہ کرے جو نازل ہوئی وہ کافروں میں سے ہے)۔

دوسرے یہ کہ کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہذیان اور اختلاطِ کلام ہوگیا یعنے بہکی بہکی باتیں کرنا، حالانکہ انبیاءؑ ان باتوں سے معصوم ہیں۔ جنون بالاجماع انبیاءؑ پر جائز نہیں ہے ورنہ اُن کے قول وفعل کا اعتماد ہی کیا ہے۔ پس ہر حال میں قول وفعل انبیاءؑ کا قابل ماننے اور پیروی کے ہے۔

تیسرے یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رفع صوت کیا اور تنازع یعنے چلاتے اور جھگڑنے لگے باوصف اس کے کہ رفع صوت آپؐ کے سامنے گناہِ کبیرہ ہے بدلیل قرآن۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (اے وہ لوگوں کہ ایمان لائے ہو مت بڑھاؤ اپنی آواز کو آوازِ نبیؐ سے اور چلّا کر اُس سے بات مت کہو جیسے چلّاتے ہو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ، ایسا نہ ہو عمل حبط ونابود ہو جائیں اور تم اِس کو نہ جانو)۔

چوتھے اُمّت کی حق تلفی کی اس واسطے کہ اگر یہ نوشتہ لکھا جاتا تو گمراہی سے محفوظ رہتے۔ اب ہر مقدمہ میں حیران وپریشان ہیں اور فروع واصول میں اختلاف پیدا کئے ہیں۔ پس عمرؓ نے جو اس بات کو رد کیا اِن سب اختلافوں کا وبال اُن کی گردن پر ہے۔ یہ ہے تقریر طعن کی اور ایسے زور شور سے کہ کسی کتاب میں ایسے طمطراق سے معلوم نہیں ہوتی۔

جواب ان چاروں طعنوں کا مجملاً ذکر ہے کہ یہ کام فقط حضرت عمرؓ نے نہیں کئے ہیں جتنے لوگ حجرے میں حاضر تھے اِس مقدمہ میں دوگروہ ہوگئے تھے۔ اور حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ بھی اُس وقت حاضر تھے۔ پس اگر یہ بھی منع کرنے والوں میں تھے تو شریک عمرؓ کے ہوئے جملہ مطاعن میں اور اگر اُس گروہ میں تھے جو کاغذ وغیرہ کا لانا تجویز کرتے تھے تو بعض مطاعن اُن کی طرف بھی عائد ہوتے ہیں، جیسے رفع صوت بحضور پیغمبرؐ خصوصًا اس وقتِ نازک میں اور حق تلفی اُمّت کہ منع کرنے والوں کے منع کرنے سے کاغذ دوات حاضر کرنے سے باز رہے، نہ اُس وقت لائے نہ دوسرے وقت۔ چاہیئے تھا کہ بعد اُس کے کہ فرصت دراز تھی لاکر لکھا لیتے۔ پس وجود اس طعن کا مشترک ہے، عمرؓ کو بھی شامل ہے اور غیر عمرؓ کو بھی کہ بعض اُن سے ایسے ہیں کہ باتفاق شیعہ اور سُنّی کے مطعون نہیں ہوسکتے۔ اور جب طعن مطعون اور غیر مطعون دونوں میں مشترک ہوا تو وہ طعن ہی ساقط ہوا، طعن ہی نہ رہا نہ محتاج جواب کا بلکہ اگر تأمل کیا جائے تو پہلی وجہ جو طعن کی ہے وہ بھی مشترک ہے کیونکہ امر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بلفظ اِيتُونِي بِقِرْطَاسٍ (لاؤ تم میرے پاس کاغذ) خطاب سب حاضرین کی طرف تھا نہ کہ خاص عمرؓ کی طرف۔ پس اگر یہ امر واجب یا فرض ہو تو ہر ایک گنہگار اور مخالف فرمان شرع کا ہوا۔ حد یہ کہ عمرؓ اوروں کے لئے باعث اس نافرمانی کے ہوئے۔ اوروں نے حکم عمرؓ کا مانا اور مخالفت حکم رسولؐ کی کی اور مَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ میں بیشک داخل ہوئے۔ پس حاشا نسبت عمرؓ کی ایسی ہوتی جیسے شیطان کی کہ کافروں کے واسطے باعث کفر کا ہے اور حاشا نسبت اوروں کی مثل کافروں کے۔ اور خوب روشن ہے کہ طعن کے واسطے فقط شیطان ہی کی طرف توجہ نہیں کرسکتے ورنہ کافر معذور ہوجائیں بلکہ اجر پائیں، اور یہ خلافِ قرآن بلکہ جملہ شریعتوں کے خلاف ہے۔ اور اگر یہ امر واجب فرض نہ ہو اصلاح اور ارشاد کی غرض سے ہو تو عمرؓ اور غیر عمرؓ سب اس کے ترک اور سستی میں مطعون نہیں ہیں اور کسی طرح ملامت اُن پر عائد نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ جو امر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ اصلاح وارشاد کے واسطے ہو مخالفت اُس کی باجماع جائز ہے۔ چنانچہ آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور اگر جواب تفصیلی ان مطاعن کا سُننا مرغوب ہو تو بتفصیل سُننا چاہیئے۔

❁ وجہ اوّل طعن کی مبنی اس بات پر ہے کہ عمرؓ نے وحی کو رد کیا اور جملہ قول پیغمبرؐ کے وحی ہیں لقولہ تعالیٰ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ ان دونوں مقدموں میں کھلا ہوا خلل ہے۔

❁ اوّل یہ کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو رد نہیں کیا بلکہ آرام و راحت اور ترفیہ اور رنج نہ اُٹھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدّتِ بیماری میں منظور رکھا۔ اس معاملہ کو انکارِ ردّ حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سمجھنا نہایت ہی تعصب اور بغض ہے۔ ہر کوئی اپنے بیمارِ عزیز کو محنت اُٹھانے اور رنج کھینچنے سے بچاتا ہے۔ اگر کسی وقت وہ بیمار حالتِ شدّتِ درد و مرض میں حاضرین کی مصلحت و فائدہ کے واسطے خود ہی کچھ مشقّت اُٹھانا چاہتا ہے تو اُس کو کسی سبب و دفعیہ سے مانع ہوتا ہے اور اپنی بے پروائی جتاتا ہے کہ اس کی کچھ حاجت اور ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ معاملہ بزرگوں میں زیادہ تر مروّج و معمول ہے۔ لہٰذا جب عمرؓ نے دیکھا کہ حضرتؐ واسطے فائدہ اصحابؓ و اُمّت کے چاہتے ہیں اس وقت تنگ میں کہ شدّت مرض کی ازحد ہے خود املا نوشتہ کا فرمائیں یا خود لکھیں کہ یہ بات اور حرکت قولی یا فعلی یعنے کسی کو مضمون بتانا یا آپ لکھنا موجب کمال حرج و مشقّت کا ہوگا۔ تجویز اس بات کی گوارا نہ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسبب کمال ادب کے خطابؓ کیا بلکہ اور لوگوں کو آیۂ کریمہ سے ثابت کیا کہ اس حرج دینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے جس سے استغنا حاصل ہے تاکہ آپ کے کان تک پہنچے اور آپ جانیں کہ اِس وقت میں ایسی مشقت اُٹھانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اور فی الواقع اِس مقدمہ میں عقلمندوں کے نزدیک صد آفرین اور ہزار تحسین بلا ریب مبنی فکر عمرؓ پر ہے کہ قبل اِس واقعہ سے تین مہینے پہلے آیۂ کریمہ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (آج میں نے دین تمھارا تمھارے واسطے کامل کیا اور نعمت اپنی تم پر تمام کی اور پسند کیا تمھارے واسطے طریقِ اسلام کو دین) نازل ہو چکی تھی اور دروازے نسخ و تبدیل اور کمی بیشی دین کے مطلقاً بند کر کے اور مُہر اُس پر لگا کر چھوڑ دیا تھا۔ اسی آیت پر عمرؓ نے اشارہ کیا اس عبارت میں کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ (ہم کو اللہ کی کتاب کافی ہے) مطلب یہ کہ اگر یہ خیال کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِس حالت میں کوئی نئی بات جو پہلے سے کتابِ شریعت میں نہیں آئی ہے لکھائیں گے کہ موجب تکذیب اس آیت کی ہو یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محال ہے پس مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس وقت سوائے اس کے نہیں ہے کہ تاکید اُن احکام کی فرمائیں جو پہلے ٹھہر چکے ہیں، اور ہم کو خدا تعالیٰ کی تاکید سے زیادہ آپؐ کی تاکید مقابل وحی منزّل یعنے قرآن کو نہ ہوگی پھر مشقت اُٹھانا آپؐ کا اس وقت میں کیا ضرور ایسی بات کے واسطے جو چنداں درکار نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ راحت و آرام

میں رہیں۔ اور یہ لفظ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غَلَبَهُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا كِتَابُ اللهِ حَسْبُنَا (بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درد کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے وہی ہم کو کافی ہے) صریح اِس قصد پر گواہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ عمرؓ کی نسبت یہ بات کہنا کہ حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا رد کیا کمال غلط فہمی اور نادانی اور نہایت ہی عداوت و بغض کی بات ہے۔ اور ایسی مصلحتیں اور مشورے ہمیشہ معمولی بات تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ساتھ اور صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے تھے خصوصًا حضرت عمرؓ کو اِس مقدمہ میں خصوصیت و جرأت سب سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی کہ منافق پر نماز پڑھنے اور پردہ نشین کرنا ازواج مطہراتؓ کا۔ اور جنگِ بدر کے قیدیوں کا قتل کرنا۔ اور مقامِ ابراہیم کو مصلّے پکڑنا۔ اور مثل اِن کے اِن سب معاملات میں موافق عرضِ عمرؓ کے وحی آئی تھی اور رائے صواب ان کی اکثر مقدمات میں مقبولِ پیغمبرؐ ہوتی تھی بلکہ خدا تعالیٰ کو بھی۔ اور اگر ایسی عرض مصلحت کو ردِّ وحی اور ردِّ قول پیغمبرؐ کہا جائے تو حضرت امیرؓ بھی چند موقعوں میں شریک حضرت عمرؓ کے ہو جائیں گے۔ اوّل یہ کہ بخاری میں جو بڑی صحیح کتاب اہلِ سنّت کی ہے بطریق متعدد مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت حضرت امیرؓ و زہراؓ کے گھر تشریف لے گئے اور اُن کو خوابگاہ سے اُٹھایا اور نماز تہجد ادا کرنے کی بہت تعید فرمائی اور کہا قُومَا فَصَلِّيَا (اُٹھو دونوں اور نماز پڑھو) حضرت امیرؓ نے کہا وَاللهِ لَا نُصَلِّي إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَنَا (قسم ہے خدا کی ہم مقرری (فرض) نماز سے زیادہ نہیں پڑھیں گے) وَإِنَّمَا أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللهِ (اور بیشک ہمارے دِل اللہ کے (ہاتھ میں ہیں) اگر نماز تہجد کی توفیق ہم کو دیتا تو ہم پڑھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر سے لوٹ گئے اور رانیں پیٹ کر کہتے تھے وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (انسان اکثر بات میں ہر چیز سے زیادہ بات بنانے والا ہے)۔

پس اِس قصہ میں دو امر حضرت امیرؓ سے وقوع میں آئے۔ ایک تو جدل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقدمہ شرع میں۔ دوسرے تمسک بشبہ فرقہ جبریہ کہ ہرگز شرع میں مسموع نہیں لیکن جو قرینہ حالیہ گواہی صدق و راستی اور ان کے قصدِ نیک پر دیتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ملامت نہ فرمائی۔ دوسرے یہ بھی صحیح بخاری میں موجود ہے کہ جب حدیبیہ کی لڑائی میں صلحنامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار کے درمیان لکھا جاتا تھا حضرت امیرؓ نے لفظ "رسول اللہ" کا آپؐ کے القاب میں لکھا۔ کفار کے رئیسوں کی طرف سے اِس لفظ کے لکھنے کا انکار ہوا کہ اگر ہم اس لفظ کو مانتے تو لڑتے کیوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند حضرت امیرؓ سے فرمایا کہ اس لفظ کو مٹا دو حضرت امیرؓ نے

کہ حد درجہ ایمان آپ کے ساتھ رکھتے تھے نہیں مٹایا۔ اور مخالفت امر رسولؐ کی یہانتک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صلحنامہ ان کے ہاتھ سے لے لیا اور اپنے ہاتھ سے مٹایا۔ مگر اہلِ سُنّت ایسے امور کو نہ مخالفت پیغمبرؐ کی لکھتے ہیں اور نہ جانتے ہیں۔ نہ حضرت امیرؑ پر طعن کرتے ہیں تو عمرؓ پر کیسے طعن کریں گے۔ شیعہ اگر ایسی باتوں کو بھی ردِ قول پیغمبرؐ کا کہیں گے تو اپنے پاؤں پر آپ تبولہ ماریں گے اور دائرہ گفتگو کا اپنے اُوپر تنگ کریں گے۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں بھی اِس قسم کی مخالفتیں حضرت امیرؑ کے حق میں جو عرض مصلحت اور مشورے کے وقت حضرت امیرؑ سے ہوئے ہیں مروی ہیں۔

رَوَی الشَّرِیْفُ الْمُرْتَضٰی اَلْمُلَقَّبُ بِعَلَمِ الْهُدٰی عِنْدَ الْاِمَامِیَّةِ فِیْ کِتَابِ الْغُرَرِ وَالدُّرَرِ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِیَّةِ عَنْ اَبِیْهِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَنَّهٗ قَالَ قَدْ اَکْثَرَ النَّاسُ عَلٰی مَارِیَةَ الْقِبْطِیَّةِ اُمِّ اِبْرَاهِیْمَ ابْنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی ابْنِ عَمٍّ لَهَا قِبْطِیٍّ کَانَ یَزُوْرُهَا وَیَخْتَلِفُ اِلَیْهَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُذْ هٰذَا السَّیْفَ وَانْطَلِقْ فَاِنْ وَجَدْتَهٗ عِنْدَهَا فَاقْتُلْهُ فَلَمَّا اَقْبَلْتُ نَحْوَهٗ عَلِمَ اَنِّیْ اُرِیْدُهٗ فَاَتٰی نَخْلَةً فَرَقِیَ اِلَیْهَا ثُمَّ رَمٰی بِنَفْسِهٖ عَلٰی قَفَاهُ وَشَغَرَ بِرِجْلَیْهِ فَاِذَا بِهٖ اَجَبُّ وَاَمْسَحُ لَیْسَ لَهٗ مَا لِلرِّجَالِ لَا قَلِیْلٌ وَلَا کَثِیْرٌ قَالَ فَغَمَدْتُّ السَّیْفَ وَرَجَعْتُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ یَصْرِفُ عَنَّا الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ۔

روایت کی شریف مرتضےٰ نے جس کا لقب امامیہ کے نزدیک علم الہدیٰ ہے کتاب درر وغرر میں محمد بن حنفیہؒ سے اور اُنھوں نے اپنے باپ امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے فرمایا بیشک جب ماریہ قبطیہ کی تہمت میں لوگوں نے بہت سی باتیں کیں جو کہ ماں ابراہیم حضرتؐ کے بیٹے کی ہیں اُن کے چچا زاد بھائی کے ساتھ کہ قبطی تھا اُن سے ملتا تھا اور اُن کے پاس آتا جاتا تھا پس فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلوار لے اور جا اگر اُس مرد کو ماریہ کے پاس پائے تو مار ڈال پس میں متوجہ ہوا اُس کی طرف اُس نے جانا کہ میں اُس کا قصد رکھتا ہوں، سو آیا پاس درخت خرما کے چڑھا اور پیٹھ کے بل اپنے آپ کو گرایا اور اپنے دونوں پاؤں اُٹھائے تو ناگاہ میں نے اس کو دیکھا مجبوب صاف کہ اُس کے پاس مثل مردوں کے کچھ نہ تھا نہ کم نہ زیادہ یعنے خوجہ (خُنثیٰ) تھا۔ میں نے تلوار میان میں کر لی اور حضرتؐ کے پاس لوٹ آیا اور اُنؐ کو اُس کے حال سے خبر دی آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ وہ ہمارے جملہ اہلِ بیت کو پلیدی سے بچاتا ہے۔

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ ماریہ قبطیہ بھی اہلِ بیت سے تھیں اور آیہ تطہیر میں داخل نہیں۔ اور

شکر ہے خدا کا اُس کی وسعتِ رحمت اور عمومِ نعمت پر۔

رَوٰی مُحَمَّدُ بْنُ بَابُوْیَهِ فِی الْاَمَالِیْ وَالدَّیْلَمِیُّ فِیْ اِرْشَادِ الْقُلُوْبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْطٰی فَاطِمَةَ سَبْعَةَ دَرَاهِمَ وَقَالَ اَعْطِیْهَا عَلِیًّا وَمُرِیْهِ اَنْ یَّشْتَرِیَ لِاَهْلِ بَیْتِهٖ طَعَامًا فَقَدْ غَلَبَهُمُ الْجُوْعُ فَاَعْطَتْهَا عَلِیًّا وَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَکَ اَنْ تَبْتَاعَ لَنَا طَعَامًا فَاَخَذَهَا عَلِیٌّ وَخَرَجَ مِنْ بَیْتِهٖ لِیَبْتَاعَ طَعَامًا لِاَهْلِ بَیْتِهٖ فَسَمِعَ رَجُلًا یَّقُوْلُ مَنْ یُّقْرِضُ الْمَلِیَّ الْوَفِیَّ فَاَعْطَاهُ الدَّرَاهِمَ۔

روایت کی محمد بن بابویہ نے امالی میں اور دیلمی نے ارشاد القلوب میں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو سات درم دیئے اور فرمایا کہ یہ درم علیؓ کو دے اور کہہ کہ خریدے اپنی اہلِ بیت کے واسطے کھانا، اس واسطے کہ ان پر بھوک غالب ہو رہی ہے سو دیئے فاطمہؓ نے وہ درم علیؓ کو اور کہا بیشک تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ خرید لاؤ ہمارے واسطے کھانا، پس علیؓ نے وہ درم لئے اور گھر سے نکلے تاکہ کھانا خریدیں اپنے اہلِ بیت کے واسطے، اِس اثنا میں سُنا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ کون ہے ایسا جو ہم کو قرض دے سچے وعدے پر۔ پس علیؓ نے وہ درہم اُس کو دیدیئے۔

اب اِس قصہ میں مخالفت حکم رسول اللہؐ کی بھی ہے اور تصرّف بھی غیر کے مال میں بغیر اجازت اس کے نیز تلف کرنا حق عیال کا اور قطع رحم اقرب کا جو لڑکے اور بیوی ہیں۔ اور رنج دینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اولاد اور فرزندوں کو بھوکا دیکھنے سے ہوگا۔ لیکن یہ سب لِلّٰهِ وَفِی اللّٰهِ وَاِیْثَارًا لِطَاعَةِ اللّٰهِ (واسطے خدا کے اور راہِ خدا میں برگزیدہ طاعتِ خدا سے) تھا مقبول اور محلّ تعریف و توصیف ہوا نہ کہ موقع عتاب و شکایت کا۔ اور قرینوں سے حضرت امیرؓ کو خوب معلوم تھا کہ حضرت زہراؓ اور حسنینؓ اِس پر راضی ہوں گے اور آنحضرتؐ بھی جائز فرمائیں گے۔

اب دوسرا مقدمہ یعنی تمام قول پیغمبرؐ کے وحی ہیں دلیل عقلی و نقلی دونوں راہ سے باطل ہے۔ رہی عقلی دلیل سو ہر عاقل کے نزدیک ظاہر ہے کہ معنی رسول کے پیغام پہنچانے والے کے ہیں اور جب نسبت اس کی خدائے کریم کی طرف کی تو معنے ہوتے خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانے والا۔ پس رسالت میں اتنا ہی داخل ہے کہ اُس کی طرف وحی آئی ہو اور اُس کے واسطہ سے وہ پیغام خدا کی طرف سے ہم کو پہنچے نہ یہ کہ ہر قول اُس کا پیغام خدا کا ہو اور یہ آیت مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی صریح خاص قرآن کے ساتھ ہے بدلیل عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی (سکھایا اُس کو سخت قوت والے نے) نہ کہ عام جملہ باتوں میں پیغمبرؐ کی۔ اور خوب روشن ہے کہ اگر کسی کو کوئی بادشاہ یا امیر اپنا رسول کر کے کہیں

ملک کی طرف بھیجے ہرگز اس ملک کے لوگ جملہ باتوں کو اُس رسول کی اُس بادشاہ کا حکم نہ جانیں گے۔

رہی دلیل نقلی سو اس سبب سے کہ اگر جملہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وَحْیٌ مُّنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰہِ (وحی نازل کی ہوئی اللہ تعالیٰ سے) ہوتیں تو قرآن مجید میں آپؐ کی بعض باتوں پر عتاب کیوں ہوتا۔ حالانکہ بہت جگہ عتاب شدید نازل ہوا جیسے عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ (معاف کرے اللہ تجھ کو کیوں اجازت دی تُو نے اُن کو) وقولہ تعالیٰ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (مت ہو خیانت کاروں کی طرف سے خصومت کنندہ اور بخشش چاہ خدا تعالیٰ سے بیشک خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے) وقولہ تعالیٰ: وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ الخ (اور لڑائی مت کر اُن لوگوں کی طرف سے کہ خیانت کرتے ہیں آپس میں، آخر آیت تک) خیال کرو کہ آپؐ نے جو بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کا اِذن دیا اس پر ایسا تشدد کیوں واقع ہوتا لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (اگر اگلا نوشتہ خدا کا تمہارے پاس نہ ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اُس میں تم کو سزا بڑی دی جاتی)۔

اور اگر ایسا ہی ہوتا تو قبطی کے قتل کا حکم اور خریدنے طعام اور مٹانے لفظ "رسول اللہ" اور حکم تہجد کا سب ہی وَحْیٌ مُّنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰہِ ہوتا۔ اور رَدِّ اِس وحی کا جناب امیرؓ پر لازم آتا۔ نیز اِس صورت میں امر صحابہؓ سے مشورہ کرنے کا کہ آیت وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (مشورہ کر کاموں میں ان کے ساتھ) اس کے کیا معنے تھے اور اطاعت بعض اُمور میں بعض صحابہ کی جو کہ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (اگر فرمانبرداری کرے تمہاری بہت کاموں میں تو ضرور گرفتار ہو جاؤ گے) مستفاد ہوتی ہے کس چیز پر قیاس کی جائیگی۔ نیز جناب امیرؓ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نہ ہونے کے سبب سے کہ تبوک کی لڑائی کو جاتے تھے مدینہ میں اہل وعیال کے پاس رہنے کا حکم دیا تو کیسے کہتے تھے اَتُخَلِّفُنِیْ فِی النِّسَآءِ وَالصِّبْیَانِ (آیا چھوڑے جاتے ہو مجھ کو عورتوں اور بچوں میں) وحی کے مقابلہ میں ان اعتراضوں کا کرنا کب جائز تھا۔ اور اصول امامیہ میں بھی دیکھنا چاہیئے کہ سب باتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی نہیں جانتے ہیں اور جملہ افعال کو ایسا نہیں جانتے کہ سب کی پیروی واجب ہو۔ پس اِس طعن میں یہ مقدمے فاسد باطل ہیں کہ نہ مطابق واقع کے ہے نہ اپنے مذہب مخالف کے مذہب کے موافق اپنے طعن کو پکا کرنے اور رواج دینے کو لانا کیسا حق تعصب و عناد کا ادا کرنا ہے۔

اب ہم بلند سرائی کرتے ہیں، اور اقوال پیغمبرؐ سے بالاتر ہو کر معاملے کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ شیعہ سُنّی دونوں کے نزدیک عرض مصلحت کا کرنا اور مشقّت کو ٹالنا اور برخلاف حکم الٰہی کے جو بے واسطہ ہم

کہ بالقطع وَحْیٌ مُّنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰہِ ہے چند بار اصرار کرنا رَدِّ وحی نہیں ہے۔ جناب پیغمبر خاتم المرسلینؐ نے شب معراج بمشورہ دوسرے پیغمبرؑ کے کہ عمدہ اولوالعزم سے ہیں یعنی حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ السلام نو دفعہ لوٹ لوٹ کر گئے اور عرض کی کہ اس کو میری اُمّت نہ اُٹھا سکے گی۔ اور اس کو ابن بابویہ نے کتاب المعراج میں ذکر کیا ہے۔ معاذ اللہ اگر یہ امر رَدِّ وحی کا ہو تو پیغمبروں سے کیسے صادر ہو۔ اور اس کو رَدِّ وحی کہنا سوائے ملحدی اور زندیقی کے اور کیا کہا جائے۔ نیز لَوٹنا حضرت موسیٰؑ کا اپنے پروردگار کے حکم کو بعد اس کے کہ بلا واسطہ اُن کو حکم ہوا تھا قرآن مجید میں صریح منصوص ہے:۔

قَوْلُہٗ تَعَالٰی: وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰٓی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ قَوْمَ فِرْعَوْنَ۔ اَلَا یَتَّقُوْنَ۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی ھٰرُوْنَ۔ وَلَھُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ۔ قَالَ كَلَّا فَاذْھَبَا بِاٰیٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ۔	اور جب ندا کی تیرے پروردگار نے موسیٰؑ کو کہ جاؤ قوم ظالم پر جو قوم فرعون ہیں کہ وہ نہیں ڈرتے، موسیٰؑ نے کہا اے پروردگار میرے! میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا جانیں گے اور میرا سینہ گھٹے گا اور میری زبان نہیں چلے گی پس ہارونؑ کو رسول کر اور اُن لوگوں کا ایک گناہ بھی میرے ذمے ہے اس سے بھی ڈرتا ہوں کہ مبادا مجھے مار ڈالیں، فرمایا یہ بات ہرگز نہیں ہے، جاؤ تم دونوں معجزات کے ساتھ ہر آئینہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور سُنتے ہیں۔

نیز شیعوں کے اپنے اصول میں یہ بات منجملہ طے شدہ باتوں کے ہے کہ امر رسولؐ کا بلکہ امرِ خدا کا بلا واسطہ ہو محتمل ندب کا ہے اور مقتضی وجوب کا نہیں یقیناً۔ پس لوٹنا چاہیئے تاکہ واضح ہو جائے کہ مُراد اس امر سے وجوب ہے یا ندب۔ اَلشَّرِیْفُ الْمُرْتَضٰی نے اس کو کتاب الدُّرَرِ وَالْغُرَرِ میں ذکر کیا ہے۔ جب ایسا حال ہے تو عمرؓ کا اس لوٹنے میں کیا گناہ اور کیا تقصیر۔ جس کے ساتھ مقدمہ استغنا میں آیت قرآنی کی دستاویز موجود اور تحمّل مشقت کے واسطے کہ صریح دلالت مندوبیت اس امر پر کرتی ہے لگی ہوئی ہے۔

اور وجہ ثانی جو طعن میں ہے یعنی عمرؓ نے بہکی باتوں کی نسبت پیغمبرؐ کی طرف کی یہ بھی بیجا ہے۔ اس واسطے کہ اوّل تو یہ کہاں سے بیقین ثابت ہو گیا کہ یہ لفظ اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ (آیا پریشان بات کہی پھر اُن سے پوچھو) عمرؓ ہی نے کہی۔ اکثر روایتوں میں قَالُوْا واقع ہے۔ احتمال ہے کہ شاید جو لوگ کاغذ دوات لانا تجویز کرتے ہوں اُنھوں نے اس قول سے تقویت اپنی بات کی کی ہو یا استفہام انکاری ہو یعنے ہجر اور ہذیان جس کے معنے پریشان اور بیہودہ بکنے کے ہیں یہ تو تسلیم شدہ ہے کہ زبان پیغمبرؐ سے نہیں نکلتی پس جو کچھ فرمایا ہے اُس کا اہتمام کرو اور جس کے لکھنے کا ارشاد ہوتا ہے اُس کو پوچھو کہ کیا بات منظور ہے۔ اور احتمال ہوتا ہے کہ جو مانع تھے اُنھوں نے بھی استفہام انکاری کے طور پر کہا ہو کہ آخر پیغمبروں کو

ہذیان تو ہوتا نہیں، ظاہر یہ کلمہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا پھر پوچھو کہ حقیقت میں کسی نوشتے کا لکھانا منظور ہے یا اور کوئی چیز۔ اور وجہ نہ سمجھنے اس کلمے کی صریح وظاہر تھی اس لئے کہ عادتِ شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تھی کہ احکام کو خدا سے نسبت فرماتے تھے۔ اور اس موقع پر یہ نہیں فرمایا تھا کہ اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَکْتُبَ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ (بیشک اللہ تعالیٰ نے حکم کیا ہے مجھ کو کہ میں ایک نوشتہ لکھ دوں کہ بعد میرے بھکو نہیں)۔ منع کرنے والوں کو توہم پیدا ہوا کہ آپؐ نے ضرور خلافِ عادت نہیں فرمایا ہوگا مگر ہم نہیں سمجھے، استفسار کرنا چاہیے۔ اور قطعاً جانتے تھے کہ آپؐ لکھتے نہ تھے نہ مشق اس ہنر کی رکھتے تھے نہ کبھی لکھا دَفْعًا لِلتُّھْمَۃِ (دفع تہمت کے واسطے) موافق نص قرآن وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْ مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ (اور تو ایسا نہ تھا کہ پڑھ لیتا کسی نوشتے کو نزولِ قرآن سے پہلے اور نہ لکھتا اُس کو اپنے سیدھے ہاتھ سے)۔ اور اس عبارت میں اُس کی نسبت اپنی طرف فرمائی یہ کیا بات ہے سمجھنا چاہیے۔ اس واسطے کہ کلام آپؐ کا ہذیان ہو نہیں سکتا۔ اور یہ بھی عادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی کہ سوائے قرآن کے اور کچھ لکھاتے نہیں تھے بلکہ ایک بار عمرؓ بن خطاب ایک نسخہ توریت کا لائے اور پڑھتے تھے، آپؐ نے منع کیا۔ اور اس وقت خلاف عادتِ مقررہ کے سوائے قرآن کے اپنے ہاتھ سے لکھنے کو فرمایا، حاضرین کو کمال تعجب ہوا اور کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اسی سبب سے ذکر ہذیان کا بطریق استفہام انکاری یا تعجبی ان میں سے بعض کی زبان پر گزرا۔ اگر غرض ان کی ہذیان ثابت کرنے کی پیغمبرؐ پر ہوتی تو یہ نہ کہتے پھر پوچھو، بلکہ یہ کہتے کہ جانے دو ہذیان کی بات کا کیا اعتبار۔

اور تفصیل کلام کی اس مقام میں یہ ہے کہ ہجر لغت میں اختلاطِ کلام کے معنے میں ہے ایسے طور پر کہ سمجھا نہ جائے۔ اور یہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم میں کہ وہ انبیاءؑ کو بھی ہوتا ہے۔ اس میں کسی کو جھگڑا نہیں ہے وہ یہ ہے کہ آواز بیٹھ جائے یا غلبہ خشکی کا زبان پر ہو یا آلاتِ گویائی کے ضعیف ہوجائیں کہ مخارج حرفوں کے کما ینبغی ظاہر نہ ہوں اور لفظ اچھی طرح سُننے میں نہ آئیں کہ ان حالتوں کے لاحق ہونے سے انبیاءؑ کو کچھ نقصان نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عارضوں اور توابع مرض سے ہیں۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باجماعِ سیر مرضِ موت میں بحۃ الصّوت عارض ہوا تھا یعنے آواز بیٹھ گئی تھی۔ چنانچہ صحیح کتابوں میں حدیث کی موجود ہے۔

دوسری قسم اختلاط کی یہ ہے کہ بسبب غشی اور بخارات دماغ کو چڑھ جانے سے جیسا کہ شدتِ تپ میں ہوتا ہے کہ اکثر کلام نادرست غیر منتظم خلافِ مقصود زبان پر جاری ہوتا ہے اور یہ امر اگرچہ امورِ بدن سے پیدا ہوتے ہیں لیکن اثر اُن کا روح اور مدرکہ کو پہنچتا ہے۔ علماء کو اس امر کی تجویز میں انبیاءؑ پر اختلاف ہے۔

بعض قسم جنون سے قیاس کرکے ممتنع جانتے ہیں۔ بعضے نیند پر قیاس کرکے جائز رکھتے ہیں۔ اور جس سبب سے یہ عارضہ لاحق ہوتا ہے وہ سبب انبیاءؑ کو بھی لاحق ہوتا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اس واسطے کہ لاحق ہونا غشی کا حضرت موسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ پر قرآن مجید میں منصوص ہے۔ قولہ تعالیٰ وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا (اور گر موسےٰ بیہوش) اور بیہوش ہوجانا سب پیغمبروںؑ کا وقت نفخ صور کے سوائے حضرت موسےٰ کے یہ بھی صحیح اور ثابت ہے۔ قولہ تعالیٰ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ (اور جب دم پھونکا جائے گا صور میں تو بیہوش ہوجائیں گے جو آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں مگر جس کو اللہ چاہے گا) حدیثِ صحیح میں آیا ہے فَاَکُوْنُ اَوَّلَ مَنْ یُّفِیْقُ فَاِذَا مُوْسٰی اٰخِذٌ بِقَآئِمَۃٍ مِّنْ قَوَآئِمِ الْعَرْشِ فَلَا اَدْرِیْ اَصَعِقَ فَاَفَاقَ قَبْلِیْ اَمْ جُوْزِیَ بِصَعْقَۃِ الطُّوْرِ (پس پہلے جس کو ہوش ہوگا وہ میں ہوں گا اور ناگاہ دیکھوں گا کہ موسیٰؑ عرش کے پایوں سے ایک پایہ پکڑے ہیں، میں نہیں جانتا ہوں آیا بیہوش ہوکر افاقہ پایا مجھ سے پہلے یا بیہوشی طور سے مبادلہ ہوگیا)۔ البتہ اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاءؑ کو بسبب ان کی کرامت اور بزرگی کے حالتِ غشی و بیہوشی میں بھی جو کچھ اُس کے خلاف مرضی ہو بچائے رکھتا ہے قولاً اور فعلاً جو مرضی حق کی ہوتی ہے وہی ان سے صادر ہوتا ہے ہر حالت میں۔ اور خوب ظاہر ہے کہ اس حالت کو جنون پر نہیں قیاس کرسکتے کہ جنون میں اوّل خلل روح کے قوائے مدرکہ میں پڑتا ہے اور ہمیشہ مضبوط رہتا ہے بخلاف اس حالت کے کہ روح میں ہرگز اختلال نہیں ہوتا بلکہ آلات بدن کے بسبب غلبہ مخالف کے جو مرض ہے جب روح توجہ اُس کی دفع کی کرتی ہے تو اُس کے حکم میں نہیں رہتی۔ اس واسطے یہ حالت ہمیشہ اور جمی نہیں ہوتی پس یہ حالت مثل نیند کے ہے کہ انبیاءؑ کو بھی لاحق ہوتی ہے کہ اس سے اور حالتِ بیداری سے بڑا فرق ہے۔ حد یہ ہے کہ نیند میں نزول احکام سے یہ بزرگوار آگاہ وخبردار ہوتے ہیں اس کے ساتھ بھی احکام نیند کے اُن کاموں میں جو ہاتھ پاؤں اور آنکھ کان سے متعلق ہیں اثر کرتے ہیں۔ اور نماز کا جاتا رہنا اور بےخبری اُس کے وقت نکل جانے سے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ کافی کلینی میں لیلۃ التعریس کی خبر میں مذکور ہے۔ اسی طرح سہو و نسیان بھی نماز میں ان کو لاحق ہوتا ہے جیسا کہ امامیہ نے اپنی صحیح کتابوں میں انبیاءؑ و ائمہؑ سے وقوع سہو کو روایت کیا ہے۔

جو کچھ اس قصہ میں بہت وجہوں کے ساتھ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے خلاف عادت ظہور میں آیا جیسا کہ اُوپر لکھا گیا، اگر بعض حاضرین کو وہم پیدا ہوا ہو کہ مبادا قسم اختلاطِ کلام سے ہے جو ایسے مرضوں میں ظاہر ہوتا ہے تو بعید بھی نہیں ہے نہ موقع طعن وتشنیع کا ہے۔ خصوصاً اُس وقت جب کہ شدتِ دردِ سر

اور التہاب حمیٰ یعنی تپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت ہی زور کیا تھا۔ اور ایک روایت سے صریح یہ بات اور معلوم ہوتی ہے کہ لوگ اس کو بعید جانتے تھے اور کہتے تھے مَا شَأْنُهٗ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ (کیا حال ہے ان کا آیا بہکتے ہیں پوچھو تو ان سے) اس پر بھی اس کہنے والے نے برعایت ادب قطعی بات نہ کی بلکہ بطریق تردد کہا آیا اختلاط کلام ہے یا ہم نہیں سمجھتے، ذرا پوچھو تو واضح فرمائیں اور بیداری وہوشیاری کے ساتھ ارشاد کریں تو کاغذ دوات لائیں نہیں تو جانے دیں، اس واسطے کہ آپ کو چنداں حاجت مشقت اٹھانے کی نہیں ہے۔ یہ سب باتیں اس صورت پر ہیں کہ اختلاط کلام سے قسم اخیر مراد ہو اور اگر قسم اول مراد ہو تو یعنے اس مضمون کو خلاف عادت پیغمبرؐ کے ہم دیکھتے ہیں ایسا نہ ہو آپؐ کے ناطقے میں ضعف ہو گیا ہو اس سبب سے ہم آپؐ کے الفاظ کو بخوبی نہیں معلوم کر سکتے ہیں لفظ اور ہیں ہم کچھ اور سنتے ہیں دوبارہ پوچھو تاکہ ظاہر فرمائیں اور ہم یقین کے ساتھ جان لیں کہ یہی لفظ ہیں اس وقت دوات و کاغذ لائیں اس میں کوئی مشکل نہیں پڑتی۔

✻ تیسری وجہ طعن کی جو ہے وہ بھی سراسر غلط فہمی ہے اور حق سے چشم پوشی۔ اس واسطے کہ بلند کرنا آواز کا یعنی چلانا آواز پیغمبرؐ پر منع ہے اور اس قصے میں یہ بات کسی سے ظہور میں نہ آئی نہ عمرؓ سے نہ غیر عمرؓ سے اور رفع صوت باہم خود آپؐ کے سامنے بحثوں اور جھگڑوں میں ہمیشہ جاری وساری تھا ہرگز اس کو آپؐ نے منع نہ فرمایا۔ بلکہ اشارہ قرآن کا ان بحثوں کو جائز اور تجویز فرماتا ہے دو طرح سے، اول یہ کہ اس لفظ کے ساتھ فرمایا ہے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اور یوں نہیں فرمایا ہے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ بَيْنَكُمْ عِنْدَ النَّبِيِّ (مت چلاؤ آپس میں جس وقت کہ نبیؐ کے پاس ہو) دوسرے فرمایا كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (جیسے ایک دوسرے پر چلاتے ہو) پس صریح معلوم ہوا کہ جہر بعض کا بعض پر جائز ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ پہلے عمرؓ نے رفع صوت کیا اور جھگڑے کے باعث ہوئے۔ اول اس کو کسی دلیل سے ثابت کرنا چاہیے پھر زبان طعن کی کھولیں۔ جس حجرہ میں تو ایک جماعت کثیر تھی اور بہت سے آدمیوں کی باتوں میں رفع صوت ضروری ہے۔ اور حضرتؐ کا ارشاد لَا يَنْبَغِيْ عِنْدِيْ تَنَازُعٌ (نہیں لائق ہے میرے پاس آپس میں جھگڑنا) یہ بھی اسی مدعا پر گواہ ہے۔ اس واسطے کہ لَا يَنْبَغِيْ ایسے موقع پر لایا جاتا ہے کہ جہاں اولیٰ بات ترک ہوتی ہو نہ کہ حرام وکبیرہ۔ جیسے کوئی کہے کہ زنا کرنا مناسب نہیں ہے سب اہل شرع اس پر ہنسیں گے اور ٹھٹھے ماریں گے۔

اور لفظ قُوْمُوْا عَنِّيْ یہ قسم تنگ مزاجی مریض سے ہے کہ ذرا سی گفت وشنید میں بہت ہی ناخوش ہو جاتا ہے اور جو بات حالت مرض میں تنگ مزاجی کی راہ سے وقوع میں آتی ہے کسی کے حق میں محل طعن

نہیں ہوتی۔ خصوصاً یہ خطاب تو سب حاضرین کی طرف ہے اس میں چاہے تجویز کرنے والے ہوں چاہے منع کرنے والے۔ اور روایت صحیحہ میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مرض میں لدود کھلایا تھا، اور یہ ایک دوا ہے منہ میں ڈالے رکھنے کی۔ بعد افاقہ کے فرمایا لَا يَبْقٰى فِي الْبَيْتِ اِلَّا لُدَّ اِلَّا الْعَبَّاسَ فَاِنَّهٗ لَمْ يَشْهَدْكُمْ (گھر میں کوئی نہ رہے مگر یہ کہ اس کو لدود دیا جائے سوائے عباسؓ کے کہ بیشک وہ تمہارے بیچ میں حاضر نہ تھے) اور یہ تنگ مزاجی کہ مرض میں لاحق ہوتی ہے اصلاً نقصان نہیں کرتی کہ جس سبب سے انبیاءؑ کو اس سے معصوم اعتقاد کیا جائے۔

✻ چوتھی وجہ جو طعن کی ہے اس کی بنیاد بھی خیال باطل ہی پر ہے۔ اس لیے کہ حق تلفی امت کی جب ہوتی کہ کوئی نئی چیز خدا کی طرف سے آئی ہوتی اور امت کے حق میں نافع ہوتی اس کو منع کرتے۔ بمضمون اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ کے قطعاً معلوم ہے کہ کوئی حکم نیا نہیں تھا بلکہ کوئی امر دینی بھی نہ تھا صرف نیک مشورہ اور ملکی مصلحتوں کا ارشاد کہ وہ وقت ایسی ہی وصیت کا تھا۔ کونسا عاقل تجویز کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئیس ۲۳ برس کی مدت میں کہ تمام آپؐ کی نبوت کا تھا اور کیسی رحمت اور رافت عام خلق اللہ خصوصاً امت کے حق میں رکھتے تھے۔ اور اس کے ساتھ کہ قرآن امت کو پہنچایا اور بیشمار حدیثیں ارشاد کیں ایسے تنگ وقت میں کونسی ایسی چیز تھی کہ کہنے سے رہ گئی تھی اور تریاق مجرب تھی دفع اختلاف کے واسطے اس کو کہتے یا لکھاتے اور عمرؓ کے منع کرنے سے رک گئے۔ اور پانچ روز تک حیات رہے اور عمرؓ اصلاً وہاں موجود نہیں صرف اس وہم سے کہ مبادا عمرؓ سن لیں اور باہر دروازے پر کھڑے ہو کر ڈرائیں دھمکائیں حضرتؐ زبان پر نہ لائیں اور باوصف آمد ورفت اہل بیت کے اس وقت بھی ان سے نہ فرمائیں کہ ایسا نوشتہ لکھ کر رکھ چھوڑو۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ (پاک ہے تو یہ بہت بڑا بہتان ہے)۔

اس کے علاوہ دلیل عقلی اس بیہودہ خیال کی بیہودگی پر یہ ہے کہ اگر پیغمبرؐ یہ نوشتہ لکھنے کے واسطے قطعاً اور ضرورۃً جناب باری تعالیٰ سے مامور تھے باوصف اس قدر فرصت کے کہ باقی روز پنجشنبہ کا اور تمام دن جمعہ اور شنبہ اور یکشنبہ کے بخیریت گزرے کیوں نہیں اس نوشتہ کے لکھانے میں متعرض ہوئے کہ اس سے تساہل لازم آتا ہے احکام الٰہی کے پہنچانے اور ادا کرنے میں جو خلاف آنجنابؐ کے ہے حاشا مِنْ ذٰلِكَ قولہ تعالیٰ يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (اے رسولؐ! پہنچا جو کچھ تجھ پر اتارا گیا ہے تیرے پروردگار کی طرف سے اور اگر ایسا تو نے نہ کیا تو تو نے خدا کا پیغام ہی نہ پہنچایا اور خدا تیرا نگہبان ہے لوگوں کے شر سے)

پھر اس وقت جب کہ موت حیات پر غالب ہوتی تھی عمرؓ سے ڈرنا کیسا بے اطمینان ہونا ہے وعدہ الٰہی سے کہ عصمت و محافظت کے ساتھ وارد ہے مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔ اور اگر آپؐ اپنے اجتہاد سے چاہتے تھے کہ کچھ لکھیں تو آپؐ نے اُس اجتہاد سے رجوع فرمایا یا نہیں۔ درصورتِ شق اول یعنے رجوع فرمانے کے بالکل طعن زائل ہو گیا بلکہ تمام تمام موافقاتِ عمری کی طرح منقلب بمنقبت ہو گیا بمنقبت بِعِزِّ عَزِیْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِیْلٍ (ساتھ عزت پانے کسی عزیز یا ذلت پانے کسی ذلیل کے) ساتھ بصفتِ کمال۔ اور درصورت شق ثانی جو کچھ نافع ہے اس کا ترک لازم آیا اور یہ مصداق رحمت الٰہی کا نہ ہوا حَاشَا جَنَابَہٗ مِنْ ذٰلِکَ۔ قولہ تعالےٰ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (ہر آئینہ بیشک آیا تمہارے پاس رسول تم میں سے کہ بھاری ہے اُس پر تمہارا رنج، شفیق ہے تم پر اور مومنوں کے حق میں مہربان اور نرم دِل)۔

✻ دوسری دلیل یہ ہے کہ آپؐ جو کتاب (نوشتہ) لکھنا چاہتے تھے یا تو کوئی نئی بات تھی جو تبلیغ سابق پر زائد تھی یا ناسخ اور مخالف اُس کا یا تاکید اُس کی۔ پہلی اور دوسری شق کی صورت میں تکذیب اس آیت کی ہوتی ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ۔ اور تیسری شق میں امت کی کچھ حق تلفی نہیں ہوتی۔ اس سبب سے کہ تاکید پیغمبرؐ کی خدا کی تاکید سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اگر خدا کی تاکید کو گنتی میں نہ لائیں گے تو پیغمبرؐ کی تاکید سے اُن کے حق میں کیا کشود ہوگی۔

اور دلیلِ نقلی جو اس خیال کے بطلان پر ہے یہ ہے کہ روایت سعید بن جبیرؒ میں ابن عباسؓ سے اسی قرطاس کی خبر میں آیا ہے اور صحیحین میں موجود ہے کہ :۔

اِشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَجْعُہٗ فَقَالَ ائْتُوْنِیْ بِکَتِفٍ اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اَبَدًا فَتَنَازَعُوْا فَقَالُوْا مَا شَانُہٗ اَھَجَرَ اِسْتَفْھِمُوْہُ فَذَھَبُوْا یَرُدُّوْنَ عَلَیْہِ فَقَالَ دَعُوْنِیْ فَالَّذِیْ اَنَا فِیْہِ خَیْرٌ مِّمَّا تَدْعُوْنِیْ اِلَیْہِ وَاَوْصَاھُمْ بِثَلَاثٍ قَالَ اَخْرِجُوا الْمُشْرِکِیْنَ مِنْ جَزِیْرَۃِ الْعَرَبِ وَاَجِیْزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا کُنْتُ اُجِیْزُھُمْ وَسَکَتَ عَنِ الثَّالِثَۃِ	یعنے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آزار اور درد کی شدت ہوئی تو فرمایا لاؤ میرے پاس ہڈی شانے کی تو تم کو ایک نوشتہ لکھ دوں تاکہ بہک نہ جاؤ پھر کبھی، سو آپس میں جھگڑا کیا اور کہا کہ آنحضرتؐ کو کیا ہو گیا ہے آیا بے خبروں کی طرح ہے پھر پوچھو اُن سے پس شروع کیا ایسا کہ تکرار کرتے تھے آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا چھوڑو مجھ کو اُس شغل میں کہ میں جس میں ہوں کہ وہ شغل اس سے بہتر ہے جس کی طرف مجھ کو بلاتے ہو اور تین وصیتیں کیں ایک یہ کہ نکال دو مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے اور انعام دو ایلچیوں کو جیسا کہ میں دیتا تھا اُن کو یہ کہہ کر خاموش

اَوْ قَالَ نَسِیْتُھَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَفِی الْبَیْتِ رِجَالٌ مِّنْھُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ قَدْ غَلَبَہُ الْوَجْعُ وَعِنْدَکُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُکُمْ کِتَابُ اللّٰہِ۔	یا کہا کہ میں اُس کو بھول گیا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ گھر میں مرد تھے اُن میں سے عمرؓ بن خطاب نے کہا کہ حضرتؐ پر مرض نے غلبہ کیا ہے اور تمہارے پاس قرآن کافی ہے کہ وہ اللہ کی کتاب ہے۔

اِس روایت سے بھی صریح معلوم ہوتا ہے کہ عمرؓ کے بولنے سے پہلے حاضرین نے تنازع کیا اور جو کچھ کہنا تھا کہہ لیا۔ اور پھر جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپؐ نے اُس کو لوٹ کر دوات منگانے اور کتاب لکھنے سے سکوت فرمایا۔ اگر یہ بات قطعی یا موافق وحی کے ہوتی اور آپؐ سکوت فرماتے اور جاری نہ کرتے تو خلاف عصمت کے تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد اس قصہ کے پانچ روز تک زندہ رہے اور روز دوشنبہ کو رفیق ملأ اعلیٰ کے ہوئے کہ اس کے شیعہ بھی مقر ہیں۔ اگر وحی تھی تو اُس کی تبلیغ کی اس مدت میں فرصت پائی تھی پس معلوم ہوا کہ امور دین سے کچھ لکھنا منظور نہ تھا بلکہ سیاست مدینہ اور مصالح ملک اور تدبیراتِ دنیوی میں زبانی وصیت فرمائی۔ اور تیسری چیز کہ اس روایت میں فراموش شدہ لکھی ہے درستی سامان لشکر اُسامہؓ کی ہے جو دوسری روایت سے ثابت ہے۔ اور اوّل دلیل اس مدعا پر یہ ہے کہ جب دوسری دفعہ اصحابؓ نے دوات وشانہ لانے کو پوچھا تو جواب دیا کہ فَالَّذِیْ اَنَا فِیْہِ خَیْرٌ مِّمَّا تَدْعُوْنَنِیْ اِلَیْہِ (تم چاہتے ہو کہ میں وصیت نامہ لکھوں اور میں اپنے باطن سے مشغول ہوں مشاہدہ حق تعالےٰ میں اور اُس کے قربِ مناجات میں جلّ شانہ) اور اگر امورِ دینیہ یا تبلیغ وحی کا منظور ہوتا معنے خیریت کے کیونکر درست ہوتے کیونکہ باجماع انبیاءؑ کے حق میں وحی پہنچانے اور احکام دین جاری کرنے سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں ہے۔ اور یہ بھی اِس روایت سے ظاہر ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری دفعہ جواب بے تعلقی اور آزادیٔ خاطر کا اِس عالم سے اصحابؓ کو ارشاد فرمایا تو حاضرین کو یاس و حسرت دامنگیر ہوئی عمرؓ بن خطاب نے اُن کی تسلی کے واسطے یہ عبارت کہی کہ یہ جواب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہارے حق میں عتاب و غصہ کی راہ سے نہیں ہے بلکہ بسبب شدّت درد کے ہے کہ جس سے تنگ مزاجی ہو گئی ہے۔ اور پیغمبرؐ کی آزادی سے مایوس مت ہو کہ اللہ کی کتاب شافی و کافی ہے تمہاری تعلیم اور تمہارے دین و ایمان کی نگہبانی کو۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام عمرؓ بن خطاب کا بعد اس گفتگو کے مقام تسلّی اصحابؓ میں واقع ہوا نہ کہ ممانعت کتابت میں۔ اور آخر کلام اِس مقام میں یہ ہے کہ حضرت امیرؓ بھی اس قصّے میں حاضر تھے اس پر اہلِ سیر سُنّی وشیعہ دونوں کا اجماع ہے۔ اور ہرگز انکار اُن کا عمرؓ پر اور حاضرانِ مجلس پر کہ کتاب سے ممانعت کی تھی منقول نہیں ہوا نہ آپؐ کی حیات میں اور نہ بعد وفات آپؐ کے اُس زمانہ میں جو آپؐ کی خلافت کا

وقت تھا نہ کسی شیعہ سے نہ کسی سُنّی سے۔ پس اگر عمرؓ اِس کام میں خطاوار ہیں تو حضرت امیرؓ بھی اُس کام کے مجوز ہیں اور سوائے ابنِ عباسؓ کے کہ اُس وقت صغیر سن تھے کسی کا افسوس اور کسی کی حسرت کیسے منقول نہیں ہوئی۔ اگر کوئی امرِ عظیم اس ماجرے میں فوت ہوا ہوتا تو بڑے بڑے صحابہؓ ادنیٰ یہ کہ حضرت امیرؓ خود اُس کا ذکر فرماتے اور حسرت ظاہر کرتے اور شکایت اِس ممانعت کی زبان پر لاتے۔

اگر اِس موقع پر کسی کے دل میں یہ شبہ گزرے کہ اگر کوئی امرِ عظیم مہماتِ دین سے اِس لکھنے میں منظورِ نظرِ پیغمبرؐ نہ تھا تو یہ کیوں فرمایا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ؟ اِس واسطے کہ یہ لفظ صریح اِس پر دلالت کرتا ہے کہ اِس نوشتہ کے لکھ جانے سے تم گمراہ نہیں ہوگے اور معنی گمراہی کے یہی ہیں کہ دین میں خلل پڑے۔

جواب اِس شبہ کا یہ ہے کہ لفظ ضَلَال لغتِ عرب میں جیسا بمعنے گمراہی در دین کے آتا ہے ویسے ہی دنیا کے معاملات میں بدتدبیری کے معنے میں بھی بہت مستعمل ہے۔ مثال اُس کی کلامِ الٰہی میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرف سے حضرت یعقوبؑ کے حق میں علیٰ نبینا وعلیہم الصّلوٰۃ سورہ یوسف میں مذکور ہے قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّ اَبَانَا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ (کہا یوسفؑ کے بھائیوں نے ہر آئینہ یوسفؑ اور اُس کا حقیقی بھائی باپ کو ہم سے زیادہ دوست ہے اور ہم مرد قوی ہیں بیشک ہمارے باپ غلطی صریح میں ہیں) نیز اِسی سورۃ میں دوسری جگہ فرمایا کہ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (بیشک تو اُسی اپنی غلطی قدیم میں ہے) ظاہر ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی کافر نہ تھے کہ اپنے پدر بزرگوار کو کہ پیغمبر عالی مرتبہ تھے گمراہ دین اعتقاد کریں مَعَاذَ اللّٰهِ مِنْ هٰذَا الظَّنِّ الْفَاسِدِ۔ مراد ان کی بے تدبیری معاملات دنیوی کی تھی کہ کام کرنے والے لڑکوں کو کہ ہر طرح کی خدمتیں بجا لاتے ہیں ایسا دوست نہیں رکھتے جیسا خوردسال لڑکوں کو کم محنت قاصر الخدمت کو تا بحد نوبت عشق کی پہنچائی ہے۔ پس یہاں بھی مُراد تَضِلُّوْا سے خطا تدبیر ملک میں ہے نہ کہ گمراہی دین۔

اور دلیل قطعی اِس ادّعا پر یہ ہے کہ تیئیس۲۳ برس کی مدّت اور وحی اور قرآن کا نزول اور پہنچانا حدیثوں کا اگر ان کی ہدایت اور دفع گمراہی کو کافی نہیں ہو تو یہ دو تین سطریں اِس نوشتہ کی کیونکر کافی اس کام میں ہوسکتی ہیں۔

بعضوں کے دل میں اِس موقع پر یہ خیال بھی گزرتا ہے کہ شاید آنجنابؐ کو امرِ خلافت کا لکھنا منظور ہو عمرؓ کی ممانعت سے یہ امرِ عظیم توقف میں پڑگیا تو ہم کہتے ہیں کہ اگر امرِ خلافت کا لکھنا منظور ہو تو دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا خلافت ابوبکرؓ کی یا خلافت حضرت امیرؓ کی۔ اوّل صورت میں یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مرض میں ابوبکرؓ کے واسطے ارادہ دل میں کرکے خود بخود موقوف کیا بغیر

اِس کے کہ عمرؓ نے منع کیا ہو بلکہ خدا اور مسلمانوں کے اجماع پر حوالے کیا، اور جانا کہ یہ مقدمہ خود ہی ہونے والا ہے حاجت لکھنے کی کیا ہے۔ صحیح مسلم میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مرض میں عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ:-

اُدْعِیْ لِیْ اَبَابَكْرٍ وَ اَخَاكِ حَتّٰی اَكْتُبَ لَهُمَا كِتَابًا فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا اَوْلٰى وَيَاْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَكْرٍؓ

بُلا میرے پاس اپنے باپ ابوبکرؓ اور بھائی کو تاکہ میں وصیّت نامہ لکھدوں میں ڈرتا ہوں اس بات سے کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے یا کوئی کہنے والا کہے کہ میں ہی ہوں اور کوئی نہیں ہے۔ اور خدا اور مومنین کسی کو قبول نہ کریں گے مگر ابوبکرؓ کو۔

یہاں حضرت عمرؓ کب موجود تھے کہ وصیّت نامہ لکھنے سے ممانعت کی ہے۔ اور دوسری صورت میں حاجت لکھنے کی نہ تھی اِس واسطے کہ قبل اِس واقعہ سے ہزاروں آدمیوں کے سامنے میدانِ غدیرِ خُم میں خطبۂ ولایت امیر المؤمنینؓ کا فرمایا تھا اور امیر المؤمنینؓ کو مولا ہر مومن اور مومنہ کا فرمایا اور یہ قصّہ تمام جہان میں مشہور اور زبان زدِ خلائق ہوا تھا۔ اگر باوصف اِس تقید و تاکید اور شہرت اور تواتر کے اُس پر عمل نہ کریں تو اِس خانگی لکھنے سے کہ چند آدمی سے زیادہ وہاں حاضر نہ ہوں گے کیا کشود حاصل ہوگی۔

حاصل کلام کسی صورت سے اِس نوشتہ کے منع کرنے میں حق اُمّت کا باطل نہیں ہوا۔ اور دین کے کام کوئی چھپے نہیں رہے۔ اور یہ خیال باطل ہو بہو مثل خیال غیبت امام مہدیؑ کے ہے کہ بالکل وسواس ہے اور وسواس کا کچھ علاج نہیں۔

❋ طعنِ دوم

یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکان حضرت سیدۃ النساءؓ کا جلا دیا اور اُن کے پہلو مبارک پر اپنی تلوار سے ایسا صدمہ پہنچایا کہ حمل ساقط ہوا۔

یہ قصہ بالکل واہی اور بہتان اور سراسر افترا ہے اِس کی کچھ اصل نہیں۔ اسی واسطے اکثر امامیہ قائل اِس قصّے کے نہیں ہیں، اور کہتے ہیں کہ قصد مکان مبارک جلانے کا کیا تھا لیکن جلایا نہیں۔ ظاہر ہے کہ قصد امورِ قلبیہ سے ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے اُس سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ اور اگر مراد اُن کی قصد سے زبانی ڈرانا دھمکانا ہے کہ جلا دوں گا تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ اِس دھمکی اور ڈرانے سے اُن لوگوں کا ڈرانا منظور تھا کہ ہر اہلِ خیانت نے آپؓ کے مکان کو امن و پناہ کی جگہ جان کر حکم حرم مکۂ معظمہ کا دیا تھا۔ اور وہاں جمع ہوکر خلیفۂ اوّلؓ کی خلافت لوٹ پوٹ کرنے کے واسطے صلاحیں اور مشورے فساد انگیز کرتے تھے اور فساد و فتنے اُٹھایا چاہتے تھے۔ حضرت زہراؓ بھی ان کی اس نشست و برخاست سے مکدر و ناخوش تھیں، لیکن بسبب کمال حُسنِ خُلق کے ظاہر اُن سے نہیں فرماتی تھیں کہ ہمارے گھر مت آؤ۔ عمرؓ بن خطاب نے جب حال

دیکھا تو اس گروہ سے دھمکا کر کہا کہ میں اُس گھر کو تم پر جلا دوں گا کہ پھر نہ آنے جانے پاؤ۔ اور خصوصیت جلانے کی اِس تہدید میں موافق حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور اُسی سے مستنبط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کو جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے اور امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے ایسا ہی ارشاد فرمایا تھا کہ اگر یہ گروہ ترکِ جماعت سے باز نہ آئے تو میں ان کا گھر اُن پر پھونک دوں گا۔ اور چونکہ ابو بکرؓ بھی امام نماز مقرر کئے ہوئے حضرت پیغمبرؐ کے تھے اور وہ لوگ ان کی امامت کو ترک کرنا تجویز کرتے تھے اور رفاقت جماعت مسلمانوں کی اس امر میں نہیں کرتے تھے پس یہ قول حضرت عمرؓ کا بھی مشابہ قول پیغمبر کے ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے علاوہ فتح مکّہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں عرض کیا گیا کہ ابنِ خطل جو شعرائے کفّار سے تھا اور بارہا اپنے شعروں میں ہجو آپؐ کی لکھ کر اپنا مُنہ کالا کرتا رہا تھا خانۂ کعبہ میں جا کر اس کے پردوں میں جہاں تجلّی کا آشیانہ ہے چھپا ہے اُس کے مقدمہ میں کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ اُس کو وہیں مار ڈالو اور کچھ پاس کسی بات کا نہ کرو۔ اور جب ایسے مردودِ دین جناز الٰہی کو خانۂ خدا میں پناہ نہ ہو تو حضرت زہراؓ کے گھر میں کیوں پناہ ملنا چاہیے۔ اور حضرت زہراؓ ایسے شریر مفسدوں کے سزا دینے سے کب مکدر ہوں گی کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (خدا کی عادتوں کے موافق عادت اختیار کرو) آپؓ کی طینتِ پاک کا شیوہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ صحیح خبروں سے ثابت ہے کہ حضرت زہراؓ بھی اُن لوگوں کو اس جماؤ سے منع کرتی تھیں۔

نیز قول حضرت عمرؓ کا اِس موقع پر حضرت امیرؓ کے فعل سے بہت گھٹ کر ہے کہ جب بعد شہید ہونے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آپ کی خلافت ٹھہری تو جو لوگ کہ ارادہ برہم کرنے اس منصب عظیم کا دل میں رکھتے تھے مدینہ سے نکل کر مکّہ کو دوڑے۔ اور بپناہ حمایۂ حرم محترم رسول یعنے امّ المومنین عائشہ صدیقہؓ میں داخل ہو کر دعوای قصاص عثمانؓ کا اُن کے قاتلوں سے کر کے آمادہ جنگ و پیکار کے ہوئے تھے۔ حضرت امیرؓ نے اُن کو قتل کیا اور کچھ پاس حرم محترم رسول اور رعایت ادب اپنی ماں اور امّ المومنینؓ کا جو بموجب نصّ قرآن کے ہے نہ فرمایا۔ ہر چند جیسے کچھ ذلّت و اہانت اور آسیب و صدمہ حرم محترم رسول نے اُٹھایا اظہر من الشمس ہے۔ اور واقعی حضرت امیرؓ نے جو کچھ کیا نہایت نیک اور خاص انصاف حق تھا کہ ایسے بڑے کاموں میں جس میں فتنہ اور فساد عام ہو جزئی مصلحتوں کی رعایت کر کے اُس کے مقدموں اور مبادی کو چھوڑ دینا اور تدارک نہ کرنا کمال بے انتظامی امور دین و دنیا کی ہے۔ پس جیسا کہ گھر حضرت زہراؓ کا واجب التعظیم اور احترام تھا امّ المومنینؓ اور حرم محترم رسول اور زوجہ محبوبہ اُن کی کہ محبوب الٰہی تھے یہ بھی واجب التعظیم و احترام تھا بلکہ عمرؓ سے صرف قول اور تخویف واسطے ڈرانے دھمکانے کی

وقوع میں آئی اور حضرت امیرؓ نے تو اس فعل کو بھی حد درجہ کو پہنچا دیا۔ پس اس مقام میں زبان طعن کی حضرت عمرؓ پر بڑھا دینا حالانکہ ان کا قول و فعل حضرت امیرؓ سے بدرجہا گھٹا ہوا ہے سوائے تعصب و عناد کے اور بنیاد اس کی کیا ہے۔

اب اگر اہلِ سُنّت کے مقابلہ میں یہ فرق پیدا کیا جائے کہ خلافت امیرؓ کی حق تھی لہٰذا اس کا حفظ انتظام تو ضروری تھا اور پاس امّ المومنینؓ اور تعظیم حرم رسول کی سب ساقط ہو گئی لیکن خلافت ابو بکرؓ کی ناحق تھی عمرؓ نے اُس خلافتِ فاسدہ کا پاس کیا اور اُس کے حفظ انتظام کے واسطے حضرت زہراؓ بنتِ رسول کے گھر کا لحاظ نہ کیا کہ وبال پر وبال ہے یہ سب ان کی نہایت بے عقلی و نادانی ہے۔ اس لئے کہ اہلِ سنّت کے نزدیک دونوں خلافتیں برابر ہیں دونوں کو حق جانتے ہیں۔ خصوصاً اُس وقت طعن عمرؓ ابن خطاب کی طرف متوجہ ہوتا کہ عمرؓ کے نزدیک جو خلافت ابو بکرؓ کی مقرر بحقیت تھی یعنے انہی کا حق تھا اور اُس وقت کوئی جھگڑالو اور مخالف کہ ابو بکرؓ کا ہم جنب ہوتا یعنی برابر والا اور یہ اس کی مخالفت کی پروا نہ کرتے اور گنتی میں نہ لاتے۔ بنیاد ایسی خلافت منتظمہ کی کہ اوّل جوش اسلام کا تھا اور وقت نشو و نما نہال دین اور ایمان کا برہم کرنا اور ارادے فاسد سوچنا ضرور موجب قتل و تعزیر نہ سہی تو کم سے کم موجب ڈرانے دھمکانے کا تو ہے۔

اور عجب یہ ہے کہ بعض فضلائے شیعہ نے اس طعن میں بطور ترقی کے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی زبیرؓ بن عوام بھی منجملہ اُن جوانوں بنی ہاشم کے تھے جن کے ڈرانے دھمکانے کو حضرت عمرؓ نے یہ بات کہی تھی کہ بعد اُس کے حضرت زہراؓ نے اُن جوانوں بنی ہاشم اور حضرت زبیرؓ کو جواب دیا کہ اب ہمارے گھر میں ایسی مجلس اور مجمع مت کرو۔ سبحان اللہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ خلافت ابو بکرؓ میں اگر زبیرؓ بن عوام تدبیر فساد ڈالنے کی کریں تو معصوم واجب التعظیم ہوں۔ اور حضرت عثمانؓ کے قصاص چاہنے میں اگر سخت بات مُنہ سے نکالیں تو واجب القتل اور تعزیر ہوں۔ اور جو حضرت زہراؓ کے گھر میں بیٹھ کر ایسے ارادے فساد اور صلاحیں فتنہ انگیزی کی کریں وہ تو واجب القبول ہوں اور جب حضور میں حرم محترم حضرت رسول کی اور ہمراہ اُن کے ہوں کہ بلاشبہ وہ امّ المومنین ہیں دعوائے قصاص یا شکایت عثمانؓ کے قاتلوں کی زبان پر لائیں تو وہ واجب الرد اور ازالہ ہوں۔

پس یہ فرق تو مبنی بر اصول شیعہ ہے۔ اور اگر چاہیں کہ اہلِ سنت کو اپنے طریق پر الزام دیں تو کیوں اتنی دور دور دوڑتے پھریں بس ایک بات کافی ہے۔ اور جب کہ ترک جماعت پر کہ سنتِ مؤکدہ ہے اور فائدہ اُس کا فقط اُسی کے واسطے ہے جس پر یہ تکلیف شرعی ہے اور اس کے ترک سے مسلمانوں کو کچھ

ضرر نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہدیداً ان کے گھر جلانے کی فرمائی ہو، تو ان گھروں کے جلانے میں کہ جن میں ایسے مفسدے برپا ہوں جن کا شر تمام مسلمانوں بلکہ تمام دین کو پہنچے دھمکی دینا کیونکر جائز نہ ہوگی۔ اور جب کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم بسبب ہونے پردہ منقش اور تصویروں کے گھر میں حضرت زہراؓ کے نہ گھسے جب تک کہ وہ دُور نہ کر دی جائیں بلکہ خانۂ خدا میں نہ جائیں جبتک کہ صورتیں حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی وہاں سے نہ نکال ڈالی جائیں، اگر عمرؓ بن خطاب بھی بسبب ہونے مفسدوں کے اُس خانۂ کرامت آشیانہ میں جہاں فتنہ انگیز تدبیروں کا وقوع معلوم ہوتا تھا وہاں کے لوگوں کو گھر پھونک دینے کی دھمکی دیں تو کیا گناہ اُن کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔ حدیہ کہ مراعات ادب مقتضی ایسی دھمکی کی نہ تھی، لیکن معلوم ہوا کہ رعایت ادب کی ایسے بڑے کاموں میں کوئی نہیں کرتا ہے بدلیل فعل حضرت امیرؓ با عائشہ صدیقہؓ کہ بے شبہ زوجہ محبوبہ رسولؐ اور ماں تمام مسلمانوں کی اور واجب التعظیم تھیں۔ پس جو بات حضرت عمرؓ سے مطابق فعل معصوم کے وقوع میں آئی تو محل طعن و تشنیع کیوں ہو؟۔

❁ طعن سوم یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیغمبرؐ کے مرنے سے انکار کیا اور قسم کھائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرے نہیں ہیں یہاں تک کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اُن کے سامنے یہ آیت پڑھی :۔
إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ (تو بھی مرے گا اور بیشک وہ بھی مریں گے)۔

یہ عجب طعن ہے کہ ایک شخص بسبب کمال محبت رسول اور مفارقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شدت مرض کا حال دیکھ کر بیہوش و بیخود ہو گیا اور ایسا عقل سے جاتا رہا کہ اپنا اور اپنے باپ کا نام بھی یاد نہ رہا، اپنی موت و حیات کو بھول گیا اس نے مدہوشی اور بے خبری میں کمالِ محبت سے انکار موت پیغمبرؐ کا کیا تو اُس کو نشانہ اپنے تیر طعن کا کرنا چاہیے؟ شعر :

چشم بداندیش کہ برکندہ باد || عیب نماید ہنرش در نظر

آیاتِ قرآنی سے ثابت ہے کہ اکثر کو غم و حزن اور جزع فزع میں غفلت اور بیہوشیاں واقع ہوتی ہیں مگر جائے طعن و ملامت نہیں ہوتیں۔ شیعہ کی سابقہ صحیح روایتوں میں گزرا کہ حضرت موسیٰؑ کو عین حالتِ مناجات میں علم قُربِ الٰہی کا اور پاک ہونا اُس کا مکان سے حاصل نہ ہوا۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ کو اُس وقت کوئی عارضہ عارضوں بیہوشی اور حیرانی سے لاحق نہ تھا اگر عمرؓ کو ایسی حالت میں کہ اُن کے نزدیک نمونۂ ہول محشر کی تھی پیغمبرؐ کی موت جائز ہونے کی خبر نہ رہی کیا گناہ، نسیان و بیہوشی لوازم بشریت سے ہے۔ حضرت یوشعؑ کہ بالاجماع نبی معصوم تھے خبر غیبت ماہی کو باوصف تقید موسیٰؑ کے بھول گئے۔ اور خود حضرت موسیٰؑ باوصف قول قرار کہ خضر علیہ السلام سے کئے تھے کہ ہرگز میں تم سے کچھ سوال

نہیں کروں گا بسبب مشاہدۂ غرابت قصہ اور اُس کی ندرت کے بھول کر پوچھتے تھے۔ حضرت آدمؑ ابو البشر کہ آدمی کی جڑ ہیں حق تعالیٰ اُن کے حق میں فرماتا ہے فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (سو بھول گیا آدمؑ اور ہم نے اُس کا ارادہ اس میں نہیں پایا) اور نسیان پیغمبرؐ کا نماز میں کافی کلینی میں موجود ہے کہ ابو جعفر طوسی اور دیگر امامیہ نے اُس کی صحت پر حکم کیا ہے اور خود ابو جعفر طوسی عبداللہ حلبی سے روایت لایا کہ :۔

إِنَّ الْإِمَامَ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَسْهُو فِي صَلَاتِهِ وَيَقُولُ فِي سَجْدَتَيِ السَّهْوِ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ۔

بیشک امام یعنے ابا عبداللہ علیہ السلام اپنی نماز میں سہو کرتے تھے اور دونوں سجدوں میں سہو کے بسم اللہ اور باللہ الخ کہتے تھے۔

پس اگر حضرت عمرؓ کو بھی ایک آیت قرآنی بطور غفلت کے ایسے حادثہ قیامت نما میں دل سے اُتر جائے تو کس طرح محلِ طعن ہو سکے گا۔

❁ طعن چہارم۔ یہ کہ حضرت عمرؓ جاہل تھے بعض مسائل شرعیہ جن کا جاننا مہماتِ امامت و خلافت میں اہم ہے نہیں جانتے تھے اُن میں سے یہ ہے کہ ایک عورت حاملہ کو جس نے زنا کیا تھا سنگسار کرنیکا حکم دیا۔ امیر المومنین رضؓ نے مانع ہو کر کہا إِنْ كَانَ لَكَ عَلَيْهَا سَبِيلٌ لَيْسَ لَكَ عَلَى مَا فِي بَطْنِهَا سَبِيلٌ۔ (اگر تجھ کو اس عورت پر راہ ہے تو اُس کے بچے پر جو اُس کے پیٹ میں ہے کب راہ ہے) حضرت عمرؓ نادم ہوئے اور کہا لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ (اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہی ہوا تھا) اور انہی میں سے یہ ہے کہ ایک دیوانی عورت کو حکم سنگساری کا دیا اُس کو بھی امیر المومنینؓ نے کہا اور یہ حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن کے سامنے پڑھی :۔

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَبْلُغَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يُفِيقَ۔

میں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے فرماتے تھے تین شخصوں سے قلم اُٹھائی گئی ہے، سوتا جب تک کہ وہ جاگ نہ جائے اور لڑکا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو اور دیوانہ جب تک کہ وہ افاقہ نہ پائے۔

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے مرے ہوئے بیٹے پر کہ ابو شحمہ تھے اور اثنائے حد مارنے میں وہ مر گئے تھے حد ماری اور گنتی ضربات کی پوری کی۔ حالانکہ مُردے پر حد مارنا خلاف عقل و شرع کے ہے۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ حد شراب پینے والے کی نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ لوگوں کی صلاح و مشورے سے

مقرر کی۔ اس قصے سے معلوم ہوا کہ جو ظاہر باتیں شرع کی ہیں اُن کا علم بھی اُن کو نہ تھا۔ پھر لیاقت امامت کی کب رکھتے ہوں گے۔

جواب اِس طعن کا یہ ہے کہ اِن قصّوں کے نقل کرنے میں انھوں نے بڑی خیانتیں کی ہیں۔ ایک بات تو ان میں سے نقل کی ہے باقی نگل کر پیٹ میں رکھ لی ہے تو طعن متوجہ ہوتی اور یہ کام تعصب عناد والوں کا ہے جیسے یہود نے کہا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ (بیشک اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار)۔ قصہ اس حاملہ کی سنگساری کا تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ حاملہ ہے اور حمل ایسی چیز نہیں کہ عورت کو دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے مگر بعد تمام ہونے مدتِ حمل یا قریب ہونے تمام مدت کے۔ حضرت امیرؓ پہلے اُس کے حاملہ ہونے پر مطلع تھے حضرت عمرؓ کو خبردار کیا اور وہ ممنون ہوئے۔ اور یہ کلمہ لَوْلَا عَلِيٌّ الخ مقام شکر میں کہا کہ اگر مجھ کو بعد حد مارنے اس کے اور اس کے بچے کے مرجانے کے اطلاع ہوتی کہ حاملہ تھی تو کیسی حسرت و افسوس اُس کے بچے کے مرجانے کی ہوتی کہ گویا بمنزلہ موت و ہلاک کی تھی۔ اگر حضرت علیؓ مجھ کو آگاہ نہ کرتے تو کیسا حزن و اندوہ مجھ کو ہوتا۔ اور بالاجماع شیعہ سُنی کے امام کو لازم نہیں ہے کہ جب عورت زانیہ زنا کا اقرار کرے یا گواہ گواہی زنا کی دیں اس بات کا پوچھنا کہ تو حاملہ تو نہیں ہے بلکہ خود اُس عورت کو چاہیے کہ وہ اپنے حمل کو ظاہر کرے۔ پس جو حکم کہ بجانب میں ہو اور حقیقت حال کی اور ہے جس اس حکم کو نہیں چاہیے اُس حکم کو جہل و نادانی نہیں کہہ سکتے بلکہ بے اطلاعی حقیقت حال کی کہ امامت کیا نبوت میں بھی اس سے کچھ قصور نہیں۔ اِس واسطے کہ حضرت موسیٰؑ نے بے اطلاعی میں اپنے بڑے بھائی حضرت ہارونؑ کی کہ پیغمبر تھے داڑھی پکڑی اور سر کے بال کھینچ کر اہانت کی۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ جاہل نہ تھے پیغمبرؑ اور بڑے بھائی کی تعظیم کا مسئلہ خوب جانتے تھے۔ اور ہمارے جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے تھے:۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَاِنَّ بَعْضَكُمْ اَلْحَنُ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِحَقِّ اَخِيْهِ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ۔

بیشک میں بھی انسان ہوں اور تم خصومت و مقدمہ لاتے ہو میرے پاس۔ اور البتہ بعض تم میں کا بعض سے دلیل میں گویا تر ہے پس جس کو میں حکم کروں اس چیز کا کہ حق اُس کے بھائی کا ہے پس نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں نے اُس کو ایک ٹکڑا آگ کا تراش دیا۔

اور سنن ابی داؤد میں موجود ہے کہ جو ابیض بن حمال مآربی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کان نمک کی کی۔ اوّل دفعہ تو بسبب بے اطلاعی کے آپ نے اُس کو بخش دی۔ اور جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ کان تیار ہے نمک بنا بنایا ہے اس کے کہ حاجت بنانے اور کسی محنت کی ہو نکلتا ہے تو اُس سے

پھیر لی۔ اور جانا کہ سب مسلمانوں کا اس میں حق ہے خاص ایک کی ملک ہونا جائز نہیں ہے۔ اور جامع ترمذی میں صحیح روایت موجود ہے وائل بن حجر کندی سے کہ ایک عورت آپؐ کے زمانہ میں جماعت کے ارادے میں گھر سے نکلی ایک کوچے میں ایک مرد نے اُس کو زبردستی گرا کر جماع کیا۔ وہ عورت رونے چلانے لگی، وہ مرد تو بھاگ گیا ایک اور مرد اُس کے نزدیک سے ہو کر جا رہا تھا عورت نے اُسی کو بتا دیا کہ اسی نے مجھ سے زبردستی زنا کیا۔ اُس کو پکڑ کر حضرتؐ کے حضور میں لائے آپ نے سنگساری کا حکم دیا۔ جب چاہا کہ پتھر ماریں اور رجم شروع کریں وہ زانی اُٹھا اور اقرار کیا یا رسول اللہ وہ میں ہوں جس نے یہ کام کیا ہے یہ مرد بے گناہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے آدمی سے عذر کیا اور زانی کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ نیز ایک حدیث متفق علیہ کہ اہل سنت و امامیہ دونوں کی کتابوں میں مروی و موجود ہے کہ:۔

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ عَلِيًّا بِاِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَى امْرَاَةٍ حَدِيْثَةٍ بِنِفَاسٍ فَلَمْ يُقِمْ عَلَيْهَا الْحَدَّ خَشْيَةَ اَنْ تَمُوْتَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنْتَ دَعْهَا حَتّٰى يَنْقَطِعَ دَمُهَا۔

بیشک نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا علیؓ کو ایک عورت پر حد قائم کرنے کا کہ وہ تازہ جنی تھی انھوں نے اُس پر حد قائم نہیں کی کہ مبادا مر جائے۔ اور یہ ذکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا فرمایا تو نے بہت اچھا کیا۔ چھوڑ دو تا خون اُس کا موقوف ہو جائے۔

نیز ناصبیوں کے فرقے نے حضرت امیرؓ کے مطاعن میں کہا ہے کہ آپؓ نے دُرّے مارنا اور سنگسار کرنا دونوں سزاؤں کو حق میں شراحہ ہمدانیہ کے جس نے زنا کیا تھا جمع کیا (یعنے دُرّے اور رجم کو) حالانکہ وہ عورت شادی شدہ تھی اور یہ خلاف شریعت کے ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز اور غامدیہ کو کہ دونوں نام مرد و عورت کے ہیں فقط رجم فرمایا ہے، اور خلاف عقل کے بھی ہے کہ جب رجم جو سخت تر سزاؤں سے ہے کسی پر جاری ہوا تو جلد یعنے دُرّے مارنا کہ اُس سے خفیف تر ہے کیوں جاری کرنا چاہیے۔ اہل سنت نے جواب میں اِس فرقہ زیاں کار کے یہی کہا ہے کہ حضرت امیرؓ کو اوّل میں احصان (شادی شدہ ہونا) اُس عورت کا معلوم نہ تھا تو حکم دُرّے مارنے کا دیا اور بعد دُرّے مارنے کے جب اُس کے احصان یعنے شوہر والی ہونے پر اطلاع پائی تو حکم رجم کا فرمایا۔ پس دو حدوں کو جمع کرنا یہ واقع نہیں ہوا۔

حاصل یہ کہ اطلاع نہ ہونا کسی حقیقت حال پر یہ اور بات ہے اور مسئلہ شرعی نہ جاننا اور بات ہے۔ ان دونوں باتوں میں اگر کوئی فرق نہ کرے تو قابل بات کرنے کے نہیں ہے۔

اور اسی طور پر قصہ مجنونہ کو قیاس کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ اُس کے حالِ جنون سے خبردار نہ تھے،

چنانچہ امام احمدؒ بروایت عطاء بن سائب کے ابوظبیان جنبی سے نقل کرتے ہیں کہ لوگ ایک عورت کو گناہِ زنا میں حضرت عمرؓ کے پاس پکڑ کر لائے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اِس کو سنگسار کریں۔ لوگ اُس کو کھینچے لئے جاتے تھے ناگاہ حضرت علیؓ راہ میں مِل گئے۔ پُوچھا کہاں لئے جاتے ہو۔ لوگوں نے کہا خلیفہ نے اِس کے رجم کا حکم دیا ہے کہ اس پر زنا ثابت ہوا۔ حضرت علیؓ نے اُس عورت کو لوگوں کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور اپنے ساتھ لے کر عمرؓ کے پاس آئے اور کہا یہ عورت دیوانی ہے اور فلاں قبیلہ سے ہے میں اس کو خُوب جانتا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دیوانے پر قلم تکلیف کی نہیں چلی ہے تب حضرت عمرؓ نے رجم اُس کا موقوف فرمایا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ دیوانے کے رجم نہ کرنے کا حضرت عمرؓ کو معلوم تھا مگر اِس کا خاص دیوانہ ہونا معلوم نہ تھا۔ اور ظاہر ہے کہ دیوانہ سے جب تک حرکتیں اور آواز بے ربط ظاہر نہ ہوں کوئی حسِّ عقل سے اُس کے جنون کو معلوم نہیں کر سکتا۔ اِس واسطے کہ عاقل اور مجنون دونوں کی صورت ایک سی ہوتی ہے کچھ امتیاز نہیں ہوتا۔ جیسے عقلی باتیں دریافت نہ ہونے سے نبوت میں کچھ نقصان نہیں آتا پھر امامت کا کیا ٹھکانا۔ شریف مرتضٰی کی روایت سے دُرَرِ غرر میں منقول ہے کہ جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو اُس قبطی کے حال پر جو ماریہ قبطیہ کے پاس آتا جاتا تھا کچھ اطلاع نہ تھی کہ مجبوب ہے یا نامرد یا مرد مع آلتِ تناسل کے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حال اُس عورت کا جو نئی نئی جنی تھی معلوم نہ تھا کہ خون اُس کا بند ہو گیا یا نہیں۔ اگر حضرت عمرؓ کو اطلاع ایک عورت کے حمل یا دوسری کے جنون پر نہ ہوئی تو کونسی شرطِ امامت میں خلل پڑا جاتا ہے۔ شرطِ امامت کی تو جاننا احکام شرعیہ کا ہے نہ کہ پہچاننا ہستی باتوں پوشیدہ یا عقلی جزئیہ کا۔ اور پہچاننا سب احکام شرعیہ کا بالفعل نہ نبوت میں شرط ہے نہ امامت میں۔ ہاں نبی کو وحی سے احکام شرعیہ ثابت ہوتے ہیں، اور امام کو اجتہاد سے۔ اور بسا اوقات اجتہاد میں خطا پڑتی ہے۔ جیسا کہ ترمذی میں موجود ہے:۔

عَنْ عِكْرِمَةَ اَنَّ عَلِيًّا اَحْرَقَ قَوْمًا اِرْتَدُّوْا عَنِ الْاِسْلَامِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ اَنَا لَقَتَلْتُهُمْ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ وَلَمْ اَكُنْ لِاُحَرِّقَهُمْ لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰهِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ	روایت ہے عکرمہ سے کہ حضرت علیؓ نے جلا دیا ایک قوم کو کہ مُرتد ہو گئے تھے اسلام سے پھر پہنچی یہ خبر ابن عباسؓ کو تو کہا اگر میں ہوتا اُن کو قتل کرتا موافق قول رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے کہ جو کوئی اپنا دین بدل ڈالے اُس کو مار ڈالو۔ مجھ سے یہ نہیں ہوتا کہ میں اُن کو جلا دیتا۔ اِس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کا سا عذاب تم کسی پر مت کرو۔ پس یہ خبر

عَلِيًّا فَقَالَ صَدَقَ ابْنُ عَبَّاسٍ۔	حضرت علیؓ کو پہنچی فرمایا ابن عباسؓ نے سچ کہا۔

حاصل کلام ایسی اجتہادی خطاؤں میں بھی جگہ طعن و ملامت کی نہیں ہے پھر بے خبری اور بے اطلاعی کا کیا کہنا۔ اور وہ بھی ایسی جس کی اطلاع اور خبر رکھنا ضروری نہ ہو اس کو محلِ طعن ٹھہرایا جائے!

اب ہم اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ اِس موقع پر ایک اشکال قوی ہے جس میں نواصب لپٹے ہوتے ہیں کہ حضرت امیرؓ نے خود ان تین شخصوں کی حدیث کو جو مرفوع القلم ہیں روایت فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ شیعہ کی کتابوں میں یوں مروی ہے کہ:۔

اِنَّ عَلِيًّا كَانَ يَاْمُرُ بِاِقَامَةِ حَدِّ السَّرِقَةِ عَلَى الصِّبْيَةِ قَبْلَ اَنْ يَحْتَلِمَ رَوَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ بَابَوَيْهِ الْقُمِّيُّ فِيْ مَنْ لَا يَحْضُرُهُ الْفَقِيْهُ۔	بیشک حضرت علیؓ حکم کرتے تھے حد چوری کی نابالغ لڑکوں پر قائم کرنے کی۔ اس کی روایت محمد ابن بابویہ سے ہے کتاب من لایحضرہ الفقیہ میں۔

کہ صریح مخالف روایت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ہے۔ بلکہ اگر فعل حضرت عمرؓ کا خاص ایک عورت دیوانی پر جاری ہوتا تو حد کی لت کھوندن میں ایک دیوانی مرجاتی۔ اور حضرت امیرؓ کے قول سے جب بچوں کا ہاتھ کاٹا تو ہزاروں بچے ناقص الاعضاء ہوجائیں گے۔ معلوم نہیں شیعہ نے اس کا کیا جواب دیا ہے۔ اس لئے کہ تقیہ کے تابع کرنے کی بھی گنجائش نہیں ہے جو تقیہ پر لگا دیں اس سبب سے کہ لڑکوں پر حد قائم کرنا یہ مذہب حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا بھی نہ تھا۔ ہاں اگر کہتے کہ دیوانی عورت کو سنگسار کرنا چاہیے تو البتہ تقیہ ہوتا سو وہاں تو خود حق ظاہر کیا اور رجم نہ ہونے دیا۔ اب رہا اہل سنت کا مذہب تو ان کے نزدیک اس مقدمہ میں کچھ اشکال نہیں ہے کیونکہ اہل سنت اس روایت کا ہرگز حضرت امیرؓ سے یقین نہیں کرتے بلکہ بہتان و افترا جانتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک بھی جواب شافی ہے کہ شیخ ابن بابویہ سے یہ روایت ہے کہ قطعاً جھوٹی ہے اگر نواصب چاہیں کہ شیعوں نے جو حضرت امیرؓ کے حق میں جھوٹ بکا ہے اُس سے اہل سنت کو الزام دیں تو یہ پیش نہیں جائے گا۔

اور مُردے پر تمام حد مارنے کا قصہ یہ بھی جھوٹ اور افترا ہے۔ اہل سنت کی صحیح روایتوں میں ہرگز نہیں ہے۔ پس محتاج جواب کا نہیں۔ بلکہ صحیح روایتوں میں یوں ہے کہ وہ لڑکا بعد حد مارنے کے زندہ رہا اور زخم اُس کے بھر گئے البتہ حد مارنے کے وقت غشی و بیہوشی لاحق ہو گئی تھی اس سبب سے اُس کے مرنے کا وہم ہو گیا تھا۔

اور یہ جو کہا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب حد شراب پینے کی نہیں جانتے تھے جب ہی تو اوروں کے صلاح

ومشورہ سے مقرر کی۔ یہ عجیب طعن ہے۔ کیونکہ اُس چیز کا نہ جاننا کہ قبل اس سے موجود نہ ہو اور شرع میں مقرر نہ ہوئی ہو محلِ طعن نہیں ہو سکتی۔ لِاَنَّ الْعِلْمَ تَابِعٌ لِلْمَعْلُوْمِ (کیونکہ علم تابع واسطے معلوم کے ہے) اور حدِ خمر کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں معین نہ تھی۔ بے تعین چند ضرب کوڑے کی اور بَل دی ہوئی چادر کی چھڑی اور جوتیاں مار دیتے تھے۔ اور جب ابوبکرؓ کے وقت میں اُس گنتی کو چند آدمیوں نے صحابہؓ سے تخمینہ کیا تو چالیس کو پہنچی۔ اور جب نوبت خلافت حضرت عمرؓ کی ہوئی اور شراب نوشی بہت ہوئی تو سب صحابہؓ کو جمع کرکے مشورہ کیا۔ حضرت امیرؓ نے بعض روایت میں یہ کہ عبدالرحمٰن ابن عوف بھی شریک امیرؓ کے ہوئے اور کہا کہ اس حد کو مثل حد گالی دینے کے مقرر کرنا چاہیئے کہ اسّی کوڑے ہیں اس لئے کہ شرابی مست و بیہوش ہو کر ہذیان بکتا ہے اور اُس میں گالیاں بھی دیتا ہے۔ پس سب صحابہؓ نے اس استنباط یعنی بات نکالنے کو پسند کیا اور اسی پر سب کا اجماع ہوا۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ بانی مبانی حدِ خمر کے عمرؓ بن خطاب ہیں نہ ہونا علم حدِ خمر کا حضرت عمرؓ میں ٹھہرانا بڑا بے عقلی ہے۔ اور امامیہ کے نزدیک بھی یہ قصہ اسی طور سے مروی ہے۔ چنانچہ شیخ مطہر حلّی' منہاج الکرامہ میں لایا ہے اور یہیں سے دوسرے طعن کا جواب بھی معلوم ہوا کہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حدِ خمر میں اپنی عقل سے اضافہ کیا، حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت چالیس کوڑے تھے۔ پس اگر حضرت عمرؓ نے بڑھائے تو بقول امیر المومنینؓ واجماع صحابہؓ کے بڑھائے۔ پس فقط حضرت عمرؓ ہی محلِ طعن نہ ہوں گے۔

بعض کتب شیعہ میں یہ طعن دوسرے طور پر مذکور ہے۔ وہ یہ ہے کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک بار حدِ شراب میں اسّی سے زیادہ کوڑے مارے۔ جواب اس طعن کا یہ ہے کہ اول تو یہ روایت صحیح نہیں' بالفرض اگر صحیح ہو تو حضرت امیر المومنینؓ نے بھی حدِ شراب میں سو کوڑے مارے ہیں' اسّی پر بیس بڑھائے ہیں۔ چنانچہ محمد بن بابویہ قمی نے کتاب "من لایحضرہ الفقیہ" میں روایت کی ہے کہ جب لوگ نجاشی حارثی شاعر کو پکڑ کر لائے کہ ماہِ رمضان میں شراب پی تھی، حضرت امیرؓ نے سو کوڑے مارے بیس بسبب حرمتِ رمضان کے بڑھائے۔ اور بطور اہل سنت کے جواب دونوں واقعوں کا ایک ہی بات ہے کہ امام کو پہنچتا ہے کہ بطریق سیاست جس کا گناہ بڑا سمجھے قدر واجب شرع سے زیادہ کرے بدلیل فعل امیر المومنینؓ۔ پس حضرت عمرؓ پر جگہ طعن کی نہیں ہے۔

❁ **طعن پنجم** یہ کہ حضرت عمرؓ نے حد قائم کرنے میں بجائے سو کوڑے کے سو شاخ والی لکڑی مارنے کا حکم کیا کہ مخالف شریعت ہے۔ اس واسطے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (عورت زانیہ اور مرد زانی دونوں کے سو کوڑے مارو)۔

❁ **جواب** یہ ہے کہ یہ فعل حضرت عمرؓ کا فعل پیغمبرؐ کا ہے مشکوٰۃ اور شرح السنۃ میں بروایت سعید ابن سعد بن عبادہ کے لاتے ہیں کہ سعد بن عبادہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرد ناقص الخلقت بیمار کو پکڑ کر لائے کہ اس نے محلہ کی ایک چھوکری سے زنا کیا تھا۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک لمبی شاخ اِس کے واسطے لاؤ جس میں سو شاخیں چھوٹی ہوں کہ ایک دفعہ کے مارنے میں سب اُس کے لگیں۔ اور ابنِ ماجہ نے بھی ایک حدیث ایسی ہی روایت کی۔ یہی ہے مذہب علمائے اہلِ سنت کا اُس مرض میں جس کے اچھے ہونے کی توقع نہ ہو۔

قَالَ فِي الْفَتْوٰى الْعَالَمْگِيْرِيَّةِ اَلْمَرِيْضُ اِذَا وَجَبَ عَلَيْهِ الْحَدُّ اِنْ كَانَ الْحَدُّ رَجْمًا يُقَامُ عَلَيْهِ فِي الْحَالِ وَاِنْ كَانَ جَلْدًا لَا يُقَامُ عَلَيْهِ حَتّٰى يَبْرَءَ وَيَصِحَّ اِلَّا اِذَا كَانَ مَرِيْضًا وَقَعَ الْيَأْسُ عَنْ بُرْئِهٖ فَحِيْنَئِذٍ يُقَامُ عَلَيْهِ كَذَا فِي الظَّهِيْرِيَّةِ وَلَوْ كَانَ الْمَرَضُ لَا يُرْجٰى زَوَالُهٗ كَالسِّلِّ اَوْ كَانَ مُخْدَجًا ضَعِيْفَ الْخِلْقَةِ فَعِنْدَنَا يُضْرَبُ بِعُثْكَالٍ فِيْهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ فَيُضْرَبُ دَفْعَةً وَلَا بُدَّ مِنْ وُصُوْلِ كُلِّ شِمْرَاخٍ اِلٰى بَدَنِهٖ كَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيْرِ۔

جب بیمار پر حد واجب ہو اگر وہ حد سنگساری ہے تو فی الحال (فوراً) قائم کی جائے۔ اور اگر سو کوڑے مارنا ہو تو جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے نہ قائم کی جائے۔ اور اگر ایسا بیمار ہو کہ اُس کے اچھے ہونے سے ناامیدی ہو تو اُس وقت اُس پر حد قائم کی جائے۔ ایسا ہی ہے ظہیریہ میں۔ اگر ایسا مرض ہو جانے والا نہ ہو جیسے سِل یا وہ شخص جو ناقص الخلقت وضعیف البدن ہو پس ہمارے نزدیک لگائی جائے اس کو ایک لکڑی جس میں سو شاخیں ہوں۔ پس وہ لگائی جائے ایک دفعہ اور ضروری ہے کہ اُس کی ہر شاخ اُس کے بدن پر لگے۔ ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔

اور اس کو عمر بن خطاب نے اس صورت پر حد ماری کہ وہ مرد ضعیف الخلقت تھا۔ اور قرآن مجید میں بھی اشارہ اس حیلہ شرعیہ کا ہے کہ جو مستحقِ حد کا ہے اُس کی رعایت بھی رہے اور محافظت حکم کی بھی ہو جائے۔ قولہ تعالیٰ خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ (لے اپنے ہاتھ میں تنکوں کا گچھا (جھاڑو) اور اُس کے لگا اور قسم اپنی مت توڑ)۔

❁ **طعن ششم** یہ کہ مغیرہؓ بن شعبہ سے حدِ زنا کی دفع کی یعنے اُس کو بچایا باوجود اس کے کہ ثبوت اُس کا چار آدمیوں کی گواہی سے تھا اور تلقین کیا ایک گواہ کو ایسا کلمہ جس کے سبب سے حد ثابت نہ ہوئی وہ تلقین یہ تھی کہ جب چوتھا گواہ ادائے شہادت کو آیا تو اس سے کہا اَرٰى وَجْهَ رَجُلٍ لَا يَفْضَحُ اللّٰهُ بِهٖ

رَجُلاً مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ (میں ایسے آدمی کی صورت دیکھتا ہوں کہ نضیحت نہ کریگا خدا تعالیٰ اُس کے سبب ایک مرد کو جو مسلمانوں سے ہے)۔

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ حد بعد ثبوت کے جاری ہوتی ہے اور چوتھے گواہ نے خاطر خواہ گواہی نہ دی۔ پھر جب حد ہی ثابت نہ ہوئی تو دفع اُس کا کیا معنے۔ اور گواہ کا تلقین کرنا محض افترا اور صریح بہتان ہے۔ ابن جریر طبری اور محمد بن اسمٰعیل بخاری نے اپنی تاریخ میں اور حافظ عماد الدین ابن کثیر اور حافظ جمال الدین ابوالفرج ابن الجوزی اور شیخ شمس الدین مظفر سبط ابن الجوزی اور دیگر مورخین ثقات نے نقل کی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ امیر بصرہ کا تھا بصرہ کے لوگ اُس کی بدی چاہتے تھے۔ چاہتے تھے کہ اُس کو موقوف کرادیں اس لئے اُس پر تہمت زنا کی باندھی اور چند گواہ جھوٹے مقرر کئے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ بن خطاب کے حضور میں اس فاحشہ کی گواہی مغیرہ پر دیں۔ اور خبر تہمت زنا کی بصرہ میں پھیلی۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ کو پہنچی۔ سب کو اپنے حضور میں بُلایا۔ مغیرہ اور چاروں گواہ دارالحکومت میں سامنے صحابہؓ کے کہ حضرت امیرؓ بھی اُن میں تھے حاضر ہوئے۔ بصرہ کے مدعیوں نے دعوٰی کیا کہ مغیرہ بن شعبہ نے زنا کیا ہے ایک عورت سے جس کو اُم جمیل کہتے ہیں۔ اور گواہ گواہی کو حاضر ہوئے ایک گواہ نے کہا رَاَیْتُہٗ بَیْنَ فَخِذَیْہَا (میں نے اس کو اُس کی دونوں رانوں میں دیکھا) پس امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے کہا لَا وَاللّٰہِ حَتّٰی تَشْہَدَ اِنَّہٗ یَلِجُ فِیْہَا وُلُوْجَ الْمِرْوَدِ فِی الْمُکْحُلَۃِ (نہیں قسم ہے خدا کی جب تک یہ گواہی نہ دے کہ وہ ایسا گھسا ہوا تھا جیسے سلائی سرمہ دانی میں) پس اُس گواہ نے کہا نَعَمْ اَشْہَدُ عَلٰی ذٰلِکَ (کہا ہاں میں اس کی گواہی دیتا ہوں) پھر دوسرا گواہ اُٹھا اور یہی گواہی دی۔ پھر تیسرا اُٹھا اُس نے بھی یہی کہا۔ جب چوتھے کی نوبت پہنچی کہ وہ زیاد بن ابیہ تھا، اُس سے پوچھا کہ تو بھی اپنے یاروں کے موافق گواہی دیتا ہے۔ اُس نے کہا میں اتنا جانتا ہوں کہ رَاَیْتُ مَجْلِسًا وَنَفَسًا حَثِیْثًا وَانْتِہَازًا وَرَاَیْتُہٗ مُسْتَبْطِنَہَا وَرِجْلَیْنِ کَاَنَّہُمَا اُذُنَا حِمَارٍ (میں نے دیکھی نشستگاہ اور سانس چلتے یعنی ہانپتے اور اُٹھ کھڑا ہونا اور دیکھا میں نے مرد کو عورت کے پیٹ پر اور دونوں پاؤں اُس کے ایسے کہ گویا گدھے کے دو کان)۔ حضرت عمرؓ نے کہا هَلْ رَاَیْتَہٗ کَالْمِیْلِ فِی الْمُکْحُلَۃِ (آیا ایسا دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی) قَالَ لَا (کہا نہیں)۔

اب اس قصہ میں دیکھنا چاہیے کہ علمائے اُمت کے نزدیک حد ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ اور گواہ کی تلقین کس طرح ہوئی جہاں کہ سامنا صحابہ کبار کا ہو اور حضرت امیرؓ جیسے بھی موجود ہوں۔ اگر شرعی کاموں اور حد ثابت کرنے میں کچھ سستی وغیرہ اتنی جماعت کثیر کہ اسی کام کے واسطے حاضر ہوئی تھی اور

اُن کا شیوہ انکار اور ایک دوسرے کی بات ظاہر کر دینا تھا ہر امر ناحق میں، اس مقدمہ میں کسی کا پاس کرکے کس طرح چُپ ہو جاتے، اور حد ثابت شدہ کو کیوں مفت چھوڑ دیتے۔ یا اگر حضرت عمرؓ سے تلقین گواہ کی ظہور میں آئی ہوتی تو اُن پر گرفت نہ کرتے۔ اور حضرت عمرؓ کا حال تو معلوم ہے۔ شیعہ خود روایت کرتے ہیں کہ مقدمات دین میں ایک جاہل عورت کی بات سے قائل ہو جاتے تھے اور جماعت صحابہؓ کے پیچھے اور بے مشورہ ان کے کوئی امر دین کا انجام نہیں دیتے تھے۔ اور جو یہ کہا کہ حضرت عمرؓ نے یہ بات کہی کہ اَرٰی وَجْہَ رَجُلٍ لَا یَفْضَحُ اللّٰہُ بِہٖ رَجُلاً مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ غلط صریح و افترا قبیح حضرت عمرؓ پر ہے۔ ہاں مغیرہ بن شعبہ نے یہ کلمہ اُس وقت کہا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس کی جان پر آبنتی ہے وہ سب کچھ کہتا ہے اور مکر و خوشامد کرتا ہے۔ پھر اگر گواہ اللہ کے واسطے گواہی دینے آیا تھا اُس کو مغیرہ کے کہنے کا پاس کیوں ہوتا۔ معہذا اگر گواہ مدعی علیہ کا پاس کرکے واجبی گواہی نہ دے تو حاکم کو کب یہ بات پہنچتی ہے کہ اُس سے بجبر و اکراہ مدعی علیہ کے ضرر پر گواہی دلائے کونسے مذہب اور کونسی شریعت میں ہے۔ بالفرض اگر یہ مقولہ عمرؓ ہی کا سہی تو یہ اُن کی فراست کی بات ہے کہ بارہا جس چیز کو فراست سے دریافت کرکے جیسی بتا دیتے تھے وہ ویسی ہی نکلتی تھی۔ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ گواہ کے سامنے کہا اور اُس کو سُنا دیا۔ اور پھر اس ارادے کو کہ گواہ گواہی سے باز رہے کہ یہ بات دلی ہے کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ ارادہ دل کے فعلوں سے ہے اور دل کا حال خاص خدا کو معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا جواب۔ اگر حضرت عمرؓ نے بالفرض اس حد کو نکما ہی چھوڑا ہو تب بھی فعل معصومؓ کے موافق ہے۔ اور جو فعل کہ موافق فعل معصومؓ کے ہو اُس پر کسی کا طعن کرنا معصوم پر طعن کرنا ہے۔ اور جو کچھ فعل معصومؓ کے بچاؤ میں توجیہ تلاش کر رکھی ہو اُسی کو یہاں بھی عمل میں لائیں:۔

رَوَی ابْنُ بَابُوَیْہِ الْقُمِّیُّ فِی الْفَقِیْہِ اَنَّ رَجُلاً جَاءَ اِلٰی اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَاَقَرَّ بِالسَّرِقَۃِ اِقْرَارًا یُقْطَعُ بِہِ الْیَدُ فَلَمْ یَقْطَعْ یَدَہٗ۔

محمد بن بابویہ قمی نے کتاب فقیہ میں کہا ہے کہ ایک شخص امیر المؤمنین علیہ السلام کے پاس آیا اور ایسا اقرار چوری کا کیا جس سے ہاتھ کاٹا جاتا لیکن اُس کا ہاتھ نہ کاٹا۔

طعن ہفتم:۔ ایک دن حضرت عمرؓ خطبہ میں بھاری مہر باندھنے کو منع کرتے تھے کہ اگر بھاری مہر باندھنا بہتر ہوتا تو اس خوبی کے واسطے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر تھے۔ حالانکہ میں نے پیغمبرؐ خدا کو دیکھا ہے کہ پانسو درہم سے زیادہ مہر اپنی بیویوں اور بیٹیوں کا نہیں باندھا۔ پس چاہیے کہ تم مغالات صدقات یعنی بھاری مہر باندھنے میں مبالغہ مت کرو اپنے پیغمبرؐ کی سنت کی پیروی اپنے اوپر لازم

کرو۔ اگر بعد اس کے کوئی بھاری مَہر باندھے گا تو میں سیاست کی راہ سے بقدر افزودں کے جو کچھ ہوگا بیت المال میں ضبط کروں گا اِس اثناء میں ایک عورت نے اُٹھ کر کہا اے عمرؓ سن۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا (اگر دیا ہو تم نے کسی عورت کو بہت سا مال تو مت لو اُس سے کچھ) تو کون ہے کہ پھیرے لیکے بہت سے مَہر بھاری دیئے ہوئے کو۔ تو عمرؓ قائل ہوئے اور اپنی خطا کا اقرار کیا اور کہا کُلُّ النَّاسِ اَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ حَتّٰی الْمُخَدَّرَاتُ فِی الْحِجَالِ (ہر شخص فقیہ تر ہے عمرؓ سے یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں محلوں کی) پس محل طعن یہ کہ عمرؓ اُس عورت کے جواب سے عاجز ہوئے اور سکوت کیا اور جو کوئی ایک عورت کے جواب سے بر نہ آئے کب قابلِ امامت ہوگا۔

❋ جواب اس طعن کا یہ کہ عمرؓ نے جو اُس عورت کے جواب سے سکوت کیا تو عجز کے سبب سے نہیں ہے کہ جواب باصواب نہ دے سکے جو اُن کی خطا ثابت ہو اور عجز واقعی لازم آئے بلکہ بلحاظ کمال ادب کتاب اللہ کے ہے کہ اُس کے مقابلہ میں چون و چرا کرنا اور دانشمندی کے ہنر جتانا اور توجیہیں خرچ کرنا مناسب حال بڑے ایمان والوں کے نہیں ہے۔ اُن کو سوائے تسلیم کرنے اور تابعداری ظاہر الفاظ کے کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ ورنہ اُس عورت نے جو آیت پڑھی تو اُس کا مقصود یہ تھا کہ مَہر کی گفتگو میں اس آیت سے ثبوت رضائے الٰہی کا کروں جو صریح خلاف سمجھ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ہے۔ اِس لئے کہ صحیح حدیثوں میں اس کی نہی ہے اُن میں سے:۔ رَوَی الْخَطَّابِیُّ فِیْ غَرِیْبِ الْحَدِیْثِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَیَاسَرُوْا فِی الصِّدَاقِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا یُعْطِی الْمَرْاَةَ حَتّٰی یَبْقٰی فِیْ نَفْسِهٖ خَسِیْكَةٌ (آسانی کرو مَہروں میں بیشک مرد نہیں دیتا ہے عورت کو یہاں تک کہ اُس کے دل میں کانٹا سا چبھتا رہتا ہے) وَرَوَی ابْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِیْحِهٖ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ خَیْرِ النِّسَاءِ اَیْسَرُهُنَّ صَدَاقًا۔ (روایت کی ابن حبان نے صحیح میں ابن عباسؓ سے کہا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ سب عورتوں میں وہ عورت بہت اچھی ہے کہ اپنا مہر آسان رکھے) وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُمْنُ الْمَرْاَةِ تَسْهِیْلُ اَمْرِهَا فِیْ صَدَاقِهَا (روایت کی عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا مبارک وہ عورت ہے جس کا معاملہ مَہر میں سہل ہو) وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالْبَیْهَقِیُّ مَرْفُوْعًا اَعْظَمُ النِّسَاءِ بَرَكَةً اَیْسَرُهُنَّ صَدَاقًا (روایت کی احمد و بیہقی نے پیغمبر خدا تک بڑی برکت والی عورتوں کا مَہر سہل ہوتا ہے) اور اسناد اس کی جید ہے۔

اب حدیہ ہے کہ آیت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ جائز ہے مع کراہت کے۔ اور آیت نص بھی نہیں ہے اس پر کہ اس میں جو لفظ قنطار ہے مَہر ہی ہو بلکہ بخشش ہو قسم زیور و مال سے کہ بصیغہ مَہر کہ بخشش کا پھیرنا

مرد کو جو عورت کو دیدیا زیبا نہیں ہے۔ اور خاص اس حال میں کہ اُس کو طلاق دے کر دہشتِ جدائی میں ڈالا ہے' اس کے ساتھ جو اُس کو بخشا تھا اُس کی طرف سے رجوع کرنا بڑی ایذا دینا ہے اور خلاف شریعت و مروت کے عمل کرنا۔ پس ایک امر جائز سے منع کرنا بلحاظ کسی مصلحت خیر اندیشی مومنین کے ہے بدیں وجہ کہ مال ان کا ضائع ہوتے اور صرفِ بیجا سے بچے جیسے کہ لوگ عورتوں کی رضاجوئی میں ڈوب جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچتی ہے کہ اور لوگوں کی حق تلفی کرتے ہیں مثلاً غلام نوکر قرض خواہ اور دیگر معاملہ دار' اور آپس میں لڑائی اور حسد اور فتنہ عظیم ہوتے ہیں۔ اور اسلئے تقویت جہاد اور جائز اخراجات کے لئے بچائیں۔ یہ کام خلیفہ راشد کا ہے چنانچہ ہم اپنے وقت کے ملوک و اُمراء سے یہ خیر اندیشی مشاہدہ اور دریافت کرتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زید کو زینب کے طلاق دینے سے منع فرماتے تھے حالانکہ طلاق بے شبہ جائز ہے۔ اور حضرت امیرؓ بھی کوفہ کے لوگوں کو منع فرماتے کہ امام حسنؓ کو اپنی لڑکیاں نہ دیں کہ بلاشک جائز تھا۔ اور فرماتے تھے یَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ لَا تُزَوِّجُوا الْحَسَنَ فَاِنَّهٗ مِطْلَاقٌ لِلنِّسَاءِ (اے کوفہ کے لوگو! حسنؓ کے ساتھ (اپنی لڑکیوں کی) شادی مت کرو' بیشک وہ عورتوں کو طلاق بہت دیتا ہے)۔

اور کلام عمرؓ سے جو طعن میں منقول ہے صریح معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت سے مَہر ہوتے کو جائز جانتے تھے لیکن اُس کے آخر کی بُرائی سے منع فرماتے تھے۔ اور اگر غرض اُس عورت کی یہ تھی کہ مَہروں کا پھیرنا حرام ہے اور آیت سے حرمت معلوم ہوتی ہے' تو وہ عورتوں اور شوہروں کے حق میں ہے نہ کہ خلفاء اور ملوک کے حق میں کہ استرداد یعنی پھیرنے کے حق میں تنبیہ و توبیخ کریں۔ بدلیل قرآن وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا (اگر ارادہ کرو تم کسی عورت کے بدلنے کا کسی عورت کی جگہ اور دیا ہو اُن میں سے کسی ایک کو تودہ مال کا)۔ اور جو یہ وعید کی کہ ضبط کیا جائے گا اور بیت المال میں داخل ہوگا" صرف دھمکی کے واسطے تھا۔ جمہور اہلِ سنت کے نزدیک ہے کہ جو امر جائز جس میں مفسدے حالیہ اور وقتیہ ہوں یعنی اب اُٹھتے ہوں یا آئندہ کسی وقت میں تو تعزیر کرے۔ اور مال ضبط کرنا یہ بھی ایک قسم تعزیر ہے۔

اور جو طعن میں لاتے ہیں کہ عمرؓ نے اپنی خطا کا اقرار کیا یہ ان کے نقل کرنے کی خطا ہے۔ کسی روایت میں اقرار خطا کا نہیں آیا۔ ہاں اتنا ہی صحیح ہے کہ فرمایا کُلُّ نَاسٍ اَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ الخ اور یہ از راہِ حسن خلق اور خاکساری و کسر نفسی کے ہے کہ ایک عورت جاہل بہت سوچ غور سے ایک آیت اپنے مطلب کی سند میں لائی ہے اُس کو توجیہاتِ حق سے باطل کروں' اُس کا دل ٹوٹ جائے گا پھر رغبت کتاب اللہ کے معنے نکالنے کی نہیں کرے گی۔ اس واسطے اُس کو تو تحسین و آفرین کروں اور اپنے آپ کو اس معاملہ میں قائل اور مقر ظاہر

کروں کہ آئندہ اُس کو اور اوروں کو اس بات کی حرص ہو کہ قرآن سے معنی نکالیں اور پیروی کریں۔ اور ایسا ادب کتاب اللہ کا کرنا اور ایسا حرص لوگوں کو دِلانا کہ کلام اللہ کے معنے نکالیں اور اجتہاد کریں کہ عمر رضؓ کے اس قصہ اور دوسرے قصوں سے ثابت ہوتا ہے ایک بڑی تعریف ہے کہ اُن سے مخصوص ہے ورنہ کونسا رئیس گوارا کرتا ہے کہ اس کو کوئی عورت جاہل سرداروں کے روبرو قائل کرے اور الزام دے اور وہ سکوت کرے بلکہ اُس کی تعریف و توصیف فرمائے۔ کیسی بڑی ناانصافی ہے کہ اس کو طعن ٹھہراتے ہیں۔

بالفرض اگر حضرت عمر رضؓ کو فوراً جواب نہیں بن پڑا تھا تو یہ بات کب ہاتھ سے نکل گئی تھی کہ فرماتے یہ کون عورت ہے اس کو قتل کرو کہ میں تو ذکر سُنّتِ پیغمبرؐ کا کر رہا ہوں یہ احمق اُس کے مقابلہ میں قرآن لاتی ہے، کیا پیغمبرؐ قرآن کو نہیں سمجھتے تھے یا یہ عورت اُن سے زیادہ سمجھتی ہے۔ لیکن بزرگ دین کے اپنے جوہر نفس میں نفسانیت اور سخن پروری کی بُو نہیں چھوڑتے ہیں اور اسی کو شایانِ بزرگی جانتے ہیں حق کی پیروی کرتے ہیں خواہ خود حق پر ہوں خواہ غیر۔ اور جو تمام بزرگانِ دین اور اہلِ یقین کا اس صفتِ عظمیٰ میں ایک ہی چال چلن ہے، اس قسم کا قصہ حضرت امیر رضؓ کا بھی بیان کیا جاتا ہے :۔

اَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ عَلِيًّا عَنْ مَسْئَلَةٍ فَقَالَ فِيْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ لَيْسَ هٰكَذَا وَلٰكِنْ كَذَا وَكَذَا قَالَ عَلِيٌّ اَصَبْتَ وَاَخْطَأْنَا وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ

روایت کی ابن جریر اور ابن عبد البر نے محمد بن کعبؒ سے، کہا پوچھا علی رضؓ سے ایک شخص نے ایک مسئلہ اُنھوں نے اُس کا جواب دیا، اُس شخص نے کہا ایسا نہیں ہے بلکہ ایسا ایسا ہے۔ علی رضؓ نے کہا تُو نے سچ کہا میں نے خطا کی اور ایک سے ایک بڑھ کر جاننے والا ہے۔

اور حالانکہ نواصب لے خدا ان کو شرمائے ایسی عمدہ صفت کو حضرت امیر رضؓ کی طعن میں تاکا ہے موافق فعل شنیعہ شیعہ کے کہ انھوں نے حضرت عمر رضؓ کے حق میں تکا ہے کیا خوب کہنے والے نے کہا ہے شعر :

چشم بداندیش کہ پراگندہ باد || عیب نماید ہنرش در نظر

اِس موقع پر جان لینا چاہیے کہ اگر امام کے سوا کوئی اور شخص ایک مسئلہ کو اچھا سمجھے اور امام کو وہ باریکی معلوم نہ ہو تو لیاقت امامت کی امام سے جاتی نہیں رہتی ہے۔ دیکھو حضرت داؤدؑ کہ نبی تھے اور وقت کے خلیفہ موافق نصِ الٰہی قولہ يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ (اے داؤدؑ! ہم نے تجھ کو اپنا نائب کیا ہے زمین میں پس تو حکم کر لوگوں میں ٹھیک ٹھیک) مگر بکریوں کا حکم سمجھنے میں کہ ایک شخص کی بکریوں نے ایک شخص کی زراعت تلف کی تھی حضرت سلیمانؑ سے کہ یہ اُس وقت نہ نبی تھے نہ امام پیچھے ہو گئے، اور حضرت سلیمانؑ کہ بچے صغیر سن تھے حضرت داؤدؑ پر اس حکم میں بڑھ گئے اور

حکم الٰہی کو بخوبی جان لیا :۔

رَوَى ابْنُ بَابُوَيْهِ فِى الْفَقِيْهِ عَنْ اَحْمَدَ بْنِ عُمَرَ الْحَلَبِىِّ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا الْحَسَنِ عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَدَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ قَالَ حَكَمَ دَاوُدُ بِرِقَابِ الْغَنَمِ وَفَهَّمَ اللّٰهُ سُلَيْمٰنَ اَنَّ الْحُكْمَ لِصَاحِبِ الْحَرْثِ فِى اللَّبَنِ وَالصُّوْفِ۔

روایت کی ابن بابویہ نے کتاب فقیہ میں احمد بن عمر حلبی سے، کہا میں نے پوچھا ابا الحسن رضؓ سے اس کلام الٰہی کو اور یاد کر داؤدؑ و سلیمانؑ کو جس وقت کہ وہ حکم کرتے تھے کھیت کے معاملہ میں۔ کہا داؤدؑ نے اُس کو گلہ دِلانے کا حکم کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سلیمانؑ کو سمجھایا کہ کھیتی والے کو دودھ اور اُون دِلائی جائے۔

اسی طرح اگر ایک مسئلہ کسی نادان عورت کو سمجھائیں اور عمر رضؓ کو نہ سمجھائیں تو اُن کی امامت میں کیا ڈر، جیسے نبوتِ حضرت داؤدؑ کو اِس واقعہ میں کچھ خلل نہ ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ امامت نیابت نبوت کی ہے۔ اور ایسا کوئی جہان میں نہ ہوگا کہ اُس نے ایک دفعہ بھی اپنے نفس کو کہ ظاہر باتوں سے غافل ہوا تجربہ نہ کیا ہو، اور اُن لوگوں نے جو اُس سے سمجھ بوجھ میں بہت کم ہیں اور نہایت نیچے اُن کو خبردار کیا ہو۔ لیکن بُغض و عناد کا کچھ علاج نہیں۔

❋ **طعن ہشتم** یہ کہ عمر رضؓ نے حصہ اہلِ بیت کا خُمس میں سے ان کو نہ دیا جس پر نصِ قرآنی ہے قولہ تعالیٰ وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَىْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (جان لو تم کہ جو کچھ لُوٹ میں لاؤ ہر قسم سے بیشک اُس میں پانچواں حصہ حق خدا کا ہے اور حق رسولؐ اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا) پس خلاف حکم قرآن کے کیا۔

❋ **جواب**۔ یہ طعن موافق مذہب امامیہ کے درست نہیں ہوتا۔ اِس واسطے کہ یہ آیت بیان میں اُن موقعوں کے ہے جن میں خمس خرچ کیا جائے نہ کہ خمس میں کسی کا حق ثابت کرنے کو۔ پس اگر امام وقت اپنی رائے صواب سے اِن چاروں فرقوں سے جن کا ذکر قرآن میں ہے ایک فرقہ کو خاص کر لے روا ہوگا۔ اور ایک فرقہ امامیہ کا یہی مذہب ہے۔ جیسے کہ ابو القاسم "شرائع الاحکام" والے نے جن کا لقب امامیہ کے نزدیک محقق ہے اور سوائے اُس کے اور علماء نے ان کے اس بات کی تصریح کی ہے اور ائمہ سے بھی اس مذہب پر سند لاتے ہیں۔ پس اگر دو ایک برس حضرت عمر رضؓ نے قرابت والوں کو خمس میں سے کچھ نہ دیا ہو خواہ ان کو مالِ خمس سے بے پروا سمجھا ہو بسبب مالدار ہو جانے کے خواہ اس وجہ سے کہ محتاج ہر قسم کے بکثرت ہوں تو ان کے نزدیک محل طعن نہیں ہو سکتی۔ اور آیت کا اصل مطلب بھی یہی ہے کہ یہی چاروں فرقے یعنی اقربا۔ اور یتیم اور مسکین اور

مسافر لائق خمس دینے کے ہوتے ہیں. چاہے ہر ایک کو ان سے پہنچے چاہے دو ایک فرقہ کو بدلیل آیت زکوٰۃ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ (بیشک زکوٰۃ فقیروں اور مسکینوں کے واسطے ہے) کہ اس آیت میں بھی مصارف زکوٰۃ کا بیان ہے موافق مذہب صحیح کے۔ پھر اگر کوئی شخص تمام زکوٰۃ اپنی ان آٹھ گروہ میں سے کہ اس آیت میں آٹھ گروہ مذکور ہیں ایک گروہ کو دیدے تو روا ہوگا اور اسی سبب سے حضرت امیرؓ نے اپنے ایام خلافت میں حصہ ذوی القربیٰ کا خود نہ لیا بلکہ بطور عمرؓ فقیروں اور مسکینوں بنی ہاشم کو دیا اور جو ان سے بچا اور فقیروں اور مسکینوں مسلمانوں کو دیدیا۔ پس جب فعل عمرؓ کا مناسب فعل معصومؑ کے ہے پھر کیونکر محل طعن ہوگا:۔

رَوَى الطَّحَاوِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ اَنَّهُ قَالَ سَاَلْتُ اَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ اَنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ لَمَّا وَلِيَ اَمْرَ النَّاسِ كَيْفَ صَنَعَ فِيْ سَهْمِ ذَوِي الْقُرْبٰى فَقَالَ سَلَكَ بِهٖ وَاللّٰهِ مَسْلَكَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ زَادَ الطَّحَاوِيُّ فَقُلْتُ كَيْفَ اَنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا كَانَ اَهْلُهٗ يَصْدُرُوْنَ اِلَّا عَنْ رَاْيِهٖ۔

روایت کی طحاوی اور دار قطنی نے محمد بن اسحٰق سے کہ میں نے پوچھا امام باقر محمد بن علی بن حسینؑ سے کہ امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب جب معاملات مردم کے حاکم (خلیفہ) ہوئے تو انھوں نے قرابت والوں کے حصوں میں کیا کیا۔ کہا قسم خدا کی اس کو ابو بکرؓ و عمرؓ کی راہ پر جاری رکھا اور طحاوی نے بڑھایا ہے کہ پھر میں نے کہا کس طرح کہتے ہو تم کہا قسم خدا کی نہیں تھے اہل اس کے مگر ان کی رائے اور فعل پر چلتے تھے۔

اور فعل عمرؓ کا تقسیم خمس میں یہ تھا کہ اول اہل بیت سے جو یتیم فقیر ہوتے تھے ان کو دیتے تھے باقی بیت المال میں رکھتے تھے اور جو ٹھکانے مصارف و مدات بیت المال سے خرچ کرنے کے ہوتے ان میں خرچ کرتے تھے۔ اسی واسطے روایتیں اہل بیت کے دینے کی بھی عمرؓ سے متواتر اور مشہور ہیں۔ رَوٰى اَبُوْ دَاوٗدَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ قَسَمَا سَهْمَ ذَوِي الْقُرْبٰى لَهُمْ (روایت کی ابو داؤد نے عبد الرحمن بن ابی لیلےٰ سے اس نے علیؓ سے بیشک ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں حصے ذوی القربیٰ کو دیتے تھے) وَاَخْرَجَ اَبُوْ دَاوٗدَ اَيْضًا عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ عُمَرَ كَانَ يُعْطِيْ ذَوِي الْقُرْبٰى مِنْ خُمُسِهِمْ (روایت کی ابو داؤد نے یہ بھی جبیر بن مطعم سے بیشک عمرؓ دیتے تھے حصہ ذوی القربیٰ کا ان کے خمس سے) اور یہ حدیث صحیح ہے چنانچہ حافظ عبد العظیم منذری نے اس کی تصریح کی۔ اور تحقیق اس امر کی جو کچھ روایات سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ ابو بکرؓ و عمرؓ حصہ ذوی القربیٰ کا خمس سے نکالتے تھے

اور ان کے فقیروں اور مسکینوں کو دیتے تھے اور انہی کے کاموں میں خرچ کرتے تھے۔ نہ یہ کہ بطریق ورثہ کے ان لوگوں کے غنی اور فقیر اور محتاج اور غیر محتاج سب کو دیں۔ چنانچہ عہد پیغمبرؐ میں بھی یہی معمول تھا اب بھی مذہب حنفیہ اور ایک جماعت کثیر کا امامیہ سے یہی ہے جیسا کہ سابق نقل کیا گیا۔

وَعَنِ الشَّرَائِعِ قَالَ فِي الْهِدَايَةِ اَمَّا الْخُمُسُ فَيُقْسَمُ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَسْهُمٍ سَهْمٌ لِلْيَتَامٰى وَسَهْمٌ لِلْمَسَاكِيْنِ وَسَهْمٌ لِاَبْنَاءِ السَّبِيْلِ يَدْخُلُ فُقَرَاءُ ذَوِي الْقُرْبٰى فِيْهِمْ وَيُقَدَّمُوْنَ وَلَا يُدْفَعُ اِلٰى اَغْنِيَائِهِمْ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَهُمْ خُمُسُ الْخُمُسِ يَسْتَوُوْنَ فِيْهِ غَنِيُّهُمْ وَفَقِيْرُهُمْ وَيُقْسَمُ بَيْنَهُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ وَيَكُوْنُ بَيْنَ بَنِيْ هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ دُوْنَ غَيْرِهِمْ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَلِذِي الْقُرْبٰى مِنْ غَيْرِ فَصْلٍ بَيْنَ الْغَنِيِّ وَالْفَقِيْرِ۔

اور شرائع سے یوں ہے ہدایہ میں کہا ہے کہ بانٹا جاتا ہے خمس تین حصوں پر۔ ایک حصہ یتیموں کا، ایک حصہ مسکینوں کا، ایک حصہ مسافروں کا، انہی میں فقیر ذوی القربیٰ کے داخل ہیں اور مقدم ہیں، اور مالداروں کو نہ دیا جائے۔

اور شافعیؒ نے کہا ان کا پانچواں حصہ خمس سے ہے کہ اس میں آسودہ ان کے اور محتاج ان کے سب برابر ہیں اور بانٹا جاتا ہے ان میں مرد کو دونا عورت سے اور بنی ہاشم اور بنی مطلب کے بیچ میں نہ کہ غیر میں، موافق دلیل کلام الٰہی کے کہ فرمایا ہے ذوی القربیٰ اور کچھ فرق غنی فقیر کا نہیں کیا۔

پس فعل عمرؓ کا موافق فعل پیغمبرؐ اور معصومؑ اور مطابق مذہب امامیہ کے ہے پھر کیونکر محل طعن ہو سکتا ہے۔ البتہ شافعی مذہب کے مخالف ہوا لیکن عمرؓ پیرو شافعیؒ کے نہ تھے جو ان کی پیروی نہ کرنے میں مطعون ہوں۔ اور بالجملہ اکثر امت حنفیہ اور امامیہ ہیں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور رفیق ہونے میں شافعیہ سے نہیں ڈرتے۔

اب ہم یہ کہتے ہیں کہ دونوں روایتیں دینے نہ دینے کی تو صحیح ہیں اب مطابقت دونوں میں کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ دو وجہ سے ہو سکتی ہے۔ ایک یہ کہ بعض اہل بیت کو کہ محتاج تھے دیا بعض کو جو محتاج نہ تھے نہ دیا۔ پس جس کسی کو پہنچا اس نے تو کہا حصہ ذوی القربیٰ کا دیا اور جس کو نہیں پہنچا اس نے کہا نہیں دیا۔ دوسرے یہ کہ دینا اور نہ دینا بطریق عطا کے وارد ہے یعنی جس نے کہا کہ دیا اس نے اس راہ سے کہا کہ بطریق مصرف کے دیا۔ اور جس نے کہا نہیں دیا اس نے اس راہ سے کہا کہ بطریق ورثہ کے نہیں دیا۔ پس نفی و اثبات دونوں صحیح ہیں۔ اور دلیل اس مطابقت کی وہی روایتیں ہیں جو مفصل مذکور ہیں کہ عمرؓ بن خطاب حصہ ذوی القربیٰ کا خمس سے الگ کر کے اپنے پاس رکھتے تھے اور گھر گھر نام بنام

بانٹ دیتے تھے بلکہ اکٹھا حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے حوالہ کر دیتے تھے تاکہ فقیروں کو دیں، اور بے شوہر عورتوں اور غیر شادی شدہ مردوں کے نکاح میں صرف کریں۔ جن کے پاس خادم نہیں ہیں غلام، چھوکری لے دیں۔ جن کے گھر نہیں ہیں ان کے گھر بنا دیں اور مرمت کرا دیں۔ بے سواری والوں کو سواری دلوا دیں یہ سب سامان کر دیں۔ اور یہی دستور حضرت عمرؓ کی آخر خلافت تک جاری تھا۔ اور جب حضرت عمرؓ کی عمر سے ایک سال باقی رہا تو اس سال بھی بدستور حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو بلایا تاکہ وہ حصہ ذوی القربیٰ کا خمس سے لے لیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ امسال بنی ہاشم میں سے کوئی محتاج نہ رہا اور فقیر مسلمان بہت جمع ہیں بہتر یہ ہے کہ یہ حصہ بھی مسلمان فقیروں کو دیدیا جائے۔ اس سال حصہ ذوی القربیٰ کا بالکل موقوف رہا۔ اگرچہ حضرت عباسؓ نے وہاں سے اٹھ کر حضرت علیؓ کو منسوب بخطا کیا اور کہا تم نے غلط کیا کہ اپنے ہاتھ سے فقیروں کو نہ دیا اور اپنے قبضہ میں نہ کیا اس کے بعد جو خلیفہ ہوں گے ان کو دستاویز ہو جائے گی کہ تم نے خود موقوف کیا پس یہ حصہ تم کو نہیں دیں گے۔

اب مسئلہ خمس کا مفصل تینوں مذہب کے موافق سننا چاہیئے۔ شیعہ کے نزدیک خمس میں سے آدھا تو وہ لے جو کوئی امام ہو اور باقی نصف کو یتیموں مسکینوں مسافروں میں بقدر حاجت بانٹ دے۔ اور ان کے اعتقاد میں خمس ساتؔ چیزوں میں واجب ہوتا ہے۔ اوّل مالِ غنیمت جو حربی کافروں سے ہاتھ آئے جتنا ہو۔ دوسرے جو معدنی کان ہو جیسے فیروزہ اور تانبا اور گل ارمنی اور مثل اس کے۔ مگر بعد اخراجاتِ ضروری جیسے کھودنا ہے اور صاف کرنا ہے پھر جو کچھ رہ جائے اس کی قیمت بیس مثقال شرعی طلا ہو۔ تیسرے جو کچھ دریا سے بذریعہ غواصی برآمد ہو۔ چوتھے مالِ حلال حرام مال میں مل جل گیا ہو۔ پانچویں وہ زمین کہ کافر ذمی مسلمان سے خریدے۔ چھٹے دفینہ جو زمین سے نکلے۔ ساتویں وہ فائدہ جو تجارت اور کھیتی اور پیشہ اور مثل اس کے حاصل ہو پس جب وہ فائدہ اس شخص کے کل سال بھر کے خرچوں سے زیادہ ہو اس کا خمس دینا چاہیئے۔

اور حنفی لوگوں کے نزدیک تمام خمس کے تین حصے کرنے چاہئیں۔ یتیموں مسکینوں مسافروں کو اوّل تینوں فرقوں سے جو بنی ہاشم ہوں ان کو دے۔ پھر جو بچے اور اہلِ اسلام کو کہ انہی تینوں فرقوں سے ہوں۔ ان کے نزدیک خمس تین چیزوں میں ہے۔ اوّل غنیمت۔ دوسرے وہ کان کہ منطبع ہو یعنی جس سے نقش و نگار بن سکیں، جیسے سونا چاندی تانبا رانگا پارہ اور اس کے مثل۔ تیسرے مالِ دفینہ جو زمین میں ملے۔

اور شافعی کے نزدیک خمس کے پانچ حصے کرے۔ حصہ رسولؐ کا وقت کے خلیفہ کو دینا چاہیئے اور ایک حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو اس میں غنی اور فقیر برابر ہیں دونوں کو دینا چاہیئے بطور میراث دو حصے

مرد کے ایک حصہ عورت کا۔ اور تین حصے یتیموں مسکینوں مسافروں کے۔ ان کے نزدیک خمس دو چیزوں میں واجب ہوتا ہے۔ اوّل غنیمت۔ دوسرے وہ خزانہ جو زمین میں مل جائے۔

اب حضرت عمرؓ کی تقسیم کو ان تینوں مذہبوں پر قیاس کرنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ مذہب حنفیہ اور اکثر امامیہ سے بہت چسپاں ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو اکٹھا دیدیتے تھے ہر ایک کو جدا جدا اپنی ہاتھ سے نہیں دیتے تھے۔

❋ **طعن نہم**۔ یہ کہ عمرؓ نے دین میں نئی بات پیدا کی جو اس میں نہ تھی یعنی نماز تراویح اور جماعت کے ساتھ کہ اس میں خود ان کا اقرار بدعت کا ہے۔ اور حدیث متفق علیہ سے روایت ہے مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ (جو کوئی نئی بات پیدا کرے دین میں ہمارے جو کچھ اس میں نہیں ہے پس وہ چیز مردود ہے اور جو بات نئی پیدا کی ہوئی ہے گمراہی ہے)۔

اس طعن سے اہلِ سنت پر الزام نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی ساری حدیث کی کتابوں میں بشہرت و تواتر ثابت ہے کہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے تین رات رمضان کی تراویح جماعت کے ساتھ ادا کی اور نفلوں کی طرح ان کو تنہا ادا نہ کیا اور ترک بھی کیا اور عذر ترک کا یہ بیان فرمایا اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ یُّفْرَضَ عَلَیْکُمْ (میں ڈرتا ہوں تم پر فرض نہ ہو جائے) جب بعد وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ عذر جاتا رہا تو عمرؓ نے سنتِ نبوی کو پھر زندہ کیا۔ اور اصولی قاعدہ شیعہ اور سنی دونوں میں مقرر ہے کہ جس حکم میں بموجب نصِ شارعؑ کے کوئی علت لگی ہو جب وہ علت جاتی رہے تو وہ حکم مرتفع ہو جاتا ہے یعنے اس علت سے خالی۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ خود ان کے اقرار سے بدعت ہے جیسا کہ فرمایا ہے نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ (یہ اچھا نیا طریقہ پیدا ہوا) یہ اس معنے میں ہے کہ ہمیشگی اس پر بجماعت ایک نئی چیز پیدا ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہ تھی اور بہت سی چیزیں ہیں کہ خلفائے راشدین اور ائمہ اطہار اور اجماعِ امت کے وقت میں ثابت ہوئیں کہ آں سرورؐ کے وقت میں نہ تھیں اور ان کو بدعت نہیں کہتے۔ اور کہتے بھی ہیں تو بدعتِ حسنہ ہوگی نہ کہ بدعتِ سیئہ۔ پس جو حدیث کہ نقل کی خاص اس کے واسطے ہے جس کی شرع میں کچھ اصل نہ ہو کہ خلفاءؓ اور ائمہؓ اور اجماعِ امت سے ثابت ہوئی ہو۔ اور کیا کہہ سکیں گے شیعہ عید غدیر کے حق میں اور تعظیم نوروز اور ادائے نماز شکر روزِ قتل عمر رضی اللہ عنہ یعنے نویں ربیع الاوّل۔ اور جیرو کریو کی فرجیں حلال کر دینے اور محروم رکھنے میں بعض اولاد کو بعض ترکہ سے کہ ہرگز ان چیزوں کا آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانہ میں نشان نہ تھا اور اُن کو اُن کے زعم میں ائمہؒ نے نیا پیدا کیا ہے۔ اور جب اہل سُنت کے نزدیک خلفائے راشدین بھی حکم ائمہؒ کا رکھتے ہیں، موافق حدیث مشہور کے وَمَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِىْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِىْ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ (جو کوئی جیتا رہے گا تم میں سے میرے پیچھے وہ دیکھے گا بڑے اختلاف پس لازم پکڑو میرے طریقہ اور طریقۂ خلفائے راشدین کو بعد میرے اور محکم و مضبوط اُس طریقہ کو دانتوں کی جڑ سے) احداثِ عمرؓ کو بدستور پیدا کرنے اور ائمہ کے بدعت نہیں جانتے۔ اگر بدعت جانتے تو بدعتِ حسنہ۔

❋ طعن دہم:۔ شیعہ اپنی کتابوں میں روایت کرتے ہیں کہ اِنَّ عُمَرَؓ قَضٰى فِى الْجَدِّ مِائَةَ قَضِيَّةٍ۔ (بیشک عمرؓ نے دادا کی میراث میں سَو حکم جاری کئے)۔

اور اسی عبارت کو بعینہٖ نواصب حضرت امیرؓ کے حق میں روایت کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اس کا اختراع کونسے فرقہ سے ہے جس نے اِس عبارت کو سب سے پہلے بنایا کہ دوسرے فرقہ نے پسند کرکے اپنے کام میں لگا لیا۔ ہمارا گمان غالب یہ ہے کہ یہ اختراع ان دونوں فرقوں کے اُستاد حضرت ابلیس علیہ اللعنۃ کا ہے کہ دونوں فرقے انہی کے شاگرد ہیں اور انھوں نے ایک ہی چشمے سے فیض پایا ہے۔ لیکن امامیہ اس لفظ کی روایت میں اس سبب سے کہ ان کی عادت ہے کہ روایتوں کو بدل دیتے ہیں اور ہر چیز میں اختلاف کرتے ہیں، بعضے بجیم روایت کرتے ہیں بعضے بہ حاء اور ان کی بعض روایتوں میں لفظ حدّ الخمر واقع ہے۔

بہرحال جب یہ روایت اہل سُنت نے سُنی ہی نہیں تو محتاج اس کے جواب دینے کے بھی نہیں ہیں۔ اور اگر اس سبب سے کہ کوئی تنزّل سمجھے قصد جواب کا کریں تو اُس صورت پر کہ مُراد خمر سے ہو تو کوئی طعن متوجہ نہیں ہوتا۔ اِس واسطے کہ حدّ شراب کی قرآن و حدیث سے کوئی تعداد معین نہ تھی اِس وجہ سے اُس کے مقرر کرنے میں مختلف باتیں صحابہؓ کی خاطر میں آتی تھیں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ہر کسی کی بات اپنے ذہن میں تولتے جانچتے تھے یہاں تک کہ حضرت علیؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی رائے صواب پر اتفاق ہوا جیساکہ اوپر گزرا۔

اور اگر لفظ جد کا بجیم ہے تو محض جھوٹ ہے۔ اِس واسطے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں دادی کی میراث میں باہم صحابہؓ کے اختلاف ہوا اور دو باتیں ٹھہریں۔ اور ابوبکرؓ کا یہ قول کہ دادا کو بجائے باپ کے اختیار کریں۔ اور زیدؓ بن ثابت کا یہ قول کہ اُس کو بھی میراث میں شریک کردیں اور بھائیوں میں سے گنیں۔ حضرت عمرؓ کو ان دونوں قولوں میں تردد تھا کہ اچھا کونسا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں صحابہؓ سے بحث اور جھگڑے کرتے تھے بارہا اس واسطے کہ ابوبکرؓ کے قول کو ترجیح ہو اُبی بن کعبؓ اور زیدؓ بن ثابت اور دیگر

بڑے بڑے صحابہؓ کے گھر گئے اور دونوں طرف سے بہت دلیلیں ہوئیں اور ایسی بردو مات اور گفت و شنید مناظرہ میں کچھ عیب نہیں ہے۔ ایک مدعا پر ہزار دلیلیں ہوتی ہیں اور ہر دلیل کا قضیہ جُدا ہوتا ہے اس کو محلِ طعن جاننا نادانی ہے۔ آخر اس کا یہ کہ مذہب زید بن ثابت کا اُن کو بھی مرجح ہوا۔ اور زید ابن ثابت اُن کو اپنے گھر لے گئے اور ایک نہر کھودی اُس میں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکالیں اور ان چھوٹی نہروں سے نہروں کے اور بچے نکالے اور پانی اُس نہر میں اس طور پر جاری کیا کہ سب شاخوں اور شعبوں کو پہنچے پھر ایک نیچے کے شعبے کو آگے سے بند کیا پانی اُس شعبے کا لوٹ گیا اور بیچ کے شعبے میں گر کر اوپر اور نیچے کے دونوں شعبوں میں پھیل گیا اور فقط اُوپر کے شعبہ کو نہ گیا پس اِس تمثیل و صورت دکھلانے سے ثابت ہوا کہ جو کچھ دادا سے منتقل ہوا بیٹے کو پہنچا اور بیٹے سے اور بیٹوں کو اُس کے فقط دادا کو نہیں پہنچا ہے بلکہ قرابت دادا کی اپنے حال پر ہے اور قرابت بھائیوں کی اپنے حال پر۔ ایک دوسرے کو باطل نہیں کرتے۔ اور یہ تمثیل عمرؓ کے دل میں جم گئی اور مذہب زیدؓ کا ٹھہر گیا۔

❋ طعن یازدہم:۔ یہ کہ لوگوں کو عورتوں سے متعہ کرنے کو منع کیا اور متعہ حج کا بھی ناجائز کیا۔ حالانکہ ہے یہ کہ دونوں متعے آپ کے وقت میں جاری تھے پس حکم خدا کا منسوخ کیا اور مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا) اُس کو حرام ٹھہرایا۔ اور یہ بات خود اُن کے اقرار سے اہلِ سنت کی کتابوں میں ثابت ہے جس جگہ کہ اُن سے دونوں روایتیں کی ہیں جو کہتے تھے مُتْعَتَانِ كَانَتَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَنْهٰى عَنْهُمَا (دو متعے تھے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اور میں اُن دونوں سے منع کرتا ہوں)۔

❋ جواب اِس طعن کا یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک سب کتابوں میں زیادہ صحیح صحیح مسلم ہے اور اس صحیح میں بروایتِ سلمہؓ بن اکوع اور سبرۃ بن معبد جہنی اور دوسری صحاح میں بروایت ابوہریرہؓ کے بھی موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود متعہ کو حرام فرمایا۔ بعد اُس کے صرف تین دن کی اجازت دیدی تھی اور اُس تحریم کو قیامت تک کے لئے دائمی قرار دیا تھا۔ یعنی وہ قیامت تک حرام ہے۔ اور یہ اجازت تین دن کی اوطاس کی لڑائی میں تھی۔ اور بروایت حضرت امیرؓ کے حرام ٹھہرانا متعہ کا آنسروؐ سے اس قدر شہرت اور تواتر کو پہنچا کہ حضرت امام حسنؓ کی تمام اولاد اور محمد بن حنفیہؒ کی اولاد نے روایتیں کی ہیں۔ اور موطا اور بخاری اور مسلم اور دیگر مشہور کتابوں میں بطریقِ متعددہ روایتیں ثابت ہیں۔

اور شیعہ جو ان روایتوں میں بعضے شیعوں نے پیدا کیا ہے کہ یہ خیبر کی لڑائی میں حرام ٹھہرایا تھا اور اس

کی لڑائی میں پھر حلال ہو گیا۔

✻ **جواب** اس کا یہ ہے کہ یہ سب غلط فہمی ان کی اپنی ہی ہے ورنہ روایت حضرت علیؓ کی موجودہ اصل میں خیبر کی لڑائی کو تاریخ تَحْرِیْمِ لُحُوْمِ حُمُرِ الْاَهْلِیَّةِ (یعنے گوشت خر اہلی کا حرام ہے) فرمایا ہے نہ کہ تاریخ حرام ٹھہرانے متعہ کی۔ لیکن عبارت ایسی ہے جس سے وہم دونوں کا ہوتا ہے بعض محققوں نے نقل کی ہے نَهٰی عَنْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ یَوْمَ خَیْبَرَ (منع کیا عورتوں کے متعہ سے خیبر کے دن) اور اگر حضرت مرتضیٰؓ نے اس روایت میں حرام ٹھہرانا متعہ کا تاریخ خیبر پر موقوف کر کے روایت فرمائی ہے تو ابن عباسؓ پر رد کرنا اور الزام دینا اس کی کیا صورت؟ حالانکہ جس وقت کہ یہ رد و الزام تھا اسی وقت یہ روایت فرمائی اور ابن عباسؓ کو متعہ جائز کرنے پر سخت جھڑک کر کہا اَنْتَ رَجُلٌ تَائِهٌ (تو ایک مرد دیوانہ ہے) پس جو کوئی خیبر کی لڑائی کو تاریخ حرام ٹھہرانے متعہ کی کہے گویا جھوٹا دعوٰی ہے کہ حضرت علیؓ کے استدلال میں کرتا ہے اور اس کی نادانی و حمق پر یہی دعوٰی دلیل کے لئے کافی ہے۔

ایک گروہ محدث اہل سُنّت نے روایت کی ہے عبداللہ اور حسن پسران محمد بن حنفیہؒ سے اور انھوں نے اپنے باپ اور انھوں نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے اَنَّهٗ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُنَادِیَ بِتَحْرِیْمِ الْمُتْعَةِ (بیشک حکم کیا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا کہ حرام ہونے متعہ کی منادی کر دوں) پس معلوم ہوا کہ حرام ہونا متعہ کا ایک بار یا دو بار زمانہ میں آنسرورؐ کے بھی ٹھہر چکا ہے جس کو یہ نہی پہنچی اس سے باز رہا اور جس کو نہ پہنچی باز نہ رہا۔ جب حضرت عمرؓ کے وقت یہ فعل بہت سا پھیلا تو اس کا حرام ہونا اور مشہور کرنا اور ڈرانا دھمکانا اس کے کرنے والے کو بیان کیا تو حرمت اس کی خاص و عام کے نزدیک ثابت ہوئی اور حضرت عمرؓ کے کلام سے صرف متعہ کا ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ثابت ہوتا ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس صفت سے وہ حلال ٹھہرے تو باقی رہنا اس حکم کا لازم آئے۔ اور یہ بات خوب ظاہر ہے۔

اس کو بھی جانے دو یعنی روایتوں اور حدیثوں اہل سُنّت کو۔ قرآن کی آیتیں صریح متعہ حرام ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے تاویلیں شیعہ کی ان آیتوں میں حد تحریف کو پہنچتی ہیں جیسا کہ گزرا۔ اور کیونکر عورت متعہ کو زوجہ میں داخل کر سکیں گے۔ حالانکہ جو احکام زوجہ کے ہیں اس سے منتفی ہیں۔ جیسے عدت اور طلاق اور ایلاء یعنی عورت کے پاس جانے کی قسم کھا لینا۔ اور ظہار یعنی عورت کو ماں یا بہن ٹھہرانا۔ اور احصان حاصل ہونا کسی کی مباشرت سے اور امکان لعان اور میراث خود شیعہ کے نزدیک بھی وَاِذَا ثَبَتَ الشَّیْءُ ثَبَتَ بِلَوَازِمِهٖ (جب ثابت ہوئی ایک چیز تو ثابت ہوئی مع اپنے لوازم کے) قاعدہ ظاہر ہے۔

وَقَدْ رَوٰی اَبُوْ بَصِیْرٍ فِی الصَّحِیْحِ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الصَّادِقِ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الْمُتْعَةِ هِیَ مِنَ الْاَرْبَعِ قَالَ لَا وَلَا مِنَ السَّبْعِیْنَ (اور البتہ روایت کی ابوبصیر نے صحیح میں امام جعفر صادقؓ سے کہ پوچھا ان سے متعہ کے معاملہ میں کیا وہ چار میں داخل ہے کہا نہیں اور نہ داخل ستر میں) اور یہ روایت دلیل صریح ہے کہ عورت متعہ زوجہ نہیں ہے، نہیں تو چار میں محسوب ہوتی۔ اور قرآن مجید میں جہاں عورتوں سے فائدہ اٹھانا حلال ٹھہرایا ہے اس کے ساتھ قید احصان کی ہے یعنی عفت قائم رکھنے کے لئے۔ اور اسفاح سے منع کیا ہے یعنی شہوت رانی۔ قولہ تعالیٰ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ (اور حلال ہیں تم کو جو کچھ سوائے اس کے ہے اس صورت پر کہ اپنے مال کے بدلہ اپنی قید میں لانے کے لئے نہ کہ شہوت رانی کے لئے) وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ (اور عفت والی عورتیں مومنات سے) وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ (اور عفت والیاں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اور جب دیدو مہر ان کا اور قید میں لاتے ہو نہ کہ شہوت نکالنے کو) اور متعہ والی عورت میں ظاہر احصان حاصل نہیں ہے۔ اسی واسطے شیعہ بھی اس کو سبب احصان نہیں جانتے اور حد سنگساری کی متمتع غیر منکوحہ پر جاری نہیں کرتے ہیں۔ اور مسافح ہونا متمتع کا ظاہر ہے کہ اس سے اب منی کا بہانا اور برتن منی کا خالی کرنا غرض ہوتا ہے نہ کہ خانہ داری اور بچے لینا اور حمایت ناموس۔ اس کے علاوہ شیعہ کو متعہ حلال ہونے کے لئے سوائے اس آیت کے: فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً کوئی دستاویز نہیں ہے کہ اہل سُنّت کے مقابلہ میں بول سکیں۔ اور سابق میں معلوم ہوا کہ یہ آیت ہرگز متعہ حلال ہونے پر دلالت نہیں کرتی اور مراد استمتاع سے فائدہ پانا ہے یعنی صحبت اور دخول بدلیل کلمہ فا کہ واسطے تعقیب کے ہے، اور شاخ نکالنا ایک کلام کا دوسرے کلام پر جو سابق ہے جس میں نکاح و مہر ہے۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہیں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی (پس یہ کہ کرو تم تمتع ان عورتوں سے وقت معین تک) اور یہ لفظ صریح ہے اس بات میں کہ مراد متعہ سے ہے، ہم کہیں گے کہ اس لفظ کو جو لاتے ہیں بالاجماع قرآن میں نہیں ہے۔ اور قرآن کو تواتر باجماع شیعہ اور سُنّی شرط ہے۔ اور حدیث پیغمبرؐ کی بھی نہیں ہے پھر کس چیز کو دستاویز بنائیں گے۔ حد یہ کہ کوئی روایت شاذ منسوخ شدہ ہوگی۔ اور ایسی روایت کو قرآن کے مقابلہ میں جو محکم اور متواتر ہے لانا اور قرآن کو جو محکم بالیقین ہے چھوڑ کر اس روایت شاذ پر کہ اب تک کسی سند صحیح سے ثابت نہیں ہوئی تمسک کرنا کس بات پر قیاس کیا جائے گا۔ اور سُنّی و شیعہ

دونوں میں قاعدہ اصولی یہ ہے کہ جب دو دلیلیں قوت ویقین میں برابر باہم جھگڑا کریں حلال وحرام میں تو حرمت کو مقدم کرنا چاہیئے۔ یہاں جو دلیل ہے وہ محض جھوٹ ہے اب تک کسی نے یہ قرأت ہی نہیں سُنی اور تمام عرب وعجم میں قرآن ہیں نہ کسی قرآن میں دیکھی کس طرح اباحت کو ہم مقدم کریں گے۔

اور یہ جو کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ متعہ تجویز کرتے تھے۔ ہم کہیں گے کہ افسوس پیروی ابن عباسؓ کی سب مسائل میں اختیار کرتے اور لازم پکڑتے تو راہ پر ہو جاتے قصہ ابن عباسؓ کا ایسا ہے کہ خود اُس کی تصریح کرکے کہتے ہیں کہ اول اسلام میں مطلقاً مباح تھا اب مضطر یعنی نہایت مجبور کے لئے مباح ہے جیسے خون اور خوک اور مردار۔

اَسْنَدَ الْحَارِثِیُّ مِنْ طَرِیْقِ الْخَطَّابِیِّ اِلٰی سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ لَقَدْ سَارَتْ بِفُتْیَاکَ الرُّکْبَانُ وَقَالُوْا فِیْھَا شِعْرًا قَالَ وَمَا قَالُوْا قُلْتُ قَالُوْا۔ شعر

فَقُلْتُ لِلشَّیْخِ لَمَّا طَالَ مَجْلِسُہٗ
یَا شَیْخُ ھَلْ لَکَ فِیْ فُتْیَا ابْنِ عَبَّاسٍ
فِیْ غَیْدَۃٍ رَخْصَۃِ الْاَطْرَافِ اٰنِسَۃٍ
تَکُوْنُ مَثْوَاکَ حَتّٰی مَصْدَرِ النَّاسِ

حدثی بطریق خطابی سعید بن جبیرؓ سے یوں روایت لایا ہے کہ کہا میں نے ابن عباسؓ سے کہ سواروں نے آپ کا فتوٰی مشہور کردیا ہے اور اُنھوں نے اس مضمون میں شعر کہا ہے، کہا کیا کہا اُنھوں نے، میں نے کہا یہ کہا ہے شعر

پھر میں نے کہا اُس بوڑھے کو ہر گاہ کہ اُس کے بیٹھنے میں دیر لگی
کہ اے شیخ آیا تجھ کو رغبت فتوٰی کی ہے جو ابن عباسؓ کا ہے
عورت نازک اندام ملائم ہاتھ پاؤں والی کے بارے میں کہ اُنس پکڑنے والی ہوگی تیرے گھر میں جب تک کہ لوگ لوٹیں۔

فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ مَا لِھٰذَا اَفْتَیْتُ اِنَّمَا ھِیَ کَالْمَیْتَۃِ وَالدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِیْرِ (سو

کہا ابن عباسؓ نے سبحان اللہ میں نے یہ فتوٰی نہیں دیا ہے وہ متعہ میرے نزدیک مثل کھانے مردار اور خون اور گوشتِ خوک کے ہے)۔

وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا کَانَتِ الْمُتْعَۃُ فِیْ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ کَانَ الرَّجُلُ یَقْدَمُ الْبَلْدَۃَ لَیْسَ لَہٗ بِھَا مَعْرِفَۃٌ فَیَتَزَوَّجُ الْمَرْاَۃَ بِقَدْرِ مَا یَرٰی اَنْ یُّقِیْمَ بِھَا فَتَحْفَظُ لَہٗ مَتَاعَہٗ وَتُصْلِحُ لَہٗ شَیْئَہٗ حَتّٰی اِذَا نَزَلَتِ الْاٰیَۃُ اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ قَالَ

روایت کی ترمذی نے ابن عباسؓ سے کہا بیشک متعہ شروع اسلام میں تھا اور تھا یہ کہ کوئی آدمی کسی شہر میں ٹھہرتا تھا کہ اُس کا وہاں کوئی جان پہچان کا نہیں ہوتا تھا پس نکاح کرتا تھا کسی عورت سے اُتنے دن کہ جتنے دن وہاں کا رہنا تجویز کرتا تھا پس محافظت کرتی تھی وہ عورت اُس کے اسباب کی اور تیار کرتی تھی اُس کے واسطے اُس کی چیز یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِھِمْ الخ

ابْنُ عَبَّاسٍ کُلُّ فَرْجٍ سِوَاھُمَا حَرَامٌ۔ || ابن عباسؓ نے کہا یعنے سوا ان دو کے ہر عورت حرام ہے۔

یہ حال تو متعۃ النساء کا ہے۔ رہا متعۃ الحج کہ بمعنی تمتع یعنے فائدہ مند ہونے کے ہے یعنی عمرہ کو حج کے ساتھ ایک سفر میں حج کے مہینوں میں[1] بغیر اس کے کہ گھر لوٹے۔ پس عمرؓ نے ہرگز اس کو منع نہیں کیا اس تمتع کی نسبت حرام ٹھہرانے کی اُن پر افترا صریح ہے بلکہ حج اور عُمرہ دونوں کے افراد کو اولیٰ جانتے تھے دونوں ایک احرام میں اکٹھا کرنا کہ قران ہے یا ایک سفر میں کہ تمتع ہے۔ اور اب تک مذہب شافعی اور سفیان ثوری اور اسحاق بن راہویہ اور دیگر فقیہوں کا یہی ہے کہ ایک ایک کرنا افضل ہے تمتع اور قران سے اور دلیل اس افضلیت کی قرآن سے صریح ظاہر ہے قولہ تعالیٰ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ (تمام کرو تم حج اور عمرہ کو واسطے اللہ تعالیٰ کے) اور تمام کے معنے تفسیر میں یوں مروی ہیں کہ اِتْمَامُھُمَا اَنْ تُحْرِمَ بِھِمَا مِنْ دُوَیْرَۃِ اَھْلِکَ (کمال ان دونوں کا یہ ہے کہ احرام باندھے اپنے کنبے کے محلے سے) اور بعد اس آیت کے فرمایا فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَۃِ اِلَی الْحَجِّ (پس جو کوئی فائدہ اُٹھائے ساتھ عمرہ کے حج سے ملا کر) اور متمتع پر ہدی واجب کیا ہے نہ کہ مفرد پر پس صریح معلوم ہوا کہ تمتع میں یہ نقصان بھی ہے کہ اس میں ہدی دینا ہوتا ہے کیونکہ قطعاً معلوم ہے کہ موافق شریعت کے حج میں ہدی واجب نہیں ہوتا ہے مگر قصور کے سبب سے۔ اور اس کے ساتھ تمتع اور قران بھی جائز ہے۔ اور حضرتؐ نے جو افراد کو تمتع اور قران کے مقابل اختیار فرمایا جیسا کہ حدیث میں ہے صریح دلیل فضیلت افراد کی ہے اس سبب سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں افراد حج کی فرمائی۔ اور عمرۃ القضاء اور عمرۂ جعرانہ افراد عمرہ کی کی۔ اور باوجود فرصت عمرہ جعرانہ میں حج نہ ادا کیا مدینہ منورہ کو لوٹ آئے۔ اور عقل کی راہ سے بھی فضیلت افراد ہر ایک کی حج وعُمرہ سے معلوم ہوتی ہے کہ ہر ایک کے واسطے احرام اور ہر ایک کے ادا کے واسطے سفر جدا جُدا ہوگا ظاہر دُگنی حسنات حاصل ہوں گی۔ جیسے کہ استحباب وضو ہر نماز کے واسطے یا مسجد میں ہر نماز کو جانا بیان کیا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے جس کو منع کیا وہ یہ نہیں ہے بلکہ متعۃ الحج کے دوسرے معنے ہیں یعنے حج کو کرنا عُمرہ کے ساتھ اور احرام حج سے نکلنا عُمرہ کے افعال کے ساتھ بے عذر۔ اسی پر اجماع اُمت کا ہے کہ متعۃ الحج بلا عذر حرام ہے اور جائز نہیں ہے۔ لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فسخ اپنے اصحابؓ سے مصلحتاً کرایا تھا اور وہ مصلحت دفع رسم جاہلیت کی تھی کہ عمرہ کو حج کے مہینوں میں افجر فجور جانتے تھے اور کہتے تھے۔

اِذَا عَفَا الْاَثَرُ وَبَرِءَ الدَّبَرُ وَانْسَلَخَ الصَّفَرُ حَلَّتِ الْعُمْرَۃُ لِمَنِ اعْتَمَرَ (جب مٹ جائیں

[1] یعنے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ میں۔

نفش قدم اور اچھی ہوجائے پشت زخمی سواری کی اور تمام ہوجائے ماہِ صفر تو حلال ہوتا ہے عمرہ اُس شخص کو جو عمرہ کرے)۔

لیکن یہ فسخ اُسی زمانہ سے مخصوص ہے اوروں کو جائز نہیں ہے کہ فسخ کریں بغیر عذر کے اور یہ تخصیص بروایتِ ابوذرؓ اور دیگر صحابہؓ کے ثابت ہے۔

اَخْرَجَ مُسْلِمٌ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّہٗ قَالَ کَانَتْ مُتْعَۃُ الْحَجِّ لِاَصْحَابِ مُحَمَّدٍ خَاصَّۃً (روایت کی مسلم نے ابوذرؓ سے بیشک اُس نے کہا کہ تمتع حج میں خاص واسطے اصحاب محمدؐ کے ہے)۔

وَاَخْرَجَ النَّسَائِیْ عَنْ حَارِثِ بْنِ بِلَالٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَسْخُ الْحَجِّ لَنَا خَاصَّۃً اَمْ لِلنَّاسِ عَامَّۃً فَقَالَ بَلْ لَنَا خَاصَّۃً (روایت کی نسائی نے حارث بن بلال سے کہا اُس نے کہا میں نے یارسول اللہؐ فسخ حج کا خاص ہمارے واسطے ہے یا سب لوگوں کے واسطے عام۔ تو فرمایا بلکہ ہمارے واسطے ہے خاص)۔

قَالَ النَّوَوِیُّ فِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ قَالَ الْمَازِرِیُّ اُخْتُلِفَ فِی الْمُتْعَۃِ الَّتِیْ نَہٰی عَنْہَا عُمَرُ فِی الْحَجِّ فَقِیْلَ فَسْخُ الْحَجِّ اِلَی الْعُمْرَۃِ وَقَالَ الْقَاضِیْ عِیَاضٌ ظَاہِرُ حَدِیْثِ جَابِرٍ وَعِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ وَاَبِیْ مُوْسٰی اَنَّ الْمُتْعَۃَ الَّتِی اخْتَلَفُوْا فِیْہَا اِنَّمَا ہِیَ فَسْخُ الْحَجِّ اِلَی الْعُمْرَۃِ قَالَ وَلِہٰذَا کَانَ عُمَرُ یَضْرِبُ النَّاسَ عَلَیْہَا وَلَا یَضْرِبُہُمْ عَلٰی مُجَرَّدِ التَّمَتُّعِ اَیِ الْعُمْرَۃِ فِیْ اَشْہُرِ الْحَجِّ۔

کہا نووی نے شرح مسلم میں کہا مازری نے اختلاف کیا گیا ہے متعہ کی بابت کہ منع کیا ہے اُس سے عمرؓ نے حج میں سو بعضوں نے کہا ہے کہ مراد حج کا توڑنا ہے عمرہ کے واسطے۔ اور قاضی عیاض نے کہا ہے ظاہر حدیث جابرؓ اور عمران بن حصین اور ابی موسیٰ کی بیشک متعہ کہ جس میں اختلاف رکھتے تھے صحابہؓ مراد حج توڑنے سے ہے عمرہ کے واسطے اور کہا قاضی عیاض نے یہی سبب تھا کہ عمرؓ لوگوں کو مارتے تھے اس واسطے اور نہیں مارتے تھے اُن کو صرف تمتع کرنے پر یعنے عمرہ ادا کرنا حج کے مہینوں میں۔

اور یہ جو عمرؓ سے نقل کی ہے اَنَّہٗ قَالَ وَاَنَا اَنْہٰی عَنْہُمَا اس کے معنے یہی ہیں کہ بیشک عمرؓ نے کہا کہ میرا منع کرنا تمہارے دلوں میں زیادہ تاثیر رکھتا ہے۔ اس لئے کہ میں وقت کا خلیفہ ہوں دین کے کاموں میں میری سختی تم کو معلوم ہے ایسا نہ ہو کہ ان دونوں کاموں کو سہل جانو اور حقیقت میں نہی ان دونوں کی قرآن میں نازل ہے اور خود پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی قولہ تعالیٰ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْعَادُوْنَ (پھر جو کوئی ڈھونڈھے سوائے اس کے تو وہ لوگ حد سے نکلنے والے ہیں)۔ وقولہ تعالیٰ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ (اور کامل کرو حج کو اور عمرہ کو) لیکن فاسق

اور عوام الناس خدا کے منع کئے ہوئے کو اور حدیث کو کب خیال میں لاتے ہیں یہاں بادشاہی حکم چاہیئے اِنَّ السُّلْطٰنَ یَزَعُ اَکْثَرَ مِمَّا یَزَعُ الْقُرْاٰنُ (حاکم کا بندوبست قرآن کے بندوبست سے زیادہ ہے)۔ پس اضافتِ نہی اپنی طرف اسی نکتہ کے واسطے ہے۔

مطاعن عثمان رضی اللہ عنہ

یہ کُل دسؔ ہیں

طعنِ اوّل۔ یہ کہ حاکم اور امیر مسلمانوں کا اُن لوگوں کو کیا جن سے ظلم و خیانت ظہور میں آئی اور وہ بُرے کاموں کے مرتکب ہوئے۔ جیسے ولید بن عقبہ کہ شراب پی اور مستی کی حالت میں پیشِ نماز بنا اور صبح کی چار رکعت پڑھیں پھر کہا اَزِیْدُکُمْ (کہیں تمہارے لئے بڑھاؤں) اور چاروں صوبے شام کے معاویہ کو دیدیئے اور ایسی قوت دی کہ زمانِ خلافتِ حضرتِ امیرؓ میں جو کچھ اُس سے عمل میں آیا پوشیدہ نہیں ہے۔ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا حاکم مقرر کیا اُس نے وہاں کے لوگوں پر سخت ظلم کیا کہ مجبور ہوکر مدینہ کو آئے اور بلوہ کیا۔ مروان کو اپنا وزیر و منشی مقرر کیا کہ محمد بن ابی بکر کے حق میں صریح دغا کی ہے کہ بجائے اَقْبِلُوْہُ کے (مانو تم اُس کو) اُقْتُلُوْہُ (قتل کردو تم اُس کو) لکھ دیا۔ جب اطلاع ان عاملوں کی ہوتی تو سکوت کیا اور وہ جلدی موقوف نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ لوگوں کو عثمانؓ سے سخت نفرت ہوگئی جو ایسے عاملوں سے تنگ ہوگئے تھے۔ پھر جب موقوف کیا تو اُس سے کچھ فائدہ نہ ہوا اور نوبت فساد و قتل کی پہنچی پھر تدارک نہ کرسکے۔ لہٰذا جو کوئی ایسا بد تدبیر ہو کہ چور کو امانت دار سے اور عادل کو ظالم سے تمیز نہ کرے اور مردم شناس نہ ہو قابل امامت کے نہیں ہوتا۔

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ امام کو چاہیئے جس کو جس کام کے لائق سمجھے وہ کام اُس کے سپرد کرے اور غیب کا علم سوائے شیعہ کے اہلِ سنت کیا اور کسی گروہ میں بھی مسلمانوں سے شرطِ امامت ہرگز نہیں ہے۔ عثمانؓ نے جس کو کارآمد جانا اور جس پر گمانِ نیک تھا اور امانت دار و منصف اور اپنا مطیع و تابع سمجھا ریاست و حکومت اُس کو دی۔ تاریخ سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ تو یہ ہے کہ واقع میں عثمانؓ کے عامل محبت اور تابعداری اور فوج کشی اور دُور دُور کے شہر فتح کرنے اور لڑائی اور چستی اور چالاکی میں یکتائے زمانہ تھے۔ کوئی سست و آرام طلب نہ تھا یہی قیاس کرنا چاہیئے کہ غرب کی طرف سے قریب اندلس تک سرحد اسلام

کی پہنچائی تھی۔ اور مشرق کی طرف سے کابل و بلخ تک پھر روم میں گھسے اور خشکی و تری میں رومیوں سے لڑکر غالب ہوئے۔ اور عراق عرب و عجم اور خراسان کو کہ ہمیشہ خلیفۂ دوم کے وقت میں لڑائی فساد اُٹھائے رہتے تھے ایسا جھاڑا صاف کیا اور چھانا پھٹکا کہ سر نہیں اُٹھا سکتے تھے اور نشان فتنے کا ان کے دل میں نہ چھوڑا۔ اگر ایسے لوگوں سے بعض کاموں میں خلاف گمان عثمانؓ کے ظاہر ہوا تو عثمانؓ کی کیا تقصیر اور پھر بھی اُس پر سکوت نہ کیا، ہاں مگر اتنا ہے کہ جو کوئی کسی کی بُرائی کرتا تھا اُس کی تہمت ثبوت و تحقیق بھی ہوجائے اِس نظر سے کہ عاملوں اور کام والوں کے دشمن بہت ہوتے ہیں اور زبان خلق خصوصاً رعایا کی اُن کے حق میں رُکتی نہیں بے صرفہ چلتی ہے اُن کی موقوفی میں جلدی کرنے سے ملک و سلطنت میں خرابی پڑتی ہے آخر جن کی خیانت اور بُرائی ثابت ہوئی جیسے ولید اُس کو موقوف کیا۔ اور معاویہؓ سے عثمانؓ کے وقت میں کچھ بغی فساد نہ ہوا بلکہ روم سے لڑے اور بڑی نمایاں فتوحات کیں۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے عثمانؓ کے بعد کنارہ اختیار کیا اور ہرگز جھگڑوں لڑائیوں میں دخل نہ دیا۔ اب ان موقعوں سے خوبی حال اور اُس کی نکوئی آل کا کھوج لگانا چاہیئے، اور جو شکایتیں اُس کی مدینہ منورہ کو پہنچیں اور پہنچائیں یہ سب تو لیے عبداللہ بن سبا اور اُس کے بھائی بندوں کے تھے، اور محمد بن ابوبکرؓ جب عبداللہ بن سعد سے بھڑے تب اُن کی البتہ اُس نے ذلت واہانت کی۔

الحاصل عثمانؓ پر جو کچھ واجب تھا عثمانؓ نے ادا کیا، جو تقدیر الٰہی موافق تدبیر کے نہ تھی فتنہ و فساد بند نہ ہوسکا اور ان کا حال مثل حال امیرؓ کے ہے گویا قدم بقدم کہ ہر چند حضرت امیرؓ بھی عمدہ تدبیریں اور مشورے پورے پورے ریاستِ خلافت کے انتظام میں عمل میں لائے مگر چونکہ تقدیر مددگار نہ تھی لہٰذا کُرسی نشین نہ ہوئے۔ اِسی طرح ان کے اور حضرت امیرؓ کے عاملوں کا حال یکساں ہے ہاں اتنا ہے کہ عامل عثمانؓ کے تسلیم و فرمانبرداری اور محبت و وفا سے پیش آتے تھے، اور عمدہ کام سرانجام دیتے تھے اور غنیمتیں اور خمس برابر دارالخلافت کو پہنچاتے تھے کہ تمام مسلمان اُسی مال سے آسودہ ہوکر حد بھر ناز و نعمت و خوش عیشی سے بسر کرتے تھے کہ آخر وہی بہت معیش و تنعم باعث بغی و فساد کا ہوا۔ لیکن عامل حضرت امیرؓ کے ہرگز مطیع و تابع اُن کے نہ تھے کام بگاڑتے تھے ہر طرف شکست کھاتے تھے اور ذلیل ہوکر باوصف خیانت اور ظلم دونوں جہاں کی رُوسیاہی لے کر بھاگتے تھے اور حتّٰی کہ ان کے قرابت والوں اور چچازادوں کا بھی یہی حال تھا پھر اوروں کا کیا حال ہوگا۔ اگر اِس بات کا یقین نہ ہو تو کتاب نہج البلاغت کہ شیعہ کے نزدیک اصح کتابوں سے ہے نامہ حضرت امیرؓ کا کہ اپنے چچازاد بھائی کو لکھا ہے ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ عبارت نامہ کرامت شمامہ کی یہ ہے۔ اور یہ نامہ نہایت مشہور ناموں حضرت امیرؓ سے ہے کہ اکثر کتب امامیہ میں موجود ہے۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَشْرَکْتُکَ فِیْ اَمَانَتِیْ وَجَعَلْتُکَ شِعَارِیْ وَبِطَانَتِیْ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ اَهْلِیْ رَجُلٌ اَوْثَقَ مِنْکَ فِیْ نَفْسِیْ لِمُوَاسَاتِیْ وَمُوَازَرَتِیْ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ اِلَیَّ۔

میں نے تجھ کو شریک کیا اپنی امانت میں، اور کیا تجھ کو اپنا لباس اور استر اپنے لباس کا، اور تجھ سا معتمد میرے کنبے میں نہ تھا میرے دل سے میری غمخواری کو اور رفاقت کو اور امانت گزاری کو۔

اِس عبارت میں غور و تامل کرنا چاہیئے اور حضرت امیرؓ کے حسن ظن کا مرتبہ اُس رُوسیاہ کے حق میں سمجھنا چاہیئے۔

فَلَمَّا رَاَیْتَ الزَّمَانَ عَلٰی ابْنِ عَمِّکَ قَدْ کَلِبَ وَالْعَدُوَّ قَدْ حَرِبَ وَاَمَانَةَ النَّاسِ قَدْ خَزِیَتْ وَهٰذِهِ الْاُمَّةَ قَدْ فَنَکَتْ وَشَغَرَتْ قَلَبْتَ لِابْنِ عَمِّکَ ظَهْرَ الْمِجَنِّ فَفَارَقْتَهٗ مَعَ الْمُفَارِقِیْنَ وَخَذَلْتَهٗ مَعَ الْخَاذِلِیْنَ وَخُنْتَهٗ مَعَ الْخَائِنِیْنَ فَلَا ابْنَ عَمِّکَ اٰسَیْتَ وَلَا الْاَمَانَةَ اَدَّیْتَ وَکَاَنَّکَ لَمْ تَکُنِ اللّٰهَ تُرِیْدُ بِجِهَادِکَ وَکَاَنَّکَ لَمْ تَکُنْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ وَکَاَنَّکَ تَکِیْدُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ عَنْ دُنْیَاهُمْ وَتَنْوِیْ غِرَّتَهُمْ عَنْ فَیْئِهِمْ فَلَمَّا اَمْکَنَتْکَ الشِّدَّةُ فِیْ خِیَانَةِ الْاُمَّةِ اَسْرَعْتَ الْکَرَّةَ وَعَاجَلْتَ الْوَثْبَةَ وَاخْتَطَفْتَ مَا قَدَرْتَ عَلَیْهِ مِنْ اَمْوَالِهِمُ الْمَصُوْنَةِ لِاَرَامِلِهِمْ وَاَیْتَامِهِمْ اِخْتِطَافَ الذِّئْبِ الْاَزَلِّ دَامِیَةَ الْمِعْزٰی الْکَسِیْرَةَ فَحَمَلْتَهٗ اِلَی الْحِجَازِ رَحِیْبَ الصَّدْرِ بِحَمْلِهٖ غَیْرَ مُتَاَثِّمٍ مِّنْ اَخْذِهٖ کَاَنَّکَ لَا اَبَا لَکَ حَدَرْتَ اِلٰی اَهْلِکَ تُرَاثًا مِّنْ اَبِیْکَ

جب تو نے دیکھا کہ زمانہ تیرے ابن عم کا بگڑا، دشمن لڑنے کو کھڑے ہوئے، امانت لوگوں کی خراب ہوتی، اور یہ اُمت خونریزی میں پڑی تو تُو نے اپنے ابن عم پر مُنہ پھیلایا اور پیٹھ پھیری تُو نے اپنے ابن عم سے عین رنج و محنت میں۔ سو جدا ہوا تو اُس سے مع جُدا ہونے والوں کے اور چھوڑا تو نے اُس کو ساتھ چھوڑنے والوں کے، اور دغا کی تُو نے مع دغا کرنے والوں کے۔ پس اپنے ابن عم کی خواری تُو نے کی۔ اور نہ امانت ادا کی۔ گویا ارادہ خدا کا اپنے جہاد میں نہیں رکھتا تھا، اور گویا کہ تو روش پر اپنے رب کے نہ تھا گویا فریب دیتا ہے تو اس اُمت کو ان کی دنیا سے، اور نیت رکھتا ہے اُن کی غفلت سے ان کے مال خزانے سے، پھر جب تجھ سے ہوسکا حلہ اُمت کی دغابازی میں جھٹ لوٹا تو اور جلدی اُچھل پڑا اور لے گیا جس پر تو نے قابو پایا اُن کے مال سے کہ بچایا تھا انھوں نے بیواؤں یتیموں کے واسطے، جیسے گرگ بدحال خون آلودہ ٹوٹی ہڈی کو، پھر لاد لے گیا تو اُس کو حجاز کی طرف دل کھول کر، اور لئے جاتا ہے اُس کو ایسا کہ گناہ سے نہیں ڈرتا، گویا تُو اے شخص تیرا باپ مَرے ایسا بناکر تُو نے ہی جمع کیا تھا اپنا مال اور تیری میراث ہے کہ ماں باپ سے پائی

وَاُمَّكَ فَسُبْحَانَ اللّٰہِ اَوَمَا تُؤْمِنُ بِالْمَعَادِ اَوَمَا تَخَافُ نِقَاشَ الْحِسَابِ اَیُّھَا الْمَعْدُوْدُ مِمَّنْ کَانَ عِنْدَنَا مِنْ ذَوِی الْاَلْبَابِ کَیْفَ تُسِیْغُ طَعَامًا وَشَرَابًا وَاَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّكَ تَاْکُلُ حَرَامًا وَتَشْرَبُ حَرَامًا وَتَبْتَاعُ الْاِمَاءَ وَتَنْکِحُ النِّسَاءَ مِنْ اَمْوَالِ الْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْمُجَاھِدِیْنَ الَّذِیْنَ اَفَاءَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ ھٰذِہِ الْاَمْوَالَ وَاَحْرَزَ بِھِمْ ھٰذِہِ الْبِلَادَ فَاتَّقِ اللّٰہَ وَارْدُدْ اِلٰی ھٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ اَمْوَالَھُمْ فَاِنَّكَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَاَمْکَنَنِیَ اللّٰہُ مِنْكَ لَاُعْذِرَنَّ اِلَی اللّٰہِ فِیْكَ وَلَاَضْرِبَنَّكَ بِسَیْفِی الَّذِیْ مَا ضَرَبْتُ بِہٖ اَحَدًا اِلَّا دَخَلَ النَّارَ۔

پس پاکی ہے اللہ تعالیٰ کو، کیا آخرت پر تیرا ایمان نہیں یا ڈرتا نہیں ہے لکھنے والوں حساب سے، اے کہ تو وہ شخص ہے کہ ہمارے پاس جو عاقل ہیں تو اُن میں گنا ہوا تھا، کس طرح نگلتا ہے کھانا اور پینا اور جانتا ہے کہ حرام کھاتا ہوں اور حرام پیتا ہوں، اور چھوکریاں خریدتا ہے اور شادیاں کرتا ہے یتیموں اور مسکینوں اور مسلمانوں اور مجاہدوں کے مال سے وہ لوگ کہ حق ٹھہرایا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ مال اور مسخر کیا اُن کے واسطے یہ ملک، پس خدا سے ڈر اور پھیر دے مال اُس قوم کے اُن کو، ہر آئینہ اگر تو نے ایسا نہ کیا پھر اگر مجھ کو قدرت دی خدا نے تجھ پر ضرور بری الذمہ ہو جاؤں گا خدا سے تیرے معاملہ میں اور ضرور ضرور ماروں گا میں تجھ کو اپنی تلوار سے، وہ تلوار کہ اُس سے جس کو میں نے مارا دوزخ ہی کو گیا۔

اس نامہ کے تمام مضمون پر غور کرنا چاہیے اور اُس عاملِ رُوسیاہ کی خباثت اور خیانت کو معلوم کرنا چاہیے کہ اتنی خباثت اور خیانت حضرت عثمانؓ کے عاملوں سے کسی کی منقول نہ ہوئی۔ خصوصاً مال خوری اور خلیفہ سے بھاگ جانا۔

اور نیز حضرت امیرؓ کے عاملوں سے منذر بن جارود عبدی تھا کہ وہ بھی تھوڑا خائن اور چڑھا ہوا تھا بعد ظہور اُس کی خیانت کے حضرت امیرؓ نے ایک نامہ تہدید کا اُس کو لکھا تھا اور وہ پندنامہ مشہور کتابوں حضرت امیرؓ سے ہے۔ اور نہج البلاغت اور دیگر کتب امامیہ میں مذکور و مسطور عبارت ارشاد اشارت اُس کی یہ ہے۔

اَمَّا بَعْدُ فَصَلَاحُ اَبِیْكَ غَرَّنِیْ مِنْكَ وَظَنَنْتُ اَنَّكَ تَتَّبِعُ ھَدْیَہٗ وَتَسْلُكُ سَبِیْلَہٗ فَاِذَا اَنْتَ فِیْمَا رُقِّیَ اِلَیَّ عَنْكَ لَا تَدَعُ لِھَوَاكَ انْقِیَادًا وَلَا تُبْقِیْ لِاٰخِرَتِكَ عَتَادًا تَعْمُرُ دُنْیَاكَ بِخَرَابِ اٰخِرَتِكَ وَتَصِلُ عَشِیْرَتَكَ بِقَطِیْعَۃِ دِیْنِكَ اِلٰی اٰخِرِ الْکِتَابِ الْمُکَرَّمِ۔

تیرے باپ کی صلاحیت نے مجھ کو دھوکا دیا، میں نے گمان کیا کہ تو پیرو ہوگا اُس کی وضع کا اور چلے گا اُس کی راہ پر، ناگاہ دیکھا کہ تو اُسی میں ہے جس کی مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ تو نہیں چھوڑتا اپنے نفس کی خواہش اطاعت کرنے میں، اور نہیں رکھتا اپنی آخرت کا کچھ سرانجام، آباد دنیا کو اپنی عقبیٰ ویران کرکے آباد کرتا ہے، اور سلوک کرتا ہے اقربا سے بدسلوکی کا، آخر رقعہ شریف تک۔

الحاصل اہلِ سنّت کے نزدیک حضرت امیرؓ اور حضرت عثمانؓ میں اس معاملہ میں کچھ فرق نہیں ہے اس واسطے کہ جو کچھ اُن کے ذمہ تھا دونوں نے ادا کیا اور اپنی نیک گمانی سے عاملوں کو عمل دیا اور غیب کا علم خدا کو ہے پیغمبرؐ بھی ظاہر بنے سنبھلے دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں باطن کی خرابی سے واقف نہیں ہوتے جب تک کہ وحی اور واقعات الٰہی نہ اُس کو کھول دے۔ قولہ تعالیٰ:۔

وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اور جب تک خالص کر لے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو)۔

وقولہ تعالیٰ:۔

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَا اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ (کبھی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ چھوڑ دے ایمان لانے والوں کو جیسے کہ وہ ہیں جب تک کہ چھانٹ نہ لے ناپاک کو پاک سے)۔

اور امام کو ضروری نہیں ہے کہ وہ علم غیب رکھتا ہو کہ اپنی نیک گمانی میں خطا نہ کرے اور ہر کسی کو جان لے کہ یہ اس سے ہوگا۔ لیکن شیعہ کے نزدیک بہت بڑا فرق ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ خیانت کرنے اور کام و خدمت دینے سے پہلے ہی جان لیتے تھے کہ یہ خائن ہے اس سے خیانت ہوگی، اس لئے کہ ائمہ کو مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم ضرور ہے، یعنے جو ہو گیا اُس کا بھی اور جو ہوگا اُس کا بھی اور اس مسئلہ پر سب کا اتفاق ہے۔ محمد بن یعقوب کلینی اور دیگر علماء نے قسم قسم کی روایتوں اور طریق متعددہ سے اس مسئلہ کو ثابت کر چھوڑا ہے۔ اس صورت میں حضرت امیرؓ دیدہ و دانستہ خائنوں اور مفسدوں کو حاکم مسلمان کے معاملات کا کرتے تھے کہ آخرکار وہ خائن مال مسلمانوں کا اور ان کا حق ہضم کرکے بھاگ جاتے تھے۔ اور سوائے پندنامہ اور نصیحت کے کچھ تدارک اُس کا نہیں ہو سکتا تھا۔ اور عثمانؓ بیچارے نادانستہ بظاہر اچھا سمجھ کر عاملوں کو کام سپرد کرتے تھے، اُن سے خیانتیں ظہور میں آتی تھیں کہ وہ اپنے کئے سے ندامت اُٹھاتے تھے۔

اب حضرت امیرؓ کے عاملوں میں سے ایک دوسرے عامل کا قصہ سُننا چاہیے کہ حضرت امیرؓ کے خاندان کے ساتھ جو قبلہ و کعبہ مخلوق اور ٹھکانا دین و ایمان ہر گروہ کے ہیں کیا کیا اور کیا سوچا کہ وہ عامل مردود زیاد ولد الزنا ہے کہ صوبہ دار ملک فارس اور شیراز کا تھا اور وہ بیچارا ولد الزنا ہونے پر فخر کرتا تھا اور پکار پکار کر کہتا تھا اور اپنی ماں پر گواہی زنا کی دیتا تھا۔ قصہ اُس کا یہ ہے کہ ابوسفیان معاویہ کے باپ جس وقت اسلام نہیں لائے تھے ایک عورت سُمیہ نامی پر کہ چھوکری حارث ثقفی طبیب کی تھی مبتلا ہوئے رات دن اُس کے پاس آتے جاتے تھے اور مزہ اُٹھاتے تھے اُسی ایام میں سمیہ کے بچہ ہوا جس کا نام زیاد ہے۔ لیکن وہ چھوکری چونکہ ملکیت حارث کی تھی اور اُسی کے غلام کے نکاح میں تھی اس لئے بچپن میں اس

لڑکے کا عبدالحارث لقب کیا۔ یہاں تک کہ بڑا اور ہوشیار ہوا۔ اور نشانیاں اُس کی شجاعت و بلاغت اور خوش تقریری و لسانی کی مخلوق کے زبان پر جاری ہوئیں اور دانائی و ہوشیاری اُس کی تمام جہان میں مشہور ہوئی۔ ایک دن عمرو بن عاص نے جو بزرگانِ قریش میں سے تھے اور زیرک و دانا، کہا لَوْ کَانَ هٰذَا الْغُلَامُ مِنْ قُرَیْشٍ لَسَاقَ الْعَرَبَ بِعَصَاهُ (اگر ہوتا یہ لڑکا قریش سے تو عرب کو اپنے ڈنڈے سے ہانکتا) ابوسفیان نے اِس بات کو سُن کر کہا وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْرِفُ مَنْ وَضَعَهٗ فِیْ بَطْنِ اُمِّهٖ (قسم خدا کی میں خوب پہچانتا ہوں جس نے اس کو اس کی ماں کے پیٹ میں رکھا ہے) حضرت امیر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، پوچھا وہ کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا میں ہوں۔ فرمایا بس کر لے ابوسفیان، پھر ابوسفیان نے یہ شعر کہے ؎

اَمَا وَاللّٰهِ لَوْلَا خَوْفُ شَخْصٍ	خبردار ہو خدا کی قسم اگر اُس سے نہ ڈرتا،
یَرَانِیْ یَا عَلِیُّ مِنَ الْاَعَادِیْ	جو دیکھتا ہے مجھ کو اے علیؓ دشمنوں میں سے،
لَاَظْهَرَ اَمْرَهٗ صَخْرُ بْنُ حَرْبٍ	ضرور ظاہر کر دیتا اس کے بھید کو ابوسفیان،
وَلَمْ تَكُنِ الْمَقَالَةُ عَنْ زِیَادٍ	اور پھر یہ گفتگو زیاد کی بابت نہ ہوتی؛
فَقَدْ طَالَتْ مُجَامَلَتِیْ ثَقِیْفًا	اور بیشک میں نے قوم ثقیف سے بہت چھپایا،
وَتَرْکِیْ فِیْهِمْ ثَمَرَ الْفُؤَادِ	اور اپنا میوہ دل کا ان میں چھوڑ رکھا۔

زیاد نے بھی اِس قصے کو سُنا تھا وہ بیحیائی سے لوگوں کے سامنے کہتا تھا کہ اصل میں میں نطفہ ابوسفیان کا ہوں اور قوم قریش سے ہوں۔ جب امیر المومنینؓ نے اُس کو فارس کا حاکم بنایا تو ملک کے دبلنے اور فساد کو ٹھیک کر دینے میں اچھی کوششیں نمایاں اُس سے ظہور میں آئیں۔ معاویہ نے اس سے خفیہ خط و کتابت شروع کی اور چاہا کہ اُس کو اس لالچ میں کر تجھ کو اپنے بیچ میں ملالیں گے اپنا رفیق بنائے اور امیرؓ کی رفاقت سے الگ کر لے، کہ ایسے شخص سردار خوش تدبیر جماؤ والے کا اپنے دشمن سے الگ کر لینا غنیمت ہے، اُس سے مضبوط وعدہ کیا کہ اگر ہم میں کملے گا تو ہم تجھ کو اپنا بھائی بتائیں گے اور کہیں گے کہ ابوسفیان کی اولاد میں سے ہے۔ اِس واسطے کہ آخر ہے تو تُو ابوسفیان ہی کا نطفہ تیری دانائی اور ہوشیاری اور شجاعت اور دبدبہ اس دعوے کے سچے گواہ ہیں۔ جب حضرتؓ ان خطوں سے خوب واقف ہوئے تو زیاد کو خط لکھا، جس کی یہ عبارت ہے:۔

قَدْ عَرَفْتُ اَنَّ مُعَاوِیَةَ كَتَبَ اِلَیْكَ یَسْتَزِلُّ لُبَّكَ وَیَسْتَفِلُّ غَرْبَكَ	میں نے جانا تحقیق کہ تجھ کو معاویہ نے خط لکھا ہے کہ تجھ کو اپنی طرف پھسلاتا ہے اور تیرے نیزے کو کند کرکے

فَاحْذَرْهُ اِنَّمَا هُوَ الشَّیْطَانُ یَاْتِی الْمَرْءَ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ لِیَقْتَحِمَ غَفْلَتَهٗ وَیَسْتَلِبَ غِرَّتَهٗ فَاحْذَرْهُ ثُمَّ احْذَرْهُ وَقَدْ كَانَ مِنْ اَبِیْ سُفْیَانَ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ فَلْتَةٌ مِّنْ حَدِیْثِ النَّفْسِ وَنَزْغَةٌ مِّنْ نَزَغَاتِ الشَّیْطٰنِ لَا یَثْبُتُ بِهَا نَسَبٌ وَلَا یُسْتَحَقُّ بِهَا مِیْرَاثٌ وَالْمُتَعَلِّقُ بِهَا كَالْوَاغِلِ الْمُدَفَّعِ وَالنَّوْطِ الْمُذَبْذَبِ	پس تو اُس سے بچ بیشک وہ شیطان ہے کہ آدمی کو آگے پیچھے داہنے بائیں سے پکڑتا ہے تاکہ وہ ناگہاں غافل ہو جائے اور اُس کی بے خبری میں اُس کو لوٹ لے۔ پس بچ اُس سے اور پھر کہتا ہوں بچ بیشک ابوسفیان سے عمرؓ بن خطاب کے وقت میں ایک لفظ زبان سے نکلا ہے قسم خیالات نفس اور قسم دغدغہ و سوسوں شیطان سے کہ اُس سے نہ نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ اُس سے تجھ کو میراث پہنچتی ہے۔ اور ایسی چیزوں کو دستاویز پکڑنے والا ایسا ہے جیسے کوئی زبردستی آتا ہے اور اُس کو ہانکتے ہیں اور لٹکا ہوا ہے اور ہلتا ہے۔

جب یہ خط زیاد نے پڑھا تو کہا:۔

وَرَبِّ الْكَعْبَةِ شَهِدَ لِیْ اَبُو الْحَسَنِ بِاَنِّیْ اَنَا ابْنُ اَبِیْ سُفْیَانَ (قسم ہے پروردگار کعبہ کی گواہی دیدی میرے لئے علیؓ نے اِس بات پر کہ میں ابوسفیان کا بیٹا ہوں)۔

یہ بھی بڑی بیحیائی کی بات تھی۔ مگر جب تک آپ شہید ہوئے ظاہرداری کرتا رہا اور ظاہر بے پردہ آپ کی رفاقت نہ چھوڑی۔ جب حضرت امیرؓ شہید ہوئے اور حضرت امام حسنؓ نے ملک و سلطنت معاویہ کے سپرد کیا تو معاویہ نے زیاد کی تسلی و دِلاسا میں کہ بڑی جمعیت اس کے ساتھ تھی اور بڑا مدبر اور بہادر اور دانا تھا اور بادشاہوں کو ایسے آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے، حد سے زیادہ بڑھائی تاکہ اُس کی رفاقت میں بھی حضرت امیرؓ کی رفاقت کی طرح اچھی محنتیں شائستہ کرے وہی بات ابوسفیان کی جو عمرو ابن عاص اور حضرت امیرؓ کے سامنے اُس کے مُنہ سے نکلی تھی دستاویز پکڑ کر اُس کو اپنا بھائی قرار دیا اور سنہ ۴۴ھ ہجری میں اُس کے لقب کو زیاد بن ابوسفیان مقرر کیا۔ اور ملک میں اس کی منادی کرادی کہ اُس کو زیاد بن ابوسفیان کہا کریں۔

اب شرارت ابن زیاد ولدالزنا کی دیکھنا چاہیئے کہ بعد رفاقت معاویہ کے اول فعل جو اُس سے ہوا عداوت اولاد حضرت امیرؓ کی تھی اُس وقت تک سبط اکبر حسنؓ مجتبےٰ بقیدِ حیات رہے تھوڑا بہت ملاحظہ کرتا رہا۔ جب اُنھوں نے بھی رحلت فرمائی تو زیاد معاویہ کی طرف سے عراق کا حاکم ہوا اور کوفہ پر قبضہ پایا۔ پہلے سعد ابن شریح کے پیچھے پڑا جو کہ خالص شیعوں جناب امیرؓ سے تھا اور اُن کے خاندان عالیشان کے بڑے دوستوں اور اخلاص والوں سے تھا اور چاہا کہ اُس کو پکڑ کر ملی انڈا اور جرمانہ لے وہ خبردار ہو کر بھاگا اور مدینہ منورہ

میں آپ کو سید الشہداء خاتم آل عبا جناب امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچایا۔ زیاد نے کوفہ میں اُس کا گھر ضبط کیا اور جو کچھ نقد و جنس تھا سب لے گیا اور گھر جلا دینے اور کھود ڈالنے کا حکم دیا۔ جب یہ بات حضرت امام رضؓ کے گوشِ مبارک میں پہنچی تو خط سفارشی زیاد کو اِس گمان پر کہ آخر جناب امیرؓ کا قدیم رفیقوں سے ہے اور نمک پروردہ آنجنابؓ کا کہ کہاں تک بیحیائی کرے گا اور کھیل بیوفائی کا کھیلے گا، لکھا کہ عبارت اُس کی یہ ہے :-

مِنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ اِلٰى زِيَادٍ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ عَمَدْتَ اِلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَهٗ مَا لَهُمْ وَعَلَيْهِ مَا عَلَيْهِمْ فَهَدَمْتَ دَارَهٗ وَاَخَذْتَ مَالَهٗ وَعِيَالَهٗ فَاِذَا اَتَاكَ كِتَابِيْ هٰذَا فَابْنِ دَارَهٗ وَارْدُدْ اِلَيْهِ مَالَهٗ وَعِيَالَهٗ فَاِنِّيْ قَدْ اَجَرْتُهٗ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ۔

حسین بن علیؓ سے طرف زیاد کے لیکن بعد اُس کے تو نے قصد کیا مسلمانوں سے ایک شخص پر کہ اُس کا حق بھی ثابت ہے جیسا کہ سب مسلمانوں کا اور اُس کے ذمے بھی ہے جو کچھ اور وں کے ذمے ہے تو نے اُس کا گھر ویران کر دیا اور مال لے لیا مع عیال کے۔ جب پہنچے تیرے پاس میرا خط تو اُس کا گھر بنا دے اور مال و عیال پھیر دے۔ میں نے اُس کو پناہ دی ہے۔ پس سفارش میری اُس کے حق میں مان لے۔

آپؓ کے جواب میں وہ کافر نعمت ناشکر یوں لکھتا ہے :-

مِنْ زِيَادِ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ اِلَى الْحُسَيْنِ ابْنِ فَاطِمَةَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَتَانِيْ كِتَابُكَ تَبْدَءُ فِيْهِ بِاِسْمِكَ قَبْلَ اِسْمِيْ وَاَنْتَ طَالِبٌ لِلْحَاجَةِ وَاَنَا سُلْطَانٌ وَاَنْتَ سُوْقَةٌ وَكِتَابُكَ اِلَيَّ فِيْ فَاسِقٍ لَا يُؤْوِيْهِ اِلَّا فَاسِقٌ مِثْلُهٗ وَشَرٌّ مِّنْ ذٰلِكَ اِذَا اَتَاكَ وَقَدْ اٰوَيْتَهٗ اِقَامَةً مِّنْكَ عَلٰى سُوْءِ الرَّاْيِ وَرِضًى بِذٰلِكَ وَاَيْمُ اللّٰهِ لَا يَسْبِقُنِيْ اِلَيْهِ سَابِقٌ وَلَوْ كَانَ بَيْنَ جِلْدِكَ وَلَحْمِكَ فَاِنَّ اَحَبَّ لَحْمٍ اِلَيَّ اَنْ اٰكُلَهٗ لَلَحْمٌ اَنْتَ فِيْهِ فَاَسْلِمْهُ بِجَرِيْرَتِهٖ اِلٰى مَنْ هُوَ اَوْلٰى بِهٖ مِنْكَ فَاِنْ عَفَوْتُ عَنْهُ

زیاد بن ابی سفیان سے طرف حسینؓ بن فاطمہؓ کے لیکن بعد اس کے کہ یہ آیا میرے پاس خط تیرا کہ اُس میں تو نے اپنے نام سے ابتدا کی ہے میرے نام سے پہلے۔ حالانکہ تو طالب حاجت کا ہے اور میں حاکم ہوں اور تو رعیت اور خط تیرا ایک فاسق کے حالمہ میں ہے کہ اُس کو پناہ نہ دے گا مگر وہی جو اُس جیسا فاسق ہو اور یہ اور بھی بدتر ہوا کہ وہ تیرے پاس گیا اور تو نے اُس کو جگہ دی اور آڑا ہوا ہے تیرے سبب اپنی بدتدبیری پر اور راضی ہوا ہے اُس کے ساتھ بس کام پر اور قسم ہے خدا کی کہ نہیں پہنچے گا مجھ سے پہلے اُس تک اگرچہ وہ تیرے گوشت پوست میں ہو گا۔ پس ہر آئینہ بہتر سب گوشتوں میں ہو گا یہ گوشت کہ میں اُس کو کھاؤں اور تو اُس میں ہو پس حوالہ کر اُس کو اُس کے جو اُس کے زیادہ تصرف رکھتا ہے تجھ سے۔ پس اگر معاف کر دوں گا میں اُس سے

لَمْ اَكُنْ شَفَّعْتُكَ فِيْهِ وَاِنْ قَتَلْتُهٗ لَمْ اَقْتُلْهُ اِلَّا لِحُبِّهٖ اِيَّاكَ۔

تو یہ نہ جاننا کہ میں نے تیری سفارش مان لی اُس کے حق میں اور اگر مار ڈالوں گا اُس کو تو نہیں ماروں گا مگر اس بات پر کہ وہ تیرا محب ہے۔

جب یہ نامہ ناپاک کہ اِس کے صاحب کو حق تعالیٰ اپنے عدل کا مزہ چکھاوے اِس سے زیادہ کیا کہوں، حضرت امام رضؓ کے پاس پہنچا تو آپ نے ویسے ہی لفافہ کر کے معاویہؓ کے پاس بھیج دیا۔ اور لکھا کہ قصہ اِس طرح پر ہے، اور میں نے زیاد کو ایسا لکھا تھا اُس نے جواب میں یہ نامہ لکھا ہے۔ اُس خط کے پہنچتے ہی معاویہ غصہ ہوئے اور اپنے ہاتھ سے زیاد کو لکھا :-

مِنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ اَبِيْ سُفْيَانَ اِلٰى زِيَادٍ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ بَعَثَ اِلَيَّ كِتَابَكَ اِلَيْهِ جَوَابَ كِتَابِهٖ اِلَيْكَ فِي ابْنِ سَرْحٍ فَعَلِمْتُ اَنَّكَ بَيْنَ الرَّاْيَيْنِ رَاْيٌ مِّنْ اَبِيْ سُفْيَانَ وَرَاْيٌ مِّنْ سُمَيَّةَ اَمَّا رَاْيُكَ مِنْ اَبِيْ سُفْيَانَ فَحِلْمٌ وَحَزْمٌ وَاَمَّا الَّذِيْ مِنْ سُمَيَّةَ فَكَمَا يَكُوْنُ رَاْيُ مِثْلِهَا وَمِنْ ذٰلِكَ كِتَابُكَ اِلَى الْحُسَيْنِ تَشْتِمُ اَبَاهُ وَتُعَرِّضُ لَهٗ بِالْفِسْقِ وَلَعَمْرِيْ اَنْتَ اَوْلٰى بِالْفِسْقِ مِنَ الْحُسَيْنِ وَلَاَبُوْكَ اِذْ كُنْتَ تُنْسَبُ اِلٰى عُبَيْدٍ اَوْلٰى بِالْفِسْقِ مِنْ اَبِيْهِ وَاِنْ كَانَ الْحُسَيْنُ بَدَاَ بِاسْمِهٖ ارْتِفَاعًا عَنْكَ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَمْ يَضَعْكَ وَاَمَّا تَشْفِيْعُهٗ فِيْمَا شَفَعَ فِيْهِ فَقَدْ دَفَعْتَهٗ عَنْ نَفْسِكَ اِلٰى مَنْ هُوَ اَوْلٰى بِهٖ مِنْكَ فَاِذَا اَتَاكَ كِتَابِيْ هٰذَا فَخَلِّ مَا فِيْ يَدِكَ لِسَعِيْدِ بْنِ سَرْحٍ وَابْنِ لَهٗ دَارَهٗ وَلَا تَعَرَّضْ لَهٗ وَارْدُدْ اِلَيْهِ مَالَهٗ وَعِيَالَهٗ فَقَدْ كَتَبْتُ اِلَى الْحُسَيْنِ اَنْ يُّخَيِّرَ صَاحِبَهٗ

معاویہ بن ابی سفیان سے طرف زیاد کے لیکن بعد اس کے تحقیق بھیجا حسینؓ بن علیؓ نے تیرا خط جو اُن کے نام تو نے بھیجا تھا میرے پاس ابن سرح کے مقدمہ میں سو میں نے جانا کہ تو دو رایوں کی کھینچ تان میں ہے۔ ایک رائے ابوسفیان کی طرف سے اور دوسری سُمیہ کی طرف سے لیکن ابوسفیان والی رائے سے تو تجھ میں حلم و حزم ہے اور سمیہ والی رائے تو ویسی ہے جیسی اس جیسے لوگوں کی ہوتی ہے اِس قسم سے تیرا خط ہے حسینؓ کی طرف تو اُن کے باپ کو دشنام دیتا ہے اور ان پر تعریض کرتا ہے فسق کے ساتھ۔ میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں کہ فسق کا تو زیادہ اہل ہے حسینؓ سے اور ضرور تیرا باپ جس وقت کہ تو غلام کا بیٹا کہا جاتا تھا وہ حسینؓ کے باپ سے فسق میں نہایت ہی اولیٰ ہے۔ اگر حسینؓ نے ابتدا نامہ کی اپنے نام سے کی اپنے کو اونچا جان کر تجھ سے تو تو پست نہیں ہوتا ہے۔ لیکن قبول کرنا اس کی سفارش کا اُس مقدمہ میں کہ سفارش کی پس اِس نیکی کو تو نے دفع کیا اُس کی طرف کہ وہ اس کام کے واسطے تجھ سے بہت بہتر ہے۔ پس جس وقت میرا خط تیرے پاس پہنچے جو کچھ تیرے قبضے میں سعید کی ملکیت سے ہے چھوڑ دے اُس کو اور گھر بنا دے اور اُس سے متعرض مت رہ۔ اور پھیر دے اُس کا مال و عیال۔ میں نے بیشک لکھا ہے حسینؓ کو کہ وہ اپنے دوست کو خبر کر دیں میرے اِس نوشتہ سے بھی۔

بِذٰلِكَ فَاِنْ شَاءَ اَقَامَ عِنْدَهٗ وَاِنْ شَاءَ رَجَعَ اِلٰى بَلَدِهٖ فَلَيْسَ لَكَ عَلَيْهِ سُلْطَانٌ بِيَدٍ وَلِسَانٍ وَاَمَّا كِتَابُكَ اِلَى الْحُسَيْنِ بِاِسْمِهٖ لَا تَنْسُبُهٗ اِلٰى اَبِيْهِ بَلْ اِلٰى اُمِّهٖ فَاِنَّ الْحُسَيْنَ وَيْلَكَ مَنْ لَا يُرْمٰى بِهٖ الرُّجْوَانُ اَفَاسْتَصْغَرْتَ اَبَاهُ وَهُوَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اَمْ اِلٰى اُمِّهٖ وَكَلَّتَهٗ وَهِيَ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَفْخَرُ لَهٗ اِنْ كُنْتَ تَعْقِلُ وَالسَّلَامُ۔

پس اگر وہ چاہے تو اُن کے پاس رہے اور اگر چاہے تو اپنے شہر کو لوٹ جائے تجھ کو اُس پر نصرت نہیں ہے نہ ہاتھ سے نہ زبان سے۔ لیکن خط لکھنا تیرا حضرت اُن کے نام پر جن کی نسبت تو اُن کے باپ سے نہیں کرتا بلکہ ماں سے کرتا ہے پس بیشک حسینؓ ولے تجھ پر وہ شخص ہے کہ اس پر بدی کی تہمت نہیں لگائی جاتی اور اس کو نیچا نہیں کیا جاتا۔ آیا کم گنا تو نے اُن کے باپ کو کہ وہ علیؓ بن ابی طالب ہیں۔ یا تو نے ان کو ان کی ماں کی طرف منسوب کیا حالانکہ وہ رسولِ خدا کی بیٹی ہیں یہ تو اُن کا بہت بڑا فخر ہے جو تجھ کو عقل ہوتی تو سمجھتا اور سلام۔

حاصل کلام شرارت و بدذاتی زیاد اور اُس کی اولادِ ناپاک کی خصوصًا عبیداللہ قاتل حضرت امام حسینؓ کی حق میں گروہ مسلمانوں اور خاص خاندان حضرت امیرؓ میں اُس حد تک ہے کہ قلموں کی زبان اُس کے لکھنے سے عاجز ہوتی۔

مشکل مسئلہ شیعہ کے نزدیک یہ ہے کہ زیاد ولد الزنا تھا اور ولد الزنا ان کے نزدیک نجس العین ہے، باوصف اس کے حضرت امیرؓ نے فارس کے لوگوں اور مسلمانوں کے لشکر پر اُس کو امیر مقرر فرمایا اُس وقت جماعت پانچوں وقت نماز اور جمعہ اور عیدین کی سب حاکم و امیر کے ذمے ہوتی تھی پس یہی ولد الزنا آگے جاتا تھا (امامت کرتا تھا) اور سب کی نماز تباہ کرتا تھا۔ حالانکہ یہ مسئلہ امامیہ کے نزدیک اس بات کے ساتھ خوب تصریح کیا ہوا ہے کہ ولد الزنا کی امامت سے نماز نہیں ہوتی۔ اب امامیہ کو زیبا نہیں ہے کہ عثمانؓ کے عاملوں کی خیانت و ظلم سے عثمانؓ پر طعن کریں اور اِس بات کو بھول جائیں۔

طعنِ دوم۔ یہ کہ حکم بن العاص کو کہ مروان شیطان کا باپ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو ایک تقصیر کی بنا پر مدینۂ منورہ سے نکال دیا تھا پھر مدینہ میں بلا لیا۔

جواب اِس کا یہ ہے کہ حکم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس سبب سے نکال دیا تھا کہ وہ منافقوں سے دوستی رکھتا تھا اور مسلمانوں میں فتنے اُٹھاتا تھا اور کافروں کی مدد کرتا تھا۔ جب بعد وفات پیغمبرؐ اور خلافت شیخین علیہم السلام کے کفر کا زوال اور نفاق کا بطلان حد کو پہنچا کہ ان دونوں فرقوں کا نام و نشان حجاز کے شہروں میں علی العموم اور مدینۂ منورہ میں بالخصوص شیطان کے انڈے سے بھی زیادہ کمیاب ہوگیا۔ اور اصول کا قاعدہ مقرر ہے اَلْحُكْمُ الْمَعْلُوْلُ بِالْعِلَّةِ يَرْتَفِعُ عِنْدَ ارْتِفَاعِهَا (جس حکم

کے ساتھ کوئی علت لگی ہو تو جب علت جاتی رہے گی وہ حکم بھی جاتا رہے گا) پس حکم اُس کے نکال دینے کا بھی جاتا رہا۔ اور شیخینؓ اُس کے آنے کے اِس سبب سے روادار نہ ہوتے کہ ہنوز احتمال فتنے اور فساد کا قائم تھا اس لئے کہ حکم بنی امیہ سے تھا اور شیخینؓ تیم سے بسبب عداوت جاہلیت یعنی قبل اسلام کے خیال کیا کہ ایسا نہ ہو کہ پھر اس کی رگ حمیت کی جوش کرے اور مسلمانوں میں شتابہ دوڑ کر آگ پھیلائے۔ اور جب عثمانؓ خلیفہ ہوئے کہ اُس کے بھتیجے تھے اِس سبب سے بھی اطمینانِ کُلی حاصل ہوا۔ اِس واسطے اُس کو مدینۂ منورہ میں بلا لیا اور رعایت صلۂ رحم کی کی۔ اور خود حضرت عثمانؓ سے یہ بات لوگوں نے پوچھی تھی کہ حکم کو مدینہ میں کیوں لائے؟ اُنھوں نے خود جواب شافی فرمایا کہ میں نے اجازت اُس کے آنے کی مدینۂ منورہ میں بحالتِ مرض موت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے لی تھی۔ جب ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اُن سے میں نے کہا تو اُنھوں نے اجازت کا دوسرا گواہ چاہا چونکہ دوسرا گواہ میرا کوئی نہ تھا لہٰذا میں خاموش ہوگیا اسی طرح عمرؓ کے پاس گیا کہ شاید مجھ اکیلے کے کہنے کو مان لیں اُنھوں نے بھی حسب دستور ابوبکرؓ کے دوسرا گواہ مانگا پھر میں خاموش ہوگیا۔ جب خود خلیفہ ہوا تو اپنے علمِ یقینی پر عمل کیا۔ اور عثمانؓ کی اِس بات کے گواہ اہلِ سنت کی کتابوں میں موجود ہیں بروایتِ صحیح کہ مرض موت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کیا اچھا ہو کہ میرے پاس کوئی مرد صالح آئے جس سے بات کروں۔ ازواج مطہراتؓ اور دیگر خدام خانہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کو بلائیں، فرمایا نہیں، پھر کہا عمرؓ کو بلائیں کہا نہیں" پھر کہا علی مرتضٰیؓ کو بلائیں کہا نہیں۔ پھر کہا عثمانؓ کو بلائیں، فرمایا ہاں۔ جب حضرت عثمانؓ آئے تو سب کو الگ کر دیا تنہائی میں دیر تک اُن سے سرگوشی کی۔ تعجب نہیں ہے کہ وہ وقت آپؐ کے لطف و کرم کا تھا عثمانؓ نے اس گنہگار کی سفارش کی ہو اور قبول ہو گئی ہو دوسرا اس پر مطلع نہ ہوا ہو۔

نیز ثابت ہے کہ حکم نے اپنی عمر میں نفاق و فساد سے توبہ کر لی تھی چنانچہ بعد توبہ کے کوئی بات اُس سے وقوع میں نہیں آئی اور اُس کے ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ وہ نہایت بوڑھا ہوگیا تھا اور قویٰ اُس کے گر گئے تھے کچھ خوف فتنہ و فساد کا اُس سے نہیں رہا تھا۔ پس بلا لینا اُس کا مدینہ میں ایسا ہوگا جیسے کسی بڑھیا پرانی دیو شکل کو بلا لیا کہ ہرگز محل طعن نہیں ہے۔

طعن سوم۔ یہ اپنے گھر کے لوگوں اور اقربا کو بہت مال دیا اور خرچ بیہودہ حد سے زیادہ کیا خزانہ بیت المال کو اُجاڑا۔ جب حکم بن ابی العاص کو مدینہ میں لائے تو ایک لاکھ درم اس کو دیئے۔ اور اُس کے لڑکے کو کہ حارث بن حکم تھا محصول مدینہ کے بازار کا اور دہ یکیں (عشر) گنج اور سب منڈیوں کی دیں۔

مروان کو خمس افریقیہ کا عطا کیا۔ عبداللہ بن خالد بن اسید بن ابی عیص بن امیہ کو جو مکہ سے اُن کے پاس آیا تین لاکھ درم انعام فرمائے۔ آپنی ایک لڑکی کو دو دانے ایسے موتیوں کے دیئے کہ قیمت اُن کی جوہری و سوداگر نہیں دے سکتے تھے۔ اپنی دوسری لڑکی کو ایک انگوٹھی زر کی جڑاؤ یاقوت و جواہر عمدہ گراں قیمت کی بخشی۔ اور اکثر بیت المال کو عمارتوں اور باغوں کی تعمیر اور اپنی زمین اور کھیتی کے صرف میں خرچ کیا۔ عبداللہ بن ارقم اور معیقیب دوسی نے جو عمرؓ بن خطاب کے وقت سے داروغہ خدمت بیت المال کے تھے یہ حال دیکھ کر استعفےٰ دیدیا اور نوکری چھوڑدی۔ مجبور ہو کر یہ خدمت زیدؓ بن ثابت کو دی۔ ایک دن بعد تقسیم کرنے بیت المال کے جو بچا زیدؓ بن ثابت کو دیدیا کہ وہ بچا ہوا لاکھ درہم سے زیادہ تھا۔ ظاہر ہے جو شخص کہ اپنے مال کو بیہودہ خرچ کرتا ہے اس تک کو شرع مطعون و ملامت کرتی ہے چہ جائے کہ وہ شخص جو مسلمانوں کے مال میں ایسے معاملے کرے کہ اُن کے حق تلف ہوں۔

جواب ایسے کثیر خرچوں کو بیت المال سے قرار دینا اور محلِ طعن ٹھہرانا محض افترا اور صریح بہتان ہے۔ مالداری و آسودگی حضرت عثمانؓ کی قبل خلافت ابوبکرؓ سے تھی خصوصًا خلافتِ عمرؓ کے آخر میں کہ ہر طرف سے فتوحات بیشمار آتی تھیں اور بٹتی تھیں تمام صحابہ بڑی دولت و ثروت والے ہوگئے تھے۔ چنانچہ بعض فقرائے مہاجرین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں رات کی روٹی کو محتاج تھے اسّی اسّی درم زکوٰۃ کے نکالتے تھے اور حضرت امیرؓ کو بھی پوری وسعت و فراخی حاصل تھی عمارتیں اور باغ اور کھیتیاں سب نے پیدا کی تھیں کہ یہ چھپانے کی چیز نہیں ہے۔ عثمانؓ تو پہلے سے بھی مالدار تھے تجارت اُن کی عمدہ تھی۔ اس وقت اور بھی مالدار ہوگئے۔ یہ خرچ و بخشش اُن کی بالکل اپنے ہی گنبے پر نہ تھی۔ راہِ خدا میں مثل آزاد کرنے بردوں اور دیگر جو خیرات نیک میں صرف کرتے تھے۔ ہر جمعہ کو ایک بردہ آزاد کرتے تھے اور ہر روز سب مہاجرین و انصار کی ضیافت فرماتے مکلّف کھانے بہیئت مجموعی کھلاتے جیسا کہ حسن بصریؒ نے کہا ہے:۔

شَهِدْتُ مُنَادِیَ عُثْمَانَ یُنَادِیْ
یَا اَیُّهَا النَّاسُ اُغْدُوْا عَلٰی عَطِیَّاتِكُمْ
فَیَغْدُوْنَ فَیَاْخُذُوْنَهَا وَافِرَةً یَا اَیُّهَا
النَّاسُ اُغْدُوْا عَلٰی اَرْزَاقِكُمْ فَیَغْدُوْنَ
فَیَاْخُذُوْنَهَا وَافِیَةً حَتّٰی وَاللّٰهِ لَقَدْ
سَمِعَتْ اُذُنَایَ یَقُوْلُ عَلٰی كِسْوَتِكُمْ

میں نے دیکھا ہے کہ منادی عثمانؓ پکارتا تھا اے لوگو! صبح آؤ اپنے عطیات لینے کو پس وہ صبح جاتے تھے اور پورے پورے عطیات لیتے تھے یعنے بہت۔ اے لوگو! صبح آؤ اپنا رزق لینے کو پس وہ جاتے تھے صبح اور پاتے تھے یہاں تک کہ میں نے اپنے دونوں کانوں سے سُنا کہ کہا تھا حاضر ہو اپنی پوشاک لینے کو

فَیَاْخُذُوْنَ الْحُلَلَ وَاغْدُوْا عَلَی السَّمْنِ
وَالْعَسَلِ وَقَالَ الْحَسَنُ وَالْاَرْزَاقُ
دَارَّةٌ وَخَیْرٌ كَثِیْرٌ رَوَاهُ اَبُوْ عُمَرَ فِی الْاِسْتِیْعَابِ

اور وہ حُلّے پاتے تھے اور وہ کہتا تھا صبح آؤ گھی اور شہد لینے کو اور کہا حسن بصریؒ نے روزینے جاری تھے اور خیر کثیر زیادہ کی اس کی ابوعمرؒ نے استیعاب میں۔

اور خرچ اُن کے راہِ خدا میں تواریخ میں دیکھنا چاہیئے جن سے سخاوت و بخشش اُن کی سمجھی جائے۔ اور کسی نے اُس کو جو راہِ خدا میں خرچ ہو اسراف یعنی خرچ بیہودہ نہیں کہا ہے۔ اور صحیح حدیث ہے لَا اِسْرَافَ فِی الْخَیْرِ (نیک ٹھکانوں میں خرچ کرنا بیہودہ خرچ نہیں ہے) یہ بھی ظاہر ہے کہ جو اپنے عزیز اقارب پر خرچ کرتا ہے وہ دُگنا اجر پاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مسکین کو صدقہ دینا فقط صدقہ ہے اور اقربار کے دینے میں صدقہ بھی ہے صلہ بھی ہے۔ قرآن مجید میں بھی اقربار کو اور مصارف پر مقدم کیا ہے۔ قولہ تعالیٰ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ (اور دیا مال موافق مقدور کے اقربار اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کو)۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے سالم بن ابی الجعد سے روایت کی ہے کہ عثمانؓ نے ایک جماعت کو اصحاب رسولؐ سے کہ منجملہ اُن کے عمار بن یاسر بھی تھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں سچ کہنا آیا تم جانتے ہو کہ پیغمبر خدا بخشش و عطایا میں قریش کو سب سے بہتر جانتے تھے پھر بنی ہاشم کو دیگر قریش پر۔ سب صحابہؓ نے سکوت کیا۔ پس عثمانؓ نے کہا کہ اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کُنجیاں دیدیں تو میں ضرور بنی اُمیہ کو دوں تاکہ کوئی ان میں کا جنت سے باہر نہ رہے سب داخل ہوجائیں لیکن ان خرچوں کو بیت المال سے جاننا خاص تعصب و بُغض ہے۔ اور خود عثمانؓ سے جب بیت المال کی بابت پوچھا گیا تو جواب میں کہا کہ قبل خلافت سے تم کو معلوم ہے جو کچھ مال میرا ہے اور خرچ و بخشش بھی میری جانتے ہو۔ پھر ایسے شبہے بیجا اور گمانِ بد کہ عدالت و تقوٰی سے دُور ہیں مجھ پر کیوں کرتے ہو۔

اب مصنفؒ کہتے ہیں کہ ہم بیان اُن قصّوں کا کرتے ہیں جو مذکور ہوئے۔

جاننا چاہیئے کہ اس نقل میں سراسر خبط و غلط ہے قصّہ تو اَور ہے اور یہ روایت اَور کرتے ہیں۔ کسی قصے کی روایت میں ذکر بیت المال کا مطلق نہیں ہے۔ اور جو مروی ہے وہ یہ ہے کہ عثمانؓ نے اپنے بیٹے کا حارث بن حکم کی لڑکی سے نکاح کیا اُس کو اپنے اصل مال سے ایک لاکھ درم بہ رسم ساچق کے بھیجے۔ اور اپنی لڑکی کا کہ اُم رومان تھی مروان بن حکم کے ساتھ نکاح کیا اُس کے جہیز میں بھی ایک لاکھ درم دیئے اور یہ سب خاص ان کے اپنے مال سے تھے نہ کہ بیت المال سے کہ اس قسم کا دینا صلۂ رحم ہے کہ خاص و عام سب کے زمانہ میں پسندیدہ اور عنداللہ اور عندالناس خوبی و نیکی کے ساتھ ظاہر ہے۔

اور یہ قصہ کہ افریقیہ کا خمس مروان کو دیدیا یہ بھی محض غلط ہے۔ اصل یہ ہے کہ عثمان رضؓ نے عبداللہ ابن سعد بن ابی سرح کو لاکھ آدمی سوار و پیادہ کا لشکر ساتھ کرکے فتح ملکِ مغرب کو بھیجا جب قریب شہر افریقیہ کے کہ پایۂ تخت ملک مغرب کا ہے لڑائی پڑی تو مسلمانوں نے بڑی کوشش اور جد وجہد کے بعد فتح پائی اور بیشمار لوٹ ہاتھ آئی۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے اُس لوٹ سے از قسم نقد بقدر پانچ لاکھ اشرفی کے کہ اُس وقت میں اُن کا چلن تھا اور اُس ملک میں رائج تھیں خمس نکال کر خلیفۂ وقت کے پاس بھیجیں اور جو کچھ بابت خمس کے باقی رہا قسم لباس و مویشی اور اسباب متاع سے بسبب بُعد مسافت کے کہ دار الخلافت یعنی مدینۂ منورہ سے چند مہینے کی راہ تھی اُس کی باربرداری میں بہت خرچ پڑتا تھا اور اس کے ساتھ بڑی مشقت بھی تھی اُس کو مروان کے ہاتھ لاکھ درہم کو بیچا۔ اور مروان سے اکثر درم بھی وصول کرکے مدینہ کو بھیجے تھوڑا اُس اسباب کی قیمت سے مروان کے ذمے رہ گیا تھا وصول نہ ہوا تھا کہ مروان نقد خمس کو لے کر اسی درمیان میں مدینہ کو روانہ ہوا۔ اور عبداللہ سے اقرار کیا کہ باقی ماندہ قیمت بھی اس خمس کی خلیفہ کے حضور میں پہنچا دوں گا۔ اور مدینۂ منورہ میں بسبب سختی اس لڑائی اور دوری ملک اور درازی پرخاش اور بند ہونے راہوں اور سڑکوں کے تمام مسلمان تب وتاب میں تھے اور کوئی ایسا نہ تھا جس کا بھائی یا باپ یا لڑکا یا شوہر یا اور قرابت والا اس لڑائی میں نہ ہو۔ کسی کے حال سے کسی کو کچھ اطلاع نہ تھی گول گول سُننے تھے کہ دشمن بہت پُر زور ہے سخت لڑائی ہوئی کہ بہت لوگ شہید ہوئے ہیں سب کے حواس اُڑے ہوئے تھے اور کبوتر کے بازو میں دل لٹکے ہوئے عجب بےچینی میں تھے کہ ناگہاں مروان مع اس زرِ خطیر کے مدینہ میں پہنچا اور خوشخبری و مبارکباد گھر گھر پہنچائی، اور اخبار و خط لوگوں کے مفصل لایا سب کو ایک نئی عید ہوئی اور فرحت و شادی بر مزید حاصل ہوئی۔ تواریخ میں دیکھنا چاہیئے کہ اُس روز مروان کے حق میں کونسی دُعائیں تھیں جو مدینہ میں بج رہیں اور کونسی تعریفیں تھیں جو اُس نالائق پر نہ ہوئیں۔ اور ابھی مروان سے کوئی فعل ایسا ظہور میں نہ آیا تھا کہ ان سب کاموں کو اُس کے حبط کر دیتے اور ہرگز اُس کے کام کو شمار میں نہ لاتے۔ پس عثمان رضؓ نے اس بشارت و خوشخبری کے بدلہ میں کہ ایسا کام نمایاں یعنے اتنا بہت روپیہ باوصف دوری مسافت اور اندیشہ راہ کے امانت بسلامت پہنچایا اور تمام اہلِ مدینہ کو خوش و خرّم کیا جو کچھ قیمت اسباب و مواشی خمس سے اُس کے ذمے رہا تھا بخش دیا اور امام کو حق پہنچتا ہے کہ خوشخبری دینے والوں اور جاسوسوں اور اس قسم کے لوگوں کو کہ باعثِ تقویت دل مجاہدوں اور سبب اطمینان خاطر اُن کے پسماندوں کے ہوں بیت المال سے انعام فرمائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ روبروے صحابہ رضؓ اور بسبب خوشدلی جمیع اہلِ مدینہ کے یہ بات ہوئی ہرگز محلِ طعن نہیں ہو سکتی۔

اور یہاں ایک باریکی بھی ہے جاننا چاہیئے کہ انعام و عطاء اور بخشش و بذل کو اُس مال کے لحاظ سے کہ جس سے یہ نکلا ہے اور عمل میں آیا قیاس کرنا چاہیئے کہ کس قدر ہوگا۔ اگر کوئی لاکھ روپیوں سے ایک روپیہ کسی کو دیدے مقابل سو ہزار کے اسراف نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ نسبت ہزار کی لاکھ کے ساتھ ایسی ہے جیسے نسبت دس کی ہزار کے ساتھ۔ اور تمام اُمور حسیہ اور عقلیہ میں رعایتیں نسبت کی بھی مقتضائے عقل اور نیز حکم شرع کے ہیں۔ مثلاً اگر کسی معجون میں دس جز حار اور سو جز بارد ہوں تو اُس کو مفرط الحرارت ہرگز نہیں کہیں گے۔ اور شرع میں بھی اگر کسی جگہ کا خراج لاکھ روپے ہوں اور وہاں سے پچاس ہزار لے لیں تو یہ عین عدل و انصاف ہے اور اُس کو افراط و ظلم کہنا خلاف حکم شرع کے ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس زکوٰۃ کی مقداروں اور دیگر مقداروں شرعیہ اور غنیمتوں کی تقسیمات اور فیَ میں رعایتیں نسبت کی ملحوظ ہیں۔ اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ بہت روپیہ بہ نسبت اُس روپیہ کے کہ اُس سے بچے اور علیحدہ کیا جائے حکم شئے ناچیز اور چیز بے قیمت کا رکھتا ہے بہ نسبت مبلغ قلیل کے۔ پس اگر خرچ عثمان رضؓ کی نسبت جس قدر بیت المال میں جمع ہوتا تھا اور بٹتا تھا ملاحظہ کریں تو ہرگز اسراف نہ ہوں گے۔ ہاں اگر جدا جدا اُن خرچوں کو دیکھیں اور مجموع مال کی طرف لحاظ نہ کریں تو اس نسبت سے اُس پر حکم اسراف کا ہو گا لیکن تمام عقلی، حسی اور شرعی کاموں میں ملاحظہ نسبت کا نہ کرنا اور اُس کی کمی بیشی پر حکم کرنا مردود ہے مقبول نہیں، پھر یہاں کیونکر مقبول ہوگا۔

اور یہ جو کہا کہ عبداللہ بن خالد بن اسید کو تین لاکھ درہم بطور انعام عطا فرمائے یہ بھی غلط ہے۔ تواریخ معتبر سے ثابت ہے کہ یہ روپیہ اُس کو بیت المال سے قرض دیا اور اُس کے ذمے لکھا تاکہ پھیر لیں۔ چنانچہ خود عثمان رضؓ نے اس امر کو جواب میں اہلِ مصر کے جو کہ محاصرہ اُن کا کیا تھا کہا ہے۔ آخر عبداللہ مذکور نے وہ روپیہ بیت المال میں پہنچایا۔

اور یہ جو کہا ہے کہ حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار اور گنج اور منڈیاں دیں کہ اُس نے دہ یکیں (عشر) اُن کی لیں اور خورد کیں یہ بھی غلط ہے۔ صحیح یوں ہے کہ حارث کو محتسبوں کی طرح داروغہ بازار کا مقرر کیا تھا تاکہ وہ بازار کے نرخ سے خبردار رہے اور دغا اور چوری اور فریب اور ظلم و تعدی نہ ہونے دے اور پیمانوں اور وزن کی چیزوں اور باٹوں کو ٹھیک اور پورا کرتا رہے۔ اس نے دو ہی تین روز اس خدمت میں قیام کیا تھا کہ شہر والوں نے اس کی شکایت کی اور کہا کہ اس نے خرمہ کی تمام گٹھلیاں اپنے اونٹوں کے لئے خرید لیں اوروں کو نہیں خریدنے دیں۔ لوگوں کے اونٹ دانے سے رہ گئے۔ عثمان رضؓ نے اُسی وقت اُس کو موقوف کیا اور بہت جھڑکا اور شہر والوں کی تسلی کی۔ اس میں کونسا عیب حضرت عثمان رضؓ پر

عائد ہوتا ہے بلکہ عین انصاف ہے کہ ہر چند اُس سے قرابت قریبہ تھی لیکن پھر بھی شکایت سُنتے ہی اُس کو موقوف کیا۔

اور ابن ارقم اور معیقیب دوسی کے استعفیٰ دینے کے معاملہ میں بھی بناوٹ اور جھوٹ داخل کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں بوڑھے ہوگئے تھے اور یہ خدمت محنت طلب تھی ان سے حق اس خدمت کا ادا نہیں ہوسکتا تھا اس واسطے اُنھوں نے استعفیٰ دیا۔ اور عثمانؓ نے ان کے استعفے کے بعد یہ خطبہ دیا:۔

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ عَبْدَ اللهِ بْنِ اَرْقَمَ لَمْ يَزَلْ عَلٰى خَزَائِنِكُمْ مُنْذُ زَمَنِ اَبِیْ بَكْرٍؓ وَعُمَرَؓ اِلَى الْيَوْمِ وَاِنَّهُ قَدْ كَبُرَ وَضَعُفَ وَقَدْ وَلَّيْنَا عَمَلَهُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ۔	اَے لوگو! بیشک عبداللہ بن ارقم ہمیشہ تمہارے خزانوں کی نگہبانی پر رہا ہے زمانہ ابوبکرؓ و عمرؓ سے آج تک اور بیشک وہ بوڑھا اور ضعیف ہوگیا ہے۔ اور تحقیق میں نے یہ خدمت زیدؓ بن ثابت کے سپرد کی۔

اور جو کچھ عمارات و باغات اور مزارع کے بارے میں عثمانؓ کی طرف نسبت کی ہے کہ یہ سب کارخانہ بیت المال سے تھا یہ بھی جھوٹ اور افترا ہے۔ حقیقۃ الامر یہ ہے کہ عثمانؓ کو اللہ تعالیٰ نے علم دیا تھا کہ کسی کو اُن کے بعد یہ بات میسّر نہ ہوئی کہ وجہ حلال اور کمال عزت کے ساتھ بے رنج و تردد اس قدر مال کماتے یہ سب خدا کی مرضیوں سے تھا بسبب خیرات مبرّات کے کہ جس میں خرچ کرتے تھے اور مصداق اس قول کے ہوتے تھے نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ (کیا ہی اچھا ہے مال صالح واسطے مرد صالح کے) خلافت سے پہلے بھی اُن کے کسب مال کی بہت راہیں تھیں اور قسم قسم کی تجارتوں میں تعین کرتے تھے۔ بعد خلافت ایک اور تدبیر ان کے دل میں گزری کہ جہاں کہیں پڑی (غیر آباد) زمین پاتے تھے سوادِ عراق میں بھی اور سوادِ حجاز میں بھی تو گاؤں بسا دیتے تھے اور ایک گروہ کو اپنے غلاموں اور موالی سے مع اسباب و آلات کھیتی کے وہاں مقرر رکھتے تھے تاکہ اُس جگہ کو آباد کریں اور اُس کے محصول سے قوت گزاری کریں اور باغ اور درخت میوہ دار لگانے اور کنوئیں کھودنے اور نہریں جاری کرنے میں مشغول ہوں۔ یہاں تک کہ زمین عرب کی جیسی بے رونق اور خشک تھی ان کے زمانِ خوشحالی نشان میں ماژندران اور کشمیر و کوکن کی نظیر بن گئی تھی کہ ہر جگہ چشمے جاری تھے اور جھیلیں رواں اور درخت میوہ دار تیار اور کھیتیاں قسم قسم کی موجود تھیں۔ اور اس سبب سے کہ آبادی ہوگئی تھی اور غلام و موالی ان کے رہتے تھے، جنگلوں اور وادیوں اور بیشوں (جنگلوں) سے رہزنی اور عیاری اور چوری سب موقوف ہوگئی تھی۔ اور ضرر و نقصان درندوں کا مثل شیر اور چیتے اور گینڈے کے یہ بھی ناپید سا ہوگیا تھا۔ مسافروں کے ٹھہرنے کی جگہ جہاں گھاس دانہ سب مل جاتے اِس کی صورت پیدا ہوگئی تھی مسافر مع اسباب و سوداگر امن

و امان سے آتے جاتے تھے جہاں کی متاع نفیس اور تحفے شہروں اور مختلف ولایتوں کے آسانی کے ساتھ جہاں چاہتے تھے لے جاتے تھے۔ ان دونوں باتوں سے یعنی امن و رفاہیت بھی حاصل تھی، اور آبادی اور کھیتی کہ اُن کے عہد سعادت مہد میں ظاہر ہوئی عرب کے شہروں کے لئے خلافِ عادات اور عجائبات سے معلوم ہوتی تھی، اور حدیث شریف میں خبر دی ہے لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَعُوْدَ اَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوْجًا وَّ اَنْهَارًا (قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ زمین عرب کی مرغزار اور انہار نہ ہوجائے) نیز عدی بن حاتم طائی سے فرمایا:۔

اِنْ طَالَتْ بِكَ الْحَيٰوةُ لَتَرَيَنَّ الظَّعِيْنَةَ تُسَافِرُ مِنْ حِيْرَةِ النُّعْمَانِ اِلَى الْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ اَحَدًا اِلَّا اللهَ۔	اگر تیری عمر دراز ہوگی تو تُو دیکھے گا ایک عورت شتر سوار کو کہ جائے گی حیرۂ نعمان سے کعبے تک اور کسی سے نہ ڈرے گی سوائے خدا کے۔

اور اس کی خبر بھی حدیث میں بہت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں لوگوں کے پاس خزانے ہوں گے اور بڑی کثرت مال و ثروت کی ہوگی اور نہایت تکلفات اور کمال خوشی و بشاشت سے اُس کا ذکر کیا ہے۔ اور جب عثمانؓ نے یہ تدبیر نیک نکالی اور صحابہ کبارؓ نے بھی اس روش کو پسند کرکے اختیار کیا تو اُن میں سے حضرت امیرؓ نے سوادِ ینبع اور فدک اور زہرہ اور دیگر گاؤں میں۔ اور طلحہ نے قنابہ اور اُس کے نواح میں۔ اور زبیر نے جرف و ذی خشب اور اُس کے ضلع میں یہی کام شروع کیا۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر صحابہؓ نے بھی۔ اور رفتہ رفتہ زمین حجاز خصوصاً حوالی مدینہ میں بہت آبادی ہوگئی۔ اگر چند سال اور زمانہ عثمانؓ کا بڑھتا تو زمین حجاز کی رشکِ گلگشت مصلائے شیراز اور لالہ زار کارزگاہ ہرات کی ہوجاتی۔

اور جب سرسبز کرنا پڑی ہوئی زمین اور آبادی اراضی غیر مملوکہ اپنے مال سے ہر کسی کو امام کے اذن سے جائز ہے تو خود امام کو کیوں نہ جائز ہوگی۔ اور اُس کا حاصل حلال کیوں نہ جانے اور کیوں نہ اُس پر تصرف کرے۔ اور صریح روایتوں میں آیا ہے اور تواریخ میں مذکور و مسطور ہے کہ کاشتکاری اور آبادی زمین کی اور باغ لگانا اور کنوئیں کھُدوانا اور نہریں جاری کرنا یہ سب کچھ خالص اپنے اُن کے مال سے تھا اور بحکم اَلْمَالُ يَجُرُّ الْمَالَ (پیسہ پیسہ کو کھینچتا ہے) کے ہر روز آمدنیاں اُن کی زیادتی اور دو نادون پر تھیں۔ مدینہ کے لوگوں سے کوئی شخص اُن کے زمانہ میں ایسا نہ تھا جو کھیتی نہیں کرتا تھا اور باغ نہیں لگاتا تھا۔

اور قصہ دیدینا بچے ہوئے مال کا بیت المال سے زیدؓ بن ثابت کو من گھڑت اور جھوٹ سچ سے

غلط ملط ہے۔ صحیح روایت یہ ہے کہ ایک دن حضرت عثمان رضؓ نے حکم دیا بیت المال کے بانٹنے کا کہ حقداروں کو دیا جائے بعد از تقسیم ہزار درہم باقی رہے، اور مستحق اُس کے ختم ہوگئے تو وہ زید بن ثابت کو دیئے کہ اپنی رائے صواب کے موافق مسلمانوں میں خرچ کرے۔ چنانچہ زیدؓ نے وہ روپے عمارت مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی مرمت و درستی پر صرف کئے۔

هٰكَذَا ذَكَرَهُ الْمُحِبُّ الطَّبَرِيُّ وَغَيْرُهُ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ فِي جَمِيعِ الْقِصَصِ الْمُتَقَدِّمَةِ

(یہی ذکر کیا ہے محب طبری نے اور اُس کے علاوہ دیگر اہل سُنّت نے سب قصّوں میں جو گزرے)۔

غرض کہ یہ گروہ اپنی بدگمانی کے سبب سے جہاں کہیں لفظ عثمان رضؓ کا اور دینا مال کا بے دھڑک اقرباء کو اور دیگر مسلمانوں کو یا تعمیر مسجد رسولؐ اور دیگر مقامات متبرک کا سُنتے ہیں تو سب کو تصرف بیت المال اور تلف کرنے لوگوں کے حق پر اپنے ذہن میں لگا لیتے ہیں۔ پس اس دانائی کا کچھ علاج نہیں۔ اور یہ ایسا ہے جیسے احمد شاہ بادشاہ کے وقت میں جس کا لقب ابدالی تھا دُرّانی دہلی میں آئے اور مال و متاع لوگوں کا اپنے تصرف میں لائے۔ جب بازار میں آتے تھے اور سُنہری مسجدیں اور عمارتیں منقّش اور مدرسے اور لنگر خانے کہ بادشاہوں اور امیروں کے بنائے ہوئے تھے دیکھتے تھے تو بے اختیار کلمے حسرت و افسوس کے ان کی زبان سے نکلتے تھے۔ اہل شہر نے جب اس کی بابت پوچھا تو کہا کہ ہم کو اس بات کی حسرت ہے کہ شاہ کا مال کیسا خراب کیا ہے۔ کاش کہ یہ مال اگر جمع ہوتا تو شاہ کے کام میں آتا۔

❁ **طعن چہارم**۔ یہ کہ حضرت عثمان رضؓ نے اپنی خلافت میں ایک جماعت صحابہؓ کو کام سے موقوف کیا۔ جیسے ابو موسےٰ اشعریؓ کو بصرہ سے موقوف کیا اور بجائے اُن کے عبداللہ بن عامر بن کریز کو منصوب کیا اور عمرو بن عاص کو مصر سے اور بجائے اُن کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو بھیجا۔ اور یہ وہ شخص تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مُرتد ہوگیا اور مشرکوں سے جا مِلا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا خون مباح کر دیا تھا فتح مکہ کے دن، حتّےٰ کہ عثمان رضؓ اُس کو آپ کے حضور میں لائے اور بڑی کوشش سے اُس کا گناہ بخشوا دیا اور بیعت اسلام کی کی۔ اور عمار بن یاسر کو کوفہ سے معزول کیا اور مغیرہ بن شعبہ کو بھی کوفہ سے۔ اور عبداللہ بن مسعود کو کوفہ کی قضا سے اور اس کے علاوہ وہاں کے بیت المال کے خزانوں کی داروغگی سے۔

❁ **جواب**۔ اِس طعن کا یہ ہے کہ موقوفی و بحالی کارکنوں کی خُلفاء۔ اور اماموں کا کام ہے۔ لازم نہیں ہے کہ اگلے کارکن لوگوں کو بحال رکھیں اور اگر نہ رکھیں تو حقیر ہو جائیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی کارکن کو بلا وجہ موقوف نہیں کرنا چاہیے۔ اِن سب کی موقوفی کی وجہیں ہیں جو کہ تواریخ میں مفصّل لکھی ہیں کہ

بعد اطلاع اُن وجہوں کے خوبی تدبیر عثمان رضؓ کی معلوم ہوتی ہے کہ فی الواقع اُن لوگوں کی موقوفی اور دوسرے لوگوں کی بحالی جن کا اُوپر ذکر ہوا موجب انتظام ملک کا بھی ہوا اور سبب بہت سی فتحوں کا کہ خلافت کا رنگ اور ہی ہوگیا۔ اور لشکر و خروج اور ولایت اور اقلیموں اور قلمرو اور سلطنت نے ایک لمبائی چوڑائی پیدا کرلی کہ قیصر و کسریٰ کی اولاد نے کبھی ایسی خواب میں بھی نہ دیکھی۔ قسطنطنیہ سے عدن تک عرض ولایت اسلام کا تھا۔ اور اندلس سے بلخ و کابل تک طُول اُس کا۔ افسوس اگر قاتل عثمان رضؓ کے دس بارہ برس اور صبر کرتے اور خاموش بیٹھے رہتے تو سندھ، ہند، ترک، چین مثل ایران و خراسان کے سب "یا علی یا علی" ہی کہنے لگتے! اُن بدبختوں نے نہ سمجھا کہ عثمان رضؓ نے ہر چند بنی امیہ کو مسلّط کیا ہے اور ان کے ہاتھ سے کام لیا لیکن ہے تو آخر نام محمدؐ ہی کا اور علی رضؓ کا۔ خراسان کو عبداللہ بن عامر ابن کریز نے فتح کیا کہ اب مشہد اور سبزوار اور نیشاپور میں سوائے نعرۂ حیدری کے سُننے میں نہیں آتا۔ آخر جو کہ عثمان رضؓ اور بنی امیہ ترک و چین اور راجپوتانہ اور ہند و سندھ میں نہیں پہنچے اس ملک کے لوگوں نے نہ محمدؐ کو پہچانا نہ علی رضؓ کو جانا سوائے رام اور کرشن اور گنگا اور جمنا کے نہ کوئی ان کا پیر ہے نہ مُرشد ہے۔ اور چین و خطا اور ترکستان میں اتنا بھی نہیں کہ اِن بزرگوں کا کوئی نام بھی پہچانتا ہو اور تعظیم کرے۔

اس مقام پر ناچار بطور قصہ خوانی کے مجملاً چند وجہیں موقوفی و بحالی کی بیان کی جاتی ہیں۔ ابن قتیبہ اور ابن اعثم کوفی و سمساطی کو کہ عمدہ مؤرّخ شیعہ کے ہیں اس افسانہ سرائی کا گواہ کیا جاتا ہے تاکہ قابل اختیار کے ہو۔

رہا قصہ ابو موسیٰ کا اگر اُن کو موقوف نہ کرتے تو بڑا فساد اُٹھتا جس کا تدارک ممکن نہ تھا اور کوفہ و بصرہ سب ویران ہو جاتا بوجہ نفاق و اختلاف کے کہ دونوں شہروں میں پڑا تھا۔ تفصیل اُس کی یہ ہے کہ زمانِ خلافت عمر رضؓ بن خطاب میں ابو موسیٰ اشعریؓ حاکم بصرہ کے تھے جو کہ ملکِ فارس کی حدیں لگی ہوئی تھیں اور زمیندار وہاں کے بڑی شوکت والے تھے۔ ابو موسیٰ رضؓ نے اس نظر سے درخواست مدد کی کی تھی۔ خلیفہ کے حکم سے لشکر کوفہ کا اُس کی مدد کو تعین ہوا قبل اِس سے کہ لشکر کوفہ کا ابو موسیٰ رضؓ کے پاس پہنچے، اثنائے راہ سے اُن کو رامہرمز کی لڑائی کو کہ ایک شہر درمیان کوفہ اور اہواز کے ہے متعین فرمایا۔ لشکر کوفہ کا اُس طرف متوجہ ہوا اور اچھی فتح کی، شہر اپنے تصرف میں لائے اور لوٹا اور قلعہ کو بھی لے لیا بہت سا مال اور بہت قیدی عورت اور بچے ہاتھ آئے۔ جب یہ خبر ابو موسیٰ رضؓ کو پہنچی تو چاہا کہ اُس لوٹ سے فقط لشکر کوفہ کو خاص نہ کریں اور لشکرِ بصرہ کو کہ بارہا مشقت اُس لڑائی کی اُٹھائی تھی محروم نہ چھوڑیں۔ اس وجہ سے کوفہ

کے لشکر کو کہا کہ اِن مکانوں کو جو تم نے لوٹا میں نے تو اُن کو چھ مہینے کی امان دے کر مہلت منظور کر لی تھی تو واجبی معاملہ اُن سے کر لو اور جو قول کیا ہے وہ بھی نہ توڑے۔ تم کو محض اُن کے ڈرانے کے واسطے متعین کیا تھا تم نے جلدی کی اور اُن سے بھڑ پڑے۔ کوفہ کے لشکر نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ قصہ امان کا محض افترا ہے اور باہم بہت ردّ و بدل ہوئی اور دونوں لشکروں میں جھگڑا قائم ہو گیا آخر یہ حال خلیفہ کو لکھا۔ خلیفہ نے فرمایا کہ جو لوگ صالح لشکر ابو موسیٰ رض کے ہیں اور صحابہ بزرگ ہاں ہیں جیسے حذیفہ بن الیمان اور براء بن عازب اور عمران بن حصین اور انس بن مالک اور اسید بن عمرو انصاری اور مثل ان کے جستجو اور تحقیق اِس بات کی کریں اور ابو موسیٰ رض کو قسم دیں کہ اُنھوں نے چھ مہینے کی امان دی تھی، لکھیں اُس کے مطابق ہم عمل کریں گے۔ ابو موسیٰ رض نے اِن سب سرداروں مذکور کے سامنے قسم کھائی۔ حکم خلیفہ کا پہنچا کہ مال و قیدی اُس شہر کے پھیر دیں اور مدت مقرری تک تعرض نہ کریں۔ یہ بات کوفہ کے لشکر والوں کو بہت گراں گزری ابو موسیٰ رض کی طرف سے اور ایک جماعت اُس لشکر سے خلیفہ کے حضور میں پہنچی اور ظاہر کیا کہ اگر امان دیتا تو خود بصرہ کے لشکر کو معلوم اور مشہور و معروف ہوتا کہ اب تک کوئی بصرے کے لشکر والوں میں سے اِس بات سے خبردار نہیں ابو موسیٰ رض نے جھوٹی قسم کھالی۔ خلیفہ رض نے ابو موسیٰ رض کو اپنے پاس بُلایا اور قسم کی رُو سے پُوچھا تو کہا واللہ میں نے حق پر قسم کھائی ہے۔ خلیفہ نے کہا پھر لشکر اُن پر کیوں بھیجا کہ اُنھوں نے کیا جو کچھ کیا۔ بالغرض اگر قسم میں تو جھوٹا نہیں ہے تاہم ملک داری کی مصلحت میں ضرور خطا کار ہے۔ اِس وقت مجھ کو ایسا آدمی میسّر نہیں ہے کہ اِس کام کے قابل ہو اور تیری جگہ مقرر کروں، جا پھر بصرہ کی صوبہ داری پر اور وہاں کے لشکر کی سرداری پر قائم ہو، تجھ کو اور تیری قسم کو میں نے خدا کے حوالے کیا۔ جب کوئی آدمی لائق اِس کام کے مل جائے گا تجھ کو موقوف کروں گا۔ اِس درمیان میں حضرت عمر رض ابو لولو کے ہاتھ سے شہید ہوئے اور نوبت خلافت عثمان رض کی پہنچی۔ بصرہ کے لشکر والوں نے بھی دفتر کے دفتر شکایت کے کھولے کہ ہماری داد و دہش میں تنگی کرتا ہے۔ کوفہ کے لشکر والے پہلے ہی سے دل برداشتہ تھے عثمان رض نے جانا کہ اگر اب اُس کو تغیر نہیں کرتا ہوں تو دونوں لشکر برہم ہو جائیں گے اور عمدہ کاموں میں دل نہ لگائیں گے دونوں ملک کے صوبوں کا حال خرابی کو پہنچے گا۔ ناچار اُس کو تغیر کیا اور عبداللہ بن عامر بن کریز کو کہ معزز جوانوں قریش سے تھا اور بچپن میں اُس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لائے تھے آپ نے آب دہن مبارک کا اُس کے منہ میں ٹپکایا تھا، اور نشان دبدبہ اور شرافت اور سرداری و ریاست کے اُس کی حرکتوں اور باتوں اور کاموں سے نوجوانی میں ظاہر ہوتے تھے، اُس کی جگہ مقرر کیا جس سے نہایت انتظام دونوں لشکروں

اور نواحی ملک کا ہوا۔ احمد بن ابی سیار تاریخ مرو میں روایت کرتا ہے کہ :۔

لَمَّا فَتَحَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَامِرٍ خُرَاسَانَ قَالَ لَاَجْعَلَنَّ شُكْرِيْ لِلّٰهِ اَنْ اَخْرُجَ مِنْ مَوْضِعِيْ هٰذَا مُحْرِمًا فَخَرَجَ مِنْ نَيْسَابُوْرَ۔ وَرَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ فِيْ سُنَنِهٖ اَيْضًا۔

جب فتح کیا عبداللہ بن عامر نے خُراسان، کہا میں اللہ تعالیٰ کا شکر ایسا کروں گا کہ اس مکان سے نکلوں گا احرام باندھے ہوئے، سو نکلا نیشاپور سے۔ اور ایسی ہی روایت کی ہے سعید بن منصور نے بھی اپنی سُنن میں۔

لیکن عمرو بن عاص کو بسبب شکایت اہلِ مصر کے موقوف کیا۔ اور پہلے بھی عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں یہ بسبب بعض اُمور کے جو حضور خلافت میں معروض ہوتے تھے موقوف ہو چکا تھا۔ پھر بعد توبہ کے بحال کر دیا تھا۔ بہرحال عثمان رض کو ابو موسیٰ اور عمرو بن عاص کے موقوف کرنے پر ملعون کرنا شیعہ کو زیبا نہیں ہے کہ ان کے نزدیک تو یہ دونوں واجب القتل ہیں پھر ان کا عزل کیوں نہ جائز ہو گا اور اُن کو تو اِن کے نزدیک قابلیت اِسلام کی نہ تھی پس ریاست اسلام کی کیسے ہو سکتی ہے۔ اِسی واسطے بعض ظریفوں نے اہلِ سُنّت کے اس طعن کو شیعہ کی طرف سے دوسرے رنگ پر بیان کیا ہے کہ عثمان رض نے کیوں ان دونوں کی موقوفی پر بس کیا مار کیوں نہ ڈالا کہ واقعہ تحکیم یعنی پنچایت خلافت معاویہ رض اور حضرت امیر رض میں بداندیشی اُمت اور امام وقت کی اُن سے ظہور میں نہ آتی۔

بعض ظریفوں نے جواب اِس طعن کا اِس روش پر دیا ہے کہ عثمان رض نے جانا اگر ان دونوں کو مار ڈالوں تو میری امامت عام و خاص پر ثابت ہو جائے گی۔ اِس سبب سے کہ علم غیب ہونا خاصہ امام کا ہے۔ اور شیعہ کو موقع انکار کا نہیں رہے گا۔ لیکن اِس سبب سے کہ خلق و حیا عثمان رض کے مزاج میں بہت تھا صریحاً شیعہ کو جھوٹا بنانا اچھا نہیں سمجھا اور اِس بات سے شرم کر کے اُن کی موقوفی پر بس کیا تاکہ اشارہ ہو اس بات کا کہ امامت اُن کی صحیح ہے۔ اور اگر شیعہ کہیں کہ اگر ابو موسیٰ ایسا تھا کہ قابلِ موقوفی ہوا تو حضرت امیر رض اُس کو اپنا پنچ کیوں مقرر کرتے؟ ہم کہیں گے کہ مجبوری سے پنچ کیا تھا کہ از تواریخ کے ثابت ہے۔ بالغرض اگر اختیار سے بھی پنچ مقرر کیا تھا تب بھی تو اُس نے اِس کام میں خطا ہی کی تھی پھر وہ قابلِ موقوفی تھا۔

❁ فائدہ جلیلہ۔ جاننا چاہیے کہ سوائے شیعہ کے مطاعن شیخین رض کوئی بیان نہیں کرتا۔ اِسی واسطے اہلِ سنت نے جو یہ مطاعن شیعہ کی کتابوں سے اپنی کتابوں میں نقل کیے ہیں قواعد شیعہ پر جمتے اور چسپاں ہوتے ہیں برخلاف مطاعنِ عثمان رض کہ یہ اکثر خود اُنہی کے اصول پر نہیں جمتے اِس وجہ سے کہ عثمان رض پر طعن کرنے والے دو فرقے ہیں شیعہ اور خارجی پس مطاعن کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے کہ

اصولِ شیعہ پر مبنی ہے اور دوسری قسم وہ ہے کہ اصول خارجیوں سے منطبق ہوتی ہے۔ اہلِ سنت کی کتابوں میں دونوں کو مخلوط کرکے لاتے ہیں۔ بلکہ شیعہ بھی اپنی کتابوں میں بے تمیز و فرق کے ذکر کرتے ہیں تاکہ وسعت اور اسباب مطاعن کے بہت سے ہو جائیں۔ اس سبب سے بعض مطاعن عثمان رضی اللہ عنہ کہ اہل سنت و شیعہ کی کتابوں میں موجود ہیں شیعہ کے مذہب اور ان کے اصول کے موافق درست نہیں ہوتے ہیں۔ اور طعن موقوفی ابوموسیٰ کی بھی اسی قسم سے ہے، واللہ اعلم۔

اور عمرو بن عاص کے موقوفی کی طعن نہ اصولِ شیعہ سے چپکتی ہے نہ اصول خارجیوں سے کہ دونوں فرقے اس کو کفر سے منسوب کرتے ہیں۔ اور ہرچند جس وقت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو موقوف کیا باتیں اور حرکتیں کفر کی اس سے صادر نہ ہوئی تھیں لیکن آخر میں بجسب بقول ان کے کافر و مرتد ہوا تو موقوفی اس کی عثمان رضی اللہ عنہ سے محض کرامات سمجھنا چاہیئے۔ نیز وہ کرامت کہ ان سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی موقوفی میں شیعہ درخواست کرتے تھے اس جگہ ان کو دکھائی کہ عمرو بن عاص کو موقوف فرما کر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو بجائے اس کے قائم کیا۔ اور وہ ہرچند ابتدائے امر میں مرتد ہوگیا تھا لیکن بعد اسلام کے کسی مقدمہ میں اس سے کوئی بدبات وقوع میں نہیں آئی بلکہ حسنِ تدبیر اور اس کی نیت کی خوبی سے تمام ملک مغرب کا فتح ہوا اور بہت سے خزانے حضورِ خلافت میں بھیجے اور دُور دُور کے شہر دارالاسلام بنائے۔ یہاں تک کہ مغرب کے جزیرے لوٹ کر بڑی غنیمتیں لایا۔ اہلِ تاریخ نے لکھا ہے کہ اس کی غنیمتوں سے بیس لاکھ دینار زرِ سرخ نقد جمع ہوئے تھے۔ اور دیگر اسباب اور پوشاک اور زیور اور مواشی و دیگر اقسام مال کا کچھ شمار نہ تھا اور ان سب کا خمس حضورِ خلافت میں بھیجا۔ اور مسلمانوں میں تقسیم ہوا۔ اور چار خمس باقی کو اپنے لشکر میں بطور مشروع تقسیم کیا۔ اور اس کے لشکر میں بہت سے لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم اور اولادِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے تھے سب اس کی عادت سے خوش تھے کسی طرح کسی کو اس کی وضعوں سے انکار نہ تھا۔ انہی میں سے عقبہ بن عامر جہنی اور عبدالرحمن بن ابی بکر اور عبدالرحمن بن عمرو بن عاص تھے کہ جب فساد قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا وقوع میں آیا سب نے کنارہ کیا اور کہیں کوئی شریک نہ ہوا اور کہا کہ ہم نے خدا سے عہد کیا ہے کہ بعد قتلِ کفار کے مسلمانوں سے نہیں لڑیں گے، اور آخر عمر گوشے میں بسر کی۔

لیکن عمار بن یاسر، اس کی نسبت موقوفی کی عثمان رضی اللہ عنہ سے کرنا خلافِ واقع ہے۔ اس کو عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب نے موقوف کیا کہ اس کی شکایت بکثرت ہوئی۔ اور اس کی موقوفی پر عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات فرمائے:-

مَنْ یَّعْذِرُنِیْ مِنْ اَھْلِ الْکُوْفَۃِ ‖ کون ہے کہ میرا مددگار ہو اہلِ کوفہ سے اگر ان پر عامل
اِنِ اسْتَعْمَلْتُ عَلَیْھِمْ تَقِیًّا اِسْتَضْعَفُوْہُ ‖ مقرر کرتا ہوں کوئی پرہیزگار اس کو ضعیف سمجھتے ہیں

وَاِنِ اسْتَعْمَلْتُ قَوِیًّا فَجَّرُوْہُ ‖ اور اگر عامل کرتا ہوں زبردست اس کو بدکار ٹھہراتے ہیں۔

اور اس کی جگہ مغیرہ بن شعبہ کو حاکم مقرر کیا جو عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی شکایتیں اس کی ہوئیں اور رشوت کی تہمت لگائی اگرچہ افترا تھا لاچار بپاسِ خاطرِ رعایا موقوف کیا۔ اور حال ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا دوسری طعن میں معلوم ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ قریب آتی ہے کہ کوفہ سے اس کو مدینہ میں بلانے کا کیا سبب تھا۔

اور قطع نظر ان سب وجوہ مذکورہ سے مالکِ حکم کو موقوفی و بحالی عاملوں کی پہنچتی ہے کچھ طعن کی جگہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ موقوف کرنا صحابی کا بے وجہ اور بے تقصیر اور اس کی جگہ غیر صحابی کو مقرر کرنا بارہا حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے وقوع میں آیا۔ از انجملہ عمر بن ابی سلمہ کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا تھا اور ربیب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا (ربیب وہ ہے جو اپنی ماں کے ساتھ آئے) حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے بحرین کا صوبہ دار تھا اس کو بے وجہ اور بے تقصیر حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے تغیر کیا چنانچہ خود حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے عزل نامہ میں جو اس کو لکھا تھا لکھا ہے۔ اور یہ باب مطاعن میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نہج البلاغت سے نقل کیا گیا اور اس کی جگہ نعمان بن عجلان زرقی کو کہ صحابی نہ تھا، اور عمر بن ابی سلمہ کے علم و عمل اور پرہیزگاری و دینداری میں سو میں ایک حصے کو بھی نہیں پہنچتا تھا مقرر فرمایا۔ اور قیس بن سعد بن عبادہ کو کہ نشان بردار حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا اور عمدہ صحابی اور صحابی زادہ، حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے مصر سے موقوف کیا اور مالک اشتر کو کہ نہ صحابی تھا نہ صحابی زادہ اس کی جگہ مقرر فرمایا۔ جس سے ایسے فتنے و فساد اٹھے تھے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کو ڈرا کر باعث بغی کا ہوا تھا اور بہ یقین جانتے تھے کہ جب وہ مصر میں پہنچے گا تو ہرگز معاویہ سے سکوت نہ ہوگا ضرور مصر پر فوج آئے گی کام مشکل ہو جائے گا جان بوجھ کر اس کی جگہ مقرر کیا علیٰ ہذا القیاس۔

❁ طعن پنجم۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابی رضی اللہ عنہ بن کعب ان کا سالیانہ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے وقت سے مقرر تھا بند کیا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے قصبہ ربذہ کو نکال دیا۔ اور عبادہ رضی اللہ عنہ بن صامت کو بابت ایک امر معروف کے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا غصہ کیا۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف کو منافق کہا۔ اور عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کو اتنا مارا کہ فتق پیدا ہوگئی۔ اور کعب بن مرہ بہزی کی اہانت کی اور ذلیل کیا۔ حالانکہ ایک حق بات اس کے منہ سے نکلی تھی اور یہ سب بڑے صحابہ کبار ہیں کہ جو اہانت ان کی کرے اہلِ سنت کے نزدیک بھی موجب طعن کا اس کی دیانت پر تشخیص کیا جاتا ہے۔ یعنی اہلِ سنت بھی اس کی دینداری پر طعن کریں گے کہ ایسے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے ساتھ ایسا کیا اور جب دینداری اہلِ سنت کے نزدیک درست نہ ہوگی تو امامت کیونکر صحیح ہوگی۔

بقول شیعہ تفصیل ان قصوں کی یہ ہے کہ ابوذر غفاریؓ شام میں تھے جب قاصدوں کی زبانی اُن پر فعل ناشائستہ عثمانؓ کھل گئے تو عثمانؓ کے عیب برملا کہنا شروع کئے اور اُن کے فعلوں پر انکار کیا۔ معاویہؓ نے عثمانؓ کو لکھا کہ ابوذرؓ تم کو لوگوں کے نزدیک حقیر کرتا ہے اور تمھاری اطاعت سے اُن کو خارج کرتا ہے۔ تدارک اس کا جلدی کرو۔ عثمانؓ نے معاویہؓ کو لکھا۔

اَشْخِصْهُ اِلَيَّ عَلٰی مَرْكَبٍ وَعْرٍ وَسَائِقٍ عَنِيْفٍ۔	روانہ کرو اُس کو میرے پاس تیز سواری پر اور تیز ہانکنے والے کے ساتھ۔

معاویہؓ نے اسی طرح اُسے مدینہ کو روانہ کیا جب عثمانؓ کے پاس آیا عثمانؓ نے اُس پر غصہ کیا کہ کیوں لوگوں کو تو ایسا مجھ پر دلیر و شوخ کرتا ہے اور میری طاعت سے الگ ہوتا ہے۔ ابوذر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سُنا ہے کہ جب اولاد حکم بن ابی عاص کی تیسؔ آدمیوں کو پہنچے گی تو وہ خدا کے مال کو اپنی دولت قرار دیں گے اور بندگانِ خدا کو غلام و کنیزک گنیں گے۔ اور جب ایسا کریں گے تو حق تعالیٰ ان پر غضب فرمائے گا اور ان کے شر سے اپنے بندوں کو چھڑائے گا۔ عثمانؓ نے صحابہؓ سے جو موجود تھے پوچھا تم میں سے کسی نے یہ حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے سب نے کہا نہیں۔ پھر حضرت علیؓ کو بلا کر پوچھا، اُنھوں نے کہا کہ میں نے یہ حدیث تو زبانِ پیغمبرؐ سے نہیں سُنی لیکن ایک اور حدیث سُنی ہے

مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَآءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَآءُ اَصْدَقَ لَهْجَةٍ مِّنْ اَبِيْ ذَرٍّ۔	جب سے کہ آسمان کا سایہ ہوا ہے اور زمین گرد آلود سرسبز ابی ذرؓ سے زیادہ سچا کوئی نہ ہوگا۔

پس عثمانؓ غصہ ہوئے اور ابی ذرؓ سے کہا کہ اس شہر سے نکل جا۔ ابی ذرؓ ربذہ کو چلا گیا اور آخر حیات تک وہیں رہا۔

عبادہ بن صامت بھی شام میں تھا معاویہؓ کے لشکر میں دیکھا کہ ایک قطار اُونٹوں کی چلی جاتی ہے اور اس پر شراب نشہ والی لدی ہے، پوچھا کیا ہے؟ کہا شراب ہے کہ معاویہؓ نے بیچنے کو بھیجی ہے۔ عبادہ چھری لے کر اُٹھا اور اُس کی پکھالیں پھاڑ ڈالیں سب شراب بہہ گئی۔ پھر اہلِ شام کو عثمانؓ و معاویہؓ کی بدعادتوں سے ڈرایا۔ معاویہؓ نے یہ سب ماجرا عثمانؓ کو لکھا۔ اور درخواست کی کہ عبادہ کو اپنے پاس بُلا لو اِس کے ہونے سے ملک و لشکر میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ عثمانؓ نے اُس کو بُلا لیا اور غصہ کیا کہ تو کیوں میری اور معاویہؓ کی بُرائی کرتا ہے حاکم کی اطاعت کو واجب نہیں جانتا۔ عبادہؓ نے کہا کہ میں نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے :۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔	طاعت مخلوق کی نہیں ہے خدا کی معصیت میں۔

اور عبداللہ بن مسعودؓ کو جب عہدۂ قضا اور خزانہ داری کوفہ سے موقوف کیا ولید بن عقبہ کو حاکم مقرر کیا تو ابن مسعودؓ اس کا جور و ظلم دیکھ کر غصہ ہوئے، اور لوگوں کے سامنے اُس کے عیب بیان کرنے لگے لوگوں کو کوفہ میں جمع کر کے بدعتیں عثمانؓ کی اُن کے سامنے بیان کیں اور کہا اے لوگو! اگر حکم خدا نہ مانو گے اور اُس کے منع کئے ہوئے سے باز نہ رہو گے تو خدا تعالیٰ تم پر غضب فرمائے گا اور بدوں کو تم پر غلبہ دے گا اور دعا تمھاری مقبول نہ ہوگی۔ اور جب خبر ابوذر کے نکال دینے کی اس کو پہنچی تو محفل عام میں خطبہ پڑھا، اور یہ آیت بطریقِ طعن عثمانؓ پر تلاوت کی :۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ۔	پس تم وہ گروہ ہو کہ قتل کرتے ہو آپ جیسوں کو اور نکالتے ہو کسی فرقہ کو اُن کے گھروں سے۔

ولید نے یہ قصہ ہو بہو عثمانؓ کو لکھا۔ عثمانؓ نے اُس کو کوفہ سے بُلایا جب مسجد نبوی میں آیا تو عثمانؓ نے اپنے غلام حبشی کو حکم دیا کہ اس کو مار، اُس نے مار کر اُس کو مسجد سے نکال دیا اور قرآن اُس کا لے کر جلا دیا اور اُس کے گھر کو اُس کا قیدخانہ کیا، اور چار برس تک سالیانہ اُس کا بند رکھا یہاں تک کہ مرگیا، اور اپنی نماز جنازے کی پڑھنے کو زبیرؓ کے واسطے وصیت کی، اور کہا کہ عثمانؓ میرے جنازے پر نماز نہ پڑھیں۔ عثمانؓ کو خبر ہوئی تو اُس کی بیمار پُرسی کو گئے اور کہا کہ اے ابن مسعودؓ! خدا کے واسطے میرے لئے خدا سے مغفرت مانگ، ابن مسعودؓ نے کہا بار خدایا! تو غفور و کریم ہے لیکن عثمانؓ سے درگزر مت کر تو جب تک کہ میرا بدلہ اُس سے نہ لے۔ اور جو سب صحابہؓ عثمانؓ سے آزردہ ہوئے اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اُن کے متولی ہونے پر عتاب کیا تو عبدالرحمٰنؓ نادم ہوئے اور کہا کہ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ ایسا نکلے گا اب تم کو اختیار ہے، یہ بات عثمانؓ تک پہنچی۔ کہا عبدالرحمٰن منافق ہے اپنے کہنے کی کچھ پروا نہیں رکھتا کہ کیا کہتا ہوں۔ عبدالرحمٰنؓ نے سخت قسم کھائی کہ جب تک زندہ ہوں عثمانؓ سے بات نہیں کروں گا اور اسی جُدائی پر مَرا۔ پس اگر وہ یعنے عبدالرحمٰنؓ منافق تھا بیعت اُس کی عثمانؓ سے صحیح نہیں ہوتی اور اگر منافق نہ تھا پس عثمانؓ نے جو اُس پر تہمت نفاق کی کی یہ فاسق ہوئے اور فاسق قابلِ امامت نہیں ہے۔

اور قصہ مارنے عمار بن یاسر کا یہ ہے کہ قریب پچاس آدمی اصحاب رسولؐ سے جمع تھے اور عثمانؓ کی بُرائیوں کا ایک نامہ لکھا اور عمار بن یاسر نے کہا کہ یہ نامہ عثمانؓ کو پہنچا دے شاید ہوشیار ہوجائے اور امورِ شنیعہ سے باز آئے اور اُس نامہ میں یہ بھی لکھا تھا کہ تم بدعتوں سے باز نہ آؤ گے تم کو موقوف کردیں گے تمھاری جگہ اور کسی کو مقرر کریں گے۔ عثمانؓ نے جب نامہ پڑھا تو زمین پر ڈال دیا۔ عمارؓ نے کہا کہ اس

نامہ کو حقیر مت جان اس لئے کہ اصحاب رسولؐ نے لکھا ہے اور تمہارے پاس بھیجا ہے قسم ہے خدا کی کہ میں تمہاری نصیحت و خیر خواہی کو آیا ہوں اور تمہارے حال سے ڈرتا ہوں۔ عثمانؓ نے کہا کَذَبْتَ (جھوٹ کہا تو نے ابنِ سُمَیہ) اور اپنے غلاموں سے کہا مارو پس اس قدر مارا کہ زمین پر گر کر بیہوش ہوگیا پھر عثمانؓ خود اُٹھے اور اُس کے پیٹ اور ذکر وغیرہ پر لاتیں ماریں ایسی کہ اُس کو فتق پیدا ہوگئی اور چار وقت تک نماز کا ہوش نہ ہوا جب ہوش ہوا تو قضا کیں۔ پہلے جس نے تنبان فتق کے لئے پہنا وہ تھا۔ تو لوگوں نے شورش کی اور کہا کہ اگر عمار اس فتق سے مرگیا تو ہم اُس کے عوض میں ایک جماعتِ عظیم بنی اُمیہ کی مار ڈالیں گے اُس وقت سے عمار اپنے گھر بیٹھ رہا یہاں تک کہ حضرت امیرؓ خلیفہ ہوئے۔

اور قصہ کعب بن مرو بہزی کا یہ ہے کہ اہل کوفہ سے ایک گروہ نے جمع ہو کر نامہ لکھا عثمانؓ کو اور بُرائیاں اور بدعتیں اُن کی اُس نامہ میں لکھیں اور گنتی گنائی، اور لکھا کہ اگر ایسی بدعتوں سے باز آؤ گے تو بہتر ہے نہیں تو تمہاری اطاعت سے ہم نکلے جاتے ہیں خبر شرط ہے، اور قافلہ کے ایک شخص کو دیا۔ اور کعب بن مرو نے الگ نامہ لکھا کہ اُس نامہ میں اور بہت سختی و درشتی کے کلام درج تھے اُسے قاصد کو دیا۔ عثمانؓ اس خط کو پڑھ کر بہت غصہ ہوئے۔ اور سعید بن ابی عاص کو لکھا کہ کعب بن مرو کو کوفہ سے نکال دے کہ کوہستان کو چلا جائے۔ وہ کعب کے گھر میں گئے اور اُس کو ننگا کیا اور بیس کوڑے مار کر پھر کوہستان کی طرف نکال دیا۔

اور اسی طرح سعید بن ابی عاص نے اشتر نخعی کی اہانت کی اور ہتک حُرمت کی۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ جب سعید صوبہ دار کوفہ کا ہوا تو مسجد میں آیا سب لوگ جمع ہوئے ذکر کوفے اور اُس کے میدان کی خوبی کا ہونے لگا۔ عبدالرحمٰن بن حُنیس نے کہ سعید کا کوتوال اور پیادوں کا رسالہ دار تھا، کہا کیا اچھا ہو جو بالکل سوادِ کوفہ کا حضرت امیرؓ کی جاگیر میں ہو۔ اشتر نخعی نے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے خدا تعالیٰ نے اس ملک کو ہماری تلواروں سے فتح کرایا ہے اور ہم کو مالک بنایا ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا چپ رہ اگر امیرؓ چاہیں تو تمام سواد کو ضبط کر لیں۔ اشتر اُس سے سخت و ترش ہوا تمام کوفہ والوں نے اشتر کی حمایت کے واسطے اور اپنی زمینوں کے پاس سے عبدالرحمٰن پر بلوہ کیا اور اتنا مارا کہ لوٹا کر پہلو کے بل گر پڑا۔ سعید نے یہ ماجرا عثمانؓ کو لکھا، عثمانؓ نے اُس کو لکھا کہ اشتر کو مع اُن لوگوں کے جنھوں نے اہانت کی ہے کوفہ سے شام کی طرف نکال دے کہ وہ شام کو چلے گئے، اور فتنۂ قتلِ عثمانؓ تک وہیں رہے۔ آخر سعید بن ابی عاص مدینہ کو بھاگ آیا بندوبست کوفہ کا اُس سے نہ ہو سکا لوگوں نے اُس پر بلوہ کر کے خروج کیا اُس وقت سب کوفہ کے سرداروں نے اشتر کو لکھا کہ تیرے سب بھائی ایک قول ایک قسم ہوتے ہیں اور سعید کو

نکال دیا اور عثمانؓ پر ارادہ خروج کرنے کا رکھتے ہیں تو اس وقت کو غنیمت جان اور ہمارے پاس پہنچ کر اکٹھے ہو کر اس مہم کو پیش کریں۔ اشتر بڑی جلدی کوفہ میں پہنچا ثابت بن قیس کو کہ کوتوال شہر کا تھا مار کر نکال دیا۔ اشتر اور کوفہ کے سب لشکر نے اکٹھا ہو کر قسم کھائی کہ اب عثمانؓ کے عاملوں کو کوفہ میں مت آنے دو۔ آخر عثمانؓ نے ناچار ہو کر ان کی فرمائش کے مطابق صوبہ داری کوفہ پر بھیجا ابو موسیٰ اشعری کو۔

❁ **اوّل جواب مجمل** اس طعن کا یہ ہے کہ یہ شخص جو مذکور ہوئے اکثر تو شیعہ کے نزدیک واجب القتل تھے اور ان کی کچھ حُرمت نہ تھی۔ اس واسطے کہ نصِ پیغمبرؐ کو چھپاتے تھے اور ظالموں کی مدد سے حقِ اہلِ بیت کا تلف کیا اور شہادتِ حق سے ساکت ہوئے پس جو کچھ حضرت امیرؓ کو اُن کے حق میں کرنا چاہیے تھا اُس کو عثمانؓ بجا لائے، پھر طعن کا کیا موقع ہے۔ اور ابوذر اور عمار ہر چند بظاہر شیعہ کے نزدیک اس گروہ سے الگ تھے نہ کہ قابل اہانت اور نکال دینے کے لیکن بحکم اَلتَّقِيَّةُ دِيْنِيْ وَدِيْنُ اٰبَائِيْ (تقیہ میرا دین ہے اور میرے باپ دادے کا ہے) تقیہ جو اُن کے ذمّے واجب تھا اُس کو چھوڑ دیا اور ترکِ واجب کا کیا حضرت امیرؓ کی پیروی نہ کی کہ برعایت تقیہ کے یہ سب امور عثمانؓ کے گوارا کر کے سکوت کئے ہوئے تھے اور ان دونوں کی بیوفائی بھی ثابت ہوئی کہ اپنی نفسانیت سے انکار اور مقابلۂ عثمانؓ کو مستعد ہوئے، اور اہانت اور نکالا جانا اور مار اور تھپڑ اُن کے ہاتھ سے قبول کئے اور نصِ امامت کا ابوبکرؓ کے عہد میں کچھ اظہار نہ کیا جس سے حضرت امیرؓ کے واجبی حق میں نقصان اور دینِ پیغمبرؐ میں خلل پڑتا تھا روٹی منہ میں ٹھونس کر بیٹھ رہے اچھا ہوا اپنی سزا کو پہنچے۔ اس مقدمہ میں ہرگز موقع طعن کا عثمانؓ پر نہیں ہے اس واسطے کہ عثمانؓ نے ان کو تادیب و تعزیر اسی بات پر کی کہ اُنھوں نے تقیہ نہ کیا اور جہر اختیار کیا (یعنے ظاہر کر دینا)۔

❁ **دوسرا جواب**۔ خلافت و امامت ایسا امر نہیں ہے کہ اُس عظیم کی تو حفاظت نہ کی جائے اور ایسی حُرمتوں کی رعایتیں کی جائیں اور اُس کو سہل جانا جائے، حضرت امیرؓ نے کچھ پاس حرمِ رسولؐ اور اُمّ المؤمنینؓ کا نہ فرمایا، اور طلحہؓ و زبیرؓ کو کہ پیغمبرؐ کے حواریوں میں سے تھے اور قدیم الاسلام خصوصاً زبیرؓ پھوپھی زاد بھائی اُن کو قتل کیا اور خلافت کو بچایا۔ اس واسطے کہ قطعاً معلوم ہے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ و عائشہؓ خواہاں حضرت امیرؓ کی جان کے نہ تھے عثمانؓ کے قاتلوں کو چاہتے تھے اور الگ ہو جانا اتنی بہت فوج کا لشکر سے سلطنت اور خلافت میں خلل ڈالتا تھا اور حکم سُست ہوا جاتا تھا اسی سبب سے مقابلہ فرمایا اور ہرگز لحاظ قرابت اور سسرال اور بی بی ہونے اور صحبت رسولؐ کا نہ کیا اور ابو موسیٰ اشعری کو جو اہلِ کوفہ کو رفاقت حضرت امیرؓ سے منع کرتا تھا سیاست کی اور اُس کا گھر جلا دینا اور لوٹ لینا اُس کے اسباب کا یہ مالک اشتر کے ہاتھ سے ہوا، اور حضرت امیرؓ نے اُس کو جائز کیا۔ اس وقت

تواریخ دونوں طرف کی موجود ہے کہ سرِ مُو اس میں فرق نہیں نکلے گا۔ پس معلوم ہوا کہ مصلحت خلافت کی سب مصلحتوں سے عمدہ ہے اگر مصلحتیں جزئیہ اُس کے مقابلے میں فوت ہوں تو وہ کچھ چیز نہیں اگر عثمان رضؓ نے بھی چند آدمیوں کی جو صحابۂ رسولؐ سے تھے اہانت کی اور ڈرایا کیا ڈر کہ قتل سے بہت گھٹ کر ہے۔ اور اُمّ المومنینؓ کی بعد جنگِ جمل جو کچھ اہانت ہوئی تاریخ جاننے والوں پر چھپی نہیں ہے۔

یہ سب وہ ہے کہ مذاقِ شیعہ پر تقریر کی جائے۔ اور اہلِ سنت نے جو اس طعن کے جواب میں اپنی صحیح روایتوں سے تنقیح کی ہے وہ دوسرا جواب ہے کہ عثمانؓ کو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا لوگوں کے سامنے اور تنہا تقید سے فرمایا تھا کہ تجھ کو خدا تعالیٰ کسی وقت خلعت خلافت کا پہنائے گا اگر منافق چاہیں کہ تجھ سے جھگڑا کریں تو ہرگز جھگڑا نہ کرنا اور صبر کرنا۔ چنانچہ صحاح میں اہلِ سُنت کے موجود ہے کہ ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ میں ذکر فتنے کا فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ فتنہ بہت قریب ہے جب اس بات سے لوگوں کو پریشان پایا تو فرمایا کہ یہ مرد اور اشارہ عثمانؓ کی طرف کیا اُس دن راہِ راست پر ہوگا اس قصے کو بہت سے صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ اور اسی فتنے کے ذکر میں دوسری جگہ فرمایا کہ اس فتنے میں جو بیٹھا ہے گا کھڑے ہونے والے سے اچھا ہوگا، اور کھڑا ہونے والا اچھا ہے چلنے والے سے، اور چلنے والا دوڑنے والے سے۔ اور یہ بھی ہوا کہ آپ نے مرضِ موت میں ایک دن فرمایا کہ :-

لَيْتَ عِنْدِیْ رَجُلاً اُكَلِّمُهٗ ۔ || افسوس میرے پاس کوئی آدمی ہوتا جس سے باتیں کرتا۔

جب اہلِ بیت نے عرض کی کہ آپ کی موانست کے واسطے ابوبکرؓ و عمرؓ کو بلائیں تو فرمایا نہیں، پھر کہا عثمانؓ کو بلائیں، فرمایا ہاں۔ جب عثمانؓ آئے تو ان سے سرگوشی کے ساتھ دیر تک کچھ فرماتے رہے کہ چہرہ عثمانؓ کا متغیر ہو جاتا تھا اور بے اختیار بآواز بلند زبان سے نکلتا تھا اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ (خدا سے مدد چاہیئے)۔ اس حدیث کو بھی چند لوگوں نے ازواجِ مطہراتؓ اور گھر کے خادموں سے ذکر کیا ہے جو اُس وقت حاضر تھے۔ اور ابو موسیٰؓ سے فرمایا ہے کہ عثمانؓ کو خوشخبری بہشت کی سُنا اور کہہ کہ تجھ پر بلوہ عام ہوگا۔

حاصل کلام اس واقعہ خاص میں قطعی نصیں اور تاکیدی وصیتیں عثمانؓ کے پاس رکھی ہوئی اور موجود تھیں کہ عثمانؓ اُن وصیتوں پر مضبوط رہے۔ جب دیکھا کہ بعض اصحاب بھی اُن منافقوں کے ساتھ نکال لینے اور اُتار لینے خلعتِ خلافت میں شریک ہیں اور اُن کی آوازیں آواز ملاتے ہوتے ہیں تو حتی الامکان چاہا کہ فتنہ دب جائے اُن صحابہؓ کو کچھ کچھ چشم نمائی کی تاکہ ان کی شرکت سے یہ فتنہ زور نہ پکڑے اور منافقوں اور واہیوں کو ان کے رفیق ہونے سے مدد نہ ملے۔ اور اہلِ سنت کے نزدیک صحابہؓ

گناہ سے معصوم نہیں ہیں بلکہ یہ انبیاءؑ کا خاصہ ہے۔ اسی واسطے حضرت امیرؓ اور شیخینؓ نے بعض صحابہؓ پر حد جاری کی اور خود حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے مسطح کو کہ اہلِ بدر سے تھا اور حسان بن ثابت پر حدِ دشنام جاری فرمائی تھی۔ اور کعب بن مالک اور مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ کو کہ ان میں سے دو آدمی جنگِ بدر میں حاضر تھے اس سزا میں کہ تبوک کی لڑائی میں اُنھوں نے تخلف کیا تھا پچاس دن تک سامنے نہیں آنے دیا اور مغضوب فرمایا اور ماعز اسلمی کو سنگسار کیا اور بہتوں کو تعزیر اور حد شراب خوری کی فرمائی۔ جو تعزیر ہر کسی کے موافق اُس کے مرتبے اور منصب کے ہوتی ہے عثمانؓ نے بھی ان چند آدمیوں کو موافق ان کے حال کے چشم نمائی فرمائی تاکہ منافقوں اور واہیوں کی سی کہانی نہ کہیں اور بلوے میں شریک نہ ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ اور صحابہ کرامؓ سے کوئی شخص قتل عثمانؓ میں آلودہ نہ ہوا خاص منافقوں بدکار اور واہیوں نے یہ حرکت کی۔ اُس وقت عثمانؓ نے ہرگز دفاع اس کا نہ کیا اور اپنے قتل پر راضی ہو گئے۔ اس واسطے کہ زبان مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جان لیا تھا کہ تقدیر الٰہی یوں ہی ہے اور بڑا صبر کیا۔ اس واسطے بعد گوشمالی کے ان لوگوں سے عذر کیا اور راضی کیا۔ اور حال عثمانؓ کا اس امر میں بھی اہلِ سنت کے نزدیک مثل حال حضرت امیرؓ کے ہے قدم بقدم کہ اُن کو بھی جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی :-

يَا عَلِیُّ لَا يَجْتَمِعُ الْاُمَّةُ عَلَيْكَ بَعْدِیْ وَاِنَّكَ تُقَاتِلُ النَّاكِثِيْنَ وَالْقَاسِطِيْنَ وَالْمَارِقِيْنَ۔ || اے علیؓ! میرے بعد اُمت تیری ریاست پر جمع نہ ہوگی اور تو ضرور لڑے گا بد عہدوں اور بے انصافوں سے اور جو دین سے خارج ہوں گے۔

جس وقت کہ حضرت امیرؓ نے تختِ خلافتِ راشدۂ پیغمبرؐ کو زیب و زینت بخشی اپنے مقدور بھر فتنہ دبانے اور مخالفوں کے دفع کرنے میں کہ طلحہؓ اور زبیرؓ اور اُم المومنین عائشہ صدیقہ و یعلی بن اُمیہ اور ابو موسیٰ اشعری اور دیگر صحابہ کرام تھے کوشش و سعی فرمائی اور قتل و قتال اور جنگ و لڑائی سے کچھ خوف نہ کیا اور ڈرے نہیں۔ جو کہ تقدیر نے مدد نہ کی کوئی صورت انتظام خلافت کی نہ بن پڑی۔ پس جس صورت میں کہ حکم صریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مقدمہ میں ان دونوں بزرگوں کے واسطے تھا پھر ادب صحبت رسولؐ اور قرابت کا لحاظ کرنا اور آپ کے حکم کو فوت کر دینا اس کی کیا گنجائش۔ مثل مشہور ہے اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ۔

اب یہ جواب اجمالی ہمارے تو دلوں میں جم گئے۔ جواب تفصیلی ان قصوں کے سننے چاہئیں۔ جاننا چاہیئے کہ یہ قصے جس طور پر کہ اِس طعن میں منقول ہوئے یہ تو سب افترا اور ان کے شیعہ کے نکالے ہوئے ہیں

معتبر تواریخ میں کچھ وجود ان کا نہیں ہے اب معتبر تاریخوں میں جو کچھ ہے اُس کو سنو خود بخود جواب حاصل ہو جائے گا۔

چنانچہ قصہ ابوذرؓ کے نکال دینے کا موافق روایت اہلِ سیَر اور دیگر معتبر لوگوں اور اُن کے تابعین کے اس طور پر ہے کہ ابوذرؓ اپنے اصل مزاج میں سختی اور زبان درازی ولسانی بہت رکھتا تھا یعنی سرشت و جبلت اُس کی یونہی تھی۔ جنابِ پیغمبرؐ کے سامنے بعض خدمتگاروں آنجنابؐ سے کہ بلالؓ تھے اور بزرگی پر اُن کے سب اہلِ اسلام جمع و متفق ہیں پیچھے پڑگیا تھا اور اُن کی ماں کا ذکر کیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زبان درازی پر بہت جھڑکا تھا اور فرمایا:۔

أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ۔ || کیا عار دلاتا ہے اُس کو ماں سے اور ہر آئینہ تو تو ایسا آدمی ہے کہ تجھ میں

اور جب لشکرِ شام میں اس کو اتفاق ٹھہرنے کا پڑا اور عہد عثمانؓ میں دولت و ثروت اور بڑے مال اہلِ اسلام کے ہاتھ آئے تھے ہر ایک مہاجر و انصار سے لکھ پتی ہو گئے تھے، ابوذرؓ نے زبانِ طعن کی سب مالداروں کے حق میں بڑھائی۔ اوّل معاویہؓ سے گفتگو کی اور اس آیت کو دستاویز بنایا:۔

الَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ || جو لوگ کہ سونے چاندی کو خزانہ کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے خوشخبری دے اُن کو بڑے دُکھ والے عذاب کی۔

اور کل مال خرچ کر دینے کو فرض ٹھہرایا۔ ہرچند معاویہؓ اور دیگر صحابہؓ نے سمجھایا کہ خرچ کرنے سے مراد بعد زکوٰۃ کے ہے نہ کہ کل مال اور اس بات پر گواہ آیت میراث و فرائض کی ہے اس واسطے کہ اگر کل مال خرچ کر دینا واجب ہوتا تو تقسیم ترکہ کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مگر اس کے جو اعتقاد میں جما تھا اُسی پر اصرار کرتا تھا اور سختی و درشتی ہر کسی سے شروع کی۔ لشکر والے اُس کو مخالف جمہور کا جان کر انگلیوں سے بناتے تھے جہاں جاتا تھا وہ گروہ در گروہ غول کے غول اِدھر اُدھر سے گھیر لیتے تھے اور بآواز بلند آیت مذکور پڑھتے تھے تاکہ وہ جنون میں آجائے اور لڑے۔ جب یہ حالت کہ جس سے اِس کو مسخرہ بنانا اور طنز کرنا معلوم ہوتا تھا اس نوبت کو پہنچی کہ مناسب اُس کی شان و مرتبے کے نہ تھی تو معاویہؓ نے یہ ماجرا عثمانؓ کو لکھا، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ”اُسے مدینہ کو رخصت کر دو“۔ عزت و حرمت کے ساتھ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا نہ کہ جیسے کہ اُوپر کہا ہے کہ ”سواری تیز رَو اور تیز ہانکنے والے کے ساتھ روانہ کیا ہو“۔ جب مدینہ طیبہ میں وہ پہنچا تو لوگوں نے اُس کا قصہ شام کے لوگوں سے سُنا تھا یہاں بھی جوان خوش طبع اور لڑکے دل لگی دوست اُس کے پیچھے پڑ گئے اور اُس کو اسی آیتِ کریمہ کے معنے پوچھنے پر رکھ لیا تاکہ اُس کو مجلس کی نقل بنائیں۔ اسی درمیان میں عبدالرحمٰن بن

عوف نے کہ قطعی بہشتی ہیں اور وہ دس یار جو قطعی بہشتی ہیں (عشرہ مبشرہ) اُن میں سے ایک یہ بھی تھے اُنھوں نے دنیا سے کوچ کیا اور بہت مال چھوڑا اس حد تک کہ بعد ادا کرنے جملہ قرض اور وصیتیں جاری کرنے کے جب ترکہ اُن کا تقسیم کیا تو آٹھواں حصہ چار عورتوں کو پہنچا اور اُن چاروں میں سے ایک عورت کو اسّی ہزار درہم سے زیادہ حصہ ملا حالانکہ اُس کو مرضِ موت میں طلاق دی تھی۔ اس واسطے پُورا حصہ نہیں دیا تھا ۸۰ اسّی ہزار درہم پر صلح کر لی تھی۔ ابوذرؓ سے حال اُس کا اُنہی کٹھے باز لوگوں نے پوچھا، اُس کے دل میں تو اس امر کا تشدد جما ہوا تھا بشارتِ پیغمبرؐ سے غافل ہو کر جو عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں تھی اُس پر حکم ناری ہونے کا لگایا کہ یہ بات صریح خلاف نص پیغمبرؐ کے تھی۔ کعب احبار کہ ایک علمائے اہلِ کتاب میں سے تھا اور عمرؓ بن خطاب کے عہد میں مسلمان ہوا تھا اُس نے کہا کہ اے ابوذرؓ! بالاتفاق ملتِ حنیفیہ سب ملتوں میں سہل تر اور وسیع تر ہے جب خرچ کرنا کُل مال کا ملتِ یہود میں کہ سب ملتوں سے تنگ تر اور سخت تر ہے واجب نہیں ہے تو ملتِ حنیفیہ میں کس طرح واجب ہوگا، سمجھ کر بات کہہ۔ ابوذرؓ کے مزاج میں تو تیزی تھی غصہ ہو کر کہا اے یہودی! تجھ کو ان مسئلوں سے کیا کام۔ اور لاٹھی کعب کے مارنے کو اُٹھائی، کعب بھاگا یہ اُس کے پیچھے دوڑا یہاں تک کہ جہاں عثمانؓ بیٹھے تھے وہاں پہنچے۔ کعب نے عثمانؓ کے پیچھے پناہ لی، یہ دیوانوں کی طرح کچھ نہ ڈرا، لاٹھی کعب پر چلائی۔ کہتے ہیں کہ ضرب اُس کی عثمانؓ کے پاؤں پر بھی پہنچی۔ جب عثمانؓ نے یہ حالت دیکھی تو اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ کعب کو بچا دو کہ ابوذرؓ نہایت بدحواس و بے خود ہے ایسا نہ ہو کہ اُس کو مارے اور اُس کے قتل کا سبب ہو جائے۔ غلاموں نے اُس کو رسان سے تھام کر اُس کے گھر پہنچا دیا۔ بعد ہوش ہونے اس حال کے ابوذرؓ عثمانؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میرا یہی مذہب ہے کہ کُل مال خرچ کرنا واجب جانتا ہوں شام کے لوگ اور اب مدینہ کے مجھ کو گھیر لیتے ہیں اور مجھ کو دیوانہ اور مسخرہ بنانا چاہتے ہیں میرے حق میں کیا صلاح ہے؟ عثمانؓ نے کہا بیشک ایسا ہی ہے کہ لوگ تجھ کو مسخرہ بنا لیتے ہیں۔ اگر تیرے دل میں آئے تو لوگوں کے مجمعوں سے کنارہ کر اور مدینہ کے قصبوں میں سے کسی قصبہ کو چلا جا، وہاں رہ۔ ابوذرؓ اُس وقت سے قصبہ ربذہ کو کہ مدینہ عالیہ سے تین منزل پر ہے چلا گیا اور وہاں رہنے لگا۔ اور کبھی کبھی واسطے زیارت مسجد نبویؐ اور ملاقات عثمانؓ کی آتا تھا اس حال میں شکایت عثمانؓ کی، کسی نے نہیں لکھا کہ اُس نے کی ہو بلکہ نہایت اطاعت و تابعداری کرتا تھا۔ اور ایک دلیل ظاہر اس پر یہ ہے کہ سب مؤرخوں نے لکھا ہے کہ جب قصبہ ربذہ میں پہنچا تو وہاں کا عامل ایک غلام عثمانؓ کا تھا کہ پانچوں وقت کی نماز جامع مسجد میں پڑھاتا تھا اُس نے ابوذر کو آگے کیا اور خود امامت نہ کی اور کہا کہ تُو مجھ سے افضل ہے تجھ کو امام ہونا چاہیے۔ ابوذرؓ نے کہا کہ تو عثمانؓ کا نائب ہے اور عثمانؓ مجھ سے بہتر ہے

اور نائب شخص کا گویا وہی شخص ہے لازم یہی ہے کہ تو امام ہو آخر اُس غلام کو امام کیا اور اُس کے پیچھے نماز پڑھی یہ قصہ ابوذرؓ کا ہے جو لکھا گیا۔ مگر یہ فرقے بُغض و عناد سے قصّوں کو بدل ڈالتے ہیں اور ایک قصہ کو دوسرے قصے کی دُم سے باندھ دیتے ہیں اور اُس سے ایک صورت خیالی اور ایک موہوم جب حق ثابت ہوتا اور اپنے قول میں خلل پڑتا دیکھتے ہیں تو اپنے لئے گڑھ لیتے ہیں اور اُسی کی پُوجا کئے جاتے ہیں۔ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ (آیا اُسی کو پُوجتے ہو جس کو گڑھ لیتے ہو)۔

اور عبادہ بن صامت کا قصہ بھی خاص افترا و بہتان ہے۔ نہ معاویہؓ نے اُس کی شکایت لکھی نہ عثمانؓ نے اُس کو مدینہ میں بُلا لیا۔ بلکہ معتبر تواریخ میں یوں لکھا ہے کہ جب معاویہؓ نے جزیرہ قبرس پر غزا کی تو عبادہ بن صامت بھی ساتھ تھا اس واسطے کہ اس لڑائی کی فضیلتیں اور اس مہم کے غازیوں کی مغفرت کا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور اُن کی زوجہ اُمّ حرامؓ بنت ملحان سے سُنی تھیں۔ جب یہ جزیرہ فتح ہوا اور لُوٹ وہاں کی مُسلمانوں کے ہاتھ آئی تو معاویہؓ نے خمس اُس کا نکال کر دار الخلافت کو بھیجا اور خود بیٹھا تاکہ لشکر کو بانٹ دے، اور ایک غول صحابہؓ کا علیحدہ ایک کونے میں اس نظر سے بیٹھے کہ دیکھیں کس طور پر بانٹا جاتا ہے یعنی مطابق طریقے کے ہے یا نہیں۔ اُسی غول میں سے عبادہ ابن صامت اور شداد بن اوس فہری اور ابو الدرداء اور واثلہ بن اسقع اور ابو امامہ باہلی اور عبداللہ بن بسر مازنی بھی تھے۔ اِسی اثنا میں دو آدمی لشکر والوں میں سے دو دراز گوش (گدھے) خوب اچھے لئے جاتے تھے۔ عبادہ بن صامت نے اُن سے پوچھا کہ ان کو کہاں لئے جاتے ہو اور یہ کس کام کے ہیں۔ لشکر والوں نے کہا کہ معاویہؓ نے ہم کو دیئے ہیں اس واسطے کہ ہم ان پر جا کر حج کریں۔ عبادہ نے کہا ان کا لینا تم کو حلال نہیں ہے نہ معاویہؓ کو دینا۔ پس لشکر والے اُن گدھوں کو معاویہؓ کے سامنے لائے اور پھیر دیئے اور کہا کہ عبادہ نے ایسا کہا ہے، جب ہم کو ان کا لینا حلال نہیں تو کیوں لیں اور کیوں ان پر حج ادا کریں۔ معاویہؓ نے عبادہ کو بُلا کر صورت مسئلے کی پوچھی، عبادہ نے کہا۔

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي غَزْوَةِ حُنَيْنٍ وَالنَّاسُ يُكَلِّمُوْنَهٗ فِي الْمَغَانِمِ فَاَخَذَ وَبَرَةً مِّنْ بَعِيْرٍ فَقَالَ مَالِيْ مِمَّا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مِّنْ هٰذِهِ الْغَنَائِمِ مِثْلُ هٰذِهٖ اِلَّا الْخُمُسُ وَالْخُمُسُ مَرْدُوْدٌ عَلَيْكُمْ فَاتَّقِ اللّٰهَ يَا مُعَاوِيَةُ	میں نے سُنا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حنین کی لڑائی میں اُس حال میں کہ لوگ اُن سے گفت و شنید لُوٹ کے مقدمہ میں کرتے تھے پس فرمایا آنسرورؐ نے اور لیا ایک تار اونٹ کی اُون کا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے لُوٹ سے تمہارے واسطے بخشا ہے میرے واسطے یہ ایک تار بھی نہیں ہے سوائے خمس کے۔ اور خمس بھی تمہارے ہی صرف میں آتا ہے۔ پس اے معاویہؓ خدا سے ڈر

وَاَقْسِمِ الْغَنَائِمَ عَلٰى وَجْهِهَا وَلَا تُعْطِ اَحَدًا مِّنْهَا اَكْثَرَ مِنْ حَقِّهٖ۔	اور اس لُوٹ کو اُنہی کے طریقے پر بانٹ اور کسی کو اُس کے حق سے زیادہ مت دے۔

معاویہؓ نے کہا اس لُوٹ کی تو اپنے طور پر تقسیم کر اور مجھ کو اِس سے سبکدوش کر اِس کا احسان مانوں گا۔ عبادہ اِس تقسیم کا داروغہ ہوا۔ اور ابو امامہ اور ابو دردا بھی اس مہم میں اُس کے شریک و رفیق ہوئے۔ اور آخر خلافت عثمانؓ تک اسی طور پر رہے کہ عبادہ بن صامت نے شام ہی میں وفات پائی۔ مدفن اُس کا بیت المقدس ہوا۔ ہرگز معاویہؓ سے جُدا نہیں ہوا نہ مدینہ کو آیا پس یہ قصہ سراسر غلط ہے۔

اور عبداللہ بن مسعودؓ کی ناخوشی میں جو ذکر کیا ہے وہ بھی غلط و افترا ہے۔ صحیح کتابوں میں اِس کا کچھ نشان نہیں ہے۔ اتنا ہی صحیح ہے کہ جب عثمانؓ نے قرأت قرآن میں لوگوں کا اختلاف از حد دیکھا کہ جو لفظ نازل نہیں ہوئے ہیں وہ پڑھتے ہیں اور اختلافِ قرآن میں بہانہ ڈھونڈھتے ہیں تو حذیفہؓ بن الیمان اور دیگر بڑے بڑے صحابہؓ کہ حضرت امیرؓ بھی اُن میں تھے ان کے مشورے سے چاہا کہ سارے گروہ عرب و عجم کے ایک قرآن پر ہو جائیں اُس میں اختلاف نہ کریں اور اس ارادے کو ظہور میں لائیں۔ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور اُبی بن کعبؓ کہ اُنھوں نے بعض قرأتیں شاذ اپنے مصحفوں میں خود لکھی تھیں۔ چنانچہ بعض عبارتیں دُعاؤں قنوت کی تھیں، اور بعض عبارتیں تفسیروں کی کہ جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے تلاوتِ قرآن کے وقت میں معانی اُن کے فرمائے تھے اپنے مصحفوں کے موقوف کرنے سے انکار کیا اور اُن کے مصحف باقی رکھنے میں دین میں فتنۂ عظیم پیدا ہوتا تھا کہ خاص نفس قرآن میں اختلاف واقع تھا اور رفتہ رفتہ بہت بُرائیاں پیدا کرتا۔ البتہ ان سے قرآن لینے کے معاملہ میں خصوصًا ابن مسعودؓ کے ساتھ عثمانؓ کے غلاموں نے سختی کی کہ ان کو ضرب و صدمہ بھی پہنچا۔ مگر عثمانؓ نے ان کو حکم اس امر کا نہیں کیا تھا۔ اور اُبی بن کعبؓ نے اپنا مصحف بے مزاحمت حوالہ کیا اس سے کچھ بُرخاش نہیں ہوئی نہ کدورت رہی۔ اس کے ساتھ بھی جہاں تک ہو سکا عثمانؓ نے اُس کی رضاجوئی اور عذر کئے۔ اگر ابن مسعودؓ قبول نہ کرے تو ملامت ابن مسعودؓ پر ہوگی نہ کہ عثمانؓ پر۔ اور جب ابن مسعودؓ بیمار ہوا تو عثمانؓ اُس کے گھر گئے اور اُس سے معافی چاہی اور جو اُس کو دیا جاتا تھا وہ بھی لے گئے۔ ابن مسعودؓ نے کہا میں نہیں لوں گا جب میں محتاج تھا تب نہ دیا اب تو میں جہان سے بے پروا ہوا اور سفر آخرت پر تیار اب دیتے ہو۔ عثمانؓ نے کہا اپنی لڑکیوں کو دیدے۔ ابن مسعودؓ نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکیوں سے کہدیا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سُنا ہے کہ جو کوئی سورۂ واقعہ ہر رات پڑھے گا فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا۔ عثمانؓ اٹھ کر اُمّ حبیبہؓ زوجۂ مطہرہ حضرت رسولؐ کے پاس گئے اُن سے استدعا کی کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو

مجھ سے راضی کر دو۔ اُمّ حبیبہؓ نے بہت دفعہ کہلا بھیجا پھر عثمانؓ ابن مسعودؓ کے پاس گئے۔ اور کہا اے عبداللہؓ حضرت یوسفؑ پیغمبر کی طرح اپنے بھائیوں سے تو بھی کیوں نہیں کہتا:۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔

آج کچھ ملامت تم پر نہیں معاف کرے تم کو اللہ اور وہ بڑا رحم کرنے والا سب رحم کرنے والوں میں ہے۔

ابن مسعودؓ نے سکوت کیا جواب نہ دیا۔ پس عثمانؓ کی طرف سے معافی چاہنے اور رضاجوئی میں کچھ قصور نہ ہوا۔ نہایت درجہ اس مقدمہ میں کوشش کی اور بری الذمہ ہوئے۔ اور یہ فعل ابن مسعودؓ کا عثمانؓ کے ساتھ شکر رنجیوں کی قسم سے تھا جیسے کہ اپنے بھائیوں اور برابر والوں میں ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ عثمانؓ کے خلافت کا منکر ہو یا ان کی عدم لیاقت کا معتقد سلمہ بن شقیق نے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص تر یاروں میں سے تھا کہا ہے کہ:۔

دَخَلْتُ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ وَعِنْدَهٗ قَوْمٌ تَذْكُرُوْنَ عُثْمَانَ فَقَالَ لَهُمْ مَهْلًا فَاِنَّكُمْ اِنْ قَتَلْتُمُوْهُ لَا تُصِيْبُوْنَ مِثْلَهٗ۔

گیا میں عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس اُس مرض میں کہ جس میں اُس نے وفات پائی اور اُس کے پاس لوگ جمع تھے عثمانؓ کا ذکر کرتے تھے پس کہا عبداللہؓ نے بس کرو اگر تم اُس کو مار ڈالو گے تو ایسا نہیں پاؤ گے دوسرا کوئی۔

الحاصل ایسی چیزیں عالم سیاست ملکی میں بہت ہوتی ہیں ایسی باتوں کو مطاعن میں گنا جائے تو شیعہ پر دائرہ تنگ ہو جائے گا کیا کہیں گے حضرت امیرؓ کے معاملہ میں جنھوں نے اپنے حقیقی بھائی عقیل ابن ابی طالب کو چھوڑ دیا اور جو کچھ اُس کو ملتا تھا بہت گھٹا دیا یہاں تک کہ جب جنگِ صفین سے لوٹا تو معاویہؓ کے پاس چلا گیا۔ اور ابو ایوب انصاریؓ کو کہ بزرگ تر صحابہؓ سے تھا اور شیعہ خالص آپ کا آپ نے اُس کو موقوف فرمایا اور سختی کی اور ترکِ صحبت اور جو کچھ دیتے تھے بند کیا۔ یہاں تک کہ ان سے الگ ہو کر معاویہؓ کے پاس چلا گیا۔ عقیل و ابو ایوب، ابی ذرؓ اور ابن مسعودؓ سے کیا کم ہیں۔ اگر عثمانؓ پر اس معاملہ میں طعن ہے تو حضرت امیرؓ بھی شریکِ طعن ہیں۔ معاذ اللہ کہ پیغمبرؐ کے دامادوں کو طعن سے یاد کرے یا ایسا امر بد اُس کے دل میں گزرے تو اپنی سمجھ کا قصور ہے جو ایسے امور کو طعن سمجھا جائے۔ ؏

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست ✦

اور قصہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی بھی کچھ اصل نہیں۔ عبدالرحمٰن اگر تولیتِ عثمانؓ پر نادم ہوتا تو صریح کیوں نہ کہتا۔ اِتنا صحیح ہے کہ عبدالرحمٰن اور عثمانؓ کا جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے باہم بھائی چارہ کرا دیا تھا اس سبب سے عبدالرحمٰنؓ عثمانؓ سے دل لگیاں اور خوش طبعی بہت کرتا تھا عثمانؓ ان کی دل لگیوں سے

بیزار ہو کر متوحش ہوئے اور کہا:۔

اِنِّيْ لَخَائِفٌ يَا ابْنَ عَوْفٍ اَنْ تَبْسُطَ مِنْ دَمِيْ

بیشک میں ڈرتا ہوں اے ابن عوف اس بات سے کہ تو میرا خون کروائے۔

اور ایسے امر باہم یاروں اور صحبت والے بھائیوں میں بہت ہوتے ہیں جس کا کچھ اثر دل میں نہیں رہتا۔ حضرت امیرؓ سے بھی اِس قسم کے ٹھٹھے اور دل لگی لوگوں کے ساتھ بہت واقع ہوئی۔ دار قطنی زیاد نخعی سے روایت کرتا ہے کہ:۔

كُنَّا جُلُوْسًا مَعَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِي الْمَسْجِدِ الْاَعْظَمِ وَالْكُوْفَةُ يَوْمَئِذٍ خِصَاصٌ فَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلْعَصْرِ فَقَالَ اجْلِسْ فَجَلَسَ ثُمَّ عَادَ فَقَالَ ذٰلِكَ فَقَالَ عَلِيٌّ هٰذَا الْكَلْبُ يُعَلِّمُنَا بِالسُّنَّةِ۔

ہم بیٹھے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کی بڑی مسجد میں اور کوفہ کے ان دنوں میں خس پوش گھر تھے اس میں ایک موذن اُن کے پاس آیا اور کہا نماز عصر کی تیار ہے اے امیر المومنینؓ! کہا بیٹھ، وہ بیٹھا پھر اُس نے یاد دلائی، پھر ایسا ہی کہا، پھر فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کتا ہم کو سُنّت سکھاتا ہے۔

اور یہی دار قطنی نے روایت کی ہے:۔

عَنْ زِيَادٍ الْمَذْكُوْرِ قَالَ قَدْ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَاَلَهٗ عَنِ الْوُضُوْءِ فَقَالَ اَبْدَءُ بِالْيَمِيْنِ اَوِ الشِّمَالِ فَاَضْرَطَ عَلِيٌّ بِهٖ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَبَدَءَ بِالشِّمَالِ قَبْلَ الْيَمِيْنِ۔

روایت ہے زیاد مذکور سے کہا ایک آدمی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اُن سے وضو کے معاملہ میں پوچھا اور کہا سیدھے ہاتھ سے شروع کروں یا اُلٹے سے۔ اُسی حال میں گوز کی آواز کی پھر منگایا اُس سے پانی پس شروع کیا اُلٹے ہاتھ سے قبل سیدھے ہاتھ کے۔

اور قصہ عمار کا جیسا نقل کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے بلکہ اُس کے قصے کی صورت موافق صحیح روایتوں اہلِ سُنّت کے یہ ہے کہ ایک دن عمارؓ و سعدؓ بن ابی وقاص مسجد مقدس میں آئے اور ایک آدمی کو عثمانؓ کے پاس بھیجا کہ ہم مسجد میں آئے ہیں تم کو چاہیئے کہ حاضر ہو تو تم سے بعض امور جو صادر ہوتے ہیں جس کی عام لوگ شکایت کرتے ہیں جدا کر دیں۔ عثمانؓ نے زبانی غلام کے کہلا بھیجا کہ مجھ کو آج کے دن بہت کام ہیں اس وقت لوٹ جاؤ فلاں دن کا تم سے وعدہ کرتا ہوں اُس دن آئیو جو چاہو سو کہنا۔ سعد اُٹھ گئے مگر عمار نے پھر کسی کو بھیجا کہ آج ہی آنا چاہیئے عثمانؓ نے عذر کیا۔ عمار نے پھر آدمی بھیجا پھر عثمانؓ نے عذر کیا پھر عثمانؓ کے غلاموں نے عمار کو مار کر مسجد سے کھینچا اور باہر نکال دیا اور کہا کہ حد شرعی تین دفعہ ہے تو نے حدِ شرع سے تجاوز کیا تعزیر تجھ پر واجب ہوئی۔ جب یہ خبر عثمانؓ کو پہنچی تو خود دوڑتے ہوئے مسجد میں

آئے اور لوگوں کو بُلا کر قسم کھائی کہ یہ امر ناپسند میرے کہنے سے نہیں ہوا۔ اور اُس غلام کو جھڑکا اور کہا۔

هٰذِهٖ یَدِیْ لِعَمَّارٍ فَلْیَقْتَصَّ مِنِّیْ اِنْ شَآءَ۔ | یہ ہے میرا ہاتھ واسطے عمار کے پس کہ بدلہ لے اُس سے عمار اگر بدلہ چاہے۔

عمار نے اُن کا ہاتھ چوما اور راضی ہوا۔ اُس پر بڑی مضبوط دلیل یہ ہے کہ جب لوگوں نے عثمانؓ کو گھیرا تو عمار اُس فرقہ سے تھے جو عام لوگوں کو بلوے کے حقوق عثمانؓ کے سمجھاتے تھے اور گھیر لینے سے منع کرتے تھے اور جب پانی عثمانؓ کا بند کیا تھا عمار نکلا اور چلّا کر کہا "سُبْحَانَ اللّٰهِ قَدِ اشْتَرٰی بِئْرَ رُوْمَةٍ وَتَمْنَعُوْنَهٗ مَآءَهَا" (سُبحان اللہ جس نے خریدا ہے تمہارے لئے رومہ کا کنواں اُس کو پانی نہیں لینے دیتے) پھر دوڑ کر امیر المؤمنین علیؓ کے پاس آیا اور کہا کہ بلوے والوں نے آج عثمانؓ کا پانی بند کیا ہے میرا سمجھانا نہیں سمجھتے، کوئی حیلہ کرنا چاہیئے کہ عثمانؓ کو پانی ملے۔ امیر المؤمنینؓ نے کہا بلوے میں کوئی بات پیش نہیں جاتی مگر دوسری راہ سے جو چھپی ہوئی ہے میں کوشش کرتا ہوں آخر بڑی تلاش و کوشش سے ایک پکھال اُونٹ بھر پانی اُس راہ سے عثمان رضی اللہ عنہ کو پہنچایا۔ پس عمار کے سبب سے عثمانؓ پر طعن کرنا ایسا ہے جیسے یہ مَثل عربی کی ہے۔

رَضِیَ الْخَصْمَانِ وَلَمْ یَرْضَ الْقَاضِیْ۔ | مدعی مدعا علیہ راضی ہو گئے مگر قاضی نہیں راضی ہوتا (مدعی سُست گواہ چُست)

اور قصہ کعب بن مرہ کا پورا نہیں ذکر کیا ہے آدھا بیان کرتے ہیں اور آدھا الگ اُڑا دیا ہے۔ باقی قصہ اُس کا یہ ہے کہ جب خبر کعب کے مارنے کی عثمانؓ کو پہنچی تو سعید بن عاص کو بڑا زجر لکھا اور لکھا کہ کعب کو تعظیم و تکریم کے ساتھ میرے پاس بھیجدے۔ جب کعب عثمانؓ کے پاس آیا تو کہا اے کعب! تو نے نامہ مجھ کو لکھا یہ دستور مسلمان بھائیوں کے مشورے اور نصیحت کا نہیں ہے۔ نصیحت کو نرم طور پر لکھنا چاہیئے نہ کہ سختی سے۔ خصوصاً نسبت رئیسوں اور خلیفاؤں کے فرعون کے حق میں کہ مقرری بدبختوں سے تھا خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اولوالعزم کو ادب سکھایا فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا (کہو تم دونوں اُس سے نرم بات) اور میں نے تیرے مارنے کو نہیں لکھا تھا بغیر میرے حکم کے تجھ کو مارا۔ اب میں قمیص اپنا اُتارتا ہوں اور کوڑا منگاتا ہوں تیرا دل چاہے تو مجھ سے بدلہ لے۔ کعب نے کہا جب تم نے ایسا انصاف کیا تو میں اپنے حق سے درگزرا۔ اور واقعی میں نے سخت باتیں لکھیں یہ میرا قصور ہے۔ بعد اس کے کعب عثمانؓ کے پاس رہا اور ان کے عمدہ مصاحبوں میں سے تھا۔

لیکن قصہ اشتر نخعی کا صحیح ہے سو وہ نہ صحابی تھا نہ صحابی زادہ بلکہ کوفہ کے واہی لوگوں میں سے تھا کہ حاکم کا پاس نہیں کرتا تھا عام لوگوں کو عثمانؓ کے عامل کی اہانت پر ورغلاتا۔ اگر عثمانؓ اُس کی اس حرکت سے درگزر کرتے تو بڑے فساد کی بات تھی۔ اور یہی اشتر نخعی تھا جس نے فساد اُٹھایا اور نوبت

قتل عثمانؓ کی پہنچی پھر بھی شتابہ لگانے سے نہ چوکا اور زبیرؓ و طلحہؓ کو قتل سے ڈرایا کہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ کو چلے گئے اور ام المؤمنینؓ کو اپنے ساتھ لیا اور امیرؓ کے ساتھ جنگ و جدال کی کہ یہ سب حرکتیں اشتر نخعی کی باعث بے انتظامی اُمور خلافت حضرت امیرؓ کی ہوئیں۔ اور ہمیشہ اشتر نخعی حضرت امیرؓ کے ساتھ بھی حکومت کی باتیں کرتا تھا جیسی چاہیئے ویسی اطاعت نہیں بجالاتا تھا۔ چنانچہ تواریخ میں مشہور و مسطور ہے۔ بعد اس کے عثمانؓ نے اُس کی فرمائش اور اُس کے یاروں کی فرمائش کے موافق ابوموسیٰ کو حاکم کوفہ کا مقرر کر دیا، اور حذیفہ بن الیمان کو داروغہ خراج کا۔ پھر بھی تو چُپ نہ بیٹھا بلکہ مباشر اُن کے قتل کا ہوا جیسا کہ روایتوں میں ہے۔ عثمانؓ کے قتل کا سبب بھی اسی کا فتنہ تھا تا قیام قیامت۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَقْتُلُوْا اِمَامَکُمْ وَتَجْتَلِدُوْا بِاَسْیَافِکُمْ وَیَرِثُ دُنْیَاکُمْ شِرَارُکُمْ۔ | نہیں اُٹھے گی قیامت جب تک کہ تم اپنے امام کو قتل نہ کرو گے اور لڑو گے آپس میں اپنی تلواروں سے اور حاصل کریں گے تمہاری دنیا کو جو تم سے بدتر ہوں گے۔

ایسے شخص کو تو مار ڈالنا چاہیئے تھا کہ اُمت کا فساد جاتا رہتا نہ کہ اُس کا نکال دینا اور اہانت کہ یہ سب عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا کا باعث تھا جو اسی قدر پر کفایت کی۔

طعن ششم یہ کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے قصاص عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوف رکھا کہ انھوں نے ہرمزان اہواز کے بادشاہ کو جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمان ہو گیا تھا مار ڈالا تھا اس تہمت سے کہ عمرؓ کے قتل میں شریک تھا کہ یہ ثابت نہ ہوئی، اور ابولولو کی ایک لڑکی خورد سال کو قتل کیا۔ اور جفینہ نصرانی کو بھی اسی تہمت شرکت میں قتل کیا۔ اور سب صحابہؓ جمع ہو کر عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا کہ عبید اللہ سے قصاص کرو اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ نے بھی یہ مشورہ دیا۔ عثمانؓ نے بیت المال سے دیت دلائی قصاص موقوف رکھا۔ حالانکہ قصاص حکم خدا کی کتاب کا ہے اور جو حکم اللہ کی کتاب کا جاری نہ کرے قابلِ امامت نہیں ہے۔

جواب۔ اس طعن کا جواب یہ ہے کہ ابولولو کی لڑکی کا خود قصاص نہیں پہنچتا تمام علمائے شیعہ کے نزدیک اس واسطے کہ مجوسی کی بیٹی ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جفینہ نصرانی کہ حیرہ کا رہنے والا تھا عیسائی مذہب اور درمیان مسلم و کافر کے قصاص نہیں وَقَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ (نہ مارا جاتے مسلمان کافر کے بدلہ میں) اب ہرمزان کا حال یہ کہ بظاہر مسلمان تھا اُس کا جو قصاص عبید اللہ سے نہ لیا۔ اُس کے قتل کی بابت اہل سنت نے تین وجہیں ذکر کی ہیں۔

اوّل یہ کہ یہ ہرمزان بادشاہ اہواز کا تھا تمام بادشاہوں فارس کو کہ اُن کا ملک جو اُن کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اہل اسلام اور ائمہ اسلام پر نہایت ہی غیظ و غضب تھا جب دیکھا کہ لڑائی میں ان سے جیت نہیں سکتے تو ناچار اس مکار نے حیلہ پیدا کیا کہ خلیفہ ثانی سے بہ دغا و مکر امان حاصل کی جیسا قصہ اُس کا تواریخ میں مشہور ہے کہ اس کو پکڑ کر لائے تھے اور مشورہ جملہ اصحابؓ کا اِس پر ٹھہرا کہ اس کو مار ڈالنا چاہیئے۔ جب خلیفہ رضی اللہ عنہ کے سامنے پہنچا نہایت قلق و بے چینی کے ساتھ ظاہر کیا کہ پیاسا ہوں۔ جب خلیفہ رضی اللہ عنہ نے پیالہ پانی سے بھرا اُس کے ہاتھ میں دیا تو کہا کہ اگر اتنی دیر مجھ کو امان دو کہ میں پانی پی لوں اور سیر ہو جاؤں تب تو میں پانی پیتا ہوں، نہیں تو کیا حاصل جو تم نے پانی پینے کے درمیان میں میرا سر کاٹ ڈالا۔ خلیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا جب تک یہ پانی نہ پی لے گا تجھ کو امان ہے کوئی نہیں مارے گا۔ دو تین دفعہ لوگوں کے سامنے لوٹ پوٹ کر یہ اقرار کرا لیا اور پانی زمین پر پھینک دیا اور کہا اگر اب مجھ کو مارو گے تو تمہارا ہی ایمان بگڑے گا۔ خلیفہ رضی اللہ عنہ اُس کی اِس حرکت سے متعجب ہوئے، اور فرمایا کہ تو مرد دانا معلوم ہوتا ہے بہتر یہ ہے کہ مسلمان ہو جا۔ اُس نے کلمہ اسلام زبان پر جاری کیا اور اِس تقریب سے مدینہ منورہ میں رہنے لگا۔ اور چند پرگنے عراق سے جاگیر میں پائے۔ یہاں بیٹھ کر خلیفہ رضی اللہ عنہ کی وضع دیکھی کہ مخالف وضع بادشاہوں کے ہے، نہ کوئی دربان ہے نہ کوئی پاسبان اکیلے بازاروں میں پھرتے ہیں افسوس کیا کہ ایسے رئیس بے احتیاط کا مار ڈالنا کیا بڑا کام ہے۔ ملک فارس کے بادشاہ بڑی غفلت میں پڑے ہیں۔ آخر بطور خفیہ ابو لولو اور جفینہ اور دیگر کافروں کو اپنا رفیق بنایا اور تنہائی میں اِس کی تدبیر و مشورے اُن کے ساتھ کرتا تھا حتے کہ ابو لولو نے اُسی کے حکم کے موافق یہ کام کیا۔ چنانچہ عبید اللہ بن عمرؓ، عبد الرحمن ابن ابی بکر اور دیگر صحابہؓ نے دیکھا تھا کہ ابو لولو اور جفینہ ہرمزان کے پاس بیٹھتے ہیں اور تنہائی میں مشورہ قتل عمرؓ کا کرتے ہیں۔ ہرمزان نے خنجر دو رُویہ تیار کرایا تھا اور کہتا تھا کہ ایسا کون ہے جوانمرد کہ اپنی قوم کی حمیت اور دین کی قوت سے ہماری داد اس شخص سے لے کہ نہ ناموس ہمارا چھوڑا نہ دولت نہ دین۔ ابو لولو نے اس کو قبول کیا پس اس معاملہ میں بیشک ہرمزان حکم دینے والا ہے اِس میں کچھ بھی شبہ نہیں لہٰذا اصحابؓ کے نزدیک ایسا قرار پایا کہ اُس خنجر کو لائیں اگر اُسی طرح کا ہے جیسا کہ گواہ بتاتے ہیں تو شرکت ان تینوں کی عمرؓ کے قتل میں ثابت ہے، نہیں تو نہیں۔ خنجر لائے سب نے دیکھا ویسا ہی تھا جیسا کہ گواہوں نے بتایا تھا۔ اس سبب سے عثمانؓ نے قصاص لینے میں توقف کیا کہ جو کسی کے قتل کا حکم دینے والا ہے اس کا قتل بھی واجب ہے۔ چنانچہ مذہب شافعیؒ اور مالکؒ اور اکثر ائمہؒ کا عام لوگوں کے حق میں یہی ہے سوا ے گئے خلیفہ اور رئیس اُن کے قتل کو جو کوئی حکم دے اُس کو اگر قصاص کی راہ سے نہ ماریں تو سیاست کی راہ سے

مار ڈالنا تو ضروری ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ قصاص لینے میں بڑا فساد اُٹھتا تھا۔ اس واسطے کہ بنو تیم اور بنو عدی عبید اللہ کے قتل سے مانع تھے بلکہ بنو امیہ اور بنو جمح بھی اور بنو سہم بھی ارادہ پرخاش کا رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر عثمانؓ عبید اللہ سے قصاص لیں گے تو ہم خانہ جنگی کریں گے۔ چنانچہ عمرو بن عاص نے کہ رئیس بنو سہم کے تھے پکار کر محلے میں کہہ دیا کہ لے یارو! یہ کونسا انصاف ہے قُتِلَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاَمْسِ وَیُقْتَلُ اِبْنُہٗ الْیَوْمَ لَا وَاللّٰہِ لَا یَکُوْنُ ہٰذَا اَبَدًا (کل تو امیر المومنینؓ مارے گئے اور آج اُن کا بیٹا مارا جائے، قسم ہے خدا کی ایسا کبھی ہرگز نہ ہوگا)۔ اگر واسطے دفع فتنہ کے قصاص چھوڑ کر مقتول کے وارثوں کو راضی کر لیا تو بجا ہے۔ اور کیا کہا جائے گا عثمانؓ کے قاتلوں کے حق میں کہ حضرت امیرؓ نے خوف فتنہ و فساد سے نہ اُن سے قصاص لیا نہ دیت عثمانؓ کے وارثوں کو دلائی نہ اُن کے وارثوں کو راضی کیا۔ اور عثمانؓ نے خود وارثوں ہرمزان کو ایسا راضی کیا کہ پھر کبھی شکایت نہ کی۔ اگر قصاص بسبب خوف فتنہ اور فساد کے نہ لیا اور بذاتِ خود یہ بات محل طعن ہو تو نواصب کے طعن کا حضرت امیرؓ کے حق میں کوئی جواب نہیں ملے گا۔ اب تو یہی جواب ہے کہ دونوں جگہ خوف فساد کا تھا بلکہ عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں کہ ہرمزان کے وارثوں کو راضی کر لیا کچھ مشکل نہ رہی۔

تیسری وجہ بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ محمد بن جریر طبری اور تمام ائمہ تواریخ نے تصریح کی ہے اس بات کی کہ سب وارث ہرمزان کے حاضر نہ تھے بعض ان سے مدینہ منورہ میں تھے بعض فارس میں۔ جب امیر المومنین عثمانؓ نے ان کو بلایا وہ ڈر گئے تھے اِس سبب سے حاضر نہ ہوئے۔ اور حاضر ہونا سب ورثہ کا قصاص لینے میں شرط ہے۔ پس قصاص لینا عثمانؓ کا جائز نہ تھا، پھر سوائے دیت کے علاج کیا تھا اور وہ بھی بیت المال سے نہ کہ مال قاتل سے۔ اِس واسطے کہ کتب حنفیہ میں بھی تصریح ہے اس بات کی کہ جو کوئی امام عادل کے قتل میں مدد کرے گو خود مباشرت نہ کرے واجب القتل ہوتا ہے۔ اور اُس کے بعض وارثوں کا مدینہ منورہ میں حاضر نہ ہونا کتاب شرح مرتضےٰ اور دیگر امامیہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے اہل سنت ہی کی تواریخ پر مدار نہیں ہے۔ جاننا چاہیئے کہ بعض شیعہ اس مقام پر اور چند طعن بھی کرتے ہیں مثل نصیر طوسی کے کہ تجرید میں لایا ہے۔ لیکن شیعہ میں جو لوگ تاریخ داں تھے اُنھوں نے اُڑا دیں اس واسطے خود وہ طعنیں ذکر نہیں کی گئیں لیکن مجملاً اسی طعن کے ضمن میں کہی جاتی ہیں۔ ایک اُن طعنوں میں سے یہ ہے کہ ولید بن عقبہ نے شراب پی عثمانؓ نے اُس پر حد جاری نہ کی۔

جواب اِن طعنوں میں سے ایک کا یہ ہے کہ یہ روایت محض غلط ہے جیسا کہ صاحب استیعاب کہتا ہے:-

وَ لَقَدْ رَوٰی فِیْمَا ذَکَرَ الطَّبَرِیُّ اَنَّہٗ || روایت ہے جو کچھ ذکر کیا طبری نے بیشک

تَعَصَّبَ عَلَيْهِ قَوْمٌ مِنْ اَهْلِ الْكُوفَةِ بَغْيًا وَحَسَدًا وَشَهِدُوا عَلَيْهِ زُوْرًا اَنَّهُ تَقَيَّأَ الْخَمْرَ وَذَكَرَ الْقِصَّةَ وَفِيهَا اَنَّ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَهُ يَا اَخِيْ اِصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْجُرُكَ وَيَبُوْءُ الْقَوْمُ بِاِثْمِكَ۔

بلوہ کیا اُس پر اہلِ کوفہ نے بغی و حسد کی راہ سے اور جھوٹی گواہی اُس پر دی کہ اُس نے شراب کی قے کی ہے اور تمام قصہ بیان کیا اُس میں یہی ہے کہ بیشک عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس سے کہا کہ اے برادرِ من صبر کر بیشک خدا اجر تجھ کو دے گا اور وہ لوگ تیرے گناہ اُٹھائیں گے۔

وَهٰذَا الْخَبَرُ مِنْ اَهْلِ الْاَخْبَارِ لَا يَصِحُّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ وَلَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ لَهُ اَصْلٌ وَالصَّحِيْحُ عِنْدَهُمْ مَا رَوَاهُ عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ الْمُخْتَارِ وَسَعِيْدُ بْنُ اَبِيْ عَرُوْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الدَّانَاجِ عَنْ حُصَيْنِ بْنِ الْمُنْذِرِ اَبِيْ سَاسَانَ اَنَّهُ رَكِبَ اِلٰى عُثْمَانَ فَاَخْبَرَهُ بِقِصَّةِ الْوَلِيْدِ وَقَدِمَ عَلٰى عُثْمَانَ رَجُلَانِ فَشَهِدَا عَلَيْهِ بِشُرْبِ الْخَمْرِ وَاَنَّهُ صَلَّى الْغَدَاةَ بِالْكُوفَةِ اَرْبَعًا ثُمَّ قَالَ اَزِيْدُكُمْ فَقَالَ اَحَدُهُمَا رَاَيْتُهُ يَشْرَبُهَا وَقَالَ الْاٰخَرُ رَاَيْتُهُ يَتَقَيَّاُهَا فَقَالَ عُثْمَانُ لَمْ يَتَقَيَّاْهَا حَتّٰى شَرِبَهَا فَقَالَ لِعَلِيٍّ اَقِمْ عَلَيْهِ الْحَدَّ فَقَالَ عَلِيٌّ لِابْنِ اَخِيْهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ اَقِمْ عَلَيْهِ الْحَدَّ فَاَخَذَ السَّوْطَ وَجَلَدَهُ وَعُثْمَانُ يَعُدُّ حَتّٰى بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ وَجَلَدَ اَبُوْبَكْرٍ اَرْبَعِيْنَ وَجَلَدَ عُمَرُ ثَمَانِيْنَ وَكُلٌّ سُنَّةٌ۔ * فقال علیؓ امسك جلد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الخمر اربعین

اور یہ خبر اہلِ اخبار سے ہے اہلِ حدیث کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور نہ اہلِ علم کے نزدیک اس کی کچھ اصل، البتہ اہلِ علم کے نزدیک صحیح وہ ہے جو عبدالعزیز بن مختار اور سعید ابن ابی عروبہ نے عبداللہ دانا ج سے انہوں نے حصین بن منذر ابی ساسان سے روایت کی کہ وہ سواری پر عثمانؓ کے پاس روانہ ہوا سو خبر دی ان کو قصۂ ولید کی اور پہنچے اُن کے پاس دو آدمی اور گواہی دی اُس پر شراب پینے کی اور بیشک اس بات کی کہ اُس نے کوفہ میں صبح کی نماز چار رکعت پڑھیں، پھر کہا آیا میں نے زیادہ کیں تمہارے لئے۔ پھر ایک نے دونوں گواہوں سے کہا کہ میں نے اُس کو شراب پیتے دیکھا۔ دوسرے نے کہا میں نے اُس کو قے کرتے دیکھا۔ پس عثمانؓ نے کہا شراب پی جب تو قے کی۔ پھر فرمایا علی رضی اللہ عنہ سے کہ اس پر حد قائم کرو، علیؓ نے برادرزادہ عبداللہ بن جعفر سے کہا کہ اُس پر حد قائم کر۔ پس عبداللہ نے کوڑے لے کر مارنا شروع کیا اور عثمانؓ گنتے تھے یہاں تک کہ چالیس ہوئے، پس علیؓ نے کہا بس کر اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی چالیس لگائے ہیں۔ اور ابوبکرؓ نے چالیس اور عمرؓ نے اسی اور یہ سب سنت ہے۔

رَوَى ابْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ الْبَاقِرِ

روایت کی ابن عیینہ نے عمرو بن دینار سے اُس نے ابی جعفر محمد بن علی باقر سے

فَقَالَ جَلَدَ عَلِيٌّ اَلْوَلِيْدَ بْنَ عُقْبَةَ فِي الْخَمْرِ اَرْبَعِيْنَ جَلْدَةً بِسَوْطٍ لَهُ طَرَفَانِ اَخْرَجَهُ اَبُوْعُمَرَ۔

کہا علیؓ نے ولید بن عقبہ کی حدِ شراب میں چالیس کوڑے مارے کہ اس کے دو سر تھے۔ یہ روایت کی ابوعمر نے۔

✻ دوسرا طعن یہ ہے کہ اُحد کے دن عثمانؓ لڑائی سے بھاگے اور جنگِ بدر اور بیعۃ الرضوان میں حاضر نہ ہوئے۔

✻ جواب اس کا یہ ہے کہ اُحد کے دن عثمانؓ کیا تمام صحابہؓ سوائے تیس آدمیوں کے سب بھاگے۔ اکیلے عثمانؓ پر ہی ٹھکانا طعن کا نہیں ہے۔ اور اس کے ساتھ جب خدا تعالیٰ نے معاف کر دیا جیسا کہ قرآن میں ہے پھر طعن کی کیا جگہ رہی۔ قولہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (بے شک جن لوگوں نے کہ پیٹھ پھیری تم میں سے جس دن کہ لڑنے کو آئے ضرور ڈگا دیا ان کو شیطان نے اُن چیزوں کی شامت سے جو انھوں نے کی تھیں اور ضرور معاف کیا خدا نے ان سے بے شک خدا بخشنے والا اور برداشت کرنے والا ہے) اور بالفرض اگر عثمانؓ نہ بھاگتے تب ان کو شیعہ کے نزدیک اس بات سے کیا نفع اور فتوح ہوتی۔ ابوبکرؓ عمرؓ نہیں بھاگے ثابت قدم رہے وہ ان کی زبان سے کب خلاص ہوئے کہ عثمانؓ ہوتے۔ تیرہ آدمیوں مہاجرین سے اور باقی انصار اُس سخت لڑائی میں قدم جمائے رہے سب کو یا اکثر کو شیعہ اپنے تیر طعن کے نیچے لائے ہیں۔

فَمِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَبُوْبَكْرٍؓ وَعُمَرُؓ وَطَلْحَةُؓ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِؓ بْنُ عَوْفٍ وَسَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍؓ وَكُلُّهُمْ عِنْدَ الشِّيْعَةِ مَطْعُوْنٌ وَعَلٰى هٰذَا الْقِيَاسِ حَالُ اَنْصَارٍ۔

مہاجرین میں سے ابوبکرؓ اور عمرؓ اور طلحہؓ اور عبدالرحمٰنؓ ابن عوف اور سعدؓ بن ابی وقاص ہیں کہ یہ سب ان کے نزدیک مطعون ہیں۔ اور ایسا ہی حال انصار کا ہے۔

اہلِ سنت کے نزدیک بعد بھاگ جانے کے کہ حد درجہ ارتکاب کبیرہ کا ہے سو وہ بھی توبہ سے مٹ چکا لیاقتِ امامت کہیں نہیں گئی۔ اگر کوئی سیر کی کتابوں کی رُو سے کُل اس واقعہ کو بتأمل دیکھے گا تو بھاگنے والوں کو ضرور ہی معذور رکھے گا اس واسطے کہ جب سردار کے مارے جانے کی خبر پھیل جاتی ہے قائم رہنا لشکر کا بہت دشوار ہے اور جنگ بدر میں واسطے بیمارداری حضرت رقیہؓ کے موافق حکم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عثمانؓ پیچھے رہ گئے جیسے حضرت امیرؓ کو تبوک کی لڑائی میں واسطے خبرگیری عیال کے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا تھا وہ پیچھے رہ گئے تھے۔ اور ایسا حاضر نہ ہونا حاضر ہونے سے بہتر ہے۔ اسی واسطے جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ لِعُثْمَانَ اَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ (بے شک

عثمانؓ کو ثواب اُس مرد کا ہے جو بدر میں حاضر ہوئے اور حصہ ایک مرد کا) اور بیعۃ الرضوان خاص عثمانؓ کے واسطے ہوئی جب صحابہؓ میں سے کسی نے مکہ کا جانا قبول نہ کیا کہ وہاں جائے اور کافروں سے سوال و جواب کرے تو عثمانؓ اس سفارت اور رسالت پر مامور ہوئے۔ بعد ان کے جانے کے لشکر میں خبر مشہور ہوئی کہ کافروں نے عثمانؓ کو مار ڈالا اور بڑے جماؤ کے ساتھ مستعد بجنگ چلے آتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے موت پر بیعت لی تاکہ عثمانؓ کا بدلہ لیں اور کینہ نکالنے میں سخت لڑائی فرمائیں اسی درمیان میں خوب معلوم ہوگیا کہ عثمانؓ کو نہیں مارا ہے پس لشکر کو تسکین ہوگئی۔ یہ غیر حاضری بیعۃ الرضوان میں عثمانؓ کی ہے کہ ان کے مارے جانے کی خبر سے واقع ہوئی یہ موجود ہی نہ تھے اگر موجود ہوتے تو بیعۃ الرضوان ہی کیوں ہوتی۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ پر سیدھا ہاتھ مار کر فرمایا هٰذِهٖ يَدُ عُثْمَانَ (یہ ہاتھ عثمان کا ہے) اور بعض روایت میں هٰذَا لِعُثْمَانَ آیا ہے (یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے) پس جس کا ایسا نائب کہیں موجود ہو اس کے حاضر نہ ہونے میں کیا نقصان۔ الحاصل ان دونوں طعن کو اکثر علمائے امامیہ نے ان کی بیہودگی پر نظر کرکے اپنی کتابوں سے نکال ڈالا ہے۔

طعن ہفتم: یہ کہ عثمانؓ نے تغیر سنت کا کیا۔ منیٰ میں کہ مقام حاجیوں کے رہنے کا ہے دسویں ذی الحجہ سے چودھویں تک چار رکعت پڑھیں حالانکہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سفر میں قصر کیا ہے خصوصاً اس مقام میں چار کو دو کرکے ادا کیا ہے چنانچہ تمام صحابہؓ نے ان کے اس فعل پر انکار کیا ہے۔

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ عثمانؓ کے سامنے بھی یہ طعن ان پر کیا تھا مگر اس کی حقیقت حال سے واقف نہ تھے۔ جب عثمانؓ نے ظاہر کیا کہ میں نے مکہ میں نکاح کیا ہے اور خانہ دار ہوگیا ہوں ارادہ رہنے کا اس گھر میں رکھتا ہوں پس میں مسافر نہیں رہا تاکہ سفرانہ ادا کروں اور مقیم کو باجماع قصر جائز نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ پوری نماز پڑھتا ہوں سب اس انکار سے باز رہے۔ چنانچہ عثمانؓ کے اس جواب کو امام احمد طحاوی اور ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابن عبد البر اپنی کتابوں میں لائے ہیں اور لفظ اس روایت کے یہ ہیں :-

اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰى بِالنَّاسِ بِمِنٰى اَرْبَعًا فَاَنْكَرَ النَّاسُ عَلَيْهِ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ تَاَهَّلْتُ بِمَكَّةَ مُنْذُ قَدِمْتُ وَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَاَهَّلَ بِبَلْدَةٍ فَلْيُصَلِّ صَلٰوةَ الْمُقِيْمِ فِيْهَا اَخْرَجَهُ اَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ

بے شک عثمانؓ نے نماز پڑھی لوگوں کے ساتھ منیٰ میں چار رکعت پس لوگوں نے ان پر انکار کیا تو کہا اے لوگو! میں نے مکہ میں خانہ داری کرلی جب سے آیا ہوں، اور میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ فرماتے تھے جو کوئی کسی شہر میں خانہ دار ہو جائے تو مقیموں کی سی وہاں نماز پڑھے' یہ روایت کی احمد نے عبد اللہ بن

عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ ذُبَابٍ عَنْ اَبِيْهِ وَغَيْرُهٗ عَنْ غَيْرِهٖ۔

عبد الرحمن بن ابی ذباب نے اپنے باپ سے اور سوا اس کے اوروں سے۔

پس کوئی اشکال نہ رہا کہ اس صورت میں باجماع علماء پورا کرنا نماز کا واجب ہے۔

طعن ششم: عثمانؓ نے بقیع کو جو حوالی مدینہ میں چراگاہ مشہور ہے قرق کیا اور لوگوں کو اس چراگاہ سے منع کیا آہستہ آہستہ اس کو دونا کرکے اُس مکان کو رمنے میں داخل کرلیا حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْمُسْلِمُوْنَ شُرَكَاءُ فِىْ ثَلٰثٍ اَلْمَاءُ وَالْكَلَاءُ وَالنَّارُ (سب مسلمان تین چیز میں شریک ہیں پانی اور گھاس اور آگ) اور بازار مدینہ کو قرق کیا کہ کوئی وہاں سے گٹھلیاں خرمے کی نہ لے جب تک کہ گماشتے عثمانؓ کے نہ لے لیں۔ اور دریا کی کشتیاں قرق کیں کہ ان کے مال تجارت کے سوا اور کا مال نہ لے جائیں۔

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ قصہ قرق کرنے چراگاہ بقیع کا صحیح ہے خود عثمانؓ نے جواب اس کا دیا ہے اور صحابہؓ کے دل پر خوب جما دیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا حِمٰى اِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ (جنگل کی گھاس ملک نہیں ہوسکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی) اور میں نے صدقہ کے اونٹوں اور بیت المال اور جہاد کے گھوڑوں کے لیے کہیں چراگاہ نہیں لی ہے اس چراگاہ کو رمنہ بنایا ہے۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جہاد کے گھوڑوں اور صدقہ کے اونٹوں کے واسطے اس کو چراگاہ کیا تھا۔ جب صحابہؓ نے کہا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی زمین کو چراگاہ بنایا تم نے اس کو دونا کرلیا۔ عثمانؓ نے کہا اُس وقت کے بیت المال کو اور اِس وقت کے بیت المال کو قیاس کرو اور اسی کے موافق چراگاہ کو سمجھو۔ سب صحابہؓ نے چپ ہوکر مان لیا۔ اور بازار کا قرق کرنا سراسر غلط ہے اتنا ہی صحیح ہے کہ دو تین روز حارث بن حکم نے کہ داروغہ بازار کا تھا اپنی طرف سے یہ کام کیا تھا۔ جب عثمانؓ کو خبر ہوئی تو اس کو موقوف کیا۔ اور کشتیوں کا قرق کرنا بھی صحیح ہے لیکن اپنی مملوکہ کو کہ ان میں اور لوگوں کا مال نہ لے جائیں اور کشتیوں سے کچھ غرض نہیں رکھی کہ قبل اس سے بھی لوگ عثمانؓ کی کشتیوں میں کہ مصر و مغرب کی تجارت کے لیے جاتی تھیں اپنا مال لادتے تھے اور گماشتے ساتھ کر دیتے تھے۔ اور جب یہ عمل بہت ہوا اور اور لوگوں نے بھی کشتیاں تیار کرلیں تو عثمانؓ نے اپنی کشتیوں کو اجازت نہ دی کہ دوسرے کا مال لادیں۔ بہرحال ایک احسان کرتے تھے، احسان نہ کرنے پر کیا ملامت اور طعن ہوسکتا ہے۔

طعن نہم: یہ کہ اپنے یاروں اور مصاحبوں کو جاگیریں اور قطعے زمینوں کے بہت دیے اور زمین بیت المال کی اور حق مسلمانوں کا تلف کیا۔

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ عثمانؓ اپنے یاروں اور رفیقوں کو پڑی ہوئی زمین کی اجازت دیتے تھے زمین آباد و مزروع کسی کو نہیں دی۔ چنانچہ تواریخ میں مسطور ظاہر ہے کہ کاشتکاری پڑی ہوئی زمین کی سبب آبادی ملک و کثرتِ محصول و فراخی رزق مخلوق کی ہے۔ اس میں کیا خوبی ہے کہ ہزاروں بیگہ زمین پڑی رہے اور ویران کہ نہ اس سے سرکار میں کچھ محصول آئے نہ اور کو نفع پہنچے اور جب آبادی ہو جائے اور جگہ جگہ کشتکاری کا رواج ہو جائے چور راہ مار بھی چپ ہو کر بیٹھ رہتے ہیں۔ اور بھی تواریخ والوں نے ذکر کیا ہے کہ ایک گروہ اشرافِ یمن کہ خانہ کوچ تھے ان کے پاس آئے اور کہا کہ ہم جہاد کے واسطے آئے ہیں اور ہم نے اپنے گھر اور زمین مزروعہ جہاد کے واسطے چھوڑے ہیں چاہیے کہ ہم کو کہیں محل جہاد کے قرب میں زمین دو تاکہ ہم دشمنانِ دین سے جہاد کو بھی حاضر رہیں اور باری باری لشکر کے ساتھ بھی خروج کریں۔ عثمانؓ نے ان کو صوبہ فارس کے مقابلہ میں کہ یہ صوبہ زور طلب تھا اور زمیندار سرکش آباد کیا اور ان کی زمین کے عوض انہی حدوں سے زمینیں دیں۔ اور بعض صحابہؓ سے بھی زمین کا بدلہ کرا دیا۔ مثلاً طلحہؓ سے کہ زمین ان کی حضرموت میں تھی لے لی اور طلحہؓ کو عوض میں زمین اس گروہ کی دے دی۔ اور اشعث بن قیس سے کہ اس کی زمین کندہ میں تھی لے لی اور اس کو عوض میں دوسری جگہ دی اور یہ سب دونوں کی رضامندی سے تھا ہرگز طعن و ملامت کا موقع نہیں ہے۔

طعن دہم۔ یہ کہ صحابہؓ سب عثمانؓ کے قتل پر راضی تھے اور بیزار تھے اور ہجو و ملامت کرتے تھے اور بعد مارے جانے کے تین روز اسی طرح پڑا رہنے دیا کسی نے دفن نہیں کیا۔

جواب۔ یہ بھی صریح جھوٹ اور بہتان ہے کہ لڑکوں پر بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ طلحہؓ اور زبیرؓ اور عائشہؓ اور معاویہؓ اور عمروؓ بن عاص واسطے طلب قصاص انہی عثمانؓ کے لڑتے تھے یا کوئی عثمان خیالی موہوم اُن کے خیال میں تھا دونوں طرف کی تواریخ سنی و شیعہ کی حاضر ہیں۔ صحابہؓ نے قصور بلوہ دفع کرنے میں نہیں کیا جب تک ہو سکا کلمہ اور کلام سے بلوہ والوں کو سمجھایا جب ان کی سمجھ میں نہ آیا عثمانؓ سے اذن لڑائی کا چاہا؟ ہرگز روادار لڑائی کے نہ ہوئے نہایت ہی منع کیا ناچار خاموش ہو رہے اور اس کے ساتھ پانی پہنچانے اور ان کی دقت دور کرنے میں آخر وقت تک تدبیریں حیلے کرتے رہے۔ اور زیدؓ بن ثابت اپنے سب انصار کے ساتھ آئے اور جوان انصار کے ان سے کہتے تھے اِنْ شِئْتَ كُنَّا اَنْصَارُ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ (اگر تو چاہے تو ہم مددگار خدا کے دوبارہ ہو جائیں) اور عبداللہ بن عمرؓ مع تمام مہاجرین کے آئے اور کہا کہ جن لوگوں نے تم پر بلوہ کیا ہے وہی لوگ تو ہیں کہ ہماری تلواروں کی ضرب سے مسلمان ہوئے ہیں اور ابھی ڈر کے مارے پائجاموں میں ہگے دیتے ہیں یہ سب شیخیاں اور اونچی اونچی اُڑانیں جبھی تو ہیں کہ کلمہ گو ہیں اور تم حرمت کلمہ کی کرتے ہو

اگر حکم دو تو ہم ان کو ان کی حقیقت معلوم کرا دیں۔ اور وہی بھولی باتیں ان کی ان کو یاد دلا دیں۔ عثمانؓ نے کہا اللہ! یہ بات نہ کہو اور فقط میری ایک جان کے واسطے کشاکشی اسلام میں نہ ڈالو۔ باوجود ان سب باتوں کے حسنینؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ اور ابوہریرہؓ اور عبداللہؓ بن عامر بن ربیعہ اور دیگر صحابہؓ عثمانؓ کے پاس گھر میں تھے جب بلوے والے ہجوم کرتے تھے یہ پتھروں اور لاٹھیوں اور دروازہ بند کر لینے کے ساتھ ہٹا دیتے تھے۔ اور غلام عثمانؓ کے کہ ایک بڑی فوج تھی اس حد کہ اگر حکم کرتے تو دم بھر میں بلوے والوں کو حقیقت کام کی معلوم ہو جاتی' مع ہتیار و اسباب کے حاضر ہوئے اور زاری و بے قراری کرتے تھے کہ ہم وہ گروہ ہیں کہ خراسان سے افریقہ تک ہماری تلوار کی کوئی تاب نہ لایا۔ اگر حکم دو تو اس جماعت کو جو اپنے گھمنڈ میں ہیں ان کے کام کا ان کو تماشا دکھا دیں کہ باتوں سے ان کی اصلاح نہیں ہوگی۔ اور جو یہ جانتے ہیں کہ ہم سے بسبب حرمت کلمے کے متعرض نہ ہوں گے ہرگز راہ پر نہیں آتے اور تمہاری بات کو اور بڑے بڑے صحابہؓ کی بات کو جو بھر نہیں گنتے۔ عثمانؓ یہی کہتے تھے اگر میری مرضی چاہتے اور حق احسان ادا کرتے ہو تو اپنے ہتیار کھول ڈالو اور اپنے گھروں میں بیٹھو۔ تم میں سے جو کوئی ہتیار کھول ڈالے اُس کو میں نے آزاد کیا۔ وَاللّٰهِ لَئِنْ اُقْتَلُ قَبْلَ الدِّمَاءِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُقْتَلَ بَعْدَ الدِّمَاءِ (قسم ہے خدا کی کہ اگر میں مارا جاؤں خوں ریزی سے پہلے تو یہ مجھ کو بہت مرغوب ہے خوں ریزی کے بعد) یعنی شہادت میری مقدر ہے اور مجھ کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بشارت دی ہے۔ اگر تم لڑو گے جب بھی میں ضرور مارا جاؤں گا پھر کیا حاصل کہ قتل و خون بھی واقع ہو اور مدعا بھی کرسی نشین نہ ہو۔ اور فریقین کی تواریخ سے ثابت ہے کہ حضرت امیرؓ نے بھی اپنے بیٹوں اور اولادِ جعفرؓ کو اور اپنے چیلے قنبر کو عثمانؓ کے دروازے پر متعین کیا تھا اور طلحہؓ اور زبیرؓ نے بھی اپنے لڑکوں کو ان کے دروازے پر بٹھایا تھا کہ بلوے والے مزاحمت نہ کریں چنانچہ جب وہ ہجوم کرتے تھے یہ اُن سے لاٹھی پتھر سے لڑتے تھے۔ یہاں تک کہ امام حسنؓ خون میں بھر گئے اور محمد بن طلحہ اور قنبر نے زخم کھائے اور دروازے کی راہ سے ان کو آنا نصیب نہ ہوا گھر کے پچھواڑے بعض انصاریوں کے گھر میں نقب لگا کر گھس گئے اور عثمانؓ کو شہید کیا۔ اسی وقت نہج البلاغہ کہ بڑی صحیح کتاب شیعہ کی ہے اس ماجرے پر گواہ ہے حضرت امیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا وَاللّٰهِ قَدْ دَفَعْتُ عَنْهُ (قسم ہے خدا کی کہ میں نے مدافعت کی اس سے اپنی طرف سے) کل شراح نہج البلاغہ نے واسطے بیان اس قسم کے یقینی اہتمام حضرت امیرؓ کا مدافعت کو عثمانؓ کے معاملہ میں روایت کیا ہے۔ جس وقت حضرت امیرؓ عثمانؓ کے گھر اُس ایام میں آتے تھے بلوے والوں کو چابک مار مار کر ہٹا دیتے تھے اور گالی لعنت فرماتے تھے۔ اہلِ ایمان کا کام نہیں ہے کہ حضرت امیرؓ کی ان سب باتوں اور معاملوں کو نفاق اور مخالفت

ظاہر و باطن پر قیاس کریں۔ اس موقع پر تو کوئی منافق ہو جو بموجب اَلْمَرْءُ يَقِيسُ عَلٰى نَفْسِهٖ کے (آدمی اپنے اوپر قیاس کرتا ہے) وہ اس خیالِ باطل کو نسبت جناب امیرؑ کے اپنی خاطر میں جس میں خبث کے ڈھیر لگے ہیں ٹھہرائے۔ ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اور اگر بفرضِ محال نفاق تھا تو جس وقت خطبہ کوفہ میں فرمایا اُس وقت کیوں قسم کھائی عثمانؓ کے قاتلوں کے دفع کرنے پر اور کیوں بعد شہادت عثمانؓ پکار کر کہا کہ :-

اِنَّمَا مَثَلِيْ وَمَثَلُ عُثْمَانَ كَمَثَلِ اَثْوَارٍ ثَلٰثَةٍ كُنَّ فِيْ اَجَمَةٍ اَبْيَضَ وَاَسْوَدَ وَاَحْمَرَ وَمَعَهُنَّ فِيْهَا اَسَدٌ فَكَانَ لَا يَقْدِرُ فِيْهِنَّ عَلٰى شَيْءٍ لِاجْتِمَاعِهِنَّ عَلَيْهِ فَقَالَ لِلثَّوْرِ الْاَسْوَدِ وَالثَّوْرِ الْاَحْمَرِ لَا يُدِلُّ عَلَيْنَا فِيْ اَجَمَتِنَا هٰذِهٖ اِلَّا الثَّوْرُ الْاَبْيَضُ فَاِنَّ لَوْنَهٗ مَشْهُوْرٌ وَلَوْنِيْ عَلٰى لَوْنِكُمَا فَلَوْ تَرَكْتُمَانِيْ اَكَلْتُهٗ وَصَفَتْ لَكُمَا الْاَجَمَةُ فَقَالَا دُوْنَكَ فَكُلْهُ فَاَكَلَهٗ فَلَمَّا مَضَتْ اَيَّامٌ قَالَ لِلْاَحْمَرِ لَوْنِيْ عَلٰى لَوْنِكَ فَاتْرُكْنِيْ اٰكُلُ الْاَسْوَدَ فَقَالَ دُوْنَكَ فَكُلْهُ فَاَكَلَهٗ ثُمَّ قَالَ لِلْاَحْمَرِ الْاٰنَ اٰكُلُكَ فَقَالَ دَعْنِيْ اُنَادِيْ ثَلٰثًا فَقَالَ افْعَلْ فَنَادٰى ثَلٰثًا اَلَا اِنِّيْ اُكِلْتُ يَوْمَ اُكِلَ الْاَبْيَضُ ثُمَّ رَفَعَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ صَوْتَهٗ فَقَالَ اِنِّيْ هُنْتُ يَوْمَ قُتِلَ عُثْمَانُ۔

بیشک مثال میری اور مثال عثمانؓ کی ایسی ہے جیسے تین بیل کہ کسی جنگل میں تھے کہ ایک سفید تھا ایک سیاہ ایک سرخ اور ان کے ساتھ وہاں ایک شیر بھی تھا۔ پس وہ شیر ان پر کچھ قدرت نہیں پاتا تھا اس واسطے کہ اس کے مقابلے کو اکٹھے ہو جاتے تھے۔ پس شیر نے سیاہ بیل اور سرخ بیل کو کہا کہ کوئی راہ نہیں بتاتا ہے لوگوں کو ہمارے یہاں ہونے سے مگر سفید بیل اس واسطے کہ اس کا رنگ کھلا ہوا ہے اور میرا رنگ تمہارا سا رنگ ہے پس اگر تم مجھ کو چھوڑ دو تو میں اس کو کھا لوں اور یہ جنگل تمہارے واسطے صاف ہو جائے۔ دونوں نے کہہ دیا پکڑ لے اور کھا لے پھر کھا لیا اس نے۔ جب چند روز گذرے شیر نے سرخ بیل سے کہا کہ میرا تیرا رنگ ایک ہے پس اس سیاہ بیل کو مجھے کھا لینے دے۔ اس نے کہا مار لے اور کھا لے۔ شیر نے کھا لیا۔ پھر شیر نے سرخ سے کہا اب میں تجھ کو کھاتا ہوں کہا مجھ کو چھوڑ کہ تین دفعہ آواز کر لوں، کہا کر لے پھر فریاد کی تین بار کہ میں اُسی دن کھا لیا گیا ہوں جس دن کہ سفید کھا لیا گیا۔ پھر بآوازِ بلند امیر المومنینؑ نے کہا کہ سن لو میں سُبک ہو گیا ہوں اُس دن کہ عثمانؓ قتل ہوئے۔

اور یہ قصہ شہرت و تواتر کو اس حد تک پہنچا کہ فریقین کی کتابوں میں مذکور و مسطور ہے کچھ انکار کی جگہ نہیں۔ اور عبد اللہؓ بن سلام ہر روز بلوے والوں کے پاس جاتے تھے اور کہتے تھے لَا تَقْتُلُوْهُ اس واسطے کہ بعد قتل کے بڑا فتنہ و فساد اُٹھے گا۔ اور حذیفہ بن الیمانؓ کہ صاحب علم المنافقین تھے، چنانچہ حضرت امیرؓ نے بھی ان کے حق میں اس علم کی گواہی دی ہے، ہمیشہ قتلِ عثمانؓ سے ڈراتے تھے اور کہتے تھے کہ بڑے فتنوں کا

موجب ہو گا۔ اور جو دفن میں توقف ہوا یہ فسادِ عظیم کے سبب تھا کہ مدینہ منورہ میں بعد ان کے قتل کے ظاہر ہوا اور بلوے والے واہی ہر صحابی کو ڈراتے تھے اور لوگ اپنے حال میں گرفتار تھے۔ آخر رات کو کہ بلوے والے سو گئے زبیرؓ بن عوام اور حکیمؓ بن حزام اور مسورؓ بن مخرمہ اور جبیرؓ بن مطعم اور ابو جہمؓ بن حذیفہ بدری اور یسارؓ بن مکرم آدران کا لڑکا عمرو بن عثمان نے ان کو خون آلودہ کپڑوں میں جیسا کہ دستور شہیدوں کا ہے بعد ادا کرنے نماز جنازہ کے دفن کیا۔ جبیرؓ بن مطعم نے امامت کی اور ان کے تابعین سے بھی حاضر جماعت تھے۔ اُن میں سے حسن بصریؒ اور مالکؒ امام مالکؒ کے دادا بھی اور آدمیوں کے بدلے فرشتے ان کے جنازے پر حاضر ہوئے۔ چنانچہ حافظ دمشقیؒ نے مرفوعاً جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فرماتے تھے يَوْمَ يَمُوْتُ عُثْمَانُ يُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَلَائِكَةُ السَّمَاءِ (جس روز مرے گا عثمانؓ اس پر آسمان کے فرشتے نماز پڑھیں گے) راوی کہتا ہے قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عُثْمَانَ خَاصَّةً اَوِ النَّاسُ عَامَّةً قَالَ عُثْمَانَ خَاصَّةً (میں نے کہا یا رسول اللہ خاص عثمان یا عام لوگ کہا خاص عثمان) اور اس روایت کو روایت ابن ضحاک کی مدد پہنچاتی ہے جو سہم بن خنیس سے کی ہے۔

وَكَانَ مِمَّنْ شَهِدَ قَتْلَ عُثْمَانَؓ قَالَ فَلَمَّا اَمْسَيْنَا قُلْتُ لَئِنْ تَرَكْتُمْ صَاحِبَكُمْ حَتّٰى يُصْبِحَ مَثَلُوْا بِهٖ فَانْطَلَقْنَا بِهٖ اِلٰى بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ فَاَمْكَنَّا لَهٗ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ حَمَلْنَاهُ فَغَشِيَنَا سَوَادٌ مِّنْ خَلْفِنَا فَهِبْنَاهُمْ حَتّٰى كِدْنَا نَتَفَرَّقُ فَاِذَا مُنَادٍ يُّنَادِيْ لَا رَوْعَ عَلَيْكُمْ اِثْبُتُوْا فَاِنَّا جِئْنَاهُ لِنَشْهَدَهٗ وَكَانَ ابْنُ خُنَيْسٍ يَقُوْلُ هُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔

اور تھا میں اُن میں سے جو قتلِ عثمانؓ میں حاضر تھے۔ پس کہا جب شام ہوئی ہم کو ہم نے کہا کہ اگر چھوڑ دو گے اپنے صاحب کو تاکہ صبح ہو تو ضرور دشمن اس کے اعضاء جدا جدا کر ڈالیں گے۔ پس ہم بقیع الغرقد کی طرف اس کو لے گئے پھر ہم گھات میں لگے رہے اس کے واسطے آدھی رات تک پھر ہم نے اس کو اٹھایا۔ پس گھیر لیا ہم کو ایک جماعت نے پیچھے سے سو ہم ڈر گئے اُن سے یہاں تک کہ نزدیک تھا ہم بھاگ جائیں ناگہاں منادی پکارتا ہے کہ کچھ ڈر کی بات نہیں ہے تم ثابت رہو بیشک ہم بھی آئے ہیں تاکہ حاضر ہوں اس کے واسطے اور ابن خنیس کہتا تھا کہ یہ سب ملائکہ تھے۔

اور یہ جو کہا کہ صحابہؓ ہجو و مذمت کرتے تھے محض افترا ہے اور بہتان۔ یہ لو روایت اہلِ بیت کی سنو :-

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ عَلٰى بِرْذَوْنٍ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ مِّنْ نُّوْرٍ تَعْتَمَّ بِهَا وَبِيَدِهٖ قَضِيْبٌ مِّنَ الْفِرْدَوْسِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اِلٰى رُؤْيَاكَ بِالْاَشْوَاقِ

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہا میں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں گھوڑے پر سوار اور سر مبارک پر عمامہ نور کا بندھا ہوا اور ان کے ہاتھ میں ایک پتلی چھڑی باغِ فردوس کی ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں تمہارے دیدار کا مشتاق ہوں۔

وَاَرَاكَ مُبَادِرًا فَالْتَفَتَ اِلَيَّ وَتَبَسَّمَ وَقَالَ اِنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ اَضْحٰى عِنْدَنَا فِي الْجَنَّةِ مَلِكًا عُرُوْسًا وَقَدْ دَعِيْنَا اِلٰى وَلِيْمَتِهٖ فَاَنَا مُبَادِرٌ لِذٰلِكَ رَوَاهُ حُسَيْنُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَنَّاءُ الْفَقِيْهُ۔

اور تم کو دیکھتا ہوں کہ جلدی کہیں کے جانے میں کرتے ہو۔ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ بے شک عثمان بن عفان صبح میرے پاس آیا ہے جنت میں ایسے حال میں جیسے کوئی بادشاہ ہو اور دولہا۔ ہماری اُس کے بیاہ میں دعوت ہے اس واسطے میں جلدی جاتا ہوں۔

اور ابوشجاع شیرویہ دیلمی کہ مشہور محدثوں سے ہے شیعہ بھی اس کو معتبر جانتے ہیں۔ کتاب منتقی میں ابن عباسؓ سے اس خواب کو اسی طور پر لایا ہے۔ اور خواب حضرت امام حسنؓ کا بھی صحیح و مشہور الروایت ہے دیلمی بھی منتقی میں لایا ہے:۔

عَنْ حَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ مَا كُنْتُ لِاُقَاتِلَ بَعْدَ رُؤْيَا رَاَيْتُهَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعًا يَدَهٗ عَلَى الْعَرْشِ وَرَاَيْتُ اَبَا بَكْرٍ وَاضِعًا يَدَهٗ عَلٰى مَنْكِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَيْتُ عُمَرَ وَاضِعًا يَدَهٗ عَلٰى مَنْكِبِ اَبِيْ بَكْرٍ وَرَاَيْتُ عُثْمَانَ وَاضِعًا يَدَهٗ عَلٰى مَنْكِبِ عُمَرَ وَرَاَيْتُ مَا دُوْنَهٗ دَمًا فَقُلْتُ مَا هٰذَا فَقَالُوْا دَمُ عُثْمَانَ يَطْلُبُ اللّٰهُ بِهٖ لَهٗ۔

امام حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہا کہ وہ نہیں ہوں کہ لڑوں جب کہ ایسے خواب دیکھ چکا ہوں۔ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ اپنا ہاتھ عرش پر رکھے ہیں اور دیکھا ابوبکرؓ کو کہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مونڈھے پر ہاتھ رکھے ہیں اور عمرؓ کو دیکھا کہ وہ ابوبکرؓ کے مونڈھے پر ہاتھ رکھے ہیں اور عثمانؓ کو دیکھا کہ وہ عمرؓ کے مونڈھے پر ہاتھ رکھے ہیں۔ اور دیکھا میں نے ایک خون اُن سے اس طرف میں نے کہا یہ کیا ہے؟ سب نے کہا عثمان کا خون ہے کہ مطالبہ کرتا ہے اللہ اس کا بدلہ۔

وَرَوَى ابْنُ سَمَّانَ عَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَوْمَ الْجَمَلِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَبْرَءُ اِلَيْكَ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَلَقَدْ طَاشَ عَقْلِيْ يَوْمَ قَتْلِ عُثْمَانَ وَاَنْكَرْتُ نَفْسِيْ وَجَاءُوْنِيْ لِلْبَيْعَةِ فَقُلْتُ اَلَا اَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ اُبَايِعُ قَوْمًا قَتَلُوْا رَجُلًا قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَسْتَحْيِيْ رَجُلًا تَسْتَحْيِيْ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ

روایت کی ابن سمان نے قیس بن عباد سے کہ اس نے کہا میں نے حضرت علیؓ کو جمل کے دن یہ بات کہتے سنا کہ کہتے تھے بارخدایا میں بیزاری کرتا ہوں تیرے سامنے خونِ عثمان سے میری عقل عثمانؓ کے قتل سے حیران ہوئی کہ میں اپنی عادت پر نہ رہا میرے پاس لوگ بیعت کے واسطے آئے میں نے کہا کیا میں خدا سے نہ شرماؤں جو بیعت کروں اُس قوم کی جس نے عثمانؓ جیسے شخص کو مار ڈالا کہ اس کے حق میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا میں حیا نہ کروں اُس شخص سے کہ جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں

وَاِنِّيْ لَاَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ اَنْ اُبَايِعَ وَعُثْمٰنُ قَتِيْلٌ فِي الْاَرْضِ لَنْ يُّدْفَنْ بَعْدُ فَانْصَرَفُوْا فَلَمَّا دُفِنَ رَجَعَ النَّاسُ يَسْئَلُوْنَ الْبَيْعَةَ فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ مُشْفِقٌ مِمَّا اَقْدَمُ عَلَيْهِ ثُمَّ جَاءَتْ عَزِيْمَةٌ فَبَايَعْتُ فَقَالُوْا يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَكَاَنَّمَا صَدَعَ قَلْبِيْ وَرَوٰى هُوَ اَيْضًا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ اِنَّ عَلِيًّا قَالَ يَوْمَ الْجَمَلِ لَعَنَ اللّٰهُ قَتَلَةَ عُثْمَانَ فِي الْاَرْضِ وَالْجَبَلِ وَعَنْهُ اَيْضًا اِنَّ عَلِيًّا بَلَغَهٗ اَنَّ عَائِشَةَ تَلْعَنُ قَتَلَةَ عُثْمَانَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى بَلَغَ بِهِمَا وَجْهَهٗ فَقَالَ اَنَا اَلْعَنُ قَتَلَةَ عُثْمَانَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي السَّهْلِ وَالْجَبَلِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا وَرَوٰى هُوَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَقَدْ ذُكِرَ قَتْلُ عُثْمَانَ فَبَكٰى حَتّٰى بَلَّ لِحْيَتَهٗ وَعَنْ جُنْدُبٍ دَخَلْتُ عَلٰى حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ فَقَالَ لِيْ مَا فَعَلَ الرَّجُلُ يَعْنِيْ عُثْمَانَ فَقُلْتُ اَرَاهُمْ قَاتِلِيْهِ فَمَهْ قَالَ اِنْ قَتَلُوْهُ كَانَ فِي الْجَنَّةِ وَكَانُوْا فِي النَّارِ۔

اور بیشک میں شرماتا ہوں خدا تعالیٰ سے کہ بیعت لوں اس حال میں کہ عثمانؓ قتل کیا ہوا زمین پر پڑا ہے ابھی دفن نہیں کیا گیا۔ بعد اس کے وہ لوٹ گئے جب وہ دفن ہوگیا پھر آئے لوگ میرے پاس سوال کرتے ہوئے بیعت کا۔ تو میں نے کہا اے بارخدایا میں اس کام میں قدم رکھتے ڈرتا ہوں پھر ایک مہم میرے سامنے آئی تب میں نے بیعت کی۔ فرمایا علیؓ نے پھر لوگوں نے کہا اے امیرالمومنین! اس کہنے سے گویا میرا دل پھٹ گیا ایسا صدمہ ہوا۔ اور یہی ابن سمان نے روایت کی محمد بن حنفیہ سے کہ بیشک علی رضی اللہ عنہ نے جمل کے دن کہا لعنت کرے خدا عثمانؓ کے قاتلوں پر چاہے زمین میں ہوں چاہے پہاڑ میں۔ اور یہی روایت ہے محمد بن حنفیہ سے کہ علیؓ کو خبر پہنچی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا لعنت کرتی ہیں عثمانؓ کے قاتلوں پر پس دونوں ہاتھ اٹھائے اور ان کو اپنے منہ کے برابر پہنچایا اور کہا میں لعنت کرتا ہوں عثمانؓ کے قاتلوں پر خدا ان پر لعنت کرے زمین میں ہوں یا پہاڑ میں ہوں یہ بات دو بار کہی یا تین بار اور بھی اس نے یعنی ابن سمان نے روایت کی عبداللہ بن حسن بن حسین علیہم السلام سے جب کہ ذکر ہوا قتل عثمانؓ کا ان کے سامنے تو روئے یہاں تک کہ تر ہوگئی ان کی داڑھی۔ اور جندب سے روایت ہے کہ میں حذیفہ کے سامنے گیا تو مجھ سے کہا کیا حال ہوا اُس مرد یعنی عثمانؓ کا میں نے کہا کہ میں گمان کرتا ہوں کہ لوگ اس کو مار ڈالیں گے۔ تو کیا کہتا ہے؟ کہا اگر مار ڈالیں گے اس کو وہ جنتی ہوگا یہ دوزخی ہوں گے۔

یہ باتیں تو اہلِ بیت کی ہیں عثمانؓ کے قاتلوں کے حق میں اور ان کے قتل کے حق میں اور حذیفہؓ شیعہ کے نزدیک صادق الحدیث ہیں بحکم حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کہ ان کی کتابوں میں بھی موجود ہے مَا حَدَّثَكُمْ بِهٖ حُذَيْفَةُ فَصَدِّقُوْهُ (حذیفہؓ جو بات تم سے کہے اس کو سچ مانو) اور اگر تمام صحابہؓ و تابعین سے جیسا کچھ اس قتل کے معاملہ میں مروی ہے کہ کیسا کچھ قتلِ عظیم اس کو جانا ہے اور گواہی بہشت کی عثمانؓ کے حق میں اور دوزخ کی قاتلوں کے حق میں دی ہے اور جو ان سے منقول و ثابت ہے اگر ذکر کریں تو بڑے بڑے دفتر ہو جائیں

اور بھی اُنہی چند روایتوں سے ثابت ہوا کہ تین روز لاش عثمانؓ کا پڑا رہنا جو کہتے ہیں یہ بھی محض افترا و دروغ ہے سب تواریخ والوں نے اس بات کو جھوٹا ٹھیرایا ہے تکذیب اس کی تواریخ میں موجود ہے۔ اس واسطے کہ سب مؤرخ متفق ہیں کہ جمعہ کے دن اٹھارہویں ذی الحجہ کو بعد عصر عثمانؓ کو شہید کیا اور شنبہ کی شب کو بقیع میں دفن کیا بے شبہ اور جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے حق میں بشارت بے حساب قطعی جنتی ہونے کی دی ہو اور ہم کو بہ تواتر یہ خبر پہنچی ہو پھر حاجت کیا رہی جو ہم اور کسی کی گواہی چاہیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس کو مختصر کریں اور اور مطلب لکھیں۔ وَفِیمَا ذُکِرَ کِفَایَۃٌ وَلِاَهْلِ الْبَصَرِ هٰذَا اٰیَۃٌ وَّالْهَادِیْ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰی (اتنا ہی جو ہم نے لکھا ہے کافی ہے اور جن کو خدا نے آنکھیں دی ہیں ان کو راہ بتانے والا ہے اور ہدایت کرنے والا اللہ ہی ہے)۔

مطاعن اُمّ المؤمنین

یعنی عائشہ صدیقہ زوجہ محبوبہ مطہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ دس طعن ہیں

❋ **طعن اوّل** یہ کہ وہ مطہرہؓ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے بصرہ کو گئیں حالانکہ خدا تعالیٰ نے ازواج کو گھر سے نکلنے کی نہی فرمائی ہے اور منع کیا ہے اور اپنے پاکیزہ گھروں میں بیٹھے رہنے کا حکم دیا ہے۔ قولہ تعالیٰ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی الآیہ (اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور بے پردہ نہ ہو جیسے قبل اسلام سے بے پردہ ہوتی تھیں، تا آخر آیت) آں کو کیا مناسب تھا کہ ناموس رسولؐ کی محافظت نہ کی اور اُس لشکر کے ساتھ جس میں سولہ ہزار آدمی سے زیادہ اور واہی و رذیل جمع تھے نکلیں۔

❋ **جواب** اس طعن کا یہ ہے کہ گھروں میں قرار پکڑنا اور گھروں سے نہ نکلنا اگر مطلق ہوتا کسی امر کی قید نہ ہوتی تو بعد نازل ہونے اس آیت کے چاہیے تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواجؓ کو واسطے حج اور عمرہ کے نہ نکالتے نہ لڑائیوں میں ساتھ لے جاتے نہ ماں باپ کے ملنے کو نہ بیماروں کی بیمار پرسی کو نہ اقربا کی غم داری کو جانے دیتے۔ اور یہ سب قطعی باطل ہیں پس معلوم ہوا کہ مُراد اس حکم دینے اور منع کرنے سے پردہ اور حجاب ہے تاکہ مثل اُن کے جو سر پر چادر ڈال کر گلی کوچوں میں پھرتی ہیں ایسی نہ ہوں اور سفر کرنے سے پردہ حجاب کا کچھ بگاڑ نہیں ہے۔ پردہ نشین عورتیں نہایت پردہ حجاب کی رہنے والیاں بڑی بڑی

خاتونیں امرا اور بیگمات بادشاہی بھی لشکروں میں نکلتی ہیں۔ خاص کر وہ سفر جس میں مصلحت دین و دنیا کی ہو جیسے جہاد اور حج اور عمرہ پس ایسے ہی یہ سفر عائشہؓ کا بھی تھا کہ واسطے آپس کی اصلاح اور حکم قصاص خلیفۂ عادل کا جاری کرنا کہ ظلم سے مارے گئے تھے واقع ہوا۔ مثل حج اور عمرہ کے تھا۔ اگر اس زمانہ میں کوئی شخص کہے کہ فلاں عورت خانہ نشین ہے گھر سے نہیں نکلتی تو عرف عام میں کیا سمجھا جائے گا، انصاف کرنا چاہیے اور غلط فہمی کو چھوڑنا چاہیے۔

❋ **جواب دوسرا**۔ شیعہ کی کتابوں میں مشہور و متواتر ہے کہ زمانۂ خلافت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ میں جب اہل بیت کے حقوق میں غصب ہوا تو حضرت امیرؓ حضرت زہراؓ کو سوار کر کے مدینہ کے محلوں اور انصار کے مسکنوں میں گھر گھر اور در در رات کے وقت بدرخواست مدد و اعانت لیے لیے پھرے۔ اب اس موقع پر غور کرنا چاہیے کہ ننگ و ناموس کے مقدمہ میں لڑکی اگر بیوی سے بڑھ کر نہیں ہوگی تو کم بھی نہیں ہوگی اپنے گھر سے نکل کر اوروں کے گھر جانا اس کی نسبت جو گھر سے نکلے اور ڈیروں خیموں میں رہے دوسرے کے گھر نہ جائے دونوں میں کس قدر فرق ہے۔ اور معاملہ دو تین گاؤں مغصوبہ کا تھا کہ تھوڑا نقصان اُس کا اپنے ہی طرف رہتا ہے۔ اور معاملہ قتل خلیفۂ برحق کا جو بے موجب تھا اور ابھی فتنہ و فساد باہم باقی ہے جس کا ضرر کل دین کی طرف لوٹتا ہے ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔ جب وہ امر موجب طعن کے نہ ہوا تو یہ کس طرح ہوگا۔

❋ **جواب تیسرا** یہ کہ سب ازواج مطہراتؓ مثلاً اُم سلمہؓ اور صفیہؓ کہ ان کو شیعہ بھی معتبر جانتے ہیں اور مانتے ہیں حج اور عمرہ کے واسطے نکلی ہیں بلکہ اُم سلمہؓ اس سفر میں مکہ تک شریک تھیں اور چاہتی تھیں کہ ہمراہ عائشہؓ کے نکلیں عمر بن ابی سلمہ ان کے بیٹے نے بسبب مصلحتوں فریبہ کے منع کیا اور جب خدا تعالےٰ نے ازواج مطہراتؓ کے پردے اور حجاب کے ساتھ نکلنے کو فرمایا ہے پھر تو طعن و تشنیع کرنا گھاس کھانا کیا بلکہ ژاژ چبانا ہے قولہ تعالیٰ:۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔

اے پیغمبر! کہہ اپنی ازواج اور لڑکیوں کو اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہ ڈال لیں اپنے منہ پر تھوڑا اپنی چادر کا، یہ اس بات سے قریب ہے کہ پہچانی جائیں پس کوئی ایذا نہ دے، اور ہے خدا بخشنے والا مہربان۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نزول اس آیت کے فرمایا:۔

اُذِنَ لَکُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِکُنَّ

اجازت دی گئی تم کو کہ اپنی حاجت کے واسطے باہر نکلو۔

ہاں البتہ عورتوں کی مسافرت محرم کے ساتھ ہونا شرط ہے۔ اور اس سفر میں عبداللہ بن زبیرؓ ان کے حقیقی بھانجے ہمراہ تھے اور طلحہؓ بن عبیداللہ ان کی بہن کے شوہر اور ام کلثومؓ ابوبکرؓ کی بیٹی اور زبیرؓ بن عوام دوسری بہن کے شوہر اور اسماء ابی بکرؓ کی بیٹی اور ان دونوں کی اولاد یہ سب ساتھ تھے۔ ابن قتیبہ جس کی تاریخ پر شیعہ کو کتاب اللہ سے بھی زیادہ اعتماد ہے اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

لَمَّا بَلَغَهَا بَيْعَةُ عَلِيٍّ اَمَرَتْ اَنْ يُّعْمَلَ لَهَا هَوْدَجٌ مِّنْ حَدِيْدٍ وَّ جَعَلَ فِيْهَا مَوْضِعَ الدُّخُوْلِ وَالْخُرُوْجِ فَخَرَجَتْ وَاَبْنَاءُ الطَّلْحَةِ وَالزُّبَيْرِ مَعَهَا۔

جب علیؓ کی بیعت لے لینے کی عائشہؓ کو خبر پہنچی تو حکم کیا کہ ایک کجاوہ لوہے کا بنایا جائے جس میں گھسنے نکلنے کی جگہ ہو۔ پس خروج کیا عائشہؓ نے اور ان کے ساتھ طلحہؓ اور زبیرؓ کے لڑکے تھے۔

نیز ازواج مطہراتؓ پیغمبرؐ کی تمام امت کے مردوں کی ماں ہیں اور یہ سب ایسے ہیں جیسے ان کے بیٹے۔ اس صورت میں اس کو ہر شخص امت کے ساتھ خروج کرنا درست ہے۔ یہی مذہب تمام علمائے امت کا ہے۔ اسی واسطے خلیفہ ثانیؓ نے اپنے وقت میں جو ازواج مطہراتؓ کو حج کے واسطے بھیجا عثمانؓ و عبدالرحمنؓ بن عوف کے ساتھ کیا اور کہا اِنَّكُمَا وَلَدَانِ بَارَّانِ لَهُنَّ (بے شک تم دونوں سعادت مند بیٹے ہو امہات مومنینؓ کے پس ایک تم سے ان کی سواری کے آگے رہے اور ایک پیچھے)۔

اور ان سب باتوں کو جانے دو جب بھی تو وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى صریح دلالت کرتا ہے کہ مطلق نکلنے کو منع نہیں فرمایا ہے بلکہ بے پردہ نکلنے کو مع زینت اور زیور اور لباس رنگین دکھانے کو جیسے رسم اسلام سے پہلے جاہلیت کی تھی پس نہی خود ساقط ہو کر قابل دستاویز کے نہ رہی۔ اب ہم اس کا بیان کرتے ہیں جو امر ہے وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ بارہا پہلے سے معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک امر وجوب کے واسطے مقرر نہیں ہے کہ جس کے خلاف کرنے میں کوئی اندیشہ ہو۔

طعن دوم یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو عثمانؓ کے خون کی جستجو میں سفر کیا ان کو اُن کے خون سے کیا علاقہ کچھ اُن کی وارث نہ تھیں نہ کچھ اُن سے ان کی قرابت۔ اس سے معلوم ہوا کہ امیرالمومنینؓ کی بغض و کدورت ان کو تھی اسی واسطے یہ فتنہ اٹھایا اور طرفہ یہ کہ پہلے خود لوگوں کو عثمانؓ کے مار ڈالنے کی ترغیب دلاتی تھیں اور کہتی تھیں اُقْتُلُوْا نَعْثَلًا چنانچہ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے :-

اِنَّ عَائِشَةَ اَتَاهَا خَبَرُ بَيْعَةِ عَلِيٍّ وَكَانَتْ خَارِجَةً مِّنَ الْمَدِيْنَةِ فَقِيْلَ لَهَا قُتِلَ عُثْمَانُ وَبَايَعَ النَّاسُ عَلِيًّا فَقَالَتْ

بے شک جب عائشہؓ کو خبر بیعت علیؓ کی پہنچی کہ اس وقت وہ مدینہ سے باہر تھیں لوگوں نے ان سے کہا کہ عثمان مارے گئے اور علیؓ سے لوگوں نے بیعت کی تو کہا

مَا اُبَالِيْ اَنْ تَقَعَ السَّمَاءُ عَلَى الْاَرْضِ قُتِلَ وَاللّٰهِ مَظْلُوْمًا وَّاَنَا طَالِبَةٌ بِدَمِهٖ فَقَالَ لَهَا عُبَيْدٌ اَوَّلُ مَنْ حَمَشَ عَلَيْهِ وَاَطْمَعَ قُلْتِ فِيْ قَتْلِهِ النَّاسَ اِلَّا اَنْتِ وَلَقَدْ قُلْتِ اُقْتُلُوْا نَعْثَلًا فَقَدْ فَجَرَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ قَدْ وَاللّٰهِ قُلْتُ وَقَالَ النَّاسُ فَقَالَ عُبَيْدٌ فَمِنْكِ الْبَدَاءُ وَمِنْكِ الْغَيْرُ وَمِنْكِ الرِّيَاحُ وَمِنْكِ الْمَطَرُ وَاَنْتِ اَمَرْتِ بِقَتْلِ اِمَامٍ وَقُلْتِ لَنَا اِنَّهٗ قَدْ فَجَرَ۔

میں کچھ پروا نہیں کرتی چاہے آسمان زمین پر گر پڑے قسم خدا کی کہ وہ مظلوم مارے گئے اور میں ان کے خون کا مطالبہ کروں گی تو عبید نے ان سے کہا کہ اول شخص تو تم ہی ہو جس نے ان کے قتل پر لوگوں کو ورغلایا اور طمع دلائی اُن کے مار ڈالنے پر سوا تمہارے کون ہے تم نے کہا کہ مار ڈالو نعثل کو کہ وہ فاجر ہو گیا ہے۔ تب کہا عائشہؓ نے بے شک قسم خدا کی میں نے کہا اور لوگوں نے بھی کہا۔ پھر کہا عبید نے تم ہی سے ابتدا ہے اور تم ہی سے ہوا اس کے اور تم ہی سے ہوا ہے اور تم ہی سے مینھ اور تم ہی نے حکم امام کے مار ڈالنے کا کیا اور ہم سے کہا کہ وہ فاجر ہو گیا۔

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ خون خلیفہ عادل کا سب مسلمانوں کا حق ہے کہ دعویٰ کریں، وارثوں کی کچھ خصوصیت نہیں اس واسطے کہ خلیفہ عادل سب مسلمانوں کا نائب ہے ان کے مال کی حفاظت اور تقسیم غنیمتوں میں اور حضرت عائشہؓ کہ ام المومنین اور زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھیں کیوں کر نہ اس کے درپے ہوں اور احکام الٰہی جن میں عمدہ قصاص ہے اور خاص کر ایسے مظلوم کا قصاص کہ کوئی وجہ شرعی نہ تھی باوصف خلافت اور ریاست کے مار ڈالا کیوں نہ نکلتیں اور نہ آمادہ ہوتیں اور ہاتھ پاؤں نہ مارتیں اور یہ نہایت ہی بعید ہے کہ عائشہؓ کو علیؓ سے یا علیؓ کو عائشہؓ سے بغض ہو اور ہر ایک نے ایک دوسرے کی فضیلتیں اور تعریفیں نقل کی ہیں۔

اَخْرَجَ الدَّيْلَمِيُّ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُبُّ عَلِيٍّ عِبَادَةٌ۔

روایت کی دیلمی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا عائشہؓ نے کہ فرمایا رسول اللہ علیہ وسلم نے محبت علیؓ کی عبادت ہے۔

اور نکلنا ان کا بارادہ لڑائی امیرؓ کے نہ تھا محض واسطے مصلحت آپس کے اور پورا کرنے قصاص عثمانؓ کے اور لشکر امیرؓ سے قاتلوں کا نکال دینا تاکہ طلحہؓ اور زبیرؓ اور اور صحابہؓ جو عثمانؓ کے قاتلوں کی باتوں سے وہم میں پڑ کر بھاگ گئے تھے باطمینان خاطر شریک حضرت امیرؓ کے ہوں اور ان کے اتفاق سے خلافت کے کام کا بخوبی انتظام ہو اور معاویہؓ اور دیگر باغی بھی خبردار ہو جائیں حد حساب سے نہ گزریں۔ اور قطعاً تواریخ سے معلوم ہے کہ عثمانؓ کے قاتل ان کو قتل کر کے طلحہؓ اور زبیرؓ اور دیگر صحابہؓ کو ڈراتے تھے کہ ان کو بھی مار ڈالیں گے اور نفاق کی باتیں ان سے برملا ظاہر ہوتی تھیں عائشہؓ کا لوگوں کو عثمانؓ کے

قتل کی حرص دلانا اور ان کو نعثل کہنا سب ان کے افترا ہیں۔ جو ابن قتیبہ اور ابن اعثم کوفی اور سمساطی ہیں یہ سب جھوٹے مشہور ہیں اور جمل کی لڑائی اور لڑائیوں میں بہت باتیں ان کی مذکور ہیں کہ سنی شیعہ دونوں کے نزدیک وہ سب خاص افترا اور نرا بہتان ہے اور سخت بے انصافی کہ حضرت عائشہؓ کے حق میں کہ محبوب بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھیں خدا و رسولؐ کی گواہی کو طاق پر رکھ دیا اور جھوٹی باتوں کے درپے ہوئے اور چند اخوان الشیاطین کوفیوں سے بے ایمان ان کے پیرو قولہ تعالیٰ:۔

اَلطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ۔	عورتیں پاک لائق مردوں کے ہیں اور مرد پاک لائق پاک عورتوں کے، یہ گروہ بری ہیں اُس سے جو لوگ کہتے ہیں۔ انہی کے واسطے بخشش ہے اور رزق باحرمت۔

اہل سنت کیوں کر ایسی خبر ابن قتیبہ کو حق میں حضرت عائشہؓ کے یقین کریں اس حال میں کہ ترمذی و ابن ماجہ اور ابو حاتم رازی نے بطریق متعددہ روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی تھیں:۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ یَا عُثْمَانَ لَعَلَّ اللّٰهُ یُقَمِّصُكَ قَمِیْصًا فَاِنْ اَرَادُوْكَ عَلٰى خَلْعِهٖ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ ثَلَاثًا۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمانؓ سے اے عثمان! شاید اللہ تعالیٰ تجھ کو ایک پیراہن پہناوے، پس اگر چاہیں کہ تجھ سے اُتاریں تو مت اس کو ان کے واسطے اُتار۔ اور یہ لفظ تین بار کہا تاکیدًا۔

طعنِ سوم یہ کہ حضرت عائشہؓ نے مخالفت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کی اور اس مخالفت پر اصرار کیا جمل کی لڑائی میں تفصیل اس کی یہ ہے کہ نعیم بن حماد کتاب الفتن اور محمد بن مسکویہ تجارب الامم اور ابن قتیبہ کتاب السیاست میں لائے ہیں کہ جب لشکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا راہ میں ایک پانی پر پہنچا کہ اُس کو حوأب کہتے ہیں وہاں کے کُتوں نے چلانا شروع کیا۔ حضرت عائشہؓ نے محمد بن طلحہ سے کہا کہ اس پانی کا کیا نام ہے؟ محمد نے کہا حوأب کہتے ہیں۔ عائشہؓ نے کہا مجھ کو لوٹا لے چلو۔ محمد بن طلحہ نے پوچھا کیوں؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اپنی ازواج سے کہتے تھے كَاَنِّیْ بِاِحْدٰىكُنَّ تَنْبَحُهَا كِلَابُ الْحَوْاَبِ فَاِیَّاكِ اَنْ تَكُوْنِیْ یَا حُمَیْرَاءُ (گویا کہ میں دیکھتا ہوں ایک کو تم سے کہ اُس کے مقابلے میں کُتے بھونکتے ہیں حوأب کے پس بچا تو اے حمیرا اپنے کو کہ تو ہو) پھر باوجود یاد کرنے اس نہی کے مخالفت پر اصرار کیا، اور لوٹیں نہیں۔

جواب اِس طعن کا یہ ہے کہ ارادہ لوٹنے کا تو حضرت عائشہؓ کا اِس روایت سے بھی ثابت ہے

جیسا کہ اہل سنت کی روایتوں میں بتصریح ہے کہ فرمایا رُدُّوْنِیْ رُدُّوْنِیْ (لوٹاؤ مجھ کو لوٹاؤ مجھ کو) لیکن اہل سنت کی روایتوں میں تتمہ اس قصہ کا یوں صحیح ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے لوٹنے کے مقدمہ میں توقف کیا لشکر والے لوٹنے میں ان کے ساتھ موافقت نہیں کرتے تھے آپس میں اس بات کا جھگڑا تھا۔ اس درمیان میں مروان بن حکم اور اور لشکر کے لوگ قریب اسّی آدمیوں کے گرد نواح کے کسانوں سے لائے اور گواہی دلائی کہ اس پانی کا نام حوأب نہیں ہے یہ اور پانی ہے۔ پس عائشہؓ آگے روانہ ہوئیں۔ یہ جواب اس طعن کا موافق روایت کے ہے۔ لیکن بموجب درایت کے دوسرا جواب بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث میں پانی پر ہوکر گزرنا واقع نہیں ہے نہ کچھ اس کا اشارہ۔ اور حدیث سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے اتنا ہی ہے کہ ایک کو تم سے یہ مصیبت پیش آئے گی، اور واقعی وہ حادثہ بڑی مصیبت کی بات تھی کہ باعث خفت حرم محترم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی۔ اور جو کام کہ مقصود تھا یعنی آپس کی مصالحت اس کی درستی نہ ہوئی مفت میں مقابلہ مسلمانوں کا ہو گیا۔ اور حدیث سے زیادہ اس سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا پس اس حدیث سے نہی سمجھنا اور بعد اس کے مخالفت اور اصرار بر مخالفت کی نسبت کرنا کس راہ سے ہو سکتا ہے خصوصًا لفظ اِیَّاكِ اَنْ تَكُوْنِیْ یَا حُمَیْرَاءُ معتبر کتابوں میں اہل سنت کے اس کا کچھ وجود نہیں اور اگر بالفرض موجود بھی ہو تو اُس قسم سے ہے جیسے کوئی عاقل اپنے اہل و عیال اور ازواج کو ڈراتا ہے کسی آفت سے جس کا وقوع معلوم ہے یا گمان میں ہے مثلاً پُر خوف راہیں اور بد تدبیریاں گھر کی اور یہ ڈرانا نہی شرعی نہیں ہو جاتا ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس قسم کے امور عمل میں لاتے تھے پس جب تک کہ صریح نہی شرعی نہ ہو اس کی مخالفت کو معصیت کہنا کمال تعصب اور عناد ہے۔ حضرت امیرؓ کو جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو جا کر جو تقید واسطے نماز تہجد کے کی تو صریح جواب میں کہا وَاللّٰهِ لَا نُصَلِّیْ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (قسم ہے خدا کی ہم نہیں پڑھیں گے مگر جو کچھ اللہ نے ہمارے واسطے لکھا ہے) اور جنابؐ وہاں سے پھرے اور اپنی رانیں پیٹتے تھے اور فرماتے تھے وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا۔ اِس مخالفت کو اور اُس مخالفت کو تولنا چاہیے اور اِس اصرار کو اور اُس اصرار کو باہم وزن کریں۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ اِس اصرار میں معذور تھیں کیوں کہ مکہ مکرمہ سے نکلتے وقت نہیں جانتی تھیں کہ اِس راہ میں وہ چشمہ جس کا حوأب نام ہے ملے گا اور اس پر ہو کر گزرنا پڑے گا، جب وہاں پہنچیں اور جانا ارادہ لوٹنے کا مصمم کیا لیکن لوٹنا ان کو میسر نہ ہوا۔ کسی اہل لشکر نے لوٹنے میں اُن کا ساتھ نہ دیا اور حدیث میں بھی بعد ظاہر ہونے اس واقعے کے کچھ ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ پھر کیا کرنا چاہیے۔ ناچار بقصدِ مصالحت آپس کے کہ بلاشبہ اچھے کاموں سے ہے آگے کو روانہ ہوئیں کہ حالت حضرت عائشہؓ کی اِس جانے میں ایسی ہے کہ ایک بچے کو کسی نے

دور سے دیکھا کہ کنوئیں میں گرنا چاہتا ہے بے اختیار اس کے بچانے کو دوڑا اور اُسی دوڑنے میں ایک نماز پڑھنے والے کے سامنے ہوکر نکلنا پڑا اس کو تدارک نمازی کے سامنے ہوکر نکلنے کی اطلاع حاصل ہے کہ میں نماز پڑھنے والے کے سامنے ہوں۔ اگر پیچھے ہوکر جاتا ہوں بچہ کنوئیں میں گرا جاتا ہے اور نمازی کے سامنے ہی ہوکر نکلا۔ اِس نکلنے پر اس کا تدارک نہیں ہوسکتا ہے۔ ضرور اس بچہ کے بچانے کی صورت کرے گا اور اس نکلنے کو اس کے حق میں معاف کریں گے۔

طعنِ چہارم یہ کہ لشکر عائشہ رضی اللہ عنہا کا جب بصرہ میں پہنچا تو بیت المال کو لوٹا اور حضرت امیرؓ کے عامل کو کہ عثمانؓ بن حنیف انصاری تھے اور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکال دیا اور اہانت کی۔

جواب اس طعن کا یہ کہ یہ باتیں حکم و رضا حضرت عائشہؓ سے ظہور میں نہیں آئیں۔ چنانچہ بعد وقوع اس واقعہ کے عثمانؓ بن حنیف انصاری کی رضا جوئی میں مقدور سے زیادہ کوشش کی اور عذر کیے۔ اور اس واقعہ کی طرح حضرت امیرؓ کے لشکر والوں سے بھی ہوا جس میں مالک اشتر وغیرہ تھے جنھوں نے کوفہ میں ابو موسیٰ اشعریؓ کو ذلیل کیا اور گھر پھونک دیا اور اسباب لوٹ لیا۔ اگر محل طعن ہے تو دونوں جگہ ہے اور وہاں نہیں ہے تو یہاں بھی نہیں ہے اس کے ساتھ فرق بھی ہے کہ بیت المال سب مسلمانوں کا حق ہے اور طلحہؓ اور زبیرؓ نے پہلے عثمانؓ بن حنیف کو کہلا بھیجا تھا کہ ہمارے ساتھ مسلمانوں کی جماعت ہے جو عثمانؓ کا قصاص لینے کو جمع ہوئے ہیں خرچ راہ جو ہم لائے تھے تمام ہوگیا اگر بیت المال کا مال ہمارے پاس لاؤ تو ان کو تقسیم کر دیں۔ عثمانؓ بن حنیف نے جب اس سے انکار کیا اور لڑائی کو مستعد ہوا بلکہ لشکر کے لوگوں کو شہر میں گھسنے سے روکا اور دانہ گھاس اور خوراک و طعام لوگوں پر بند کیا اور دور نہ تھا کہ لشکر بسبب نہ ملنے دانہ چارے اور قوت کے تلف ہوجائے۔ ناچار دفعیہ اس سخت معاملہ کا کیا۔ جب واہی لوگ لشکر کے اور اجلافِ عرب کہ ایسے لوگ جیسا چاہیے ویسے تابع اور کسی کے حکم میں نہیں ہوتے شہر میں آئے بیت المال کو اپنا حق جانتے تھے لوٹ لیا اس صورت میں کون سا موقع غصہ اور ملامت کا ہے اور سوائے چناں و چنیں ہونے کے کوئی اہلِ سنت سے معتقد اس کا نہیں ہے کہ عائشہؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ معصوم تھے ایسی خطا ممکن نہیں، سو رہ گیا تمام لشکر کہ جن سے کوئی امر صادر ہو اور وہ امر لشکر والوں کا ان کی نسبت جو اعتقاد ہے اس میں خلل ڈالے اور اس صورت میں کہ طلحہؓ اور زبیرؓ قتل ہوئے اور حضرت عائشہؓ کی اہانت ہوئی اور حضرت امیرؓ کے لشکر والوں سے یہ امر ظہور میں آئے۔ جب یہ امر محل ان کے اعتقاد کے نہیں ہوئے تو وہ کس طرح ہوں گے اور مرتبہ طلحہؓ اور زبیرؓ اور عائشہؓ کا معلوم ہے کہ عثمانؓ بن حنیف سے اور ان سے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان سے جو امور صادر ہوئے وہ کب مخل ان کے اعتقاد کے ہوتے۔

عَنْ جَحْشِ بْنِ زِيَادٍ الضَّبِّيِّ قَالَ سَمِعْتُ الْأَحْنَفَ بْنَ قَيْسٍ يَقُوْلُ لَمَّا ظَهَرَ عَلِيٌّ عَلٰى أَهْلِ الْجَمَلِ أَرْسَلَ إِلٰى عَائِشَةَ ارْجِعِيْ إِلَى الْمَدِيْنَةِ قَالَ فَأَبَتْ قَالَ فَأَعَادَ إِلَيْهَا الرَّسُوْلَ وَاللّٰهِ لَتَرْجِعَنَّ أَوْ لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكِ نِسْوَةً مِّنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ مَعَهُنَّ شِفَارٌ حِدَادٌ يَأْخُذْنَكِ بِهَا فَلَمَّا رَأَتْ ذٰلِكَ خَرَجَتْ رَوَاهُ أَبُوْ بَكْرِ ابْنُ أَبِيْ شَيْبَةَ فِي الْمُصَنَّفِ۔

طعنِ پنجم۔ عائشہؓ نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا بھید فاش کیا بموجب نص قرآن کے:۔

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلٰى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ۔

اور جس وقت کہ چھپا کر ایک بات پیغمبرؐ نے کہی اپنی بعض ازواجؓ سے۔ پس جب خبر دی اُس عورت نے اُس بات کی اور ظاہر کر دی اللہ تعالیٰ نے پیغمبرؐ پر یہ بات تو بعض کو اس نے جتلایا اور بعض سے اعراض کیا یعنے نہیں جتایا۔ پھر جب خبر دی پیغمبرؐ نے اُس عورت کو تو پوچھا کہ کس نے تجھ کو یہ بات جتائی، کہا مجھ کو خبر دی اُس نے جو اس کا جاننے والا تھا اور خبردار۔

جواب اِس کا یہ ہے کہ باتفاق مفسروں کے یہ بھید حفصہؓ نے فاش کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ماریہ قبطیہ کے ساتھ بستر پر دروازہ کی درز سے دیکھا آپ نے اُن کو منع کیا کہ اِنِّیْ حَرَّمْتُ مَارِيَةَ عَلٰى نَفْسِيْ فَاكْتُمِيْ عَلَيَّ وَلَا تُفْشِيْهِ (میں نے حرام کیا ماریہ کو اپنے اُوپر تو اس بھید کو میرے چھپائے رکھ اور فاش مت کر) پس حضرت حفصہؓ گئیں اور اس بات سے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہ کو اپنے اُوپر حرام کر لیا نہایت فرحت و سرور حاصل ہوا کہ مارے خوشی کے بھید چھپانے سے غافل ہوگئیں اور خوش خوش یہ خوشخبری عائشہؓ پر ظاہر کی اور ماریہ سے بھی اس کا ذکر کیا اور ان کو ایسا گمان ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بات کے چھپانے کو مجھ سے کہا ہے جو میں نے دروازہ کی درز سے دیکھی ہے نہ یہ کہ ماریہ کو اپنے اُوپر حرام کرنے کو کہا ہے کہ کسی سے مت کہنا۔ پس عائشہؓ پر اس بھید کو فاش کرنے کی بالکل افترا اور تہمت ہے۔ اور حفصہؓ سے جو کچھ وقوع میں آیا وہ بھی اہلِ سنت کے اعتقاد میں خلل انداز نہیں۔ اس واسطے کہ اگر امر بغرض وجوب کے ہے نہ ندب کے تو حد درجہ یہ کہ گناہ ہوگا۔ اور آیت اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ صریح جتاتی ہے کہ اس معصیت سے توبہ مقبول ہے۔ اور باتفاق ثابت ہے کہ حفصہؓ نے توبہ کی اور مقبول ہوئی۔ چنانچہ آخر عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک ازواج میں داخل رہیں اور خوشخبری پائی۔ مجمع البیان میں کہ شیعہ کی معتبر تفسیروں میں سے ہے، طبرسی کہتا ہے:۔

قِيْلَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسَمَ الْأَيَّامَ بَيْنَ نِسَائِهِ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ حَفْصَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِيْ إِلَى أَبِيْ حَاجَةً فَأْذَنْ لِيْ أَنْ أَزُوْرَهُ فَأَذِنَ لَهَا فَلَمَّا خَرَجَتْ أَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جَارِيَتِهِ مَارِيَةَ الْقِبْطِيَّةِ أُمِّ إِبْرَاهِيْمَ وَقَدْ كَانَ أَهْدَاهَا لَهُ الْمُقَوْقِسُ فَأَدْخَلَهَا بَيْتَ حَفْصَةَ فَوَقَعَ عَلَيْهَا فَأَتَتْ حَفْصَةُ فَوَجَدَتِ الْبَابَ مُغْلَقًا فَجَلَسَتْ عِنْدَ الْبَابِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوَجْهُهُ يَقْطُرُ عَرَقًا فَقَالَتْ حَفْصَةُ إِنَّمَا أَذِنْتَ لِيْ مِنْ أَجْلِ هٰذَا أَدْخَلْتَ أَمَتَكَ بَيْتِيْ ثُمَّ وَقَعْتَ عَلَيْهَا فِيْ يَوْمِيْ وَعَلَى فِرَاشِيْ أَمَا رَأَيْتَ لِيْ حُرْمَةً وَحَقًّا فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَيْسَ هِيَ جَارِيَتِيْ قَدْ أَحَلَّ اللّٰهُ ذٰلِكَ لِيْ اُسْكُتِيْ فَهِيَ حَرَامٌ عَلَيَّ أَلْتَمِسُ بِذٰلِكَ رِضَاكِ وَلَا تُخْبِرِيْ بِذٰلِكَ امْرَأَةً مِنْهُنَّ وَهُوَ عِنْدَكِ أَمَانَةٌ فَلَمَّا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَعَتْ حَفْصَةُ الْجِدَارَ الَّذِيْ بَيْنَهَا وَبَيْنَ عَائِشَةَ فَقَالَتْ أَلَا أُبَشِّرُكِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ حَرَّمَ عَلَيْهِ أَمَتَهُ مَارِيَةَ وَقَدْ أَرَاحَنَا اللّٰهُ

لوگوں نے کہا ہے کہ بیشک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں دن بانٹ دیئے تھے۔ یعنے باری مقرر کردی تھی پس جب حفصہؓ کی باری کا دن ہوا تو کہا اے رسولِ خدا! (صلے اللہ علیہ وسلم) مجھ کو اپنے باپ سے کچھ کام ہے آپ اجازت دیں تو اُن سے مل آؤں۔ تو اجازت دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ جب وہ باہر گئیں تو آپ نے ماریہ قبطیہ کے پاس آدمی بھیجا کہ اُن ابراہیم کی تھیں اور مقوقس بادشاہ مصر نے اُن کو تحفے میں بھیجا تھا۔ اور اُن کو حفصہؓ کے گھر میں بُلالیا اور اُن سے صحبت رکھی۔ پھر آئیں حفصہؓ تو دروازہ اُس کا بند پاکر دروازے کے نزدیک بیٹھ گئیں۔ پھر نکلے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم اس حال سے کہ اُن کے مُنہ سے پسینہ ٹپکتا تھا۔ یہ دیکھ کر حفصہؓ نے کہا کہ مجھ کو اسی واسطے اجازت دی تھی کہ میرے گھر میں اپنی چھوکری کو بُلایا اور اُس سے صحبت کی کہ یہ دن میری باری کا تھا اور میرا ہی بستر۔ آیا میرے حق پر نظر نہ کی نہ میری حُرمت پر۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آیا نہیں ہے وہ چھوکری میری کہ حلال کی ہے اللہ نے مجھ پر، خاموش ہو۔ پس یہ کنیز حرام ہے مجھ پر، میں اِس طرح تیری رضا جوئی کرتا ہوں اور اور کسی کو ازواج سے اس ماجرے پر خبردار مت کر یہ بات تیرے پاس میری امانت ہے پھر جب باہر آئے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم تو سوراخ کیا حفصہؓ نے اُس دیوار کو جو اُن کے اور عائشہؓ کے درمیان میں تھی۔ اور کہا خبردار ہو میں تم کو خوشخبری سُناتی ہوں کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھوکری ماریہ قبطیہ کو اپنے اُوپر حرام کرلیا اور ہم کو اللہ نے اُس کی طرف سے چین پر کردیا۔

مِنْهَا وَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ بِمَا رَأَتْ وَكَانَتَا مُتَصَافِيَتَيْنِ مُتَظَاهِرَتَيْنِ عَلَى سَائِرِ أَزْوَاجِهِ فَنَزَلَتْ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ فَاعْتَزَلَ نِسَائَهُ تِسْعَةً وَعِشْرِيْنَ يَوْمًا وَقَعَدَ فِيْ مَشْرَبَةِ أُمِّ إِبْرَاهِيْمَ مَارِيَةَ حَتّٰى نَزَلَتْ آيَةُ التَّخْيِيْرِ وَقِيْلَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَا يَوْمًا لِعَائِشَةَ مَعَ جَارِيَتِهِ الْقِبْطِيَّةِ فَوَقَفَتْ حَفْصَةُ عَلَى ذٰلِكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُعْلِمِيْ عَائِشَةَ بِذٰلِكَ وَحَرَّمَ مَارِيَةَ عَلَى نَفْسِهِ فَأَعْلَمَتْ حَفْصَةُ عَائِشَةَ رضـ وَاسْتَكْتَمَتْهَا إِيَّاهُ فَأَطْلَعَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ عَلَى ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُهُ وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيْثًا يَعْنِيْ حَفْصَةَ وَلَمَّا حَرَّمَ مَارِيَةَ الْقِبْطِيَّةَ أَخْبَرَ حَفْصَةَ أَنَّهُ يَمْلِكُ مِنْ بَعْدِهِ أَبُوْ بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ فَعَرَّفَهَا بَعْضَ مَا أَفْشَتْ مِنَ الْخَبَرِ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْلِكَانِ بَعْدِيْ وَقَرِيْبٌ مِنْ ذٰلِكَ مَا رَوَاهُ الْعَيَّاشِيُّ بِالْإِسْنَادِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَطَاءٍ الْمَكِّيِّ عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَّا أَنَّهُ زَادَ فِيْ ذٰلِكَ أَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا حَدَّثَتْ أَبَاهَا بِذٰلِكَ فَعَاتَبَهُمَا فِيْ أَمْرِ مَارِيَةَ وَمَا أَفْشَتَا عَلَيْهِ مِنْ ذٰلِكَ وَأَعْرَضَ عَنْ أَنْ يُعَاتِبَهُمَا فِي الْأَمْرِ

اور جو کچھ دیکھا تھا اُس سے عائشہؓ کو خبردار کردیا۔ اور یہ دونوں آپس میں دوست متفق تمام ازواج کے مقابلہ میں تھیں۔ پس نازل ہوئی یہ آیت اے نبیؐ! کیوں حرام کی تُو نے وہ چیز کہ حلال کی اللہ تعالیٰ نے تجھ پر۔ پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج سے صحبت چھوڑدی اُنتیس دن اور بیٹھے بالاخانہ پر ماریہ کے جو ابراہیم کی ماں تھیں۔ یہاں تک کہ آیت تخییر کی نازل ہوئی۔ بعض نے کہا ہے کہ بیشک پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے خلوت کی ایک دن کہ جس دن باری عائشہؓ کی تھی کنیزک قبطیہ کے ساتھ پس حفصہؓ اسی حال میں آپڑیں تو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے کہ عائشہؓ کو اس حال سے خبردار مت کرنا۔ اور حرام کیا ماریہ کو اپنے اُوپر۔ پس خبردار کیا عائشہؓ کو حفصہؓ نے اور کہا کہ کسی سے نہ کہنا، اس بات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو مطلع کردیا کہ وہ قول اللہ تعالیٰ کا یہ ہے وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيْثًا یعنے بعض میں حفصہؓ ہے۔ اور جب حرام کیا ماریہ قبطیہ کو اپنے اُوپر خبر دی حفصہؓ کو کہ میرے بعد خلیفہ ہوں گے ابوبکرؓ اور عمرؓ پھر اقرار کیا حفصہؓ سے بعض بات کا جو کچھ فاش کی تھی اور بعض سے اعراض کیا کہ بیشک ابوبکرؓ و عمرؓ میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔ اور اسی کے قریب قریب ہے جو کچھ عیاشی نے روایت کی ہے بالاسنا عبداللہ بن عطار کی سے اور ابی جعفر علیہ السلام سے مگر اتنا زیادہ کیا ہے اس روایت میں کہ ہر ایک نے ان دونوں عورتوں سے اپنے باپوں کو اس بشارت سے خبردار کردیا تب غصہ فرمایا رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ماریہ کے مقدمہ میں اس بات پر کہ انھوں نے آپؐ کا بھید کہہ دیا اور ایک مقدمے میں عتاب کیا اور دوسرے مقدمے میں عتاب سے

اِلْاَذْخِرَ انتھٰی۔ || اعراض فرمایا انتھٰی۔

الحاصل دو بھید تھے ایک تو ماریہ کے مقدمہ میں دوسرا خلافت ابوبکرؓ و عمرؓ کے مقدمہ میں پہلے پر عتاب کیا دوسرے سے اعراض فرمایا۔ اس روایت سے صریحاً معلوم ہوا کہ بھید حفصہؓ سے فاش ہوا نہ کہ عائشہؓ سے۔ اور حفصہؓ نے بھی بسبب نہایت فرحت و شادمانی کے عائشہؓ سے کہدیا کچھ یہ قصد نہ تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا بھید کہدوں جو قصد گناہ کا سمجھا جائے، غلبۂ سرور و فرحت سے امساک بھید کا نہ ہوسکا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بموجب روایت عیاشی کے جو امام باقرؒ سے کی ہے کہ عمدہ اخبار میں شیعہ سے ہے معلوم ہونا خلافت شیخینؓ کا آپ کو اور اس کے افشا پر عتاب نہ کرنا صریح دلیل رضا کی ہے، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى وُضُوْحِ الْحُجَّةِ (یعنے اللہ کا احسان ہے کہ خوب واضح حجت حاصل ہوئی) اور جب خلافت شیخینؓ کی آپ کو وحی سے معلوم تھی پھر نص خلافت حضرت امیرؓ کی کرنا مخالفت خدا کی کرنا ہے اور انبیاءؑ خلاف تقدیر الٰہی کے دعا نہیں کرتے نہ کہ موقوفی بحالی خلافت کی۔ قولہ تعالیٰ:۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ۔ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ۔

پس جب ابراہیمؑ سے خوف جاتا رہا اور بشارت پہنچی تو لڑتا تھا ہم سے قوم لوط کی نجات کے مقدمہ میں بیشک ابراہیمؑ بردبار ہے اور نرم دل اور خدا کی طرف رجوع ہونے والا۔ اے ابراہیمؑ منہ پھیر لے اس بات سے کہ پہنچا حکم تیرے پروردگار کا اور اس قوم لوط کو وہ عذاب پہنچنے والا ہے کہ وہ نہیں پھرے گا۔

❁ **طعن ششم**: یہ کہ عائشہؓ نے خود کہا ہے:۔

مَا غِرْتُ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْ نِّسَآءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلٰى خَدِيْجَةَ وَمَا رَاَيْتُهَا قَطُّ وَلٰكِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا۔

میں نے کسی پر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے غیرت نہ کھائی جیسے کچھ غیرت میں نے خدیجہؓ پر کھائی۔ اور میں نے اس کو ہرگز نہ دیکھا لیکن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اکثر اس کا ذکر کرتے ہیں۔

❁ **جواب** اس طعن کا یہ ہے کہ غیرت و رشک کرنا یہ عورتوں کی پیدائشی بات ہے اور پیدائشی بات پر مواخذہ نہیں ہے بیشک اگر غیرت کے سبب سے کوئی قول یا فعل خلاف شرع ظاہر ہو اس وقت البتہ ملامت ہوسکتی ہے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ایک امہات مومنین یعنی ازواج مطہراتؓ سے کہ جن کے گھر میں آپ تشریف رکھتے تھے ان کے گھر دوسری زوجہ نے لذیذ کھانا پکا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے بھیجا انھوں نے غیرت کی

اور اس طباق کو جس میں کھانا تھا اس دوسری زوجہ کی خادمہ کے ہاتھ سے لے کر زمین پر مارا کہ طباق بھی ٹوٹ گیا کھانا بھی پھیک گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس بنظر عزت کھانے کی کہ نعمت الٰہی ہے اُٹھے کھانے کو زمین میں سے چنتے تھے اور فرماتے تھے غَارَتْ اُمُّكُمْ (یعنی غیرت کھائی تمھاری ماں نے) اور اس وقت کچھ غصہ اور گھُرکی جھڑکی اُن کے حق میں نہ فرمائی، اُمتیوں کو کب لائق ہے کہ اس قسم کے معاملوں میں اُن کو نشانہ تیر طعن کا بنائیں، معاذاللہ من ذلک۔ اور جب کہ امامیہ کی کتابوں میں مروی و منقول ہے کہ حضرت ابوالبشر یعنی آدم علیہ السلام کو ائمہؒ کے مرتبوں اور قدر پر رشک و حسد تھا عائشہؓ کی اتنی سی غیرت میں کیا شکایت کی جگہ ہے۔

❁ **طعن ہفتم**: یہ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا آخر حال میں کہتی تھیں قَاتَلْتُ عَلِيًّا وَوَدِدْتُ اَنِّىْ كُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا (میں لڑی علیؓ سے آرزو کرتی ہوں کہ ضرور میں ہوتی بھولی بسری)۔

❁ **جواب** اس کا یہ ہے کہ یہ عبارت اس لفظ کے ساتھ صحیح نہیں ہوئی۔ صحیح اتنی ہی ہے کہ جب یوم الجمل کو یاد کرتی تھیں تو اتنا روتی تھیں کہ اوڑھنی تر ہو جاتی تھی۔ اس سبب سے کہ اپنے خروج میں جلدی کی تھی اور تامل و تحقیق نہ کی کہ اب حوأب راہ میں پڑے گا یا نہیں یہاں تک کہ ایسا واقعہ عظیم سامنے آیا اور اہل سنت کی صحیح کتابوں میں اس لفظ کو حضرت امیرؓ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کے لشکر پر شکست پڑی اور دونوں طرف سے آدمی مارے گئے حضرت امیرؓ نے مقتولوں کو ملاحظہ فرمایا اور اپنی رانیں پیٹنے لگے اور فرماتے تھے يَا لَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا (اے کاش میں اس سے پہلے مرجاتا اور ہو جاتا بھولا بسرا) اور اگر عائشہؓ سے بھی یہ عبارت ثابت ہو اسی قسم ندامت سے ہوگی کہ ایسی خانہ جنگی ہم میں ہوئی کہ ہمارے دونوں جانب کے انصاف سے بعید تھی کہ حق پر نہ رجوع ہوئے، اور ایک دوسرے کے مراتب کو نہ پہچانا۔ یہ لوگ بلا بھرے اس کو مطاعن میں گنتے ہیں اگر اس سے بچتے تو کیسی خوبی کی بات تھی۔

❁ **طعن ہشتم**: یہ کہ حجرہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں وہ رہتی تھیں اپنے باپؓ کا اور اپنے باپ کے دوست کا کہ عمرؓ تھے مقبرہ بنایا۔

❁ **جواب** اس کا یہ ہے کہ اہل سنت کی صحیح کتابوں میں صحیح حدیثوں سے منقول ہے اور موجود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخینؓ کو کبھی صریحاً اور کبھی اشارۃً خوشخبری دفن کی اپنے قرب میں دی ہے۔ چنانچہ حضرت امیرؓ نے جس وقت کہ عمرؓ بن خطاب کا دفن کرنا حجرہ متبرکہ میں قرار پایا تو فرمایا:۔

وَاِنِّىْ كُنْتُ لَاَظُنُّ اَنْ يَّجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ اِذْ كُنْتُ كَثِيْرًا اَسْمَعُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

کہ میں گمان کرتا تھا کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ تیرے دونوں یاروں کے ساتھ رکھے گا اس واسطے کہ اکثر رسول اللہ صلے اللہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُنْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَقُمْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ
علیہ وسلم سے سُنا کرتا تھا کہ رہیں گے ہم اور ابو بکرؓ و عمرؓ اور اُٹھیں گے ہم اور ابو بکرؓ و عمرؓ اور چلیں گے ہم اور ابو بکرؓ و عمرؓ۔

اور یہ خوشخبری کمال رضامندی اور خوشنودی دل کی ہے کہ حکم ان کے رہنے کا اپنے قُرب میں جاری فرمایا۔ اور اگر صریح حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درکار ہوتا تو حضرت امام حسن علیہ السلام کیوں نہ اپنا دفن ہونا اُس حجرے میں چاہتے کہ اس وقت تابعین میں حاصل ہونا اس حکم شریف کا ظاہر محالات سے تھا۔

جواب دوسرے - حجرے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے جو ازواج مطہراتؓ کے ملک میں تھے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا اُن کو مالک مقرر کردیا تھا موافق حکم فقہ کے جیسا کہ فقہ والوں کے نزدیک ثابت ہے کہ جو کوئی شخص اپنی کسی اولاد کے نام سے گھر بنائے یا خریدے اور اُس کے قبضے میں چھوڑ دے وہ اُس کی ملکیت ہوجاتا ہے، اور اولاد و وارثوں کو اُس میں دخل نہیں ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس بیویوں اور اور وارثوں کا بھی یہی حکم ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ آپ نے ہر حجرے کو ہر بیوی کے نام پر بنا کر دیدیا تھا اور وہ بیوی اُس حجرے کے توڑنے اور مرمت کرنے اور تنگ کرنے اور چوڑا کرنے اور دروازہ اور بدررو پانی کے نکالنے اور ہر قسم تصرف کے آپ کے سامنے مالکانہ متصرف ہوتی تھیں۔ یہی حال حضرت عائشہؓ کے حجرے اور اُسامہؓ بن زید کے گھر کا کہ سب مالک اپنے گھروں کے تھے۔ اور اشارۂ قرآنی ازواج کے حق میں قریب صراحت کو پہنچا ہوا ہے، قولہ تعالیٰ وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ۔ اور عمرؓ کے دفن کا عائشہؓ سے اذن چاہنا سامنے سب صحابہؓ کے کسی نے انکار نہ کیا یہاں تک کہ حضرت امیرؓ نے ایک قطعی دلیل ہے عائشہؓ کی ملکیت پر۔ اور معلوم ہے کہ صحابہؓ ذرا تغیر میں خلیفوں کا خصوصًا عمرؓ بن خطاب کا گریبان پکڑنے کو مُستعد ہوتے اور عمرؓ ممنون ہوتے بلکہ اُن کے نزدیک سب سے زیادہ مقرب وہی شخص ہوتا تھا کہ جو کوئی ذرا سی خلاف شرع کی بات میں اُن پر یا اُن کے سوا پر شدت کرتا تھا اور ہرگز کسی کا پاس منظور نہیں رکھتا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ سب صحابہ اور تابعین کے نزدیک ازواج مطہراتؓ کی ملکیت اپنے اپنے حجروں کی مسلّم الثبوت تھی۔ اِس واسطے کسی نے حضرت عمرؓ کے اذن چاہنے میں کوئی بات نہ کی۔ اور شیعہ کی کتابوں میں بھی ثابت ہے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے بھی عائشہ صدیقہؓ محبوبۂ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دفن کے معاملہ میں کہ اپنے جدِّ اطہرؐ کے قُرب میں دفن کیا جاؤں (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اِذن مانگا ہے۔ لیکن بعد وفات حضرت امامؓ کے مروان بدبخت نے اس قرانِ سعدین سے منع کیا۔ حضرت امام حسینؓ اپنے کُنبے اور غلاموں سمیت ہتھیار باندھ کر مستعد مقابلہ اور لڑائی کے ہوئے۔ مروان نے مع فوج کثیر کے گرداگرد مسجد مقدس نبوی اور حجرۂ شریفہ مصطفوی کے انبوہ کیا۔ اور معنی حُفَّتِ الْجَنَّۃُ بِالْمَکَارِہِ کے نمودار ہوئے (یعنی گھیری گئی ہے

جنّت مکروہات سے)۔ خوف قوی تھا کہ اُن بدبختوں کے ہاتھ سے کوئی صدمہ حضرت امامؓ اور اُن کے لوحقوں کو پہنچے۔ ابو ہریرہؓ بطور مصالحت بیچ میں پڑ گئے اور حضرت امامؓ کے شدتِ غضب و جلال کو دبایا اور مصلحتِ وقت کو اُن کی جناب پاک میں عرض کیا۔ پس اگر ملکیت حجرہ کی عائشہؓ کو ثابت نہ تھی تو حضرت امامؓ نے کیوں اُن سے اذن چاہا؛ صاف ظاہر ہے کہ اگر اُن کی ملکیت نہ تھا تو مروان سے کہ حاکم اور متصرف بیت المال اور وقف چیزوں کا تھا اذن لینا چاہیے تھا۔ اب اُس کی ممانعت کے مقابلہ میں کہ صیغہ حکومت کا رکھتا تھا عائشہؓ نے گو اذن دیدیا مگر اس اذن نے کچھ کام نہ دیا۔ اگر شیعوں میں سے کوئی منکر اس روایت کا ہو چاہیے اسی کتاب کو کہ "بہمہ فی معرفۃ الائمہ" اور اور اپنی کتابوں کو دیکھے۔ اور اس موقع پر ایک گروہ شیعہ نے بطریق تہمت و افترا کے عائشہؓ پر ژاژخائی اور بہتان سرائی شروع کی ہے کہتے ہیں کہ عائشہؓ اذن دینے کے بعد پچھتائیں اور ایک خچر پر سوار ہو کر مسجد کے دروازے پر گئیں اور دفن کرنے کو منع کیا اور دعویٰ میراث کا کیا۔ ابنِ عباسؓ نے اُس کے جواب میں یہ شعر غیر مربوط جس کے نہ معنے ٹھیک نہ وزن نہ قافیہ، پڑھا تَجَمَّلْتِ تَبَغَّلْتِ وَاِنْ عِشْتِ تَفَیَّلْتِ لَکِ بِالتِّسْعِ مِنَ الثُّمُنِ وَبِالْکُلِّ تَطَمَّعْتِ (شتر سوار ہوئی تو اور خچر سوار ہوئی تو اگر زندہ رہی تو فیل سوار ہوگی تو حق تیرا نواں حصہ ہے، آٹھویں حصہ سے اور تو بالکل کھا گئی) حالانکہ عائشہؓ نے خود حدیث روایت کی نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ (ہم گروہ انبیاءؑ کے ہیں نہ کسی کے وارث نہ ہمارا کوئی وارث) سب ازواج کو طلب میراث سے منع کیا، وہ کیوں دعویٰ میراث کا کرتیں۔ اور سوار ہو کر نکلنے کی کیا حاجت تھی رہنے کی جگہ اُن کی وہی حجرۂ خاص تھا۔ اگر ممانعت منظور رکھتیں دروازہ حجرے کا بند کرلیتیں۔ اور جواب ابن عباسؓ کا کب صحیح ہوتا ہے۔ حالانکہ نواں حصہ آٹھویں حصے کُل متروکہ چیزوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ وہ زمین رہنے کی اور کشتکاری کی اور ہتھیار اور اُونٹ اور خچر اور گھوڑے یقینًا حجرۂ عائشہؓ سے بڑھتے تھے۔ پھر عائشہؓ کو کل میراث کھا جانے پر طعن کیوں کرتے، اس واسطے کہ کُل میراث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعًا اُن کے قبضے میں نہ تھی نہ اُنھوں نے کھائی۔ غرض کہ آگے پیچھے اِدھر اُدھر سے اِس افترای پر ڈھیر کے ڈھیر مینہ فضیحت و رُسوائی کے برستے ہیں اور بڑی برہان خدا کی یہی ہے کہ جھوٹوں کو انہی کی زبان سے رسوا کرتا ہے۔

طعن نہم - ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور اشارہ عائشہؓ کے مکان کی طرف کرکے فرمایا اَلَا اِنَّ الْفِتْنَۃَ ھٰھُنَا ثَلٰثًا مِنْ حَیْثُ تَطْلُعُ قَرْنُ الشَّیْطَانِ (سُن لو کہ فتنہ یہاں ہے اور اس بات کو تین دفعہ فرمایا جس جگہ کہ نکلتا ہے قرن شیطان) پس مُراد فتنہ سے عائشہؓ

جب کہ مدینہ منورہ سے بصرہ کو نکل کر امیر المؤمنین رضؓ کے ساتھ لڑنے کو گئیں کہ ہزاروں آدمی مسلمان مارے گئے

جواب یہ کہ یہ بیہودہ معنی اس حدیث سے سمجھنا صریح کلموں کا بدل دینا ہے، اور کلام پیغمبرؐ کو اُلٹ دینا۔ کیونکہ یہ عبارت بہت سے ٹھکانوں اور بہت سی جگہوں پر فرمائی ہے اور اشارہ مشرق کی طرف فرمایا۔ پھر ہر جگہ مکان عائشہؓ کا کہاں تھا۔ اتفاقاً جس وقت کہ یہ خطبہ پڑھتے تھے اور اشارہ مشرق کی طرف فرمایا عائشہؓ کے مکان کی طرف واقع ہوا۔ اس واسطے کہ ان کا مکان اُس سمت کو تھا اور عبارت آئندہ کی یعنے حَيْثُ تَطْلَعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ نص ظاہر ہے اس مراد میں۔ کیونکہ طلوع قرن شیطان کا قطعاً مسکن عائشہؓ کا نہیں ہوتا۔ اور وہ روایت جس سے تصریح اس مراد یعنی سمت مشرق کی ہوتی ہے شیعہ کی کتابوں میں موجود شرارت اور نہایت بغض و عناد سے آنکھیں بند کر لی ہیں اور اس معنے کو رواج دیا ہے۔ روایت ابن عباسؓ اور دیگر صحابہؓ کی اس قصے کے اس اشتباہ بیجا کے حل کرنے میں کافی ہے جس کے لفظ یہ ہیں:۔

رَأْسُ الْكُفْرِ هٰهُنَا وَ اَشَارَ نَحْوَ الْمَشْرِقِ حَيْثُ تَطْلَعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ فِيْ رَبِيْعَةَ وَ مُضَرَ۔	سر کفر کا اس طرف ہے اور مشرق کی طرف اشارہ کیا جس جگہ کہ طلوع کرتے ہیں قرن شیطان کے مکان ربیعہ اور مضر میں۔

اس امت مرحومہ میں جو فتنہ اُٹھا اسی طرف سے اُٹھا۔ پہلا سب فتنوں سے خروج مالک اشتر کا ہے اور اس کے یاروں کا عثمانؓ پر۔ کوفہ سے کہ مدینہ سے مشرق رُویہ ہے اُس کے نواح میں مکان ربیعہ اور مضر کے واقع ہیں۔ پھر فتنہ عبیداللہ بن زیاد کا ہے بسبب شہادت امام عالی مقام حسین علیہ السلام کے۔ پھر فتنہ مختار ثقفی کا ہے جس نے دعوٰی نبوت کا کیا۔ پھر نکلنا اکثر اہل بدعتوں کا اور پیدا ہونا عقیدوں بد کا اسی نواح سے۔ پس کل رافضیوں کی کھان کوفہ ہے۔ اور پیدا ہونا اور بڑھنا معتزلہ کا بصرے سے کہ ان کا سرچشمہ واصل بن عطا بصری ہے اور قرامطہ سواد کوفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور خارجی نہروان سے اور دجال اصفہان سے اور جو کوئی حجرہ عائشہؓ کو اُس وقت کہ عائشہؓ کو سفر بصرہ کا پیش آیا محل فتنے کا گمان کرے بلاشبہ کافر ہے، اس واسطے کہ رہنے کی جگہ راس یعنی سر اہل ایمان محمد مصطفےٰؐ کی تھی کہ کفر و فتنہ جن کے نام سے بھاگتا ہے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ عائشہؓ اُس حجرے سے بارادہ حج مکہ معظمہ روانہ ہوگئی تھیں نہ واسطے فتنہ گری کے۔ اگر عائشہؓ کو فتنہ گر ٹھہرائیں تو اُس وقت سے ہوگا کہ مکہ سے بصرہ کو روانہ ہوئیں۔ پس چاہیئے تھا کہ مکہ کو محل فتنہ کہتے نہ کہ عائشہؓ کے حجرے کو ؏ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ؏

طعن دہم یہ کہ اِنَّ عَائِشَةَ شَرَّفَتْ جَارِيَةً وَقَالَتْ لَعَلَّنَا نَصِيْدُ بِهَا بَعْضَ فِتْيَانَ قُرَيْشٍ

(عائشہؓ نے ایک لڑکی اپنی پالی ہوئی کو آراستہ کیا اور کہا کہ قریش کے بعض جوانوں کو اس لڑکی آراستہ پیراستہ کے ذریعہ شکار کروں گی) اور اُن کو اس لڑکی کی محبت میں دیوانہ کروں گی کہ کوئی کنبے سے خواہاں اُس کے نکاح کا ہو اور میری تابعداری کرے۔

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ اول تو یہ روایت چند وجوہ سے مجروح ہے کیونکہ اس خبر کو وکیع بن جراح نے از عمار بن عمران از امرأۃ من غنم اور اُس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے اور عمار ابن عمران مجہول الحال ہے کہ امرأۃ من الغنم مجہول الاسم والمسمیٰ ہے فَلَا يَصِحُّ الْاِحْتِجَاجُ بِهِمَا۔ اس کے سوا اس روایت میں عنعنہ ہے یعنی بلفظ عن کہ محتمل ارسال و انقطاع یعنی ترک نام راوی کے ہے۔ ایسی روایتوں کو جن کا کچھ سرپاؤں نہیں دستاویز ٹھہرا کر اُمہات المؤمنینؓ کے طعن میں سند ٹھہرانا مؤمنین کی شان نہیں۔ اور اگر اور سببوں سے کسی شخص کے ساتھ بہت سی عداوت رکھتا ہو، اور اس قسم کے واہیات سے اُس کے دین میں خلل انداز ہو انصاف سے دور ہے۔ پھر اس کا کیا ٹھکانا کہ اسی نہیق و شہیق کے موافق جو گدھے کی آواز کو کہتے ہیں سبب عداوت کے پیدا کرے اور دُم ہلاتے جائے یہاں طعن کی نہیں ہے اس لئے کہ لڑکی گھر کی پالی ہوئی کے واسطے کفو ڈھونڈنا کیا عار و ننگ کی بات ہے اور زینت کرنا اور لباس پہنانا عورتوں کا اس غرض سے کہ لوگ اُس سے نکاح کی رغبت کریں مسنون و مستحب ہے اور ہمیشہ رائج اور جاری ہے۔ اور صحاح میں موجود ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنےٰ زادے کے حق میں کہ اُسامہ بن زید تھا اور بدصورت کالے چمڑے والا، فرماتے تھے وَلَوْ كَانَ اُسَامَةُ جَارِيَةً لَكَسَوْتُهَا وَحَلَّيْتُهَا حَتّٰى اُنْفِقَهَا (یعنے اُسامہ باوجود بدشکلی اور سیاہ رنگی کے اس قدر مجھ کو محبوب ہے کہ اگر بالفرض لڑکی ہوتا اُس کو پوشاک و زیور سے میں زینت دیتا تاکہ لوگ اُس کی رغبت کرتے)۔ اور ہمیشہ سے شرفا و غیر شرفاء کا قاعدہ قدیمی تھا کہ باکرہ عورتوں کو نکاح کے وقت آراستہ کرتے تھے زیور و پوشاک اگر نہ ہوتی تو مانگ کر پہناتے تھے، تاکہ جس وقت دولھا کی طرف سے دُلھن کے دیکھنے کو آئیں تو اُن کی نظر میں بُری نہ معلوم ہو اور اگر حسن خداداد ہے دونی معلوم ہو اور نکاح کرنے والے کو رغبت ہو۔ پس جو بات کہ ہر گروہ میں مروج ہو اور معمولی اور شرع میں بھی مستحب و مسنون اُس میں طعن و ملامت ہی کیا۔

مطاعنِ اصحاب کرام عموماً بے تخصیص کہ یہ بھی دس ۱۰ ہیں

طعنِ اوّل یہ کہ صحابہؓ دو بار مرتکب کبیرہ کے ہوئے۔ ایک یہ کہ جنگ اُحد سے بھاگے۔ دوسرے یہ کہ جنگِ حُنین سے بھاگے۔ اور یہ دونوں لڑائیاں کافروں سے تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں

اور بھاگنا کافروں کی لڑائی خصوصًا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت میں ہو کبیرہ ہے۔

جواب اِس کا یہ ہے کہ جنگِ اُحد میں جو بھاگے یہ بھاگنا تو اُس وقت تھا کہ اُس وقت تک آیت ممانعت بھاگنے کی نازل نہیں ہوئی تھی اور معہٰذا معاف بھی کیے گئے موافق نص قرآن کے وَلَقَدْ عَفَى اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (ضرور معاف کردیا اللہ نے ان کو بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا اور برداشت والا ہے) اور یہ بھی ہے کہ منافق بھی لڑائی سے پہلے بھاگ گئے تھے اور مومن بعد لڑائی کے اُس وقت جب کہ شکست پڑی اور آپؐ کے شہید ہونے کی خبر مشہور ہوئی، اور جب سردار مارا جائے اور لشکر تباہ ہو جائے تو اُس وقت بھاگنا ممنوع نہیں رہتا۔ اب رہا حُنین کے دن کا بھاگنا، درحقیقت وہ بھاگنا نہ تھا بلکہ خالدؓ بن ولید کی بے تدبیری اور غفلت کافروں کی گھاتوں سے تھی کہ اِدھر اُدھر جنگل میں بٹھائے تھے۔ اور راہ تنگ تھی اور سامنے اور پیچھے لشکر میں نشیب فراز تھی اور اِس حال میں ان پر سبقت کی بعضے لوگ پیٹھ پھیر گئے تھے کہ اُن میں صحابہ کبارؓ سے کوئی نہ تھے بلکہ آزاد لوگ مکہ کے اور جو فتح کے دن ایمان لانے والے تھے لیکن وہ بھی اِس بھاگنے پر نہیں اَڑے بلکہ وہ بھی لوٹ پڑے اور فتح ہوئی موافق دلیل کلام الٰہی کے ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (پھر نازل کی خدا نے تسکین اپنے رسولؐ اور مسلمانوں پر اور نازل کیے لشکر جن کو اُنھوں نے نہیں دیکھا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں کسی پر عتاب بھی نہ فرمایا کیونکہ جو عذر تھا وہ آپؐ کو معلوم تھا۔ پس اوروں کو بھی جگہ عتاب و طعن کی نہ رہی۔ اس کے علاوہ شیعہ کے نزدیک بھی ہے کہ جب یقین ہلاک کا ہو جائے تو کفار کی لڑائی سے بھاگنا جائز ہے۔ اس پر ابوالقاسم بن سعید نے کتاب شرائع میں نص کی ہے۔ پس یہاں یہی صورت تھی اس واسطے کہ تنگ راہوں سے کہ دونوں طرف سے تھیں مشرکوں کے تیروں کے نشانہ بن گئے تھے ہرگز اُن کے تیر خطا نہیں ہوتے تھے ناچار پیچھے کو لوٹے تا کہ کفار درمیان میں آجائیں اور فراغ راہ سے اُن پر حملہ کریں۔ اور جب شیعہ بعض پیغمبروں کو اپنی صحیح روایتوں میں صدور کبیرہ سے ثابت نہ چھوڑیں اور نسبت اُن کی کبیرہ ثابت کریں جن کی عصمت قطعی ہے کہ ان سے گناہ نہیں ہوتا جیسے حضرت آدمؑ اور حضرت یونسؑ اور سوا اُن کے اوروں کو بھی نہ چھوڑیں اگر صحابہؓ سے کہ سب کے نزدیک معصوم نہیں ہیں کوئی گناہ ہوا اور وہ بھی آبِ توبہ و استغفار و رحمتِ الٰہی سے دھو جائے تو کیا عجب اور کون سے طعن کا ٹھکانا باقی رہا۔ اور اس کے ساتھ اتنا سا گناہ ان کی طاعتوں اور ثواب جہاد کو کھو نہیں سکتا ہے۔ پس جو خوشخبریاں کہ ان کے حق میں نصوص قرآن اور حدیثوں متواتر سے آئی ہیں اُن سے آنکھیں بند کر لینا اور نکمے عیبوں کی جستجو کرنا شان ایمان کی نہیں ہے۔ اہلِ سُنت پر تو الزام ان کا ان شبہوں کے ساتھ اُس وقت پورا پورا ہو کہ خود

ان کے بھی اعتقاد کا ٹھکانا ہو۔ یعنی جب اصل میں معتقد کسی کی عصمت کے سوا انبیاءؑ کے نہیں ہیں تو اگر صدورِ گناہ کا کسی سے ہو تو کیا ڈر بس اتنا ہی ہے کہ اہلِ سُنت صحابہؓ کے جُملہ کاموں کو حقوق صحبت اور خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جانتے ہیں۔ اور اس بات پر نظر کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے جانبازیاں کیں اور اپنا گھر بار چھوڑا اور مال و جان راہِ خدا میں خرچ کیا اور دین اور شریعت غرّا کو جاری کیا اور آیتیں اور حدیثیں ناطق ان کی شان اور رفعت و بلندی مرتبہ میں نازل ہوئیں۔ اور شیعہ کا فرقہ سوا ان کے عیب اور گناہوں کے اور کسی بات کو نہیں دیکھتے۔

طعنِ دوم۔ یہ کہ اکثر صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ حضرتؐ خطبہ میں ہوتے تھے جہاں اُنھوں نے ڈھول کی آواز یا ٹھکنک غلے کے اُونٹوں کی سُنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر واہی تماشے دیکھنے کو چلے جاتے تھے اور سَودا و تجارت میں دیوانے ہو جاتے تھے اور ذرا سی متاع دنیا پر نماز کو کہ عمدہ ارکان اسلام سے ہے اور خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نثار کرتے تھے اس سے ان کی صریح بے دینی ثابت ہوتی ہے۔ قولہ تعالیٰ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا (جب دیکھتے ہیں سودا یا تماشا متفرق ہو جاتے ہیں اُس کی طرف اور تجھ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں)۔

جواب اِس طعن کا یہ ہے کہ یہ ابتداء زمانۂ ہجرت میں واقع ہوا کہ ابھی آدابِ شریعت سے اچھی طرح واقف نہ تھے اور قحط کے دن تھے لوگوں کو غلہ خریدنے کی رغبت حد سے زیادہ ہو رہی تھی جانتے تھے جب قافلہ نکل جائے گا غلّہ گراں ہو جائے گا۔ ان سببوں سے مضطر ہو کر مسجد سے نکلے لیکن بڑے بڑے صحابہؓ جیسے ابوبکرؓ و عمرؓ کھڑے رہے یہ نہیں گئے جیسا کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے۔ اور جو بات قبل آداب شرع سیکھنے سے واقع ہو وہ ایسی ہے جیسی باتیں کہ زمانۂ جاہلیت کی ہوتی ہیں جس پر عتاب و سزا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ قرآن شریف میں بھی ایسے فعل پر وعیدِ دوزخ اور لعن و تشنیع واقع نہیں ہے فقط عتاب ہے اور بس۔ اور آپؐ نے بھی کبھی کسی کو ایسے امر میں غصہ نہ فرمایا پھر دوسرا کیا چیز جو طعن و تشنیع کرے۔ اور لغزش اور ڈگ جانا اُمت کے لوگوں اور صحابہؓ سے کیا بعید جب کہ انبیاءؑ سے لغزش ہوئی ہو اور اُن پر سخت عتاب حضور الٰہی سے ہوا ہو۔ بشریت ایسی باتوں کی مقتضی ہوتی ہے۔ جب تک سزا خدا کی برابر نہ واقع ہو تو پوری تہذیب بہت مشکل ہے۔

طعنِ سوم۔ یہ کہ ابنِ عباسؓ سے اہلِ سُنت کے صحاح میں منقول ہے کہ :۔

سَيُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِيْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ اَصْحَابِيْ اَصْحَابِيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ

لایا جائے گا بعض مَردوں کو میری اُمت سے۔ پھر پکڑے جائیں گے اُن کو بائیں طرف کہ اُدھر دوزخ ہوگی پھر میں کہوں گا یہ میرے یار ہیں تو کہا جائے گا تُو نہیں جانتا جو کچھ تیرے بعد اُنھوں نے نئی باتیں پیدا کی ہیں۔

فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔ فَيُقَالُ اِنَّهُمْ لَنْ يَّزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ۔

پس میں ایسا کہوں گا جیسا کہ نیک بندہ یعنی عیسٰے علیہ السلام نے کہا ہے کہ میں ان سے جب تک خبردار رہا جب تک ان میں تھا زندہ پھر جب تُو نے مجھ کو مارا تو تُو اُن پر نگہبان ہوا اور تُو ہر شیٔ پر گواہی دینے والا ہے۔ پھر کہا جائے گا کہ یہ گروہ رہے برگشتہ اپنے قدموں سے جب سے تُو اُن سے جُدا ہوا۔

❋ جواب اِس کا یہ حدیث صریح ناطق ہے کہ مُراد اُن شخصوں سے مُرتد ہیں جو کُفر پر مَرے ہیں کوئی شخص اہلِ سُنت سے اُن کو صحابی نہیں کہتا نہ مُعتقد ان کی خُوبی و بزرگی کا ہوتا ہے۔ اور اکثر بنی حنیفہ اور بنی تمیم کہ بطریق ایلچی گری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرّف ہو کر پھر اِس بلا میں مُبتلا ہوگئے اور گنہگار وزیاں کار ہوئے۔ کلام اہلِ سُنّت کا تو اُن صحابہؓ میں ہے جو با ایمان اور مع عمل صالح کے اس جہان سے گئے۔ اور باہم بسبب اختلاف رایوں کے جھگڑے اور بحثیں کیں اور دونوں طرف سے کسی نے کسی کو نہ کافر ٹھہرایا نہ بدعتی کہا، اور ایمان پر باہم دگر کے گواہی دی اگر ایسے لوگوں کے حال میں کوئی روایت رکھتے ہیں تو لائیں مُرتدوں کا جو قصہ ہے اُس پر تو فریقین کا اتفاق ہے۔ یہ تو ذکر مُرتدوں کے قاتلوں کا ہے کہ جنھوں نے بے شبہ جھنڈے بلند کئے اور کیانیوں اور قیصریوں کو خدا کی راہ میں جہاد کر کے ذلیل کیا، ہزاراں ہزار لوگوں کو مسلمان کیا۔ نماز و قرآن و تعلیم شریعت کی کی۔ خیال کرو قطعی معلوم ہے کہ ایک شخص کو مسلمان کرنا یا نماز سکھانا یا قرآن تعلیم کرنا کتنا بڑا ثواب ہے۔ اور جہاد و لڑائی اللہ کے دُشمنوں سے کرنا اس کا کیسا درجہ ہے۔ معہٰذا ایسے شخصوں کے حق میں خاص الخاص کہ اللہ تعالیٰ نے جن کے واسطے خوشخبریاں اور اچھے وعدے قرآن میں نازل فرمائے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا۔

وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے کہ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہرآئینہ ضرور خلیفہ بنائے اُن کو زمین میں جیسا حاکم کیا تھا اُن سے اگلوں کو۔ اور جمادے گا اُن کا دین اُن کا جو پسند کر دیا اُن کو۔ اور دے گا اُن کو اُن کے ڈر کے بدلے امن۔ میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کوئی۔

اور چند جگہ فرمایا ہے :۔

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

راضی ہوا اللہ تعالیٰ اُن سے اور راضی ہوئے وہ اُس سے

وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا۔

اور تیار ہیں اُن کے واسطے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ہمیشہ اُن میں رہیں گے۔

اور بھی فرمایا :۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا۔

اور بشارت دے ایمان والوں کو بیشک اُن کے واسطے اللہ کا بڑا فضل ہے۔

اور بھی فرمایا :۔

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔

پھر وہ لوگ کہ جنھوں نے گھر چھوڑے اور شہر سے اپنے نکلے اور ایذا اُٹھائی میری راہ میں اور قتل کیا اور قتل کئے گئے ضرور ضرور داخل کریں گے ہم اُن کو جنت میں جس میں بہت سی نہریں ہیں۔

یہاں ایک دقیقہ ہے۔ جاننا چاہیئے کہ گالی اور طعن انبیاءؑ کی اس سبب سے کفر و حرام ہے کہ سبب گالی کا جو گناہ اور کفر ہے اِن بزرگوں میں پایا نہیں جاتا۔ اور موجباتِ تعظیم و توقیر اور حُسن تعریف کے بہت موجود ہیں۔ اور جو مؤمنین سے کوئی ایسا گروہ کہ اُن میں بھی سبب تعظیم کے موجود ہوں اور ان کے گناہ بھی بخش دئے گئے اور دُور ہو گئے ہوں کہ یہ بات نصِ قرآن سے ثابت ہو گئی ہو، یقیناً یہ گروہ بھی انبیاءؑ کے حکم میں ہوں گے حُرمت کی رُو سے یعنی گالی اور حقیر جاننا اور اہانت اور بُرا کہنا اُس گروہ کا اِس کا انجام یہی تو ہے کہ انبیاءؑ میں اسبابِ تحقیر کے موجود نہیں ہیں اِن کے بعد ہونے کے مِٹ گئے۔ اور جو چیز کہ بعد ہونے کے نہ رہے وہ ایسی ہے گویا تھی ہی نہیں بلکہ جیسے در اصل کوئی چیز نہ ہو۔ اِسی واسطے توبہ کرنے والے کو گناہ کے ساتھ بیان کرنا حرام ہے۔ مگر تمام امت کا سوائے صحابہؓ کے یہ مرتبہ نہیں کہ جن کے گناہوں کا دُور ہو جانا اور بخش جانا ان کا قطعاً وحی اور قرآن سے ہم کو معلوم ہو گیا ہو۔ اور یہ کہ طاعتیں ان کی قبول ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے راضی ہوا بالتخصیص یقین ہو گیا ہو۔ پس فرقہ صحابہؓ کا انبیاءؑ اور اُمّتیوں میں برزخ ہے۔ اِسی واسطے مذہب جمہور کا یہی ہے کہ صحابہؓ کے سوا کیسا ہی مطیع و متقی ہو ان کے درجے کو ہرگز نہیں پہنچتا ہے۔ اِس نکتہ کو مع اس کی کمیت کے دل میں رکھنا چاہیئے کہ بہت نفیس ہے۔ اور بھی فرمایا :۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ

بشارت دیتا ہے اُن کو اُن کا پروردگار رحمت کی اُس سے اور خوشنودی کی اور جنتوں کی کہ اُن میں اُن کے واسطے نعمتیں ہیں پائدار

خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا۔

ہمیشہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔

اور بھی فرمایا:۔

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ۔

یعنے اللہ تعالےٰ نے محبت ایمان کی تم کو دی اور تمہارے دل میں اُس کو رونق بخشی اور کروہ کیا تمہارے نزدیک کفر اور بدکاری اور گناہ کو۔

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سے ان میں فسق یا گناہ ہوا ہے خطا و غلط فہمی سے ہوا ہے اِس لئے کہ جب فسق و عصیان کو یہ مکروہ جانتے ہیں تو کون ایسا ہے جس کو مکروہ جانے اُسی کو عمل میں لائے تظاہر یہ امر محال ہے اِس واسطے کہ شوق اور اچھا جاننا فعلوں کا پہلے ہی سے ضروری ہے جب تو اختیار کرے گا۔ اِس لئے کہ فعل سب اختیاری ہیں باتفاق عقلمندوں کے کَمَا تَقَرَّرَ فِیْ مَوْضِعِہٖ مِنَ الْحِکْمَۃِ (جیساکہ ٹھہرایا ہے اُس کو اپنے موقع پر حکمت سے)۔

اور بھی فرمایا:۔

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ۔

وہ لوگ بیشک ایمان والے ہیں خاص اُنہی کے واسطے ہیں درجے اور مغفرت اور رزق نیک اُن کے پروردگار کے پاس ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اِن کے اعمالِ ظاہر ہرگز ایسے نہ تھے مثلاً روزہ، نماز، حج، و زکوٰۃ اور جہاد کہ جن کی بنیاد نفاق یا ظاہرداری یا کر پر ہو ان کا ایمان بہ تحقیق و یقین ثابت تھا۔ اور بھی فرمایا:۔

لٰکِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ جَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ وَاُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْخَیْرٰتُ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

لیکن رسولؐ اور جو ایمان والے اُس کے ساتھ ہیں کوشش کرتے ہیں جان و مال سے اُنہی کے واسطے اچھی چیزیں ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اور بھی فرمایا:۔

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔

نہیں برابر ہوگا تم میں سے وہ شخص کہ خرچ کیا اُس نے قبل فتح سے اور لڑا اُن لوگوں کے بہت بڑے درجے ہیں، اُن لوگوں سے جنھوں نے بعد کو خرچ کیا اور لڑے اور ہر ایک کو وعدہ کیا اللہ تعالےٰ نے نیک اور اللہ تعالےٰ جو کچھ تم کرتے ہو اُس سے خبردار ہے۔

اور فرمایا:۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُھٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَۃِ الثَّانِیَۃِ۔

یعنے واسطے فقیروں مہاجرین کے وہ لوگ کہ نکالے گئے اپنے شہر اور مال سے کہ ڈھونڈھتے ہیں وہ اللہ کا فضل و رضامندی اور مدد کرتے ہیں اللہ تعالےٰ اور رسول کی وہ ہی سچے لوگ ہیں۔ آخر تک دوسری آیت کے۔

اِن آیتوں سے بھی گمانِ نفاق اِس گروہ کا نہایت صریح وجہوں سے باطل ہوتا ہے۔ وقولہ تعالیٰ:۔

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ۔

یعنے قیامت کے دن نہیں رسوا کرے گا اللہ تعالےٰ نبیؐ اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اُن کے ساتھ اُن کا نور ہوگا کہ دوڑے گا سامنے اُن کے اور داہنے اُن کے۔

یہ اِس بات کو جتاتا ہے کہ ان کو آخرت میں کچھ عذاب نہ ہوگا۔ اور بعد وفات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نور ان کا نہ مٹے گا نہ زائل ہوگا۔ اور اگر نور حبط ہو جاتے اور جاتا رہے تو قیامت میں کیونکر ان کے کام آئے۔ وقولہ تعالیٰ:۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ۔

اور نہ ہانک اُن کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح شام چاہتے ہیں اُس کا منہ۔

یہ آیت بھی گمانِ نفاق کو ان سے باطل کرتی ہے۔ وقولہ تعالیٰ:۔

وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتیں ماننے والے تو کہہ سلام ہے تم پر، لکھی ہے تمہارے رب نے اپنی مہر کرنی کہ جو کوئی تم میں برائی نادانی سے کرے پھر اِس کے بعد توبہ کی اور اپنا کام سنوار لیا تو بیشک وہ ہے بخشنے والا مہربان۔

صریح جتاتی ہے کہ ان کے اعمال بدبخشے ہوئے ہیں کچھ مواخذہ اُن سے نہ ہوگا۔ اور فرمایا اللہ تعالےٰ نے:۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ

اللہ تعالےٰ نے خرید لئے ایمان والوں سے جان اور مال اُن کے اس قیمت پر کہ اُن کو بہشت دے۔ لڑتے ہیں اللہ تعالےٰ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔ وعدہ ہو چکا اُن کے دینے پر سچا توریت انجیل

وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ۔ | (قرآن میں اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ ان کے حق میں بڑا محال ہے کہ بہشت و مغفرت کی خبریں دیں اور پھر عذاب دوزخ کا کریں اس واسطے کہ وعدے میں بڑا جائز نہیں ہے اگر ہو تو خلاف وعدے کا لازم آئے لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ (تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب ہاتھ ملائے اُنھوں نے نیچے درخت کے سو جانا اُس نے جو کچھ اُن کے دِلوں میں ہے) اِس آیت سے معلوم ہوا کہ فقط ان کے عمل سے خوشنودی خدا کی نہ تھی بلکہ ان کی دلی باتوں سے کہ صدق و اخلاص اُن میں جگہ پکڑے ہوئے تھا اور جما ہوا اور رگ و پوست میں گھسا ہوا۔ اور جو کچھ بعض بیوقوف شیعہ کہتے ہیں کہ کام سے راضی ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ اُس کام والے سے رضامندی ہو یہ بات یہاں پیش نہیں جاتی کیونکہ حق تعالیٰ نے رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ فرمایا ہے نہ کہ عَنْ بَیْعَةِ الْمُؤْمِنِیْنَ اور پھر فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ بھی اُس کے ساتھ ملایا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قصد اور اخلاص و ثبات کا ٹھکانا دل ہے۔ پس رضا بصاحب فعل متعلق ہے نہ کہ فعل کے ساتھ اور فائدہ پانا اُس سے۔ اور منشا فعل کا متعلق ہے صاحب فعل سے۔

حاصل کلام حافظ قرآن کو ممکن نہیں ہے کہ صحابہؓ کی بزرگی میں تردد رکھے اگرچہ حدیث و روایت پر نظر نہ کرے کیونکہ قرآن اس گروہ کی تعریف و توصیف سے بھرا ہوا ہے اور ناظرہ خوان ایک لفظ کو ایک آیت سے سُنتے ہیں اور اگلے پچھلے کو یاد نہیں رکھتے نہ غور کرتے ہیں کہ وہاں کیا کیا قیدیں واقع ہوئیں اور کس چیز میں کس چیز کو اس کا ضمیمہ کیا ہے جس سے باطل لوگوں کے بیان اور جاہلوں کے تغیر و تبدیل کو اُس میں دخل نہ ہو۔ واللہ اگر میرے باپ سوا تعلیم قرآن کے اور کچھ تعلیم مجھ کو نہ کرتے تب بھی اُن بزرگوار عالی مقدار کی شکر گزاری سے ادا نہیں ہو سکتا تھا یہ ایسی بڑی نعمت تھی۔ شعر

روح پدرم شاد کہ میگفت باُستاد || فرزند مرا عشق بیاموز و دگر ہیچ

یہ سب نعمت حفظ قرآن کی ہے کہ دین کی ہر مشکل کو اُس کی طرف رجوع کر کے حل کرتا ہوں وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِیْرًا طَیِّبًا مُّبَارَكًا عَلَیْهِ كَمَا یُحِبُّ رَبُّنَا وَیَرْضٰی وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الْاَتَمَّانِ عَلٰی مَنْ بَلَّغَ اِلَیْنَا الْقُرْاٰنَ وَاَوْضَحَهٗ بِالْبَیَانِ ثُمَّ عَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَوَارِثِیْهِ مِنَ الْعُلَمَاءِ الرَّاسِخِیْنَ خُصُوْصًا عَلٰی مَشَایِخِنَا وَاَسَاتِذَتِنَا فِی الطَّرِیْقَةِ وَالشَّرِیْعَةِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ۔

❋ **طعن چہارم۔** یہ کہ صحابہؓ نے جھگڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جس وقت کہ اُنھوں نے کاغذ منگا ہرگز نہ لائے بیہودہ علتیں شروع کیں۔

❋ **جواب** اُس کا سابق عمر بن خطاب کے مطاعن میں گزرا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ قصد ان کا تخفیف تصدیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نازک میں محنت نہ اُٹھائیں گو ہمارے حق میں کوئی فتوے لکھدیں۔ اِس سے بھی قطع نظر کی اور یہ قصہ بالکل محبت و دوستی سے پیدا تھا اس کو عناد پر قیاس کرنا اُن لوگوں کا کام ہے جو دستور محبت و دوستی سے بے خبر ہیں اور بدگمانی اور سوء الظن سے دل و دماغ بھرا ہوا۔

❋ **جواب دوسرا۔** اگر اُس وقت اہل بیت حاضر تھے اور صحابہؓ وہاں بہت تھوڑے کُل کے حق میں جو طعن ہو اُس کو قلیل کے فعل پر کہ وہ بھی بشرکت اہل بیت کے ہوا ہو کرنا کیسی نادانی و بیہودگی ہے۔ اور پیغمبر علیہ السلام بعد اس واقعے کے پانچ روز تک زندہ رہے اور اہل بیت ہمیشہ خدمت میں حاضر اور سامان تحریر کا ان کے پاس موجود لکھنے والا ان کے گروہ میں ناپید نہیں اگر کوئی امر ضروری جس کا پہنچانا واجب تھا اتنی فرصت دراز میں باوصف اس کے کہ کوئی سبب نہ پہنچانے کا بھی نہ تھا کیوں نہ اس کو لکھا دیا یا پہنچا دیا اور ترک واجب کا کیا۔ معاذ اللہ من سوء الظن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ فرمایا ہو (یعنے ہو تم بہترین اُمت کے خروج کئے گئے واسطے لوگوں کے کہ حکم کرتے ہو ساتھ امر معروف اور منع کرتے ہو منکر سے) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ کا خطاب دیا ہو، اُن کو بدترین اُمتوں سے اعتقاد کرنا کیسا دور مرضی خدا سے چلنا ہے اور قرآن کی صریح مخالفت کرنا۔

❋ **طعن پنجم۔** یہ کہ صحابہؓ قول پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم میں سہل انگاری کرتے تھے اور اُن کے حکم کی اطاعت میں سُستی اور اُن کے مقاصد سے رُوگردانی۔ فرمانبرداری میں جلدی نہیں کرتے تھے سُستی و کاہلی سے اُس کی مدافعت عمل میں لاتے تھے یعنی ٹال ٹول کرتے تھے۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا:۔

اَلَا رَجُلٌ یَّاْتِیْنِیْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ جَعَلَهُ اللّٰهُ مَعِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَلَمْ یُجِبْ اَحَدٌ وَكَانَتْ تَهُبُّ رِیْحٌ شَدِیْدَةٌ وَقَرٌّ فَقَالَ یَا حُذَیْفَةُ قُمْ فَلَمْ اَجِدْ بُدًّا اِذْ دَعَانِیْ بِاِسْمِیْ اِلَّا اَنْ اَقُوْمَ قَالَ فَاذْهَبْ فَاْتِنِیْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ فَلَمَّا وَلَّیْتُ مِنْ عِنْدِهٖ

آیا کوئی مرد ایسا ہے کہ مجھ کو خبر لادے اُس قوم کی کہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو میرے ساتھ قیامت کے دن۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ اُس دن تیز ہوا چلتی تھی اور بڑی سردی تھی۔ پس فرمایا اے حذیفہؓ اُٹھ، پس مجھ کو جب نام لے کر پکارا تو کچھ بن نہیں پڑا سوا اُٹھ کھڑے ہونے کے۔ فرمایا جا اور اُس قوم کی خبر مجھ کو لاکر دے جب میں نے پیٹھ پھیری یعنے چلا اُن کے پاس سے تو

جَعَلْتُ کَاَنَّمَا اَمْشِیْ فِیْ حَمَّامٍ حَتّٰی رَاَیْتُھُمْ
وَرَجَعْتُ وَاَنَا اَمْشِیْ فِیْ مِثْلِ الْحَمَّامِ
فَلَمَّا اَتَیْتُہٗ وَاَخْبَرْتُہٗ قَرَرْتُ۔

مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا حمام میں پھرتا ہوں یہاں تک کہ میں نے
اُس قوم کو دیکھا اور لوٹا ویسے ہی کہ گویا حمام میں چلتا ہوں پھر جب
میں آیا اُن کے پاس اور اُن کو خبر دی تب مجھ کو سردی معلوم ہونے لگی۔

یہ طعن محتاج جواب کی نہیں ہے کیونکہ کلام آنجناب کا صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام میں بصورت عرض کے تھا اور عرض امر نہیں ہے۔ قولہ تعالیٰ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا (ہم نے پیش کی ایک امانت آسمان اور زمین اور پہاڑوں پر پس سب نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور سب اس سے ڈر گئے) و قولہ تعالیٰ فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ۔ اور اُس وقت کے قرینوں سے بھی جانا جاتا ہے کہ یہ کوئی امر شرعی پہنچانے کا نہ تھا۔ اور اگر امر بھی تھا تو یہ نہیں لازم آتا کہ واجب ہی تھا۔ بلکہ جملہ دعائیہ ہے یعنی جَعَلَہُ اللّٰہُ مَعِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ صریح ندب پر دلالت کرتا ہے کیونکہ واجب چیزوں میں وعدہ ثواب کی چیزوں کا نہیں کرتے ہیں۔ اگر کرتے ہیں تو جنت کے داخل ہونے اور دوزخ کی نجات کا۔ اس ثواب خاص کا وعدہ کرنا بدلیل ندبیت امر کے ہے، جیساکہ اصول میں مقرر ہے۔ اور اگر امر وجوب کے واسطے ہو تو واجب کفایہ ہوگا قطعاً کہ اُس وقت شدت جاڑے کی تھی ہر کوئی چاہتا تھا کہ دوسرا اس کام پر کھڑا ہو جائے۔ اگر ہر ایک پر واجب ہوتا تو جلدی اور ابتدا اُس کی ہر ایک پر لازم آتی۔

تو اب ہم ان سب سے درگزرے اور کہتے ہیں کہ یہ طعن حضرت امیرؓ کی طرف متوجہ ہوتی ہے کہ وہ بھی اُس وقت میں موجود تھے علیحدہ نہ تھے، کیوں نہیں تابعداری حکم کی کی اور جو حکم تھا اُس میں جلدی نہ کی۔ اور جو کوئی کہ حضرت امیرؓ اور تمام صحابہ کرامؓ کے حق میں اس بات کو زبان پر لائے یا اُس کے دل میں گزرے تو ہزاروں دلیلیں کتاب اور حدیثوں اور تواریخیں اُسی کے منہ پر ملتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جابجا ان کی تعریف فرمائی ہے سب مہاجرین اور انصار اور صحابہؓ کی اطاعت و فرمانبرداری کے معاملہ میں قولہ تعالیٰ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ (یعنے اطاعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ کی) اور بخاری اور مسلم اور تاریخ کی کتابوں میں کیفیت صحبت صحابہؓ کی جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی مذکور و مشہور ہے کَانُوْا یَبْتَدِرُوْنَ عَلٰی اَمْرِہٖ وَکَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِہٖ وَاِذَا تَنَخَّمَ وَقَعَ فِیْ کَفِّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ فَدَلَکَ بِھَا وَجْھَہٗ (وہ سبقت کرتے تھے اُن کے حکم کی طرف اور قریب ہوتا تھا کہ وضو کے پانی پر لڑ مریں۔ اور جب کُلّی ڈالتے تھے تو اُن میں سے کسی کے ہاتھ ہی میں ہوتی تھی اور وہ اپنے منہ پر مل لیتا تھا۔

یہاں ایک عجیب نقل ہے کہ عروہ بن مسعود ثقفی اُس وقت کافر دشمن حربی تھا سرسری سی ایک صحبت میں کہ کافروں کی طرف سے سوال و جواب کو آیا تھا یہ معاملہ صحابہؓ کا پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھ کر جب مدینہ سے لوٹا اور مکہ میں پہنچا کفار کے سامنے آپؐ کے صحابہؓ کی تعریف میں زبان ثنا کی کھولی اور حق تعریف کا ادا کیا کہ میں نے کسریٰ اور اور عرب و عجم کے بادشاہ دیکھے ہیں اور ہر ملک کے رئیسوں کی صحبت میں پہنچا ہوں لیکن جیساکہ اس شخص کے یاروں کو محب و مطیع اس کا میں نے دیکھا ہرگز کسی کو نوکروں کسی بادشاہ سے نہ دیکھا چاہے وہ سات پشت کا نوکر ہو۔ ان لوگوں یعنی شیعہ نے کلمہ گوئی کی تہمت اپنے اُوپر لگائی ہے اور اُن لوگوں کے حق میں ایسی بیہودگیاں کرتے ہیں۔ اگر ایسی سستی اطاعت حکم میں موجب طعن کے ہو تو اول چاہیئے ہے کہ کوئی دفتر انبیاءؑ کے مطاعن میں لکھیں اور اُن کا سر دفتر حضرت ابوالبشرؑ کو ٹھہرائیں کہ اُن کو خود خدا تعالیٰ نے منع کیا تھا کوئی بیچ والا نہ تھا اُس درخت کے کھانے سے یہ بھی جتا دیا تھا ھٰذَا عَدُوٌّ لَّکَ وَلِزَوْجِکَ فَلَا یُخْرِجَنَّکُمَا مِنَ الْجَنَّۃِ فَتَشْقٰی (یعنے یہ دشمن تیرا ہے اور تیری زوجہ کا ایسا نہ ہو کہ تم کو جنت سے نکالے سو بدبخت ہو) تاہم وسوسہ اُس کا مان لیا اور جس درخت سے منع فرمایا تھا کھا لیا۔ ہاں یہ بات ہے کہ اگلے شیعہ نے جو نافرمانیاں اور بے اطاعتیاں احکام حضرت امیرؓ کی کی ہیں کہ یہی اُن کے لشکر والے تھے۔ اور خود آنحضرت معصوم رضی اللہ عنہ کی نص سے ثابت ہے جیسے کہ نقل اُن کی نہج البلاغہ سے کی گئی چاہتے ہیں کہ اُن اگلے اپنے لوگوں کے مطاعن کو اصحاب کرامؓ کی گردن پر ڈالیں اور اپنے آپ کو ندامت سے پاک کریں مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْھَا وَمِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا (خدا بچائے ان سے اور ہمارے نفسوں کی بُرائی سے اور ہمارے اعمال کی بُرائیوں سے)۔

طعن ششم یہ کہ جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو فرمایا کہ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ ھَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ وَتَقَحَّمُوْنَ فِیْھَا (میں تمہاری کمر پکڑ کر کھینچتا ہوں آگ سے کہ ادھر آؤ آگ سے تم مجھ پر غلبہ کرکے گرتے ہو آگ میں) اور یہ طعن واہی تر پہلی طعن سے ہے کیونکہ اس کلام میں سابق و لاحق سے پایا جاتا ہے جس میں تمثیل حالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و امت کی ہے کہ جو نبی اور جو امت ہو اُن کو تخصیص اپنی اُمت کی ہرگز منظور نہیں ہے پھر تخصیص اپنے اصحابؓ کی کیوں ہوگی۔ اور کچھ شک نہیں ہے کہ نفس شہوانی و غضبانی ہر شخص کو ضرور اپنی طرف کھینچتا ہے مگر نصیحت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اُن کی ہدایت اُس کو اُس سے بچاتی ہے۔ پس ہر پیغمبرؑ کی حالت اپنی اُمت کے لوگوں کے ساتھ اُسی شخص کی سی حالت ہے کہ شفقت و خیرخواہی کی راہ سے کسی کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتا ہے اور وہ شخص شہوت و غضب کے غلبہ سے چاہتا ہے کہ آگ میں گر پڑوں۔ اور اکثر لوگ ہوتے ہیں کہ جب غلبہ غضب و شہوت کا اُن پر حد درجہ ہوتا ہے

جذبِ کشش پیغمبرؐ کی کافی نہیں ہوتی آخر آگ میں گر جاتے ہیں۔ یہاں مراد آگ سے وہ آگ ہے جس کا تمثیل میں ذکر ہوا نہ کہ دوزخِ آخرت۔ اور وہ آگ کنایہ گناہوں اور شہوت سے ہے کہ اکثر یہ آگ باعث دخول دوزخ کے ہوتی ہے گو بعض اشخاص کے حق میں نہ ہو۔ یہاں مراد صحابہؓ کی دوزخ میں گرنے سے ہرگز نہیں ہے قطعاً۔ نہیں تو مخالفت صریح قرآن کی ہوتی ہے۔ قولہ تعالیٰ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (اور تم کنارے پر آگ کے تھے سو اس نے بچالیا تم کو آگ سے) اور یہی قرآن مجید میں تیار ہونا بہشت کا ان کے واسطے اور وعدہ فوزِ عظیم یعنی بڑی مراد اور اجر نیک کا بہت آیتوں میں مذکور ہے۔ تعجب اگر عام لفظ سے دلیل ڈھونڈھتے ہو تو سب ہی کو شامل ہے۔ کیا حضرت امیرؓ اس میں داخل نہ ہوں گے معاذ اللہ من ذلک۔ اور اگر خصوصیت کے ساتھ سند بناتے ہیں تو یہ لازم آتا ہے کہ ہونا چاہیئے سب پر لیکن اوروں کو چھوڑ کر بعض کے فعل پر طعن کرنا اور یہ خلل اگلے مطاعن میں بھی سمجھنا چاہیئے۔

❋ طعن ہفتم یہ کہ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ عبداللہؓ بن عمرو بن عاص نے روایت کی۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا فُتِحَتْ عَلَيْكُمْ خَزَائِنُ فَارِسَ وَالرُّوْمُ اَيُّ قَوْمٍ اَنْتُمْ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ نَقُوْلُ كَمَا اَمَرَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا بَلْ تَتَنَافَسُوْنَ ثُمَّ تَتَحَاسَدُوْنَ ثُمَّ تَتَدَابَرُوْنَ ثُمَّ تَتَبَاغَضُوْنَ۔

فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب کھولے جائیں تم پر خزانے فارس و روم کے تو اس وقت تم کیسے لوگ ہوگے کس حال کے، تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو فرمایا ہے۔ پس فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں بلکہ حرص کروگے باہم، پھر حسد کروگے، پھر اعراض کروگے، پھر بغض کروگے۔

❋ جواب اِس طعن کا یہ ہے کہ یہاں سے باقی حدیث کو اُڑا دیا ہے جو طعن کا ٹھکانا تھا اُس کو قصر کر لیا ہے۔ اور عبارت آئندہ کو کہ بیان کرنے والی مُراد کی ہے اور طعن کو دفع کرتی ہے اُس کو نگل کر پیٹ میں رکھ لیا۔ جیسے کسی ملحد نے یہ سند پکڑی تھی لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ (یعنی مت جاؤ نزدیک نماز کے)۔ خیال کرو حدیث میں چوری کرنا ایسے مقام پر کیسی بُری بات ہے چنانچہ باقی حدیث یہ ہے ثُمَّ تَنْطَلِقُوْنَ فِيْ مَسَاكِيْنِ الْمُهَاجِرِيْنَ فَتَجْعَلُوْنَ بَعْضَهُمْ عَلٰى رِقَابِ بَعْضٍ (پھر جاؤگے مہاجرین کے گھروں کی طرف پھر سوار کروگے ان میں سے بعض کو بعض کی گردنوں پر)۔ پس تتمہ سے معلوم ہوا کہ یہ باہم حسد اور بُغض اور تدبیر کرنے والا اور فرقہ ہے سوا مہاجرین کے انصار ہیں یا انصار سے علاوہ، انصار سے تو خود ہرگز ظہور میں نہ آیا کہ مہاجرین کو ورغلا کر آپس میں لڑائیں۔ پس یہ فرقہ نہیں ہے مگر تابعین میں سے۔ اس واسطے کہ صحابہؓ جن کی یہ گفتگو ہو رہی ہے وہ منحصر مہاجرین و

انصار میں ہیں۔ اور ان لوگوں کا مہاجرین سے ہونا بموجب حدیث کے باطل ہے، اور تکذیب فرقہ یعنی انصار کی خود اسی حدیث سے سمجھی گئی کہ یہ عمل بد بعد فتح خزانوں روم و فارس کے ہوگا کہ تم میں ایک گروہ جب اُن کو فتوح اور خزانے بہت سے مِل جائیں گے تو بغی اور غرور اور فساد کریں گے اور مہاجرین کو کہ خلافت و ریاست ان کا حق ہے سحر آمیز باتوں سے اپنی زیفتہ کرکے باہم دِگر لڑائیں گے۔ اب تواریخ دیکھنا چاہیئے کہ یہ لوگ کون ہوئے ہیں اُن سب سے محمد بن ابی بکر ہے اور مالک اشتر ہے اور مروان بن حکم اور مثل ان کے۔ پس طعن ہرگز صحابہؓ کی طرف متوجہ نہیں ہوتی نہیں تو پیغمبرؐ کے کلام میں کذب لازم آتا ہے۔

❋ جواب دوسرا بحث نبوّت میں گزرا کہ موافق روایتوں شیعہ کے حضرت آدم ابوالبشر علیہ الصلوٰۃ و السلام حسد و بُغض ائمہ اطہار میں باوجود تنبیہ اور توبیخ حق تعالیٰ مدت دراز و طُول عمر تک گرفتار رہے اور اصرار کیا اور موافق فعل پیغمبرؐ معصوم کے اگر صحابہؓ بھی چلے ہوں تو کیا ڈر۔ اور اگر فعل پیغمبر معصومؑ کا کوئی جواب اور کوئی توجیہ شیعہ رکھتے ہوں تو وہی جواب توجیہ یہاں اہل سُنّت کے بھی کام آئے گی۔

❋ طعن ہشتم یہ کہ حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ اٰذٰى عَلِيًّا فَقَدْ اٰذَانِيْ (یعنے جس نے علیؓ کو ایذا دی اُس نے مجھ کو ایذا دی)۔ اور حضرت فاطمہؓ کے حق میں فرمایا مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِيْ (جس نے غصہ دلایا فاطمہؓ کو غصہ دلایا مجھ کو) اور صحابہؓ متفق ہو گئے تھے علیؓ کی عداوت اور فاطمہؓ کی ایذا پر اور علیؓ سے لڑے اُن کو نادم کیا جس وقت کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ اُن کا گھر جلانے پر آمادہ ہوئے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ابوبکرؓ نے قنفذ عمرؓ کے چچا زاد بھائی کو علیؓ کے پاس بھیجا کہ اُن کو بلا لائے تاکہ بیعت کریں پس علیؓ نہ آئے تب عمرؓ غصے میں آگئے اور خود اُن دونوں مظلوموں کے گھر روانہ ہوئے اور لکڑیوں کے گٹھے اور آگ ساتھ لے گئے جب اُن کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ دروازہ بند ہے زور سے آواز دی يَا ابْنَ اَبِيْ طَالِبٍ اِفْتَحِ الْبَابَ، علیؓ نے سکوت کیا اور دروازہ نہ کھولا۔ پھر عمرؓ نے دروازے کو آگ لگا دی اور جلا دیا اندر گھر کے بے دھڑک گھس گئے۔ زہراؓ نے جب ایسی کیفیت دیکھی تو بے اختیار گھر میں سے نکل آئیں اور عمرؓ کے مقابل ہوئیں اور چلائیں اور باپ کے لئے رونا شروع کیا کہ وَا اَبَتَاهُ (ہائے باپ میرے) پھر عمرؓ نے تلوار میان سمیت اُن کے پہلو میں چبھوئی اور علیؓ سے کہا خبردار ہو اُٹھ ابوبکرؓ سے بیعت کر نہیں تو تجھ کو مار ڈالوں گا۔ سب صحابہؓ اس واقعہ میں حاضر تھے کسی نے دم نہ مارا اور رسولؐ کی بیٹی داماد کو دشمنوں کے قبضے میں ڈال دیا وصیتِ پیغمبرؐ کو جو اہلِ بیت کے حق میں تھی پیٹھ کے پیچھے پھینکا۔

❋ جواب اس طعن کا یہ ہے کہ یہ دروغ بے فروغ جس کے سُننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں شیعہ اور جھوٹے مفتریانِ کوفہ کا ہے اُنھوں نے بنایا ہے جواب اس کا سوا اس کے نہیں ہے کہ سچ کہتے ہو ع

دروغے راچرا باشد فروغے

اگر ہر جھوٹ کا اپنے اہلِ سُنّت سے جواب چاہیں یقین ہے کہ یہ ایسے موقع پر عجز ہی کریں گے وہ مَثل ہے کہ جھیلے کے سامنے ہر کوئی لاجواب ہے پہلے تو قصہ اہلِ سنت کی کتابوں سے نکالنا چاہیئے پھر جواب مانگنا چاہیئے۔ اور جب شیوہ اہلِ سُنّت کا نہیں ہے کہ جھوٹی روایتیں جوڑیں ناچار جو سچ ہے بے کم و کاست لکھا جاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ کوئی شخص صحابہؓ سے حضرت امیرؓ اور حضرت زہراؓ کی ایذا و آزار کے پیچھے نہیں پڑا اور کچھ پرخاش اُن سے نہ کی۔ بلکہ ہمیشہ تعظیم و توقیر اور محبت و مددگاری اُن کی کرتے رہے ہیں، جس وقت انھوں نے اُن سے مدد مانگی اور محتاج مدد کے ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن ابزٰی کہتا ہے :۔

شَهِدْنَا صِفِّيْنَ مَعَ عَلِيٍّ فِيْ ثَمَانِ مِائَةٍ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ وَقُتِلَ مِنْهُمْ ثَلَاثَةٌ وَسِتُّوْنَ رَجُلًا مِنْهُمْ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ وَخُزَيْمَةُ بْنُ ثَابِتٍ ذُو الشَّهَادَتَيْنِ وَجَمْعٌ كَثِيْرٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَقَدْ ذَكَرَهُمْ فِي الْاِسْتِيْعَابِ وَغَيْرِهٖ

ہم موجود تھے صفین کی لڑائی میں علیؓ کے ساتھ اُن آٹھ سو آدمیوں کے جنھوں نے بیعت کی تھی درخت کے نیچے بیعتِ رضوان اور مارے گئے اُن سے تریسٹھ آدمی کہ انہی میں عمار بن یاسر اور خزیمہ بن ثابت تھے کہ جو حکم دو گواہوں کا رکھتے تھے یعنی اُن اکیلے کو دو گواہ کے برابر جانتے تھے اور بہت جماعت مہاجرین اور انصار سے کہ جن سب کا ذکر کیا ہے استیعاب میں اور سوائے اس کے۔

اور یہ ہیں خطبے حضرت امیرؓ کے نہج البلاغۃ میں اور نامے آپؓ کے جو معاویہؓ کو لکھے ہیں موجود ہیں کہ اپنی خلافت کی حقیت اُن کی رفاقت کو ٹھہرایا ہے۔ اگر معاذ اللہ اس قسم کا حال حضرت امیرؓ اور زہراؓ پر گزرا ہوتا ابوبکرؓ کے زمانہ میں عمرؓ کے ہاتھ سے اور قنفذ کے ہاتھ سے جو ایک مجہول الاسم والمسمیٰ یعنے نہ جس کا نام نہ نشان، کیونکر ہو سکتا کہ اتنے مہاجر اور انصار صفین میں رفاقت کرتے اُس وقت کہ زمانہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا قریب گزرا تھا اور ذات پاک حضرت زہراؓ جگر گوشہ رسولؐ کی موجود اور ابوبکرؓ و عمرؓ کو قوت اور شوکت انہی دونوں فرقوں سے بخلاف معاویہؓ کے قریب لاکھ آدمی کے اہلِ شام اور پہلوانان اُس ملک سے اُن کے ساتھ تھے، اور مہاجر و انصار کو جو برابر نہیں گنتے تھے۔ باوصف ان سب مراتب کے اُس وقت رفاقت کرنا اور اُس وقت کہ مہاجر و انصار بھی بکثرت موجود تھے کوئی آدمی نہ مُرانہ کوئی شہید ہوا سبب ترک رفاقت کی خصوصاً ایسے موقع پر کہ جہاں ظلم و غصب ہو کہ خاندانِ رسولؐ سے ظلم کا دفع ضروری، برخلاف معاملہ معاویہؓ کے کہ وہ حضرت امیرؓ پر چڑھ کر نہیں آئے تھے بلکہ انکے بغی کے سبب سے حضرت امیرؓ نے اُن پر فوج کشی کی تھی کسی عاقل کی عقل میں یہ بات نہیں آتی۔ ہاں مگر وہ شخص جس کی عقل شیطان اور اُس کے اخوان نے برباد کر دی ہو اور گمراہی کے جنگل میں حیران چھوڑ دیا ہو۔

یہ تو حال جمہور صحابہؓ کا ہے۔ اب ہم ابوبکرؓ و عمرؓ کے حال پر آتے۔ پس ابوبکرؓ ہمیشہ فضائل حضرت امیرؓ کے بیان کرتے تھے۔ لوگوں کو امیرؓ کی محبت و تعظیم و توقیر کی تاکید فرماتے تھے۔ دارقطنی اور شعبی روایت کرتے ہیں کہ :۔

بَيْنَا اَبُوْ بَكْرٍ جَالِسٌ اِذْ طَلَعَ عَلِيٌّ فَلَمَّا رَاٰهُ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى اَعْظَمِ النَّاسِ مَنْزِلَةً وَّاَقْرَبِهِمْ قَرَابَةً وَّاَفْضَلِهِمْ تَبَعًا لَّهٗ وَاَكْثَرِهِمْ غِنَاءً عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا الطَّالِعِ۔

اس حال میں کہ ابوبکرؓ بیٹھے تھے کہ ناگاہ نمودار ہوئے علیؓ، پس دیکھا اُن کو اور کہا کہ جس کو اچھا معلوم ہو کہ میں بزرگترین مردم کو دیکھوں جو مرتبے میں ہو اور قرابت میں اُن کا قریب تر اور سب میں بہتر فرمانبرداری حضرتؐ میں اور زیادہ تر لوگوں سے آدمی کے معاملہ میں واسطے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پس دیکھے اس شخص کو جو نمودار ہے۔

ایسی ہی عمرؓ تعظیم و توقیر اور مشورہ و صلاح کرنے میں حضرت امیرؓ کے بہت مبالغہ کرتے تھے۔ دارقطنی نے سعید بن مسیب سے روایت کی عمرؓ بن خطاب سے۔

اَنَّهٗ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِعْلَمُوْا لَا يَتِمُّ شَرَفًا اِلَّا بِوِلَايَةِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔

بیشک اُس نے کہا اے لوگو! جانو کہ نہیں پوری ہوتی بزرگی مگر برفاقت علیؓ بن ابی طالب۔

اور جب صحابہؓ کو اختلاف پڑا معاملہ موؤدہ اور جو حمل کہ مہینہ دو مہینے کا ساقط کر دیتے ہیں داخل موؤدہ ہے یا نہیں۔ بعض پرہیزگاروں نے ان میں سے کہا کہ یہ بھی موؤدہ ہے اور حضرت امیرؓ نے فرمایا :۔

وَاللّٰهِ تَكُوْنُ الْمَوْءُوْدَةُ حَتّٰى تَاْتِيَ عَلَيْهَا التَّارَاتُ السَّبْعُ قَالَ لَهٗ عُمَرُ صَدَقْتَ اَطَالَ اللّٰهُ بَقَاءَكَ۔

قسم ہے خدا کی موؤدہ وہ ہے کہ اُس پر آئیں سات تارات کہا اُن سے عمرؓ نے سچ کہا تو نے بڑی کرے اللہ تیری عمر۔

ابوالقاسم حریری نے درۃ الغواص فی اغلاط الخواص میں کہا ہے كَانَ عُمَرُ اَوَّلَ مَنْ اَنْطَقَ بِهٰذَا الدُّعَاءِ (جس نے کہ پہل اس دعا کی کی ہے وہ عمرؓ ہیں)۔ اور عبداللہ بن عمرؓ کہ خلفِ رشید اپنے پدر بزرگوار کے ہیں اور صحابی ہیں مستقل عمدہ اصحاب سے ہمیشہ افسوس کرتے تھے کہ ہمراہ امیرؓ کے باغیوں کی لڑائیوں میں کیوں نہیں سوار ہوا اور رفاقت نہ کی۔

اور طبرانی نے اوسط المعاجم میں روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے جو خبر توجہ امام حسین علیہ السلام کی سُنی مکہ سے دوڑ کر مسیرہ پر تین رات میں اُن کے پاس پہنچے اور کہا :۔

اَيْنَ تُرِيْدُ فَقَالَ الْحُسَيْنُ اِلَى الْعِرَاقِ

کہاں کا ارادہ رکھتے ہو۔ پس فرمایا حسینؓ نے عراق کا۔

فإذا معه كتب وطوامير فقال هذه كتبهم وبيعتهم فقال لا تنظر إلى كتبهم ولا تأتهم فقال ابن عمر إني محدثك حديثا إن جبريل أتى النبي صلى الله عليه وسلم فخيره بين الدنيا والآخرة فاختار الآخرة وإنك بضعة من رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يليها أحد منكم فأبى أن يرجع فاعتنقه ابن عمر فبكى وأجهش في البكاء وقال أستودعك الله من قتيل. وروى البزار نحوه بإسناد حسن جيد.

پس ناگاہ اُن کے پاس دیکھے خط اور طومار سو فرمایا یہ سب خط و طومار اور عہد اُن لوگوں کے ہیں۔ پھر کہا عمرؓ کے بیٹے نے تم ان خطوں پر نظر مت کرو اور ان کے پاس مت جاؤ۔ میں ایک بات تم سے کہتا ہوں بیشک آئے جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو مختار کیا اُن کو دنیا و آخرت میں۔ پس پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے آخرت اختیار کی اور تم بھی بیشک اُنہی کے ایک ٹکڑے ہو ہرگز تم میں سے متولی خلافت کا نہ ہوگا۔ لیکن حسینؓ نے اس بات کو نہ مانا کر لوٹیں۔ پس معانقہ کیا ابن عمرؓ نے اُن سے اور روئے چلّاکر رونا، اور کہا میں نے تجھ کو خدا کے سپرد کیا اے مقتول۔

اب ہم آتے اُن لڑائیوں کے بیان پر کہ طلحہؓ اور زبیرؓ اور اُمّ المؤمنینؓ کو حضرت امیرؓ سے پیش آئیں سو ہرگز بسبب بغض و عداوت کے نہ تھیں کہ حضرت امیرؓ سے اُن کو ہو نہ اُن کی ایذا کا قصد تھا۔ بلکہ اور سبب تھے کہ شرح اُن کی تواریخ ثقات میں مذکور ہے، یہ سب وقوع میں آیا۔ مجمل اُس کا یہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ بن عفان کو کوفہ اور مصر کے لوگوں نے شہید کیا تو حضرت امیرؓ نے موافق مصلحت وقت کے مناسب سمجھا کہ اُن سے اُلجھیں اور سکوت فرمایا۔ وہ بدبخت اپنے اس فعل بد پر بڑا فخر کرنے لگے اور عثمانؓ کو بُرا کہتے اور یہ کہ ہم حق پر تھے ایک گروہ بڑے بڑے صحابہؓ سے جیسے طلحہؓ اور زبیرؓ اور نعمانؓ بن بشیر اور کعبؓ بن عجرہ وغیرہم عثمانؓ کے قتل پر افسوس و رنج کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ حادثہ اس اُمّت میں نہایت ہی بد اور قبیح ہوا۔ اگر ہم جانتے کہ یہ بلوہ اس حد کو پہنچے گا پہلے ہی سے روکتے، اور وہ مظلوم مارے گئے وہی حق پر تھے، اور قاتل اُن کے باطل پر۔ جب یہ باتیں ان صحابہؓ کی عثمانؓ کے قاتلوں کے کان میں پہنچیں چاہا کہ ان صحابہؓ کو بھی عثمانؓ کے پاس پہنچا دیں۔ مخلص لوگوں نے اس ارادہ فاسد پر واقف ہو کر ان کو خبردار کیا۔ اس واسطے یہ صحابہؓ مکہ کو روانہ ہوئے اور وہاں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کو کہ حج کو گئی تھیں پایا، اور عرض کیا کہ ہم تمہاری پناہ میں آئے ہیں اس واسطے کہ تم سب مسلمانوں کی ماں ہو۔ بچہ جب کسی چیز سے ڈرتا ہے تو ماں کے دامن میں چھپتا ہے تم کو لازم ہے کہ عرب کے شر و غوغا کو ہم سے باز رکھو کہ امیر المؤمنینؓ بسبب مصلحت وقت کے ان بدبختوں کے دفع شر سے خاموش ہیں اور وہ بدنصیب اُن کے سکوت سے زیادہ شوخ و دلیر ہو کر ہاتھ و زبان ظلم و تعدّی کا بڑھا رہے ہیں۔ جب تک کہ

عثمانؓ کا قصاص نہ لیا جائے اور اِن بدکرداروں کو سزا واجبی نہ دی جائے یہ لوگ اور ان کے مثل نہایت ہی ظلم و خونریزی میں دلیر ہو جائیں گے ہم کو ہرگز اطمینان حاصل نہ ہوگا۔ عائشہؓ نے فرمایا صلاح یہ ہے کہ جب تک یہ بدبخت مدینہ میں ہیں اور امیر المؤمنینؓ کے دربار کو گھیرے ہوئے اور اُن کو مجبور کئے ہوئے ہیں تم مدینہ کو نہ جاؤ دوسری جگہ جہاں موقع امن و اطمینان کا ہو رہو۔ اور علیؓ بن ابی طالب کو اُس گروہ سے حیلہ اور تدبیریں کرکے الگ کرو اور اپنے بیچ میں بلا لو۔ جب خلیفہ تمہارے ہاتھ آجائے گا اور تمہارا رفیق ہو جائے گا اُس وقت فکر تنبیہ اور سزا اور لینے قصاص عثمانؓ کے کریو کہ آئندہ اَوروں کو عبرت کی آنکھیں کھل جائیں اور ایسے کام سہل مت جانو، سب صحابہؓ نے اُس کو پسند کیا اور عراق و بصرہ کے اطراف کو کہ مجمع مسلمانوں کے لشکر کا وہاں تھا ترجیح دی۔ عائشہؓ کو بھی باعث ہوئے کہ جب تک فتنہ رفع ہو اور امن حاصل ہو اور امور خلافت کی درستی ہو جائے اور ہم خلیفہؓ سے مل لیں تم بھی ہمارے ساتھ رہو کہ تمہارے ادب سے کہ مسلمانوں کی ماں ہو اور حرم محترم حضرت رسولؐ کی اور جملہ ازواج اور سب سے زیادہ محبوب مقبول یہ بدبخت ہمارا قصد نہ کریں گے اور تلف نہ کریں گے۔ ناچار عائشہؓ بھی بقصد مصالحت اور انتظام امور اُمّت اور جان بچانے چند بڑے بڑے صحابہؓ رسولؐ کے کہ اُن کے اقربا بھی تھے بصرہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ حضرت امیرؓ کو عثمانؓ کے قاتلوں نے کہ تمام امور خلافت میں محیط و مختار ہو رہے تھے اس قصے کو دوسرے طور پر پہنچایا اور باعث ہوئے کہ خواہ مخواہ اُن کے پیچھے نکلنا چاہیے۔ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ اور عبداللہؓ بن جعفر اور عبداللہ بن عباسؓ ہرچند اس حرکت سے مانع ہوئے اُن بدبختوں کے غلبہ کے سبب سے کوئی بات پیش نہ گئی۔ آخر حضرت امیرؓ کو نکالا۔ جب متصل بصرے کے پہنچے تو اوّل قعقاع کو پاس اُمّ المؤمنینؓ کے اور طلحہؓ اور زبیرؓ کے بھیجا کہ اُن کا قصد دریافت کرکے خلیفہ کے سامنے عرض کرے۔ قعقاع اُمّ المؤمنینؓ کے پاس گیا اور کہا۔

يا أمّاه ما أشخصك وأقدمك هذه البلدة فقالت يا بني الإصلاح بين الناس ثم بعثت إلى الطلحة والزبير فحضرا فقال القعقاع أخبراني بوجه الإصلاح قالا قتلة عثمان فقال القعقاع هذا لا يكون إلا بعد اتفاق كلمة المسلمين وسكون الفتنة فعليكما بالمساهلة في هذه الساعة فقالا أصبت وأحسنت

اے مادر کس بات نے تجھ کو اُٹھایا اور اس شہر میں پہنچایا۔ پس کہا عائشہؓ نے اے پسر قصد صلح نے لوگوں میں پھر آدمی بھیجا عائشہؓ نے طلحہؓ اور زبیرؓ کے پاس، وہ دونوں حاضر ہوئے پھر پوچھا قعقاع نے خبر دو مجھ کو صلح کی راہ سے، دونوں نے کہا عثمانؓ کے قاتل۔ قعقاع نے کہا یہ ہونا نہیں جب تک کہ سب مسلمان متفق نہ ہوں اور فتنہ نہ دب جائے۔ پس تم قبول کرو اس وقت سہولت، دونوں نے کہا سچ کہا تو نے اور بہت ہی اچھا کہا۔

فَرَجَعَ الْقَعْقَاعُ إِلَىٰ عَلِيٍّ فَأَخْبَرَهُ بِذٰلِكَ فَسَرَّهُ بِهِ وَاسْتَبْشَرَ وَأَشْرَفَ الْقَوْمُ عَلَى الصُّلْحِ وَلَبِثُوا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ لَا يَشُكُّونَ فِي الصُّلْحِ۔	پھر قعقاع علیؓ کے پاس لوٹ گیا اور یہ خبر اُن کو دی علیؓ خوش ہوئے اور خوشی کے مارے چہرہ روشن ہوگیا اور قوم منتظر صلح کی ہوئی تین روز تک دیر کی اور صلح کے معاملہ میں کسی کو شک نہیں تھا۔

جب تیسرے دن کی شام ہوئی تو قاصد اور درمیانی دونوں میں مقرر ہوئے کہ صبح طلحہؓ اور زبیرؓ سے امیرؓ کی ملاقات ہو اور قاتل عثمانؓ کے اُس میں حاضر نہ ہوں۔ ایسی صلح اُن بدبختوں پر بہت سخت ہوئی ہاتھ پاؤں چھوڑ دیئے حیران و پریشان عبداللہ بن سبا کے پاس گئے جس نے اُن کو بہکایا تھا اس سے تدبیر پوچھی۔ اس نے کہا کہ اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں ہے کہ رات سے لڑائی شروع کرد و اور امیرؓ سے کہو کہ اُن کی طرف سے یہ دغا شروع ہوئی آخر اُس کی تدبیر کے موافق پچھلی رات میں یہ لوگ سوار ہوکر امّ المومنینؓ کے لشکر کے گرد دوڑے اِس لشکر میں حضرت امیرؓ کی دغا کا شور پڑگیا اور اُس طرف سے یہ شور اٹھا کہ طلحہؓ و زبیرؓ نے دغا کی۔ حضرت امیرؓ متعجب ہوکر سوار ہوئے دیکھا کہ آتش لڑائی کی بھڑکی ہوئی ہے ہاتھ پاؤں اور سر کاٹے جاتے ہیں۔ مجبور ہوکر آپ بھی لڑنے لگے پھر ہوا جو کچھ ہوا۔ قرطبی اور اہلِ سُنّت کے تمام مؤرخوں نے اس واقعہ کو ایسا ہی روایت کیا ہے۔ اور حضرت امام حسنؓ اور عبداللہؓ بن جعفر اور عبداللہ بن عباسؓ سے بھی اسی طور پر نقل کیا ہے۔ اگرچہ قاتل عثمانؓ کے کہ اگلے شیعہ اور اُن کے تابع ہیں دوسری طرح نقل کرتے ہیں جس کو اہلِ سنّت گوزِ شتر جانتے ہیں۔

اور معاویہؓ اور اہلِ شام کو بھی اول میں یہی دعویٰ تھا کہ عثمانؓ کے قاتلوں کو لینا چاہیئے اور قصاص کرنا ضروری ہے۔ لیکن حضرت امیرؓ کو اُن کے دیدینے میں کہ اُس وقت اُن کی بہت شوکت تھی اور غلبہ تھا خصوصًا بعد جنگ جمل اور میدان خالی ہوجانے کے کہ کوئی جھگڑنے والا اور مزاحم نہ رہا تھا عذر واجبی تھا اس واسطے اُن کا مدّعا مقبول نہ ہوا اور یہ لوگ بدگمان ہوکر منکر ان کی خلافت کے ہوئے۔ اور بدکہنے لگے کہ ان کو لیاقت اس کام کی نہیں ہے حتّٰے کہ لڑنے کو مُستعد ہوئے۔ اب نہج البلاغت میں دیکھنا چاہیئے کہ اُن لوگوں کے حق میں حضرت امیرؓ نے کیا فرمایا ہے: اَصْبَحْنَا نُقَاتِلُ اِخْوَانَنَا فِي الْاِسْلَامِ عَلٰى مَا دَخَلَ فِيْهِمْ مِنَ الزَّيْغِ وَالْاِعْوِجَاجِ وَالشُّبْهَةِ وَالتَّاوِيْلِ (صبح کی ہم نے اس حال میں کہ ہم اپنے بھائیوں سے لڑتے ہیں دین اسلام میں جو کچھ بے راہی اور کج روی اور شبہ اور تاویل دین میں داخل ہوئے ہیں) اور قاتلانِ عثمانؓ کے حق میں نہج البلاغۃ میں موجود ہے کہ:۔

قَالَهُ بَعْضُ اَصْحَابِهِ لَوْ عَاقَبْتَ قَوْمًا	کہا اُن سے یعنی علیؓ سے اُن کے بعض یاروں نے کیا اچھا ہو کہ سزا دیجائے

اَجْلَبُوْا عَلٰى عُثْمَانَ فَقَالَ يَا اِخْوَتَاهُ اِنِّيْ لَسْتُ اَجْهَلُ مَا تَعْلَمُوْنَ وَلٰكِنْ كَيْفَ بِهِمْ وَالْمُجْلِبُوْنَ عَلٰى حَدِّ شَوْكَتِهِمْ يَمْلِكُوْنَنَا وَلَا نَمْلِكُهُمْ وَهَا هُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ قَدْ ثَارَتْ مَعَهُمْ عُبْدَانُكُمْ وَالْتَفَّتْ اِلَيْهِمْ اَعْرَابُكُمْ وَهُمْ خِلَالَكُمْ يَسُوْمُوْنَكُمْ مَا شَاۗءُوْا۔ كَذَا فِيْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ۔	وہ قوم جس نے غوغا عثمانؓ پر کیا تو کہا اے بھائیو! میں بے خبر نہیں جس سے تم مجھ کو خبردار کرتے ہو لیکن کیونکر میرا قابو ہو اُن پر کہ یہ غوغا کرنے والے اپنی شوکت پر ہیں مجھ پر مختار ہیں میں اُن کا مختار نہیں ہوں اور یہ جو اُنھوں نے ایسا جوش کیا ہے ان کے ساتھ تمھارے غلام اور تمھارے ہی صحرائی جمع ہوگئے ہیں اور یہ تم میں ہیں اور بُرائیاں کرتے ہیں جیسی چاہتے ہیں۔ جیساکہ نہج البلاغت میں ہے۔

اِس موقع سے معلوم ہوا کہ حقیقۃً تغافل حضرت امیرؓ کا اس امر سے جو اور صحابہؓ چاہتے تھے محض ناچاری و ضرورت سے تھا حضرت امیرؓ اس امر میں معذور تھے پس جو کچھ نہج البلاغۃ میں ہے سب شیعہ کا مانا ہوا ہے اہلِ سُنّت کو اُن روایتوں میں کچھ دخل نہیں ہے۔ اور اگر روایاتِ اہلِ سُنّت کو ذکر کریں حقیقت حال کی ایسی روشن ہو کہ آفتاب سے زیادہ۔ باوجودیکہ شیعہ ایسی روایتوں کو ذکر نہیں کرتے اور بہ نظر حفاظت اپنے مذہب کے ان سے بہت بچتے ہیں، لیکن یہ بھی خدا کی طرف سے ایک دلیل قطعی ہے کہ ایک دو روایت کو بھی ان کی کُتب میں ایسا امانت رکھدیا ہے کہ اہلِ سنّت کے بڑے کام آجاتی ہیں کیسے ہی یہ ان سے کود کود کر نکلے ہیں اور جو کچھ قصہ قنفذ اور دروازہ فاطمہؓ کا جلا دینے اور اُن کے پہلو میں تلوار چبھونے کے معاملہ میں لکھا ہے یہ سب جھُوٹی باتیں اور افترا شیاطین کوفہ کے ہیں جو شیعہ اور رافضیوں کے پیشوا ہوئے ہیں ہرگز کسی اہلِ سُنّت کی کتاب میں نہ صحیح طریق پر نہ ضعیف طریق پر موجود ہے۔ اور روایتوں کی اور راویوں کی جو حالت پیچھے مفصّل بیان کی گئی کہ انہی کی روایتوں سے بُہتان و افترا ان کا حضرات ائمہؒ پر ثابت ہوتا ہے کہ کیسا کیسا جھُوٹ اُنھوں نے اُن پر جوڑا ہے۔ باوصف اس کے کہ کمال دعویٰ محبت کا ان سے رکھتے ہیں۔ پھر جن سے کہ عداوت رکھتے ہیں اور اُن کی عداوت کو اپنا دین ایمان بنایا ہے کونسے طومار بُہتان کے ہیں جو نہ لکھیں گے۔

اور اہلِ سنّت نے کہ اپنے دین و ایمان کو قرآن مجید اور اہلِ بیت طاہرہ کی باتوں سے وابستہ کیا ہے جیساکہ اگلے بابوں میں مفصّل معلوم ہوا کیسی ان کی جھُوٹی روایتوں کو جن پر نہ قرآن گواہی دے نہ عترتِ طاہرہ سُن لیں گے۔ بس یہی دو گواہ عادل ان کے بُہتان و افتر کے باطل کرنے کو کافی شافی ہیں۔ اگر خدا کی گواہی سُننا منظور ہو تو قرآن مجید کو دیکھنا چاہیئے کہ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (تواضع کرنے والے مؤمنوں سے اور غالب کافروں پر) کون سے فرقے کے حق میں آیا ہے۔ اور یہی غور کرنا چاہیئے کہ تواضع مؤمنوں کی ایسی ہی ہوتی ہے جو اِس قصّے میں واقع ہوئی۔ اور یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ

بَیْنَھُمْ (یعنے سختی کرنے والے کافروں پر اور مہربان آپس میں) یہ کن لوگوں کے حق میں ہے اور مقتضائے رحمت یہی ہے جو عمل میں آیا۔ آور دیکھنا چاہیے اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (وہ لوگ کہ اگر قدرت دیں گے ہم اُن کو زمین میں قائم کریں گے نماز اور دیں گے زکوٰۃ اور امر کریں گے نیکی کا اور منع کریں گے بدی سے) یہ کونسی جماعت کا حال ہے اور اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ یہی تو ہوتا ہے کہ زہراؑ کا گھر جلا دیں اور اُن کے پہلو کے اندر تلوار چبھو کر صدمہ پہنچائیں! آور بھی دیکھنا چاہیے وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْعِصْیَانَ (لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو محبت ایمان کی دی اور رونق اُس کی تمہارے دلوں میں اور مکروہ ٹھہرایا تمہارے نزدیک کفر اور بدکاری اور گناہ کو) خطاب کس گروہ کے ساتھ ہے اور یہ فعل بد فسوق وعصیان ہے یا نہیں۔ یہ ہیں گواہیاں ناطق قرآن مجید کی صحابہؓ کی بریت پر کہ یہ فعل شنیع ان سے نہیں ہوا۔

آور اگر چاہیں کہ گواہی حضرت امیرؑ کی سُنیں تو نہج البلاغۃ کو دیکھیں۔ جو کچھ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے حق میں کہا ہے مطالعہ کریں:۔

قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ مُخَاطِبًا لِاَصْحَابِہٖ ذَاکِرًا لِاَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَیْتُ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَا اَرٰی اَحَدًا مِّنْکُمْ یُشْبِھُھُمْ لَقَدْ کَانُوْا یُصْبِحُوْنَ شُعْثًا غُبْرًا بَاتُوْا سُجَّدًا وَّقِیَامًا یُرَاوِحُوْنَ بَیْنَ جِبَاھِھِمْ وَاَقْدَامِھِمْ یَقِفُوْنَ عَلٰی مِثْلِ الْجَمْرِ مِنْ ذِکْرِ مَعَادِھِمْ کَاَنَّ بَیْنَ اَعْیُنِھِمْ رُکَبًا مِّنْ طُوْلِ سُجُوْدِھِمْ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ ھَمَلَتْ اَعْیُنُھُمْ حَتّٰی تَبُلَّ جُیُوْبَھُمْ وَمَادُوْا کَمَا یَمِیْدُ الشَّجَرُ فِی الْیَوْمِ الرِّیْحِ الْعَاصِفِ خَوْفًا مِّنَ الْعِقَابِ وَرَجَاءَ الثَّوَابِ۔

فرمایا علی رضی اللہ عنہ نے یاروں کی طرف خطاب کر کے جس وقت کہ ذکر کیا اصحاب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا۔ بیشک میں نے دیکھا ہے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سو نہیں دیکھتا ہوں میں تم میں سے کسی کو اُن کے مشابہ۔ یہ وہ لوگ تھے کہ صبح کرتے تھے پریشان مُو غبار آلودہ رات بسر کرتے تھے سجدہ اور قیام میں نہ نوبت آرام کی دیتے اپنی پیشانیوں کو اور اپنے قدموں کو کھڑے رہتے تھے مثل انگارے کے اپنی یاد معاد سے گویا ان کی دونوں آنکھوں میں نقش زانو کا ہے بسبب طول سجدوں کے۔ جس وقت کہ یاد خدا کی کی جاتی تھی پانی بہاتی ہیں ان کی آنکھیں کہ تر کرتی ہیں ان کے مُنہ کو اور ہلتے ہیں جیسے ہلتا ہے درخت آندھی کے دن، خوفِ عذاب اور امیدِ ثواب سے۔

وَقَالَ اَیْضًا لَقَدْ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَقْتُلُ اَبْنَاءَنَا

وَاٰبَاءَنَا وَاِخْوَانَنَا وَاَخْوَالَنَا وَاَعْمَامَنَا وَمَا یَزِیْدُنَا ذٰلِکَ اِلَّا اِیْمَانًا وَّتَسْلِیْمًا وَّمُضِیًّا عَلَی اللَّقَمِ وَصَبْرًا عَلٰی مَضَضِ الْاَلَمِ وَجِدًّا عَلٰی جِھَادِ الْعَدُوِّ وَلَقَدْ کَانَ الرَّجُلُ مِنَّا وَالْاٰخَرُ مِنْ عَدُوِّنَا یَتَصَاوَلَانِ تَصَاوُلَ الْفَحْلَیْنِ یَتَخَالَسَانِ اَنْفُسَھُمَا اَیُّھُمَا یَسْقِیْ صَاحِبَہٗ کَاْسَ الْمَنُوْنِ فَمَرَّۃً لَّنَا مِنْ عَدُوِّنَا وَمَرَّۃً لِعَدُوِّنَا مِنَّا فَلَمَّا رَاَی اللّٰہُ صِدْقَنَا اَنْزَلَ بِعَدُوِّنَا الْکَبْتَ وَاَنْزَلَ عَلَیْنَا النَّصْرَ حَتَّی اسْتَقَرَّ الْاِسْلَامُ مُلْقِیًا جِرَانَہٗ وَمُتَبَوِّءًا اَوْطَانَہٗ وَلَعَمْرِیْ لَوْ کُنَّا نَاْتِیْ مَا اَتَیْتُمْ مَا قَامَ لِلدِّیْنِ عَمُوْدٌ وَلَا اخْضَرَّ لِلْاِیْمَانِ عُوْدٌ۔

آور بھی فرمایا علی رضی اللہ عنہ نے ہر آئینہ ہم تھے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ اپنے لڑکوں اور باپوں اور بھائیوں اور ماموؤں اور چچاؤں کو قتل کرتے تھے اور اس سے زیادہ ایمان ہمارا ہوتا تھا اور اطاعت اور جاری ہونے راہِ راست اور صبر رنج کے تلخی اور کوشش جہاد کا دشمن پر، آور بیشک ہوتا تھا ہم میں سے ایک مرد اور دوسرا ہمارے دشمن سے دونوں باہم حملہ کرتے تھے جیسے دو مرد نر جنگی حملہ کرتے ہیں ہر ایک ایک دوسرے کی جان لیتا تھا کہ دونوں سے کون اپنے حریف کو پیالہ موت کا پلائے سو کبھی دفعہ ہماری فتح ہوتی تھی کبھی دفعہ دشمن کی ہم پر۔ پس جب دیکھا خدا تعالیٰ نے ہمارے صدق کو تو اُس نے ہمارے دشمن پر ذلت نازل کی اور ہم پر نصرت اپنی یہاں تک کہ اسلام قائم ہوا اس حال میں کہ پائیدار ہو گیا تھا سایہ اُس کا اور وطن پکڑا اور قسم ہے مجھ کو اپنے جان کی اگر ہم ایسے ہوتے جیسے تم تو لاتے جو کچھ تم لائے دین قائم نہ ہوتا اور نہ اسلام کی کوئی شاخ سرسبز ہوتی۔

آور جو اِن سب گواہوں کو ہم جانے دیں ایک آیت قرآن کی ہم کو اس قصّے کی تکذیب میں جو افترا کیا ہوا ہے کافی وافی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ صحابہؓ کے حق میں فرماتا ہے:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ۔

نہیں پائے گا تو اُس قوم کو جو اللہ تعالیٰ اور رسولؐ پر ایمان لائے ہیں اور قیامت پر کہ وہ دوستی رکھیں اُس شخص کی جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ سے ضد رکھتا ہے چاہے وہ اُن کے باپ ہی کیوں نہ ہوں یا اُن کے بھائی یا کُنبے والے، ایسے لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور مدد کی ہے اُن کی فیضِ باطن سے۔

پس اِس آیت سے صریح ثابت ہے کہ جو کوئی مخالف خدا تعالیٰ اور رسولؐ کا ہے اُس سے رغبت کرنا اور اُس کی جانب داری مرعی رکھنا اور حکم الٰہی برعایت دوستی کے جاری نہ کرنا صحابہؓ سے یہ سب محال ہے۔ پس جن لوگوں کا ایسا حال ہو کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسے واقعہ پر چُپ ہو کر بیٹھ رہیں یا بعض ان سے ایسی حرکت کریں اور ایسا امر بد ان سے ظہور میں آئے۔ حالانکہ بعد پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے بھی ترقی اسلام میں جان و مال نثار کرتے رہے ہوں اور ساری عمر

اُن کے طریقے جاری کرنے میں صرف کی ہو۔ سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ اور جب کہ اہلِ سنت و جماعت کے پاس گواہی خدا تعالیٰ و رسول و اور گواہی حضرت امیر المومنین اور حسنین کی موجود ہو پھر ان کو اخوان الشیاطین کی باتیں سُننا اور دل کی جوڑی باتوں ابن مطہر حلی اور ابن شہر آشوب ماژندرانی کی جو سوا گدھے کی ڈھینچوں اور کوّے کی کاؤں کاؤں کے اور کچھ نہیں ہے کیسی صورت پڑے گا اور کب سُنیں گے۔

طعن نہم۔ بخاری اور مسلم میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَأْخُذَ أُمَّتِيْ بِاَخْذِ الْقُرُوْنِ قَبْلَهَا شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَفَارِسَ وَالرُّوْمِ قَالَ وَمَنِ النَّاسُ اِلَّا اُولٰئِكَ۔

قائم نہ ہوگی قیامت جب تک کہ میری اُمت اختیار نہ کرے اُن کاموں کو کہ لوگوں نے اُن کو اگلی صدیوں میں اختیار کیا ہے ان سے پہلے بالشت بھر بالشت سے اور گز بھر گز بھر سے۔ کہا یا رسول اللہ! کیا کُفار فارس و روم کو فرماتے ہو؟ فرمایا اور لوگ کون ہیں سوا ان کے۔

اور یہ عجب طعن ہے تماشے کا کہ تمام اُمت کو صحابہؓ میں حصر کیا ہے۔ اور اس حدیث کو صحابہؓ کے حق میں اُتارا ہے۔ حدیث میں تو لفظ اُمت کا ہے نہ کہ لفظ صحابہؓ کا کہ اُمت آپ کی بیشتر مشابہت کفار فارس و روم کی کرتے ہیں عقائد میں اور اعمال میں اور اخلاق اور عیدوں میں اور رسوم قومیں میں جو کہ خدا تعالیٰ کے قائل ہیں کہتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (اللہ تیسرا ہے تین میں سے) اور رافضی غالی بھی کئی معبود کے قائل ہیں اور کہتے ہیں اَلْاٰلِهَةُ خَمْسَةٌ (یعنی معبود پانچ ہیں) جیسا کہ سابق ذکر ان کا گزرا بابِ اوّل میں۔ رومی کہتے ہیں کہ حشر روحانی ہے نہ کہ جسمانی۔ اسماعیلیہ اور رافضیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔ رومی پیشاب پاخانہ کی نجاست سے احتراز نہیں کرتے جیسا کہ فرقہ انگریزوں میں دیکھا جاتا ہے۔ امامیہ بھی پیشاب پاخانہ انسان کا نجس نہیں جانتے باوجود خلط ملط ہونے کے اُس پر نماز جائز کرتے ہیں كَمَا سَبَقَ نَقْلُهٗ فِيْ بَابِ الْفِقْهِ۔ رومی جھوٹ بُہتان خدا تعالیٰ و خدا کے رسول پر کرتے ہیں۔ امامیہ بدستور افترا و بُہتان میں اپنے وقت کے حافظ ہیں۔ فارسی خالق خیر کو جدا اور خالق شر کو جُدا ثابت کرتے ہیں۔ امامیہ بھی بلکہ تمام رافضی خدا کو پیدا کرنے والا نیکی کا شیطان کو پیدا کرنے والا بدی کا جانتے ہیں۔ فارسی قدر کا انکار کر کے کہتے ہیں کہ ارادہ آدمی کا ہو جاتا ہے اور ارادہ خدا کا نہیں ہوتا ہے۔ امامیہ بلکہ سب رافضی یہی مذہب رکھتے ہیں۔ فارسی نوروز کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور اسے عیدوں میں شمار کرتے ہیں، اور چاند جب عقرب میں ہوتا ہے اور طریقہ جس کو بھدرا کہتے ہیں، اور جن ایام میں چاند ڈوبا ہوتا ہے ان دنوں کو نحس جانتے ہیں۔ امامیہ بھی نوروز کی تعظیم کرتے ہیں اور ان چیزوں کو نحس جانتے ہیں۔ اور متعہ اور حلال کرنا فرجوں کا کہ معمول ہندو راجوں کا ہے امامیہ بھی اُس کو جائز گنتے ہیں۔ اور جو عورتیں

حرام ہیں اور ایسے ہی اغلام فارس کے مجوسیوں میں مباح ہے۔ ان کا جو فرقہ باطنیہ ہے اُن کا بھی یہی مذہب ہے۔ ماتم داری اور بیان کر کے رونا اور شیون کرنا نیلے کپڑے پہننا گریبان پھاڑنا اپنے بزرگوں کی مصیبت کے وقت میں معمول فارس کے مجوسیوں کا ہے۔ امامیہ کا بھی یہی طریق ہے اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْقَبَائِحِ الْكُفْرِيَّةِ (یعنی سوا ان کے اور بُرائیاں کفریہ)۔

طعن دہم یہ کہ بخاری نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَوْلَا اَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِكُفْرٍ وَاَخَافُ اَنْ تُنْكِرَ قُلُوْبُهُمْ لَاَمَرْتُ اَنْ يُّهْدَمَ الْبَيْتُ فَاُدْخِلَتْ فِيْهِ مَا اُخْرِجَ مِنْهُ وَاَلْزَقْتُهٗ بِالْاَرْضِ وَجَعَلْتُ لَهٗ بَابَيْنِ شَرْقِيًّا وَغَرْبِيًّا فَبَلَغْتُ بِهٖ اَسَاسَ اِبْرَاهِيْمَ۔

اگر وہ نہ ہوتے کہ تیری قوم کا زمانہ تازہ ہے کفر سے اور میں ڈرتا ہوں کہ ان کے دل قبول نہ رکھیں، ضرور حکم دیتا میں کہ توڑا جائے کعبہ ہمارا اور داخل کرتا میں اُس میں اُس کو جو نکالا گیا ہے اُس سے اور اُس کو زمین سے برابر کر دیتا۔ اور اُس کے دو دروازے بناتا ایک شرقی ایک غربی اور پہنچاتا میں کھودنے کو بنیادِ ابراہیم تک۔

اور عائشہؓ کی قوم سوا قریش کے اور کون تھی۔ پس معلوم ہوا کہ قریش صاف باطن نہ تھے اور ان کے باطن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ڈرتے تھے۔ اور بعض امور شریعت میں ان کے انکار کے خوف سے تقیہ کرتے تھے۔

جواب اس طعن کا یہ ہے کہ اگر قَوْمَكِ سے سب قریش مراد ہوں تو حضرت امیرؓ اور بنی ہاشم کا داخل ہونا بھی لازم آئے گا لِاَنَّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ (اس واسطے کہ یہ بھی قریش میں سے ہیں) اگر بعض مراد ہوں تو مفیدِ مدعا نہیں کیونکہ خوف تو مؤلفۃ القلوب اور نئے مسلمانانِ فتح مکہ سے تھا کہ ابھی آدابِ شریعت سے مؤدب نہیں ہوئے تھے اور ایمان اُن کا قوی نہ تھا نہ کہ اپنے اصحابوں سے۔ اور تقیہ تو وہاں ثابت کرنا چاہیے جو امور احکام رحمانی اور دین کی شریعتوں اور واجبات میں ہو نہ کہ دُنیا کی مصلحتوں میں اور شکست ریخت عمارتوں کی اگرچہ عمارت کعبہ کی ہو۔ کیونکہ یہ فعل باتفاق نہ ایسا ہے جس کا حکم خدا تعالیٰ سے ہوا ہو نہ واجب۔ اسی واسطے حدیث میں خوف واقع ہوا ہے اور خوف سے وقوع اُس امر کا لازم نہیں آتا۔ پس اس خبر کو سب صحابہؓ کے مطاعن میں لانا خصوصاً وہ لوگ کہ جن میں گفتگو اور کلام موجود ہے نہایت ہی تعصب و عناد ہے۔

باب ۱۱ یازدہم

درخواص مذاہب شیعہ

اہلِ سُنّت و جماعت نے بعد تلاش و جستجو کے پانچ خاصّے اس فرقہ میں پائے ہیں کہ اسلام کے اور کسی فرقہ میں نہیں پائے جاتے ہیں اگر ہیں تو بہت ہی نادر اور قلیل کہ وہ بھی اسی فرقہ سے سیکھے ہوئے اور انہی کی صحبت کے اثر سے ہیں۔ اول اوہام، دوم عادات، سوم غلوات، چہارم تعصبات، پنجم ہفوات۔ اول معانی ان پانچوں لفظوں کے سُننا چاہیئے۔ بعد اُس کے کچھ تھوڑا بقدر نمونہ اوہام و تعصّبات و غلوات و ہفوات سے مذکور ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

عادات یہ ہیں کہ ان کے خاص و عام میں تو مشہور ہے اور علموں نے ان کے اپنی تصنیفات میں اُس کی تصریح نہیں کی ہے نہ کتاب میں دیکھی گئی۔ جیسے اولیاء کی کرامت کا منکر ہونا اور ماتم اور نوحہ اور شیون اور تصویریں بنانا اور نوبت بجانا ایام عاشوراء میں اور اُس کو عبادت جاننا اور یہ سمجھنا کہ سال بھر کی بلائیاں سب اس سے مٹ جاتی ہیں گمان کرنا۔ اور عید بابا شجاع الدین میں ایک صورت ہم شکل عمرؓ کے آٹے کی بنانا اور اُس کے پیٹ میں شہد بھرنا پھر اُس کو مار کر وہ شہد پی لینا اور دوشنبہ کو نحس جاننا اور چار کی گنتی سے بچنا اور بارہ کی گنتی کو مبارک سمجھنا اور مثل ان کے۔ اور جو یہ خبریں باعث انکار کی نہیں ہوتی ہیں اس واسطے کہ ہر فرقہ نے اپنے واسطے ایک رسم و عادت نئی نکال لی ہے اور بدعتیں پیدا کی ہیں۔ اور جب علماء اور خاص لوگ اُس فرقہ کے اُس سے انکار کریں اور خلاف کتاب کے جانیں تو طعن سب پر سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اس واسطے اس رسالہ میں ان باتوں سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا۔ اور معہذا بعض عادتیں ان کی جیسے ترکِ جمعہ اور جماعت اور مسح دونوں پاؤں کا وضو میں۔ اور مسح موزہ کا جو سُنّت ہے اُس میں ترک سُنّت کرنا۔ اور سُنّت تراویح کا نہ پڑھنا، اور وطی دُبر کی راہ کرنا اور متعہ کو افضل عبادتوں سے جاننا کہ باب فقہ میں گزرا۔ اسی واسطے یہ امور اسی معنی کے سبب سے عادات میں داخل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ ان کی کتابوں سے ان کے علماء کی ٹھہرائی ہوئی یہ سب باتیں ہیں۔

اور ہفوہ وہ ہے کہ اپنے مذہب کی حفاظت یا دوسرے مخالف کے مذہب کی شکست کے واسطے وہ چیز کہ

خلاف دریافت اور ظاہر عقل کے ہو اُس کا اختیار کرنا۔

اور غلو وہ ہے کہ کوئی بات اپنے نزدیک نہایت محبت و اعتقاد سے اپنے محبوبوں کے حق میں ثابت کرنا یا جو چیز کہ اپنے نزدیک ثابت اُن کے حق میں ہے اُس سے انکار کرنا۔

اور تعصب یہ ہے کہ جو شے ثابت ہے اُس کی نفی اور جو نفی ہے یعنی ثابت نہیں اُس کا ثابت کرنا اپنے گمان میں نہایت بغض و عناد سے اُن لوگوں کے حق میں جن سے بغض ہے عمل میں لانا۔ پس غلو و تعصب ایک ہی مقدمہ سے ہے کہ اُس بات کو ثابت کرنا جو کچھ اپنے نزدیک نہیں ہے یا انکار کرنا اُس چیز سے جو کچھ اپنے نزدیک دونوں میں عمل میں آتا ہے۔ تفاوت درمیان غلو اور تعصب کے یہ ہے کہ جتنے محبوبوں کے حق میں واقع ہو تو غلو کہیں گے۔ اور جب یہی امر مبغوضوں کے حق میں واقع ہو تعصب کہتے ہیں کہ یہ دونوں بموجب نصِ قرآن کے حرام ہیں۔ قولہ تعالیٰ یَآ اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ (اے اہل کتاب مت غلو کرو تم اپنے دین میں اور مت کہو اللہ تعالیٰ پر سوائے حق کے) و قولہ تعالیٰ یَآ اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ (اے اہل کتاب کیوں نہیں مانتے ہو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو اور حالانکہ تم ہی گواہی دیتے ہو) اسی واسطے غلو و تعصب کو ایک ہی فصل میں جمع کیا گیا اور شہرت کے سبب سے دونوں کا تعصب ہی نام رکھا گیا۔ لیکن اوہام کہ سر منشاء اس کا بالکل گمراہی کا ہے سب پر مقدم کیا گیا علیحدہ فصل میں۔ پس یہ باب تین فصل پر مُرتب ہوا۔ ایک فصل اوہام میں ایک تعصبات میں ایک ہفوات میں۔

فصلِ اوّل اوہام شیعہ میں۔ جاننا چاہیئے کہ عقل کی فکر میں اکثر غلطی وہم کے غلبے سے پڑتی ہے۔ اسی واسطے جو فرقہ ایسا ہے کہ وہم اُن پر غالب ہو اُن کی عقل کا بھی کچھ اعتبار نہیں ہوتا جیسے لڑکی عورتیں۔ اسی واسطے لڑکوں کے لئے کاٹ کا گھوڑا ہی دوڑنے والا ہوتا ہے۔ اور شیر قالین کا درندہ۔ اور عورتوں کے نزدیک جو مرض جہاں میں ہوتا ہے شیخ سدو اور زین خان کی تاثیر سے ہوتا ہے۔ اور جو رسوم کہ شادی غمی میں مقرر کر رکھے ہیں اُن کا چھوڑ دینا ان کے نزدیک ایسا حرام ہے جیسے شرع کی حرام کی ہوئی چیزیں، اور ایسا محال کہ جیسے عقل نے جن باتوں کو محال ٹھہرایا ہے۔ اور نیک و بدشگون اور استخارے اور فال دیکھنا ایسا جیسے آسمان سے اُتری ہوئی وحی۔ اور جب شیعہ کے مذہبوں اور دلیلوں میں غلبہ وہم کا بہت پایا ہے اس واسطے ان کی عقل کا بھی اعتبار نہیں رہا۔ اسی سبب سے اگلے لوگوں نے کہا ہے اَلشِّيْعَةُ نِسْوَانُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ (شیعہ اس اُمّت کی عورتیں ہیں) اب ان کے اوہام کو مفصّل سُننا چاہیئے۔ جاننا چاہیئے کہ وہم کا عقل پر غالب ہونا اور مطالب کا معلوم کرنا جیسا کہ اُن کا حق ہے کئی طرح ہوتا ہے:۔

نوعِ اوّل یہ کہ ایک حکم جزئی ہے اس کو کُلی جانے۔ مثلاً یہ خیال کرے کہ ہر مخالف دشمن ہے اب

ان کی غلط فہمی اس سے ظاہر کیجئے کہ ہر دشمن مخالف ہے۔ یہ کلی نہیں بلکہ اس کا معکوس یعنے لوٹا ہوا کلی ہے اس لئے کہ صریح ہر دشمن مخالف ہوتا ہے بس وہم بتاتا ہے کہ اس کا عکس بھی حکم کلی میں ہے۔ اور یہ غلطی شیعہ کو اہل بیت اور اصحاب کے حق میں پڑی بلکہ اہل بیت اور اہل سُنت کے حق میں بھی پڑی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بعض مسائل فقہ میں کہ اکثر وہ مسائل امامت اور اُس کے متعلقات سے تعلق رکھتے ہیں صحابہؓ کو اور اہل سنت کو جو مخالف اپنی روایتوں کے پایا جو اُنھوں نے اہل بیت سے کی ہیں، پس یہ حکم لگایا کہ اہل سُنت کو اہل بیت سے عداوت ہے۔ حالانکہ مخالفت کو عداوت کہنا عقل کے نزدیک ہرگز ٹھیک نہیں۔ اس واسطے کہ اگر دو شخص ایک مقصد کا ارادہ کریں اور جو راہ کہ اُس مقصد کے پہنچنے کی ہے اُس میں مخالفت کریں تو ایک کو دوسرے کا دشمن کہنا نہیں چاہیئے۔ صریح ظاہر ہے کہ فقیہ اعظم اہل سنت کے جو ابو حنیفہ کوفی ہیں رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگردوں نے کہ قاضی ابو یوسفؒ اور محمدؒ بن حسن شیبانی ہیں بہت مسئلوں میں مخالفت اپنے اُستاد کی کی ہے اور اُن کو دشمن اُستاد کا کوئی نہیں کہہ سکتا۔ پس اسی قاعدے سے بہت سی شاخیں نکل سکتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص کسی دوسرے شخص کے فعل سے انکار کرے یا اُس کے کسی مشورے اور اجتہاد میں خطا ٹھہرائے تو وہ اُس کا دشمن ہے جیسے حضرت امیرؓ کے انکار کو جو حضرت عثمانؓ کی خلافت پر کیا تھا اور عثمانؓ نے جو بعض مجتہدات اپنے بیان کئے اُن کو حضرت امیرؓ کی دشمنی پر تحطیہ کرتے ہیں کہ عثمانؓ کو حضرت امیرؓ سے دشمنی تھی۔ اسی طرح حضرت اُم المؤمنین عائشہؓ کو کہتے ہیں کہ ان کو حضرت امیرؓ سے انکار و عداوت تھی اور عثمانؓ کے قصاص میں جو حضرت امیرؓ نے تاخیر کی تھی اور حضرت عائشہؓ اُن کا قصاص چاہتی تھیں اُس کو دشمنی پر قیاس کرتے ہیں کہ جب اصل میں فساد ہے تو فرع میں اُس سے بڑھ کر فساد ہوگا۔ اور شیعہ کی کتابوں سے خلاف اس اصل کا ثابت ہے۔ ابو مخنف روایت کرتا ہے حضرت امام حسینؓ سے صلح کے معاملہ میں جو حضرت امام حسنؓ نے معاویہؓ کے ساتھ کی اور حضرت امام حسینؓ کو اُس صلح سے انکار تھا اور حضرت امام حسنؓ کی نسبت نسبت خطا کی کی۔ چنانچہ لفظ روایت کے یہ ہیں:۔

اَنَّ الْحُسَیْنَ بْنَ عَلِیٍّ یُبْدِیْ الْکَرَاھَۃَ لِمَا فَعَلَہٗ اَخُوْہُ الْحَسَنُ مِنْ صُلْحِ مُعٰوِیَۃَ وَیَقُوْلُ لَوْ جُزَّ اَنْفِیْ کَانَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا فَعَلَہٗ اَخِیْ۔	بیشک حسین بن علی علیہما السّلام ناخوشی ظاہر کرتے تھے جو کچھ کیا تھا اُس کو اُن کے بھائی حسنؓ نے یعنی معاویہ سے صلح اور کہتے تھے کہ اگر ہماری ناک کاٹی جاتی تو وہ اچھا ہوتا ہم کو اُس سے جو کچھ اُنھوں نے کیا۔

پس انکار کسی امر کا اور کسی بات میں کسی کو کسی کی خطا سے نسبت کرنا موجب عداوت کے ہوئے تو لازم آئے کہ حضرت امام حسینؓ دشمن امام حسنؓ کے تھے، معاذ اللہ من اعتقاد ہٰذا الکفر الصریح۔

نوع دوم یہ کہ صیغۂ حصر کو اکبر میں بڑھا لیتے ہیں تا کہ نتیجہ غلط نکلے اور اُن کی اکثر دلیلیں اسی قسم کی ہیں۔ چنانچہ نمونہ اُس کا باب امامت میں گزرا۔ مثل اس کے کہ حضرت امیرؓ عالم اور شجاع اور متقی تھے اور جو کوئی عالم اور شجاع اور متقی ہو وہی امام ہے یعنی غیر اُس کا امام نہیں ہے۔ حالانکہ صغرٰی میں ہرگز حصر ثابت نہ ہوا۔ اور یہ غلط بسبب مکرر ہونے حدِّ اوسط کے ہے بتمامہ دونوں مقدمون میں اور تکرار اوسط کے بتمامہ دونوں مقدموں میں شرط نتیجہ نکالنے کی ہے۔ لیکن وہم جو غور معانی قیدوں سے غافل ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ شاید اس صورت میں حدِّ اوسط بتمامہ مکرر ہو گئی۔ اور یہ دلیل بھی اسی جنس سے ہے کہ حضرت امیرؓ واجب الاطاعت ہیں اور جو واجب الاطاعت ہے وہی ہے امام۔

ایسے ہی **نوع تیسری** کہ مطلوب اور چیز ہوتی ہے اور نتیجہ اور نکلتا ہے لیکن جو درمیان مطلوب کے نہایت قرب ہمسائگی ہوتی ہے وہم قناعت کر لیتا ہے کہ مطلوب حاصل ہو گیا۔ اسی سبب سے اکثر تقریبیں دلائل شیعہ کی تمام نہیں ہوتی ہیں چنانچہ مباحث امامت میں مفصّل گزرا جیسے یہ کہ حضرت امیرؓ باب مدینۃ العلم ہیں اور جو کوئی باب مدینۃ العلم ہو امام ہے اور بھی ظاہر ہے کہ امام جب رئیس اُمت کا ہے اور دروازہ بھی ریاست گھر کی رکھتا ہے کسی نہ کسی وجہ سے پس جب حضرت امیرؓ باب ہوئے امام بھی ہوئے۔ حالانکہ باب مدینۃ العلم ہونا اور بات ہے اور امام ہونا اور بات کہ دونوں میں نہ اتحاد ہے نہ لزوم۔

نوع چوتھی مصادرہ بر مطلوب کہ وہم بسبب تغایر لفظ یا مفہوم کے گمان کرتا ہے کہ مقدمہ دلیل کا اور چیز ہے اور مطلوب اور چیز۔ تیس نے ایک سے دوسرے کو ثابت کر لیا۔ حالانکہ عقل دونوں کو ایک چیز سمجھتی ہے یا ایک ذات جانتی ہے پس ثابت کرنا ایک کا دوسرے سے اثبات شئے کا بنفسہٖ ہے عقل کے نزدیک۔ چنانچہ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ اولیٰ بتصرف ہیں اور جو اولیٰ بتصرف ہے امام ہے۔ حالانکہ اولیٰ بتصرف عام عین معنے امام کے ہیں۔ پس اکبر اور اوسط دونوں ایک چیز ہیں۔ اور صغرٰی اور مطلوب ایک قضیہ معنی کے راہ سے اگرچہ لفظ میں تغایر ہے۔ اور ایک قسم مصادرہ سے وہ ہے کہ مقدمات دلیل کے مطلوب سے زیادہ واضح نہ ہوں بلکہ خفی تر اور زیادہ تر منع کے قبول کرنے والے بہ نسبت مطلوب کے جھگڑنے والے کے نزدیک۔ مثال اُس کی یہ ہے کہ حضرت امیرؓ معصوم ہیں اور ہر معصوم امام ہے۔ امامت تو حضرت امیرؓ کی اہل سُنت کے نزدیک ثابت ہے چاہے کسی وقت میں ہو اوقات سے۔ اور معصومیت ان کے نزدیک سوا انبیاءؑ کے اور کسی کی ثابت نہیں ہے ان کے نزدیک یہ خاصہ انبیاءؑ کا ہے کسی وقت میں حضرت امیرؓ کو معصوم نہیں جانتے لیکن محفوظ گنتے ہیں۔ دلائل مثبتہ ان کی امامت کے بہت واضح اور قوت دار ہیں اور دلائل ثابت کرنے معصومیت کے سب مخدوش و مقدوح ہیں۔

نوع پنجم غلط باشتراک لفظی یعنے دو لفظ پر ایک لفظ کو جاری کرتے ہیں اور اس چیز کے حکم کو

اُس پر ثابت کرتے ہیں۔ مثل اس کے کہ نبیؐ امام ہے کہ اُس پر شریعت اور وحی نازل ہوئی اور خلیفہ نبیؐ کا بھی امام ہے حکم احکام اور جنگ و صلح میں۔ پس جب نبیؐ معصوم ہو چاہیئے کہ خلیفہ بھی معصوم ہو۔ حالانکہ نبیؐ کو جو امام کرکے بولتے ہیں یہ اور معنے میں اور خلیفہ پر اطلاق امام کا اس کے اور معنے میں۔ اور اسی قسم سے ہے وہ غلطی جو توجیہاتِ نحویہ میں واقع ہوتی ہے۔ مثلاً کہیں وَهُمْ رَاكِعُونَ حال ہے وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ سے۔ پس چاہیئے کہ نزدیک ایتار زکوٰۃ کے ہو حالانکہ حال ہے وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ سے تا احتراز ہو صلوٰۃ یہود سے۔ اسی قسم سے ہے غلط مجاز یعنی کسی چیز کو بسبب علاقہ مجاز کے ایک لفظ کہا جاتا ہے، اور جو اُس کے حقیقی اور لازم معنے ہوں اُس کو ثابت کریں۔ جیسے بعض رافضی کہتے ہیں اَللّٰهُ نُوْرٌ وَكُلُّ نُوْرٍ مَحْسُوْسٌ یہی مذہب ہشام بن حکم اور ان کے اور پیشواؤں کا ہے۔ حالانکہ اطلاق لفظ نور کا باری تعالیٰ پر مجازاً ہے اور محسوس ہونا یہ معنے حقیقی کو لازم ہے۔ اور جیسے کہتے ہیں کہ امیرؓ کو حق تعالیٰ نے نفس نبی کا فرمایا اور نفس نبیؐ معصوم جس کی اطاعت فرض اور اَولیٰ بہ تصرف اور افضل تمامی انبیاءؑ و خلائق سے ہے پس حضرت امیرؓ کو بھی یہ سب حکم ثابت ہوں گے حالانکہ اگر حضرت امیرؓ کو نفس نبی فرمایا تو مجازاً فرمایا اور مجاز پر حکم حقیقت کا ترتب نہیں پاتا ورنہ شجاع کو شیر کہنے سے اُس کی انسانیت نہ رہتی۔

❋ **نوع ششم** ابہام بالعکس ہے یعنی کوئی سچا مقدمہ عقل کے ہاتھ آئے وہم اُس کے برخلاف مقدمہ کو بھی کلیہ صادق سمجھ کر دلائل کے کام میں لاتا ہے مثال اُس کی کہ ہر انسان معصوم قابل امامت ہے سچا مقدمہ ہے اور اس کا عکس وہم نے تراشا کہ ہر قابل امامت معصوم ہے۔ حالانکہ منطقیوں کے نزدیک ثابت اور ٹھہرا ہوا ہے کہ موجبہ کُلیہ کا عکس موجبہ کُلیہ نہیں ہوتا ہے۔

❋ **نوع ہفتم** اغفال اللزوم یعنے حکم ملزوم کو لازم سے اعم دیتے ہیں اور اُس سے غلطی میں پڑتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ نبی ملک کو عصمت اُس سبب سے واجب ہے کہ ریاست اُمت کی رکھتا ہے پس ہر رئیس اُمت کا چاہیئے کہ معصوم ہو۔ حالانکہ عصمتِ نبی بسبب تصدیق معجزہ کے ہے نہ کہ بسبب ریاست کے۔ یہ اسی قسم سے ہے جو کہتے ہیں کہ موقوفی ابوبکرؓ کی سورۃ براءت پہنچانے سے اس وجہ سے تھی کہ قابل نیابت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ تھے پس قابل کسی نیابت کے نہ ہوں گے۔ حالانکہ ان کا موقوف رکھنا بسبب موافقت عادت عرب کے تھا عہد شکنی کے خوف سے۔ اور یہ بھی اسی قسم سے ہے جو معاویہؓ کو حضرت امیرؓ کے مقابلہ میں خطا کار جانتے ہیں کہ صحابی کو اہلِ بیت کے مقابلہ میں دعویٰ خلافت کا نہیں پہنچتا تھا پس ہر صحابی کو بمقابلہ اہلِ بیت کے دعویٰ خلافت کا نہیں پہنچتا ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔

❋ **نوع ہشتم**۔ اجتماع متنافیین دو وقت میں بھی تجویز نہیں کرتے یہ غلط اُن کو غفلتوں زمانہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ خلفائے ثلٰثہؓ ایک وقت میں اوقاتِ زمانہ سے کافر تھے اور کافر قابل امامت کے نہیں ہے۔ حالانکہ ظاہر باتوں سے ہے کہ اجتماع ہر متنافیین کا ایک وقت میں محال ہے نہ کہ مختلف زمانوں میں بھی ذاتِ واحد میں محال ہے جیسے خواب و بیداری اور گرمی و سردی اور علیٰ ہٰذا القیاس۔

❋ **نوع نہم** اَخْذُ الْقُوَّةِ مَكَانَ الْفِعْلِ (یعنے اختیار کرنا قوت کا فعل کے ٹھکانے) مثلاً کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امام تھے موافق قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى (یعنے تو مجھ سے ایسا ہے جیسے ہارونؑ موسیٰؑ سے) پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلافصل امام نہ ہوں تو عزل ان کا لازم آئے اور عزل امام کا جائز نہیں حالانکہ حضرت امیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں امام بالقوۃ تھے یعنی مادہ امامت کا اُن میں تھا نہ کہ امام بالفعل اور عزل امام بالقوۃ کا جب کہ کوئی اُس سے ترجیح رکھتا ہو موجود ہو تو اس سبب سے کہ ابھی نصب اُس کا نہیں ہوا ہے جائز ہے۔

❋ **نوع دہم**۔ اَخْذُ الْجُزْءِ مَكَانَ الْكُلِّ (یعنے جز کو کُل کی جگہ اختیار کرنا) مثلاً اولادِ پیغمبرؐ جز پیغمبرؐ کے ہیں اور پیغمبرؐ معصوم ہیں حالانکہ کُل پیغمبرؐ کے معصوم ہیں نہ کہ اُن کے جز۔ اس وہم میں غلط مجاز بھی واقع ہے اس واسطے کہ اولاد جز ہوتی ہے مگر مجازی نہ کہ حقیقی۔

❋ **نوع یازدہم** اَخْذُ مَا بِالْعَرَضِ مَكَانَ مَا بِالذَّاتِ (یعنے اختیار کرنا اُس چیز کا جو بالعرض ہے اُس چیز کی جگہ جو بالذات ہے یعنی تابع اور متبوع کو ایک حکم میں کرنا) مثلاً کہتے ہیں کہ امام نائب پیغمبرؐ کا ہے احکام الٰہی پہنچانے میں۔ پس احکام پہنچانے والا ہو مثل پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے اور پیغمبرؐ معصوم ہے پس امام بھی چاہیئے کہ معصوم ہو۔ حالانکہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود احکام پہنچانے والے ہیں اور امام بہ پیروی پیغمبرؐ۔ اور عصمت خاص اُسی کے ہے جو بالذات پہنچانے والا ہے یعنی پیغمبرؐ۔ اور ایسی ہی ہے یہ جو کہتے ہیں کہ امام اس اُمت کا نائب ایسے پیغمبر کا ہے کہ سب پیغمبروں سے بہتر ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) پس چاہیئے کہ امام بھی سب پیغمبروں سے بہتر ہو حالانکہ نائب شخص کو سب صفتوں میں حکم اُس شخص کا نہیں ہوتا۔

❋ **نوع دوازدہم** حکم اتحاد دو چیزوں میں بسبب مشترک ہونے لازم اعم اُن دونوں کے مثل مشیر مکرہ کے ہے بسبب اس کے کہ دونوں راضی ہیں اس فعل پر کہ اُس میں مشورہ اور اکراہ واقع ہوا۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو مشیر واقع ہوئے قرطاس کے قصہ میں مکرہ ہوں گے۔ اور جو کوئی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی کسی چیز پر اکراہ کرے گنہگار ہے۔ حالانکہ مشورہ دینے اور اکراہ کرنے میں ظاہر ایک فرق ہے عقل کے نزدیک اگرچہ وہم یقین نہ کرے اسی واسطے بچے اور عورتیں مشیر کو ملامت کرتے ہیں مانند مکرہ کے۔

نوع سیزدہم۔ عدم ملکہ کو بجائے سلب ایجاب کے اختیار کرنا۔ جیسے کہتے ہیں کہ خلفائے ثلٰثہ جب معصوم نہ تھے تو فاسق ہونے حالانکہ عصمت نہ ہونے سے فسق لازم نہیں آتا ہے لِوُجُوْدِ الْوَاسِطَۃِ بَیْنَھُمَا وَھُوَالْمَحْفُوْظُ (یعنے بسبب ہونے واسطے کے دونوں میں کہ وہ محفوظ ہے)۔

نوع چہاردہم کُل مجموعی کو کُل افرادی کے حکم میں اختیار کرنا جیساکہ کہتے ہیں ہرایک صحابہؓ میں سے معصوم نہ تھا پس کُل صحابہؓ بھی معصوم نہ ہوئے پس اجماع ان کا محتمل خطا کا ہوگا۔ حالانکہ احکام میں کُل مجموعی اور کُل افرادی کے بڑا فرق ہے جیسے :۔

کُلُّ اِنْسَانٍ یَسَعُہٗ ھٰذِہِ الدَّارُ وَیَشْبَعُہٗ ھٰذَا الرَّغِیْفُ وَمَجْمُوْعُ الْاِنْسَانِ لَا یَسَعُہٗ ھٰذِہِ الدَّارُ وَلَا یَشْبَعُہٗ ھٰذَا الرَّغِیْفُ۔	ہرایک آدمی سما سکتا ہے اس گھر میں اور سیر کرتی ہے اس کو یہ روٹی اور جملہ انسان نہیں سما سکتے ہیں اس گھر میں اور سیر نہیں کرتی ہے اُن کو یہ روٹی۔

نوع پانزدہم نئی نئی امثال کو ایک چیز بعینہٖ جاننا اور یہ وہم ضعیف العقول پر بہت غلبہ رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ دریا کے پانی اور شعلہ اور چراغ اور آب فوارہ کو اکثر لوگ ایک آب اور ایک شعلہ خیال کرتے ہیں۔ اکثر شیعہ ان خیالات کے عادتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مثلاً ہر سال دسویں محرم کی ہوتی ہے ہر سال اُس کو روز شہادت حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام کا گمان کرتے ہیں اور احکام ماتم اور نوحہ اور شیون اور گریہ وزاری اور فغان و بے قراری شروع کرتے ہیں عورتوں کی طرح کہ ہر سال اپنی میت پر یہ عمل کرتے ہیں۔ حالانکہ عقل صریح جانتی ہے کہ زمانہ ہر سال کا غیر قار ہے یعنی قرار نہ پکڑنے والا کوئی جزء اُس کا ثابت و قائم نہیں رہتا۔ اور اُس زمانہ کا لوٹا لانا بھی محال ہے۔ اور شہادت حضرت امامؓ کی جس دن ہوئی اُس دن سے اِس دن تک فاصلہ گیارہ سو پچاس (۱۱۵۰) برس کا ہوا، پھر یہ اور وہ دن کیسے ایک ہوگیا اور کونسی مناسبت ہوگئی۔ عید الفطر اور عید قرباں کو اُس پر قیاس کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ اُس میں خوشی اور شادی سال درسال نئی ہے یعنے روزے رمضان کے ادا کرنا اور حج خانہ کعبہ کا بجالانا کہ شُکْرًا لِنِعْمَۃِ الْمُتَجَدِّدَۃِ (یعنے شکر ہے نئی نئی نعمت کا) سال درسال فرحت و سرور نیا پیدا ہوتا ہے۔ اِسی واسطے عیدین شریعت کی اس وہم فاسد پر مقرر نہیں ہوئی ہیں۔ بلکہ اکثر عقلا نے بھی نوروز اور مہرجان اور امثال اس کی نئی نئی باتوں اور تغیرات آسمانی کو خیال کرکے عید اختیار کی ہے کہ ہر سال ایک چیز نئی پیدا ہوتی ہے کہ اُس پر نئے نئے احکام کیے جاتے ہیں۔ اور علیٰ ہذا القیاس تعید بعید بابا شجاع الدین اور تعید بعید غدیر اور مثل ان کے کہ سب کی بنا اسی وہم فاسد پر ہے۔ اور اسی موقع سے معلوم ہوا کہ جس روز یہ آیت نازل ہوئی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اور جس دن وحی نازل ہوئی، اور شب معراج اِن روزوں کو شرع میں کیوں نہیں عید ٹھہرایا ہے۔ اور عید الفطر

اور عید قرباں کو عید ٹھہرایا وہ دن بھی تو بڑی خوشی کے تھے۔ ایسے ہی کسی نبیؑ کے تولد اور وفات کے دن کو عید نہ ٹھہرایا۔ اور روزہ عاشورا کا کہ اوّل سال یہود کی موافقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا کیوں منسوخ ہوا۔ اِن سب باتوں میں یہی بھید تو ہے کہ وہم کو دخل نہ ہونے پائے۔ بغیر کسی نئی نعمت کے حقیق فرحت اور سرور کا ہونا یا غم اور ماتم کرنا اُس عقل کے خلاف ہے جو آمیزش وہم سے خالص ہے۔

نوع شانزدہم۔ کسی چیز کی صورت کو وہی چیز سمجھنا اور اُس کا حکم دینا اس وہم نے بت پرستوں کی راہ بہت ماری ہے اور گمراہی میں ڈالا ہے۔ اور بچے کم عمر بھی اس وہم میں بہت گرفتار ہوتے ہیں۔ گھوڑوں اور ہتھیار اور اور چیزوں کو جو لکڑی، مٹی کی بنی ہوتی ہیں کیسے اُن سے خوش ہوتے ہیں گویا سچ مچ کی پاگئے۔ اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گڑیوں کی شادی و نکاح کرتی ہیں اور کیسی خوش ہوتی ہیں۔ اور شیعوں میں یہ وہم بہت غلبہ کئے ہوئے ہے۔ حضرت امامینؓ اور حضرت امیرؓ اور حضرت زہراؓ کی قبروں کی صورت بنالیتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ درحقیقت یہ قبریں قبریں مجمع النور اُن بزرگوں کی ہیں اور بڑی تعظیم کرتے ہیں بلکہ سجدوں کی نوبت پہنچتی ہے اور فاتحہ پڑھتے ہیں اور سلام و درود پہنچاتے ہیں اور اچھے اچھے چونر اور مورچھل منقش لے کر آس پاس اُن کے کھڑے ہوتے ہیں مجاوروں کی طرح اور حق شرک کا ادا کرتے ہیں۔ عقلمندوں کے نزدیک بچوں کی حرکت اور ان پیر نابالغوں کی حرکت میں کچھ فرق نہیں ہے۔

نوع ہفدہم کسی شخص کو کسی شخص کا نام رکھ کر اُس کے ساتھ اُسی اصل شخص کا سا سلوک کرتے ہیں۔ چاہے تعظیم چاہے اہانت چاہے مار گالی اور یہ وہم اگلے وہم سے ضعیف تر ہے۔ لڑکے بچے ہی کھیل میں بادشاہ و وزیر اور چوکیدار بناتے ہیں اور موافق مرتبے کے ان کے ساتھ سلوک کرتے ہیں۔ شیعہ بھی ایام عاشورا میں کسی کو یزید کسی کو شمر و بعض عورتوں کو بیبیوں اور مستورات اہل بیت کے نام رکھ کر وہی معاملہ اور سلوک کرتے ہیں جو اُن لوگوں کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ کلام الٰہی اِس وہم فاسد کے باطل کرنے کو کافی ہے اِنْ ھِیَ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطَانٍ (یعنے یہ معبود تمہارے وہی تو ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نام رکھ لئے ہیں اور خدا تعالیٰ نے اُن پر کوئی حجت نازل نہیں کی)۔ اور اسی پر یہ شاخ نکالی گئی ہے کہ جب معلوم ہو کہ اس شخص کا نام عبداللہ یا عبدالرحمٰن ہے اُس کی اہانت و حقارت کریں حالانکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اَحَبُّ الْاَسْمَآءِ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ (یعنے دوست تر ناموں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں) اور خوب ظاہر ہے کہ کسی چیز کے نام پر نام ہونے سے وہ چیز مثل اُس چیز کے نہیں ہوجاتی۔ نام آگ کا جو آتش ہے یہ نام گرم نہیں ہے بلکہ ذات آگ کی گرم ہے۔ ایسے ہی نام

پالی کا سرد نہ قند کا شیریں نہ ایلوے کا تلخ۔

نوع ہیژدہم ظرف کو شرط نقیض یکدیگر نہ جاننا اس وہم نے بھی اکثر عوام کی بہت راہ ماری ہے۔ اجتماع دو نقیض کو موافق دو ظرف مختلف کے تجویز نہیں کرتے اور شیعہ مسئلہ اجتہاد میں اس وہم میں گرفتار ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر امام خدا کی طرف سے مقرر نہ ہو اور احکام شرعی جن کی نص نہیں ہے رائے مجتہدوں سے متعلق ہو تو دو نقیض جمع ہوں گے۔ اس واسطے کہ امام ابو حنیفہؒ نے ایک چیز کو حلال کیا اور شافعیؒ اس کو حرام جانتے ہیں۔ حالانکہ جب گمان مجتہد کا مختلف ہوا تو دو نقیض کا جمع ہونا کس طرح تصور کیا جائے۔ اور ہر عاقل جانتا ہے کہ زَیْدٌ قَائِمٌ فِیْ ظَنِّیْ اور لَیْسَ بِقَائِمٍ فِیْ ظَنِّ عَمْرٍو دونوں باہم نقیض نہیں ہیں یہاں بھی غیر منصوص باتوں میں کوئی حکم خدا کی طرف سے معین نہیں ہے۔ بلکہ حکم الٰہی ہر کسی کے حق میں وہی ہے جو اس کے اجتہاد میں ہے یا اس کے متبوع کے اجتہاد میں ہے یہی معنی ہے اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ کا۔

نوع نوزدہم تشبیہ کسی چیز کی کسی چیز سے اس میں مشبہ بہ اور مشبہ کو برابر سمجھنا کہ یہ وہم چھوٹے بچوں کم عمر کو ہوتا ہے نہ کہ تمیز و شعور والے لڑکوں کو۔ شیعہ اس وہم میں بہت پڑے ہوئے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ کو زہد و تقویٰ اور علم و حلم میں انبیاء اولوالعزم سے تشبیہ دی ہے پس چاہیے کہ حضرت امیرؓ مساوی انبیاء اولوالعزم کے ہوں اور جو مساوی انبیاء اولوالعزم کا ہو وہ اور انبیاء سے افضل ہے۔ یہ وہم صریح فاسد ہے محتاج بیان کا نہیں۔

نوع بستم عادیات کو بجائے اولیات کے لانا۔ اور یہ وہم اکثر فریق گمراہ کو ہوتا ہے اور بڑے بڑے علماء اس میں غوطے کھاتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ریاست ہر شخص کی اُس کی اولاد و خاندان میں ہوتی ہے موافق دلیل فعل کسریٰ اور قیصر اور زمینداروں اور راجپوتوں کے اور داماد کے ہوتے خسر کو منصب ریاست کا نہیں پہنچا۔ اور مقابل اس وہم کے دوسرا وہم ہے اسی قسم سے۔ اور وہ یہ ہے کہ بعد مر جانے کسی شخص کے ریاست کا تعلق اُس کی زوجہ کی تجویز سے ہوتا ہے۔ اور اگر بہت سی زوجہ ہوں تو جو زوجہ کہ اُس کے ساتھ مخصوص ہو اور باکرہ آئی ہو اُن میں سے یہ زوجہ ممتاز ہو گی اِس اختیار سے، داماد و دختر کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے۔ کہ بالجملہ دونوں فاسد ہیں عقل کے نزدیک، اور شرع میں ہرگز توارث منصب ریاست کا نہیں آیا۔ قابلیت لیاقت میں جس کو فوقیت ہو اُس پر مدار ہے۔ یا جس کو صاحب ریاست کا اشارہ ہو فافہم۔

نوع بست و یکم قِیَاسُ الْغَائِبِ عَلَی الشَّاہِدِ یعنی خدا تعالیٰ کے اور پیغمبر خدا کے کام کو مخلوق اور اُمت کے کام پر قیاس کرنا۔ اور اس دردناک نے بھی بہتوں کے عقیدے خراب کئے الٰہیات اور معاد میں اکثر مسائل شیعہ کے اسی اصل سے پھوٹے ہیں۔ خصوصاً دلیلیں وجوب اصلح اور لطف اور وجوب اصل اور ثواب پانا

مطیع کا اور عذاب دینا عاصی کا اور سوا اس کے۔ اور اس وہم کے فساد کا بیان اگلے بابوں میں گزرا۔

نوع بست و دوم اِہْمَالُ الْاِضَافَاتِ۔ یعنے ایک چیز کو دو تین نسبتیں چند چیز کے ساتھ واقع ہیں، ایک نسبت تو ایک حکم کو چاہتی ہے دوسری دوسرے کو اُن نسبتوں سے ایک پر تو لحاظ کریں دوسری کو مہمل چھوڑیں۔ اور یہ وہم مسائل کثیرہ میں امامیہ کو پیش آیا۔ مثلاً کہتے ہیں کہ امامت نیابت نبی کی ہے پس اذنِ نبیؐ پر موقوف ہو گی فَیَجِبُ اَنْ یَّکُوْنَ الْاِمَامُ مَنْصُوْصًا پس واجب ہے یہ کہ امام منصوص ہو، حالانکہ امامت ریاست ہے اُمت کی پس موقوف انہی کے اختیار و تجویز پر ہو گی فَلَا یَجِبُ اَنْ یَّکُوْنَ الْاِمَامُ مَنْصُوْصًا۔ اور جیسے کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ واجب المحبت ہیں اور اُمّ المومنینؓ نے اُن سے پرخاش کی پس وہ واجب البغض ہیں۔ حالانکہ یہ بھی تو ہے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم واجب المحبت ہیں اور اُمّ المومنینؓ اُن کی زوجہ محبوبہ پس یہ بھی واجب المحبت ہیں۔ اور یہ وہم ان کے جملہ معتقدات میں اثر کئے ہوئے ہے۔ مثل مشہور ہے حَفِظْتَ شَیْئًا وَغَابَتْ عَنْكَ اَشْیَاءُ ان پر خوب صادق آتا ہے۔

نوع بست و سوم جو کچھ آرزو دل کی ہو کمال انتظام اور حسن سیاست ملک داری اور لوازم ریاست سے اُس کو واقعی گمان کرنا اور اُس کی تحقیق کا اعتقاد رکھنا۔ مثلاً کہتے ہیں کہ امام معصوم جس کی طاعت فرض ہے غیب سے اُس کو ہر حکم شرعی اور مصلحت دُنیوی کا القا ہوتا ہے ہرگز خطا تدبیر میں نہیں کرتا ہے پس ضرور واقع ہے لیکن نظر سے غائب گو اُس کو ہم نہ دیکھیں نہ اُس کی خبر سنیں بہ یقین جانتے ہیں کہ متحقق ہے۔ یہاں غلبہ وہم کا تو ہی ہے غفلت اس پر علاوہ ہے کہ جب اُس کو دیکھتے نہیں نہ اُس کی خبر سنی تو ہونا نہ ہونا اُس کا برابر ہو گا واقع ہونے میں۔ ایسی آرزو دلی کا کیا لطف اور کونسا حاصل۔

نوع بست و چہارم کہتے ہیں کہ جس چیز کی دلیل ہم اپنی معلومات میں نہیں پاتے باطل ہے اور اس وہم کو اکثر اگلے بیوقوفوں نے بھی اختیار کیا ہے۔ گویا انکار اسحاب کا کہ ظلمت میں رنگ نہیں ہے، اس واسطے کہ ہم نہیں دیکھتے اور جس کو ہم نہیں دیکھتے وہ موجود نہیں ہے۔ اس کو نہیں سمجھتے کہ کبھی تو جائز ہے کہ موجود ہو اور ہم کو دریافت نہ ہو۔ شیعہ اس وہم میں بہت گرفتار ہیں۔ صحابہؓ کے فضائل سے اور نیز ازواج مطہراتؓ کے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں اس کی روایت نہیں ہے۔ اور واقعی باتیں جو اہل تاریخ و سیر نے لکھی ہیں اُس سے انکار کرتے ہیں اور اُس کے بطلان کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جب آیتیں اور حدیثیں متفق علیہ اس مقدمہ میں ان کو دکھائی جائیں تو کہتے ہیں کہ ہم ان عبارتوں سے اس مدعا کو نہیں سمجھتے، وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰہُ بِکُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ۔

نوع بست و پنجم یہ کہ مقدم ہونا زمانہ میں اور کتابیں تصنیف کرنا اور رسالے جمع کرنا اور ان کا مشہور ہونا

جہان میں اور کثرت شاگردوں اور اصحاب کی دلیل حقیت کی ہے پس ہمارے علماء کے جو تابعین ہیں ان چیزوں سے بڑا حصہ رکھتے تھے۔ بلا شبہ ان کے اعتقاد کی جو باتیں ہیں مطابق واقعے کے ہوں گی۔ اصل اس وہم کی یہ ہے کہ دُنیا کے منصبوں میں اور اپنے مال و نعمت اور کثرت جاہ اور شہرت اور انبوہ تابعین و لشکر میں دلیل بزرگی اور مالداری اور سرداری کی ہے اس تقدم اور مساوی تقدم در فہم کو ادراک حق جانتا ہے اور حکم سبقت اور پیش دستی دریافت مطالب علمیہ کا کرتا ہے۔ اور غلطی اس وہم کی خوب ظاہر اور رُو برو ہے۔ یہ چیزیں تو حکمائے ہند و یونان میں اس فرقہ سے زیادہ ہوتی آئی ہیں۔ چنانچہ اکثر ان کے اعتقاد کی باتیں خصوصًا الٰہیات اور نبوات و معاد میں گواہ ان کی بیوقوفی کی ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ اوہام اور مُغلطی جو اس فرقہ سفیہ کو ہیں اگر سب بیان کئے جائیں جیسے کہ چاہئیں پورے پورے تو بڑی لمبائی چوڑائی لازم آئے کہ دفتروں میں کافی نہ ہو سکے ناچار نمونہ پر بس کیا، وَالْقَلِیْلُ یَدُلُّ عَلَی الْکَثِیْرِ (اور تھوڑا بہت کو بتاتا ہے)۔

فصل دوم در تعصبات شیعہ

تعصب کے معنے یہ ہیں کہ اُس چیز سے انکار کرے جو اپنے نزدیک ثابت ہو دلیل قطعی کے ساتھ اور مخالف کو ایسی چیز پر الزام دے جس کا خود بھی منکر ہے بدلیل قطعی اور مخالف بھی دونوں کے نفی و اثبات میں موافق ہو۔ اگر موافق نہ ہوگا تو دلیل الزامی ہوگی تعصب نہیں ہوگا۔ اور اصل غلو کی بھی یہی ہے کہ ثابت کو غیر ثابت اور غیر ثابت کو ثابت کریں بسبب افراط محبت کے۔ لہٰذا غلو بھی داخل تعصب ہے اور اسی فصل میں ذکر کیا گیا اور آغاز کلام کا دونوں قسم تعصب میں ہے فقط۔

تعصب اوّل۔ ایسی روشن دلیلیں جیسے آفتاب قرآن و حدیث پیغمبر کی جو پے در پے اہلِ سنت سے روایت کی گئی ہیں حضرات اہلِ بیت اور جناب مستطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ان کے سامنے پیش کی جاتی ہیں مطلق انکار کرتے ہیں اور ضعیف و واہی روایتوں کو جو رجال مجروح اور مطعون غیر معتبر خود اپنے نزدیک بھی موافق طریق قوم کے امامیہ سے پہنچے قبول کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جو کچھ امامی اُس کی روایت کرے اُس پر علم و عمل واجب ہے، گو اس کے اسناد میں مجہول اور ضعیف اور بنانے والے اور جھوٹے لوگ ہوں۔ اور جو اہلِ سنت روایت کریں گو ثقہ لوگوں کے واسطے سے ہو وہ واجب الرّد اور انکار ہے۔ حالانکہ اخبار کے مقدمہ میں تمام علماء سے منقول ہے کہ جو موثق اور مقدم اور بہتر ہے معتبر تر ہے ضعیف سے۔ اور اخبار ثقات اہلِ سنت کے بلا شبہ ان کے نزدیک موثق ہیں۔ اور بھی آیتیں خفیۃ الدلالۃ کو کہ ہرگز موافق قاعدہ اصول اور عربیت کے ان کی مدعا پر دلالت نہیں کرتیں نص اور صریح

جانتے ہیں۔ اور اُن نصوص صریحہ کو کہ مذہب اہلِ سنت پر دلالت واضح رکھتی ہیں متشابہ اعتقاد کرتے ہیں۔ حالانکہ طریق امتحان ان کے علماء کا اکثر اور بارہا سلوک ہوا اس وضع پر کہ مثلاً بعض کافر ذمی کو کہ کچھ غرض کسی مذہب سے نہیں رکھتے نہ کسی مذہب والے سے علاقہ، جب اُن کو زبان عرب یا ترجمہ تحت اللفظ اُن آیتوں کا سُنایا جاتا ہے اور پھر پوچھتے ہیں کہ تم اس کلام سے کیا سمجھے تو گواہی مدعا اہلِ سنت پر دی ہے۔ اور مدعا اہلِ شیعہ پر ہرگز گواہی نہیں دی ہے نہ یقین کیا اور نہ آیت سے سمجھا۔

تعصب دوم۔ یہ کہ پیغمبر خاتم المرسلین اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو برابر جانتے ہیں۔ حالانکہ افضلیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سب مخلوق پر ان کے نزدیک بھی متواتر ثابت ہے۔

تعصب سوم۔ جو کوئی محبت علی رضی اللہ عنہ کی دل میں رکھتا ہے چاہے یہودی و نصرانی اور ہندو ہو بہشت میں جائے گا۔ اور جو کوئی دوستی صحابہ رضی اللہ عنہم کی دل میں رکھتا ہو گو متقی اور عابد ہو اور محب اہلِ بیت بھی ہو دوزخی ہے۔ چنانچہ رضی الدین بغوی نے کہ جملہ شیعہ سے تھا حکم کیا ہے زینا ابن اسحٰق کی نسبت جو نصرانی تھا بہشتی ہونے پر ان چند بیت کے کہنے سے، حالانکہ اس نے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو بھی بُرا نہیں کہا۔ **ابیات**:-

عَدِیٌّ وَ تَیْمٌ لَا اُحَاوِلُ ذِکْرَھُمْ	قوم ابوبکر رضی اللہ عنہ اور قوم عمر رضی اللہ عنہ نہیں حوالے کرتا ہوں میں اُن کا ذکر بدی کے ساتھ
بِسُوْءٍ وَلٰکِنِّیْ مُحِبٌّ لِھَاشِمِ	لیکن میں دوست رکھتا ہوں خاص قوم بنی ہاشم کو،
وَمَا تَعْتَرِیْنِیْ فِیْ عَلِیٍّ وَّ اَھْلِهٖ	اور منع نہیں کرتے ہیں مجھ کو علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی اہلِ بیت کی محبت میں،
اِذَا ذُکِرُوْا فِی اللّٰهِ لَوْمَةُ لَائِمِ	جس وقت کہ ذکر ان کا دین خدا میں کرتا ہوں ملامت کسی ملامت کرنے والے کی،
یَقُوْلُوْنَ مَا بَالُ النَّصَارٰی تُحِبُّھُمْ	اور کہتے ہیں کیا حال ہے نصاریٰ کا ان کی محبت میں،
وَاَھْلُ النُّھٰی مِنْ عُرْبِھِمْ وَالْاَعَاجِمِ	اور صاحبانِ عرب و عجم سے،
فَقُلْتُ لَھُمْ اِنِّیْ لَاَحْسَبُ حُبَّھُمْ	تو میں نے کہتا ہوں میں گمان کرتا ہوں کہ محبت ان لوگوں کی مخلوق
سَرٰی فِیْ قُلُوْبِ الْخَلْقِ حَتَّی الْبَھَائِمِ	کے دلوں میں اثر کر گئی ہے یہاں تک کہ بہائم میں

اور ابن فضلون یہودی کو تمامی علماء اس فرقہ کے بخوبی یاد کرتے ہیں دو تین بیتوں کے سبب سے جو اُس نے کہی ہیں۔ **ابیات**:-

رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الْمَعِیْشَةِ سُؤْلِیْ	یارب دے مجھ کو دُنیا سے جو کچھ میں مانگتا ہوں،
وَاعْفُ عَنِّیْ بِحَقِّ اٰلِ الرَّسُوْلِ	اور بخش دے مجھے بطفیل آلِ رسول کے،
وَاسْقِنِیْ شَرْبَةً بِکَفِّ عَلِیٍّ	اور پلا مجھ کو شربت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے کہ
سَیِّدِ الْاَوْلِیَاءِ بَعْلِ الْبَتُوْلِ	سردار اولیاء کے ہیں اور شوہر بتول رضی اللہ عنہا کے

حالانکہ محبت حضرت امیرؓ اور اہل بیت اور تعریف ان کی کہنا اور منقبت پڑھنا ان بزرگواروں کی بالاتفاق عبادت ہے۔ لیکن تمامی عبادات قبول ہونے کے واسطے ایمان شرط ہے۔ قولہ تعالیٰ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا کُفْرَانَ لِسَعْیِهٖ وَاِنَّا لَهٗ کٰتِبُوْنَ (جو شخص عمل نیک کرتا ہے مگر مومن بھی ہو تو اس کی سعی ضائع نہ ہوگی، بیشک ہم اس کو لکھتے ہیں) جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے بدون ایمان کے جیساکہ بیان کیا تاثیر کافروں میں نہ کی ہو تو محبت حضرت امیرؓ اور محبت اہل بیت کہ بلاشبہ تابع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں کہ جیسے حضرتؐ کی تعظیم اور محبت واجب ہے ویسی ہی ان کی، کافر کے حق میں کیا کرے گی۔ اور یہی نجات کفار کی دوزخ سے اور داخل ہونا بہشت میں خود شیعہ کے عقائد میں باطل اور محال ہے ہر چند اعمال نیک بجالائیں۔ اور دخول اہل ایمان کا اگرچہ کیسے ہی گناہ اور برائیاں رکھتا ہو ان کے نزدیک بھی بہشت میں قطعی ہے اور حد یہ کہ دوستی صحابہؓ کی معصیت اور گناہ کبیرہ ہے اہل سنت ان کی دوستی سے کیوں محروم از بہشت ہو جائیں گے حالانکہ محبت اہل بیت کی بے شبہ رکھتے ہیں۔ اور جب محبت اہل بیت کی کافروں کو دوزخ سے چھوڑائے اور بہشت میں داخل کرے تو اہل سنت جو بسبب محبت صحابہؓ کے مرتکب گناہ کے ہیں محبت اہل بیت کی ان کو کیوں نہ چھوڑائے اور بہشت میں داخل نہ کرے۔

❁ **تعصب چہارم**۔ علیؓ کی محبت کے ہوتے کوئی معصیت ضرر نہیں کرتی۔ اور حالانکہ قرآن کے نصوص خلاف اس کے ناطق ہیں، مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ۔ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ (جو کوئی برے کام کرے گا اس کا بدلہ پائے گا۔ اور جو شخص برا کام کرے گا ذرہ برابر اس کو وہ دیکھے گا) اور صحیح اخبار حضرات ائمہؓ کے بھی اس کے خلاف پر گواہ ہیں جیسے کہ بار بار گزرے۔

❁ **تعصب پنجم**۔ صحابہؓ سے جو نہایت ہی بغض رکھتے ہیں اس سبب سے تمام امت محمدیہ کو امت ملعونہ کہتے ہیں۔ اور نص قرآنی کو جو کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم ہی ہو بہترین امت کہ خروج کئے گئے لوگوں کی ہدایت کو) اس کو الگ اٹھا رکھتے ہیں۔ اور حضرت امام حسن عسکریؒ کی روایت کو اس تفسیر میں کہ ابن بابویہ نے صحیح سند سے ساتھ ان سے روایت کی ہے اس کو بھول جاتے ہیں وہ روایت یہ ہے کہ اَمَا عَلِمْتَ یَا مُوْسٰی اَنَّ فَضْلَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ عَلٰی سَائِرِ الْاُمَمِ کَفَضْلِیْ عَلٰی خَلْقِیْ (آیا جانا تو نے اے موسیٰؑ! افضل امت محمدؐ کا تمام امتوں پر ایسا ہے جیسے میرا افضل میری تمام مخلوق پر ہے) اور بھی آیت وَکَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ ؕ اس پر کان نہیں لگاتے۔

❁ **تعصب ششم** قرآن مجید سے کہ بلاشبہ حضرات ائمہؓ سے ان کے نزدیک منقول ہوتا ہے، اور ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نماز اور نماز کے سوا تلاوت میں پڑھتے تھے، اور امام حسن عسکریؒ اور دوسرے اماموں نے

اس کی تفسیر کی ہے اور اپنے کلام میں اس کی آیتوں اور الفاظ سے گواہی چاہی ہے لیکن یہ تبرا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وہ قرآن نہیں ہے جو نازل ہوا ہے بلکہ عثمانؓ کا تحریف کیا ہوا ہے اس سبب سے کہ عثمانؓ ہی نے اس کو جمع کیا اور رواج دیا یہ خدمت عثمانؓ ہی بجا لائے۔ سبحان اللہ یہ کیسا مرتبہ بغض و عناد کا ہے خیال تو کرو کہاں تک پہنچایا ہے۔

❁ **تعصب ہفتم**۔ عمرؓ کے لعن کو ذکر الٰہی و تلاوت قرآن مجید پر ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ کسی شریعت میں بروں کا برا کہنا ثواب نہیں ہے پھر خدا کے ذکر کا کیا ٹھکانا کہ جملہ ملت و مذہب کے اتفاق سے سب شغلوں اور عملوں میں افضل ہے اس سے بہتر ہو۔ قولہ تعالیٰ وَلَذِکْرُ اللّٰهِ اَکْبَرُ (ہر آئینہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے)۔

❁ **تعصب ہشتم**۔ بڑے بڑے صحابہؓ کے لعن اور ازواج مطہراتؓ کے لعن کو بہت بڑی عبادت جانتے ہیں۔ اور پانچ وقت کی نماز کی طرح ہمیشہ اس کام کو کرنا اور ضبط رکھنا فرض جانتے ہیں۔ ابوجہل اور فرعون اور نمرود کو کہ بلاشبہ دشمن خدا اور دشمن پیغمبروں کے ہوئے ہیں کبھی گالی نہیں دیتے نہ برا کہتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ستر دفعہ صبح کو شیخینؓ پر لعن کرنا نیک اور حسنہ ہے۔ لیکن لعن ابوجہل اور فرعون اور نمرود کو رتی بھر بھی حسنہ نہیں کہتے۔

❁ **تعصب نہم**۔ حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کو اولاد پیغمبرؐ سے خارج کرتے ہیں اس سبب سے کہ ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکیاں نہ تھیں بلکہ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت خدیجہؓ کی بھی لڑکیاں نہ تھیں تاکہ حضرت زہراؓ سے ان کو ماں میں بھی شرکت حاصل نہ ہو۔ حالانکہ صریح خلاف نص قرآن کے ہے قولہ تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ (یعنے اے نبیؐ! کہہ تو اپنی بیویوں سے اور بیٹیوں سے)۔ نہج البلاغۃ میں مذکور ہے کہ حضرت امیرؓ نے تغیر سیرت عثمانؓ پر غصہ سے کہا قد بلغت من صهرہ ما لم یبلغاہ ای شیخین (یعنے دامادی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رتبہ کو نہ پہنچے وہ دونوں یعنی شیخینؓ)۔ اور شیخ الطائفہ ابوجعفر طوسی تہذیب میں امام جعفر صادقؒ سے روایت کرتا ہے کہ کان یَقُوْلُ فِیْ دُعَآئِهٖ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی رُقَیَّةَ بِنْتِ نَبِیِّكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰٓی اُمِّ كُلْثُوْمٍ بِنْتِ نَبِیِّكَ (یعنے کہتے تھے وہ اپنی دعا میں اے خدا! رحمت کامل نازل کر اپنے نبیؐ کی بیٹی رقیہؓ پر، اے خدا! رحمت کامل نازل کر اپنے نبیؐ کی بیٹی ام کلثومؓ پر) اور کلینی میں بھی روایت کی ہے تَزَوَّجَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خدیجة وهو ابْنُ بِضْعٍ وَّعِشْرِیْنَ سَنَةً فَوُلِدَ لَهٗ مِنْهَا قَبْلَ مَبْعَثِهٖ علیه السلام اَلْقَاسِمُ وَالرُّقَیَّةُ وَزَیْنَبُ وَاُمُّ كُلْثُوْمٍ وولد له بَعْدَ الْمَبْعَثِ الطَّیِّبُ وَالطَّاهِرُ وَفَاطِمَةُ علیهم السلام (یعنے نکاح میں لائے حضرت خدیجہؓ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کچھ اوپر بیس برس کے تھے پس پیدا ہوئے

اُن سے قبل آپ کے نبی ہونے کے قاسم اور رُقیہ اور اُمّ کلثوم اور بعد نبی ہونے کے طیب اور طاہر اور فاطمہ علیہم السلام)۔ اور دوسری روایت ہے اِنَّهٗ لَمْ يُوْلَدْ لَهٗ بَعْدَ الْمَبْعَثِ اِلَّا فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَاِنَّ الطَّيِّبَ وَالطَّاهِرَ وُلِدَا قَبْلَ الْمَبْعَثِ (بیشک نہیں پیدا ہوا اُن کی اولاد سے بعد نبی ہونے کے مگر فاطمہ علیہا السلام۔ اور بیشک طیب و طاہر پیدا ہوئے قبل نبی ہونے کے)۔ اور ملّا خلیل قزوینی نے شرح میں تفصیل اس معاملہ کی کی ہے۔

تعصب دہم۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ منافقوں میں سے تھے۔ حالانکہ خود ان کے نزدیک ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخرحیات میں ابوبکرؓ کو امام کیا کہ منافق و مؤمن میں بخوبی تمیز ہوچکی تھی بموجب نص قرآن کے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (خداتعالیٰ ایسا نہیں کہ چھوڑ دے مؤمنوں کو اپنے حال پر جیسے تم ہو جب تک کہ پاک ناپاک کو چھانٹ لے) اور منافق کو بالاجماع امام کرنا جائز نہیں ہے۔ اور حضرت امیرؓ ان کے اور عمرؓ اور عثمانؓ کے پیچھے ہمیشہ نماز پڑھتے رہے۔ اور ابوذرؓ اور سلمانؓ اور مقدادؓ اور عمارؓ سب اُن تینوں کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔

تعصب یازدہم۔ تیمی و عدوی یعنی دو بت ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں کے تھے گھر میں چھپے ہوئے اُن کی پرستش کرتے تھے۔ حالانکہ خود اُن کے نزدیک ثابت ہے کہ محمد بن ابی بکرؓ کو حضرت امیرؓ نے بیٹا بنایا تھا اور اپنی لڑکی کے نکاح کا اُن کے ساتھ ارادہ رکھتے تھے۔ پس اس صورت میں کہ ابوبکرؓ مشرک تھے نکاح اسماءؓ بنت عمیس کا کہ بلاشبہ مؤمنہ تھیں اُن کے ساتھ کیونکر صحیح ہوتا۔ اور عمرؓ کے ساتھ بھی آپ نے ایک لڑکی کا نکاح فرمایا۔ اگر وہ مشرک تھے تو یہ نکاح کیونکر دُرست ہوا۔ اور بُت پرستوں کے ساتھ معاملہ معصوم کا کس طرح ٹھیک آیا۔ قولہ تعالیٰ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا (یعنی مت نکاح کرو تم مشرکوں کے ساتھ جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں)

تعصب دوازدہم۔ کہتے ہیں کہ جو آیتیں اصحاب کے فضائل میں آئی ہیں مہاجرین وانصار سے خصوصاً ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ اور عائشہؓ وہ سب مُتشابہات ہیں جن کے معنے سمجھ میں نہیں آتے ذَكَرَهٗ ابن شہر آشوب السروی مازندرانی مِنْ عُلَمَائِهِمْ۔

تعصب سیزدہم۔ کہتے ہیں کہ اہل سنت حضرت علیؓ اور اُن کی اولادِ طاہرہؓ سے بہت بڑا بغض رکھتے ہیں۔ یہ ابن شہر آشوب کہتا ہے۔ اسی سبب سے ان کا نواصب لقب کیا ہے۔ حالانکہ خود انھوں نے اپنی کتابوں میں اہل سنت کی کتابوں سے خصوصاً بیہقی اور ابوالشیخ اور دیلمی سے نقل کی ہے قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَيَكُوْنَ عِتْرَتِيْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قال قال رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم اَحِبُّوا اللّٰهَ بِمَا يَغْذُوْكُمْ مِنْ نِعَمِهٖ۔

(نہیں مؤمن ہوتا ہے کوئی جب تک کہ میں اُس کو اُس کے نفس سے زیادہ دوست نہ ہوں۔ اور عترت میری اُس کے نفس سے دوست تر نہ ہو۔ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ دوست رکھو خدا کو اس واسطے کہ وہ اپنی نعمت تم کو کھلاتا ہے) وَاَحِبُّوْنِيْ لِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِيْ لِحُبِّيْ اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ (یعنے دوست رکھو مجھ کو واسطے دوست رکھنے اللہ تعالیٰ کے اور میری اہل بیت کو میری محبت کے واسطے اور سوا ان کے) اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اہل سنت محبت امیرؓ اور اُن کی اولاد کو فرائضِ ایمان سے گنتے ہیں۔ حضرت شیخ فریدالدین احمد بن محمد نیشاپوری معروف بعطار اشعار عربی میں فرماتے ہیں۔ **ابیات :-**

فَلَا تَعْدِلْ بِاَهْلِ الْبَيْتِ خَلْقًا	مت برابر کر اہل بیت کے ساتھ مخلوق کو
فَاَهْلُ الْبَيْتِ هُمْ اَهْلُ السَّعَادَةْ	پس اہل بیت وہ لوگ ہیں کہ اہل سعادت ہیں
فَبُغْضُهُمْ مِنَ الْاِنْسَانِ خُسْرٌ	پس بغض اُن کا اہل بیت سے نقصان
حَقِيْقِيٌّ وَحُبُّهُمُ عِبَادَةْ	حقیقی ہے اور محبت اُن کی عبادت ہے

ان اشعار کو شیخ بہاؤالدین آملی نے کشکول میں اپنے نقل کیا ہے پھر شیخ موصوف سے نقل کرتے ہیں کہ فرماتے تھے مَنْ اٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاَهْلِ بَيْتِهٖ فَلَيْسَ بِمُؤْمِنٍ (جو ایمان لایا محمدؐ پر اور اہل بیت پر ایمان نہ لایا وہ مؤمن نہیں ہے) اور محبت ابوحنیفہؒ کی اور پرخاش اُن کا اعمش کے ساتھ جس وقت قصہ نکاح ابوجہل کی لڑکی کا جو حضرت امیرؓ سے وقوع میں آیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پر عتاب فرمایا تھا اعمش روایت کرتا تھا کہ مشہور و معروف ہے۔ ابوحنیفہؒ نے اُس سے کہا کہ ہرچند یہ قصہ صحیح بھی ہے لیکن تجھ کو کب لائق ہے کہ اس قصہ کو بے ادبانہ لوگوں کے سامنے روایت کرے مسئلہ دین کا اس قصہ پر موقوف نہیں ہے۔ اور شریک بن عبداللہ اور ابن شبرمہ اور ابن ابی لیلےٰ سب ابوحنیفہؒ کے ساتھ اکٹھے ہوکر اعمش کے گھر گئے اور اُس کو اس قصہ کی روایت پر ملامت کی۔ اعمش نے کہا میں تم سے ایک قدم بڑھ کر ہوں علیؓ کی محبت میں لیکن حدیث جیسی میں نے سُنی تھی ویسی ہی روایت کی میرا یہی کام ہے۔ پھر ایک حضرت امیرؓ کی صفت ثنا میں روایت کی یہاں تک کہ سب اُس سے خوش ہوکر اپنے گھروں کو لوٹے۔ اور صحبت اور شاگردی اور علم و طریقہ اختیار اور حاصل کرنا جیسا کچھ ابوحنیفہؒ کو امام محمد باقرؒ اور امام جعفر صادقؒ اور زیدؒ بن علی بن حسین سے ثابت ہے محتاج بیان نہیں۔ اور ابوحنیفہؒ کے والد نے جن کا ثابت نام تھا بچپن میں اپنے والد کے ساتھ خود زیارت امیرالمؤمنینؓ کی حاصل کی۔ حضرت امیرؓ نے اُن کے حق میں دُعاء برکت اولاد کی فرمائی۔ بموجب دُعا کے ابوحنیفہؒ پیدا ہوئے۔ اور محبت امام شافعیؒ کی اِس خاندان سے اُن کے اشعار سے ظاہر ہے جو شیعہ کی کتابوں میں مسطور و مشہور ہیں۔ جو کچھ اُن کے اشعار سے شیعہ کی کتابوں میں دیکھے گئے لکھے جاتے ہیں:-

مِن ذٰلک ابیات :-

یَا اَھْلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ حُبُّکُمْ
فَرْضٌ مِّنَ اللّٰہِ فِی الْقُرْاٰنِ اَنْزَلَہٗ
یَکْفِیْکُمْ مِنْ عَظِیْمِ الْفَخْرِ اِنَّکُمْ
مَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَیْکُمْ لَا صَلٰوۃَ لَہٗ

اَے اہلِ بیت رسول اللہؐ کے محبت تمہاری فرض ہے اللہ کی طرف سے قرآن میں جو نازل کیا ہے اُس نے کافی ہے تم کو یہ بڑا فخر کہ بیشک تم وہ ہو کہ جو شخص تم پر درود نہ بھیجے اُس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

اور مذہب شافعیؒ کا یہی ہے کہ درود کو نماز میں فرض جانتے ہیں جس کے صیغے مشتمل بر لفظ آل ہوتے ہیں۔

وایضاً لہٗ ابیات :-

اِلَامَ اِلَامَ وَحَتّٰی مَتٰی
اُعَاتَبُ فِیْ حُبِّ ھٰذَا الْفَتٰی
فَھَلْ زُوِّجَتْ فَاطِمُ غَیْرَہٗ
وَفِیْ غَیْرِہٖ ھَلْ اَتٰی ھَلْ اَتٰی

کہاں تک ملامت کیا جاؤں میں اور کب تک عتاب کیا جاؤں میں محبت میں اِس جوان کے، آیا زوجہ کی گئی ہیں فاطمہؓ سوا اُس کے اور سوا اُس کے آیا آیا ہے کسی کو ھَلْ اَتٰی

وایضاً ابیات :-

قَالُوْا تَرَفَّضْتَ قُلْتُ کَلَّا
مَا الرَّفْضُ دِیْنِیْ وَلَا اعْتِقَادِیْ
لٰکِنْ تَوَالَیْتُ مِنْ غَیْرِ شَکٍّ
خَیْرَ اِمَامٍ وَخَیْرَ ھَادِیْ
اِنْ کَانَ حُبُّ الْوَصِیِّ رَفْضًا
فَاِنَّنِیْ اَرْفَضُ الْعِبَادِ

لوگوں نے کہا تو رافضی ہو گیا، میں نے کہا ہرگز نہیں رفض نہ میرا دین ہے نہ میرا اعتقاد ہے۔ لیکن میں نے دوست پکڑا ہے بیشک بہتر امام اور بہتر رہنما کو، اگر محبت علیؓ کی رفض ہے تو میں سب بندوں میں ارفض ہوں۔

وایضاً لہٗ ابیات :-

یَا رَبِّ بِالْقَدَمِ الَّتِیْ اَوْطَاتَھَا
مِنْ قَابَ قَوْسَیْنِ الْمَحَلَّ الْاَعْظَمَا
وَبِحُرْمَۃِ الْقَدَمِ الَّتِیْ جُعِلَتْ لَہٗ
کَتِفُ الْمُؤَیَّدِ بِالرِّسَالَۃِ سُلَّمًا
ثَبِّتْ عَلٰی مَتْنِ الصِّرَاطِ تَکَرُّمًا
قَدَمِیْ وَکُنْ لِّیْ مُحْسِنًا وَّمُکَرِّمًا

اَے پروردگار میرے! بطفیل اُس قدم کے جس کے نیچے تُو نے رکھا قاب قوسین سے مقام اعلیٰ کو، اور طفیل اس قدم کے جس کے واسطے ٹھہرایا گیا وہ شانہ جو پیغمبری سے مدد پایا ہوا تھا سیڑھی ہے ثابت رکھ پشت صراط پر اپنے کرم سے میرے قدم کو اور ہو میرے ساتھ احسان واکرام کرنے والا

وَاجْعَلْھُمَا ذُخْرًا فَمَنْ کَانَ لَہٗ
اَمِنَ الْعَذَابِ وَلَا یَخَافُ جَھَنَّمَا

اور کر ان دونوں چیزوں کو ذخیرہ، پس جس کو یہ دو چیزیں حاصل ہوئیں امن میں ہو گیا اور عذاب نہیں دیا گیا۔

وایضاً لہٗ ابیات :-

وَاِذْ ذَکَرُوْا عَلِیًّا وَّابْنَیْہِ
جَاءُوْا بِالرِّوَایَاتِ الْعَلِیَّۃِ
یُقَالُ تَجَاوَزُوْا یَا قَوْمِ عَنْہُ
فَھٰذَا مِنْ حَدِیْثِ الرَّافِضِیَّۃِ
بَرِئْتُ اِلَی الْمُھَیْمِنِ مِنْ اُنَاسٍ
یَرَوْنَ الرَّفْضَ حُبَّ الْفَاطِمِیَّۃِ

جس وقت ذکر کریں علیؓ کا اور اُن کے دونوں بیٹوں کا، تو لائیں عالی روایتیں لوگ کہتے ہیں اے قوم چھوڑو یہ بات کہ یہ کلام رافضیوں سے ہے، بیزار ہوں میں طرف خدا تعالیٰ کے اُن لوگوں سے جو جانتے ہیں محبت فاطمہؓ کو رفض

وایضاً لہٗ ابیات :-

اِذَا فَتَّشُوْا قَلْبِیْ اَصَابُوْا بِہٖ
سَطْرَیْنِ قَدْ خُطَّا بِلَا کَاتِبٍ
اَلْعِلْمُ وَالتَّوْحِیْدُ فِیْ جَانِبٍ
وَحُبُّ اَھْلِ بَیْتٍ فِیْ جَانِبٍ

اگر کُریدیں میرے دل کو تو پائیں گے اُس میں دو سطریں لکھی ہوئی کہ جو کسی کاتب کی لکھی نہیں ہیں علم و توحید ایک جانب اور محبت اہل بیت کی ایک جانب

یہ سب اشعار شیعہ کی معتبر کتابوں میں امام شافعیؒ کے نام سے موجود ہیں۔ لہٰذا انہی کو کافی سمجھا اور امام مالکؒ خود حضرت صادقؑ کے خاص اصحاب میں سے تھے تمام عمر اُن کی صحبت میں رہے اور علم حاصل کیا اور ان کے عمدہ شاگردوں میں سے ہیں بالاجماع۔ اور جب امام علی رضاؑ نیشاپور میں داخل ہوئے ایک اونٹ پر سوار تھے، اور شقیق بلخی کہ بہت بڑے شخص اہلِ سُنّت کے صوفیوں میں سے تھے آگے امام کے جلوداری میں جاتے تھے اور ایک گروہ اور نے اہلِ سُنّت صوفیوں میں سے حضرت امامؑ پر اپنی چادروں سے سایہ کیا تھا۔ اور حافظ ابو زرعہ رازی اور محمد بن اسلم طوسی اپنے طالب علموں سمیت اور مع کتاب حدیث کے اپنے مدرسوں اور لنگر خانوں سے ان کی زیارت کے واسطے نکلے شہر میں شور پڑ گیا۔ لوگ باُمید دیدار مبارک کے انبوہ ہوئے۔ اہلِ سُنّت کے محدثوں نے عرض کی کہ اگر دو ایک حدیثیں اپنے باپ دادے کی سند کے ساتھ اس وقت کہ مجمع خلق اللہ ہے آپ روایت فرمائیں تو نہایت احسان ہو۔ حضرت امامؑ نے اپنے باپ دادے کی سند کے ساتھ یہ حدیث روایت فرمائی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِیْ فَمَنْ قَالَھَا دَخَلَ حِصْنِیْ* وَاَمِنَ مِنَ الْعَذَابِ (یعنی کلمہ توحید میرا قلعہ ہے جس نے اس کو کہا میرے قلعہ میں داخل ہوا اور عذاب سے امن پایا) اُس وقت محدثوں اہلِ سنت اور اُن کے

* یعنی جنتی

طالب علموں سے بیس ہزار آدمی قلمدان والے شمار کئے گئے۔ امام احمد ابن حنبلؒ جو اس سند کو ذکر کرتے تھے کہتے تھے لَوْ قُرِئَ هٰذَا عَلَى الْمَجْنُوْنِ لَاَفَاقَ اَوْ عَلٰى مَرِيْضٍ لَبَرَءَ كَذَا ذَكَرَهُ ابْنُ الْاَثِيْرِ فِي الْكَامِلِ (اگر پڑھا جائے اُس کو دیوانے پر اچھا ہو جائے یا مریض پر تو تندرست ہو جائے) جیساکہ ذکر کیا ابن اثیر نے کامل میں اور ذکر کیا فصول والے نے جو امامیہ سے ہے تاریخ الائمہ میں اور سعید بن المسیب سے روایت مشہور ہے:۔

كَانَ عِنْدَهٗ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ فَاَتَاهُ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ الْقُرَشِيُّ يَا اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ مَنْ هٰذَا قَالَ سَعِيْدٌ هٰذَا الَّذِيْ لَا يَسَعُ مُسْلِمًا اَنْ يَجْهَلَهٗ هُوَ عَلِيُّ ابْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

تھا سعید کے پاس ایک شخص قریش سے پس آئے سعید کے پاس علی بن حسین، پس اُس قریشی نے سعید سے پوچھا کہ اے ابا عبداللہ! یہ کون ہے؟ کہا یہ وہ شخص ہے کہ کسی مسلمان کو روا نہیں ہے کہ اس کو نہ پہچانے، یہ علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہے راضی ہو خدا اُن سب سے۔

اور تمام سلسلے صوفیہ اہلِ سنت کے طریقت میں اماموں پر ختم ہوتے ہیں پس یہ جملہ گروہ اہلِ سنت کے پیر ہیں۔ اور معلوم ہے کہ اہلِ سنت کیسی عظمت و قدر پیر کی کرتے ہیں اور کیسی محبت، اور اُن کے بغض و اہانت کو ایسا جانتے ہیں کہ گویا طریقت سے پھر گئے۔ اب انصاف کی نظر سے دیکھنا چاہیئے کہ اہلِ سنت کا مدار شریعت اور طریقت پر ہے اور انہی دونوں باتوں کو موقع ریاست و بزرگی کا گنتے ہیں۔ اور بڑے لوگ شریعت میں چاروں فقیہ ہیں، اور بڑے لوگ طریقت میں صاحب خاندان صوفیہ کے اور دونوں فرقوں کو رجوع طرف اہلِ بیت کے ہے اور ان کے خوانِ فیض سے بچا بچایا حاصل کرنا تو بغض اہلِ بیت کی نسبت اہلِ سنت کی طرف کرنا ایسا ہے جیسے محسوس چیزوں کا انکار کرنا اور اجتماع اضداد کا دعوی کرنا کہ کوئی عاقل اس کو یقین نہیں کرتا اور ان کا نواصب لقب کرنا نور کو ظلمت اور آفتاب عالمتاب کو تاریک کہنا ہے۔ تاریخ سے قطعی معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ سنت نے نواصب سے ہمیشہ مقابلے کئے ہیں اور ان بدبختوں کے ہذیانات کے جواب دیئے ہیں اور ان سے پرخاشیں کی ہیں۔ کثیر عزہ نے کہ شاعر مشہور ہے نواصب کے مقابلے میں تنگ آکر مضامین شعر سے درگزر کرکے نوبت لعن و بددعا کی پہنچائی ہے۔ چنانچہ مشہور ہے۔ ابیات:۔

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ يَسُبُّ حُسَيْنًا
اَوْ اَخَاهُ مِنْ سُوْقَةٍ وَاِمَامٍ
وَرَمَى اللّٰهُ مَنْ يَسُبُّ عَلِيًّا
بِصِدَامٍ وَاَزْلَقٍ وَجُذَامٍ

لعنت کرے اللہ تعالیٰ اُس پر جو گالی دیتا ہے حسینؓ یا اُن کے بھائی کو رعایا سے اور حالانکہ وہ امام ہیں، اور مارے خدا تعالیٰ اُس شخص کو جو گالی دیتا ہے علیؓ کو صدموں سے اور لغزشوں سے اور جذام سے۔

حقیقت یہ ہے کہ محبتِ اہلِ سنت کو شیعہ نہیں جان سکتے ہیں مگر چند روز امتحاناً مذہبِ نواصب اختیار کریں پھر دیکھیں کہ یہ مقابلہ میں کیا کرتے ہیں۔ ع۔ بنگر کہ دست اگر بیان چہ می کند۔

تعصب چہاردہم کہتے ہیں کہ اہلِ سنت حضرت علیؓ کے قتل کو فسق نہیں جانتے اور ابن ملجم علیہ اللعنۃ کو جو اُن کا قاتل ہے بخاری نے اپنی صحیح میں اُس سے روایت کی ہے اور اُس کی روایت پر تعدیل و توثیق کی یعنے معتبر جانا۔

یہ ایسا جھوٹ ہے جس کی انتہا نہیں، اور بڑی بیحیائی و وقاحت کا افترا ہے۔ اس لئے کہ بخاری ایسی کتاب نہیں کہ کمیاب ہو کہیں نہ ملتی ہو۔ ہزاروں نسخے ہر شہرِ اسلام میں ملیں گے۔ اور رجال اُس کے گنتی کے اور مضبوط۔ اہلِ سنت قتل کسی ذاتِ مومن کو عموماً بہت ہی بڑے گناہِ کبیرہ سے جانتے ہیں بعد شرک باللہ کے اور اپنے عقائد میں لکھتے ہیں نہ کہ خاص ایسے نفس مقدس کے قتل کو۔ بلکہ بموجب حدیث نبویؐ کے کفر جانتے ہیں اور حدیث اَشْقَى الْاٰخِرِيْنَ (یعنے پچھلے لوگوں میں سب سے بڑھ کر شقی) جملہ کتابوں میں اہلِ سنت کے مروی ہے۔ بھلا ممکن ہے کہ اہلِ سنت کی کسی کتاب میں اُس سے کوئی روایت کسی نے نکالی ہو نہ کہ بخاری میں۔

رَوَى الطَّبْرَانِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشْقَى النَّاسِ ثَلٰثَةٌ عَاقِرُ نَاقَةِ ثَمُوْدَ وَابْنُ اٰدَمَ الَّذِيْ قَتَلَ اَخَاهُ وَقَاتِلُ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔

یعنے روایت کی طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور اُنھوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ بدبخت تر لوگوں میں تین آدمی ہیں۔ ایک جس نے ناقہ ثمود کی کونچیں کاٹیں دوسرا آدم کا بیٹا جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تیسرا قاتل علیؓ بن ابی طالب کا۔

اور یہ افترا بھی ابن شہر آشوب کا ہے جو اپنے مثالب میں بخاریؒ پر اس افترا کو ذکر کیا ہے ایسے ہی موقعوں سے ان روایتوں کو ان صاحبوں کی اور اُن کی باتوں کو حق میں اہلِ سنت کے قیاس کرنا چاہیئے کہ کیسے بے صرفہ ہیں۔

تعصب پانزدہم یہ کہ کمال بغض و عناد جو اہلِ سنت سے اور اہلِ سنت نے اپنی نسبت سنت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے کی ہے اس بات پر علما اُن کے سنتِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو لعنت کرتے ہیں اور کافر ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم کو کفر قبول ہے اور اچھا کہنا سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قبول نہیں ہے۔ یہاں ایک مثل مشہور ہم کو یاد آئی کہ غَارَتْ عَلَى الضَّرَّةِ وَقَتَلَتْ بَعْلَهَا (غیرت کھائی عورت نے اپنی سوت (سوکن) پر اور مار ڈالا اپنے شوہر کو) مَعَاذَ اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ صاحب ابن عباد کہ سلاطینِ دیالمہ کے وزیروں سے تھا اور اس فرقہ میں اس جیسا کوئی داعی نہ گزرا اپنے شعر میں کہتا ہے۔

ابیات:۔

حُبُّ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ
هُوَ الَّذِیْ یَهْدِیْ اِلَی الْجَنَّةِ
اِنْ کَانَ تَفْضِیْلٌ لَهُ بِدْعَةٌ
فَلَعْنَتُهُ عَلَی السُّنَّةِ

یعنے محبت علیؓ بن ابی طالب کی
ایسی ہے کہ جنت کی راہ بتاتی ہے،
اگر ہووے کوئی تفضیل اُسکے واسطے نئی بات (بدعت)
پس لعنت خدا کی سُنت پر۔

تعصب شانزدہم اہلِ سنت پر بابت بعض روایتوں کے جیسے روایتیں سہو کی ہیں جو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوئے ہیں۔ یا لیلۃ التعریس میں نماز قضا ہوئی ہے زبان طعن کی کھولتے ہیں اور بُری اور نالائق باتیں کرتے ہیں جیسے ابن مطہر حلی نے ان دونوں حدیثوں کی روایت میں اہلِ سُنت پر کچھ زبان درازی کی ہے۔ حالانکہ خود یہ فرقہ اپنی صحیح کتابوں میں اُنہی حدیثوں سے روایت کرتے ہیں اور تصحیح۔

مِنْ ذٰلِكَ خَبَرُ ذِی الْیَدَیْنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم صَلَّی الظُّهْرَ اَوِ الْعَصْرَ رَكْعَتَیْنِ فَقَالَ ذُوالْیَدَیْنِ اَقُصِرَتِ الصَّلٰوةُ اَمْ نَسِیْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَاَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَلْفَهٗ اَصَدَقَ ذُوالْیَدَیْنِ قَالُوْا نَعَمْ صَلَّیْتَ رَكْعَتَیْنِ فَبَنٰی عَلٰی صَلٰوتِهٖ وَاَتَمَّ اَرْبَعًا وَسَجَدَ لِلسَّهْوِ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ تَشَهَّدَ وَسَلَّمَ۔

اُنہی روایتوں سے حدیث ذوالیدین کی ہے بیشک رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر یا عصر کی دو رکعت پڑھی تو کہا ذوالیدین نے یا رسول اللہ کیا نماز گھٹ گئی یا آپ بھول گئے۔ آپ نے پوچھا اُن لوگوں سے جو پیچھے تھے، آیا ذوالیدین نے سچ کہا، کہا ہاں دو رکعت پڑھیں۔ پھر کھڑے ہوئے اپنی نماز پر اور چار پر تمام کرکے سجدہ سہو کا کیا پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرا۔

اور خبر لیلۃ التعریس کی:-

وَهُوَ اَنَّهٗ عَرَّسَ فِیْ مُنْصَرَفِهٖ مِنْ خَیْبَرَ فَنَزَلَ قَبْلَ طُلُوْعِ الصُّبْحِ ثُمَّ قَدْ غَلَبَتْ عَیْنَاهُ فَلَمْ یَسْتَیْقِظْ حَتّٰی وَقَعَ عَلَیْهِ حَرُّ الشَّمْسِ ثُمَّ اسْتَیْقَظَ وَتَوَضَّاَ وَصَلّٰی قَضَاءَ الصُّبْحِ وَقَالَ هٰذَا وَادِی الشَّیْطَانِ۔

اور وہ خبر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو وہاں اُترے اس وقت کہ خیبر سے لوٹے قبل طلوع صبح کے پھر سوگئے اور غلبہ کیا خواب نے اُن کی آنکھوں پر یہاں تک کہ گرمی آفتاب کی اُن پر پڑی تب جاگے پھر وضو کیا اور قضا کی نماز صبح کی اور کہا یہ میدان شیطان کا ہے۔

ابن مطہر کہتا ہے کہ پہلی خبر آپ کے سہو کو جتاتی ہے عبادت میں اور دوسری خبر تسلط شیطان کو آنجناب پر، اور دونوں نبوت کے حق میں بد ہیں پس اہل سنت نے اس افترا کی روایت کی ہے۔ حالانکہ پہلی خبر کو ابو جعفر طوسی نے تہذیب میں از حسین بن سعید، ابی عبداللہؓ سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور

کلینی نے بھی از سماعہ، ابو عبداللہؓ سے روایت کی اور اسناد کے ساتھ بھی از سعید اعرج، ابو عبداللہؓ سے روایت کی اور آخر میں کہا:

اِنَّ رَبَّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ هُوَ الَّذِیْ اَنْسَاهُ رَحْمَةً لِلْاُمَّةِ اَلَمْ تَرٰی اِنَّ رَجُلًا لَوْ صَنَعَ مِثْلَ هٰذَا لَعُیِّرَ وَقِیْلَ مَا تُقُبِّلَ صَلٰوتُكَ مِمَّنْ دَخَلَ عَلَیْهِ الْیَوْمَ مِثْلُ هٰذَا قَالَ قَدْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَصَارَ اُسْوَةً۔

بیشک پروردگار تمہارے نے بھلایا اُن سرورؐ کو واسطے رحمت اُمت کے، کیا نہیں دیکھا کہ اگر کوئی مرد ایسا کرتا ہے اس کام کو ضرور مطعون کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیری نماز قبول نہیں ہے، پھر جس کو اس قسم کا حال وارد ہو کہے یہ رسم ڈالی ہوئی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے اور ہوا ہے دستور۔

اور دوسری خبر کو طوسی نے تہذیب میں از حسین بن سعید از ابو عبداللہؓ سے روایت کی اور کلینی نے کافی میں از حمزہ بن طیار از ابی عبداللہؓ سے روایت کی قال اللہ تعالیٰ اَنَا اَنَمْتُكَ وَاَنَا اَیْقَظْتُكَ فَاِذَا قُمْتَ فَصَلِّ لِیَعْلَمُوْا اِذَا اَصَابَهُمْ كَیْفَ یَصْنَعُوْنَ لَیْسَ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذَا نَامَ عَنْهَا هَلَكَ۔ (میں نے سُلا دیا تجھ کو اور میں نے جگا دیا پس جب اُٹھے تو نماز کر تاکہ اُمت کے لوگ جان جائیں کہ جب ایسا معاملہ اُن کو پڑے تو کیا کام کریں اور یہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ اگر سو جانے سے نماز ترک کی تو ہلاک ہوا) اور یہ جو کہا ہے کہ یہ دونوں امر نبوت میں بُرائی لانے والے ہیں صریح غلط ہے اس لئے کہ سہو مثل نسیان و نوم کے احکام بشریت سے ہے البتہ احکام الٰہی پہنچانے میں جو سہو ہو وہ روا نہیں ہے کہ امر کی جگہ نہی اور نہی کی جگہ امر پہنچا دیں۔ قولہ تعالیٰ حِكَایَةً عَنْ مُوْسٰی لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ (یعنے حکایت موسیٰؑ سے مت مواخذہ کر مجھ سے اُس کا جس کو میں بھول گیا) وقولہ تعالیٰ فِیْ حَقِّ اٰدَمَ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے حق میں، سو بھول گیا وہ اور نہیں کیا ہم نے اُس کے واسطے ارادہ) وقولہ تعالیٰ فی حق نبینا صلے اللہ علیہ وسلم، وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ (اور قول اللہ تعالیٰ کا ہمارے نبیؐ کے حق میں اور یاد کر اپنے پروردگار کو جس وقت کہ بھول جائے تو) اور تسلط شیطان کا اُس جنگل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر واقع نہیں ہوا بلکہ حضرت بلالؓ پر ہوا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلالؓ کو واسطے محافظت وقت کا مقرر کیا تھا اور آپ باطمینانِ تمام سوگئے تھے۔ اُس وقت شیطان نے قابو پایا اور بلالؓ کو مغلوب کیا کہ اس بہانے سے نماز پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور اور مسلمانوں کی قضا کرے۔ اگر گماشتہ یا وکیل کسی کا کسی عاصی یا ظالم کا مغلوب ہو جائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس شخص پر غالب ہوا گو کچھ نقصان اُس کو پہنچے۔

❋ **تعصب ہفدہم**۔ کہتے ہیں کہ اگر کوئی وَتَعَالٰی جَدُّکَ نماز میں کہے تو نماز اُس کی خراب ہو جائے۔ حالانکہ قرآن میں اِنَّہٗ وَتَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا واقع ہوا۔ اور اس سورۃ کو نماز میں ان کے نزدیک بھی پڑھ سکتے ہیں کچھ منع نہیں نہ یہ اُن سورتوں سے ہے جو منع کئے گئے ہیں۔ بعضے علمائے شیعہ سے جب بنیاد اس مسئلہ کی ڈالی گئی تو جواب میں کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے قول جن کا نقل کیا۔ چنانچہ اور کلمے کفر کے بھی زبان کافروں سے نقل کئے ہیں وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ (کہا یہود نے عزیرؑ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے مسیحؑ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے) اُن سے کہا گیا کہ جہاں کہیں نقل قولِ کفر کی واقع ہوئی ہے ردّ و تکذیب بھی اُس کے پیچھے لگا دی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کے تتبع سے ظاہر ہوتا ہے یہاں مطلق ردّ و تکذیب اس قول کی مذکور نہیں ہے اس کے ساتھ اگر تمسک اس آیت سے ہم دست بردار ہوں تو قول امیر المومنین رضؓ کو کیا کہیں گے کہ نہج البلاغۃ میں خطبہ انجابؓ میں موجود ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْفَاشِیْ حَمْدُهٗ وَالْغَالِبِ جُنْدُهٗ وَالْمُتَعَالِیْ جَدُّهٗ اِلٰی اٰخِرِ الْخُطْبَةِ (تعریف اُس خدا کو کہ مشہور ہے اُس کی تعریف اور غالب ہے لشکر اُس کا اور بالاتر ہے شوکت اُس کی، آخر خطبہ تک)۔

❋ **تعصب ہژدہم**۔ کہتے ہیں کہ اہل سنت یہود اور نصاریٰ سے بدتر ہیں۔ اس کو ابن المعلم وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ سبحان اللہ جن کا ایمان خدا تعالیٰ و رسولؐ اور ملائکہ اور قرآن اور قیامت اور تمام کتابوں الٰہی پر اور محبت اُن کی رسولؐ اور خاندان رسولؐ سے اور تمام عبادتیں اُن کی بدنی اور مالی اور جو کچھ فاتحہ و درود ان کے نام پر کرتے ہیں یہ سب برباد گیا اور مردود ہوئے۔ اور کفر اور عناد اور انکار و عداوت یہود و نصاریٰ کا جیسا کچھ ان کو پیغمبرؐ سے ہے، اور فرشتوں کا بُرا کہنا خصوصاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ سب اس گروہ کو مقبول ہوا۔ سچ ہے ہر گندہ پر کے واسطے گندہ خوری ہے۔ اور یہ بات ان کی بہت مشابہ ہے اسی فرقہ کے قول سے یعنی یہودیوں کے کہ آپ کے عہد میں کفار بت پرست کو صحابۂ رسولؐ سے بہتر جانتے تھے گویا شیعہ نے اس طعن سے ان کے جو صحابہؓ کے حق میں تھا خوش ہو کر اس خدمت عمدہ کے بدلہ میں ان کو یہ ترجیح و فضیلت دی ہے۔ سچ ہے گُتے کی قدر کُتا پالنے والا ہی جانتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا۔	کیا نہیں دیکھتا تو اُن لوگوں کی طرف کہ دیئے گئے ہیں حصے کتاب سے ایمان لاتے ہیں بُت اور شیطان پر اور کہتے ہیں کافروں کو اس جماعت سے کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

❋ **تعصب نوزدہم**۔ کہتے ہیں کہ غلاۃ و کیسانیہ اور اسماعیلیہ اور اور فریق رافضیوں کے جنھوں نے ائمہ کو

جھوٹا ٹھہرایا ہے اور منکر ان کی امامت کے ہوئے ہیں اور اُن کے حق میں بُرا کہا، آخر کار وہ سب بسبب محبت علی رضؓ کے بہشتی ہوں گے۔ اور اہل سنت باوصف اس کے کہ سب کے دوست ہیں اور شریعت و طریقت میں اپنا امام گنتے ہیں اور اُن میں سے کسی کی حقارت نہیں کرتے بلکہ تعظیم سے پیش آتے ہیں بسبب دوستی چند شخص کے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ خدا جانے اہل سنت کے حق میں محبت علی رضؓ کی کیوں نہیں تاثیر کرتی ہے اور کیسانیہ اسماعیلیہ کے حق میں باوجود انکار و تکذیب اماموں کی کیوں تاثیر کرتی ہے۔

❋ **تعصب بستم**۔ جو اخبار صحیح کہ شیعہ کے نزدیک بطریق صحیح ثابت ہے اور شامت اُن روایتوں کے نصیب کی یہ کہ مضمون اُن کا موافق مذہب اہل سنت کے پڑا ہے اُس پر عمل جائز نہیں رکھتے واجب الطرح اور قابل گرا دینے کے جانتے ہیں اس واسطے کہ اہل سنت کی موافقت لازم آئے گی۔ جیسے روایتیں منی اور مذی کی نجاست کی اور وضو ٹوٹ جانا ان کے نکلنے سے اور روایتیں سہو کے سجدے کی کہ ابو جعفر طوسی وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے اور روایتیں غسل کی بڑے تالاب میں جیسا کہ اس کا ذکر کیا ہے ابن المعلم نے، اور پاخانہ کے بعد ڈھیلوں سے استنجا کرنا کہ خود ان کے اقرار سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی بلاشبہ اس پر نص ہے بقول صاحب الجامع اور شیخ الطائفہ۔ اور قاعدہ مقرر کیا ہوا ان کا ہے کہ بعض روایتیں صحیح جو کلینی میں ہیں یا ان کا شیخ یعنے محمد بن نعمان لایا ہے یا شیخ الشیوخ اُس کا محمد بن بابویہ قمی لایا ہے یا خود اُس کو شیخ الطائفہ نے روایت کر کے تصحیح اُس کی کی کہ جب اُن پر عام لوگ یعنی اہل سنت عمل کرنے لگیں تو اُن سب کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ آہی کہاں تک بُرائی شرکت اہل سنت سے دور بھاگیں گے کتنے ہی ہاتھ پاؤں ماریں آخر بعض جزء کلمہ اور بعض الفاظ قرآن کے تو دونوں فریق میں مشترک ہی رہیں گے۔ دوسرا قاعدہ اجماعی ان کے علماء کا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں دو روایتیں وارد ہوں تو دیکھنا چاہیئے، جو موافق مذہب اہل سنت کے ہو اُس کے خلاف عمل کرنا چاہیئے۔ اس واسطے کہ رہنمائی اور رُشد اسی میں ہے۔

❋ **تعصب بست و یکم**۔ آن کی بہت سی کتابوں میں واقع ہے کہ اہل سنت یہود و نصاریٰ سے زیادہ تر نجس ہیں۔ جو چیز ان کے بدن کو لگ جائے تو دھونا چاہیئے۔ حالانکہ انسان کے پاخانہ کی آلودگی کو نجس نہیں جانتے۔ شاید اہل سنت کو دائرۂ انسانیت بلکہ انسان کے فضلہ ہونے سے بھی خارج کیا۔ اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰى نَفْسِهٖ (یعنے آدمی ہر شخص کو اپنے ہی طرح جانتا ہے)۔

❋ **تعصب بست و دوم**۔ ہر کام میں بسم اللہ سے شروع کرنے کی جگہ چاہے کھانا ہو یا پینا یا پہننا یا سوار ہونا یا بیٹھنا یا اُٹھنا، ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کی لعن کو مبارک و میمون جانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اگر لعن ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ کی کسی تعویذ میں لکھ کر جلائیں اور تپ والے کو اُس کی دھونی دیں تو شفا پائے۔ ایک خوش طبع اہل سنت نے

یہ بات سُن کر کہا کہ درحقیقت ابوبکرؓ و عمرؓ کے نام میں ایسی ہی تاثیر ہے گو لعن کے درمیان میں لیا جائے کہ یہ برکتیں اس سے حاصل ہو نہیں تو فرعون ہامان ابلیس کو کیوں نہ یہ خاصیت ہو۔ اور بھی کہتے ہیں کہ اگر کھانے پر ششتر مرتبہ لعن ابوبکرؓ و عمرؓ کی دم کریں تو بڑی برکت اُس میں پیدا ہو۔ چنانچہ کافی کلینی میں لکھا ہے کہ حمیرا نام ہے کہ یہ نام حضرت عائشہؓ کا ہے جیسا بُغض خدا تعالیٰ کو ہے اس سے زیادہ کوئی نام ایسا نہیں ہے جس سے خدا کو بُغض ہو چاہے کسی عورت کا ہو۔ حمیرا حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لقب مقرر کیا تھا۔ اور حالانکہ ابولہب کی عورت کا نام جس کی مذمّت خدا نے قرآن میں کی ہے بُرا نہیں جانتے۔ اور نیز روایت کرتے ہیں کہ حضرت امیرؓ نے اپنے لڑکوں کا نام ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ رکھا تھا اور یقیناً معلوم ہے کہ باپ کے ذمّے یہ بات ہے کہ اپنے لڑکوں کا نام نیک رکھے پھر جب ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ کے نام میں بُرائی نہیں تو عائشہؓ کے لقب میں کیوں بُرائی ہوگی۔ اس لئے کہ عائشہؓ حضرت امیرؓ کے بُغض و عداوت میں ان تینوں آدمیوں سے بڑھ کر نہیں ہوتی ہیں۔ اور رُتبہ لقب کا خصُوصیت میں نام سے گھٹ کر ہے اس لئے کہ تعین اور سمجھے جانے شخص میں دراصل نام مُعتبر ہے اس لئے کہ علم ہے اور لقب تو ایک صفات سے ہوتا ہے بہت مستعمل ہونے سے خصوصیت غالب ہوجاتی ہے۔ اور ظاہر جو چیز ذات سے مخصوص ہے وہ قوی تر ہے اُس سے جو عرض سے مخصوص ہو۔

تعصب بست و سوم۔ لعن حفصہؓ کو بھی مثل لعن عائشہؓ کے عبادتوں بلکہ فرض پنجگانہ کی طرح جانتے ہیں۔ اور بعد نماز مکتوبات کے یعنی جو اُن کے یہاں لکھے ہوئے ہیں بجائے وظیفہ اور تسبیح کے اسی ورد کو سب وردوں سے بہتر جانتے ہیں۔ حالانکہ حفصہؓ سے کوئی امر ایسا صادر نہیں ہوا کہ موجب بُرا کہنے کا ہو ان کے نزدیک بھی۔ اور کوئی گناہ سوا اس کے نہیں کہ وہ عمرؓ کی بیٹی ہیں وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (یعنے کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا نہیں اُٹھاتا)۔ اگر یہ گناہ بیٹی ہونے کا جو عمرؓ سے ہے موجب لعن کا ہے تو محمد بن ابوبکرؓ کو کیوں چھوڑ دینا چاہیئے ان پر لعن کیوں نہ کریں۔ اگر رفاقت اور صحبت امیرؓ کی اُن کے حق میں لعن کے مانع ہے تو صحبت پیغمبرؐ کی اور زوجہ ہونا حفصہؓ کے حق میں کیوں نہ مانع ہو۔

تعصب بست و چہارم۔ مقداد نے جو اس فرقہ کا شیخ تھا کہا ہے کہ عمر بن خطابؓ اور معاویہ نے زنا کیا ہے۔ حالانکہ شریف مرتضےٰ نے تنزیہ الانبیاء والائمہ میں اور اور علمائے امامیہ نے قطعاً حکم کیا ہے اس بات کا کہ عمرؓ اور دیگر خلفاءؓ نہایت پاسداری ظاہر باتوں شریعت اور ترویج شعائر دین و تقوٰی اور زہد کی مرعی رکھتے تھے تاکہ منصب خلافت میں لوگوں کی نظر سے نہ گر جائیں۔ علی الخصوص عمرؓ کو اس مقدمہ میں کدوکاوش بھی بہت تھی اور نہایت پرہیز و اہتمام تھا۔

تعصب بست و پنجم یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق عائشہؓ بلکہ اپنی سب ازواج

مطہرات کی حضرت علیؓ کے سپرد فرمائی تھی جب چاہیں جس کو طلاق دیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک طلاق ان ازواج کا نہ رکھا تھا پھر دوسرے کی سپردگی کا کیا ٹھکانا۔ قولہ تعالیٰ لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُهُنَّ (حلال نہیں ہیں تجھ کو بعد اس سے اور نہ بدلے تو ان سے دوسری ازواج اگرچہ خوش آئے تجھ کو اُن کا حُسن) اور یہ فضیلت ازواج کو اس سبب سے حاصل ہوئی کہ اُنھوں نے دنیا کو طلاق دے کر آخرت اختیار کی تھی، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو متاعِ عیش اور کامرانی پر ایثار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اُن کو بھی دنیا و آخرت میں پیغمبرؐ سے جُدا نہ کرے اور تلخی اور مرارت طلاق کی نہ چکھائے۔ چنانچہ شرح آیت تخییر میں مفصّل تفسیر کی کتابوں میں شیعہ کی بھی ثابت قدمی ان کی مذکور و مسطور ہے۔ اور سب ازواج کی پیش قدم اس اختیار و ایثار میں حضرت عائشہؓ تھیں بالاجماع۔ پس ممکن نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو طلاق دیتے، پھر سپردگی طلاق کی دوسرے کے اختیار میں کیا معنے۔ اگر بالفرض طلاق کی سپردگی بھی واقع ہو تو پھر شیعہ کو کیا فائدہ اس واسطے کہ آپ کی حیات پاک تک تو طلاق واقع نہ ہوتی۔ بعد وفات کے ذمہ داری اور سپردگی باطل ہوگئی، اِذِ الْوَکَالَةُ تَبْطُلُ بِمَوْتِ الْمُوَکِّلِ بِالْاِجْمَاعِ (اس واسطے کہ وکالت باطل ہوجاتی ہے مؤکّل کے مرنے سے بالاجماع) اُس وقت کہ عائشہؓ کو حضرت امیرؓ کے ساتھ مقابلہ اور لڑائی تھی حضرت امیرؓ مالک طلاق کے نہ تھے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بعد موت طلاق واقع ہونا ممکن نہیں۔ جو تعصبات اس فرقہ کے روز بروز نئے نئے ترقی و زیادتی میں ہیں، سب کا گھیر لینا اور احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ لاجرم نمونہ کے واسطے اتنا ہی ذکر کر کے اقتصار کیا۔ اس باب کی تینوں فصلوں میں یہی غرض کیا ہے نہ کہ احاطہ و استیعاب۔ اللہ الملہم للحق والصّواب۔

فصل سوم۔ ہفواتِ شیعہ میں

اوّل یہ کہ کہتے ہیں کہ انبیاءؑ اور ائمہؒ کا کام چھپانا دین و مذہب کا ہے۔ ہمیشہ ان بزرگوار وں نے تقیہ میں گزرانی ہے۔ اپنے دین و مذہب کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ انبیاءؑ کی بعثت اور ائمہؒ کے نصب سے حاصل کیا ہوا؟ یہ خیال باطل اس سبب سے پیدا ہوا ہے کہ ہر صاحب ارادہ کہ کسی کی دولت کھونے اور کسی کی قائم کرنے کے درپے ہوتا ہے اپنے عزم کو چھپاتا ہے اور اپنی تدبیر کو ظاہر نہیں کرتا۔ لیکن انبیاءؑ و ائمہؒ کو اہلِ عزم دنیا طلب دولت خواہوں دنیا کی طرح سمجھنا اور ان کے حال کو اُس گروہ کے حال پر قیاس کرنا، وہی مثل ہے کہ کوئی کاچی کے طباق میں قلیہ ڈھونڈے اَضَاعَ الْعُمْرَ فِیْ طَلَبِ الْمُحَالِ (ضائع کی عمر محال کی جستجو میں) اگر ذرا بھی سوچیں تو صریح معلوم کر سکتے ہیں کہ بھیجنا نبیؑ کا اور مقرر کرنا امام کا اور

پھر اُس سے کہدینا کہ چھپائے رکھنا ظاہر مت کرنا ایسا ہے جیسے کوئی کسی کو شہر کا قاضی کرکے کہدے کہ ہرگز بولیو مت اور ایک حرف زبان پر مت لانا اور مدّعی مدّعا علیہ کی بات مت سُنیو۔ ہر طفل مکتب سمجھتا ہے کہ یہ ایک تمسخر محض اور واہیات خاص ہے اور ظاہر حماقت کہ خلاف غرض نبی بھیجنے اور امام کے مقرر کرنے سے ہوتی ہے۔ اگر تقیہ اور نفاق انبیاء اور ائمہ خود بخود کرتے ہیں نہ کہ حکم خدا سے تو عاصی و گنہگار ہوں گے اور تارک واجب کے وَالْقَوْلُ بِالْعِصْمَةِ يُنَافِيهِ (یعنے ان کو جو معصوم کہتے ہیں جب عاصی ہوئے تو اس کے خلاف ہوا) حاصل کلام جھوٹ بولنا اور نفاق اختیار کرنا شان انبیاء اور ائمہ کی نہیں ہے کہ عمر بھر بلا ضرورت اس بدعادت کو اپنی خصلت کرلیں، اور اپنا ملکہ بنالیں لوگوں کو گمراہی میں ڈالیں اور فریب دین میں کرتے رہیں۔ اُن کو اگر منکروں اور دشمنوں سے خوف بھی ہوتا ہے تب بھی کلمۂ حق سے باز نہیں رہتے۔ قوله تعالیٰ فی حق الانبياء اَلَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا (وہ لوگ کہ پہنچاتے ہیں احکام اللہ تعالیٰ کے اور ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے اور نہیں ڈرتے ہیں کسی سے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہی کو) اگر انبیاء تقیہ کرتے تو کافروں کے ہاتھ سے یہ مصیبت کیوں اُٹھاتے کہ مار وگالی کھاتے تھے اور ہتک حرمت اور نکال دینا گھر اور شہر سے۔ اور یہ ان سب باتوں کو سہتے تھے۔ جس موقع پر کہ عام مومنوں کو کہاہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ (کیا جانا تم نے کہ داخل ہوگے جنّت میں اور نہیں آئی تم کو مثال لوگوں کے کہ تم سے پہلے تھے کہ پہنچا اُن کو خوف اور نقصان اور ہلائے گئے وہ یہاں تک کہ کہا رسول نے اور اُن لوگوں نے کہ ایمان لائے ساتھ اُس کے کب ہے اللہ تعالیٰ کی مدد) وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (اور بہت پیغمبر تھے کہ جہاد کیا ان کے ساتھ خدا پرستوں نے پس سست نہ ہوئے اُس سے کہ جو پہنچا اُن کو خدا کی راہ میں اور نہ ضعیف ہوئے اور نہ مغلوب ہوئے اور خدا استقامت والوں کو دوست رکھتا ہے) پس رسولوں اور انبیاؤں اور اماموں کو کیا گمان کرنا چاہیئے۔

اور تتمہ اس ہفوہ کا یہ ہے کہ معنی اَتْقٰكُمْ کے آیت اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ یعنی اَكْثَرُكُمْ تَقِيَّةً ہیں (بیشک بزرگتر تم میں کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہیں جو تم میں سے اتقیٰ ہیں یعنی جو لوگ زیادہ تقیہ کرنے والے ہیں) اتقیٰ تقیہ کے معنے میں ہے ان کے علمائے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ بموجب اس تفسیر کے لازم آتا ہے کہ حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ اور حضرت حسینؓ جنھوں نے بالاجماع تقیہ نہیں کیا ہرگز خدا کے نزدیک ان کی بزرگی

وکرامت نہ ہو، اور جمیع منافق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھے بڑی کرامت و بزرگی والے ہوں، سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ حضرت جعفر صادقؓ سے جو تقیہ کے معاملہ میں اور اُس کی خوبی کے بیان میں روایت کرتے ہیں یہ سب ان کی اختراع اور بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ ایسے ہفوہ کو حضرت امامؓ جائز تک نہ فرمائیں گے نہ کہ واجب۔ اور کس طرح مخالف اپنے جدِ امجد حضرت امیرالمومنینؓ کے فرمائیں گے۔ جس حال میں کہ نص حضرت امیرؓ کی کتاب نہج البلاغۃ میں کہ نزدیک شیعہ کے نہایت صحیح کتاب متواتر ہے خود ان کے پاس موجود ہے: عَلَامَةُ الْاِيْمَانِ اِيْثَارُكَ الصِّدْقَ حَيْثُ يَضُرُّكَ عَلَى الْكِذْبِ حَيْثُ يَنْفَعُكَ (نشان ایمان کا یہ ہے کہ سچ بولنے کو مقدم کرے جہاں تیرا ضرر ہو جھوٹ بولنے پر جہاں تیرا نفع ہو) یہ نص صریح جتاتی ہے کہ تقیہ کرنے والے کا ایمان نہیں ہے۔ اور آیۃ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا کو بھی تقیہ کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تقیہ حسنہ ہے اور اظہار سیئہ۔ حالانکہ ماقبل آیت کا صریح اظہار پر دلالت کرتا ہے۔ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ (جس وقت کہ پڑھی جاتی ہیں وہ یعنے آیتیں کہتے ہیں کہ ایمان لائے ہم اُن پر بیشک وہ حق ہیں ہمارے پروردگار سے ہم ہیں قبل اس سے اسلام لانے والے) اور بھی تقیہ کی صورت میں صبر کی کیا حاجت ہے انجام تقیہ کا تو خود پلاؤ اور گوشت روٹی پر ہاتھ مارنا ہے نہ کہ مشقت پر صبر کرنا۔ اور تقیہ میں تو بالکل اتحاد و موافقت ہے نہ کہ مخالفت وعناد۔ وہ روایتیں جو تقیہ کو باطل کرتی ہیں اس فرقہ کی کتابوں میں ناطق حضرات اہل بیت علیہم السلام سے موجود ہیں۔ اُن سب میں سے ایک روایت جو حضرت امیرؓ سے منقول ہوئی یہ ہے جو رضی نہج البلاغۃ میں لایا ہے:-

قَالَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنِّيْ وَاللّٰهِ لَوْ لَقِيْتُهُمْ وَاحِدًا وَهُمْ طِلَاعُ الْاَرْضِ كُلِّهَا مَا بَالَيْتُ وَلَا اسْتَوْحَشْتُ وَاِنِّيْ مِنْ ضَلَالِهِمُ الَّتِيْ هُمْ فِيْهَا وَالْهُدَى الَّذِيْ اَنَا عَلَيْهِ لَعَلٰى بَصِيْرَةٍ مِّنْ نَّفْسِيْ وَيَقِيْنٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاِنِّيْ اِلٰى لِقَاءِ اللّٰهِ وَحُسْنِ ثَوَابِهٖ لَمُنْتَظِرٌ رَاجٍ، كذا فی نہج البلاغۃ۔

فرمایا امیرالمومنینؓ نے قسم ہے خدا کی اگر میں اکیلا سامنے ہوں اُن کے اور وہ تمام زمین بھر کر ہوں کچھ پروا نہیں کروں گا نہ مجھ کو وحشت ہوگی ان کی گمراہی سے کہ جس میں وہ ہیں اور ہدایت سے جس پر میں ہوں، بیشک مجھ کو خبر ہے اپنے نفس سے اور یقین اپنے پروردگار سے اُس کی ملاقات کا اس کے نیک بدلے کا منتظر و امیدوار۔

پس جو شخص کہ اتنے دشمنوں سے جو روئے زمین ڈھانپ لیں تن تنہا جنگ میں نہ ڈرے اور وحشت اُس کو نہ ہو اور اللہ کے دیدار کا مشتاق اور منتظر ثواب اور اُس کی عنایات وکرامات کا اُمیدوار ہو دونوں صورت موت وحیات میں بھلا اُس سے تقیہ ممکن ہے! اور تقیہ جب ہوتا ہے خوف سے ہوتا ہے۔ اور خوف کے دو مرتبے

ہیں اوّل خوفِ جان کہ یہ خود حضرات ائمہؓ کو ہرگز نہیں ہوتا دو وجہ سے۔ اوّل یہ کہ موت ان کی ان کے اختیار میں ہے جیساکہ کلینی نے کافی میں اس مسئلے کو ثابت کیا ہے اور تمام امامیہ اس پر متفق ہیں۔ دوسرے یہ کہ ائمہؓ کو علم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ حاصل ہوتا ہے (یعنی جو کچھ ہوگیا اور جو کچھ ہوگا) پس اپنے اجل اور وقتِ موت اور اس کی کیفیتِ خاص کو مفصّل جانتے ہیں۔ پھر قبل اس وقت کے کیوں جان کا خوف کریں۔ دوسری وجہ خوف مشقت و ایذائے بدنی اور بدگوئی اور ہتک حُرمت۔ سو ان چیزوں کا تحمّل اور گوارا کرنا یہ نیکوں کا کام ہے۔ ہمیشہ فرمانِ خدا اور بجالانے امر و نہی میں بلائیں اٹھائی ہیں، اور بادشاہوں جبار اور فرعونینِ روزگار سے مقابلے کئے۔ اگر اس کام میں بزدلی کریں اور مشقت عبادت میں اور محنت اپنے اوپر گوارا نہ کریں تو نیکوں سے نہ ہوں پھر امام نیکوں کے کیونکر ٹھہریں۔ پس ان کو تقیہ کسی طرح روا نہیں ہے اور بھی اگر تقیہ واجب ہوتا تو حضرت امیرؓ ابوبکرؓ کی بیعت میں چھ مہینے کیوں توقف کرتے جیساکہ صریح شیعہ کے زعم میں ہے کہ اپنا ملال و ناخوشی ظاہر فرماتے تھے اول دفعہ میں کیوں نہ بیعت کر لیتے پھر تقیہ کیسا جب ناخوشی ظاہر کرتے تھے۔ تیسری روایت :۔

رَوَى الْعَيَّاشِيُّ عَنْ زُرَارَةَ ابْنِ اَعْيُنَ عَنْ اَبِيْ بَكْرِ ابْنِ حَزْمٍ قَالَ تَوَضَّأَ رَجُلٌ وَمَسَحَ عَلٰى خُفَّيْهِ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَصَلّٰى فَجَاءَ عَلِيٌّ فَوَجَاهُ عَلٰى رَقَبَتِهٖ فَقَالَ وَيْلَكَ تُصَلِّيْ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ فَقَالَ اَمَرَنِيْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاَخَذَ بِيَدِهٖ فَانْتَهٰى بِهٖ اِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اُنْظُرْ مَا يَقُوْلُ هٰذَا عَنْكَ وَرَفَعَ صَوْتَهٗ عَلٰى عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اَمَرْتُهٗ بِذٰلِكَ۔

روایت کی عیاشی نے زرارہ بن اعین سے اس نے ابوبکر ابن حزم سے کہا وضو کیا ایک مرد نے اور مسح کیا اپنے موزے پر پھر گیا مسجد میں اور نماز پڑھی پس آئے علیؓ پس اس کی گردن پکڑ کر فرمایا علیؓ نے وائے تجھ پر کہ بے وضو نماز پڑھتا ہے۔ اس نے کہا مجھ کو ایسے ہی عمرؓ بن خطاب نے امر کیا ہے۔ پس علیؓ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور عمرؓ کے پاس لائے اور کہا دیکھ یہ شخص تجھ سے کیا نقل کرتا ہے اور چلائے، سو عمرؓ نے کہا میں نے اس کو اس طور پر حکم کیا ہے۔

یہاں تقیہ کہاں گیا کہ گردن اس کی پکڑی اور عمرؓ کو زجر و توبیخ سے ڈرایا۔

چوتھی روایت راوندی کہ شیعوں کا پیشوا اور شارح نہج البلاغہ کا ہے کتاب خرائج الجرائح میں سلمان فارسیؓ سے روایت کرتا ہے :۔

اَنَّ عَلِيًّا بَلَغَهٗ عَنْ عُمَرَ اَنَّهٗ ذَكَرَ شِيْعَتَهٗ فَاسْتَقْبَلَهٗ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ

بیشک علیؓ کو خبر پہنچی عمرؓ کی طرف سے کہ وہ ذکر کرتے ہیں علیؓ کے تابعین کا، پس سامنے آئے علیؓ عمرؓ کے بعض راہوں

بَسَاتِيْنِ الْمَدِيْنَةِ وَفِيْ يَدِ عَلِيٍّ قَوْسٌ فَقَالَ يَا عُمَرُ بَلَغَنِيْ عَنْكَ ذِكْرُكَ لِشِيْعَتِيْ فَقَالَ اِرْبَعْ عَلٰى ضَلْعَتِكَ فَقَالَ عَلِيٌّ فَاِنَّكَ لَهٰهُنَا ثُمَّ رَمٰى بِالْقَوْسِ عَلَى الْاَرْضِ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ كَالْبَعِيْرِ فَاغِرًا فَاهُ وَقَدْ اَقْبَلَ نَحْوَ عُمَرَ لِيَبْتَلِعَهٗ فَقَالَ عُمَرُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ يَا اَبَا الْحَسَنِ لَا عُدْتُ بَعْدَهَا فِيْ شَيْءٍ وَجَعَلَ يَتَضَرَّعُ اِلَيْهِ فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلَى الثُّعْبَانِ فَعَادَتِ الْقَوْسُ كَمَا كَانَتْ فَمَضٰى عُمَرُ اِلٰى بَيْتِهٖ فَقَالَ سَلْمَانُ فَلَمَّا كَانَ فِي اللَّيْلِ دَعَانِيْ عَلِيٌّ فَقَالَ سِرْ اِلٰى عُمَرَ فَاِنَّهٗ حُمِلَ اِلَيْهِ مِنْ نَاحِيَةِ الْمَشْرِقِ مَالٌ وَقَدْ عَزَمَ اَنْ يَحْبِسَهٗ فَقُلْ لَهٗ يَقُوْلُ لَكَ عَلِيٌّ اَخْرِجْ مَا حُمِلَ اِلَيْكَ مِنَ الْمَشْرِقِ فَفَرِّقْهُ عَلٰى مَنْ هُوَ لَهُمْ وَلَا تَحْبِسْهُ فَاَفْضَحَكَ قَالَ سَلْمَانُ فَمَضَيْتُ اِلَيْهِ وَاَدَّيْتُ الرِّسَالَةَ فَقَالَ اَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمْرِ صَاحِبِكَ مِنْ اَيْنَ عَلِمَ بِهٖ فَقُلْتُ هَلْ يَخْفٰى عَلَيْهِ مِثْلُ هٰذَا فَقَالَ يَا سَلْمَانُ اَقْبَلْ عَنِّيْ مَا اَقُوْلُ لَكَ مَا عَلِيٌّ اِلَّا سَاحِرٌ وَاِنِّيْ مُشْفِقٌ بِكَ وَالصَّوَابُ اَنْ تُفَارِقَهٗ وَتَصِيْرَ مِنْ جُمْلَتِنَا قُلْتُ لَيْسَ كَمَا قُلْتَ لٰكِنَّهٗ وَرِثَ مِنْ اَسْرَارِ النُّبُوَّةِ مَا قَدْ رَاَيْتَ مِنْهُ وَعِنْدَهٗ اَكْثَرُ مِنْ هٰذَا قَالَ اِرْجِعْ اِلَيْهِ فَقُلْ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ لِاَمْرِكَ

مدینہ سے جو باغوں میں تھیں اور علیؓ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ کہا اے عمرؓ! مجھ کو یہ خبر لگی ہے کہ تم میرے تابعین کا ذکر کرتے ہو عمرؓ نے کہا اپنے اس زہٹی کے سر پر رحم کرو۔ تو علیؓ نے کہا کہ تم اس درجے کو پہنچ گئے۔ پھر کمان اپنی زمین پر پھینک دی۔ پس اسی وقت کمان ایک اژدہا بن گئی جو منہ پھیلائے ہوئے تھا۔ اور اونٹ کے برابر اور عمرؓ کی طرف چلا تاکہ نگل لے اس کو۔ عمرؓ نے کہا برائے خدا برائے خدا اے اباالحسنؓ اب کبھی کوئی ایسی بات نہ کہوں گا۔ اور زاری کرنے لگے ان کے ساتھ۔ پس علیؓ نے ہاتھ اژدہے کی طرف مارا پھر وہ کمان ہوگئی جیسی تھی۔ پس عمرؓ اپنے گھر کو چلے گئے۔ اور سلمان نے کہا جب رات ہوئی تو علیؓ نے مجھ کو بلایا اور کہا جا عمرؓ کے پاس بیشک مشرق کی طرف سے ان کے پاس کچھ مال آیا ہے اور ارادہ ان کا ہے کہ اس کو بند کریں تم ان سے کہو کہ علیؓ کہتے ہیں نکالو جو کچھ تمہارے جانب مشرق سے آیا ہے، اور حقداروں پر اس کو تقسیم کرو اور بند مت کرو نہیں تو فضیحت کروں گا تم کو۔ سلمان نے کہا روانہ ہوا میں اور پیغام ادا کیا۔ کہا مجھ کو بتا اپنے صاحب کے قصے سے، کہاں سے خبر مال کی پائی۔ میں نے کہا اس پر ایسی خبر چھپی نہیں ہیں۔ پس سلمان سے کہا میں نے مان لیا جو کچھ تو نے علیؓ کی طرف سے کہا۔ علیؓ جادوگر ہے تیرا تم پر یقین ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان سے الگ ہو جاؤ اور ہم لوگوں سے ہو جاؤ۔ میں نے کہا ایسا نہیں ہے، جیسا تم نے کہا لیکن اس نے میراث اسرار نبوت سے پائی ہے جیساکہ تم نے ان کے ہاتھ سے دیکھا، بلکہ ان کے پاس اس سے زیادہ ہے۔ عمرؓ نے کہا لوٹ جاؤ ان کے پاس اور کہو میں نے مان لیا تیرا حکم۔

فَرَجَعْتُ اِلٰی عَلِیٍّ فَقَالَ اَخْبِرُكَ عَمَّا جَرٰی بَیْنَكُمَا فَقُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ مِنِّیْ فَتَكَلَّمَ بِكُلِّ مَا جَرٰی بَیْنَنَا فَقَالَ اِنَّ رُعْبَ الثُّعْبَانِ فِیْ قَلْبِهٖ اِلَّا اَنْ یَّمُوْتَ۔

پھر میں علیؓ کے پاس لوٹ گیا۔ علیؓ نے کہا میں تم کو بتائے دیتا ہوں جو کچھ تمہارے اُن کے درمیان میں گزرا ہے۔ میں نے کہا تم خوب جانتے ہو۔ مجھ سے پھر بیان کیا جو کچھ گزرا تھا ہمارے درمیان اور کہا بیشک دہشت اژدہے کی اُن کے دل میں مرتے دم تک رہے گی۔

اِس روایت میں بھی تقیہ کی گردن ماری ہے اور جڑ سے کھود کر پھینک دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت امیرؓ نے جن امور میں کہ سکوت فرمایا مثلاً قصہ فدک کا اور نکاح حضرت ام کلثومؓ کا اور سوا اس کے سب اس واسطے تھا کہ ان باتوں کو اچھا جانا تھا اور نیک سمجھا تھا ورنہ قدرت انکار کی پوری پوری رکھتے تھے۔ اگر ان باتوں پر جو شرع میں بد ہیں سکوت و سُستی کرتے فاسق ہو جاتے۔ بلکہ اگر حضرت زہراؓ کی لڑکی کے نکاح میں با وصف اس اقتدار کے جو رکھتے تھے سُستی فرماتے کونسی قباحت تھی جو لازم نہیں آتی۔ اور ایسی نرمیوں اور سُستیوں کے سبب سے لیاقتِ امامت سے کوسوں کیا معنے منزلوں دُور پڑتے معاذ اللہ من ذٰلک۔ جیسا ایک دو بار کسی بُرائی کو دیکھا یا علمِ غیب سے معلوم فرمایا کیسا قہر و غضب کو دخل دیا کہ وہ شخص جو نہایت ہی اس فرقہ ظالموں میں تھے کہ کسی کا پاس نہیں کرتے تھے یعنی عمرؓ بن خطاب کیسے ڈر گئے اور رُعب اُن کے دل میں بیٹھ گیا تو اوروں کا کیا حال ہوگا۔ پس اِن سب باتوں کو جو عمرؓ نے جاری کیں مثلاً متعہ کو حرام کیا اور سنتِ تراویح کو رواج دیا اور کلثومؓ سے نکاح کیا، اور خمس اور لُوٹ کے مال کی تقسیم کی اور عاملوں کو حاکم کیا اور بڑے بڑے کام خلافت کے تھے سب کو پسند کرتے تھے ورنہ ذرا آنکھ ہلانے میں سب کو لوٹ پوٹ کر دیتے ہرگز کچھ حاجت فوج و لشکر اور یار و مددگاروں کی بھی نہ تھی ایک کمان وہ بھی بے تیر کے کافی تھی۔ اور یہ جو امامیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عمرؓ بن خطاب کی خلافت میں جو سکوت فرمایا اور بظاہر امور دین و خلافت میں اُن کے موافق رہے سب ظاہر پرستی تھی اس سبب سے کہ اس وقت وہ نہایت ہی دبے ہوئے اور ذلیل و بے مقدور رہتے ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی سب غلط اور واہی ہے لَا یُعْبَأُ بِهٖ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ (یعنے اس کی کچھ پروا نہیں کی جاتی اور شکر ہے خدا کا)۔

اور بھی اگر اصل میں تقیہ ثابت کیا جائے تو بہت چیزیں ایسی لازم آتی ہیں کہ آبرو اور ناموس اہلِ بیت اور ان کی غیرت میں بڑے خلل ہوتے ہیں۔ مثلاً اپنی لڑکی کا فر کو دینا بلکہ سب لڑکیوں اور بہنوں کا نکاح کافروں سے کرنا باوصف اس کے کہ قوت ان کے دفع کی خوب رکھتے تھے کہ ایک معجزہ ظاہر کرنے پلک مارنے میں سب فضیحت ہو جاتے اور نیز شیعہ اور اہلِ سنت کی کتابوں میں باتفاق متواتر ہے کہ حضرت امیرؓ و اہلِ بیتؓ نے خلفائے ثلثہؓ کے ساتھ اور نیز دیگر صحابہؓ کے مسائل اور بہت فروع فقہیہ میں مخالفتیں اور مناظرے فرمائے ہیں۔ اور ان مناظروں و مخالفتوں میں کسی نے ان کو مطعون نہیں کیا اور ایذا کا تو ذکر ہی نہیں پس تقیہ ہی باطل ہوا۔ اس لئے بعض

مسائل میں جو اظہار واقع ہو تو کچھ مضرت نہ ہوتی۔ ظاہر ہے کہ قدرتِ اظہار موجود تھی اور خوف مضرت کا مطلق نہ تھا۔ اور بھی اگر تقیہ بھی ہوگا تو یا امر خدا میں ہوگا یا سوا امر خدا کے۔ اگر پہلی صورت ہے تو معاذ اللہ یہ جانا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ حکیم نہیں ہے کہ کام کا حکم دینا اور جو مخالف اُس کام کے ہے اُس کا بھی حکم دینا شان احمقوں اور بیوقوفوں کی ہے۔ مثلاً کسی معمار کو گھر کی مرمت کے واسطے لائیں اور کہیں کہ لاٹھ تو اس گھر کو مت لگا اور مرمت کر۔ اور اگر دوسری صورت ہے تو بالکل خوف لوگوں کی ایذا رسانی کا ہے یہ دلیل نامردی اور سُستی اور بے صبری ائمہؓ کی ہے اور یہ امور لیاقتِ امامت کو نابود کرتے ہیں۔ دیکھو تمام قرآن اس سے بھرا ہوا ہے بتاکید تمام کہ جہاد کی مشقتیں اُٹھائے اور بلا پر صبر کرے اور جا بجا صابروں کی مدح فرماتی ہے پس ایسی باتوں سے بھاگنا اور دل چُرانا کبھی صالحوں اور صابروں کی عادت نہیں ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اگر تقیہ واجب ہوتا تو امیر المومنینؓ عمرؓ سے کیوں کہتے لَوْلَا عَهْدٌ عَهِدَ اِلَیَّ حَبِیْبِیْ لَاَخْبَرْتُكَ لَعَلِمْتَ اَیُّنَا اَضْعَفُ نَاصِرًا وَاَقَلُّ عَدَدًا (اگر نہ ہوتی وہ وصیت کہ وصیت کی مجھ کو میرے دوست نے کہ میں اس میں خلاف نہیں کرتا تو تو جانتا کہ کون ہم سے زیادہ کمزور ہے اور کس کے مددگار گنتی میں تھوڑے) چنانچہ امامیہ کی کتابوں سے یہ نقل گزری۔

یہاں جاننا چاہیئے کہ جمہور امامیہ کا یہ مذہب ہے کہ تقیہ حضرت امیرؓ پر قبل اپنے حاکم ہونے سے واجب تھا اور بعد حاکم ہونے کے حرام۔ پس وہ روایتیں کہ بعد حاکم ہونے کے اُن سے منقول ہوئیں اُن کو تو تقیہ پر ہرگز قیاس کرنا نہیں چاہیئے۔ ورنہ لازم آتے گا فعلِ معصوم کو حرام پر قیاس کرنا۔ سید مرتضےٰ کہ جملہ امامیہ سے ہے وہ قائل اس بات کا ہے کہ بعد ولایت بھی تقیہ حضرت امیرؓ پر باقی رہا مگر اس قول کا فساد خوب ظاہر ہے کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں رہے گا اس لئے کہ اگر تقیہ اُس وقت اُن پر واجب ہوتا تو معاویہؓ کو ہرگز موقوف نہ کرتے اور جب آپ بھی اُس کی بداندیشی سے ڈرتے تھے اور کہتے تھے اِنِّیْ اَخَافُ کَیْدَهٗ وَاِنَّ کَیْدَهٗ عَظِیْمٌ (میں ڈرتا ہوں اُس کی بداندیشی سے اور بداندیشی اُس کی بڑی ہے) اور ابن عباسؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ نے بھی یہی مشورہ دیا تھا وَلِّهٖ شَهْرًا وَاَعْزِلْهُ دَهْرًا (یعنے حاکم کرو اُس کو مہینے کے واسطے اور معزول کرو تمام عمر کو) جواب میں فرمایا مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ عَضُدًا (میں گمراہوں سے مدد چاہنے والا نہیں ہوں) پس یہ عزل اُس کا کیسا موجب فساد ہوا، اور کیسے فتنے برپا ہوئے اور قتل و قتال کو پہنچے۔ سید مرتضےٰ کہتا ہے ہر چند ولایت حضرت امیرؓ کی ثابت تھی لیکن نام کی ولایت تھی نہ کہ در اصل، اس لئے کہ معاویہؓ کو ہمیشہ اُن سے پرخاش رہا یہاں تک کہ شہادت پائی۔ اور اکثر حضرت امیرؓ کی فوج و تابعین میں اولاد صحابہؓ سے تھے سب اُن کے دشمن گزرے ہیں۔ شیخینؓ کے عدل و فضل اور اُن کے مددگاروں کے معتقد تھے۔ اگر حضرت

امیرؓ اُس وقت جیساکہ چاہیئے اپنا عقیدہ ظاہر کرکے اُس پر عمل فرماتے گمان غالب یہ تھاکہ خود ان کے تابعین پھر جاتے اور بڑی مشکل پڑجاتی۔ اس سبب سے حالت ولایت میں بھی اُن پر تقیہ واجب تھا اور ظاہر کرنا حرام۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، شیعہ ہوکر ولایت حضرت امیرؓ کو بے معنی کس سبب سے ٹھہرایا ہے۔ اہلِ سنت کے نزدیک تو بالکل بامعنے ہی ولایت تھی اور حقیقت اُن میں منحصر تھے ولایت کے ہی تو ہیں ملک میں تصرف کرنا احکام جاری کرنے کی قدرت پانا، محصول وخراج رعایا سے لینا، تنبیہ وتادیب مفسدوں کی کرنا، سو یہ معنے پورے طور پر حضرت امیرؓ سے اسلام کے شہروں خصوصاً ملک حجاز اور مکہ و مدینہ اور یمن اور عمان اور بحرین اور آذربیجان اور عراقین اور فارس و خراسان میں ظاہر تھے، اور عامل نہ کوئی مزاحم تھا نہ کوئی جھگڑنے والا حکم آپؓ کا ان شہروں میں جاری تھا اور ان شہروں کے لوگ بدل وجان مطیع وفرمانبردار۔ اگر کوئی معارض تھا تو شام میں تھا۔ پس اگر ایک کنارے پر ملک کے کناروں میں سے کوئی معارض ہو تو اُس کا ہونا معنے ولایت کے نفی نہیں کرسکتا۔ دیکھنا چاہیئے کہ جب ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے سوائے جزیرہ عرب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف میں نہ تھا اور اُس میں بھی دشمن اور مفسد زور آور جیسے مسیلمہ کذاب اور بنو حنیفہ اور ملک یمامہ میں سجاح متنبیہ بنی تمیم میں کہاں سے برطرہ کر عرب میں کوئی قبیلہ نہ تھا۔ اور یہ لوگ سب سپاہی لڑائیاں لڑے ہوئے اور زکوٰۃ کے منع کرنے والوں کا شور وغوغا ایک طرف۔ اور بنو غسان شام میں بابت اُسامہ بن زید کے برسر پرخاش ایک طرف۔ اور تمام قبائل عرب کے آس پاس مدینہ کے ارتداد میں گرفتار یعنی اسلام سے پھرے ہوئے سوائے ساکنانِ مکہ و مدینہ کے اور ان کے کوئی یار ومددگار نہ تھے، باوصف اس کے ہرگز کسی امر میں امور شرعیہ سے نرمی وملائمت نہ کی اور پکار کر کہدیا لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالًا لَوْ کَانُوْا یُؤَدُّوْنَهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَیْهِ (اگر منع کروگے تم مجھ کو پاؤں بند شتر سے کہ ادا کرتے تھے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میں اُس کے ادا نہ کرنے پر اُن سے لڑوں گا)۔ پھر حضرت امیرؓ تو سب آدمیوں سے اشجع تھے کیوں ایک کنارہ زمین اور وہاں کے رہنے والوں سے ڈرکر دین محمدی کے بطلان اور دولت سرمدی کے کھو دینے کو روا رکھیں سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ۔ پھر کہوگے کہ وہ وصی نبی ہیں۔ اور یہ جو کہا تابعین حضرت امیرؓ کے اکثر اولاد اور پیروان کے دشمنوں کے تھے، اوّل تو دعویٰ اکثریت کا غلط ہے بلکہ اکثر ان لوگوں سے اہل کوفہ اور مصر اور قاتل عثمانؓ کے تھے، کہ جان ودل سے مطاعن کو ڈھونڈھتے رہتے تھے اور ان کی بزرگی بگاڑنا چاہتے تھے، اور عراق وعجم اور خراسان اور فارس اور اہواز کے لوگ کہ ضرب شمشیر خلفائے ثلٰثہؓ اور ان کی فوج کے زخم سنگین جگر میں رکھتے تھے، اور اور اعرابِ جلاف کہ جو لڑائی ڈھونڈھنا اور فتنے اُٹھانا اور طعن وبدگوئی ان کی خلقی وجبلی امر ہے اور کسی کا کام بگڑجانا اور احکام کا بدلنا ان کی نہایت

آرزو۔ علی الخصوص ایسے مسئلے جیسے مسئلہ متعہ کا جس کو سن کر عربوں کو نعوظ اور اوروں کو احتلام ہوجائے۔ اور صورت پکڑنا اس مسئلے کا نوجوانوں کے حق میں حکم معجون لبوب کبیر کا اور زرعونی صغیر کا رکھتی تھی بوڑھوں کے حق میں مسئلہ مسح خفین کا کہ گویا نصف وضو کا ساقط ہونا ہے ضعیفوں کبیر السن کے حق میں جو محنت کش تھے اور جن کے پاؤں پھٹے ہوئے تھے سنت تراویح کا ساقط ہوجانا کہ روزہ دار بے ایمان کو بعد افطار کے حکم عذاب قبر کا رکھتی تھی بعد موت کے اور عجمیوں بلکہ اکثر عربوں پر بھی نہایت شاق تھیں۔ چنانچہ شاعر مشہور ملا طوسی نے کہا ہے۔ ابیات:

نَهَارُ الصِّیَامِ نَهَارُ الشَّقَاءِ	روزے کا دن بدبختی کا دن ہے
وَلَیْلُ التَّرَاوِیْحِ لَیْلُ الْبَلَاءِ	اور تراویح کی رات بلا کی رات،
تَمَارَضْ تَحِلُّ لَكَ الطَّیِّبَاتُ	بیمار ہو تو حلال ہوں تیرے واسطے پاکیزہ
وَبَعْضُ التَّمَارُضِ عَیْنُ الشِّفَاءِ	چیزیں اور بعض اوقات بیماری خاص شفا ہے
وَاِنْ کَانَ لَابُدَّ مِنْ صَوْمِهٖ	اور جو بے روزہ کے کچھ نہ بن پڑے
فَاَکْثِرْ مِنَ الصَّوْمِ بَعْدَ الْعِشَاءِ	پس اکثر روزہ رکھ بعد عشاء کے۔

ظاہر ہے کہ ایسے مسائل کا باقی رکھنا جو مذکور ہوئے عمدہ سبب ہیں کشش دلوں کے واسطے اور تسلی نفوس عوام کے لئے جو ان پر سکوت رہتا اور جیسے کہ سابق مشہور تھے اُن کے ظاہر کرنے میں نفرت و وحشت لوگوں کی اُمید تھی۔ اور اولاد اصحابؓ کی جو زیادہ آپؓ کے ساتھ تھے انصار کے گروہ سے تھے کہ وہ ہمیشہ سے محب اور شیعہ علیؓ کے تھے شیعہ کے زعم میں جنھوں نے فضل اور عدل شیخینؓ کا دیکھا تھا اور اپنے ماں باپ سے بھی آئین وضع پیغمبرؐ کو سُنا تھا۔ پس جو کچھ شیخینؓ نے تغیر وتحریف سُنت میں کیا تھا اُس کو خوب جیساکہ چاہیئے جانتے تھے اور بحکم لِکُلِّ جَدِیْدٍ لَذَّةٌ جو شیخینؓ نے وضع کیا تھا بسبب پرانا ہونے اور متبدل سمجھنے کے ان کی نظر سے گرگیا۔ اور یہ نئے مسئلے دلچسپ ان کے دلنشین ہوتے تھے پس کسی کا ڈر نہ رہا سوا محمد بن ابی بکر اور دو ایک آدمیوں جو اُن کی طرح تھے۔ آخر جب وہ بھی مصر میں مارے گئے یہ خوف بھی بالکل نہ رہا۔ اور معاویہ اور عمرو بن عاص کا جو کچھ خوف تھا تو بھی لڑائی کا تھا سو انھوں نے اس تقیہ واخفاء میں بھی کونسی کمی وکوتاہی کی کہ جو آپ اظہار حق کا کرتے اور اصل امور شریعت کو مروج فرماتے تو اُس وقت وہ اُس پر بڑھ آتے۔ اور معہٰذا ابتداء مبعوث ہونے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا بلکہ آخر حیات تک آپ کے تابعین سے وہ لوگ تھے جو اولاد اور بھائی اُن لوگوں کے تھے کہ آپ کے جانی دشمن تھے۔ جیسے عکرمہ بن ابوجہل اور حارث بن ہشام اور صفوان بن امیہ بن خلف، جبیر ابن مطعم بن عدی اور خالد بن ولید کہ امیر الامراء شمشیر بران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے جن کو سیف اللہ

ملقب کیا تھا۔ یہ لوگ سب فرزند کافروں کے تھے جو سخت دشمن آپ کے تھے پھر آپ نے کونسے وقت میں امور شرعیہ میں نرمی اور سُستی کی اور ان کے عناد سے ڈرے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام انبیاءؑ و وارثان انبیاءؑ کو ایسے لوگوں سے کام پڑتا ہے اگر اُن کے باپ دادوں کی عداوت کا لحاظ کر کے ادا کرنے احکامِ شریعت میں ملامت کریں تو شرع کیونکر ظہور کرے اور دینِ حق ناحق سے کیونکر تمیز کیا جائے۔ اور بھی تابعین حضرت امیرؓ نے بھی ان کی بات ماننے اور تعظیم بجالانے اور رفاقت میں جان دینے سے ابتدائے امر میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ چنانچہ لڑائیوں میں جنگِ جمل اور صفین اور نہروان کے موجود ہے۔ اور جو کوئی کہ کسی کے واسطے جان دینے پر مستعد ہوتا ہے اُس کو اُس شخص کے حکم شرعی ماننے میں کب دریغ ہوگا۔ سب تابعین کا اس پر اتفاق تھا کہ آنحضرت رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین سے ہیں اور اپنے وقت میں ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔ چنانچہ یہی مذہب اہل سنت کا ہے اور ان کے نزدیک یہ بات ٹھہری ہوئی باتوں سے ہے کہ سُنت خلفائے راشدینؓ کی ایسی ہے جیسے سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ پھر جب یہ گروہ ایسا اعتقاد رکھتے تھے تو ان سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

پانچویں روایت یہ ہے کہ:۔

رَوَی الْکُلَیْنِیُّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ کَثِیْرٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ اَنْزَلَ عَلٰی نَبِیِّہٖ کِتَابًا فَقَالَ ھٰذِہٖ وَصِیَّتُکَ اِلَی النُّجَبَاءِ فَقَالَ وَ مَنِ النُّجَبَاءُ یَاجِبْرِیْلُ فَقَالَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَ وَلَدُہٗ وَکَانَ عَلَی الْکِتَابِ خَوَاتِمُ مِنْ ذَھَبٍ فَدَفَعَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی عَلِیٍّ وَ اَمَرَہٗ اَنْ یَّفُکَّ خَاتَمًا مِنْہُ فَیَعْمَلَ بِمَا فِیْہِ ثُمَّ دَفَعَہٗ اِلَی الْحَسَنِ فَفَکَّ خَاتَمًا فَوَجَدَ فِیْہِ فَعَمِلَ بِمَا فِیْہِ ثُمَّ دَفَعَہٗ اِلَی الْحُسَیْنِ فَفَکَّ خَاتَمًا فَوَجَدَ فِیْہِ اَنْ اُخْرُجْ بِقَوْمٍ اِلَی الشَّھَادَۃِ فَلَا شَھَادَۃَ لَھُمْ اِلَّا مَعَکَ وَاشْتَرِ نَفْسَکَ لِلّٰہِ فَفَعَلَ ثُمَّ دَفَعَہٗ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ

روایت کی کلینی نے معاذ بن کثیر سے اُس نے ابوعبداللہ علیہ السلام سے کہ بیشک خدا تعالیٰ نے نازل کی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب فرمایا کہ یہ تیری وصیت ہے نجبا کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے جبرائیلؑ نجبا کون ہیں؟ تو کہا علی بن ابی طالب اور اُس کی اولاد اور اُس کتاب پر سونے کی مُہریں لگی تھیں پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ کتاب علیؓ کے حوالے کی اور حکم کیا ایک مُہر اُس کی توڑو اور جو کچھ اُس میں ہے اُس پر عمل کرو۔ پھر حوالے کیا علیؓ نے حسنؓ کے سو توڑی اُس کی ایک مُہر اور عمل کیا جو کچھ اُس میں تھا پھر اُس کو حسینؓ کے حوالے کیا اُنھوں نے اُس کی ایک مُہر توڑی اور اُس میں یہ پایا کہ نکل ہمراہ ایک قوم کے شہادت کے واسطے کہ میسر نہ ہوگی اُن کو شہادت مگر تیرے ساتھ۔ اور بیچ اپنی جان راہ خدا میں سو ایسا ہی کیا پھر اُس کتاب کو علی پسر حسینؓ کے حوالے کیا

فَفَکَّ خَاتَمًا فَوَجَدَ فِیْہِ اَنْ اَطْرِقْ وَ اصْمُتْ وَالْزَمْ مَنْزِلَکَ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ فَفَعَلَ ثُمَّ دَفَعَہٗ اِلَی ابْنِہٖ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ فَفَکَّ خَاتَمًا فَوَجَدَ فِیْہِ حَدِّثِ النَّاسَ وَاَفْتِھِمْ وَانْشُرْ عُلُوْمَ اَھْلِ بَیْتِکَ وَ صَدِّقْ اٰبَاءَکَ الصَّالِحِیْنَ وَلَا تَخَافَنَّ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ فَاِنَّہٗ لَا سَبِیْلَ لِاَحَدٍ عَلَیْکَ ثُمَّ دَفَعَہٗ اِلٰی جَعْفَرٍ الصَّادِقِ فَفَکَّ خَاتَمًا فَوَجَدَ فِیْہِ حَدِّثِ النَّاسَ وَاَفْتِھِمْ وَ لَا تَخَافَنَّ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ وَانْشُرْ عُلُوْمَ اَھْلِ بَیْتِکَ وَصَدِّقْ اٰبَاءَکَ الصَّالِحِیْنَ فَاِنَّکَ فِیْ حِرْزٍ وَ اَمَانٍ فَفَعَلَ ثُمَّ دَفَعَہٗ اِلَی ابْنِہٖ مُوْسٰی وَھٰکَذَا اِلٰی قِیَامِ الْمَھْدِیِّ۔ وَرَوَاہُ مِنْ طَرِیْقٍ اٰخَرَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ کَثِیْرٍ اَیْضًا عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ وَفِیْہِ فِی الْخَاتَمِ الْخَامِسِ وَقُلِ الْحَقَّ فِی الْاَمْنِ وَ الْخَوْفِ وَلَا تَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ۔

اور توڑی اُس کی ایک مُہر تو اُس میں پایا کہ رضا پر راضی رہ اور خاموش ہو اور اپنے گھر میں بیٹھا رہ اور عبادت اپنے پروردگار کی کر جب تک کہ تیری موت آئے سو ایسا ہی کیا اُنھوں نے۔ پھر اُنھوں نے اپنے بیٹے امام محمد باقرؒ کے حوالے کی اُنھوں نے اُس کی مُہر توڑی پس پایا اُس میں کہ لوگوں سے حدیث بیان کر اور فتوا ی دے اور اپنے کُنبے کے علوم مروّج کر اور تصدیق کر اپنے باپ دادوں صالح کی اور ہرگز کسی سے مت ڈر سوا خدا کے، تجھ پر کسی کو قدرت نہیں ملے گی۔ پھر اُنھوں نے امام جعفر صادقؒ کے حوالے کی اُنھوں نے اُس کی ایک مُہر توڑی اور پایا اُس میں یہ کہ حدیث کہہ لوگوں سے اور فتوے دے ان کو اور کسی سے مت ڈر سوا خدا کے اور رواج دے اپنے کُنبے کے علموں کو اور تصدیق کر اپنے باپ دادے صالح کی اس لئے کہ تو پناہ اور امان میں ہے۔ اُنھوں نے بھی ویسا ہی کیا۔ پھر اُنھوں نے اپنے پسر امام موسیٰؒ کے حوالہ کیا اور ایسے ہی چلا جائے گا تا قائم ہونے امام مہدیؑ کے۔ اور دوسری سند کے ساتھ معاذ بن کثیرؒ نے امام جعفر صادقؒ سے روایت کی اُس روایت میں لکھا کہ مُہر پنجم میں یہ ہے کہ حق بات کہہ اَمن میں بھی اور خوف میں بھی اور سوا خدا کے کسی سے مت ڈر۔

اور یہ روایت عمدہ فائدے رکھتی ہے۔ اوّل یہ کہ حضرات ائمہؓ جو کچھ کرتے تھے موافق حکم خدا کے کرتے تھے۔ اور یہ سب ایک حکم پر مامور تھے جو عمل میں لائے کسی نے ان میں سے نہ کسی زمین پر تصرف کیا نہ امورِ مملکت میں کسی کے دخل دیا اور نہ سعی و تلاش اِس کام کی کی۔ دوم یہ کہ حضرت امیرؓ زمان خلافت میں خلفائے ثلٰثہؓ کے مامور بسکوت تھے کہ جھگڑا مت کرو اور اُن سے انقیاد و تسلیم کرو یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا پس یہی ہمارا مدعا ہے اور اسی میں ہمارا مقصود۔ سوم بعض ائمہؓ کو مثل حضرت باقرؒ اور حضرت جعفرؒ کے کسی کے ساتھ تقیہ جائز نہ تھا پس جو اقوال اور افعال اور روایتیں کہ اہل سُنت کے یہاں ہیں بتواتر و شہرت ہیں سب محمول صدق و اظہار پر ہیں۔ اور جو کچھ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ وغیرہما نے علمائے اہل سنت میں سے ان سے یعنی جعفر صادقؒ سے

لیا ہے اور سیکھا ہے، سب اُنکا فرمایا ہوا والحمد للہ علی ذٰلک۔ اور جو کچھ شیعہ ان کے اقوال وافعال میں کہ موافق اہلِ سنت کے ان کی کتابوں میں مروی ہے تصرّف کرتے ہیں اور تقیہ بتاتے ہیں صریح مخالف وصیت کے ہے۔

❁ چھٹی روایت :۔

رَوٰی سُلَیْمُ بْنُ قَیْسٍ الْہِلَالِیُّ فِیْ کِتَابِہٖ مِنْ اِحْتِجَاجَاتِ الْاَشْعَثِ بْنِ قَیْسٍ فِیْ خَبَرٍ طَوِیْلٍ اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَالَ النَّاسُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَبَایَعُوْہُ حَمَلْتُ فَاطِمَۃَ وَاَخَذْتُ بِیَدِ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ وَلَمْ نَدَعْ اَحَدًا مِّنْ اَھْلِ بَدْرٍ وَاَھْلِ السَّابِقَۃِ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ اِلَّا نَاشَدْتُھُمُ اللّٰہَ حَقِّیْ وَدَعَوْتُھُمْ اِلٰی نُصْرَتِیْ فَلَمْ یَسْتَجِبْ لِیْ مِنْ جَمِیْعِ النَّاسِ اِلَّا اَرْبَعَۃُ رَھْطٍ اَلزُّبَیْرُ وَالسَّلْمَانُ وَاَبُوْذَرٍّ وَالْمِقْدَادُ۔

روایت کی سلیم بن قیس ہلالی نے اپنی کتاب احتجاجات میں اشعث بن قیس سے بیشک امیرالمومنینؓ نے فرمایا جب وفات پائی حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اور جھکے لوگ ابوبکرؓ کی طرف اور اُن سے بیعت کی، برانگیختہ کیا میں نے فاطمہؓ کو اور حسنؓ اور حسینؓ کا ہاتھ پکڑا اور کسی کو اہلِ بدر اور مہاجرین سابقین اور انصار سے نہ چھوڑا جس کو قسم خدا کی نہ دی ہو اپنے حق کے واسطے اور بُلایا میں نے اُن کو اپنی مدد کے لئے سو قبول نہ کی کسی نے تمام لوگوں سے میری بات مگر چار آدمیوں نے یعنے زبیرؓ اور سلمانؓ اور ابوذرؓ اور مقدادؓ نے۔

اب صریحًا یہ روایت اس بات کو جتاتی ہے کہ تقیہ اُن سچّے امام پر واجب نہ تھا۔ اگر تقیہ واجب ہوتا تو حضرت زہراؓ کو سوار کرنا اور حسنینؓ کو در بدر پھرانا اس سے کچھ حاصل نہ تھا۔ جن لوگوں نے کہ بیعت ابوبکرؓ سے کی تھی اُن پر اس بات کا اظہار کرنا کیسا مُضر تھا۔

❁ ساتویں روایت سلیم بن قیس مذکور۔ دوسری کتاب میں کہ شیعہ کے نزدیک مشہور ہے کتاب ابان بن عیاش الذی یرویہ عن سلیم، کہتا ہے :۔

اَنَّ اَبَا بَکْرٍ بَعَثَ اِلٰی عَلِیٍّ قُنْفُذًا حِیْنَ بَایَعَہُ النَّاسُ وَلَمْ یُبَایِعْہُ عَلِیٌّ وَقَالَ لَہٗ اِنْطَلِقْ اِلٰی عَلِیٍّ فَقُلْ لَہٗ اَجِبْ خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقَ فَبَلَّغَہٗ فَقَالَ لَہٗ مَا اَسْرَعَ مَا کَذَبْتُمْ

بیشک بھیجا ابوبکرؓ نے قنفذ کو جس وقت کہ بیعت کی لوگوں نے اُن سے اور علیؓ نے بیعت نہ کی اور کہا اُسے قنفذا جا علیؓ کے پاس اور کہہ کہ خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مانو، پس قنفذ گیا اور پیغام پہنچایا تو علیؓ نے کہا اُس کو کیا جلدی سے تم سب نے مل کر

عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَارْتَدَدْتُمْ وَاللّٰہِ مَا اسْتَخْلَفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَیْرِیْ۔

رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ لگایا اور پھر گئے، قسم ہے خدا تعالیٰ کی رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سوائے میرے کسی کو خلیفہ نہیں کیا۔

یہ روایت بھی صریح تقیہ کو باطل کرتی ہے۔

❁ آٹھویں روایت، نیز روایت ہے ابان کی کتاب سلیم میں :۔

اَنَّہٗ لَمَّا لَمْ یُجِبْ عَلِیٌّ غَضِبَ عُمَرُ وَاَضْرَمَ بِالنَّارِ بَابَ دَارِ عَلِیٍّ فَاَحْرَقَ الْبَابَ وَدَفَعَہٗ فَاسْتَقْبَلَتْہُ فَاطِمَۃُ وَصَاحَتْ یَا اَبَتَاہُ وَیَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَرَفَعَ عُمَرُ السَّیْفَ وَھُوَ فِیْ غِمْدِہٖ فَوَجَأَ بِہٖ جَنْبَھَا وَرَفَعَ السَّوْطَ فَضَرَبَ بِہٖ ذِرَاعَھَا فَصَاحَتْ یَا اَبَتَاہُ فَاَخَذَ عَلِیٌّ بِتَلَابِیْبِ عُمَرَ وَھَزَّہٗ وَوَجَأَ اَنْفَہٗ وَرَقَبَتَہٗ۔

بیشک جب علیؓ نے بیعت قبول نہ کی غضب میں آئے عمرؓ اور دروازہ علیؓ کے گھر کا آگ سے جلا کر گرا دیا تو فاطمہؓ ان کے سامنے آئیں اور چلائیں ہائے رے باباجان! اور اے رسولِ خدا! پھر اُٹھائی عمرؓ نے تلوار مع میان اور اینٹھا اُس سے اُن کے شکم کے بچے کو پھر کوڑا اُٹھا کر اُن کے پیرہن پر مارا، چلائیں فاطمہؓ ہائے باباجان! تب پکڑی علیؓ نے گردن عمرؓ کی اور اینٹھی گردن اور اُن کی ناک۔

اِس روایت میں بھی ظاہر بُطلان تقیہ کا ہے۔ اس واسطے کہ اگر تقیہ ہوتا تو ایسا ہنگامہ برپا ہونا کیا معنے پہلے ہی دفعہ میں تو علانیہ مدعیوں کا مان لینا چاہیئے تھا۔

❁ نویں روایت یہ ہے، اُس کتاب میں ہے :۔

قَالَ عُمَرُ لِعَلِیٍّ بَایِعْ اَبَا بَکْرٍ قَالَ اِنْ لَمْ اَفْعَلْ ذٰلِکَ قَالَ اِذًا وَاللّٰہِ یُضْرَبُ عُنُقُکَ قَالَ کَذَبْتَ وَاللّٰہِ یَا ابْنَ صُھَاکٍ لَا تَقْدِرُ عَلٰی ذٰلِکَ اَنْتَ اَلْاَمُ وَاَضْعَفُ مِنْ ذٰلِکَ۔

کہا عمرؓ نے علیؓ سے بیعت کر ابوبکرؓ کی، علیؓ نے کہا اگر یہ کام نہ کروں تو کیا ہوگا؟ عمرؓ نے کہا خدا کی قسم تمھاری گردن ماری جائے گی، علیؓ نے کہا بخدا تو نے جھوٹ کہا اے صُہاک کے پسر تو قدرت اس کام کی نہیں رکھتا ہے، اس کام میں تجھ سے زیادہ لئیم وضعیف کوئی نہیں ہے۔

اِس روایت نے مادۂ تقیہ کی جڑ نکال ڈالی کہ حضرت امیرؓ نے عمرؓ کو گالی بھی دی اور جھوٹا بھی ٹھہرایا اور بتاکید قسم عمرؓ کو تمامی مخلوق سے اضعف جانا۔ حالانکہ نہج البلاغۃ میں جو شیعہ کی اصحّ کتابوں سے ہے روایت کی ہے کہ حضرت امیرؓ نے جب سُنا کہ اہلِ شام کو لشکر والے اُن کے بُرا کہتے ہیں تو منع کر کے کہا اِنِّیْ اَکْرَہُ لَکُمْ اَنْ تَکُوْنُوْا سَبَّابِیْنَ (میں بہت بُرا جانتا ہوں تمہارے حق میں کہ تم گالیاں دینے والوں میں سے ہو) آپ معلوم نہیں کہ

یہاں کونسی ضرورت پیش آئی تھی کہ ایسی دشنام غلیظ سے اپنی زبان کو آلودہ فرمایا۔

دسویں روایت :-

رَوٰی مُحَمَّدُ بْنُ سَنَانٍ اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ یَا مَغْرُوْرُ اِنِّیْ اَرَاکَ فِی الدُّنْیَا قَتِیْلًا بِجِرَاحَةٍ مِنْ عَبْدِ ابْنِ اُمِّ مُعَمَّرٍ تَحْکُمُ عَلَیْهِ جَوْرًا فَیَقْتُلُکَ وَیَدْخُلُ بِذٰلِکَ الْجِنَانَ عَلٰی رَغْمٍ مِنْکَ۔

بیشک امیرالمؤمنین رضؓ نے عمرؓ سے کہا اے مغرور! میں تجھ کو دنیا میں مقتول دیکھتا ہوں ابن ام معمر کے زخم سے کہ حکم کرے گا تو اُس پر ظلم سے سو قتل کرے گا وہ تجھ کو اور اس سبب سے وہ جنت میں جائے گا خلاف تیری آرزو کے۔

اور یہ کلام جو سختی وخشونت سے بھرا ہوا ہے کوسوں کیا منزلوں تقیہ سے دُور ہے۔

گیارہویں یہ روایت بھی محمد بن سنان سے ہے :-

اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ لِعُمَرَ اِنَّ لَکَ وَلِصَاحِبِکَ الَّذِیْ قُمْتَ مَقَامَهٗ هَتْکًا وَصَلْبًا تُخْرَجَانِ مِنْ جِوَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتُصْلَبَانِ عَلٰی دَوْحَةٍ یَابِسَةٍ فَتُوْرِقُ فَیُفْتَتَنُ بِذٰلِکَ مَنْ وَالَاکُمَا ثُمَّ تُؤْتٰی بِالنَّارِ الَّتِیْ اُضْرِمَتْ لِاِبْرَاهِیْمَ وَیَاْتِیْ جَرْجِیْسُ وَدَانِیَالُ وَکُلُّ نَبِیٍّ صِدِّیْقٍ فَتُصْلَبَانِ فِیْهَا فَتُحْرَقَانِ وَتَصِیْرَانِ رَمَادًا ثُمَّ تَاْتِیْ رِیْحٌ فَتَنْسِفُکُمَا فِی الْیَمِّ نَسْفًا۔

بیشک امیرالمؤمنین رضؓ نے عمرؓ سے کہا کہ ضرور تجھ کو اور تیرے یار کو جو قائم ہوا تو مقام میں اُس کے بے آبرو کرنا اور سولی پر رکھنا ہے نکالے جاؤ گے دونوں ہمسائگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر سولی دیے جاؤ گے ایک سوکھے درخت پر پھر وہ درخت پتے لائے گا تو یہ لوگ جو تم دونوں کے دوستدار ہیں مفتون ہوں گے پھر وہ آگ لائی جائے گی جو ابراہیمؑ کے واسطے بھڑکائی گئی تھی اور آئیں گے جرجیس اور دانیال اور ہر نبی صدیق پھر تم دونوں آگ میں ڈالے جاؤ گے اور جلائے جاؤ گے۔ پھر تم راکھ ہو جاؤ گے پھر آئے گی ہوا اور پراگندہ کرے گی تم کو پانی میں جو پراگندہ کرنے کا حق ہے۔

یہاں بھی آئین تقیہ کا صریح چھوڑ دیا۔ ہرچند روایتیں بطلان تقیہ کی شیعہ کی کتابوں میں حدِ شمار سے زیادہ ہیں۔ لیکن اس رسالہ اثنا عشریہ میں مُتبرکًا موافق گنتی بارہ ۱۲ اماموں کے انہی بارہ پر اکتفا کیا گیا۔ کوئی عاقل اِن روایتوں کو سُن کر تردد نہ رکھے گا کہ جب عمرؓ کو کہ جملہ دشمنوں امیرؓ سے تھے با وصف ایسی سرکشی وہیبت وصولت کے جو مشہور وضرب المثل ہے ہر مقدمہ میں ہر مرتبہ ذلت واقع ہوتی تھی اور لوگ جو بہ نسبت اُن کے نامرد اور ضعیف قلب والے تھے یقین ہے کہ نہایت ہی بے حواس ہوتے ہوں گے اور ہاتھ پاؤں

پھول جاتے ہوں گے۔ پھر تصرف نہ فرمانا ملک میں اور امور خلافت کا چھوڑ دینا اور اختیار دینا ایسے ذلیل قلیل لوگوں کو دیدہ ودانستہ حضرت امیرؓ سے وقوع میں آیا نہ کہ بہ سبب ناچاری وتقیہ کے۔ اگرچہ بھید اس کا بڑھ گیا کہ بالکل دین وایمان میں فساد پھیل گیا جس کا نتیجہ تحریف شریعت اور کتاب اللہ ہوا کچھ ہمارے ذہنوں میں نہیں آتا بالکل قاصر ہیں، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَسْرَارِ اَوْلِیَائِهٖ وَاَصْفِیَائِهٖ (یعنے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے بھید اپنے دوستوں اور برگزیدہ لوگوں کے)۔

اور نیز ائمہؓ سے تقیہ کا وقوع ہونا جن کی موت اپنے اختیار میں تھی اور علم مَاکَانَ اور مَایَکُوْنُ کا ان کو حاصل، اُس حد تک کہ ظالم اور فاجر ان کی لڑکیاں اور بہنیں ان سے چھینیں اور بدلہ کیا معنے بلکہ ان کا باز رکھنا اور ٹالنا پہلے ہی سے اُس طور پر کہ ہرگز احتیاج محنت ومشقت کی نہ ہوتی صرف کمان ڈال دینے اور زبان ہلانے سے کام نکلنا صریح دلیل نامردی وبزدلی وبے عزتی وبے حفاظتی کی ہے حَاشَاهُمْ عَنْ ذٰلِکَ ثُمَّ حَاشَاهُمْ مَعَاذَ اللّٰهِ (دُور ہیں وہ اُس سے پھر دُور ہیں وہ اس سے خدا بچائے)۔ کسی مسلمان کے دل میں یہ باتیں نہیں گزرنے کی کہ ظاہرا کفر ہے۔ اور یہ سب نکمی باتیں اور قباحتیں اسی شامت زدہ تقیہ سے پیدا ہوئی ہیں جس کو واجب ٹھہراتے ہیں۔ بلکہ نصب امام اور تقیہ واقع ہونے سے سب غرضیں مقصود کی جو اُس کے نصب سے تھیں فوت ہوتی ہیں۔ اول تو اُس کی امامت ظاہر نہیں ہوتی کہ یہ امام ہے۔ پھر حفظ شریعت کا نہیں ہوتا نہ حق وباطل میں تمیز۔ اگر وہ اوّل میں اپنے آپ کو امام ظاہر کرے اور لوگ اُس سے سختی وانکار سے پیش آئیں اور وہ تقیہ اختیار کرے اور ہر بات میں ان کا موافق ہو جائے صریح خاص وعام کے نزدیک سمجھا جائے گا کہ اپنے دعوے سے لوٹ گیا اور سب یقین کریں گے کہ ایک خام طمع آدمی تھا ایسے بڑے منصب کا اپنے واسطے ادعا کیا۔ جب دیکھا کہ دعویٰ میرا پیش جاتا نہیں معلوم ہوتا تو دست بردار ہو گیا۔ اور یہ کیسی بد اور بُری بات ہے غور کرنا چاہیئے کہ جو روایتیں شیعہ حضرت امیرؓ کے حق میں لاتے ہیں اُن سے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ اگر تقیہ میں کچھ قباحت بھی نہ ہو مگر لڑکیوں بہنوں کے چھین لینے پر تو مسلمانوں کے دل ٹوٹ جانے اور نفرت ہو جانے کے لئے بھی کافی ہے۔ اور یہ جو کہا ہے کہ عمرؓ بن خطاب نے حضرت امیرؓ کی لڑکی پر قدرت نہ پائی اور عمرؓ اور امیرؓ کی لڑکی کے درمیان میں ایک شخص جنوں میں سے حائل ہو گیا تھا بالکل بندش اور چوری ہے حضرت سارہؑ کے قصے سے جو زوجہ ابراہیمؑ کی تھیں کہ اُن کو ایک جبار نے چھین لیا تھا حضرت ابراہیمؑ مناجات میں مشغول ہوئے وہ جبار جس وقت ارادہ فاسد اُن مطہرہؑ کے ساتھ کرتا تھا تو مرگی میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ اور یہاں تو خود بتواتر اور قطعاً ثابت ہے کہ زید بن عمر اُن کے شکم سے پیدا ہوئے۔ اور عمر نے ان کا نام اپنے بڑے بھائی کے نام پر جو مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں شہید ہوئے تھے رکھا۔ اور زید بن عمر جوان ہوئے بیس برس کی عمر کو

پہنچے بعد اس کے خانہ جنگی میں کہ باہم بنی عدی کے ہوئی تھی رات کے وقت واسطے اصلاح کے اپنے گھر سے نکلے تھے اُسی حیص بیص میں کسی کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اور اُسی دن اُن کی مادرِ مطہرہؓ بھی بیماری سے مری تھیں، دونوں کے جنازوں کو ایک وقت میں حاضر کیا حضرت امام حسینؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے نماز جنازے کی پڑھ کر دفن کیا۔ اور معہذا اگر یہ باتیں بھی وقوع میں نہیں آئیں تو عمرؓ کی زندگی تک اُن پاک بی بی کا اُن کے گھر میں رہنا اور اُن کی معیت میں ہونا بلاشبہ ثابت ہے۔ اور مغصوب ہونا جگر پارۂ رسولؐ کا ایک کافر یا فاجر کے قبضے میں کس طرح کوئی تصور کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی بی بی کو ایک کرشمہ دکھا کر ایک لمحے میں کیسا چھڑا دیا اور یہاں تو امید اُس سے زیادہ کی تھی۔ اور جو کچھ جعفر صادقؓ سے اس نکاح کے عذر میں روایت کرتے ہیں کہ هُوَ اَوَّلُ فَرْجٍ غُصِبَ مِنَّا (وہ اوّل فرج ہے کہ ہم سے چھینی گئی) مسلمانوں کے تو ان باتوں کے سُننے سے بال بدن پر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور حیف ہے کہ یہ مدعیٔ دروغ ایسی کُفر کی باتیں بہ پاسِ عداوت عمرؓ کے ائمۂ اطہارؓ کی نسبت کہ بہترین خاندانِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے ہیں لگاتے ہیں ساتھ اس کے کہ اس جھوٹی روایت کو جھوٹا بنانے والی روایتیں صحیحہ کُتبِ امامیہ میں موجود ہیں جن کو عمرؓ کی عداوت کے سبب سے طاقِ نسیان پر رکھ دیا ہے۔

سُئِلَ الْاِمَامُ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الْبَاقِرُ عَنْ تَزْوِيْجِهَا فَقَالَ لَوْلَا اَنَّهُ رَاٰهُ اَهْلًا لَهَا لَمْ يُزَوِّجْهَا اِيَّاهُ وَكَانَتْ اَشْرَفَ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ جَدُّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَخَوَاهَا الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَبُوْهَا عَلِيٌّ ذُو الشَّرَفِ وَالْمَنْقَبَةِ فِي الْاِسْلَامِ وَاُمُّهَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَّتُهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ۔	امام محمد بن علی باقرؒ سے نکاح اُمِ کلثومؓ کے معاملہ میں پوچھا کہا اگر یہ بات نہیں ہوتی کہ عمرؓ کو اُس نے لائق نکاح کے دیکھا ہرگز اُمِ کلثومؓ کا نکاح نہ کرتے۔ حالانکہ اُمِ کلثومؓ تمام جہاں کی عورتوں میں اشرف تھیں نانا اُن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھائی حسنؓ اور حسینؓ سردار جوانانِ جنت کے باپ علیؓ صاحبِ شرف وتعریف اسلام میں ماں فاطمہؓ بیٹی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نانی خدیجہؓ بیٹی خویلد کی۔

اور یہ نہیں سمجھتے کہ عمرؓ نے جوان کے شیعہ کو بُرا کہا تھا اُس کے بابت علیؓ نے عمرؓ سے کیسی سختی کی اور اژدہے کمان کے ساتھ ڈرایا۔ پھر کیا ممکن تھا کہ لڑکی چھین لینے کی نوبت پہنچتی اور ننگ و ناموس کے معاملہ میں اُن کی رگِ غیرت نہ ہلتی اور کچھ تعرض نہ کرتے سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ اور غضب ٹھہرا کر وہم بدی فاحش زنا کا نسبت ایسی بی بی پاک عابدہ کے ڈالنے کو بقول ان کے مجبوری ہی سے ہوا اہلِ ایمان کے نزدیک صریح کُفر ہے اور جن لوگوں کی نسبت حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ یہ گروہ ناپاک چاہیں کہ عمرؓ کی عداوت و بُغض و عناد سے اُن کے دامنِ پاک کو ایسی بدی فحش کے ساتھ آلودہ کریں اور مُدّت دراز تک یہ بُرائی اُن پر لگائیں اور ائمۂ اطہار حضرت امیر اور حضرات حسنین علیہم السلام کو بے عزتی اور بے ناموسی کی تہمت سے متہم کریں حَاشَا وَكَلَّا کہ ایسے پاک لوگوں کی جناب ایسی نجس باتوں اور ان کُتّوں کے بھونکنے اور ان نجاست خور گندے کیڑوں سے پریشان ہو۔ لیکن اتنا بھی اژدہا دشمنی و عداوت پر کہ جو کفر اور زندیق پن کو پہنچائے کسی فرقہ میں نہ دیکھا نہ سُنا۔ شیطان نے ہر چند بغض و عداوت میں آدمؑ کے ساتھ حد کر دی لیکن خدا کی ذات پر کوئی تہمت اور جھوٹ نہیں لگایا اور اُس کو نقصان اور مجبوری و بیچارگی سے کبھی یاد نہ کیا۔

فائدہ عظیمہ

فائدہ عظیمہ۔ جاننا چاہیئے کہ جب کلام مسئلہ تقیہ تک پہنچا اور اس مسئلے میں بہت بڑی افراط تفریط یعنی کمی بیشی اہلِ اسلام کے فرقوں میں پیش آئی۔ افراط تو اس کی شیعہ کی کتابوں میں دیکھنا چاہیئے کہ ذرا سے خوف اور لالچ میں کفر کو جائز سمجھ لیتے ہیں بلکہ واجب جانتے ہیں۔ اور تفریط خارجیوں اور زیدیہ میں کہ دین کے مقابلہ میں ہرگز پاسِ ناموس اور جان کو معتبر نہیں جانتے۔ بلکہ خارجی ایسے مقدموں میں عجیب تشدد بیان کرتے ہیں ایک اُن تشددوں سے یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے اور کوئی چور یا غاصب آکے تا مالِ کثیر اُس کا لے جائے اُس کو نماز توڑنا حرام ہے۔ جیسے کہ بریدہ اسلمیؓ پر کہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے اور یک اپنے گھوڑے کو نماز میں تکتے رہتے تھے تاکہ بھاگ نہ جائے دشنام و طعن کی ہے۔ اب لازم ہوا کہ اہلِ سُنّت کے مذہب کا جو حال و اعتدال ہے اس باب میں لکھا جائے۔ اس واسطے کہ اکثر اہلِ سنت کی کتابوں میں اس مسئلے کو صاف و روشن نہیں کیا ہے۔ اوّل جاننا چاہیئے کہ تقیہ اصل میں مشروع ہے یعنی موافق شرع کے بدلیل آیاتِ قرآن، قولہ تعالیٰ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً (چاہیئے کہ نہ پکڑیں مُسلمان کافروں کو دوست سوائے مسلمانوں کے اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ خدا کی طرف سے کسی شمار میں نہیں ہے مگر یہ کہ پناہ پکڑیں ان سے کسی قسم کی پناہ پکڑنا) وقولہ تعالیٰ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ الیٰ غیر ذٰلِكَ من الآیات (مگر وہ شخص کہ جبر کیا گیا اور دل اُس کا قائم ہے ایمان پر) اور تعریف تقیہ کی یہ ہے کہ محافظت جان یا مال یا ناموس کی دشمنوں کے شر سے۔ اور یہ دو قسم ہے ایک یہ کہ بنیاد عداوت کی دین و مذہب پر ہو جیسے کافر اور مسلمان۔ دوسرے یہ کہ بنیاد اُس کی دنیا کی غرضوں پر ہو جیسے ملک و مال اور زن و متاع۔ پس تقیہ بھی دو قسم ہے۔ لیکن قسمِ اوّل اُس کا طریق شرع میں یہ ہے کہ جب مومن ایسی جگہ جا پڑے کہ اپنے دین و مذہب کو ظاہر نہیں کر سکتا مخالفوں کے سبب سے تو اس پر ہجرت واجب ہے یعنی وہاں سے اُٹھ جانا اور اُس جگہ کو

چھوڑ دینا اور وہاں چلا جانا جہاں ظاہر کر سکے۔ یہ اُس کو ہرگز جائز نہیں کہ خود کو چھپائے رہے اور اپنے ضعف کے عذر پر تمسک کرے اور سند ٹھہرائے موافق دلیل نصوص قطعی قرآن کے، قولہ تعالیٰ یٰعِبَادِیَ اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ (اے میرے بندو! بیشک زمین میری بہت چوڑی ہے پس میری ہی عبادت کرو)، قولہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ۔ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۔ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا (بیشک وہ لوگ جن کی رُوح قبض کرتے ہیں فرشتے اور اُنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کئے ہیں، فرشتے کہیں گے تم کس کام میں تھے؟ کہیں گے ہم ضعیف اُفتادہ بر زمین تھے، فرشتے کہیں گے کیا تم کو زمین خدا کی وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کرتے اُس کی طرف، پس اس گروہ کا ٹھکانا جہنم ہے اور بُرا ٹھکانا ہے لوٹنے کا) ہاں اگر کوئی عذرِ واقعی ہے کہ ہجرت نہیں کر سکتا مثلاً عورتیں اور لڑکے اور اندھے اور لنگڑے اور شل اور قیدی اور گرفتار اور مثل ان کے ہیں، اور مخالف خود اُس کو اور اُس کی اولاد یا اُس کے والدین کے قتل سے ڈراتے ہیں اور اس ڈرانے کا گمان غالب ہو کہ واقع میں ایسا ہی ہوگا، اور یہ قتل خواہ قُوت بند کرنے یا نکال دینے یا اور کسی طرح پر ہو، تو اُس کو بقدرِ ضرورت موافقت اُن کی درست ہے اور نکلنے کے حیلوں کی کوشش واجب۔ اور اگر کسی منفعت کے فوت ہونے یا ایسی مشقت کہ جس کو اُٹھا سکتا ہے مثلاً قید یا تھوڑی سی مار جس میں مر نہ جائے مظنون ہو تب موافقت جائز نہیں ہے۔ اور اُس صورت میں بھی کہ موافقت جائز ہے اس کی اجازت بھی ہے اور اظہار ارادے کی بھی اجازت ہے گو جان جاتی ہی رہے۔ اب یہ خیال کرنا چاہیئے کہ شیعہ نے کیسا سہل سمجھ لیا اور کیسی اس میں افراط کی ہے کہ ذرا سے مال و منصب کے لالچ بلکہ بامید عزت و اکرام پانے مجلس یا صاحب قبلہ زبانی کہنے کے دین و ایمان چھوڑ کر مخالف کا کلمہ پڑھنے لگتے ہیں اور ہجرت کو ہرگز واجب نہیں جانتے۔ آیاتِ قرآنی سے کہ صریح عتاب ترکِ ہجرت پر فرمایا آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر گزرا، اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۔ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا انتھٰی۔ وَلَیْسَ هٰذَا بِاَوَّلِ قَارُوْرَةٍ كُسِرَتْ تمام قرآن کو ایسے ہی جواب دیتے ہیں اور ان کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ سُنِّیٍّ فَكَاَنَّمَا صَلّٰى خَلْفَ نَبِیٍّ (جس نے سُنی کے پیچھے نماز پڑھی گویا نبی کے پیچھے نماز پڑھی) کیسی بیوقوفی ہے نماز اپنی خراب کرنا اور آش پلاؤ کے پکانے کے لئے اس نماز میں نسبت اور نمازوں کے ثواب سے زیادہ امید رکھنا۔ ایسے ہی موقعوں سے معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ فرقہ نہایت ہی سُست اعتقاد ہیں اپنے مذہب میں غیرت و مضبوطی دین کی ان میں بُو بھی نہیں، بالکل تعصب ان کا بدگوئی اور طعن و تشنیع صحابہ کرام رض میں صرف ہوتا ہے۔ دین کی مشقت کو ہرگز گوارا نہیں کرتے، دنیا کے تھوڑے سے متاع اور راحت و لذت اس جہان کی ہزاروں مرتبے ان کے نزدیک عزیز و اہم ہے منافع عظیم دین اور نعیم مقیم آخرت سے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ

اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ (وہ لوگ جنہوں نے خریدا حیاتِ دُنیا کو بدلے آخرت کے نہیں ہلکا کیا جائے گا اُن سے عذاب اور نہ وہ مدد پائیں گے)۔ اور تمام عالم کے عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دعویٰ محبت میں سچے جھوٹے کا امتحان اور بُغض و مودّت اور تصدیق و تکذیب اور اخلاص و نفاق کا یہی ہے کہ جب تجربہ کیا جائے اور بلا و مصیبت پڑے اور فائدے فوت ہوئیں اور لذتیں چھوٹیں اور مشقتیں اور رنج اور ضرر اُٹھانا پڑے اُس وقت اپنے دعویٰ میں ثابت قدم رہے اور ٹھیک نکلے، ورنہ غیر وقت امتحان کے ہر کوئی مصلحتِ وقت کے موافق دعویٰ کرتا ہے۔ اگر اس باعث سے بچنے کے واسطے تقیہ لازم ہو تو اُس کا جھوٹ سچ کیسے تمیز کیا جائے۔ ہرچند خدا کا علم دل کی چھپی باتوں اور جو بھید سینوں میں جمع ہوتے ہیں اُن کو خوب گھیرے ہوئے ہے اُس کو امتحان کی احتیاج نہیں، لیکن مدار تکلیف شرع امر و نہی کا اُنہی معاملوں امتحان نُما میں ہے۔ خصوصاً اس مقدمہ میں خود تصریح کیا ہوا ہے، لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔ (تاکہ آزمائے وہ تم کو کون اپنے کاموں میں زیادہ اچھا ہے) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ (اور ضرور آزماتے ہیں ہم تم کو تاکہ جانیں مجاہدین کو تم سے اور صابرین کو) وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ (اور آزماتے ہیں ہم تمہارے نیکوں کو) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ، الی غیر ذلك من الآیات (اور ضرور ہم آزمائیں گے تم کو کسی چیز کے ساتھ خوف یا بھوک اور نقصان مال و جان اور میووں سے)۔ سوا ان کے اور آیتوں سے۔

اب قسمِ ثانی کو سُنیئے۔ اس میں علماء کو اختلاف ہے کہ ہجرت واجب ہے یا نہیں۔ اس صورت میں جو ایک گروہ کہتے ہیں کہ واجب ہے اُن کی دلیل یہ آیت ہے وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (مت ڈالو اپنے ہاتھوں کو طرف ہلاکت کے) اور دوسری دلیل ان کی نہی مال ضائع کرنے کی ہے۔ اور بعض جو کہتے ہیں کہ واجب نہیں ہے اس لئے کہ وہاں سے ہجرت کرنا بس دنیا کی ایک مصلحت کے واسطے ہے منجملہ اور مصلحتوں کے۔ اور ہجرت نہ کرنے میں بسبب اتحادِ ملت کے کوئی نقصان اس ضعیف کو عائد نہیں ہوتا اس لئے کہ دشمن جو اُس پر غالب ہے اس حیثیت سے کہ مومن ہے اُس کی ملت و مذہب سے غرض نہیں کرے گا۔ اور فیصلہ اختلاف دونوں فریق کا یہ ہے کہ اُس صورت میں کہ اپنی جان یا اپنے اقرباء کی جان جانے کا نہایت ہی خوف یا حد درجہ ہتک عزت کا ڈر ہو تو یہاں بھی ہجرت واجب ہے۔ لیکن یہ عبادت و قربت میں داخل نہیں ہے کہ جس پر کچھ ثواب مترتب ہو اس ہجرت کا واجب ہونا محض واسطے مصلحت دنیوی اس شخص کے ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ ہر واجب عبادت نہیں ہے۔ بہت سے واجب ایسے ہیں جن میں کچھ ثواب نہیں ہوتا مثلاً شدتِ بھوک میں کھانا بیماری میں پرہیز کرنا اُن چیزوں سے جو یقین یا گمان میں مضر ہوں اور صحت کے حال میں زہروں کے کھانے سے اور سوائے اس کے پس یہ ہجرت

بھی اس قسم سے ہے اور وہ ہجرت نہیں ہے کہ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ہو جس پر ثوابِ آخرت واجب ہو۔ اب جو مسئلہ تقیہ کا معلوم ہوگیا تو پھر ہم اصل بات کی طرف چلتے ہیں۔

اہلِ سنّت کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ نے خلفائے ثلٰثہؓ کے وقت میں ہرگز تقیہ نہیں کیا اور اُن کو قدرت اپنا دین ظاہر کرنے کی جو اُن کو پسند تھا بخوبی تھی کسی کا خوف نہ تھا نہ دین کے معاملہ میں نہ دنیا کے معاملہ میں۔ لیکن دین کے معاملہ میں تو اس سبب سے ہجرت نہ فرمائی کہ اگر ڈرتے ہوتے تب ہجرت اُن پر واجب ہوتی بدلیل آیت اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ اِلٰی اٰخِرِھَا۔ اب دُنیا کے معاملہ میں یہ سبب کہ کسی شخص سے ان کو بابت مال و جان کے کچھ لڑائی و جھگڑا اور سخت گوئی کا موقع نہ پڑا۔ بلکہ سب لوگ ازبس تعظیم و توقیر کرتے تھے اور وہ بھی ہر ایک سے اُس کے رُتبے کے موافق معاملہ فرماتے تھے جس پر کُتب تواریخ گواہ ہیں۔ اور مذہب شیعہ کا تو پہلے ہی معلوم ہو چکا کہ ان کے محقق خود اپنی بات اُن کی خلافت میں اُن پر تقیہ لگاتے ہیں۔ سو رہ گیا زمانہ خلفائے ثلٰثہؓ کا، اس موقع پر حضرت قاضی نوراللہ شوستری سے عجب ہی ایک شُتر گوز صادر ہوا۔ فرماتے ہیں کہ حضرت امیرؓ سے لڑائی کا نہ ہونا ایسا ہے جیسے ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل از ہجرت کسی سے لڑائی نہیں ہوئی، اور ایسا ہے جیسے اور انبیاءؑ سے لڑائی نہیں ہوئی۔ یہاں پر قاضی صاحب کے خُدّام کو ہجرت کے لفظ میں بہت بڑی غفلت پیش آئی۔ اگر حال حضرت امیرؓ کا مثل حال ہمارے حضرتؐ کے ہے قبل ہجرت کے تو بعد ہجرت کیوں نہیں اُن کا حال ہونا چاہیئے مثل حال ہمارے حضرتؐ کے، بلکہ نفس ہجرت میں حالانکہ حضرت امیرؓ نے کبھی ارادہ ہجرت کا نہ فرمایا جیساکہ بالاجماع ثابت ہے۔ اور حال ہمارے پیغمبرؐ کا قبل از ہجرت کیا تھا؟ ذرا خدا تو رسولؐ کے واسطے ایسی بات کو غور کرکے کہو سرسری نہیں کہنا چاہیئے۔ کیا ابو جہل و امیہ بن خلف کے ساتھ ہو کر معاذ اللہ پرستش لات و منات کی فرماتے تھے۔ یا اور رسوم جاہلیت اور ذبح لغیر اللہ میں شریک ہوتے تھے۔ یا اُن کی مدح وثنا کو ورد اور وظیفہ کرتے تھے یا اُن کے ساتھ ہم پیالہ ہم نوالہ ہوتے تھے یا احکام میں ان کی پیروی کرتے تھے یا ہمیشہ باہم مقابلہ اور کہنا سُننا اور مار گالی رہتی تھی اور ان کے اوضاع کی بُرائی و ہجو برملا کہتے تھے۔ اور برملا لوگوں کو دینِ حق کی طرف بُلاتے تھے اور سختیاں اُٹھاتے تھے یہاں تک کہ بعد ہجرت قوت ولہذا انصار سے ہم پہنچائی اور دعوتِ زبانی سے لڑائی سیف و سنان کی طرف ترقی فرمائی مراتب اظہار میں نہ یہ کہ شیوہ تقیہ اور چھپانے کا لازم کر لیا ہو۔ ایسے ہی حال اگلے انبیاءؑ کا سمجھنا چاہیئے۔ اُن انبیاءؑ پر جہاد تیغ و نیزے کا واجب نہ تھا بلکہ یہ کام اُس زمانہ کے اُمراء و ملوک سے متعلق تھا جو انبیاءؑ کے مطیع ہوتے تھے۔ تو انبیاءؑ خود لڑنے اور لوگوں کے جمع کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ اور جو ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم جہاد کا ہوا تو لازم آیا کہ اُن کے خلیفہ بھی جہاد پر مامور ہوں بلکہ اُن کی ساری اُمّت اس حکم پر مامور ہے۔

اب جو کوئی اگلے انبیاءؑ کی سنّت کا خیال کرکے ترکِ جہاد کو اپنے اُوپر لازم کرے بلاشبہ کافر ہوگا۔ اور کبھی نہیں ہوتا کہ جب بغی و کفر ظہور کرے اور جہاد خلیفہ پیغمبرؐ پر واجب نہ ہو اور ساقط ہو جائے۔ پس حضرت امیرؓ کے حال کو حضرات انبیاءؑ کے حال پر قیاس کرنا اُس قسم سے ہے کہ کوئی کہے کہ حضرت امیرؓ کو نماز میں بیت المقدس کی طرف مُنہ کرنا فرض تھا نہ کہ کعبہ کی طرف مُنہ کرنا اور اُن کا حال مثل انبیاءؑ سابق کے نہیں ہے بلکہ مثل ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے تھا قبل اُترنے اُس آیت کے جس میں کعبہ کو مُنہ کرنے کا حکم ہوا۔ علیٰ ہذا القیاس جملہ احکام شرعیہ میں۔ اور اس شخص کو جملہ عاقلوں اہلِ سُنّت کے نزدیک خارجی خطاب کرنا چاہیئے کہ دیوانوں کی طرح بکتا ہے۔ اگر حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قبل نازل ہونے آیت جہاد سے انتظار نزول آیت جہاد کا فرماتے تھے اور لڑائی ترک کئے ہوئے تھے، حضرت امیرؓ کو کونسا انتظار تھا۔ حالانکہ قرآنِ مُنزّل میں جہاد و لڑائی ہر واحد اُمّت پر واجب ہو چکی تھی، سو رہ گئے اولوالامر کہ قائم مقام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ اور اولوالامر کے نصب سے خاص غرض یہی ہے کہ جہاد قائم ہو اور دین ترقی پکڑے مظلوم کا حق ظالم سے دلایا جائے۔ یہ بیہودہ بکواس تو ان کے ملّوں محققوں کی ہے پھر عوام کا کیا ٹھکانا۔

اب بعض باتیں اہلِ سُنّت کی تقیہ کے مقدمے میں سُننا چاہیئں۔ کہتے ہیں کہ باجماع اہلِ تواریخ ثابت ہے کہ جب حضرت امام حُسین رضی اللہ عنہ نے یزید کو باطل پر جانا اور لائق امامت کے نہ دیکھا ہرگز تقیہ اختیار نہ کیا اور بیعت یزید کی قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ یزید کے لشکر سے لڑے اور اپنے اصحاب سمیت درجہ شہادت کو پہنچے۔ پس اگر تقیہ واجب ہوتا تو اس سے زیادہ دشمن کا ڈر کیا ہوگا کہ ۷۲ آدمیوں کے واسطے تیس ہزار آدمیوں کا محاصرہ تھا اور ناموس اور چھوٹے چھوٹے بچے بھوک پیاس میں گرفتار اور ہلاک ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت امامؓ تقیہ کے جائز ہونے کے بھی معتقد نہ تھے پھر کیا ٹھکانا وجوب کا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ موافق گواہی تواریخ کے حضرت امیرؓ کی بعد حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے دو حالتیں تھیں۔ ایک یہ کہ زمانہ شیخینؓ اور ذی النورینؓ میں بیعت کی اور کسی کے حال کے متعرض نہ ہوئے اور ان کے ساتھ خلوت میں اور جلوت میں اور روزہ نماز اور حج و مشورہ اور تدبیر کاموں میں شریک و دخیل رہے۔ دوسری حالت یہ کہ بعد شہادت ذی النورین یعنی عثمانؓ کے لوگوں سے بیعت لی اور معاویہؓ سے بار بار لڑے۔ ہرچند آپؓ کے ساتھی تھوڑے تھے جیساکہ قاضی نوراللہ شوستری نے مجالس المومنین میں کہا ہے کہ قریش سے کُل پانچ آدمی امیرؓ کے ساتھ تھے اور تیرہ قبیلے معاویہؓ کے ساتھ تھے۔ اس واسطے آپؓ کو فتح میسر نہ ہوئی اور ان کا شر دفع نہ کر سکے۔ پس ضرور کہ پہلی حالت سبب موافقت کا شیخینؓ اور ذی النورینؓ کے ساتھ تقیہ اور بیچارگی نہ تھی۔ ورنہ اس موقع پر بھی تقیہ کرتے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بحر المناقب میں جو شیعہ کی معتبر کتابوں سے ہے مناقب ابن مغازلی سے نقل کرتے

ہیں کہ اُس نے محمد بن خالد سے روایت کی کہ :-

خَطَبَهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَوْ صَرَفْنَاكُمْ عَمَّا تَعْرِفُونَ إِلَىٰ مَا تُنْكِرُونَ مَا كُنْتُمْ صَانِعِينَ قَالَ فَسَكَتُوا قَالَ قَالَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا فَقَالَ عَلِيٌّ وَقَامَ إِذًا كُنَّا نَسْتَتِيبُكَ فَإِنْ تُبْتَ قَبِلْنَاكَ قَالَ وَإِنْ لَمْ قَالَ إِذًا نَضْرِبُ الَّذِي فِيهِ عَيْنَاكَ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ مَنْ إِذَا اعْوَجَجْنَا أَقَامَنَا۔

خطبہ کیا عمرؓ بن خطاب نے لوگوں سے اور کہا کہ اگر میں پھیر دوں تم کو اُس راہ سے جس کو تم جانتے ہو دوسری راہ پر جس کو نہیں جانتے تو کیا کرو گے ؟ راوی کہتا ہے کہ سب چُپ ہو گئے۔ پھر راوی کہتا ہے کہ عمرؓ نے یہ بات تین دفعہ کہی ۔ پس علیؓ کھڑے ہوئے اور کہا اُس وقت ہم تم سے توبہ چاہیں گے اگر توبہ کی تو ہم تم سے مان لیں گے۔ عمرؓ نے کہا اگر توبہ نہ کروں۔ علیؓ نے کہا اُس وقت ہم تمہارا سر کاٹ ڈالیں گے جس میں تمہاری دونوں آنکھیں ہیں تو عمرؓ نے کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس امت میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں کہ اگر ہم ٹیڑھے چلیں تو ہم کو سیدھا کر دیں۔

آب اس روایت سے صریح استقامت علی مرتضےٰؓ کی راہ امر بمعروف اور نہی از منکر اور علو مرتبہ اور نہ خوشامد کرنے حرام چیزوں شرع شریف میں اور اُس کے انکار کی قدرت معلوم ہوتی۔ پھر جب ایسا حال ہے تو تقیہ کی کیا وجہ ؟ ۔ اور نیز قاضی نور اللہ نے حضرت عباسؓ کے ذکر میں لکھا ہے کہ جو لوگ اعراف پر ہوں گے اُنہی میں سے ایک وہ بھی ہوں گے۔ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ کو بہت عزیز رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ عباسؓ بمنزلہ میرے باپ کے ہے اور اُن کے فضائل میں زیادہ اُس سے لکھا کہ اس مختصر میں نہیں لکھ سکتے۔ پھر اس کے بعد یہ کہا کہ عمرؓ کے کہنے سے اُنھوں نے استدعا نکاح اُمّ کلثومؓ کی حضرت امیرؓ سے کی۔ حضرت امیرؓ نے پہلی دفعہ انکار کیا دوسری دفعہ سکوت فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ خود متولّی اس نکاح کے ہوئے اور اُمّ کلثومؓ کا نکاح عمرؓ سے کر دیا حضرت مرتضےٰؓ تقیہ کی راہ سے منع نہ کر سکے اس واسطے خاموش ہو گئے۔ آب عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ بعد ثبوت اتنے فضائل کے حضرت عباسؓ حق میں کیسے وہم کر سکتے ہیں کہ ایسے ظالم کے ظلم میں وہ کیسی مدد کرتے اور کیونکر کی ہو گی۔

❋ ہفوہ دوم ۔ کہتے ہیں کہ جیسے اور اہل نفاق تھے اُنہی میں سے شیخینؓ بھی تھے یعنے ابو بکرؓ و عمرؓ ۔ حالانکہ قوت ان کے ایمان کی برابر ثابت ہے جناب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو بکرؓ و عمرؓ کے ایمان کو جا بجا اپنے ساتھ مقرون کیا ہے اور کتاب خیر درجات ایمان میں جو کافی کلینی سے باب امامت میں منقول ہوئی صریح یہ بات ہے کہ ایمان مہاجرین اولین کا یعنے جنھوں نے پہلی ہجرت کی ہے سب اُمتیوں کے ایمان پر بہت فوقیت رکھتا ہے۔ اور نیز حضرت امیرؓ سے نہج البلاغت میں جو نص ہے ابو بکرؓ کے حق میں موجود اُن کے کمالِ ایمان پر گواہ ہے اور بھی صدیق نام رکھنا اُن کا حضرت امام محمد باقرؓ سے وارد تھا۔ اور اور ائمہؓ بھی اس ہفوہ کو قطع کرتے ہیں۔

❋ ہفوہ سوم ۔ شیخینؓ اصحاب العقبہ سے تھے۔ اصحاب العقبہ بارہ آدمی ہیں منافقوں سے جنھوں نے چاہا تھا جس وقت کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی لڑائی سے لوٹے تھے کہ راہ میں اکیلا پا کر مار ڈالیں۔ عمار بن یاسرؓ اور حذیفہؓ بن الیمان اُن کے داؤں پر مطلع ہو کر ان کے سر وقت پر پہنچے اور ان کو دفع کیا۔ یہ ہفوہ بھی صریح مخالف تواتر کے ہے۔ اگر ابو بکرؓ اور عمرؓ کو یہ ارادہ ہوتا تو گھر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکیاں دونوں کی کتخدا تھیں بہت اچھی طرح ہو سکتا تھا اور پورا انجام اس کا ہو جاتا۔ اور آنا اور جانا اور سیر و گشت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں کے ساتھ مشہور و معروف و ضرب المثل عالم۔ ایسے محرموں کو فرصت ڈھونڈ کی کیا حاجت تھی۔ اوّل تو رفاقت حضرت صدیقؓ کی غار و تنہائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، دوسرے رفاقت اُن کی عریش میں بدر کے دن باجماع ثابت ہے۔ یہ دونوں وقت ایسے تھے کہ ارادہ اپنا خوب جاری کر لیتے۔ الحاصل جو کوئی کتب سیر کی سیر کرے تو شیخینؓ کی صحبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور اُن کی اُنسیت و الفت اور شفقت و حمایت کو آنجنابؐ کے حق میں معلوم کرے ان سے ایسے ارادے کے گمان کو ایسا سمجھے جیسے حضرت امیرؓ سے۔ فائدہ سیر شیعہ کی موجود ہیں ان کی تفسیروں میں لکھا ہے کہ آیت حق میں اصحاب العقبہ کے نازل ہوئی ہے يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا (قسم کھاتے ہیں خدا کی کہ نہیں کہا ہے اور ضرور کہا ہے کلمہ کفر کا اور کافر ہو گئے بعد مسلمان ہونے اپنے کے اور ارادہ کیا اس چیز کا کہ نہ پایا)۔ اور اس آیت میں صریح مذکور ہے کہ اصحاب عقبہ کا حال دو شق سے خالی نہیں ہے۔ یا توبہ کریں اور عذاب نفاق سے خلاص ہوں یا اُس پر اڑ جائیں اُس صورت میں دنیا و آخرت میں معذب ہوں اور کوئی معین و مددگار ان کا نہ ہو۔ اور شیخینؓ نے باجماع شیعہ اس نفاق سے توبہ نہیں کی ہے پس چاہیئے تھا کہ ان کو دنیا میں عذاب دُکھ کا پہنچا ہوتا اور کوئی ان کا مددگار و معین نہ ہوا ہوتا۔ حالانکہ غلبہ اور نشاطِ شیخینؓ اور کثرت ان کے مددگار و انصار کی ایسی چیز نہیں جس کو کوئی چھپا سکے۔ اگر شیخینؓ اصحابِ عقبہ میں سے ہوں تو کلامِ الٰہی میں کذب لازم آئے اور خدا تعالیٰ کا وعدہ خلاف ٹھہرے۔ تَعَالٰى عَمَّا يَقُولُونَ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا (برتر ہے وہ جو کچھ ظالم کہتے ہیں بڑی برتری والا)۔

❋ ہفوہ چہارم ۔ یہ کہ محض وجودِ امام کو لطف جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حق لطف کو نصب امام میں ادا فرمایا اور ظاہر کرنا اور تسلط و غلبہ دینا اُس کا مطلق لطف میں ضروری نہیں ہے۔ اور یہ مخالف ظاہر عقل کے ہے یہاں تک کہ مکتب کے لڑکے بھی یقین نہیں کرتے اگر ہم ان سے کہیں کہ تمہارے واسطے ایک معلم مقرر کیا ہے کہ نہ وہ تم کو دیکھے نہ تم اُس کو نہ وہ تمہاری آواز سُنے نہ تم اُس کی، کیسا اُس کو مسخرہ

بنائیں گے اور کیسے اُس پر ہنسیں گے۔

ہفوہ پنجم۔ حضرت امیرؓ کو خدا کے وصفوں کے ساتھ وصف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت امیرؓ اعراض اور آین و متیٰ سے پاک ہیں اور اُن کو بشر نہیں کہنا چاہیئے۔ یہ سب باتیں صریح مخالف اور مکذب ظاہر عقل کی ہیں۔ بعض شعراء نے ان کے معنی اول کو نظم کیا ہے **شعر**

یجلُّ مِنَ الاَعْرَاضِ وَالاَیْنِ وَالمَتٰی	برتر ہے اعراض اور زمان و مکان سے
وَیَکْبُرُ عَنْ تَشْبِیْهِهٖ بِالعَنَاصِرٖ	اور بزرگتر ہے اُس سے کہ اُس کو تشبیہ ہو عناصر سے۔

اور دوسرے شاعر نے دوسرے معنے کو نظم کیا **شعر**

اَهْلُ النُّهٰی عَجَزُوْا عَنْ وَصْفِ حَیْدَرَةٍ	اہل عقل وصفِ حیدرؓ سے عاجز ہوئے،
وَالعَاشِقُوْنَ بِمَعْنٰی حُبِّهٖ تَاهُوْا	اور عاشق اُن کی محبت کے معنے میں حیران ہیں،
اِنْ اَدْعُهٗ بَشَرًا فَالعَقْلُ یَمْنَعُنِیْ	اگر اُن کو بشر کہوں تو عقل منع کرتی ہے مجھ کو
وَاَخْشَ اللّٰهَ فِیْ قَوْلِیْ هُوَ اللّٰهُ	اور خدا کہنے سے ڈرتا ہوں خدا تعالیٰ سے۔

اور یہ غالی مذہب والوں سے قریب ہے اور خالص کفر اور محض زندیقی۔

ہفوہ ششم۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاءؑ و رسل کو واسطے ولایت علیؓ کے بھیجا تھا۔ کہتے ہیں کہ علیؓ نبیوں کے ساتھ تھے پوشیدہ اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھا ظاہر۔ جو کوئی اس کا انکار کرے کافر ہے اس کو ابن طاؤس نے ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں لَوْلَا عَلِیٌّ لَمْ تُخْلَقِ الاَنْبِیَاءُ (یعنے اگر علیؓ نہ ہوتے انبیاءؑ ہی نہ پیدا کئے جاتے) یہ روایت ابن معلم نے محمد بن حنفیہؒ سے کی ہے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ درجہ علیؓ کا انبیاءؑ کے درجہ پر فائق ہے اور انبیاءؑ علیؓ اور اُن کے شیعہ کی محبت سے متدین تھے اور چاہتے تھے کہ علیؓ کے شیعہ میں ہمارا حشر ہو یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ یہ بھی ابن طاؤس نے ذکر کیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ علیؓ کا حق خدا پر ثابت ہے۔ یہ سب ہفوات مخالف جملہ شریعتوں کے ہیں اور خصوصًا قرآن کے جھوٹا ٹھہرانے والے اور کفر اور زندیقی کی جڑ بنیاد۔

ہفوہ ہفتم۔ یہ کہ قرآن مجید کی تحریف کرتے ہیں اور خلافِ سابق اور لاحق قیاس کلام الٰہی کا تفسیر پر قیاس کرتے ہیں اُس حد کہ ادنی جو لوگ عقلاء میں سے ہیں اُس پر ہنستے ہیں۔ تمام تفسیریں جو اس فرقہ سے مخصوص ہیں سب ایسی ہی ہیں۔ بطور نمونہ چند مثالیں بیان کریں۔ مثلاً صراطِ مستقیم سے اس آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ المُسْتَقِیْمَ میں حُبِّ علیؓ مراد ہے۔ اور مراد اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ سے علیؓ اور اُن کی اولاد ہیں۔ یہ دونوں تفسیریں ایک دوسرے کو جھوٹا ٹھہراتی ہیں اور باہم کچھ ربط نہیں نظم قرآن سے۔ اور کہتے ہیں مراد وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ (یعنی بعض لوگوں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں ایمان لائے ہم اللہ تعالیٰ پر) نو آدمی ہیں عشرہ مبشرہ۔ اور کہتے ہیں کہ مراد رَبِّكَ سے ہر جگہ قرآن میں حضرت علیؓ ہیں۔ حتیٰ کہ اس آیت اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ (بے شک وہ ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور بے شک وہ اس کی طرف رجوع ہونے والے) اسی واسطے حضرت علیؓ کو مالک روزِ جزا کا جانتے ہیں۔ چنانچہ مکائد کے باب میں گذرا اور قریب آتا بھی ہے۔ اور کہتے ہیں وَكَانَ الكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا اَیْ فِیْ اَخْذِ الخِلَافَةِ (اور ہے کافر اپنے پروردگار پر دلیری کرنے والا یعنی خلافت لینے میں) حالانکہ کافر یہاں قطعًا بُت پرست ہے موافق دلیل ماقبل کے وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَلَا یَنْفَعُهُمْ الخ (اور پوجتے ہیں وہ سوا اللہ تعالیٰ کے اُس چیز کو جو نہ ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع) اور کہتے ہیں کہ معنی لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ، اَشْرَكْتَ فِی الخِلَافَةِ مَعَ عَلِیٍّ غَیْرَهٗ (اگر شرک کرے گا تو البتہ ضائع ہوں گے تیرے عمل یعنی دوسرے کو علیؓ کے ساتھ خلافت میں) اتنا نہیں سمجھے کہ اول میں اس آیت کے وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ بھی پڑا ہے (یعنی بے شک وحی کی گئی تیری طرف اور اُن لوگوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے) اور انبیاء کو خلافت کی شرکت میں چاہے غیر علیؓ کے ہو یا علیؓ کے کیا کام اور کیا امکان جس سے نہی واقع ہوتی۔ اور اگر نہی ہوئی تھی تو اوروں کو خلیفہ کیوں کیا و اگر حال ہمارے پیغمبرؐ کا فقط اور سب انبیاء کی طرف وحی فرمایا ہے اس منادی کی کیا ضرورت اور کیا حاصل۔ اور یہی سیاق آیت بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ (بلکہ اللہ کی عبادت کر اور ہو شکر کرنے والوں سے) اور اس کا سیاق قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّیْ اَعْبُدُ اَیُّهَا الجٰهِلُوْنَ (کہہ تو کیا پس سوا اللہ تعالیٰ کے حکم کرتے ہو مجھ کو عبادت کروں میں اے جاہلو!) دونوں صریح اس بات پر ناطق ہیں کہ مراد شرکت سے عبادت غیر خدا کے ہے۔ اور قاعدہ مقررہ شیعہ کا ہے کہ جب کوئی لفظ کلام شارع میں واقع ہو وہ معنی شرعی پر قیاس کیا جاتا ہے نہ کہ معنی لغوی پر علی الخصوص کہ معنی لغوی کا محتاج ضمیر کا ہو کہ ہرگز قرینہ اس کا موجود نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں کہ مراد سلطان سے آیت میں وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا بِاٰیٰتِنَا اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الغٰلِبُوْنَ (اور پیدا کریں میں تمہارے واسطے غلبہ پس نہیں پہنچیں گے وہ تمہاری طرف قوت غلبہ ہماری آیتوں سے اور جو لوگ کہ تابع تمہارے ہیں غالب ہیں) صورت حضرت علیؓ کی ہے جس وقت فرعون چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو کسی قسم کی ایذا پہنچائے یہ صورتِ علیؓ کو یاد کرتے تھے وہ ڈر جاتا تھا، حالانکہ قرآن میں غلبہ کو آیات کے ساتھ فرمایا ہے اور آیات صیغہ جمع کا ہے کم سے کم دو آیتیں تو ہونی چاہییں۔ اور صورت علیؓ کی اگر ہوگی تو ایک آیت ہوگی۔ اور بھی جہاں بیان آیاتِ موسیٰؑ کا حق تعالیٰ نے کلام مجید میں ان کے قصے میں فرمایا ہے دو ہی معجزوں کے ذکر پر اکتفا کیا عصا اور ید بیضا۔ جیساکہ سورۂ طٰہٰ میں فرماتا ہے:-

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَى لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى۔ پس ذکران دو آیت کا سہل اور چھوڑ دینا آیت عظمٰی کا مقام تعدد آیات میں مناسب شان بلاغت کے نہیں ہے اور علیؓ کی صورت نے فرعون میں اتنی تاثیر کی کہ ان کے نقش مبارک کے دیکھتے ہی مرعوب ہوجاتا تھا اور ابوبکرؓ و عمرؓ میں جسم حقیقی نے ان کے اتنی تاثیر بھی نہ کی کہ ان کو دیکھ کر کچھ نرم بھی نہ ہوئے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مراد رب سے يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ علیؓ ہیں۔ (اے نفس مطمئنہ! رجوع کر تو اپنے رب کی طرف) اور کہتے ہیں لَا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌّ مراد انس وجان سے شیعان علیؓ ہیں۔ (نہیں پوچھے جائیں گے گناہ اپنے سے نہ انسان نہ جن) پس علیؓ کے شیعہ سے گناہوں کی پرسش نہ ہوگی اس واسطے کہ علیؓ کی ولایت اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گی۔ اور جب گناہ ہی نہ رہیں گے تو پرسش کس بات کی ہوگی جیسا کہ ابن بابویہ اور ابن طاؤس نے ذکر کیا ہے اور سوا ان دونوں کے۔ اول تو یہ نہ سمجھے کہ انس و جان دونوں نکرہ ہیں یعنی غیر معین سیاق نفی میں اور وہ الفاظ عام سے ہیں جن کی خصوصیت کی علیؓ کے شیعہ سے مطلق کوئی وجہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص شیعہ میں سے اپنی ماں یا بہن سے زنا کرے اور اپنے بھائی سے اغلام اور تمام عمر شراب پی ہو اور سود کھایا ہو اور ہمیشہ جھوٹ بولتا اور غیبت کرتا رہا ہو تو چاہیے کہ کچھ اس سے پوچھا نہ جائے بلکہ یہ سب اس کے حق میں مثل نماز روزے کے موجب ثواب ہو جائیں یہ مذہب تو خود مذہب اباحیہ اور زندیقوں سے بھی نہایت دور نکل گیا۔ اس واسطے کہ یہ تو ان کاموں کو مباح ہی جانتے اور ان کے ارتکاب پر عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اور یہ تو اس پر ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں اور عبادتوں سے جانتے ہیں۔ اور بھی کہتے ہیں کہ جہاں کہیں قرآن میں حکم صبر کا ہے یا مدح صبر کرنے والوں کی ہے جیسے وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (بشارت دے صبر کرنے والوں کو) اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا (اے ایمان والو! صبر کرو) اور إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (بے شک پورے دیے جائیں گے صبر کرنے والے اجر اپنا بغیر حساب کے) سب مراد شیعہ سے ہے تا ظہور مہدی کہ جو مشقتیں ان پر ان کے مخالفوں سے پہنچتی ہیں حالانکہ تقیہ کی صورت میں کوئی مشقت ان کو نہیں پہنچتی پس صبر کی حاجت ہی کیا ہے اور اگر کوئی شیعہ ان تفسیروں سے جو ند کور ہوئیں انکار کرے ہم کہیں گے کہ یہ سب ان کی نہایت صحیح کتابوں میں موجود ہے جیسے کافی کلینی اور تفسیر علی بن ابراہیم اور تفسیر ابن بابویہ کہ اس کو امام حسن عسکریؒ کے ساتھ منسوب کیا ہے۔ اور بعض ان تفسیروں سے کتاب تنزیہ الانبیاء و الائمہ میں ہے جو شریف مرتضٰی کی ہے ان کتابوں کو مطالعہ کریں۔

❋ ہفوہ ہشتم۔ قیامت کے دن حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور علیؓ شیر خدا حاکم ہوں گے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا قول رد کرتا ہے مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ (یعنی مالک قیامت کے دن کا) اور لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ

لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (کس کا ملک ہے آج اللہ واحد قہار کا) يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ۔ (قیامت کا وہ دن کہ کوئی کسی کا مالک نہ بنے گا اور آج حکم ہوگا خاص واسطے اللہ کے)۔ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ، إلى غير ذٰلك الآيات (قیامت کا وہ دن ہے کہ کھڑی ہوں گی روح اور فرشتے صف در صف کوئی بات نہیں کر سکے گا مگر جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے گا۔ اور ان کے سوا جو آیتیں ہیں) اگر یہ خود حاکم ہوں گے تو شفاعت کے کیا معنی اور امت کو خوف و خطر ان کے ڈرانے سے کیوں ہو۔ اور بھی حساب قیامت اور وزن اعمال اور سوال اعمال ناموں وغیرہ اور قیامت کے ہولوں کو غیر شیعہ کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علیؓ کا محب ہر چند کافر ہوئے یا یہودی یا نصرانی یا ہندو دوزخ میں نہیں جائے گا۔ چنانچہ ابن بابویہ نے شرائع میں لکھا ہے اور نسبت اس کی روایتوں کی ابو عبداللہ سے کی ہے بطریق مفضل ابن عمرؓ سے۔ اور نیز روایت ہے معانی الاخبار اور شیعہ برابر اس مسئلے کے معتقد ہیں۔ اس صورت میں خدا و رسولؐ پر ایمان لانا اور تمام عقیدے اور شرعی تکلیفیں اور حدیں اور تعزیریں سب ساقط ہوئیں اور کوئی کام امور شریعت سے ضروری نہ رہا سوائے حب علیؓ کے۔ اس ہفوہ کے مفسدوں میں قیاس کرنا چاہیے کہ کہاں تک پہنچتے ہیں۔ حال میں یہ مذہب حمیریہ، معمریہ کا ہو گیا ہے اثنا عشریہ کا نہیں رہا۔

❋ ہفوہ نہم۔ یہ کہتے ہیں کہ عمرؓ بن خطاب نے تدبیر قتل حضرت مرتضٰیؓ کی کی تھی اور حیلے اٹھائے تھے۔ یہ روایت علی بن مظاہر کی بواسطہ حذیفہ کے ہے۔ حالانکہ محبت حضرت عمرؓ کی علی مرتضٰیؓ سے اور ان کی توقیر اور اپنی سسرال ہو جانے پر فخر کرنا اور اس کی تفضیل اور حسنینؓ کی اور روایتیں اور فضیلتیں ان کی برابر منقول ہیں۔ اور شرح نہج البلاغہ میں کہ اکثر اس کے مصنف شیعہ ہیں مذکور و مشہور۔ اور شریف مرتضٰی نے کتاب تنزیہ الانبیاء والائمہ میں تصریح کی ہے إِنَّ عُمَرَ كَانَ مُظْهِرًا لِلْإِسْلَامِ وَالْمُتَمَسِّكَ بِشَرَائِعِهِ كُلِّهَا (بے شک عمرؓ اسلام ظاہر کرنے والے تھے اور وہ عمل کرتے تھے تمام احکام اسلام پر) اور جو کوئی ایسا ہوگا اس سے ارادہ قتل کسی مسلمان اور ایسے مسلمان کا کیوں کر تصور کیا جائے گا۔

❋ ہفوہ دہم۔ کہتے ہیں کہ جو کوئی فلاں فلاں کو ستر دفعہ لعنت کرے ستر نیکیاں اس کی لکھی جائیں اور ستر گناہ اس کے مٹ جائیں اور ستر درجے بہشت میں اس کے مقرر ہوں اس کو ابو جعفر طوسی نے "ما رواہ من المختلفات عن الصادق" میں ذکر کیا ہے۔ اور یہ محض جھوٹ ہے اس لیے کہ بدوں کو بد کہنا کسی شریعت میں موجب ثواب کا نہیں ہے۔ شیطان کہ سب بدوں کا رئیس ہے علیہ اللعنۃ اس کا برا کہنا بھی رتی بھر نیک نہیں ہے وَقَدْ صَحَّ عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ أَنَّهُ لَمَّا سَمِعَ أَصْحَابَهُ يَسُبُّونَ أَهْلَ الشَّامِ قَالَ إِنِّي أَكْرَهُ لَكُمْ

اَنْ تَكُوْنَ اَسْبَابِیْنَ کذا فی نہج البلاغۃ۔ اور لعین عمرؓ کو افضل ذکرِ خدا سے جانتے ہیں۔ جیسا کہ ہشام احول نے حضرت صادقؒ سے بطریق متعدد نقل کی ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ولذکر اللہ اکبر اور حال ہشام احول کا معلوم ہے کہ بارہا حضرت صادقؒ پر جھوٹ لگایا اور انھوں نے اس کو مفتری و کذاب کہا ہے کَمَا مَرَّ غَیْرَ مَرَّۃٍ جیسا کہ بارہا گذرا۔

هفوه یازدہم۔ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کرامٌ کاتبین کو فرمایا کہ قتلِ عمرؓ سے تین روز تک تمام مخلوق سے قلم اٹھالیں اور کسی پر کوئی گناہ نہ لکھیں رَوَاہُ عَنِ ابْنِ الْمَظَاهِرِ الْوَاسِطِی عَنْ اَحْمَدَ بْنِ اِسْحٰقَ الْقُمِّیِّ عَنِ الْعَسْکَرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْمَا حَکَاہُ عَنْ رَبِّہٖ عَزَّ وَجَلَّ۔ اور یہ روایت صریح افترا و جھوٹ ہے اس لیے کہ مخالف اصول شریعت کے اور متواتر کو جھوٹ ٹھہرانے والی۔ بیان اس کا یہ ہے کہ اگر فرض کریں کہ ایک شخص اول روز قتلِ عمرؓ کے حدِ بلوغ کو پہنچا اور اس تین دن میں بت پرستی کی اور ماں بہن سے زنا کیا اور سبِ علیؓ یعنی دشنامِ علیؓ کا وظیفہ شروع کیا اور چوری اور شراب پینا اور اغلام اور قتل اور تمام گناہ کبیرہ پر دلیر رہا۔ آخر تیسرے دن مرگیا چاہیے کہ بے حساب بہشت میں جائے بطلانہ لایخفی علی احد من اهل الدین والعقل (اس کی بیہودگی اہل دین اور عقل سے چھپی نہیں ہے)۔

هفوه دوازدہم۔ اَلتَّیْمِیُّ وَالْعَدَوِیُّ کَانَ لَہُمَا صَنَمَانِ یَعْبُدَانِہِمَا دُوْنَ اللّٰہِ (ابوبکرؓ و عمرؓ ان دونوں کے دو بت تھے جن کی پرستش کرتے تھے سوا خدا کے) آبان بن عیاش وغیرہ نے سلیم بن قیس ہلالی سے یہ روایت کی ہے اور اس نے یہ تہمت سلمان فارسیؓ پر لگائی۔ اس هفوه کی فضیحت تعصبات میں گزری۔

هفوه سیزدہم۔ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ پشتِ خطاب سے نہ تھے ولد الزنا تھے۔ حالانکہ سیکڑوں جگہ امیر المؤمنینؑ کے کلام میں اور ائمہ کے ان کو ابن الخطاب کہا ہے۔ اور حضرت حفصہؓ بنتِ عمرؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نکاح میں لائے۔ اور حضرت امیرؓ نے اپنی لڑکی عمرؓ کو دی اگر ایسا ہوتا تو کلامِ معصوم میں جھوٹ بھی لازم آتا ہے اور سمدھیانہ بھی زنا کی اولاد کے ساتھ ان بزرگواروں کا واقع ہوتا ہے۔ معاذ اللہ من ذٰلک۔ اور عمرؓ کے نفی نسب پر امامیہ کا اجماع ہے۔ چنانچہ ان کے علماء نے نسب کی کتابوں میں لکھا ہے (منهم عَمِیْدُ الدِّیْنِ النَّجَفِیُّ صَاحِبُ بَحْرِ الْاَنْسَابِ ونقل الاجماع علی ذٰلک حسن بن سلیمان العذری فی مُلْتَقَطَاتِہٖ)

هفوه چہاردہم۔ کہتے ہیں کہ ہر سال موسم حج میں منٰے میں ابوبکرؓ و عمرؓ کو فرشتے ویسے ہی تازہ بتازہ نکالتے ہیں اور مقام رمی جمار میں دونوں کو سولی پر چڑھاتے ہیں رَوَاہُ اَبُوالْخَضِرِ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ

جَدِّہٖ عَنِ الْبَاقِرِ۔ اور یہ هفوه بھی ایسا ہے جیسے دیوانوں کی بک۔ اور بڑا افترا حضراتِ ائمہؑ پر۔ اس واسطے کہ دار الجزاء آخرت ہے نہ کہ دنیا وَمِنْ وَّرَآئِہِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ اس کے ساتھ یہ کہ محسوس نہیں۔ اس واسطے کہ چھے لاکھ آدمی حاجی اُس مکان میں جمع ہوتے ہیں نہ کوئی دیکھتا ہے نہ بیان کرتا ہے کہ کسی کو وہاں سولی دی ہو۔ اگر یہ کہیں کہ حاجیوں کو دکھانا منظور نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ عذابِ قبر میں کیا کوتاہی تھی کہ فرشتے اُن کو قبر سے نکالیں اور سولی دیں اور بازارِ منٰے میں لائیں اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ حاجیوں کو دکھائیں تاکہ ان کو عبرت ہو۔ اور ان کے حق میں جو ان کو اعتقادِ نیک مردی کا ہے اس سے توبہ کریں اور وہ فضیحت ہوں کہ ایسے مجمع عظیم میں یہ سزا و ذلت واقع ہو۔ اور جب کسی نے نہ دیکھا تو اس سزا سے کیا حاصل اور نکالنا اور لانا بالکل عبث و لغو۔ اور اللہ تعالیٰ فعل عبث سے پاک ہے جیسا کہ عقائدِ شیعہ میں بھی مقرر ہے۔

هفوه پانزدہم۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ و عمرؓ کو ہجرت کے سفر میں اس سبب سے ساتھ لیا تھا کہ کفارِ قریش کو نہ بتادیں کہ اس سمت کو گئے ہیں۔ اس هفوه کا بطلان ایسا نہیں کہ محتاج بیان کا ہو۔ کیا ضرور تھا کہ ابوبکرؓ کو اس ارادے پر اطلاع فرماتے اور ٹھیک دوپہر گرمی کے وقت ان کے گھر جاکر مشورہ نکلنے کا کیا اور توشہ اور سواری ان سے لی اور سفر کا کھانا اور اُس وقت کا اُن کے گھر سے ان کی لڑکی سے تیار کرانا۔ پھر عامر بن فہیرہ ابوبکرؓ کے چیلے کو راہ بتانے والا ٹھیرایا اور سواری کے اونٹ اس کو سونپے، اور عبد اللہؓ ابوبکرؓ کے بڑے بیٹے کو بطور جاسوس اور ہرکارے کے چھوڑا کہ رئیس قریش کے جو تدبیر و مشورہ کہ آپ کی طلب و تلاش میں کریں راتوں رات اس کی خبر غار میں ان کو پہنچائے۔ اور حق تعالیٰ نے کس واسطے ابوبکرؓ کے حزن و اندوہ کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تسلی دینے کو ساتھ القائے معرفت غامضہ معیت کے بیان فرمایا اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (جس وقت کہ کہتا تھا اپنے ساتھی سے مت غم کر بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے) ساری غرض شیعہ کی یہ ہے کہ اس سفر کی صحبت و رفاقت میں بزرگی اور بہت بڑی فضیلت ابوبکرؓ کی مشہور ہے چاہتے ہیں کہ اس فضیلت کو نقصان و برائی کی طرف لوٹائیں لیکن ایک بات سے تمام واقعہ کو ادھر اُدھر تحت و فوق میں کیسے جھوٹا کر سکیں گے ہر طرف سے جھوٹا کرنے والے ان کی بات کے پیدا ہوتے ہیں اور آبرو ان کی خاکِ ذلت میں ملاتے ہیں وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ (ارادہ کرتا ہے اللہ کہ سچ کو سچ کرے اور جھوٹ کو جھوٹ اگرچہ گنہگار اس کو مکروہ جانیں) اسی واسطے ملا عبد اللہ مشہدی نے جس کی کتاب اظہار الحق ہے اس قصہ میں بعد نہایت سعی و تلاش کے کہا ہے کہ از راہِ انصاف نفس الامر یہی بات ہے کہ یہ گمان نہایت بعید ہے۔

اور تعجب ہی کیا ہے کہ خلیفۂ اول کو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خسر تھے اور مسلمان ہونے میں بھی بہتوں سے سابق اور اکثر اوقات آپؐ کی صحبت کے ملازم اور ہمیشہ حاضر باش خدمت، اس سفر میں اپنے ساتھ کے لیے اختیار کیا ہو اور ان کی صحبت سے الفت رکھی ہو۔ اِنْتَہٰی کَلَامُہٗ بِلَفْظِہٖ (ختم ہوا کلام اس کا لفظ بلفظ) اور قاضی نور اللہ شوستری نے بھی مجالس المؤمنین میں صریح لکھا ہے کہ اس بحث میں سستی ہے۔ والحمد للہ۔

قَالَ الْمُفَسِّرُ النَّيْسَابُوْرِيُّ ثُمَّ اَنَّا لَا نُنْكِرُ اَنَّ اِضْطِجَاعَ عَلِيٍّ عَلٰى فِرَاشِهٖ طَاعَةٌ وَّفَضِيْلَةٌ اِلَّا اَنَّ صُحْبَةَ اَبِيْ بَكْرٍ اَعْظَمُ لِاَنَّ الْحَاضِرَ اَعْلٰى مِنَ الْغَائِبِ لِاَنَّ عَلِيًّا مَا تَحَمَّلَ الْمِحْنَةَ اِلَّا لَيْلَةً وَّاحِدَةً وَّ اَبُوْبَكْرٍ مَكَثَ فِي الْغَارِ اَيَّامًا وَّاِنَّمَا اخْتَارَ عَلِيًّا لِلنَّوْمِ عَلٰى فِرَاشِهٖ لِاَنَّهٗ كَانَ صَغِيْرًا لَّمْ يَظْهَرْ مِنْهُ دَعْوَةٌ بِالدَّلِيْلِ وَالْحُجَّةِ وَلَا جِهَادٌ بِالسَّيْفِ وَالسِّنَانِ بِخِلَافِ اَبِيْ بَكْرٍ فَاِنَّهٗ دَعَا حِيْنَئِذٍ جَمَاعَةً اِلَى الدِّيْنِ وَقَدْ ذَبَّ عَنِ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ وَكَانَ غَضَبُ الْكُفَّارِ عَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ اَشَدَّ مِنْ غَضَبِهِمْ عَلٰى عَلِيٍّ وَلِهٰذَا لَمْ يَقْصُدُوْا عَلِيًّا بِضَرْبٍ وَّاَلَمٍ لَّمَّا عَرَفُوْا اَنَّ الْمُضْطَجِعَ هُوَ۔ اِنْتَهٰى۔

کہا مفسر نیشاپوری نے کہ ہم کو اس سے تو انکار نہیں کہ علیؓ کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سونا طاعت و فضیلت ہے مگر یہ کہ رفاقت ابوبکرؓ کی بہت بڑھ کر ہے اس لیے کہ غائب سے حاضر کا درجہ اعلیٰ ہے علیؓ نے تو ایک رات کی محنت اٹھائی اور ابوبکرؓ غار میں چند روز رہے۔ صرف یہ بات ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو جو اپنے بستر پر سلانا اختیار کیا اس واسطے تھا کہ علیؓ خورد سال تھے ان سے یہ بات کہ مخلوق کی دعوت کریں گے دلیل و حجت کے ساتھ یا تلوار و نیزے سے ظاہر نہیں ہوتی تھی بخلاف ابی بکرؓ کہ بیشک کہ انہوں نے دعوت کی لوگوں کو دین کی طرف اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دفع کیا جان و مال سے اور جیسا غضب سخت کافروں کا ابوبکرؓ پر تھا ایسا علیؓ پر کہاں تھا اسی سبب سے قصد علیؓ کا نہ کیا، نہ مارنے میں نہ دکھ دینے میں جب پہچان لیا کہ وہ سوتے ہیں۔

ہفوہ شانزدہم۔ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن پوست بدن فلاں عورت کا اصحاب کہف کے کتے کے پوست سے بدل کریں گے اور یہ لفظ بلعم باعورا کے حق میں نازل ہوا۔ انہوں نے بلعم باعورا کو جو سزاوار اس سزا کا نہ دیکھا بطور اصلاح کے اپنا تصرف کیا اور ایسی روایت کی ہمیشہ قاعدہ اس فرقہ کا یہی ہے کہ جو کافر منصوص الکفر ہیں یعنی ان کا کفر بہ نص ثابت ہے اللہ تعالیٰ و رسولؐ کے کلام سے جنہوں نے نبیوں اور رسولوں سے حد درجہ کی عداوتیں کی ہیں اور قرآن مجید ان کی شقاوتوں پر ناطق ان کو کبھی برا نہیں کہتے اور ان کے بدحال کو شمار میں نہیں لاتے۔ بلکہ جو کچھ ان کے حق میں عذاب واقع ہے زیادہ ان کے مرتبہ سے جان کر حضرتؐ کے خلیفوںؓ اور

ازواج مطہراتؓ میں روایت کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث میں اصلاح کرتے ہیں۔ مگر یہ اصلاح ایسی ہے جیسے کسی احمق نے بعض آیاتِ قرآن میں اصلاح دی تھی عَصٰی مُوْسٰی رَبَّهٗ وَخَرَّ عِيْسٰی جب اس سے پوچھا کہا عصا موسیٰ کا تھا نہ کہ آدم کا اور گدھا عیسیٰ کا تھا نہ کہ موسیٰ کا۔ اور اس ہفوہ کی تکذیب میں قرآن ناطق ہے قولہ تعالیٰ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (ارادہ کرتا ہے اللہ تاکہ کھو دے تم سے نجاست لے اہل بیت اور پاک کر دے تم کو نہایت پاک کرنا) اور کتے کا پوست اگرچہ اصحاب کہف کا کتا ہو نجس ہی ہے۔ وقولہ تعالیٰ اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ (یعنی پاکیزہ عورتیں واسطے پاکیزہ مردوں کے ہیں اور پاکیزہ مرد واسطے پاکیزہ عورتوں کے اور وہ بری ہیں اس سے جو کچھ وہ کہتے ہیں) وقولہ تعالیٰ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ (نہیں حلال ہیں تجھ کو عورتیں بعد اس کے نہ بدلنا ان کو عورتوں سے) جب بدلنا ان ازواج کا اور ازواج سے جائز نہ ہوا تو کتے ناپاک سے بدلنا کیسے جائز ہوگا۔ اور اس ہفوہ کو دیکھنا چاہیے کہ مضمون آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا (بے شک جو لوگ کہ ایذا دیتے ہیں اللہ و رسول کو لعنت ہے ان پر اللہ و رسول کی دنیا و آخرت میں اور تیار ہے ان کے واسطے عذاب ذلت کا) کیسا چپکا ہوا ہے۔ لیکن عذر ان کا ظاہر ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم عداوت عائشہؓ سے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے اگرچہ ایمان ہمارا جو خدا و رسول پر ہے برباد کیوں نہ ہو جائے۔ بیشک مردوں کا کام یہی ہے، شاباش صد آفریں۔

ہفوہ ہفتدہم۔ کہتے ہیں جتنی زمین پر کہ بدن معصوم کا لگتا ہے کعبہ سے ہزاروں درجہ بہتر ہے اس پر نص کی ہے ان کے شیخ مقتول نے دروس وغیرہ میں۔ یہ ہفوہ بھی صریح باطل ہے اس واسطے کہ اس صورت میں لازم آتا ہے کہ بت خانے اور عبادت خانے یہود و نصاریٰ کے اور معبد رہبان کے اور آتش خانے مجوس کے اور ہیکلیں بتوں کی کہ جہاں کہیں معصوم کا گزر پڑے سب کعبہ سے بہتر ہوں خصوصاً جو منزلیں کوفہ اور صفین کے بیچ میں ہیں بلکہ گھر خلفائے عباسیہ کے کہ ان میں چند ائمہ معصومین قید ہوئے تھے کعبہ معظمہ سے ہزاروں درجہ افضل ہو۔ اور معاویہؓ کا گھر جہاں حضرت امام حسینؓ بتقریب بیمار پرسی کے گئے تھے اور اسی گھر میں یزید پیدا ہوا۔ یہ بھی ہزاروں درجہ کعبہ سے بہتر ہو سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

ہفوہ ہژدہم۔ خود ٹھہرالیا ہے کہ صاحب حکم اور بادشاہ حقیقی اور امام معصوم مہدی منتظر ہیں سوائے اس کے کسی کو حدیں شرعی قائم کرنا اور فیصلے جھگڑوں کے اور تعزیریں جاری کرنا اور جمعہ قائم کرنا اور جماعت پڑھانا یہ کسی کا حق نہیں ہے۔ جو کوئی ان کاموں میں بدون اس کے اذن کے دخل کرے بدکار و گنہ گار ہے۔

پھر خود ہی کہتے ہیں کہ جب تک مہدی موجود نہیں ہے امر شریعت کے راجع اُس مجتہد کی طرف ہوں گے جس میں شرطیں نیابت کی جمع ہوں یعنی وہ شخص کہ درجۂ اجتہاد کو پہنچا ہو اُس کے زمانہ میں اُس کے سوا کوئی اعلم نہ ہو۔ پس وہ قائم مقام امام معصوم کے ہے ہر چیز میں سوائے جہاد کے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ وہ طعنے جو اہلِ سنت پر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ (امتی) خلیفۂ رسول اپنی طرف سے مقرر کرتے ہیں باجماع بے نص پیغمبر کے اور اس کے دین میں تصرف کرتے ہیں، کہاں گئے اور کیوں حرکتِ مطعونہ کو عمل میں لاتے ہیں کہ اس مسئلہ پر سب امامیہ متفق ہیں۔ اس کے سوا ایک اور خبط واقع ہوا کہ سب سے بڑھ کر اعلم ہونا اس آدمی کا اس زمانہ کے سارے عالموں سے کہ تمام شرق و غرب میں پھیلے ہوئے ہوں گے نہایت مشکل باتوں سے ہے بلکہ محال، اس کے ساتھ یہ کہ بعض اپنے عالموں سے کہ باجماع ان کے معتقد ہیں اور ان کو امام کے قائم مقام پکڑے ہیں امر و نہی سے ان کے باہر نکل کر نہیں جاتے جیسے ابن بابویہ اور ابن معلم اور سید مرتضیٰ اور ابن مطہر حلی اور شیخ مقتول اور سوائے ان کے جن کا اعلم ہونا اپنے زمانے میں ثابت نہ ہوا کیا کہیں گے کہ جب شرط نیابت کی علم باعلم ہے تو ضرور دو شق لازم آئیں گی بیکار رہنا احکام شرعیہ یا خلاف قول معصوم کے ان دو آفت سے بچنا محال ہے۔

هفوہ نوزدہم۔ جہاد کو سوائے وقتِ محدود کے فاسد جانتے ہیں اور گناہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید اور متواتر حدیثوں سے فضیلت جہاد کی ہر وقت میں ثابت ہے اور عاقل بھی حکم کرے گا کہ جب جہاد اسی واسطے واجب ہوا ہے کہ دشمن دین کے دفع ہوں اور اللہ کی باتیں بلندی پکڑیں جب تک کہ دشمن موجود ہوں اور اللہ کی باتیں محتاج بلند کرنے کی ہوں جاری رکھنا چاہیے۔ باوصف ثبوت ان دو باعث کے جہاد ترک کرنا ایسا ہے جیسے مادہ مفسد موجود ہے اور تنقیہ نہ کرنا یا اعضائے رئیسہ میں ضعف ہے اُن کو قوت نہ پہنچانا۔

هفوہ بستم۔ کلام اللہ کو قرآن منزل نہیں جانتے محرف عثمانؓ کا سمجھتے ہیں یعنی ان کا بدل ڈالا ہوا۔ کیا خوب! کاش اسی عقیدے پر ثابت رہیں لیکن اپنے ائمہ سے روایت کرتے ہیں کہ اسی کلام محرف کو نماز میں پڑھا کرتے تھے اور ثواب ہی کی نیت سے پڑھتے تھے اور اسی کی آیات کو شریعت کے حکموں میں دلیل کرتے تھے اور تمام ائمہ یہی کلام محرف تلاوت کرتے تھے اور مُردوں کو اس کا ثواب بخشتے تھے اگر وہ عقیدہ ہے تو یہ حرکتِ لغو کیا ہے۔

هفوہ بست و یکم۔ کہتے ہیں کہ دابۃ الارض سے مراد حضرت امیر المومنینؓ ہیں قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ خدا ان کو مارے کیسے بے ادب ہیں۔ اور وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ اس آیت کی کلینی نے بھی تفسیر کی اور تہمت افترا کی امام ابو جعفر کو لگائی کہ یہ روایت کرتے ہیں حضرت امیر المومنینؓ سے إِنَّهُ قَالَ أَنَا الدَّابَّةُ الَّتِي تُكَلِّمُ النَّاسَ (بے شک میں وہ دابہ زمین کا ہوں کہ لوگوں سے

باتیں کرتا ہوں) حالانکہ قرآن مجید میں صریحاً مذکور ہے کہ جب دابۃ الارض نکلے گا قرب قیامت کا ہوگا اور لوگوں پر ہلاکت پڑے گی۔ اور زمانہ حضرت امیرؓ کا اُس وقت سے بہت مقدم ہے اور حسب زعم امامیہ کے ان کے لوٹنے کا زمانہ وقت امام مہدی کا ہے اور ابھی قیامت کی مہلت دراز۔

هفوہ بست و دوم۔ عاریت دینا فرج چھوکریوں کی اور اپنے حرموں کی مہمانوں اور دوستوں کے واسطے بہترین عبادتوں سے ہے اور بہت بڑی طاعتوں سے جانتے ہیں اور بڑا ثواب اُس پر روایت کرتے ہیں اور ابن بابویہ صاحب نے رقاع مزورہ یعنی فریب کے رقعے صاحب زمان یعنی امام مہدی کی طرف سے نقل کیے ہیں جن کے پڑھنے سے ہر مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور پھر ایسی بے غیرتی اور بے ناموسی کی نسبت ایسے عالی حضرتوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

هفوہ بست و سوم۔ عورتوں کے متعہ کو سب عبادتوں اور طاعتوں سے افضل و بہتر جانتے ہیں تفسیر میر فتح اللہ شیرازی میں بذیل اس آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً (پس جو کچھ کام میں لاؤ اس کو عورتوں سے تو دو اُن کو اُجرت ان کی مقرری) ابن بابویہ سے نقل کی ہے۔ اور وہ حضرت امام جعفرؒ سے روایت کرتا ہے کہ اگر کسی عورت کو متعہ کرے خَالِصًا مُخْلِصًا لِوَجْهِ اللّٰهِ جو بات کہ اُس سے کرے اللہ تعالیٰ اس کی ہر بات پر ایک نیکی لکھے۔ اور جو اُس سے صحبت کرے اللہ تعالیٰ اس کے سب گناہ بخش دے اور جو غسل کرے حق تعالیٰ اس کے ہر بال کی گنتی کے موافق جس پر پانی اترا ہے مغفرت اور رحمت اس کو بخشے۔ پس بموجب اس روایت کے آدمی کو عمر بھر میں ایک متعہ کرنا گناہ بخشوانے کو کافی ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس تفسیر میں روایت لایا ہے کہ جو کوئی دنیا سے جائے اور اس نے متعہ نہیں کیا ہے قیامت کے دن بدصورت و بدہیئت ہوگا جیسے کسی کی ناک کاٹ ڈالی ہو۔ اور بموجب اس روایت کے معاذ اللہ انبیاء وائمہ کہ بالاتفاق انہوں نے متعہ نہیں کیا ہے اس فضیحت میں گرفتار ہوں گے۔ اور نیز تفسیر مذکور میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہے کہ جو کوئی ایک بار متعہ کرے درجہ اس کا مثل درجہ حسینؓ کے ہو اور جو دو بار متعہ کرے درجہ حسنؓ کا پائے اور جو تین بار متعہ کرے درجہ اس کا علیؓ کے درجہ کو پہنچے اور چار بار میں درجہ میرا ہے۔ ایک پٹھان خوش طبع نے یہ روایت سنی اور کہا کہ اس روایت میں کوتاہی کی ہے چاہیے تھا کہ پانچ بار متعہ کرنے کے ثواب کو خدائی کا مرتبہ حاصل ہونا قرار دیتے تو متعہ کی بزرگی اچھی طرح ثابت ہوتی۔ اور بھی سلمان فارسیؓ سے اور مقداد اسود کندی اور عمار یاسر رضی اللہ عنہم سے اسی تفسیر مذکور میں مروی ہے کہ کہا ہے ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور خطبہ بلیغ پڑھا۔ بعد اس کے فرمایا کہ اے لوگو! جانو کہ بھائی جبریل نے مجھ کو ایک تحفہ اپنے پروردگار کے پاس سے پہنچایا کہ وہ متعہ کرنا ہے مؤمن عورتوں کے ساتھ۔ اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو

یہ تحفہ عطا نہ ہوا اور میں تم کو اس کا حکم دیتا ہوں کہ یہ میری سنت ہے میرے زمانہ میں۔ اور میرے بعد جو کوئی اس کو مجھ سے قبول کرے اور اس پر عمل کرے وہ مجھ سے ہوگا۔ اور جو کوئی مخالفت کرے جو کچھ میں نے حکم کیا گویا اُس نے خدا سے مخالفت کی۔ اور جان لو کہ اہلِ مجلس سے ایک شخص ہے کہ مخالفت میری کرے اور اس کو باطل ٹھہرائے بغض کے سبب سے جیسا کہ اس کو مجھ سے ہے پس میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ شخص دوزخی ہے خدا کی لعنت اس پر ہوگی جو میرا مخالف بنے گا اس سبب سے کہ جو اس سے انکار کرے وہ گویا منکر میری نبوت کا ہوا اور اُس نے مخالفت خدا کی کی، اور مخالف خدا کا بے شک دوزخی ہے۔ اور جو عمر بھر میں ایک دفعہ متعہ کرے گا بہشتی ہوگا۔ جب عورت اپنے مردِ متعہ کے پاس بیٹھے گی ان پر فرشتہ اترے گا اُن کی رکھوالی کرے گا اُس وقت تک کہ اُس مجلس سے اٹھیں۔ اگر آپس میں باتیں کریں وہ ان کے لیے ذکر و تسبیح ہوگا اور جب ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں گے جو گناہ انہوں نے کیے ہیں سب ان کی پوروں سے چھوٹ پڑیں گے اور جو ایک دوسرے کو چومیں گے اللہ تعالیٰ ہر بوسہ کے عوض میں ایک حج و عمرہ کا ثواب ان کے واسطے لکھے گا جیسے اونچے اونچے پہاڑ اور جب اٹھ کر غسل میں مشغول ہوں گے حق تعالیٰ فرشتوں سے کہے گا دیکھو یہ دو بندے میرے ہیں جو اٹھے ہیں اور غسل میں مشغول ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ میں ان کا پروردگار ہوں تم گواہ ہو کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ اور بال بال پر ان کے جس پر ہو کر پانی غسل کا اُترے گا اللہ تعالیٰ ایک نیکی لکھے گا اور برائی مٹائے گا اور دس درجے بلند کرے گا۔ یہ سن کر امیر المؤمنین علی علیہ السلام اٹھے اور پوچھا یا رسول اللہ! جو شخص کہ اس مقدمہ میں کوشش کرے وہ کیا بدلہ پائے گا؟ فرمایا اس کو بھی وہی بدلہ ہے جو مردِ متمتع اور عورتِ متمتعہ کو ہے۔ اس کے بعد فرمایا اے علی! جب مردِ متمتع اور عورتِ متمتعہ غسل سے فارغ ہوں گے جو قطرہ پانی کا کہ ان کے بدن سے گرے گا اللہ تعالیٰ اس سے ایک فرشتہ پیدا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی وہ تسبیح و تقدیس کرے گا اُس کا ثواب اس غسل کرنے والے کو ملے گا قیامت تک۔ اے علی! جو کوئی اس سنت کو سہل و سرسری جانے گا اور اس کو مباح نہیں کرے گا وہ میرے شیعہ سے نہیں ہے میں اس سے بیزار ہوں۔

ان روایتوں میں غور کرنا چاہیے کہ تمام شریعتوں سے کس قدر مخالف ہیں نکاح کو بالاتفاق سنت انبیاء کی ہے اُس کو کسی نے نہیں کہا کہ اس سے گناہ مٹ جاتے ہیں اور درجے بڑھ جاتے ہیں سو رہ گیا یہ فعل فاحشہ پلشت یعنی پلید کسی دین و آئین میں منی نکالنے اور اپنے حظِ نفس اٹھانے پر اس قدر ثواب بلکہ ان کا سواں حصہ بھی نہیں ٹھیرایا ہے۔ یہ عجب دین اور طرفہ آئین ہے کہ جس میں خدا کے دشمنوں سے لڑنا اور رمضان کی راتوں میں تمام قرآن پڑھنا جس کی مدح و صفت تمام قرآن میں ہے یہ تو بہت بڑا گناہ اور نہایت کبیرہ ہو۔ اور یہ قیام رات بھر کا اور محنت نفس کی جو عورت متمتعہ سے رات بھر رہے ایسی عبادت ہو کہ ایک دفعہ کرنے میں درجہ امامت کا اور چار دفعہ کرنے میں درجہ نبوت اور ختم رسالت کا حاصل ہو۔ حیف صد حیف کہ قرآن مجید خاص ان واسطے نازل ہوا کہ جن چیزوں پر

ثواب واجب ہے اور جنت میں پہنچنے کی جو راہ ہے اس کو بتائے۔ اور یہ جو بڑی بڑی عبادتیں ہیں جن کی فضیلتیں اور تعریفیں مذکور ہوئیں کیا وجہ ہے کہ ان کی کہیں اُس میں کبھی بُو بھی نہیں پائی جائے۔ اور ایسی راہ سہل مزے دار سے اس میں ایک روزن بھی نہیں کھولا بڑا مزہ بگڑ گیا اور جس راہ سیدھی سے انبیاء اور ائمہ کے درجوں کو پہنچ جاتے مطلق نہیں معلوم ہوئی۔ اگر چند روایتیں ضعیف واہی ابن بابویہ کی تھیلی میں یا میر فتح اللہ شیرازی کے پٹارے میں لتہ حیض کی طرح دبی چھپی رہیں اور کسی نے ان کو یقین نہ کیا تو کیا لطف اور کون سا احسان۔ ایسے عمدہ مطلب کو تو چاہیے تھا قرآن میں بار بار ذکر کرتے جیسے نماز روزہ اور جہاد و حج تو خاص و عام اس کو معلوم کرتے اور ہر طفلِ مکتب بھی اس کی تلاوت کرتا تاکہ مشہور و متواتر ہو جاتی۔ علی بن احمد ہیثی کہ فرقہ امامیہ کے بڑے عالموں سے ہے ابھی عن قریب کربلائے معلی میں گزرا ہے اور امام جامع مسجد جابر اور وہاں کا خطیب تھا اور ان کے مجتہد واجب الاطاعة سے اور اور بڑے بڑے علماء نے ان کے کہا ہے کہ متعہ دوریہ باجماع فرقہ امامیہ کے جائز ہے کہ ایک عورت کو چند آدمی ایک رات کے واسطے متعہ کریں ہر ایک ایک ساعت یا دو ساعت کے واسطے۔ اور بھی کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یعنی امامیہ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ متعہ ذوات البعال یعنی شوہر والی عورتوں کا بھی جائز ہے جب کہ یہ عورتیں ان کی سنی ہوں اس لیے کہ نکاح اہلِ سنت کا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے پس گویا جورُوئیں (بیویاں) ان کی بے شوہر ہیں اور متعہ بے شوہر والی کا بالاجماع جائز ہے اور متعہ ہنود اور مجوسی عورتوں سے بھی جائز ہے بشرطیکہ زبان اس کی لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ ہلے گو اس کے دل میں اس کے معنی سے کچھ نہ ہوں۔ الحاصل جب متعہ بہت بڑی عبادت ہے لہٰذا اس کو وسعت دینا ضروری ہے تاکہ کوئی شخص کسی وقت میں اور کسی جگہ اس کے ثواب بے حساب سے محروم نہ رہے۔

خاتمۃ الکتاب و فذلکۃ الحساب

جاننا چاہیے کہ جب اختلاف امت کا مذہبوں میں پیدا ہوا کہ کوئی گروہ سنی ہو گیا کوئی شیعہ تو لازم ہے کہ نشانیاں اصل و حقیقت ہر ایک مذہب کی دونوں فریق سے کلام اللہ اور اہلِ بیت کے قولوں سے جستجو کریں کہ کونسا مذہب بالاتفاق کفار سے مشابہت رکھتا ہے اور کون چاہِ ضلالت میں گرفتار ہے اور کون اس مشابہت و ضلالت سے برکنار۔ اس بات کو غور و لحاظ کریں۔ اس لیے کہ جب آپس میں جھگڑا اور نزاع ہوتا ہے تو ایک دوسرے کی روایتوں کو نہیں مانتے ہیں لہٰذا جس پر اللہ کی کتاب اور قولِ عترت کے گواہی دیں اُس مذہب کی اصل و حقیقت کو ہم سچ جانیں اور اس کے مقابل کو باطل سمجھیں۔ اس لیے کہ جو مذہب کفار کے آئین و وضع سے مشابہت تمام رکھتا ہے وہی باطل ہے اور جو خلاف اس کے ہے وہی حق ہے۔ پس اول ہم نے قرآن مجید میں نظر کی تو

بہت آیتیں پائیں کہ اہل سنت کے مذہب کی حقیت کو بتاتی ہیں اس موقع پر تبرکاً موافق شمار اثنا عشریہ کے بارہ آیتیں تلاوت کریں :-

آیتِ اوّل

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ، الآیۃ

محمدؐ رسول اللہؐ کے ہیں اور وہ لوگ کہ ان کے ساتھ ہیں سخت ہیں کافروں پر، رحیم اپنے آپس ہیں، دیکھے گا تو ان کو رکوع و سجود میں کہ چاہتے ہیں فضل کو خدا سے اور رضامندی، ان کی صورتوں میں نشان ہیں نمانہ کے، آخر آیۃ تک۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مذہبِ حق وہی مذہب ہے کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کے طریقہ پر ہے اس واسطے کہ جو موافق ممدوحؓ کے ہے وہی ممدوح ہے۔

آیتِ دوم

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

اور وہ لوگ کہ آئے بعد ان کے کہتے ہیں اے پروردگار ہمارے ہم کو بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو کہ ہم سے پہلے پہنچے ہیں ایمان کو اور مت رکھ ہمارے دل میں کینہ خاص اُن لوگوں کا جو ایمان لائے اے پروردگار ہمارے تو مہربان ورحیم ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مذہب اُن لوگوں کا حق ہے جو کسی مومن کی طرف سے دل میں کینہ نہیں رکھتے اور اگلے ایمان لانے والوں کے حق میں جو صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ ہیں بدلیل مہاجرینؓ انصار کے جو ماقبل آیت کے ہے خدا سے مغفرت چاہتے ہیں۔

آیتِ سوم

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا۔

جو شخص کہ مخالفت کرتا ہے رسول کی بعد اس کے کہ اس پر سیدھی راہ کھل گئی پیروی کرے سوا راہ مسلمانوں کے، حوالے کریں گے ہم اس کو جو کچھ اس نے خود اختیار سے کیا ہے اور داخل کریں گے دوزخ میں کہ بُری جگہ لوٹنے کی ہے۔

معلوم ہوا کہ جو کوئی خلاف راہ مومنوں کے اختیار کرے گا مستحق دوزخ کا ہوگا اور مومن اُس وقت نہ تھے مگر صحابہؓ وَقَدْ نَصَّ عَلٰى ذٰلِكَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ كَمَا نَقَلْنَاهُ مِنْ نَهْجِ الْبَلَاغَةِ۔

آیتِ چہارم

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔

وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور نیک کام کیے ہیں البتہ خلیفہ کرے ان کو زمین میں جیسے کہ خلیفہ کیا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور ضرور تمکین دے گا ان کے واسطے ان کے دین کو کہ پسند کیا ہے اللہ ہی نے ان کے واسطے اور ضرور بدل دے گا ان کو بعد خوف ڈر کے امن۔ یہ لوگ میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھیرائیں گے اور جو کافر ہوگا بعد اس کے، پس وہ گروہ فاسقوں سے ہوگا۔

معلوم ہوا کہ جو دین خلفاء کے زمانہ میں جم گیا اور قرار پکڑ گیا خدا کی مرضی کا دین ہے اور جو دین اُس وقت میں نہ تھا اور اگر تھا تو دبا چُھپا مرضی خدا کا نہ تھا۔ اور مخالف لوگ اُس دین کی ناشکری اور کافر نعمت استخلاف دین کے ہیں خدا کی طاعت سے خارج جیسے خارجی اور ناصبی اور رافضی۔

آیتِ پنجم

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

وہ اللہ ایسا ہے کہ رحمت بھیجتا ہے تم پر اور فرشتے اس کے تاکہ نکالے تم کو اندھیروں سے طرف نور کے۔

مخاطب اس آیت کے صحابہؓ ہیں اور تابع ان کے کہ وہ بھی ظلمات سے نکلے اس لیے کہ جو کوئی اندھیری رات میں چلے اور اس کے پاس مشعل ہو البتہ جو لوگ اس کے ہمراہ ہوں گے وہ بھی ظلمت سے نجات پائیں گے۔

آیتِ ششم

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا

پس اُتاری اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین اپنے رسولؐ اور ایمان والوں پر اور قائم رکھا ان کو پرہیزگاری کی بات پر اور یہ لوگ مستحق اس کے اور لائق اس کے تھے۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ صلح حدیبیہ میں مہاجر و انصار سے حاضر تھے سکینہ نازل ہونے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک تھے اور کلمہ تقویٰ ان کو لازم تھا کہ کسی حال میں ان سے جدا نہیں ہوتا تھا اور بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگر خلاف تقویٰ ان سے ظہور میں آئے معنی لزوم کے خراب ہو جائیں۔ اور نیز معلوم ہوا کہ وہ جماعت تقویٰ کے واسطے احق یعنی زیادہ مستحق تھی اور پوری پوری لیاقت اس کی رکھتی تھی۔ پس جو کوئی طالب تقویٰ کا ہو چاہیے کہ ان کا پیرو بنے۔

آیتِ ہفتم

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

لیکن رسول اور جو لوگ کہ ایمان لائے ساتھ اس کے ہیں کوشش کرتے ہیں اپنے مالوں اور جانوں سے اُنہی لوگوں کے واسطے نیک چیزیں ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

اور کچھ شک نہیں ہے کہ مفلح کا پیرو مفلح ہے۔

آیتِ ہشتم

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً

لیکن اللہ تعالیٰ نے محبت دی تم کو ایمان کی اور رونق دی اس کو تمہارے دلوں میں اور نہایت مکروہ کیا تمہارے نزدیک کفر و بدکاری و گناہ کو وہی لوگ راشد ہیں یعنی راہ پانے والے خدا کے فضل اور اس کے احسان سے۔

اور تابع راشد کا راشد ہے۔

آیتِ نہم مہاجرین کے حق میں:۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

وہ لوگ کہ اگر جگہ دیں ہم ان کو زمین میں قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں ساتھ معروف کے اور منع کریں منکر سے۔

وَعِنْدَ وُقُوْعِ الْمُقَدَّمِ يَجِبُ وُقُوْعُ التَّالِيْ صَوْنًا لِكَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَنِ الْكِذْبِ لٰكِنَّ الْمُقَدَّمَ وَاقِعٌ۔ اور جو کوئی پیروی ایسے لوگوں کی کرے بے شبہ دینِ حق پر ہے۔

آیتِ دہم

هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

اس نے چھانٹا ہے تم کو اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی مقرر کیا تم پر دین تمہارے باپ ابراہیم کا اور اس نے نام رکھا تمہارا مسلمان اس سے پہلے اور اس کتاب میں بھی کہ ہووے رسول تمہارا گواہ اور تم گواہ ہو لوگوں کے، پس قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑو خدا کو وہی ہے مالک تمہارا اور کیا اچھا مددگار ہے۔

آیتِ یازدہم

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

ہو تم بہترین امت جو خروج کیے گئے لوگوں کے واسطے۔ حکم کرتے ہو ساتھ معروف کے اور منع کرتے ہو برائی سے۔

معلوم ہوا کہ یہ امت خیر کے ساتھ موصوف ہے وہی گروہ ہیں جو امر معروف پر حکم کرنا اور نہی منکر سے باز رکھنا جن کی شان ہے نہ کہ تقیہ کرنا اور چھپانا اور خوشامد کرنا۔

آیتِ دوازدہم

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔

اللہ ایسا ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ ظاہر کرے اُس دین کو کُل دینوں پر۔

معلوم ہوا جو دین کہ ظاہر اور کُھلم کُھلا ہے وہی حق ہے نہ کہ دبا چُھپا۔ اور یہ جو کہتے ہیں کہ مذہب شیعہ کے ظہور کا وقت زمان دولت مہدی کا ہے بالکل پوچ اس لیے کہ لام لِيُظْهِرَهٗ کا متعلق بِاَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ کا ہے پس چاہیے کہ بعد ارسال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور اُس دین کا ہو جو ہمیشہ اور پائدار ہے کہ وہ یہی دین اہلِ سنت کا ہے۔

اب ہم پھر اقوالِ عترت کی طرف لوٹے اور اہلِ سنت کی روایتوں سے دست بردار ہوئے شیعہ کی کتابوں میں ڈھونڈیں تو بہت روایتیں پائیں حضرات اہلِ بیت سے جو صریح اس بات کو بتائیں کہ مذہب اہلِ سنت کا حق ہے اور شیعہ کا باطل۔ چنانچہ اُنہی میں سے روایت ہے:۔

صَاحِبُ كِتَابِ السَّوَادِ وَالْبَيَاضِ مِنَ الْاِمَامِيَّةِ عَنِ الْاِمَامِ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ جَعْفَرِ الصَّادِقِ فَاِنَّهٗ قَالَ فِيْ تَفْسِيْرِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ قَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بِمَا سَبَقَ لَهُمْ مِنَ التَّوْفِيْقِ وَالْاِعَانَةِ وَرَضُوْا عَنْهُ بِمَا مَنَّ عَلَيْهِمْ مِنْ مُتَابَعَتِهِمْ رَسُوْلَهٗ وَقَبُوْلِهِمْ مَا جَآءَ بِهٖ۔

کتاب السواد والبیاض والے نے امامیہ سے کہ روایت کی امام ابو عبداللہ یعنی جعفر صادق سے سو بیشک کہا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تفسیر میں اور آگے پہنچنے والے جو پہلے لوگ ہیں مہاجر اور انصار سے اور وہ لوگ جو ان کے پیچھے آئے نیکی کے ساتھ راضی ہوا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہوئے وہ اس سے۔ اور کہا مفسر نے کہ راضی ہوا خدا تعالیٰ ان سے اس بات میں کہ جو کچھ توفیق و مدد ان کو پہنچی اور یہ اُس سے راضی یوں ہوئے کہ اُس نے ان پر احسان رکھا جو انہوں نے پیروی اس کے رسول کی کی اور جو کچھ رسولؐ لایا اس کو مانا۔

پس معلوم ہوا کہ جو مہاجرین و انصار کے تابع ہیں ان کو مرتبہ رضوان الٰہی کا کہ موافق نص قرآن کے و رضوان من اللہ اکبر تمام لذتوں اور نعمتوں آخرت سے بہتر ہے حاصل ہے۔

اور اُنہی میں سے ہے روایت صاحب الفصول کی جو فرقہ امامیہ کے اثنا عشریہ سے تھا جس نے ابو جعفر محمد بن علی باقر سے روایت کی ہے:۔

اِنَّہٗ قَالَ لِجَمَاعَۃٍ خَاضُوْا فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ اَلَا تُخْبِرُوْنِیْ اَنْتُمْ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قَالُوْا لَا قَالَ فَاَنْتُمْ مِنَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ قَالُوْا لَا قَالَ فَاَنْتُمْ فَقَدْ بَرِئْتُمْ اَنْ تَکُوْنُوْا اَحَدَ هٰذَیْنِ الْفَرِیْقَیْنِ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّکُمْ لَسْتُمْ مِنَ الَّذِیْنَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔

بے شک کہا انہوں نے اُس گروہ سے جو ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کے حق میں باتیں کہتے تھے آیا تم مجھ کو بتاتے نہیں کیا تم اُن مہاجروں سے ہو جو نکالے گئے اپنے گھروں سے اور مالوں سے کہ ڈھونڈتے تھے اللہ کے فضل و رضوان کو اور مدد کرتے تھے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی تو انہوں نے کہا نہیں۔ کہا کیا تم اُن لوگوں سے ہو جنھوں نے پکڑی جگہ دار ہجرت میں اور ایمان میں ان سے پہلے دوستدار اُن لوگوں کے جنھوں نے ان کی طرف ہجرت کی، کہا نہیں۔ کہا پس تم خود کنارے ہوئے اس سے کہ ان دونوں فریقوں سے کوئی ہو۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نہیں ہو اُن لوگوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو آئے ہیں بعد اُن کے کہ کہتے تھے اے پروردگار ہمارے بخش دے ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو سابق ہیں ہم سے ایمان میں اور مت کر ہمارے دلوں میں تنگی اُن لوگوں کی طرف سے کہ ایمان لائے بے شک تو مہربان رحم کرنے والا ہے۔

اِس اثر سے صریح مستفاد ہے کہ جو صحابہ کبار کو بُرا کہتے ہیں گمراہ ہیں بلکہ دائرہ ملت سے خارج۔

اور اُنہی میں سے وہ ہے کہ حضرت امام سجادؒ نے دعا فرمائی ہے اور صحابہؓ پر صلوٰۃ بھیجی ہے اور ان کی مدح کی ہے بِاَنَّهُمْ اَحْسَنُوا الصُّحْبَۃَ وَاَنَّهُمْ فَارَقُوا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ فِیْ اِظْهَارِ کَلِمَتِہٖ وَاَنَّهُمْ کَانُوْا مُصِرِّیْنَ عَلٰی مَحَبَّتِہٖ (بے شک وہ اچھی صحبت رکھتے تھے ان کے ساتھ اور چھوڑا انہوں نے ازواج اور اولاد کو کلمہ اسلام ظاہر کرنے کو اور وہ ثابت قدم تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں) بعد اس دعا کے فرمایا ہے لِلَّذِیْنَ اتَّبَعُوا الصَّحَابَۃَ بِاِحْسَانٍ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ (واسطے اُن لوگوں کے جنہوں نے پیروی کی صحابہؓ کی نیکی کے ساتھ اور کہتے ہیں رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا الخ) اور شکر

خدا کا کہ یہ فرقہ اہل سنت میں ہے رافضی اور خارجی اور ناصبی سب اس وصف کے ظاہر مخالف ہیں۔

اور اُنہی سب سے یہ کہ اُس تفسیر میں جو شیعہ کے نزدیک امام حسن عسکریؒ سے منسوب ہے اور جو اخبار شیعہ کے ہیں اُنھوں نے اس کو اُن سے روایت کی ہے یہ خبر موجود ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ اَوْحٰی اِلٰی اٰدَمَ یَا اٰدَمُ اِنَّ مُحَمَّدًا لَوْ وُزِنَ بِہٖ جَمِیْعُ الْخَلْقِ مِنَ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَسَائِرِ عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ اَوَّلِ الدَّهْرِ اِلٰی اٰخِرِہٖ وَمِنَ الثَّرٰی اِلَی الْعَرْشِ لَرَجَحَ بِهِمْ یَا اٰدَمُ لَوْ اَحَبَّ رَجُلٌ مِّنَ الْکُفَّارِ اَوْ جَمِیْعُهُمْ رَجُلًا مِّنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِہٖ لَکَافَاہُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْ ذٰلِکَ بِاَنْ یَّخْتِمَ لَہٗ بِالتَّوْبَۃِ وَالْاِیْمَانِ ثُمَّ یُدْخِلُہُ الْجَنَّۃَ۔

تحقیق اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی آدمؑ کی طرف اے آدمؑ بیشک محمدؐ اگر تولا جائے تمام مخلوق یعنے نبیوں اور رسولوں اور فرشتوں مقرب اور صالح بندوں سے جو شروع زمانہ سے آخر زمانہ تک ہوئے اور ہوں گے اور زیر خاک سے بالائی عرش تک تو محمدؐ ہی کو فوقیت ہوگی اِن سب پر۔ اے آدمؑ! اگر دوست رکھے کوئی شخص کفار کا یا سب لوگ کفار کے کسی شخص کو آل محمدؐ و اصحاب محمدؐ سے ضرور بدلہ دیگا اللہ عز و جل اس دوستی سے اور خاتمہ اُس کا توبہ اور ایمان پر کریگا پھر اُس کو جنت میں داخل کرے گا۔

اب اِس روایت میں کوئی جگہ تمسک کی شیعہ اور ناصبیوں اور خارجیوں کو نہیں ہے جو کہیں کہ ہم بھی بعض آل و اصحابؓ کو دوست رکھتے ہیں اس واسطے کہ گفتگو اُس شخص میں ہے کہ ایک کسی کو خاص کرے محبت کے ساتھ بغیر بغض دوسروں کے نہیں تو موافق قرینہ مقابلہ کے اگر یہ معنی نہ سمجھے جائیں تو کلام میں خلل واقع ہو اور خلاف مقصود کے پڑے۔ اور ظاہر ہے کہ جب محبت ایک شخص کی موجب فضیلت ہے بغض اُس کا البتہ موجب نقصان کا ہوگا۔ اور اگر ان سب باتوں سے ہم درگزر کریں تو جو لوگ تمام آل و اصحاب کی محبت کو جمع کر رہے ہیں ضرور ہی اَولیٰ اور ارفع اور احق ہوں گے درجہ کی رُو سے، وَفِیْہِ الْمُدَّعَاءُ۔

اور اُنہی میں سے اُسی تفسیر میں واقع ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَوْحٰی اِلٰی اٰدَمَ اِنَّ اللّٰہَ لَیُفِیْضُ عَلٰی کُلِّ وَاحِدٍ مِّنْ مُّحِبِّیْ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مَا لَوْ قُسِمَتْ عَلٰی کُلِّ عَدَدِ مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ طُوْلِ الدَّهْرِ اِلٰی اٰخِرِہٖ وَکَانُوْا کُفَّارًا لَاَدَّاهُمْ اِلٰی عَاقِبَۃٍ مَّحْمُوْدَۃٍ وَّاِیْمَانٍ بِاللّٰہِ حَتّٰی یَسْتَحِقُّوْا

تحقیق اللہ تعالیٰ نے وحی کی آدمؑ کی طرف بیشک اللہ فیض دیتا ہے ہر ایک کو دوستوں محمدؐ اور آل و اصحابؓ محمدؐ کو کہ اگر بانٹا جائے ہر واحد پر جو کچھ پیدا کیا ہے خدا تعالیٰ نے ابتدا زمانہ سے آخر تک اور سب کافر ہوں، ضرور پہنچائے اُن کو طرف انجام نیک کے اور ایمان کے ساتھ خدا کے تا کہ وہ مستحق

بِهِ الْجَنَّةَ وَاِنَّ رَجُلًا مِمَّنْ يُبْغِضُ اٰلَ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابَهٗ اَوْ وَاحِدًا مِنْهُمْ يُعَذِّبُهُ اللّٰهُ عَذَابًا لَوْ قُسِمَ عَلٰى مِثْلِ خَلْقِ اللّٰهِ لَاَهْلَكَهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

جنت کے ہو جائیں۔ اور بیشک ایک شخص جس نے بغض کیا آلِ محمدؐ اور اصحابِ محمدؐ سے یا اُن میں سے کسی ایک کے ساتھ عذاب کرے گا اُس کو ایسا عذاب کہ جو بانٹا جائے کُل مخلوقِ خدا پر تو سب کو ہلاک کرے۔

اِس روایت میں غور و تامّل کرنا چاہیئے کہ جس جگہ ذکر محبت کا کیا ہے واحد نہیں فرمایا ہے پس معلوم ہوا کہ محبت میں محبت سب آل واصحابؓ کی ضروری ہے۔ اور مقام ذکر بُغض میں اَوْ وَاحِدًا بھی فرمایا ہے پس بُغض ایک شخص کا بھی ہلاک میں کافی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ محبت تمام آلؑ واصحابؓ کے اور بُغض سے بری سوائے اہلِ سنت کے نہیں، والحمد للہ رب العٰلمین۔

اور انہی میں سے نہج البلاغت میں ہے کہ حضرت امیرؓ سے روایت کی ہے اِنَّهٗ قَالَ اِلْزَمُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّ يَدَ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ وَاِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَاِنَّ الشَّاذَّ مِنَ النَّاسِ لِلشَّيْطَانِ (بیشک کہا انھوں نے لازم پکڑو اجتماعِ کثیر کو اس لیے کہ جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور بچو تم اختلاف سے پس ضرور ایک طرف ہونا لوگوں سے حصہ شیطان کا ہے) اور سوادِ اعظم اگلی صدیوں بلکہ جملہ صدیوں میں آج کے دن تک بھی اہلِ سنت ہیں فقط۔

اور انہی میں سے ہے نہج البلاغت میں اِنَّ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ اِنَّ لِلنَّاسِ جَمَاعَةً يَدُ اللّٰهِ عَلَيْهَا وَغَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى مَنْ خَالَفَهَا (بیشک فرمایا امیر المومنینؓ نے کہ ضرور لوگوں کے واسطے جماعت ہے جس کے سر پر خدا کا ہاتھ ہے اور غضب خدا کا ہے اُس پر جو مخالف جماعت کا ہے) اور جماعت سب صدیوں میں اہلِ سنت کے سوا اور کوئی نہیں گزری یہاں تک کہ شیعہ کے نزدیک بھی ان کا نام جماعت ہے پس جو مخالف ان کا ہے اُس پر غضب خدا کا ہے موافق نص معصوم کے۔ اور ان دونوں روایتوں کے قطع نظر جو کچھ کہ نہج البلاغت میں ہے کہ بتمامہا شیعہ کے نزدیک متواتر ہے تمام اخبار والے اُن کے مثل ابو جعفر محمد بن یعقوب الرازی الکلینی اور محمد بن علی بن بابویہ القمی اور شیخ الطائفہ محمد بن حسن طوسی اور سوا ان کے سب نے روایت کی ہے، اور اپنی کتابوں میں طرح طرح پر لائے ہیں۔ یہ ہیں روایتیں ناطق اہلِ بیت کی صحت و حقیت مذہبِ اہلِ سنت میں۔

پھر جو ہم نے تامّل کیا تو دیکھا کہ اہلِ سنت کے ائمہؒ نے خواہ فقہ کے فروع میں خواہ اصولِ عقائد خواہ سلوک طریقت بلکہ تفسیر و حدیث میں بھی سب اہلِ بیت سے اخذ کیا ہے اور اہلِ بیت کی شاگردی میں مشہور و معروف ہیں اور اہلِ بیت کے اماموں نے ہمیشہ ان کے حق میں مہربانیاں اور فراغ خاطریاں فرمائی ہیں بلکہ خوشخبری دی۔ یہ بات امامیہ کی کتابوں میں ثابت ہے بلکہ ان کے بڑوں بڑوں کا اقرار ہے صحیح۔ اگر دیدہ و دانستہ حق پوشی

کریں اس کا کچھ علاج نہیں۔ ابن مطہر حلّی نے نہج الحق اور منہج الکرامۃ میں اقرار کیا ہے اس بات کا کہ ابوحنیفہؒ اور مالکؒ نے حضرت صادقؓ سے علم حاصل کیا ہے۔ اور شافعیؒ شاگرد مالکؒ کے اور احمد حنبلؒ شاگرد شافعیؒ کے ہیں۔ اور ابو حنیفہؒ نے حضرت باقرؓ اور زید شہیدؒ کی بھی شاگردی کی ہے۔ اب امامیہ اپنے مجتہدوں کے حق میں جن میں شروط اجتہاد کے جمع ہوں بحالت غیبت امام کے ان پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اطاعت ان کی واجب ہے۔ خیال کرو جس نے کہ امام کے سامنے شرطیں اجتہاد کی حاصل کی ہوں اور امام سے اجازت اجتہاد و فتوے کی پائی پھر اُس کا اجتہاد و مذہب پیروی کے حق میں کیسے اَولیٰ نہ ہوگا۔ ابو حنیفہؒ کو حضرت باقرؓ اور زید شہیدؓ نے اور حضرت جعفرؓ نے اجازت فتوے کی دی ہے جس کا شیخ حلّی کو اقرار ہے پس جامع شروط اجتہاد ہونا ان کا بنصّ امام ثابت ہے۔ شیعہ میں سے جو کوئی اُن کو واجب الاطاعت نہ جانے وہ معصوم کی گواہی رد کرتا ہے اور یہ کفر ہے خصوصاً جس وقت کہ امام نہ ہو ضرور اُس کا مذہب اختیار کرنا ابن بابویہ اور ابن عقیل اور ابن معلّم کا مذہب اختیار کرنے سے بہتر ہوگا۔ پس تعصب عناد کو چھوڑ کر انصاف کرنا چاہیئے۔ اگر اہلِ سنت کی روایتوں کو اِس مقدمہ میں اعتبار نہیں کرے روایتیں امامیہ کی تو ضرور مقبول ہی ہوں گی۔

رَوٰى اَبُو الْمَحَاسِنِ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ بِاِسْنَادِهٖ اِلٰى اَبِي الْبَخْتَرِيِّ قَالَ دَخَلَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ عَلٰى اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَمَّا نَظَرَ اِلَيْهِ الصَّادِقُ قَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلَيْكَ وَاَنْتَ تُحْيِيْ سُنَّةَ جَدِّيْ بَعْدَ مَا انْدَرَسَتْ وَتَكُوْنُ مَفْزَعًا لِكُلِّ مَلْهُوْفٍ وَغِيَاثًا لِكُلِّ مَهْمُوْمٍ بِكَ يَسْلُكُ الْمُتَحَيِّرُوْنَ اِذَا وَقَفُوْا وَتَهْدِيْهِمْ اِلٰى وَاضِحِ الطَّرِيْقِ اِذَا تَحَيَّرُوْا فَلَكَ مِنَ اللّٰهِ الْعَوْنُ وَالتَّوْفِيْقُ يَسْلُكُ الرَّبَّانِيُّوْنَ بِكَ الطَّرِيْقَ۔

روایت کی ابو محاسن حسن بن علی نے مع اسناد اُس کے ابی البختری کی طرف کہ آئے ابو حنیفہؒ ابو عبداللہ علیہ السلام کے پاس اور انھوں نے اُن کی طرف دیکھ کر کہا میں تجھ کو ایسا جانتا ہوں کہ تو میرے دادے کے طریقہ کو زندہ کرے گا بعد اُس کے کہ مٹ جائیں گے۔ اور تیرے پاس مضطر بھاگ بھاگ کر آئیں گے تو اُن کا مقر ہوگا اور فریادرس ہر محزون کا تیرے سبب سے حیرت زدوں کو راہ ملے گی جب وہ رُک جائیں گے تو اُن کو روشن راہ کی رہنمائی کرے گا پس تجھ کو اللہ تعالیٰ سے مدد اور توفیق ہے کہ خدا کے طالب تیرے سبب سے خدا تعالیٰ کی راہ میں چلیں گے۔

اور سب امامیہ نے روایت کی ہے کہ ابو حنیفہؒ ابو جعفر منصور کے پاس جو خلیفہ وقت تھا گئے اور اُس کے پاس عیسےٰ بن موسیٰ موجود تھا خلیفہ سے کہا اے امیر المومنین هٰذَا عَالِمُ الدُّنْيَا الْيَوْمَ منصور نے کہا يَا نُعْمَانُ مِمَّنْ اَخَذْتَ الْعِلْمَ (اے نعمانؒ تو نے کس سے علم حاصل کیا) ابو حنیفہؒ نے کہا عَنْ اَصْحَابِ عَلِيٍّ عَنْ عَلِيٍّ

وَعَنْ اَصْحَابِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ پس منصور نے کہا لَقَدِ اسْتَوْثَقْتَ مِنْ نَفْسِكَ یَا فَتٰی (بیشک مضبوط سند تو نے اپنے واسطے حاصل کی لے جوانمرد) اور امامیہ کی کتابوں میں ہے :-

اِنَّ اَبَا حَنِیْفَۃَ کَانَ جَالِسًا فِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَوْلَہٗ زِحَامٌ کَثِیْرَۃٌ مِنْ کُلِّ الْاٰفَاقِ قَدِ اجْتَمَعُوْا یَسْئَلُوْنَہٗ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ فَیُجِیْبُھُمْ وَکَانَتِ الْمَسَائِلُ فِیْ کُمِّہٖ فَیُخْرِجُھَا فِیْنَا وِلُھَا فَوَقَفَ عَلَیْہِ الْاِمَامُ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ فَفَطِنَ بِہٖ اَبُوْحَنِیْفَۃَ فَقَامَ ثُمَّ قَالَ یَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَوْ شَعَرْتُ بِكَ اَوَّلًا مَا وَقَفْتَ لَا رَانِیَ اللّٰہُ جَالِسًا وَاَنْتَ قَائِمٌ فَقَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ اِجْلِسْ اَبَا حَنِیْفَۃَ وَاَجِبِ النَّاسَ فَعَلٰی ھٰذَا اَدْرَکْتُ اٰبَائِیْ۔

بیشک ابو حنیفہؒ مسجد حرام میں بیٹھے تھے اور اُن کے گرد بڑا اژدحام تھا ہر طرف کے لوگوں کا اور جمع تھے اور ہر طرف سے اُن سے پوچھتے تھے اور وہ ہر طرف جواب دیتے تھے گویا مسائل اُن کی آستین میں تھے کہ اُس میں سے نکالتے تھے اور لوگوں کو دیتے تھے۔ پس کھڑے ہوئے اُن کے سر پر امام جعفر صادقؒ سو آگاہ ہوئے ابو حنیفہؒ پس کھڑے ہوئے اور کہا اے پسر رسول خدا اگر میں جانتا پہلے سے کہ تم کھڑے ہو تو میں نہیں بیٹھا رہتا نہیں دیکھتا مجھ کو اللہ تعالیٰ بیٹھا اُس حال میں کہ تم کھڑے ہو۔ تو کہا امام جعفرؒ نے بیٹھ اے ابو حنیفہؒ اور لوگوں کو جواب دے، یہی شغل پایا ہے اپنے باپ دادوں سے۔

اور یہ دونوں روایتیں ابن مطہر حلّی کی شرح تجرید میں موجود ہیں جس جگہ کہ مسئلہ تفضیل حضرت امیرؓ کا لکھا ہے۔

اور اگر کوئی شیطان شیعہ کو دھوکہ میں ڈالے اور کہے کہ اگر ابو حنیفہؒ اور مثل اُن کے مجتہدوں اہلِ سنّت سے شاگرد حضرات ائمہؓ کے تھے تو مخالف ان کے مسائل میں اکثر فتویٰ کیوں دیا؟ ہم کہیں گے کہ جواب اس بات کا "مجالس المؤمنین" قاضی نوراللہ شوستری میں موجود ہے۔ کہا ہے کہ ابن عباسؓ شاگرد حضرت امیرؓ کے تھے اور رتبۂ اجتہاد کو پہنچے تھے ان کے سامنے اجتہاد کرتے تھے جب بعض مسائل میں خلاف کرتے تھے حضرت امیرؓ اُس میں تجویز کرتے تھے۔ اور یہ بھی کہ ہشام احول اور ابن سالم اور میثمی اور زرارہ باوجود اس کے کہ عقائد کے اصول میں جیسے خداؔ کا جسم وصورت ٹھہرانا اور اللہ تعالیٰ کے علم کو حادث کہنے میں صریح مخالف حضراتِ ائمہؓ کے ہوتے ہیں اور لعنت ملامت ائمہؓ کی ان کے حق میں جو کچھ ہے کلینی اور دیگر کتب صحیحہ امامیہ میں روایتِ ثقات سے ثابت ہے، اور اُس کے ساتھ شاگردی اور تلمذ سے ان کے حضرات ائمہؓ کے ساتھ اور اُن کی روایتیں ماننے سے کوئی شخص شیعہ سے سر نہیں پھیر سکتا۔ پس ابو حنیفہؒ اور مالکؒ کو کہ اختلاف ان کا فروعِ فقہیہ میں ہے نہ کہ اصول عقائد میں کیوں اعتبار سے گرا دینا چاہیئے۔ پس معلوم ہوا کہ مجتہد کو پیروی اپنی دلیل کی ضرور ہے۔ ہاں اُن مسئلوں میں جو منصوص ہیں دیدہ و دانستہ خلاف کرنا اُس پر بھی حرام ہے۔

اور جو مسئلہ منصوص نہ ہو تو فرق مجتہد اور امام معصوم میں یہ ہے کہ اجتہاد مجتہد کا خطا رکھتا ہے اور قول امام معصوم کا یقینًا صواب ہے مجتہد خطا پر معاقب نہیں ہے بلکہ ماجور ایک اُجرت کے ساتھ۔ جیسا کہ شیعہ کی معالم الاصول میں اس کو مصرح لکھا ہے پس اُس کی خطا احتمالی مثل ثواب یقینی کے ہوئی جس میں ذرا خوف وخطر نہیں نہ اُس کے حق میں نہ اُس کے پیرو کے حق میں۔ اتنی شرط ضرور ہے کہ اجتہاد محلِ اجتہاد میں ہو یعنی مقابل قرآن کے واقع نہ ہو جو صریح ہے اور خبر متواتر مشہور اور اجماعِ اُمت کے۔ پھر جب ہم نے دیکھا تو راوی اخبار کے اور مجتہد اہل سنّت کے سب تقوٰی اور عدالت اور دینداری سے مشہور ہیں۔ شیعہ بھی اگر ان کے معاملے میں طعن کرتے ہیں تو سُنّی ہونے کی راہ سے کرتے ہیں نہ کہ ازراہ فسق وکذب ودنیاداری کے۔ اور راوی اخبار غیر اہلِ سنّت کے اور اور فرقوں کے خصوصًا شیعہ کے بالکل مطعون ومجروح ہیں خود ان کے نزدیک جیسا کہ سابق گزرا۔ اور لشکر والے حضرت امیرؓ کے بعد واقعہ صفین کے جو گل سرسبد اُس فرقہ اور قرن اوّل اس گروہ کے ہیں۔ اور قول وفعل حضرت امیرؓ کے اکثر ان لوگوں کے وسیلے سے مروی ہوئے ان کا حال نہج البلاغت اور جناب امیرؓ کے خطبوں میں کہ اُن سے مروی ہیں پہلے ہی مشرح کر دیا گیا کہ کس درجہ خائن اور بدکار اور نہ ماننے والے حکم امام اور جھوٹے اور ظالم تھے، اور بالکل اوضاع واطوار منافقوں کے رکھتے تھے کہ حضرت امیرؓ نے خود ان کے حق میں گواہی نفاق کی دی ہے۔ اور ایک جماعت کوفہ کی جن کی روایت پر ان کے عقیدے کا مدار ہے ان کے ائمہ سے مثلاً ہشامین وزرارہ اور میثمی اور سوا ان کے سب کو ائمہؓ نے مقدمۂ تجسیم میں مفتری فرمایا ہے، اور لعنت وبددعا ان کے حق میں کی اور اپنے پاس آنے سے بعض کو منع کر دیا، جیسے عبداللہ بن مسکان اس کو شیخ مقتول نے ذکرٰی میں ذکر کیا ہے۔ اور بعض راوی ان کے ایسے ہیں جن کا اسلام ثابت نہیں جیسے زکریا بن ابراہیم نصرانی کہ ابو جعفر طوسی وغیرہ اُس سے روایت کرتے ہیں۔ اور اکثر راوی ان کے خلفائے عباسیہ کے ڈر سے جس وقت کہ اُن کو قید کرتے تھے یہ لوگ آنے جانے سے باز رکھے جاتے تھے اور ربط وضبط اُن سے نہیں کر سکتے تھے۔ بخلاف اہل سُنّت کہ اُن کے علماء اُس وقت بھی اُن کی زیارت سے مُشرّف ہوتے تھے اور فائدے اُٹھاتے تھے۔ سب تواریخوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت موسیٰ کاظمؒ قید میں خلیفۂ عباسی کے تھے محمد بن حسنؒ شیبانی اور قاضی ابو یوسفؒ اُن کی زیارت کو جاتے تھے اور سوالِ مشکلات کرتے تھے اُس وقت اُن امام کے پاس جانے کو ذرا اخلاص چاہیئے تھا کہ وقت تہمت کا تھا یہ بات بھی امامیہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

رَوٰی صَاحِبُ الْفُصُوْلِ مِنَ الْاِمَامِیَّۃِ عَنْھُمَا فِیْ خَوَارِقِ مُوْسَی الْکَاظِمِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَنَّھُمَا قَالَا لَمَّا حَبَسَہٗ ھَارُوْنُ الرَّشِیْدُ

روایت کی صاحب فصول امامیہ نے ان دونوں سے خارق عادتوں موسیٰ کاظم علیہ السلام میں بیشک اُن دونوں (امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ) نے کہا جب قید کیا اُن کو ہارون رشید نے

دَخَلْنَا عَلَيْهِ وَجَلَسْنَا عِنْدَهٗ فَجَاءَ بَعْضُ الْمُوَكَّلِيْنَ فَقَالَ اِنِّيْ قَدْ فَرَغْتُ فَاَنْصَرِفُ فَاِنْ كَانَ لَكَ حَاجَةٌ فِيْ شَيْءٍ اٰتِيْكَ بِهَا حِيْنَ اَجِيْئُكَ غَدًا فَقَالَ مَالِيْ حَاجَةٌ ثُمَّ قَالَ لَنَا اِنِّيْ اَعْجَبُ مِنَ الرَّجُلِ سَاَلَنِيْ اَنْ اُكَلِّفَهٗ حَاجَةً يَاْتِيْ بِهَا مَعَهٗ اِذَا جَاءَ وَهُوَ مَيِّتٌ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فُجَاءَةً فَمَاتَ الرَّجُلُ فِيْ لَيْلَةٍ تِلْكَ فُجَاءَةً۔

ہم اُن کے پاس گئے اور اُن کے پاس بیٹھے، پھر اُن کے پاس ایک متعینوں سے آیا اور کہا کہ میں فارغ ہوگیا اور لوٹا جاتا ہوں اگر تم کو کسی چیز کی حاجت ہو تو میں لیتا آؤں تمہارے واسطے جب کہ تمہارے پاس آؤں کل، امام نے کہا مجھ کو کچھ حاجت نہیں ہے۔ پھر ہم سے کہا میں تعجب کرتا ہوں اس شخص سے کہ چاہتا ہے مجھ سے کہ میں اُس کو کسی حاجت کی تکلیف دوں کہ اُس کو اپنے ساتھ لائے جب آئے۔ حالانکہ وہ اسی رات میں مرجائے گا ناگہاں، پس وہ مرد اسی رات میں ناگہاں مرگیا۔

اور یہ بھی ہم نے دیکھا کہ اہلِ سنت کا مذہب ہمیشہ ظاہر و مشہور رہا اور شیعہ کا مذہب ہمیشہ مخفی و مستور لیکن دینِ محمدی کو ظہور لازم ہے۔ قولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (وہ اللہ تعالیٰ ایسا ہے جس نے بھیجا اپنے رسولؐ کو رہنمائی اور دینِ حق پر تاکہ ظاہر کرے وہ اُس کو ہر دین پر) اور بھی فرمایا وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (اور تحقیق لکھا ہم نے زبور میں بعد ذکر کے بیشک زمین کے وارث ہوں گے نیک بندے) اور بالاجماع مراد عباد سے امتِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ملک عرب و عجم و شام و روم و مصر و مغرب کے ہمیشہ اہلِ سنت وارث رہے ہیں۔ جو عراق و خراسان میں بسبب شامتِ اعمال مسلمانوں کے تاتار کے کفار اور خاندانِ چنگیزیہ مسلط ہوئے، ان شہروں کو اُن کے ہاتھ سے شیعوں نے لیا۔ پس اہلِ سنت وارث دولتِ محمدی کے ہیں۔ اور یہ گروہ فضلہ کھانے والے سلطنتِ چنگیزیہ کے۔ اسی موقع سے قیاس کیا جائے۔

اور یہ بھی ہم نے غور کیا کہ شیعہ سنی کی مخالفت کا مدار مسئلہ امامت پر ہے۔ اور مسئلہ امامت کا پانچ اصل پر موقوف ہے۔ اور پانچوں اصل میں سے ہر ایک ایسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتی جو قابل سننے کے ہو۔ اصل اوّل یہ کہ حضرت امیرؓ امام تھے بلا فصل اصل دوم ائمہ اُمت کے منحصر ہیں ایسی گنتی میں کہ لَا يَزِيْدُوْنَ عَلَيْهِ وَلَا يَنْقُصُوْنَ عَنْهُ (نہ اُس سے بڑھتے ہیں نہ گھٹتے) اصل سوم درازیٔ عمر امام اخیر کی اور چھپا رہنا اُن کا یا رجعت بعد موت کے مع اختلاف ان کے فرقوں کے اس مقدمہ میں۔ اور یہ تینوں امر کتاب اللہ اور اخبارِ متواترہ سے ہرگز نہ ثابت ہیں نہ ہوں گے۔ اصل چہارم مُرتد ہونا صحابہؓ کا اور چھپانا حق اور ظاہر کرنا باطل کا اور اتفاق کرنا ان سب کا صحابہؓ کی نسبت اُمور شنیعہ میں۔ باوصف اس کے کہ روشن آیتیں اور واضح دلیلیں ان کے حال و انجام کی خوبیوں پر ظاہر ناطق ہیں۔ اصل پنجم اعتقاد تقیہ کا کہ ائمہ کرتے تھے

اپنے شیعہ کے لئے ایسی چیزیں ظاہر کرتے تھے کہ وہ اوروں سے چھپاتے تھے۔ حالانکہ جن سے چھپاتے تھے وہ بھی اُن کے شاگرد تھے کہ انہی سے انھوں نے علم حاصل کیا اور انہی سے طریقہ اختیار کیا۔ پھر آنحضرات کو بلا وجہ دروغ و جھوٹ بولنا کیا ضرور تھا۔ اور یہ پانچوں اصلیں شیعہ کے نزدیک ایسی ہیں جیسے پانچ ارکان اسلام کے، اور ہر ایک ان میں سے ظاہر و برملا مخالف عقل اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنتِ مشہور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بلکہ جتنی شریعتیں اگلی اور حال کی ہیں سب کے برخلاف قواعد و قوانین بگاڑتی ہیں اس سبب سے ہم نے بہ یقین جانا کہ یہ مذہب اپنے دل کا نکالا ہوا اور نیا پیدا کیا ہوا ہے نہ کہ حاصل کیا ہوا خاندانِ نبوت سے۔

یہ جو پانچ اصلیں ہم نے بیان کیں ان پانچوں اصلوں میں دلیلیں ان کی دو حال سے باہر نہیں یا تو اخبار ہیں جن کے راوی مجہول و ضعیف اور چھپے چھپائے جو اگلی صدیوں کے علماء میں مطلق واصلاً ذکر و مذکور اُن کا نہیں۔ اور رجال ان روایتوں کے سب مجروح و مقدوح جن پر تہمتیں جھوٹ اور بے دیانتی کی لگائی گئی ہیں خود یہ ایسے ہیں، یا قرآن کی آیتیں سو بھی ایسی کہ جس بات پر انھوں نے اُن کو سند پکڑا ہے ظاہر وہ آیتیں اس مطلب کو نہیں پہنچاتیں، بلکہ جب تک اُن کے سبب نزول اور خاص وقائع کہ اکثر وہ بھی ضعیف اور دل کی بنائی خبریں ہوتی ہیں نہ بیان کی جائیں پھر بھی اصل مدعا پر نہیں جمتیں۔ مگر جب ہی جمتی ہیں جو وہ باتیں جو ان کے دل کی گھڑی اور بنائی ہوتی ہیں بلائی جائیں جیسا کہ مفصل بیان ہوچکا۔ عاقل کو چاہیے کہ ان امورات میں خوب غور و تأمل کرے تب حقیقت حال سے واقف ہوئے اور یہ مذہب بنا بنایا ہوا اس پر ایسا کھل جائے جیسے دوپہر کا سورج، وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

پھر ہم نے دیکھا تو ان کے مذہب کو پانچ مذہب کافروں سے کہ وہ یہودی، نصرانی، صابئین و مجوسی اور ہنود ہیں، کہ ان میں سے اکثر کفار ایسے ہیں جن کے یہاں کتابیں تصنیف و تالیف اور علماء مشہور بھی ہیں یہ امتیاز بھی اُن کو اور مذہبوں پر ہے اور شہرت و کثرت میں مُستثنا ہیں، ان کا مذہب فروع و اصول میں ان پانچوں سے بہت مشابہت رکھتا ہے، اور بالکل خلاف ملتِ حنیفیہ کے ہے جب سوچتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب ان پانچوں مذہبوں کی ایک ہیئت مجموعی ہے کہ ہر مذہب سے کوئی چیز اُنھوں نے اختیار کی ہے۔ اب سنیے، اپنی تعریف میں بہت مبالغہ کرنا اور خدا کے مکر سے امن میں ہونا اور عذاب و سزا اور پرسش و وزن اعمال کا منکر ہونا اور ان باتوں کو اپنے سوا اوروں کے واسطے جاننا، یہ تو سب اُنھوں نے یہود سے لیا ہے جیسا کہ اُن کا قول ہے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں اور اُس کے محبوب)۔ وَلَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً (اور نہیں چھوئے گی ہم کو آگ مگر کچھ دن) اور لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى (ہرگز جنت کو نہیں جائے گا مگر جو کوئی ہوگا یہود یا نصاریٰ)۔ اور اصحاب کرامؓ سے تعصب و عناد

اختیار کرنا یا جو محبوب و مقرب خدا تعالیٰ کے ہیں ان سے، یہ بھی یہود سے اخذ کیا ہے قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ (تو کہہ کون دشمن ہے جبریلؑ کا بیشک اُتارا اُس نے اُس کو تیرے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے) اور خدا کو مخلوق سے مشابہ کرنا۔ اور قول بالبدا بعینہٖ قول یہود کا ہے۔

اور یہ جو ائمہ رضی اللہ عنہم کی محبت میں نہایت غلو کرتے ہیں اور اعتقاد خدا ہونے کا ان پر رکھتے ہیں یا خدا کی رُوح کا اُترنا ان کے جسموں میں جانتے ہیں، اور ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں اور علم غیب کا ان کے واسطے ثابت کرتے ہیں اور اُن کی موت اُن کے اختیار میں ٹھہراتے ہیں، اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کو دوزخ و جنّت کا مختار اور بانٹنے والا بناتے ہیں، اور روز جزا کا حاکم قرار دیتے ہیں، اور اُن کی محبت کے سبب سے اپنے کو بخشا ہوا اور نجات یافتہ جانتے ہیں، یہ سب نصاریٰ سے لیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بندہ ہی نہیں کہتے اور یہ سب مراتب ان کے واسطے ثابت کرتے ہیں اور پاپا در مذہب نصاریٰ بمنزلہ امام کے ہے شیعہ کے نزدیک جزواً بجزوٍ۔ نصف قرآن کو ظاہر معنے پر یقین کرنا اور نصف جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور مہاجرین و انصار کی مدح میں ہے اُن میں بیہودہ تاویلیں کرکے بدل دینا یہ صورت یہود و نصاریٰ دونوں میں مشترک ہے۔ اور امامت کو خاص اولاد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے مخصوص کرنا مشابہ قول یہود کے ہے کہ نبوت کو اولاد حضرت اسحٰق علیہ السلام سے مخصوص کرتے ہیں۔ اور خود کو اولیاء خدا کا کہنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شیعہ کی مدح میں دُور دُور جانا یہ بھی انھوں نے یہود سے لیا ہے قُلْ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ ہَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّکُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰہِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (کہہ تو اے وہ لوگ کہ یہود و نصاریٰ ہوگئے ہو اگر تم گمان کرتے ہو کہ بیشک تم دونوں اللہ تعالیٰ کے قریب قرابت دار ہو سوائے اور لوگوں کے تو جب جانیں موت کی تمنا کرو اگر سچے ہو) اور کلام اللہ کے لفظ و معنی میں تحریف کرنا اور اُس میں اور الفاظ بڑھانا بعینہٖ صفت یہود کی ہے۔ یہود کہتے ہیں کہ جہاد جائز نہیں جب تک مسیح دجّال نہ نکلے، اثنا عشریہ کہتے ہیں کہ جہاد جائز نہیں ہے جب تک کہ امام مہدی نہ خروج کریں۔ نماز مغرب میں اتنی تاخیر کرنا کہ ستارہ نظر آجائے بعینہٖ مذہب یہود کا ہے۔ اور تین طلاق سے دفعۃً منکر ہو جانا بعینہٖ قول یہود کا ہے۔ اور قول یہود کا ہے کہ جو کوئی کسی مسلمان کے قتل و ایذا میں کوشش کرے تو اُس کو ایسا ایسا ثواب ہے۔ امامیہ نے بھی اہل سُنّت کے قتل کو برابر عبادت ستّر برس کے قرار دیا ہے۔ یہود کہتے ہیں لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ (نہیں ہے ہم پر طلب حق امیین میں راہ الزام کی) امامیہ کہتے ہیں کہ مال و ازواج اہل سُنّت میں مضائقہ نہ کرنا چاہیئے۔ یہود عیسیٰ بن مریم اور اُن کی ماں اور اُن کے حواریوں کو گالیاں دیتے ہیں اور بُرا کہتے ہیں شیعہ بھی صحابہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء رضی اللہ عنہم اور ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتے ہیں اور بُرا کہتے ہیں۔ نصاریٰ اپنے پیشاب و رغلیظ میں لت پت ہو جانے سے کچھ اندیشہ نہیں کرتے ان کے نزدیک مثل اور فضلات کے ہیں جیسے تھوک

رینٹ۔ یہی مذہب شیعہ کا ہے جو تحقیق کیا گیا کہ مذی اور منی اور ودی اور پیشاب کے بعد جھاڑنے قضیب کے نکلے اور جو غلیظ خشک ہوگیا ہو، جیسا کہ ان کے فقہ میں گزرا نجس نہیں جانتے۔ اور نصاریٰ نماز میں قبلہ خاص کا التزام نہیں کرتے، اور کہتے ہیں چاروں طرف سجدہ جائز ہے۔ امامیہ بھی نفلوں میں بلا عذر قبلے کا سامنے ہونا ساقط کرتے ہیں اور ہر طرف سجدہ کرتے ہیں۔ اور ٹھہرانے عیدوں ایجاد کی ہوئی نئی نکالی ہوئی میں بھی مشابہتِ تمام نصاریٰ سے رکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنی طرف سے تراشی ہیں۔ عاشورے کے دن ائمہ رضی اللہ عنہم کی قبروں کی تصویریں بنانا اُن کو سجدہ کرنا اور اُن کے سامنے دست بستہ کھڑے رہنا موافق عملِ نصاریٰ کے ہے کہ کلیسا میں صورت حضرت عیسیٰؑ کی اور حضرت مریمؑ کی بناتے ہیں اور تعظیم و سجدہ کرتے ہیں۔

اور مشابہت ان کی صابئین سے یہ ہے کہ ایام قمر در عقرب سے اور طریقہ سے جس کی ہندی بھدرا ہے اور محاق جس کو چاند ڈوبنا بولتے ہیں بچتے ہیں اور ایام کی سعادت و نحوست میں بہت غور کرتے ہیں۔ اور نوروز اور شرف آفتاب کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ اور صابئین سب ستاروں کو فاعل مختار اور خالق سفلی چیزوں کا جانتے ہیں۔ رافضی بھی جملہ حیوانات کو خالق جانتے ہیں اور فاعل مختار سمجھتے ہیں۔ مجوسی خالق نیکی کا یزدان کو اور خالق بدی کا اہرمن کو جانتے ہیں۔ رافضی بھی خالق خیر کا خدا کو اور خالق شر کا شیطان کو سمجھتے ہیں۔ اسی واسطے حضرات ائمہ رضی اللہ عنہم نے خطاب اَلْمَجُوْسُ ہٰذِہِ الْاُمَّۃِ کا دیا ہے جیسا کہ الٰہیات کے باب میں گزرا۔ مجوسیوں کو عورت مباح کرنے کے مقدمہ میں بڑی وسعت ہے اور نہایت ہی بے غیرتی و بے حیائی۔ رافضی بھی متعہ اور فرجیں حلال ٹھہرانے میں انہی کے قدم بقدم ہیں، بلکہ متعہ اور تحلیل فرج کے مقدمہ میں بیٹیوں اور بہنوں کو حلال جانتے ہیں جیسا کہ گزرا۔

اور مشابہت ان کی ہنود کے ساتھ ایام عاشورا میں جیسا کہ ہنود اپنے بُتوں کے ساتھ کرتے ہیں یہ ائمہ رضی اللہ عنہم کی قبروں کی صورت کے ساتھ کرتے ہیں، غسل دیتے ہیں اور سوار کرتے ہیں اور نوبتیں بجاتے ہیں اور اُن قبروں کے سامنے کھانا رکھتے ہیں اور اولش بانٹتے ہیں۔ اور شادی نکاح امام قاسم اور حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا کی اور ان کی مہندی بطور زندوں کے کرتے ہیں۔ ان کا وہم ہنود کے وہم سے بھی زیادہ ضعیف ہے کہ ہنود اشخاص کی تصویروں کی پرستش کرتے ہیں اور یہ قبروں اور جنازوں کی۔ ہنود گائے کے پیشاب اور گوبر پاک ہونے کے قائل ہیں رافضی بھی پیشاب بقر و انسان دونوں کو اور پاخانہ و گوبر خشک کو پاک جانتے ہیں۔ اور ہنود میں چھپانا ذکر اور خصیوں اور مقعد کا ستر عورت میں منحصر ہے مذہب شیعہ میں بھی یہی ہے۔ اور ایک گروہ بالکل ننگا ہونے کو عبادت میں اچھا جانتے ہیں، رافضی نماز و طواف میں ننگا ہونا جائز جانتے ہیں بشرطیکہ اس کے کہ خصیوں پر مٹی لتھیڑ لیں۔ ہنود اپنے معبد کی خاک کو پیشانی پر ملتے ہیں یہ سجدہ گاہ بناتے ہیں اور اُس کو قبلہ کرتے ہیں۔

ہنود اپنی عبادت و پرستش میں کپڑے کا نجاست سے پاک ہونا واجب نہیں جانتے ہیں، امامیہ بھی اس کپڑے کا پاک ہونا جو بدن سے نہیں لگا ہے شرط نماز کی نہیں جانتے جیسے پگڑی اور ازار بند اور پٹکا اور موزہ اور چادر جو سر پہ پڑی ہو، اور پیشاب اور مذی اور ودی کی طہارت میں بھی۔ ہنود عبادت کے لئے کوئی طرف معین نہیں کرتے۔ امامیہ بھی نفلوں اور سجدہ تلاوت میں سامنے ہونا قبلے کا فرض نہیں جانتے۔ ہنود اپنے روزے میں بعض چیزوں کا کھانا تجویز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ رافضی بھی اُن چیزوں کا کھانا جن کی عادت نہیں ہے جیسے موم اور مثل اس کے، اس کو بھی روزہ توڑنے والا نہیں جانتے۔ ہنود خونِ مسفوح کو یعنے وہ خون جو ذبح کے وقت ذبیحہ سے بہتا ہے حلال جانتے ہیں۔ امامیہ بھی اگر خُون مسفوح بہت سا کھانے میں مِل گیا ہو اُس کا کھانا حلال جانتے ہیں۔ ہنود ظاہر کرنا و شہرت دینا نکاح کو ضروری نہیں جانتے، ایسے ہی امامیہ مُتعہ میں۔ ہنود فرجیں چھوکریوں کی حلال کر دیتے ہیں چاہے جس کو دیں۔ یہی مذہب امامیہ کا ہے۔ ہنود زر و سیم غیر مسکوک میں زکوٰۃ واجب نہیں جانتے۔ یہی مذہب امامیہ کا ہے۔

باب (۱۲) دوازدہم

در تولّا و تبرّا

معنے تولّا کے محبت ہے اور معنے تبرّا کے عداوت۔ یہ بحث بڑی نازک ہے۔ اس میں چند مقدموں کو بترتیب سُننا چاہیئے اور آیاتِ قرآنی اور ان کے جو علماء معتبر ہیں اُن کے قولوں سے ثبوت پہنچانا چاہیئے پھر نتیجہ اُن مقدموں کا نکالنا چاہیئے تو ظاہر ہو کہ قابل تولّا کون ہے اور لائق تبرّا کون ہے شیعہ کے اصُولِ مقررہ کے موافق، اور ہرگز دخل دینا نہ چاہیئے اہلِ سُنت کی باتوں پر۔

* مُقدمہ اولیٰ۔ مخالفت اور عداوت میں فرق ہے۔ مخالفت کو عداوت لازم نہیں ہے۔ ہرچند یہ مقدمہ ظاہر ہے لیکن واسطے دفع مکابرہ کے دو طور سے ثابت کر سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ مُلا محمد رفیع واعظ جس کی ابواب الجنان ہے اور شیعہ کے بڑے معتبر لوگوں سے خصوص اثنا عشریہ، اُس نے تصریح کی ہے اس طور پر کہ درمیان دو مؤمنوں کے دنیا کے معاملات میں مخالفت ہو سکتی ہے لیکن ایمان کی محبت ہر ایک کو دوسرے سے ہے۔ دوسرے یہ ہے کہ موافق اعتقاد شیعہ اثنا عشریہ کے درمیان دو مجتہد مثلاً شیخ ابن بابویہ اور سید المرتضیٰ علم الہدیٰ کے بعض مسئلوں میں فقہ کے یا وہ روایتیں جو روایت کی گئی ہیں اُن کے صحیح کرنے میں مثلاً خبر روز میثاق کی وغیرہم مخالفت دونوں میں ثابت ہے، اور مذہب میں جو دونوں کے مغایرت نہیں ہے ایک ہیں باہم محبت رکھتے ہیں۔ پس مخالفت اعم ہے عداوت سے۔ اس واسطے یہ نہیں ہے کہ جس موقع پر مخالفت ہو عداوت بھی لازم ہو البتہ جہاں عداوت ہو گی مخالفت بھی ضرور ہو گی۔

* مقدمہ دوسرا محبت و عداوت کبھی جمع بھی ہو سکتی ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عداوت دو قسم ہوتی ہے ایک دینی جیسے مسلمانوں کی کافروں کے ساتھ اس سبب سے کہ دونوں کے اصولِ عقائد کے مختلف ہیں اِس واسطے ایک دوسرے کو دشمن جانتے ہیں۔ دوسرے عداوت دنیا کی مثلاً عداوت مُسلمانوں کی مُسلمان بھائی کے ساتھ بنظر اپنی بھلائیوں اور مضرتوں دُنیا کے کہ اُس کی وضعوں سے طبیعت نفرت کرتی ہے پس اُس عداوت و محبت کا جو اپنے جنس میں مختلف ہیں یعنی دنیا والی یا دین والی ان کا جمع ہونا بعید نہیں جانا جاتا بلکہ اکثر اوقات واقع ہوتی ہے۔ لیکن محبت و عداوت مختلف الجنس و مختلف النوع و مختلف الصفت یہ بھی جمع ہوتی ہیں مثلاً مؤمن

اور فاسق کہ بموجب حیثیت ایمان کے محبوب ایک دوسرے کے ہیں جیسے قول اللہ تعالیٰ کا اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (مومن مرد اور مومن عورتیں بعض اُن میں بعض کے دوست ہیں) اور فسق کے سبب مبغوض ایک دوسرے کے کہ باہم بغض رکھتے ہیں، بدلیل قولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا ہے خائنوں کو، اور اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا ظالموں کو) اس دلیل سے کہ باز رکھنا بدی سے فرض ہے اور ادنیٰ مراتب بدی بغض رکھنا ہے۔

اب ہم اس بات پر آئے کہ اگر کافر کے اعمال صالح ہیں مثل خیرات اور نیک چیزوں اور عدل و انصاف اور سخاوت اور خوش عہدی اور صدق گفتاری کے تو ایسا شخص محبت دینی کے ساتھ محبوب ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ظاہر فکر تو یہ حکم کرتی ہے کہ محبت و عداوت دونوں جمع ہوں مومن اور فاسق دونوں پر قیاس کر کے۔ مثلاً محبت حاتم کی اُس کی سخاوت سے اور محبت نوشیروان کی اُس کی عدالت و انصاف سے۔ لیکن فکرِ باریک ایسی محبت و عداوت دینی کے جمع ہونے کو اُس کے حق میں محال جانتی ہے۔ اس سبب سے کہ جو عمل مقبول اللہ خدا کا ہے وہ فرع درستی اعتقاد کا ہے اور جب اعتقاد اُس کا خراب ہے عمل بھی اُس کا دین کے اعتبار سے خدا کے نزدیک خراب ہے قابل اعتبار کے نہیں پھر محبت کا کیا ٹھکانا۔ پس کافر محسن یا کافر عادل سے جو محبت ہو جاتی ہے وہی محبت دنیا کی ہے نہ کہ دین کی۔ قولہ تعالیٰ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ۔ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (جو لوگ کہ کافر ہوتے اعمال اُن کے مثل دھوکہ جنگل کے ہیں کہ پیاسا اُس کو گمان پانی کا کرتا ہے یہاں تک کہ اُس کے پاس جاتا ہے اور اُس کو کچھ نہیں پاتا اور پایا خدا کو اُس کے پاس پس پورا کیا اللہ تعالیٰ نے حساب اُس کا حساب اعمال سے اور اللہ بہت جلدی حساب کرنے والا ہے) پس معلوم ہوا کہ محبت و عداوت ایک شخص کے ساتھ ایک حیثیت سے محال ہے، اور دو حیثیت سے جائز و واقع جیسا کہ ملا شفیع واعظ "ابواب الجنان" والے نے دو آدمیوں کے قصّے میں کہ سادات سے تھے حضرات ائمہؑ سے نقل کی ہے۔ اور یہ اجتماع جیسا کہ عوام امت میں ممکن ہے خواص اُمت میں بھی محال نہیں ہے حسب اقتضائی بشریت مشترک ہے اور امت کے عام لوگوں اور خاص میں جو فرق ثابت ہے اس سبب سے ہے کہ بشریت کے حکم خاص لوگوں میں کم تھے اور عام میں موجود۔ اس سبب سے کہ خاصوں میں کثرت فضیلتوں اور صفتوں کی ہے اور عام میں قلت، اُن کے ایمان میں قوت ہے ان کے ایمان میں ضعف۔ اُنھوں نے پہلے ایمان قبول کیا ہے اور احکام الٰہی مانے ہیں اور شریعت کو رواج دیا ہے وہ سابق ہیں، یہ اُن کے مسبوق و پیرو۔ جیسا کہ خبر طویل درجاتِ ایمان میں کلینی کی روایت میں جو امام جعفر صادقؑ سے کی ہے گزرا۔

اور خاص لوگ اُمت کے باتفاق تین فرقے ہیں۔ اہلِ بیت یعنی اولادِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اقربا۔ اور ازواج مطہراتؓ اور اصحابؓ خاص مہاجر ہوں یا انصار۔ اور آن اتنا ہے کہ دونوں طرف مقابل میں کچھ مناسبت ہو۔ مثلاً ہر واحد اُمت کو زیبا نہیں ہے کہ خاصوں کے ساتھ ایسا پیش آئے جیسا کہ خاص آپس میں پیش آتے ہیں، موافق بہت سی دلیلوں شرعی کے کہ اُن میں سے یہ ایک حدیث مشہور ہے اَللّٰهَ اَللّٰهَ لَا تَتَّخِذُوْا عُرْضَةً مِنْ بَعْدِی الخ (خدا سے ڈرو خدا سے ڈرو میرے اصحابؓ کے حق میں، بعد میرے اُن کو نشانہ اپنے تیر کا نہ بناؤ) اور انہی میں جو کچھ اہلِ بیت و انصار کے حق میں آیا ہے اِقْبَلُوْا عَنْ مُحْسِنِهِمْ وَتَجَاوَزُوْا عَنْ مُسِيْئِهِمْ (قبول کرو اُن کی نیکی بیان کرنے والے سے اور الگ رہو اُن کے بُرا کہنے والے سے) اور انہی میں سے جو کچھ ازواجؓ کے حق میں آیا ہے وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (یعنے ازواجؓ اُن کی مائیں ہیں) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ اَمْرَكُنَّ مِمَّا يُهِمُّنِیْ مِنْ بَعْدِیْ وَلَنْ تَصْبِرَ عَلَيْكُنَّ اِلَّا الصَّابِرُوْنَ (ہر آئینہ مقدمہ تمھارا اُس قسم سے ہے کہ فکر میں ڈالے مجھ کو کہ بعد میرے قائم نہ رہیں گے تمھاری خدمت میں مگر صبر کرنے والے) یعنے تمھاری اطاعت و فرمانبرداری نہیں کریں گے مگر صبر کرنے والے۔ اور یہی لوگ تمھاری تعظیم و توقیر بجالائیں گے جن کا صبر کامل ہے۔ اور بیشمار عرفی دلیلوں کے ساتھ۔ منجملہ اُن کے یہ کہ اولاد کا ماں باپ کے ساتھ ہرگز ایسا معاملہ نہیں ہے کہ اپنے یا اپنے امثال میں دار و گیر اور طعن و تشنیع کر سکے۔ ہر چند یہ سبب اُن میں ان سے ثابت بھی ہوں۔ اور اُن میں سے یہ کہ ہر دولت میں ایک گروہ خاص اُس دولت کا ہوتا ہے جیسے شہزادے اور بیگمات اور وزیر اور بڑے بڑے امیر جن سے اُس دولت کو ترقی ہوتی ہے اور دولت بڑھتی ہے ابتدا میں اور انتہا میں اُس دولت کی بقا ہوتی ہے اُن کی کوشش و تلاش سے جو اُس دولت قائم شدہ اور صورت گرفتہ میں وہ بجالاتے ہیں۔ اُن لوگوں کا حق کہ ابتدائے دولت سے اُس کے خدمت گزار ہیں اور ہمیشہ ربط اُس سے جتنے اُس دولت سے فائدہ پانے والے ہیں سب پر ثابت ہے۔ اور ایک جماعت ایسی ہوتی ہے کہ وہ نئی نئی آئی اور اس دولت کی خوشہ چین بنی پس جو معاملہ کہ یہ جماعت نو آمدہ آپس میں کرتے ہیں شہزادوں اور بیگمات اور وزیروں امیروں سے کریں بے شبہ ان پر صاحبِ دولت طعن کرے گا اور مردودِ بارگاہ بنائے گا۔ اور اگر اپنے معاملے کو قیاس کریں اس معاملہ پر جو خاص اس دولت سے باہم رکھتے ہیں مثلاً بات پکڑنا اور نکتہ چینی ایک دوسرے کی یا انکار و عتاب ایک دوسرے کا یا مشوروں میں مخالفت بلکہ کسی وقت میں باہم اُن کی نوبت جنگ و قتال تک پہنچ گئی ہو۔ تو ایسا گروہ بے شبہ لوگوں کے نزدیک بے ادب اور اُس دولت کا ہلکا اور خفیف کرنے والا ہوگا۔ اور دلائل عرفی سے یہ کہ اگر کوئی شخص رذیلوں سے کسی شخص اشراف کے ساتھ وہ معاملہ کرے کہ اس اشراف نے دوسرے اشراف کے ساتھ کیا ہے عداوت و اہانت اور بُرا کہنے کے موقع پر عاقلوں کے نزدیک

ہرگز معاف و معذور نہ ہوگا۔ بلکہ اُس کو تنبیہ و تعزیر کریں گے اور یہی کہیں گے کہ تو نے اپنی حد کیوں نہ پہچانی، تجھ کو یہ حق نہ تھا کہ ایسے شرفاء کے ساتھ یہ معاملہ کرتا۔

مقدمۂ سوم۔ جو عداوت کہ مؤمنوں میں دنیا کے سبب سے واقع ہو مخل ایمان کے نہیں ہوتی لیکن مذموم و قبیح ہے۔ اور اگر رعایت رُتبے کی نہ ہو قبیح تر اور شنیع تر ہے۔ اور معنی مراعاۃ رُتبے کے یہ ہیں کہ دونوں اُمت کے خاص لوگوں سے ہوں یا دونوں عام لوگوں سے۔ اور معنی عدم مراعاۃ کے یہ ہیں کہ عام آدمی خاص سے بڑے رتبے اور خاص سے وہ کام کرے جو اپنے ہم جنس سے کرتا ہے۔ اور خاص امت کے اوّل صدی میں تین گروہ تھے اصحابؓ، ازواجؓ اور اہل بیتؑ۔ اور بعد کی صدیوں میں بھی تین گروہ رہے سادات اور علماء اور مشائخ طریقت یعنی اولیاء۔ پس یہاں دو دعوے ہم پہنچے۔ ایک یہ کہ مخل ایمان نہیں ہے دوسرے یہ کہ مذموم و قبیح ہے۔ ان دونوں دعووں کے ثابت کرنے کو ایک روایت کافی کلینی کی کافی ہے۔ مُلا محمد رفیع واعظ نے حضرت ابو عبداللہ علیہ السلام کی آزردگی میں بروایتِ صفوان جمال کے کافی سے نکالی ہے، اور آخر میں کہا کہ حضرت ابو عبداللہ کی ایک ہی رات گفتگو سے گزری تھی کہ عبداللہ بن حسنؓ کے گھر گئے اور صلح کر لی۔ اور بھی کافی سے نقل کی کہ: لَا يَفْتَرِقُ رَجُلَانِ عَلَى الْهِجْرَانِ إِلَّا اسْتَوْجَبَ أَحَدُهُمَا الْبَرَاءَةَ وَاللَّعْنَةَ وَرُبَّمَا اسْتَحَقَّ ذٰلِكَ كِلَاهُمَا قَالَ الرَّاوِي وَهُوَ مُعَتِّبٌ جُعِلْتُ فِدَاكَ هٰذَا الظَّالِمُ فَمَا بَالُ الْمَظْلُومِ قَالَ لِأَنَّهُ لَا يَدْعُو أَخَاهُ إِلَى الصُّلْحِ وَلَا يَتَغَامَسُ لَهُ (جدا نہیں ہوتے ہیں دو مرد بعد آزردگی کے مگر دونوں سے ایک سزاوار بیزاری و لعنت خدا کا ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے سزاوار ہوتے ہیں دونوں۔ کہا راوی نے اور نام اُس کا معتب ہے کہ میں تم پر فدا ہوں یہ حال تو ظالم کا ہوا اب مظلوم کا کیا حال ہے۔ کہا اس واسطے کہ وہ اپنے بھائی کو صلح کی طرف نہیں بلاتا ہے اور چشم پوشی نہیں کرتا ہے) پس معلوم ہوا کہ اس قسم کی آزردگیاں خواص اُمت کے درمیان میں آتی ہیں معاذاللہ کہ طرفین سے کسی کے ایمان کے مخل ہوتی ہوں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی آزردگی بھی مذموم اور قبیح ہے جلد اُس کا تدارک کرے۔ دوسرے گواہ اِس بات کے کہ اُمت کے خاصوں میں بسبب بشریت کے آزردگی ہو جاتی ہے اگرچہ درجہ اور رتبہ میں باہم مساوی ہوں جیسا کہ قصہ آزردگی حضرت امیرؑ کا ہے جس پر ان کا ابوتراب نام رکھا گیا کہ آپؑ کے اور سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کے درمیان میں ثابت ہوئی، اِس قصے کو بھی ملا رفیع لایا ہے اور اقتضائے بشریت کے حوالے کیا ہے۔

مقدمۂ چہارم۔ عداوت مطلق دینی کا مدار کفر پر ہے پس ہر کافر کو دشمن جاننا چاہیے کہ علت عداوتِ دین کی موافق نص قرآن کے کفر ہے اور عِنْدَ اِشْتِرَاكِ الْعِلَّةِ يَجِبُ اِشْتِرَاكُ الْحُكْمِ قولہ تعالیٰ لَا تَجِدُ

قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (نہیں پائے گا تو کسی قوم کو جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے کہ دوست رکھتے ہیں وہ ایسے شخص کو جو حد سے گزرا ہے اللہ تعالیٰ و رسولؐ کے ساتھ اگرچہ اُن کے باپ ہوں یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے) و قولہ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ (اے ایمان والو مت پکڑو یہود و نصاریٰ کو دوست کہ بعض اُن کے دوست بعض کے ہیں اور جو دوست رکھے گا اُن کو تم میں سے وہ بھی انہی سے ہے بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا) و قولہ تعالیٰ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ (چاہیے کہ نہ پکڑیں ایمان والے کافروں کو دوست سوائے مومنوں کے اور جو ایسا کرے گا اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ نہیں ہے)۔ پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمان کو کافر کے ساتھ سبب دنیا کی محبت کے ایسے ہوں جیسے کہ کسی کا خود باپ ہو یا بیٹا یا بھائی یا کنبے میں اور دوستی ثابت ہو تو ان سب کو نظر سے گرا دے اور مدار عداوت کا اُس کے کفر پر رکھے اور مدار محبت دین کا ایمان پر ہے پس تمام اہل ایمان سے خواہ مطیع ہوں خواہ نافرمان محبت رکھنا بحیثیتِ ایمان واجب ہے۔ اس واسطے کہ وہ علت کہ جس سے محبت واجب ہو ایمان ہے کہ ہر ایک میں موجود ہے وَعِنْدَ وُجُوْبِ الْعِلَّةِ يَجِبُ وُجُوْدُ الْحُكْمِ۔ قولہ تعالیٰ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ۔ اور قاعدہ مقرر ہے مُحِبُّ الشَّيْءِ مُحِبٌّ لِمُحِبِّهٖ وَمَحْبُوْبِهٖ (دوست کسی شے کا دوست ہے اُس کے دوست کا اور اُس کے محبوب کا) اور اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کا محبوب ہے، اور محبت اُس کی ہر مومن کے دل میں اَوروں کی محبت پر زیادہ ہے۔ قولہ تعالیٰ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (اور وہ لوگ کہ ایمان لائے ہیں اشد محبت اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں) پس جب اللہ تعالیٰ مومنوں کو مطلق دوست رکھتا ہے تو ہر مومن کو لازم پڑا کہ جملہ مومنین کو دوست رکھے ورنہ خدا کا دوستدار نہیں ہے۔ قولہ تعالیٰ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (اللہ دوست اُن لوگوں کا ہے جو ایمان لائے نکالتا ہے اُن کو تاریکیوں سے طرف نور کے) و قولہ تعالیٰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ (یہ اس سبب سے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا محب ہے اور کافروں کا محب نہیں ہے) و قولہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے قریب کرے گا اللہ تعالیٰ اُن کے واسطے دوست) اور قرآن مجید سے بھی بیقین معلوم ہے کہ ولایت مومنین کی کسی گناہ صغیرہ اور کبیرہ سے جاتی نہیں رہتی ہے۔ قولہ تعالیٰ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا

وَاللّٰہُ وَلِیُّہُمَا (جب قصد کیا تم سے دو فرقوں نے یہ کہ نامردی کریں اور خدا ان کا مددگار ہے) اور بالاجماع مراد ان دو فرقوں سے بنوسلمہ اور بنوحارثہ ہیں کہ اُحد کے دن کفار سے لڑائی ہونے سے قبل عبداللہ بن اُبی کے جو رئیس منافقوں کا تھا بہکانے سے قصد بھاگنے کا کیا تھا اور وہ بالاجماع کبیرہ ہے، خصوصاً ایسے جہاد سے کہ جہاں پیغمبرِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم خود بہ نفسِ نفیس موجود اور بھاگنے میں اُن کے ہلاک کا خطرہ بلکہ گمان۔ اور ابھی تازہ وقت اسلام کے جمنے پیدا ہونے اور اُگنے کا تھا کہ ذرا بھی کوتاہی نصرت و مدد میں ہو تو جڑ بنیاد سے برباد ہو جائے۔ باوصف ان سب مراتب کے حق تعالیٰ نے اُن دونوں فرقوں کی ولایت سے ہاتھ نہ اُٹھایا اور اُن کو مؤمن فرمایا۔ اور عَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ || (اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں ایمان والے) اور اتنی محبت محض بسبب ایمان ضروری کے ہے اور جب کہ اعمالِ نیک جیسے جہاد اور لڑائی مُرتدین سے اور توبہ اور طہارت اور پرہیزگاری اور اخلاقِ فاضلہ بھی مؤمنین میں پائے جائیں تو کیسے اولیٰ اور تخصیص کے ساتھ محبوب خدا کے ہوں گے۔ قولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ (بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے اُن لوگوں کو جو لڑتے ہیں اُس کی راہ میں ایسے صف باندھ کر کہ گویا وہ بنائے مضبوط ہے) و قولہ تعالیٰ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّہُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗ (اے وہ لوگو! کہ ایمان لائے ہو جو کوئی پھر جائے گا تم میں سے اپنے دین سے تو جلدی لائیگا اللہ تعالیٰ دوسری ایسی قوم کہ دوست رکھتا ہے وہ اُن کو اور دوست رکھتے ہیں وہ اُس کو) و قولہ تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے پاکیزہ لوگوں کو) و قولہ تعالیٰ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ و قولہ تعالیٰ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔

✺ **مقدمہ پنجم**۔ مؤمن کی محبت و عداوت کے درجے کافر کے ساتھ مختلف اور متفاوت ہیں جیسے کہ ہر عاقل کو اپنے اقربا کی محبت دنیوی میں مثلاً باپ اور بیٹا اور بھائی اور چچا اور ماموں اور ماں اور بہن میں تفاوت و اختلاف ہوتا ہے۔ اور حال تفاوت و اختلاف کا معلوم ہے۔ ایسے ہی دنیا کے دشمنوں میں جس قدر عداوت قوی و ضعیف ہوتی ہے یا جس قدر قلت و کثرت عداوت کے آثار کی ہو اُسی قدر تفاوت اور اختلاف مراتب عداوت و جدائی کے ہیں۔ ایسے ہی محبت دینی کہ ایمان کے سبب سے رکھتا ہے مختلف اور متفاوت ہوگی موافق زیادتی اور قوت ایمان کے اور اُس کے علو درجے کے اور بقدر اختلاف و فرق مؤمن لوگوں کے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت و محبت میں۔ پس جس کسی کی محبوبیت زیادہ تر ہے محبت اُس کی زیادہ تر رکھنی چاہیے اور اعلیٰ درجے محبت دینی کے وہ ہیں کہ سید المؤمنین رسولِ رب العٰلمین حبیب اللہ علیہ السلام سے متعلق ہے بالاجماع۔ اُن کے بعد وہ جماعت مؤمنوں کی کہ بڑا قربِ اتصال اُس ذات پاک سے رکھتے ہیں۔ اور وہ جماعت تین گروہ میں منحصر ہے۔

اوّل فرقہ اولاد و اقربا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجزاء و ابعاض ہیں اور ان کے حق میں فرمایا ہے اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِنْ نِّعَمِہٖ وَاَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوْا اَہْلَ بَیْتِیْ لِحُبِّیْ (دوست رکھو اللہ کو اس واسطے کہ وہ غذا دیتا ہے تم کو اپنی نعمتوں سے اور دوست رکھو مجھ کو واسطے محبت خدا کے اور دوست رکھو میرے اہل بیت کو میری محبت کے سبب سے) دوسرے اُن کے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کہ یہ بھی حکم اُن کے اجزاء و ابعاض کا رکھتی ہیں اُن کے حق میں حق تعالیٰ خود فرماتا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّہٰتُہُمْ۔ (نبی بہت بہتر ہے مؤمنین کو اُن کی جانوں سے اور ازواج اُس کی اُن کی مائیں ہیں) اور سب بنی آدم اس پر متفق ہیں کہ ازواج سے جو نہایت ہی خلط ملط اور اُلفت ہوتی ہے اس وجہ سے وہ حکم شخص کا پیدا کرتی ہیں۔ اسی واسطے شرع میں مصاہرت کو مثل نسب کے محرمیت و میراث میں اعتبار کیا ہے اور احسان کے مقام میں ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے۔ قولہ تعالیٰ وَہُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّصِہْرًا۔ تیسرے اصحاب رضی اللہ عنہم اُن کے جنہوں نے اُن کی رفاقت و ملازمت اختیار کی، اور راہ مددگاری میں جان قربان کی مال و بدن اپنا معرض تلف اور مشقت میں ڈالا۔ عزیز و اقارب اپنے یعنی بھائی بیٹے، باپ بیبیاں، ماں بہنیں آپ کی خوشنودی کے واسطے چھوڑے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے قدردانی ان کے اس عمل کی فرما کر حق ان کا عنایت فرمایا لِلْفُقَرَآءِ الْمُہٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِہِمْ وَاَمْوَالِہِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِہِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ ہَاجَرَ اِلَیْہِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِہِمْ حَاجَۃً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ۔ اور تمام جہان پر ظاہر ہے کہ ایسی محبت و اخلاص اور قُرب و اختصاص نسب سے بدرجہا اعلیٰ و ارفع ہے صرف نسب سے کیا ہوتا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے **شعر**

اَلْقَوْمُ اِخْوَانُ صِدْقٍ بَیْنَہُمْ سَبَبٌ	قوم بھائی محبت کے ہیں ان کے درمیان میں علاقہ
مِنَ الْمَوَدَّۃِ وَلَمْ یَعْدِلْ بِہٖ نَسَبٌ	دوستی ہے جس کے برابر قرابت نہیں ہوتی۔

پس ان تینوں گروہ میں سبب محبت کے نہایت قوی اور بہت ہی بہت اور پورے پورے بے نہایت ہیں بہ نسبت عام مؤمنوں اور گروہ مسلمانوں کے دو طرف سے اوّل تو ان کا قربِ اتصال ہے جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ تمام بنی آدم سے زیادہ محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ دوسرے حقوق ان تینوں گروہ کے شریعت اور دین کے رواج دینے میں اور تقویٰ اور جہاد و طہارت میں بھی یہ سب سے عالی درجہ ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر اس جماعت سے جو بعضے خالی ایمان سے ہوں اور ایسی چیز اختیار کریں جس سے اگلے اعمال ان کے مٹ جائیں اور حبط ہو جائیں وہ البتہ بموجب نص قرآن کے واجب العداوت ہوں گے، گو قربِ اتصال ان کا پیغمبر سے ہو

لیکن وہ قرب اس کے مقابلہ میں لغو وساقط ہوجاتے گا اور وہ لوگ اس حکم سے نکل جائیں گے جیسے ابولہب اور اُس کے مثل۔

اب اس بات کی تلاش کرنا چاہیئے کہ ایمان و بے ایمانی اور عمل وطاعت کے مٹ جانے کی کیا صورت ہے۔ خواجہ نصیر طوسی کی تجرید العقائد سے جس میں بحث ایمان و کفر اور مسئلے حبط اعمال کے ہیں سُننا چاہیئے کہتا ہے اَلْاِیْمَانُ اَلتَّصْدِیْقُ بِالْقَلْبِ وَاللِّسَانِ تصدیق سے مراد اعتقاد اور زبان سے اقرار بِکُلِّ مَاجَآءَ بِہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جو کچھ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم لائے سب پر اعتقاد و اقرار وَعِلْمُہٗ مِنْ دِیْنِہٖ ضَرُوْرَۃً اور جاننا اُس کے دین ضروری کا وَلَا یَکْفِی الْاَوَّلُ یعنے تصدیق بدون اقرار کافی نہیں۔ لِقَولہ تعالیٰ وَاسْتَیْقَنَتْھَآ اَنْفُسُھُمْ اور یقین جان لیں نفس اُن کے وَلَا الثَّانِیْ یعنے اقرار بدون تصدیق بھی کافی نہیں۔ لِقَولہ تعالیٰ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا کہہ تو نہیں ایمان لائے تم وَالْکُفْرُ عَدَمُ الْاِیْمَانِ اشارہ اس بات کا ہے کہ کفر و ایمان میں واسطہ نہیں ہے جیساکہ مذہب معتزلہ کا ہے اَمَّا مَعَ الضِّدِّ اَوْبِدُوْنِہٖ۔ اور یہ بھی کہتا ہے وَالْفِسْقُ الْخُرُوْجُ عَنْ طَاعَۃِ اللّٰہِ مَعَ الْاِیْمَانِ۔ یعنی فسق جو معصیت اختیار کرنا ہے ایمان سے منافات نہیں رکھتا۔ اور مومن فاسق ہوسکتا ہے۔ اور یہ بھی کہتا ہے وَالنِّفَاقُ اِظْھَارُ الْاِیْمَانِ مَعَ اِخْفَاءِ الْکُفْرِ وَالْفَاسِقُ مُؤْمِنٌ مُّطْلَقًا یعنے دنیا و آخرت کے احکام میں مثلاً فاسق کو تجہیز تکفین کرنا اور دُعا مغفرت اور صدقات اُس کے واسطے بجالانا اور لعنت و تبرا اُس سے حرام جاننا حیثیت ایمان سے اور جیسے داخل ہونا جنت میں اگرچہ بعد عذاب کرنے کے ہو اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اُس کے حق میں کام آنا اور عفو آلہی کا ممکن ہونا۔ و قولہ علیہ السلام:-

اِدَّخَرْتُ شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ وَلِوُجُوْدِ جَدْوَاہُ وَالْکَافِرُ مُخَلَّدٌ فِی النَّارِ وَعَذَابُ صَاحِبِ الْکَبِیْرَۃِ مُنْقَطِعٌ لِاِسْتِحْقَاقِ الثَّوَابِ بِاِیْمَانِہٖ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَلِقُبْحِہٖ عِنْدَ الْعُقَلَاءِ وَالسَّمْعِیَّاتُ مُتَأَوَّلَۃٌ وَدَوَامُ الْعِقَابِ مُخْتَصٌّ بِالْکَافِرِ وَالْعَفْوُ وَاقِعٌ لِاَنَّہٗ حَقُّہٗ تَعَالٰی فَجَازَ وُقُوْعُہٗ۔

ذخیرہ کیا ہے میں نے اپنی شفاعت کو واسطے گناہ کبیرہ کرنے والوں کے اور واسطے پایا جانے کوشش اُس کے اور کافر ہمیشہ آگ میں رہنے والے ہیں اور عذاب گناہ کبیرہ والے کا منقطع ہوجانے والا ہے اس واسطے کہ حقدار ثواب کا ہے ایمان کے سبب سے پس جو کوئی ذرہ بھر نیکی عمل کریگا اُس کو دیکھے گا اور عاقلوں کے نزدیک بھی یہ ظلم بد نما ہے اور دلائل نقلی تاویلیں رکھتے ہیں ہمیشہ کا عذاب کافر کے واسطے ہے اور معافی گناہ کی واقع ہونے والی ہے کیونکہ معاف کردینا حق خدا تعالیٰ کا ہے پس جائز ہے واقع ہونا اُس کا۔

پس کل کلام خواجہ نصیر سے معلوم ہوا کہ فاسق کو لعنت و تبرا کرنا جائز نہیں ہے بلکہ جو شان اور مومنوں کی ہے وہی شان اُس کی ہے کہ اُس کے حق میں دُعائے مغفرت اور صدقات کرنا چاہیئے تاکہ عذاب سے

چھوٹ جائے اور امید نجات و شفاعت رسولؐ کی رکھنی چاہیئے جب تک کہ ایمان موجود ہے محبت اُس کی واجب اور عداوت اُس کی بسبب دین کے حرام۔ اس لئے کہ تبرا اور گالی اُس وقت درست ہوتی ہے کہ جب اُس شخص میں کوئی وجہ محبت کی باقی نہ رہے اور وہ مخصوص اس بات پر ہے کہ موت اُس کی کفر پر ہو اس واسطے کہ کفر کے وقت میں کوئی عمل خیر باقی نہیں رہتا ہے۔ اور بسبب فسق اور صدور کبیرہ کے ذاتیے اُس کے تبرا جائز نہیں ہے ہاں اُس کی بدکاری اور گناہگاری سے بیزار ہونا چاہیئے اور مکروہ جاننا ضروری ہے اور یہ بھی خواجہ نصیرؔ تجریدؔ میں کہتا ہے وَالْاِحْبَاطُ بَاطِلٌ لِاِسْتِلْزَامِہِ الظُّلْمَ وَلِقَوْلِہٖ تَعَالٰی فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ۔ پس جب تک کہ کسی شخص سے کفر ثابت نہ ہو کوئی عمل اس کا حبط نہیں ہوتا۔

❋ مقدمہ ششم۔ بالاتفاق صحابہؓ اور ازواج مطہراتؓ سے کوئی بات ایسی کہ موجب کفر ہو یا ان کے اعمال حبط کئے جائیں یا وہ علاقہ کہ ان کو پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اُس کو پایۂ اعتبار سے ساقط کرے ان سے ظہور میں نہیں آئی مگر مخالفت اور لڑائی حضرت امیرؓ کی خلافت کے مقدمہ میں اور چھیننا حقوق اہل بیت کا مثل فدک وغیرہ۔ اب اس بات میں غور کرنا چاہیئے کہ علمائے شیعہ کے کلام میں اس مخالفت اور لڑائی اور حق چھیننے کو کفر جانتے ہیں یا نہیں۔ مشہور تو اس مقام پر قول خواجہ نصیر طوسی کا ہے کہ مُخَالِفُوْہُ فَسَقَۃٌ وَمُحَارِبُوْہُ کَفَرَۃٌ (مخالف اُس کے فاسق ہیں اور لڑنے والے اُس سے کافر) پس اصحاب جس گروہ نے صرف مخالفت پر قناعت کی ہے قابل تبرا کے نہیں ہیں۔ اس واسطے کہ ان کے کلام کی فسق پر اور فاسق مومن ہیں وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ۔ پس شیخینؓ اور عثمانؓ پر ضرور موافق قاعدہ شیعہ کے تبرا جائز نہیں ہے اور ان کے علمائے محققین نے اس قدر اقرار کیا ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ اہل سنت و جماعت حضرات شیخینؓ کے جناب میں جو شیعہ کی طرف سے نسبت تکفیر کی کرتے ہیں تہمت بے اصل بات ہے اس لئے کہ شیعہ کے اصول کی کتابوں میں اس کا کچھ نشان اور پتہ نہیں ہے اور مذہب ان کا یہی ہے کہ مخالف علیؓ کے فاسق ہیں اور اُن سے لڑنے والے کافر جیساکہ نصیر الدین طوسیؒ تجریدؔ میں لایا ہے مُخَالِفُوْہُ فَسَقَۃٌ وَمُحَارِبُوْہُ کَفَرَۃٌ۔ اور حدیث ہے حَرْبُکَ حَرْبِیْ وَسِلْمُکَ سِلْمِیْ (تجھ سے لڑنا مجھ سے لڑنا اور تجھ سے صلح کرنا مجھ سے صلح کرنا ہے)۔ ظاہر ہے کہ حضرات شیخینؓ نے حضرت امیرؓ سے کبھی لڑائی نہیں کی بلکہ بے زحمت لڑائی اور تکلیف استعمال تیغ و سنان کے بسبب کثرت لشکر اور اپنے آدمیوں کے اُن کا حق باطل کرکے خلافت رسول اللہ کی اُن سے چھین لی اِنْتَھٰی کَلَامُہٗ بِلَفْظِہٖ۔ اور مُلّا عبداللہ مشہدی نے جس کی اظہار الحق ہے اس اصل پر خود بحث کرکے جواب اُس کا لکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ مرتضےٰؓ کی خلافت کے مقدمہ

میں نص صریح نہیں ہوئی تو امامیہ جھوٹے ہیں اور اگر نص ثابت ہوئی تو چاہیئے کہ وہ جماعت صحابہؓ کی جنھوں نے مسئلہ خلافت میں مخالفت کی ہے مُرتد ہوئے۔ اور جواب اس بحث کا اس عبارت سے لکھا کہ انکار اس نص کا جس سے کفر واجب ہوتا ہے یہ ہے کہ ایک حکم منصوص کو جھوٹا اور باطل اعتقاد کرنا اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حاشا اُس نص میں جھوٹا ٹھہرانا ہرچند حق واجب کو جانا لیکن دانستہ بسبب غرضوں دُنیا اور محبّت جاہ و مرتبہ کے اُس واجب کو ترک کیا یہ قسم فسق و عصیان سے ہوگا۔ مثلاً زکوٰۃ باجماع اُمّت واجب ہے اور قرآن اور حدیثوں سے منصوص۔ پھر اگر کوئی منکر اُس کے واجب ہونے کا ہو تو کافر ہے اور مُرتد۔ اور اگر معتقد واجب ہونے کا ہے لیکن زر کی محبت سے ادا کرنے میں بُخل کرتا ہے اور اپنے ذمّے رکھتا ہے گنہگار ہوگا۔ اور جو لوگ کہ خلیفۂ اوّلؓ کی خلافت پر متفق ہوئے نہیں کہتے تھے کہ حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نص کی لیکن جھوٹ کہا بلکہ بعض اوقات میں بعض لوگ منکر ثبوت نص کے ہوتے تھے، اور بعض حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں نکمّی تاویل کرتے تھے، اِنْتَہٰی کَلَامُہٗ بِلَفْظِہٖ۔ اور اس کلام میں چند فائدے معلوم ہوئے۔ اوّل یہ کہ انکارِ معنی اور مدلولِ نص سے جس کی بِنا تاویل فاسد پر ہو کفر نہیں ہے بلکہ ایک قسم فسقِ اعتقادی ہے جس کو اہلِ سُنّت کے عُرف میں خطاءِ اجتہادی کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ چھیننا فدک اور منع کرنا قرطاس وغیرہ کا کہ بعض لوگوں سے ظہور میں آیا موافق سند حدیث کے نَحْنُ مُعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرِثُ (ہم گروہ انبیائ کے ہیں نہ ہمارا کوئی وارث نہ ہم کسی کے وارث) یا بموجب سند اس آیت کے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (آج کامل کیا میں نے دین تمھارا) یہ بھی کفر نہیں ہے بلکہ وہی فسق اعتقادی خطاء اجتہادی ہے۔ اِس واسطے کہ جب تاویل باطل مسئلہ نصِّ امامت میں موجب ساقط ہونے کفر کے ہوئی کہ کفر لازم نہیں آتا تو حدیث و آیت پر تمسک کرنا اور سند لانا مسئلہ میراث اور کتاب لکھنے میں کہ ہزاروں درجے مسئلہ امامت سے ادنیٰ اور بالاجماع فروع فقہ سے ہے یہ کیوں موجب سقوط کفر کا نہ ہوگا۔ اور خود اُنھوں نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ الحاصل موافق بنیاد مذہب شیعہ کے ظاہر ہوا کہ اختلاف جو مسئلہ خلافت میں بسبب تاویل کے ہے فسق اعتقادی ہے۔ پس لازم ہوا کہ حضرت مرتضےٰؓ کی امامت بلا فصل کا اعتقاد ان کے نزدیک حقیقت ایمان میں داخل نہیں ہے بخلاف اعتقاد فرض ہونے نماز و روزہ و زکوٰۃ کے کہ ان کو فرض نہ جاننا کفر ہے۔ اور اس فرق کو جو بیان کیا چھوڑنا نہیں چاہیئے یہ فرق گویا اجماعی اس فرقہ کا ہے یعنی سب اس پر متفق ہیں اس میں کسی کو کچھ جھگڑا نہیں ہے۔ اسی واسطے کہ قول خواجہ نصیر طوسی سے یہ سب گواہی چاہتے ہیں۔

اب جو ایمان اس جماعت کا جنھوں نے حضرت مرتضےٰؓ کی مخالفت کی، خود ان کے متقیوں کے اقرار و اعتراف سے ثابت ہوا تو لازم ہے کہ اس گروہ کے اعمال و اخلاق ظاہری سے کہ ان کے حُسن و خوبی باطن کو بتاتے

بحث کرنی چاہیئے۔ مُلّا عبداللہ اس آیت کے بیان میں یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ (اے رسول پہنچا جو کچھ تجھ پر اُتارا گیا ہے اور اگر نہیں کرے گا تو پس نہیں پہنچایا تُو نے اُس کی رسالت کو) لایا ہے کہ فقط اقرار بشہادتین اور تصدیق اجمالی اُس کی جو کچھ نبی صلے اللہ علیہ وسلم لائے مرتبۂ اسلام سے ہے۔ اور بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل اُمّت نے اِس مرتبۂ اسلام کی اجابت رکھی اور خدا تعالےٰ کی طرف سے جو وعدہ حفظ و نگاہداشت کا تھا اُس سے کوئی باہر نہیں نکل گیا۔ اور اتنا ہی عقیدہ اِسلام کو کافی تھا واسطے تابعداری احکام حضرت رسالت پناہ کے جو مشرکوں کے نکالنے میں جزیرۂ عرب سے اور لڑائی مُرتدوں کی جو دین سے پھر گئے تھے اور زکوٰۃ کے مانع تھے اور جھوٹا دعوٰے نبوت کا کرتے تھے اور جہاد کفارِ روم و فارس و سوائے اِن کے ان سب مقدّمات میں جو کچھ واقع ہوا تھا۔ اور جنھوں نے امور خلافت و ریاست کا ارادہ کیا اِن کاموں میں بھی نہایت جدّ و کدّ سے کوشش کی تاکہ کوئی مخلوق میں سے یہ نہ کہے کہ یہ قابل خلافت کے نہ تھے۔ اور بہت انہی لوگوں سے تھے کہ ظاہر کی حرام چیزوں پر پرہیز کیا بلکہ بعض لذتوں کو ترک کیا اور صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو پائی تھی اور اس صحبت کی برکتیں ان کی ذاتوں میں باقی تھیں اس سبب سے کہ قریب ہی زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا تھا اس صحبت سے بڑے زہد و تقوٰی والے تھے، ہاں خلافت کے معاملہ میں جو سہل انگاری و سُستی اُن کی واقع ہوئی وہ فقط اہلِ بیت کے حق میں ضرور ہوئی بس اور کچھ نہیں، اِنْتَہٰی کَلَامُہٗ۔ اِس کلام سے صریح معلوم ہوا کہ اِن لوگوں کو زہد و تقوٰی برکت صحبت شریف نبویؐ کہ وہ برکتیں ان کے نفوس میں باقی تھیں زیادہ اصل ایمان پر تھا۔ اور مزید براں حاصل اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صحبت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دلی اور باخلاص قلبی تھی نفاق اور ظاہر داری کی راہ سے نہ تھی۔ نہیں تو ان کی صحبت سے فیض و برکت کیسے حاصل کرتے۔ عاقل کو اس موقع پر غور کرنا چاہیئے کہ جب ایمان اور پرہیزگاری اور زہد و تقوٰی اس گروہ کا انہی کے اقرار و اعتراف سے ثابت ہوا یقیناً۔ پھر دعوٰی کرنا کہ اہلِ بیت کے حق میں اور امر خلافت میں ان سے معصیت ظہور میں آئی ایسا ہے جیسے مَاثَبَتَ بِالْیَقِیْنِ کے خلاف۔ یعنی ایک شے یقین سے ثابت ہو جائے پھر بھی اس کے خلاف کرنا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ امر خلافت بھی ان سے بسبب سند کسی دلیل کے واقع ہوا یا بسبب کسی نص کے سمجھے ہوں نہ بقصد کسی معصیت کے۔ اس لئے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان میں اثر کئے ہوئے ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسے بڑے کام میں ایسی حرکت بے برکت اپنے دُنیا کے لالچ اور محبّت جاہ و مال سے دیدہ دانستہ صادر ہوتی۔ ورنہ زُہد و تقوٰی اور حرام چیزوں سے بچنا مطلق ان میں نہ تھا۔ اور یہ کچھ کہا ہے کہ مخلوق کی نظر سے دور نہ پڑیں رجم بالغیب ہے اور دعوٰی اس کا کہ ہم کو علوم قلوب حاصل ہے ہم لوگ تو مکلف ظاہر حال کے ہیں جس کو بظاہر اچھا دیکھتے ہیں اچھا کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ بھی اقرار

حُسنِ احوال کا ان کے بسبب برکت صحبت شریف نبوی کے بتحالیں صحبت علّت ان کے حُسنِ احوال کی تھی تو ضروری ہے کہ ان کے باطنوں میں بھی وہ صحبت مؤثر ہوئی ہوگی اور تاثیر اُس کی جم گئی ہوگی۔ الحاصل خود علمائے شیعہ کے اقرار سے ایمان ایک جماعت اصحابؓ کا مع زہد و پرہیزگاری اور بچا رہنا حرام چیزوں بلکہ بعض مباح باتوں سے بھی اور کدّ و کوشش ان کی رواج دینے اسلام میں اور نکال دینا مشرکوں کا جزیرہ عرب سے اور مقابلہ کفارِ روم و فارس وغیر ذٰلک کے خصلتوں اور فضائل سے ثابت ہوا والحمد للہ۔

اب بحث اس بات کی کی جاتی ہے کہ کیسے کیسے عالی درجے اور بلند رُتبے ان کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھے اور کیسے اعمال صالح ان کے درگاہِ خداوند تعالیٰ میں مقبول و پذیرا ہوئے یقیناً معلوم ہے کہ کوئی مرتبہ اعلیٰ اور افضل خوشنودی و رضامندی خداتعالیٰ سے نہیں ہے جس کو خداتعالیٰ نے پسند فرمالیا کیسا ہی ہو وہ گروہ اہلِ ایمان کا مقبول ہے قولہ تعالیٰ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ مُلّا عبداللہ اظہار الحق والے نے کہا کہ اہلِ سنّت و جماعت جو خلفاءؓ کے فضل پر اِس آیت سے دلیل ڈھونڈھتے ہیں خالی کسی صورت سے نہیں۔ اور امامیہ کی باتیں جیسے کہ اُن کی روش ہے اس کے دفع کرنے میں پوری قوّت نہیں رکھتیں۔ اور جو باتیں مشہور ہیں اُن کے سوا کوئی جواب کہنا چاہیے۔ صورت سخنِ مخالف کی یہ ہے کہ تفسیر نیشاپوری میں کہا ہے:-

قَالَ أَهْلُ السُّنَّةِ لَا شَكَّ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ سَبَقَ إِلَى الْهِجْرَةِ فَهُوَ مِنَ السَّابِقِينَ وَقَدْ أَخْبَرَ اللَّهُ تَعَالَى بِأَنَّهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَلَا شَكَّ أَنَّ الرِّضَى مُعَلَّلٌ بِالسَّبْقِ إِلَى الْهِجْرَةِ فَيَدُومُ بِدَوَامِهِ فَدَلَّ ذَٰلِكَ عَلَى صِحَّةِ إِمَامَتِهِ وَعَدَمِ جَوَازِ الطَّعْنِ فِيهِ۔

کہا اہلِ سنّت نے بیشک ابوبکرؓ نے ہجرت میں سبقت کی تو وہ سابقین سے ہوئے۔ تحقیق خداتعالیٰ نے خبر دی کہ وہ راضی ہے اُن سے اور بیشک رضا کی علّت سبقت ہے ہجرت میں پس رضا ہمیشہ ہوگی کہ ہجرت ہمیشہ ہی ہے پس یہ دلالت کرتی ہے اُن کی صحتِ امامت پر اور اُن کے حق میں طعن نہ جائز ہونے پر۔

بعد کہنے اِس کلام کے کہا کہ جواب کہنا اس بات کا بارتکاب اس کے کہ ہجرت کی سبقت و نصرت میں ایمان شرط ہے اور وہ شخص معاذ اللہ کسی وقت میں ایمان نہیں رکھتا تھا یہاں تک کہ قبل پیدا ہونے ناخوشی کے جو امیر المومنینؓ کے ساتھ ہوئی یہ بات انصاف سے دور ہے۔ اور یہ کہنا کہ مراد سابقین ہجرت و نصرت سے وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت امیر المؤمنینؓ کے واسطے تصدیق امامت بلافصل کے کی ہے اور موافق وصیت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خلافت کے معاملہ میں عمل کیا ہے یہ تکلیف دُور دراز کا ہے۔ اِس واسطے کہ آیت میں وہ چیز کہ اس قید

کی خبر دے نہیں ہے اِنْتَهَىٰ كَلَامُهُ بِلَفْظِهِ۔ اِس کلام سے صریح سمجھا جاتا ہے کہ جب انکار امامت مرتضیٰ مخصص عموم آیت کا نہیں ہو سکتا تو اور تقصیریں مثلاً فدک سے باز رکھنا اور سوا اِس کے جو وقوع میں آئیں بطریق اولیٰ مخصص نہیں ہو سکتیں اِس لئے کہ آیت میں یہ بھی موجود نہیں ہے جو اتنی بات پر خبر دے۔ بعد اس کے مُلّا عبداللہ نے کہا ہے بہتر یہ ہے کہ اس کا جواب اس روش پر کہا جائے کہ یہ آیت دلالت نہیں کرتی ہے مگر اِس بات پر کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ سبقت کرنے مہاجرین و انصار سے اور اِس فعل سے کہ ان کی سبقت ہجرت اور نصرت اُس کے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم میں ہوئی ہو راضی ہوا ہو۔ اور جب کسی فعل سے ان کے افعال سے راضی ہو تو یقیناً بدلا اُس کا ہمیشہ جنّت میں رہنے کا دے۔ لیکن جنّت کا داخل ہونا کہ یہ رضائے الٰہی پر مترتب ہے اور باقی رہنا رضا کا موقوف ہے حُسنِ خاتمہ اور باقی رہنے ایمان پر آخر عمر تک، اور نہ صادر ہونے اعمالِ بد محبط پر اِنْتَهَىٰ كَلَامُهُ بِلَفْظِهِ۔

ذرا غور کرو یہ حال اِس فرقے کے دانشمندوں کا ہے کہ کلام کے گوشوں اور طرفوں کا احاطہ نہیں کرتے اور اپنے اصول اور عقائد کو یاد نہیں رکھتے۔ اوّل تو دلالت آیت کی جس مضمون پر تقریر کی ہرگز قواعد اصول کے رُو سے درست نہیں ہوتی۔ اِس واسطے کہ مدلول آیت کا تعلق رضا کا مہاجرین و انصار کی ذاتوں سے ہے لیکن ان ذاتوں کو ایک وصف عنوانی کے ساتھ سبقت ہجرت و نصرت میں یاد فرمایا ہے۔ لازم آیا کہ یہ وصف علّت تعلق رضا کا ہو نہ یہ کہ یہی وصف متعلق رضا کا ہو۔ اور جو فرق کہ درمیان متعلق ہونے رضا اور علّت ہونے تعلق رضا کے ہے ظاہر ہے کہ لڑکوں سے چھپا نہیں مگر ایسے تصرّف بے ربط کلام اللہ میں جاری ہوں کسی قسم میں صورت استدلال کی حاصل نہ ہو۔ مثلاً آیتِ موالاۃ دلالت نہیں کرتی مگر اِس بات پر کہ ولایت تمہاری اِس وصف سے متعلق ہے یعنی اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ درحالتِ رکوع۔ اور باقی رہنا اِس وصف کا مشروط ہے ساتھ حُسنِ خاتمہ کے كَذَا وَكَذَا وَعَلَىٰ هَٰذَا الْقِيَاس۔ دوسرے یہ کہ جب بدلہ اِس عمل کا بالیقین ہمیشہ رہنا جنّت کا ہے تو یہ بتاؤ کہ مانع اِس بدلہ کا جو اُن کو دیا جائے کفر اور مُرتد ہونا ہے یا صادر ہونا اعمال بد کا جن سے یہ بدلہ حبط ہو جائے۔ پہلی شق پر تو یہ قاعدہ برہم ہوتا ہے کہ تَحَالِفُوهُ فَسَقَة۔ اور خود مُلّا عبداللہ مشہدی نے بھی جواب سوال مرقوم الصّدر میں اقرار کیا ہے کہ انکار امامت حضرت امیرؓ کا بتاویل باطل یا بانکار نص موجب کفر نہیں ہے۔ اور قاضی نور اللہ شوستری بھی مجالس المومنین میں قائل ہوا ہے شیخینؓ کے مرتد نہ ہونے کا جیسا کہ سابق گزرا۔ اور دوسری شق پر خود خلاف اپنے عقائد کے دلیری کرتے ہیں قَالَ نَصِيرُ الدِّينِ الطُّوسِي فِي تَجْرِيدِ الْعَقَائِد وَالْإِحْبَاطُ بَاطِلٌ لِاسْتِلْزَامِهِ الظُّلْمَ لِقَوْلِهِ تَعَالَىٰ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ۔ اور عجب یہ کہ مُلّا عبداللہ اس عقیدے کو خود بھول گیا اور ایسا اپنی سخن پروری میں ڈوب گیا کہ ذکر اعمال محبطہ کا شروع کیا اور یہ چار عمل گنتی میں گنے۔ اوّل یہ کہ جنگ اُحد کی لڑائی سے بھاگے دوسرے خلافت مرتضےؓ میں خلاف کیا

تیسرے یہ کہ باغِ فدک چھین لیا۔ چوتھے یہ کہ حضرت عمرؓ نے قلم دوات حاضر کرنے سے باز رکھا۔ اور سابق خود اپنے کلام میں جو اُوپر منقول ہو چکا اقرار کیا ہے اِس بات کا کہ انکار امامت مرتضیٰ کا مخصص عموم آیت کا نہیں ہو سکتا اور رضوان کی نفی نہیں کرتا۔ اور جب اُس نے منافاتِ رضوان کی نہ کی تو محبط اُس کا کس طرح ہوگا۔ حالانکہ تمام شیعہ کے نزدیک حبط ہونا عمل کا یہ خاصہ کفر و شرک کا ہے بدلیل قرآن لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ (ہر آئینہ اگر شرک کرے گا تو ضرور حبط ہوں گے عمل تیرے) اور اُحد کے دن بھاگنا کہ از روئے نصِ قرآن کے معاف کیا گیا ہے اور نزول اس آیت سے پنج شش سال متقدم کیونکر محبط اِس عمل کا ہوگا کہ اوّل تو بسبب عفو الٰہی کے كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ ہو گیا۔ دوسرے بعد وقوع فرار کے یہ آیت نازل ہوئی۔ اگر وہ عمل حبط ہو گئے تھے تو حبط شدہ کے ساتھ رضا کیا معنے، اور بالاجماع سورہ توبہ بعد ما نزل کے ہے اور جنگِ اُحد تیسرے سال میں ہجرت سے۔ اور غصب خلافت مرتضیٰ کا کفر نہیں ہے موافق اقرار فضلائے شیعہ کے چنانچہ سابق گزرا پس حبط ہونا اس سے کس طرح سمجھا جائے۔ غصب فدک کا اوّل تو واقع نہ ہوا اس واسطے کہ ابوبکرؓ نے فدک کو فاطمہؓ سے نہ اپنے قبضے میں کیا نہ اپنی ملک میں بلکہ یہ کیا کہ میراث ہونے سے منع کیا یا ہبۃً تمام سے منع کیا اس کو غصب کہنا بڑی بے خبری ہے۔ اور معہٰذا یہ منع بھی بموجب تمسک حدیث مشہور کے تھا گناہ بھی نہیں ہوا پھر کفر کی کیا جگہ کہ تمام عمر کے اعمال حبط کرے۔ اور جو قلم دوات حاضر نہیں کی ہرگز بطورِ خطاب اِئْتُوْنِيْ بِقِرْطَاسٍ شیخینؓ میں سے دونوں نہ تھے بلکہ تمام بنی ہاشم اور اہل بیت اس میں شریک ہیں۔ اور اگر بالفرض انھوں نے مشورہ دیا ہو اور مشورے میں خطا کی تب بھی حبط اعمال صالحہ کیونکر ہوگا۔ الحاصل اِس مقام میں حیرت ہے اور مُلّا عبداللہ کے ہاتھ پاؤں مارنے کو خیال کرنا چاہیے کہ کیسے ہاتھ مارتا ہے اِدھر اُدھر اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اور اسی قسم سے دوسری آیت میں اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ آیا کیا تم نے پانی پلانا حاجیوں کا اور تعمیر مسجد حرام کی مثل اُس شخص کے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لایا

وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ۔ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اور جہاد کیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں برابر ہوں گے اللہ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت کرتا ہے ظالموں کو وہ لوگ کہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال اور جانوں سے اُن کا بہت بڑا درجہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی مقصد کو پہنچنے والے ہیں۔ خوشخبری دیتا ہے اُن کو اُن کا پروردگار رحمت کی اُس سے اور خوشنودی کی اور جنتیں کہ اُن کے واسطے اس میں نعمتیں مقیم ہیں ہمیشہ ہمیشہ اُس میں

اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔

رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے۔

اور آیت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ۔

بیشک وہ لوگ کہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا مالوں اور جانوں سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور وہ لوگ جنھوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ لوگ بعض ان کے دوست ہیں بعض کے۔

مُلّا عبداللہ اور دیگر علمائے شیعہ ہاتھ و پاؤں مار کر آخر عاجز ہوئے۔ اور ان لوگوں کے مراتبِ عالیہ کے قائل۔ یہ ہے حال حضرت امیرؓ کے مخالفوں کا اور اہلِ بیت کے دشمنوں کا موافق گمان شیعہ کے کہ یہ سب مخالف مہاجرین اور انصار سے تھے کہ اُنھیں میں سے خلفائے ثلٰثہؓ بھی ہیں۔ لیکن جو حضرت امیرؓ سے لڑے ہیں کہ وہ ام المومنینؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ مہاجرین اوّلین سے ہیں ان میں شیعہ کو بڑا تردد ہے۔ تفصیل اُس کی یہ ہے کہ اگلے لوگ ان کے فرق نہیں کرتے تھے، اور سب لڑنے والوں کو کافر ٹھہراتے تھے اور گالی اور تبرا جائز رکھتے تھے۔ پھر جب پچھلے لوگ ان کے خبردار ہوئے اس بات پر کہ جس صورت میں کہ ہم امامت کو نبوت کے حکم میں مانیں اور منکرِ امامت کو کافر و مرتد گنیں تو بہت وجہوں سے اصولِ مذہب میں خلل پڑے گا۔ اُن میں سے یہ کہ حضرات ائمہؓ بلا تکلف اور بلا ضرورت ان لوگوں کو اپنی لڑکیاں دیتے تھے اور اُن کی لڑکیاں لیتے تھے۔ چنانچہ حضرت سکینہؓ کا مصعب بن زبیرؓ سے نکاح ہوا۔ اور قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ کی لڑکی سے حضرت امام محمد باقرؓ نے نکاح کیا، اور علیٰ ہٰذا القیاس یہ بات جملہ حضرات ائمہؓ میں جاری و رائج تھی ہرگز ان کا معاملہ اپنی امامت کے منکروں کے ساتھ ایسا نہ تھا جیسا کہ نبوت کے منکروں کے ساتھ تھا۔ اور ظاہر ہے کہ امامت ہر امام کی مثل امامت حضرت امیرؓ کے ہے۔ اور اُنھی میں سے یہ ہے کہ ایک گروہ جو خود بھائی اور اقربا ائمہؓ سے تھے منکر امامت دوسرے ائمہؓ کے تھے۔ مثلاً محمد بن حنفیہ کہ منکر امامت حضرت زین العابدینؓ کے تھے باوصف اس کے کہ باہم جھگڑا ہوا اور فیصلہ اس کا حجر اسود پر ٹھہرا اور اُس نے گواہی امامت حضرت زین العابدینؓ کی دی تب بھی یہ دست بردار نہ ہوئے خود بھی امامت کا دعوی کرتے رہے اور اپنی اولاد کو وصیت امامت کی کر گئے۔ اور نذر و نیاز اور خمس وغیرہ جو کچھ مختار ان کو بھیجتا تھا کبھی اُس میں امام زین العابدینؓ کو شریک نہیں کرتے تھے۔ اور جیسے زید شہید کہ بے شبہ اپنی امامت کا دعوی کرتے تھے اور امام محمد باقرؓ کی امامت کے منکر تھے اس مقدمہ میں ہشام بن حکم کے ساتھ مناظرہ بھی کیا لیکن اپنا دعوی نہ چھوڑا یہاں تک کہ شہادت پائی۔ پھر اُن کی اولاد یحییٰ اور متوکل نے امام جعفر صادقؓ کی اولاد کے ساتھ اسی معاملہ میں بہت پرخاش رکھی۔ پھر اولاد امام جعفرؓ کی بھی آپس میں مثل عبداللہ افطح اور اسحٰق بن جعفر کے دعوی امامت کا کرتے رہے۔ اور اگر اولادِ حسن رضی اللہ عنہ کو ہم گنیں کہ ایک جماعت

کثیر مثل نفس زکیہ وغیرہ کے دعویدار اپنی امامت کے گزرے ہیں اور دیگر اماموں کی امامت کے منکر تو دائرہ قیل وقال کا تنگ کیا معنے بلکہ آتش جنگ وقتال کی بھڑکی چنانچہ ان کے تابعین نے باہم جنگ وقتال کی ہے۔ جیسے مختار ثقفی نے عبداللہ کو جو پسر صلبی حضرت امیرالمؤمنین رض کا تھا مار ڈالا ہے کہ نسب کی کتابوں اور تواریخ میں موجود ہے پس اگر انکار امامت امام کا انکار نبوت نبی کی طرح کفر ہو تو یہ سب لوگ کافر ہو جائیں گے۔ اور حضرات ائمہ رض نے کہ زید شہید اور محمد بن حنفیہ اور مثل ان کے جن کے حق میں گواہی خوبی وفلاح کی دی ہے سب جھوٹے ہو جاتے۔ اگر یہ ہم کہیں کہ علی رض کی اولاد ہر چند منکر امامت امام وقت کے ہوں کافر نہیں ہوتی اور لوگ انکار امامت امام وقت سے کافر ہو جاتے ہیں تو ان چیزوں میں اختلاف وتفاوت لازم آئے جن سے کفر واجب ہوتا ہے۔ حالانکہ بالاتفاق موجبات کفر میں کچھ تفاوت نہیں ہے چاہے امام زادہ ہو چاہے علوی جب کلمہ کفر کا زبان سے نکالے گا کافر ہوگا۔ الغرض جب پچھلے لوگوں نے اس پر نظر کی تو ناچار ہو کر کہا کہ منکر امامت کا کافر نہیں ہے۔

اور اس میں فرق نکالا کہ منکر مخالف ہے اور مخالف فاسق اور محارب یعنی لڑنے والا کافر۔ لیکن یہاں ہو ایک قباحت لازم آئی کہ جب انکار امامت کا کفر نہیں ہے اور انکار کے لئے محاربہ لازم۔ جب امام اپنا تصرف چاہے گا ضرور جو کفر نہیں اس کو لازم ہو جائے گا، اور یہ بات محال ہے کہ نہ ہو اس لئے کہ حکم لازم ملزوم کا ایک ہے پس انکار بھی کفر ہو گا اور خوب ظاہر ہے کہ محاربہ خود ایک مرتبہ مراتب انکار سے ہے کہ جس وقت امام اپنا تصرف کرے گا تو اسی محاربے کی صورت پر انکار ہو گا۔ اکثر شیعہ نے اس بات کا جواب اس روش پر دیا ہے کہ ہر چند قاعدہ تو اسی بات کو چاہتا ہے کہ جب انکار کسی چیز کا کفر نہ ہو گا تو چاہیے کہ محاربہ بھی اس چیز والے کے ساتھ کفر نہ ہو اس لئے کہ محاربہ بھی ایک قسم انکار سے ہے لیکن اس قاعدے کو برخلاف عقل کے گو عقل میں تو ایسے ہی آتا ہے مگر ہم نے حضرت امیر رض سے لڑنے والوں کے حق میں چھوڑ دیا ہے۔ اس سبب سے کہ حدیث متفق علیہ ہم کو پہنچی ہے حَرْبُكَ حَرْبِیْ وَسِلْمُكَ سِلْمِیْ۔ اس جواب میں بھی چند وجہوں سے خدشہ ہے۔ اول یہ کہ یہ کلام تابع مجاز کے ہے بحذف حرف تشبیہ یعنی حَرْبُكَ كَاَنَّهٗ حَرْبِیْ اس واسطے کہ معنی حقیقی ممکن نہیں۔ اور خوب ظاہر ہے کہ حضرت امیر رض کی لڑائی لڑائی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تھی حقیقۃً بلکہ حکماً۔ اور جب مضاف بحذف حرف تشبیہ ہوا تو مذموم وقبیح ہونا اس حدیث سے معلوم ہوا نہ کہ کفر ہونا۔ اس واسطے کہ یکساں ہونا مُشبّہ اور مشبّہ بہ کا تمام احکام تشبیہ میں ہرگز لازم نہیں ہے۔ اور اس لفظ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ رض بلکہ متعدد قبیلوں کے حق میں جیسے اسلم وغفار اور جہینہ اور مزینہ کے بھی فرمایا ہے اور بالاتفاق لڑائی ان سے کفر نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ معنی کلام کے یہ ہیں کہ حَرْبُكَ بِالتَّخْصِیْصِ حَرْبِیْ پس لڑائی جماعت کثیر کی جیسے قاتلان عثمان رض کی کہ ان سب میں حضرت امیر رض بھی تھے لڑائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی نہ تھی اور ایسے اضمار بہت مشہور ورائج ہیں۔ مثلاً کوئی شخص اپنے دوست سے کہے کہ جو کوئی تیرا بدخواہ ہے میرا بدخواہ ہے اور اگر وہ دوست اس کا ایسے مردم کثیر کے کسی زمرے میں ہو کہ ان لوگوں کا بسبب کسی امر عام مشترک کے کوئی بدخواہ ہو ضرور عموم کلام میں وہ شخص داخل نہیں ہوتا نہ لغۃً نہ عرفاً۔ اور ان صحابہ کبار یعنے طلحہ رض اور زبیر رض اور ام المؤمنین رض نے خاص قصد لڑائی حضرت امیر رض کا نہیں کیا بلکہ عثمان رض کے قاتلوں سے پورا کرنا قصاص کا مقصود تھا جو کہ حضرت امیر رض بھی اس لشکر میں شریک تھے ان سے بھی لڑائی واقع ہوئی۔ تیسرے یہ کہ حَرْبُكَ حَرْبِیْ کنایہ ہے عَدُوُّكَ عَدُوِّیْ سے، خوب ظاہر ہے کہ یہ لوگ عداوت حضرت امیر رض سے نہیں رکھتے تھے نہ لڑائی ان کی عداوت کے سبب سے تھی محض واسطے فساد دور ہونے اور بدلہ لینے کے مقابلہ کیا کہ اس کی نوبت لڑائی کو پہنچی۔ چوتھے یہ کہ جملہ افعال اختیاری میں قصد وارادہ شرط ہے تب اس پر مدح اور ذم وارد ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے جو کوئی اس برتن کو توڑے گا اس کا ایسا ایسا حال کروں گا اور کسی شخص کا راہ چلتے پاؤں ڈگ گیا اس برتن پر پڑا کہ وہ ٹوٹ گیا بالاتفاق اس کا توڑنے والا اس کو نہیں کہیں گے اور اس وعید میں داخل نہیں ہوا۔ یہی حال ان کی لڑائی کا ہے حضرت امیر رض کے ساتھ معتبر تواریخوں سے۔ پانچویں یہ کہ ہم نے مانا کہ لڑائی لڑنا حضرت امیر رض سے چاہے جیسی ہو لڑائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے لیکن مطلق لڑائی رسول ع کی بھی کفر نہیں ہے مگر جب کہ انکار نبوت اور رسالت کے ساتھ ہو اور دنیا ومال کی رو سے کفر نہیں ہے بدلیل آیت قرآنی جو راہزنوں کے حق میں ہے کہ بالاجماع کافر نہیں ہوتے گو فاسق ہوں۔ قولہ تعالے اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا الخ (نہیں ہے بدلہ ان لوگوں کا جو لڑتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ع سے اور پھیلاتے ہیں زمین میں فساد مگر یہ کہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں) اور سود خواروں کے حق میں بھی یہی وعید وارد ہے اور سود خوار کافر نہیں ہیں فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (پس مستعد ہو واسطے لڑائی اللہ تعالیٰ اور رسول ع کے) بلکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول ع دونوں کی لڑائی فاسقوں کے حق میں ثابت ہے۔ حدیث مذکور میں تو فقط لڑائی رسول ع کی ہے جب لڑائی خدا تعالیٰ اور رسول ع کی دونوں موجب کفر کے نہیں تو لڑائی رسول ع کی فقط کیونکر موجب کفر کی ہوگی۔ ہاں وہ لڑائی کہ رسول ع کے ساتھ از روئے انکار دین کے یا اہانت اسلام کے ہو بلاشبہ کفر ہے مطلق لڑائی کفر نہیں اور کوئی کیا کہہ سکتا ہے حضرت موسیٰ ع کے حق میں کہ حضرت ہارون ع کی لڑائی میں کچھ قصور نہ فرمایا یہاں تک کہ حضرت ہارون ع خوشامد سے پیش آئے اور کہا یَا ابْنَ اُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ (اے بیٹے میری ماں کے مت پکڑ میری داڑھی اور نہ میرا سر) غیر کی لڑائی میں ان حرکتوں سے کیا ہوتا ہے۔ حضرت امیر رض کا بھی بحکم اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی وہی رتبہ ہے۔ اور زوجہ مطہرہ رسول ع کہ حضرت امیر رض کو

حمایتِ عثمان رضؓ کے قاتلوں کا اور سُستی اُن کی قصاص جاری کرنے میں سمجھ کر برسرِ پرخاش ہوئیں بعینہا مثل حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی ہے کہ ہارونؑ کو حمایتِ گوسالہ پرستوں کا سمجھ کر اور سُستی اُن کی اُن کے حق حدِّ تعزیر جاری کرنے میں سمجھ کر نسبت اپنے بڑے بھائی کے یہ اہانت عمل میں لائے پس اگر حربِ رسولؐ کفر ہوتی حضرت موسیٰؑ حَاشَا مِنْ ذٰلِكَ اُسی وقت کافر ہوجاتے، وَالْعِیَاذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ معاملہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا جو کچھ اُن کے ساتھ کیا اور حضرت یعقوبؑ کو جو کچھ دُکھ دیا لڑائی سے کیا کم ہے۔ اس جگہ انصاف کی راہ چلنا چاہیے اور ہر ایک کے رُتبے پر لحاظ رکھنا چاہیے۔ دوسری طرف بھی امّ المومنین رضؓ زوجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہیں کہ موافق نصِ قرآن کے مادرِ مومنوں اور مادرِ حضرت امیر رضؓ کی ہیں اگر ماں اپنے لڑکے کو گُھر کے جھڑکے اور دھمکی دے گو وہ لڑکا اُس گناہ سے بری الذمہ ہو ہم کو تم کو نہیں پہنچتا ہے کہ اُس کی ماں کو اپنے طعن کے تحت میں کریں۔ جیسے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوسفؑ کے بھائی ہم کو نہیں زیبا ہے کہ ہم زبانِ طعن کی اُن پر کھولیں۔ بلکہ یہاں تو نسبت ماں اور بیٹا ہونے کی ہے اور وہاں برادری اور مساوات کی ہے۔ ع گر حفظ مراتب نہ کُنی زندیقی؛

الحاصل معلوم ہوا کہ حدیث حَرْبُكَ حَرْبِیْ کو سند پکڑ کر حضرت امیر رضؓ سے لڑنے والوں کا کفر ثابت کرنا ہرگز قاعدے پر نہیں جمتا اور بہت سے اصول کے مخالف ہوتا ہے۔ اور ایمان و اعمالِ صالح ان لڑائی والوں کے کہیں جاتے نہیں رہے وہی مانع بُغض و عداوت اور گالی و تبرّا کے ہیں۔ اور فرق مخالف اور محارب میں کسی وجہ معقول کے ساتھ نہیں اس موقع پر بعض باتیں علمائے شیعہ کی سُننی چاہیے۔ قاضی نور اللہ شوستری اپنی مجالس المومنین میں لایا کہ معنی تشیع کے یہ ہیں کہ بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ بلا فصل مُرتضےٰ علی رضؓ ہیں اور گالی اور لعن تشیع میں معتبر نہیں ہے اس بات کی گنجائش ہے کہ نام حضرات خُلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم زبانِ شیعہ پر جاری ہو اگر جاہل شیعہ اس بات کا حکم کریں کہ لعن واجب ہے تو ان کی بات معتبر نہیں۔ اور جو کچھ خبث اور فحش کی نسبت حضرت امّ المومنین عائشہ صدیقہ رضؓ کے مقدمہ میں شیعہ کی جانب کرتے ہیں حاشا ثم حاشا جو واقع ہو، اس لئے کہ عوام گروہ آدمیوں کی طرف نسبت فحش کی کرنا حرام ہے جائیکہ حرمِ حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف لیکن جب عائشہ صدیقہ رضؓ مخالفت حکم قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ کی کر کے بصرے میں آئیں، اور حضرت امیر رضؓ کی لڑائی میں پیش قدمی کی تو بحدیث حَرْبُكَ حَرْبِیْ وَسِلْمُكَ سِلْمِیْ کے کہ فریقین نے حضرت علی رضؓ کی صفت میں روایت کی ہے تو حرب حضرت امیر رضؓ کی یا حرب حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یقیناً مقبول نہیں ہے اس بنا پر موردِ طعن ہوئیں۔ بعد اس کے اسی کلام کے لگاؤ میں کہا ہے کہ یہ ایک ضعیف حدیث شیعوں کی کتابوں سے دیکھی، اس مضمون کی کہ عائشہ رضؓ نے امیر رضؓ کے سامنے اِس لڑائی سے توبہ کی لیکن قصہ لڑائی کا تو متواتر ہے اور حکایت

توبہ کی خبرِ واحد، مگر اِس بنا پر طعن کرنا اُن کے حق میں جائز نہیں ہے' اِنْتَهٰى كَلَامُهٗ بِلَفْظِهٖ۔ جو لوگ تاریخ داں ہیں اُن سے چُھپا نہیں کہ توبہ حضرت طلحہ رضؓ کی ایک لشکری کے ہاتھ پر امیر رضؓ کے لشکر والوں سے منقول ہے اور لوٹ جانا حضرت زبیر رضؓ کا معرکہ لڑائی سے بعد اس کے کہ حضرت امیر رضؓ نے اپنی خلافت کی حقیت میں اُن کو حدیث یاد دلائی مشہور و متواتر ہے۔ پس اِن روایتوں کی بنا پر بھی طعن اِن شخصوں کی جائز نہ ہو گی' اور یہی مدعا ہے جاننا چاہیے کہ پچھلے شیعہ جیسے مُلّا عبداللہ مشہدی اور اُس کے مثل خود اِس عقیدے سے کہ حضرت امیر رضؓ سے لڑنے والا کافر ہے' لَوٹ کر اسی قدر پر قانع ہوئے ہیں کہ لڑائی کرنا حضرت امیر رضؓ سے کفر نہیں ہے بلکہ حدِ فسق کبیرہ کو پہنچاتی ہے' اس لئے کہ اُنھوں نے تکذیب نصِ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی نہیں کی بلکہ بسبب تاویل باطل یا انکار نص کے اُن سے لڑنے کو حلال جانا۔ پس فسق اعتقادی ہے نہ کہ کفر۔ اور جو قول خواجہ نصیر کا بھی علمائے شیعہ کے نزدیک حکم وحی ناطق کا رکھتا ہے خصوصاً اعتقاد کے مقدمے میں، بعض متاخرین نے ان کے درمیان قول خواجہ نصیر اور مُلّا عبداللہ کے اِس وجہ سے جمع کر کے مطابقت دی ہے کہ بمقتضائے حدیث حَرْبُكَ حَرْبِیْ کے مرتضےٰ رضی اللہ سے لڑنے میں کفر لازم آتا ہے، ہر چند التزام کفر نہ ہو اور لزوم کفر کا کفر نہیں ہے شیعہ کے نزدیک بھی بلکہ التزام کفر کا کفر ہے۔ پس قول خواجہ کا جو باعتبارِ لزوم کے ہے موافق ظاہر حدیث کے ہے۔ اور قول مُلّا عبداللہ اور اُس کے امثال کا باعتبارِ التزام کے ہے اور جب التزام کفر کا ان میں نہ تھا اطلاق مرتد کا ان پر نہیں ہو سکتا' انتہٰی کلامُہٗ اور سچ یہ ہے کہ کلام اِس عزیز کا کمالِ دقت سے پیدا ہوا ہے کہ اصول شیعہ پر اِس سے زیادہ خیال میں نہیں آتا۔ لیکن حدیث مذکور باوجود اس کے کہ قابلِ تاویل ہے اور قطعاً معنے حقیقی مراد نہیں' معارض نہیں ہو سکتی ہے آیتوں قطعی کی جو حق میں مہاجر اور انصار خصوصاً ازواجِ مطہرات اور اِن دو بزرگوار کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔ اور نیز لزومِ کفر اِن شخصوں کا موافق قاعدہ شیعہ کے درست نہیں ہوتا۔ حدیہ کہ امام وقت کے ساتھ لڑنا بغی ہے وَالْبَغْیُ فِسْقٌ لَا كُفْرٌ۔ اور اگر کسی شبہ یا تاویل کے ساتھ ہو تو فسق بھی نہیں رہتا بلکہ خطاء اجتہادی ہوتی ہے۔

جو آنچہ کلام شیعہ کی اس بحث میں معلوم ہوئی ضرور پڑا کہ مذہب اہل سنت کا بھی اِس مسئلے میں ذکر کیا جائے۔ جاننا چاہیے کہ مخالفت حضرت امیر رضؓ کی بنا بر اجتہاد مسائل فقہیہ کے جیسے میراث پیغمبرؐ ہے یا امامت ہے یا نہ، ہوتا ہبہ کا کامل قبل قبض کے یا تقسیم خمس متعۃ الحج وغیرہ امور اجتہادی سے ہے کفر نہیں ہے نہ گناہ۔ اِس لئے کہ حضرت امیر رضؓ بھی ایک مجتہد تھے مجتہدینِ صحابہ رضؓ سے اور مجتہدین کو مسائلِ اجتہادیہ میں باہم خلاف جائز ہے۔ اور مجتہد کے واسطے اجر بھی ہے۔ اور لڑنے والا حضرت مرتضےٰ رضؓ کا جو بغض و عداوت سے لڑتا ہے کافر ہے بالاجماع اہل سنت کے نزدیک۔ اور یہی مذہب ان کا خارجیوں کے حق میں ہے، اور اہلِ نہروان کے

حق میں۔ اور حدیث حَرْبُكَ حَرْبِیْ بھی اسی حرب مذکور پر قیاس کی گئی ہے۔ لیکن یہاں بھی لزومِ کفر ہے نہ کہ التزام اُس کا۔ پس اطلاق مُرتد کا اُن پر نہیں کر سکتے۔ اور جو شبہ ان کا نہایت بے مغز اور مقابل قطعی نصوص قرآن اور حدیثوں متواتر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے موجب عذر لانے کا نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن و حدیث کے مقابل میں کچھ عذر نہیں چل سکتا۔ پس خارجی اہلِ سنت کے نزدیک احکام عقبیٰ میں کافر ہیں، نہ دُعاء مغفرت کی اُن کے واسطے کرنی چاہیئے نہ ہرگز اُن کے جنازے کی نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور اسی قیاس پر اور احکام عقبیٰ کے۔ اور جو حضرت امیرؓ سے لڑے لیکن عداوت اور بُغض کی راہ سے نہیں بلکہ شبۂ فاسد اور تاویل باطل سے جیسے کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے لوگ، سو یہ خطاء اجتہادی و بطلان اعتقادی میں اپنے مُشترک ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہ خطاء اجتہادی اور فسق اعتقادی اصحابِ جمل کا ہرگز طعن و تحقیر کو تجویز نہیں کرتا، اِس سبب سے کہ نصوص قطعی اور حدیثیں متواتر ان کی مدح و ثناء میں ہیں اور اگلی اسلامیت ان کی اور قرابت اور تعلق نسبی اور صہری یعنی سمدھیانے کا ان سے جناب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ثابت۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کہ اُن کی عصمت و علو درجہ پر نصوص قطعیہ ہیں، وہ مانع ہیں اس بات کے کہ اُنھوں نے جو اپنے بھائی کے حق میں کیا اُس پر اُن کو طعن کی جائے اور تحقیر عمل میں لائی جائے اور بے تامل جھٹ پٹ مُنہ سے نکالے کہ وہ بھی لِلّٰہ فی اللہ تھا بلکہ بسبب ہوائے نفسانی اور نزغہ شیطانی کے حَاشَا جَنَابُهٗ مِنْ ذٰلِكَ۔ اور اصحاب صفین میں جو یہ امر قطعی ثابت نہیں ہوتے توقف و سکوت لازم ہے عام آیتوں اور حدیثوں پر نظر کر کے جو صحابہؓ کی فضیلتوں پر دلالت کرتی ہیں بلکہ سب مومنوں اور امیدوار شفاعت و نجات اور عفو پروردگار پر۔ اور اگر شام کے گروہ سے بالیقین ہم کو کوئی شخص معلوم ہو کہ عداوت و بُغض حضرت امیرؓ سے رکھتا تھا یہاں تک کہ نسبت کفر کی آنجناب کے ساتھ مع لعن و گالی کے کرتا تھا اُس کو بیشک ہم کافر جانیں گے۔ اور جب یہ بات کسی روایت مُعتبر سے ثابت نہیں ہوتی، اور اصل ایمان ان کا یقیناً ثابت ہے تو اصل پر تمسک کریں الحاصل اہلِ سُنت کا اجماع اس پر ہے کہ جو شخص حضرت امیرؓ کو نسبت کفر کی کرے یا اُن کے بہشتی ہونے کا منکر ہو یا منکر اُن کی لیاقتِ خلافت کا باعتبار اوصافِ دین کے جیسے علم و عدالت اور تقویٰ اور پرہیزگاری کافر ہے۔ اور جو یہ بات نہروان کے خارجیوں میں قطعاً ثابت ہوئی اُن کو کافر کہتے ہیں۔ اوروں سے ہرگز ثابت نہ ہوئی نہ اُن کو کافر ٹھہراتے ہیں۔ یہ ہے تنقیح مذہب اہل سنت کی اس مقدمہ میں، اور موافق اُن کے اصول کے۔ اِس واسطے کہ ان کا اتفاق اس بات پر ہے کہ منکر ضروریاتِ دین کا کافر ہے۔ اور علوِ درجۂ ایمان حضرت امیرؓ کا اور بہشتی ہونا اُن کا اور لائق خلافت پیغمبر کے ہونا از روئے احادیث بلکہ آیاتِ قطعیہ متواترہ سے ثابت ہے۔ پس منکر ان امور کا کافر ہو گا اور لڑنا ان سے از راہ شامت نفس یا محبت مرتبہ اور جاہ کے یا

لڑنا از راہ تاویل باطل اور شبہ فاسد کے فسق عملی یا فسق اعتقادی ہے، یعنی بد عملی اور بد اعتقادی نہ کہ کفر۔ اور اس مسئلہ میں امامیہ بھی متفق ہیں۔ پس اس حکم میں بھی چاہیئے کہ متفق ہوں۔

مقدمہ ہفتم۔ مرد باایمان کہ مرتکب کبیرہ کا ہو یا بسبب غلط فہمی اور شبۂ فاسد کے مصدر و مرتکب کسی امر شنیع کا ہو اُس کو لعن و گالی جائز نہیں ہے کئی دلیل کے ساتھ۔

اول۔ قولہ تعالیٰ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (جان لے کہ وہ بیشک اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ کوئی معبود نہیں سوا اُس کے اور مغفرت مانگ اپنے گناہ کی اُس سے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی) اور قاعدہ اصولیہ ہے بالاتفاق کہ اَلْاَمْرُ بِالشَّيْءِ نَهْيٌ عَنْ ضِدِّهٖ (حکم کسی چیز کا باز رکھنا ہے اُس کی ضد سے) پس حق میں مومنوں فاسقوں کے کہ محتاج ان کے استغفار کے ہیں استغفار مامور بہ ہے، اور لعن و گالی اور دُعائے بد اُن کے حق میں ضد استغفار کی سو یہ منہی عنہ ہے۔ اسی واسطے آخر نماز بعد تشہد کے دعائے ماثورہ میں استغفار واسطے مومنین اور مومنات کے پانچوں وقت میں مشروع ہوئی۔ اور بد دُعا۔ ولعن کہ خدا کی رحمت سے دُور پھینکنا ہے حکم شریعت کا مقابلہ کرنا ہے لہٰذا حرام ہے۔

دوسری۔ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہیں اور اُس کے گرد ہیں تسبیح کرتے ہیں مع حمد اپنے پروردگار کے اور ایمان اُس پر لاتے ہیں اور بخشش چاہتے ہیں اُن لوگوں کی جو ایمان لاتے ہیں، اے پروردگار ہمارے وسیع کیا ہے تو نے ہر شے کو از روئے رحمت و علم کے) معلوم ہوا کہ جو فرشتے عرش کو اُٹھائے ہوئے ہیں مومنوں کی دُعائے مغفرت میں وہ بھی مشغول ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مقربوں کے خلاف بادشاہوں کی جناب میں عرض کرنا موجب غضب بادشاہ اور ناخوشی اُن مقربوں کا ہوتا ہے، والعیاذ باللہ۔

تیسری۔ یہ کہ شفاعت انبیاءؑ کی واسطے اہلِ کبائر کے ثابت ہے۔ پس در صورت لعن و دعائے بد کے مقابلہ اور عناد ساتھ پیغمبروں کے لازم آتا ہے، والعیاذ باللہ۔

چوتھی آیت اَلَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (وہ لوگ کہ آئے بعد اُن کے کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے مغفرت کر تو واسطے ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے گزرے ساتھ ایمان کے اور مت کر ہمارے دلوں میں کینہ اُن لوگوں کے حق میں جو ایمان لائے اے رب ہمارے بیشک تو بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے) پس اس سے معلوم ہوا کہ متاخرین امت کی بھی یہی شان ہے کہ

اگلے لوگوں کے واسطے دُعائے مغفرت کریں اور اُن کے بُغض و کینے سے بچیں اور جو کوئی خلاف اس کے کرے گویا اُس نے حق دین و ملت کا تلف کیا والعیاذ باللہ۔

❋ **پانچویں** یہ کہ موجب محبت و دوستی کا ایمان ہے جو فاسق میں موجود ہے۔ اور فسق اُس کا مثل مرض کے محتاج بعلاج۔ پس اُس آفت زدہ کے علاج کی راہ یہی ہے کہ فسق کا اثر اُس سے دُور کیا جائے۔ اور اس اثر کے دُور ہونے کے دو طریق ہیں۔ اوّل حالتِ حیات میں حکم کرنا امر معروف اور نہی مُنکر کا اور وعظ و نصیحت اور حد اور تعزیر۔ دوسرا طریق بعد مرنے کے دعائے مغفرت اور خیرات اور فاتحہ درود۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی بھائی کسی کا مرض سخت میں مبتلا ہو تو اُس کا علاج کرتے ہیں تاکہ اثر مرض کا دُور ہو جائے نہ یہ کہ قتل کرنا اور زخم گھٹانا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ لَعْنُ الْمُؤْمِنِ كَقَتْلِهٖ (لعنت کرنا مومن کا ایسا ہے جیسے اُس کا مار ڈالنا) اس واسطے کہ معنے لعنت کے رحمت سے دُور کر دینا ہے۔ اور جب تک کہ اُس میں ایمان موجود ہے رحمت سے دُور نہیں ہو سکتا۔ پس لعنت کے یہ معنے ہیں کہ گویا اُس کے ایمان کا جاتا رہنا چاہتا ہے۔ اور ایمان کا جاتا رہنا موجب ہمیشہ ہمیشہ کی ہلاکی کا ہے جو ہزاروں دفعے مار ڈالنے سے زیادہ سخت ہے۔

❋ **چھٹے** یہ کہ وجود علت کا مستلزم وجود حکم کا ہے اور زوال علت کا مستلزم زوال حکم کا۔ پس مومن فاسق میں ایمان کہ صفت روح کی ہے اور ایمان ہی موجب محبت اور دوستی کا ہے جو دائم اور ہمیشہ ہے تو اُس کی محبت بھی ہمیشہ واجب بسبب ہمیشگی روح کے۔ اور فسق کہ بدن کے عمل سے ہے یہ جاتا ہی رہتا ہے جس وقت کہ تعلق روح کا بدن سے جاتا رہتا ہے اس واسطے موجب فسق کے جو بُغض و عداوت اور گالی و حقارت و اہانت ہے یہ بھی بعد موت کے جاتے رہے۔ اور مقتضا ایمان کا کہ مغفرت چاہنا اور آمرزش ہے متعین ہو گا نہ سوا ان کے۔ اسی واسطے حدیث میں آیا ہے وَلَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا (نہ بُرا کہو مُردوں کو اس واسطے کہ وہ پہنچے اُس چیز کو جس کے واسطے بھیجے گئے تھے) اور موت مومن فاسق کے حق میں حکم توبہ کا رکھتی ہے، اس مقدمے میں کہ عمل بد کو اُس سے منقطع کرتی ہے۔ اور فرق یہ ہے کہ توبہ اگلے اعمال کو بھی مٹاتی ہے اور موت اگلے اعمال کو نہیں مٹاتی۔ اور جب عمل بد منقطع ہو گئے خاص ایمان رہ گیا کہ مقتضی وجوب محبت کا ہے۔

❋ **ساتویں** یہ کہ اللہ تعالیٰ نے محض ایمان پر وعدہ جنت کا فرمایا ہے۔ قولہ تعالیٰ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا الآية (وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں کو جنت کا جس کے نیچے بہتی ہیں نہریں کہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے) کہ سورۂ توبہ میں واقع ہے۔ پس لعنت کرنا اور اُس کا عذاب چاہنا خدا تعالیٰ پر حکم کرنا ہے تاکہ وعدہ اپنا خلاف کرے۔ اور خلاف وعدہ کا

اُس سے پس محال۔ قولہ تعالیٰ وَاللّٰهُ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (اللہ تعالیٰ وعدہ خلاف نہیں کرتا) پس محال کی بھی طلب کی اور حد درجے کی بے ادبی۔

❋ **مقدمہ ششم**۔ دنیا کے امور کے باعث بزرگوں میں بھی آزردگی بہت وقوع میں آئی۔ اور دونوں طرف اس آزردگی کے سبب اپنے درجے سے نہیں گر گئے اور قابل حقارت و اہانت کے نہیں ہوئے جیسے حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں میں جاری ہوئی۔ ہم کو سوا اس کے کہ تعظیم سے یاد کریں اور کچھ جائز نہیں ہے اور اسی قسم سے ہے کہ شیعہ کے نزدیک جو کچھ اختلاف امامت کی بابت امام زادوں میں واقع ہوا کہ ان کو بھی سوائے تعظیم ہر ایک کے اور کچھ کام نہیں ہر چند بعض بھائیوں نے ائمہ کے مطلق انکار امامت کا اختیار کیا۔ پس جو وجہ کہ شیعہ نے امام زادوں کی تعظیم کے واسطے کہ ان سب میں زیادہ ایک سے معصوم نہ ہو گا۔ باوجود اس کے جو اُس معصوم کے مقابلہ کی جانب میں تھے ان کو معذور رکھا ہے۔ اور ان کے کفر کیا بلکہ فسق کا بھی اعتقاد نہیں رکھتے قرار دی ہوئی وجہ کو اہل سنت و جماعت تمام متعلقوں رسولؐ کی تعظیم میں خواہ صحابہؓ خواہ ازواجؓ خواہ اہل بیتؓ ہوں کام میں لاتے ہیں۔ اور دونوں جانب کو معذور رکھتے ہیں۔ اور ملا عبد اللہ "اظہار الحق" والا کہ فی الجملہ فکر دقیق رکھتا ہے اس وجہ پر آگاہ ہوا اور منع مطلق کو اس کے واسطے کافی نہ دیکھ کر آنکھ نہ چھپا سکا اور بطور سوال کے لایا اور اس کے دفع میں کوشش کی اس طور پر کہ کہا یہاں بڑے شبہ کا مقام ہے کہ عاقل منصف پر لازم ہے صورت شبہ کو اُس قوت کے ساتھ جیسے کہ وہ رکھتی ہے ذکر کرنا اور اشارہ اس کے دفع کا کرنا۔ اگر کوئی کہے کہ دو آدمی برابر کے ہوں یا دو گروہ مقبولوں درگاہِ الٰہی سے ہوں اور ان دونوں میں بسبب کسی شبہ یا کسی پوشیدگی سے جو ان کی رائے میں رہ گیا ہو جھگڑا یا کچھ رنجش پیدا ہو اس صورت میں ہم کو لائق نہیں ہے کہ دونوں میں سے کسی کو طعن کریں یا بدگوئی سے پیش آئیں۔ اور جواب اس کا کہا کہ اگر یہ صورت فرض کی ہوئی اگر تمام صالحوں میں اُمت کے کہ خطا ان سے بھی ہوتی ہے واقع ہو تو البتہ محتمل ہے کہ کسی کو بُرا نہ کہے۔ لیکن اس مقام پر جس میں گفتگو ہے کہ ایک طرف مقابل میں معصوم ہو اور دوسری طرف وہ جس سے خطا بھی ہوتی ہے تو جائز نہیں ہے۔ پس اس صورت کو پہلی صورت میں قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ دونوں طرف کے جھگڑنے والے آپس میں برابر نہیں ہیں۔ اس واسطے کہ ایک معصوم ہے دوسرا جائز الخطا یعنی ایسا کہ اُس سے خطا بھی ہوتی ہے اور جب معصوم احتمال خطا کا نہیں رکھتا تو طرفِ ثانی سے کہ برابر ہو ناحق آزردہ نہیں ہو گا اور جب دوسری طرف کہ جائز الخطا ہے اگر شبہ سے کسی دلیل کے نسبت معصوم آزردہ شدہ کی عداوت اختیار کرے گا تو معذور نہ ہو گا کیوں کہ محبت اور رعایت تعظیم معصوم کی منصوص ہے۔ پس شبہ اس کا معتبر نہیں جیسے شبہ ابلیس کا آدمؑ کی عداوت میں اور ان کی اولاد میں کہ اُس شبہ کے

سبب سے معذور نہیں ہے انتہیٰ کلامہ۔ اس جواب میں بہت سے خلل ہیں کیوں کہ اس کلام کو ہم فرض کریں دو معصوموں میں کہ دونوں آزردگی پیدا کریں۔ پھر جب دونوں طرف معصوم ہیں تو کہاں ابلیس کہاں آدمؑ۔ اور یہ صورت کہ دونوں طرف معصوم باہم ناخوشی ظاہر کریں اور ایک دوسرے کے حق کو تلف کریں۔ ایسی مثالیں امامیہ کی کتابوں سے بہت نکال سکتے ہیں۔

اوّل مناقشہ آدمؑ کا بابت بلندی مراتب ائمہ کے اپنے مرتبے پر اور حسد اور مخالفت ائمہ کی کرنا اور ان کی ولایت کا قول نہ دینا باوجود نص الٰہی کے جیسا کہ نبوات کی بحثوں میں مفصل گزرا۔

دوسرے آزردگی حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کی اور تحقیر واہانت ہارونؑ کی کہ ان کی داڑھی پکڑی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچا کہ قرآن میں منصوص ہے کسی کو انکار کی جگہ نہیں۔

تیسرے بحر المناقب میں کہ شیعہ کی معتبر کتاب ہے مناقب اخطب خوارزم سے کہ وجہ تسمیہ اور کنیت ہونے حضرت مرتضیٰؓ کے ابوتراب کے ساتھ نقل کی ہے کہ حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زہراؓ کے گھر گئے اور حضرت مرتضیٰؓ کو نہ دیکھا فرمایا کہ میرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا مجھ میں اُن میں باہم رنجش واقع ہوئی اس سبب سے باہر چلے گئے اور یہاں قیلولہ نہ کیا۔ اُس وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ جناب مرتضیٰؓ کروٹ سے سوتے ہیں اور سر اور بال ان کے خاک آلودہ ہیں۔ فرمایا قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ قُمْ یَا اَبَا تُرَابٍ (اٹھ اے باپ مٹی کے اٹھ باپ مٹی کے) اور یہ حدیث صحیح بخاری میں آئی ہے۔ انتہیٰ کلامہٗ۔

چوتھے یہ کہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ کہ وہ عمدۂ اخبار والوں امامیہ سے ہے حضرت امام حسینؑ سے روایت لایا ہے اِنَّہٗ کَانَ یُبْدِی الْکَرَاھَۃَ لِمَا فَعَلَہٗ اَخُوْہُ الْحَسَنُ مِنْ صُلْحِ مُعَاوِیَۃَ وَیَقُوْلُ لَوْ جُزَّ اَنْفِیْ کَانَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا فَعَلَہٗ اَخِیْ۔ پس ان صورتوں میں اگر آزردگی دونوں طرف کی حق پر ہو اجتماعِ نقیضین لازم آئے۔ اور اگر ایک حق پر ہو اور دوسرا باطل پر عصمت دوسری طرف کی برہم ہو جائے اور وہ خلاف ہے اُس کے جو فرض کی گئی ہے پس معلوم ہوا کہ آزردگی معصوم کے ساتھ بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک از راہِ تعصب و عداوت کے جیسے کہ یزید کو اہلِ بیت کے ساتھ تھی۔ دوسری بمقتضائے بشریت یا کسی دلیل کے سبب سے جو اس کو ظاہر ہوئی ہو جیسے حضرت سیدۃ النساءؓ کو حضرت مرتضیٰؓ سے تھی، یا حضرت موسیٰؑ کو حضرت ہارونؑ سے تھی یا حضرت امام حسینؑ کو حضرت امام حسنؑ کے ساتھ تھی کہ ایسی آزردگی معصوم کے ساتھ کہ بمقتضائے بشریت یا ظہور کسی دلیل کے ہو ہرگز موجب فسق وطعن کے نہیں ہوتی ہے تا عصمت میں خلل پڑے اور جب یہ آزردگی عصمت معصوم کی مخل نہ ہوگی عدالت و تقویٰ میں اولیٰ درجہ مخل

نہ ہوگی وَھُوَ الْمُدَّعٰی۔ اور صحابہ کرامؓ کو جو حضرت امیرؓ اور حضرت زہراؓ کے ساتھ آزردگیاں فدک وغیرہ کے مقدموں میں واقع ہوئیں اسی قسم تھیں۔ اور اظہار الحق والا اس جواب سے بھی خبردار ہوا پھر بھی اغماض نہ کر سکا اور بطریق سوال کے لایا اور اس کے جواب میں مشغول ہوا۔ لیکن تقریر سوال کی اس طور پر ادا کی ہے کہ جو کچھ جواب بھی دے سکے۔ اور وہ یہ ہے جو کہا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ شاید کسی جماعت نے ابرار سے کسی امرِ حق کو یا جو مسلمانوں کے حال میں اصلح ہو چاہا ہو کہ اس کو قرار دیں اور وہ امر جو نسبت جماعت اہل بیت کے بے صرفہ ہو۔ اور اہل بیت بمقتضائے انسانیت اور اس بات کے کہ آدمی کی سرشت اس کی ہے کہ اپنا صرفہ اور غبطہ یعنی آرزو مال کی چاہے اُن سب ابرار سے آزردہ ہوں اور سب نے اظہار آزردگی کا کیا ہو یعنی اہل بیت کے کلام میں وہ باتیں جو اُن کی ناراضی پر خبر دیں مقتضائے انسانیت سے واقع ہوتی ہوں اور اس طرف سے مطلقاً رنجش و عداوت واقع نہ ہوئی ہو۔ اور جواب اس سوال کا کلام طویل میں ادا کیا کہ حاصل اس کا یہ ہے کہ جب حضرت امیرؓ بمقتضائے آیت تطہیر معصوم ہیں اور حقائق شرعیہ کے اعلم، نہیں ہو سکتا ہے کہ برخلاف حق کے مخالفت ابرار کی کریں پس حال ان کا صحابہؓ کے ساتھ مثل صلحائے امت کے ہو۔ اس جواب میں بھی بچند وجوہ خلل ہے۔ اول یہ کہ حضرت زہراؓ بھی بمقتضائے آیت تطہیر کے معصوم ہیں ایسے ہی حضرات امام حسنینؓ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت آدمؑ۔ پس نہ چاہیے کہ یہ اشخاص برخلاف حق کے مخالفت معصومین کی کریں۔ پس یا دونوں جانب حق ہو اس صورت میں اجتماع ضدین لازم آیا یا دونوں میں سے کوئی ایک جانب کا معصوم نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ بعض اوقات مقابلہ اصوب و صواب میں بھی پڑتا ہے اور کبھی صواب و خطا میں کہ اگر دلیل پر نظر کی جائے مجتہد کے حق میں تو حکم صواب کا رکھتا ہے پس خلاف حق کے کسی طرف نہیں ہے۔

مقدمہ نہم۔ ہر عاقل جو اپنے وجدان کی طرف رجوع کرے اور اوروں کے حال کا بھی تجربہ کرے تو بہ یقین جانے کہ اکثر اس کو بسبب واردات مدہشہ یعنی دہشت ناک کے یا بسبب الفت و عادت اپنی کے مقرری اور مانی ہوئی چیزوں بلکہ بدیہی باتوں سے بھی غفلت سامنے آجاتی ہے اور بخلاف اس کے حرکت اور کلام اس سے صادر ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات میں یہ غفلت پیوستہ رہتی ہے۔ اور بعض اوقات میں جلدی خبردار ہو کر اپنے معلومات کی طرف لوٹ پڑتا ہے۔ اور یہ غفلت لواحق بشریت سے ہے کہ نبی اور غیر نبی اور معصوم اور غیر معصوم اور ولی اور غیر ولی اور متقی اور غیر متقی سب کو عام گھیرے ہوئے ہے۔ اتنا ہے کہ ان کو خدا تعالیٰ کے حضور سے بہت جلدی آگاہی ہو جاتی ہے اور غفلت دوامی میں نہیں چھوڑتا۔ اور اوروں کو یہ آگاہی قریب لازم نہیں ہے دلیل اس دعویٰ کی قرآن مجید سے آیتیں اور سنتِ پیغمبرؐ سے روایتیں بہت

ہیں اور بے شمار۔ اوّل یہ کہ حضرت موسیٰؑ کو جب شجر سے ندا اَنَا اللہُ کی پہنچی تو بہ یقین جانا کہ تجلّی الٰہی ہے کہ کلام فرماتا ہے اور عصا ڈال دینے کا حکم کرتا ہے اس حالت میں ہرگز کچھ خوف خطر کسی مخلوق سے نہ کرنا چاہیے کہ قادر ذوالجلال اور حفیظ باکمال کا حضور ہے۔ پھر جب عصا کو اپنے بصورت سانپ کے حرکت کرتے دیکھا تو بے اختیار بھاگ کھڑے ہوئے اور مطلق پیچھے پھر کر نہ دیکھا یہاں تک کہ عین کلام میں تنبیہ واقع ہوئی لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ (ہرگز مت ڈر ہر آئینہ میرے سامنے رسول نہیں ڈرتے ہیں) دوسرے وقت مقابلہ کرنے جادوگروں فرعون کے کہ بموجب سچے وعدہ الٰہی کے یقین رکھتے تھے کہ ہم کو غلبہ ان پر ہوگا قولہ تعالےٰ بِاٰیٰتِنَا اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَکُمَا الْغٰلِبُوْنَ (ساتھ نشانیوں ہماری کے تم دونوں اور تمھارے دونوں کے پیرو غالب ہونے والے ہیں) پھر جب اُن جادوگروں نے رسّیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور دُند شور مچایا، بے اختیار حضرت موسیٰؑ کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ قولہ تعالیٰ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی (پس پوشیدہ پایا اپنے دل میں خوف موسیٰ نے ہم نے کہا مت ڈر ضرور تو ہی برتر ہے) تیسرے جب کوہِ طور سے لوٹے اور گوسالہ پرستی پر مطلع ہوئے گمان یہ ہوا کہ حضرت ہارونؑ نے نہی منکر سے باز رکھنے اور اس بدعت کے دور کرنے میں کوتاہی فرمائی ہوگی شدتِ غضب نے اس لڑائی پر اس قدر استیلاء غفلت کا کیا کہ مطلق ان کے دل میں یہ بات نہ رہی کہ حضرت ہارونؑ معصوم ہیں اور پیغمبر۔ اور معصوم و پیغمبر سے کفر پر راضی ہونا اور سستی اس امرِ عظیم میں کس طرح ہو سکتی ہے۔ چوتھے جس وقت میں کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ عہد کیا تھا کہ ہرگز جو کچھ تم کروگے اس سے سوال نہ کروں گا جب کوئی امرِ عجیب دیکھا وہ عہد ان کے دل میں نہ رہا اور انکار شدید کے ساتھ پیش آئے۔ پانچویں حضرت ابراہیمؑ نے باوجود جاننے کفر قوم لوطؑ کے اور استدعاء ان پر عذاب نازل ہونے اور اعتقاد اس بات کے کہ عذاب الٰہی پھر نہیں سکتا اُن مجرموں کی سفارش میں جھگڑنا لڑنا شروع کیا۔ قولہ تعالیٰ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِیْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰی یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ ؕ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ (پھر جب جاتا رہا ابراہیمؑ سے خوف اور پہنچی اس کو بشارت، لڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں بے شک ابراہیم بُردبار، ڈرنے والا، رجوع لانے والا ہے۔ اے ابراہیم! اس لڑائی کو چھوڑ، بے شک پہنچا حکم تیرے پروردگار کا اور ان کو پہنچے گا وہ عذاب جو پھرنے والا نہیں)۔ چھٹے یہ کہ ہمارے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مسجد مقدس نبوی میں معتکف تھے، عشاء کے وقت کہ لوگ بعد نماز کے مسجد سے نکل گئے اور مسجد خالی ہوئی حضرت صفیہؓ زوجۂ مطہرہ اُنؐ کی زیارت کو آئیں بہت دیر تک بیٹھیں اور چاہا کہ گھر لوٹ جائیں چونکہ رات بہت گزر گئی تھی آپؐ بھی ان کے ساتھ نکلے کہ

گھر تک پہنچا دیں اس درمیان میں دو آدمی گروہ انصار سے کہ ایمان و اخلاص والے تھے راہ میں پیش آئے جب دیکھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ایک عورت ساتھ ہے ایک طرف ہو گئے اور چاہا کہ جلدی نکل جائیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ٹھیرو اور سُن لو کہ یہ صفیہ ہے یعنی میری زوجہ۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! سبحان اللہ ہم سے کیا توقع کہ ہم اور کچھ گمان کرتے۔ فرمایا شیطان آدمی کا دشمن ہے میں ڈرا ایسا نہ ہو کہ تمھارے دل میں گمانِ فاسد اور ظنِ بد ڈالے۔ پس معلوم ہوا کہ باوجود اعتقادِ عصمتِ آں جنابؐ کے ممکن تھا کہ بسبب دیکھنے اُس حالت کے کہ نسبت عام لوگوں کے محل تہمت ہے ان کے دل میں توہم صدورِ گناہ کا آں جنابؐ سے پیدا ہوتا۔ اور منافی ایمان اور اعتقاد عصمت کا ہوتا۔ ساتویں یہ کہ امامیہ کے اخبار والے سب روایت کرتے ہیں:۔

عَنْ اَبِیْ حَمْزَةَ الثَّمَالِیِّ عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اَبُوْ حَمْزَةَ قَالَ لِیْ عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ کُنْتُ مُتَّکِئًا عَلَی الْحَائِطِ وَاَنَا حَزِیْنٌ مُتَفَکِّرٌ اِذْ دَخَلَ عَلَیَّ رَجُلٌ حَسَنُ الثِّیَابِ طَیِّبُ الرَّائِحَةِ فَنَظَرَ فِیْ وَجْهِیْ ثُمَّ قَالَ مَا سَبَبُ حُزْنِكَ قُلْنَا نَخَافُ مِنْ فِتْنَةِ ابْنِ الزُّبَیْرِ قَالَ فَضَحِكَ ثُمَّ قَالَ یَا عَلِیُّ هَلْ رَاَیْتَ اَحَدًا خَافَ اللّٰهَ وَلَمْ یُنْجِهٖ قُلْتُ لَا قَالَ یَا عَلِیُّ هَلْ رَاَیْتَ اَحَدًا سَاَلَ اللّٰهَ فَلَمْ یُعْطِهٖ قُلْتُ لَا ثُمَّ نَظَرْتُ فَلَمْ اَرَ قُدَّامِیْ اَحَدًا فَعَجِبْتُ مِنْ ذٰلِكَ فَاِذَا الْقَائِلُ اَسْمَعُ صَوْتَهٗ وَلَا اَرٰی شَخْصَهٗ یَقُوْلُ یَا عَلِیُّ هٰذَا الْخِضْرُ۔

ابو حمزہ ثمالی سے اس نے علی بن حسین علیہ السلام سے کہا ابو حمزہ نے کہا مجھ سے علی بن حسین علیہ السلام نے کہ میں ایک دیوار پر تکیہ لگائے تھا اور غمگین و متفکر۔ ناگاہ میرے پاس ایک مرد آیا جس کے اچھے کپڑے تھے اور خوشبو آتی تھی اس نے میرے منہ کو دیکھا اور کہا تیرے غمگین ہونے کا کیا سبب ہے؟ میں نے کہا میں ڈرتا ہوں فتنہ ابن زبیر سے پس فرمایا امام نے کہ ہنسا وہ مرد اور کہا اے علی! کیا تو نے ایسا کوئی دیکھا کہ جو خدا سے ڈرا اور پھر خدا نے اس کو نجات نہ دی، میں نے کہا نہیں، پھر کہا اے علی کیا ایسا کوئی دیکھا جس نے اللہ تعالےٰ سے کچھ مانگا اور اس نے اس کو نہ دیا، میں نے کہا نہیں، پھر جو میں نے نظر کی تو اس کو اپنے سامنے نہ دیکھا، پس میں نے تعجب کیا اس معاملہ سے ناگاہ میں نے سُنا ایک کہنے والے کو کہ اُس کی میں آواز سنتا ہوں اور اس کے جسم کو نہیں دیکھتا کہتا ہے اے علی یہ خضر ہے۔

اس قصہ میں ان دو باتوں سے ہر مؤمن کو معلوم ہے کہ یہ معاملہ بسبب شدت خوف غفلت کے تھا نہ یہ کہ خضرؑ نے ان کو آگاہ کیا اور نصیحت کی۔ پس ایسے ہی بعضے حالات دوامی کہ بعض صحابہؓ کو نسبت اہل بیت کے یا بعض اہل بیت کو نسبت صحابہؓ کے ظاہر ہوئے اور ایک دوسرے کے ملاحظہ فضیلتوں اور خوبیوں سے غافل کیا ہو کیا عجب اور کیا بعید اور محل طعن و تشنیع کیوں۔

مقدمہ دہم۔ اگر فضیلت خاص نہ ہو تو فضیلتِ عام کو بھی نظر سے گرانا نہ چاہیے اور فضیلت عام کی رعایتوں کا جو حق ہے اس کو بھی نہ چھوڑنا چاہیے اور یہ مقدمہ عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔ لیکن عقلاً، پس ظاہر ہے کہ خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں لازم آتی ہے جیسے انتفاء انسان اور انتفاء حیوان۔ پس جب عام منتفی نہ ہوا ثابت ہوا لِعَدَمِ الْوَاسِطَةِ بَیْنَ النَّفْیِ وَالْاِثْبَاتِ اور جب ثابت ہوا لوازم بھی اس کے ثابت ہوئے تَحْقِیْقًا لِمَعْنَی اللُّزُوْمِ اور اسی واسطے کہا ہے اِذَا ثَبَتَ الشَّیْءُ ثَبَتَ بِلَوَازِمِہٖ (یعنی جب ثابت ہوئی ایک چیز تو ثابت ہوئی مع اپنے لوازم کے)۔ لیکن نقلاً یہ کہ اہلِ کتاب کو جو اہلِ ملت میں داخل ہیں غیر اہلِ کتاب پر اکثر احکام میں فوقیت دی ہے جیسے ان کے ذبیحہ کا کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ہرچند کہ فضیلت خاص یعنی ایمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ان میں نہیں ہے اور مفقود لیکن سوائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب انبیاء پر مطلق ایمان رکھتے ہیں کہ یہ بات مقتضی ان کے امتیاز کی ہے اُس سے جس میں یہ بات نہیں ہے۔ عرب کو کفو کے معاملہ میں عجم پر فوقیت دی ہے اس نظر سے کہ اولاد حضرت اسمٰعیلؑ سے ہیں گو ہم کفو قریش کے نہ ہوں اور قریش کو تمام عرب پر ترجیح ہے گو مثل بنی ہاشم کے نہ ہوں خمس لینے اور زکوٰۃ حرام ہونے میں اور علیٰ ہذا القیاس شریعت میں یہ مقدمہ بہت جگہوں میں ملحوظ و منظور ہے۔ اگر خوف درازی کتاب نہ ہوتا جزئیات ان کے مفصل لکھے جاتے اور قطع نظر اس کے کہ اس مقدمہ کو دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت کیا جائے فرقہ امامیہ کا مانا ہوا ہے اس لیے کہ اولادِ علیؓ ہونا ان کے نزدیک بھی ایک فضیلت ہے جو تمام علویوں میں مشترک ہے اور واجب کرنے والی ان کی محبت کی چنانچہ ان کی کتابوں کی اس کی تصریح ہے۔ حالانکہ بعض علوی منکر امامت اپنے وقت کے اماموں کے ہوئے ہیں لیکن فضیلت عام سے کہ علوی ہونا ہے نہیں نکل جاتے گو فضیلت خاص ان میں منتفی ہے جو اعتقاد امامت تمام ائمہ کا ہے ایسے ہی محب علیؓ کا ہونا اور اپنے کو شیعہ علیؓ کا کہنا ایک بڑی خوبی ہے جس کے سبب سے ائمہ کی امامت کے منکروں کو بھی برا کہنا اور لعن طعن کرنا ان کے نزدیک جائز نہیں ہے لیکن مطلب اول سو اس سبب سے کہ محمد بن حنفیہ جو حضرت امیرؓ کے بیٹے تھے انہوں نے دعویٰ اپنی امامت کا کیا اور منکر امامت امام زین العابدینؒ کے ہوئے اور پرخاش کی یہاں تک کہ نوبت پنچایت کی حجرِ اسود تک پہنچی حجرِ اسود نے بھی گواہی امامت امام زین العابدینؒ کی دی لیکن محمد بن حنفیہ عمر بھر اس دعویٰ سے دست بردار نہ ہوئے اور مختار کو نائب اپنا مقرر کیا اور کوفہ کے شیعہ کو اُس کی رفاقت کے نامے لکھے اور اہلِ شام کی لڑائی اور حضرت امام حسینؓ کے خون کا بدلہ لینے پر اس کو منصوب فرمایا اور مختار نے بعد فتح کے اہلِ شام کے سر مع فتح نامہ اور تیس ہزار دینار کے محمد بن حنفیہ کے پاس بھیجے نہ کہ امام زین العابدینؒ کی خدمت میں اور آخر وقت رحلت میں اپنے لڑکے ابوہاشم کو وصیت امامت کی فرمائی۔

اور جیسا کچھ اعتقاد کہ شیعہ محمد بن حنفیہ اور ان کے بیٹے ابوہاشم کے حق میں رکھتے ہیں اور تعظیم کرتے ہیں ان کی کتابوں میں دیکھنا چاہیے خصوصاً مجالس المؤمنین ہیں۔ اور بھی اس سبب سے کہ زید شہید نے دعویٰ امامت کا کیا اور خروج بشمشیر عمل میں لائے اور کہا کہ ہم اہلِ بیت میں امام وہی ہے کہ ظاہر تلوار کے ساتھ خروج کرے نہ کہ اپنی امامت چھپائے اور یہ زید شہید منکر امامت امام محمد باقرؒ کے ہوئے۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری اور دیگر شیعہ نے ابوبکر حضرمی سے مجالس وغیرہ میں نقل کی ہے اور سلسلہ امامت کا اور یہ دعویٰ ان کی اولاد میں جاری رہا۔ یحییٰ اور متوکل نے بھی خروج کیا ہے اور دعویٰ امامت کا۔ اور اعتقاد شیعہ کا ان شخصوں کے حق میں جیسا کچھ ہے وہ بھی کتبِ شیعہ میں مذکور و مسطور ہے کہ سب کو خوبی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور واجب المحبت جانتے ہیں۔ بلکہ حضرت امام جعفرؒ سے نص صریح زید شہیدؒ کے مناقب میں نقل کرتے ہیں کہ ان کی شہادت کے بعد فرمایا ہے:۔

اَشْرَکَنِیَ اللّٰہُ فِیْ تِلْکَ الدِّمَاءِ وَاللّٰہِ زَیْدٌ عَمِّیْ ھُوَ وَاَصْحَابُہٗ شُھَدَاءُ مِثْلُ مَا مَضٰی عَلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَاَصْحَابِہٖ رَوَاہُ الشَّیْخُ ابْنُ بَابُوْیَہٖ فِی الْاَمَالِیْ عَنْ فُضَیْلِ بْنِ یَسَارٍ۔

شریک کرے اللہ تو مجھ کو اس خون میں قسم خدا کی زید میرا چچا ہے وہ اور اس کے ساتھی سب شہید ہیں جیسے کہ پہلے گزری علی بن ابی طالب اور ان کے اصحاب پر۔ روایت کیا اس کو شیخ ابن بابویہ نے امالی میں فضیل ابن یسار سے۔

اور قاضی نور اللہ مجالس المؤمنین میں بھی فضیل بن یسار کے احوال میں یہ روایت لایا ہے۔ اور بھی اس سبب سے کہ پانچوں لڑکے حضرت امام جعفر صادقؒ کے یعنی محمد و اسحٰق و عبداللہ اور موسیٰ اور اسمٰعیل انھوں نے بھی امامت کے مقدمہ میں خلاف کیا عبداللہ افطح نے جو حقیقی بھائی اسمٰعیل کا تھا ماں اس کی فاطمہ بنت حسین بن حسن بن علی اور اسمٰعیل سب میں اکبر اولاد امام جعفرؒ سے تھے کہ ان کے سامنے فوت ہوتے بسبب دعویٰ وراثت اسمٰعیل کے بعد حضرت جعفرؒ کے دعویٰ امامت کا کیا بموجب قول حضرت امام کے اِنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ فِی الْاَکْبَرِ مَا لَمْ یَکُنْ لَّہٗ عَاھَۃٌ (بے شک یہ امر خلافت کا بڑے کے واسطے ہے جب تک کہ نہ ہو اس میں کوئی آفت) اور غسل بھی حضرت جعفرؒ کو اسی نے دیا تھا اور نماز جنازہ بھی اسی نے پڑھی اور قبر میں بھی اُسی نے رکھا انگوٹھی ان کی اسی نے لی اور حضرت امام نے امانتوں کا وصی بھی اسی کو فرمایا تھا اور محمد نے بھی دعویٰ امامت کا کیا اس کی سند یہ پیش کی کہ حضرت امام محمد باقرؒ نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے فرمایا تھا کہ میرے بعد تیرے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوگا کہ تو اس کا محمد نام رکھے گا وہ امام ہوگا۔ اور اسمٰعیلیہ قائل امامتِ اسمٰعیل کے ہیں اور اسحاقیہ قائل امامتِ اسحٰق کے اور موسویہ قائل امامت موسیٰ کے اور بعد

امام علی رضا کے امام محمد تقی خورد سال و بے خبر تھے اکثر شیعہ منکر اُن کی امامت کے ہوئے اور بعد امام نقی کے موسیٰ بن محمد نے بھی اپنے واسطے دعویٰ امامت کا کیا اور ایک جماعتِ کثیر ان کے تابع ہوئی۔ اور بعد حضرت امام علی نقی کے جعفر بن علی نے دعویٰ امامت کا اپنے لیے کیا۔ اور جو لوگ کہ قائل امامت حسن عسکری کے تھے ان کا حمار یہ لقب رکھا جب امام حسن عسکری نے وفات پائی جعفر نے قوت پکڑی اور کہا کہ حسن بن علی نے کوئی لڑکا نہیں چھوڑا اور امام میں شرط ہے کہ ضرور خلف اس کا ہو پس جو قائل امامت حسنؓ کے تھے وہ بھی اکثر جعفر کی طرف رجوع ہوئے اُنہی میں سے حسن بن علی بن فضال ہے کہ مجتہدوں اور محدثوں اور معتبروں شیعہ سے ہے اور بعد جعفر بن علی کے ان کا لڑکا علی بن جعفر اور لڑکی ان کی فاطمہ بنت جعفر دونوں نے بشرکت دعویٰ امامت کا کیا اور جو لوگ کہ معتقد امامت حسن بن علی عسکری کے ہیں وہ بھی گیارہ فرقے ہیں۔ الحاصل مخالفتیں باہمی ان صاحبوں کی اور انکار امامت ایک دوسرے کا اس قسم کی چیز نہیں ہے جس کو کوئی چھپا سکے۔ ع

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔ خصوصاً درمیان امام حسن عسکریؓ اور جعفر بن علی کے بابت امامت باہم طعن اور نسبت فسق اور ارتکاب کبائر کے بھی واقع ہوئے چنانچہ شیعہ خوب جانتے ہیں پس باوصف ان سب باتوں کے ان بزرگواروں کو بلحاظ اُس نسبت کے جو حضرت امیرؓ سے رکھتے ہیں مقبول و واجب التعظیم جانتے ہیں اور واجب المحبت۔ اور جو جو مخالف باتیں اور جھگڑے ان سے ہوئے ان سے چشم پوشی اور اغماض کرتے ہیں لیکن مطلب ثانی پس اس سبب سے کہ مختار ثقفی بالاجماع منکر امامت امام زین العابدینؒ کا تھا اور اس سے بد افعالیاں بھی صادر ہوئی تھیں اُن سب سے یہ کہ صلبی بیٹے حضرت امیر المؤمنینؓ کو جن کا عبد اللہ نام تھا کوفہ میں مار ڈالا اور اور بُرائیاں اور بد باتیں اس سے ظہور میں آئیں باوصف ان سب کے قاضی نور اللہ نے احوالِ مختار میں علامہ حلی سے نقل کی کہ شیعہ کو اس کے حُسنِ عقیدہ میں کچھ کلام نہیں ہے۔ حد درجہ یہ کہ جو اس کے بعض اعمال پر اعتراض کیا ہے اس کو مذمت اور گالی کے ساتھ گھیر لیا ہے اور حضرت امام باقرؒ نے اس بات پر اطلاع پاکر شیعہ کو تعرض مختار سے منع فرمایا کہ اس نے ہمارے قاتلوں کو مارا ہے اور ہم کو روپے بھیجے ہیں۔ انتہی کلامہ۔ پس معلوم ہوا کہ جس شخص نے اپنے کو شیعہ علیؓ کا کہا اور ان سے نسبت پیدا کی چاہے کوئی ہو مقبول ہے اُس کی مذمت کرنا اور گالی دینا حرام ہے۔ اور بھی اس سبب سے کہ نزدیک اثنا عشریہ کے روایتیں بنی فضال اور واقفیہ اور ناوسیہ کی مقبول ہیں ان کے لعن و طعن بھی جائز نہیں رکھتے اس سبب سے کہ محب علیؓ کے تھے اور اپنے کو شیعہ علیؓ کا کہتے تھے ہر چند منکر امامت بہت سے ائمہ کے تھے۔ اور جب یہ مقدمہ ثابت ہوا پس اہل سنت کہتے ہیں کہ محمدؐ کو بجائے علیؓ کے فرض کرنا چاہیے اور محبت و ایمان جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے بجائے محبت و اعتقاد امامت علیؓ کے رکھنا چاہیے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اقارب و ازواجؓ اور اصحابؓ کہ یہ سب مہاجر و انصار سے ہیں بجائے اولادِ علیؓ کے فرض کرنا چاہیے بعدہٗ اُن لوگوں کو کہ دعویٰ محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کے ساتھ ایمان کا کرتے تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے جہاد کیا اور خدمت ازواج مطہراتؓ اور ان کے خاندان کی

بجالاتے گو باوصف انکار اور ناقدر شناسی اور صدور اعمالِ شنیعہ اور افعال قبیحہ کے بجائے مختار اور بنی فضال کے رکھنا چاہیے اور ان سب کو تولا جائے بلاشبہ ازواجؓ و اصحابؓ کہ منکر خلافت حضرت امیرؓ کے تھے اور ابتداء ہی میں ان سے پرخاش کی جیسے عائشہؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ بلکہ خلفائے ثلٰثہؓ بھی بزعم شیعہ پلّے میں مختار اور محمد بن حنفیہ اور زید شہید اور عبد اللہ افطح اور جعفر بن علی اور علی بن جعفر اور فاطمہ بنت جعفر کے پڑیں گے اور اور معاویہؓ اور عمروؓ بن عاص پلّے میں مختار اور بنی فضال اور واقفیہ کے ہوں گے۔ اور کہتے ہیں کہ محبت علیؓ اور شیعیت علیؓ کی ایسی تاثیر رکھتی ہے کہ یہ لوگ لعن طعن سے محفوظ رہتے ہیں گو امامت اور اماموں کے منکر ہوں اور ان سے پرخاش کریں اور محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے کو امت ان کی گننا اتنی تاثیر نہیں رکھتی کہ علیؓ سے پرخاش اور امامت ان کی سے انکار کرنے والے کو لعن طعن سے محفوظ رکھے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ دو سبب سے خالی اور باہر نہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درجے میں قصور ہے علیؓ کے درجہ سے یا علیؓ کے درجہ کو فوقیت ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ پر اور یہ دونوں شق شیعہ کے نزدیک باطل ہیں کہ ان کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علیؓ دونوں کے درجہ کی مساوات و برابری ثابت ہے جیسا کہ باب نبوت میں گزرا اور عالی ہونا منصب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ نبوت ہے علیؓ کے منصب پر کہ امامت ہے علاوہ اس مساوات کے ہے۔ اسی واسطے جملہ کتابوں میں شیعہ کی امامت کو نیابت نبی کی کہا ہے۔ اور جب دسوں مقدمے خاطر نشین ہوئے تو نتیجہ ان سے نکالنا چاہیے۔ واللہ الموفق والهادی الی المقاصد و المبادی۔

خاتمة الكتاب

الحمد للہ والمنۃ کہ یہ کتاب عجیبہ کہ جس کا نام تحفہ اثنا عشریہ ہے بعد گزرنے [۱۲۰۰] بارہ سو برس ہجرت نبوی حضرت خیر الانام علیہ و علی اہل بیتہ و اصحابہ التحیۃ والسلام کے لکھی گئی اور ختم ہوئی اور شکر و احسان خدا کا کہ موافق اس شرط کے جس کا اشارہ ہم نے ابتدائے کلام میں کیا تھا انجام کو پہنچی۔ اب فضلِ جنابِ باری تعالیٰ سے یہ امیدواری ہے کہ اس تحفے کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرماکر جمیع مؤمنین و مؤمنات کو اس سے بہت سا حصہ عطا فرمائے اور راقم اِس رسالہ کو اجر نیک اور ثوابِ عظیم میں مفضل کرے اپنے احسان و کرم کے طفیل سے اور سیکڑوں عجز و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جناب میں التجا و سوال کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کی تحریر و تقریر میں کوئی بیہودگی زبانی یا لغزشِ قلمی ایسی ہوئی ہو جو اس کے خلافِ مرضی ہو اس کے حق میں یا اس کے دوستوں کے حق میں اِس رسالہ میں واقع ہوئی ہو اپنی محض عنایت بے غایت سے معاف فرمائے اور دنیا و آخرت میں مواخذہ نہ کرے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خاتمۂ مترجم

الٰہی ترے فضل و احسان سے
ترے عون و امداد نے اے کریم!
ترے حُسنِ توفیق سے میرے ربّ!
تو ہی بخش اب اس کو زیبِ قبول
یہ مرغوب ہو خاص اور عام کو
جگہ دیں اسے آنکھ میں دیدہ ور
رکھیں خال دیدہ پہ تعظیم سے
نہ ہوں سیر سے اس کے اِک لحظہ سیر
پذیرائے پیرایہ بخشے اِسے
بصیرت کی بن جائے چشم و چراغ
یہ اُس متن کا ترجمہ ہے کہ جو
تسنّن تشیّع جو ہیں دو طریق
الٰہی مری اب یہ ہے التجا
جو دیکھے سُنے خاص دل سے کہے
تو مقبول فرما اسے اے مجیب!
مجھے اس کی تاریخ کی فکر تھی
یہ بولا کہ تحسین ہے تاریخ کو
کہا میں نے کیا؟ تب کہا اس نے یوں

ہوا ترجمہ میرا یہ رو براہ
عطا کی مِرے دل کو یہ دستگاہ
ہُوا کوہِ سنگیں گراں مجھ کو کاہ
رکھ انگشت اور چشم بد سے نگاہ
یہ مشہور ہو تا بہ مہر اور ماہ
دلوں کی بغل اس کی ہو جائے گاہ
پڑھیں شوق سے اس کو شام و پگاہ
بنے دل کے خاطر خوش آرام گاہ
قبول اس کی ہو جائے تاج و کلاہ
بڑی سوجھ بوجھ اس کو بخشے اللہ
ہے اِک تحفۂ غیب بے عیب واہ
عیاں اِس سے بے راہ ہیں اور براہ
تری پاک درگاہ میں بادشاہ
مصنفؒ مترجم کو طاب ثراہ
بحقِّ محمد علیہ الصلوٰۃ
کہ ناگہ عزیزی معزّ الٰہ
بتاتی ہے بے شک و بے اشتباہ
ہوا خوب یہ ترجمہ واہ واہ
۱۳۰۷ھ

کہ دل بس اسے اب خدا کے سپرد
کہ وہ چشمِ حاسد سے رکھے نگاہ